عنبر ناگ ماریا
(قسط نمبر ۳۱)
سانپ اور دیوتا
اے حمید

فہرست

جادوگر زمبو

کالا جادو

شاہی قبرستان

خزانے کی تلاش

بندرگاہ دور سے دکھائی دینے لگی۔

سوداگر کے بادبانی جہاز کے بادبان اتار دیے گئے۔ جہاز کم رفتار کے ساتھ چلتا ہوا بندرگاہ کیساتھ جا لگا۔ وہاں کے لوگوں کو پہلے ہی پتہ چل گیا تھا کہ جاپان کے سمندری جزیروں سے ایک جہاز غلاموں کو بھر کر لا رہا ہے۔ بڑے بڑے امیر لوگ وہاں غلام خریدنے کے لیے پہلے ہی سے موجود تھے۔ سوداگر نے عنبر سے وعدہ کر لیا تھا کہ وہ دوبارہ

کبھی زندگی میں غلاموں کی تجارت نہیں کرے گا۔وہ عنبر کا بے حد احترام کرتا تھا اور اس کی طاقتوں سے خوف بھی کھاتا تھا۔مگر کپتان کی نیت خراب ہو چکی تھی۔ جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے تھے۔ کپتان نے سازش کر رکھی تھی کہ وہ خزانے کی تلاش میں جاتے ہوئے راستے میں سوداگر کو قتل کر کے سمندر میں پھینک دے گا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر جہاز پر قبضہ کر کے خزانے کی تلاش وہ خود کرے گا۔اس سازش میں کپتان کے ساتھ جہاز کے دس بارہ جہازی بھی شریک تھے۔

عنبر جہاز کے عرشے پر سوداگر اور کپتان کے ساتھ کھڑا سیڑھی لگنے کا انتظار کر رہا تھا۔رخسانہ بھی عنبر کے پاس ہی کھڑی تھی۔سوداگر نے رخسانہ کو آزاد کر دیا تھا۔عنبر کا خیال تھا کہ وہ رخسانہ کو یاماہا کی بندرگاہ پر اس کے ایک رشتے دار کے حوالے کر دے گا۔رخسانہ کا یہ رشتے دار

شہر کے اندر ریشمی قالینوں کا کاروبار کرتا تھا۔ بندرگاہ کے قلی سیڑھی اٹھا کر جہاز کے ساتھ لگا رہے تھے۔سوداگر نے عنبر سے کہا۔

”آپ یہاں دوسرے جہاز کا انتظار کریں گے یا میرے ساتھ آگے چلنے کا ارادہ ہے؟ میں یہاں سے چار دن کا سفر کر کے دوسرے شہر سے تجارت کا مال لے کر واپس جنوبی افریقہ چلا جاؤں گا۔اگر آپ میرے ساتھ تشریف لے چلیں تو میں جنوبی افریقہ سے آپ کو جاپان جانے والے جہاز میں سوار کروادوں گا“۔

عنبر نے پوچھا

”اس بندرگاہ سے مجھے جاپان جانے والا جہاز کب مل سکے گا؟“

کپتان نے کہا

”یہاں سے اب ایک ماہ کے بعد جاپان کو جہاز جائے گا۔ کیونکہ ابھی دس روز ہوئے یہاں سے ایک جہاز جا چکا ہے“۔

عنبر نے کہا:

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ مجھے ایک مہینہ اس اجنبی بندرگاہ پر رک کر جہاز کا انتظار کرنا ہوگا''۔

کپتان نے کہا

''جی ہاں' لیکن اگر میرے ساتھ تشریف لے چلیں تو بہتر ہوگا۔ اگر آپ کی مرضی اس شہر کی سیر کرنے کی ہے تو میں آٹھ روز بعد یہاں سے گذروں گا۔ میں واپسی پر آپ کو یہاں سے لے چلوں گا''۔

عنبر بولا:

''ہاں' میرا خیال ہے' یہ تجویز زیادہ اچھی لگتی ہے۔ میں آپ کا اسی بندرگاہ پر آٹھویں روز انتظار کروں گا۔ اس دوران میں اس نئے شہر کی سیر بھی ہو جائے گی اور رخسانہ بہن کو بھی اس کے رشتہ داروں کے حوالے کردوں گا''۔

سوداگر نے کہا:

''کیا یہ آپ کا آخری فیصلہ ہے؟''

عنبر بولا

''ہاں' یہ میرا آخری فیصلہ ہی سمجھیں''۔

اتنی دیر میں سیڑھی جہاز کے ساتھ لگا دی گئی۔ سب سے پہلے عنبر' سوداگر اور رخسانہ نے زمین پر قدم رکھا۔ عنبر' رخسانہ کو لے کر اس کے رشتے دار دار کے ہاں چل دیا۔ ان کے بعد جہاز پر سے غلاموں کو زنجیروں میں جکڑ کر اتارنا شروع کر دیا گیا۔ عنبر کے کہنے پر سوداگر نے عورتوں اور بچوں کو بھی آزاد کر دیا تھا۔ اسی وقت بندرگاہ پر منڈی لگ گئی۔

غلاموں کو بولی دے کر نیلام کیا جائے گا۔ امیر لوگ غلاموں کو اچھی طرح سے دیکھ بھال کر خرید رہے تھے۔ جن عورتوں اور بچوں کو آزاد

کر دیا گیا تھا۔ وہ ایک طرف بیٹھے آپس میں خوش ہو ہو کر باتیں کر رہے تھے۔ انہیں اتنے پیسے دے دیئے گئے تھے کہ وہ دوسرے جہاز کا کرایہ ادا کر کے واپس جاپان اپنے وطن جا سکیں۔

عنبر نے سوداگر سے کہا تھا کہ وہ رخسار کو اس کے رشتے داروں کے حوالے کر کے شام تک واپس جہاز پر آ جائے گا۔ عنبر وہ رات جہاز پر ہی بسر کرنا چاہتا تھا۔ دوپہر تک سارے کے سارے غلام فروخت کر دیئے گئے۔ غلاموں سے جہاز خالی ہو گیا تو سوداگر نے کپتان سے کہا۔

"ہمیں کل تک کھانے پینے کا سارا سامان جہاز میں ڈال لینا چاہیے تا کہ اگلا سفر آسانی سے کٹ جائے:

کپتان اصل میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ سوداگر وہاں سے آگے دوسری بندرگاہ پر تجارت کا سامان خریدنے جائے۔ اس کی خواہش تھی بلکہ

چال بھی تھی کہ سوداگر کو اسی جگہ سے گمنام جزیرے کی طرف لے جایا جائے تاکہ راستے میں اس کام کے لیے کپتان نے اپنے ساتھیوں کو بالکل تیار کر رکھا تھا۔ اب جو اس نے دیکھا کہ سوداگر عنبر سے یہ کہہ رہا ہے کہ وہ وہاں سے آگے تجارتی مال خریدنے جائے گا تو اسے اپنی چال ناکام ہوتی نظر آئی۔ اس نے سوداگر سے کہا:

"حضور، آپ شاید جزیرے والے خزانے کو بھول گئے ہیں"۔

سوداگر بولا:

"ارے ہاں خوب یاد دلایا۔ میں تو خزانے کو بھول ہی گیا تھا۔ تمہارے پاس تو اس کا پورا نقشہ موجود ہے"۔

کپتان نے خوش ہو کر کہا:

"حضور، ایک بار آپ خزانے پر پہنچ گئے تو ساری زندگی کاروبار کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔ اتنی دولت، اتنے ہیرے

جواہرات ہاتھ لگیں گے کہ آپ کی اولادیں سکھ چین کی زندگی بسر کریں گی۔ پھر آپ کو سمندروں میں بھٹکتے پھرنے کی کوئی ضرورت نہ ہوگی۔ ساری زندگی عیش آرام سے گزرے گی۔“

سوداگر بولا:

”تمہاری بات میرے دل کو لگتی ہے۔ اگر خزانہ مل گیا تو پاؤ بارہ ہو جائیں گے۔ میں بھی اس زندگی سے تنگ آ گیا ہوں۔

کپتان نے کہا:

”اور سرکار آپ نے عنبر سے وعدہ بھی کرلیا ہے کہ آئندہ غلاموں کی تجارت نہیں کریں گے۔ تو پھر یہ نقصان اسی طرح پورا ہوگا کہ آپ خزانے کو حاصل کریں۔ خزانے کے جواہرات فروخت کر کے آپ اس قسم کے سات جہاز اور تیار کروا سکتے ہیں۔ آپ کا ہر بندرگاہ پر ایک عالی شان محل ہوگا۔ آپ کے تجارتی جہاز سمندر میں سفر کریں

گے اور آپ گھر بیٹھ کر آرام سے زندگی بسر کریں گے“۔

سوداگر پیسے اور دولت کا بڑا لالچی تھا۔ مکار کپتان نے اسے کچھ ایسے سبز باغ دکھائے کہ وہ آگے جا کر تجارتی مال خریدنے کی بجائے کپتان کے ساتھ خزانے کی تلاش میں جانے پر راضی ہوگیا۔ آدھا تیار تو وہ پہلے ہی تھا۔ باقی آدھا تیار کپتان نے اپنی لچھے دار باتوں سے کر دیا۔

ادھر عنبر رخسانہ کو لے کر شہر کے اندر آ گیا۔ یہاں اس نے رخسانہ کے رشتے دار سوداگر کی تلاش شروع کر دی۔ رخسانہ کو اتنا معلوم تھا کہ اس کا ایک ماموں وہاں قالینوں کا کاروبار کرتا ہے۔ پوچھتے پوچھتے آخر عنبر رخسانہ کے ماموں کی حویلی پر پہنچ گیا۔ یہ بہت خوبصورت اور اونچی لمبی حویلی تھی جس کے باہر دربان کھڑا تھا۔ عنبر نے دربان سے پوچھا کہ حویلی کے مالک کا کیا نام ہے؟ دربان نے نام بتایا تو وہ

رخسانہ کا ماموں نکلا۔ معلوم ہوا کہ رخسانہ کا ماموں اپنے بچوں سمیت کسی دوسرے شہر گیا ہوا ہے اور ایک ماہ سے پہلے واپس نہیں آئے گا۔

عنبر سوچنے لگا کہ وہ رخسانہ کو کس کے حوالے کرے دربان کو جب معلوم ہوا کہ مالک کی بھانجی آئی تو اس نے بڑے ادب کے ساتھ عنبر اور رخسانہ کو بیٹھک میں بٹھایا اور بولا:

"حضور، آپ پریشان نہ ہوں۔ رخسانہ ہماری بیٹی ہے۔ اسے آپ میری بیوی بچوں کے پاس چھوڑ جائیں۔ ہم ان کے ماموں جان کا نمک کھاتے ہیں۔ ہماری یہ بھی مالکن ہیں۔ یہ ہمارے پاس بڑی ہنسی خوشی رہیں گی۔ اور انہیں یہاں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوگی۔

عنبر نے رخسانہ سے پوچھا:

"رخسانہ بہن، تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا تم یہاں رہنے کو تیار ہو؟"

رخسانہ بولی:

"پیارے بھائی، یہ میرے ماموں کا گھر ہے۔ میں یہاں بڑی خوشی کے ساتھ رہ لوں گی۔ اس لیے کہ میں تمہارے ساتھ بھی نہیں جا سکتی۔ کیوں کہ تمہیں جہاز کا انتظار کرنا ہے۔ اگر تم بھی میرے ساتھ اس حویلی میں رہ لو تو بڑا اچھا ہو۔ جہاز کی واپسی تک ہم اسی حویلی میں انتظار کریں گے۔ اس طرح سے میرا دل بھی لگ جائے گا"۔

عنبر نے کہا:

"جیسے تمہاری مرضی رخسانہ بہن، میں بھی تمہارے ساتھ اسی حویلی میں رہ جاتا ہوں۔ آخر مجھے بھی تو واپس جاپان ہی جانا ہے"۔

عنبر نے رخسانہ کو دربان کی بیوی بچوں کے حوالے کیا اور خود شہر کی سیر کرنے حویلی سے نکل پڑا۔ یہ بندرگاہ کا شہر تھا۔ سمندر کے تجارتی راستے پر ہونے کی وجہ سے وہاں بڑی چہل پہل تھی۔ اگرچہ یہ کوئی بڑا شہر نہیں تھا پھر بھی وہاں رونق تھی۔ دکانوں پر لوگ خرید و فروخت کر

رہے تھے۔ باغوں میں بچے جھولے جھول رہے تھے۔ عبادت گاہوں
میں عورتیں اور مرد عبادت کرنے جا رہے تھے۔ دوسری طرف کھیتوں
میں خریدے ہوئے غلام جانوروں کی طرح کام کر رہے تھے اور ان
کے سروں پر مالک ہنٹر لیے کھڑے تھے۔ عنبر سیر کرتے کرتے شہر کے
اس علاقے میں آ گیا جہاں ماہی گیر سمندر کنارے کشتیوں میں بیٹھے
مچھلیاں پکڑ رہے تھے۔

کافی دیر تک وہ سمندر کنارے کھڑا ماہی گیروں کو گیت گاتے اور
مچھلیاں پکڑتے دیکھتا رہا۔ پھر وہ ادھر ادھر کی سیریں کرتا واپس اپنے
جہاز پر آ گیا۔ کپتان نے سوداگر کو تاکید کر دی تھی کہ وہ عنبر کے ساتھ
خزانے کی تلاش کے بارے میں کوئی بات نہ کرے۔ اس لیے کہ
کپتان ڈرتا تھا، کہیں عنبر بھی ساتھ نہ چل پڑے۔ اسے معلوم تھا کہ اگر
عنبر بھی ان کے ساتھ گیا تو وہ اپنی چال میں کامیاب نہ ہو سکے گا عنبر

بندرگاہ پر پہنچا تو سوداگر جہاز پر کھڑا تھا۔ عنبر کو دیکھ کر اس نے پوچھا:

"کیا بچی کو اس کا ماموں مل گیا؟"

عنبر نے کہا:

"ماموں تو نہیں ملا، مگر اس کا گھر مل گیا ہے"۔

سوداگر نے کہا:

"چلو اچھا ہوا۔ ایک ذمے داری کا بوجھ تو اتر گیا"۔

عنبر بولا:

"ہاں، لیکن میں نے اسی کی حویلی میں رہنے کا فیصلہ کیا ہے۔ میں
چاہتا ہوں کہ رخسار کو خود اس کے ماموں کے حوالے کروں۔ وہ کسی
دوسرے شہر گیا ہوا ہے۔ ایک ماہ تک واپس آ جائے گا۔ اتنی دیر تو
ویسے بھی مجھے اس شہر میں رہ کر جاپان جانے والے جہاز کا انتظار کرنا
تھا"۔

سوداگر کہنے لگا:

"ہاں، یہ تو ہے۔ میرا ارادہ پرسوں یہاں سے لنگر اٹھانے کا ہے"۔

عنبر سوداگر کے پاس تخت بیٹھ گیا۔

"اتنی جلدی؟ تم نے تو کہا تھا کہ تم کم از کم ایک ہفتہ یہاں ٹھہرو گے"۔

سوداگر کے قریب ہی کپتان بھی آ کھڑا ہو گیا۔ کپتان کو ڈر تھا کہ کہیں سوداگر اسے اصلی بات نہ بتا دے کہ وہ خزانے کی تلاش میں جا رہے ہیں۔ کپتان کے کان کھڑے ہو گئے۔ سوداگر جان بوجھ کر عنبر سے دل کی بات چھپا گیا اور بولا:

"کھانے پینے کا سارا سامان لاد لیا گیا ہے۔ سوچتا ہوں اب یہاں یوں ہی بے کار کھڑے رہنے سے کہیں اچھا ہے کہ چل کر کاروبار کیا جائے۔ غلاموں کی تجارت چھوڑنے کا نقصان بھی تو پورا

کرنا ہوگا"۔

عنبر نے مسکرا کر کہا:

"مجھے خوشی ہوئی ہے کہ تم نے ایک برے کام سے توبہ کر لی ہے۔ اس کا تمہیں فائدہ پہنچے گا۔ بہرحال میری دعا ہے کہ تم اپنے کاروبار میں ترقی کرو۔ تم جہاں رہو خوش رہو"۔

سوداگر نے مکاری سے کہا:

"بس مجھے تو تمہاری نیک تمنائیں چاہئیں۔ تم نے میری زندگی کی کایا پلٹ دی ہے۔ اب مجھے دنیا میں کسی شے کا بھی لالچ نہیں رہا۔ میں چاہتا ہوں کہ دیانت داری سے کام کروں اور جو روکھی سوکھی ملے اسی پر گزارہ کروں"۔

حالانکہ سوداگر پہلے سے زیادہ لالچی ہو گیا تھا اور خزانے کی تلاش میں اپنی زندگی کا خطرہ مول لے رہا تھا۔

عنبر نے کہا:

''میں تم سے بہت خوش ہوں کہ تم ایک اچھے انسان بن گئے ہو۔ مجھے یقین ہے کہ تم ساری زندگی انسان ہی بنے رہو گے''۔

سوداگر بولا:

''میں نے ساری زندگی اچھا انسان بنے رہنے کا فیصلہ کر رکھا ہے۔ عنبر، تم زندگی میں جب کبھی بھی مجھے ملو گے ایک اچھا انسان ہی پاؤ گے''۔

کپتان نے جھوٹ موٹ منہ بنا کر کہا:

''ان کے ساتھ ہمیں بھی اب غریبی میں عمر بسر کرنی پڑے گی''۔

عنبر نے کہا

''کپتان صاحب، نیک اور سچی زندگی اگر غریبی میں بھی بسر ہو تو اس پر خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ برے آدمی کا انجام ہمیشہ برا ہوتا

ہے۔ چاہے وہ کتنا ہی دولت مند کیوں نہ ہو''۔

سوداگر نے سر جھکا کر کہا:

''واہ واہ، بجا ارشاد فرمایا''۔

تھوڑی دیر وہاں بیٹھنے کے بعد عنبر واپس رخسانہ کے پاس چلا گیا۔

دوسرے روز رات گئے تک کپتان اور سوداگر سفر پر روانہ ہونے کی تیاریاں کرتے رہے۔ جہاز کے بادبانوں کی پھر سے مرمت کی گئی۔ پانی اور کھانے کی چیزوں کا اور زیادہ ذخیرہ جمع کر دیا گیا۔ کیونکہ خزانے والے جزیرے کا سفر لمبا تھا۔ شام کو عنبر جہاز پر آیا۔ اور سوداگر سے آخری ملاقات کر کے واپس چلا گیا۔ کیوں کہ صبح جہاز اپنے دشوار سفر پر روانہ ہو رہا تھا۔ سوداگر نے کچھ اور ملاح بھرتی کرنے کا خیال ظاہر کیا تو کپتان نے کہا:

''اس کی کیا ضرورت ہے حضور، جہاز پر اس وقت جتنے ملاح کام کر

رہے ہیں اتنے ہی کافی ہیں‘‘۔

اس لیے کہ کپتان نہیں چاہتا تھا کہ نئے لوگ جہاز پر آئیں۔ اس کے ساتھ جہاز کے آدھے ملاح مل گئے تھے۔ ان کی مدد سے وہ راستے میں ہی بغاوت کر کے جہاز پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔

سوداگر نے کہا:

’’میرا خیال ہے کہ گمنام جزیرے پر پہنچ کر ہمیں کچھ ملاحوں کو جہاز پر رکھنا ہوگا اور کچھ کو اپنے ساتھ لے کر جانا ہوگا۔ اس لیے اور لوگوں کا بھرتی کرنا ضروری ہے‘‘۔

کپتان جھٹ بولا:

’’حضور! آپ خواہ مخواہ خرچہ کیوں بڑھا رہے ہیں؟ مجھے ایک کپتان ہونے کی وجہ سے بڑا تجربہ ہے اور مجھے یقین ہے کہ اتنے ہی ملاح ہمارے لیے کافی ہیں‘‘۔

سوداگر کپتان کی باتوں میں آ گیا۔

’’چلو جیسے تمہاری مرضی‘‘۔

کپتان کی جان میں جان آئی۔ کیوں کہ وہ زیادہ آدمیوں کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ ظاہر ہے اگر نئے لوگ بھرتی کیے جاتے ہیں تو وہ سوداگر کے وفادار ہوتے۔ سوداگر جہاز کا مالک تھا۔ کپتان کے لیے انہیں بغاوت پر اکسانا ایک مشکل تھا۔ اتنی جلدی وہ نئے لوگوں کو بغاوت کرنے پر آمادہ نہیں کر سکتا تھا۔

رات کو جب سوداگر وغیرہ جہاز پر سو گئے تو کپتان نے اپنے خاص آدمیوں کو کمرے میں بلایا اور کہا:

’’وقت قریب آ رہا ہے۔ صبح جہاز اپنے سفر پر روانہ ہونے والا ہے۔ تم لوگوں کو پوری طرح تیار رہنا ہوگا۔ ایک دن کے سفر کے بعد یعنی کل رات کو ہمیں بغاوت کر دینی ہوگی۔ سب سے پہلے ہمیں جہاز

کے مالک سوداگر کو قتل کر کے اس کا سر بادبان کے رسے کے ساتھ لٹکا
دینا ہوگا۔ پھر ایک ایک کر کے سوداگر پر سارے کے سارے ساتھی
ٹوٹ پڑنا۔ بس پھر ہم جہاز پر قبضہ کر لیں گے اور خود جا کر خزانے کو
تلاش کریں گے۔ میرے پاس خزانے کا نقشہ موجود ہے۔ ہم خزانہ
حاصل کر کے رہیں گے۔ میں اپنے وعدے کو ایک بار پھر دہراتا ہوں
کہ خزانے کو جہاز پر لانے کے بعد اس کی ساری دولت آپس میں
برابر تقسیم کر دی جائے گی''۔

آدھی رات کے بعد یہ لوگ عرشے پر جا کر سو گئے۔

دوسرے دن منہ اندھیرے ہی جہاز کا لنگر اٹھا لیا گیا۔ بادبان کھول
دیے گئے اور موافق ہوا میں جہاز نے بندرگاہ سے کھسکنا شروع کر
دیا۔ سوداگر اور کپتان جہاز کے عرشے پر کھڑے بندرگاہ اور شہر کی
عمارتوں کو دور ہوتے دیکھ رہے تھے۔ بندرگاہ کا ساحل نظروں سے

ہٹنے لگا اور آخر ساحل سمندر میں گم ہو گیا۔ اس وقت جہاز پانی کی
لہروں پر گمنام جزیرے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

غاروالا مقبرہ

اب ہم آپ کو واپس جاپان کے شہر کیوشو لیے چلتے ہیں۔

کیوشو میں ناگ اور ماریا شہزادے کے ٹیلے والے شاہی محل میں رہ رہے ہیں۔ ماریا ناگ کے کمرے میں ہی ایک طرف قالین پر پڑ کر سو جاتی ہے۔ اس کا سوائے ناگ کے کسی کو علم نہیں۔ کیونکہ وہ غائب ہے اور کسی کو دکھائی نہیں دیتی۔ بادشاہ اور شہزادہ پوری طرح تندرست ہو گئے ہیں۔ وزیر اور سپہ سالار نے بادشاہ اور شہزادے کو ہلاک کرنے کی

جو سازش کی تھی وہ ناکام ہو گئی ہے۔ اس نے جس جس کو ناگ کے قتل کرنے کے لیے بھیجا وہ خود قتل ہو گیا اور واپس نہ آیا۔ آخری بار جلاد گیا۔ اس کی بھی لاش کمرے میں پڑی ہوئی ملی۔ ناگ نے بادشاہ کو بتایا کہ جلاد اسے مارنے آیا تھا کہ سانپ نے اسے ڈس دیا۔ یہ اس نے نہیں بتایا کہ وہ خود سانپ بن گیا تھا۔

وزیر اور سپہ سالار بڑے پریشان تھے کہ آخر ناگ میں ایسی کون سی بات ہے کہ اسے کوئی بھی ٹھکانے نہیں لگا سکا۔ ایک بات کی انہیں خوشی تھی کہ انہوں نے عنبر کو ختم کر دیا تھا۔ وہ تو کم از کم یہی سمجھ رہے تھے کہ عنبر دریا کی لہروں میں بہتا لاش بن گیا ہوگا۔ انہیں کیا معلوم تھا کہ وہ دور سمندر پار ایک شہر میں رخسانہ کے ساتھ حویلی میں رہ رہا ہے۔ اب انہیں جو پریشانی تھی وہ ناگ کے بارے میں تھی۔ وہ جلدی سے جلدی ناگ کو اپنے راستے سے ہٹانا چاہتے تھے۔ کیونکہ ناگ ہی ان کے

راستے کی بہت بڑی رکاوٹ تھی۔ وزیر نے جھنجھلا کر کہا:

''اس کم بخت کو جانے کیسے زہر کا پتہ چل جاتا ہے۔ اس کی جگہ شاہی محل کا کوئی اور حکیم ہوتا تو اسے کبھی یہ معلوم نہ ہو سکے کہ کھانے میں زہر ملا لیا گیا ہے۔ مگر مصیبت یہ ہے کہ ناگ چمچ کے ساتھ لگے ہوئے معمولی سے معمولی زہر کی تہہ کو بھی سونگھ کر جانچ لیتا ہے۔ اس کی وجہ سے ہم بادشاہ اور شہزادے کو زہر نہیں دے سکتے''۔

سپہ سالار بولا:

''میں تو کہتا ہوں کہ بادشاہ اور شہزادے کو ہی قتل کر دیا جائے۔ روز روز کی جھک جھک ہی ختم ہو جائے گی''۔

وزیر نے عقلمندی سے سر ہلا کر کہا:

''خبردار سپہ سالار! ایسا کبھی مت سوچنا۔ ایسی خطرناک حرکت کبھی نہ کر بیٹھنا۔ ساری رعایا اور پوری فوج شہزادے اور بادشاہ سے محبت

کرتی ہے۔ انہیں پتہ چل گیا کہ بادشاہ اور شہزادے کو قتل کر کے ہم تخت پر بیٹھ گئے ہیں تو وہ ہمیں کبھی زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ وہ فوراً سمجھ جائیں گے کہ یہ کام سوائے ہمارے اور کسی کا نہیں ہو سکتا ہے''۔

سپہ سالار نے کہا:

''لیکن آخر ہم کب تک انتظار کرتے رہیں گے؟ نہ بادشاہ مرتا ہے نہ شہزادہ مرتا ہے اور نہ ناگ مرتا ہے۔ آخر ہم کریں تو کیا کریں؟ کیا ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں؟''

وزیر نے سوچ کر کہا:

''ناگ ہمارے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ اسے راستے سے ہٹائے بغیر ہم اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اسے کسی نہ کسی طرح ٹھکانے لگانا ہوگا''۔

''یہ تو ہم دونوں جانتے ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ اس کم بخت کو

راستے سے کیسے ہٹایا جائے؟ ایسی کون سی ترکیب کی جائے کہ ناگ ختم ہو جائے؟''

سپہ سالار کی اس بات پر وزیر نے کہا:

''آ گئی ترکیب''۔

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ ترکیب میرے ذہن میں آ گئی ہے''۔

سپہ سالار نے پوچھا:

''آخر مجھے بھی تو معلوم ہو کہ وہ کیا ترکیب ہے؟''

وزیر نے عیاری سے مسکرا کر کہا:

'یہ تجویز مجھے اس سانپ نے سجھائی ہے جس نے جالا دکو ڈسا تھا۔ ہم ناگ کے کمرے میں زہریلا سانپ چھوڑ دیں گے۔ وہ ایک ایسا سانپ ہوگا۔ جس کا ڈسا پانی نہیں مانگتا۔ یہ سانپ رات کے وقت

ناگ کے کمرے میں چھوڑ دیا جائے گا۔ صبح کو ناگ مردہ ہوگا''۔

سپہ سالار خوش ہو گیا:

''وزیر' میں تمہارے دماغ کی داد دیتا ہوں۔ سچ مچ یہ ایک اچھی ترکیب ہے۔ سانپ کے ڈسنے سے ناگ نہیں بچ سکے گا۔ مگر ایسا سانپ ہمیں کہاں ملے گا؟''

وزیر نے مونچھوں پر انگلی پھیرتے ہوئے کہا:

''اس کا سب بندوبست میں کر لوں گا۔ میں آج ہی اس ملک کا سب سے زہریلا سانپ حاصل کرتا ہوں۔ میرے ایک دوست کو زہریلے سانپ پالنے کا شوق ہے۔ میں اس کے گھر سے سانپ منگوا کر ناگ کے کمرے میں چھوڑ دوں گا۔ اس دفعہ وہ ہمارے پنجے سے بچ کر نہ جا سکے گا''۔

وزیر نے اسی روز اپنے خاص دوست کو بلایا اور بلا کر کہا کہ وہ اسے

ملک کا سب سے زیادہ زہریلا سانپ لا کر دے۔ وہ ایسا زہریلا سانپ ہو کہ جس کے ڈسنے سے انسان ایک ہی پل کے اندر اندر مر جائے۔ وزیر کے دوست نے کہا:

''سرکار عالی! آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔ میں کل ہی آپ کی خدمت میں ایسا سانپ پیش کروں گا۔ جس کی پھنکار اگر آدمی کے چہرے پر پڑ جائے تو وہاں چھالے پڑ جائیں اور دیکھتے ہی دیکھتے آدمی گر کر دم توڑ دے''۔

وزیر نے خوش ہو کر کہا:

''شاباش! مجھے ایسا ہی سانپ چاہیے تھا۔ کل اسے لا کر میرے حضور پیش کرو اور سنو! خبردار کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائے کہ تم نے مجھے سانپ لا کر دیا ہے''۔

اس نے سر جھکا کر کہا۔

''سرکار! آپ اطمینان رکھیے۔ میں مر بھی جاؤں گا مگر کسی کو یہ نہ بتاؤں گا کہ حضور کو میں نے سانپ لا کر دیا ہے''۔

''ٹھیک ہے! اب تم جا سکتے ہو۔ میں صبح تمہارا انتظار کروں گا''۔

دوسرے دن وہ آدمی سانپ لے کر وزیر کے حضور پیش ہوا۔ وزیر اسے لے کر خاص کمرے میں آ گیا۔ یہاں سپیرے نے اپنے لباس کے اندر سے مٹی کا ایک کٹورا نکالا اور اسے وزیر کے سامنے رکھ کر بولا:

''حضور! یہ وہ زہریلا سانپ جس کا کاٹا پانی نہیں مانگتا۔ اجازت ہو تو میں کھول کر آپ کو دکھا دوں''۔

''ہاں ہاں تمہیں اجازت ہے۔ مگر اتنا خیال رہے کہ تمہارے ہاتھ سے سانپ گرنے نہ پائے''۔

''حضور، ساری عمر زہریلے سانپوں کو کھلاتے گزری ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ سانپ میرے ہاتھ میں آ کر گر پڑے''۔

سپیرے نے کٹورے کے منہ پر لپٹا ہوا کپڑا الٹا دیا۔ اندر سے سانپ نے پھنکار ماری۔ سپیرے نے اپنے ہاتھ پر کپڑا لپیٹا اور اندر ہاتھ ڈال کر سانپ کو گردن سے پکڑ کر باہر نکال لیا۔ یہ سانپ سبزی مائل سیاہ تھا۔ اس کے سارے جسم پر زرد رنگ کے داغ تھے۔ اگرچہ وہ چھوٹا تھا مگر اس کی سرخ آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ وزیر سانپ کو دیکھ کر بڑا خوش ہوا، کہنے لگا:

”مجھے یقین ہے یہ وہ کام ضرور کرے گا۔ جسے میرے بہادر سے بہادر وفادار ساتھی بھی نہیں کر سکے“۔

سپیرے نے سر کو جھکا کر کہا:

”جناب عالی، آپ حکم کریں تو یہ سانپ ایک ہی وقت میں دو آدمیوں کا کام تمام کر سکتا ہے۔ اس کے اندر بہت زہر ہے۔ اس کے زہر سے انسان کا خون سیاہ ہو کر رگوں میں پتھر بن کر جم جاتا ہے اور

انسان ستون کی طرح نیچے گر کر مر جاتا ہے“۔

”ٹھیک ہے اسے میرے پاس چھوڑ دو“۔

سپیرا سانپ کو وزیر کے پاس چھوڑ کر چلا گیا۔ وزیر نے سانپ کا کٹورا ایک صندوق میں بند کر کے اسے تالا لگا دیا۔ اس کے بعد اس نے سپہ سالار کو بلا کر اسے بتایا کہ سانپ حاصل کر لیا گیا ہے۔

”بس اب اس سانپ کو ناگ کے کمرے میں چھوڑنا باقی ہے“۔

سپہ سالار نے پوچھا:

اور یہ کام کون کرے گا؟ آدمی ایسا ہونا چاہیے جو وفادار اور اعتباری ہو“۔

وزیر کے چہرے پر کمینہ مسکراہٹ آ گئی۔ کہنے لگا:

”گھبراؤ نہیں سپہ سالار، جو آدمی ناگ کے کمرے میں سانپ چھوڑ کر آئے گا وہ بھی زندہ نہیں رہے گا۔ اور جب وہ زندہ نہیں رہے گا تو

یہ راز، راز نہیں رہے گا۔ کسی کو پتہ نہ چل سکے گا کہ ناگ کی موت میں
ہمارا ہاتھ ہے"۔

سپہ سالار نے کہا:

"ٹھیک ہے، میں یہی تسلی کرنا چاہتا تھا۔" پھر جھنجھلا کر بولا:

"کم بخت یہ ساری مصیبت صرف اس لیے پیدا ہو رہی ہے کہ رعایا
بادشاہ اور شہزادے کو پیار کرتی ہے۔ اگر ایسی بات نہ ہوتی تو میں کب
کا ان دونوں کا کام تمام کر چکا ہوتا"۔

سازش کا جال پوری طرح سے پھیلا دیا گیا۔ یہ جال ناگ کے ارد
گرد کانٹے دار کی طرح بچھایا جا رہا تھا۔ اور ناگ کو کوئی خبر نہیں تھی۔ یہ
الگ بات ہے کہ ناگ کا کوئی بال بھی بیکا نہیں کر سکتا تھا۔ وزیر نے
شاہی باورچی کو بلا کر کہا کہ اسے ناگ کے کمرے میں سانپ چھوڑنا
ہوگا۔ شاہی باورچی پہلے ہی سے جانتا تھا کہ وزیر اور سپہ سالار شاہی

خاندان کے خلاف ہیں۔ وہ خود ان کے کہنے پر بادشاہ اور شہزادے کو
زہر دیتا رہا تھا۔ باورچی کا دل یہ کام کرنے کو نہیں چاہتا تھا۔ مگر وزیر
کے سامنے وہ انکار بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے ادب سے جھک کر کہا:

"حضور عالی، میں حاضر ہوں۔ آپ حکم کریں تو میں اپنا سر کاٹ کر
آپ کے قدموں میں پیش کر دوں گا"۔

وزیر نے مونچھوں پر ہاتھ پھیر کر کہا:

"اس وقت ہمیں تمہارے سر کی ضرورت نہیں ہے۔ جب کبھی
ضرورت ہوئی تو تمہیں کاٹنے کی زحمت نہیں دیں گے۔ بلکہ خود کاٹ
لیں گے۔ اس وقت تمہیں صرف یہ خدمت دی جاتی ہے کہ اس
کٹورے میں پڑے زہریلے سانپ کو آدھی رات کے وقت ناگ
کے کمرے میں کسی طرح جا کر چھوڑ آؤ"۔

شاہی باروچی بولا:

''بہت بہتر حضور''۔
وزیر نے کہا۔
''اب تم جا سکتے ہو''
باورچی نے سانپ کا کٹورا اپنے لباس کے اندر چھپایا اور
وہاں سے چلا گیا۔
جس رات ناگ کے کمرے میں سانپ پھینکنے کی سازش ہوئی اسی
رات کو ماریا نے سوچا کہ وہ ٹیلے کی ترائی والے غار کے اندر جو مقبرہ
ہے وہاں جائے اور جا کر دیکھے کہ وہ کون سی ملکہ کی روح ہے جو اپنے
بادشاہ کے قتل کے دکھ میں چاندنی راتوں کو بین کرتی ہے۔ اس رات
آسمان پر چاند شام ہی سے نکل کر چمکنے لگا تھا۔ چاند کی روشنی میں شہر
کے ارد گرد کے جنگل اور باغ صاف جھلکنے لگے تھے۔ ماریا نے ناگ کو
بالکل نہ بتایا کہ وہ غار والے مقبرے کی طرف جا رہی ہے۔ رات کو

کھانا آیا تو ناگ نے دروازہ بند کر کے ماریا کو ساتھ بٹھایا اور دونوں
کھانا کھانے لگے۔ کھانے پر ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ ماریا
نے مقبرے والی ملکہ کا ذکر تک نہ کیا۔ ناگ کو ہرگز نہ بتایا کہ وہ
آج رات مقبرے میں جائے گی۔
رات کا کھانا کھانے کے بعد شاہی باورچی نے ناگ کے کمرے
میں جا کر سانپ چھوڑنے کی تیاری شروع کر دی۔ اس نے سیاہ لباس
پہنا۔ سانپ والے کٹورے کو جیب میں چھپایا اور آدھی رات کے
گزر جانے کا انتظار کرنے لگا۔ ناگ بھی کھانے سے فارغ ہو کر
شہزادے کے پاس اسے دوائی کھلانے چلا گیا۔ شہزادے کی صحت
بڑی اچھی ہو گئی تھی۔ اب وہ بادشاہ کے ساتھ تخت پر بیٹھتا تھا۔ کہاں تو
وہ بستر سے نہیں اٹھ سکتا تھا اور اب گھوڑ سواری بھی کرتا تھا۔ جنگل میں
جا کر شیر اور ہرن کا شکار بھی کرتا تھا۔

شہزادے سے اجازت لے کر ناگ بادشاہ کے محل میں آ گیا بادشاہ کھانے کے بعد سونے کے پیالے میں قہوہ پی رہا تھا۔ سارے کمرے میں قہوے کی مہک پھیلی ہوئی تھی۔ ناگ نے بادشاہ کی خدمت میں جھک کر سلام عرض کیا اور عنبر کی دی ہوئی دوائی کھلائی بادشاہ نے دوائی کھا کر ایک آہ بھری اور کہا:

''کاش اس وقت ہمارا پیارا اور ہمدرد بیٹا عنبر بھی یہاں ہوتا، ہمیں تندرست دیکھ کر اسے کس قدر خوشی ہوتی۔ خدا جانے بیچارہ کہاں مارا مارا پھر رہا ہوگا''۔

ناگ نے کہا:

''بادشاہ سلامت' عنبر میرا پیارا بھائی ہے۔ اس کے بچھڑ جانے کا مجھے بے حد صدمہ ہے۔ کوئی رات ایسی نہیں آتی۔ جب میں اسے خواب میں نہیں دیکھتا' اس کی یاد میرے دل سے ایک پل کے لیے

بھی الگ نہیں ہوتی۔ لیکن قسمت میں بھائی بھائی کی جدائی لکھی تھی۔ خدا کرے کہ وہ جہاں بھی ہو خوش ہو اور جلد ہم سے پھر آن ملے''۔

بادشاہ نے کہا:

''ہمیں سب سے زیادہ فکر اور غم اس بات کا ہے کہ کہیں دشمنوں نے اسے ہلاک نہ کر دیا ہو''۔

ناگ کے منہ سے نکل گیا:

''وہ مر نہیں سکتا''

بادشاہ نے تعجب سے ناگ کی طرف دیکھ کر پوچھا:

''کیا مطلب؟''

ناگ کو اب محسوس ہوا کہ اس کے منہ سے ایک ایسی بات نکل گئی ہے جو اسے نہیں کہنی چاہیے تھے۔ پھر بھی وہ جلدی سے بولا:

''میرا مطلب یہ تھا بادشاہ سلامت کہ میرا دل کہتا ہے، میرا بھائی مر

نہیں سکتا۔ وہ ضرور زندہ ہوگا۔ وہ بہادر ہے اور اکیلا سات دشمنوں پر بھاری ہے۔ وہ ضرور زندہ ہے اور ہم سے آن ملے گا‘‘۔

بادشاہ سلامت نے کہا:

’’خدا تمہاری دعا قبول کرے‘‘۔

ناگ بادشاہ کے محل سے کچھ اداس سا ہو کر واپس اپنے کمرے میں آ گیا۔ اس کا دل اپنے پیارے بھائی عنبر کی یاد سے بوجھل ہو رہا تھا۔ کمرے میں آ کر ناگ نے دروازے کو اندر سے بند کیا۔ اور پلنگ پر لیٹ گیا۔ کچھ دیر وہ عنبر کی یاد میں کھویا رہا اور اسے احساس ہی نہ ہوا کہ اس کمرے میں ماریا بھی اس کے ساتھ ہی رہتی ہے۔ اس نے ماریا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

’’ماریا بہن، آج بادشاہ سلامت بھی عنبر بھائی کو بہت یاد کر رہے تھے‘‘۔

ماریا نے کوئی جواب نہ دیا۔ ناگ نے دوسری بار یہی جملہ دہرایا:

پھر بھی کوئی جواب نہ آیا تو اس نے چونک کر پوچھا:

’’ماریا، تم کمرے میں ہو یا نہیں؟‘‘

کمرے میں ماریا نہیں تھی۔ ناگ نے اٹھ کر پہلا کام یہ کیا کہ اندر سے دروازے کی کنڈی کھول دی۔ کیونکہ ماریا کنڈی کھلوائے بغیر اندر نہیں آ سکتی تھی۔ ناگ نے خیال کیا کہ شاید وہ کھانا کھانے کے بعد باہر باغ میں چہل قدمی کرنے گئی ہو گی۔ وہ پلنگ پر بیٹھا رہا اور رات گزرتی گئی۔ ماریا نہ آئی۔ ناگ پریشان ہو کر اٹھا اور باہر باغ میں جا کر ماریا کو دھیمی آواز میں پکارنے لگا۔ مگر کسی جگہ سے بھی کوئی جواب نہ دیا۔ جواب کہاں سے آتا؟ ماریا وہاں ہوتی تو جواب دیتی۔

ماریا اس وقت ٹیلے والے پرانے مقبرے کی طرف جا رہی تھی۔

راستہ ظاہر ہو گیا۔ چاندنی سیڑھیوں میں تھوڑی دور جا کر بجھ گئی تھی۔
ماریا نے ایک بار پیچھے مڑ کر دیکھا اور خدا کا نام لے کر نیچے
سیڑھیاں اترنے لگی۔

سیڑھیاں اترنے کے بعد وہ کیا دیکھتی ہے کہ پتھر کی دیوار کے ساتھ
ساتھ ایک چھوٹی سی پگڈنڈی ایک طرف کو جا رہی تھی۔ ماریا اس پگ
ڈنڈی پر چل پڑی۔ اب جوں جوں وہ آگے بڑھ رہی تھی۔ اندھیرا
زیادہ ہو رہا تھا۔ ماریا کے ایک طرف غار کی دیوار تھی اور دوسری جانب
ایک گہری کھائی تھی۔ اس کھائی کے اندر اندھیرا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی
کہ کھائی کے اندر کیا ہے۔ پگ ڈنڈی ایک جانب آگے جا کر مڑ
گئی۔ ماریا بھی ساتھ ہی گھوم گئی۔ اندھیرے میں وہ پھونک پھونک کر
قدم رکھ رہی تھی۔ اس نے دیوار کا سہارا لے رکھا تھا۔

اب اسے آگے کچھ ہلکی ہلکی روشنی دکھائی دینے لگی۔ وہ بڑی حیران

ہوئی کہ اس تاریک مقبرے کے اندر روشنی کہاں سے آ رہی ہے؟
آگے چل کر پگ ڈنڈی ایک چوڑے سے آنگن میں آ کر ختم ہو گئی۔
یہاں اوپر غار کی چھت اونچی تھی اور چھت کے بیچ میں ایک چھوٹا
سا سوراخ تھا جس میں ہلکی ہلکی چاند کی روشنی غار میں آ رہی تھی۔ ماریا
آنگن کے ایک طرف دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی اور دھیمی
روشنی میں دیکھنے لگی کہ وہاں کیا کچھ ہے؟ سامنے کی طرف دیوار سے
ذرا ہٹ کر زمین پر ایک پتھروں کا چبوترہ تھا۔ جس کے اوپر دو قبریں
بنی ہوئی تھیں۔ ماریا سمجھ گئی کہ یہی بادشاہ اور اس کی ملکہ کی قبریں
ہیں۔ بادشاہ کو کئی سو برس پہلے اس کے وزیر نے قتل کروا دیا تھا اور ملکہ کو
دریا میں پھنکوا دیا تھا اور اب ملکہ کی روح چاندنی راتوں میں بین کرتی
تھی۔

ماریا کچھ دیر خاموش کھڑی قبروں کو دیکھتی رہی۔

وہاں بڑی گہری خاموشی تھی۔ کسی پتے کے کھڑکنے کی بھی آواز نہیں
آ رہی تھی۔ ماریا کو یوں لگا جیسے دور سے کسی کے پتھروں پر سلیپر گھسیٹ
کر چلنے کی آواز آ رہی ہے۔ اس نے آواز پر کان لگا دیے۔ سچ مچ یہ
کسی ایسے انسان کے قدموں کی آواز تھی جو بڑی آہستہ آہستہ
پتھروں کے فرش پر جوتی کو گھسیٹتا ہوا چل رہا تھا۔ ماریا کو کچھ خوف سا
لگنے لگا تھا۔ آخر اس نے اپنے آپ کو حوصلہ دیا اور یاد دلایا کہ وہ ایک
بہادر اور دلیر لڑکی ہے۔ اس نے بڑی بڑی ڈراؤنی جگہوں پر اندھیری
راتیں بسر کی ہیں اور وہ کئی جن بھوتوں کو مل چکی ہے۔ زیادہ سے زیادہ
یہ ملکہ کی روح ہو سکتی ہے۔ پھر کیا ہوا وہ اس سے ملاقات کرے گی۔
اس کا انتظار کرے گی۔ اور دیکھے گی کہ وہ کس طرح بین کرتی ہے۔

اب ایک عجیب بات ہوئی۔ ماریا کو کھڑے کھڑے یوں لگا جیسے
اس کے دونوں پاؤں بھاری ہو رہے ہیں۔ وہ کچھ پریشان ہو گئی۔

اس نے اپنا ایک پاؤں ہلانا چاہا تو اسے دقت ہوئی۔ دوسرے پاؤں کو
اٹھانا چاہا تو وہ بھی اسے بہت بھاری لگا۔ جیسے کسی نے اس کے پاؤں
کے ساتھ وزنی پتھر باندھ دیے ہوں۔ ماریا گھبرا گئی۔ پتھروں پر سلیپر
کی گھسٹنے کی آواز قریب آتی جا رہی تھی۔ ماریا نے وہاں سے بھاگنے
کی کوشش کی تو اسے محسوس ہوا کہ اس کے دونوں پاؤں پتھر ہو گئے ہیں
اور وہ لاکھ کوشش کے باوجود وہاں سے ایک انچ بھی اپنے پاؤں
آگے نہ کر سکی۔ اب تو اسے پسینہ آ گیا۔ اس پر آتے والی روح کا جو
کوئی بھی وہ شے تھی اس کا جادو چل چکا تھا۔ ماریا نے محسوس کیا کہ اس
کا باقی جسم بھی بے حس ہوتا جا رہا ہے۔ اس نے اپنے بازو ہلانے
چاہے تو وہ بھی نہ ہلے۔ ہاتھ ہلانے چاہے تو ہاتھ بھی اپنی جگہ سے نہ
ہلے۔ گردن کو ہلانا چاہا تو گردن بھی اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ
ہوئی۔ ماریا نے زور سے چیخ مارنی چاہی، لیکن اس کے حلق سے آواز

بھی نہ نکلی۔ ماریا ساری کی ساری پتھر بن چکی تھی۔

وہ پتھر کا بت بن کر غار کی دیوار کے ساتھ لگی کھڑی تھی۔ نہ وہ بول سکتی تھی اور نہ ہی اپنی جگہ سے ہل سکتی تھی۔ ماریا پر آنے والی طاقت ور روح کا جادو چل چکا تھا۔ ماریا اگرچہ غائب تھی وہ کسی کو دکھائی نہیں دیتی تھی۔ لیکن آخر وہ گوشت پوست کی ایک عام عورت تھی۔ اس کے پاس عنبر کی طرح کوئی خفیہ طاقت نہیں تھی۔ وہ بے بس اور مجبور ہو کر کھڑی تھی۔ وہ پتھر بن گئی تھی اور اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتی تھی۔ لیکن اس کی آنکھوں کا نور بالکل نہیں پتھرایا تھا۔ وہ سب کچھ دیکھ سکتی تھی۔

مگر جو کچھ وہ دیکھ رہی تھی اسے بیان نہیں کر سکتی تھی۔

یہ بڑی قابل رحم حالت تھی۔

قدموں کی آواز قریب آ کر رک گئی۔ ماریا کے کان بھی پتھر کے نہیں ہوئے تھے۔ وہ آواز سن رہی تھی۔ وہ دیکھ رہی تھی۔ سن رہی تھی۔

لیکن نہ ہل سکتی تھی اور نہ بول سکتی تھی۔ یہ ایک عجیب حالت اس پر طاری کر دی گئی تھی۔ وہ کسی غیبی روح کے قابو میں آ چکی تھی۔ اس نے سنا کہ غار کے اندر کسی نے گہرا لمبا سانس لیا ہے۔ ماریا نے پوچھنا چاہا کہ کون ہے اور اس پر جادو کس لیے کر دیا گیا ہے۔ مگر وہ تو بول ہی نہیں سکتی تھی۔ اس کی آواز نہیں نکل رہی تھی۔ ماریا نے اپنے آپ کو حالات اور قسمت کے حوالے کر دیا اور پتھر کا بت بن کر اپنی جگہ پر کھڑی رہی۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ اگر وہ ذرا ہل کر زمین پر گری تو ٹوٹ پھوٹ جائے گی۔

اب اسے ایک آواز سنائی دی۔ گہری، پر اسرار سرگوشی ایسی اور نفرت بھری آواز۔۔۔ اس آواز کے لہجے میں بدلہ لینے کا انداز تھا۔

"سنو ماریا" مجھے معلوم ہے۔ تم ایک غائب لڑکی ہو۔ تمہیں سوائے میرے اور کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ اب تم میرے قابو میں ہو۔ میں اس

مقبرے کا بھوت ہوں۔ یہاں ایک ملکہ کی روح کی آواز چاندنی
راتوں میں آ کر بین کیا کرتی تھی۔ اس ملکہ کی قبر اپنے بادشاہ کے
ساتھ ہے۔ میں نے اس روح کو بھی قابو میں کر لیا ہے۔ مجھے اس ملکہ
کی روح سے نفرت تھی۔ میں اس کی روح سے انتقام لینا چاہتا تھا۔
کیونکہ اس کے رونے اور بین کرنے کی آواز سن کر میرا ایک بچہ بھی مر
گیا۔ میں نے ملکہ کی روح کو ایک مرتبان میں بند کر کے زمین کے
اندر دفن کر دیا ہے۔ میں نے فیصلہ کیا تھا کہ ملکہ کی روح سے ملاقات
کرنے جو بھی آئے گا۔ میں اسے بھی پتھر بنا کر اپنے قابو میں کر کے
یہاں مقبرے کے اندر ہی دفن کر دوں گا۔ تم جس وقت مقبرے کے
اندر داخل ہوئی تھیں تو مجھے پتہ چل گیا تھا۔ میں نے تم کو پتھر بنا کر
اپنے قابو میں کر لیا ہے۔ اب تم ساری زندگی پتھر بن کر رہو گی۔
تمہیں کوئی یہاں سے باہر نہیں نکال سکے گا۔ یہ اچھی بات ہے کہ تم

کسی کو نظر نہیں آتی ہو۔ میں تمہیں اٹھا کر ایک تابوت کے اندر ڈال
دوں گا۔ اس پتھر کے تابوت میں ایک ہزار برس پہلے چین کی ایک
شہزادی کی لاش رکھی گئی تھی جو اب مٹی بن کر اڑ گئی ہے۔ تابوت خالی
ہو گیا۔ اس تابوت میں تمہیں لٹا دیا جائے گا۔ ہر آدمی کو تابوت خالی
نظر آئے گا۔ کیونکہ تم غائب عورت ہو۔ لیکن اصل میں تم پتھر بن کر
اس کے اندر لیٹی ہو گی۔ تمہیں اب کھانے پینے کی ضرورت نہیں
ہو گی۔ تم اس وقت تک زندہ رہو گی جب تک یہ دنیا قائم ہے۔ تب
سب کچھ سنو گی۔ سب کچھ دیکھو گی۔ لیکن نہ بول سکو گی، نہ کسی کو مدد
کے لیے پکار سکو گی۔ نہ تابوت میں سے اٹھ کر باہر نکل سکو گی۔ تمہاری
زندگی قیامت کے دن تک اس تابوت کے اندر پڑے ہوئے غیبی پتھر
کے بت کی طرح گزر جائے گی۔ آؤ میں تمہیں تابوت میں لٹا دوں“۔
ماریا نے بھوت کی ساری باتیں سن تھیں اس کا ایک ایک لفظ اس کی

سمجھ میں آ گیا تھا۔ وہ اس وقت کو کوس رہی تھی جس وقت اس کے دل میں خیال آیا کہ وہ مقبرے کے اندر جا کر ملکہ کی روح سے ملاقات کرے۔ وہ ایک خوفناک مصیبت میں پھنس گئی تھی۔ اس غار کے اندر اب اس کی ساری زندگی گزرنے والی تھی۔ اتنے میں ماریا کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اسے اپنے لمبے لمبے طاقتور بازوؤں میں اٹھا لیا ہو۔ وہ ایک پتھر کے بت کی طرح بھوت کے بازوؤں پر پڑی تھی۔ بھوت اسے اٹھا کر آہستہ آہستہ پاؤں گھسیٹتا واپس غار میں لے گیا۔ غار میں آگے جا کر اپنے آپ دیوار میں ایک جگہ سے پتھر ہٹے اور دروازہ نمودار ہو گیا۔

بھوت نے دیوار کے پتھر اپنے ہاتھ سے ہٹائے تھے۔ وہ ماریا کو بازوؤں پر لکڑی کی گیلی کی طرح ڈالے دیوار میں سے گزر کر ایک چھوٹی سی کوٹھڑی میں آ گیا۔ اس کوٹھڑی کی دیواریں پتھریلی

تھیں۔ اور چھت نیچی تھی۔ ماریا نے نیم اندھیرے میں دیکھا کہ کوٹھڑی کے درمیان میں پتھر کا ایک کھلا تابوت پڑا تھا۔ بھوت کے ہاتھوں نے اسے تابوت کے اندر لٹا دیا۔ ماریا پتھر کے ستون کی طرح اپنے آپ تابوت کے اندر لیٹ گئی۔ اس نے ہلنے جلنے اور نکل کر بھاگنے کی ایک بار پھر کوشش کی۔ مگر وہ اپنی انگلی کیا آنکھوں کی پلکیں تک نہیں ہلا سکتی تھی۔ بھوت نے اسی پر اسرار نفرت بھری آواز میں کہا:

"اب تم قیامت تک اس کوٹھڑی کے تابوت کے اندر پڑی رہو گی۔ کوئی آ کر تمہاری خبر نہیں لے گا۔ کوئی آ کر تمہیں نہیں پوچھے گا کہ تم کس حال میں ہو۔ تم کسی سے بات نہ کر سکو گی۔ تم کسی کی آواز نہ سن سکو گی۔ یہ ہے سزا میرے غار کے اندر داخل ہو کر ملکہ کی روح سے ملاقات کرنے اور باتیں کرنے کی۔۔۔ اب میں جا رہا ہوں"۔

فضا میں ایک ہلکے سے قہقہے کی آواز گونجی اور دیوار کے پتھر دوبارہ اپنی جگہ پر چن دیے گئے۔ ماریا سمجھ گئی کہ بھوت چلا گیا ہے۔ وہ تابوت کے اندر ایک اکڑی ہوئی لاش کی طرح پڑی ہوئی تھی۔ پتھر کی سرد اور بے جان لاش کی طرح، جس کے صرف کان اور آنکھیں زندہ تھیں باقی وہ ساری کی ساری مردہ تھی۔ ٹھنڈا بے حس پتھر تھی۔ ماریا کو اپنی حالت پر ترس آ گیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے مگر اس بند کوٹھڑی میں ماریا کے آنسو پونچھنے والا کوئی نہیں تھا۔ وہ بے چاری خود بھی اپنے آنسو نہیں پونچھ سکتی تھی۔ اسے اپنے دونوں بھائیوں عنبر اور ناگ کا خیال آ گیا۔ عنبر بے چارہ پہلے ہی گم تھا۔ اب ماریا بھی گم ہو گئی تھی۔ ناگ کس قدر پریشان ہو گا۔ پہلے بھائی گم ہو گیا۔ اب بہن گم ہو گئی۔ خدا جانے اس پر کیا بیتے گی؟ ماریا کا دماغ پوری طرح کام کر رہا تھا۔ یہ باتیں سوچ کر اس کی آنکھوں سے چھم چھم آنسو بہنے لگے۔

آنسو اس کی آنکھوں میں سے نکل کر سفید موتی بننے اور لڑھک لڑھک کر تابوت کے اندر پتھر کی چھوٹی چھوٹی گولیوں کی طرح گر پڑتے۔ ماریا کو آنسوؤں کے موتیوں کے گرنے کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔ وہ یہ دیکھ کر اور بھی حیران ہوئی کہ اس کے آنسو بھی پتھروں کے چھوٹے چھوٹے موتی بن کر گر رہے ہیں۔

کوٹھڑی کے اندر گہری خاموشی چھائی تھی۔ کسی قسم کی آواز نہیں آ رہی تھی۔

ہاں اندر خدا جانے کہاں سے اور کدھر سے ہلکی ہلکی روشنی اور ہلکی ہلکی ہوا ضرور آ رہی تھی۔ ماریا اگر گردن ہلا سکتی تو ضرور گردن ہلا کر دیکھتی کہ یہ روشنی اور ہوا کدھر سے آ رہی ہے۔ مگر وہ تو سیدھی سپاٹ پتھر کا بت بنے تابوت کے اندر لیٹی تھی اور اس کی آنکھیں اوپر چھت کو تک رہی تھیں۔ صرف وہ اپنی آنکھوں کے اندر ڈیلوں کو گھما کر تھوڑا

تھوڑا دائیں بائیں دیکھ سکتی تھی۔ اس کے دائیں بائیں پتھر کی دیوار کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ ماریا نے جب یہ سوچا کہ اب خدا جانے کب تک اسے ایک بے جان پتھر کی لاش بن کر اس تابوت کے اندر رہنا ہوگا تو اس کا دل خون کے آنسو رونے لگا۔

رات گزر گئی۔ مگر ماریا کا کوئی پتہ نہیں تھا۔ ناگ نے رات کوئی بار اٹھ کر ماریا کو آواز دی تھی۔ اس خیال سے کہ شاید وہ آدھی رات کو کسی وقت دروازہ کھول کر اندر آ گئی ہو اور چپکے سے اپنے بستر پر لیٹ گئی ہو۔ لیکن ماریا وہاں ہوتی تو جواب دیتی:

صبح اٹھ کر سب سے پہلے ناگ کی نظریں قالین پر اس جگہ گئیں جہاں ماریا سویا کرتی تھی۔ وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ ناگ نے قریب جا کر قالین کو اچھی طرح سے ٹٹول ٹٹول کر دیکھا اور آوازیں بھی دیں۔

"ماریا بہن، ماریا بہن"

مگر کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ ناگ پریشان ہو گیا۔ وہ کمرے سے باہر آ گیا۔

آدھی رات کو جب ناگ اٹھ کر باہر آیا تھا تو شاہی باورچی سیاہ لباس پہنے سانپ کا کٹورا لیے ذرا پرے کھڑا تھا۔ ناگ باغ میں جا کر ماریا کو تلاش کرنے کا خیال کیا۔ پھر کچھ سوچ کر کمرے میں واپس آ گیا اور دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ باورچی کو اتنا موقع نہ مل سکا کہ وہ کمرے کے اندر سانپ کو چھوڑے۔ باورچی واپس چلا گیا اس نے وزیر کو بتایا کہ رات اسے موقع نہیں مل سکا۔ اس لیے وہ آج رات کو شروع میں ہی سانپ کو اندر پھینکنے کی کوشش کرے گا۔

وزیر نے شاہی باورچی کو بہت ڈانٹا کہ وہ کیوں اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

"اگر آج رات بھی تم نے ناگ کے کمرے میں سانپ نہ چھوڑا تو

میں یہی سانپ تم پر چھوڑ دوں گا"۔

باورچی نے ہاتھ باندھ کر کہا:

"سرکار غلطی ہوگئی۔ آج رات چاہے میری جان چلی جائے لیکن سانپ ناگ کے کمرے میں چھوڑ کر رہوں گا"۔

وزیر چلا گیا۔ باورچی رات ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

ادھر دن چڑھا تو ناگ نے ماریا کی تلاش شروع کر دی۔ مصیبت یہ تھی کہ وہ ماریا کو دیکھ نہیں سکتا تھا۔ صرف آواز دے سکتا تھا۔ وہ بھی آہستہ آہستہ اور سب کے سامنے آواز بھی نہیں دے سکتا تھا۔ نہیں تو لوگ پوچھتے کہ بھائی تم کس کو پکار رہے ہو؟ ناگ' بادشاہ اور شہزادے کو بھی یہ نہیں بتا سکتا تھا کہ اس کی بہن ماریا گم ہوگئی ہے۔ اس لیے کہ بادشاہ اور شہزادے کو اس نے اپنی بہن ماریا کے بارے میں کبھی نہیں بتایا تھا۔ اس نے بادشاہ اور شہزادے سے کبھی ذکر تک نہ کیا تھا کہ اس

کی ایک بہن ماریا بھی ہے جو غائب حالت میں ہے اور اس کے ساتھ ہی رہتی ہے۔

ناگ سارا دن محل کے آس پاس کے باغوں، کھیتوں، ویرانوں اور جنگل میں ماریا کو تلاش کرتا پھرا۔ جگہ جگہ درختوں اور جھاڑیوں کے پاس جا کر اس نے آوازیں دیں:

"ماریا بہن' ماریا بہن' ماریا بہن تم کہا ہو؟"

لیکن کسی جگہ سے بھی ماریا کی آواز سنائی نہ دی اور آواز سنائی بھی کہاں سے دیتی۔ وہ تو بے چاری غار والے پوشیدہ مقبرے کی ایک اندھیری کوٹھڑی کے تابوت میں پتھر بنی لیٹی ہوئی تھی۔ ناگ کا دل غم سے بھر آیا۔

پہلے ہی اسے عنبر بھائی کے بچھڑنے کا صدمہ تھا۔ اب اس کی بہن ماریا بھی اس سے جدا ہوگئی تھی۔ اپنے کمرے میں آ کر ناگ بستر پر گر

پڑا اور اپنے بھائی عنبر اور بہن ماریا کی یاد میں بے اختیار اس کے آنسو نکل آئے کچھ دیر رونے کے بعد اس نے اٹھ کر منہ ہاتھ دھویا اور کھانا کھا کر سوچنے لگا کہ رونے دھونے کی بجائے اسے ہمت سے کام لے کر ماریا کی تلاش شروع کرنی چاہیے۔ ضرور اسے کسی طاقت ور چیز نے اغوا کرلیا ہوگا۔ ناگ نے فیصلہ کیا کہ صبح اٹھ کر وہ جنگل اور پہاڑوں میں ایک بار پھر ماریا کو ڈھونڈنے نکلے گا۔

رات کو جلد ہی ناگ شمع بجھا کر سو گیا۔

سانپ دیوتا

ناگ نے دروازہ کھلا رکھا تھا کہ شاید رات کو ماریا آجائے۔

ناگ گہری نیند سویا ہوا تھا کہ شاہی باورچی آدھی رات کو دروازے کے باہر آگیا۔ اس کے ہاتھ میں وہ کٹورا تھا جس میں زہریلا سانپ قید تھا۔ شاہی باورچی نے دروازے کو آہستہ سے دھکا دیا تو وہ کھل گیا۔ باورچی اسی موقع کی تاک میں تھا۔ وہ خاموشی سے دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہوگیا۔ اندر جا کر اس نے وقت بالکل نہ

ضائع کیا۔جلدی سے ناگ کے پلنگ کے پاس جا کر کٹورے کے
اوپر سے کپڑا ہٹایا اور سانپ کو پلنگ کے اوپر پھینک کر جلدی سے
کمرے سے باہر نکل گیا۔اس نے دروازہ بند کر دیا اور تیز تیز قدم
اٹھاتا باورچی خانے میں جا کر سو گیا۔اسے یقین تھا کہ سانپ نے
اسے ڈس لیا ہو گا اور وہ مر چکا ہو گا۔وہ بڑا خوش تھا کہ صبح جب وزیر کو
معلوم ہو گا کہ اس کا دشمن مر چکا ہے تو اسے انعام ملے گا۔

ادھر کا حال بھی سنیں۔باورچی جس وقت سانپ کا کٹورا ناگ کے
پلنگ پر الٹ کر وہاں سے نو دو گیارہ ہو گیا،تو سانپ کٹورے سے نکلنے
کے فوراً بعد ہوشیار ہو گیا۔وہ ایک بڑا ہی زہریلا سانپ تھا اور انسان کا
تو جانی دشمن تھا۔آدمی کی بو پا کر وہ فوراً اس کی طرف لپکتا تھا اور اسے
ڈس دیتا تھا۔ناگ کے پلنگ پر سانپ نے ہوشیار ہو کر اپنا پھن پھیلا
دیا۔ناگ بے خبر ہو کر بے سدھ ہو کر سو رہا تھا۔سانپ نے پھن اٹھا

کر دو تین زور زور سے پھنکاریں ماریں تو اسے محسوس ہوا کہ کوئی بہت
بڑا سانپ، کوئی سانپوں کا بادشاہ اس کے قریب ہی ہے۔سانپ کا
پھن وہیں کا وہیں رک گیا۔

سانپ کو فضا میں سانپوں کے بادشاہ کی خاص بو محسوس ہو رہی تھی۔
اس کے سارے بدن پر خوف سا طاری ہو گیا۔کیونکہ سانپوں کے
بادشاہ کے سامنے دنیا کے سارے سانپ ادب سے جھک جاتے ہیں
اور اپنا پھن سمیٹ لیتے ہیں۔سانپوں کے بادشاہ کو سامنے پا کر
سانپ کی ہمت نہیں ہوتی کہ وہ پھنکار سکے،اپنا پھن پھیلا سکے یا اپنی
گردن بھی اٹھا کر دیکھ سکے۔یہی حال اس سانپ کا تھا۔اسے یوں
لگ رہا تھا جیسے سانپوں کا سرتاج اور بادشاہ سانپ یعنی ناگ دیوتا
کہیں اس کے قریب ہی ہے۔سانپ بے چینی سی محسوس کرنے لگا۔
اس کا پھن اپنے آپ سمٹنا شروع ہو گیا۔

ٹھیک اس وقت ناگ نے کروٹ بدلی۔ سانپ اچھل کر ناگ کے منہ کے پاس آ گیا۔ ناگ کی آنکھ کھل گئی۔ ناگ نے سانپ کو اور سانپ نے ناگ کو دیکھا۔ دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں۔ ناگ کی سرخ آنکھوں کو دیکھتے ہی سانپ پر لرزہ طاری ہو گیا۔ اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔ کہ وہ کیا کر بیٹھا ہے۔ سانپوں کے بادشاہ' ناگ دیوتا اس کے سامنے پلنگ پر لیٹا ہوا تھا۔ ناگ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ سانپ نے پلنگ سے نیچے اتر کر فرش پر ناگ کے آگے گردن جھکا دی۔ ناگ نے کہا:

''تمہیں میرے پلنگ پر آنے کی جرات کیسے ہوئی؟''

سانپ نے اپنی خاص آواز میں جسے صرف ناگ ہی سمجھ سکتا تھا، کہا:

''اے ناگ دیوتا، اے سانپوں کے سردار بادشاہ' مجھے معاف کر

دو۔ میری جان بخش دو۔ مجھ سے بھول ہو گئی۔ مجھ سے غلطی ہو گئی۔ اگر مجھے پہلے خبر نہ ہوتی کہ مجھے ناگ دیوتا کے کمرے میں پھینک دیا گیا ہے تو میں کبھی یہ ہمت، یہ جرات نہ کرتا، میری کیا مجال کہ میں آپ کے پلنگ کے قریب بھی آ سکوں''۔

ناگ نے آگے ہاتھ بڑھا کر سانپ کو گردن سے پکڑ لیا۔

''بول اب تیری کیا سزا ہو؟ کیا تیری گردن مروڑ دوں؟''

سانپ کا سارا بدن کانپ رہا تھا۔ اتنا زہریلا سانپ ہونے کے باوجود وہ ناگ کے ہاتھوں میں ریشم کے دھاگے کی طرح لٹکا ہوا تھا اور تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اس نے کہا:

''اے سانپوں کے سردار بادشاہ، خدا کے لیے مجھ پر رحم کرو۔ مجھ پر ترس کھاؤ۔ مجھ سے جو کچھ بھی ہوا غلطی سی ہوا۔ مجھے معاف کر دو۔ میری جان بخشی کر دو۔ میں ساری عمر آپ کو دعائیں دیتا رہوں گا''۔

ناگ نے کہا:

''چلو میں تمہیں معاف کرتا ہوں۔ لیکن اب یہ بتا کہ تجھے یہاں کون لایا ہے؟''

سانپ نے جواب دیا:

''اے سب سے بڑے سانپ دیوتا، مجھے اس شاہی محل کا باورچی آپ کے کمرے میں پھینک گیا ہے تاکہ میں آپ کو ڈس کر ہلاک کروں۔ کاش' مجھے پہلے خبر ہوتی کہ یہ آپ کا کمرہ ہے۔ پھر تو میں سب سے پہلے اسی باورچی کو ہلاک کرتا''۔

ناگ کہنے لگا:

''اب میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ جس شخص نے میری جان لینے کی کوشش کی ہے، اسے تم جا کر ختم کر دو۔ تاکہ میرا دشمن دوبارہ دشمنی نہ کر سکے''۔

سانپ نے زمین پر سر لگا کر کہا:

''آپ کا حکم سر آنکھوں پر اے عظیم سانپوں کے بادشاہ' میں ابھی آپ کے دشمن سے آپ کے ساتھ دشمنی کا بدلہ لیتا ہوں''۔

ناگ نے ڈانٹ کر کہا:

''جاؤ دفع ہو جاؤ۔ دور ہو جاؤ میری آنکھوں کے سامنے سے' اور خبردار آئندہ مجھے اپنی منحوس شکل نہ دکھانا''۔

''جو حکم عظیم دیوتا''۔

اور سانپ بھیگی بلی کی طرح چپکے سے کمرے سے باہر نکل گیا۔ باہر نکلتے ہی سانپ نے اپنا پھن پھیلا کر ہلکی سی پھنکار ماری اور باورچی کے کپڑوں کی بو پر شاہی باورچی خانے کی طرف رینگنے لگا۔ سانپ کی سونگھنے کی حس بڑی تیز ہوتی ہے اس کے لیے شاہی باورچی کے کپڑوں کی بو ابھی تک سارے محل میں پھیلی ہوئی تھی۔ وہ اس کی بو

کے ساتھ ساتھ راہداری میں سے رینگتا ہوا شاہی باورچی خانے کے دروازے پر آ گیا۔ اندر باورچی گھوڑے بیچ کر سویا ہوا تھا۔ اور اس کے کپڑوں کی تیز بو آ رہی تھی۔

سانپ چپکے سے دروازے کی دہلیز پار کر کے اندر داخل ہو گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ باورچی خانے میں شمع جل رہی ہے۔ جس کی دھیمی روشنی میں موٹا تازہ باورچی اپنی توند پر ہاتھ رکھے سو رہا ہے۔ اور زور زور سے خراٹے لے رہا ہے۔ یہی وہ شخص تھا جو ناگ دیوتا کا دشمن تھا اور جس نے سانپ کا ناگ دیوتا کو ہلاک کرانے کے لیے اس کے کمرے میں پھینکا تھا اور ناگ دیوتا کے سامنے ذلیل کروایا تھا۔ اگر ناگ دیوتا کے دل میں رحم نہ آتا تو اس نے سانپ کو ضرور بہ ضرور ہلاک کر دینا تھا۔

سانپ کو باورچی پر سخت غصہ آ گیا۔ پھر اسے ناگ دیوتا کا حکم یاد آیا کہ دشمن کو ہرگز ہرگز معاف نہ کیا جائے۔

سانپ کمرے کے فرش پر سے ہوتا ہے باورچی کے قریب آ گیا۔ اس نے پھن پھیلایا اور باورچی کے منہ کے قریب لا کر اسے جھلانے لگا۔ پھر اس نے زور سے پھنکار ماری۔ پھنکار کی گرم اور زہریلی ہوا لگتے ہی باورچی چیخ مار کر اٹھ بیٹھا۔ کیوں کہ گرم سانس نے اس کے چہرے کو جلا کر رکھ دیا تھا۔ باورچی نے اپنے سامنے زہریلے سانپ کو پھن پھیلائے دیکھا تو اس کی جان ہی نکل گئی۔ وہ گھبرا کر بھاگنے ہی لگا تھا کہ سانپ نے آناً فاناً اس کے پاؤں پر ڈس لیا۔

اس سانپ کا زہر اس قدر خطرناک تھا کہ موٹے باورچی کے خون میں جاتے ہی اس نے ایک دم سے سارے جسم کو پتھر کر دیا۔ باورچی چیخ مار کر فرش پر گرا۔ اس کا سارا بدن نیلا پڑ گیا۔ اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔ نوکر دوڑے دوڑے اندر آئے۔ انہوں نے باورچی کو زمین پر مردہ پڑے ہوئے دیکھا اور ایک گہرا سبز

سانپ ان کی آنکھوں کے سامنے کمرے سے نکل کر باہر اندھیرے میں غائب ہو گیا۔ کچھ نوکر سانپ کے پیچھے بھاگے۔ لیکن سانپ کا کچھ پتہ نہ چلا۔ خدا جانے وہ کہاں گم ہو گیا تھا؟

سارے محل میں شور مچ گیا کہ شاہی باورچی کو سانپ نے کاٹ لیا ہے اور وہ مر گیا ہے وزیر کو صبح معلوم ہوا تو وہ بڑا حیران ہوا کہ جس سانپ نے ناگ کو ڈسنا تھا اس نے باورچی کو الٹا کیسے ڈس لیا۔ اس سوال کا جواب صرف باورچی ہی دے سکتا تھا کہ کس طرح سانپ اسے تلاش کرتا ہوا باورچی خانے میں آیا اور اسے ڈس کر چلا گیا۔ مگر وہ تو مر چکا تھا۔ بہرحال وزیر کی ایک اور سازش ناکام ہو گئی تھی۔ اس نے سپہ سالار سے مشورہ کیا تو اس نے کہا:

’’تمہاری ہر ترکیب اسی طرح ناکام ہوتی رہے گی، اب تم خاموش ہو جاؤ۔ ناگ کو میں خود جا کر قتل کروں گا‘‘۔

وزیر نے گردن ٹیڑھی کر کے سپہ سالار کو دیکھا:

’’سپہ سالار اس وقت میدان میں آتا ہے جب ساری فوج جواب دے جاتی ہے‘‘

سپہ سالار بولا:

’’فوج جواب دے گئی ہے۔ ہمارا چلایا ہوا کوئی بھی تیر نشانے پر نہیں بیٹھا۔ اب سپہ سالار کا فرض ہے کہ وہ آگے بڑھے۔ لیکن اگر تم یہ کام خود کرنا چاہتے ہو تو میں اپنی جگہ خالی کر دیتا ہوں‘‘۔

وزیر نے جھٹ کہا۔

’’نہیں نہیں، میں یہ گستاخی کیسے کر سکتا ہوں؟ یہ کام تم خود اپنے ہاتھوں سے انجام دو۔ مجھے خوشی ہو گی کہ دشمن تمہارے وار سے گرا ہے۔ میری طرف سے تمہیں اجازت ہے۔ یہ حملہ تو کرو۔ مجھے یقین ہے کہ تمہارا حملہ بڑا کاری ہو گا اور ہمارا دشمن اب کے بچ نہیں سکے

گا''۔

سپہ سالار نے بڑے فخر سے کہا:

''میرا وار کبھی خالی نہیں جاتا۔ دشمن نے ہمیشہ مجھ سے شکست کھائی ہے''۔ سپہ سالار اور وزیر نے مل کر یہ سازش تیار کر لی کہ ناگ کو سپہ سالار خود موت کے گھاٹ اتارے گا۔ اس کے بعد بادشاہ اور شہزادے کو دوبارہ زہر دے کر ہلاک کر دیا جائے اور تخت پر قبضہ کر کے وزیر خود بادشاہ بن بیٹھے اور سپہ سالار کو وزیر بنا دیا جائے۔ سپہ سالار اپنے بیٹے کو سپہ سالار کی جگہ پر لا کر بٹھا دے۔ یہ ایک عجیب طرح کی کھچڑی تھی جو اندر ہی اندر پکائی جا رہی تھی۔

ادھر ناگ اس سازش سے بالکل بے خبر تھا۔ وہ بے چارہ اپنی بہن ماریا اور بھائی عنبر کی تلاش میں تھا۔ ماریا کا اس سے بہت ہی غم تھا۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ ماریا۔ اگرچہ دکھائی نہیں دیتی۔ لیکن اگر وہ

ایک بار مصیبت میں پھنس جائے تو اکیلی نکل نہیں سکتی۔ اس کے علاوہ عنبر تو مر نہیں سکتا تھا۔ مگر ماریا مر سکتی تھی۔ اسے تلوار یا تیر کا زخم بھی لگ سکتا تھا۔ وہ کنوئیں میں گر کر شدید زخمی بھی ہو سکتی تھی۔ ناگ کو بس یہی فکر کھائے جا رہی تھی کہ عنبر تو اپنی حفاظت کر سکتا ہے مگر ماریا نہیں کر سکتی۔ وہ سارا سارا دن شہر کے اندر اور شہر کے باہر، جنگل، ویرانے اور ٹیلوں میں ماریا کو تلاش کرتا پھرتا۔ وہ ماریا کو آوازیں دے کر بھی بلاتا۔ مگر ماریا کی آواز اسے کہیں سے بھی سنائی نہ دیتی۔ ناگ کی پریشانی کا احساس بادشاہ اور شہزادے کو بھی ہو گیا تھا۔ ایک روز جب ناگ بادشاہ اور شہزادے کو دوائی کھلانے گیا تو بادشاہ نے پوچھا:

''کیا بات ہے ناگ بیٹے' تم کچھ دنوں سے پریشان سے دکھائی دیتے ہو۔ ایسی کون سی بات ہے جس نے تمہیں پریشان کر رکھا ہے۔ ہمیں بتاؤ۔ ہم تمہارے ہر دکھ کو دور کرنے کی کوشش کریں گے۔ آخر

ہم اس ملک کے بادشاہ ہیں۔ ہمارے پاس بھلا کس چیز کی کمی ہے“۔

شہزادے نے بھی کہا:

”ہاں ناگ بھائی، میں بھی دیکھ رہا ہوں کہ پچھلے کچھ دنوں سے تم کچھ اداس اداس نظر آتے ہو۔ کیا بات ہے ہمیں کھول کر بیان کرو۔ ہم تمہاری مدد کریں گے“۔

ناگ انہیں کیسے بتاتا کہ وہ اپنی ایک ایسی بہن کی تلاش میں ہے جو کسی کو دکھائی نہیں دیتی۔ اس نے بات کو چھپاتے ہوئے کہا:

”ایسی کوئی بات نہیں بادشاہ سلامت۔ خدا آپ کا اقبال بلند کرے۔ میں بالکل خوش ہوں۔ بس کچھ دنوں سے سر میں درد رہنے لگا ہے“۔

شہزادے نے کہا:

”تم تو دوسروں کا علاج کرتے ہو۔ پھر تمہیں درد کیوں رہنے

لگا؟“

ناگ مسکرانے لگا:

”شہزادہ سلامت! انسان آخر ایک کمزور شے ہے۔ بیماری زندگی میں آتی رہتی ہے۔ آپ فکر نہ کریں میں دو ایک روز میں اچھا ہو جاؤں گا“۔

بادشاہ کہنے لگا:

”ہم جانتے ہیں کہ تمہیں اپنے بھائی عنبر کے گم ہو جانے کا بھی بڑا دکھ ہے۔ عنبر کا ہمیں بھی صدمہ ہے ہم نے اس کی تلاش میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ عنبر کو دشمن اغوا کر کے کسی دوسرے ملک میں سمندر پار لے گئے ہیں۔ خدا کو منظور ہوا تو وہ ہم سے ضرور آن ملے گا“۔

ناگ نے کہا:

''خدا آپ کی زبان مبارک کرے حضور' عنبر میرے دل پر گہرا غم
چھوڑ گیا ہے۔ویسے مجھے امید ہے کہ وہ ایک دن ضرور مل جائے گا''۔

''ہم سے جو ہو سکے گا ہم اب بھی اس کی خاطر کرنے کو تیار ہیں۔تم
اگر چاہو تو ہم اپنے خاص آدمیوں کو دوسرے ملکوں میں بھی اس کی
تلاش میں بھیج سکتے ہیں''۔

ناگ نے کہا:

''اس کی کوئی ضرورت نہیں بادشاہ سلامت عنبر جہاں کہیں بھی ہوگا
وہ واپس آنے کے لیے پوری کوشش کر رہا ہوگا اور وہ اپنی کوشش
میں ضرور کامیاب ہو جائے گا۔اس کا مجھے پورا یقین ہے''۔

اس کے بعد بادشاہ اور شہزادہ وزیر وغیرہ کی سازشوں کی باتیں
کرنے لگے۔بادشاہ نے بتایا کہ وزیر کی ہر چال ناکام ہو گئی ہے اور
اب وہ بالکل سیدھا ہو گیا ہے۔وہ بڑی خوش اخلاقی سے رعایات کے

ساتھ پیش آتا ہے اور بادشاہ کا ہر حکم جھک کر بجا لاتا ہے۔ناگ نے
کہا:

''ہم نے اس کی سازشوں کو ناکام بنا دیا ہے۔بادشاہ سلامت وزیر
کی ہم نے ایک بھی نہیں چلنے دی۔اس کے پاس سوائے اس کے اور
کوئی چارہ نہیں کہ وہ آپ کا ہر حکم سر جھکا کر تسلیم کرے۔

ناگ بادشاہ کے شاہی کمرے سے نکل کر اپنے کمرے میں آگیا۔

اس نے کھانا کھانے کے بعد اندر سے دروازہ بند کر لیا اور دوپہر کو
آرام کرنے کے لیے سو گیا۔خواب میں وہ کیا دیکھتا ہے کہ ایک باغ
میں بڑا خوبصورت تالاب ہے جس کی سطح پر زرد رنگ کے کنول کے
پھول کھلے ہیں۔درختوں پر پرندے بول رہے ہیں۔کنارے ایک
سنگ مرمر کی بارہ دری ہے جس میں ماریا پتھر کا بت بنی کھڑی ہے۔
ناگ اس کے پاس جا کر ہاتھ لگاتا ہے تو وہ ٹھنڈا بے جان پتھر ہے۔

مگراس کی آنکھوں میں وہی چمک ہے۔وہ دیکھ رہی ہے مگر بول نہیں
سکتی۔ناگ اسے آواز دیتا ہے۔ماریا کی آنکھوں میں چمک پیدا
ہوتی ہے مگر وہ سوائے ناگ کو بے بسی سے تکنے کے اور کچھ نہیں کر
سکتی۔ناگ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔اس نے ماریا کو زور زور
سے آوازیں دینا شروع کر دیں۔اچانک ماریا کے جسم میں حرکت
ہوئی۔اس کے ہونٹ ہلے اور اس نے کہا:

”ناگ بھائی، میں پتھر ہوں۔میں پتھر ہوں“۔

اور ناگ کی آنکھ کھل گئی۔وہ بستر پر اٹھ کر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ
اس خواب کا مطلب کیا ہے۔کیا ماریا سچ مچ کسی جگہ پتھر بنا دی گئی
ہے؟اگر ایسی بات ہے تو وہ کہاں ہے؟کس مقام پر ہے؟کیا اس کا
خواب جھوٹا تھا؟نہیں اس کا خواب جھوٹا نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ کبھی
اسے زندگی میں کوئی جھوٹا خواب نہیں آیا تھا۔ناگ پریشان ہو گیا کہ

ماریا کس جگہ پتھر بنی ہوئی ہے؟اسے اتنا معلوم تھا کہ ماریا پر جادو چل
جاتا ہے کیونکہ وہ کمزور خیال کی لڑکی ہے۔اگر اس کا دل مضبوط ہوتا
اور خیال طاقت ور ہوتا تو جادو نہ چل سکتا۔

پراسرار جنگلی

ماریا پتھر کا بہت بنی تہہ خانے والے مقبرے کے تابوت میں پڑی ہے۔

ناگ اس کی تلاش میں ہے۔ سپہ سالار ناگ کو خود قتل کرنے کے لیے میدان میں آ گیا ہے۔ اب ذرا عنبر کی بھی خبر لیتے ہیں اور اس سمندری جہاز کا بھی پتہ کرتے ہیں جو خزانے کی تلاش میں گمنام جزیرے کی طرف جا رہا ہے۔ عنبر کو یاماہا بندرگاہ کے شہر میں رخسانہ کے

ماموں کی حویلی میں جاپان واپس جانے والے جہاز کی راہ دیکھ رہا ہے۔ خزانے کی تلاش میں نکلا ہوا سوداگر کا جہاز کھلے سمندر میں گمنام جزیرے کی طرف سفر کر رہا ہے۔

موسم بڑا خوشگوار ہے۔ جہاز اپنے بادبان کھولے سمندر کی پرسکون لہروں پر چلا جا رہا تھا۔ جہاز کو بندرگاہ سے روانہ ہوئے دوسرا دن ہے۔ آج کا دن بڑا خطرناک دن ہے۔ کیونکہ یہی وہ دن ہے جس کی رات کو جہاز کے کپتان نے بغاوت کر کے سوداگر اور اس کے وفادار ملاحوں کو قتل کرنے کا منصوبہ بنا رکھا ہے۔ کپتان نے اپنے سارے آدمیوں کو بتا دیا ہے کہ آدھی رات کو بغاوت کے شعلے بلند کر دیے جائیں گے اور سوداگر اور اس کے وفادار ساتھیوں کو سوتے میں ہی ختم کر دیا جائے گا۔

کپتان نے مکاری سے کام لیتے ہوئے اس رات سوداگر کے

ساتھیوں کو آرام کرنے کی چھٹی دے دی تھی اور اپنے آدمیوں کو کام پر لگایا تھا تاکہ سوداگر کے ساتھی سو جائیں اور انہیں سوتے میں ہلاک کر دے۔ کپتان کے سارے آدمی ہوشیار اور چوکس ہیں۔ دوپہر کے کھانے کے بعد سوداگر نے کچھ دیر آرام کیا۔ شام ہوئی تو وہ اپنے کیبن سے نکل کر عرشے پر کپتان کے پاس آ کھڑا ہوا اور باتیں کرنے لگا۔

کپتان سوداگر کو کنکھیوں سے دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ کل وہ اس شخص کے قتل کے بعد اس جہاز کا مالک ہوگا۔ جہاز پر اس کی حکمرانی ہو گی اور سارے کے سارے خزانے کا اکیلا مالک ہوگا۔ اس نے سوچ رکھا تھا کہ وہ خزانہ پانے کے بعد اپنے آدمیوں میں اسے تقسیم نہیں کرے گا بلکہ صرف چند ایک وفادار ساتھیوں کو تھوڑا بہت حصہ دے گا اور باقی ساری دولت اپنے پاس ہی رکھے گا۔

سوداگر نے کہا:

‘‘تمہارا کیا خیال ہے ابھی ہمیں جزیرے پر پہنچنے میں کتنے دن لگیں گے؟’’

کپتان نے کہا:

‘‘نقشے کے مطابق ہم اس وقت جزیرے سے کوئی دو دن اور دو راتوں کے فاصلے پر ہیں۔ اگر ہم اسی رفتار سے آگے بڑھتے رہے اور موسم خوشگوار رہا تو دو دن کے بعد ہم اس جزیرے میں پہنچ جائیں گے جہاں ہیرے جواہرات کا خزانہ ہماری راہ دیکھ رہا ہے۔’’

سوداگر نے خوش ہو کر کہا:

‘‘کیا تمہیں یقین ہے کہ ہم خزانہ حاصل کر سکیں گے؟’’

کپتان بولا:

‘‘کیوں نہیں میرے آقا‘ نقشہ صاف صاف مجھے بتا رہا ہے کہ

جزیرے میں ایک خاص جگہ پر بحری ڈاکوؤں کا بیش قیمت اور انمول
خزانہ دفن ہے۔ پھر بھلا ہمیں ناکامی کا منہ کیسے دیکھنا پڑے گا؟“

سوداگر کی باچھیں کھل گئیں:

”خزانہ مل جائے تو پھر میں اس قسم کے کئی جہاز بنواؤں گا۔ پھر
سارے سمندری میں میرے ہی تجارتی جہاز چلا کریں گے۔ دنیا کا
امیر ترین انسان ہوں گا“۔

سوداگر قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔ کپتان نے بھی قہقہہ لگایا اور بولا:

”میرے آقا‘ اتنی دولت پانے کے بعد ہم غلاموں کو نہ بھلا دیجیے
گا۔ ہم ہمیشہ آپ کی خدمت کرنا چاہتے ہیں“۔

سوداگر نے کپتان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا:

”گھبراؤ نہیں کپتان‘ تم میرے دوست بھی ہو۔ میں تمہیں پورے
جہازوں کے ایک تجارتی بیڑے کا کمانڈر بنا دوں گا۔ تم ہمیشہ میرے

ساتھ رہو گے۔ میں تمہیں اپنے سے کبھی جدا نہیں کروں گا“۔

کپتان نے کہا:

”بس حضور ہمیں آپ سے یہی ایک امید ہے کہ آپ ہمیں ہمیشہ
اپنے قدموں میں رکھیں گے“۔

سوداگر بولا:

”ضرور ضرور“۔

سوداگر خوشی سے پھولا نہیں سما رہا تھا اور کپتان دل میں سوچ رہا تھا
کہ میاں سوداگر‘ کن خیالوں میں گھوم رہے ہو۔ ذرا رات ہو لینے دو
پھر تمہیں آٹے دال کا بھاؤ بتا دیں گے۔ تم تو اب آدھی رات تک کے
مہمان ہو۔ سوداگر اپنے انجام سے بے خبر تھا۔ اس نے کہا:

”میاں کپتان‘ خزانے کو ہم جہاز کے خفیہ تہ خانے میں رکھیں گے
اور کسی بھی ملاح کو اس کے بارے میں نہیں بتائیں گے کہ وہ جہاز میں

کس جگہ پر رکھا گیا ہے۔ کیونکہ تم تو خوب جانتے ہو یہ لوگ بڑے لالچی ہوتے ہیں اور تھوڑی سی دولت کے لالچ میں دوسرے کو قتل کر دیتے ہیں۔ اگر کسی نے ایسا کرنے کی جرات کی تو تمہیں معلوم ہے کہ میں خود بڑا ظالم انسان ہوں۔ میں ان سبھوں سے نپٹ لوں گا"۔

پھر اس نے ایک طرف نگاہ سکیڑ کر کہا:

"کپتان' آج مجھے جہاز کے عرشے پر بہت کم لوگ نظر آ رہے ہیں۔ باقی ملاح کہاں چلے گئے ہیں؟"

کپتان نے کہا:

"میں نے آدھے ملازموں کو چھٹی دے دی ہے تاکہ وہ آرام کر سکیں۔ کیونکہ جزیرے پر پہنچ کر انہیں بڑا سخت کام کرنا پڑے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ ملاح سمندر کی زندگی سے اکتا نہ جائیں"۔

سوداگر نے کپتان کو شاباش دیتے ہوئے کہا:

"تم بہت تجربہ کار اور عقل مند کپتان ہو۔ مجھے خوشی ہوئی ہے کہ تم بڑی ہوشیاری اور عقل مندی سے کام لے رہے ہو۔ جزیرے پر پہنچتے ہی ان لوگوں کو بڑا سخت کام کرنا پڑے گا۔ یہ باری باری جتنا بھی آرام کر لیں کم ہے"۔

پھر سوداگر نے جمائی لے کر کہا:

"اچھا بھئی مجھے تو نیند آ رہی ہے۔ میں سونے جا رہا ہوں۔ صبح ملاقات ہوگی۔

کپتان نے کہا:

"شب بخیر میرے آقا صبح ملیں گے"۔

کپتان نے دل میں کہا۔ صبح تم کہاں ملو گے؟ صبح تو تمہاری لاش سمندر میں مچھلیاں کھا رہی ہوں گی۔ سوداگر اپنے انجام سے بے خبر کیبن میں جا کر بے سدھ ہو کر سو گیا۔ سوداگر کے دوسرے وفادار

ساتھی بھی عرشے پر سمندر کی ٹھنڈی ہوا میں لیٹ گئے تھے۔ انہیں چھٹی مل جانے کی بڑی خوشی تھی اور وہ کپتان کو دعائیں دے رہے تھے کہ اس نے انہیں آرام کرنے کا موقع دیا۔ انہیں کیا خبر تھی کہ کپتان تو ان کے ہمیشہ کے لیے آرام کرنے کا بندوبست کر رہا ہے۔

سمندر میں سورج غروب ہو گیا۔

شام کی روشنی اندھیرے میں بدل گئی۔ سمندر پر رات کا اندھیرا پھیل گیا۔ کالی کالی لہریں ڈراؤنی لگنے لگیں۔ سوداگر کے آدمی خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہے تھے۔ اگر وہ اس رات غافل ہو کر نہ سوتے تو کبھی موت کے گھاٹ نہ اترتے اور پھر شاید کپتان بھی جہاز پر قبضہ نہ کر سکتا۔ لیکن وہ غافل ہو گئے تھے گنہ گار آدمی غافل ہو جاتا ہے۔ وہ سارے آدمی ڈاکو اور قاتل تھے۔ انہوں نے بے شمار

عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو قتل کر کے گناہ کیا تھا۔ قدرت آج ان کو ان کے گناہ کا بدلہ دے رہی تھی۔ یہی حال سوداگر کا تھا۔ وہ ساری زندگی غلاموں پر ظلم کرتا آیا تھا اس نے ہزاروں لوگوں کو گھر سے بے گھر کیا تھا بچوں کو یتیم کیا تھا۔ ماؤں سے ان کے بیٹے چھینے تھے۔ قدرت اسے بھی اس کے گناہوں کی سزا دے رہی تھی۔ اب وہ دولت کے لالچ میں ویران جزیرے کی طرف جا رہا تھا۔ اگر وہ اب بھی دولت کا لالچ نہ کرتا اور تجارت کرنے کے لیے آگے روانہ ہو جاتا تو بچ سکتا تھا۔ مگر اس نے لالچ کیا کہ خزانہ حاصل کر لوں اور کسی کو نہ دوں۔ سب کو قتل کر کے خود خزانے کا مالک بن جاؤں۔ اس کا انجام کیسے اچھا ہو سکتا تھا؟

جہاز سمندر میں چلا جا رہا تھا۔ آسمان پر تارے چمک رہے تھے رات آدھی سے زیادہ گزر گئی تو کپتان چپکے سے اپنے کیبن سے باہر

نکل آیا۔ بغاوت کرنے کا وقت آ گیا تھا۔ اس نے تلوار کھینچ لی اور اپنے آدمیوں کو جہاز کے ایک طرف لے کر سرگوشی میں کہا:

"وقت آ گیا ہے۔ سارا کام ہوشیاری سے کرنا۔ میں سوداگر کو جا کر کیبن میں ختم کرتا ہوں۔ تم ایک ایک کر کے فوراً اس کے آدمیوں کو ہلاک کر دینا۔ خبردار کوئی بچ نہ سکے۔ اگر کوئی بچ بھی گیا تو اسے سمندر میں دھکا دے دینا"۔

کپتان نے اشارہ کیا اور سوداگر کے کیبن کی طرف آ گیا۔

کپتان کے آدمیوں نے تلواریں سونت لیں اور سوداگر کے سوئے ہوئے ساتھیوں کو ایک ایک کر کے سوتے میں ہی قتل کرنا شروع کر دیا۔ وہ کم بخت اس طریقے سے قتل کرتے چلے جا رہے تھے کہ کیا مجال جو کسی کی آواز تک بھی نکل سکے۔ تلوار گردن پر رکھ کر اوپر سے جسم کا پورا بوجھ ڈال دیتے۔ گردن گنڈیری کی طرح کٹ کر دور جا گرتی۔

ایک ملاح کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے زور سے چیخ ماردی۔ باقی لوگ بھی بیدار ہو گئے۔ اب وہاں گھمسان کا رن پڑنے لگا۔ مگر سوداگر کے آدمی سو کر اٹھتے تھے اور ان پر سستی چھائی ہوئی تھی۔ جب کہ کپتان کے آدمی تازہ دم تھے اور پہلے سے تیار ہو کر آئے تھے۔ انہوں نے سوداگر کے آدمیوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹنا شروع کر دیا۔

اور پر شور اور چیخ و پکار کی آوازوں نے سوداگر کو جگا دیا۔

وہ ہڑبڑا کر اٹھا۔ اس کے سر پر کپتان تلوار سونتے کھڑا تھا۔ سوداگر نے گرج کر کہا:

"نمک حرام، تمہاری یہ مجال؟"

کپتان نے اس سے پہلے کہ سوداگر تلوار پکڑے ایک زوردار ہاتھ مارا اور سوداگر کا ایک بازو کٹ کر فرش پر گر پڑا۔ سوداگر بھی کسی زمانے میں بحری ڈاکو رہ چکا تھا۔ اس نے حوصلہ نہ ہارا بلکہ ایک ہی ہاتھ سے

تلوار چلانے لگا۔ لیکن اس کا ایک ہاتھ زیادہ دیر تک کپتان کے دو
ہاتھوں کا مقابلہ نہ کر سکا۔ پھر خون بہہ جانے سے سوداگر پر کمزوری بھی
چھا گئی تھی۔ وہ پیچھے ہٹنے لگا۔ کپتان حملے پر حملے کر رہا تھا۔ سوداگر اس
کا ہر وار بچانے کی پوری کوشش کر رہا تھا۔ آخر وہ تھک گیا اور گر پڑا۔
کپتان اس کے گرنے کا ہی انتظار کر رہا تھا۔

سوداگر کے گرتے ہی کپتان نے پوری کی پوری تلوار سوداگر کے
سینے میں گھونپ دی۔ سوداگر کے ہونٹوں سے ایک آخری چیخ بلند ہوئی
اور وہ تھوڑی دیر تڑپنے کے بعد ٹھنڈا ہو گیا۔ کپتان اسے کیبن میں ہی
چھوڑ کر اوپر عرشے پر آ گیا۔ یہاں بھی میدان اب صاف تھا۔ کپتان
کے ساتھیوں نے سوداگر کے تمام ساتھیوں کو ختم کر کے لاشیں سمندر
میں پھینک دی تھیں۔

کپتان نے قہقہہ لگا کر کہا:

”شاباش میرے دوستوں، ہم نے جہاز پر قبضہ کر لیا ہے۔ ہم نے
فتح حاصل کر لی ہے۔ جہاز کے ظالم مالک کی لاش اس کے کیبن میں
پڑی ہے۔ اسے بھی اٹھا کر سمندر میں پھینک دو۔“

جہاز پر صبح ہونے سے پہلے پہلے کپتان کا قبضہ ہو چکا تھا۔ سوداگر کی
لاش کو کیبن سے گھسیٹ کر عرشے پر لایا گیا اور پھر ملاحوں نے اٹھا کر
سمندر میں پھینک دیا۔ کپتان نے اونچی آواز میں اعلان کیا کہ آج
سے جہاز کے تمام لوگ آزاد ہیں اور اگر خزانہ مل گیا تو اسے سارے
ملاحوں میں برابر برابر تقسیم کر دیا جائے گا۔ اس اعلان پر ملاحوں نے
خوشی سے کپتان زندہ باد کے نعرے لگائے۔ لیکن حقیقت میں کپتان
کے دل میں کھوٹ تھا۔ اس نے اپنے خاص ساتھی سے مل کر یہ کھچڑی
پکا رکھی تھی کہ خزانہ حاصل کرتے ہی کسی نہ کسی طرح سارے ملاحوں کو
جزیرے پر ہی چھوڑ کر وہ جہاز لے کر اکیلے فرار ہو جائیں گے۔ یہ

ایک بڑی خطرناک سازش تھی۔ اگر ملاحوں کو اس کی خبر ہو جاتی تو وہ کپتان کی تکا بوٹی کر دیتے۔ لیکن وہ بے خبر تھے۔

سورج نکلا تو جہاز کھلے سمندر میں چلا جا رہا تھا۔

دو دن اور دو راتیں کھلے سمندر میں بڑے سکون کے ساتھ سفر کرنے کے بعد جہاز کے ملاحوں کو دور گمنام جزیرے کی چٹانیں دکھائی دیں۔ انہوں نے خوشی سے نعرے لگائے کہ زمین نظر آ گئی۔ کپتان نے نقشہ دیکھا۔ اس کے مطابق وہی گمنام جزیرہ تھا۔ جہاں خزانہ دفن تھا۔ شام کے وقت جہاز جزیرے کے ساحل کے ساتھ لنگر ڈال چکا تھا۔ جہاز پر شمعیں روشن ہو گئیں اور ملاح ساحل کی ریت پر اتر کر ناچتے گاتے اور آگ جلا کر کھانا وغیرہ پکانے لگے۔

کپتان ایک خاص ساتھی کے ساتھ مشعل لے کر جزیرے میں تھوڑی دور تک گیا۔ یہاں چاروں طرف پتھروں کی نوکیلی چٹانیں

ابھری ہوئی تھیں۔ کہیں کہیں درختوں کے جھنڈ رات کی ہوا میں جھوم رہے تھے۔ آبادی کا نام و نشان تک نظر نہ آ رہا تھا۔ کپتان نے خیال ظاہر کیا کہ جزیرے پر کوئی جنگلی آباد نہیں ہیں کیونکہ یہ جزیرہ عام سمندری راستے سے بالکل ہٹ کر ہے۔

کپتان کے ساتھی نے کہا:

"کپتان! میں نے یہ سنا ہے کہ سمندروں میں جزیرہ خواہ کتنا ہی دور دراز کیوں نہ ہو۔ وہاں کوئی نہ کوئی وحشی قبیلہ ضرور آباد ہوتا ہے"۔

کپتان نے کہا:

"وہ تو ٹھیک ہے مگر ایسے جزیرے جہاں کھانے پینے کے لیے کچھ نہ ہو وہاں جنگلی جانور بھی زندہ نہیں رہ سکتے۔ میرا خیال ہے کہ یہ جزیرہ بے آباد ہے"۔

ساتھی بولا:

”یہ تو صبح ہی معلوم ہوگا۔ ویسے تمہیں یقین ہے کپتان کہ نقشے کے مطابق یہی وہ جزیرہ ہے جہاں خزانہ دفن ہے؟“

کپتان نے کہا:

”کیوں نہیں، نقشے میں اسی جزیرے کا نشان لگایا گیا ہے“ کپتان اور اس کے ساتھی واپس آ گئے۔

آدھی رات کے بعد سب لوگ سو گئے۔ کچھ جہاز کے عرشے پر لیٹ گئے اور کچھ جزیرے کے ساحل کی ٹھنڈی ریت پر بے سدھ ہو کر سو گئے۔ کپتان اپنے خاص ساتھی کے ساتھ جہاز کے عرشے پر سویا۔ اسے کسی بھی دشمن کا یہاں کوئی خوف نہیں تھا۔ جہاز کا سارے کا سارا عملہ اس کا وفادار عملہ تھا۔ اس لیے وہ بڑی بے فکری سے سو رہا تھا۔

آدھی رات کے بعد جب یہ سارے لوگ سو رہے تھے۔ جزیرے کی چٹانوں کی طرف سے ایک جنگلی آدمی نمودار ہوا۔ اس کے جسم پر

صرف گھاس پھونس کی ایک لنگوٹی تھی۔ سارے جسم پر رنگ ملا ہوا تھا۔ ہاتھ میں نیزہ پکڑا ہوا تھا۔ چٹان کے پیچھے سے نکل وہ ساحل کی ریت پر سوئے ہوئے ملاحوں کے پاس آیا۔ اس نے جھک کر ایک ایک ملاح کو دیکھا۔ پھر تھوتھنی اوپر کر کے ہوا میں کچھ سونگھنے کی کوشش کی۔ وہ جہاز کو سمندر میں کھڑے دیکھنے لگا۔ ستاروں کی ہلکی ہلکی روشنی میں اس کا سیاہ بدن چمک رہا تھا۔ جنگلی آدمی نے کسی ملاح کو کچھ نہ کہا اور بڑی خاموشی سے جدھر سے آیا تھا ادھر ہی کو چٹانوں کے پیچھے غائب ہو گیا۔

دن چڑھا تو ایک ایک کر کے سارے جہازی جاگ پڑے۔

کپتان نے چار ملاحوں کو ساتھ لیا۔ باقیوں کو جہاز کے اوپر رہنے کی ہدایت کی اور نقشہ جھولے میں ڈال کر خزانے کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ سورج نکل آیا تھا اور جزیرے پر دھوپ چمکنے لگی تھی۔ یہاں گرمی

اور حبس تھا۔ کپتان اپنے آدمیوں کے ساتھ چٹانوں میں سے ہو کر
درختوں کے جھنڈوں میں آ گیا۔ درختوں پر ایک بھی پرندہ نہیں تھا۔
ہر طرف خاموشی تھی۔ صرف دور سمندروں کی لہروں کا ہلکا ہلکا شور سنائی
دے رہا تھا۔ کپتان اپنے آدمیوں کو لے کر نقشے کے مطابق آگے چل
پڑا۔

خزانہ مل گیا

کپتان خزانے کے نقشے کا بڑا ماہر تھا۔
وہ نقشے کے ایک ایک نشان اور ایک ایک نقطے کو سمجھتا تھا۔ اسے
راستہ تلاش کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آ رہی تھی۔ چلتے چلتے اسے
دوپہر ہو گئی۔ دھوپ تیز ہو گئی تھی۔ گرمی میں انہیں پسینہ آ رہا تھا۔ ایک
جگہ درختوں کی چھاؤں دیکھ کر وہ رک گئے۔ اور آرام کرنے لگے۔
اس جزیرے پر ہر طرف چٹانیں ہی چٹانیں تھیں۔ صرف سمندر کے

ساحل کے ساتھ ساتھ درختوں کی قطاریں تھیں اور کہیں کہیں درختوں
کے جھنڈ تھے۔ نقشے کے مطابق وہاں ایک جگہ چھوٹا سا جنگل تھا جس
میں سے گزر کر انہیں ایک چٹیل میدان میں سے نکل کر ان دو درختوں
کے درمیان پہنچنا تھا جو ایک دوسرے کی طرف جھکے ہوئے تھے۔ بس
انہی درختوں کے سائے میں جو چٹان تھی خزانہ اس چٹان کے اندر
تھا۔

کپتان کا ساتھی بھی اس کے ہمراہ تھا۔ باقی جہازی خنجر لگائے ساتھ
ساتھ چل رہے تھے۔ کپتان اگرچہ پہلے اس جزیرے پر کبھی نہیں آیا
تھا۔ مگر اسے اس قسم کے بے آباد اور گمنام جزیروں میں اتر کر سفر
کرنے کا بڑا تجربہ تھا۔ درختوں کی چھاؤں میں بیٹھ کر ان لوگوں نے
تھوڑا بہت کھانا اور پھل کھائے اور پھر آگے روانہ ہو گئے۔ کپتان کو
بہت دور سے درختوں کے جھنڈ دکھائی دیے۔ اس نے جھٹ نقشہ

دیکھا اور ساتھی سے کہا:

"میرا خیال ہے، یہی وہ جنگل ہے جس کا اس نقشے میں نشان لگایا
گیا ہے"۔

ساتھی نقشے کو غور سے دیکھتے ہوئے بولا:

"ہاں کپتان، یہی وہ جنگل ہے۔ ہم خزانے کے قریب پہنچ چکے ہیں
کپتان۔"

کپتان کے چہرے پر خوشی کی چمک آ گئی کہنے لگا:

"میرا خیال کبھی غلط نہیں ہو سکتا۔ یہ نقشہ سچا ہے۔ جھوٹا نہیں ہے۔
یہی وہ جنگل ہے جس کے پار چٹان کے اندر سونے اور جواہرات سے
بھرا ہوا صندوق ہماری راہ دیکھ رہا ہے"۔

ساتھی نے خوشامد کے ساتھ کہا:

"کپتان آپ ایک ماہر اور تجربہ کار کپتان ہیں۔ بحری ڈاکو اسی

لیے آپ سے تھر تھر کانپتے ہیں کہ آپ ان کے سارے رازوں کو جانتے ہیں۔آپ ان کی ساری کمزوریوں سے واقف ہیں"۔

کپتان نے اپنے دوسرے ملاحوں سے مخاطب ہو کر کہا:

"سنو، ہم خزانے کے پاس پہنچ رہے ہیں۔تم لوگ میرے غلام ہو۔مگر میں تمہیں خزانے میں پورا حصہ دوں گا۔میں تمہارا حق نہیں ماروں گا نہیں۔تمہاری محنت کا تمہیں پورا معاوضہ ملے گا۔لیکن ایک بات اچھی طرح یاد رکھنا۔اگر کسی ملاح نے مجھ سے غداری کرنے کی کوشش کی تو اس جزیرے پر سب سے پہلے اسی کا خون بہے گا"۔

ملاحوں میں سے ایک اچھی عمر کے گٹھے ہوئے بدن والے جہازی نے کہا:

"کپتان، ہم کبھی آپ کے ساتھ غداری کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتے اور پھر اس وقت غداری کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جب

ہمیں خزانے میں سے پورا پورا حصہ مل رہا ہے۔ہم آپ کے وفادار ہیں اور وفادار رہیں گے"۔

کپتان نے خوش ہو کر کہا:

"شاباش، مجھے تم لوگوں سے یہی امید تھی۔چلو اب اپنی منزل کی طرف آگے بڑھیں۔ہیرے جواہرات اور سونا ہماری راہ دیکھ رہا ہے"۔

جہازی اٹھے اور چٹانوں، خشک بنجر ٹیلوں اور چھوٹی چھوٹی ویران گھاٹیوں میں سے گزرتے ہوئے جنگل کی طرف چلنے لگے۔سورج ٹھیک ان کے سروں کے اوپر چمک رہا تھا۔گرمی کے مارے ان کا برا حال ہو رہا تھا۔مگر دولت کا لالچ انہیں آگے چلنے پر مجبور کر رہا تھا۔

وہ چلتے گئے۔جنگل قریب آ گیا۔یہ پام اور ناریل کے درختوں کا جنگل تھا۔جس میں بڑے بڑے چوڑے پتوں اور کانٹوں والے گھنے

درخت بھی تھے۔ اس جنگل میں پہنچ کر انہیں کچھ سکون محسوس ہوا۔ یہاں درختوں کی ٹھنڈی چھاؤں میں اتنی گرمی نہیں تھی۔ اگر چہ حبس بڑھا تھا مگر انہیں دھوپ سے ضرور نجات مل گئی تھی۔

وہ جنگل میں سے گزرتے چلے گئے۔ کپتان اور اس کا ساتھی بار بار نقشہ نکال کر دیکھ لیتے کہ وہ ٹھیک راستے پر چل رہے ہیں۔ نقشے کے مطابق وہ سیدھے راستے پر چل رہے تھے۔ کپتان اور ساتھی بیچ میں تھے۔ دو ملاح آگے آگے جا رہے تھے اور دو ملاح پیچھے پیچھے آ رہے تھے۔ اچانک آگے چلنے والے ملاحوں میں سے ایک ملاح نے زور سے چیخ ماری۔ وہ دلدل میں گر پڑا۔ دوسرے ساتھی نے اس کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ چیخ کی آواز سن کر کپتان، اس کا ساتھی اور دوسرے ملاح آگے کی طرف بھاگے۔ چوتھا ملاح دلدل میں پھنس گیا تھا۔ اس کی کمر تک دلدل پہنچ گئی تھی اور آہستہ آہستہ

اسے اندر کو کھینچے لیے جا رہی تھی۔ وہ چلا رہا تھا۔

"مجھے بچاؤ، کپتان مجھے بتاؤ"۔

کپتان نے رسہ کھول کر دلدل میں اس کی طرف پھینکا۔ دوسرے ملاحوں نے رسے کو درخت کے تنے کے ساتھ باندھ دیا۔ رسہ مصیبت میں پھنسے ہوئے ملاح سے دور جا کر گرا۔ کپتان نے دوسری بار رسہ پھینکا تو ملاح سینے تک دلدل میں دھنس چکا تھا اور شور مچا رہا تھا دلدل باقاعدہ سانس لیتی محسوس ہو رہی تھی اور وہ اس قدر تیزی سے ملاح کو اپنے اندر کھینچ رہی تھی جیسے وہ کئی روز سے بھوکی ہو۔

کپتان نے چیخ کر کہا:

"رسے کو پکڑنے کی کوشش کرو"۔

ملاح چیخا:

"آہ کپتان! میں اپنی جگہ سے ایک انچ نہیں ہل سکتا۔ خدا کے لیے

مجھے بچالو۔ دلدل کے اندر کوئی میرے دونوں پاؤں پکڑ کر نیچے کھینچ رہا
ہے۔ مجھے بچاؤ۔“

کپتان کے ساتھی نے کہا:

”رسی کو پکڑو۔“

ملاحوں نے رسہ دوبارہ اس کی طرف پھینکا اب کے رسہ ملاح نے
پکڑ لیا۔ وہ رسے سے پاگلوں کی طرح لپٹ گیا۔ یہی رسہ اب اس کی
زندگی کا سہارا تھا۔ ملاحوں نے رسے کو اپنی طرف کھینچنا شروع کر دیا۔
انہیں تعجب ہوا کہ دلدل میں پھنسا ہوا ملاح اپنے جگہ سے بالکل حرکت
نہیں کر رہا تھا۔ خدا جانے دلدل کے اندر سے اس کی ٹانگوں کو کس
طاقت ور شے نے پکڑ لیا تھا کہ پانچ آدمیوں کی طاقت مل کر بھی اسے
نہیں نکال سکی تھی۔

اس نے چیخ کر کہا

”کپتان، خدا کے لیے کچھ کرو۔ میں مر رہا ہوں“

کپتان نے ملاحوں کو جھڑک کر کہا:

”کم بختو پوری طاقت سے رسہ کھینچو“

ملاحوں نے کہا:

”کپتان ہم پورا زور لگا رہے ہیں مگر رسہ اپنی جگہ سے نہیں ہلتا۔
اندر سے کسی نے اسے پکڑ لیا ہے“۔

کپتان بولا:

”بد بختو‘ دلدل میں کیا جانور ہو سکتا ہے بھلا۔ زور لگاؤ‘ اور زور
لگاؤں۔ میں بھی زور لگاتا ہوں“۔

وہ سب مل کر زور لگاتے رہے اور بدنصیب ملاح دلدل کے اندر ہی
اندر اترتا چلا گیا۔ پہلے سینہ اندر تھا پھر دونوں بازو اور کندھے بھی
دلدل کے اندر چلے گئے۔ پھر گردن اور اس کے بعد اس کا کھلا ہوا منہ

بھی دلدل کے اندر گم ہو گیا۔ صرف دو آنکھیں رہ گئیں۔ جو بے بسی کے
عالم میں اپنے ساتھیوں کو آخری بار تک رہی تھی اور ایک آخری چیخ
کے ساتھ اس کی آنکھیں اور سر بھی دلدل نے نگل لیا، کپتان، اس کا
ساتھی اور دوسرے ساتھی ملاح سب دیکھتے ہی دیکھتے رہ گئے، خدا
جانے یہ خوفناک دلدل کس قسم کی تھی کہ چار پانچ آدمی مل کر بھی ایک
ملاح کو دلدل میں سے باہر نہ کھینچ سکے۔

کپتان نے کہا:

"اس کی قسمت میں ہی یہ موت لکھی تھی۔ ہم نے بہت کوشش کی مگر
کامیاب نہ ہو سکا۔ چلو اب آگے بڑھو۔ ہمیں شام سے پہلے پہلے
خزانے تک پہنچ جانا چاہیے اور رات ہونے تک واپس جہاز پر بھی
پہنچنا بہت ضروری ہے"۔

باقی ملاحوں کو اپنے ایک ساتھی کی اس طرح بھیانک موت کا بڑا

دکھ تھا۔ مگر وہ کپتان کے آگے سر نہیں اٹھا سکتے تھے۔ وہ کھل کر اپنے
دوست کی موت پر رو بھی نہیں سکتے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ کپتان بڑا
ظالم شخص ہے اور اس نے جہاز پر سوداگر کو قتل کر کے قبضہ کر رکھا ہے۔

کپتان کے ساتھی نے کہا

"چلو ساتھیو، ہمیں ابھی بہت دور چلنا ہے"۔

سارے ملاح کپتان کے ساتھ چل پڑے۔

دوپہر کے بعد وہ جنگل میں سے باہر نکل آئے۔ اب ان کے
سامنے ایک چھوٹا سا چٹیل میدان تھا۔ کپتان نے ایک ٹیلے کے اوپر
چڑھ کر دیکھا۔ میدان کے دوسری جانب پام کے دو درخت ایک
دوسرے کی طرف اس طرح جھکے ہوئے تھے کہ وہاں ایک کمان سی بن
گئی تھی۔ کپتان خوشی سے جھوم اٹھا۔ نقشے کے مطابق یہی وہ جگہ تھی
جس کے قریب ہی ایک چٹان کے اندر بحری ڈاکوؤں کا قیمتی خزانہ

دفن تھا۔ اس نے اپنے ایک ساتھی کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا:

"دوست' ہم ٹھیک جگہ پر پہنچ گئے ہیں۔ منزل ہمارے قدموں میں آ گئی ہے۔ بس اب تھوڑی ہی دیر میں ہم خزانے کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ دیوتا ہم سب پر مہربان ہیں"۔

کپتان کے ساتھی نے کہا:

"نقشے نے ہمیں دھوکہ نہیں دیا۔ ہر جگہ' ہر مقام' ہر جنگل اور درخت ہمیں نقشے کے مطابق ملتے چلے گئے ہیں"۔

کپتان ہنس کر بولا:

"اور اسی طرح اب ہمیں خزانہ بھی مل جائے گا"۔

ساتھی بولا:

"ضرور ضرور"۔

تھوڑی دیر کے بعد چاروں ملاحوں اور کپتان کا یہ قافلہ کمان کی

طرح جھکے ہوئے درختوں کے نیچے کھڑا تھا۔ یہ لوگ تھکن سے چور ہو گئے تھے۔ ان کے بدن پسینے میں تر تھے اور سانس پھولا ہوا تھا۔ مگر انہیں بڑی خوشی تھی کہ ان کی محنت ٹھکانے لگی اور خزانے کا نشان مل گیا۔

کپتان نے کہا:

"اب ہمیں وہ غار تلاش کرنی چاہیے جس کے اندر خزانہ دفن ہے۔ یہ غار ایک چٹان میں ہے۔ نقشے کے مطابق اس چٹان کے اوپر ایک پتھر کی شکل کسی بوڑھے کی طرح ہے جو زمین پہ جھکا ہوا ہو"۔

درختوں کے آس پاس انہوں نے جھکی ہوئی کمر والے بوڑھے کی چٹان کی تلاش کرنی شروع کر دی۔ ایک ملاح نے خوش ہو کر نعرہ لگایا:

"مل گئی کپتان' چٹان مل گئی"۔

کپتان اور اس کا ساتھی بھاگ کر اس طرف گئے۔ سچ مچ ان کے

سامنے ایک چٹان کھڑی تھی جس کے اوپر ایک بڑا سا پتھر ٹکا ہوا تھا۔ اس پتھر کی کاٹ تراش قدرتی طور پر ایسی ہوئی تھی کہ صاف لگتا تھا کوئی بوڑھا آدمی کمر جھکائے کھڑا زمین پر کچھ تلاش کر رہا ہے۔

"بس اسی چٹان کے اندر کسی غار کا دروازہ ہے"۔

وہ لوگ بڑی بے تابی اور جوش کے ساتھ چٹان میں سے غار کا دروازہ ڈھونڈنے لگے۔ چٹان کے چاروں طرف پتھر ہی پتھر تھے۔ کپتان اور اس ساتھی لوہے کی ہتھوڑی سے پتھروں کو بجا بجا کر آواز سننے کی کوشش کر رہے تھے۔ ایک جگہ کپتان نے لوہے کی ہتھوڑی ماری تو اندر سے کھوکھلی آواز سنائی دی۔ کپتان کے کان کھڑے ہو گئے۔ اس نے دوسری بار ہتھوڑی پتھروں پر ماری۔ اندر سے پھر وہی کھوکھلے پن کی آواز آئی۔ کپتان کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"دروازہ اسی جگہ ہے"۔

انہوں نے مل کر چٹان کے پتھروں کو توڑنا شروع کر دیا۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد ایک سل نیچے گر پڑی۔ پتھر کی سل کا نیچے گرنا تھا کہ غار کا منہ کھل گیا۔ ایک تنگ سا اندھیرا راستہ غار کے اندر جاتا تھا۔ کپتان نے اپنے ساتھی سے کہا:

"میرے ساتھ آؤ۔ تم لوگ باہر ہی ٹھہرو"۔

باقی ملاحوں کو غار کے منہ پر کھڑا کر کے کپتان اپنے ساتھی کے ہمراہ غار کے اندر اتر گیا۔ کچھ الٹی سیدھی سیڑھیوں کے بعد غار دائیں طرف کو گھوم گئی۔ غار کی چھت نیچی تھی اور انہیں جھک کر چلنا پڑ رہا تھا۔ غار میں اندھیرا ابھی تھا۔ کپتان نے مشعل نکال کر جلائی اور ہاتھ میں لے کر آگے بڑھنے لگا۔ روشنی میں انہیں راستہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔ کچھ دور چلنے کے بعد وہ ایک ذرا کھلی جگہ میں آ گئے۔ یہاں غار کی چھت بلند ہو گئی تھی اور سامنے ایک پتھروں کا چبوترہ سا بنا ہوا تھا۔

کپتان نے مشعل دیوار میں اڑا کر نقشے کو دیکھا۔

"ہم ٹھیک جگہ پر پہنچ گئے ہیں۔ نقشہ کہتا ہے کہ اسی چبوترے کے اندر خزانہ دفن کیا گیا ہے۔"

ساتھی نے کہا:

"ہمیں چبوترے کو توڑ دینا چاہیے"۔

"ٹھیک ہے"

ساتھ لائی ہوئی کدالوں سے کپتان اور اس کے ساتھی نے چبوترے کے پتھروں کو اکھاڑنا شروع کر دیا۔ وہ زور زور سے کدالیں چلاتے گئے۔ پتھروں نے اکھڑنا اور ٹوٹنا شروع کر دیا۔ ایک ایک کر کے پتھر نیچے گرتے گئے۔ آخر میں ایک بڑی سل آ گئی۔ کپتان اور اس کے ساتھی نے کدالیں اس کے نیچے پھنسا کر دو چار دفعہ زور لگایا تو سل اکھڑ کر نیچے گر پڑی۔ سل کے گرتے ہی اندر ایک درمیانے سائز

کا ابھرے ہوئے ڈھکن والا صندوق نظر آیا۔ کپتان کی باچھیں کھل گئیں۔

"مل گیا خزانہ"۔

اس نے کدال مار کر صندوق کا تالا توڑا اور ڈھکن کھول کر الٹ دیا۔ صندوق میں سونے کے زیورات اور ہیرے موتی لال ستاروں کی طرح جگ مگ جگ مگ کر رہے تھے۔ کپتان تو خزانے کی دولت دیکھ کر خوشی سے پاگل ہو گیا۔ اس نے دونوں ہاتھ ہیرے جواہرات میں ڈال دیے اور انہیں اٹھا اٹھا اپنے اوپر گرانے لگا۔

"ہیرے' لعل' یاقوت' سونے کے ہار۔۔ ہا ہا ہا' یہ سب میرے ہیں۔ یہ سب میرے ہیں۔ ہا ہا ہا"۔

کپتان کا ساتھی بڑی سنجیدگی سے کپتان کو اور خزانے کی دولت کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے کو دیکھ کر معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی گہری سوچ

میں ہے۔ کپتان نے اس کے کندھے پر زور سے ہاتھ مار کر کہا:

''کیوں، کیا تم اتنی دولت پا کر خوش نہیں ہوئے؟''

کپتان کا ساتھی جلدی سے مسکرا کر بولا:

''کیوں نہیں، کیوں نہیں کپتان! میں بہت خوش ہوں۔ لیکن ایک بات ہے''۔

کپتان نے کہا:

''وہ کیا بات ہے؟ کھول کر بیان کرو'' اور اس نے کچھ جواہرات اپنی جیب میں ڈال لیے۔''

اس کے ساتھی نے کہا:

''میں جب یہ سوچتا ہوں کہ اتنے قیمتی جواہرات اور سونے کے زیورات ہم احمق قسم کے جہازیوں میں برابر برابر تقسیم کر دیں گے تو میرا دل اداس ہو جاتا ہے اور ساری خوشی پر پانی پھر جاتا ہے''۔

کپتان قہقہہ لگا کر ہنس پڑا

''تم گدھے ہو جو یہ سوچتے ہو۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ میں کوئی بے وقوف ہوں جو اتنی دولت ان الو کے پٹھوں میں بانٹ دوں گا؟ ہرگز نہیں۔ میں نے اتنے سارے لوگوں کا خون اس لیے نہیں بہایا کہ خزانے تک آنے کی مصیبتیں برداشت کرنے کے بعد اسے گدھوں میں بانٹ دوں۔ یہ صرف ہم دونوں میں تقسیم ہوگا اور بس''

ساتھی نے کہا:

''مگر کپتان! ہم نے جہازیوں سے وعدہ کیا تھا کہ خزانے کی دولت ان میں برابر بانٹی جائے گی''۔

''خاموش'' کپتان نے ڈانٹ کر کہا: ایسا کبھی خواب میں بھی مت سوچنا۔ ان ملاحوں میں سے کوئی اس لائق نہیں ہے کہ اس دولت کا حصے دار بن سکے۔ وہ میرے غلام ہیں۔ میں انہیں جیسے کہوں گا انہیں

کرنا ہوگا"۔

ساتھی بولا

"اور اگر وہ نہ مانے پھر؟"

کپتان نے گرج کر کہا

"پھر میں ان سب کو ایک ایک کر کے قتل کر دوں گا۔ کیا تم میرے ساتھ نہیں ہو؟"

ساتھی کہنے لگا

"ہاں ہاں کپتان میں تمہارے ساتھ ہوں۔ بالکل تمہارے ساتھ ہوں"۔

کپتان بولا

"بس پھر مجھے کس چیز کا ڈر ہے۔ آؤ اب اس خزانے کو اٹھا کر باہر لے چلیں"۔

انہوں نے صندوق کو بند کیا۔ کپتان نے صندوق اپنے ساتھی کے کندھے پر رکھا۔ اسے آگے آگے چلا کر خود اس کے پیچھے پیچھے چلتا غار سے باہر آ گیا۔ باہر جب ملاحوں نے خزانے کے صندوق کو دیکھا تو خوشی سے نعرہ لگایا:

"کپتان زندہ باد، خزانہ زندہ باد"۔

کپتان نے تلوار لہرا کر کہا

"کپتان کبھی ناکام نہیں لوٹا۔ ہم نے خزانہ پا لیا ہے۔ یہ خزانہ میرے آباؤ اجداد نے یہاں دفن کیا تھا۔ اس پر سب سے پہلا میرا حق ہے۔ میرے آباؤ اجداد بحری ڈاکو تھے۔ لیکن جیسا کہ میں نے وعدہ کیا ہے۔ میں اس خزانے کی ساری دولت سب لوگوں میں برابر تقسیم کر دوں گا۔ چلو اب اس صندوق کو اٹھاؤ اور واپس جہاز پر چلو۔ ایسا نہ ہو کہ راستے میں رات کا اندھیرا پھیل جائے"۔

ایک بڑے کٹے موٹے تازے جہازی نے کپتان کے ساتھی سے خزانے کا صندوق لے کر اپنے سر پر رکھا اور واپسی کا سفر شروع کر دیا۔ واپسی کا سفر خوشگوار تھا۔ ایک تو دھوپ ڈھل گئی تھی۔ گرمی کی شدت کم ہو گئی تھی اور دوسرے انہیں خزانہ ملنے کی خوشی تھی۔ جہازی گیت گاتے بڑے مزے سے چل رہے تھے۔ ان کے پیچھے کپتان ننگی تلوار کندھے پر رکھے چلا آ رہا تھا۔ وہ جنگل میں داخل ہو گئے۔ یہاں دھوپ کے ڈھل جانے سے روشنی کم ہو گئی تھی۔ پھر بھی وہ دلدلوں سے بچتے بچاتے آگے بڑھتے چلے گئے اور انہوں نے جنگل خیر خیریت سے پار کیا۔

اب ان کے سامنے چٹانوں، گھاٹیوں اور چھوٹے چھوٹے بنجر ٹیلوں کا سلسلہ تھا۔ وہ آگے بڑھتے چلے گئے۔ شام ہو رہی تھی۔ کہ وہ ان گھاٹیوں سے باہر نکل کر باہر آ گئے۔ انہیں وہ درخت سامنے نظر آ

رہا تھے جن کے دوسری جانب سمندر میں جزیرے کے کنارے ان کا جہاز لنگر ڈالے کھڑا تھا۔ کپتان نے خوشی سے چلا کر کہا کہ ساتھیو' منزل تھوڑی دور رہ گئی ہے۔ خزانہ تمہارا ہے۔ ملاح تیز تیز قدموں سے چلنے لگے اور پھر وہ درختوں کے ایک جھنڈ سے نکل کر باہر آئے تو سامنے سمندر میں ان کا جہاز کھڑا تھا۔

جہاز میں آگ

خزانہ جہاز پر پہنچا دیا گیا۔

ملاحوں نے خوشی سے نعرے لگائے اور عرشے پر رقص کرنا شروع کر دیا۔ کپتان کی ساری زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ کسی بحری ڈاکو کا دفن کیا ہوا خزانہ اتنی آسانی سے مل گیا تھا، نہیں تو دفن کیے ہوئے خزانے نصیب اور قسمت کے ساتھ ہی ملتے ہیں۔ یا تو وہ ایک خاص وقت کے گزر جانے کے پر زمین کے اندر ہی اندر چلنا شروع ہو

جاتے ہیں۔ اور یا پھر ان کے اوپر سانپ آ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ جو کوئی بھی ان کو تلاش کرتے کرتے وہاں پہنچتا ہے۔ سانپ ڈس کر ہلاک کر دیتا ہے۔ خزانے تو کہاں ملنا ہوتا ہے۔ اگر وہ اپنی جان بچا کر ہی واپس آ جائیں تو غنیمت ہوتی ہے۔

لیکن کپتان اپنے آپ کو بہت ہی خوش نصیب خیال کر رہا تھا کہ اس نے کامیابی کے ساتھ جہاز پر بھی قبضہ کر لیا اور پھر خزانے کو بھی حاصل کر لیا۔ اس نے خزانے کا صندوق اپنے کیبن میں اپنے پلنگ کے نیچے رکھوا دیا۔ اسے کسی پر بھروسہ نہیں تھا۔ دل ہی دل میں اس نے ایک سازش تیار کر رکھی تھی کہ وہ اپنے ساتھی کے ساتھ مل کر تمام ملاحوں کو جزیرے پر ہی چھوڑ کر وہاں سے جہاز لے کر سمندر میں فرار ہو جائے گا۔ اور پھر اپنے ساتھی کو بھی قتل کر کے سارے خزانے کا تنہا مالک بن بیٹھے گا۔ ادھر اس کے ساتھی نے بھی دل میں سوچ رکھا تھا

کہ جب وہ کپتان کے ساتھ اکیلا سفر پر چلے گا تو راستے میں اسے
ہلاک کر کے خزانے پر خود قبضہ کر لے گا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو
دھوکہ دے رہے تھے۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ دھوکے میں پہلے کون
کامیاب ہوتا ہے۔

کپتان نے اعلان کیا کہ خزانہ ملنے کی خوشی میں جزیرے پر ایک
بہت بڑی دعوت ہوگی جو کپتان اپنی طرف سے دے گا۔ جہازی
بڑے خوش ہوئے۔ کپتان نے یہ بھی اعلان کر دیا کہ دعوت کے بعد
سارے ملاحوں میں خزانے کی دولت برابر برابر بانٹ دی جائے
گی۔ اس نے ملاحوں میں خوشی کی ایک اور لہر دوڑا دی۔ وہ خوشی سے
ناچنے اور چیخنے لگے۔ کپتان اپنے ساتھی کو لے کر کیبن میں آ گیا۔
اس نے کہا۔

”آج آدھی رات کو ہمیں ان تمام ملاحوں کو اسی گمنام جزیرے پر

چھوڑ کر جہاز لے کر یہاں سے فرار ہو جانا ہے“۔

کپتان کا ساتھی خوش ہو کر بولا۔

”بڑی خوشی کی بات ہے کپتان، میں تیار ہوں، مگر ان لوگوں بے
ہوش کر دینا چاہیے“۔

کپتان نے کہا

”اس کا بھی بندوبست کر لیا ہے۔ میرے پاس بے ہوش کرنے
والی دوائی موجود ہے۔ میں یہ دوائی ان کے شربت میں ڈال دوں گا
جو وہ کھانے کے ساتھ پئیں گے“۔

ساتھی بولا

”بہت خوب کپتان، میں تمہاری عقلمندی کی داد دیتا ہوں“۔

کپتان نے فخر سے کہا۔

”بحری جہاز کا کپتان میں ایسے ہی نہیں بن گیا میاں، ایک زمانے

کا تجربہ حاصل کیا ہے۔ سارے سمندروں میں آوارہ گردی کر چکا ہوں۔ پھر کہیں جا کر یہ دانائی حاصل ہوئی ہے"۔

ساتھی نے خوشامدانہ انداز میں کہا۔

"کپتان، بس اب تو میں ساری زندگی تمہاری خدمت کروں گا۔ چاہے تو مجھے خزانے میں سے حصہ دو یا نہ دو۔ میں اب تمہاری ساری زندگی تمہارا غلام بن کر تم سے دانائی اور تجربہ حاصل کروں گا۔

کپتان نے فوراً تسلی دے کر کہا

"ایسا نہ کہو۔ تم میرے ساتھی ہو۔ خزانے میں سے تمہیں برابر کا حصہ ملے گا۔ آخر ہم دو ہی تو خزانے کے مالک رہ جائیں گے۔ پھر ہمیں آپس میں خزانہ بانٹنے میں کیا ہرج ہوگا"۔

کپتان نے دل میں کہا بچو فکر نہ کرو، آج رات تمہارا بھی کام تمام کر دوں گا۔ ادھر کپتان کے ساتھی نے بھی دل میں کہا کہ میاں کپتان

تم چاہے جتنی مکاری کر لو۔ میں بھی تمہارا باپ ہوں۔ آج رات تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اس خزانے پر صرف میرا حق ہے۔

دونوں ایک دوسرے کے دوست تھے۔ لیکن دولت نے، ہیرے جواہرات اور سونے کی چمک نے انہیں ایک دوسرے کا جانی دشمن بنا دیا تھا اور وہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے لیکن اوپر سے بڑے میٹھے تھے۔

اس رات جزیرے پر بڑی زبردست اور شاندار دعوت ہوئی۔

جزیرے کے ساحل پر جگہ جگہ مشعلیں روشن کر کے چراغاں کیا گیا۔ ملاح خوشی سے قہقہے لگا رہے تھے۔ وہ جانوروں کی طرح مرغابیوں کے بھنے ہوئے گوشت کی رکابیوں اور بھنی ہوئی مچھلیوں کے طشتوں پر ٹوٹ پڑے۔ وہ اونچی اونچی باتیں بھی کر رہے تھے۔ کھانا بھی ڈٹ کر کھا رہے تھے اور خوشی سے جھوم بھی رہے تھے۔

کپتان نے اپنا کام کر دیا تھا۔ اس نے سب کی نظر سے بچا کر شربت کے مٹکے میں بے ہوش کر دینے والی دوا ملا دی تھی۔ کپتان خود بھی ملاحوں کے ساتھ بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔ آگ پر وہ سالم بکرے کو نمک مرچ لگا کر بھون رہا تھا اور ساتھ ساتھ بوٹیاں توڑ توڑ کر کھائے بھی جا رہا تھا۔ دعوت زوروں پر تھی۔ ایک شور اور ہنگامہ مچا تھا۔ کپتان اور اس کا ساتھی گوشت کھا رہے تھے مگر شربت نہیں پی رہے تھے۔ اس کی جگہ وہ سنگتروں کا عرق پی رہے تھے جو انہوں نے چھپا کر صراحی میں بھر کر اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ ہر طرف خوشی اور مسرت بکھری تھی۔

لیکن ان کے عقب والے پام کے درختوں کی قطار میں جزیرے کے جنگلی لوگ نیزے ہاتھوں میں لیے چھپے بیٹھے تھے اور کسی خاص وقت کا انتظار کر رہے تھے۔ سردار کے اشارے پر دو جنگلی درختوں کی دوسری طرف سے نکل کر زمین پر رینگتے ہوئے سمندر کی طرف چل

دیے۔ کچھ دور آگے جا کر وہ رینگتے رینگتے مگرمچھوں کی طرح سمندر میں کود گئے۔

رات بھیگنے لگی تو ملاح ایک ایک کر کے بے ہوش ہونا شروع ہو گئے۔ ان پر غنودگی سی طاری ہوتی اور وہیں سر جھکا کر بے ہوش ہو جاتے۔ جب سارے کے سارے ملاح بے سدھ ہو کر پڑ گئے تو کپتان اور اس کا ساتھی اٹھے لپک کر اس کشتی میں گئے جو سمندر کے کنارے ریت پر کھڑی تھی۔ انہوں نے کھینچ کر کشتی کو سمندر میں ڈالا اور زور زور سے چپو چلاتے جہاز کی طرف دھکیلنا شروع کر دیا۔ رات کے اندھیرے میں جہاز لنگر ڈالے خاموش کھڑا تھا۔ کشتی جہاز کے پاس لے جا کر وہ رسے کے ذریعے جہاز کے اوپر چڑھ گئے۔ پھر انہوں نے اوپر سے شربت سے بھرے ہوئے ڈرم ایک دوسرے کے اوپر سمندر میں کھڑی کشتی میں گرا دیے۔ بھاری بھر ڈرموں کے گرتے

ہی کشتی ٹوٹ کر سمندر میں غرق ہوگئی۔

"دوست، اب میدان صاف ہے"۔

کپتان نے خوش ہو کر اپنے ساتھی کے شانے پر ہاتھ مارا۔

"جہاز کا لنگر اٹھا کر بادبان کھول دو۔ ہم صبح ہونے سے پہلے اس جزیرے سے بہت دور نکل جائیں گے"۔

جہاز کا لنگر اٹھا دیا گیا اس کے بادبان کھول دیے گئے۔ بادبانوں میں ہوا بھرتے ہی بحری جہاز نے جزیرے کے ساحل سے دور ہٹنا شروع کر دیا۔ آسمان پر ستارے چمک رہے تھے۔ جزیرے پر سناٹا طاری تھا۔ ساحل کی ریت پر کچھ مشعلیں جل رہی تھیں اور کچھ بجھ گئی تھیں۔ جہاز کے سارے کے سارے ملاح ریت پر بے ہوش پڑے تھے۔ اور جہاز آہستہ آہستہ کھلے سمندر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ یہ بڑا دردناک منظر تھا۔ جہاز اپنے جہازیوں کو ایک گمنام جزیرے پر بے یارو

مددگار چھوڑ کر جا رہا تھا۔ اس جزیرے کی طرف کبھی کوئی جہاز نہیں آتا تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ اب یہ جہازی اس جزیرے پر بھوکے پیاسے مر جائیں گے۔

کپتان اور اس کا ساتھی جہاز کے عرشے پر کھڑے جزیرے کو رات کی ہلکی ہلکی روشنی میں دور ہوتا دیکھ رہا تھے۔ کپتان نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"آخر ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ اب سارا خزانہ ہمارا ہے ہم ہیرے جواہرات اور سونے چاندی کے زیوروں سے بھرے ہوئے صندوق کے مالک ہیں ہم اس خزانے کو برابر آپس میں بانٹ لیں گے۔ ہاہاہاہا!"

کپتان بار بار قہقہے لگا رہا تھا اور خوشی سے جھوم رہا تھا۔ اس کی مسرت کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ اسے اپنی زندگی کی سب سے بڑی کامیابی نصیب ہوئی تھی۔ اسے یہ بھی خوشی تھی کہ اپنے ساتھی کو قتل

کرنے کے بعد وہ اس جہاز اور کروڑوں اشرفیوں کی مالیت کے خزانے کا اکیلا مالک ہوگا۔ اب وہ سوچنے لگا کہ اپنی ساتھی کو بھی کسی طرح ٹھکانے لگایا جائے۔ آخر اس کے مکار دماغ نے ایک ترکیب سوچی۔ اس نے اپنے ساتھی سے کہا۔

"دوست تھوڑی دیر کے لیے تم جہاز کی چرخی پر آ کر کھڑے ہو جاؤ۔ میں نیچے سے تمہارے لیے اور اپنے لیے بھنی ہوئی بطخ کا طشت لے کر آتا ہوں۔ ہم آج کی کامیابی کی خوشی میں بطخ کا گوشت اڑائیں گے"۔

کپتان کی جگہ جہاز کی چرخی پر اس کا ساتھی کھڑا ہو گیا اور کپتان اس کے پیچھے سے نیچے سیڑھیاں اتر کر اپنے کیبن میں آ گیا۔ اس نے پلنگ کے نیچے سے صندوق باہر کھینچ کر کھولا اور ایک بار پھر اس کا ڈھکن کھول کر خزانے کے ہیروں، موتیوں اور جواہرات اور سونے

چاندی کے زیورات کو لالچی نظروں سے دیکھنے لگے۔ وہ خوشی سے دیوانہ ہو رہا تھا۔ اتنی دولت اس نے اپنی ساری زندگی میں کبھی نہیں دیکھی تھی۔ وہ سوچنے لگا کہ اس دولت سے وہ اپنے کئی جہاز خرید لے گا۔ ہر ملک میں اپنے لیے ایک محل بنوائے گا۔ ہزاروں غلام اور کنیزیں اپنی خدمت کے لیے ملازم رکھے گا۔

پھر اسے اپنے ساتھی کا خیال آیا۔ اسے اسی وقت ٹھکانے لگا دینا چاہیے۔ کپتان کی آنکھوں میں شیطانی چمک پیدا ہوئی۔ اس نے تیز دھار خنجر اپنی چمڑے کی پیٹی سے نکالا اور کیبن سے نکل کر دبے پاؤں چلتا ہوا ان سیڑھیوں کے پاس آ گیا جو اوپر عرشے پر چرخی کے پاس جا نکلتی تھیں۔ وہ پھونک پھونک کر قدم رکھتا۔ دبے پاؤں سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ اس کے قدموں کی آہٹ تک نہیں ہو رہی تھی۔ دروازے میں آ کر اس نے دیکھا کہ اس کا ساتھی بڑے مزے سے جہاز کی

چرخی گھمارہا تھا۔

کپتان کا ساتھی چرخی گھماتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ اسے کپتان کا جلدی سے جلدی کام تمام کر دینا چاہیے بہتر ہے کہ وہ چرخی چھوڑ کر رسی کے ساتھ باندھ دے اور نیچے جا کر کپتان کو اس کے کیبن کے اندر ہی تلوار کے ایک وار سے ہلاک کر دے۔ اگر دیر ہو گئی تو اور زیادہ مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔ وہ دن کی روشنی ہونے سے پہلے پہلے کپتان کو ہلاک کر دینا چاہتا تھا۔ اس خیال کے ساتھ ہی اس نے چرخی کی رسی کو باندھنا شروع کر دیا۔ رسی کو باندھ کر اس نے اپنا ایک ہاتھ خنجر کی طرف بڑھایا ہی تھا کہ پیچھے سے بڑا زور کے ساتھ ایک تیز دھاراوالا خنجر پورے کا پورا اس کی پشت میں کھب گیا۔ اس کا جسم لرز کر جھٹکے کھانے لگا۔ اس کا نچلا دھڑ ایکدم سن ہونے لگا۔ اور وہ پتھر کی طرح لڑکھڑا کر جہاز کے فرش پر گر پڑا۔ اس نے اپنے اوپر کھڑے

کپتان کو مکارانہ ہنستے دیکھا۔ مگر وہ بے بس ہو چکا تھا۔ اس کا آدھا دھڑ مردہ ہو چکا تھا۔ کپتان نے بازو لہرا کر خنجر کا ایک اور وار اپنے ساتھی کے دل پر کر دیا۔ یہ وار کاری لگا۔ خنجر کے تیز پھل نے دل کے دو ٹکڑے کر دیے۔ کپتان کا ساتھی ذرا سا تڑپا اور پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ٹھنڈا ہو گیا۔ وہ مر چکا تھا اور کپتان قہقہے قہقہے لگا رہا تھا۔ وہ اب اتنے بڑے جہاز اور اتنی زیادہ دولت کا اکیلا مالک تھا۔ وہ پاگلوں کی طرح خوشی سے رقص کرنے لگا۔ اس کے قہقہوں کی آواز سننے والا کوئی نہیں تھا۔ خون سے بھرا ہوا خنجر صاف کرتے ہوئے کپتان اتر کر اپنے کیبن میں آ گیا۔ جہاز ایک ہموار رفتار کے ساتھ سمندر میں چلا جا رہا تھا۔

کیبن میں آ کر اس نے دروازہ بند کر دیا اور خزانے کا صندوق سامنے کھول کر بیٹھ گیا۔ وہ ایک ایک ہیرے موتی اور ایک ایک سونے

کے زیور کو اٹھا کر دیکھتا، اسے اپنی آنکھوں سے لگاتا۔ اسے چومتا۔ اسے اپنے سر پر رکھتا اور پھر مسرت سے سر ہلانے لگتا۔ یوں لگتا تھا جیسے اسے زندگی میں کبھی ایسی خوشی نہیں ملی تھی۔ کاش اس مکار قاتل کپتان کو معلوم ہوتا کہ اس کی یہ اتنی بڑی خوشی کوئی دم کی مہمان ہے بلکہ وہ خود بھی اس دنیا میں کوئی دم کا مہمان ہے۔ اس لیے کہ وہ جزیرے کے دو جنگلی جو سمندر میں اترے تھے۔ اس وقت کیبن کی طرف دبے پاؤں بڑھ رہے تھے۔

وہ نیزے ہاتھوں میں لیے کپتان کے کیبن کے باہر آ کر رک گئے انہیں اندر سے کپتان کے قہقہوں کی آواز آ رہی تھی۔ انہوں نے ایک دوسرے کی جانب تعجب سے دیکھا اور پھر دروازے کے سوراخ سے اندر جھانکا۔ کپتان خزانے کا صندوق کھولے دیوانوں کی طرح ہیرے جواہرات سے کھیل رہا تھا۔ جنگلیوں نے چپکے سے دروازہ کھولا

اور کیبن کے اندر آتے ہی ایک وحشی نے چیخ مار کر دونوں کے دونوں نیزے کپتان کی پشت میں پیوست کر دیے۔ کپتان جھوم جھوم کر جواہرات اور سونے کے زیورات سے کھیل رہا تھا کہ پیچھے سے اچانک دو نیزے اس کی پیٹھ میں آ کر کھب گئے۔

اس کی آنکھیں پھٹ کر باہر نکل آئیں۔ وہ آگے کو دیکھتے کا دیکھتا رہ گیا۔ نیزے کپتان کے جسم کے اندر گڑ گئے تھے اور خون کے فوارے چھوٹ پڑے تھے۔ ایک جنگلی نے آگے بڑھ کر کپتان کی پیٹھ میں سے کھینچ کر نیزہ باہر نکالا اور کپتان کے سامنے آ کھڑا ہو گیا۔

”تم ڈاکو ہو، تم قاتل ہو، تمہارا یہی انجام ہونا چاہیے تھا۔ تمہارے ساتھی ہمارے جزیرے پر ہیں۔ ہم ان کے ساتھ بھی یہی سلوک کریں گے۔ ہم ان سب کو بھون کر زندہ کھا جائیں گے“۔

کپتان جنگلی ڈراؤنی شکل دیکھتا رہ گیا۔ جنگلی نے ہاتھ اٹھا کر نیزہ

اس کے سامنے سے دل میں آر پار کر دیا۔ کپتان کے منہ سے آخ کی
آواز نکلی اور وہ اوندھے منہ زمین پر گر پڑا اور گرتے ہی ٹھنڈا ہو گیا۔
دونوں جنگلی وہاں کھڑے کچھ دیر تک کپتان کی لاش کو دیکھتے رہے۔
پھر انہوں نے لاش کو اٹھایا اور جہاز کے عرشے پر آ گئے۔ جہاز سمندر
کی لہروں پر بہا چلا جا رہا تھا۔ جنگلیوں نے کپتان کی لاش کو اٹھا کر
سمندر میں پھینک دیا۔ انہوں نے جہاز کے بادبان ایک طرف گھما کر
اس کا رخ واپس جزیرے کی طرف کر دیا۔

جادوگر زمبو

جہاز جزیرے کے قریب پہنچا تو جنگلیوں نے اس میں آگ لگا
دی۔ جہاز کو آگ لگا کر انہوں نے سمندر میں چھلانگیں لگا دیں۔ وہ
تیر کر جزیرے کے ساحل پر آ گئے۔ ساحل پر جزیرے کے سارے
جنگلی نیزے ہاتھوں میں لیے جمع تھے۔ انہوں نے جہاز میں آگ
کے شعلے بلند ہوتے دیکھے تو خوشی سے رقص کرنا شروع کر دیا۔ جہاز
میں ہر طرف آگ لگی ہوئی تھی۔ اس کے بادبان جل رہے تھے۔

ساراجہاز جل رہا تھا۔ آسمان صبح کی ہلکی ہلکی چمک میں روشن ہو گیا
تھا۔ جلتے ہوئے جہاز کے شعلوں کا عکس سمندر میں پڑ رہا تھا۔ اس
جہاز میں جو کچھ تھا سب جل رہا تھا۔ کپتان کے کیبن میں بحری
ڈاکوؤں کے لوٹے ہوئے خزانے کا صندوق بھی تھا۔

دیکھتے دیکھتے جہاز نے جل کر سمندر میں ڈوبنا شروع کر دیا۔ پہلے
جہاز کے لکڑی کے مستول گرے۔ پھر اس کی پہلو کی دیواریں شعلے
بن کر سمندر کی لہروں میں گر پڑیں اور پھر سارا جہاز جل کر راکھ ہو گیا۔
جزیرے میں جنگلی شور مچا رہے تھے اور جہاز کو جلتے دیکھ کر خوشی سے
ناچ رہے تھے۔ انہوں نے جزیرے پر بے ہوش سارے کے
سارے بحری ڈاکوؤں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ جہاز کے سمندر
میں ڈوبتے ہی ایک دردناک کہانی کا باب ختم ہو گیا۔

عنبر بندرگاہ میں رخسانہ کے ماموں کی حویلی میں جاپان والے جہاز

کا انتظار کر رہا تھا۔ یہ جہاز ابھی تک بندرگار پر نہیں پہنچا تھا۔ عنبر کو ناگ
اور ماریا کی طرف سے بڑی تشویش تھی، بڑی فکر تھی۔ ناگ اور ماریا
اس کے بارے میں کس قدر پریشان ہوں گے۔ اس کا عنبر کو پورا پورا
احساس تھا۔ وہ جلد سے جلد بندرگاہ چھوڑ کر واپس جاپان جانا چاہتا تھا
لیکن مصیبت یہ تھی کہ وہ اکیلا واپس نہیں جا سکتا تھا۔ اس کے لیے
ضروری تھا کہ جاپان جانے والے بحری جہاز پر سوار ہو جائے اور وہ
جہاز ابھی تک نہیں پہنچا تھا۔ رخسانہ کا ماموں جس جہاز پر آیا تھا وہ اسی
بندرگاہ سے واپس شمالی افریقہ کو جا رہا تھا۔ رخسانہ کے ماموں نے عنبر
سے کہا کہ وہ انتظار کرنے کے بجائے بہتر ہے کہ شمالی افریقہ کے ملک
حبشہ کو جانے والے جہاز میں سوار ہو جائے اور پھر حبشہ سے جاپان
چلا جائے۔ کیوں کہ حبشہ سے اسے جنوب مشرقی ایشیا کے لیے
جہاز مل جائے گا۔

عنبر نے کہا:

"کیا آپ کو یقین ہے کہ حبشہ سے مجھے جاپان کے سمندر کی جانب جانے والا جہاز مل جائے گا؟"

ماموں نے کہا۔

"ضرور مل جائے گا۔ میں حبشہ رہ چکا ہوں۔ میرے سامنے وہاں سے سنگاپور اور کیوآن کی طرف جہاز جاتے رہتے ہیں۔ ویسے اگر تم ہمارے پاس رہ کر جاپان جانے والے جہاز کا انتظار کرنا چاہو تو ہمیں خوشی ہوگی۔ لیکن جیسا کہ تم اپنے بھائی ناگ اور بہن ماریا کے بارے میں پریشان ہو تو تمہارے لیے یہی ایک راستہ باقی ہے کہ یہاں شمالی افریقہ چلے جاؤ اور پھر وہاں سے جاپان کا راستہ لو"۔

عنبر کچھ دیر سوچتا رہا۔ پھر بولا۔

وہ میرا خیال ہے مجھے آپ کی رائے پر عمل کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ

میں اپنے بھائی اور بہن کے بارے میں بہت پریشان ہوں۔ مجھے آپ یہ بتائیے کہ شمالی افریقہ جانے والا جہاز یہاں سے کب روانہ ہو رہا ہے؟"

رخسانہ کے ماموں نے کہا۔

"میں اسی جہاز پر یہاں پہنچا ہوں۔ وہ کل شام کو یہاں سے روانہ ہو جائے گا۔ اگر تم کل اس جہاز پر سوار ہو جاؤ تو تین دن تین راتیں سفر کرنے کے بعد حبشہ پہنچ جاؤ گے۔ مجھے یقین ہے کہ وہاں سے تمہیں دس بارہ دن کے اندر اندر جاپان جانے والا جہاز مل جائے گا"۔

عنبر نے دل میں فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔

"بس ٹھیک ہے۔ میں کل شام ہی یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا"۔

رخسانہ نے کہا۔

"بھائی عنبر' آپ کے جانے سے میں بہت اداس ہو جاؤں گی۔ آپ نے میری اس مشکل وقت میں مدد کی تھی جب کہ زمین پر رہنے والا ایک ایک پرندہ میرا دشمن بن گیا تھا۔ میں آپ کا جتنا بھی شکریہ ادا کروں کم ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"ایسی بات نہ کرو رخسانہ بہن میں نے جو کچھ کیا وہ میرا فرض تھا۔ جس طرح ایک بھائی کو اپنی بہن کے لیے کرنا چاہیے تھا، میں نے اسی طرح کیا۔ اس میں شکریے کی کون سی بات ہے بھلا"۔

رخسانہ کے ماموں نے کہا۔

"عنبر میاں، تم ایک نیک اور بہادر انسان ہو میں نے ایک دنیا دیکھی ہے۔ گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہے مجھے معلوم ہے کہ تم ایسے نوجوان اس دنیا میں بہت کم ملتے ہیں۔ تم نے میری بھانجی کی زندگی

بچا کر، عزت بچا کر ہم پر ایک بہت بڑا احسان کیا ہے۔ اور ہمارا سارا خاندان تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولے گا"۔

عنبر نے رخسانہ کے سر پر ہاتھ رکھا اور کہا۔

"رخسانہ میری بہن ہے۔ اس کی عزت میری عزت ہے۔ اس کی زندگی میری زندگی ہے۔ اگر اسے کوئی نقصان پہنچے تو وہ مجھے نقصان پہنچے گا اس لیے میں ایک بار پھر اپنے دل کی سچی آواز دہراؤں گا کہ میں نے جو کچھ کیا وہ رخسانہ کی بھلائی کی خاطر کیا ہے۔ میں نے کوئی بھی کام اپنے فائدے کے لیے نہیں کیا۔ اس لیے میں کہوں گا کہ مجھے یہ سمجھ کر یاد کیا کریں کہ میں آپ کا بھائی تھا"۔

اگلے روز شام کو عنبر بندرگاہ سے رخصت ہو گیا۔

بندرگاہ پر رخسانہ اور اس کا ماموں دونوں آئے۔ عنبر جہاز پر سوار ہو گیا۔ جہاز نے ٹھیک وقت پر لنگر اٹھا دیا اور شمالی افریقہ کی طرف اپنا

تین دن اور تین راتوں کا سفر شروع کر دیا۔ عنبر کے لیے شمالی افریقہ اس کے لیے اپنے وطن کی جگہ تھا۔ وہ مصر میں پیدا ہوا اور وہیں بڑھا پلا تھا۔ مگر یہ بات دو ہزار سال پہلے کی تھی۔ اب وہ دو ہزار پانچ سو سال کے بعد وہاں جا رہا تھا۔ وہ یہی سوچ کر حیران ہو رہا تھا کہ دنیا کا کوئی بھی انسان اس طرح اتنے برس گزارنے کے بعد مصر واپس نہیں آیا ہوگا۔

عنبر یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اڑھائی ہزار برس کے بعد حبشہ اور شمالی افریقہ کے ملک کتنے بدل گئے ہیں۔ مصر کے فرعونوں کا دور ختم ہو چکا تھا اور روم کے بادشاہوں نے شمالی افریقہ کو تہہ و بالا کر کے رکھ دیا تھا۔ ہر شہر میں ایک ریاست قائم تھی جس کا ایک الگ بادشاہ تھا۔ شہروں میں قبیلوں کے سرداروں کی حکومت تھی۔ یہ سب کچھ عنبر نے سن رکھا تھا۔ اور وہ سوچ رہا تھا کہ اب وہ چل کر خود اپنی آنکھوں سے دیکھے گا۔

لیکن حبشہ میں وہ زیادہ دیر تک رک نہ سکے گا۔

اسے فوراً وہاں پہنچ کر کسی نہ کسی پہلے جہاز میں سوار ہو کر جاپان کی طرف چلے جانا ہوگا۔ جہاز ساری رات سمندر میں سفر کرتا رہا۔ سردیوں کا موسم تھا۔ سمندر کی لہریں بڑی پرسکون تھیں۔ کوئی طوفان نہیں تھا۔ ہوا بڑی موافق چل رہی تھی اور بادبانی جہاز ہوا کی لہروں کے ساتھ ساتھ سفر کر رہا تھا۔ جہاز ساری رات سفر کرنے کے بعد سارا دن بھی سفر کرتا رہا عنبر نے محسوس کیا کہ جہاز پر زیادہ تر افریقہ کے غریب حبشی سوار تھا۔ وہ خود افریقہ کا رہنے والا تھا۔ مگر وہ اس افریقہ میں بڑھا پلا تھا۔ جو شمال میں بحیرہ روم کے کنارے پر تھا۔ اور جہاں کی آب و ہوا میں رہنے والے سیاہ نہیں تھے بلکہ سانولے اور کھلتے ہوئے رنگ کے تھے۔

اسی جہاز میں ایک افریقہ کا جادوگر بھی سوار تھا۔ اس نے جہاز پر

لوگوں اور جہاز کے کپتان کو اپنے جادو کے کرتب دکھا کر بڑا اثر ڈال رکھا تھا۔ عنبر نے دو ایک بار اس جادوگر کو جہاز کے عرشے پر جہاز کے کپتان کے ساتھ قالین پر بیٹھے ہنس ہنس کر باتیں کرتے اور قہوہ پیتے دیکھا تھا۔ کپتان اس جادوگر کا بڑا ادب کرتا تھا اور اس سے ڈرتا بھی تھا۔ جادوگر نے اس فائدہ یہ اٹھایا تھا کہ وہ جہاز میں جس مسافر سے چاہے مذاق کر لیتا تھا۔ کبھی کبھی وہ کسی مسافر کی بے عزتی بھی کر دیتا تو کپتان اسے کچھ نہیں کہتا تھا۔ مسافر جہاز کے کپتان کے پاس جا کر شکایت کرتے تو وہ سر لپیٹ کر خاموش ہو جاتا۔ ایک بار جادوگر نے ایک غریب آدمی کا کھانا سمندر میں پھینک دیا۔ وہ اپنے بچوں کو کھانا کھلانے بیٹھا تھا کہ کہیں جادوگر کا ادھر سے گزر ہوا۔ اتفاق سے غریب آدمی کے بچے نے پانی گرایا تو اس کی چھینٹیں اڑ کر جادوگر کے ریشم کے لباس پر گر پڑیں۔ بس پھر کیا تھا جادوگر سخت طیش میں آ

گیا۔

اس نے غریب آدمی کو گالیاں دیں اور کھانا اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا۔ غریب آدمی اس کی شکایت لے کر کپتان کے پاس پہنچا تو اس نے الٹا اس غریب آدمی کو برا بھلا کہہ کر کیبن سے باہر نکال دیا۔ عنبر نے یہ سب کچھ دیکھا اور خاموش رہا۔ اسے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ جادوگر ایک کمینہ، ظالم اور بدمعاش آدمی ہے۔ وہ جادو کے زور سے لوگوں سے پیسے ٹھگ لیتا ہے۔ عنبر کو یہ جادوگر بڑا برا لگتا تھا۔ اس نے بھی اس سے بات کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

جہاز پر سفر کرتے ہوئے تیسرا دن تھا کہ ایک ایسا حادثہ ہو گیا جس نے عنبر کو جادوگر کے مقابلے پر لا کھڑا کر دیا۔ عنبر عرشے پر کھانا کھانے کے بعد ٹہل رہا تھا۔ آسمان پر دھوپ خوب چمک رہی تھی۔ سمندر کی لہریں بڑی پرسکون تھیں۔ جہاز موافق ہوا میں آرام سے چلا جا رہا

تھا۔ عنبر عرشے کے جنگلے کے ساتھ لگا اپنی بہن ماریا اور بھائی ناگ کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اچانک اسے ایک چیخ کی آواز سنائی دی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا کہ جادوگر ایک بوڑھے حبشی کو ڈنڈوں سے بری طرح مار رہا ہے۔

یہ دیکھ کر عنبر برداشت نہ کر سکا۔ وہ بھاگ کر جادوگر کے پاس گیا اور اس کے ہاتھ سے ڈنڈا چھین کر سمندر میں پھینک دیا۔

"تمہیں ایک بوڑھے شخص کو اس بری طرح پیٹتے شرم نہیں آتی؟"

جادوگر نے اپنی لال لال غصہ بھری آنکھوں سے عنبر کی طرف دیکھا۔ جادوگر بڑا طاقت والا اونچا لمبا حبشی قسم کا آدمی تھا۔ عنبر اس کے مقابلے میں ایک نوجوان سا تھا۔ جادوگر نے طنز بھری مسکراہٹ کے ساتھ عنبر کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"اے نوجوان کیوں اپنی جان کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑے ہو۔ جاؤ

اور جا کر اپنا کام کرو"۔

عنبر نے زور سے جادوگر دیو کا ہاتھ پرے جھٹک دیا:

"بکواس بند کرو۔ تم ایک بدمعاش اور ظالم شخص ہو۔ تم نے سارے جہاز پر ایک ظلم کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ میں یہ نہیں ہونے دوں گا"۔

جادوگر قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"میاں نوجوان، جاؤ اپنی خیر مناؤ اور میرے مقابلے پر نہ آؤ۔ اگر مجھے غصہ آ گیا تو میں تمہاری کھوپڑی توڑ کر ابھی دو ٹکڑے کر دوں گا"۔

عنبر نے کہا۔

"تمہارے جیسے جادوگر میں نے بہت دیکھے ہیں۔ اگر اپنی خیریت چاہتے ہو تو چپکے سے اس غریب بوڑھے کے آگے ہاتھ جوڑ کر اس

سے اپنی زیادتی کی معافی مانگو،نہیں تو تمہارا انجام بہت برا ہوگا''۔
اب تو جادوگر سے برداشت نہ ہوسکا۔اس نے فرش پر پڑا ہوا لکڑی کا ایک اور ڈنڈا اٹھالیا اور عنبر پر حملہ کر دیا۔عنبر پرے ہٹنے کی بجائے اسی جگہ کھڑا رہا۔ڈنڈا عنبر کے سر پر لگا۔جادوگر کا خیال تھا کہ وہ گر پڑے گا۔لیکن وہ بالکل نہ گرا جادوگر بڑا حیران ہوا۔اس نے سوچا شاید اس نوجوان کا سر مضبوط ہے۔عنبر نے بھی فرش پر سے ڈنڈا اٹھا لیا۔جادوگر نے دوسری بار پوری طاقت سے عنبر کے سر پر ڈنڈا مارا۔ اسکی جگہ اگر کوئی دوسرا ہوتا تو اس کا بھیجہ پاش پاش ہوگیا ہوتا۔مگر عنبر اتنی شدید چوٹ کھانے کے بعد بھی اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔جادوگر کے تو ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔اس نے اپنی زندگی میں اس قسم کا نوجوان نہیں دیکھا تھا۔دوسری طرف جب عنبر نے زور سے ایک ڈنڈا جادوگر کی ٹانگ پر مارا تو وہ ٹانگ پکڑ کر دوہرا ہوگیا۔

لیکن جلدی سے اٹھا اور اس نے عنبر پر جادو کرنا شروع کر دیا جادوگر نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور کالے علم کا منتر پڑھ کر عنبر پر پھونکا۔جادوگر کے منہ سے شعلے نکلنے لگے۔یہ شعلے تیزی سے عنبر کے چہرے پر گرے۔جادوگر کو یقین تھا کہ عنبر اس کے جادوں سے جل کر بھسم ہو جائے گا۔مگر عنبر اپنی جگہ پر کھڑا مسکراتا رہا۔جادوگر ششدر ہوگیا۔ اس عرصے میں جہاز کے دوسرے مسافر اور کپتان بھی وہاں آ گیا تھا۔یہ سارا ماجرہ انہوں نے بھی دیکھا تھا۔

کپتان نے کہا:

''یہ تم سے زیادہ بڑھ کر جادو جانتا ہے زمبو جادوگر''۔

جادوگر کا نام زمبو تھا۔زمبو نے چونک کر پہلے جہاز کے کپتان کو پھر عنبر کو دیکھا۔اب اس نے ایک بڑا ہی خوفناک جادو کا منتر پڑھ کر عنبر پر پھونکا۔یہ منتر ایک بار اس نے ایک پہاڑی کے ٹیلے پر پڑھ کر پھونکا

تھا تو وہ جل کر راکھ کا ڈھیر ہو گیا تھا۔ منتر کے پھونکے جانے کے ساتھ عنبر کے سارے بدن پر آگ لگ گئی۔ جہاز کے مسافر اور کپتان خوفزدہ ہو کر پرے ہٹ گئے۔ انہیں یقین ہو گیا کہ عنبر مر گیا ہے۔ وہ اتنی بڑی آگ کے شعلوں میں زندہ نہیں رہ سکے گا۔ لیکن جب تھوڑی دیر کے بعد آگ بجھی تو سارے یہ دیکھ کر دم بخود ہو کر رہ گئے کہ عنبر اسی طرح اپنے سارے ریشمی کپڑوں سمیت کھڑا مسکرا رہا تھا۔ آگ نے اس کے سر کے ایک بال تک کو اور ریشمی لباس کے ایک دھاگے تک کو نہیں جلایا تھا۔ جادوگر زمبو سمجھ گیا کہ یہ نوجوان کوئی بہت بڑا منتر جانتا ہے جس کی وجہ سے اس پر کسی قسم کے جادو کا اثر نہیں ہو رہا۔ اس نے عنبر کو دونوں ہاتھوں سے اٹھا کر پوری طاقت سے فرش پر دے مارا۔ عنبر کی جگہ اگر وہ پتھر کی بہت بڑی سل کو اٹھا کر اس طرح فرش پر مارتا تو اس کے کئی ٹکڑے ہو جاتے۔

مگر عنبر کا کچھ بھی نہیں بگڑا تھا۔ وہ کپڑے جھاڑ کر بڑے سکون کے ساتھ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ کپتان نے آگے بڑھ کر عنبر کے سر پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور کہا۔

''تم جیت گئے۔۔۔ زمبو، تم ہار گئے''۔

کالا جادوگر

جادوگر زمبو بڑا مکار شخص تھا۔

اس نے عنبر کے آگے اپنی ہار مان لی اور اس کے ساتھ ہاتھ ملا کر بولا۔

"میاں عنبر، تم سچ مچ جیت گئے اور میں ہار گیا۔ تم آج سے میرے استاد ہو اور میں تمہارا شاگرد ہوں۔ یہ بتاؤ کہ تم کہاں جا رہے ہو؟"

جب عنبر نے اسے بتایا کہ وہ حبشہ کے شہر جا رہا ہے تو جادوگر بڑا خوش ہوا۔

"بھئی واہ، میں بھی حبشہ ہی جا رہا ہوں۔ خوب بہت خوب، مجھے بڑی خوشی ہوگی، اگر تم حبشہ میں میرے گھر مہمان بن کر رہو اور مجھے اپنی خدمت کرنے کا موقع دو۔"

عنبر نے کہا۔

"آپ کی نوازش ہے ویسے میں سرائے میں ہی ٹھہروں گا۔"

جادوگر نے عیاری سے کہا۔

"اونہوں یہ ہمارے شہر والوں کی توہین ہوگی کہ اتنا بڑا انسان ہمارے شہر میں آئے اور سرائے میں ٹھہرے۔ آخر ہمارا گھر کس کے لیے ہے؟ نہیں نہیں میاں عنبر، میں تمہیں سرائے میں نہیں ٹھہرنے دوں گا۔ تمہیں میرے گھر میں ہی ٹھہرنا ہوگا۔"

جہاز کے کپتان اور حبشہ کے رہنے والے دوسرے مسافروں نے بھی عنبر کو مجبور کیا کہ وہ جادوگر کے گھر میں ہی ٹھہرے۔ آخر عنبر نے

ہاں کر دی۔ جادوگر بڑا خوش ہوا۔

دوسرے روز جہاز ملک حبشہ کی بندرگاہ پر پہنچ گیا۔

جادوگر زمبو نے عنبر کو ساتھ لیا اور شہر سے باہر اپنے مکان میں لے آیا۔ یہ مکان ایک جنگل میں شہر کے قریب ہی تھا۔ اور گھاس پھونس کے دو کمرے سے بنے ہوئے تھے۔ ایک کمرے میں جادوگر نے اپنا جادو کا سامان رکھا ہوا تھا اور دوسرے میں زمین پر بستر بچھا تھا۔

''میاں عنبر، تم اس بستر پر آرام کیا کرو گے۔ میں ساتھ والے کمرے میں سو جاؤں گا۔ بس جب تک تمہارا جہاز بندرگاہ سے روانہ نہیں ہوتا۔ تم اس جگہ بے فکر ہو کر آرام کر۔ بس اسے اپنا ہی گھر سمجھو''۔

عنبر نے کہا۔

''آپ میرے لیے کیوں تکلیف اٹھا رہے ہیں۔ میں اگر کسی

سرائے میں چلا جاتا تو اچھا تھا۔ آپ کے لیے زحمت نہیں بننا چاہتا''۔

جادوگر جھٹ بولا:

''بھئی کمال ہے پھر وہی بات۔ نہیں نہیں میں تمہاری وجہ سے مجھے بالکل زحمت نہیں ہو رہی۔ بلکہ مجھے تو خوشی ہو رہی ہے، اب تم یہاں آرام کرو، میں بازار سے تمہارے لیے کھانے پینے کی چیزیں لے کر آتا ہوں''۔

جادوگر چلا گیا۔ عنبر سوچنے لگا کہ یہ شخص اچانک اس پر اتنا مہربان کیوں ہو گیا ہے۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ اس نے سوچا کہ چلو اسے تو کسی نہ کسی جگہ ٹھہرنا ہی تھا۔ سرائے نہ سہی۔۔ جادوگر کا گھر ہی سہی۔۔ جادوگر اس کا کیا بگاڑ لے گا۔

جادوگر وہاں سے چل کر شہر میں ایک حویلی میں آ گیا۔ اس حویلی

میں سوائے ایک بوڑھے نوکر کے اور کوئی نہیں رہتا تھا۔ یہ حویلی جادو گر کی اپنی تھی۔ وہ جان بوجھ کر عنبر کو اس حویلی میں نہیں لایا تھا۔ جادو گر حویلی کے تہہ خانے میں گیا۔ یہاں اس کا بوڑھا نوکر پہرہ دے رہا تھا۔ جادوگر کو دیکھ کر نوکر نے جھک کر سلام کیا۔ جادوگر نے اسے ساتھ لیا اور تہہ خانے کی کوٹھڑی کا دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔ کوٹھڑی کے اندر زمین پر ایک تخت پوش بچھا تھا جس پر کپڑے میں ڈھکی ہوئی ایک جوان لڑکی بے ہوش پڑی تھی۔ جادوگر نے لڑکی کے منہ سے کپڑا اٹھا کر اسے غور سے دیکھا اور پھر نوکر کی طرف دیکھ کر بولا۔

"بس اب میرا چلہ پورا ہونے والا ہے۔ مجھے ایک ایسا نوجوان مل گیا ہے جس پر موت اپنا اثر نہیں کرتی"۔

بوڑھے نے چونک کر کہا۔

"کیا سچ کہتے ہو میرے آقا؟"

جادوگر بولا۔

"ہاں۔ میں سچ کہہ رہا ہوں۔ جہاز میں مجھے ایک ایسا جوان ملا ہے جس پر موت بے اثر ہو چکی ہے۔ خدا جانے وہ کب سے زندہ ہے اور کب تک زندہ رہے گا۔ نہ جانے کس بہت بڑے جادوگر نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا ہے کہ موت کے پنجے سے آزاد ہو گیا ہے۔ بس اب اگر وہ نوجوان یہاں آ کر کسی طرح اپنے ہاتھ سے اس بے ہوش لڑکی کا گلا کاٹ دے تو اس لڑکی کے خون کو پی کر میں بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زندہ ہو جاؤں گا۔ پھر موت میرے لیے بھی حرام ہو جائے گی۔ میں بھی موت کے پنجے سے نکل کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آزاد ہو جاؤں گا۔ بس اب دیکھنا یہ ہے کہ اس نوجوان عنبر کو کس طرح مجبور کیا جائے کہ وہ اس لڑکی کے گلے پر تلوار چلائے"۔

بوڑھا نوکر خاموش ہو گیا۔ جادوگر نے لڑکی کے چہرے پر دوبارہ

چادر ڈال دی اور بولا۔

''میں اب اس نوجوان کے پاس جا رہا ہوں۔ میں اسے لے کر یہاں آؤں گا اور اسے مجبور کر دوں گا کہ وہ اس لڑکی کے گلے پر تلوار پھیر دے۔ اگر اس نے ایسا نہ کیا تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اسے اس کوٹھڑی میں بند کر دوں گا وہ مرے گا تو بالکل نہیں۔ مگر وہ اس کوٹھڑی سے ساری زندگی باہر بھی نہ نکل سکے گا''۔

جادوگر وہاں سے نکل گیا۔ بوڑھا ایک گہری سوچ میں گم ہو گیا۔ اس نوکر نے کتنی ہی لڑکیوں کے گلے پر چھری پھرتے دیکھی تھی۔

جادوگر کو ہمیشہ زندہ رہنے کا شوق پاگل پن کی حد تک تھا۔ اسے جادو کے زور سے پتہ چلا تھا کہ اگر وہ کسی ایسے شخص کے ہاتھ سے کنواری لڑکی کا گلا کٹوا کر اس کا خون پیے گا تو وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زندہ ہو جائے گا۔ اس کی خاطر جادوگر نے کتنی ہی کنواری لڑکیوں کو اغوا کیا۔

انہیں حویلی میں لا کر بے ہوش کر کے رسیوں میں جکڑ دیا۔ پھر وہ کسی نوجوان کی تلاش میں نکلا۔ جہاں کہیں اسے خبر ملی کہ ایک آدمی ایسا ہے جس پر موت اثر نہیں کرتی۔ وہ وہاں پہنچ کر اس آدمی کو لاتا۔ اس سے کنواری لڑکی کو قتل کرواتا۔ اور پھر اس کا خون پی جاتا اور ساتھ ہی اس آدمی کو بھی قتل کر دیتا۔ مگر وہ ہر بار اپنے تجربے میں ناکام رہا تھا۔ کسی بھی ایسے آدمی کو حاصل کرنے میں وہ کامیاب نہیں ہوا تھا۔ جو سچ مچ موت کے پنجے سے آزاد ہو چکا ہو۔ عنبر پہلا نوجوان اسے ملا تھا جس پر واقعی موت حرام ہو چکی تھی۔

جادوگر بڑی خوشی خوشی واپس جنگل والے جھونپڑے میں عنبر کے پاس پہنچا اور کہنے لگا۔

''میاں عنبر، اگر تم میرا ایک کام کر دو تو میں تمہارا احسان ساری زندگی نہیں بھولوں گا''۔

عنبر نے پوچھا

"آخر وہ ایسا کون سا کام ہے؟ اگر میرے بس میں ہوا تو ضرور کر دوں گا"۔

جادوگر بولا۔

"وہ کام تمہارے بس میں ہے عنبر میاں"۔

عنبر نے کہا۔

"تو پھر مجھے بتاؤ۔ میں کرنے کو تیار ہوں"۔

جادوگر نے کہا۔

"میں ایک بہت زبردست چلہ کر رہا ہوں۔ چالیس دن پورے کر چکا ہوں۔ آج اکتالیسواں دن ہے۔ اگر تم میری حویلی میں چل کر میری بے ہوش بیٹی کی گردن پر اپنا ہاتھ زور سے مار دو تو میرا چلہ بھی پورا ہو جائے گا اور میری بیٹی بھی ہوش میں آ جائے گی نہیں تو نہ میرا

چلہ مکمل ہوگا اور نہ ساری زندگی میری بچی کو ہوش آئے گا۔ یہ میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ چل کر میری بچی کی زندگی بچا لو"۔

عنبر نے کہا۔

"کوئی بات نہیں بھائی صاحب' یہ کون سی بڑی بات ہے میں بھی آپ کے ساتھ چل کر اس کی گردن پر ہاتھ مار دیتا ہوں۔ مگر کیا میرے ہاتھ مارنے سے وہ زخمی تو نہیں ہو جائے گی"۔

جادوگر نے جھٹ کہا۔

"نہیں نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔ میں نے اس کی گردن پر روئی اور کپڑا لپیٹ دیا ہے۔ اسے کوئی چوٹ نہیں لگے گی"۔

جادوگر عنبر کو لے کر حویلی میں آ گیا۔

اس عرصے میں بوڑھا بے ہوش کنواری لڑکی کی گردن پر تلوار رکھ کر اوپر کپڑا لپیٹ چکا تھا۔ تلوار کا تیز پھل بے ہوش لڑکی کی نازک گردن

کے اوپر تھا اور کپڑا اس طرح سے لپیٹ دیا گیا تھا کہ اگر کوئی لڑکی کی گردن پہ ہاتھ مارے تو تلوار اس کی گردن میں دھنس جائے اور وہ اسی وقت ہلاک ہو جائے۔ یہ کام خاص طور پر بوڑھے کو سونپا گیا تھا۔ اس نے اس سے پہلے کئی لڑکیوں کی گردنوں پر اس طرح تلواریں رکھ کر کپڑا لپیٹا تھا۔ اس دفعہ وہ کنواری بے ہوش لڑکی کی گردن پر کپڑا لپیٹتے ہوئے خوف کھا رہا تھا۔

اچانک اس کے دماغ میں ایک خیال آیا کہ وہ یہ ظلم کب تک کرتا رہے گا۔ اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ اسے اپنے گناہوں سے توبہ کر لینی چاہیے۔ بوڑھے نوکر نے فیصلہ کر لیا کہ وہ آنے والے نوجوان کو سب کچھ بتا دے گا۔ اس طرح وہ کنواری بے ہوش لڑکی کی جان بھی بچا لے گا اور اس نوجوان کو بھی قتل ہونے سے بچا لے گا۔ اب وہ نوجوان عنبر کی راہ دیکھنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد جادوگر نوجوان کو لے کر حویلی میں آ گیا۔ عنبر نے دیکھا کہ ایک خوبصورت جوان لڑکی زمین پر بے ہوش پڑی ہے۔ اور اس کی گردن کے اوپر کپڑا لپیٹا ہوا ہے۔

جادوگر نے کہا۔

”میاں عنبر‘ یہی وہ میری بدنصیب بچی ہے جسے میں نے اپنے چلے کی خاطر بے ہوش کر دیا ہے، اگر تم نے اس کی گردن پر ہاتھ نہ مارا تو نہ صرف یہ کہ میری بچی مر جائے گی بلکہ میرا چلہ بھی ادھورہ رہ جائے گا۔ بس اب تم اس کی گردن پر زور سے ہاتھ مارو تا کہ یہ پھر زندہ ہو جائے اور میرا چلہ بھی پورا ہو جائے“۔

عنبر نے سوچا کہ آخر گردن پر ہاتھ مار دینے سے کیا ہوگا۔ لڑکی تو مرے گی بالکل نہیں۔ وہ تیار ہو گیا۔ ابھی اس نے ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ بوڑھے نے اس کا ہاتھ روک دیا اور جادوگر سے کہا۔

''سرکار، مشک تو آپ نے جلایا ہی نہیں''۔

جادوگر بولا۔

''ارے، یہ تو میں بھول ہی گیا۔ میاں عنبر میں ابھی اپنے صندوق سے جادو کا مشک لے کر آتا ہوں۔ اس کے دھوئیں کے بغیر یہ چلہ پورا نہیں ہوگا۔ میں ابھی آیا''۔

جادوگر وہاں سے نکل کر اپنے کمرے میں آ گیا۔

جادوگر باہر گیا تو بوڑھے نوکر نے شروع سے لے کر آخر تک عنبر کو سارا قصہ کھول کر بیان کر دیا کہ کس طرح جادوگر ہمیشہ زندہ رہنے کے پاگل پن میں کتنی ہی بے گناہ لڑکیوں اور نوجوانوں کی زندگیاں ختم کر چکا ہے۔ عنبر کو جب یہ معلوم ہوا تو وہ بڑا پریشان ہے کہ اس سے خواہ مخواہ ایک لڑکی کا خون ہونے والا تھا۔

عنبر نے کہا۔

''بابا' آپ نے مجھے قاتل بننے سے بچا لیا۔ اگر آپ جادوگر کو بہانے سے مشک لینے نہ بھیجتے تو میں لڑکی کی گردن پر ہاتھ مار دیتا اور کپڑے کے نیچے چھپی تلوار لڑکی کی گردن میں گھس کر اسے ہلاک کر دیتی''۔

بوڑھے نوکر نے کہا۔

''میاں عنبر' یہ سب کچھ میں نے جان بوجھ کر کیا تھا۔ میں نے جان بوجھ کر مشک ایسی جگہ چھپا دی تھی تاکہ عین وقت پر جادوگر کو یاد دلاؤں اور جب وہ باہر جائے تو میں آپ کو ساری بات بیان کر دوں''۔

عنبر نے کہا۔

''یہ جادوگر بڑا ظالم ہے۔ اگر اس کو ختم نہ کیا گیا تو پھر ابھی نہ جانے یہ کتنی لڑکیوں اور بے گناہ نوجوانوں کا خون کرے گا۔ اس لیے تم لڑکی کی گردن کے نیچے سے تلوار کھینچ لو اور میں اس تلوار سے خود جادوگر کو

ہلاک کروں گا"۔

بوڑھے نوکر نے کہا۔

"یہ ٹھیک ہے مگر۔۔۔اے نوجوان جادوگر بڑا مکار ہے۔ اس کے جادو میں بڑا اثر ہے۔ اس کے پاس کالا جادو ہے۔ وہ اپنے جادو سے تجھے آگ میں بھسم کر دے گا"۔

عنبر مسکرایا۔

"بابا' تم اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ لوگے کہ جادوگر کا جادو مجھ پر نہیں چلے گا اور وہ میرے ہاتھوں قتل ہو جائے گا"۔

بوڑھا نوکر بولا۔

"خدا تمہاری حفاظت کرے بیٹا۔ اس ظالم شخص کو تو کوئی بھی شخص آج تک ہلاک نہیں کر سکا"۔

اتنے میں مشک لے کر جادوگر کوٹھڑی میں آ گیا۔

"لو میاں عنبر، مشک تو میں لے آیا۔ اب اسے جلاتا ہوں اور تم اپنا کام کرو"۔

عنبر نے گرج کر کہا۔

"بس اب آگے کچھ نہ کرنا۔ آج سے تمہارا یہ ظلم کا کھیل بند ہوتا ہے۔ اب تم کسی کو قتل نہ کر سکو گے۔ مجھے سب کچھ معلوم ہو گیا ہے۔ میں تم سے ان تمام معصوم لڑکیوں اور بے گناہ آدمیوں کے خون کا بدلہ لوں گا جن کو تم نے باری باری مار ڈالا اور ان کا خون پی گئے"۔

جادوگر کی تو آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اسے خواب میں بھی یقین نہیں آ سکتا تھا کہ یہ نوجوان اس کے راز کو پا لے گا اور اس کے خلاف ہو کر اس کی جان کا دشمن ہو جائے گا۔ مگر اب وقت سوچنے کا نہیں تھا۔ پانی سر سے گزر چکا تھا۔ جادوگر سمجھ گیا کہ بوڑھے نوکر نے غداری کی ہے۔ اور عنبر کو سب کچھ بتا دیا ہے۔ جادوگر نے اپنی کمر سے

تلوار کھینچ کر نکالی اور عنبر کے سامنے آ گیا۔ عنبر نے بھی تلوار سونت لی۔ دونوں میں مقابلہ شروع ہو گیا۔

جادوگر کو اپنا انجام صاف نظر آ رہا تھا۔ اس نے بڑی چالاکی سے عنبر کی گردن پر تلوار کے دو چار ہاتھ مارے اور یہ دیکھ کر خوفزدہ ہو گیا کہ تلوار اس کی گردن پر لگ کر یوں اچٹ گئی تھی جیسے اس کی گردن پتھر کی ہو۔

دوسری طرف عنبر بڑھ بڑھ کر جادوگر پر وار کر رہا تھا۔

اس کی تلوار جادوگر کے چاروں طرف چل رہی تھی۔ جادوگر اب وہاں سے بھاگنے کی فکر میں تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ بھاگ جائے۔ کیونکہ وہ عنبر کو مار ہرگز نہیں سکتا تھا۔

عنبر بھی سمجھ گیا کہ جادوگر بھاگنے کی سوچ رہا ہے۔ ایک بار جادوگر بھاگنے کے لیے مڑا ہی تھا کہ عنبر نے لپک کر تلوار ماری اور جادوگر کی

گردن کٹ کر پرے جا گری۔ جادوگر مر گیا۔ بوڑھے نوکر نے خدا کا شکر ادا کیا کہ ایک پتھر دل ظالم مر گیا تھا۔ عنبر اور بوڑھے نے مل کر لڑکی کو ہوش دلایا۔ بوڑھا لڑکی کو لے کر اس کے ماں باپ کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا اور عنبر جنگل والی جادوگر کی جھونپڑی میں جا کر سو گیا۔

اس نے فیصلہ کیا کہ جہاز کے آنے تک وہیں قیام کرے گا۔

شاہی قبرستان

ماریا کو غار کے مقبرے میں پڑے ایک مہینہ گذر گیا ہے۔

وہ پتھر کا بت بنی تابوت میں پڑی ہے۔ نہ اسے بھوک لگتی ہے نہ پیاس لگتی ہے۔ وہ اپنے جسم کو ہلا بھی نہیں سکتی۔ اس کا سارا جسم پتھر بنا ہوا ہے۔ صرف وہ سن سکتی ہے، بول بھی نہیں سکتی۔ وہ دیکھ سکتی ہے۔ مگر ڈیلے زیادہ نہیں ہلا سکتی۔ وہ مردہ نہیں۔ مگر مردہ بھی ہے۔ اس کا ذہن سوچ رہا ہے۔ اپنے بھائی عنبر اور ناگ کے بارے میں، خدا جانے وہ اپنی بہن کے بارے میں کیا سوچ رہے ہوں گے۔ اسے

کہاں کہاں تلاش کر رہے ہوں گے۔ انہیں کبھی پتہ نہیں چل سکتا کہ ان کی بہن ماریا ٹیلے کے غار والے تہہ خانے کے مقبرے میں ایک تابوت میں پتھر بنی لیٹی ہے۔ وہ صبح وشام تابوت کے اندر لیٹی دل میں سوچتی رہتی کہ کبھی نہ کبھی تو شاید اس کی قسمت کے دن پھر جائیں گے۔ شاید کبھی اسے تلاش کرتے کرتے اس کا کوئی بھائی وہاں پہنچ جائے گا۔

وہ مقبرے کے تابوت میں زندہ دفن تھی۔

ادھر شاہی محل میں وزیر اور سپہ سالار نے بغاوت کے کام کو تیز کر دیا تھا۔ وہ ایک پل ضائع کیے بغیر جلدی سے جلدی ناگ کو قتل کر کے بادشاہ اور شہزادے کی رکاوٹ کو راستے سے دور کرنا چاہتے تھے۔ جیسا کہ ہم آپ کو پہلے بتا چکے ہیں۔ تین بار ناکام ہونے کے بعد سپہ سالار نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ خود اس دفعہ جا کر ناگ کا کام تمام کر دیگا۔

اس مقصد کے لیے اس نے سوچ رکھا تھا کہ وہ رات کو سوتے میں ناگ کے کمرے میں جا کر اسے قتل نہیں کرے گا۔ بلکہ اسے کسی بہانے شہر سے باہر شاہی قبرستان میں لے جائے گا اور وہاں موقع پا کر اسے ختم کر دے گا۔ یہ کام اس کے لیے مشکل نہیں تھا۔

سپہ سالار نے ایک روز ناگ سے ملاقات کی اور اسے کہا کہ وہ شاہی قبرستان میں اپنے باپ کی قبر پر پھول چڑھانے جا رہا ہے۔

”اگر تم بھی میرے ساتھ چلو تو اس سے میرے باپ کی روح کو ثواب ملے گا۔ کیونکہ ہمارے خاندان میں رواج ہے کہ باپ کی قبر پر بھی اکیلے نہیں جاتے بلکہ اپنے کسی خاص پیارے دوست کو ساتھ لے کر جاتے ہیں۔ تم مجھے بہت پیارے ہو۔ کیا تم میرے ساتھ چلو گے؟“

ناگ بھولا بھالا نوجوان تھا زیادہ مکر و فریب نہیں جانتا تھا۔ اس نے

کبھی کسی کیساتھ فریب نہیں کیا تھا، بولا:

”سپہ سالار صاحب، اگر آپ کی مرضی ہے۔ آپ کی خواہش ہے تو ضرور جاؤں گا۔ اگر آپ کے باپ کی روح کو میرے جانے سے ثواب مل سکتا ہے۔ تو بھلا مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ میں تیار ہوں“۔

سپہ سالار نے خوش ہو کر کہا۔

”دیوتا تمہیں خوش رکھیں میرے دوست۔ مجھے تم سے یہی امید تھی۔ آؤ میرے ساتھ“۔

سپہ سالار نے پھولوں کے ہار لیے اور ناگ کو ساتھ لے کر گھوڑے پر سوار ہوا اور دونوں شاہی قبرستان کی طرف چل پڑے۔ شاہی قبرستان شہر سے باہر پہاڑیوں میں ایک ویران جگہ پر تھا۔ یہاں دن کو بھی ویرانی چھائی رہتی تھی۔ قبرستان کے دروازے پر شاہی چوکیدار

نے سپہ سالار کو جھک کر سلام کیا۔ سپہ سالار نے اسے کچھ سونے کے
سکے خیرات کیے اور ناگ کو لے کر قبروں میں چلنے لگا۔ گھوڑے انہوں
نے قبرستان کے دروازے پر ہی چھوڑ دیے تھے۔ یہاں ہر طرف
شاہی خاندان کی قبریں پھیلی ہوئی تھیں۔

شاہی قبروں میں ایسی بھی قبریں تھیں جو کئی کئی سو سال پرانی تھیں۔
سپہ سالار ناگ کو بتاتا جاتا تھا کہ فلاں قبر کس بادشاہ کی ہے اور فلاں کس
بادشاہ کی رانی یا رشتے دار کی ہے۔ ناگ بڑے غور سے ایک ایک قبر کو
دیکھ رہا تھا۔ اس سے پہلے وہ کبھی اس شاہی قبرستان میں نہیں آیا
تھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ سپہ سالار اسے قتل کرنے
کے لیے وہاں لایا ہے۔ وہ قبروں پر لکھے ہوئے کتبوں کو بھی پڑھتا جا
رہا تھا۔ وہ قبرستان میں کافی دور نکل آئے۔ یہاں سوائے ان دونوں
کے اور کوئی نہیں تھا۔

ناگ نے پوچھا۔

"سپہ سالار صاحب، آپ کے والد کی قبر کہاں ہے؟"

سپہ سالار نے یونہی ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہیں کہیں تھی۔ اصل میں میں بہت دیر بعد ادھر آیا ہوں"۔

پھر وہ ایک قبر کی طرف یوں ہی اشارہ کر کے بولا۔

"وہ ہے میرے باپ کی قبر"۔

یہ قبر ایک شکستہ اور پرانی قبر تھی جس کے نیلے پتھر پر کچھ بھی نہیں لکھا
ہوا تھا۔ ناگ نے قبر کے پتھر کو دیکھ کر کہا۔

"مگر اس کے پتھر پر تو کچھ نہیں لکھا ہوا؟"

سپہ سالار نے کہا۔

"پرانی قبر ہے۔ پتھر بھی پرانا تھا۔ جو کچھ لکھا وہ مٹ گیا۔ سوچتا
ہوں باپ کی روح کیا کہتی ہوگی۔ ایک نیا سفید پتھر پھر سے یہاں لگوا

دوں"۔

ناگ بولا:

"ہاں، یہ ضرور کریں۔ بزرگوں کی روحوں کا ہمیں بہت خیال رکھنا چاہیے"۔

پھول چڑھانے کے بعد ناگ وہاں عبادت کرنے لگا۔ سپہ سالار نے بھی جھوٹ موٹ آنکھیں بند کرلیں اور چوری چوری ناگ کو تکنا شروع کردیا۔ وہ اس پر حملہ کرنے کا موقع تلاش کررہا تھا۔ سپہ سالار نے خنجر نکال کر اپنے ہاتھ میں چھپا کر پکڑ لیا تھا۔ وہ اک ہی وار سے ناگ کا کام تمام کردینا چاہتا تھا۔ ناگ کو کوئی خبر نہیں تھی کہ اس کے خلاف کس قدر بڑی سازش ہو رہی ہے۔ وہ خاموشی کے ساتھ سچے دل سے سپہ سالار کے فرضی باپ کی قبر پر دعا مانگ رہا تھا۔

اچانک ناگ کو خطرے کا احساس ہوا۔ یہ بات خاص طور پر ناگ

کے اندر موجود تھی۔ اسے سانپ ہونے کی وجہ سے عین وقت پر خطرے کا احساس ہو جاتا تھا۔ وہ بڑا حیران ہوا کہ خطرہ کدھر ہے؟ اس کے پاس تو اس کا دوست سپہ سالار کھڑا تھا۔ پھر اسے خطرہ کس سے ہوسکتا تھا۔ لیکن اسے فوراً ہی پتہ چل گیا کہ خطرہ کدھر سے تھا ٹھیک اس وقت سالار نے ناگ کو غافل جان کر خنجر والا ہاتھ اٹھا کر ناگ پر حملہ کردیا۔ اگر ناگ تڑپ کر پرے نہ ہٹ جاتا تو خنجر اس کی گردن میں پیوست ہوگیا تھا۔ ناگ کے پرے ہٹتے ہی سپہ سالار بپھر گیا۔ اس کا شکار اس کے ہاتھ سے جا رہا تھا۔ ناگ بھی پوری طرح سے چوکس ہوگیا تھا۔ اس کا دشمن کھل کر سامنے آگیا تھا۔ ناگ نے زمین پر سے ایک لکڑی اٹھالی اور اسے ڈھال بنا کر خنجر کے وار روکنے لگا۔ اس نے سپہ سالار سے کہا۔

"سپہ سالار، یہ تم کیا کررہے ہو۔ تم تو میرے دوست بنتے تھے۔ پھر

"تم نے ایسی حرکت کیوں کی؟ ویسے میرے کانوں میں یہ بات پڑ چکی تھی کہ تم میرے دشمن ہو، لیکن مجھے یقین نہیں آتا تھا۔ آج یقین آ گیا"۔

سپہ سالار نے گرج کر کہا۔

"اگر یقین آ گیا ہے تو مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ"۔

ناگ نے کہا۔

"سپہ سالار، اب بھی وقت ہے اپنے ارادے سے باز آ جاؤ۔ اور اپنی جان بچا کر واپس چلے جاؤ۔ میں کسی سے کچھ نہیں کہوں گا۔ کسی سے کوئی بات نہیں کروں گا۔ اس لیے کہ مجھے تم پر رحم آتا ہے"۔

سپہ سالار نفرت سے چلایا۔

"اے معمولی دو کوڑی کے نوجوان، تمہاری یہ مجال کہ مجھ پر ترس کھاؤ۔ اپنی حیثیت پہچان کر بات کرو۔ میں اس ملک کی ساری فوج

کا سپہ سالار ہوں۔ میں اگر چاہوں تو بادشاہ کو بھی تخت سے نیچے اتار سکتا ہوں"۔

ناگ نے پوچھا۔

"تو پھر تم نے ایسا کیوں نہیں کیا۔ تم کس کا انتظار کر رہے تھے؟"

سپہ سالار بولا:

"اس کی وجہ بھی تم ہی تھے۔ اب میں تمہاری زندگی کا چراغ اسی لیے گل کر رہا ہوں کہ اپنی حکومت کا چراغ روشن کر سکوں۔ لو اب مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ"۔

ناگ نے کہا۔

"اے سپہ سالار! میں آخری بار تمہیں ہدایت کرتا ہوں کہ اپنے ارادے سے باز آ جاؤ ہتھیار پھینک کر گھوڑے پر سوار ہو کر واپس چلے جاؤ۔ میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔ اگر تم اب بھی اپنی ضد پر اڑے

رہے تو پھر تمہاری موت میرے ہاتھوں ہو گی اور تمہاری موت پر میں اپنے ہاتھ سے مہر لگاؤں گا اور مجھے ایسا کرنے سے کوئی نہیں روک سکے گا"۔

"بکواس بند کرو اے معمولی گھٹیا آدمی، اب اگر تم نے ایک لفظ بھی زبان سے نکالا تو میں تمہاری زبان کاٹ کے رکھ دوں گا۔ مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ"۔

ناگ کے لیے اب یہی ایک راستہ تھا کہ وہ اپنی جان کی حفاظت کرتے ہوئے سپہ سالار کو مار ڈالے۔ سپہ سالار نے ناگ پر حملہ کیا۔ ناگ دوڑ کر بڑے سے گول پتھر کے پیچھے گر پڑا۔ فرش پر گرتے ہی ناگ نے زور سے پھنکار ماری اور پلک جھپکتے ہی ایک خونخوار شیر بن کر سپہ سالار کے سامنے آ گیا۔ اس کی دھاڑ سے ساری وادی اور شاہی قبرستان گونج اٹھا۔ سپہ سالار کی تو سٹی گم ہو گئی۔ اس کی سمجھ

میں نہیں آ رہا تھا کہ ناگ کہاں چلا گیا اور یہ شیر کہاں سے آ گیا۔ کیونکہ اس جگہ کبھی کسی نے شیر کو نہیں دیکھا تھا۔ شاہی قبرستان میں ویسے بھی شیر کا کوئی کام نہیں تھا۔ اور پھر اس علاقے میں شیر کہیں بھی نہیں تھا۔ کیونکہ ادھر جنگل ہی بہت کم گھنے تھے۔ ناگ شیر کے روپ میں ایک بار پھر زور سے گرجا۔ اس کی دھاڑ سے سپہ سالار کا دل کانپ اٹھا۔

یہ دھاڑ عام شیروں کی دھاڑ سے بہت مختلف تھی۔ شیر ایک جگہ کھڑا سپہ سالار کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ رہا تھا۔ یہ ایک بہت بڑا شیر تھا جس کی آنکھوں سے آگ کے شرارے نکل رہے تھے۔ سپہ سالار اس خیال سے بڑا خوفزدہ ہو رہا تھا کہ ناگ کہاں گم ہو گیا؟ کہیں یہ شیر ناگ تو نہیں؟ مگر ایک جیتا جاگتا انسان کیسے شیر بن سکتا ہے؟ سپہ سالار کے دماغ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی۔ وہ ڈر بھی رہا تھا،

حیران بھی تھا اور خنجر سے شیر کا مقابلہ بھی کرنا چاہتا تھا۔ اور شیر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ بھی رہا تھا۔ شیر اسے موقع دے رہا تھا کہ وہ اس دنیا کی ہوا میں زندگی کے کچھ اور سانس لے لے۔ اس کی شیر کے ہاتھوں موت یقینی تھی۔ وہ بھاگ نہیں سکتا تھا۔ ناگ نے سوچا کہ سپہ سالار سے کچھ باتیں کرنی چاہئیں۔ اس نے کہا۔

"سپہ سالار مجھے پہچانتے ہو؟"

سپہ سالار کی ٹانگیں ناگ کی آواز سن کر کانپنے لگیں۔ وہ اتنا کہہ ہی سکا۔

"ناگ۔۔ کیا۔ کیا یہ تم ہو؟"

"ہاں۔۔ اب تم مجھ سے بچ نہ سکو گے۔ میں تم سے ان تمام لوگوں کا بدلہ لوں گا جن کو تم نے قتل کروایا یا قتل کر دیا"۔

سپہ سالار کچھ کہنے ہی والا تھا کہ شیر نے اس پر حملہ کر دیا۔ سپہ سالار

نے خنجر شیر کی گردن میں مارنا چاہا مگر اس سے پہلے شیر نے ایک زبردست تھپڑ سپہ سالار کے منہ پر مارا۔ شیر کے پنجے میں اس قدر طاقت تھی کہ سپہ سالار کے چہرے کا ایک حصہ بالکل اڑ گیا اور وہ چکرا کر زمین پر گر پڑا۔

شیر نے قریب جا کر ایک اور تھپڑ اس کی کھوپڑی پر مارا جو دو ٹکڑے ہو گئی۔ سپہ سالار کی آنکھوں میں زندگی کی آخری شمع بجھنے لگی۔

ناگ نے پھنکار مار کر جون پھر سے بدل لی۔ وہ پھر سے انسان بن گیا۔ سپہ سالار نے آخری بار ناگ کو شیر سے انسان بنتے دیکھا اور ایک جھرجھری سی لے کر ہمیشہ کے لیے سو گیا۔ سپہ سالار مر گیا تھا۔ ناگ نے اس کے جسم پر قریب سے جھاڑیاں اور سوکھے پتے اٹھا کر ڈالے اور واپس اپنے شاہی محل کی طرف روانہ ہو گیا۔ شاہی محل میں آ کر وہ سیدھا اپنے کمرے میں آ گیا اور ایک جگہ بیٹھ کر عنبر اور ماریا کو

یاد کرنے لگا۔

شام ہو گئی۔

ناگ کمرے سے باہر نکلا اور بادشاہ کے کمرے کی جانب اسے
دوائی کھلانے چل دیا۔ رات گزر گئی۔ دن چڑھا۔ سپہ سالار کے گم ہو
جانے کی خبر سارے محل میں پھیل گئی۔ فوج نے سپہ سالار کی تلاش
شروع کر دی۔ اس کی گم شدگی سے وزیر سب سے زیادہ پریشان تھا۔
وہ خود سپاہیوں کا دستہ لے کر سپہ سالار کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔
تلاش کرتے کرتے کسی نے آ کر بتایا کہ سپہ سالار کی لاش شاہی
قبرستان میں پڑی ہے۔ بادشاہ اور وزیر وہاں پہنچ گئے۔ لاش سے
صاف پتہ چلتا تھا کہ اسے شیر نے پنجہ مار کر ہلاک کیا ہے۔ سپہ سالار
کے چہرے اور گردن پہ شیر کے پنجوں کے کے نشان تھے۔ بادشاہ اور
وزیر بڑے حیران ہوئے کہ اس طرف شیر کہاں سے آ گیا۔ کیونکہ

وہاں کبھی کسی نے یہ نہیں سنا تھا کہ شیر نے آ کر کسی کو چیر پھاڑ ڈالا ہو۔

بادشاہ نے وزیر سے کہا۔

”وزیر صاحب، شاہی قبرستان میں شیر کہاں سے آ گیا؟“

وزیر نے حیرانی سے کہا۔

”حضور انور، میں خود حیران ہوں کہ یہاں شیر کدھر سے آ گیا؟
ہمارے ملک کے جنگلوں میں بھی کہیں کہیں ہی شیر دیکھا جاتا ہے
اور ان نے بھی آج تک کسی انسان کو ہلاک نہیں کیا۔ پھر یہ کیا چکر
ہے؟ یہ شیر کہاں سے آ گیا تھا؟“

بادشاہ کہنے لگا۔

”میں خود حیران ہوں، بہر حال سپہ سالار کی لاش پورے اعزاز اور
شاہی رسموں کے مطابق دفن کی جائے گی۔“

سپہ سالار کو شاہی قبرستان میں دفن کر دیا گیا تو وزیر گہری سوچ میں

ڈوبا اپنے کمرے میں آ گیا۔ اس کی سمجھ سے یہ معمہ نہیں کھل رہا تھا کہ ناگ کیسے سپہ سالار کے خنجر سے بچ گیا اور سپہ سالار کو ہلاک کرنے والا شیر کہاں سے آ گیا؟

اس نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ وہ اپنی جان پر کھیل کر بھی اب ناگ کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔ چاہے اس کی اپنی جان چلی جائے۔ وہ ناگ کو اپنے ہاتھوں قتل کر کے رہے گا۔ صاف ظاہر تھا کہ وزیر کی موت بھی اسے اپنی طرف بلا رہی تھی۔ اس کی بھی موت قریب تھی۔

ناگ نے بادشاہ اور شہزادے کو اتنا ضرور بتا دیا کہ سپہ سالار اسے بہانے بہانے سے شاہی قبرستان لے گیا تھا۔ وہاں جا کر اس نے ناگ پر حملہ کیا تھا۔ پھر اچانک ایک طرف سے شیر نکل آیا، جس نے سپہ سالار پر حملہ کر کے اسے چیر پھاڑ ڈالا۔ اگر شیر وہاں نہ آ جاتا تو ناگ کی زندگی کا چراغ گل ہو گیا تھا۔ اس نے بادشاہ اور شہزادے کو یہ

ہرگز نہ بتایا کہ یہ اس کی اپنی کارستانی تھی اور اس نے خود شیر بن کر سپہ سالار کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ اس کی ضرورت بھی نہیں تھی۔

ادھر وزیر ناگ کو ختم کرنے کی سازش تیار کر رہا تھا اور ادھر ناگ نے ماریا کو تلاش کرنے کی مہم تیز کر دی تھی۔ وہ سارا سارا دن شہر کے باہر والے ویرانوں اور قبرستان میں ماریا کو تلاش کرتا پھرتا۔ اسے جگہ جگہ آوازیں دیتا۔ اس کا نام لے لے کر اسے آہستہ آہستہ سے پکارتا۔ مگر ماریا کی آواز کسی طرف سے بھی سنائی نہ دیتی۔

ایک روز وہ ماریا کی تلاش سے تھک ہار کر واپس شاہی محل کی طرف آ رہا تھا وہ تالاب والی پہاڑی کے قریب سے گزرا تو اچانک اس کی نگاہ پہاڑ کی ڈھلان پر ایک جگہ پڑی جہاں سے کچھ پتھر نیچے گرے ہوئے تھے۔ ناگ کے قدم رک گئے۔ اس نے آگے بڑھ کر ہاتھ سے پتھروں کو گرانا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد وہاں ایک غار سا

نمودار ہو گیا۔ دو چار اور پتھر نیچے گر پڑے۔ ناگ کو اچانک خیال آیا کہ یہ تو وہی مقبرے والا غار ہے جہاں ملکہ کی روح چاندنی راتوں میں آ کر بین کیا کرتی ہے۔ کہیں ماریا اس مقبرے میں تو نہیں گئی؟ اس خیال کے ساتھ ہی ناگ غار کے اندر سیڑھیاں اترنے لگا۔

عنبر ناگ ماریا

(قسط نمبر ۳۲)

سلیمانی انگوٹھی

اے حمید

فہرست

مقبرے کا بھوت

ناگ غار کی سیڑھیاں اتر کر مقبرے میں آ گیا۔

عنبر اور ماریا کے ساتھ وہ ایک بار اس مقبرے کو دیکھ چکا تھا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ اس مقبرے میں ہزار برس پہلے کے ایک بادشاہ اور ایک ملکہ کی قبریں ہیں۔ بادشاہ کو اسکے غدار وزیر نے سازش کر کے قتل کر دیا تھا۔ اور اس کی ملکہ اپنے بادشاہ کی قبر پر روتے روتے اس کے غم میں مر گئی تھی۔ اب چاندنی راتوں میں ملکہ کی بے چین روح

مقبرے میں آ کر بین کیا کرتی تھی۔ ساری باتیں سوچتے ہوئے ناگ مقبرے کے اندر ایک جگہ رک کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ اب وہ اس جگہ آ گیا تھا جہاں ایک چبوترے پر بادشاہ اور ملکہ دونوں کی قبریں بنی ہوئی تھیں۔

ناگ نے کان لگا کر سننے کی کوشش کی اسے یوں لگا تھا جیسے کسی نے اسے آواز دی ہو۔ یہ اس کا وہم تھا۔ مقبرے میں ہر طرف سناٹا تھا، گہری خاموشی تھی۔ کسی طرح سے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ قبروں کے قریب آ کر ناگ نے قبروں کے ساتھ لگے ہوئے پتھروں کو غور سے دیکھا وہاں جو کچھ ہزار برس پہلے کھدا ہوا تھا وہ مٹ چکا تھا۔ قبروں کے پہلو میں ایک چھوٹا سا راستہ دیوار کے ساتھ اندر کو جا رہا تھا۔ ناگ پہلے کبھی اس راستے پر نہ گیا تھا۔ اس نے خیال کیا کہ ہو سکتا ہے ماریا اندر آئی ہو اور وہ اس راستے پر سے ہو کر آگے نکل گئی ہو۔ یہ

بھی دیکھنا چاہیے کہ یہ راستے آگے جا کر بند ہو جاتا ہے یا کسی طرف کو نکل جاتا ہے۔

ناگ ماریا بہن کی تلاش میں بڑی سوچ بچار سے کام لے رہا تھا۔ اس کو جوش بھی تھا مگر وہ ہوش بھی رکھتا تھا۔ وہ دیوار کے ساتھ ساتھ ہو کر تنگ راستے پر چل دیا۔ یہ راستہ آگے جا کر ایک طرف کو مڑ گیا۔ ناگ بھی اسی طرف گھوم گیا۔ یہاں غار کی چھت نیچی ہو گئی تھی۔ اور ناگ کو سر جھکا کر چلنا پڑ رہا تھا۔ چلتے چلتے وہ اس مقام پر پہنچ گیا جہاں ماریا کو بھوت کی آواز آئی تھی۔

ناگ اپنی جگہ پر خاموش ہو کر کھڑا ہو گیا۔ اور غور کرنے لگا کہ اسی مقبرے میں یہ راستہ کدھر کو جا نکلتا ہے؟ آگے اندھیرا گہرا ہو رہا تھا۔ ناگ نے سوچا کہ چل کر دیکھنا چاہیے کہ کہیں ماریا وہاں تو کسی مصیبت میں نہیں پھنس گئی۔ اس کا دل کہہ رہا تھا کہ ماریا اسی مقبرے میں کسی

جگہ پر ہے۔ بھائی کو بہن کی خوشبو آنے لگی تھی۔ ناگ ابھی دو قدم ہی چلا ہوگا کہ اچانک اسے کچھ آواز سنائی دی۔ وہ ایک دم رک گیا اور دیوار کے ساتھ لگ کر سننے لگا کہ یہ آواز کیسی ہے؟

یہ آواز اسی بھوت کی تھی جو پاؤں گھسیٹتا آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا۔ بھوت کو احساس ہو گیا تھا کہ کوئی آدمی مقبرے میں گھس آیا ہے۔ انسانوں کا یہ بھوت جانی دشمن تھا اور انہیں ماریا کی طرح پتھر بنا کر تابوتوں میں بند کرنا چاہتا تھا۔ پاؤں گھسٹ گھسٹ کر چلنے کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ ناگ نے اندازہ لگایا کہ آواز غار کے اگلے حصے کی جانب سے آ رہی تھی۔ اور آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ناگ کو خیال آیا کہ وہ سکتا ہے یہ کوئی آسیب ہو۔ کوئی بھوت پریت یا کوئی روح ہو۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ وہ انسان کی جون بدل کر کوئی جانور بن جائے۔ اس خیال کے ساتھ ہی ناگ نے

آنکھیں بند کر کے سانس اندر سینے میں کھینچ لیا۔ پاؤں کے گھسٹنے کی آواز زیادہ قریب آ گئی تھی۔ ناگ نے آہستہ سے پھنکار ماری اور سانپ بن گیا۔ سانپ بن کر وہ غار کی دیوار پر چڑھا اور رینگتا ہوا ایک طرف اندھیرے میں چھپ کر دیکھنے لگا کہ آواز کس کی ہے اور کون آ رہا ہے؟

اب آواز کے ساتھ اسے ایک دہشت ناک آواز بھی سنائی دی۔

"تم بچ کر نہیں جاؤ گے۔ تم آ گئے ہو تو اب آ جاؤ۔ میں تمہیں سلا دوں گا۔ ہمیشہ کے لیے سلا دوں گا"۔

ناگ سانپ بنا بنا تو ایک بار کانپ گیا۔ آواز میں بڑی دہشت تھی۔ ایسے لگتا تھا جیسے کوئی بھوت بڑی تکلیف میں بول رہا ہے۔ سانپ اب انتظار کرنے لگا کہ وہ اپنی آنکھوں سے بھوت کو دیکھے۔ اس کی لال آنکھیں اندھیرے میں اب ہر شے کو صاف دیکھ

رہی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد سانپ نے دیکھا کہ ایک دھوئیں کا انسان نما گولا غار میں اس طرف بڑھا آ رہا ہے۔ جہاں ناگ تھوڑی دیر پہلے کھڑا تھا۔ وہ حیرانی سے دھوئیں کے اس گولے کو دیکھنے لگا جس کی شکل کسی ایسے انسان سے ملتی جلتی تھی جس کا قد بہت بڑا ہو اور جس کے سر پر دو لمبے لمبے سینگ ہوں۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ اس مقبرے کا بھوت ہے۔ بھوت ٹھیک ناگ کی جگہ پر آ کر رک گیا۔ دھوئیں کا گولہ ادھر ادھر گھوم کر تکنے لگا کہ جس انسان کی اس کو بو آئی تھی وہ کہاں ہے؟

بھوت نے ایک قہقہہ لگایا۔ اس کا قہقہہ بڑا ڈراؤنا تھا جس کی آواز دیر تک غار کے اندر گونجتی رہی۔

"تم مجھ سے بھاگ کر نہیں جا سکتے۔ تم مجھ سے بھاگ کر نہیں جا سکتے میں ابھی تمہیں تلاش کر لوں گا۔ میں بھوت ہوں۔ میں تمہیں تکا بو کر کے چھوڑوں گا"۔

بھوت نے زور سے پھونک ماری۔ اس کے منہ سے آگ کا شعلہ نکلا جس نے غار کی دیوار کو چاٹنا شروع کر دیا۔ سانپ جلدی سے رینگتا ہوا چھت پر چلا گیا۔ بھوت کا شعلہ دیواروں کو چاٹتا رہا پھر شعلہ بجھ گیا۔ بھوت نے ایک اور قہقہہ لگا کر کہا:

"تم بھسم ہو گئے ہو۔ تم میری آگ میں جل کر خاک ہو گئے ہو۔ میں نے کہا تھا کہ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اب تم نے دیکھ لیا کہ میں نے تمہیں ہلاک کر دیا۔ ہاہاہا۔۔۔ ہاہاہا۔۔۔"

سانپ بڑا خوش ہوا کہ بھوت دھوکا کھا گیا۔

وہ چھت سے چمٹا ہوا تھا۔ رینگ کر دیوار پر آ گیا۔ دیوار ابھی تک گرم تھی۔ وہ دیوار میں ابھرے ہوئے ایک بڑے سے پتھر کی اوٹ میں چھپ گیا۔ بھوت نے اسے بالکل نہیں دیکھا تھا۔ وہ بڑی آزادی کے ساتھ مقبرے کی قبروں کے آس پاس چکر لگانے لگا۔ وہ بڑی

آہستہ آہستہ پاؤں گھسٹ گھسٹ کر چل رہا تھا۔ چکر لگاتے لگاتے وہ ملکہ کی قبر کے پاس رک گیا۔ اس نے لمبا ہاتھ بڑھا کر قبر کے پہلو میں سے پتھر کی ایک سل اتار کر پرے پھینک دی۔ وہاں ایک شگاف نکل آیا۔ بھوت نے شگاف کے اندر ہاتھ ڈالا اور مٹی کا ایک مرتبان نکال کر باہر رکھ دیا۔ اس مرتبان کے اوپر ڈھکن چڑھا ہوا تھا۔ سانپ یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اور حیران ہو رہا تھا کہ بھوت مٹکے میں سے کیا نکالنے والا ہے؟ بھوت نے مٹکے کے اوپر جھک کر قہقہہ لگا کر کہا۔

''اے ملکہ کی بے چین روح! کیا تم ابھی تک زندہ ہو؟''

ناگ فوراً جان گیا کہ بھوت نے ملکہ کی روح کو مرتبان کے اندر قید کر رکھا ہے۔ سانپ ہونے کی وجہ سے وہ جانتا تھا کہ بھوتوں میں اتنی طاقت ہوتی ہے کہ وہ بھٹکی ہوئی روحوں کو جس جگہ چاہیں قید کر کے رکھ لیں۔ بھوت نے ایک قہقہہ لگا کر ایک بار پھر اپنا سوال دہرایا۔

''اے بدنصیب ملکہ کی روح! کیا تم ابھی تک زندہ ہو؟''

مرتبان کے اندر سے ملکہ کی بھٹکی ہوئی روح کی اداس آواز سنائی دی۔ اس آواز میں عاجزی اور رحم کی درخواست تھی۔

''اے بھوت! مجھ پر رحم کر اور مجھے آزاد کر دے۔ اس مٹکے کے اندر میرا دم گھٹا جا رہا ہے۔۔۔''

بھوت نے زور سے قہقہہ لگا کر کہا۔

''بدنصیب ملکہ! تمہاری وجہ سے میرا بچہ مر گیا ہے۔ میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔ میں تم سے اپنے بچے کی موت کا بدلہ لوں گا۔

تم قیامت تک اس چھوٹے سے مرتبان میں قید رہو گی''۔

ملکہ کی روح نے عاجزی سے کہا:

''اے بھوت! میں نے جان بوجھ کر تمہارے بچے کو نہیں مارا۔ مجھ سے غلطی ہو گئی ہے۔ مجھے معاف کر دو۔ میں آئندہ کبھی تمہارے

علاقے میں نہیں آؤں گی''۔

بھوت نے سخت غصے میں آ کر کہا۔

''خاموش بدنصیب روح! تم نے جان بوجھ کر کیا ہے یا نہیں اس کی مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ مگر تمہاری وجہ سے میرے بچے کی موت ہوئی ہے۔ میں تمہیں کبھی نہیں معاف کروں گا''۔

ملکہ کی روح نے کہا۔

''اے بھوت مجھ پر ترس کھاؤ۔ میں پہلے ہی ایک غم زدہ بھٹکی ہوئی روح ہوں اور اپنے بادشاہ کی روح کی تلاش میں ماری ماری پھر رہی ہوں۔ میرے بادشاہ کو ایک ہزار برس پہلے قتل کر دیا گیا تھا۔ وہ بھی بد قسمت تھا۔ میں بھی بدقسمت ہوں کہ اپنے خاوند سے بچھڑ کر ہزار سال سے اس کی روح کو تلاش کرتی پھر رہی ہوں''۔

بھوت نے چیخ کر کہا۔

''تو پھر میں کیا کروں۔ کیا میں نے تمہارے بادشاہ کو قتل کیا تھا؟ اگر میں نے تمہارے بادشاہ کو قتل نہیں کیا تو پھر تو نے میرے بچے کو کیوں مار ڈالا۔ بس۔ اب بکواس بند کر۔ میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔ میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا''۔

ملکہ کی روح نے کہا۔

''اے آسمانوں کے مالک میری فریاد سن۔ مجھ پر رحم کر اور مجھے اس بھوت کے ظلم سے نجات دلا''۔

اس پر بھوت کو سخت غصہ آیا۔ اس نے کڑک کر کہا۔

''خاموش بد بخت ملکہ! اگر تو نے پھر خدا کا نام لیا تو میں تمہیں پھونک مار کر بھسم کر دوں گا اور تو آسمانوں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے غائب ہو جائے گی۔ اب تو تمہیں امید ہے کہ شاید تیرے بادشاہ کی روح کبھی مل جائے۔ پھر یہ امید بھی ختم ہو جائے گی''۔

ملکہ کی روح نے جلدی سے کہا:

"نہیں نہیں! خدا کے لیے ایسا نہ کرنا۔ اب میں کسی کے آگے فریاد نہ کروں گی۔ اب میں کسی کو مدد کے لیے نہیں پکاروں گی۔ میں وعدہ کرتی ہوں۔ تو بیشک قیامت تک مجھے اس مرتبان میں بند رکھ۔ میں کبھی شکایت نہیں کروں گی"۔

بھوت کھلکھلا کر بولا۔

"ہاں۔۔ اب آئی ہو تم سیدھے راستے پر۔ بس اب خبردار آئندہ کبھی میرے سامنے اپنے خدا کا نام مت لینا۔ میں جا رہا ہوں"۔

اور بھوت مٹی کے مرتبان کو مقبرے کے شگاف کے اندر رکھا۔ باہر پتھر کی سل جڑ دی اور آہستہ آہستہ پاؤں گھسٹتا واپس جدھر سے آیا تھا ادھر کو چلا گیا۔ ناگ نے یہ سارا تماشا اپنی لال لال آنکھوں سے پوری طرح دیکھا تھا۔ بھوت چلا گیا تو ناگ چپکے سے چھت پر سے

رینگ کر نیچے فرش پر آ گیا۔ وہ ابھی انسان کے روپ میں نہیں آنا چاہتا تھا۔ کیونکہ بھوت کے پھر واپس آ جانے کا خطرہ تھا۔ وہ ناگ کو انسان کی شکل میں نقصان پہنچا سکتا تھا۔ سانپ مقبرے سے رینگتا ہوا غار کے دروازے پر آ گیا۔ غار سے باہر نکل کر اس نے دوبارہ انسان کی شکل اختیار کر لی اور واپس شاہی محل میں آ گیا۔

بھوت مقبرے کے دالان میں سے گزر کر دیوار کے شگاف میں سے ہو کر اس کوٹھڑی میں آیا جہاں ماریا تابوت کے اندر پتھر بنی لیٹی ہوئی تھی۔ ماریا کئی روز سے اس تابوت میں پتھر کی موت بنی پڑی تھی۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ سو بھی رہی ہے اور جاگ بھی رہی ہے۔ اس کا سارا بدن پتھر بن گیا تھا۔ مگر آنکھیں حرکت کر رہی تھیں۔ اور کوٹھڑی کی چھت کو دیکھ رہی تھیں۔ وہ سن بھی رہی تھی۔ مگر نہ ہل جل سکتی تھی۔ اور نہ کوئی لفظ زبان سے ادا کر سکتی تھی۔ اسے بھوت کے

پاؤں گھسٹ گھسٹ کر چلنے کی دور سے آواز سنائی دی۔ وہ سمجھ گئی کہ بھوت اس کی طرف آ رہا ہے۔

وہ سوائے تابوت میں بے حس پتھر بن کر پڑی رہنے کے اور کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ اور وہ پتھر بنی پڑی رہی۔ پاؤں کی آواز قریب آ گئی۔ پھر ماریا نے اپنے اوپر ایک سفید گولے کو جھکے ہوئے دیکھا جس میں سے دو سرخ انگارہ آنکھیں اسے گھور رہی تھیں۔ یہ بھوت کی آنکھیں تھیں۔ بھوت نے ایک خوف ناک قہقہہ لگایا۔ ماریا سہم گئی۔

"سنو! تمہارا انجام اسی تابوت میں آئے گا۔ قیامت کے روز تک تم اس تابوت میں پڑی رہو گی۔۔ میں نے ملکہ کی روح کو بھی قید کر رکھا ہے۔ وہ بھی قیامت تک قید رہے گی۔ مجھے آج مقبرے میں کسی اور انسان کی بو آئی تھی۔ مگر وہ شاید بچ کر نکل گیا۔

ماریا کا ماتھا ٹھنکا۔ اس مقبرے میں اگر کوئی انسان آیا تھا تو وہ ضرور

عنبر یا ناگ بھائی ہو گا۔ وہ ضرور ماریا کی تلاش میں آیا ہو گا۔ خدا کا شکر ہے کہ وہ اس خوفناک بلا سے بچ کر چلا گیا۔ نہیں تو اس کا انجام بھی یہی ہوتا کہ کسی کوٹھڑی کے تابوت میں پتھر بنا کر لٹا دیا جاتا۔ ماریا کو خوشی ہوئی کہ ناگ بھائی اسے تلاش کرتا کرتا مقبرے تک پہنچ گیا ہے۔

بھوت بولے جا رہا تھا۔

"اگر وہ انسان پھر اس مقبرے میں آیا تو مجھ سے بچ کر نہ جا سکے گا۔ اس بار وہ مجھے دھوکا دے کر جان بچا کر چلا گیا۔ دوسری بار اسے اتنی مہلت نہیں دوں گا۔ میں اسے پتھر بنا کر تابوت میں قید کر دوں گا۔ جس طرح میں نے تمہیں پتھر بنا کر قید کر رکھا ہے۔"

ماریا بھوت کی لال لال انگارہ آنکھوں کو دیکھے جا رہی تھی۔ وہ اسے جواب دینا چاہتی تھی لیکن بول نہیں سکتی تھی۔ وہ مجبور تھی۔ بے بس تھی۔ بے حس تھی۔ زندہ ہوتے ہوئے بھی مردہ تھی۔ بھوت نے

ایک بار پھر قہقہہ لگایا اور اسی طرح پاؤں کو گھسیٹتا کوٹھڑی میں سے نکل گیا۔ اپنے پیچھے وہ دیوار کے شگاف کو پتھر کی سل سے بند کرتا گیا۔

ماریا کے دل میں اچانک ایک خیال آیا کہ یہ اگر بھوت ہے تو پھر اسے دیوار کی سل اتار کر اندر آنے کی ضرورت ہے؟ بھوت تو دیوار میں سے آر پار ہو کر گزر جاتے ہیں۔ دیوار ان کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی۔ پھر یہ بھوت کیسا ہے کہ پتھر ہٹا کر اسے کوٹھڑی میں آنا پڑتا ہے۔ کہیں یہ کوئی انسان تو نہیں جس نے بھوت کا ڈھونگ رچایا ہوا ہے؟ یہ ایک انوکھا خیال تھا جو ماریا کے دماغ میں آیا تھا۔

اب وہ خیال کرنے لگی کہ بھوت کی آنکھوں میں انسانی آنکھوں جیسی چمک ہے۔ وہ آنکھیں کسی سانپ کی آنکھوں سے ملتی جلتی ہیں، اس کی آواز بھی کسی غیبی روح یا بھوت کی آواز نہیں لگتی بلکہ انسان کی آواز سے ملتی ہے۔

تو کیا یہ بھوت کوئی انسان ہے؟ تو پھر اس نے ملکہ کی روح کو کیسے قابو کر رکھا ہے؟ ہو سکتا ہے کہ یہ کوئی بڑا عیار جادوگر ہو۔ اور جادو کے زور سے اس نے روح کو قابو کر لیا ہو اور مقبرے میں آنے والے انسانوں کو جادو ہی کے زور سے پتھر بنا دیتا ہو۔ مگر سوال یہ تھا کہ وہ آخر ایسا کیوں کرتا ہے؟ ہو سکتا ہے۔ وہ کچھ عرصے بعد تابوت کی زندہ لاشوں کو پھر سے انسان بنا کر بھون کر کھا جاتا ہے اور یہ کوئی آدم خور وحشی ہو جس کو انسانوں کی تکلیف پر خوش ہونے کی عادت پڑ گئی ہو۔

ماریا اس قسم کی باتیں سوچتی رہی اور تابوت میں لیٹی رہی۔

ملکہ سلامبو

ناگ شاہی محل میں آ گیا تھا۔

اس کا ارادہ تھا کہ ایک بار پھر پر اسرار آواز والے مقبرے میں جائے اور ماریا بہن کو وہاں تلاش کرے۔ مگر اس دفعہ وہ پوری طرح سے تیار ہو کر جانا چاہتا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ مقبرے کا بھوت اس پر حملہ کر دے۔ اسے شک پڑ چکا تھا کہ ہو نہ ہو ماریا ضرور اسی مقبرے میں کسی جگہ قید کر دی گئی ہے۔ کیونکہ وہ اور کہیں نہیں جا سکتی

تھی۔ مقبرے میں جانے کا اسے شوق تھا وہ مقبرے میں آئی ہوگی اور بھوت نے اسے قید کر لیا ہوگا۔ ناگ ملکہ کی روح کو بھی مرتبان سے نکال کر آزاد کر دینا چاہتا تھا۔ وہ ایسا کرتے ہوئے ڈرتا بھی تھا کہ کہیں ملکہ کی روح الٹا اس کو ہی نہ چمٹ جائے۔ کیونکہ روحوں کے بارے میں اس نے سن رکھا تھا کہ بھٹکنے والی روحوں کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا۔ وہ کسی وقت بھی اپنا ارادہ بدل کر حملہ کر سکتی ہے۔

ادھر ناگ پر اسرار مقبرے میں جا کر تلاشی لینے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ ماریا بے چاری پتھر بنی تابوت کے اندر لیٹی تھی۔ عنبر حبشہ کے شہر میں کالے علم والے جادوگر کو مار کر جنگل میں اس کے جھونپڑے میں جاپان جانے والے جہاز کی راہ دیکھ رہا تھا۔ اب ہم ناگ اور ماریا کو تو جاپان کے شہر ٹوکیوشو میں چھوڑتے ہیں اور ذرا پیچھے چل کر عنبر کی خبر لیتے ہیں کہ وہ کیا کر رہا ہے؟

عنبر سارا دن تو حبشہ شہر میں آوارہ گردی کرتا رہتا اور شام کو جنگل والی جادوگر کی جھونپڑی میں آ کر پڑا رہتا۔ وہ اب انتظار کرتے کرتے تنگ آ گیا تھا۔ اور جلد سے جلد واپس اپنے بھائی ناگ اور بہن ماریا کے پاس پہنچنا چاہتا تھا۔ لیکن کم بخت جس جہاز کو جاپان کی طرف روانہ ہونا تھا وہ آ ہی نہیں رہا تھا۔ ہر حالت میں اسے انتظار ضرور کرنا تھا اور وہ مجبوراً انتظار کر رہا تھا۔ جس جنگل میں عنبر رہ رہا تھا وہ شہر کے قریب ہی سے شروع ہو کر چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کے درمیان دور دریا تک پھیلتا چلا گیا تھا۔ شہر زیادہ بڑا نہیں تھا۔ آبادی بھی کم تھی۔ دو چار بازار تھے۔ جن میں افریقہ کے کالے حبشیوں نے دکانیں کھول رکھی تھیں۔

عنبر ایک روز حبشہ کے ایک چھتے ہوئے بازار میں سے گزر رہا تھا۔ اس بازار کے اوپر چھت پڑی ہوئی تھی۔ حبشہ گرم شہر تھا شہر میں گرمی

پڑ رہی تھی۔ یہ چھتا ہوا بازار ٹھنڈا ٹھنڈا تھا۔ عنبر کو اس بازار میں سے گزرتے ہوئے بڑا لطف آ رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ بازار آگے چل کر ایک گلی میں گھوم گیا ہے۔ اس گلی میں بھی ریشمی کپڑوں اور گرم مسالوں اور خشک پھلوں کی دکانیں تھیں۔ عنبر گلی میں دور تک نکل گیا۔

یہ گلی ایک جگہ پہنچ کر گھوم گئی اور سامنے ایک تالاب کے کنارے املی کے گنجان درختوں کا ایک جھنڈ تھا۔ جھنڈ کے ایک مکان کی صرف چھت نظر آ رہی تھی۔ عنبر کو یونہی خیال آیا کہ اس مکان کو دیکھنا چاہیے۔ یہ کوئی بڑا پر اسرار مکان دکھائی دیتا ہے۔ چل کر معلوم کیا جائے کہ یہاں کون رہتا ہے۔ عنبر گلی میں سے نکل کر تالاب کے کنارے کنارے چلتا ہوا املی کے درختوں کے پاس آ گیا۔ یہاں کانٹے دار جھاڑیوں کی ایک باڑ لگی ہوئی تھی۔ سامنے ایک لکڑی کا جنگلہ لگا تھا۔ جنگلے کا دروازہ بند تھا۔ سامنے ایک خوفناک منہ والا کتا

عنبر نے جنگلے کو اوپر چڑھ کر پھلانگا اور پر اسرار مکان کے بائیں باغ
میں آ گیا۔ گھاس زمین پر بے تحاشا اگی ہوئی تھی۔ اور معلوم ہوتا تھا
کہ کسی نے ایک مدت سے گھاس کو کاٹا نہیں۔ گھاس کے درمیان سے
ایک پگڈنڈی مکان کے دروازے تک چلی گئی تھی۔ عنبر پگڈنڈی پر
چلنے لگا۔ دائیں بائیں درختوں پر کوئی پرندہ نہیں بیٹھا تھا۔ بڑی گہری
خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ عنبر نے خیال کیا کہ ان درختوں کے پرندے
کہاں چلے گئے؟ ایک درخت کے قریب سے گزرتے ہوئے عنبر رک
گیا۔

اس درخت پر کسی انسان کی کھوپڑی کیل سے ٹھونکی ہوئی تھی۔ عنبر کو
تعجب ہوا کہ یہ کھوپڑی کس لیے یہاں ٹھونک دی گئی ہے؟ کیا یہاں
جادو گر کیا گیا ہے؟ فضا زیادہ پر اسرار ہوتی جا رہی تھی۔ مکان کے
دروازے کو ارد گرد اگی ہوئی جنگلی جھاڑیوں نے آدھے سے زیادہ

عنبر نے جنگلے کو اوپر چڑھ کر پھلانگا اور پر اسرار مکان کے بائیں باغ
میں آ گیا۔ گھاس زمین پر بے تحاشا اگی ہوئی تھی۔ اور معلوم ہوتا تھا
کہ کسی نے ایک مدت سے گھاس کو کاٹا نہیں۔ گھاس کے درمیان سے
ایک پگڈنڈی مکان کے دروازے تک چلی گئی تھی۔ عنبر پگڈنڈی پر
چلنے لگا۔ دائیں بائیں درختوں پر کوئی پرندہ نہیں بیٹھا تھا۔ بڑی گہری
خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ عنبر نے خیال کیا کہ ان درختوں کے پرندے
کہاں چلے گئے؟ ایک درخت کے قریب سے گزرتے ہوئے عنبر رک
گیا۔

اس درخت پر کسی انسان کی کھوپڑی کیل سے ٹھونکی ہوئی تھی۔ عنبر کو
تعجب ہوا کہ یہ کھوپڑی کس لیے یہاں ٹھونک دی گئی ہے؟ کیا یہاں
جادو گر کیا گیا ہے؟ فضا زیادہ پر اسرار ہوتی جا رہی تھی۔ مکان کے
دروازے کو ارد گرد اگی ہوئی جنگلی جھاڑیوں نے آدھے سے زیادہ

ڈھانپ رکھا تھا۔عنبر نے مکان کے چاروں طرف گھوم کر جائزہ لیا کہ وہاں کیا کیا ہے۔ مکان کے اردگرد وہی جنگلی گھاس کا میدان تھا اور درختوں کے جھنڈ تھے۔ دو چار گھنے درختوں نے تو آدھے مکان پر اپنی ٹہنیاں پھیلا رکھی تھیں۔

عنبر پلٹ کر واپس مکان کے دروازے پر آ گیا۔ مکان کی پچھلی جانب صرف ایک کھڑکی تھی جو بری طرح بند تھی۔ مکان کے سامنے رخ پر بھی جتنی کھڑکیاں تھیں وہ سب کی سب بند تھیں۔عنبر دروازے پر کھڑا ہو کر سوچنے لگا کہ وہ اندر جائے یا نہ جائے؟ بچپن ہی سے اس کو راز معلوم کرنے کی بڑی لگن رہی تھی۔ وہ اس پراسرار خاموش مکان کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا کہ اس کے اندر کیا ہے اور کیوں ہے؟

اتنا بڑا مکان ویران کیوں ہے؟ اس مکان کے رہنے والے کہاں

چلے گئے؟ انہیں کون سی مصیبت اپنے ساتھ لے گئی؟ اس قسم کے خیال عنبر کے دماغ میں چل رہے تھے۔ اس نے خدا کا نام لے کر دروازے پر سب سے پہلے دستک دی۔ اس خیال سے کہ کسی کے گھر میں بلا اجازت داخل ہونا بری بات ہے۔ کیونکہ ہو سکتا تھا کہ اندر کوئی رہتا ہو۔ دستک کا کوئی جواب نہ آیا۔عنبر نے دوسری، تیسری، چوتھی اور پھر بار بار دستک دی مگر اندر سے کسی نے بھی دروازہ نہ کھولا۔ اب عنبر کے لیے اور کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ خود دروازہ کھول کر اندر داخل ہو جائے۔ عنبر نے آگے بڑھ کر دروازے کو آہستہ سے دھکا دیا۔ دروازہ تو جیسے اندر سے کسی نے سختی سے بند کر رکھا تھا۔عنبر نے بے حد کوشش کی۔ اسے زور لگا لگا کر پسینہ آ گیا مگر دروازہ تو اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہیں ہو رہا تھا۔ یوں لگتا تھا کہ دروازے کے پیچھے پتھروں کی دیوار چن دی گئی ہے۔

عنبر کے دل میں اندر جا کر راز معلوم کرنے کا شوق اور بڑھ گیا۔ اس نے پکا ارادہ کر لیا کہ خواہ دنیا ادھر کی ادھر ہو جائے وہ مکان کے اندر جا کر ہی چھوڑے گا۔ اس نے مکان کے گرد پھر کر اس کا پھر سے جائزہ لینا شروع کر دیا۔ وہ کوئی ایسی جگہ دیکھنا چاہتی تھی جہاں سے وہ کود کر مکان کے اندر داخل ہو سکے۔ کھڑکیاں ساری کی ساری بند تھیں اوپر کھڑکی پر چڑھنے کا بھی کوئی ذریعہ نہ تھا۔ آخر عنبر کو ایک ترکیب سوجھی۔ وہ ایک ایسے درخت پر چڑھ گیا جس کی ٹہنیاں مکان کی چھت پر جھکی ہوئی تھیں درخت کی شاخوں سے ہوتا ہوا وہ مکان کی چھت پر آ گیا۔ ڈھلانی چھت پر وہ بڑی احتیاط سے قدم رکھتا ہوا درمیان میں اس جگہ پہنچ گیا جہاں ایک چورس روشندان بنا ہوا تھا۔

اس روشندان کو لکڑی کے تختوں سے بند کر دیا گیا۔ عنبر نے دو تین ہاتھ زور سے مارے تو ایک جگہ سے لکڑی کا تختہ اکھڑ گیا۔ اس نے

تختے کو باہر کھینچ لیا اور اوپر سے نیچے کمرے میں جھانک کر دیکھا۔ کمرے میں جو شے سب سے پہلے اسے نظر آئی وہ نیلے رنگ کا قیمتی قالین تھا جو فرش پر بچھا ہوا تھا۔ ایک عجیب شے یہ تھی کہ روشندان سے لے کر نیچے فرش پر بچھا ہوا تھا۔ ایک عجیب شے یہ تھی کہ روشندان سے لے کر نیچے فرش تک ایک رسے کی سیڑھی چلی گئی تھی۔ وہ سوچ میں پڑ گیا کہ یہ عجب معاملہ ہے کہ روشندان سے سیڑھی نیچے جا رہی ہے یہ کس مقصد کے لیے مالک مکان نے لٹکائی تھی؟ بہر حال اب وہ اس مکان کی سیر کیے بغیر واپس نہیں جانا چاہتا تھا۔ جان کا خطرہ تو اسے تھا ہی نہیں۔ تو پھر کیوں نہ اس پر اسرار مکان کا راز حل کیا جائے؟

عنبر نے خدا کا نام لیا اور روشندان میں سے اندر داخل ہو کر رسی کی سیڑھی پر پاؤں رکھا اور نیچے اترنا شروع کر دیا۔ کمرے میں روشنی بہت کم تھی۔ صرف اسی ایک روشندان سے روشنی اندر آ رہی تھی۔

اس کے علاوہ بند کھڑکیوں کی درزوں میں سے بھی ہلکی ہلکی روشنی کی کرنیں اندر داخل ہو رہی تھیں۔ عنبر سیڑھی اتر کر قالین پر آ گیا۔ مدھم روشنی میں اس نے دیکھا کہ کمرہ بڑی شان و شوکت کے ساتھ سجا ہوا تھا۔ مگر ہر شے پر گرد پڑی ہوئی تھی۔

صاف معلوم ہو رہا تھا کہ سالہا سال سے یہاں کوئی شخص بھی رہنے کے لیے نہیں آیا۔ دیواروں پر بھی ریشمی قیمتی قالین لٹک رہے تھے۔ دروازے پر کم خواب کا پردہ پڑا ہوا تھا۔ سنبل سے بھرے ہوئے نرم نرم تکیے ایک مور کی شکل کے دیوان پر رکھے تھے۔ تانبے کی تپائی پر چینی مٹی کا بڑا قیمتی گلدان پڑا تھا۔ جس کے پھول مرجھا کر سوکھ گئے تھے۔ ہاتھی دانت کے ایک اونچے تخت پر شیشے کے گلاش پاش رکھے تھے۔ سرخ پتھر کے بنے ہوئے پھولوں میں عود و لوبان سلگانے کے لیے جگہ بنائی گئی تھی۔ کمرے کی فضا میں ایسی بو رچی ہوئی تھی جس قسم

کی بو عنبر نے کبھی فرعون مصر کے مقبروں میں سونگھی تھی۔

عنبر کا ذہن ایک دم دو ہزار برس پہلے کے اہرام مصر کی طرف چلا گیا۔ بالکل اسی طرح کی بو اسے کمرے سے آ رہی تھی۔ وہ سوچنے لگا کہ یا خدا یہ کیا معاملہ ہے؟ یہاں فرعون مصر کے وقتوں کی خوشبو کہاں سے آ گئی؟ اس نے چل پھر کر کمرے کو دیکھنا شروع کر دیا۔ ایک دروازے کا پردہ ہٹایا تو اس میں سے گرد اٹھی۔ گرد ہر شے پر پڑی ہوئی تھی۔ پردے کے پیچھے ایک اور کمرہ تھا جہاں روشنی بہت ہی کم تھی۔ بلکہ چاروں طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ عنبر نے تپائی پر رکھی ہوئی موم بتی اٹھا کر اسے جلایا۔ موم بتی کی روشنی میں اس نے دیکھا کہ اس کمرے میں بھی نیلے رنگ کا قالین بچھا ہوا تھا۔ دیوار کے ساتھ سامنے کی طرف ہاتھی دانت کی تپائی رکھی تھی۔

عنبر تپائی کے پاس آیا تو حیران رہ گیا۔

"تپائی پر ملکہ تفریتی جو کہ دو اڑھائی ہزار برس پہلے مصر کے ایک فرعون کی بیوی تھی اس کا چھوٹا سا بت رکھا ہوا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس پُراسرار مکان کا تعلق ضرور پرانے مصر کے فرعونوں سے ہے۔

لیکن اس مکان کا اہرام مصر سے کیا تعلق ہو سکتا تھا؟ عنبر اسی راز پر سے پردہ اٹھانا چاہتا تھا۔ وہ موم بتی کی روشنی میں ذرا آگے بڑھا تو اس نے دیکھا کہ ایک چھوٹا سا دروازہ کھلا تھا۔ یہاں سے سیڑھیاں نیچے تہہ خانے کو اترتی تھیں۔

عنبر کو کسی قسم کا خوف نہیں تھا۔ کیونکہ اس کو دنیا کی کوئی طاقت ہلاک نہیں کر سکتی تھی اور زخمی بھی نہیں کر سکتی تھی۔ کیونکہ وہ ہمیشہ زندہ رہنے کے لیے پیدا کیا گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ بڑی جرات اور ہمت کے ساتھ ان سیڑھیوں پر سے نیچے اترنے لگا۔ تھوڑی نیچے جا کر سیڑھیاں ختم ہو گئیں اور تہہ خانے کا راستہ بائیں طرف مڑ گیا۔ عنبر بھی اسی

طرف گھوم گیا۔ آگے جا کر ایک دروازہ آ گیا۔ جس پر لوہے کی زنجیر پڑی تھی۔ عنبر نے زنجیر کو غور سے دیکھا۔ زنجیر کے ساتھ کوئی تالا نہیں لگا تھا۔ صرف وہ باہر سے بل دے کر مضبوطی سے کس دی گئی تھی۔

عنبر نے بند دروازے کے ساتھ کان لگا دیے۔ اس خیال سے کہ اندر سے کوئی آواز تو نہیں آ رہی۔ مگر اندر گہرا سناٹا طاری تھا۔ عنبر کے دل میں زبردست خواہش پیدا ہوئی کہ اندر چل کر دیکھنا چاہیے کہ وہاں کونسا راز ہے اس نے زنجیر کو کھولنا شروع کر دیا۔ جب ساری زنجیر کھول کر الگ ہو گئی تو عنبر نے آہستہ سے دروازے کے ایک پٹ کو اندر کی طرف دھکا دیا۔ دروازہ کھل گیا۔ اندر سے اہرام مصر کے مقبروں والی بو کا ٹھنڈا جھونکا آیا۔

عنبر ایک دم پیچھے ہٹ گیا۔ یا خدا! یہ اندر کوئی مصری ممی دفن ہے کیا؟ کیونکہ بو ان دواؤں کی تھی جنہیں مصری بادشاہوں اور شہزادیوں

کی لاشوں کو حنوط کرتے وقت لگایا جاتا تھا۔عنبر کا باپ بھی یہی کام کرتا
رہا تھا۔عنبر اس بو سے پوری طرح واقف تھا۔وہ اپنے آپ کو کوٹھڑی
کے اندر داخل ہونے سے نہ روک سکا۔موم بتی کی روشنی میں وہ کوٹھڑی
کے اندر داخل ہو گیا۔کیا دیکھتا ہے کہ چھوٹی سی کوٹھڑی ہے۔چھت
نیچی ہے جس طرح کہ اہرام مصر کی ہوتی ہے۔درمیان میں چبوترے
پر ایک تابوت رکھا ہے جس کے باہر لکڑی سے مشہور ملکہ مصر سلامبو کا
چہرہ بنا ہوا تھا۔عنبر نے اڑھائی ہزار سال پہلے مصر کی ملکہ سلامبو کا زمانہ
دیکھا تھا۔یہ ایک بڑی جابر اور سنگ دل ملکہ تھی۔وہ انسانوں کا بے
دریغ خون بہایا کرتی تھی۔وہ جنگ میں پکڑے ہوئے قیدیوں کو اپنی
آنکھوں کے سامنے شیروں کے آگے ڈال کر ان کی اذیت ناک
موت کا منظر دیکھا کرتی۔اسے اس کے سپہ سالار نے زہر دے کر
ہلاک کر دیا تھا۔

عنبر بڑا حیران ہوا کہ ملکہ سلامبو تو اڑھائی ہزار پہلے مصر کے ایک
اہرام میں دفن ہوئی تھی پھر اس کا تابوت یہاں کیسے آ گیا؟ وہ خود مصر
کا تھا۔وہ فرعون مصر کے محل میں پیدا ہوا تھا۔اسے اچھی طرح علم تھا
کہ اس قسم کے تابوت میں جس انسان کی لاش یعنی ممی ہوتی ہے اسی کی
شکل تابوت کے باہر بنا دی جاتی ہے۔تو کیا اس تابوت کے اندر مصر
کی جابر اور ظالم ملکہ سلامبو کی لاش تھی؟

اگر عنبر کو یہ یقین ہوتا کہ وہ مر جائے گا تو کبھی اس کوٹھڑی میں آنے
کی ہمت نہ کرتا۔لیکن اسے یقین تھا کہ وہ مر نہیں سکتا۔اسے ایسی دعا یا
بد دعا دی گئی ہے کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زندہ کر دیا گیا ہے۔لوگ
پیدا ہوں گے اور بوڑھے ہو کر مر جائیں گے۔بادشاہ تخت پر بیٹھیں
گے اور ختم ہو جائیں گے۔سلطنتیں آئیں گی اور اجڑ جائیں گی۔ایک
دور آئے گا اور گزر جائے گا مگر وہ زندہ رہے گا۔وہ نہ بوڑھا ہو گا اور نہ

موت کی آغوش میں جائے گا۔ اس کا ثبوت یہ تھا کہ وہ اڑھائی ہزار
سال سے اسی طرح نوجوان کا نوجوان اور زندہ چلا آ رہا تھا۔ اس کے
سارے ساتھی ایک ایک کر کے بوڑھے ہوتے اور مرتے چلے گئے
تھے۔ مگر وہ زندہ اور نوجوان تھا اور خدا جانے ابھی کب تک اسے اسی
طرح زندہ اور جوان رہنا تھا۔

یہی وجہ تھی کہ اس کے اندر تابوت کھول کر ملکہ سلامبو کی لاش دیکھنے
کی خواہش پیدا ہوئی اور اس نے دونوں ہاتھوں سے پورا زور لگا کر مہر
کو توڑتے ہوئے تابوت کا ڈھکنا کھول کر پرے رکھ دیا۔ تابوت کے
ڈھکنے کا کھلنا تھا کہ کوٹھڑی میں کسی جانور کی ہیبت ناک چیخ بلند ہوئی اور
ساتھ ہی کسی عورت کے قہقہے کی آواز آئی۔ عنبر نے تابوت میں دیکھا
تابوت کے اندر مصر کی ظالم ملکہ سلامبو کی لاش پڑی تھی۔ اس کے
سارے بدن پر سوائے چہرے کے سفید پٹیاں ہی پٹیاں بندھی ہوئی

تھیں۔ سب سے حیرت ناک بات یہ تھی کہ ملکہ سلامبو کی آنکھوں میں
حرکت تھی۔ وہ عنبر کی طرف ڈھیلے بار بار گھما کر دیکھ رہی تھی۔

خون پیتی لاش

عنبر زندگی میں پہلی بار یہ حیرت انگیز ممی دیکھ رہا تھا۔

اس نے آج تک جتنی بھی ممیاں دیکھی تھیں وہ سب کی سب لاشیں تھیں۔ مردہ تھیں۔ یہ پہلی ممی کی لاش تھیں جو زندہ تھی اور جو اس کی طرف ڈیلے گھما کر بڑی مکاری سے دیکھ رہی تھی۔ عنبر نے سلامبو یعنی ملکہ مصر کو پہچان لیا تھا مگر سلامبو نے عنبر کو نہیں پہنچانا تھا۔ وہ پہچان بھی نہیں کرسکتی تھی۔ کیونکہ عنبر کبھی اس سے ملا نہیں تھیں۔ عنبر کو محسوس ہوا

کہ قہقہہ سلامبو کی لاش نے لگایا تھا۔ سلامبو کی لاش کے چہرے پر ایک تعجب سا ضرور تھا۔ وہ حیران تھی کہ اسے دیکھ کر اس اجنبی نوجوان کو خوف سے غش کیوں نہیں آ گیا۔ اور کچھ نہیں تو کم از کم اسے بے ہوش ہی ہو جانا چاہیے تھا۔ یہ کس قسم کا نوجوان ہے۔

عنبر سلامبو کی لاش کو مسلسل تک رہا تھا۔ آخر اس نے ہمت کر کے آہستہ سے کہا۔

”کیا تم مصر کی ملکہ سلامبو ہو؟“

سلامبو کی لاش نے قہقہہ لگایا اور بولی۔

”تم تاریخ کے طالب علم معلوم ہوتے ہو۔ لیکن تم جو کوئی بھی ہو اب تم میرے غضب سے بچ نہیں سکو گے۔ میں اس شخص کا انتظار کر رہی تھی کہ جو یہاں آئے اور میرے تابوت کا ڈھکنا اٹھائے۔ تا کہ میں آزاد ہو جاؤں اور سب سے پہلے اسی شخص کو کھا جاؤں۔ میں نے

اڑھائی ہزار سال تک تمہارا انتظار کیا ہے۔ میں اڑھائی ہزار سال سے کسی انسان کے خون اور گوشت کی بھوکی تھی۔ مجھے بڑی بھوک لگی ہے۔ میں ابھی تمہیں کھا کر اپنی بھوک مٹاؤں گی۔ تم مجھ سے اب بچ کر نہیں جا سکتے۔ کیونکہ میرے تابوت کا ڈھکنا کھلتے ہی اس تہہ خانے کا دروازہ اپنے آپ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا ہے۔ دروازہ پتھر بن گیا ہے۔ تم مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ“۔

عنبر مسکراتا رہا اور سلامبو کی لاش کی طرف تکتا رہا سلامبو نے غصے میں آتے ہوئے اپنی آنکھیں گھما کر کہا۔

”تم ہنس رہے ہو؟ ابھی تمہیں اپنی تقدیر پر رونا آئے گا۔ ابھی تمہاری آنکھوں سے خون کی ندیاں بہنے لگیں گی۔ تم ایک معمولی سے نوجوان ہو۔ اگر اس دنیا کا کوئی پہلوان بھی تلوار اٹھا کر مجھ پر پوری طاقت سے مارے تو بھی میں مر نہیں سکتی تو اب کبھی نہیں مروں گی۔

میں نے ایک چلہ کیا تھا۔ اس کا اثر الٹ ہو گیا۔ جس سپہ سالار نے مجھے زہر دیا تھا اس زہر نے میرے چلے کو الٹ کر دیا۔ میں مر گئی مگر اب پھر زندہ ہو گئی ہوں اور اب کبھی نہیں مروں گی۔ تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ میں ابھی تابوت سے باہر نکل کر تمہیں ہڑپ کر جاؤں گی۔ میں جس روپ میں چاہے اپنے آپ کو تبدیل کر سکتی ہوں۔ میں ہاتھی بن سکتی ہوں۔ میں شیر بن سکتی ہوں۔ میں اژدہا بن سکتی ہوں۔ میں تمہیں شیر بن کر کھاؤں گی“۔

عنبر سلامبو کی لاش کی طرف دیکھ کر اب بھی مسکرائے جا رہا تھا۔

سلامبو کی لاش سے برداشت نہ ہو سکا کہ ایک نازک سا نوجوان اس کے اوپر کھڑا اس کا مذاق اڑا رہا ہے۔ اس نے تابوت میں لیٹے لیٹے ایک ہاتھ اٹھا کر اپنے دل پر رکھا اور گہرا سانس لیا۔ پھر زبان سے کہا۔

”شاہ قلزمات!“

اتنا کہنا تھا کہ تابوت میں سے سلامبو کی جگہ ایک خونخوار قسم کا طاقتور شیر انگڑائی لے کر اٹھا اور اچھل کر تابوت سے باہر آ گیا۔ عنبر ذرا پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ اب بھی شیر کی طرف دیکھ کر ہنس رہا تھا۔ شیر کو طیش آ گیا۔ وہ زور سے دھاڑا اور اس نے عنبر پر حملہ کر دیا۔ وہ اچھل کر عنبر کی طرف جھپٹا اور بھرپور طاقت کے ساتھ ایسے زور کا پنجہ عنبر کے سر پر مارا کہ کوٹھڑی کی فضا گونج اٹھی۔ اس کی جگہ اگر کسی دوسرے آدمی کی کھوپڑی ہوتی تو اس کا کہیں پتا نہ چلتا۔

لیکن ہوا یہ کہ شیر تڑپ کر دور جا گرا۔ اس کا پنجہ گویا کسی پتھر سے ٹکرایا تھا۔ شیر نے دوسری بار لپک کر حملہ کیا۔ اس بار شیر نے عنبر کے سر کو گردن تک اپنے منہ میں لے لیا اور زور سے چبایا۔ شیر نے چیخ مار کر عنبر کو چھوڑ دیا۔ اس کے دانت بڑے ہی سخت پتھر سے ٹکرا کر اپنی جگہ سے ہل گئے تھے۔ شیر جھنجلا کر زور سے دھاڑا۔ اس نے عنبر پر جھپٹ

کر اسے بھنبھوڑنا شروع کر دیا۔ لیکن وہ خود ہی زخمی ہو گیا۔ اس کے پنجوں اور دانتوں سے خون بہنے لگا۔ عنبر کا کچھ بھی نہیں بگڑا تھا۔ وہ لوہے کی چٹان بن کر اپنی جگہ کھڑا تھا۔ شیر اسے اپنی جگہ سے ذرا سا بھی ہلا نہیں سکا تھا۔

آخر عنبر نے مسکراتے مسکراتے ایک ہاتھ زور سے شیر کی گردن پر مارا۔ شیر لڑھکنیاں کھاتا ہوا دیوار کیساتھ زور سے ٹکرایا اور پھر گھبرا کر تابوت میں کود گیا۔ تابوت میں جاتے ہی وہ پھر سلامبو کی لاش بن گیا۔ اب سلامبو کی لاش کے بولنے کا وہ انداز نہیں تھا جو پہلے تھا۔ لاش تابوت میں اٹھ کر بیٹھ گئی اور عنبر کے آگے سر جھکا کر بولی۔

"تم جیت گئے۔ میں ہار گئی۔ اگر مجھے پہلے خبر ہوتی کہ میرا مقابلہ ایک بڑے زبردست اور طاقتور انسان سے ہے تو میں کبھی تمہارے سامنے بڑابنکنے کی جرات نہ کرتی۔ مگر خدا کے لیے مجھے بتاؤ کہ تم کون

ہو اور تمہارے اندر یہ طاقت کہاں سے آئی ہے کہ تم پر موت اثر نہیں کرتی"۔

عنبر نے تابوت کے چبوترے پر لاش کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ملکہ سلامبو! میرا نام عنبر ہے۔ میں آج سے ڈھائی ہزار برس پہلے مصر کے ایک مشہور فرعون کے محل میں پیدا ہوا۔ مگر مجھے ایک سازش کی وجہ سے دریائے نیل میں پیدا ہوتے ہی بہا دیا گیا۔ میری چھوٹی سی کشتی کو ایک ملاح نے پکڑا۔ وہ مجھے اٹھا کر گھر لے گیا۔ میں نے اسی گھر میں پرورش پائی۔ جب میرا باپ مرنے لگا تو اس نے مجھے بتایا کہ اصل میں میں فرعون مصر کا بیٹا ہوں۔ اس وقت تک میرا فرعون باپ مر چکا تھا اور ماں دوسرے فرعون کے رحم و کرم پر زندگی بسر کر رہی تھی۔ یہ ایک لمبی کہانی ہے پھر کبھی سنا دوں گا۔ میں اپنی ماں کو لے کر محل سے نکلا تو ایک سازش کا شکار ہو گیا۔ جنگل میں ایک درویش سے

ملاقات ہوئی اس نے مجھے خدا کی محبت سکھائی۔ پھر ایک جگہ پر مجھے ایک بددعا دی گئی۔ یا دعا دی گئی اور میں ہمیشہ کے لیے زندہ ہو گیا۔ میں اس وقت سے لے کر آج تک زندہ ہوں۔ میں مرا نہیں اور نہ موت میری قسمت میں ہے۔ میں ہر دور میں سے گزرا ہوں۔ میں نے تمہارا دورِ حکومت بھی دیکھا ہے ملکہ سلامبو! اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ تمہیں تمہارے وزیر نے زہر دے کر ہلاک کیا تھا"۔

ملکہ سلامبو کی لاش نے عنبر کی آپ بیتی سنی تو بڑی حیران ہوئی۔ اس نے کہا۔

"عنبر! مجھے تمہاری سچی آپ بیتی نے بڑا متاثر کیا ہے۔ میں بھی ہمیشہ کے لیے زندہ ہو گئی۔ مگر میں مر کر زندہ ہوئی ہوں اور لاش بن کر قیامت تک زندہ رہوں گی۔ ایک زندہ انسان کی شکل میں زندہ نہیں رہ سکتی۔ مگر تم ایک چلتے پھرتے انسان کی شکل میں زندہ ہو۔ تم مجھ سے

بڑے ہو۔ میں تمہیں آج سے اپنا بھائی بناتی ہوں۔ میں ہمیشہ تمہارے کام آؤں گی۔ تمہیں جس چیز کی ضرورت ہوگی وہ میں تمہیں لاکر دوں گی۔ کیونکہ میں کالے علم کا چلہ کاٹ رہی تھی اور اس علم کے ذریعے میں بہت کچھ کرسکتی ہوں‘‘۔

عنبر نے کہا۔

’’اچھی بہن سلامبو! میں خوش ہوں کہ تم نے مجھے اپنا بھائی بنا لیا ہے۔ میری ایک بہن ماریا بھی ہے جو ملک جاپان کے شہر کیوشو میں ہے۔ میں نے اسے اپنے بھائی ناگ کے پاس بادشاہ کیوشو کے محل میں چھوڑا تھا۔ غدار وزیر نے میرے خلاف سازش کی اور مجھے رسیوں میں جکڑ کر دریا کی لہروں کے حوالے کر دیا۔ بڑی مشکل سے ایک بحری ڈاکوؤں کے جہاز والوں نے مجھے اٹھایا اور اپنا قیدی بنا لیا۔ وہ مجھے قتل کرنے لگے۔ مگر میری طاقت ان پر ظاہر ہوگئی۔ انہوں نے

مجھے ایک بندرگاہ پر اتار دیا۔ وہاں سے ایک جہاز میں بیٹھ کر حبشہ کے ملک میں آ گیا اور واپس جاپان جانے والے جہاز کا انتظار کر رہا تھا کہ اس پراسرار مکان کے قریب سے گزرا۔ نہ جانے کیوں میرے دل میں اس مکان کے اندر جانے کی زبردست خواہش پیدا ہوئی اور میں اندر چلا آیا‘‘۔

ملکہ سلامبو نے کہا۔

’’مگر اندر آنے کے تو سارے دروازے بند تھے تو کہاں سے آئے؟‘‘

عنبر بولا۔

’’میں اس مکان کی چھت والے روشندان کی سیڑھی سے اندر آیا تھا۔ ہاں یہ بتاؤ کہ یہ سیڑھی کس نے روشن دان کے ساتھ لٹکا رکھی ہے؟‘‘۔

سلامبو کہنے لگی۔

”اس کا راز تم پر ابھی کھل جائے گا۔ میرے تابوت کو ایک مکار اور لالچی ڈاکو اہرام سے نکال کر یہاں لے آیا تھا۔ اس نے میرے تابوت میں میرے ساتھ دفن کیا ہوا سارا سونا اور ہیرے جواہرات چرا لیا اور اب وہ میرے جسم کے ساتھ لپٹی ہوئی پٹیاں بھی اتارنا چاہتا ہے۔ میں یہ سب کچھ دیکھتی رہی مگر مجبور تھی۔ اس لیے کہ میں تمہارا انتظار کر رہی تھی۔ کسی عام آدمی کے تابوت کھولنے سے زندہ نہیں ہو سکتی تھی۔ یہ راز بھی اب معلوم ہوا کہ میرے تابوت کو صرف وہی آدمی کھول کر مجھے زندگی بخش سکتا تھا جو خود ہزاروں سال سے زندہ ہو اور جس پر موت حرام ہو چکی ہو۔ یہ تم ہی تھے۔ میں تمہارا جتنا بھی شکریہ ادا کروں کم ہو گا“۔

عنبر نے پوچھا۔

”تو کیا وہ ڈاکو آج آ رہا ہے؟“

”اسی ڈاکو نے روشندان کے ساتھ سیڑھی لگا رکھی تھی۔ وہ اسی سیڑھی کے ذریعے نیچے اتر کر میرے تابو کے پاس آتا تھا، میرے ہیرے جواہرات چرا کر لے جاتا تھا۔ وہ آج میری لاش کی ریشمی پٹیاں چرانے آئے گا۔ اسے یہ ہی معلوم ہو گا کہ میں مر چکی لاش ہوں۔ ممی ہوں۔ میں زندہ رہوں گی۔ لیکن میں جان بوجھ کر لاش بن کر تابوت میں لیٹی رہوں گی۔ آگے تم یہاں کسی جگہ چھپ کر دیکھنا کہ میں اس کا کیا حشر کرتی ہوں۔ ہاں یہ بتاؤ عنبر کہ تم یہاں کس جگہ ٹھہرے ہوئے ہو؟“

عنبر نے کہا۔

”میں ایک جنگل میں رہتا ہوں“۔

”کیا تمہارے ساتھ کوئی اور بھی رہتا ہے؟“

”نہیں میں وہاں اکیلا رہتا ہوں۔ اصل میں وہ ایک جادوگر کی جھونپڑی تھی۔ اس جادوگر نے بھی مجھے ہلاک کر کے میرا خون پینے کی کوشش کی تھی مگر خود ہلاک ہو گیا۔ اب میں اس کی جھونپڑی میں بیٹھا جاپان کی طرف جانے والے جہاز کی راہ دیکھ رہا ہوں۔“

ابھی وہ باتیں کر رہے تھے کہ انہیں باہر والے کمرے میں کھڑ کھڑاہٹ کی آواز سنائی دی۔ سلامبو کی لاش نے کہا۔

”وہی ڈاکو آ رہا ہے۔ تم یہیں کہیں چھپ جاؤ۔ وہ مجھے لاش سمجھے گا۔ آج اس کی موت اسے میرے پاس لا رہی ہے۔ جلدی کرو۔ وہ آ رہا ہے“۔

عنبر جلدی سے کوٹھڑی میں پتھروں کی ایک آگے کو بڑھی ہوئی دیوار کے پیچھے چھپ گیا۔ وہ اسی طرح چھپا تھا کہ ذرا سا چہرہ آگے نکال کر تابوت کو صاف صاف دیکھ رہا تھا۔ سلامبو کی لاش جو کہ تابوت کے

اندر اٹھ کر بیٹھی ہوئی تھی چت لیٹ گئی۔ باہر آنے والے کمرے میں کسی کے قدموں کی بوجھل آواز کوٹھڑی کی طرف بڑھ رہی تھی۔

عنبر سانس روک کر خاموش کھڑا رہا۔ کوٹھڑی کی دیوار کے پتھر ایک طرف ہٹے اور ایک سایہ اندر داخل ہوا۔ اس سائے نے منہ سر لپیٹ رکھا تھا۔ وہ تابوت کے قریب آ کر آس پاس نظریں گھما کر دیکھنے لگا۔ یوں لگتا تھا جیسے اسے شک پڑ گیا ہے کہ اندر کوئی موجود ہے۔

عنبر بہت ہی آہستہ آہستہ سانس لے رہا تھا۔ اتنی آہستہ کہ خود اسے اپنے سانس کی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ ڈاکو کا سایہ اب سلامبو کی لاش پر جھک گیا۔ وہ شاید جھک کر لاش کی ریشمی پٹیاں اتارنے کی کوشش کر رہا تھا۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس زمانے میں بادشاہوں اور ملکاؤں کی لاشوں کی ریشمی پٹیوں کی بڑی قدر و قیمت تھی اور سونے کے بھاؤ تل کر بکتی تھیں۔

خدا جانے سلامبو کی لاش کیا سوچ رہی تھی۔

ڈاکو اس پر جھکا ہوا تھا کہ اچانک اس کی دردناک چیخ کی آواز فضا میں گونج گئی۔ عنبر جلدی سے دیوار کے پیچھے سے نکل آیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ڈاکو کی گردن ڈھلکی ہوئی ہے۔ سلامبو کی لاش نے اپنے دونوں بازوؤں سے ڈاکو کو دبوچ رکھا ہے اور اپنا منہ ڈاکو کی گردن سے لگا رکھا ہے۔ کوٹھڑی میں گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ صاف لگ رہا تھا کہ ڈاکو خوف سے مر گیا ہے۔ پیارے بچو! خود سے بھی اچانک موت واقع ہو جاتی ہے۔ خوف سے دل کی حرکت بند ہو جاتی ہے۔ اس لیے کبھی کسی شے سے خوف نہیں کھانا چاہیے۔ ہمیشہ ہمت اور حوصلے کو رکھنا چاہیے۔

کوٹھڑی کی خاموشی میں عنبر کو ایسی آواز سنائی دی جیسے کوئی جانور زبان سے لپ لپ کرتا پانی پی رہا ہو۔ وہ ایک دم چونک اٹھا۔ سلامبو

کی لاش ڈاکو کی گردن میں اپنے دانت گاڑے اس کا خون پی رہی تھی

عنبر چپ چاپ اپنی جگہ پر کھڑا یہ مکروہ منظر دیکھتا رہا۔ وہ زندگی میں پہلی بار کسی مصری ممی کی لاش کو زندہ انسان کا خون پیتے دیکھ رہا تھا۔ سلامبو کی لاش نے شاید ڈاکو کے جسم کا سارا خون چوس کر پی لیا تھا۔ جب اس نے لاش کو چھوڑا تو وہ دھڑام سے فرش پر گر پڑی۔

ڈاکو مر چکا تھا۔

عنبر سلامبو کے پاس گیا تو سلامبو کی لاش کے سفید ہونٹ خون میں لتھڑے تھے اور وہ مسکرا رہی تھی۔ یہ مسکراہٹ بڑی ڈرا دینے والی تھی۔ عنبر کی جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو وہاں سے چیخ مار کر بھاگ جاتا یا بے ہوش ہو کر لاش کے اوپر ہی گر پڑتا۔ لیکن عنبر کے دل سے خوف ہمیشہ کے لیے دور ہو چکا تھا۔

عنبر نے سلامبو سے پوچھا۔

"تم نے ڈاکو کا سارا خون پی لیا سلامبو؟"

سلامبو کے خون آلود ہونٹ مسکرا رہے تھے۔

"ہاں عنبر! میں اب انسانی خون پی کر ہی زندہ رہ سکتی ہوں"۔ عنبر کانپ گیا۔

حبشی لڑکی

عنبر نے سلامبو کی لاش سے پوچھا۔

"سلامبو! کیا تم اب قیامت تک اسی تابوت میں لیٹی رہو گی؟"

"ہاں اگر میں زندہ نہ ہوتی تو ساری عمر اسی تابوت میں لیٹی رہتی لیکن اب میں زندہ ہو گئی ہوں اب میں اس تابوت میں ہی نہیں بلکہ باہر بھی نکل سکتی ہوں۔"

عنبر نے کہا

"لیکن اگر تم باہر نکلو گی تو لوگ تمہیں لاش دیکھ کر تمہارے ارد گرد جمع ہو جائیں گے۔ پھر تمہیں بڑی پریشانی ہوگی۔ اس کا تم کیا کرو گی۔

سلامبو کی لاش نے مسکرا کر کہا۔

"شاید تمہیں میری ایک خفیہ طاقت کا ابھی تک علم نہیں ہوا جو مجھ میں اب پیدا ہوئی ہے"۔

"وہ طاقت کون سی ہے سلامبو؟"

"وہ یہ ہے کہ میں جس وقت اور جہاں چاہے غائب ہو سکتی ہوں اور جس وقت اور جہاں چاہوں پھر سے ظاہر ہو سکتی ہوں۔"

عنبر یہ سن کر حیران ہوا کہ یہ تو اس کی بہن ماریا سے بھی آگے بڑھ گئی۔ اس میں تو اتنی طاقت نہیں کہ وہ جہاں چاہے ظاہر ہو جائے۔ وہ تو صرف جادو کے زور سے غائب کر دی گئی ہے۔ وہ اگر چاہے بھی تو ظاہر نہیں ہو سکتی۔ لیکن سلامبو کے اندر اتنی طاقت موجود ہے کہ وہ جب

اور جس وقت چاہے غائب ہو سکتی ہے اور جہاں چاہے ظاہر ہو سکتی ہے۔

اس نے حیرت سے کہا۔

"سلامبو بہن! یہ تو تمہارا بڑا کمال ہے۔ میں حیران ہوں کہ تمہارے اندر کیسی کیسی طاقتیں پیدا ہو گئی ہیں"۔

سلامبو کہنے لگی۔

"ہاں میرے بھائی! لیکن سچی بات یہ ہے کہ اگر تم یہاں آ کر میرے تابوت کا ڈھکنا نہ اٹھاتے تو میرے اندر کوئی معمولی سے معمولی طاقت بھی پیدا نہیں ہو سکتی تھی۔ یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔ اس کے لیے تمہارا بہت بہت شکریہ ادا کرتی ہوں اور قیامت تک میں تمہارے اس احسان کو نہیں بھولوں گی"۔

عنبر نے کہا

''اگر یہ بات تھی تو پھر تم نے شیر بن کر مجھ پر حملہ کیوں کیا تھا''

سلامبو ہنس دی اور بولی۔

''پیارے عنبر بھائی! اس وقت مجھے بالکل معلوم نہیں تھا کہ تم ہی وہ شخص ہو جو ڈھائی ہزار برس سے زندہ چلے آ رہے ہو۔ میں پھر سے زندہ ہونے کی خوشی میں یہ بھول گئی ہوں کہ جس شخص کے ڈھکنا کھولنے سے میں پھر سے زندہ ہو جاؤں گی وہ وہی ہو گا جو ڈھائی ہزار برس سے زندہ ہو گا۔ لیکن جب میرے حملے سے بھی تم بچ گئے اور مر نہ سکے تو میں لرز اٹھی اور ایک دم خیال آیا کہ تم تو میرے اوپر احسان کرنے والے ہو۔ تم نے ہی تو مجھے دوبارہ زندگی بخشی ہے اور میرے اندر کی طاقتوں کو بیدار کیا ہے۔ پھر میں نے تم سے معافی مانگی اور اب میں ایک بار پھر تم سے معافی مانگتی ہوں''۔

عنبر نے کہا:

''نہیں نہیں سلامبو! معافی مانگنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہاں ایک بات پوچھوں؟''

''ضرور پوچھو! میں تم سے کبھی کوئی جھوٹ نہیں بولوں گی تمہیں ہر بات سچ سچ بتا دیا کروں گی''۔

عنبر نے پوچھا۔

''کیا تم ہر روز ایک انسان کا خون پیا کرو گی؟''

سلامبو کہنے لگی۔

''نہیں عنبر بھائی ایسا نہیں ہے۔ میں روزانہ ایک بکرے یا گائے بھینس یا گیدڑ اور لومڑ کا خون پی کر بھی اپنی پیاس بجھا سکتی ہوں لیکن اگر کسی نے میرے ساتھ دشمنی کی یا کوئی تمہارا دشمن ہوا تو میں اس کا خون بڑے شوق سے پیوں گی۔ میں کسی بے گناہ یا نیک آدمی کو کبھی تنگ نہیں کروں گی''۔

"کیا ڈاکو صرف تمہاری چیخ سن کر ہی بے ہوش ہو گیا تھا؟"

سلامبو نے کہا۔

"ہاں عنبر! انسان، گیدڑ، لومڑ یا بکرے کو دیکھ کر اس کا خون پینے سے پہلے میں ایک چیخ مارا کروں گی۔ جس کی آواز سنتے ہی وہ بے ہوش ہو جائے گا۔ پھر میں بڑے مزے سے اس کا سارا خون پی جاؤں گی"۔

عنبر نے کہا۔

"کیا تمہیں خون پینا برا نہیں لگتا؟"

سلامبو زور سے قہقہہ مار کر ہنس پڑی۔

"عنبر! میں ایک مردہ لاش ہوں جو زندہ ہو گئی ہے۔ تم مجھے زندہ انسان نہ سمجھو۔ مردہ لاش کے لیے کسی انسان یا جانور کا خون پینا کوئی بری بات نہیں ہے"۔

اس کے جسم کو ہاتھ لگا کر چھویا جا سکتا تھا۔ جب کہ سلامبو کی لاش کو غائب حالت میں بالکل نہیں چھوا جا سکتا تھا۔ وہ بالکل ہی غائب ہو گئی تھی۔ اسے سلامبو کی آواز سنائی دی۔

"کیوں عنبر؟ اب تمہیں یقین آ گیا کہ میں غائب ہو سکتی ہوں۔"

"ہاں سلامبو! مجھے یقین آ گیا ہے۔ تم واپس آ جاؤ"۔

اور سلامبو واپس آ گئی۔ اس کی لاش دوبارہ تابوت کے اندر ظاہر ہو گئی۔ وہ اسی طرح تابوت کے اندر لیٹی تھی۔ اور عنبر کی طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ عنبر نے کہا۔

"سلامبو! میں تمہاری خفیہ طاقت کو مان گیا ہوں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تم غائب ہو کر دوبارہ واپس آ سکتی ہوں"۔

سلامبو نے کہا!

"میرے بھائی عنبر! تم نے مجھے دوبارہ ہمیشہ کی زندگی دے کر مجھ پر

اس کے جسم کو ہاتھ لگا کر چھویا جا سکتا تھا۔ جب کہ سلامبو کی لاش کو غائب حالت میں بالکل نہیں چھوا جا سکتا تھا۔ وہ بالکل ہی غائب ہو گئی تھی۔ اسے سلامبو کی آواز سنائی دی۔

''کیوں عنبر؟ اب تمہیں یقین آ گیا کہ میں غائب ہو سکتی ہوں۔''

''ہاں سلامبو! مجھے یقین آ گیا ہے۔ تم واپس آ جاؤ''۔

اور سلامبو واپس آ گئی۔ اس کی لاش دوبارہ تابوت کے اندر ظاہر ہو گئی۔ وہ اسی طرح تابوت کے اندر لیٹی تھی۔ اور عنبر کی طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ عنبر نے کہا۔

''سلامبو! میں تمہاری خفیہ طاقت کو مان گیا ہوں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تم غائب ہو کر دوبارہ واپس آ سکتی ہوں''۔

سلامبو نے کہا!

''میرے بھائی عنبر! تم نے مجھے دوبارہ ہمیشہ کی زندگی دے کر مجھ پر

بہت بڑا احسان کیا ہے۔ تم مجھے جس ملک میں، جب اور جہاں بھی بلاؤ گے۔ میں اسی جگہ پہنچ جاؤں گی اور مجھ سے جتنی بھی تمہاری مدد ہو سکے گی کروں گی۔ جو کچھ میرے اختیار میں ہو گا وہ میں تمہارے لیے کروں گی۔ اب تم جانا چاہو تو جا سکتے ہو۔ کیونکہ مجھے نیند آ رہی ہے۔ میں سونا چاہتی ہوں۔ میں دو ڈھائی ہزار برس سے جاگ رہی ہوں۔ آج دو ہزار سال بعد میں پھر آرام سے سوؤں گی۔

عنبر نے کہا۔

''تم آرام کرو سلامبو! میں جا رہا ہوں۔ میں تمہارے وعدے کو یاد رکھوں گا۔ اگر زندگی میں مجھے تمہاری ضرورت محسوس ہوئی اور تمہاری مدد کی ضرورت پڑی تو میں تمہیں ضرور یاد کروں گا''۔

''اور میں ضرور تمہاری مدد کو وہاں پہنچوں گی''۔

''لیکن سلامبو! میں تمہیں کس طرح بلاؤں گا۔ بس یہ آخری بات بتا

دو''۔

''تم صرف میرا نام لے کر مجھے آواز دینا۔ میں اسی وقت تمہارے پاس پہنچ جاؤں گی''۔

''اچھا سلامبو! شب بخیر''۔

''شب بخیر''۔

سلامبو نے نیند بھری آواز میں کہا۔ اس کو نیند آ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں جو دو ہزار سالوں سے کھلی تھیں۔ بے خواب تھیں تیند کی وجہ سے بوجھل ہونے لگی تھیں۔ پھر اس نے آنکھیں بند کر لیں اور وہ گہری نیند سو گئی۔ عنبر نے اس سے پہلے کبھی کسی مردہ لاش کو سوتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ آج اس کے سامنے ایک لاش گہری نیند میں کھوئی ہوئی تھی۔ اسے یہ سب بڑا عجیب سا لگا۔ یہی کہ ایک لاش زندہ ہوتی ہے۔ اس سے باتیں کرتی ہے۔ شیر کے روپ میں سامنے آتی

ہے۔ پھر ایک آدمی کا اس کی کی آنکھوں کے سامنے خون پیتی ہے۔ پھر غائب ہو کر دوبارہ حاضر ہوتی ہے اور پھر سو جاتی ہے۔

ڈاکو کی بے جان مردہ لاش ممی سلامبو کے چبوترے کے پاس ہی فرش پر پڑی تھی۔ عنبر نے اسے اٹھانے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ کیونکہ اسے پتا تھا کہ یہ لاش اپنے گل سڑ کر کوٹھڑی کے اندر ہی مٹی بن جائیگی۔ عنبر بڑی خاموشی سے آگے بڑھا۔ سلامبو بڑے سکون کے ساتھ گہری نیند سو رہی تھی۔ عنبر نے تابوت کا ڈھکنا بند کر دیا اور دیوار کے شگاف میں سے باہر نکل کر مکان کے بڑے کمرے میں آ گیا۔

یہاں رسی کی سیڑھی اسی طرح لٹک رہی تھی۔ وہ سیڑھی پر چڑھنے لگا۔ وہ روشندان میں سے نکل کر اوپر مکان کی چھت پر آ گیا۔ یہاں سے وہ درخت کی شاخوں میں سے ہوتا زمین پر اتر آیا۔ شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔ اور مکان کے ویران باغ کے درختوں

تلے ہلکا ہلکا اندھیرا چھانے لگا تھا۔ عنبر جب اس مکان میں داخل ہوا تھا تو اسے ہرگز یقین نہیں تھا کہ جب وہ مکان سے باہر نکلے گا تو مصر کی ایک دو ہزار پرانی ممی سلامبو کے بارے میں اتنی ڈھیر ساری معلومات لے کر اس سے مل کر، اس سے باتیں کر کے اور اس کی پراسرار طاقتوں کا تماشا دیکھ کر باہر نکلے گا۔

اس نے جنگلے کو پھاندا اور باہر تالاب کے کنارے آ گیا۔ یہاں سے ہو کر وہ اس گلی میں آ گیا جو آگے چل کر حبشہ کے چھتے ہوئے بازار میں نکل گئی تھی۔ اس بازار میں دکانوں پر روشنی ہو رہی تھی۔ دکانیں سجی ہوئی تھیں اور لوگ بیٹھے ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے۔ قہوہ خانوں کے باہر افریقی اور سوڈان کے باشندے لکڑی کے بنچوں پر بیٹھے قہوہ پی رہے تھے۔ اور بڑی گرمجوشی سی باتیں بھی کر رہے تھے۔ عنبر کا دل قہوہ پینے کو چاہا۔ وہ ایک قہوہ خانے کے باہر خالی

بنچ پر بیٹھ گیا۔ ایک افریقی غلام نے جھک کر پوچھا۔

''آقا! قہوہ حاضر کروں؟''

''ہاں''۔

غلام قہوہ کی پیالی عنبر کے سامنے رکھ کر چلا گیا۔ عنبر بڑے سکون سے قہوے کے ہلکے ہلکے گھونٹ پیتے ہوئے سلامبو کی زندہ لاش کے بارے میں سوچنے لگا۔ اتنے میں ایک بوڑھا حبشی وہاں آیا۔ وہ پریشان تھا۔ اور قہوہ پینے والے لوگوں میں کسی خاص آدمی کو تلاش کر رہا تھا۔ آخر وہ ایک موٹی گردن والے یہودی کے پاس جھک کر بولا۔

''آقا! میری بیٹی مر رہی ہے۔ اس کی بری حالت ہے۔ دیوتا تم پر مہربان ہوں۔ میرے ساتھ چل کر میری بچی کی جان بچالو۔ تم حکیم ہو تمہارے سوا اسے کوئی نہیں بچا سکتا''۔

موٹی گردن والے یہودی نے بڑی نفرت سے کہا۔

"بوڑھے غلام! تم میرا علاج نہیں کرا سکتے۔ میں کسی کا علاج سونے کے ایک ہزار سکے لے کر کرتا ہوں۔ کیا تمہارے پاس اتنے پیسے ہیں؟"

بوڑھے افریقی نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"میں غریب ہوں آقا۔ میرے پاس بڑی مشکل سے ایک وقت کی روٹی ملتی ہے۔ میں ساری عمر تمہارا غلام بن کر خدمت کروں گا۔ لیکن چل کر میری بچی کی جان بچا لو"۔

یہودی نے اسے ٹھوکر مار کر پرے گرا دیا۔

'بھاگ جاؤ میری آنکھوں کے سامنے سے۔ نہیں تو تمہاری زبان کھینچ لوں گا"۔

بوڑھا افریقی فرش پر گر پڑا اور اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ عنبر

کو بڑا غصہ آیا۔ وہ اٹھ کر موٹے یہودی کے پاس گیا اور بولا۔

"تمہیں ایک دکھی اور غریب بوڑھے کے ساتھ ایسا سلوک کرتے ہوئے شرم نہیں آتی؟"

یہودی نے غرا کر کہا۔

"اگر تمہیں اس پر ترس آتا ہے تو تم جا کر اس کی بیٹی کا علاج کر لو۔ برخوردار اس کی بیٹی کے جسم سے سارا خون نکل چکا ہے اور وہ کوئی دم کی مہمان ہے۔ وہ ابھی مر جائے گی"۔

عنبر نے کہا۔

"اب میں اس کا علاج کروں گا۔ وہ کبھی نہیں مرے گی۔ تم صبح اسے بھلی چنگی چلتے پھرتے دیکھو گے"۔

پھر عنبر نے بوڑھے افریقی سے کہا۔

"چلو بابا! مجھے اپنے ساتھ گھر لے چلو۔ میں چل کر تمہاری بچی کا

علاج کروں گا"۔

بوڑھا افریقی بڑی حیرانی سے عنبر کا منہ تکنے لگا۔ اسے تو ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ہو گیا تھا۔ اسے یقین نہیں تھا کہ ایک نوجوان سا لڑکا اس کی مرتی ہوئی بچی کا علاج کر کے اسے پھر سے زندگی بخش سکے گا۔ لیکن مرتا کیا نہ کرتا۔ وہ عنبر کو لے کر اپنے گھر آ گیا۔ بوڑھے افریقی کا گھر شہر کے اندر ہی ایک بڑی ہی گندی اور غریب سی جگہ پر تھا۔ ایک کوٹھڑی کا کچا مکان تھا۔ جس کے اندر مٹی کا دیا جل رہا تھا۔ تختے پر ایک بے حد کمزور اور دبلی پتلی افریقہ لڑکی پڑی زندگی کے آخری سانس لے رہی تھی۔ یہودی کے کہنے کے مطابق اس کے جسم میں خون کا ایک قطرہ بھی نظر نہ آتا تھا۔ وہ اکھڑے اکھڑے سانس لے رہی تھی۔ اس کا منہ کھلا تھا۔ آنکھیں بند تھیں۔ وہ نہ بول رہی تھی اور نہ کچھ سن رہی تھی۔

عنبر نے اس کی نبض پر ہاتھ رکھا۔ لڑکی کی نبض ڈوب رہی تھی۔ نبض کی دھڑکن بہت سی ہلکی محسوس ہو رہی تھی۔ بوڑھے افریقی باپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ عنبر نے اسے تسلی دیتے ہوئے پوچھا۔

"کیا تم کہیں سے پیاز اور ہلدی پیدا کر سکتے ہو بابا؟"

"ہاں میرے بچے! گھر میں تھوڑی سی ہلدی اور پیاز کی ایک گٹھی موجود ہے"۔

"وہ جلدی سے لا دو"۔

آدھی رات

بوڑھا افریقی اسی وقت پیاز اور ہلدی لے آیا۔

عنبر نے پیاز کو کوٹ کر اس میں ہلدی ملائی۔ پھر جیب میں سے ایک چھوٹی سی نیلے رنگ کی شیشی لے کر اس میں سے سرخ رنگ کا ایک سفوف نکال کر اس میں ملایا اور اس کا لیپ لڑکی کے ماتھے پر کر دیا۔ لیپ کرنے کے تھوڑی دیر بعد ہی لڑکی کا سانس جو اکھڑ اکھڑ کر چل رہا تھا ایک دم ٹھیک ہو گیا۔ اس کی نبض بھی درست ہو گئی۔ بخار کم ہو گیا

اور لڑکی نے آنکھیں کھول دیں۔ بوڑھے افریقی نے اپنی بچی کو موت کے منہ سے باہر آتے دیکھا تو عنبر کے آگے ہاتھ جوڑ کر بولا'

''میرے بچے تم تندرستی کا فرشتہ بن کر میرے غریب گھر میں اترے ہو۔ تم نے میری پیاری بچی کو موت کے منہ سے بچا لیا ہے''۔

افریقی لڑکی نے بڑی بڑی پلکیں اٹھا کر اپنے باپ اور عنبر کو دیکھا اور کمزور آواز میں پوچھا۔

''بابا! میں کہاں ہوں؟''

بوڑھے باپ نے بڑی شفقت سے بچی کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''تم اپنے گھر میں ہو میری بچی''۔

لڑکی نے کہا۔

''میں زندہ ہوں ناں بابا''۔

''ہاں بیٹا تم زندہ ہو۔ اس نوجوان نے تمہارا علاج کر کے تمہیں پھر

زندہ کر دیا ہے۔ تمہیں اس نوجوان کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔"

لڑکی نے احسان بھری نظروں سے عنبر کی طرف دیکھا اور کہا۔

"میں۔۔۔آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں"۔

عنبر نے کہا۔

"ایسی کوئی بات نہیں بہن! میں نے اپنا فرض ادا کیا ہے۔ مجھ سے جو ہو سکتا تھا میں نے کیا۔ میرے پاس تمہاری بیماری کا علاج موجود تھا۔ وہ میں نے کر دیا۔ اب تم بالکل درست ہو گئی ہو۔ پھر یہ بخار تمہیں کبھی نہیں چڑھے گا۔

پھر عنبر نے اس کے باپ سے کہا۔

"بابا! تم اس شہر میں کیا کرتے ہو؟ اس لڑکی کی ماں کہاں ہے۔

بوڑھے افریقی نے کہا۔

"یہ بڑی لمبی کہانی ہے بیٹا۔ یہ چھوٹی سی تھی کہ اس کی ماں مر گئی۔

میں نے ہی اسے پال پوس کر بڑا کیا۔ میں بڑا ہی بدنصیب ہوں کہ جب یہ جوان ہو گئی تو اس کی شادی نہ کر سکا"۔

"وہ کیوں بابا؟ اسکی شادی کرنے میں کونسی رکاوٹ ہے؟"

عنبر کے پوچھنے پر بوڑھے افریقی نے کہا۔

"میرے بچے! جس لڑکے کے ساتھ میری بچی کی شادی ہوئی تھی وہ اس شہر کے سب سے بڑے دولت مند جاگیردار کے محل میں زر خرید غلام بن کر زندگی بسر کر رہا ہے۔ اس کو اتنی اجازت نہیں ہے کہ وہ جاگیردار کے محل سے باہر نکل سکے۔ یا اپنی شادی کروا سکے۔ جاگیردار بڑا ظالم انسان ہے۔ اس نے کہہ رکھا ہے کہ اگر شادی کرو گے تو میں تمہیں کالے پانی بھیج کر تمہاری بیوی کو قتل کروا دوں گا"۔

عنبر نے کہا۔

"کمال ہے۔ یہ جاگیردار تو کوئی بڑا سنگ دل آدمی لگتا ہے۔"

"ہاں بیٹا! وہ بڑا سنگ دل ہے۔ اس کے حکم کے آگے کوئی دم نہیں مار سکتا۔ بادشاہ کا وزیر اس جاگیر دار کا بھانجا ہے۔ وزیر کی شہہ پر وہ شہر میں من مانی کرتا پھرتا ہے۔ اور کوئی اسے پوچھنے والا نہیں ہے۔ اور پھر میں اس کے خلاف آواز بھی نہیں اٹھا سکتا۔ کیونکہ اس نے میری بچی کے ہونے والے خاوند کو منڈی میں خریدا ہے اور وہ اس شہر کے قانون کے مطابق اس کے ساتھ جو چاہے سلوک کر سکتا ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"بابا! تم کیا چاہتے ہو؟ جو تم چاہتے ہو وہ مجھے بتاؤ"۔

بوڑھے افریقی نے غمگین آواز میں کہا:

"میں کیا اور میری خواہش کیا ہے بیٹے! ہو گا تو وہی جو جاگیر دار چاہے گا"۔

عنبر نے بوڑھے افریقی کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"بابا! تم گھبراؤ نہیں۔ مجھے یہ بتاؤ کہ کیا تم یہی چاہتے ہو کہ تمہاری بچی کی شادی اس کے منگیتر سے ہو جائے؟"

"ہاں بیٹا! ہر باپ کی یہی خواہش ہوتی ہے۔ لیکن یہ کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے۔ جاگیر دار لڑکے کو محل سے کبھی نہیں نکلنے دے گا۔ اگر اس نے محل سے بھاگ کر شادی کر بھی لی تو جاگیر دار دونوں کو ختم کر دے گا"۔

عنبر نے کہا۔

"بابا! میں یہ شادی کروا سکتا ہوں"۔

بوڑھے افریقی نے خوشی اور حیرانی سے عنبر کی طرف دیکھا بھلا یہ دبلا پتلا سا نوجوان کیسے ایک جابر جاگیر دار کا مقابلہ کر سکتا ہے۔

اس نے کہا۔

"میرے بچے! تم ناممکن چیز کو ممکن کیسے بنا سکتے ہو؟ تم کیوں خواہ

مخواہ اپنی جان مصیبت میں پھنساتے ہو۔ میری بچی کی قسمت میں جو
لکھا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دو۔ تم نے ہم پر
یہی احسان کم کیا ہے کہ میری بچی کو موت کے منہ سے بچالیا ہے۔"

عنبر نے کہا۔

"سنو بابا! میں جو کچھ کہہ رہا ہوں ٹھیک اور سچ سچ کہہ رہا ہوں۔
میں لڑکے کو جاگیردار کے محل سے لے آؤں گا ان دونوں کی شادی بھی
کروادوں گا۔ لیکن اس کے بعد تمہیں ان دونوں کو اس ملک سے باہر
بھیج دینا ہوگا تاکہ جاگیردار کے غلام اور سپاہی میرے بعد تمہاری بیٹی
اور داماد کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھا سکیں۔ کیونکہ اس شہر میں ساری عمر
نہیں رہ سکتا۔"

عنبر کی باتیں لڑکی بھی بڑے غور سے آنکھیں بند کیے سن رہی تھی۔

اس نے عنبر کے اس آخری جملے پر کہا۔

"بھائی! یہ بتاؤ کہ تم کس طرح میری مدد کرسکتے ہو؟ تم کس ترکیب
سے میرے منگیتر کو جاگیردار کے بھیانک محل سے یہاں لاسکتے ہو؟"

عنبر نے کہا۔

"یہ بات تم مجھ پر چھوڑو میری بہن! کیا تم شادی کے بعد اپنے بابا
اور خاوند کے ساتھ یہ شہر چھوڑ کر کسی دوسرے شہر میں جا کر خوشی سے
آباد ہوسکتی ہو؟"

لڑکی نے جلدی سے کہا۔

"کیوں نہیں۔ میں ایسا کرسکتی ہوں"۔

عنبر نے بوڑھے افریقی سے پوچھا۔

"کیوں بابا کیا تم بھی تیار ہو؟"

بوڑھا بولا

"اگر کسی طرح تم غلام لڑکے کو جاگیردار کے محل سے باہر نکال کر

ہمارے پاس لا دو تو ہم تینوں یہاں سے عمران کے شہر میں چلے جائیں گے جو یہاں سے ایک رات کے سفر پر ہے۔ وہاں میرا ایک بیٹا کوتوال شہر کا چوکیدار ہے۔ وہاں ہم بڑے امن کے ساتھ زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ عمران شہر میں اس شہر کا قانون بھی لاگو نہیں ہوتا۔"

عنبر نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ آج آدھی رات کو تمہارا ہونے والا داماد اپنے آپ محل سے نکل کر اس گھر میں موجود ہوگا۔ پھر تم لوگ جس طرف چاہے یہاں سے نکل جانا۔ اب میں جاتا ہوں۔ صبح کو حاضر ہوں گا"۔

بوڑھے نے کہا۔

"بیٹا تم کہاں جا کر رہو گے اسی غریب گھر میں رات بسر کیوں نہیں کر لیتے؟"

عنبر نے کہا۔

"نہیں بابا۔ میرا اپنے گھر جانا بہت ضروری ہے۔ میں صبح آؤں گا۔ فکر نہ کرو بہن! آدھی رات کو تمہارا منگیتر یہاں موجود ہوگا۔"

عنبر چلا گیا۔ بوڑھا افریقی اسے گلی کے باہر تک چھوڑنے آیا جنگل والے جھونپڑے میں پہنچ کر عنبر نے پہلا کام یہ کیا کہ آنکھیں بند کر کے سلامبو کی لاش کو یاد کیا اور پھر اسے آواز دی۔

"سلامبو! سلامبو! میں تمہیں یاد کرتا ہوں۔ میری مدد کو آؤ"۔

ابھی اس نے اپنا جملہ ختم ہی کیا تھا کہ فضا میں پروں کے پھڑ پھڑانے کی آواز سنائی دی اور پلک جھپکنے میں سلامبو کی ممی اس کے سامنے کھڑی تھی۔ عنبر سلامبو کے وعدے کو آزمانا بھی چاہتا تھا۔ سلامبو کی لاش کو اپنے سامنے دیکھ کر عنبر بڑا خوش ہوا کہ سلامبو نے جو کہا تھا وہ کر دکھایا۔ سلامبو نے پوچھا۔

"عنبر بھائی! مجھے کس لیے یاد کیا؟ میں تمہاری کیا مدد کر سکتی ہوں؟"

عنبر نے کہا۔

"سلامبو بہن میں معافی چاہتا ہوں کہ بہت جلد میں نے تمہیں تکلیف دی۔ بات اصل میں یہ ہے کہ ایک غریب باپ کی بچی بڑی مصیبت میں ہے"۔

سلامبو نے کہا۔

"اس کی مصیبت مجھے کھول کر بیان کرو"۔

عنبر نے ساری بات کھول کر بیان کر دی۔ سلامبو نے کہا۔

"یہ کونسی بڑی بات ہے۔ آج آدھی رات کو افریقی لڑکی کا منگیتر اس کے گھر میں ہوگا"۔

عنبر نے کہا۔

"لیکن سلامبو بہن! تمہیں ایک اور تکلیف بھی کرنی ہوگی"۔

"وہ کیا ہے عنبر؟"

"وہ یہ کہ یہ لوگ بے حد غریب ہیں۔ ان کے پاس گھوڑے بھی نہیں ہیں کہ عمران کے شہر کو بھاگ کر جا سکیں۔ تمہیں دو گھوڑے بھی وہاں لا کر دینے ہوں گے"۔

"فکر نہ کرو۔ ایسا ہی ہوگا۔ ان لوگوں کو جس جس چیز کی ضرورت ہو گی وہ ان کے پاس آدھی رات کے بعد موجود ہوگی"۔

سلامبو چلی گئی اور عنبر اگلی صبح تک کے لیے سو گیا۔

آدھی رات سے کچھ دیر پہلے بوڑھا افریقی اور اس کی بچی گھر میں جاگ رہے تھے۔ لڑکی کا بخار اتر چکا تھا۔ اور وہ بالکل اچھی ہو گئی تھی۔ وہ آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ عنبر یہ کام کر دے۔ وہ تو ایک دبلا پتلا سا نوجوان ہے۔

"بے چارہ ہمارا دل بہلا کر چلا گیا ہے۔ بھلا وہ کہاں جابر جاگیردار کے محل سے ہمارے بچے کو یہاں سے نکال کر لا سکتا ہے"۔

لڑکی نے کہا۔

"نہیں بابا! چاہے تم جو کچھ کہو۔ میرا دل کہتا ہے کہ وہ لڑکا یہ کام ضرور کرے گا اور میرا ہونے والا خاوند یہاں پہنچ جائے گا"۔

اتنے میں آدھی رات ہوگئی۔

اچانک دروازے کا پٹ کھلا اور بوڑھے کا ہونے والا داماد وہاں آ گیا۔ بوڑھا افریقی اور لڑکی اسے اپنے سامنے پا کر حیران رہ گئے۔ لڑکے نے کہا۔

"بابا! میں یہاں کیسے آ گیا؟"

بوڑھے نے کہا۔

"بیٹا یہ بات تو ہم تجھ سے پوچھنے والے تھے"۔

لڑکی نے پوچھا۔

"ہاں ہاں! ہمیں بتاؤ کہ تم جاگیردار کے محل سے یہاں کیسے پہنچ

گئے؟"۔

غلام لڑکے نے کہا۔

"مجھے کچھ معلوم نہیں۔ صرف اتنا یاد ہے کہ میں گھوڑوں کے اصطبل میں سویا تھا کہ کسی نے زور سے میرا کندھا جھنجھوڑا۔ میں ہڑ بڑا کر اٹھ بیٹھا۔ پھر کسی نے میری آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر مجھے کندھے سے پکڑ کر باہر کو کھینچا۔ پھر میں ہوا میں اڑ رہا تھا اور ایک دم سے کسی نے اس گلی کے باہر مکان کے دروازے پر اتار کر رکھ دیا۔ اور تم یہ سن کر بھی حیران ہو گے کہ اس وقت مکان کے باہر تین گھوڑے بھی موجود ہیں"۔

بوڑھا افریقی اور لڑکی یہ سن کر دنگ رہ گئے۔ وہ جلدی سے باہر آئے۔ سچ مچ مکان کے آگے تین بڑی اعلیٰ نسل کے گھوڑے کھڑے تھے۔ ایک گھوڑے کے اوپر گٹھڑی رکھی تھی۔ انہوں نے گٹھڑی اٹھا کر کھولی تو کیا دیکھتے ہیں کہ اندر اشرفیوں کی تھیلی۔ کھانے پینے کا سامان

اور تین جوڑے پوشاک کے ہیں۔ وہ یہ سب کچھ لے کر مکان کے اندر آ گئے۔ بوڑھے نے عنبر کا سارا واقعہ غلام لڑکے کو سنایا اور کہا۔

''اس نوجوان نے اپنی بات سچ کر دکھائی۔ پہلے اس نے میری بچی کو اچھا کیا اور اب تمہیں یہاں پہنچا دیا۔ بلکہ گھوڑے بھی ساتھ کر دیے اور یہ پوشاکیں اور سونے کی اشرفیوں سے بھری ہوئی تھیلی بھی۔ اب ہم عمران شہر میں جا کر ساری عمر آرام سے بسر کر سکتے ہیں''۔

اتنے میں دروازہ کھول کر عنبر بھی اندر آ گیا۔

''میں اس لیے جلدی آ گیا ہوں بابا کہ تم لوگوں کو جلد سے جلد یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ کیونکہ صبح ہوتے ہی جب جاگیر دار کو معلوم ہوگا کہ غلام غائب ہے تو وہ اس کی تلاش میں آدمی دوڑائے گا۔ اگر تم لوگ اس وقت ہی نکل جاؤ تو صبح ہونے تک عمران شہر کے قریب پہنچ چکے ہوگے۔ پھر تمہیں کوئی کچھ نہیں کہہ سکے گا''۔

بوڑھے افریقی نے عنبر کو گلے لگا کر اس کا ماتھا چوما۔ اس نے اپنے ہونے والے داماد سے کہا۔

''بیٹا! یہی وہ نیک دل نوجوان ہے جس نے تمہیں جاگیر دار کی قید سے آزاد کیا۔ میری بچی کی جان بچائی اور اب تمہیں اتنی دولت دی ہے کہ ہم ساری زندگی سکون سے بسر کر سکیں گے۔ ٹھیک ہے عنبر بیٹے! ہم اسی وقت یہاں سے نکل جاتے ہیں''۔

لڑکی نے کہا۔

''بھائی تم نے ہمارے لیے اتنا بڑا کام کیا ہے کہ اگر ہم ساری زندگی تمہارے پیر دباتے رہیں تو بھی حساب پورا نہیں ہوگا''۔

عنبر نے کہا۔

''بہن! میں نے ایک انسانی فرض ادا کیا ہے۔ میں نے کسی پر کوئی احسان نہیں کیا۔ اب تم لوگ یہاں سے نکل جانے کی تیاریاں کرو''۔

غلام لڑکے نے بھی آگے بڑھ کر عنبر کے ہاتھ چوم لیے۔اور کہا۔

''میرے آقا! آپ نے یہ سب کچھ کیسے کر دکھایا؟ کیا آپ کے پاس جادو ہے یا کوئی خفیہ طاقت ہے؟''

عنبر نے کہا۔

''یہ وقت اس قسم کی باتوں کا نہیں ہے۔تم کو آم کھانے سے مطلب ہے یا پیڑ گننے سے؟ تم ان لوگوں کو لے کر فوراً یہاں سے کوچ کر جاؤ اور کوشش کرو کہ صبح ہونے کے بعد ہی دوسرے شہر کی فصیل میں داخل ہو جاؤ تا کہ جاگیردار کے آدمی تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکیں''۔

''بہت بہتر میرے آقا''

بوڑھا افریقی ،لڑکی اور غلام لڑکا۔۔۔تینوں نے باری باری عنبر سے ہاتھ ملایا۔اور گھوڑوں پر سوار ہو کر رات کے اندھیرے میں غائب ہو گئے۔عنبر کو بے حد خوشی ہوئی کہ اس نے ایک غریب بوڑھے کی زندگی

کو خوشیوں کے پھولوں سے بھر دیا ہے۔

سلیمانی انگوٹھی

دوسرے دن جاپان کو جانے والا جہاز بندرگاہ میں آن لگا۔

عنبر نے ضروری سامان ساتھ لے کر کرایہ ادا کیا اور دوسرے مسافروں کے ساتھ جہاز پر سوار ہو گیا۔ شام کو جہاز نے لنگر اٹھایا۔ بادبان کھلے اور جہاز نے گہرے نیلے سمندر میں جاپان کی طرف اپنا سفر شروع کر دیا۔ یہ ایک لمبا سفر تھا۔ عنبر جہاز میں سوار ہو چکا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اب وہ ایک نہ ایک دن جاپان اپنے بھائی ناگ اور

بہن ماریا کے پاس پہنچ جائے گا۔ ان سے مل کر انہیں کس قدر خوشی ہو گی۔

عنبر کو ہم جہاز پر چھوڑتے ہیں۔ اور اب واپس جاپان کے شہر کیوشو میں چل کر دیکھتے ہیں کہ ناگ کس حالت میں ہے۔ پہلے ہم آپ کو بیان کر چکے ہیں کہ ناگ نے پوری تیاری کر کے تابوت والے مقبرے میں جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ جہاں مقبرے کے بھوت نے ملکہ مصری روح کو قید کر رکھا تھا۔ اور جہاں ناگ کے خیال میں ماریا بھی کسی نہ کسی جگہ قید تھی۔ اسے یہ خبر نہیں تھی کہ مقبرے کے بھوت نے ملکہ مصر کی روح کو قید کر رکھا تھا۔ اور جہاں ناگ کے خیال میں ماریا بھی کسی نہ کسی جگہ قید تھی۔ اسے یہ خبر نہیں تھی کہ مقبرے کے بھوت نے ماریا بے چاری کو پتھر کی مورتی بنا کر مقبرے کی ایک تنگ و تاریک کوٹھڑی کے تابوت میں لٹا رکھا ہے جہاں وہ بالکل ہل جل نہیں سکتی

تھی۔ صرف آوازیں سن سکتی تھی اور دیکھ سکتی تھی۔

ناگ دو چار روز کے بعد پوری طرح سے تیار ہو کر مقبرے والے تہہ خانے کی طرف چل پڑا۔ تیاری اس نے یہ کی تھی کہ اپنے ساتھ ایک تیز دھار والا خنجر چھپا کر رکھ لیا تھا تا کہ اگر کوئی اس پر حملہ کرے تو وہ اس کا مقابلہ کر سکے۔ وہ شہر سے باہر نکل کر ٹیلے کے پاس آ گیا۔ ابھی دن نکلا ہی تھا اور شہر کی دیواروں پر صبح کی پہلی سنہری دھوپ چمکنے لگی تھی۔ جھاڑیوں اور گھاٹیوں میں سے ہوتا ہوا وہ غار کے دروازے پر آ گیا۔ یہاں بے شمار جنگلی جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ ناگ نے جھاڑیوں کو ہاتھوں سے ادھر ادھر ہٹایا اور غار کے اندر داخل ہو گیا۔

ادھر ناگ غار کے اندر داخل ہوا۔ ادھر مقبرے کے بھوت کو پتا چل گیا کہ کوئی انسان غار کے اندر داخل ہوا ہے۔ وہ اپنے اندھیرے گڑھے سے نکل کر باہر آ گیا اور مقبرے کے ایک طرف چھپ کر

دیکھنے لگا کہ غار میں کون آیا ہے۔ یہ اسے اس روز بھی احساس ہو گیا تھا مگر وہ ناگ کو دیکھ نہیں سکا تھا۔ کیونکہ ناگ نے سانپ کا بھیس بدل رکھا تھا۔ پھر بھی بھوت نے یہ کیا تھا کہ ماریا کی پتھر بنی لاش کو اٹھا کر ایک دوسرے تہہ خانے میں جا کر لٹا دیا تھا۔

ناگ ابھی غار میں آیا ہی تھا کہ اسے بھی کچھ یوں لگا جیسے اندر پہلے ہی سے کوئی موجود ہے۔ اس نے سوچا کہ ہو سکتا ہے بھوت جاگ اٹھا ہو اور وہ بے خبری میں ناگ پر حملہ کر دے۔ ناگ نے فیصلہ کیا کہ وہ سانپ بن کر اندر جائے۔ چنانچہ اس نے آنکھیں بند کر کے زور سے سانس لیا اور ایک دم انسان سے سانپ بن گیا۔ سانپ بن کر وہ رینگ رینگ کر مقبرے کی دیوار پر آگے گزرنے لگا۔ مقبرے کے بالکل سامنے پہنچ کر وہ ایک طرف ہو کر چھپ گیا۔ بھوت نے جب دیکھا کہ اندر کوئی بھی نہیں آ رہا تو وہ اپنی جگہ سے باہر نکلا اور مقبرے

کے اردگرد چکر لگانے لگا ناگ نے دیکھا کہ بھوت اس وقت انسان کی شکل اختیار کیے ہوئے ہے۔ ناگ بڑا حیران ہوا کہ یہ بھوت انسان کی شکل میں کیسے آ گیا؟ اس نے سوچا کہ ہوسکتا ہے بھوت انسان بن سکتا ہو۔

لیکن اسے کچھ یوں محسوس ہونے لگا تھا کہ یہ بھوت اصلی بھوت نہیں ہے۔ یا تو نقلی بھوت ہے اور یا پھر کوئی بڑا ہی زبردست اور چالاک جادوگر ہے جو یہاں رہ کر کالے علم کا چلہ کر رہا ہے۔ اور اس نے یقیناً جادو ٹونے کے زور سے ہی ملکہ بے چاری کی بے چین روح کو قید کر رکھا ہے۔ ناگ نے سب سے پہلے ماریا کو تلاش کرنے کا فیصلہ کیا۔ وہ دیوار میں پتھروں کے شگاف میں لیٹا بڑی خاموشی سے بھوت کی حرکتیں دیکھ رہا تھا۔ بھوت نے مقبرے کے چاروں طرف گھوم کر جب اطمینان کر لیا کہ وہاں اس کے سوائے اور کوئی غیر

شخص نہیں ہے تو وہ قبر کے پہلو میں آ کر جھکا اور گڑھے میں سے ایک مرتبان نکال کر سامنے رکھ کر بیٹھ گیا۔ پھر اس نے مرتبان کے قریب منہ لے جا کر کہا۔

”سن اے ملکہ کی روح! میں تمہیں آخری بار کہہ رہا ہوں کہ میری بات مان لے نہیں تو میں تمہیں اسی مرتبان کے اندر جلا کر بھسم کر دوں گا اور تم کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دوزخ میں دھکیل دوں گا جہاں تم قیامت تک شعلوں میں جلتی رہوگی“۔

اچانک مرتبان میں سے ملکہ کی روح کی آواز آئی۔

”اے بھوت! اے عظیم جادوگر! میں مجبور ہوں“۔

بھوت نے چیخ کر کہا۔

”خبردار جو مجھے پھر سے جادوگر کہا۔ میں جادوگر نہیں ہوں۔ میں اس مقبرے کا بھوت ہوں اور مجھ میں بڑی طاقت ہے۔ میں جس کو

جاہوں پتھر بنا کر قید کر سکتا ہوں"۔

ناگ نے بھوت کی زبان سے یہ بات سنی تو اس کا ماتھا ٹھنکا کہ ہو نہ
ہو اسی بھوت یا جادوگر نے ماریا کو کسی جگہ پتھر بنا کر قید کر رکھا ہے اور یہ
بھوت نہیں ہے بلکہ جادوگر ہے۔ اسی لیے وہ روح کی زبان سے جادو
گر کا لفظ سننا گوارا نہیں کرتا۔ روح نے کہا۔

"اے عظیم بھوت! میں ایک بدنصیب بادشاہ کی بھٹکتی ہوئی بد
نصیب روح ہوں۔ میں ایک کمزور اور بے بس ہوں تم مجھے کیوں تنگ
کر رہے ہو؟ تم نے مجھے کیوں قید کر رکھا ہے؟ دیوتا تم پر مہربان
ہوں۔ مجھے آزاد کر دے میں تو پہلے ہی اپنے بدقسمت بادشاہ کی روح
کی تلاش میں ماری ماری پھر رہی ہوں"۔

بھوت نے زبردست قہقہہ لگا کر کہا:

"میں تمہیں اس وقت تک آزاد نہیں کروں گا جب تک کہ تم مجھے یہ

نہ بتا دو کہ بادشاہ سلیمان کی سلیمانی انگوٹھی کس ملک کے کون سے
غاروں میں بند ہے"۔

ملکہ کی روح نے کہا۔

"دیوتاؤں کی قسم لے لو مجھ سے۔ مجھے بالکل نہیں معلوم کہ شاہ
سلیمان کی انگوٹھی کون سے ملک میں اور اس ملک کے کون سے غار
میں ہے۔ میں تو خود بھٹکتی پھرتی روح ہوں۔ میری پرواز اس زمین
کے پہلے آسمان سے اوپر بھی نہیں ہے۔ پھر میں تمہیں کیسے بتا سکتی
ہوں کہ سلیمانی انگوٹھی کہاں ہے؟"۔

بھوت نے گرج کر کہا:

"تم ایک روح ہو۔ تم اس زمین کو کنگھال کر پتا کر سکتی ہو۔ اگر تم
وعدہ کرو کہ تم مجھے سلیمانی انگوٹھی کا سراغ لگا کر بتا دو گی تو میں تمہیں ابھی
آزاد کر دوں گا۔ لیکن اس کے لیے تمہیں یاد رکھنا چاہیے کہ اگر تم

وعدے سے پھر گئیں تو میں تمہیں بھسم کر کے جہنم میں پھینک دوں
گا‘‘۔

اس کے ساتھ ہی بھوت نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر
زور سے جھٹک دیے۔ ایک شعلہ سا زمین سے اٹھا تو مقبرے کی
چھت سے جا ٹکرایا۔ بھوت نے ایک بار پھر ہاتھ جھٹکا۔ شعلہ ایک بار
پھر بلند ہوا اور مقبرے کی چھت سے ٹکرا کر بجھ گیا۔ مرتبان کے اندر
سے روح کی آواز آئی:

’’معاف کر دو۔ معاف کر دو۔ میں بے گناہ ہوں۔ مجھے آگ میں
مت پھینکو۔ میں بے گناہ ہوں۔ میرا کوئی قصور نہیں۔ میں بدنصیب
روح ہوں۔ مجھے چھوڑ دو۔ مجھے چھوڑ دو‘‘۔

’’ہاہاہا۔۔۔ ہاہاہا۔۔۔‘‘ بھوت نے قہقہہ لگا کر کہا ’’میں تم کو کبھی
نہیں چھوڑوں گا۔ میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔ تم جھوٹ بول

رہی ہو۔ تمہیں سب معلوم ہے کہ سلیمانی انگوٹھی کہاں۔ تم کو میرے
لیے سلیمانی انگوٹھی کا سراغ لگانا ہوگا۔ تم کو بتانا ہوگا کہ سلیمانی انگوٹھی
کس ملک کے کس غار میں ہے۔ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ ابھی جاؤ
اور جا کر پتا کرو کہ سلیمانی انگوٹھی کہاں ہے۔ مگر میں تمہیں آزاد
نہیں کروں گا۔ تم مرتبان کے اندر ہی اپنے بادشاہ کی روح کو بلاؤ اور
اس سے پوچھو کہ سلیمانی انگوٹھی کہاں ہے؟‘‘

ملکہ کی روح نے التجا کرتے ہوئے کہا۔

’’دیوتاؤں کے لیے مجھ پر رحم کرو۔ مجھے نہ تو یہ معلوم ہے کہ سلیمانی
انگوٹھی کہاں ہے اور نہ مجھے یہ معلوم ہے کہ میرے بدنصیب بادشاہ کی
روح کہاں ہے۔ میں کچھ نہیں جانتی۔ میں تو خود آسمان کے خلاؤں
میں بھٹک رہی ہوں۔ میں خود اپنے نصیب بادشاہ کی روح کو تلاش کر
رہی ہوں‘‘۔

بھوت نے زور سے مرتبان پر ہاتھ مارا۔

"تم جھوٹ بولتی ہو۔ تو جھوٹ بولتی ہو۔ میں تمہیں کبھی آزاد نہیں کروں گا۔ میں تمہیں ہمیشہ اسی مرتبان میں قید رکھوں گا اور پھر ایک دن تمہیں جلا کر بھسم کر دوں گا۔۔۔ ہا ہا ہا ہا۔ میں تمہاری جگہ اس لڑکی کی روح کو سلیمانی انگوٹھی کی تلاش میں بھیجوں گا۔ جس کو میں نے پتھر بنا دیا ہے۔ میں اسے مار کر اس کی روح کو سلیمانی انگوٹھی کا سراغ لگانے روانہ کروں گا"۔

بھوت نے مرتبان کو مقبرے کے تابوت کے اندر بند کر کے لوہے کا بڑا سا تالہ لگایا اور پاؤں گھسیٹتا واپس غار کے اندھیرے میں گم ہو گیا۔

اس کے جاتے ہی ناگ دیوار پر سے اتر کر قبر کے پہلو والے چبوترے کے پاس آ گیا۔ جس کی تلاش میں وہ یہاں آیا تھا اس کا سراغ اسے مل گیا تھا۔ اس پر یہ راز کھل گیا تھا کہ ماریا کہاں ہے؟ ماریا کو بھوت

نے پتھر بنا کر کسی جگہ چھپا دیا تھا۔ جس لڑکی کا اس نے ذکر کیا تھا وہ ضرور ماریا ہی تھی۔

ناگ پریشان ہو گیا۔

اب وہ ماریا کا کھوج لگانے کے لیے بے تاب تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ جتنی جلدی ہو سکے وہ جگہ تلاش کرے جہاں بھوت نے ماریا کو پتھر بنا کر رکھ چھوڑا تھا۔ ناگ کو اب کچھ کچھ یقین ہونے لگا تھا کہ یہ بھوت اصلی بھوت نہیں ہے بلکہ کوئی بہت مکار جادوگر ہے۔ جس کو کسی بہت بڑے چلّے کے لیے سلیمانی انگوٹھی کی تلاش ہے۔ ناگ کو اتنا معلوم تھا کہ جس شخص کے پاس سلیمانی انگوٹھی ہو جن بھوت اس کے غلام بن جاتے ہیں۔ ناگ بڑا حیران تھا کہ جب کہ اگر وہ خود بھوت ہے تو اسے سلیمانی انگوٹھی منگوا کر کسی بھوت کو قابو کرنے کی کیا ضرورت پڑ گئی ہے؟ ضرور یہ شخص کوئی عیار جادوگر ہے اور بھوت بالکل نہیں ہے۔

ناگ اسے ابھی جا کر کاٹ سکتا تھا لیکن وہ ڈرتا تھا کہ جادوگر اس پر اپنا جادو کر کے اسے ماریا کی طرح پتھر نہ بنا دے۔

پھر بھی وہ ماریا سے غافل نہیں ہو سکتا تھا۔ اسے ماریا کا ہر حال میں کھوج لگانا تھا۔ سانپ نے مقبرے کے چبوترے کے ساتھ ساتھ رینگنا شروع کر دیا۔ وہ رینگ بھی رہا تھا اور بڑا چوکنا ہو کر ایک ایک پتھر کو غور سے دیکھ رہا تھا اور سونگھ رہا تھا کہ کہیں سے اسے ماریا کی خاص بو آ جائے۔ اچانک ایک دیوار کے پاس وہ رک گیا۔ اس دیوار کی دوسری جانب سے اسے ماریا کے کپڑوں کی ہلکی ہلکی بو آ رہی تھی۔ تو کیا ماریا اس دیوار کے پیچھے موجود تھی؟

ناگ کا خیال ہوا کہ وہ انسان کی شکل میں آ کر اس دیوار کو کہیں سے توڑ کر دوسری طرف کوٹھڑی میں جا کر ماریا کو ملے۔ اگر اس دیوار میں کوئی دروازہ یا کوئی شگاف ہے تو اسے ڈھونڈے۔ سوائے

اس کے اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ اس میں ایک ڈر بھی تھا کہ انسان بنتے ہی جادوگر اس کی بو محسوس کرے گا۔ ہو سکتا ہے پھر وہ اچانک پیچھے سے آ کر یا سامنے سے آ کر ناگ پر اپنا جادو پھونک دے۔ بہر حال ماریا بہن کے لیے ناگ کو یہ قربانی دینی ہی تھی۔

اس نے دیوار کے ساتھ لیٹ کر گہری پھنکار ماری۔

پھنکار مارتے ہی سانپ پھر سے انسان بن گیا۔ حیرانی کی بات یہ ہوئی کہ ناگ کے اس پھنکارنے کی آواز دور غار کے اندر ایک کمرے میں لیٹے ہوئے بھوت نے بھی سن لی۔ پھنکار کی آواز نے اسے شک میں ڈال دیا کہ غار کے اندر کوئی جانور ضرور ہے۔ اس نے جادو کے زور سے معلوم کیا کہ یہ جانور نہیں بلکہ کوئی انسان ہے۔ وہ اٹھ کر غار کے اندر چل پڑا جس طرف سے کہ آواز آئی تھی۔

اب ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ یہ اصل میں بھوت نہیں تھا بلکہ ایک

بہت بڑا افریقی جادوگر تھا جس کو سلیمانی انگوٹھی کی تلاش تھی۔ سلیمانی انگوٹھی کا سراغ صرف کوئی روح ہی لگا سکتی تھی۔ چنانچہ وہ اس غار کے اندر ملکہ کی روح کو قید کیے بیٹھا تھا۔ اب وہ یہ ارادہ کیے ہوئے تھے کہ ماریا کو مار کر اس کی روح کو سلیمانی انگوٹھی کی تلاش میں بھیجے۔ کیونکہ ملکہ کی روح کے بارے میں اسے یقین ہو گیا تھا کہ وہ سلیمانی انگوٹھی کا سراغ نہیں لگا سکتی۔ کیونکہ اس کی ساری توجہ اپنے مرے ہوئے بادشاہ کی طرف لگی ہوئی تھی۔

زہریلا جال

ناگ نے انسان کے روپ میں آتے ہی دیوار کے شگاف کی تلاش شروع کر دی۔

اندھیرے میں وہ دیوار کے پتھروں میں ٹامک ٹوئیاں مار رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی جگہ سے کوئی پتھر تھوڑا سا بھی ملے تو وہ اکھاڑ کر دیوار میں راستہ بنا لے۔ مگر پتھر ایک دوسرے کے ساتھ بری طرح جڑے ہوئے تھے۔ اسے ماریا کے کپڑوں اور اس کے جسم کی بو سانپ بن کر

اسی دیوار کے پیچھے سے آ چکی تھی۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ اسی غار
کے اندر کسی جگہ وہ بھوت نما جادوگر ضرور چھپا ہوا ہے۔ اس نے اگر
ماریا کو آواز دی تو وہ اسے ضرور سن کر چوکس ہو جائے گا۔ اور ہو سکتا
ہے کہ اندھیرے میں اس پر حملہ کر دے۔

اسے یہ بھی خیال تھا کہ شاید بھوت نے ماریا کو بھی پتھر بنا کر رکھ
چھوڑا ہو۔ ایسی حالت میں وہ اس کی آواز کا جواب بھی نہیں دے
سکے گی۔ وہ بڑی احتیاط کے ساتھ دیوار کے پتھروں کا ٹٹول رہا تھا کہ
اسے غار کے اندر سے پاؤں کے گھسٹنے کی آواز سنائی دی۔ بھوت
پاؤں گھسٹ گھسٹ کر چلتا اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ دوسری طرف
بھوت کو بھی شک ہو گیا تھا کہ مقبرے میں ضرور کوئی انسان موجود
ہے۔ اب اسے بھی انسان کے موجود ہونے کا احساس شدید ہو گیا
تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے پاؤں کی آواز کوئی سنے۔ مگر وہ مجبور تھا

اس لیے اس کی ایک ٹانگ چھوٹی تھی اور زخمی تھی۔ اسے مجبوراً پاؤں کو
گھسیٹ کر چلنا پڑتا تھا۔

ناگ نے اندھیرے میں ہی دیکھ لیا کہ بھوت غار کے پچھلے حصے
سے اس کی طرف بڑھتا چلا آ رہا ہے۔ وہ اس وقت بھوت کا مقابلہ
نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ پہلے بھوت سے یہ پتا چل جائے
کہ ماریا کہاں ہے اور اس کے تابوت تک جانے کا راستہ کون سا
ہے۔ اس کے بعد وہ بھوت کو ہلاک بھی کر سکتا تھا۔ اور پھر اب تو ناگ
کو بہت حد تک یقین ہو گیا تھا کہ یہ بھوت اصلی نہیں ہے بلکہ کوئی
زبردست جادوگر ہے جس نے سلیمانی انگوٹھی حاصل کرنے کے لیے
یہ سارا ڈھونگ رچایا ہے۔

ناگ نے دیوار کے پاس ہی چھپ کر گہرا سانس لیا اور سانپ کی
شکل بدل کر دیوار کے پتھروں کے اوپر کو رینگ گیا۔ بھوت آگے

بڑھتے بڑھتے ٹھیک اس جگہ آ گیا جہاں کہ ناگ سانپ بنا اوپر دیوار کے ساتھ چمٹا ہوا تھا۔ بھوت نے ادھر ادھر بڑے غور سے دیکھا کہ کوئی اسے دیکھ تو نہیں رہا۔ پھر اس نے ایک جگہ دیوار کے پتھر کو اکھاڑا، اندر ہاتھ ڈال کر کسی شے کو گھمایا۔ دیوار میں ایک چھوٹا سا شگاف نمودار ہو گیا۔ بھوت اس شگاف کے اندر چلا گیا۔ اس کے اندر جاتے ہی دیوار کا شگاف اپنے آپ بند ہو گیا۔

ناگ سانپ کے روپ میں دیوار کے ساتھ لگا رہا۔ وہ اب بھوت نما انسان کے باہر نکلنے کا انتظار کر رہا تھا۔ اس لیے کہ اندر وہ جا نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ اندر بھوت موجود تھا۔ وہ باہر نکلے تو وہ اندر جائے۔

ویسے اس بات کا اسے یقین ہو گیا تھا کہ ماریا ضرور دیوار کی دوسری طرف موجود ہے۔ اگر اسے ڈر تھا تو صرف یہی تھا کہ کہیں یہ بھوت جادوگر ماریا کو نقصان نہ پہنچا دے۔ اس خیال سے ناگ پریشان ہو گیا

اور سوچنے لگا کہ اگر سچ مچ جادوگر نے ماریا کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو وہ بے چاری آواز بھی بلند نہ کر سکے گی۔ کیونکہ وہ تو پتھر بنی ہو گی۔ تو پھر کیا کیا جائے؟

ناگ سانپ کے روپ میں ہی دیوار سے نیچے اتر آیا اور پتھروں میں رینگ رینگ کر وہ جگہ ڈھونڈنے لگا جہاں سے جادوگر بھوت اندر گیا تھا۔ ہو سکتا تھا کہ وہاں کوئی چھوٹا سا سوراخ ہی موجود ہو جس میں سے گزر کر وہ اندر چلا جائے۔ کافی دیر تلاش کرنے کے بعد اسے آخر ایک سوراخ مل ہی گیا۔ ناگ نے خدا کا شکر ادا کیا۔ اور سوراخ کے اندر داخل ہو کر دیوار کی دوسری جانب نکل آیا۔

دیوار کی دوسری طرف ایک تنگ سی نیم اندھیری کوٹھڑی تھی۔ کوٹھڑی کے بیچ میں پتھر کا ایک تابوت رکھا تھا۔ تابوت کا منہ بند تھا۔ بھوت اس کے پاس کھڑا اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے تابوت پر کچھ

پڑھ پڑھ کر پھونک رہا تھا۔ پھر اس نے تابوت کے ڈھکنے کو اٹھا دیا۔ سانپ ایسی جگہ پر تھا جہاں سے وہ یہ نہیں دیکھ سکتا تھا کہ تابوت کے اندر کون لیٹا ہوا ہے۔ وہ دیوار پر سے رینگتا ہوا چھت کے ساتھ چپک گیا۔ اس نے جو تابوت کے اندر نگاہ ڈالی اور حیرت زدہ ہو کر رہ گیا۔ سچ مچ تابوت کے اندر ماریا پتھر بنی لیٹی ہوئی چھت کو دیکھ رہی تھی۔ ماریا کی آنکھیں زرد تھیں۔ بھوت نے کچھ پڑھ کر زور سے ماریا کے جسم پر پھونک ماری اور کہا۔

”میرے اور شاہ افراسیاب کے حکم سے اٹھ کر بیٹھ جاؤ“۔

اس کا اتنا کہنا تھا کہ ماریا تابوت میں اٹھ کر بیٹھ گئی۔ بھوت نے کہا۔

”سن اے لڑکی! میں نے اپنے جادو کے زور سے تجھ میں اتنی طاقت پیدا کر دی ہے کہ تو نہ صرف میری آواز سنے بلکہ مجھے جواب

بھی دے سکے گی۔ لیکن تو اس تابوت سے باہر نہیں نکل سکے گی۔ بول کیا تو میری آواز سن رہی ہے“۔

ماریا نے کہا۔

”ہاں میں تمہاری آواز سن رہی ہوں“۔

بھوت بولا۔

”تو پھر میری باتوں کو غور سے سن۔۔۔ میں نے تمہیں یونہی یہاں لا کر پتھر بنا کر قید نہیں کیا۔ میرے تمہارے یہاں لانے کا ایک مقصد ہے“۔

ماریا نے کہا۔

”آخر تو نے مجھے یہاں کس لیے قید کر رکھا ہے؟“

بھوت نے کہا۔

”میں تمہاری روح سے ایک کام لینا چاہتا ہوں“۔

"میری روح سے؟" ماریا نے تعجب سے پوچھا۔

"ہاں تمہاری روح سے؟" بھوت نے کہا۔۔۔ "میں تمہاری روح سے اس لیے یہ کام لینا چاہتا ہوں کہ یہ کام ایک عورت کی روح ہی کر سکتی ہے۔ ملکہ مصر کی روح میرے لیے بے کار ہے۔ کیونکہ وہ پہلے ہی سے اپنے مرے ہوئے خاوند کی تلاش میں بھٹکتی پھر رہی ہے۔ یہ کام تمہاری روح کو کرنا ہوگا"۔

ماریا نے کہا "مگر میں تو زندہ ہوں"۔

بھوت نے مکروہ قہقہہ لگایا۔

"تھوڑی دیر بعد تو زندہ نہیں ہوگی"۔

سانپ یہ سن کر لرز گیا۔ تو کیا واقعی یہ جادوگر ماریا کو ہلاک کرنے کا ارادہ رکھتا ہے؟ ماریا بھی پریشان ہوگئی۔ اس نے چیخ کر کہا:

"یہ ظلم ہے۔ آخر میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے کہ تم مجھے مارنا چاہتے

ہو۔ تم کیسے بھوت ہو کہ خود کوئی کام نہیں کر سکتے۔ اور عورتوں کو ہلاک کر کے ان کی روحوں سے کام لیتے پھرتے ہو"۔

بھوت نے گرج کر کہا۔

"خاموش بدزبان لڑکی! تمہیں میں یہ راز بھی بتائے دیتا ہوں کہ میں اس ملک افریقہ کا سب سے بڑا جادوگر ہوں۔ میں بھوت نہیں ہوں مگر مرنے کے بعد بھوت ضرور بن جاؤں گا۔ میری بات کو غور سے سن! مجھے سلیمانی انگوٹھی کی تلاش ہے۔ مگر میں یہ نہیں جانتا کہ یہ سلیمان بادشاہ کی نایاب انگوٹھی کس جگہ پر ہے۔ یہ سراغ صرف ایک عورت کی روح لگا سکتی ہے۔ اس کام کو اب تم نے کرنا ہوگا۔ اگر مجھے سلیمانی انگوٹھی نہ ملی تو میرا سارا کالا علم اور جادوگری خاک میں مل جائے گی اور میں افریقہ کے قبیلوں میں ذلیل ہو جاؤں گا۔ اب تو لوگ مجھ سے اور میرے جادو سے ڈرتے ہیں۔ مگر پھر کوئی مجھ سے

نہیں ڈرے گا۔ میں یہ کبھی برداشت نہیں کر سکتا۔ اس لیے میں تمہیں مار کر تمہاری روح کو حکم دوں گا کہ وہ میرے لیے سلیمانی انگوٹھی کو تلاش کرے۔ کیونکہ عورت کی روح پر یہ ساری زمین کھل جائے گی۔ اسے زمین کے اوپر باہر اور اندر کی ساری چیزیں دکھائی دینے لگیں گی۔

ماریا نے کہا۔

”سن اے جادوگروں کے بادشاہ! اگر کسی طرح سے میرے بھائی ناگ اور عنبر کو پتا چل گیا کہ تم نے مجھے موت کے گھاٹ اتارا ہے وہ یہاں آ کر تمہاری تکہ بوٹی اڑا دے گا۔

بھوت کہنے لگا:

”ہاہاہا۔ میں نے اسے کئی تکہ بوٹی کرنے والے دیکھے ہیں اگر وہ یہاں آ گئے تو یقین کرو اسی مقبرے کے اندر ان کی قبریں بھی بن جائیں گی“۔

ماریا نے نفرت سے کہا:

”اے جادوگر! کان کھول کر سن لے۔ خواہ میرا کتنا ہی نقصان ہو جائے میں تمہارے حکم کو کبھی نہیں مانوں گی۔ تم نے اگر مجھے مار ڈالا تو میری روح ستاروں میں بھٹکتی پھرے گی مگر تمہارے پاس کبھی نہیں آئے گی“۔

بھوت نے ایک قہقہہ لگایا اور کہنے لگا۔

”میں خود تمہیں مجبور کر دوں گا کہ تم میرے کے مطابق چلو تم میرے حکم کو ٹالنے کی جرات نہیں کر سکتیں۔ تم پر میرا جادو ہو گا تم میرے قابو میں ہو گی۔ بہر حال اب بھی وقت ہے سوچ لو۔ پھر تمہیں یہ وقت نہیں ملے گا۔ میں تمہیں آج رات کی مہلت دیتا ہوں۔ کل صبح صبح میں یہاں آؤں گا۔ اگر تم تیار ہوئیں تو بڑا اچھا ہے۔ اگر تم راضی نہ بھی ہوئیں تو میں تمہیں ہلاک کر دوں گا۔ اگر تم اپنی مرضی سے تیار ہو گئیں تو

اس کا تمہیں یہ فائدہ ہوگا کہ میں تمہاری روح کو سلیمانی انگوٹھی کا سراغ لگانے کے بعد آزاد کر دوں گا۔ بہر حال آج رات کی مہلت ہے۔ اب میں جا رہا ہوں''۔

بھوت جادوگر پاؤں گھسیٹتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس کے جاتے ہی دیوار کا شگاف اپنی جگہ پر آ گیا۔ اس کے جاتے ہی ماریا نے لیٹنے کی کوشش کی تو وہ دوبارہ لیٹ نہ سکی۔ وہ بول سکتی تھی۔ سن سکتی تھی۔ مگر اب لیٹ نہ سکتی تھی۔ شاید غصے یا جلدی میں بھوت جادوگر اسے دوبارہ الٹا کر پتھر بنانا بھول گیا تھا۔

سانپ جلدی سے چھت پر سے نیچے اتر آیا۔ اس نے زور سے پھنکار ماری۔ اس کی پھنکار کی آواز ماریا نے سنی تو خوش ہو کر بولی۔

''ناگ بھائی! یہ تم ہو کیا؟''

اتنی دیر میں ناگ انسانی روپ میں واپس آ گیا تھا۔ اس نے کہا

''ہاں ماریا بہن یہ میں ہوں''۔

ماریا کی آنکھوں میں اپنے بھائی سے مل کر خوشی کے آنسو آ گئے۔

ناگ نے کہا۔

''ماریا تم مجھے کچھ نہ بتاؤ۔ میں نے ساری باتیں سن لی ہیں۔ میں نے اسے مکار جادوگر کو ملکہ مصر کی روح سے باتیں کرتے بھی سن لیا ہے۔ کم بخت یہ کوئی بڑا ہی خطرناک قسم کا جادوگر ہے۔ اسکے پاس جادو کی بہت بڑی طاقت ہے اور اب یہ سلیمانی انگوٹھی حاصل کر کے دنیا کے تمام جادوگروں کا بادشاہ بننے کے خواب دیکھ رہا ہے''۔

ماریا نے کہا۔

''فکر نہ کرو بھائی! اس کا یہ خواب کبھی پورا نہیں ہوگا''۔

ناگ بولا۔

"اب میں آ گیا ہوں۔ اس کا یہ خواب خاک میں ملا دوں گا"۔

"مگر ناگ بھائی! تم نے میرا سراغ کس طرح لگایا؟"

ناگ نے ماریا کو اس کے سراغ لگانے کی ساری کہانی شروع سے آخر تک سنائی اور کہا۔

"خدا کا شکر ہے کہ تم مجھے مل گئیں۔ ورنہ میں تو ناامید ہو گیا تھا۔ سوچ رہا تھا کہ میں بھی کیسا بدقسمت ہوں کہ پہلے بھائی گم ہوا اور اب بہن کا کچھ پتا نہیں"۔

"کیا عنبر بھائی کا کچھ پتا نہیں چلا؟"

"نہیں ماریا بہن! خدا جانے وہ کس ملک میں دربدر ہو رہا ہے۔ یہ تو ٹھیک ہے کہ اس کی جان کی طرف سے ہمیں کوئی غم نہیں مگر اس کی جدائی بھی تو برداشت نہیں ہوتی۔ ہم تینوں کو ہمیشہ ایک ساتھ رہ کر دنیا کی سیر کرنی چاہیے۔ لیکن ایسا بہت کم ہوا ہے کہ ہم اکٹھے رہے ہوں۔

ذرا ایک مہینے کے لیے ایک جگہ جمع ہوتے ہیں اور قسمت ہمیں پھر ایک دوسرے سے الگ کر دیتی ہے"۔

ماریا نے جادوگر بھوت کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔

"اس جادوگر سے مجھے بچاؤ تاکہ میں بھی واپس شاہی محل میں تمہارے ساتھ جا کر عنبر کے بارے میں کچھ سوچ سکوں"۔

ناگ نے کہا۔

"اس کا انتظام تو کل صبح ہی ہو جائے گا۔ مگر ایک کام تمہیں کرنا پڑے گا"۔

"وہ کیا؟"

"جب صبح جادوگر بھوت آئے تو تمہیں اسے کہنا کہ میں تمہاری مرضی کے مطابق کام کرنے پر تیار ہوں۔ مگر شرط یہ ہے کہ مجھے پتھر سے پھر انسان بنا دو۔ میں چبوترے کے باہر نکل کر ایک بار اپنے خدا

کے آگے دوزانو بیٹھ کر دعا کرنا چاہتی ہوں۔ جب وہ یہ بات مان جائے گا تو اس کے بعد باقی کام میں خود کر لوں گا"۔

ماریا نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں ایسا ہی کروں گی۔ مگر ناگ بھائی ذرا ہوشیار رہنا۔ یہ بد بخت کوئی بہت ہی بڑا جادوگر ہے۔ مجھ پر آج تک کسی کا جادو نہیں چلا۔ مگر اس کے جادو نے تو مجھے بے بس کر کے رکھ دیا ہے۔"

"تم فکر نہ کرو ماریا بہن! بس جس طرح میں کہتا ہوں تم اسی طرح کرو۔ باقی کام میں خود سنبھال لوں گا"۔

"کیا تم اسے سانپ بن کر کاٹو گے؟"

"ہاں میں یہی کر سکتا ہوں"۔

"اور اگر اس پر زہر کا اثر نہ ہوا تو پھر کیا ہوگا؟ پھر تو قیامت آ جائے

گی۔ وہ ہم دونوں کو بھسم کر کے رکھ دے گا۔"

ناگ نے کہا۔

"میں ایک بار ڈسنے سے اپنے جسم کا سارا زہر اسکے بدن میں داخل کر دوں گا۔ مجھے یقین ہے کہ اگر میں اتنا زہر کسی پہاڑ کے اندر ڈالوں تو وہ پھٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائے گا۔ یہ جادوگر میرے زہر کو برداشت نہیں کر سکے گا"۔

ناگ اور ماریا اسی طرح باتیں کرتے رہے اور وقت گزرتا چلا گیا۔ وہاں رات ہونے کا پتہ ہی نہیں چل رہا تھا۔ ناگ نے اندازے سے بتایا کہ تین پہر گزرنے کے بعد صبح ہو گی اور جادوگر آئے گا۔

وہ جادوگر کا انتظار کرنے لگے۔

جادوگر کی موت

شاید صبح ہوگئی تھی۔

کیونکہ ناگ اور ماریا کو دیوار کے اس پار کسی کے دیوار کے پتھر اکھاڑنے کی آواز سنائی دی۔ ماریا نے ناگ سے کہا۔

"جلدی سے چھپ جاؤ۔ جادوگر بھوت آرہا ہے"۔

"تم اسی طرح کرنا جس طرح میں نے تمہیں کہا ہے"

"فکر نہ کرو۔ اب تم چھپ جاؤ"۔

ناگ نے گہرا سانس لے کر پھنکار ماری اور سیاہ رنگ کا کالا اور بڑا سانپ بن گیا۔ سانپ بن کر وہ چبوترے پر سے رینگ کر نیچے اترا اور دیوار کے پاس ہی کسی جگہ چھپ کر بیٹھ گیا۔ دیوار میں ٹھک ٹھک ہو رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد دیوار کے پتھر ایک جگہ سے ہٹے۔ ایک شگاف سا نمودار ہوا اور جادوگر بھوت اندر آ گیا۔ وہ پاؤں گھسٹ کر چلتا ہوا ماریا کے تابوت کے پاس آ کر بولا۔

"رات جانے سے پہلے میں تمہیں پتھر بنانا بھول گیا تھا۔ مجھے بعد میں خیال آیا مگر پھر سوچا کہ تم تابوت سے باہر نہیں نکل سکتیں۔ اور اگر باہر نکل بھی آؤ تو تم کچھ نہ کر سکو گی۔ اب بولو۔ تم نے کیا فیصلہ کیا ہے"۔

ماریا نے ایک گہرا سانس بھرتے ہوئے کہا۔

"اے عظیم جادوگر! میں ہار گئی تو جیت گئے۔ تم مجھے جس طرح کا

حکم دو گے میں اسی طرح عمل کروں گی۔ میں اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ تم ایک بڑے جادوگر ہو اور تمہارے جادو کے آگے میری کوئی ہستی نہیں ہے۔ میری نجات اسی میں ہے کہ میں مر کر تمہارے کام آؤں آخر ایک نہ ایک دن تو مجھے مرنا ہی ہے۔ اور اگر میں نے تمہارا کہا نہ مانا تو پھر بھی مجھے ہلاک کر دو گے۔۔۔ اب میں تیار ہوں"۔

بھوت نے ایک خوشی کی چیخ ماری اور کہا۔

"شاباش! تم ایک بڑی ہی عقل مند اور سمجھ دار لڑکی ہو۔ میں تمہیں ایک اچھا فیصلہ کرنے پر مبارکباد دیتا ہوں۔ اگر تم نے مجھے سلیمانی انگوٹھی کا سراغ لگا کر بتا دیا تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں جنت میں داخل کر دوں گا"

"مگر میری ایک شرط ہے"

ماریا نے کہا۔ بھوت نے بھوئیں اٹھا کر پوچھا۔

"وہ کون سی شرط ہے۔ بتاؤ"۔

ماریا بولی۔

"میں ایک مذہبی قسم کی لڑکی ہوں۔ میں مرنے سے پہلے اپنے خدا کی عبادت کر کے اس کے دربار میں دعا کرنا چاہتی ہوں۔ میری آخری خواہش یہ ہے کہ تم مجھے پتھر سے پھر سے چلتی پھرتی عورت بنا دو۔ تاکہ میں اس تابوت سے باہر نکل کر اپنے خدا کے حضور میں دوزانو ہو کر اپنے گناہوں کی معافی مانگوں اور اپنی بخشش کے لیے دعا کروں"۔

جادوگر بھوت مسکرایا۔

"اس میں مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے کیونکہ تم یہاں سے بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتیں۔ ویسے بھی میرے جادو کا اثر اس سارے مقبرے میں پھیلا ہوا ہے۔ میں ابھی تمہیں اس تابوت سے باہر

نکالے دیتا ہوں‘‘۔

اتنا کہہ کر بھوت نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے۔ آنکھیں بند کیں اور کوئی منتر پڑھنے لگا۔ منتر پڑھتے پڑھتے اس نے دو چار مرتبہ ماریا پر پھونک ماری۔ آخری پھونک سے ماریا تابوت میں سے اٹھ کر باہر آ گئی۔ ناگ سانپ بنا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ ہر شے اس کی مرضی کے مطابق ہو رہی تھی۔ ماریا آزاد ہو کر بے حد خوش ہوئی۔ بھوت نے کہا۔

’’لو میں نے تھوڑی دیر کے لیے تمہیں آزاد کر دیا ہے۔ اب تم اپنے خدا کے آگے عبادت کر لو۔ مگر جلدی جلدی کرنا۔ اس لیے کہ میں تمہیں اسی تابوت میں لٹا کر بہت جلد مار دینا چاہتا ہوں‘‘۔

’’فکر نہ کرو اے عظیم جادوگر! میں بڑی جلدی اپنی عبادت ختم کر لوں گی۔ عبادت کے بعد تمہیں اجازت ہو گی کہ تم جتنی جلدی چاہو

مجھے ہلاک کر دو‘‘۔

’’ٹھیک ہے۔ اب تم فوراً اپنی عبادت شروع کر دو‘‘۔

ماریا جان بوجھ کر بھوت کو باتوں میں لگا رہی تھی۔ وہ ناگ کو موقع دینا چاہتی تھی کہ وہ تیاری کرے۔ بھوت چبوترے کے پاس دیوار کے ساتھ پیٹھ کر کے بیٹھ گیا۔ ماریا زمین پر دوزانو ہو کر بیٹھ گئی۔ اور آنکھیں بند کر کے اس نے اپنے خدا کو یاد کرنا شروع کر دیا۔ بھوت جادوگر بڑی دلچسپی سے ماریا کو عبادت کرتے دیکھ رہا تھا۔ اس نے ماریا کو ہلاک کرنے کے لیے اپنے کرتے کے اندر سے ایک لمبا خنجر چھپا رکھا تھا وہ پتھر بن جانے کے بعد جادو کے ذریعے ماریا کی گردن کو نرم کر کے اس کی گردن کاٹ دینا چاہتا تھا۔

ادھر سانپ بھی پوری طرح تیار ہو چکا تھا۔ اس نے دیوار کے اندھیرے میں چھپے چھپے اپنے پھن کو بڑی خاموشی سے پورا پھیلا لیا

تھا۔ وہ زمین سے پانچ فٹ اوپر اٹھ آیا تھا۔ اور سانپ کھسکتے کھسکتے جادوگر کے پیچھے آ گیا تھا۔ اچانک جادوگر کو کمرے میں ایک عجیب سی بو محسوس ہوئی اسے یوں لگا جیسے کوئی اور انسان بھی کوٹھڑی میں موجود ہے۔ پھر اس نے سوچا کہ بھلا یہاں کوئی تیسرا انسان کیسے آ سکتا ہے۔ پھر اسے سسکار کی دھیمی سی آواز سنائی دی۔ یہ سانپ کے زبان باہر نکالنے کی آواز تھی۔ اب وہ کچھ گھبرا گیا۔

اس نے ایک دم جو پلٹ کر دیکھا تو پیچھے پانچ فٹ کا سیاہ کالا سانپ فرش سے اوپر اپنا پھن اٹھائے کھڑا اسے لال لال آنکھوں سے گھور رہا تھا۔ اس سے پہلے کے جادوگر بھوت اس پر کوئی جادو کرے سانپ نے بجلی کی طرح لپک کر جادوگر کی گردن پر ڈس دیا اور اپنے جسم کا سارا زہر ایک پل کے ہزارویں حصے کے اندر اندر جادوگر کے خون میں شامل کر دیا۔ جادوگر اپنی جگہ سے تڑپ کر اٹھا اور زمین پر

گر پڑا۔ زہر نے اس کی زبان اور پاؤں پتھر کے کر دیے تھے۔ زبان بند ہو جانے کی وجہ سے وہ سانپ پر کوئی منتر نہیں پڑھ سکتا تھا۔ اور اگر منتر نہ پڑھے تو جادو نہیں ہو سکتا تھا۔

جادوگر نے فرش پر سے اٹھنے کی کوشش کی اور وہ اٹھ نہ سکا۔ اس نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر ایک اور جادو کرنے کی کوشش کی مگر اس کے دونوں ہاتھ پتھر بن کر لٹک گئے تھے۔ اب اس کی آنکھیں باہر کو نکل آئی تھیں۔ مقبرے کے اندر چیخوں کی آوازیں گونجنے لگیں یوں لگا جیسے ہزاروں بلیاں ایک ساتھ زور زور سے چیخ کر رو رہی ہیں پتھر کی دیواروں پر زور زور سے کسی کے سر ٹکرانے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔

ناگ انسان کے روپ میں جادوگر کے سامنے آ گیا۔

ماریا بھی اٹھ کر جادوگر کے سامنے آ گئی۔ اس نے جادوگر سے کہا۔

"اے شیطان جادوگر! آخر تو میرے بھائی کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچا۔ یاد رکھ برائی کا انجام ہمیشہ برا ہوتا ہے۔"

ناگ نے کہا۔

"اب تمہاری روح قیامت تک سلیمانی انگوٹھی کی تلاش میں دربدر بھٹکتی رہے گی۔ اسے کبھی سکون نہیں ملے گا اور یہی تمہاری سب سے بڑی سزا ہے۔"

جادوگر کچھ نہ بول سکتا تھا اور نہ ماریا اور ناگ پر جادو کر سکتا تھا۔ اس کی آنکھوں میں خون بہنے لگا تھا۔ اسے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا دیکھتے دیکھتے اس کا سارا جسم پھٹ گیا اور ریزہ ریزہ ہو کر فرش پر بکھر گیا۔

ناگ نے ماریا کو ایک طرف کر لیا۔

"ادھر ہو جاؤ بہن ماریا۔ اس کے جسم کے ذروں تک میرے زہر کا اثر پہنچ گیا ہے۔ اگر اس کے خون کی ایک چھینٹ کسی پر پڑ جائے تو وہ

بھی زندہ نہیں رہے گا"۔

ماریا ناگ بھائی کے قریب آ گئی۔

"بھائی! تمہارے زہر نے واقعی بڑا کام کیا ہے۔ کم بخت یہ کوئی منتر بھی پڑھ کر نہیں پھونک سکا"۔

ناگ بولا۔

"لیکن ماریا بہن ایک بات ضرور کہوں گا کہ اگر میں سارا زہر اس کے جسم میں داخل نہ کرتا تو یہ کبھی نہ مرتا۔ اس میں بڑی طاقت تھی۔ پہاڑ سے زیادہ طاقت تھی۔ یہ سچ مچ بہت بڑا جادوگر تھا۔ پہاڑ بھی اتنی دیر تک میرے زہر کو برداشت نہیں کر سکتا تھا جتنی دیر اس جادوگر نے برداشت کیا"۔

ماریا بولی۔

"بھائی ناگ اب یہاں سے جتنی جلدی ہو سکے باہر نکل چلو۔ میرا

تو اس مقبرے میں اندر دم گھٹنے لگا ہے"۔

ناگ اور ماریا دونوں دیوار کے شگاف میں سے ہو کر کوٹھڑی سے باہر نکل آئے۔

ناگ نے کہا۔

"اس جادوگر کے جادو کا ایک فائدہ ضرور ہوا کہ تم اب غائب نہیں ہو بلکہ پھر سے ظاہر ہوگئی ہو۔ اب تمہیں ہر کوئی دیکھ سکے گا"۔

"ہاں ناگ بھائی! مجھے اس کی بھی بڑی خوشی ہے کہ اب میں غائب نہیں رہی۔ میں بھی لوگوں کو اب دیکھ سکتی ہوں اور لوگ بھی مجھے دیکھ سکیں گے خدا کا شکر ہے کہ میں غائب ہو جانے کی بک بک سے چھوٹ گئی"۔

کوٹھڑی سے نکل کر وہ بادشاہ اور ملکہ کی قبروں کے پاس آئے تو ناگ نے کہا۔

"ماریا بہن! ہمیں بے چاری ملکہ کی بے چین روح کو ضرور آزاد کر دینا چاہیے۔ وہ پہلے ہی بھٹک رہی تھی کہ اس جادوگر نے اسے مرتبان میں قید کر کے اس پر ایک اور مصیبت نازل کر دی ہے"۔

"ہاں ناگ بھائی! آؤ ملکہ کی روح کو آزاد کرتے ہیں"۔

انہوں نے قبر کے پہلو میں تالے کو توڑا اور اندر سے مرتبان نکال کر اپنے سامنے رکھ لیا۔ ناگ نے مرتبان کے اوپر سے لکڑی کے ڈھکنے کو توڑ دیا۔ مرتبان کے ڈھکنے کے ٹوٹتے ہیں ملکہ مصر کی روح آزاد ہو کر باہر آ گئی۔ انہیں ملکہ کی روح نظر نہیں آ رہی تھی۔ مگر اس کی آواز اور گہرے سانس کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ روح نے کہا۔

"میرے بچو! میں کس زبان سے تم دونوں کا شکریہ ادا کروں کہ تم دونوں کی وجہ سے میں آزاد ہوگئی۔ اس کم بخت ظالم بھوت جادوگر نے مجھے اس مرتبان میں ی بند کر کے اپنا قیدی بنا لیا تھا"۔

"وہ جادوگر کہاں ہے؟"

ناگ نے کہا۔

"اے اداس ملکہ! اس جادوگر کو ہم نے ہلاک کر دیا ہے"۔

روح نے حیرانی سے پوچھا۔

"کیا کہا؟ تم دونوں نے اسے ہلاک کر دیا؟"

"ہاں ملکہ صاحبہ! ساتھ والی کوٹھڑی میں اس کی لاش کے ٹکڑے بکھرے پڑے ہیں"۔

"شاباش میرے بچو! تم نے انسانوں پر بڑا احسان کیا ہے۔ ابھی نہ جانے یہ بدبخت جادوگر کتنی عورتوں کو پتھر بنا کر ہلاک کرتا"۔

ماریا نے کہا۔

"ملکہ عالم! میرے بھائی نے یہاں آ کر مجھے بچایا۔ جادوگر کو ہلاک کیا اور آپ کو قید سے آزاد کیا ہے۔ ہمیں آپ سے بڑی

ہمدردی تھی۔ ہم آپ کی مدد کرنا چاہتے تھے۔ خدا کا شکر ہے کہ ہم اس مقصد میں کامیاب ہوئے"۔

ملکہ نے پوچھا۔

"مگر میرے بچے! تو نے اتنے بڑے جادوگر کو اکیلے کیسے ہلاک کر دیا۔ وہ تو کسی سے بھی مرنے والا نہیں تھا"۔

ناگ نے مسکرا کر کہا۔

"میرے ساتھ میرے خدا کی مدد شامل تھی ملکہ صاحبہ! اس لیے میں کامیاب ہو گیا"۔

ملکہ نے خوش ہو کر کہا۔

"مجھے بہت خوشی ہے کہ تم نے ہر حالت میں اپنے خدا کو یاد رکھا۔ دنیا میں وہی لوگ سرخرو اور کامیاب ہوتے ہیں جو اپنے خدا کو ایک پل کے لیے بھی نہیں بھولتے۔ میرے بچو! میں ایک بار پھر تم دونوں کا

شکریہ ادا کرتی ہوں۔ اور اب میں جاتی ہوں۔ مجھے اپنے مرے ہوئے خاوند کی روح کی تلاش میں جانا ہے۔ خدا حافظ۔

''خدا حافظ''

ملکہ کی روح چلی گئی۔

مقبرے میں گہری خاموشی طاری ہو گئی۔ ناگ ماریا کو لے کر غار کے باہر والے دروازے کی طرف چلنے لگا۔ غار کے دروازے کے قریب آ کر روشنی سی ہو گئی۔ ماریا نے کہا کہ وہ اس روشنی کو ترس گئی تھی۔ وہ دونوں مقبرے والی غار سے باہر آ گئے۔ ناگ نے پلٹ کر ماریا سے کوئی بات کرنی چاہی تو وہ دنگ رہ گیا۔ وہاں ماریا نہیں تھی۔

ماریا غیر سے باہر نکلتے ہی غائب ہو گئی تھی۔

ناگ نے ماریا کو آوازیں دینا شروع کر دیں۔

''ماریا! ماریا! تم کہاں ہو ماریا؟''

ماریا نے کہا۔ اس کی آواز میں اداسی تھی۔

''میں تمہارے بالکل پاس کھڑی ہوں بھائی! اتنا زیادہ چلانے کی ضرورت نہیں۔ میری بدقسمتی کہ میں غار سے باہر نکلتے ہی پھر غائب ہو گئی ہوں۔ میں تو سمجھی تھی کہ ایک بلا سے میرا پیچھا چھوٹا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ ابھی میری آزمائش باقی ہے۔ ابھی میرا امتحان باقی ہے۔ اچھا اگر خدا کی یہی مرضی ہے تو میں کیا کر سکتی ہوں۔ میں خدا کے آگے سر جھکاتی ہوں۔ آؤ ناگ بھائی شاہی محل کو چلتے ہیں''۔

دونوں بہن بھائی غار سے نکل کر پیدل ہی شہنشاہ جاپان کے شاہی محل کو روانہ ہو گئے۔ شاہی محل میں وزیر نے شہزادے کو خود جان سے مارنے کا فیصلہ کر رکھا تھا۔ چنانچہ اس کے لیے وزیر نے ساری تیاری مکمل کر لی تھی۔ یہ اس کا آخری داؤ تھا۔ اگر وہ اس میں کامیاب ہو جاتا تو جاپان کے تخت و تاج کا مالک بن جاتا۔ وزیر کو پورا یقین

تھا کہ وہ شہزادے کو ضرور ختم کر دے گا۔ ایک شہزادے کو ہلاک کر دینا ایک وزیر کے لیے کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ اگر اسے وہم تھا تو صرف یہی کہ ناگ کو جو کوئی بھی مارنے گیا وہ خود مر گیا۔ پتا نہیں ناگ کے پاس کون سا جادو تھا کہ کوئی بھی قاتل آج تک بچ کر نہیں آیا تھا۔ بہر حال اس دفعہ شہزادے کو ناگ بھی نہ بچا سکے گا۔ وزیر نے بچ کر نکل آنے کا پکا ارادہ کر لیا تھا۔

نے ایک ایسے نوکر کو دے دی جو رات کو شہزادے کا بستر لگاتا تھا۔وزیر
نے اسے زبردست انعام کا لالچ دیا تھا۔نوکر لالچ میں آ گیا۔وزیر
نے اسے کہا۔

”رات کو۔۔کسی بھی رات کو۔۔دو ایک دنوں کے اندر اندر تم یہ
سانپ والی پٹاری کھول کر شہزادے کے بستر میں سانپ کو پھینک دینا
کام بڑی ہوشیاری سے کرنا۔کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو کہ یہ سانپ تم
نے پھینکا ہے“۔

نوکر نے وزیر کو یقین دلاتے ہوئے کہا۔

”حضور آپ پرواہ نہ کریں۔یہ کام میں ایسی ہوشیاری سے کروں
گا۔کہ سانپ بھی مر جائے گا اور لاٹھی بھی نہیں ٹوٹے گی“۔

”مگر شہزادے کو جلدی مر جانا چاہیے“۔

”حضور!میں پوری پوری کوشش کروں گا“۔

سانپ لے کر نوکر اپنی کوٹھڑی میں آ گیا۔روپے اور دولت کا لالچ
ایسا تھا کہ جس نوکر نے سالہا سال سے شہزادے کا نمک کھایا تھا وہ
شہزادے کی جان لینے پر تیار ہو گیا تھا۔سچ ہے لالچ بری بلا ہے۔نوکر
نے دیکھا کہ شہزادہ ہر آدھی رات کے بعد سوتا ہے۔وہ اپنے والد اور
ناگ کے ساتھ ایک ہی دستر خوان پر بیٹھ کر کھانا کھاتا ہے۔پھر ناگ
اسے اپنے ہاتھ سے دوا پلاتا ہے۔اس کے بعد ناگ اس کے ساتھ
شطرنج کھیلتا ہے۔

بادشاہ اپنے محل میں جا کر سو جاتا ہے۔شہزادہ اور ناگ دیر تک
شطرنج کھیلتے رہتے ہیں۔پھر ناگ اپنے کمرے کو اٹھ کر چلا جاتا ہے۔
نوکر شہزادے کے بستر کو درست کرتا ہے اور پھر کہیں جا کر شہزادہ سوتا
ہے اس کا مطلب یہ تھا کہ اسے سانپ آدھی رات کے بعد شہزادے کا
بستر ٹھیک کرتے ہوئے بستر میں چھوڑنا پڑے گا۔اس کے لیے

ضروری تھا کہ وہ شروع رات ہی میں سانپ کی پٹاری شہزادے کے پلنگ کے نیچے جا کر چھپا دے۔

چنانچہ ایک رات نوکر نے سانپ والی پٹاری اٹھا کر کپڑوں کے اوپر رکھی اور چپکے سے شہزادے کے کمرے میں جا کر آنکھ بچا کر پلنگ کے نیچے چھپا دی۔ شام کے بعد شہزادہ نہا دھو کر باغ میں کچھ دیر ٹہلتا رہا۔ پھر بادشاہ سلامت بھی شہزادے کے کمرے میں آ گئے۔ تھوڑی دیر بعد ناگ بھی آ گیا۔ ناگ کمرے میں داخل ہوا ہی تھا کہ وہ ٹھٹھک گیا۔ اسے کمرے کے اندر سے کسی اجنبی کی بو آ رہی تھی۔ اس نے سوچا کہ یہاں اجنبی کون ہو سکتا ہے۔ اس نے شہزادے اور بادشاہ کے ساتھ مل کر کھانا کھانا۔ پھر بادشاہ سلامت چلے گئے اور شہزادے نے ناگ کے ساتھ مل کر شطرنج کھیلنی شروع کر دی۔

شطرنج کھیلتے کھیلتے ایک بار پھر ناگ کو محسوس ہوا کہ کمرے میں کوئی

شے موجود ہے۔ ادھر پٹاری کے اندر سانپ بھی کچھ بے قرار سا ہو رہا تھا۔ اسے بھی محسوس ہو رہا تھا کہ کمرے میں کوئی اس سے بھی زیادہ طاقت ور شے آ گئی ہے۔ رات گئے جب شہزادہ تھک گیا تو اس نے ناگ سے کہا۔

”ناگ بھائی! مجھے نیند آ رہی ہے میں سونے جا رہا ہوں“۔

نوکر ابھی اندر نہیں آیا تھا۔ ناگ نے شہزادے سے کہا۔

”شہزادہ سلامت! آج کی رات میری طبیعت کچھ بے چین ہو رہی ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے آپ کو کچھ خطرہ ہے“۔

شہزادے نے کہا۔

”خطرہ؟ کیسا خطرہ ناگ بھائی؟“۔

ناگ نے کہا۔

”حضور! آپ کی جان کو کچھ خطرہ محسوس ہو رہا ہے۔ آپ ایسا

کریں کہ آج رات اپنے بستر پر سونے کی بجائے کونے والے تخت
پوش پر سوئیں بستر ویسے ہی خالی رکھیں۔ میں آپ کے پاس ہی کسی
جگہ چھپ جاؤں گا۔ مجھے یوں لگتا ہے کہ آپ کا دشمن اس کمرے
میں موجود ہے''۔

شہزادے نے حیرانی سے کہا۔

''ناگ بھائی۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میرا دشمن اس کمرے میں موجود
ہو اور ہمیں اس کی خبر نہ ہو۔ میں تمہاری بات سمجھ نہیں سکا''۔

''شہزادہ سلامت! آپ ابھی میری بات نہیں سمجھ سکیں گے۔ آپ
آرام سے جا کر تخت پر سو جائیں۔ باقی میں سنبھال لوں گا۔ اور ہاں
کسی کو ہرگز خبر نہ ہو کہ آپ کے کمرے میں، میں بھی ہوں''۔

''جیسے تمہاری مرضی بھائی''۔

شہزادہ تخت پر جا کر لیٹ گیا۔ ناگ نے شہزادے کے بستر سے

ایک تکیہ اٹھایا اور خود شہزادے کے تخت کے نیچے گھس کر لیٹ گیا۔
روشنی مدھم کر دی گئی۔

اتنے میں دروازے کا پردہ ہٹا اور نوکر اندر داخل ہوا۔ اس نے بڑی
حیرانی سے شہزادے کو تخت پر سوئے ہوئے دیکھا۔ وہ شہزادے کو جگا
کر پلنگ پر سونے کے لئے مجبور نہیں کر سکتا تھا۔ سانپ کی پٹاری پلنگ
کے نیچے پڑی تھی۔ آج کی رات نوکر نے شہزادے کو جان سے مار
دینے کا پکا ارادہ کر رکھا تھا۔ نوکر نے سوچا کہ اسے سانپ تخت کے
پاس ہی چھوڑ دینا چاہیے۔ سانپ تخت پر چڑھ کر اپنے آپ شہزادے
کو ڈس کر مار ڈالے گا۔

نوکر دبے پاؤں پلنگ کی طرف بڑھنے لگا۔ ناگ نوکر کی ساری
حرکتوں کو تخت کے نیچے لیٹا بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ نوکر نے پلنگ
کے نیچے جھک کر سانپ کی پٹاری نکالی اور اسی طرح دبے پاؤں تخت

کے قریب آ کر زمین پر بیٹھ گیا۔ اس نے پٹاری کھول کر الٹ دی اور وہاں سے جلدی سے باہر بھاگ گیا۔

ناگ ساری بات کو سمجھ گیا۔ نوکر سانپ سے شہزادے کو ہلاک کرنے آیا تھا۔ یہی وہ سانپ تھا جس کی بو ناگ کو محسوس ہو رہی تھی اور یہی وہ دشمن تھا جس کا خطرہ ناگ محسوس کر رہا تھا۔ وہ سانپ سے بالکل نہیں ڈرتا تھا۔ خطرہ یہ تھا کہ کہیں سانپ پٹاری سے نکل کر تخت پر چڑھ کر شہزادے کو نہ ڈس دے۔ ویسے اگر شہزادے کو ڈس بھی دیتا تو ناگ اس کا علاج کر سکتا تھا۔ لیکن سانپ کا زہر شہزادے کو تھوڑا بہت نقصان ضرور پہنچاتا۔

کیونکہ وہ نیا نیا بیماری سے اٹھا تھا۔

پٹاری نے آہستہ آہستہ ہلنا شروع کر دیا۔ پھر سبز اور نیلے رنگ کا ایک سانپ پٹاری کے نیچے سے نکل کر تخت کی طرف رینگنے لگا۔ ناگ

کو ڈر تھا سانپ شہزادے کی طرف نہ بڑھے۔ کیونکہ شہزادہ سچ مچ سو چکا تھا۔ سانپ بھی آگے بڑھتا بڑھتا رک گیا۔ اسے بھی اپنے سے زیادہ طاقتور شے کی موجودگی کا احساس ہو چکا تھا۔ وہ آگے بڑھنے ہی والا تھا کہ ناگ نے ہاتھ آگے بڑھا کر سانپ کو اپنی گرفت میں لے لیا۔

ناگ نے خطرناک زہریلے سانپ کو یوں مزے سے پکڑ لیا جیسے کوئی بچہ زمین پر سے گیند اٹھا لیتا ہے۔ اتنا خطرناک زہریلا سانپ ناگ کی مٹھی میں آ کر ایک بے جان رسی کی طرح لٹکنے لگا۔ وہ سانپ کو لے کر پلنگ سے باہر آ گیا۔ اس نے سانپ سے اس کی اپنی زبان میں پوچھا۔

''بول تجھے کس نے یہاں بھیجا ہے؟''

''سانپ نے لرزتی ہوئی زبان سے کہا۔''

''اے ناگ دیوتا! اے سانپوں کے سرتاج! مجھے شہزادے کا نوکر یہاں چھوڑ گیا ہے''۔

''کیا تجھے علم نہیں تھا کہ یہاں ناگ دیوتا موجود ہے؟''

''شہنشاہ غلطی ہو گئی۔ معافی چاہتا ہوں۔ جو سزا دیں مجھے قبول ہو گی۔ آپ کے اشارے پر مر مٹنے کو بھی تیار ہوں؟''

ناگ نے کہا۔

''نہیں تجھے مر مٹنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ جو کچھ بھی ہو تم میرے بھائی ہو۔ میں بھی سانپ ہوں۔ تم بھی سانپ ہو۔ تمہاری سزا یہی ہے کہ جس نوکر نے تمہیں شہزادے کو ہلاک کرنے کے لیے بھیجا ہے اسے جا کر ہلاک کر دو''۔

''جو حکم سرکار''

سانپ شہزادے کے کمرے سے باہر نکل گیا۔

ناگ نے شہزادے کو جگا کر کہا۔

''شہزادہ سلامت! اب آپ اطمینان سے اپنی مسہری پر جا کر سوئیے میں نے دشمن کو یہاں سے بھگا دیا ہے''۔

''کیا مطلب؟''

ناگ بولا۔

''مطلب یہ ہے کہ وزیر صاحب نے آپ کو ہلاک کروانے کے لیے آپ کے نوکر کے ذریعے ایک بڑا ہی زہریلا سانپ یہاں پھنکوایا تھا''۔

''پھر؟ کہاں ہے وہ سانپ'' شہزادہ گھبرایا ہوا تھا۔

ناگ نے مسکرا کر کہا۔

''گھبرائیے نہیں شہزادہ صاحب! اس سانپ کو میں نے قابو کر کے اسے واپس نوکر کے پاس بھیجا ہے تا کہ اس کی جا کر خبر لے''۔

''خدایا تیرا شکر ہے۔ میں تو گھبرا ہی گیا تھا''۔

ناگ نے اسی وقت بادشاہ سے ملاقات کی اور اسے ساری صورت حال بیان کی اور کہا۔

''بادشاہ سلامت! وزیر کی سازشیں اب آپ کے اور آپ کے ولی عہد کی گردن تک پہنچ گئی ہیں۔ اگر آپ نے اس موقع پر اس کا سر نہ دبایا تو وہ آپ کے اور شہزادے کے لیے بڑا ہی مہلک ثابت ہو گا۔ وزیر ایک عیار اور مکار آدمی ہے اس کی چالاکی اور عیاری کے آگے آپ بے بس ہیں۔ اس کا مقابلہ صرف میں ہی کر سکتا ہوں''۔

بادشاہ نے کہا

''میرے بچے میں تمہیں پورا اختیار دیتا ہوں کہ تم میری سلطنت کو اور اس ملک کے غریب عوام کو ایسے ظالم وزیر کے ظلم سے بچاؤ''۔

ناگ نے کہا۔

''بادشاہ سلامت! آج کی رات اگر مجھے شک نہ پڑ جاتا اور میں شہزادے کے کمرے میں آ کر نہ سوتا تو شہزادے کا بچنا محال تھا۔ وزیر نے ایک ایسا خطرناک اور زہریلا سانپ شہزادے کو مروا دینے کے لئے بھیجا تھا کہ جس کا کاٹا پانی نہیں مانگتا''۔

بادشاہ نے ناگ کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''میں تمہارا کس زبان سے شکریہ ادا کروں بیٹا! تم نے میرے خاندان اور میری سلطنت کو تباہ ہونے سے بچا لیا ہے۔ اب تمہیں اجازت ہے کہ وزیر کے ساتھ جیسا چاہے سلوک کرو مگر ذرا ہوشیار رہنا۔ وزیر بڑا مکار ہے''

''فکر نہ کریں بادشاہ سلامت! میں اسے سنبھال لوں گا''

ناگ اپنے کمرے میں آ گیا۔ ماریا ایک کونے میں سو رہی تھی۔ اس نے ناگ کو آتے دیکھا تو جاگ پڑی اور اس سے پوچھا کہ وہ صبح

صبح کہاں سے آ رہا ہے؟ ناگ نے اسے سانپ کا سارا قصہ سنا دیا۔
ماریا نے بھی ناگ سے یہی کہا وزیر اس قابل نہیں ہے کہ اسے اب
اپنی مرضی سے شاہی خاندان کو زندگیوں سے کھیلنے کا موقع دیا جائے۔
اس ملک کے لوگ بادشاہ اور شہزادے کو پسند کرتے ہیں۔ وزیر کو کوئی
حق نہیں کہ وہ لوگوں کی مرضی کے خلاف ان پر حکومت کرے۔

ناگ بولا

''اسے اجازت نہیں دی جائے گی۔ میں وزیر کو ٹھکانے لگا کر ہی دم
لوں گا''

اب ذرا سانپ کو دیکھتے ہیں کہ وہ کہاں ہے اور کیا کر رہا ہے؟ ناگ
سے اجازت لے کر سانپ سیدھا اس نوکر کی تلاش میں روانہ ہوا جس
نے اسے شہزادے کے کمرے میں اسے ہلاک کرنے کے لیے چھوڑا
تھا۔ وہ نوکر کی بو اپنے محل کے مختلف کمروں اور غلام گردشوں سے ہوتا

آخر ایک ایسے کمرے کے باہر آ گیا جہاں سے نوکر کی بڑی تیز بو آ
رہی تھی۔ اس کا شکار اور شہزادے کا قاتل اسی کمرے میں تھا۔ سانپ
انتظار کرنے لگا کہ وہ باہر آئے۔ کافی دیر تک وہ ایک طرف ہو کر چھپا
رہا مگر کوئی باہر نہ آیا۔ تنگ آ کر سانپ نے روشن دان کے قریب ہی
ایک سوراخ تلاش کر لیا اور اس میں سے ہو کر وہ نوکر کے کمرے میں
داخل ہو گیا۔

نوکر اس وقت نہانے دھونے کے بعد کپڑے بدل رہا تھا اور یہ پتا
کرنے شہزادے کے کمرے میں جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ وہ مر گیا
ہے یا زندہ ہے۔ اس کے خیال میں شہزادہ مر چکا تھا۔ اتنے میں
دروازہ کھلا اور اچانک خود وزیر کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے سیاہ
چادر سے منہ سر ڈھانپ رکھا تھا۔ کمرے میں آ کر وزیر نے چادر اتار
دی۔ وزیر کو سامنے دیکھ کر نوکر ادب سے جھک گیا۔ وزیر نے

پوچھا۔

"کیا تم نے کام کر دیا تھا؟"

"جی سرکار"

"سانپ شہزادے کے بستر میں ڈال دیا تھا؟"

"جی سرکار"

شاباش! اس کا مطلب ہے کہ اب تک شہزادہ ختم ہو چکا ہوگا۔ ہم تمہیں صبح بہت انعام دیں گے۔ اب صرف بادشاہ باقی رہ گیا ہے۔ اسے میں خود سنبھال لوں گا۔ وہ بوڑھا ہو گیا ہے۔ اس کو ٹھکانے لگانا کوئی مشکل نہیں۔ ہاں۔ اس کے علاوہ ایک ناگ بھی ہے۔ اسے بھی کسی نہ کسی طرح ختم کرنا ہوگا۔ وہ بادشاہ کا بہت ہمدرد بنا پھرتا ہے"۔

نوکر نے کہا۔

"حضور جو حکم دیں گے۔ یہ خاکسار اس پر فوری عمل کرے گا۔ اگر

کہیں تو ابھی جا کر ناگ کی گردن بھی کاٹ کر لے آؤں"۔

وزیر بولا۔

"نہیں ابھی اس کی ضرورت نہیں۔ کل یا پرسوں یہ کام کرنا ہوگا۔ آج شہزادے کی موت پر محل میں رسومات ادا ہوں گی۔ اس کے بعد تم ناگ کو اس کے کمرے میں جا کر قتل کر دینا۔ ہم تمہیں اس کا انعام الگ دیں گے"۔

نوکر نے ادب سے کہا۔

"حضور کا اقبال بلند ہو۔ ہم تو آپ ہی کا نمک کھاتے ہیں۔ آپ کے لیے تو ہماری جان بھی حاضر ہے"۔

سانپ یہ ساری باتیں سن رہا تھا۔ اس نے نوکر کو پہچان لیا تھا۔ اسے پوری طرح علم ہو گیا تھا کہ وزیر نے نوکر کے ذریعے اس سے ایک گھناؤنا جرم کروانا چاہا تھا۔ سانپ کو ان دونوں پر بے حد طیش آ رہا

تھا۔ کہ وہ اس کے ہاتھوں ایک بے گناہ شہزادے کو ہلاک کروا رہے تھے۔ سانپ چپکے سے دیوار سے اتر کر نیچے آ گیا۔ وزیر کی اس طرف پشت تھی۔

سانپ نے آگے بڑھ کر چپکے سے وزیر کے ٹخنے پر ڈس دیا۔ سانپ کے دانتوں کی سوئی سی وزیر کے ٹخنے میں چبھی تو اس نے جھک کر نیچے دیکھا۔

"سانپ!"

اس کے منہ سے نکل گیا۔ نوکر بھاگنے لگا۔ سانپ نے لپک کر نوکر کی پنڈلی پر بھی ڈس دیا۔ یہ سانپ وزیر نے خاص طور پر منگوایا تھا اور بڑا زہریلا تھا۔ اس نے دوسرے کے لیے گڑھا کھودا تھا۔

اب وہ خود اس پر گر رہا تھا۔ سانپ کے زہر نے ان دونوں کی حالت خراب کر دی۔ سانپ چپکے سے باہر نکل گیا۔ وزیر اور نوکر کے

جسم کانپنے لگے اور آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ان کی آنکھوں، ہونٹوں، کانوں اور ناک سے خون جاری ہو گیا۔ وزیر تو پاگلوں کی طرح کمرے میں چکر لگانے لگا اور پھر گھبرا کر باہر کو بھاگا مگر دروازے سے ٹھوکر کھا کر گر پڑا اور گرتے ہی اکڑ کر مر گیا۔ یہی حال نوکر کا ہوا۔ وہ بھی فرش پر چکر کھا کر گرا اور گرتے ہی اس کا دم نکل گیا۔

دونوں ظالم اپنے انجام کو پہنچ گئے۔

سانپ وہاں سے سیدھا ناگ کے پاس پہنچا۔ اس نے ناگ کو جا کر یہ خوشخبری سنائی کہ نوکر کے ساتھ وزیر کا کام بھی تمام کر دیا گیا ہے۔ ناگ بے حد خوش ہوا۔ کیونکہ جو کام اس نے خود کام کرنا تھا وہ اسکے بھائی سانپ نے کر دیا تھا۔ ناگ نے سانپ کا شکریہ ادا کیا۔ سانپ نے زمین کے ساتھ گردن لگا کر ناگ کو ادب سے سلام کیا اور

پیچھے کھسکتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

وہیل مچھلی

وزیر کی موت کی خبر بادشاہ کو کر دی گئی۔

بادشاہ بے حد خوش ہوا کہ اس کا سب سے بڑا دشمن جہنم میں چلا گیا۔ ایک ایک کر کے اس کے سارے دشمن اپنے آپ موت کی آغوش میں چلے گئے تھے۔ اب وہ اپنے تمام دشمنوں سے محفوظ ہو گیا تھا۔ اسی روز سارے ملک میں اعلان کر دیا گیا کہ بادشاہ نے اپنے شہزادے کو تخت پر بٹھا دیا ہے۔ دو روز تک تخت نشینی کا جشن ہوتا رہا۔

رعایا نے بڑی خوشی منائی۔ سارے شہر میں لوگوں نے چراغ جلائے۔ جلوس نکالے۔ دعائیں مانگیں۔ بادشاہ نے ناگ کو اپنا وزیر اعظم مقرر کر دیا ناگ یہ عہدہ قبول نہیں کرنا چاہتا تھا مگر وہ بادشاہ اور شہزادے کے بہت ہی مجبور کرنے پر وزیر اعظم بن گیا۔ دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ ابھی اسے اسی شہر میں رہ کر اپنے بھائی عنبر کا انتظار کرنا تھا۔ عنبر کے بغیر وہ اور ماریا اس ملک کو نہیں چھوڑ سکتے تھے۔

ماریا نے ناگ کو مبارک باد دی اور کہا۔

"وزیر اعظم صاحب مبارک ہو۔ آپ تو اب بہت بڑے آدمی بن گئے ہیں۔ دیکھئے اپنی رعایا کا خیال رکھیں۔ ہم بھی آپ کی رعایا ہیں"۔

ناگ بولا

"ماریا بہن! تم میری بڑی نیک دل بہن ہو۔ تم میری رعایا نہیں

ہو۔ اور پھر یہ وزیر اعظم تو میں صرف اسی وقت تک ہوں جب تک عنبر یہاں نہیں آتا۔ جس روز وہ یہاں پہنچ گیا۔ میں یہ عہدہ چھوڑ دوں گا اور ہم تینوں اس ملک سے نکل کر کسی دوسرے ملک کی طرف چل پڑیں گے اس ملک سے اب جی بھر گیا ہے"۔

ماریا کہنے لگی۔

"میرا بھی اس ملک میں اب دل تہیں لگتا۔ اس ملک میں ہم نے زیادہ تکلیفیں اٹھائی ہیں"۔

ناگ نے کہا۔

"ویسے تو ہماری قسمت میں معلوم ہوتا ہے کہ تکلیفیں ہی لکھی ہیں مگر اس ملک میں تکلیفوں نے زیادہ ہمارا استقبال کیا ہے۔ تم پتھر بن گئیں۔ عنبر گم ہو گیا۔ مجھ پر جانے کتنی بار قاتلانہ حملہ ہوا۔ اب تو عنبر بھائی خدا کرے جلدی آ جائے اور ہم یہاں سے بوریا بستر گول

کریں"۔

ماریا نے پوچھا۔

"یہاں سے کدھر جانے کا خیال ہے؟"

"میرا تو ارادہ ہے کہ واپس مصر چل کر باقی زندگی بسر کر دی جائے۔ سیریں کرتے کرتے میں تو تھک گیا ہوں۔ اور پھر سیریں کیا خاک کی ہیں؟ مصیبتیں ہی اٹھائی ہیں آج تک"۔

"ہاں بھائی ناگ! شاید ہی کوئی چھ سات دن ایسے آئے ہوں گے کہ ہم تینوں بھائی بہن کو ایک جگہ مل کر سکون سے بیٹھنا نصیب ہوا ہو"

ناگ نے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا۔

"اب خدا ہمارے بھائی کو خیر خیرت سے ہم تک لے آئے"

"عنبر بھائی ضرور آ جائے گا۔ میرا دل کہتا ہے کہ وہ آ رہا ہے اور بہت جلد آ جائے گا"۔

"تمہاری زبان مبارک ہو بہن"

ان دونوں بھائی بہن کو تو یہاں چھوڑتے ہیں اور اب واپس چل کر عنبر کی خبر لیتے ہیں کہ وہ کس حال میں ہے۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں اور آپ نے پڑھ لیا ہے کہ عنبر ملکہ مصر سلامبو کی لاش سے جدا ہو کر جاپان جانے والے جہاز پر سوار ہو گیا تھا۔

یہ جہاز ایک چھوٹا سا جاپانی جہاز تھا جس کے صرف تین بادبان تھے۔ یہ عام طور پر چھوٹے چھوٹے جزیروں کے درمیان چلا کرتا تھا۔ مگر روپے کے لالچ میں آ کر جہاز کے مالک نے اسے ایک لمبے سفر پر روانہ کر دیا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ راستے میں طوفان جو آیا تو جہاز بری طرح ڈولنے لگا۔ مسافروں میں شور مچ گیا۔ ہر کوئی پریشان ہو کر ادھر ادھر بھاگنے لگا۔ لیکن جہاز کا کپتان بڑا تجربہ کار آدمی تھا۔ اس نے جہاز کو سنبھال لیا اور طوفان میں سے نکال کر لے گیا۔

عنبر کپتان کی تجربہ کاری اور مہارت سے بڑا متاثر ہوا۔ وہ ایک دوپہر کو کپتان سے ملا اور اس نے کپتان کی فرض شناسی بہادری اور تجربہ کاری کی بڑی تعریف کی۔ کپتان مسکراتا رہا۔ پھر کہنے لگا۔

"نوجوان! میری ساری عمر سمندروں میں طوفانوں کا مقابلہ کرتے گزر گئی۔ میں نے اس سے چھوٹے چھوٹے جہازوں میں رہ کر اس سے بڑے بڑے طوفانوں کا مقابلہ کیا ہے۔ لیکن اس جہاز کا مالک بڑا لالچی ہے۔ اس نے مسافروں کو غرق کرانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی"۔

عنبر بولا۔

"ہاں اس میں کوئی شک نہیں کہ اتنے چھوٹے جہاز کو اتنے بڑے سمندری سفر پر نہیں چلانا چاہیے تھا۔ بہر حال آپ کی وجہ سے ہم سبھوں کی جان و مال بچ گئے اس کے لیے ہم آپ کے شکر گزار

ہیں"۔

کپتان نے مسکرا کر پوچھا۔

"میاں تم کہاں جا رہے ہو؟"

"میں جاپان کے شہر کیوشو جا رہا ہوں"

"مگر تم جاپان کے رہنے والے نہیں لگتے"

"جی ہاں۔ آپ نے صحیح اندازہ لگایا۔ میں مصر کا رہنے والا ہوں مگر میرا ایک بھائی کاروبار کے سلسلے میں کیوشو میں ہے۔ میں اس سے ملنے جا رہا ہوں۔

"بہت خوب میرا خیال ہے اگر موسم صاف رہا اور ہوا اسی طرح چلتی رہی تو ہم سات روز کے بعد جاپان کی بندرگاہ پر پہنچ جائیں گے"۔

عنبر نے پوچھا۔

’’راستے میں سمندری ڈاکوؤں کے ملنے کا ڈر تو نہیں؟‘‘

کپتان زور سے ہنسا۔ اس نے عنبر کے کندھے پر ہاتھ مار کر کہا۔

برخوردار! تم نوجوان ہو کر سمندری ڈاکوؤں سے ڈرتے ہو، جب میں تمہاری عمر کا تھا تو ان سمندروں میں کشتی لے کر اکیلا سفر کیا کرتا تھا۔ مجھے تو کبھی سمندری ڈاکوؤں سے ڈر نہیں لگا تھا۔ ایک بار تو سمندری ڈاکوؤں سے مڈبھیڑ بھی ہوگئی۔

عنبر نے پوچھا

’’پھر کیا ہوا؟‘‘

کپتان ہنس کر بولا۔ ’’بس کیا ہونا تھا۔ میں نے مقابلہ کیا اور سارے سمندری ڈاکوؤں کو سمندر میں پھینک کر جہاز پر قبضہ کر لیا۔ وہ جہاز کئی سال تک میرے پاس رہا اور میں اس پر سمندروں میں سیریں کرتا رہا۔ لیکن ایک روز کھلے سمندر میں سفر کرتے ہوئے اسے

طوفان نے آن گھیرا۔ اس پر بجلی گری اور وہ ڈوب گیا۔ میں بڑی مشکل سے جان بچا کر ایک تختے پر بیٹھ گیا۔ اور دس روز کے بعد ایک جزیرے کے ساحل پر جا لگا۔ یہ جزیرہ آدم خور وحشیوں سے بھرا ہوا تھا‘‘۔

عنبر نے پوچھا

’’کیا آدم خور وحشیوں نے آپ کو پکڑا نہیں؟‘‘

کپتان گردن ہلا کر بولا

’’کسی آدم خور میں یہ جرات نہیں کہ مجھے پکڑ کر ہڑپ کر سکے میں خود ایک زمانے میں آدم خور رہ چکا ہوں‘‘۔

’’تو کیا آپ آدمی کھاتے رہے ہیں؟‘‘

’’ارے آدمی کیا میں تو بڑے بڑے ہاتھی بھون کر ثابت کے ثابت کھا جایا کرتا تھا۔ ایک بار جنگل سے گزر رہا تھا کہ راستے میں ایک

پاگل ہاتھی سے سامنا ہو گیا۔ دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھڑے ہو گئے۔ وہ بھی دلیر تھا۔ میں بھی دلیر تھا۔ نہ وہ اپنی جگہ سے ہٹنے کو تیار تھا۔ اس نے سونڈ اٹھا کر چیخ ماری۔ میں نے بھی دونوں ہاتھ اٹھا کر آواز نکالی۔ مگر ہاتھی پیچھے نہ ہٹا۔ آخر میں نے آگے بڑھ کر ہاتھی کو سونڈ سے اٹھایا اور اپنے کندھے پر ڈال کر آگے چل پڑا۔ گھر آ کر میں نے اسی طرح ہاتھی کو بھون ڈالا اور سالم کا سالم ہی ہڑپ کر گیا''۔

عنبر نے مذاق سے کہا۔

''آپ کا منہ تو اتنا بڑا نہیں ہے۔ پھر آپ نے سارا ہاتھی کیسے نگل لیا؟''

کپتان کہنے لگا۔

''برخوردار! میرا کھانا کھانے کا منہ اور ہے اور ہاتھی کو کھانے کا منہ

اور ہے۔ اگر میں تمہیں اپنا وہ منہ دکھا دوں جس سے میں بڑے بڑے ہاتھی اور ویل مچھلی تک کھا جاتا ہوں تو تم خوف کھا کر بے ہوش ہو جاؤ گے۔ کیا میں تمہیں وہ منہ دکھاؤں؟''

عنبر نے کہا۔

''نہیں نہیں کپتان صاحب۔ میں ڈر کر بے ہوش ہونا پسند نہیں کرتا۔ مجھے آپ کی باتوں پر بھروسہ ہے۔ میں آپ پر اعتبار کرتا ہوں''

کپتان زور سے قہقہہ لگا کر ہنسا۔

''اب تمہیں یقین آیا۔ لو سنو۔ ایک بار ایک ویل مچھلی میرے قابو آ گئی۔ میں اکیلا کشتی لے کر سمندر میں آوارہ گردی کر رہا تھا کہ اچانک سامنے ایک بہت بڑی ویل مچھلی نے سر نکال کر مجھے غضبناک نظروں سے دیکھا۔ مجھے بڑا غصہ آیا کہ اس کم بخت کی اتنی جرات ہو

گئی کہ مجھے آنکھیں دکھائے۔ میں اسی وقت کشتی میں سے کود کر پانی میں آ گیا اور ویل مچھلی کو دم سے پکڑ کر کھینچتا ہوا کشتی پر لے آیا۔ ویل مچھلی نے بہت میرے ہاتھ پاؤں جوڑے مگر میں نے اسے معاف نہ کیا۔ بس ساحل پر آگ جلائی اور سالم کی سالم ویل مچھلی کو بھون کر ہڑپ کر گیا"۔

عنبر کپتان کی باتوں سے بہت ہنسا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ کپتان ایک تجربہ کار ملاح ہونے کے ساتھ بڑا باتونی اور پھڑ باز بھی ہے۔ وہ اس کی بچوں جیسی من گھڑت کہانیوں سے لطف اٹھاتا رہا۔ اسے معلوم تھا کہ کپتان جھوٹ بول رہا ہے کیونکہ ویل مچھلی چار منزلہ مکان جتنی بڑی ہوتی ہے۔ اور دنیا کا کوئی آدمی ایسا نہیں پیدا ہوا جو ویل مچھلی کو دم سے پکڑ کر ساحل پر لے جائے اور اسے بھون کر کھا جائے۔ اسی طرح سمندری ڈاکوؤں کا مقابلہ اکیلا آدمی ہرگز نہیں کر سکتا تھا۔ پھر بھی عنبر

کپتان کی باتوں پر ہنستا اور خوش ہوتا رہا۔

چھٹے روز بادبانی جہاز سمندر میں سفر کر رہا تھا کہ وہ سمندر کے نیچے ایک ابھری ہوئی چٹان سے ٹکرا کر دو ٹکڑے ہو گیا۔ جہاز غلطی سے اس طرف آن نکلا تھا۔ جہاز کے دو ٹکڑے ہوتے ہی اس میں پانی بھر گیا اور ڈوبنا شروع ہو گیا۔ مسافر پانی میں گر پڑے۔ ہر طرف ایک قیامت برپا ہو گئی۔ عنبر بڑی مشکل سے لکڑی کے ایک تختے پر سوار ہو گیا۔ کئی مسافر لکڑی کے تختوں پر سوار ہو گئے تھے۔ اور سمندری کی بے رحم لہریں انہیں بہائے لئے جا رہی تھیں۔ عنبر نے دیکھا نہیں مگر اسے یقین تھا کہ کپتان بھی ضرور کسی نہ کسی تختے یا کشتی پر سوار ہو چکا ہو گا۔

عنبر کا تختہ دوسرے مسافروں سے دور ہٹتا چلا گیا۔ اگر اس کے پاس چپو ہوتے تو وہ ان کے ساتھ ساتھ چلتا۔ مگر چپو کسی کے پاس بھی نہیں

تھے۔ جس کی وجہ سے لہریں جدھر کو بہا کر لے گئیں مسافر ادھر ہی کو بہتے چلے گئے۔ کچھ دور تک مسافر عنبر کو نظر آتے رہے۔ آخر وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ عنبر اب سمندر میں اکیلا سفر کر رہا تھا۔ وہ بڑا پریشان تھا کہ اچھا بھلا سفر کرتے کرتے یہ کیا نئی مصیبت پڑ گئی۔ اس وقت شام کا سماں تھا۔ سورج سمندر میں غروب ہو رہا تھا۔ پھر چاروں طرف رات کا اندھیرا چھا گیا۔

آسمان پر ستارے نکل آئے۔ سردی زیادہ ہو گئی۔ عنبر کو تو خیر سردی نہیں لگتی تھی۔ مگر وہ بڑی الجھن میں تھا کہ منزل کی طرف جاتے جاتے خواہ مخواہ بھٹک گیا اب نہ جانے اسے کب تک سمندر میں بے یارومددگار سفر کرنا پڑے گا۔ اس نے سوچا کہ سلامبو کی لاش کو بلا لے۔ پھر اس نے خیال کیا کہ سلامبو کا احسان لینا ٹھیک نہیں۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ یہ سب کچھ کالے علم اور کالے جادو کا کرشمہ ہوتا ہے۔ کالے

جادو میں آدمی جتنا فائدہ اٹھاتا ہے اس سے سو گنا زیادہ انسان کا نقصان ہو جاتا ہے۔ مثلاً کالے علم والے کی کوئی اولاد زندہ نہیں بچتی۔ اگر اولاد نہ ہو تو بہن یا بھائی مر جاتے ہیں۔ عنبر ہرگز نہیں چاہتا تھا کہ وہ کالے جادو والی سلامبو سے مدد مانگ کر زیادہ فائدہ اٹھا لے اور پھر اس کی بہن ماریا یا ناگ پر کوئی آفت ٹوٹ پڑے۔

عنبر سمندر میں اکیلا تختے پر بیٹھا۔ ساری رات سفر کرتا رہا۔ دن چڑھا تو وہ اسی سمندر میں سفر کر رہا تھا۔ اسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ وہ کس طرف جا رہا ہے؟ کہاں جا رہا ہے؟ بہرحال جاپان کی بندرگاہ کی طرف وہ نہیں جا رہا تھا۔ کیونکہ رات کو اس نے ستاروں کا رخ جو دیکھا تو وہ اس رخ کے مخالف تھا جس کے حساب سے جہاز سفر کر رہا تھا۔ بہرحال اب اسے بہادری اور ہمت سے مصیبت کا مقابلہ کرنا تھا۔ عنبر ہمیشہ مصیبتوں کا بہادری سے مقابلہ کرتا آیا تھا۔ اسے مصیبت نے کبھی

پریشان نہیں کیا تھا۔ اگر اسے پریشانی اور افسوس تھا تو صرف یہ کہ وہ اپنے بھائی اور بہن سے زیادہ دور ہو گیا تھا۔ وہ سارا دن بھی عنبر سمندر میں سفر کرتا رہا۔ سمندر کی لہریں پرسکون تھیں۔ سمندر میں کوئی طوفان نہیں تھا۔ دوپہر کے وقت عنبر نے دور سمندر میں ایک پہاڑ سا ابھرتے دیکھا اس کا خیال تھا کہ یہ کسی جزیرے کا ساحل ہے۔ مگر اصل میں یہ ویل مچھلی تھی۔

عنبر ناگ ماریا
موت کا تعاقب (حصہ ۳۳)
مظہر کلیم ایم اے

فہرست :

سنو پیارے بچو!

ناگ کیوشو شہر کا وزیر اعلیٰ بن گیا ہے۔ اس نے ماریا کو بھی ساتھ رکھا ہے۔ وہ عنبر کا انتظار کر رہے ہیں۔ عنبر جہاز کے غرق ہو جانے سے ایک تختے پر بیٹھا سمندر میں سفر کر رہا ہے۔ وہ ملک برما پہنچ جاتا ہے۔ یہاں کا راجہ بدھ مت کے ماننے والوں پر بہت ظلم کرتا ہے۔ ایک خونی بن مانس نمودار ہوتا ہے۔ جو انسانوں کا خون پی کر زندہ رہتا ہے۔

عنبر کا اس خونی بن مانس سے خوفناک مقابلہ ہوتا ہے۔ عنبر بن مانس کو ہلاک کرنے کے بعد وہاں سے واپس ناگ اور ماریا کی تلاش میں روانہ ہوتا ہے۔

ویل کے پیٹ میں

سمندر میں عنبر نے دوسری بار پہاڑ کو ابھرتے دیکھا۔
اس کا خیال تھا کہ یہ کسی غیر آباد جزیرے کا ساحل ہے۔اس قسم کے
جزیرے ان سمندروں میں عام پھیلے ہوئے تھے اور وہ وہاں اس سے
پہلے بھی ایسے جزیروں میں جا چکا تھا۔لکڑی کے تختے پر بیٹھا وہ بڑے
شوق سے ساحل کے پہاڑ کو دیکھ رہا تھا۔لیکن ایک بار جو اس نے
دیکھا تو پہاڑ غائب تھا۔وہ بڑا حیران ہوا کہ پہاڑ کہاں چلا گیا؟ابھی
ایک پل ہوا کہ ایک سیاہ کالا پہاڑ دکھائی دے رہا تھا اور اب کچھ بھی
نظر نہیں آ رہا تھا۔دور تک سمندر ہی سمندر ہے۔وہ یہ سوچ ہی رہا تھا
کہ سمندر کی لہروں پر وہی سیاہ پہاڑ نمودار ہوا۔

پہاڑ قریب آ رہا تھا۔عنبر کانپ گیا۔یہ پہاڑ نہیں بلکہ ایک بہت بڑی
ویل مچھلی تھی۔یہ خوفناک مچھلی سمندر میں ڈبکی لگاتی اور کبھی باہر نکل
آتی۔ایک بار اس نے گہرا سانس چھوڑا تو اس کے سر سے پانی کا ایک
فوارہ سا چھوٹ پڑا۔مصیبت یہ تھی کہ ویل مچھلی کا رخ اسی طرف تھا
جس طرف عنبر تختے پر پڑا بہا چلا آ رہا تھا۔اس میں کوئی شک نہیں کہ عنبر
مر نہیں سکتا تھا۔مگر آخر وہ انسان تھا۔ایک بار تو موت کو سامنے دیکھ کر
وہ کانپ اٹھتا تھا۔اس کے بعد اسے موت کا کوئی خوف نہیں رہتا تھا۔
یہی حالت اس کی پہلی بار ویل مچھلی کو دیکھ ہوئی۔

ویل اس کے قریب آ رہی تھی۔اب عنبر کو کوئی خوف نہیں رہا تھا۔ہاں
اسے یہ ضرور خیال تھا کہ ویل سے مقابلہ ہوگا اور وہ اس کی راہ میں خواہ
مخواہ رکاوٹ ڈالے گی۔عنبر کوشش کرنے لگا کہ وہ ویل مچھلی سے دور
ہٹ جائے۔اس نے ہاتھ پانی میں ڈال کر چپوؤں کی طرح ہلاتے

ہوئے تختے کو دور لے جانا شروع کر دیا۔تختہ تھوڑی دور ہوا اور سمندر کی لہروں نے اسے پھر وہیں لا کھڑا کیا۔اب ویل سمندر میں ڈبکی لگاتی عنبر کے بہت قریب آ گئی تھی۔اگر چہ ویل کی آنکھ چھوٹی ہے لیکن وہ سمندر مین بڑی دور تک دیکھ لیتی ہے۔ویل مچھلی نے بھی عنبر کو دیکھ لیا تھا۔

وہ یہ سمجھ رہی تھی کہ ایک شکاری کشتی میں سوار اس کی طرف بڑھ رہا ہے۔ویل مچھلی نے عنبر پر حملہ کرنے کا پکا ارادہ کر رکھا تھا۔یہی وجہ ہے کہ وہ اس کی طرف طوفان میل کی طرح بڑھتی چلی آ رہی تھی۔عنبر کے پاس بچاؤ کا سوائے اس کے اور کوئی ذریعہ نہیں تھا کہ وہ اس کے راستے سے جس قدر دور ہٹ سکتا ہے ہٹ جائے اس کی وہ سر توڑ کوشش کر رہا تھا۔مگر سمندر کی لہریں اس کی راہ میں رکاوٹ ڈال رہی تھیں۔

دوسرے ویل مچھلی کی رفتار بھی بہت تیز تھی۔آخر وہی ہوا جس کا اسے ڈر تھا۔

ویل نے عنبر کے بالکل سامنے آ کر لکڑی کے تختے کو ٹکر مارنے کی کوشش کی۔وہ اپنے ہی زور میں آگے نکل گئی۔اس کے اچھلنے کی وجہ سے سمندر میں بڑے زور کا طوفان سا اٹھا۔ایک بڑی لہر کی وجہ سے سمندر کے نیچے نیچے سے ہو کر اس کے سامنے آ گئی تھی۔ویل نے ایک بار پھر تختے کو زور سے ٹکر ماری۔تختہ گیند کی طرح اچھل کر عنبر سمیت سمندر میں دور جا گرا۔تختے کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔عنبر سمندر میں گر پڑا۔اس نے پانی مین تیرنا شروع کر دیا۔وہ سمجھ رہا تھا کہ ویل مچھلی سے بچ گیا ہے۔مگر ویل تو عنبر کو ختم کرنے کا پکا ارادہ کر چکی تھی۔وہ عنبر کی طرف منہ کھول کر بڑھی۔

عنبر نے دیکھا کہ ویل دور سے منہ پورے کا پورا کھولے اس کی طرف

چلی آ رہی ہے۔ اس کا منہ ایک کالے غار کی طرح کھلا تھا۔ وہ سانس
اندر کی طرف کھینچ رہی تھی جس کی وجہ سے سمندر کا پانی بڑی تیزی سے
اندر کی طرف جا رہا تھا۔ عنبر نے بڑا بچاؤ کیا مگر وہ پانی کے دھارے
میں بہتا ہوا ویل مچھلی کی طرف جانے لگا۔ آخر وہ پانی کے تیز بہاؤ
کے ساتھ بہتا ہوا ویل کے منہ میں داخل ہو گیا۔

ویل کو پورا کھلا منہ ایک بہت بڑے غار کی مانند تھا جس کی چھت اور
فرش کے کناروں پر سفید دانتوں کی سلاخیں اوپر کو اٹھی ہوئی تھیں۔ عنبر
نے ویل مچھلی کے دانت پکڑ کر وہاں رکنے کی کوشش کی مگر پانی کا بہاؤ
اس قدر تیز تھا وہ رک نہ سکا۔

سمندر کا تیز پانی آبشار کی طرح عنبر کو اپنے ساتھ ویل مچھلی کے پیٹ
میں بہا لے گیا۔ عنبر کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ کسی اندھیرے کنوئیں میں
نیچے اتر رہا ہے یہاں اندھیرا ہی اندھیرا ہے کہیں سے روشنی کی ایک

کرن بھی نہیں آ رہی تھی۔ عنبر ویل مچھلی کی زبان پر سے پھسلتا ہوا اس
کے گلے میں سے ہو کر معدے میں اتر گیا۔ اس کے پاؤں نرم نرم
گدیلے سے ٹکرائے۔ یہ ویل مچھلی کے معدے کا فرش تھا۔ ویل مچھلی
نے عنبر کو ہڑپ کرنے کے بعد منہ بند کر لیا تھا۔ اب اس کے منہ کے
اندر سمندر کا پانی داخل نہیں ہو رہا تھا۔

عنبر کے لیے یہ زندگی کا ایک عجیب و غریب تجربہ تھا اس نے بڑی بڑی
مصیبتیں دیکھی تھیں مگر یہ مصیبت وہ زندگی میں پہلی بار دیکھ رہا تھا۔
ویل مچھلی کے پیٹ میں جا کر عنبر کو محسوس ہوا کہ اس کا سانس رک رہا
ہے۔ عنبر کا سانس اگر بند بھی ہو جاتا تو اسے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا
تھا۔ لیکن سانس رکنے کا شدید احساس اسے ہو رہا تھا۔ اسے تیز قسم کے
تیزاب کی بو اپنے نتھنوں میں گھستی محسوس ہو رہی تھی۔
ویل مچھلی کے پیٹ میں سمندر کا پانی بھرا تھا جس میں مچھلیاں تیر رہی

تھیں۔عنبر اچھی طرح جانتا تھا کہ وہیل اپنی طرف اسے ہڑپ کر کے
ہضم کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔لیکن عنبر ہضم نہیں ہو رہا تھا وہیل مچھلی
اپنے پیٹ میں درد محسوس کرنے لگی۔جس طرح ہمارے معدے میں
کھانا ہضم نہ ہو تو ہم درد محسوس کرنے لگتے ہیں۔

وہیل مچھلی بڑی حیران تھی کہ یہ کیسا آدمی ہے کہ اس کے معدے میں جا
کر ہضم ہونے کو نام تک نہیں لیتا۔اس نے سمندر میں بہت الٹ
پلٹ کیا۔بڑی قلابازیاں لگائیں۔عنبر معدے کے اندر غوطے کھاتا رہا
مگر ہضم ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔وہیل کے پیٹ میں عنبر
کے پڑے رہنے سے درد بڑھ گیا۔وہیل اب کوشش کرنے لگی کہ کسی
طرح جزیرے کے ساحل پر جا کر ریت پر لوٹ پوٹ ہو اور انسان کو
ہضم کرے۔کیوں کہ اب وہ عنبر کو پیٹ سے باہر نہیں نکال سکتی تھی۔

وہیل کو معلوم تھا کہ اندر خشکی کتنی دور اور کہاں ہے چنانچہ وہیل مچھلی نے

اپنے اندازے کے مطابق خشکی کی طرف سفر کرنا شروع کر دیا پیٹ
کے درد نے اسے بدحال کر دیا تھا وہ بجلی ایسی تیزی کے ساتھ خشکی کی
طرف اڑی چلی جا رہی تھی۔اگر عنبر تختے پر سفر کر رہا ہوتا تو کبھی
جزیرے پر نہ پہنچ سکتا۔لیکن وہیل مچھلی اپنی چھٹی حس سے کام لے کر
بالکل ٹھیک سمت میں خشکی کی طرف جا رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد ہی ایک غیر آباد جزیرے کا ساحل دکھائی دینا شروع ہو
گیا۔

اس جزیرے کے ساحل پر ناریل اور تاڑ کے جھنڈ دور تک
چلے گئے تھے۔وہیل مچھلی کا درد کے مارے برا حال ہو رہا تھا۔

وہ بڑی تیزی سے لپکتی ہوئی جزیرے کے ساحل پہنچی اور آتے ہی اس
نے ساحل کی ریت پر لوٹ پوٹ ہونا شروع کر دیا۔

وہیل کے پیٹ میں عنبر نے قلابازیاں کھانا شروع کر دیں مچھلی سمندر

کے اندر کیا کر رہی ہے۔ اسے بالکل معلوم نہیں تھا کہ وہیل مچھلی
جزیرے کی زمین پر پہنچ کر لوٹ پوٹ ہو کر اسے ہضم کرنے کی کوشش
کر رہی ہے۔

وہیل ناکام ہو گئی پیٹ کے درد میں اضافہ ہو گیا۔ عنبر اگر ہضم ہو جاتا تو
وہیل کے پیٹ میں سکون آ جاتا۔ مگر اب یہ ہو رہا تھا کہ عنبر کے پاؤں
اور ہاتھ وہیل کے پیٹ کی دیواروں سے بار بار ٹکرا کر درد کی ٹیسیں پیدا
کر رہے تھے۔ وہیل گھبرا گئی اور درد سے پریشان ہو گئی۔ وہیل کے
پیٹ میں عنبر بھی پریشان ہو گیا۔ اس نے اسی الٹ پھیر میں اپنی جیب
میں ہاتھ ڈال کر دیکھا کہ اس کے پاس کوئی ہتھیار بھی ہے نہیں۔ بہت
جلد اس کا ہاتھ ایک خنجر سے ٹکرایا۔ یہ خنجر عنبر نے کسی خاص اور نازک
موقع کے لیے رکھا ہوا تھا۔

وہ خاص اور نازک موقع آ گیا تھا۔ اس نے خنجر ہاتھ میں تھام کر وہیل

کے پیٹ میں گھونپ دیا۔ وہیل تڑپ اٹھی اور اس نے سمندر میں
چھلانگ لگا دی۔

عنبر نے وہیل کے پیٹ کی دیوار کو ایک طرف سے چیرنا شروع کر
دیا۔ وہ مچھلی کے پیٹ سے کسی نہ کسی طرح باہر نکلنا چاہتا تھا۔
اس نے پوری طاقت لگا کر خنجر کو وہیل کے پیٹ میں دوسری بار گھونپ
کر پیٹ کی دیوار کو اوپر سے نیچے تک چیر ڈالا۔ وہیل کی کھال بڑی مو
ٹی تھی۔ تیسری بار اسی جگہ خنجر مار کر چیرنے کے بعد وہیل کا پیٹ پھٹ
گیا اور سمندر میں اس کے خون کی ندی بہہ نکلی وہ تڑپ کر اوپر کو اٹھ آتی
عنبر اس کے پیٹ کو چیر بیٹھا تھا۔

وہیل کے پیٹ کی دیوار شق ہوتے ہی سمندر کا پانی اندر آنا شروع ہو گیا
عنبر اچھل کر وہیل کے پیٹ سے باہر سمندر میں آ گیا۔ سمندر کی لہروں
نے اسے سمندر کے اوپر لا پھینکا۔ عنبر کا خیال تھا کہ وہ سمندر کے عین

بیچ میں ہوگا مگر جب وہ سمندر کی سطح پر ابھرا تو تھوڑے فاصلے پر زمین کا
ساحل اور ناریل کے درختوں کے جھنڈ دیکھ کر اس کا دل باغ باغ ہو
گیا۔ اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ نہ صرف وہ وہیل مچھلی کی مصیبت
سے چھوٹا' بلکہ سمندر کا سفر بھی ختم ہوا۔

وہ سمندر کی لہروں پر تیرتا ہوا جزیرے کے ساحل پر آ گیا۔

وہ بے حد تھک گیا تھا؛ چنانچہ اس نے ساحل کی ٹھنڈی ٹھنڈی ریت پر
پاؤں پھیلا دیے۔ وہیل مچھلی کے پیٹ میں قلابازیاں کھا کھا کر اس کا
انگ انگ ٹوٹ ٹوٹ رہا تھا۔ اسے ایک دم نیند آ گئی اور وہ سو گیا۔ وہ
کافی دیر تک سوتا رہا۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو سورج مغرب کی طرف
سمندر میں غروب ہو رہا تھا۔

جزیرے پر شام چھا رہی تھی۔ درختوں کے جھنڈوں کے ساتھ رات کا
پہلا اندھیرا پھیلنا شروع ہو گیا تھا۔ عنبر نے سوچا کہ وہ اٹھ کر ناریل

کے درختوں کی سیر بھی کر لے اور یہ بھی معلوم کرے کہ اس جزیرے
میں کون سے لوگ آباد ہیں۔ وہ اٹھ کر تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ سامنے
اسے ایک دلدل نظر آئی۔ وہاں سے زمین بلبلے سے کھا رہی۔ یہ ایک
بے حد خطرناک دلدل تھی جس میں اگر ہاتھی بھی گر جاتا تو باہر نہیں نکل
سکتا تھا۔ عنبر بڑا حیران ہوا کہ اس قسم کے خوب صورت منظر والے
جزیرے میں یہ خوف ناک دلدل کہاں سے آ گئی؟ دلدل عام طور پر
افریقہ کے جنوبی جنگلوں میں اس نے دیکھی تھیں؛ بہر حال اس نے
جزیرے کی سیر کا ارادہ چھوڑ دیا۔

ویسے بھی اب رات سر پر آ گئی تھی۔ جزیرے کے جنگل میں تاریکی بڑھ
رہی تھی۔ اندھیرے میں اسے ڈر تھا کہ خواہ مخواہ کسی دلدل میں نہ پھنس
جائے۔ عنبر واپس سمندر کنارے کی ریت پر آ کر بیٹھ گیا۔ آتی دفعہ وہ
درختوں کے نیچے پڑے کچھ ناریل اٹھا کر ساتھ لیتا آیا تھا۔ ان کو توڑ

کر اس نے پانی پیا اور گودا بڑے مزے سے کھایا۔ ویسے اسے عام انسانوں کی طرح ہی روزمرہ بھوک لگتی تھی۔ لیکن اگر وہ چاہے تو ساری زندگی کچھ کھائے پیے بغیر بسر کر سکتا تھا۔ بھوک اس کے اختیار میں تھی۔ بھوک پیاس اسے عام لوگوں کی طرح تنگ نہیں کرتی تھی۔

رات پڑتے ہی جزیرے میں سردی بڑھ گئی تھی۔ آسمان سے شبنم سی گرنے لگی اور سمندر کی طرف سے آنے والی ہوا بھی ٹھنڈی ہوگئی۔

عنبر نے اِدھر اُدھر سے کچھ خشک جھاڑیاں وغیرہ ایک جگہ جمع کیں اور دو پتھروں کو رگڑ کر ان میں آگ روشن کر دی۔ وہاں ایک آگ کا الاؤ سا لگ گیا۔ آگ کی گرمی نے عنبر کو بڑا سکون دیا۔ وہ بڑے مزے کے ساتھ الاؤ کے پاس ہی ریت پر لیٹ گیا۔ اب اسے سردی تنگ نہیں کرتی تھی۔ اصل میں عنبر کے ساتھ معاملہ یہ تھا کہ اسے بھی عام لوگوں کی طرح بھوک لگتی تھی، سردی لگتی تھی اور پیاس لگتی تھی، نیند آتی تھی۔

لیکن اس کے باوجود وہ ہر شے کے بغیر گزارہ کر سکتا تھا۔ ریت پر آگ کی ہلکی گرمائش نے عنبر پر غنودگی طاری کر دی۔ دیکھتے دیکھتے وہ گہری نیند سو گیا۔

رات آدھی گزر گئی تھی۔ سمندر کی لہریں بڑے سکون کے ساتھ ساحل کی ریت کا منہ دھلا کر واپس چلی جاتی تھیں۔ آسمان پر بیشمار ستارے چاندی کے زیوروں کی طرح چمک رہے تھے۔ سوائے سمندر کے شور کے وہاں کوئی آواز نہیں تھی۔ جزیرے کی طرف تو بے حد گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ کسی پرندے کے بولنے کی بھی آواز نہیں آ رہی تھی۔

عنبر بے خبر ہو کر ریت پر سو رہا تھا۔ وہ بے حد تھکا ہوا تھا۔ سمندر میں تختے پر تیرتے ہوئے اس نے ایک رات بھی آنکھ جھپک کر نہ دیکھی تھی پھر وہیل مچھلی کے پیٹ میں جا کر اسے بہت محنت کرنی پڑی تھی۔ وہ گہری نیند میں تھا اور اس کے خراٹوں کی ہلکی ہلکی آواز پیدا ہو رہی تھی۔

ٹھیک اس وقت جزیرے کے جنگل میں سے دو لمبی تڑنگی عورتیں
جھاڑیوں کو ادھر ادھر ہٹاتی باہر نکلیں۔ انہوں نے کاندھوں پر تیر کمان
لٹکا رکھتے تھے۔ ان کے جسم شیر کی کھال سے لپٹے ہوئے تھے۔ بال
لمبے لمبے تھے اور کھلے تھے۔ دونوں عورتیں جزیرے کی دیکھ بھال کو
باہر نکلی تھیں۔ انہوں نے ساحل کر ساتھ ساتھ سیر کرتے ہوئے جب
سمندر کر کنارے ایک جگہ دھیمی دھیمی آگ روشن دیکھی تو وہیں کھڑی
کی کھڑی رہ گئیں۔

ان کے کبھی وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا کہ جزیرے میں کوئی
غیر آدمی بھی آئے گا۔ قریب آ کر انہوں نے عنبر کو گہری نیند سوئے
ہوئے دیکھا تو حیرت سے ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

ایک نے دوسری کو اشارے سے کہا:

‘‘یہ کون ہو سکتا ہے؟’’

دوسری نے کہا:

‘‘میرا خیال ہے کسی تباہ شدہ جہاز کا مسافر ہے۔’’

‘‘اسے بے ہوش کر کے لے چلو۔’’

‘‘ٹھیک ہے۔ اسے ہماری ملکہ غلام بنائے گی۔ وہ بڑی خوش ہوگی۔
اس کا رنگ بھی سفیدی مائل ہے۔ چاندرات کو شاید ملکہ اس کی قربانی
دیوتاؤں کے آگے پیش کرے۔ کیونکہ بزرگوں سے سنا ہے کہ سفید
فام کی قربانی سے بزرگوں کی روح بہت خوش ہوتی ہے۔’’

‘‘ٹھیک کہہ رہی ہو۔ سوم رس مجھے دو۔’’

عورت نے سوم رس کے دو قطرے ہاتھ پر مل کر اپنا ہاتھ عنبر کی ناک
کے آگے کر دیا۔ پہلا سانس لیتے ہی عنبر بے ہوش چکا تھا۔ دونوں
عورتوں نے عنبر کو شکار کیے ہوئے ہرن کی طرح کندھوں پر ڈالا اور
اسے لے کر جنگل میں غائب ہو گئیں۔ یہ جنگل جزیرے کے وسط میں

جا کر ایک کھلی ہوئی جگہ پہنچتا تھا۔ جہاں درختوں کے اوپر بانس کی چھتوں والی جھونپڑیاں بنی ہوئی تھیں۔ ان جھونپڑیوں کے ساتھ رسی کی سیڑھیاں لٹک رہی تھیں۔ جھونپڑی میں جانے کے لیے رسیوں کی سیڑھیاں چڑھ کر جانا پڑتا تھا۔ ایک طرف ایک بہت ہی گنجان درخت کے اوپر بڑی ہی خوب صورت جھونپڑی بنی ہوئی تھی۔ اس جھونپڑی کی چھت سرخ چھال کی تھی اور بانس کی دیواروں پر جنگلی پھولوں کی بیلیں چڑھائی ہوئی تھیں۔ یہ بڑی ہی خوب صورت جھونپڑی تھی۔ یہ اس قبیلے کی ملکہ کی جھونپڑی تھی۔

یہ قبیلہ عورتوں کا ایک قبیلہ تھا جہاں مردوں کو داخل ہونے کی اجازت نہیں تھی۔ اگر کسی عورت کے ہاں لڑکا پیدا ہوتا تو اسے اسی وقت سمندر میں بہا دیا جاتا تھا۔ ملکہ کے حکم سے سال میں ایک بار عورتوں کی شادی ہوتی تھی۔ ان کے خاوند ایک مہینہ جھونپڑیوں میں رہنے کے

بعد وہاں سے چلے جاتے تھے۔ جزیرے کے مغربی کنارے پر یہ آدمی کھیتی باڑی کر کے مچھلیاں پکڑ کر گزارہ کرتے تھے۔

ان آدمیوں کو ہرگز ہرگز اجازت نہیں تھی کہ وہ عورتوں کی سلطنت میں ان کی اجازت کے بغیر قدم رکھیں۔

یہ ساری کی ساری عورتیں چھ چھ سات سات فٹ کی اونچی لمبی اور جوان عورتیں تھیں۔ یہ بڑی جنگ کرنے والی بہادر عورتیں تھیں۔ جنگل میں اکیلے تیر کمان سے شیر کے بالکل سامنے کھڑے ہو کر اس کا شکار کرتی تھیں۔ جنگلی ریچھ کی گردن ایک مکہ مار توڑ دیتی تھیں۔ چھوٹے موٹے درخت کو ذرا سا زور لگا کر جڑ سے اکھاڑ پھینکتی تھیں۔

اس قبیلے کی مہارانی کا نام فولانی تھا۔ فولانی کا قد چھ فٹ سے زیادہ تھا۔ دو خادمائیں اس کے پیچھے کھڑی اسے مور کے پروں کا پنکھا جھل رہی تھیں۔ ملکہ فولانی نے نیچے جھانک کر دیکھا اور پوچھا:

"تم کس لیے یہاں آئی ہو؟ بیان کرو۔"

ناچتے ہوئے عورت نے رک کر ہاتھ جوڑے سر کو جھکایا اور کہا:

"مہارانی صاحبہ! آپ کو ایک خوش خبری سنانے کے لیے آئی ہوں۔"

"خوش خبری؟" ملکہ نے خوش ہو کر پوچھا۔ "جلدی بیان کرو کہ خوش خبری کون سی ہے؟"

ناچنے والی عورت نے ہاتھ جوڑ کر عرض کی:

"مہارانی صاحبہ! آپ کو مبارک ہو جزیرے کے مشرق ساحل کی طرف رات کو گشت کر رہی تھیں کہ ہمیں وہاں سفید فام آدمی مل گیا۔"

مہارانی خوشی سے اچھل پڑی:

"کیا تم سچ کہہ رہی ہو؟"

"ہاں ملکہ سلامت میں سچ کہہ رہی ہوں۔ اگر آپ کو یقین نہ آئے تو ہمارے ساتھ ہماری جھونپڑی میں تشریف لے چلیں اور اپنی آنکھوں

سے ایک خوش شکل سفید نو جوان کو بے ہوش دیکھ لیں۔"

مہارانی نے کہا:

"شاباش" پھر تالی بجا کر کہا: "ان دونوں کو ہیرے جواہرات کے ہار دیے جائیں۔ سنو! تم دونوں ابھی یہاں سے اپنی جھونپڑی میں جاؤ اور جا کر اس سفید فام نو جوان کو لے محل میں پیش کرو۔"

"جو حکم ملکہ صاحبہ۔"

دونوں عورتیں سر جھکا کر واپس اپنی جھونپڑی کی طرف روانہ ہو گئیں۔

اب ذرا عنبر کا بھی حال سنیں:

دن چڑھا تو عنبر کو ہوش آ گیا۔ اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا کہ وہ ایک بانس کی چھت والی جھونپڑی میں ایک جگہ رسیوں سے جکڑا پڑا ہے۔

بڑا حیران ہوا کہ یا خدا یا ماجرا کیا ہے۔ کہیں وہ خواب تو نہیں دیکھ رہا؟

اس نے نظریں گھما کر چاروں طرف دیکھا۔ جھونپڑے کی کھڑکی کھلی
تھی جس میں سے درخت کی شاخیں اندر آ رہی تھیں۔ وہ سمجھ گیا کہ
جھونپڑی زمین سے کافی اونچی ہے؛ ورنہ درخت کی شاخیں اندر نہیں
آ سکتی تھیں۔

مگر سوال یہ تھا کہ اسے وہاں کون لے آیا ہے۔ اسے رسیوں سے کس
نے باندھا ہے؟ کیا وہ آدم خور وحشیوں کے قبضے میں آ گیا ہے؟ کیا
اسے بے ہوش کر دیا گیا تھا۔؟ کیونکہ اگر وہ نیند کے عالم میں ہوتا تو
ضرور اس کی جاگ کھل جاتی۔ پھر اس کی نظر چھت کے ساتھ لٹکتے
ہوئے دو انسانوں کے سروں پر پڑی۔ یہ دشمنوں کے سر تھے جنہیں
سکھا دیا گیا تھا۔ عنبر سمجھ گیا کہ وہ اس جنگل کے کسی وحشی قبیلے کی
جھونپڑی میں بند ہے اور اسے بے ہوش کر کے یہاں کسی خاص مقصد
کے لیے لایا گیا ہے۔ اس کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں بانس کے

ایک ستون کے ساتھ کس کر باندھ دیے گئے تھے۔

اس نے رسی تڑانے کی کوشش کی مگر کم بختوں نے اتنی سختی سے اسے رسی
سے کس کر باندھا تھا کہ ہزار کوشش کے باوجود رسی کی ایک بھی گانٹھ نہ
کھول سکا۔ عنبر نے کوشش چھوڑ دی اور یہ سوچ کر چپ ہو رہا کہ دیکھنا
چاہیے۔ اس کے ساتھ آدم خور وحشی کیا سلوک کرتے ہیں۔ اسے پورا
پورا یقین تھا کہ وہ جنگل کے آدم خوروں کے قبضے میں آ چکا ہے۔ یہ تو
اس کے خیال و خواب میں بھی نہیں تھا۔ کہ اسے فولانی قبیلے کی آدم
دشمن عورتوں نے اپنے جال میں پھنسا لیا ہے۔

اتنے میں جھونپڑی کا دروازہ کھلا۔ عنبر نے دیکھا کہ دو لمبی چوڑی
عورتیں کندھوں پر تیر کمان لٹکائے۔ جسم کے گرد شیروں کی کھال
لپیٹے اندر آ کر اس کے سر کے اوپر کھڑی ہو گئیں۔ دونوں بڑی گہری
نظروں سے عنبر کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

ایک نے دوسری سے کہا:

”اسے بے ہوش کر کے لے جایا جانا چاہیے۔“

دوسری بولی:

”یہ ہمارے لیے بڑے شرم کی بات ہے کہ ہم ایک معمولی سے مرد سے گھبرا جائیں اور اسے بھی اپنے قابو میں نہ کر سکیں“

پہلی بولی:

”تم نے بالکل ٹھیک کہا ہے۔ ہم اسے بے ہوش نہیں کریں گی۔ صرف گلے میں رسی ڈال کر اسے گھسیٹ کر ملکہ فولانی کے دربار میں لے چلیں گی۔“

دوسری نے کہا:

”اگر اس نے بھاگنے کی کوشش کی تو تیر مار کر اس کا سارا بدن چھلنی کر دیا جائے گا“

”ٹھیک ہے چلو۔“

عنبر ان دونوں کی باتیں سمجھ رہا تھا؛ حالانکہ یہ ایک زبردست پرانی زبان تھی اور سوائے ان لوگوں کے اور کوئی ان کی زبان نہیں سمجھ سکتا تھا۔

دونوں عورتوں کو بھی یقین تھا کہ عنبر ان کی زبان سے ناواقف ہے۔ اسی لیے وہ آپس میں بڑی کھل کر باتیں کر رہی تھیں۔ عنبر نے پہلے تو خیال کیا کہ اپنی خاص قوت سے کام لے کر رسی توڑ کر آزاد ہو جائے۔ مگر پھر اس نے سوچا کہ آزاد ہو کر وہ کہاں جائے گا؟ جزیرے میں چل پڑے؟ اس لیے بہتر یہی ہے کہ چل کر دیکھے کہ ملکہ فولانی کون ہے؟ اسے کس لیے پکڑ کر لایا گیا ہے؟ اسے کہاں لے جایا جا رہا ہے اور یہ کیسا قبیلہ ہے جہاں سوائے عورتوں کے ایک بھی مرد دکھائی نہیں دے رہا۔

چنانچہ اس نے عورتوں کو اجازت دے دی کہ وہ اس کی رسیاں کاٹ کر
اسے اپنے مضبوط بازوؤں میں لے چل پڑیں۔
وہ بھیگی بلی اور کمزور بنا دونوں عورتوں کے ساتھ ساتھ چلا جا رہا تھا۔
اس جزیرے میں ایک بات اس نے خاص طور پر دیکھی کہ یہاں
جنگل بہت ہی گھنا تھا دن کو بھی وہاں رات کا اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔
آخر خدا خدا کر کے جنگل کا گھنا پن ختم ہوا اور ایک میدان سا آ گیا۔
اس میدان میں گھاس اگی ہوئی تھی جسے شاید لمبی لمبی تلواروں سے
بڑے اچھے طریقے سے کاٹ دیا گیا تھا۔ یہاں ایک اور چیز دیکھ کر عنبر
بڑا حیران ہوا چاروں طرف درختوں میں جھونپڑے بنے ہوئے تھے
ان میں سے کچھ جھونپڑوں کی رسی کی سڑھیاں نیچے لٹک رہی تھیں اور
کچھ سیڑھیاں لپیٹ کر اوپر کھینچ لی گئی تھیں۔ اس قسم کی جھونپڑیاں عنبر
نے کسی زمانے میں جنوبی افریقہ کے گھنے جنگلوں میں سیر و سیاحت کر

تے ہوئے ایک آدم خور قبیلے کی دیکھی تھیں ....
اچانک اسے خیال آیا کہ کہیں یہ قبیلہ بھی تو آدمخوروں کا نہیں ہے۔
اب تو جو کچھ ہونے والا تھا۔ اسے برداشت کرنا ہی تھا۔ دوسری عجیب
بات عنبر نے دیکھی کہ راستے میں اسے تمام کی تمام عورتیں ہی ملی تھیں
کوئی مرد یا بچہ کسی جگہ بھی دکھائی نہ دیا تھا۔
تمام عورتوں نے اپنے جسم کر گرد شیر کی کھال لپیٹ رکھی تھی۔ کندھوں
پر تیر کمان لٹکائے ہوئے تھے اور سب کی سب اونچی لمبی اور کڑیل
جوان تھیں۔
عنبر بڑا حیران ہوا کہ یا خدا یہ کس قسم کا قبیلہ ہے کہ یہاں کوئی بھی مرد
نہیں اور جس عورت کو دیکھو چھ فٹ کی ہے۔ یہاں کے مرد کہاں چلے
گئے ہیں؟ وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ دونوں عورتوں نے اسے ایک
درخت کے نیچے لا کھڑا کر دیا۔ اس کے دونوں ہاتھ پیٹھ پر بندھے

ہوئے تھے۔

عنبر نے دیکھا کہ درخت کے اوپر جو جھونپڑی بنی ہوئی تھی وہ بہت خوب صورت تھی۔ اس کی چھت سرخ تھی اور دیواریں جنگلی پھولوں سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ عنبر سمجھ گیا کہ یہ ضرور اس قبیلے کی ملکہ وغیرہ کی جھونپڑی ہے۔

دونوں عورتوں نے ایک بار پھر تالی بجا کر رقص کرنا اور ملکہ کی تعریف میں گیت گانا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد ملکہ کھڑکی میں آئی۔ عنبر اس عرصے میں زمین پر چپ چاپ کھڑا رہا۔ پھر اس نے دیکھا کہ ایک سیاہ بالوں، سرخ آنکھوں اور کالے رنگ والی ہٹی کٹی عورت کھڑکی میں آ کر اسے بڑے شوق سے تکنے لگی ہے۔ یہ مہارانی فولانی تھی۔

مہارانی کو سامنے دیکھ کر دونوں عورتیں جھک گئیں۔ انہوں نے عنبر کو بھی جھکنے کا کہا لیکن وہ تن کر کھڑا ہو گیا۔ ملکہ کے چہرے پر غصہ آ گیا

مگر وہ خاموش رہی۔ خادماؤں نے محل کے ساتھ ایک بڑی ہی خوب صورت رنگ دار سیڑھی لٹکا دی۔ ملکہ فولانی نے بھی شیر کی کھال اپنے جسم پر لپیٹ رکھی تھی۔ فرق صرف یہ تھا۔ کہ اس کے سر پر گھونگھوں کا تاج تھا۔ عنبر کے قریب آ کر اس نے بڑے غور سے عنبر کی طرف دیکھا۔ اس کا قد عنبر سے بھی اونچا تھا۔ اسے سر سے پاؤں تک دیکھنے کے بعد اس نے اپنی زبان میں عورتوں سے کہا:

"اسے لے جا کر مندر کے جھونپڑے میں بند کر دو۔ تم نے ہمارے دیوتاؤں کی خوشی کے لیے بڑا اچھا شکار تلاش کیا ہے میں تمہیں انعام دوں گی۔ یہ شخص مجھے کسی اچھے ملک کا رہنے والا لگتا ہے۔ مگر یہ ہماری زبان نہیں سمجھ سکتا اس لیے اس سے پوچھنا بے کار ہو گا۔ اس سے اشاروں اشاروں میں پوچھو کہ یہ کہاں سے آیا ہے؟"

عنبر اپنی خاص خفیہ طاقت کے ذریعے سے ملکہ فولانی کے قبیلے کی ساری

زبان سمجھ رہا تھا۔ مگر وہ ان پر یہی ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ وہ ان کی زبان سے ناواقف ہے؛ چناں چہ جب دونوں عورتوں میں سے ایک نے اشاروں ہی اشاروں میں اس سے پوچھا کہ وہ کہاں سے آ رہا ہے۔ تو اس نے بھی اشاروں ہی اشاروں سے انہیں بتایا کہ وہ سمندر پار سے آ رہا ہے۔ وہ سمندر میں سفر کر رہا تھا کہ طوفان میں ان کا جہاز غرق ہو گیا اور وہ تختے پر بیٹھ کر اس جزیرے پر آ نکلا۔

دونوں عورتوں نے عنبر کے اشاروں کو ٹھیک سمجھ لیا تھا۔ اس کا اندازہ عنبر کو اس وقت ہوا۔ جب عورتوں نے اپنی زبان میں ملکہ کو بتایا کہ یہ شخص سمندر پار سے آ رہا ہے۔ یہ جس جہاز پر سوار تھا اسے طوفان نے آن گھیرا۔ جہاز سمندر میں غرق ہو گیا اور یہ ایک تختے پر بیٹھ کر بڑی مشکل سے جان بچا کر اس جزیرے پر پہنچا ہے۔

ملکہ فولانی نے کہا:

”اسے خود دیوتاؤں نے اپنی قربانی کے لیے چن لیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو یہ شخص کبھی جان بچا کر اس جزیرے پر نہ آتا۔

بس یہ ایک نیک شگون ہے۔ دیوتا ہم سے خوش ہیں اور اس کی قربانی کے بعد وہ اور بھی ہم سے خوش ہوں گے۔ پھر ہمارے کھیتوں میں پہلے سے زیادہ اناج اُگے گا اور ہمارے جال مچھلیوں سے بھر کر سمندر سے نکلیں گے۔“

عورت بولی:

”ملکہ سلامت رہیں دیوتا ہم پر مہربان ہیں۔ آپ کے حکم پر عمل کرتے ہوئے ہم اسے مندر والی جھونپڑی میں بند کیے دیتی ہیں۔“

ملکہ نے کہا:

”اور ہاں اس بات کا خیال رکھنا کہ کہیں یہ بھاگ نہ جائے۔ اس کے گلے میں لوہے کی زنجیر ڈال کر اسے باندھے رکھنا۔ مگر کھانے کو اعلیٰ

سے اعلیٰ خوراک دینا اور گیت گانے والی کو کہنا کہ ہر روز اس کے پاس
جا کر ہمارے دیوتاؤں کی تعریف میں گیت گائے۔ تاکہ وہ ہم پر
مہربان رہیں۔"

عورت بولی:

"ایسا ہی ہوگا ملکہ سلامت۔"

یہ کہہ کر دونوں نے عنبر کو ساتھ لیا اور جنگل میں ایک جگہ پہنچ کر اسے
جھونپڑے میں بند کر دیا۔ یہ جھونپڑا بڑے مضبوط بانسوں کے ساتھ
بنایا گیا تھا۔ جھونپڑی کی دیوار کے ساتھ لکڑی کے ایک دیوتا کا بت
رکھا تھا۔ اس بت کی زبان باہر کو لٹک رہی تھی۔

عورتوں نے عنبر کے گلے میں لوہے کا کڑا ڈال کر زنجیر کو بانس کے
ستون سے باندھ دیا تھا۔ عنبر نے اسے کھینچ کر دیکھا۔ سچ مچ بڑی
مضبوط زنجیر تھی۔ اس کی جگہ اگر کوئی اور پھنس گیا ہوتا تو وہ ساری عمر

وہاں سے نہیں نکل سکتا تھا۔

عنبر تو خیر خود ہی وہاں سے نکلنا نہیں چاہتا تھا۔ مار تو اسے کوئی بھی نہیں
سکتا۔ خواہ اس قبیلے کے سارے دیوتا ایک جگہ جمع ہو کر اس پر حملہ کر
دیتے تو وہ پھر بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے۔

وہ اس وقت جزیرے میں ہی رہنا چاہتا تھا جب تک کہ کوئی جہاز ادھر
نہیں آتا یا وہاں سے کسی کشتی وغیرہ کا بندوبست نہیں ہو جاتا تھا اور یہ
کام اس وقت تک نہیں ہو سکتا تھا جب تک کہ قبیلے کی عورتیں اس کا لوہا
نہیں مان لیتیں۔

شکنتلا کی کہانی

اپنی پوشیدہ طاقت دکھانے کے لئے عنبر انتظار کر رہا تھا۔

اسے یہ تو معلوم ہو گیا تھا کہ سیاہ فام عورت قبیلے کی مہارانی ہے اور عنبر کو دیوتاؤں پر قربان کرنے کے لیے رکھا جا رہا ہے۔ اب وہ قربانی کے دن ہی ان تمام قبیلے کی عورتوں کو بتا سکتا تھا کہ وہ ان سب سے ان کے دیوتاؤں سے بھی بڑا اور طاقت ور آدمی ہے۔

خدا جانے قربانی کا دن کب آنے والا تھا۔ عنبر کے گلے میں زنجیر ڈال کر اسے جھونپڑے کے ستون سے باندھ دیا گیا تھا۔ زنجیر اتنی لمبی تھی کہ وہ جھونپڑے میں آسانی سے چل سکتا تھا۔

اسے بڑی اعلٰی خوراک کھلائی جاتی تھی۔ صبح منہ اندھیرے اسے

انناس اور ناریل کے قتلے کھانے کو دیے جاتے۔ دوپہر کو بھنی ہوئی بہترین مچھلی اسے دی جاتی۔ تیسرے پہر پھل پیش کیے جاتے۔ ان پھلوں میں لذیذ انناس، میٹھے خوشبودار کیلے اور آم بھی شامل ہوتے عنبر حیران تھا کہ اس قدر پھلدار درختوں سے بھرا ہوا جزیرہ ابھی تک بے آباد کیوں پڑا ہے۔

اس جزیرے پر صرف اسی قبیلے کی حکمرانی تھی۔ عنبر نے اندازہ کر لیا تھا کہ جزیرے میں اور کوئی آبادی نہیں ہے۔ ملکہ کی طرف سے عنبر کے سامنے بیٹھ کر دیوتاؤں کے بھجن گانے والی صبح شام آتی اور عنبر کے سامنے جھک کر سلام کرتی۔ پھر وہ دوزانو ہو کر زمین پر بچھی ہوئی ہرن کی کھال پر بیٹھ جاتی اور آنکھیں بند کر کے دیوتاؤں کی تعریف میں گیت گانا شروع کر دیتی۔ وہ خیال کرتی کہ عنبر اس کی زبان نہیں سمجھتا ہے۔

چنانچہ وہ کچھ اور ہی گیت گایا کرتی۔ ان گیتوں میں دیوتاؤں کی
تعریف تو نہ ہوتی؛ البتہ کسی دور دراز کے ملک کی تعریف ہوتی جو شاید
اس گانے والی عورت کا وطن تھا۔

عنبر کا ماتھا ٹھنکا کہ اس کے دل میں کچھ کالا کالا ضرور ہے۔ آخر کیا وجہ
ہے کہ یہ عورت وہاں دیاتاؤں کی تعریف میں گیت گانے کی بجائے
اپنے وطن کے گیت گاتی ہے اس سے معلوم کرنا چاہیے کہ وہ کون ہے
اور یہاں جزیرے میں بیٹھ کر اپنے دور دراز کے وطن کے گیت کیوں
گاتی ہے؟

اس عورت کا رنگ بھی سیاہ نہیں تھا بلکہ گندمی تھا۔

ایک شام کو گانے والی جھونپڑے میں آئی۔

اس نے جھک کر عنبر کو سلام کیا اور دوزانو ہو کر ہرن کی کھال پر بیٹھ گئی
اور بڑی پر درد آواز میں اپنے وطن کا گیت گانا شروع کر دیا عنبر اسی

وقت کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے عوررت کو
روک دیا۔

"ٹھہرو۔"

عورت رک گئی۔ اس نے گانا بند کر دیا۔ عورت کو یقین تھا کہ عنبر ان کی
زبان ہی نہیں سمجھ سکتا؛ چنانچہ اس نے شارے سے پوچھا کہ کیا بات
ہے۔ اس نے گانا کیوں بند کرا دیا۔ عنبر نے صاف ہی پوچھ لیا:
یہ بتاؤ کہ تم دیوتاؤں کے گیت گانے کے بجائے اپنے وطن کے
دردناک گیت کیوں گاتی ہو؟

گانے والی عورت کا تو رنگ سفید پڑ گیا۔ پہلے تو وہ اس بات پر
خوف زدہ ہو گئی کہ عنبر کو پتہ چل گیا ہے کہ وہ دیوتا کی تعریف میں نہیں
بلکہ اپنے وطن کی تعریف میں گیت گاتی ہے۔ اگر اس نے ملکہ کو یہ
بات بتا دی تو وہ اسے زندہ بھون کر کتوں کے آگے ڈال دے گی۔

گانے والی نے کانپتے ہوئے عنبر سے پوچھا:

"کیا تم ہماری زبان سمجھ لیتے ہو؟"

عنبر نے ان ہی کی زبان میں جواب دیا:

"اگر تمہاری زبان نہ سمجھ لیتا تو تمہیں یہ کیوں کہتا کہ تم دیوتاؤں کی
تعریف کی جگہ اپنے وطن کے گیت گا رہی ہو۔"

گانے والی عورت بولی:

"میں تمہارے پاؤں پڑتی ہوں۔ بھگوان کے لیے ملکہ فولانی کو نہ بتانا
کہ میں یہاں بیٹھ کر اپنے وطن کے گیت گاتی تھی اور دیوتاؤں کی بے
عزتی کرتی تھی۔"

عنبر نے کہا:

"نہیں بتاؤں گا مگر تم کون ہو اور یہاں کیسے آ گئی ہو؟"

عورت بولی:

"یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ پھر کسی وقت سناؤں گی۔ ویسے تم مجھے شکنتلا
کے نام سے پکار سکتے ہو۔"

عنبر نے پوچھا:

"کیا تم ہندوستان کی رہنے والی ہو؟"

عورت نے جواب دیا:

"ہاں میں ہندوستان کی رہنے والی ہوں"

عنبر نے پوچھا:

"اور یہاں کیسے آ گئیں؟"

شکنتلا نے کہا:

"یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ اگر کسی نے سن لی تو تمہارے ساتھ مجھے بھی
ٹھکانے لگا دیا جائے گا۔ لیکن یہ بتاؤ کہ تم ابھی کل اس جزیرے پر
آئے ہو تم نے ہماری زبان کہاں سے سیکھ لی؟"

عنبر نے کہا:

"یہ میرا ذاتی معاملہ ہے تم اسے چھوڑو تم یہ بتاؤ کہ تم کب سے اس جزیرے میں ہو؟ اور کہاں سے آئی ہو؟"

شگفتا نے کہا:

"اگر تم میری کہانی سننا ہی چاہتے ہو تو لو سنو۔ میں ملک ہندوستان کے ایک شہزادے راج کمار کی بیوی ہوں۔ ہماری ریاست کوہ ہمالیہ کے دامن میں دریائے پھلگو کے کنارے پر ہے میں اپنے راجکمار کے محل میں بڑے سکون سے زندگی بسر کر رہی تھی کہ ایک روز ہمارے محل میں تاجر آیا۔ اس نے راج کمار کو اور مجھے بڑے قیمتی ہیرے جواہرات دکھائے۔ اس نے بتایا کہ وہ ملک یمن سے آیا ہے۔ ہمیں ہیرے جواہرت بہت پسند آئے۔ اس بد بخت تاجر کو میں پسند آ گئی تھی اس نے مجھے وہاں سے اغوا کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ہم نے اس کے

سارے ہیرے جواہرات خرید لیے۔ وہ شاہی محل کے عقب میں شاہی سرائے میں اترا ہوا تھا۔ وہاں اس کے دوسرے ساتھی بھی تھے ایک روز اس نے میری اور میرے خاوند راجکمار کی دعوت کی۔ یہ دعوت اس نے سرائے میں اپنے کمرے میں کی مجھے کیا خبر تھی کہ رات میری بدقسمتی کی رات ہو گی میں اپنے راج کمار کے ساتھ بڑے شان دار قیمتی کپڑے پہن کر تاجر کی دعوت میں گئی۔ تاجر نے ہمارا بڑا زبردست استقبال کیا۔ خود باہر ہمیں لینے آیا۔ ہمارے راستے میں اس کے نوکروں نے پھول برسائے وہ جھک جھک کر ہمیں سلام کرتا ہمیں کمرے میں لے گیا۔ دعوت کا زبردست انتظام کیا گیا تھا۔ دنیا جہان کی نعمتیں وہاں رکھی ہوئی تھیں۔ تاجر کے نوکر بڑی چابک دستی سے کام کر رہے تھے۔ وہ ہمارے آگے پیچھے بچھے جاتے تھے۔ ہمارے ذرا سے اشارے پر وہ لپک کر آتے اور ہمیں جس شے کی

ضرورت ہوتی ہمارے سامنے پیش کر دیتے۔ میرا خاوند راج کمار تاجر
کے اخلاق اور مہمان نوازی سے بڑا خوش ہو رہا تھا۔

رات گہری ہوگئی تو میرے خاوند نے اجازت مانگی۔ تاجر نے ادب
سے جھک کر کہا کہ راجکمار جی' اگر اجازت ہو تو میں آپ کی خدمت
میں ملک کشمیر کا خاص قہوہ پیش کرنا چاہتا ہوں قہوہ ایسا ہے جس میں
زعفران ڈالا جاتا ہے اور کھانے کو بہت جلد ہضم کر دیتا ہے۔ راجکمار
کی اور میری بدنصیبی کہ ہم وہاں قہوہ پینے کے لیے ٹھہر گئے۔

تاجر بڑا خوش ہوا جلدی سے اس کے نوکر چاندی کی صراحی اور چاندی
کے پیالے آئے۔ صراحی کشمیری قہوے سے بھری ہوئی تھی۔ لیکن
اصل میں قہوے میں بے ہوش کر دینے والی دوائی ملائی ہوئی تھی۔ ہم
دونوں اس خطرناک سازش سے بے خبر تھے۔ ہمارے آگے سونے
کے طشت میں قہوے سے بھری ہوئی چاندی کی پیالیاں پیش کی

گئیں۔ ہم دونوں نے پیالیاں پکڑ لیں اور ایک ایک گھونٹ قہوہ پینا
شروع کر دیا کم بخت وہ تاجر بھی ہمارے ساتھ ہی قہوہ پی رہا تھا۔ مگر
صاف ظاہر تھا کہ اس کے قہوے میں بے ہوش کر دینے والی دوائی
نہیں تھی۔

قہوے کے تین گھونٹ پیتے ہی ہمارے سر چکرانے لگے اور میں تو ایک
دم بے ہوش ہوگئی۔ بعد میں راج کمار بھی بے ہوش ہو گئے تھے۔ خدا
جانے تاجر نے کیسے وہ سارا سامان سمیٹا۔ راج کمار کو سرائے میں ہی
چھوڑا اور مجھے بے ہوشی کی حالت میں ہی اونٹ پر ڈال کر اپنے
سامان اور نوکروں سمیت ہماری ریاست سے راتوں رات نکل گیا۔

مجھے جس وقت ہوش آیا تو میں اونٹ پر سوار ایک صحرا میں سے گزر رہی
تھی اور تاجر چھری رکھے میرے ساتھ بیٹھا تھا۔ میں بہت روئی پیٹی مگر
اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ ظالم تاجر کے دل میں رحم پیدا کرنا بڑا مشکل تھا

اس نے ہندوستان کی ایک دور دراز شہر میں لے جا کر مجھے ایک ماہ قید رکھا۔ کیونکہ اس دوران میں راجکمار نے بڑی تیزی سے میری تلاش شروع کروادی تھی۔ تاجر نے مجھے دوسرے مہینے باہر نکالا۔

رات کو میرے منہ کو کپڑا ٹھونس کر بند کیا اور وہاں سے لے کر ایک بندرگاہ پر آ گیا۔ یہاں ایک سمندری بادبانی جہاز تیار کھڑا تھا۔ یہ جہاز تاجر کے کسی دوست کا تھا مجھے اس جہاز پر سوار کیا گیا۔ جہاز منہ اندھیرے ہندوستان کے ساحل سے کسی نامعلوم منزل کو روانہ ہو گیا۔

ایک ماہ اور بارہ دن کے سفر کے بعد جہاز ایک ایسے شہر پہنچا جہاں ریت ہی ریت دکھائی دیتی تھی۔ ایک بازار تھا جہاں زیادہ تر عورتوں اور غلاموں کی منڈی لگتی تھی۔ منڈی میں عورتوں کو کنیزیں بنا کر اور مردوں کو غلام کے طور پر بیچا جاتا تھا۔

تاجر کم بخت نے مجھے اس منڈی میں فروخت کر دیا۔ مجھے ایک سوڈانی

سوداگر نے خرید لیا۔ اس سوڈانی کا محل مصر میں تھا۔ اس محل میں مجھ سے ہر طرح کی خدمت لی جاتی۔ مجھے خادماؤں میں شریک کر دیا گیا۔ میں نے رو پیٹ کر کہا میں شہزادی ہوں۔

ایک ریاست کی مہارانی ہوں۔ مگر وہاں میری بات پر کسی کو یقین نہیں آتا تھا۔ بوڑھی نوکرانی نے مجھے مارنا پیٹنا شروع کر دیا میں اس کی مار پیٹ سے تنگ آ گئی۔ میں نے ایک غلام سے اپنے دل کا راز کھول کر بیان کر دیا اور اس سے کہا کہ ہم دونوں وہاں بھاگ جاتے ہیں غلام تیار ہو گیا۔ وہ خود سوڈانی سوداگر کے محل کی خدمتوں سے تنگ آیا ہوا تھا چنانچہ اس نے سب کچھ معلوم کر لیا کہ کس بندرگاہ سے جہاز کب روانہ ہوتا ہے۔ اس نے کسی نہ کسی طرح ایک جہاز کے کپتان کو پہلے سے ہی کرایہ دے دیا۔ جس روز جہاز نے وہاں سے کوچ کرنا تھا اس روز ایک رات پہلے ہی ہم دونوں پوری طرح تیار ہو چکے تھے۔ وقت پر

میں اس نیک دل غلام کے ساتھ سوڈانی ظالم کے محل سے بھاگی اور
شہر میں چھپتی چھپاتی بادبانی جہاز پر سوار ہوگئی۔ غلام میرے ساتھ ہی
تھا۔ یہ جہاز جنوبی افریقہ کے سمندر کا پورا چکر کاٹ کر خلیج بنگال کے
کالے پانیوں میں سے ہوتا ہوا ہندوستان کے شہر اراکان کی بندرگاہ
کی طرف جارہا تھا۔

جہاز نے آدھی رات کو لنگر اٹھا دیا۔ صبح ہوئی تو جہاز کھلے سمندر میں سفر
کررہا تھا۔ میں نے اور غلام نے بھگوان کا شکریہ ادا کیا کہ ہماری جان
ایک بہت مصیبت سے چھوٹ گئی۔ لیکن کیا خبر تھی کہ اس سے بھی بڑی
مصیبت ابھی میرا انتظار کررہی تھی۔"

عنبر نے پوچھا:

"وہ کیا مصیبت تھی شگفتا؟"

شگفتا نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا:

"وہی مصیبت اب بیان کرنے لگی ہوں۔ جہاز کو سمندر میں سفر کرتے
پورا مہینہ بھی گزرا تھا کہ ایک روز ہماری بدبختی سے آسمان پر
گھنگھور گھٹائیں چھا گئیں۔ ہر طرف گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا گیا۔ سمندر
میں تیز ہواؤں کی وجہ سے طوفان اٹھنے لگا۔ میں گھبرا گئی۔
مسافروں میں پریشانی کی لہر دوڑ گئی۔ طوفان بڑے زوروں پر آگیا۔
جہاز نے بڑی طرح ڈولنا شروع کردیا۔ بارش طوفانی ہوگئی۔ ہوائیں
آندھیاں بن گئیں۔ لہروں نے اچھل اچھل کر جہاز کو کھلونے کی
طرح ادھر ادھر پھینکنا شروع کردیا۔ ہر طرف مسافر چیختے چلاتے
دکھائی دینے لگے۔ وفادار اور نیک دل غلام ہر طرح سے میری دل جوئی
کررہا تھا۔ لیکن جو لیکھ میں لکھا تھا وہ تو ہو کر ہی رہنا تھا۔ ایک ایسی
سمندری لہر آئی کہ جہاز الٹ گیا۔ چیخ و پکار مچ گئی۔ کہرام بپا ہوگیا۔
انسان چوہوں کی طرح سمندر میں ڈوبنے لگے۔ میرا ہاتھ ایک لکڑی

کے تختے پر پڑ گیا۔ بھگوان جانے بے چارا غلام کہاں تھا۔ نہ مجھے اس
کی خبر تھی نہ اسے میری خبر تھی۔ میں بے جان تنکے کی طرح تختے پر بیٹھی
سمندر کی لہروں پر تیرتی چلی جا رہی تھی۔ جانے کتنے دن گزر گئے
۔بھوک پیاس سے میں سوکھ کر کانٹا بن گئی۔ آخر میں اس جزیرے کے
ساحل پر آ گئی۔ یہاں سے یہ عورتیں اٹھا کر لے گئیں۔ چونکہ میرا
رنگ صاف تھا اور قد لمبا تھا اس لیے ان عورتوں نے مجھے بھی اپنے
قبیلے میں شامل کر لیا۔ اب میں یہاں کی ہو کر رہ گئی ہوں۔ ایک طرح
سے قیدی ہوں۔ نہ یہاں سے کہیں باہر جا سکتی ہوں' نہ کسی کے آگے
اپنا دکھ درد بیان کر سکتی ہوں۔ اس بات کو آج چار سال گزر گئے ہیں تم
پہلے آدمی ہو جسے میں نے اپنی درد بھری کہانی سنائی ہے۔ وہ بھی اگر تم
ہماری زبان نہ سمجھ رہے ہوتے تو میں اتنی کہانی بھی تمہیں بیان نہیں کر
سکتی تھی۔''

عنبر کا دل شکنتلا کی درد بھری کہانی سن کر بہت اداس ہو گیا۔ شکنتلا سچ
مچ ایک مصیبت زدہ عورت تھی۔ بے چاری کہاں ایک شہزادے کی
بیوی اور کہاں آدم خور عورتوں کے قبیلے میں آ کر پھنس گئی تھی۔

عنبر نے کہا:

''شکنتلا' تمہاری زندگی کے درد بھرے حالات سن کر میرے دل پر
بہت اثر ہوا ہے۔ آج سے میں تمہیں اپنی بہن کی طرح سمجھوں گا
اور میں تمہیں ایک بھائی بن کر قول دیتا ہوں کہ جب تک تمہیں اس
جہنم سے نکال کر تمہارے خاوند راج کمار کے پاس نہیں پہنچاؤں گا
چین سے نہیں بیٹھوں گا اور اپنی بہن ماریا سے بھی نہیں ملوں گا۔''

شکنتلا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے کہا:

''بھگوان تمہاری حفاظت کرے میرے بھائی' مجھے خطرہ ہے کہیں
میری مدد کرتے کرتے اپنی جان سے ہاتھ نہ دھو بیٹھو۔''

قربانی کے لیے

شگفتا بے چاری کو کیا معلوم تھا کہ عنبر پراسرار طاقت والا ہے۔ وہ تو الٹا اسے سمجھانے لگی کہ وہ اسے وہاں سے نکالنے کا خیال چھوڑ دے۔ کیونکہ اس جزیرے میں آ کر کبھی کوئی شخص واپس نہیں جا سکا۔ وہاں کبھی کوئی جہاز نہیں آیا۔ وہاں سے صرف آدم خور قبیلوں کی پرانی کشتیاں کبھی کبھی دیکھی جاتی ہیں۔ یا پھر مغربی کنارے پر آدم خور مرد

لوگ اپنی ڈونگیوں میں بیٹھ کر سمندر میں مچھلی کا شکار کرتے ہیں۔ عنبر نے پوچھا:

''کیا ان عورتوں کی پاس کوئی کشتی نہیں ہے؟''

شگفتا نے کہا:

''نہیں بھائی، یہ عورتیں کبھی سمندر میں کشتی پر بیٹھ کر نہیں گئیں۔ ہمیشہ تیر کر سمندر میں جاتی ہیں۔ یہ بڑے غضب کی تیرنے والی عورتیں ہیں دور دور تک تیرتی چلی جاتی ہیں۔''

عنبر نے کہا:

''ان کے مرد جو جزیرے کی مغربی کنارے پر رہتے ہیں ان کے پاس کس قسم کی کشتیاں ہیں؟''

شگفتا نے کہا:

''معمولی قسم کی ڈونگیاں سی ہیں جن میں بڑی مشکل سے آدمی بیٹھ

سکتے ہیں۔ یہ ڈونگیاں سمندر کی بڑی موجوں کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔
صرف کنارے کنارے رہتی ہیں۔"

عنبر کچھ سوچنے لگا۔ پھر بولا:

"اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھے یہاں بیٹھ کر ایک بڑی کشتی تیار کرنی ہو
گی۔"

شگفتا نے آہ بھر کر کہا:

"میرے بدنصیب بھائی تم کشتی تیار کرنے کی سوچ رہے ہو اور ظالم
ملکہ تمہیں پورے چاند کی رات کو دیوتا کے آگے قربان کرنے کا فیصلہ کر
چکی ہے۔"

عنبر ہنس پڑا:

"شگفتا بہن تم اس بارے میں بالکل فکر نہ کرو۔ ملکہ فولانی کی یہ
خواہش زندگی بھر پوری نہ ہوگی کہ مجھے دیوتا کے آگے قربان ہوتا

دیکھے۔ بلکہ اسے ڈرنا چاہئے کہ کہیں الٹا میں اسے کسی دیوتا پر قربان نہ
کر دوں۔"

شگفتا پھٹی نگاہوں سے عنبر کو دیکھنے لگی۔

"یہ کیا کہہ رہے ہو بھائی؟ کیا تم ایسا کر سکتے ہو کہ ملکہ کو دیوتا کے آگے
قربان کر دو؟" عنبر نے شگفتا کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا:

"بہن اس بات کو چھوڑو۔ تم اپنے وطن کی یاد میں گیت گاؤ۔ مجھے
تمہارے گیت بڑے اچھے لگتے ہیں۔ دوسرے اگر کسی نے مجھے تم
سے باتیں کرتے دیکھ لیا تو تم پر مصیبت آ جائے گی۔"

شگفتا نے اپنا مچھلی کی ہڈیوں سے بنا ہوا ساز اٹھایا اور گانا شروع کر دیا
اتنے میں ایک جنگلی عورت اندر آئی اس کے ہاتھ میں کیلے کے سبز پتوں
پر سرخ رنگ کے میٹھے آم رکھے تھے۔ اس نے آم عنبر کے قدموں میں
لا کر رکھ دیے اور اپنی زبان میں شگفتا سے کہا:

"یہ ہماری زبان نہیں جانتا شکنتالا! ورنہ میں اسے بتاتی کہ ملکہ نے پرسوں اسے قربان کردینے کا فیصلہ کرلیا ہے۔"

شکنتالا ہنس پڑی۔ عنبر کے کان کھڑے ہوگئے۔ شکنتالا نے عورت سے کہا:

"یہ خوش قسمت ہے کہ ہماری ملکہ نے اسے قربانی کے لیے ہیں پسند کیا۔ یہ دنیا سے سیدھا جنت میں دیوتاؤں کے پاس جائے گا۔"

جب وہ عورت چلی گئی تو شکنتالا نے کہا:

"یہ تو بڑی بری خبر سنا گئی ہے کم بخت۔ اگر ملکہ نے تمہاری قربانی دینے کا فیصلہ کرلیا ہے تو وہ اپنے فیصلے سے کبھی پیچھے نہیں ہٹے گی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پرسوں رات کو تمہیں قربان کردیا جائے گا۔ تمہارے سینے میں ایک ہی وقت میں ایک سو تیر مارے جائیں گے۔ یہ بڑا ظلم ہوگا۔ میں یہ برداشت نہ کرسکوں گی۔"

اور شکنتالا کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ عنبر نے مسکراتے ہوئے کہا:

"تم غم نہ کرو بہن! اگر میرے خدا کو منظور ہوا تو ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ ان لوگوں کی قربانی دھری کی دھری رہ جائے گی۔"

شکنتالا نے جھنجلا کر کہا:

"بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ سو تیروں کی بوچھاڑ انسان کے سینے پر ہو اور وہ مر نہ سکے۔ کیا تم اس سے پہلے یہاں سے بھاگ جاؤ گے؟ مگر تم بھاگ کر کہاں جاؤ گے؟ اس جزیرے میں تم جہاں کہیں بھی ہوگے تمہیں فولادی ملکہ ڈھونڈ نکالے گی۔ آخر تم ہنس کیوں رہے ہو؟ تم اپنی زندگی کیسے ان ظالم عورتوں سے بچا سکو گے؟"

عنبر اسے کھول کر ساری بات بیان نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے کہا:

"تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں شکنتالا! چاہے میں کچھ بھی کروں۔ یہ بتائے دیتا ہوں کہ یہ لوگ اپنے مقصد میں کامیاب نہ

ہوں گے۔ یہ ناکام ہوں گے اور انہیں لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔"

شگفتا نے پوچھا:

"کیا یہ اپنے کیے پر پچھتائیں گے؟"

"ہاہاہا۔" عنبر نے قہقہہ لگا کر کہا: "تم دیکھ لینا۔"

ایک عورت عنبر کے جھونپڑے میں داخل ہوئی۔ اسے دیکھ کر شگفتا نے
پھر سے گانا شروع کر دیا۔ اب وہ اپنے دیوتاؤں کی تعریف میں گانا
شروع کر دیا۔ اب وہ اپنے دیوتاؤں کی تعریف میں گا رہی تھی۔ جنگلی
عورت نے عنبر کے قریب آ کر ایک ناریل توڑ کر اس کا پانی عنبر کے
سر پر ڈالا۔ آنکھیں بند کر کے کچھ دعا پڑھی۔ اسے پھونک ماری اور
آنکھیں بند کیے جھونپڑی سے باہر نکل گئی۔

شگفتا بے حد غمگین انداز میں کہنے لگی:

"یہ سنگدل لوگ تمہیں قربان کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔"

عنبر نے کہا:

"یہ لوگ جتنی جلدی تیاریاں کریں اچھا ہے۔ مجھے ان لوگوں کو اپنا
غلام بنانے کا موقع جلدی مل جائے گا بہن۔"

"ہائے میرے بھگوان، تم یہ کیسی باتیں کر رہے ہو۔ میری تو سمجھ میں
کچھ نہیں آ رہا۔"

عنبر نے کہا:

"تم سمجھ بھی نہ سکو گی شگفتا، اور جب تم اپنی آنکھوں سے بھی دیکھو گی تو
تمہیں یقین نہیں آئے گا کہ جو کچھ تم دیکھ رہی ہو یہ ٹھیک ہے؟ کیا ایسا
ہو سکتا ہے؟ مگر تم جو کچھ دیکھ رہی ہو گی وہ ایک حقیقت ہو گی۔ ایسا
سچ مچ ہو رہا ہو گا۔"

شگفتا نے جھنجلا کر پوچھا:

"آخر کیا ہو رہا ہو گا؟ اس روز کیا ہو گا؟ کیا آسمان پھٹ پڑے گا؟ کیا

آسمان سے فرشتے تمہاری مدد کو آئیں گے؟ کیا دیوتا خود تمہاری زندگی کو بچائیں گے؟"

عنبر نے کہا:

"ہاں شکنتلا! ایسا ہی ہوگا' بلکہ اس سے بھی مزیدار بات ہوگی۔ تمہیں اپنی آنکھوں پر اعتبار نہیں آئے گا۔ آکاش سے تم فرشتوں کو نیچے اترتے دیکھو گی۔"

آخر شکنتلا نے اٹھتے ہوئے کہا:

"میں جا رہی ہوں میری تو سمجھ میں تمہاری کوئی بات نہیں آتی بھائی' میں بھگوان سے دعا کروں گی کہ وہ تمہاری زندگی بچائے۔ مگر مجھے امید بالکل نہیں ہے کہ تم اس عورت کے ظلم سے بچ سکو۔ میں نے بہت سے لوگوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیوتاؤں کے آگے قربان ہوتے دیکھا ہے۔ انہوں نے بہت شور مچایا۔ دیوتا کو بار بار آوازیں

دیں۔ مگر کوئی بھی ان کی مدد کو نہ آیا۔ تم بھی اسی طرح مارے جاؤ گے افسوس یہ ہوگا کہ یہاں زندگی میں پہلی بار ایک انسان سے اپنا دکھ درد بیان کیا تھا۔ اس سے کچھ ہمدردی کی توقع ہوئی تھی تو وہ بھی اس دنیا سے چل بسا۔"

شکنتلا روتے ہوئے وہاں سے چلی گئی۔

اس کے جانے بعد عنبر دیر تک ہنستا رہا۔

رات ہوگئی۔ چاند جنگل پر چمکنے لگا۔ اس کی روشنی میں جنگل کے گھنے درخت بھی روشن ہوگئے۔ عنبر کو اسی چاندنی رات میں قربان کیا جانا تھا۔ ایک رات چھوڑ کر اسے ہلاک کرنے کا فیصلہ کرلیا گیا تھا۔ عنبر جھونپڑی کی کھڑکی میں سے باہر جنگل کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے قریب ہی لکڑی کا ایک بت بنا تھا۔ یہ اس قبیلے والوں کے دیوتا کا بت تھا۔

اسی دیوتا پر عنبر کو قربان کیا جا رہا تھا۔ عنبر اس کی طرف دیکھ کر بولا:

"واہ رے میرے لکڑی کے دیوتا، تمہاری قسمت میں بھی میرے ہاتھوں شکست لکھی تھی۔ بچو جب تمہارے بت کے سامنے میں مروں گا نہیں۔ تیر میرے سینے میں نہیں کھب سکیں گے تو ساری عورتیں تمہیں چھوڑ کر میری پوجا شروع کر دیں گی۔ وہ مجھے اپنا دیوتا سمجھنے لگیں گی۔ پھر بتاؤ تمہاری کیا عزت رہ جائے گی۔ آخر لکڑی کے الو ہی نکلے تم بھی۔"

عنبر ہنستا بھی رہا اور لکڑی کے دیوتا سے باتیں بھی کرتا رہا۔

صبح ہو گئی۔ دن نکل آیا جنگل کی دو عورتیں عنبر کے لیے ناشتہ لے کر آئیں۔ ناشتے میں پھولوں کی سجی ہوئی چنگیر میں بطخ کا بھنا ہوا گوشت تھا۔ انناس اور سیب کے قتلے تھے۔ زرد رنگ کے کیلے تھے اور ناریل کے دودھ میں ڈوبے ہوئے کنول کے پھول جو اس جزیرے

کی مہارانی ہی کھا سکتی تھی۔ عنبر کو بھوک تو نہیں تھی لیکن اس نے عورتوں کے سامنے بڑے شوق سے ناشتہ کیا۔

عورتیں چلی گئیں تو عنبر اپنے پاؤں کے ساتھ بندھی ہوئی زنجیر سے کھیلتے ہوئے کھڑکی میں سے باہر جنگل کا منظر دیکھنے لگا۔ اتنے میں شگفتا اپنا ساز لے کر اسے مذہبی گیت سنانے آ گئی۔ شروع شروع میں تو وہ اپنے وطن کی گیت گایا کرتی تھی۔ لیکن اب وہ یوں ہی دو ایک گیت گاتی اور عنبر سے باتیں شروع کر دیتی۔ آج وہ کچھ پریشان تھی۔

عنبر نے پریشانی کے بارے میں پوچھا:

"شگفتا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تم پر رات کی باتوں کا اثر ہے اسی لیے تم ابھی تک اداس ہو ورنہ اور کیا وجہ ہو سکتی ہے تمہاری اداسی کی؟"

شگفتا نے ایک ٹھنڈا سانس بھر کر کہا:

"بھائی عنبر، میں صرف اس لیے پریشان ہوں کہ آج رات تمہیں

دیوتاؤں کے بتوں کے آگے قربان کر دیا جائے گا اور مجھ سے یہ
صدمہ برداشت نہیں ہوگا۔"

عنبر ہنس دیا:

تم اتنی سی بات پر پریشان ہو رہی ہو؟

"تو کیا تمہارے لیے یہ ایک معمولی بات ہے؟ یہ ظالم عورتیں تمہیں
دیوتاؤں کے آگے باندھ کر تمہارے جسم کو تیروں سے چھلنی کر دیں گی
اور تم اسے معمولی سی بات خیال کر رہے ہو۔"

عنبر نے کہا:

"اچھی بہن، میں نے تمہیں پہلے بھی کہا تھا کہ وقت آنے پر تمہیں سب
کچھ معلوم ہو جائیگا۔ پھر تمہیں گھبرانے کی کیا ضرورت ہے؟"

"آخر وقت آنے پر مجھے کیا معلوم ہوگا؟ یہی ناں کہ تم قتل کر دیے جاؤ
گے۔ کاش میں تمہیں کبھی نہ ملتی اور مجھے تم سے اپنے بھائی کی طرح

پیار نہ ہوتا۔"

عنبر نے آگے بڑھ کر شگفتنا کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا اور کہا:

"دنیا میں غم بہت ہیں اور خوشیاں کم ہیں۔ آخر تم کس کس کا غم کھاؤ
گی؟ اس لیے جب میں نے تمہیں کہہ دیا ہے کہ مجھے کچھ نہیں ہوگا،
پس تمہیں خوش ہو جانا چاہیے۔"

مگر شگفتنا کو کسی پل چین نہ پڑتا تھا۔ وہ بڑی بے چین تھی اس نے
مہارانی کو خود جا کر اس جگہ کا معائنہ کرتے دیکھا جہاں عنبر کو قربان کیا
جا رہا تھا۔ اس نے کہا:

"عنبر بھائی، میں نے ملکہ فولانی کو جلادوں سے کہتے سنا ہے کہ اپنے
تیروں کو زہر میں بجھا دو اور اتنے کس کر تیر مارنا کہ عنبر ایک سے زیادہ
سانس بھی لینے نہ پائے اور مر جائے۔ نہیں تو دیوتا خوش نہیں ہوں گے
اور ان کا عذاب جزیرے پر نازل ہوگا۔"

عنبر نے کہا:

"تو پھر کیا ہوا۔ ملکہ جلادوں کو جو کہتی ہے کہنے دو مجھے معلوم ہے کہ کیا ہوگا۔ میں جانتا ہوں کہ جلاد اپنے مقصد میں ناکام ہو جائیں گے۔ ملکہ اور دوسرے لوگ ایک دوسرے کا منہ دیکھتے رہ جائیں گے۔ یہاں تک کہ خود دیوتا شرم اور ندامت سے سر جھکا لیں گے۔"

شکنتلا نے تنگ کر کہا:

"مگر کیسے ہوگا؟ تم کیسی خواب ایسی باتیں کر رہے ہو۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تیر تم پر چلایا جائے اور تم پر اثر نہ ہو۔ میں تو آج تک یہی دیکھتی آئی ہوں کہ جس آدمی کے سینے پر تیر چلایا گیا وہ اس کے جسم کے پار ہو گیا۔ تمہاری باتیں سن کر تو مجھے تمہاری عقل پر اور زیادہ رونا آ رہا ہے۔"

عنبر نے پاؤں کی زنجیر کو ہلاتے ہوئے کہا:

"شکنتلا! آج رات تم ایک ایسا تماشہ دیکھو گی جو تم نے اپنے وطن ہندوستان میں بھی کبھی نہیں دیکھا ہوگا۔ تم حیرانی سے دنگ رہ جاؤ گی۔ تمہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آئے گا کہ تم جو کچھ دیکھ رہی ہو وہ سچ ہے یا تم خواب دیکھ رہی ہو مگر وہ خواب نہیں ہوگا' بلکہ حقیقت کی دنیا ہوگی۔"

عنبر اسی قسم کی باتیں شکنتلا سے کرتا رہا شکنتلا کو کچھ اعتبار آیا اور کچھ نہ آیا وہ نا امید ہو کر اٹھی اور جھونپڑے سے نکل گئی۔

اب شام ہونے لگی تھی۔ پھر آسمان پر چودھویں کا چاند نکل آیا جزیرے میں لوگوں کے خیال کے مطابق یہ عنبر کی آخری رات تھی۔ قربانی کے لیے دیوتاؤں کے بتوں کے سامنے جگہ تیار کر لی گئی تھی۔ آدھی رات کو جزیرے کی کچھ عورتیں عنبر کے جھونپڑے میں آئیں اور عنبر کی زنجیر کھول کر ساتھ باہر لے گئیں۔

طوفانی کشتی

عنبر کے دونوں ہاتھ بندھے ہوئے تھے
وہ اگر چاہتا تو زنجیر تڑوا کر بھاگ سکتا تھا یا عورتوں کا مقابلہ کر سکتا تھا۔
وہ عورتوں کو شکست بھی دے دیتا۔ کیونکہ اس نے تو مرنا ہی نہیں تھا۔
لیکن وہ ایسا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ مہارانی فولانی اور اس کی ساری
عورتوں کی فوج کو اپنے ماتحت کرنا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ ان پر اپنی
پوشیدہ طاقت کا اظہار کر کے انہیں ہمیشہ کے لیے اپنا گرویدہ کر لے
اور ان سے محنت کروا کر اپنے لیے ایک جہاز کا نمونہ تیار کروائے جس
پر سوار ہو کر وہ شکنتلا کو اپنے ساتھ لے کر ہندوستان سے ہوتا ہوا
جاپان واپس ماریا اور ناگ کے پاس پہنچے۔
جس جگہ قربانی دی جانے والی تھی وہاں قبیلے کی ساری

عورتیں نیم دائرے کی صورت میں کھڑی تھیں۔ ایک بڑے گنجان
درخت کے تنے کے اوپر جزیرے کے تمام بڑے دیوتاؤں کے بت
لٹک رہے تھے۔ عنبر کو اس درخت کے تنے سے لے جا کر باندھ دیا
گیا۔ اب ملکہ فولانی کا انتظار تھا۔ ملکہ بڑی شان کے ساتھ ایک سجے
سجائے تخت پر بیٹھ کر آئی۔ تخت کو لمبی چوڑی عورتوں نے اپنے کندھوں
پر اٹھا رکھا تھا۔ تخت درمیان میں لا کر رکھ دیا گیا۔ ملکہ نے اشارہ کیا'
رقص کرنے اور گانے بجانے والی عورتیں آگے آئیں۔ انہوں نے
ڈھول کی تھاپ پر ناچنا اور دیوتاؤں کی تعریف میں گانا شروع کر دیا۔
عنبر چپ چاپ یہ سارا کچھ دیکھتا رہا۔ شکنتلا بھی ایک طرف کھڑی غم
سے اداس آنکھوں سے یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ اسے یقین تھا کہ عنبر
جلادوں کے تیروں سے بچ نہیں سکے گا۔ اس کا دل بوجھل ہو رہا تھا۔
وہ اپنے بھگوان سے دعا مانگ رہی تھی کہ وہ عنبر کی حفاظت کرے۔

لیکن اس کا دل صاف لفظوں میں گواہی دے رہا تھا کہ عنبر کی موت
یقینی ہے

ناچتے اور گاتے عورتوں کے جسم پسینے میں شرابور ہو گئے۔

جب وہ تھک کر چور ہو گئیں تو ملکہ نے اشارا کیا اور انہوں نے گانا ناچنا
بند کر دیا اور ایک طرف ہاتھ باندھ کر کھڑی ہو گئیں۔

ملکہ نے بلند آواز سے کہا:

"اے جزیرے کے عظیم دیوتاؤ میں اس جزیرے کی مہارانی تمہارے
قدموں میں ایک سفید نوجوان کی قربانی پیش کر رہی ہوں۔ اس قربانی
کو قبول کرو اور میرے جزیرے پر خوش حالی نازل کرو۔ بارش برساؤ
میرے کھیتوں کو ہرا بھرا کرو۔ ناریل کے درختوں میں دودھ ڈالو آم کو
میٹھا رس عطا کرو۔"

سب عورتیں جھک گئیں۔ ملکہ نے بھی سر جھکا کر دیوتا کی پوجا شروع کر

دی۔ کچھ دیر تک وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی رہی۔ پھر اس نے سر اٹھایا
تو دوسری عورتوں نے بھی سر اٹھا لیے۔ ملکہ نے ہاتھ اٹھا کر کہا:

"جلادوں کو حاضر کرو۔ قربانی کا وقت ہو گیا ہے۔ آسمان پر چاند چمک
رہا ہے۔ دیوتا سفید فام نوجوان کے خون کا انتظار کر رہے ہیں۔"

بارہ جوان اور کڑیل عورتیں شیر کی کھالیں پہنے تیر کمان لے کر عنبر کے
سامنے آن کھڑی ہوئیں۔ انہوں نے تیر زہر میں بجھا رکھے تھے۔ یہ
وہ تیر تھے کہ اگر شیر کے جسم میں کھب جائیں تو ایک پل کے اندر اس کا
خاتمہ کر دیں۔ اگر ہاتھی کے جسم میں لگ جائیں اسے کھڑے
دھم سے زمین پر گرا دیں۔

عنبر خاموش درخت کے ساتھ بندھا تھا۔ شگفتا کا دل غم سے دھک
دھک کر رہا تھا۔ ملکہ نے اشارہ کیا تو جلاد عورتوں نے کمانوں میں تیر
چڑھا کر کمانیں اوپر اٹھا لیں۔ اب وہ ملکہ کے دوسرے اشارے کا

انتظار کر رہی تھیں۔

شکنتلا نے خوف سے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

عنبر اب بھی مسکرا رہا تھا۔ اس کی مسکراہٹ اور بے خوفی کی وجہ سے وہاں کی تمام عورتیں حیران ضرور تھیں۔ یہاں تک کہ ملکہ فوانی بھی سوچ میں پڑ گئی تھی کہ کیسا نوجوان ہے جسے موت کا ذرا سا بھی خوف نہیں ہے۔ اگر اس کی جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو وہ دہشت کے مارے ضرور بے ہوش ہو گیا ہوتا۔ اسے وہ تمام نوجوان یاد تھے جو اسی طرح بھٹکتے ہوئے جزیرے میں آ گئے تھے۔ اور ملکہ فوانی کے حکم سے دیوتاؤں پر قربان کر دیے گئے تھے۔ ان میں سے ہر کوئی نوجوان درخت پر بندھے بندھے بے ہوش ہو گیا تھا۔ لیکن یہ پہلا نوجوان تھا جسے کوئی خوف نہیں تھا۔ جو موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ رہا تھا۔

آخر ملکہ نے جلادوں کو اشارہ کیا۔ ملکہ کا اشارہ ملتے ہی جلادوں نے تیروں کا نشانہ لیا اور تاک کر ایک ہی وقت میں بارہ کے بارہ زہر میں بجھے ہوئے نوکیلے تیر عنبر کے سینے پر مارے۔ شکنتلا کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ مگر وہاں سب کے لیے ایک عجیب بات ہوئی بارہ کے بارہ سینے میں کھبنے کی بجائے اس کے سینے سے ٹکرا کر زمین پر گر پڑے۔ تمام عورتیں حیران رہ گئیں۔ ملکہ بھی حیران ہوئی کہ یہ تیر زمین پر کیسے گر پڑے۔ اسے خیال آیا کہ شاید جلادوں نے نشانہ ٹھیک نہیں لگایا۔ اس نے چیخ کر کہا:

"پھر سے ٹھیک نشانہ لگاؤ۔"

جلاد عورتوں نے دوسری بار کمانوں میں تیر چڑھا کر عنبر کی چھاتی کا نشانہ لیا اور ان سے تیر ایک طرف ہی وقت میں چھوڑ دیے۔ تیر بجلی ایسی تیزی کے ساتھ عنبر کے سینے کی طرف گئے۔ اس کے سینے سے

ٹکرائے اور دوبارا ٹیڑھے ہو کر زمین پر گر پڑے۔ اب تو ملکہ بڑی
حیران ہوئی۔

وہ تخت پر سے اٹھی اور عنبر کے پاس گئی وہ یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ کہیں
عنبر اپنی قمیص کے اندر پتھر کی کوئی سل تو نہیں چھپا رکھی۔ عنبر کے پاس آ
کر اس کی قمیص پھاڑ ڈالی۔ عنبر کا سینہ بالکل خالی تھا۔ وہاں کوئی پتھر کی
سل نہیں تھی۔ ملکہ فولانی نے حیرت سے عنبر کو دیکھا جو مسکرا رہا تھا۔ پھر
اس نے غصے میں آ کر جلادوں سے کہا:

"دیوتا ناراض نہ ہو جائیں۔ تیرے پھر سے نشانے پر چلاؤ۔"

جلادوں نے تیسری بار چلہ چڑھا کر تیر چلائے۔ سن کی آواز کے ساتھ
تیر کمانوں سے نکلے اور عنبر کے ننگے سینے سے ٹکرا کر ٹیڑھے ہوئے اور
زمین پر گر پڑے۔ عنبر نے مسکرا کر کہا:

ملکہ فولانی' میں پہلی بار تمہاری زبان میں تم سے بول رہا ہوں۔

یاد رکھو۔ تمہاری عورتوں کے سارے تیر ختم ہو جائیں گے۔ مگر میرے
سینے پر زخم کا معمولی سا نشان بھی نہیں آئے گا۔"

ملکہ فولانی تو دنگ رہ گئی۔ پہلی حیرت اسے یہ بھی کہ عنبر کے سینے پر تیر
نہیں لگ رہے۔ دوسری حیرت اسے یہ ہوئی کہ وہ اس کی زبان
بولنے لگا ہے۔ مگر ملکہ بڑی ضدی تھی۔ وہ دیوتاؤں کے آگے قربانی
ضرور دینا چاہتی تھی۔ اس نے طیش میں آ کر حکم دیا کہ اس گستاخ
جادوگر نوجوان پر شیر چھوڑ دیا جائے۔

"یہ جادوگر ہے اسے جادوگری کا مزہ چکھایا جائے۔ دیوتاؤں کی
خواہش یہی ہے کہ اس جادوگر کو اپنے جادو سمیت قربان کر دیا
جائے۔ اسے شاہی ببر شیر کے آگے ڈال دیا جائے۔"

اسی وقت شاہی شیر کو زنجیروں میں بندھا ہوا لایا گیا۔ عورتوں نے
اپنے اپنے نیزے تان لیے کہ اگر شیر ان پر حملہ کرے تو وہ اپنا بچاؤ کر

سکیں۔ عنبر سے دس قدم کے فاصلے پر لا کر شیر کی زنجیر کھول دی گئی۔ یہ
شیر بڑا جوان شیر تھا۔ بڑا خونخوار شیر تھا۔ وہ اپنے زرد دانت نکالے غرا
رہا تھا۔ عنبر کو دیکھ کر اس نے ایک بھرپور گرج ماری اور عنبر پر لپک کر
حملہ کر دیا۔ شگفتہ کی جان ہی نکل گئی۔

اس نے عنبر کی ہلکی سی کرامت دیکھ لی تھی۔ اب اسے بھی کچھ یقین سا
ہو گیا تھا۔ کہ عنبر واقعی ایک جادوگر ہے۔ مگر اسے اس بات کا شک تھا۔
کہ عنبر کا جادو شیر کے حملے کا مقابلہ نہ کر سکے گا۔ شیر کے آگے عنبر کا سنبھلنا
بڑا مشکل تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ شیر گرجتا' غراتا' اچھلتا ہوا
عنبر کی طرف بھاگا۔ عنبر اب بھی مسکرا رہا تھا۔ شیر نے پوری طاقت
سے اپنے پنجہ عنبر کے چہرے پر مارا اور وہی ہوا جس کی عنبر کو امید تھی۔
شیر درد سے تڑپ اٹھا۔ کیونکہ اس کا پنجہ عنبر کے چہرے کی بجائے ایک
پہاڑ سے جا کر ٹکرایا تھا۔ اس کا پنجہ زخمی ہو گیا اور کئی ناخن ٹوٹ گئے۔

جہاں سے خون بہنا شروع ہو گیا۔ شیر غصے میں آ گیا۔ اس نے دوسری
بار حملہ کیا۔ وہ بہت زیادہ غصے میں تھا۔ اس دفعہ شیر نے بائیں ہاتھ کا
پنجہ پہلے سے زیادہ طاقت کے ساتھ عنبر کی گردن پر مارا۔ اس حملے کی
آواز سے رات کے وقت سارے کا سارا جنگل گونج اٹھا۔ شگفتہ کو
یقین تھا کہ اس زوردار پنجے نے عنبر کی گردن اڑا دی ہو گی۔ مگر وہ یہ
دیکھ کر دم بخود رہ گئی کہ عنبر اسی طرح درخت کے ساتھ بندھا مسکرا رہا
تھا اور شیر دہرا ہو کر زمین پر پڑا تڑپ رہا تھا۔ شیر تیسری مرتبہ اٹھ کر عنبر
پر حملہ آور ہوا۔ اس بار شیر نے عنبر کو زور سے ٹکر ماری۔ عنبر سے ٹکراتے
ہی شیر زمین پر پتھر کے ستون کی طرح گرا اور گرتے ہی مر گیا۔

اب تو ہر طرف ایک سناٹا چھا گیا، جلاد عورتیں ڈر کر پرے ہٹ
گئیں۔ عنبر نے تھوڑا سا جھٹکا مار کر وہ زنجیریں توڑ ڈالیں جن کے
ساتھ وہ درخت سے بندھا ہوا تھا۔ ملکہ فولانی تخت پر اٹھ کر کھڑی ہو

گئی شگفتلا کے چہرے پر حیرانی بھی تھی اور خوشی بھی۔ عنبر نے ملکہ کے تخت کے پاس آ کر کہا:

"سنو اے جزیرے کی ملکہ، تمہیں معلوم ہو گیا کہ میں طاقت میں تمہارے دیوتاؤں سے بھی بڑا ہوں۔ مجھے دنیا کی کوئی طاقت ہلاک نہیں کر سکتی۔ تم اور تمہاری ساری جلاد عورتیں بھی مل جائیں تو میرے جسم پر سے ایک بال تک نہیں اکھاڑ سکتیں۔ میں چاہوں تو اس جزیرے کا بادشاہ بن کر تمہیں موت کے گھاٹ اتار سکتا ہوں۔ مگر میں ایسا نہیں کروں گا۔ اس لیے کہ مجھے تمہارے جزیرے میں رہنا پسند نہیں۔

میں واپس اپنے ملک جانا چاہتا ہوں۔ وہاں میرے لوگ، میرے بھائی بہن میرا انتظار کر رہے ہیں۔ میں یہاں نہیں رہوں گا۔ لیکن آج سے اس روز تک جب کہ میں اس جزیرے سے روانہ نہیں ہوتا۔ تم

لوگ میرے غلام اور کنیزیں ہو۔ میں جو حکم دوں گا تمہیں ماننا پڑے گا اس لیے کہ میں تمہارا بادشاہ ہوں۔ میں تمہارا دیوتا ہوں۔"

ملکہ فولانی تخت سے اتر کر عنبر کے پاس آ کر جھک گئی۔ اسے جھکتے دیکھ کر ساری کی ساری ظالم عورتیں بھی جھک گئیں۔ ملکہ نے کہا:

"اے عظیم دیوتا! تو ہمارا مالک ہے، تو ہمارا بادشاہ ہے۔ ہم سب تیرے غلام ہیں۔ تو جو چاہے گا وہی اس جزیرے پر ہوگا۔ ہماری خواہش ہے کہ تو ہمیشہ اس جزیرے پر آباد رہے۔ ہم خوشی سے تیری اطاعت کریں گے اور تیرے ہر حکم کو تسلیم کریں گے۔ میں اور میری رعایا آج سے تیرے غلام ہیں۔"

"تمہیں عقل آ گئی۔ اس کے لیے میں خوش ہوں۔ لیکن ایک بات میں تمہیں کھول کر بیان کرنا چاہتا ہوں کہ میں انسانی قربانی کا جانی دشمن ہوں۔ آج کے بعد اس جزیرے پر کسی انسان کی قربانی ہرگز

ہرگز نہیں ہوگی۔ اگر کسی نے اس جزیرے پر میرے جانے کے بعد بھی کسی بے گناہ یا گنہ گار انسان کو قربان کیا تو میں اپنی طاقت سے اس جزیرے کو آگ لگا دوں گا۔ مجھ میں اتنی طاقت ہے کہ میں جہاں اور جس وقت چاہوں آگ لگا دوں۔ میں پہلے روز ہی تمہیں اپنی طاقت سے اپنا غلام کر سکتا تھا مگر میں نے اس لیے ایسا نہیں کیا کہ شاید تم خود ہی سمجھ جاؤ۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ پھر میں نے فیصلہ کیا کہ میں تمہیں ایسی کرامت دکھاؤں گا جسے تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لوگے اور یقین کرو گے۔ پھر تم سیدھے راستے پر آ جاؤ گے اور تمہیں میرے دیوتا ہونے کا اعتبار آ جائے گا۔ کیا تم لوگ وعدہ کرتے ہو کہ آج کے بعد تم کبھی کسی انسان کی قربانی نہیں دو گے؟''

سب عورتوں نے ایک زبان ہو کر کہا:

''اے عظیم دیوتا! ہم وعدہ کرتی ہیں کہ آئندہ کبھی اس جزیرے پر کسی

انسان کو قربان نہیں کیا جائے گا۔''

عنبر نے ملکہ فولافی کی طرف توجہ دے کر کہا:

''ملکہ فولانی! کیا تم بھی وعدہ کرتی ہو کہ اس جزیرے پر پھر کبھی ایسا ظلم نہیں ہوگا؟''

ملکہ نے عنبر کے ہاتھوں پر ہاتھ رکھ کر کہا:

''میں قسم کھا کر وعدہ کرتی ہوں کہ اس جزیرے پر آج کے بعد سے پھر کبھی کسی انسان کا خون نہیں بہایا جائے گا۔''

''ٹھیک ہے مجھے یقین آ گیا۔ شگفتا! آگے آؤ۔''

شگفتا جلدی سے آگے آ گئی۔ عنبر نے کہا:

''کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ عورت کون ہے؟''

فولانی نے کہا:

''اس عورت کو ہم نے جزیرے کے ساحل پر پڑے پایا تھا۔ اس کا

جہاز غرق ہو گیا تھا۔ اور بڑی مشکل سے اپنی جان بچا کر یہاں تک پہنچی تھی۔"

"اور پھر تم نے اسے بھی اپنی کنیزوں میں شامل کر لیا۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ تم جس عورت کو پکڑتیں اسے غلام یا کنیز بنا لیتیں۔ اس کی سزا تمہیں ملنی چاہیے؟"

ملکہ فولانی نے ہاتھ باندھ کر کہا:

"رحم اے عظیم دیوتا۔ مجھ پر رحم کرو۔"

عنبر نے گرج کر کہا:

"تم نے بڑے ظلم کیے ہیں۔ تمہیں سزا ضرور ملے گی اور تمہاری سزا یہ ہے کہ جب تک میں اس جزیرے میں ہوں، تمہارے گلے میں زنجیر ڈال کر مندر والی اس جھونپڑی میں بکری کی طرح باندھ کر رکھا جائے گا جہاں مجھے باندھا گیا تھا۔"

عنبر نے جلادوں کو حکم دیا کہ ملکہ فولانی کو لے جا کر مندر والی جھونپڑی میں بند کر دیا جائے۔

عنبر کا حکم مان لیا گیا۔ اور فولانی کو جھونپڑی میں بند کر دیا گیا۔

بہار کا موسم آنے کو تھا اور بارشیں شروع ہو گئی تھی۔ جس کی وجہ سے ملکہ فولانی کو بخار ہو گیا۔ اور عنبر کے حکم پر ایک بادبانی کشتی تیار ہونے لگی۔

پراسرار جہاز

جزیرے پر بارشوں کا موسم لمبا ہو گیا۔

ہر وقت آسمان پہ بادل چھائے رہتے۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد بارش ہو جاتی۔ یہ وہاں کا برسات کا موسم تھا۔ ملکہ فولانی اب عنبر کی بڑی خیر خواہ بن گئی تھی۔ اس نے بتایا کہ برسات کا موسم کم از کم چار ماہ تک ضرور رہتا ہے۔ عنبر کے لئے انتظار کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔ سمندر میں بھی بڑا طوفان تھا۔ بڑی بڑی لہریں اٹھ کر ساحل سے ٹکراتی رہتیں۔ شگنتلا بھی بڑی بے تابی سے موسم کے پرسکون ہونے کا انتظار کر رہی تھی۔ بادبانی کشتی کو ایک بڑے گنجان درخت کے نیچے چھپا دیا گیا تھا۔ ایک رات ملکہ فولانی بڑی سخت بیمار ہو گئی۔ اسے اس قسم کا بخار ہوا کہ وہ بے ہوش ہو گئی اور اس کا سانس اکھڑنا شروع ہو گیا۔

جزیرے کی جنگلی عورتوں کے خیال میں ان کی ملکہ اب مرنے والی تھی کیوں کہ جزیرے میں آج تک جس کسی کو اس قسم کا بخار ہوا تھا وہ کبھی زندہ نہیں بچا تھا۔ عنبر نے ملکہ کی حالت دیکھی تو شگنتلا سے کہا کہ وہ جزیرے کے جنگل میں جا کر بیر بہوٹی کے پھول لے آئے۔ شگنتلا اسی وقت کچھ عورتوں کو ساتھ لے کر جنگل میں گئی اور بیر بہوٹی کے سرخ پھول چن کر لے آئی۔ عنبر نے ان پھولوں کو گرم پانی میں بھگو کر ان کا عرق نکالا اور اس کے قطرے ملکہ کے حلق میں ٹپکائے۔ ساری جنگلی عورتیں بڑی حیرانی سے عنبر کو علاج کرتے دیکھ رہی تھیں۔ عرق کے ٹپکائے جانے کے ساتھ ہی ملکہ کا سانس درست ہو گیا اور بخار کی شدت بھی کم ہو گئی۔

تھوڑی دیر بعد ملکہ ہوش میں آ گئی۔ عنبر نے ان تمام عورتوں کو ایک جگہ اکٹھا کیا اور انہیں سمجھایا کہ آئندہ جب کسی کو اس قسم کا بخار ہو تو اس کا

علاج بیر بہوٹی کے عرق سے کیا جائے۔ ملکہ عنبر کی عقل مندی سے
بے حد متاثر ہوئی۔ اس نے اسے کہا:

”عنبر' اگر تم ہمارے جزیرے پر رہ جاؤ تو یہ ہماری بہت بڑی خوش قسمتی
ہو گی۔ ہم تمہیں اپنا بادشاہ بنا کر رکھیں گے۔“

عنبر نے کہا:

”ملکہ فولانی' میرے کچھ فرائض ہیں جو میں نے ابھی جا کر پورے
کرنے ہیں۔ مجھے شکنتلا کو اس کے خاوند کے پاس پہنچانا ہے۔ جاپان
میں اپنی ایک بہن ماریا اور بھائی ناگ سے جا کر ملنا ہے۔ انسان کا جو
فرض ہے وہ اسے سب سے پہلے پورا کرنا چاہیے اور اس کے مقابلے
میں اگر دنیا کے عیش و آرام بھی ملتے ہوں تو چھوڑ دینے چاہیں۔ ایسا
آدمی کسی کام کا نہیں ہوتا جو دنیا کے عیش تو سارے کرتا ہے مگر فرض
ایک بھی ادا نہیں کرتا۔ اس لیے مجھے معاف کیا جائے۔ میں اس

جزیرے میں بیٹھ کر خود آرام کی زندگی بسر نہیں کر سکتا جب تک میرے
بھائی اور بہنیں تکلیف میں زندگی گزار رہے ہوں۔“

ملکہ نے کہا:

”شاباش ہے تمہارے اے نیک دل اور فرض شناس انسان تم جتنے
بہادر ہو اتنے ہی ذمے دار اور اچھے انسان بھی ہو لیکن ایک بات میں
ضرور کہوں گی کہ اگر کبھی تم یہ سمجھو کہ تم نے اپنے سارے فرض ادا کر
لیے ہیں تو پھر اس جزیرے میں آ کر زندگی کے کچھ سال ضرور بسر
کرنا۔“

عنبر نے کہا:

”فولانی' میں نے زندگی میں کبھی کوئی جھوٹا وعدہ نہیں کیا۔ میں نے
آج تک جس سے وعدہ کیا ہے اسے پورا کیا ہے انسان وہی اچھا ہے
جو اپنا وعدہ پورا کرتا ہے۔ میں تم سے وعدہ نہیں کرتا۔

لیکن یہ ضرور کہتا ہوں کہ اگر کبھی مجھے زندگی میں یہ وقت ملا تو اس
جزیرے پر ضرور آؤں گا۔"

اس رات ملکہ نے اپنے صحت یاب ہونے کی خوشی میں ایک زبردست
دعوت دی۔ جزیرے کی تمام عورتوں کو کھانے پر بلایا گیا۔ کھانے سے
فارغ ہو کر ملکہ فولانی نے عنبر سے پوچھا:

"بھائی! اگر برا نہ مانو تو کیا میں ایک بات پوچھ سکتی ہوں؟"

عنبر سمجھ گیا کہ وہ کیا پوچھنا چاہتی ہے۔ اس نے مسکرا کر کہا:

"ہاں ملکہ ضرور پوچھو۔ لیکن میں جواب دینے کا وعدہ نہیں کرتا۔"

ملکہ نے کہا:

"تمہارے پاس یہ طاقت کہاں سے آئی ہے کہ تم پر موت کا ہاتھ اثر
نہیں کرتا۔ تم زندہ رہتے ہو۔ تمہیں زخم نہیں لگتا اور تلوار تیر تم پر بے اثر
ہو جاتے ہیں؟"

عنبر نے کہا:

"یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب میں تمہیں نہیں دے سکتا۔ لیکن
اگر تم ضد کرو گی تو میں صرف اتنا کہوں گا کہ یہ ایک گہرا راز ہے۔ ایک
ایسا راز جسے میں کسی پر ظاہر نہیں کر سکتا۔ بس اس سے زیادہ میں کچھ
نہیں کہہ سکتا۔"

ملکہ اپنا سا منہ لے کر رہ گئی۔ وہ اس سے بہت کچھ پوچھنا چاہتی تھی۔
لیکن عنبر نے اسے اپنا راز بتانے سے انکار کر دیا۔ وہ خاموش ہو گئی۔

پھر اس نے کہا:

"کاش، تم مجھے بھی اپنے راز میں شریک کر سکتے۔ کاش میں بھی
تمہاری طرح غیر فانی ہو سکتی۔"

عنبر بولا:

"یہ خدا کی مرضی ہے اور خدا کی مرضی کے بغیر اس کائنات کا ایک ذرہ

بھی اپنی جگہ سے حرکت نہیں کر سکتا۔ میرا اس میں کوئی اختیار نہیں ہے
یہ طاقت خدا نے اپنے آپ مجھے دی ہے۔ میں اسے نہ آگے کسی کو
دے سکتا ہوں اور نہ اسے اپنے سے الگ کر سکتا ہوں۔ ہاں اتنا تمہیں
ضرور کہوں گا کہ اگر انسان نیک ہو جائے۔ اپنا فرض ایمانداری سے
ادا کرے تو موت کا ہاتھ اس تک نہیں پہنچ سکتا۔

تم نے بڑے ظلم کیے ہیں۔ تم خدا سے توبہ کیا کرو۔ ہو سکتا ہے خدا ایک
دن تمہیں معاف کر کے میری طرح تمہیں بھی طاقت عطا کر دے۔

پھر عنبر پوچھا:

"مجھے یہ تو بتاؤ کہ تم اس جزیرے میں کب سے ملکہ بن کر حکمرانی کر
رہی ہو؟ کیا تم اس جزیرے میں پیدا ہوئی تھیں یا تم بھی کسی جہاز کے
غرق ہونے کے بعد اس جزیرے کے ساحل پر آن لگی تھیں؟"

ملکہ فولانی نے ایک گہرا سانس لیا اور جیسے اپنے خیالوں میں گم ہو گئی۔

پھر سر اٹھا کر کہنے لگی:

یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ میں اس جزیرے میں پیدا ہوئی تھی۔ میری ماں
جس جہاز میں سفر کر رہی تھی اسے طوفان نے آن گھیرا۔ وہ جہاز سمندر
میں غرق ہو گیا۔ میری ماں کسی طرح کشتی میں بیٹھ کر اپنی جان بچانے
میں کامیاب ہو گئی۔ کئی روز تک کشتی سمندر میں ہچکولے کھاتی رہی۔
پھر ایک بہت بڑی لہر نے اسے اٹھا کر اس جزیرے پر پھینک دیا۔
میں چھوٹی سی تھی۔ مجھے اتنا یاد ہے کہ میں اپنی ماں کے ساتھ سمندر میں
سفر کر رہی تھی۔ جہاز ڈوب گیا۔ میں ماں کے ساتھ کشتی میں بیٹھ گئی۔
پھر اس جزیرے پر کبھی کوئی جہاز نہیں آیا تھا اور یہاں سے نکل کر
واپس جانا مشکل تھا۔ پھر میری ماں ایک روز مر گئی۔۔۔۔۔
میری پرورش یہاں کی ایک جنگلی عورت نے کی۔ وہ بڑی جابر قسم کی
عورت تھی۔ اس نے مجھے بھی ظالم اور جابر بنا دیا۔ وہ مر گئی تو میں نے

یہاں عورتوں کو ملا کر ایک فوج بنائی۔ ان عورتوں کو جو قد کاٹھ کی بڑی
اونچی لمبی تھیں لڑنا سکھایا۔ ان کے آدمیوں کو جزیرے کے دوسرے
حصے کی طرف نکال دیا اور میں یہاں کی ملکہ بن گئی۔

عنبر نے پوچھا:

"تمہارے دل میں کبھی یہ خیال نہیں آیا کہ تم یہاں سے نکل کر کسی
دوسرے شہر میں جانے کی کوشش کرو اور وہاں جا کر ایک شریف اور
نیک دل عورت کی طرح اپنے بچوں میں زندگی بسر کرو؟"

ملکہ بولی:

"میرا اس دنیا میں کوئی نہیں تھا۔ میں ساری دنیا میں اکیلی تھی۔ میں اگر
یہاں سے نکل جانے کی کوشش بھی کرتی تو کس طرف جاتی؟ کس کے
گھر جاتی؟ کس ملک میں کس شہر میں جاتی؟ مجھے یہاں ہی رہنا تھا۔
میں یہیں کی ہو کر رہ گئی۔ یہاں مجھے جابر عورت نے جس قسم کی تربیت

دی ویسی ہی میں بن گئی۔ میری ماں ایک نیک دل عورت تھی۔ لیکن
جس نے میری پرورش کی وہ ایک ظالم اور سنگ دل عورت تھی۔ اگر
کوئی اچھی عورت میری تربیت کرتی تو میں ایک اچھی عورت ہوتی۔

عنبر نے کہا:

"تم نے ٹھیک کہا ملکہ فولانی' انسان کی تربیت ہی اسے اچھا یا برا بناتی
ہے؛ بہر حال اب مجھے خوشی ہے کہ تم ایک اچھی عورت بن گئی ہو اور تم
نے ظلم سے توبہ کر لی ہے۔ میں یہاں سے چلا جاؤں گا مگر جہاں بھی
ہوں گا یہ سوچ کر خوش ہوا کروں گا کہ دور سمندروں میں میری ایک
ایسی بہن رہ رہی ہے جو نیک عورت ہے۔ اچھی عورت ہے۔"

ملکہ فولانی نے حسرت سے کہا:

"کاش' میں اتنی خوش قسمت ہوتی کہ تم ایسا بھائی میرے پاس رہ
سکتا۔"

عنبر نے کہا:

"نہیں ملکہ یہ تقدیر کا چکر ہے مجھے یہاں سے جانا ہی پڑے گا۔ اگر میں یہاں رہ سکتا تو ضرور رہتا۔ لیکن جیسا کہ میں تمہیں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ میرا فرض مجھے بلا رہا ہے اور میں ایسا انسان نہیں ہوں کہ اپنے آرام کے لیے اپنے انسانی فرض کو بھول جاؤں۔ مجھے معاف کر دینا میں مجبور ہوں۔"

باتوں ہی باتوں میں رات گہری ہوتی گئی۔ ملکہ کو نیند آنے لگی تھی۔ وہ سو گئی۔ عنبر واپس اپنی جھونپڑی میں آ گیا۔ کچھ دنوں کے بعد موسم کھل گیا۔ برسات گزر گئی۔ گہرے نیلے آسمان پر سورج چمکنے لگا۔ عنبر کے لیے سفر کرنے کا وقت آ گیا تھا۔ اس نے تیاریاں شروع کر دیں اور کشتی میں تمام ضروری سامان رکھ دیا گیا۔ دوسرے روز منہ اندھیرے وہ اس جزیرے سے روانہ ہونے والا تھا کہ ایک عجیب

واقعہ ہو گیا۔

ہوا یہ کہ دوپہر کو دور سے کسی بادبانی جہاز کے مستول نظر آئے۔

اس جزیرے پر کئی سالوں کے بعد یہ بادبانی جہاز نظر آیا تھا جزیرے کی ساری عورتیں ساحل پر گئیں اور جہاز کو ساحل کی طرف آتے دیکھ کر تکنے لگیں۔ ملکہ نے عنبر کو ساتھ لیا اور سمندر کے کنارے ایک ٹیلے پر کھڑی ہو کر بڑے غور سے جہاز کو قریب آتے دیکھنے لگی۔

"عنبر! یہ ایک عجیب بات ہے۔ یہ جزیرہ عام سمندری راستوں سے بالکل پرے ہٹ کر ہے۔ یہاں کبھی کوئی تجارتی جہاز نہیں آیا۔ پھر یہ جہاز کون سا جہاز ہو سکتا ہے؟"

عنبر نے کہا: "کہیں یہ بحری ڈاکوؤں کا جہاز نہ ہو؟"

ملکہ بحری ڈاکوؤں کے جہاز کا نام سن کر ایک بار تو کانپ گئی۔ کیونکہ اس کی عورتوں کی فوج بحری ڈاکوؤں کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔

"بحری ڈاکو بڑے جفاکش اور طاقتور ہوتے تھے۔ وہ جس جزیرے پر حملہ کرتے اسے اجاڑ اور ویران کر کے رکھ دیتے۔"

ملکہ نے کہا:

"عنبر نے ملکہ کو تسلی دیتے ہوئے کہا:

"تمہیں گھبرانا نہیں چاہیے ملکہ! اگر بحری ڈاکوں کو جہاز ہے۔ تو پھر کیا ہوا۔ ہمارا خدا ہمارے ساتھ ہے میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اگر ان ڈاکوؤں نے ہمارے ساتھ زیادتی کرنے کی کوشش کی تو خدا کی قسم میں اکیلا ان سب کو ایک ایک کر کے قتل کر ڈالوں گا اور ان کے جہاز کو آگ لگا دوں گا۔ تم اس جہاز کو قریب تو آ لینے دو۔"

اچانک ملکہ کو خیال آیا کہ عنبر کو تو کوئی بھی شخص ہلاک نہیں کر سکتا، جب کہ یہ جسے چاہے مار سکتا ہے۔ ملکہ کو کافی تسلی ہوئی۔ اس نے جہاز کے بادبانوں کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا:

"جہاز پر بحری ڈاکوؤں کا خوفناک جھنڈا نہیں ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ جہاز بحری ڈاکوؤں کا نہیں ہے۔ کیونکہ ان کے جہاز پر سیاہ رنگ کا پرچم ضرور ہوتا ہے جس پر کھوپڑی اور ہڈیوں کا نشان بنا ہوتا ہے۔"

عنبر بولا:

"تو پھر یہ جہاز کس کا ہے؟"

اب جہاز سمندر کی لہروں پر بہتا ساحل کے بہت قریب آ چکا تھا۔ ایک عجیب بات یہ تھی کہ جہاز پر کوئی انسان نظر نہیں آ رہا تھا۔ نہ کوئی سواری اور عرشے پر کھڑی تھی اور نہ کوئی جہازی ملاح ہی دکھائی دے رہا تھا۔ ایسے لگتا تھا کہ جہاز اپنے آپ بہا چلا آ رہا ہے۔

ملکہ نے کہا:

"یہ کوئی جادو کا جہاز معلوم ہو رہا ہے۔ اس پر ایک بھی انسان چلتا پھرتا

دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ دیوتا معاف کریں۔ نہ معلوم یہ کسی بھوت
پریت کا جہاز ہے یا کیا ہے؟"
عنبر بھی بڑے غور سے جہاز کو جزیرے کے ساحل پر آتے دیکھ رہا تھا۔
جہاز بالکل ویران لگ رہا تھا۔ عرشے پر نہ کوئی آدم نہ آدم زاد۔۔۔۔
یا خدا یہ معاملہ کیا ہے؟ جزیرے کی ساری عورتیں جہاز کو تک رہی تھیں
جہاز زیادہ بڑا نہیں تھا۔ ایک چھوٹا سا بادبانی جہاز تھا جو عام طور قریب
قریب کی بندرگاہوں کے درمیان تجارت کیا کرتے ہیں یہ چھوٹا سا
جہاز ساحل پر آن لگا۔
اب ہر کوئی اس جہاز پر جاتے ہوئے گھبرا رہا تھا۔ کیونکہ جہاز کے
بادبان پھٹے ہوئے تھے اور سمندر کی ہوا میں ڈراؤنے انداز میں لہرا رہا
تھا۔ عنبر سب سے پہلے جہاز پر جا کر سوار ہو کر اس کو دیکھنے لگا۔

خونی بن مانس

جہاز پر تجارت کا سامان کچھ نہیں تھا۔
لیکن وہاں ایک اور شے بھی تھی جس کا علم کسی کو نہیں تھا۔ عنبر اور ثولانی
نے جہاز کا کونا کونا چھان مارا۔ انہیں سوائے ادھر ادھر بکھری ہوئی
ہڈیوں کے اور کچھ نہ ملا۔
یہ ہڈیاں انسانی ہڈیاں تھیں۔ کچھ انسانی کھوپڑیاں تھیں۔ جو کپتان
کے کیبن کے عقبی کمرے میں بکھری ہوئی تھی۔ وہ بڑے حیران ہوئے
کہ یہ ہڈیاں کن کی ہیں؟ اگر یہ ملاحوں کی ہڈیاں ہیں تو انہیں کس نے

قتل کیا؟ اگر یہ لوگ سارے قتل ہو گئے تو کپتان کی لاش ابھی تک صحیح وسالم کیوں پڑی ہے؟ اس قسم کی باتیں وہ سوچتے ہوئے جہاز سے نیچے اتر آئے۔

ملکہ اور عنبر نے اعلان کر دیا کہ رات کو جہاز کے اوپر کوئی نہ جائے۔ ویسے جہاں جہاز کھڑا تھا وہاں کچھ جنگلی عورتوں کا پہرہ لگا دیا گیا۔ عنبر ایک رات چھوڑ کر اس جزیرے سے رخصت ہو رہا تھا۔ وہ اپنے جھونپڑے میں جا کر سو گیا۔ اس نے کشتی پر ضرورت کی تمام چیزیں ہی جمع کر دی تھیں۔ اس کے دل میں ایک خیال آیا تھا کہ وہ اس پراسرار جہاز کو کیوں نہ اپنے سفر کے لیے استعمال کرے؟ پھر اس نے یہ سوچ کر ارادہ ترک کر دیا کہ خدا جانے جہاز کہیں منحوس ہی نہ ہو اور پھر یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ جہاز کتنی دیر تک چل سکے گا۔ ویسے بھی اتنے بڑے جہاز کو سنبھال کر لے چلنا دو آدمیوں کے لیے بڑا

مشکل تھا۔ عنبر سو گیا تھا۔ ملکہ بھی اپنے جھونپڑے میں خواب خرگوش میں گم تھی۔ رات چاندنی تھی۔ چاند جزیرے پر اپنی روشنی پھیلا رہا تھا۔

بادبان کے اڑنے اور پھڑ پھڑانے سے بڑی ڈراؤنی آوازیں پیدا ہو رہی تھیں۔ انہیں اپنے تن بدن کی ہوش نہیں تھی۔ صرف ایک عورت جس کا دل کمزور تھا جاگ رہی تھی۔

یہ جنگلی عورت ساحل کی ریت پر لیٹی بڑے غور سے بادبانوں کے پھڑ پھڑاتے کپڑے کو تک رہی تھی۔ جہاز سمندر میں ایک بہت بڑے بھوت کی طرح کھڑا تھا۔ ویران جہاز کا خیال اس کے ذہن کو پریشان کر رہا تھا۔ اسے کسی وقت یوں لگتا جیسے جہاز میں سے کوئی عجیب سی بلا باہر نکلی ہے اور رسی کی سیڑھی پر سے اتر کر اس کی طرف بڑھ رہی ہے۔ یہ عورت اگرچہ جنگلی عورتوں کے ساتھ رہتی تھی مگر اس کا دل بڑا نازک

تھا اور وہ اکثر ڈر جایا کرتی تھی۔

جہاز کو تکتے تکتے اسے نیند آنے لگی۔ اس پر غنودگی چھا گئی اور وہ سو گئی۔

ٹھیک اس وقت جب اسے نیند آئی جہاز کے عرشے پر سچ مچ۔ ایک عجیب وغریب سی بلا نمودار ہوئی۔ اس بلا کی شکل افریقہ کے بن مانس سے ملتی جلتی تھی۔ مگر اس بن مانس کا سر بہت چھوٹا۔ کندھے بے حد چوڑے اور سیاہ بالوں کے جنگل سے بھرے ہوئے تھے۔ وہ ریچھ کی طرح جھکا ہوا تھا۔ اندھیرے میں اس کی آنکھیں سرخ انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں۔ یہ بن مانس چپکے سے جہاز کی سیڑھی پر نیچے اترا اور ساحل کی ریت پر آ کر ایک بہت بڑے گوریلے کی طرح آگے جھک کر اپنے لمبے لمبے بازو لہراتا دبے پاؤں آگے بڑھنے لگا۔ اس کے بازو اتنے لمبے تھے کہ لمبی لمبی تیز ناخنوں والی انگلیاں زمین کو چھو رہی تھیں۔

اس نے ایک جگہ کھڑے ہو کر جھکے جھکے ان جنگلی عورتوں کو دیکھا جو جزیرے کی گرم چاندنی رات کی ٹھنڈی ہوا میں مست ہو کر سو رہی تھیں جنگلی عورتوں کے تیر کمان ان کے پاس ہی ریت پر پڑے تھے۔

اچانک اپنا ایک لمبا ہاتھ بڑھا کر اس بن مانس بلا نے سوئی ہوئی ایک جنگلی عورت کے منہ پر رکھ دیا۔ شاید اس نے عورت کا منہ بند کر دیا تھا۔ اس نے اتنے زور سے اس کا منہ بند کیا کہ جنگلی عورت طاقت ور ہونے کے باوجود منہ سے ایک آواز بھی نہ نکال سکی۔ وہ صرف ایک بار تڑپ کر رہ گئی اور پھر شاید بیہوش ہو گئی تھی۔ کالے بن مانس نے بے ہوش جنگلی عورت کو ایک کھلونے کی طرح اٹھایا، اپنے کندھے پر ڈالا اور بھاری بھاری قدم اٹھاتا جہاز کی طرف آ گیا۔

جہاز کے پاس آ کر اس نے رسی کی سیڑھی پر چڑھنا شروع کر دیا۔

جزیرے کے ساحل پر کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی کہ ان میں جہاز کی

کالی بلا ایک عورت کو اٹھا کر لے گئی ہے۔ بن مانس جہاز کے اوپر جا کر جنگلی عورت کو کپتان کے کیبن میں لے آیا۔ بیہوش عورت کو اس نے ایک کونے میں پھینک دیا۔ پھر کپتان کی لاش کو اٹھایا اور عرشے پر جا کر اسے سمندر میں پھینک دیا کپتان کی لاش سمندر میں ڈوب گئی۔

بن مانس نے واپس کیبن کی لاش سمندر میں ڈوب گئی۔ بن مانس نے واپس کیبن میں آ کر بے ہوش جنگلی عورت کو جھک کر غور سے دیکھا اور پھر اپنے ہاتھ کے لمبے لمبے چھریوں ایسے ناخون سے عورت کی گردن کو ادھیڑنا شروع کر دیا۔ گردن میں سے خون کا فوارہ چھوٹا تو بن مانس نے اس پر اپنا منہ رکھ دیا وہ لمبے لمبے گھونٹ خون کے پینے لگا۔ ایک پل کی اندر اندر اس نے جنگلی عورت کے جسم کا سارا خون پی لیا۔۔۔

عورت مر چکی تھی اور اس کے جسم میں خون کا ایک قطرہ بھی نہیں رہا تھا۔

خون پینے کے بعد بن مانس نے مری ہوئی جنگلی عورت کی رانوں اور بازوؤں کا بھرا بھرا گوشت کھانا شروع کر دیا۔ جب اس کا پیٹ بھر گیا تو اس نے جنگلی عورت کی باقی بچی ہوئی لاش کو اٹھایا اور جہاز کی پچھلی طرف لا کر سمندر میں پھینک دیا۔

سمندر کی لہریں لاش کو بہا کر گہرے پانیوں میں لے گئیں۔ اس کام سے فارغ ہو کر بن مانس نے خوشی سے اپنے سینے پر دونوں ہاتھ زور زور سے مارے۔ اس طرح کرنے سے ڈھول ایسی آواز پیدا ہوئی پھر وہ بھاگ کر جہاز کی نچلی منزل میں گیا اور اندھیری راہداری میں کہیں غائب ہو گیا۔

جزیرے پر رات کا اندھیرا صبح کے اجالے میں بدلنے لگا ستارے ماند پڑ گئے۔ چاند مغرب کی طرف جھک گیا۔ ساحل کی ریت پر سوئی ہوئی جنگلی عورتیں ایک ایک کر کے اٹھنے لگیں۔ انہوں نے دیکھا کہ ان

میں سے ایک عورت غائب ہے۔ اس عورت کو جگہ جگہ تلاش کرنے
بعد بھی جب ناکامی ہوئی تو وہ بھاگی بھاگی اپنی ملکہ کے پاس آئیں
اور اسے عورت کی گمشدگی کا واقعہ سنایا۔ ملکہ اسی وقت عنبر کی جھونپڑی
میں آ گئی۔ عنبر کو جگا کر بتایا کہ اس طرح سے ایک عورت غائب ہو گئی
اور تلاش کرنے کے بعد بھی نہیں مل رہی۔ عنبر بڑا پریشان ہوا اس نے
کہا!

"وہ کہاں جا سکتی ہے اسے جزیرے میں تلاش کیا جائے وہ ضرور جنگل
میں کسی جگہ کھو گئی ہو گی۔"

ملکہ نے کہا:

"یہ ناممکن ہے کہ ہماری عورتوں میں سے کوئی جنگل میں کھو جائے یہ
تمام عورتیں جنگل کے چپے چپے سے واقف ہیں۔ ان کے جنگل میں
جا کر گم ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

عنبر نے سر کھجاتے ہوئے کہا:

"پھر وہ کہاں گم ہو سکتی؟ کہیں آدھی رات کو وہ سمندر میں تو نہیں ڈوب
گئی؟ گرمی سے گھبرا کر نہانے گئی ہو اور سمندر کی لہریں اسے بہا کر لے
گئی ہوں؟"

"ہماری عورتیں بڑی ماہر تیراک ہیں۔ وہ طوفان میں بھی سمندر میں
تیر کر واپس آ سکتی ہیں۔ ایسا پرسکون سمندر تو ان کے لیے کچھ بھی نہیں"

عنبر نے کہا:

"تو پھر اسے زمین کھا گئی؟ آسمان نے نگل لیا؟"

ملکہ بولی:

"یہی تو میں حیران ہوں۔"

بہر حال عنبر نے ملکہ اور دوسری عورتوں کے ساتھ مل کر جزیرے کے
جنگل میں عورت کی تلاش شروع کر دی۔ صبح سے شام تک جنگل کو

چھان مارا۔ مگر جنگلی عورت نے نہ ملنا تھا اور نہ وہ ملی۔

یہ ایک رات عجیب معاملہ وہاں پیدا ہو گیا تھا۔ اس گم ہو جانے والی عورت کی بڑی بہن غمگین تھی اور اپنی بہن کی یاد میں آنسو بہا رہی تھی۔ ایسی صورت میں عنبر وہاں سے نہیں جا سکتا تھا۔ اس نے قبیلے سے رخصتی ملتوی کر دی اور شکنتلا سے کہا کہ وہ دو روز بعد وہاں سے جائے گا۔ دوسرے روز رات کو جب ہر طرف اندھیرا چھا گیا تو رات کے سناٹے میں وہی سیاہ خونی بن مانس جہاز کے عرشے پر پھر نمودار ہوا۔ یہ تو کسی عورت کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ویران آسیبی جہاز میں ایک بلا رہتی ہے۔ جو عورت کو اٹھا کر لے جاتی ہے۔ وہ ساری عورتیں دن بھر کی تھکی ماندی بڑے آرام سے سو رہی تھیں۔ بن مانس نے جہاز کے عرشے پر سے اٹھا کر نیچے ریت پر سوئی ہوئی عورتوں کو دیکھا اور اپنی لال لال انگارہ بنی آنکھوں کو نچاتا رسی کی سیڑھی پر پاؤں دھرتا

نیچے ریت پر اتر آیا۔ لمبے لمبے دبے دبے پاؤں رکھتا وہ پاس ہی سوئی پہلی جنگلی عورت کی پاس آ کر جھک گیا اور اپنی لال لال خونی آنکھوں سے اسے غور سے تکنے لگا۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ عورت بے سدھ ہو کر سوئی ہے تو اس نے اپنا وہی پرانا ہتھکنڈا استعمال کیا۔

اس نے عورت کے منہ پر اپنا بھاری بھرکم ہاتھ سرہانے کی طرح رکھ کر زور سے دبا دیا۔ جنگلی عورت نے آنکھیں کھول دیں۔ مگر اس کا منہ اتنے زور سے بند کیا گیا تھا کہ وہ آواز تک نہ نکال سکی۔ اس کا سانس بند ہونے لگا۔ اس کی آنکھیں ابل کر باہر آ گئیں۔

اپنے اوپر جھکے ہوئے خوفناک چہرے والے بن مانس کو دیکھ کر دہشت سے اس کا خون خشک ہو گیا۔ بن مانس نے اپنا ہاتھ اور زیادہ دبا دیا۔ عورت کا جسم تڑپا اور وہ ٹھنڈی ہو گئی۔

بن مانس نے مردہ عورت کو کندھے پر اٹھایا اور اسے لے کر جہاز کے

اوپر عرشے پر آ گیا یہاں اس نے اس عورت کو بھی پہلی عورت کی طرح زمین پر لٹا کر اس کی گردن کی رگیں کاٹ دیں۔ رگ کٹ جانے سے خون باہر ابلنے لگا۔ بن مانس نے کٹی ہوئی رگ پر اپنا منہ رکھا اور لپ لپ کر کے اس کا خون پینے لگا۔ تھوڑی دیر میں اس نے عورت کے جسم کا سارا خون پی لیا۔ پھر اس نے عرشے کے تختے پر گرے ہوئے خون کو بھی صاف کر دیا۔ مردہ عورت کا تھوڑا سا گوشت کھانے کے بعد اسے اٹھا کر سمندر میں پھینکا اور خود جہاز کے نچلے حصے میں جا کر اندھیرے میں کہیں گم ہو گیا۔

اگلے روز جب معلوم ہوا کہ ایک اور عورت گم ہو گئی ہے تو وہاں شور مچ گیا۔ عنبر اور ملکہ نے تمام عورتوں کو ایک جگہ اکٹھا کیا اور ان سے پوچھنا شروع کر دیا۔ کہ گم ہونے والی دوسری عورت کو آخری بار کس نے دیکھا تھا؟

ایک عورت نے آگے بڑھ کر کہا:

"میں نے اسے اپنی آنکھوں کے سامنے ریت پر سوتے دیکھا تھا۔"

دوسری عورت نے کہا:

"رات سونے سے پہلے اس نے میرے ساتھ باتیں کی تھیں۔"

تیسری عورت بولی:

"وہ بالکل تندرست اور خوش و خرم تھی اس لیے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ اس نے سمندر میں چھلانگ لگا کر اپنی زندگی ختم کر لی ہو"

"ہمارے ہاں آج تک کبھی کسی عورت نے پریشان ہو کر اپنی زندگی کو ختم نہیں کیا۔ ہمارے جزیرے پر کبھی کوئی عورت پریشان نہیں ہوئی۔ ہم سب لوگ ہمیشہ ہنستے مسکراتے اور خوش رہتے ہیں۔"

عنبر نے کہا:

"پھر یہ چکر کیا ہے؟ یہ عورتیں کہاں گم ہونے لگی ہیں؟"

غضب خدا کا ہر روز ایک عورت گم ہو رہی ہے۔“

ملکہ نے کہا:

”یہی تو میں پریشان ہوں۔ معلوم ہوتا ہے دیوتا ہمارے جزیرے پر اپنا قہر نازل کر رہے ہیں۔“

عنبر نے جھٹ ملکہ کو جواب دیا:

فولانی' ایسا کبھی نہ سوچنا۔ دیوتاؤں کو اس جزیرے پر اپنا قہر نازل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ دیوتا ان باتوں میں دلچسپی نہیں لیا کرتے۔“

ملکہ نے کہا:

”تو پھر تم ہی بتاؤ عنبر کہ میری جنگجو دلیر عورتیں کہاں گم ہو رہی ہیں۔ انہیں کون اٹھا کر لے جا رہا ہے۔“

عنبر کا ماتھا ٹھنکا۔ اس نے کہا:

”ہاں تم نے ٹھیک یاد دلایا۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ اس جزیرے میں رہنے والا کوئی شیر رات کو چپکے سے آتا ہو اور ایک عورت کو اٹھا کر لے جاتا ہو؟“

ملکہ نے کہا:

”لیکن ایسی حالت میں ریت پر اس کے پاؤں کے نشان تو ضرور ہونے چاہئیں۔ مگر ریت پر اس کے پاؤں کے نشان نہیں ہیں۔“

عنبر نے ساحل پر جا کر ریت کو غور سے دیکھا۔ وہاں سوائے عورتوں کے پاؤں کے نشانوں کے اور کوئی نشان نہیں تھا۔ اصل میں بن مانس کے پیروں کے نشان تو اٹھ کر پریشانی کے عالم میں ادھر ادھر بھاگنے والی عورتیں کے پاؤں کے نشانوں میں گم ہو گئے تھے۔ عنبر نے کہا:

”یہاں تو کسی شیر یا ریچھ کے پیرون کے نشان نہیں ہے ہیں اور اگر ہوں گے بھی تو اسے تمہاری ہی بےوقوف عورتوں نے مٹا دیا ہے۔“

لیکن ایک بات ضرور ثابت ہوتی ہے کہ کوئی بلا اس جزیرے میں موجود ہے جو عورت کو اٹھا کر لے جاتی ہے۔"

ملکہ سوچ میں پڑ گئی کہنے لگی:

"لیکن عنبر مجھے اس جزیرے پر حکمرانی کرتے سالہا سال گزر گئے ہیں۔ کبھی آج تک اس جزیرے پر ایسی بلا نے حملہ نہیں کیا۔ پھر آج یہ بلا سات سمندر پار کر کے کہاں سے آ گئی؟"

عنبر نے کہا:

"ایسا سکتا ہے ملکہ سمندر میں عجیب قسم کی جانور رہتے ہیں طوفان کے بعد کسی وقت بھی کسی سمندر سے کوئی جانور باہر نکل کر ساحل پر آ سکتا ہے۔"

ملکہ بولی:

مگر ایسا چالاک جانور کون سا ہو سکتا ہے جو نہ تو اپنے پیروں کے نشان

چھوڑتا ہے نہ آواز نکالتا ہے اور چپکے سے ایک عورت کو اٹھا کر لے جاتا ہے۔؟"

ملکہ کے اس سوال پر عنبر بھی سوچتے لگا کہ ملکہ سچ کہتی ہے ایسا جانور اس دنیا میں کون سا ہو سکتا ہے کہ جو نہ تو آواز پیدا کرے نہ اپنے پیروں کے نشان چھوڑے اور ایک نہ ایک عورت کو شکار کر کے لے جائے؟ ایسا تو آدم خور شیر بھی نہیں کرتا۔ نہ جنگلی ریچھ اتنی چالاکی سے شکار کرتا ہے۔ پھر یہ چکر کیا ہے؟ عنبر کا دماغ بھی دے گیا۔

اچانک عنبر کو خیال آیا کہ جہاز پر چل کر دیکھنا چاہیے کہ یہ کہیں جہاز پر تو کوئی کام نہیں ہو رہا؟

اس نے ملکہ فولانی کو ساتھ لیا اور جہاز کی سیڑھیاں چڑھ کر عرشے پر آ گیا۔ دھوپ خوب نکلی ہوئی تھی۔ ہر طرف روشنی ہوئی تھی ایکا ایکی ملکہ نے چونک کر کہا:

"ادھر دیکھو عنبر' خون۔۔۔۔"

عنبر لپک کر ملکہ کی طرف گیا تو اسے عرشے کے تختے پر تازہ جمے ہوئے خون کے چوڑے چوڑے دو چار دھبے نظر آئے۔اس نے دھبوں کو انگلی سے مل کر دیکھا۔تازہ خون تھا۔وہ ملکہ کی طرف اور ملکہ اس کی طرف پریشانی اور حیرانی سے دیکھنے لگی:

"یہ کیا معاملہ ہے؟ مجھے تو یہ خون اپنی عورت کا لگتا ہے۔"

عنبر نے کہا:

"میرے ساتھ جہاز کے کیبن میں آؤ۔"

جہاز کے کیبن میں جا کر انہیں معلوم ہوا کہ کپتان کی لاش غائب ہے اور وہاں بھی فرش پر خون کے کچھ دھبے بکھرے پڑے ہیں۔مگر یہ خون زیادہ پرانا تھا۔اب تو انہیں یقین ہو گیا کہ کسی نے ان عورتوں کو جہاز پر لا کر قتل کر دیا ہے۔مگر سوال یہ تھا کہ قاتل کون ہے۔اور جہاز پر کہاں

چھپا ہوا ہے؟انہوں نے جہاز کا ایک ایک کونا چھان مارا۔مگر انہیں قاتل بن مانس کا کہیں نشان تک نہ ملا۔وہ ناکام ہو کر جہاز سے نیچے اتر آئے عنبر نے کہا:

"میرا خیال ہے کہ اس جہاز کو آگ لگا دینی چاہیے۔"

ملکہ نے کہا:

"اس سے کیا ہوگا؟ ہمیں کل صبح جہاز پر جا کر ایک بار پھر پوری تسلی لینی چاہیے۔قاتل ضرور اسی جہاز میں کسی جگہ چھپا ہوا ہے۔"

خونی مقابلہ

جزیرے پر خونی رات کا اندھیرا پھر چھا گیا۔

عنبر اور ملکہ اگلے روز جہاز کی تلاشی لینے کا ارادہ کر کے اپنے جھونپڑوں میں بڑے آرام سے سو رہے تھے کہ آدھی رات کے سناٹے میں خونی بن مانس ایک بار پھر عرشے پر نمودار ہوا۔ چاند مشرق

کے افق پر ابھی ابھی نکلا تھا اور اس کی زرد روشنی بڑی دھیمی تھی۔ جزیرے کے جنگل میں گھپ اندھیرا تھا۔ دور کسی گھنے درخت پر الو کے بولنے کی آواز کبھی گونج جاتی تھی جو ساری فضا کو اور زیادہ ڈراونی بنا دیتی تھی۔ خونی بن مانس نے عرشے پر کھڑے ہو کر چاروں طرف دیکھا۔

اور پھر چپکے سے جہاز کی رسی کے ذریعے نیچے ساحل پر اتر آیا۔ گیلی ریت پر پاؤں رکھتا وہ دبے دبے سوئی ہوئی جنگلی عورتوں کے پاس آیا۔ ہر رات کی طرح اس نے ایک عورت کو جھک کر غور سے دیکھا اور اس کے منہ پر اپنا ہاتھ رکھ کر اسے بے بس کر دیا۔ عورت بے چاری تڑپی اور تڑپ کے بے سدھ ہو گئی۔ وہ مر چکی تھی۔ بن مانس نے اسے کندھے پر رکھا اور جدھر سے آیا تھا ادھر کو چلا گیا۔ جہاز کے اوپر چڑھ کر اس نے جنگلی عورت کا خون پیا اور اس کی لاش کو سمندر

میں پھینک کر جہاز میں گم ہو گیا۔

صبح ہوئی تو جنگلی عورتوں میں سے ایک اور عورت غائب تھی۔

اب تو وہاں کہرام مچ گیا۔ عنبر نے اسی وقت ملکہ فولانی کو ساتھ لیا اور جہاز پر جا کر قاتل کی تلاش شروع کر دی۔ اچانک اس نے ایک بار فرش کے تختوں پر خون کے دھبے دیکھے۔ یہ تازہ خون کے دھبے تھے۔

عنبر نے کہا:

"قاتل اسی جہاز میں چھپا ہے۔ وہ عورت کا خون پی کر شاید لاش سمندر میں پھینک دیتا ہے۔ ہم اسے تلاش کر کے چھوڑیں گے۔"

انہوں نے بڑی تیزی سے قاتل کی تلاش شروع کر دی۔

جہاز کو ایک بار پھر انہوں نے کھنگال ڈالا۔ لیکن خدا جانے بن مانس جہاز میں کس جگہ چھپ جاتا ہے کہ انہیں وہ کہیں بھی دکھائی نہ دیا۔ ملکہ کہنے لگی:

"میرا خیال ہے قاتل بلا یہاں نہیں ہے۔ وہ ضرور خون کرنے کے بعد جزیرے کے جنگل میں کسی جگہ چھپ جاتی ہو گی۔ ہمیں اسے جنگل میں تلاش کرنا چاہیے۔"

عنبر بولا:

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ قاتل جہاز پر عورت کا خون کرے اور پھر جہاز پر سے اتر کر جزیرے کے جنگل میں جا کر چھپ جائے؟ اگر اسے جنگل میں جا کر چھپنا ہے۔ تو پھر اسے عورت کو جزیرے پر لے جانے کی کیا ضرورت ہے؟"

ملکہ نے کہا:

"اسی بات پر تو میں بھی حیران ہوں۔"

عنبر بولا:

"اس کا مطلب ہے کہ قاتل ضرور اسی جہاز میں کہیں چھپا ہوا ہے۔"

ہمیں اسے اسی جگہ تلاش کرنا چاہیے۔ آؤ ہم ایک بار پھر تلاش کرتے ہیں۔"

عنبر اور ملکہ فولانی نے ایک بار پھر جہاز میں جنگلی عورتوں کے وحشی قاتل کو تلاش کیا۔ مگر وہ کہیں نہ ملا۔ ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ وہ قاتل جہاز میں کس جگہ چھپا ہوا ہے۔ آخر وہ تھک ہار کر واپس جزیرے پر آ گئے۔ عنبر نے کہا:

"اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ہم رات کو جزیرے کے ساحل پر چھپ کر اس کا انتظار کریں۔ کیونکہ وہ رات کو جنگلی عورتوں پر حملہ کرتا ہے۔"

فولانی نے کہا:

"کیا وہ آج رات بھی آئے گا؟"

"میرا خیال ہے کہ وہ ضرور آئے گا۔"

اس کے ساتھ ہی عنبر نے یہ بھی فیصلہ کیا کہ وہ جنگلی عورت کا بھیس بدل کر جہاز کے پاس ہی ساحل پر لیٹ جائے گا۔ تاکہ اگر قاتل آئے تو سب سے پہلے وہی سامنے لیٹا ہو۔ وہ اسی پر حملہ کرے اور وہ اسے پکڑ لے۔ فولانی نے اس بات کو پسند نہ کرتے ہوئے کہا:

"تم اپنی زندگی خطرے میں کیوں ڈالتے ہو عنبر بھائی جزیرے میں سینکڑوں جنگلی عورتیں آخر کس دن کے لیے رکھی ہیں؟ وہ یہ کام کر دیں گی۔"

عنبر نی کہا:

"نہیں ملکہ، میں اب کسی عورت کی زندگی خطرے میں نہیں ڈال سکتا۔ کیونکہ قاتل جب عورت پر حملہ کرتا ہے تو وہ ایک ہی وار میں اسے ہلاک کر دیتا ہے اس کا مطلب ہے جب تک میں قاتل کے مقابلے کو پہنچوں گا وہ ایک عورت کو ہڑپ کر چکا ہوگا۔۔۔۔۔

اس لیے یہ کہیں بہتر ہے کہ میں خود اپنے آپ کو جنگلی عورت کے روپ
میں اس جگہ لٹا دوں۔ جب قاتل آئے تو بجائے کسی بیگناہ عورت کے
مجھ پر حملہ کرے اور میں اسے پکڑ لوں۔"

ملکہ کو اب ماننا ہی پڑا، چنانچہ عنبر کو جنگلی عورتوں نے تیار کرنا شروع
کر دیا۔

اس کے سر پر نقلی بال لگائے، اسے جنگلی عورتوں کا لباس پہنایا۔ عنبر
بالکل ایک جنگلی عورت لگنے لگا۔ شام ہو گئی۔ پھر رات کے سائے
گہرے ہونے لگے۔ جزیرے پر رات آ گئی۔ اندھیرا چھا گیا۔ سمندر
تاریک ہو گیا۔ آسمان پر ستارے چمکنے لگے مگر اندھیرا بہت زیادہ تھا۔
عنبر جنگلی عورت بن کر جہاز کے بالکل پاس ہی ریت پر لیٹ گیا۔
دوسری تمام جنگلی عورتوں کو وہاں سے اٹھا دیا گیا۔
آدھی رات کے بعد مشرق کی طرف سے چاند نکلا۔

پیلا پیلا زرد اور اداس چاند۔ اس کی روشنی دھیمی دھیمی اور زرد زرد تھی۔
جزیرے کی رات پر دھیمی دھیمی ایک دھند سی پھیل گئی۔ عنبر چپ چاپ
ریت پر لیٹا آسمان پر چمکتے ہوئے ننھے منے سینکڑوں ستاروں کو دیکھتا
اور کبھی جہاز کے جنگلے کی طرف تکنے لگتا۔

کیونکہ اسے پورا یقین تھا کہ قاتل اسی جہاز کے جنگلے پر سے اس پر حملہ
کرنے آئے گا۔ کبھی کبھی اسے خیال آتا کہ کہیں وہ جزیرے کے
جنگل میں ہی نہ چھپا ہو۔ ایسی صورت میں وہ جنگل کی طرف سے
آئے گا۔ پھر بھی وہ چاہے کسی طرف سے کیوں نہ آئے۔ وہ آج
رات عنبر کے شکنجے سے بچ کر نہیں جا سکتا تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ آج
قاتل اگر آیا تو اس کی موت اسے گھیرا کر ادھر لائے گی۔
سمندر پر دھند پھیلی تھی۔ لہروں کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔
جزیرے پر گہرا سناٹا طاری تھا۔ ہر طرف خاموشی تھی۔ آسمان پر

آدھا چاند نکل آیا اور کبھی کبھی کوئی الو بول جاتا تھا۔ عنبر بڑی خاموشی
سے ریت پر لیٹا جہاز کے عرشے کو گھور رہا تھا۔ اس کے اندازے کے
مطابق قاتل جو کوئی بھی تھا۔ وہ آدھی رات کے بعد حملہ کرتا تھا؛ چنانچہ
اسے اس وقت آ جانا چاہیے تھا۔ عنبر کا دل اسے بار بار کہنے لگا کہ قاتل
آ رہا ہے۔۔۔۔ اور قاتل آ گیا۔

عنبر بڑے غور سے جہاز کے جنگلے کو دیکھ رہا تھا کہ اچانک کیا دیکھتا ہے
کہ وہاں کسی بہت بڑی بلا کا بن مانس قسم کا سر ابھرا ہے۔ عنبر نے ریت
پر سے ذرا سا سر اٹھا کر بڑے غور سے اس بلا کو دیکھنے کی کوشش کی۔

اب وہ بلا ذرا اوپر ہو گئی تھی۔ وہ ایک اونچے لمبے چوڑے ہاتھی بن
مانس کو دیکھ رہا تھا جو آہستہ آہستہ منہ گردن اور سینہ اوپر اٹھاتا ہوا جہاز
کے جنگلے پر نمودار ہو رہا تھا۔ عنبر اس بات پر بڑا حیران تھا کہ اتنا بڑا بن
مانس اور دیو کا دیو آخر اس جہاز میں کس جگہ چھپا رہا۔ عنبر بن مانس کا

انتظار کرتے ہوئے اسے غور سے دیکھنے لگا۔ یہ اسے ایک بہت بڑا بن
مانس ہی لگا تھا۔

بن مانس نے جہاز کے لنگر والی سیڑھی کی مدد سے نیچے ساحل پر اترنا
شروع کر دیا۔ پھر وہ پانی میں شڑاپ شڑاپ گزرتا ہوا ساحل کی ریت
پر آ گیا۔ عنبر سوچنے لگا کہ یہ بلا جنگلی عورتوں پر حملہ کرتی تھی۔ وہ حملے
کے لیے تیار ہو گیا۔ بن مانس آہستہ آہستہ اپنے بھاری بھرکم پاؤں
اٹھاتا عنبر کی طرف بڑھنے لگا۔ پھر وہ رک گیا۔ اس نے اپنی موٹی
گردن گھما کر جزیرے کے ساحل کو چاروں طرف سے دیکھا اور زور
زور سے سینے پر ہاتھ مارے۔

سینے پر ہاتھ مارنے سے ڈھول کی سی آواز پیدا ہوئی۔ بن مانس
بے چین ہو گیا تھا۔ کہ اس کی شکار جنگلی عورتیں کہاں چلی گئیں۔ اسے
سخت بھوک لگ رہی تھی۔ وہ ایک جنگلی عورت کا خون پی کر اس کا

گوشت کھا کر اپنی بھوک مٹانا چاہتا تھا۔ مگر وہاں ایک بھی جنگلی عورت
دکھائی نہیں دے رہی ہے لیکن یہ کیا۔ یہ ایک جنگلی عورت لیٹی ہوئی
ہے۔

بن مانس کی نظر جزیرے کی رات کی ہلکی ہلکی چاندنی میں اس جنگلی
عورت پر پڑی جس کا بھیس بدلے خود عنبر وہاں لیٹا ہوا تھا۔ بن مانس
خوشی سے ناچ اٹھا۔ اس کی سرخ سرخ آنکھیں چمکنے لگیں اور وہ جنگلی
عورت یعنی عنبر کی طرف دبے پاؤں جھک جھک کر آگے بڑھنے لگا۔

عنبر تیار ہو گیا۔ وہ بھی کانی آنکھ سے بن مانس قاتل بلا کو اپنی طرف
بڑھتے دیکھ رہا تھا۔ قریب آ کر بن مانس عنبر پر، جنگلی عورت سمجھ کر جھکا
اور اپنی گردن ہلا کر اپنی لال لال آنکھیں نچا نچا کر اسے بڑے غور
سے تکنے لگا۔

عنبر ڈر گیا کہ کہیں وہ اسے پہچان نہ لے کہ یہ تو مرد ہے عورت نہیں ہے

اور وہاں سے بھاگ نہ جائے، مگر عنبر نے دل میں فیصلہ کر رکھا تھا کہ
اگر بن مانس بلا نے بھاگنے کی کوشش کی تو وہ اس پر حملہ کر دے گا۔ عنبر کو
خیال آیا کہ بن مانس تو پوری کی پوری بلا ہے، وہ اس کا مقابلہ کیسے
کرے گا۔ یہ ٹھیک ہے کہ وہ خود تو مر نہیں سکتا۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا
ہے کہ وہ بن مانس کو کیسے مار سکے گا؟ عنبر خدا جانے کیوں اپنے ساتھ
تلوار وغیرہ نہیں لایا تھا۔ ملکہ وغیرہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ جزیرے
کے جھونپڑے میں لیٹی عنبر کی خیریت سے واپسی اور بلا کے قتل کا انتظار
کر رہی تھیں۔ انہیں جزیرے میں سوائے گہری خاموشی کے اور کچھ
سنائی نہیں دے رہا تھا۔

ملکہ عنبر نے اپنی خاص سہیلی جنگلی عورت سے کہا:

"عنبر کو ناحق ہم نے تکلیف دی" بلا اس جزیرے کے جنگل میں ہی کسی
جگہ چھپی ہوئی ہے۔ وہ اگر جہاز پر ہوتی تو اب تک حملہ کر چکی ہوتی۔

اتنا بڑا جنگل چھوڑ کر اسے ایک ویران جہاز پر رہنے کی کیا ضرورت
ہے بھلا؟"

جنگلی سہیلی نے کہا:

"یہ تو ٹھیک ہے مگر یہ بھی تو سوچیے کہ اسے ایک خاموش اور الگ تھلگ
جہاز چھوڑ کر جنگل میں جا کر چھپنے کی کیا ضرورت ہے؟ وہ ضرور جہاز
میں ہی کسی جگہ چھپا ہوگا۔"

ملکہ بولی:

"مگر میرا دل نہیں مانتا۔"

ملکہ کا دل مانے یا نہ مانے۔ قاتل جزیرے پر جہاز میں سے نکل کر آ چکا
تھا۔ جس وقت ملکہ اپنی سہیلی کی ساتھ باتیں کر رہی تھی ٹھیک اس وقت
قاتل بلا یعنی بن مانس ریت پہ لیٹے ہوئے عنبر پر جھکا اسے اپنی لال
لال آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ عنبر کو یہ خطرہ تھا کہ کہیں بن مانس اسے

پہچان نہ لے۔ ہوسکتا ہے کہ پھر وہ اسے مرد سمجھ کر اس پر حملہ نہ کرے
کیوں کہ اب تک بن مانس نے عورتوں کو ہی ہڑپ کیا تھا۔

عنبر بڑے سکون سے آنکھیں بند کیے جان بوجھ کر ہلکے ہلکے خراٹے
لے رہا تھا۔ یہ بتانے کے لیے کہ وہ سو رہا ہے جب کہ وہ جاگ رہا تھا؛
البتہ اس نے اپنی آنکھیں ضرور بند کر رکھی تھیں۔ تا کہ بن مانس کو شک
نہ پڑ جائے کہ وہ جاگ رہا ہے۔ بن مانس کو بھی جیسے کچھ شبہ سا ہوگیا
تھا کہ کوئی عجیب وغریب سی شے زمین پر پڑی خراٹے لے رہی ہے۔

مگر جو کچھ تھا وہ انسان ضرور تھا کیوں کہ اسے انسان کے گرم گرم خون
کی بو آ رہی تھی اور اس کی بھوک تیز ہو رہی تھی۔

بن مانس نے اپنا بھاری بھرکم بازو اٹھا کر اپنا ہاتھ عنبر کے منہ پر ایک
گدی کی طرح رکھ کر اوپر سے دبا دیا۔ عنبر نے آنکھیں کھول دیں یہ
ظاہر کرنے کے لیے کہ اس کا دم گھٹ رہا ہے؛

حالاں کہ اس کا دم بالکل نہیں گھٹ رہا تھا۔ اگر بن مانس اس کا ناک
اور منہ بھی بند کر دیتا جب بھی عنبر کا دم نہیں گھٹ سکتا تھا۔ وہ تو پانی کے
اندر رہ کر بھی سانس لے سکتا تھا۔ بن مانس اپنی طرف سے پورا زور لگا
کر عنبر کو' یعنی جنگلی عورت کو ہلاک کر رہا تھا۔

عنبر نے دیکھا کہ بن مانس کی سرخ انگارا آنکھوں سے شعاعیں نکل
رہی تھیں۔ یہ کوئی اس جزیرے کی بہت بڑی بلا تھی۔ جس نے کسی
دوسرے جزیرے سے اچانک آ کر اس جزیرے کے رہنے والوں پر
حملہ کر دیا تھا۔ یہ اتنی بڑی بلا تھی کہ عنبر نے سوچا' بیچاری جزیرے کی
عورتیں اس کا مقابلہ نہیں سکتی تھیں۔ اور پھر بن مانس کا حملہ اچانک اور
آدھی رات کو ہوتا تھا۔ اور ایک دم سوئی عورت کے منہ پر ہاتھ رکھ دیتا
تھا عورت نہ چیخ سکتی تھی' نہ وہ آواز نکال کر کسی دوسرے کو اپنی مدد کے
لیے بلا سکتی تھی۔

عنبر کو گھٹن محسوس ہو رہی تھی۔ لیکن وہ اپنی آواز منہ سے نکال کر کسی کو
اپنی طرف بلا نہیں سکتا تھا۔ بن مانس نے جب دیکھا کہ جنگلی عورت
یعنی عنبر مر چکا ہے تو اس نے عنبر کو کمر پر ڈالا اور چل دیا۔ یہی بن مانس
پر حملے کا موقع تھا۔ کیوں جہاز پر چلے جانے سے عنبر دوسری عورتوں کو
نہیں بلا سکتا تھا۔

عنبر نے بن مانس کے کندھے پر پڑے پڑے ایک زور سے چھلانگ
لگائی اور اچھل کر نیچے ریت پر گر پڑا۔ بن مانس تو اسے دیکھتے رہ گیا۔
اسے کبھی یقین نہیں آ سکتا کہ جس عورت کو اس نے ہلاک کر دیا ہو وہ
زندہ ہو اور پھر اس کی گرفت سے نکل کر بچ جائے۔ اس نے ایک زور
دار چیخ ماری جس سے سارا جنگل گونج اٹھا اس کی چیخ کی آواز ملکہ
فولانی اور جزیرے کی دوسری عورتوں نے بھی سنی۔

ملکہ نے کہا:

"معلوم ہوتا ہے عنبر پر قاتل نے حملہ کر دیا ہے یہ کسی خطرناک وحشی
بن مانس کی آواز تھی۔ ضرور اس جنگل میں کسی جزیرے سے کوئی خوف
ناک بن مانس آ گیا تھا۔ جو ہم پر رات کو حملہ کرتا تھا چلو عنبر کی مدد کو چلتے
ہیں۔ اس نے ہماری خاطر اپنی زندگی خطرے میں ڈال رکھی ہے۔"

"چلو ملکہ سلامت۔"

تمام جنگلی عورتیں ملکہ فولانی کے ساتھ تیر کمان اور نیزے پکڑ کر شور
مچاتیں جزیرے کے ساحل کی طرف روانہ ہو گئیں۔ ٹھیک اس وقت
عنبر اور بن مانس کا ریت پر بڑا زبردست مقابلہ ہو رہا تھا۔ چاند میں
عنبر اور بن مانس لڑتے صاف دکھائی دے رہے۔ بن مانس نے کئی
بار عنبر کو اٹھا اٹھا کر زمین پر مارا۔ مگر عنبر کا کچھ بھی نہ بگڑا۔ وہ پھر سے
اٹھ کھڑا ہوتا۔ بن مانس اپنی وحشی زندگی میں پہلی بار ایک ایسے
نوجوان کو دیکھ رہا تھا۔ جس پر اس کے بھاری بھرکم مکوں اور تیز ناخنوں

کے حملے کا کچھ بھی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ بن مانس کے حملوں سے کئی بار
عنبر کے پیٹ پر ناخنوں کی ہلکی ہلکی خراشیں آتیں اور وہ پھر سے ٹھیک
ہو جاتیں۔ نہ خون کا ایک قطرہ بہتا اور نہ عنبر کے جسم پر کوئی چوٹ آتی۔
بن مانس کی حیوانی عقل بھی چکر کھا گئی کہ یہ معاملہ کیا ہے۔

اس نے ایک بار پھر عنبر کو دونوں ہاتھوں پر اٹھایا اور پوری طاقت سے
اسے ریت کی زمین پر دے مارا۔ ایسی آواز پیدا ہوئی جیسے زمین پر
آٹے کی بوری کے گرنے سے ہوتی ہے۔ بن مانس نے جھک کر عنبر کو
دیکھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ مر چکا ہوگا۔ مگر عنبر زندہ تھا۔ اور بن مانس
کی طرف غصے بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ بن مانس نے دوسری بار
حملہ کرنا چاہا ہی تھا کہ عنبر نے زمین پر سے ریت اٹھا کر بن مانس کی
آنکھوں میں پھینک دی۔

آج تک کسی نے اس طرح بن مانس پر حملہ نہیں کیا تھا۔ ابھی وہ کود ہی

رہا تھا کہ عنبر نے زمین پر سے ایک پتھر اٹھا کر پوری طاقت سے بن مانس کے منہ پر دے مارا۔ مگر بن مانس کو ایسے لگا جیسے کسی نے اس کی منہ پر ایک کنکر مار دیا ہو۔ اس کی آنکھوں میں ریت گھس گئی تھی اور وہ اندھا ہو گیا تھا۔ عنبر بار بار اس کے پیٹ میں گھونسے مار رہا تھا مگر بن مانس پر اس کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ اب اسے افسوس ہونے لگا کہ وہ اپنے ساتھ کوئی تلوار یا نیزہ کیوں نہیں لایا۔ پھر اس نے سوچا کہ ملکہ کو اپنی عورتیں لے کر وہاں آ جانا چاہیے تھا تا کہ وہ بن مانس پر تیروں کی بارش کر دیتیں۔

کیونکہ عنبر تو مر نہیں سکتا تھا۔ وہ بن مانس گوریلے کو مار بھی نہیں سکتا تھا: بس یہی ہو سکتا تھا کہ بن مانس عنبر کے ساتھ لڑتے لڑتے خود ہی تھک کر گر پڑے۔ مگر بن مانس تھکنے والی چیز نہیں تھی۔ ادھر عنبر بھی مرنے والی شے نہیں تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ان دونوں کا مقابلہ ساری

رات اور پھر اگلے روز تک جاری رہ سکتا تھا عنبر نے زور سے ملکہ کو آواز دی۔ اس وقت ملکہ اپنی جنگجو عورتوں کے ساتھ جنگل میں سے نکل کر جہاز کے قریب ساحل کی ریت پر آ گئی تھی۔ اب جو انہوں نے اپنے سامنے ایک اونچے لمبے خوف ناک بن مانس کو عنبر کے ساتھ لڑتے دیکھا تو دنگ رہ گئیں۔

تو یہ تھی وہ بلا جو ان کی عورتوں کو ہر روز اٹھا کر لے جاتی تھی؟

لڑائی بڑے زور شور سے ہو رہی تھی۔ بن مانس بار بار عنبر کو اٹھا کر زمین پر پٹخ رہا تھا۔ اسے توڑ مروڑ رہا تھا۔ مگر عنبر پر اس کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ عنبر بھی بن مانس کے ساتھ پوری طرح لڑائی کر رہا تھا مگر بات وہی تھی کہ نہ عنبر بن مانس کو مار سکتا تھا اور نہ بن مانس عنبر کو مار سکتا تھا۔

ملکہ نے دور ہی سے عنبر کو آواز دی۔

"فکر نہ کرو عنبر' ہم آ گئے ہیں۔"

اس آواز پر بن مانس نے چونک کر عورتوں کی طرف دیکھا جو ذرا پرے جنگ کرنے کے لیے قطار بنا کر کھڑی ہو گئی تھیں۔ ادھر عنبر کے بناوٹی بال بھی اتر گئے تھے اور وہ عورت سے پھر مرد بن گیا تھا۔

بن مانس پر اس بات کا بھی عجیب اثر ہوا کہ جس شے کو وہ عورت سمجھ رہا تھا وہ اچانک مرد بن گئی۔ اس نے ایک زوردار چیخ ماری اور عورتوں کی طرف بھاگا۔ جنگلی عورتیں پہلے سے ہی تیار کھڑی تھیں اور وہ انتظار کر رہی تھیں کہ بن مانس بلا عنبر سے الگ ہو تو اس پر حملہ کریں۔ اب جونہی بن مانس عنبر سے الگ ہو کر ان کی طرف دوڑا' جنگلی عورتوں نے ملکہ کے حکم پر کمانوں میں زہر میں بجھے تیر اور انہیں کھینچ کر پوری طاقت کے ساتھ بن مانس پر چلا دیے۔

پچاس تیر پوری رفتار کے ساتھ سن کرتے ہوئے ہوا میں اڑے اور بن مانس کی چھاتی میں جا کر گڑ گئے۔ بن مانس ایک بار ذرا ڈگمگایا مگر

پھر چیخ مار کر عورتوں کی طرف بڑھا۔ اس دوران میں ملکہ نے ایک خنجر عنبر کے پاس پھینک دیا تھا۔ عنبر نے خنجر سے بن مانس پر حملہ کر دیا۔ وہ بار بار اس کی پیٹھ میں خنجر گھونپ رہا تھا اور باہر نکال رہا تھا۔ بن مانس کے جسم سے خون بہنے لگا۔

"بن مانس کے سر پر تیر مارو۔"

عورتوں نے ایک بار پھر کمانوں میں تیر جوڑے اور عنبر کے حکم کے مطابق بن مانس کے سر پر تیر مار دیے۔ سارے تیر بن مانس کے سر میں گڑ گئے۔ بن مانس لڑکھڑایا۔ پھر اٹھا اور عورتوں پر حملہ کرنے بھاگا عورتیں بڑی ہوشیار اور دلیر تھیں۔ وہ لپک کر دوسری جانب ہو گئیں۔ عنبر نے خنجر بن مانس کے پیٹ پر چلانا شروع کر دیا۔ اب اس کا برا حال ہو رہا تھا۔ اس کے پیر ڈگمگانے لگے تھے۔ جنگلی عورتوں نے قریب آ کر بن مانس پر نیزے پھینکے۔ کتنے ہی نیزے بن مانس کے

سینے، گردن اور پیٹ میں کھب گئے۔

اب اس کی حالت خراب ہونی شروع ہوگئی تھی اور بار بار لڑکھڑا رہا تھا، اس پر تیروں' نیزوں اور عنبر کے خنجروں کا حملہ برابر جاری رہا۔ آخر وہ گر پڑا۔ ریت پر گرتے ہی جنگلی عورتیں اس پر ٹوٹ پڑیں۔ انہوں نے نیزے مار مار کر بن مانس کا کچومر نکال دیا۔

مرنے سے پہلے بن مانس نے ایک آخری چیخ ماری جس نے سارے کے سارے جنگل میں ایک ایسی زبردست گونج پیدا کی کہ جنگل کے درختوں پر بیٹھے ہوئے سارے پرندے اڑ گئے۔

بن مانس ریت پر پڑا' خون میں لت پت زندگی کے چند آخری سانس لے رہا تھا۔ ملکہ فولانی دوسری عورتوں کے ساتھ عنبر کے پاس آ گئی۔ اس نے دیکھا کہ عنبر کے جسم پر زخم کی ایک ہلکی سی خراش بھی نہیں تھی؛ وہ اس کی طاقت کو مان گئی۔

جزیرے سے روانگی

بن مانس کے گرتے ہی جنگلی عورتوں نے خوشی سے نعرے لگائے۔

اب صبح کا اجالا چاروں طرف پھیل گیا تھا۔ عنبر اور ملکہ سب سے پہلے بن مانس کے پاس گئے۔ بن مانس دم توڑ رہا تھا۔ اس کی آواز ایسے آ رہی تھی جیسے کہیں کوئی سمندر کی لہریں چٹانوں سے ٹکرا رہی ہوں۔

عنبر نے ایک نیزہ لے کر بن ماتس کے دل میں گاڑ دیا۔ بن مانس نے

ایک چیخ ماری اور ختم ہو گیا۔

جنگلی عورتوں نے اس کے ارد گرد ناچنا شروع کر دیا، ملکہ نے عنبر سے کہا:

”عنبر بھائی اگر تم بہادری اور جرات سے کام نہ لیتے تو ہمیں اس بلا کا سراغ نہیں مل سکتا تھا۔ نہ جانے ابھی کتنی عورتوں کو یہ بن مانس ہلاک کرتا۔“

عنبر نے کہا:

”فولانی' یہ میرا فرض تھا اور پھر مجھے معلوم تھا کہ یہ خوف ناک بلا عورتوں کو اور دوسروں کو تو ہلاک کر سکتی ہے مگر میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ اس لیے میں اس کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا خدا کا شکر ہے کہ یہ خونی بلا اپنے انجام کو پہنچی۔“

شگفتانا نے بھی آ کر عنبر کو مبارک باد دی۔ اس روز سارے جزیرے

میں ایک خوف ناک بلا سے نجات حاصل کرنے کا دن منایا گیا۔ سارا دن جنگلی عورتیں ناچتی رہیں۔ انہوں نے عنبر کے گلے میں بے شمار پھولوں کے ہار ڈالے۔

بن مانس کی لاش کے ساتھ ہزاروں پتھر باندھ کر اسے سمندر میں ڈال دیا گیا۔ پتھر بن مانس کی لاش لے کر سمندر کی تہہ میں جا کر بیٹھ گئے۔ بن مانس کی لاش پر سمندری مچھلیوں نے حملہ کر دیا اور جو بلا کل تک انسانوں کو گوشت کھاتی تھی' آج اس کا گوشت سمندر کی مچھلیاں کھا رہی تھیں۔ دنیا میں ہر برائی کا بدلہ مل کر رہتا ہے۔ اسی لیے عقل مند لوگوں نے کہا ہے کہ انسان کو برائی سے بچتے رہنا چاہیے۔

دو روز بعد عنبر نے ملکہ سے کہا:

”میرا خیال ہے کہ اب مجھے اس جزیرے سے کوچ کر جانا چاہیے کہیں ایسا نہ ہو کہ موسم پھر سے خراب ہو جائے اور میں اس جگہ رہ جاؤں۔“

ملکہ نے کہا:

”ہماری تو یہی خواہش ہے کہ تم ہمارے جزیرے میں ہی رہ جاؤ۔
مگر چوں کہ تم نے اپنے بھائی ناگ اور بہن ماریا کے پاس جانا ہے
اس لیے میں تمہیں روک نہیں سکتی۔ میری رائے میں تم کل صبح یہاں
سے چلے جانا۔ کیونکہ صبح کے وقت سمندر کی لہریں پرسکون ہوتی
ہیں۔“

عنبر نے کہا:

”ٹھیک ہے میں کل صبح یہاں سے چل پڑوں گا۔ اس جہاز کو اسی طرح
یہاں رہنے دینا۔ تم لوگ اگر چاہو تو اس پر اپنا گھر بنا سکتے ہو لیکن اس
میں خطرہ ہے کہ کسی بھی لہر کے آنے پر یہ جہاز یہاں سے بہہ کر گہرے
سمندر میں جا سکتا ہے۔ کیونکہ اس کا لنگر ٹوٹ چکا ہے۔“

ملکہ نے کہا:

”ہم جزیرے کے درختوں پر جھونپڑیاں بنا کر رہتے ہیں۔ ہمیں وہاں
بڑا سکون ملتا ہے۔ تمہارے جانے کے بعد ہم اس جہاز کو آگ لگا کر
جلا ڈالیں گے۔ کیوں کہ اس میں ہماری عورتوں کا خون بہایا گیا ہے۔
ہم اس منحوس یادگار کو یہاں نہیں دیکھ سکتے۔“

عنبر بولا:

”میرا بھی یہی خیال ہے تم میرے بعد اس جہاز کے ساتھ جو چاہے
سلوک کرنا۔“

عنبر نے اسی روز شکنتلا کے ساتھ مل کر جانے کی تیاری شروع کر دی۔
بڑی بادبانی کشتی کو نکال کر سمندر کے کنارے لایا گیا۔ اس میں کئی روز
کی خوراک اور پانی جمع کیا گیا۔ اس کی ہر طرح سے دیکھ بھال کی گئی
اور پھر وہ وقت بھی آ گیا۔ جب کہ عنبر کو اس جزیرے سے رخصت ہونا
تھا جس میں اس نے کچھ عرصہ گزارا تھا اور بڑے بڑے عجیب تجربے

کیے تھے۔اصل میں عنبر کا بھی یہاں دل لگ گیا تھا اگر اسے اپنی بہن ماریا اور بھائی ناگ کی یاد نہ ستاتی تو شاید وہ اسی جزیرے میں آباد ہو جاتا۔وہ اس جزیرے کا بے تاج بادشاہ بن گیا تھا۔وہ بڑے مزے سے اس جزیرے میں اپنی باقی زندگی بسر کر سکتا تھا۔لیکن اسے ماریا اور ناگ کا خیال رہ رہ کر آتا تھا کہ خدا جانے وہ کس حال میں ہیں اور وہ اس کے بارے مین کتنے پریشان ہو رہے ہوں گے۔

اس کی بادبانی کشتی سمندر میں اتار دی گئی۔وہ شکنتلا کے ساتھ کشتی میں سوار ہو گیا۔

جنگلی عورتوں نے انہیں پھولوں کے ہاروں سے لاد دیا۔ملکہ فولانی نے اپنے ہاتھ سے عنبر اور شکنتلا کے سر میں ناریل کا دودھ ڈالا۔یہ اس جزیرے کی رسم تھی کہ وہاں سے رخصت ہوتے ہوئے ہر بہن اپنے بھائی کے سر میں ناریل کا دودھ ڈالا کرتی تھی۔تاکہ اس کا سفر سکون

اور آرام سے کٹے۔

عنبر نے کہا:

فولانی بہن، مجھے آپ لوگوں کا اچھا سلوک بہت یاد آئے گا۔میں اپنی بہن ماریا اور بھائی ناگ کو جا کر بتاؤں گا کہ جزیرے کے لوگ کتنے اچھے تھے اور انہوں نے اس کے ساتھ کتنا اچھا سلوک کیا۔"

ملکہ کہنے لگی:

"عنبر بھائی، ہم بھی تمہیں بہت یاد کیا کریں گے۔تم نے ہماری جس جس طرح سے مدد کی ہے۔ہم اسے کبھی نہیں بھولیں گی۔تم نے ہمیں ایک خوفناک بلا سے نجات دلائی۔ہم تمہیں جلد سمندری سفر کے بعد بہن ماریا اور بھائی ناگ سے ملا دیں گے۔"

عنبر نے کہا:

"اچھا بہن خدا حافظ۔"

"خدا حافظ۔"

فولانی نے شکنتلا کو بھی گلے لگایا اور اسے پیار سے الوداع کیا۔ کشتی کے بادبان کھول دیے گئے۔ ان میں ہوا بھر گئی اور کشتی نے کھلے سمندر میں سفر شروع کر دیا۔ سمندر بڑا پرسکون تھا۔ ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی بادبانی کشتی ساحل سے دور ہوتی گئی۔ جزیرے کے درخت دور ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ جزیرہ سمندر کی لہروں میں چھپ گیا اور بادبانی کشتی کھلے سمندر میں ہندوستان کی طرف سفر کرنے لگی۔

طوفان کی رات

بادبانی کشتی کھلے سمندر میں سفر کر رہی تھی۔

آسمان پر دھوپ کھلی تھی موسم بڑا سہانا تھا۔ سمندر کی لہریں بڑے سکون اور ٹھہراؤ کے ساتھ بہہ رہی تھیں۔ شکنتلا نے کھانے پینے کے سارے سامان کو بڑے سلیقے سے کشتی کے نیچے والے تہہ خانے میں اکٹھا کر کے رکھ دیا تھا۔ دوپہر کو اس نے خشک مچھلی تل کر بنائی۔ دونوں نے مل

کر کھانا کھایا اور پھل سے لطف اٹھایا۔ پھر وہ کشتی کے تختے پر جنگلے کے
پاس آ کر بیٹھ گئے۔ سمندر کی لہریں بڑے سکون اور آرام سے بہہ رہی
تھیں۔

طوفان کے کوئی آثار نہیں تھے۔ موسم خوشگوار تھا۔

شگفتا نے پوچھا:

''عنبر بھائی اگر ہم اسی طرح سفر کرتے رہے تو کب تک ہندوستان
کے ساحل پر پہنچیں گے؟''

عنبر نے کہا:

شگفتا! اگر موسم اسی طرح خوشگوار رہا کسی طوفان نے ہمیں راستے سے
نہ بھٹکایا تو ہم ایک مہینے کے اندر اندر ہندوستان کے ساحل پر جا لگیں
گے۔''

شگفتا بولی:

''عنبر کیا تمہارے پاس نقشہ ہے؟''

عنبر نے کہا:

''نہیں شگفتا! میرے پاس کوئی نقش نہیں ہے مگر میں ستاروں کے
حساب سے سمندروں میں سفر کرتا رہا ہوں۔ سمندر میرے لیے نیا
نہیں ہے۔ میں نے ان پانیوں میں بڑی آوارہ گردی کی ہے۔
میں ٹھیک راستے پر جا رہا ہوں ستارے کبھی دھوکا نہیں دیتے۔ وہ ہر
رات ٹھیک وقت پر اور اپنی ٹھیک جگہ پر نکلتے ہیں۔ ان کے زاویے بھی
باکل بچے ہوتے ہیں۔ ان کی رہنمائی میں ہم ٹھیک راستے پر سفر کریں
گے۔''

شگفتا نے کہا:

''مجھے اپنا گھر بار اب بہت یاد آنے لگا ہے۔ میرا شوہر میرے لیے
بے حد پریشان ہو گا۔ خدا جانے میرے بچے کی کیا حالت ہو گی؟ یہ

سب جب مجھے دیکھیں گے تو خوشی سے ناچ اٹھیں گے۔ انہیں امید
ہی نہیں ہوگی کہ میں کبھی پھر ان سے مل سکوں گی۔“
عنبر نے کہا:
”شگفتا! انسان کو خدا کی رحمت سے کبھی ناامید نہیں ہونا چاہیے۔
انہیں ہر وقت اپنے دل میں خدا کا خیال رکھنا چاہیے اور ہر مصیبت
میں اسی سے مدد لینی چاہیے۔ جس کی مدد خدا کرتا ہے اسے کبھی دنیا کی
کوئی طاقت نقصان نہیں پہنچا سکتی۔“
شگفتا کہنے لگی:
”ہاں عنبر بھائی بھگوان میں بڑی طاقت ہے۔ بھگوان کو یاد کرنے
والا آدمی کبھی شکست نہیں کھاتا۔ اس کی ہمیشہ فتح ہوتی ہے۔
میں ہمیشہ بھگوان سے خدا سے دعا کرتی رہی تھی کہ مجھے ایک بار اپنے
خاوند اور بچے سے ملا دے۔ خدا نے میری دعا قبول کی اور تمہیں میری

مدد کے لیے بھیج دیا آج میں تمہارے ساتھ اپنے گھر بچوں کے پاس
واپس جا رہی ہوں۔“
عنبر نے شگفتا کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا:
”تم خوش نصیب ہو شگفتا بہن‘ خدا نے تمہاری دعا قبول کی اب دعا
کرو کہ موسم خوشگوار ہے راستے میں کوئی طوفان ہمارا راستہ نہ گھیرے
اور ہم خیر خیریت سے اپنی منزل پر پہنچ جائیں۔“
شگفتا دعا کرنے لگی عنبر بادبانوں کی رسیاں کھولتے ہوئے انہیں
دوبارا کسنے لگا کیونکہ ہوا کچھ تیز ہوگئی تھی۔ جس کی وجہ سے بادبانوں پر
دباؤ زیادہ بڑھ جانے سے رسیاں تھوڑی ڈھیلی ہوگئی تھیں۔ رسیوں کو
کس کر وہ کشتی پر دوزانو ہو کر خدا سے دعا مانگتی رہی کہ ان کا سفر آرام
سے کٹے اور وہ بہت جلد اپنے بچے اور گھر بار میں واپس پہنچ جائے۔
بادبانی کشتی سمندر میں بہتی چلی گئی رات کو عنبر کتنی دیر تک ستاروں کے

حساب سے ان کی کشتی بڑے صحیح راستے کی بڑی خوشی تھی۔ کیوں کہ وہ
جلد سے جلد شگفتا کو اس کے بچے' خاوند اور ماں باپ کے پاس پہنچا کر
وہاں سے اپنی بہن ماریا اور ناگ کے پاس جانا چاہتا تھا۔
بادبانی کشتی میں انہیں سفر کرتے ہوئے دس روز ہو گئے۔
سمندری سفر بڑے سکون سے کٹا۔ شگفتا صبح اٹھ کر عبادت کرتی۔ پھر
ناشتہ بناتی۔ دونوں کشتی میں بیٹھ کر ناشتہ کرتے قہوہ پیتے۔ عنبر پھر
بادبانوں کی مرمت شروع کر دیتا کیوں کہ دس بارہ دن کے سفر کے
بعد دو ایک جگہ تھوڑے سے پھٹ جاتے۔ عنبر ہر روز ان کی مرمت
کرتا۔
شگفتا کشتی کے فرش کو صبح شام دو وقت پانی سے دھوتی اسے صاف کر
کے چمکا دیتی۔ دن اسی طرح ہنسی خوشی اور مصروفیت کے ساتھ سمندر
میں گزر رہے تھے۔ عنبر کو بڑی تسلی تھی کہ طوفان سے وہ بچے ہوئے

تھے۔ اگر چہ وہ طوفان کا موسم نہیں تھا۔ پھر بھی طوفان کا کوئی بھروسہ
نہیں تھا۔ خاص طور پر وہ جس سمندر میں اب داخل ہو گئے تھے وہ
ایک گرم مرطوب علاقے کا سمندر تھا۔ یہاں گرم ہوائیں چلتی تھیں۔
جن کی وجہ سے فضاؤں میں رطوبت بڑھ جاتی تھی اور گرم ہو کر تیز
ہوائیں چلا کرتی تھیں۔
اکیس روز بعد صبح سو کر اٹھے تو آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ عنبر
نے بڑی تشویش کی ساتھ بادلوں کو دیکھا شگفتا نے کہا:
"بھگوان رحم کرے یہ تو بادل آ گئے۔"
عنبر نے مسکرا کر کہا:
"بادل آ گئے ہیں تو پھر کیا ہوا؟ بادل تو آسمان پر چھایا ہی کرتے ہیں۔"
"نہیں عنبر بھائی' میرا دل گواہی دیتا ہے کہ یہ بادل بڑے خطرناک
ہیں۔ دیکھو ان کی طرف دیکھو کیا یہ تمہیں خطرناک نہیں لگتے؟"

عنبر نے غور سے دیکھنے پر محسوس کیا کہ فضا میں کوئی غیر معمولی سا حبس
ہے۔اس سے پہلے جب بھی اس قسم کا حبس اس نے دیکھا تھا وہاں
طوفان ضرور آیا۔عنبر نے طوفان سے نپٹنے اور اس کا مقابلہ کرنے کے
سارے انتظام کر لیے۔تہہ خانے میں کھانے پینے چیزوں کو فرش پر
سے اٹھا کر اوپر خانوں میں بند کر دیا تا کہ اگر کشتی کے اندر پانی
آ جائے کھانے پینے کی چیزیں بچ جائیں۔

بادبانوں کی رسیوں کو ڈھیلا کر دیا گیا۔کیوں کہ اب تیز ہوا چلنا شروع
ہو گئی تھی اور بادلوں نے ہلکے ہلکے گرجنا شروع کر دیا تھا۔

شگفتا تو بے حد ڈری ڈری سی تھی۔عنبر نے اس کی ڈھارس بندھانے
کے لیے اسکی طرف مسکرا کر دیکھا اور کہا:

"اری بہن' تو تو سچ مچ ڈرنے لگی ہے۔"

شگفتا نے جھوٹ موٹ مسکراتے ہوئے کہا:

"نہیں تو' میں تو بالکل نہیں ڈری ہوئی۔میں تو بہادر لڑکی ہوں۔بھلا
میں کیوں ڈرنے لگی۔"

عنبر نے ہنس کر کہا:

"شاباش' تم سچ مچ بڑی بہادر لڑکی ہو۔میں بھی سوچ رہا تھا کہ بھلا
شگفتا ایسی لڑکی بھی کبھی معمولی سے طوفان سے ڈر سکتی ہے؟اور پھر
طوفان تو کہیں بھی نہیں ہے۔بس ذرا سی ہوا تیز ہوئی ہے اور بادلوں
نے گرجنا شروع کیا ہے۔اور یہ تو سمندر میں ہمیشہ ہوتا آیا ہے۔"

عنبر نے شگفتا کا دل بہلانے کے لیے ادھر ادھر کی باتیں شروع کر
دیں۔پھر وہ شگفتا کے بچے کا ذکر کرنے لگا۔

"شگفتا' تمہارا بچہ کتنی عمر کا ہو گا؟"

شگفتا کہنے لگی:

"چھوٹا سا ہے۔بڑا پیارا بچہ ہے۔جب مسکرا مسکرا کر میری طرف

دیکھتا ہے تو میری روح کو سکون نصیب ہوتا ہے بھگوان اسے سلامت رکھے۔ میری زندگی اس کے اور اپنے خاوند کے بغیر آدھی رہ گئی ہے''

عنبر بولا:

''فکر کرنے کی کوئی بات نہیں شکنتلا تم اب بہت جلد اپنے خاوند اور پیارے بچے کے پاس پہنچ جاؤ گی۔ ہم ٹھیک راستے پر جا رہے ہیں اور صرف دس دن کا سفر ہی تو باقی رہ گیا ہے جہاں بیس دن گزر گئے ہیں وہاں دس دن اور بھی گزر جائیں گے اور یہ بادل اور یہ ہوا کچھ نہیں بگاڑ سکتی ہم نے طوفان میں سے گزر کر دیکھا ہے۔ پھر طوفان تو آئے گا بھی نہیں۔ بس ذرا سے بادل ہیں گرج برس کر چلے جائیں گے۔''

لیکن اندر سے عنبر کو بھی معلوم ہو گیا تھا کہ طوفان آ رہا ہے اور بڑا شدید طوفان آ رہا ہے کیونکہ اگرچہ ہوا چل رہی تھی لیکن فضا میں حبس موجود تھا۔ یہ حبس اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ کوئی بہت بڑا طوفان آ رہا

ہے۔ عنبر کو اپنی فکر نہیں تھی وہ تو مصیبتوں اور تکلیفوں کا عادی تھا۔ طوفان میں اگر اس کی کشتی غرق بھی ہو جاتی تو وہ بڑے آرام سے لکڑی کے کسی تختے پر بیٹھ کر گزارہ کر سکتا تھا آخر ایک نہ ایک روز تو لکڑی کا تختہ بھی کنارے لگ جاتا ہے۔

لیکن اسے فکر تھی تو ساری فکر شکنتلا کی تھی۔ جو ایک عورت بھی تھی اور ایک عام عورت بھی تھی۔ عام عورت ان معنوں میں کہ اس پر موت حملہ کر کے اسے ختم کر سکتی تھی۔ لیکن عنبر نے قسم کھا رکھی تھی کہ جب تک شکنتلا کو اس کے شوہر اور بچے سے نہیں ملاتا اپنی بہن ماریا اور بھائی ناگ سے نہیں ملے گا۔ پھر بھی طوفان سر پر کھڑا تھا۔ ہوا تیز ہو گئی تھی۔

اب مینہ بھی برسنا شروع ہو گیا تھا۔ مینہ کی بوچھاڑیں اور ہوا کے تھپیڑے بادبانوں کو پھڑ پھڑا رہے تھے۔ عنبر شکنتلا کو لے کر نیچے تہہ خانے میں آ گیا یہاں بارش سے بچ کر آرام سے بیٹھ گئے۔ کشتی

سمندر کی لہروں میں ڈولنا شروع ہوگئی تھی شگفتا کا دل بھی ڈولنے لگا
تھا۔ اس نے سمندر میں سفر ضرور کیا تھا مگر طوفان کبھی نہیں دیکھا تھا۔
ہندوستان کا ساحل دو روز کے فاصلے پر رہ گیا تھا کہ سمندر میں طوفان
آ گیا۔ بجلی زور زور سے کڑکنے لگی۔ ہوا بے حد طوفانی ہوگئی اور سمندر
میں بڑی بڑی لہریں اٹھنے لگیں۔ بادبانی کشتی میں بارش کا پانی بھرنے
لگا عنبر اور شگفتا نے مل کر پانی کو باہر نکالنا شروع کر دیا۔ بادبان چونکہ
کھلے تھے۔ اس لیے ان میں آندھی کی ہوا بھر کر کشتی کو پاگل بنا کر
اڑائے لیے جا رہی تھی عنبر لپک کر اوپر آیا اور اس نے خنجر سے بادلوں
کی رسیاں کاٹ دیں بادبان سمٹ گئے۔ اس سے جہاز کی رفتار اور
ڈولنا بھی کم ہوگیا۔ سمندر یہاں پر بڑ گہرا تھا۔ یہ ایک حقیقت تھی کہ ان
کی بادبانی کشتی طوفان میں صرف اس لیے بچی ہوئی تھی کہ وہ ہلکی
پھلکی تھی اور لہریں اسے جدھر کو موڑتیں وہ مڑ جاتی تھی۔ اگر اس کی

جگہ کوئی بڑا بادبانی جہاز ہوتا تو وہ ضرور ٹوٹ پھوٹ جاتا۔
مگر اب طوفان اس قدر زیادہ بڑھ گیا تھا کہ اس ہلکی پھلکی کشتی کی بھی
حالت خراب ہونے لگی تھی۔ لہروں کے تھپیڑے اسے کھلونے کی
طرح لہروں پر اچھال رہے تھے۔ تہہ خانے میں بھی پانی بھر گیا تھا اور
کھانے پینے کی ساری چیزیں بھیگ گئی تھیں۔

عنبر نے کہا:

شگفتا میں اوپر جا کر بادبان کھول کر ان کا رخ مخالف سمت کو کرتا ہوں
اس طرح شاید ہماری کشتی ڈوبنے سے بچ جائے۔"

شگفتا نے روتے ہوئے کہا: "بھگوان کے لیے کچھ کرو عنبر بھائی۔"

عنبر نے کہا:

"اگر تم اسی طرح روتی رہیں تو میں کوئی کام نہ کر سکوں گا تم حوصلہ
کیوں نہیں رکھتیں جب میں تمہیں کہہ رہا ہوں کہ ہمارا کچھ نہیں بگڑے

گا خدا ہمارے ساتھ ہے پھر تم کیوں گھبراتی ہو؟''

شگفتا نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا:

''عنبر بھائی میں ایک ڈرپوک عورت ہوں۔ میرا بچہ میرے بغیر زندہ نہ رہ سکے گا اس لیے میری آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔ میں شرمندہ ہوں۔ اچھا اب نہیں روؤں گی۔''

عنبر بولا:

شاباش اب تم تہہ خانے میں بیٹھو۔ میں اوپر جا کر بادبان کھول کو ان کا رخ بائیں جانب کو کردوں۔''

شگفتا تہہ خانے میں ایک لکڑی کے تختے کے اوپر سمٹ کر بیٹھ گئی اور خدا کو یاد کرنے لگی۔ عنبر اوپر چلا گیا۔ بڑی تیز آندھی چل رہی تھی۔ سمندر کی لہریں شاں شاں کرتیں اوپر اٹھ کر کشتی کو ادھر سے ادھر اچھال رہی تھیں۔ بارش زوروں سے ہو رہی تھی۔ کشتی بادبانوں کے بغیر کسی

نامعلوم منزل کی طرف اپنے آپ بڑی تیزی سے اڑی جا رہی تھی۔

عنبر کا خیال تھا کہ وہ بادبانوں کو کھول کر کشتی کے رخ کو دوسری طرف کرنے کی کوشش کرے گا۔

لیکن جب اس نے ایک ہی بادبان کھولا تو اس میں اس قدر تیزی سے ہوا بھر گئی کہ وہ پھٹ گیا۔ اور اس کے چیتھڑے اڑ کر سمندر میں پھیل گئے۔ یہ حال دوسرے بادبان کا ہوا عنبر تیسرا بادبان کھول ہی رہا تھا کہ ایک زبردست لہر نے کشتی کو ایک طرف لڑھکا دیا۔ تہہ خانے سے شگفتا کی چیخ کی آواز آئی۔ عنبر نے نیچے جا کر شگفتا کو اوپر کھینچا اور وہ ایک طرف کو لڑھکی۔

طوفان پورے زوروں پر تھا۔

شکتا اور عنبر طوفان سے کیسے نکلے؟

کیا وہ ہندوستان کے ساحل تک پہنچے؟

ناگ اور ماریا کے ساتھ کیوشو میں کیا بیتی؟

عنبر سے ان کی ملاقات کس ملک میں ہوئی؟

یہ سب واقعات آپ اس ناول کی

اگلی یعنی چونتیسویں قسط "آتشی اژدھا" میں پڑھیے۔

عنبر ناگ ماریا
آتشی اژدہا
قسط نمبر ۳۴
(اے حمید)

آتشی اژدہا

فہرست :۔

کشتی ڈوب گئی

بادبانی کشتی طوفان کی وجہ سے ٹیڑھی ہو گئی تھی۔
عنبر اور شکنتلا ٹیڑھی کشتی کے اوپر بیٹھے لہروں پر کسی نامعلوم منزل کی
طرف بہے چلے جا رہے تھے۔ اب طوفان کا زور اتر گیا تھا۔
سمندر کی لہریں سکون پر آ گئی تھیں۔ سمندر کا پہلے جیسا زور نہیں رہا تھا۔
شکنتلا بڑی ڈر رہی تھی۔ اسے سمندر سے خوف محسوس ہو رہا تھا۔ عنبر
نے اسے بہت سمجھایا کہ اسے پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ وہ اسے
مرنے نہیں دے گا۔ لیکن بیچاری شکنتلا آخر ایک کمزور عورت تھی اور
اس کے پاس عنبر کی طرح کوئی خفیہ طاقت بھی نہیں تھی۔ وہ اگر سمندر
میں گر جاتی تو ڈوب کر مر سکتی تھی۔ اسے اپنا بچہ اور خاوند یاد آ رہا تھا۔

اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔
عنبر نے اسے تسلی دی:
"حوصلہ نہیں ہارو شکنتلا! میں تمہیں سمندر میں ڈوبنے نہیں دوں گا اور
اب تو طوفان بھی گزر گیا ہے۔ اب تمہیں کس کا ڈر ہے؟"
شکنتلا نے سسکیاں بھرتے ہوئے کہا:
"بھگوان جانے ہمارا انجام کیا ہوگا؟ تم تو زندہ رہو گے مگر میں زندہ نہ
رہوں گی۔ دیکھو کتنی بڑی بڑی مچھلیاں ہماری کشتی کے گرد پھر رہی
ہیں۔"
عنبر نے کہا:
"یہ مچھلیاں تمہارا بال بھی بیکا نہیں کر سکتیں۔ میں تمہارا ذمہ لیتا ہوں"
"لیکن عنبر آخر کب تک ہم اس ٹیڑھی کشتی پر سفر کر سکیں گے؟"
عنبر نے کہا:

"گھبراؤ نہیں شگفتہ! میرے خدا نے چاہا تو ہم بہت جلد کسی نہ کسی جزیرے کے کنارے جا لگیں گے۔ اس طرف سمندر میں بے شمار چھوٹے چھوٹے جزیرے پھیلے ہوئے ہیں میرا تو خیال ہے کہ کل صبح تک کسی نہ کسی جزیرے پر پہنچ جائیں گے۔"

شگفتہ نے کہا:

"اور اگر اس جزیرے پر بھی آدم خوروں کا بسیرا ہوا تو کیا ہو گا؟"

عنبر نے اسے حوصلہ دیا:

"آدم خور تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔ میں جب تک تمہارے ساتھ ہوں تمہیں کوئی آدم خور وحشی یا آدم خور جانور کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

ساری رات اور سارا دن وہ دونوں ٹیڑھی کشتی پر بیٹھے سمندر میں سفر کرتے رہے۔ رات کو سردی ہو گئی۔ عنبر نے اپنی چادر سر سے اتار کر شگفتہ کو دے دی۔ کیونکہ عنبر کو تو سردی لگتی ہی نہیں تھی، شگفتہ بے چاری

نے سردی میں ٹھٹھرنا شروع کر دیا تھا۔ سمندر میں رات کو ہمیشہ ٹھنڈ ہو جاتی ہے۔ پیاس اور بھوک کے مارے شگفتہ کا برا حال ہونے لگا تھا۔ پیاس کی وجہ سے اس کے حلق میں کانٹے پڑ گئے تھے۔ بھوک نے اسے نڈھال کر دیا تھا۔ عنبر کو نہ تو بھوک تنگ کر رہی تھی نہ پیاس۔ اگر وہ پریشان تھا تو شگفتہ کی وجہ سے پریشان تھا۔ مگر مجبور تھا۔ اس کے لیے کھانا اور پانی کہاں سے لاتا۔

دوسرے دن کا سورج نکلا تو سمندر پر چاروں طرف دھوپ پھیل گئی۔ دھوپ کی وجہ سے فضا گرم ہو گئی۔ شگفتہ کشتی پر نڈھال سی ہو کر لیٹی ہوئی تھی۔ عنبر نے سوچا! پانی میں سے کسی مچھلی کو پکڑ کر شگفتہ کے پیٹ کی آگ بجھانی چاہیے۔ اس نے کشتی پر لیٹ کر ایک ہاتھ پانی میں ڈال دیا۔ مچھلیاں اس کے ہاتھ میں سے پھسل پھسل کر جانے لگیں۔ آخر عنبر نے ایک لمبی سی مچھلی کو پکڑ لیا۔ اس نے مچھلی کا پیٹ چاک کر

کے صاف کیا اور شگفتہ کو کہا کہ وہ اسے کھالے۔

"یہ تو کچی ہے بھائی۔"

"پھر کیا ہوا شگفتہ بہن، مچھلی آدھی پہلے ہی پکی ہوئی ہوتی ہے اور پھر تمہیں بھوک بھی تو بہت لگی ہے۔ لو اسے کھا جاؤ۔"

شگفتہ نے کچی مچھلی کے تین چار ٹکڑے کھائے تو اس کی جان میں جان آگئی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس کی آنکھوں میں چمک واپس آگئی۔

اس نے کہا :

"بھگوان کا شکر ہے کہ مجھے کچھ کھانے کو دو لقمے ملے نہیں تو میرا تو بھوک کے مارے دم نکلا جا رہا تھا۔ اب بھگوان ہم پر رحم کرے اور زمین آجائے۔"

"ضرور ضرور، فکر نہ کرو۔ خدا ہماری یہ دعا بھی قبول کرے گا۔"

شگفتہ نے کہا :

"عنبر بھائی تم کیوں نہیں کھاتے؟ تمہیں بھی تو بھوک لگی ہوگی۔ پیاس لگی ہوگی؟"

عنبر نے مسکرا کر کہا :

"اچھی بہن، خدا کی مہربانی سے نہ مجھے بھوک ستاتی ہے نہ پیاس تنگ کرتی ہے۔ میں ان دونوں چیزوں سے بے نیاز ہوں۔ تم میرا فکر کرنا چھوڑ دو۔"

شگفتہ نے حیرانی سے عنبر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا :

"تم سچ مچ کسی دیوتا کے اتار ہو عنبر بھائی ہمارے ملک میں لوگ آپ کی پوجا کریں گے۔"

عنبر ہنس پڑا :

"پیاری بہن، مجھے کسی سے پوجا کروانے کی ضرورت نہیں ہے ورنہ میں ایک دیوتا بن کر زندگی گزار سکتا تھا۔ لیکن مجھے اس کی ضرورت

نہیں ہے میں ایک عام انسان کی طرح زندگی بسر کرنا چاہتا ہوں۔
ایک عام انسان۔۔۔ جو محنت کرتا ہے اور روکھی سوکھی کھا کر خوش خوش
رہتا ہے۔
شگفتہ! بڑے غور سے عنبر کی باتیں سن رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ یہ شخص
سچ مچ بڑی طاقتوں کا مالک ہے اور دیوتا ہے وہ خود اس کی پوجا کرنا
چاہتی تھی۔ عنبر باتیں بھی کر رہا تھا اور سمندر میں چاروں طرف نظر
بھی دوڑا لیتا تھا۔ ایک دم وہ باتیں کرتے کرتے رک گیا۔ دور
مشرق کے افق پر اسے کالی لکیر نظر آنے لگی تھی۔
”شگفتہ! بہن مبارک ہو“
”کس بات کی بھائی؟“
”زمین نظر آ گئی ہے۔“
”کیا سچ مچ؟“

”ہاں ادھر دیکھو۔“
شگفتہ! نے دیکھا کہ دور سمندر میں ایک کالی لکیر پھیلی ہوئی ہے۔
وہ بڑی خوش ہوئی۔ پھر وہ سوچ کر اداس ہو گئی کہ کہیں یہ کسی طوفان کی
لہر نہ ہو۔ عنبر نے اسے سمجھایا کہ اتنی جلدی کبھی دوسرا طوفان سمندر میں
نہیں آیا کرتا۔ ایک بار طوفان گزر گیا ہے تو اب کچھ روز کے بعد
طوفان آئے گا۔
”کیا یہ سچ مچ زمین ہے عنبر بھائی؟“
”ہاں شگفتہ! میں سمندروں اور جزیروں سے خوب واقف ہوں یہ
کسی جزیرے کا ساحل ہے۔ تم دیکھ لینا یہ لکیر بڑھتی جائے گی پھر
تمہیں درخت نظر آنا شروع ہو جائیں گے۔“
عنبر نے ٹھیک کہا تھا۔
لکیر نے پھیلنا شروع کر دیا۔ دوپہر کے وقت شگفتہ! نے دیکھا کہ وہ

کالی لکیر ناریل اور تاڑ کے گھنے درخت بن گئے تھے جن کی ٹہنیاں
سنہری دھوپ میں لہرا رہی تھیں۔ شگفتہ کی خوشی کا تو ٹھکانہ نہ رہا۔
اسے پوری امید تھی کہ اس جزیرے پر انہیں کھانے پینے کو بہت کچھ مل
جائے گا۔ ان کی کشتی ٹیڑھی ہو کر اب آہستہ آہستہ سمندر میں ڈوبنے
لگی تھی۔ انہیں ابھی تک لمبے لمبے مستولوں نے بچا رکھا تھا جو کشتی کو
اپنے ساتھ سمندر پر تیرا رہے تھے۔ اگر لکڑی کے لمبے مستول نہ
ہوتے تو کشتی کب کی ڈوب چکی ہوتی مگر اب کشتی میں پانی بھرنے
لگا تھا۔

عنبر نے کہا:

"کشتی میں پانی بھرنا شروع ہو گیا ہے۔"

"اب کیا ہوگا؟ شگفتہ گھبرا گئی تھی۔

عنبر بولا:

"فکر کی کوئی بات نہیں ہم جزیرے پر پہنچنے ہی والے ہیں۔ جس
حساب سے کشتی میں پانی بھر رہا ہے اس حساب سے ہم بہت پہلے
جزیرے پر پہنچ جائیں گے۔"

مگر ایسا نہ ہوا۔ عنبر کا اندازہ غلط نکلا تھا۔ کشتی میں لہروں کے بار بار
ٹکرانے سے ایک شگاف بن گیا تھا۔ جس میں سے پانی بڑے
زوروں کے ساتھ کشتی کے تہہ خانے میں داخل ہو رہا تھا۔

چنانچہ وہی ہوا جس کا شگفتہ کو خطرہ تھا۔ ساحل ابھی کافی دور تھا کہ کشتی
ہولے ہولے ڈوبنے لگی۔ شگفتہ گھبرا کر رونے لگی عنبر نے کہا:

"روتی کس لیے ہو بہن؟ کیا میں تمہارے ساتھ نہیں ہوں؟ میں
تمہارے ساتھ ہوں اور جب تک میں زندہ ہوں تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔
میں تمہیں ڈوبنے نہیں دوں گا۔ میں تمہیں بچا لوں گا۔ میں سمندر
میں دو آدمیوں کو کندھے پر بٹھا کر تیر سکتا ہوں۔"

"مگر تم خود ڈوب جاؤ گے۔"

"ہرگز نہیں شگفتہ! میں ڈوب نہیں سکتا۔"

تھوڑی دیر بعد کشتی ڈوبتے ڈوبتے ان کے نیچے سے نکل کر سمندر کی تہہ میں چلی گئی اور وہ دونوں سمندر میں ہاتھ پاؤں مارنے لگے شگفتہ نے گھبرا کر عنبر کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ گردن تک پانی میں ڈوب گئی تھی۔ اسے دو ایک غوطے بھی آئے۔ سمندر کا نمکین پانی اس کے پیٹ میں چلا گیا۔ وہ کھانسنے لگی۔ عنبر نے اسے بڑے آرام سے اٹھا کر اپنے کندھے پر ڈال لیا اور خدا کا نام لے کر جزیرے کی طرف تیرنا شروع کر دیا۔ جزیرے کا ساحل دور تھا۔ مگر اس کے گھنے درخت پوری طرح نظر آ رہے تھے۔ عنبر جزیرے کی طرف تیرتا چلا گیا۔ تیرتے تیرتے اس نے شگفتہ سے پوچھا:

"اب تو سب ٹھیک ہے ناں بہن؟"

شگفتہ کا خوف کے مارے برا حال تھا اس نے کپکپاتے ہوئے کہا:

"میں ڈر رہی ہوں بھگوان میری حفاظت کرنا۔"

عنبر نے کہا:

"شگفتہ! تم میرے ساتھ بڑے آرام سے پہنچ جاؤ گی۔ تم بالکل مت گھبراؤ۔ میں تمہیں بڑے سکون کے ساتھ ساحل پر پہنچا دوں گا۔ جب تک میں زندہ ہوں تم سمندر میں غرق نہیں ہو سکتیں۔"

عنبر شگفتہ کو اپنے کندھے پر بٹھائے تیرتا ہوا جزیرے کے ساحل پر آ گیا۔ ساحل کی ریت پر آتے ہی اس نے شگفتہ کو ریت پر لٹا دیا۔ شگفتہ کا برا حال ہو رہا تھا۔ وہ نقاہت اور کمزوری سے بے جان سی ہو رہی تھی۔ عنبر وہاں سے اٹھ کر درختوں کے سائے میں گیا اور زمین پر گرے ہوئے دو ناریل لے کر آ گیا۔ اس نے ناریل توڑ کر اس کا میٹھا پانی شگفتہ کو پلایا۔ تھوڑا سا گودا بھی کھلایا۔ پانی پی کر اور گری کھا

کرشکنتلا کی جان میں جان آئی۔ اس نے کچھ دیر بعد عنبر کی طرف مسکرا کر دیکھا۔ عنبر نے کہا:

"میں نہ کہتا تھا کہ تمہیں ساحل پر لے آؤں گا۔ اب دیکھ لو میں تمہیں لے آیا ہوں۔ اب ہم دونوں کو خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے۔"

دونوں نے ہاتھ باندھ کر اپنے اپنے انداز میں خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے ان کی مصیبت میں مدد کی اور خیریت سے ساحل تک پہنچا دیا۔

شکنتلا کافی دیر تک ریت پر لیٹی رہی۔ اب اس کی طبیعت سنبھل چکی تھی۔ ناریل کے میٹھے پانی اور سورج کی گرمی نے اس کے جسم میں حرارت پیدا کر کے اس کی طبیعت درست کر دی تھی۔

عنبر نے کہا:

"میرا خیال ہے کہ شاید اس جزیرے میں بھی کوئی آبادی نہیں ہے اور اگر ہے بھی تو یہاں کے لوگ گھنے جنگل میں کہیں موجود ہوں گے۔"

"ہاں بھائی ساحل کے ساتھ ساتھ تو ایک بھی جھونپڑا دکھائی نہیں دے رہا۔ بھگوان کرے کہ یہاں اچھے لوگوں کی آبادی ہو۔ اگر آدم خور نکل آئے تو تمہیں خبر ہونے تک ان کے تیر کم از کم مجھے ضرور چھلنی کر دیں گے۔"

عنبر نے مسکرا کر کہا:

"اچھی بہن تم کیوں اس قسم کی باتیں سوچ سوچ کر اپنے آپ کو پریشان کرتی ہو؟ جب میں نے تمہیں ایک بار کہہ دیا کہ تمہیں یہاں کچھ نہیں ہوگا۔ تم بڑے سکون کے ساتھ ایک نہ ایک روز اپنے بچے اور خاوند کے پاس پہنچ جاؤ گی تو پھر تم پریشان کیوں ہوتی ہو؟"

شکنتلا بولی:

"اچھا بھائی میں اب پریشان نہیں ہوں گی۔ بھگوان تمہیں طاقت دے شکتی دے کہ تم غریبوں اور ضرورت مندوں کے کام آسکو۔"

تم ایک سچے دیوتا ہو۔ دیوتاؤں کے اوتار دیوتا ہو۔ میں ساری زندگی
تمہارا احسان نہ بھلا سکوں گی۔ بھگوان ہمیں اس جزیرے کی مصیبت
سے بھی نجات دلائے۔"

عنبر نے کہا :

"رات کے ہونے سے پہلے پہلے ہمیں ایسا بندوبست کر لینا چاہیے
جہاں ہم رات بسر کر سکیں کیونکہ ہمیں ابھی تک کچھ خبر نہیں کہ اس
جزیرے پر کون لوگ رہتے ہیں اور کہاں رہتے ہیں۔ اس لیے بہتر
یہی ہے کہ ہم اپنے لیے ان درختوں کے نیچے ایک جھونپڑا بنا لیں۔
اس جھونپڑے میں ہم بڑی آسانی سے رات بسر کر سکیں۔
کیا خیال ہے شکنتلا؟"

"ٹھیک خیال ہے بھائی ہمیں ابھی سے جھونپڑا بنانا شروع کر دینا
چاہیے۔

دونوں ریت پر سے اٹھ کر درختوں کے نیچے گئے اور انہوں نے زمین
پر پڑی ہوئی ناریل کے درختوں کی لمبی لمبی ٹہنیاں اکٹھی کرنا شروع
کر دیں۔ ٹہنیاں کندھوں پر لاد کر انہوں نے ایک جگہ ڈھیر کر دیں
جب کافی ذخیرہ جمع ہو گیا تو عنبر نے اسی جگہ جھونپڑی بنانا شروع کر
دی۔ جھونپڑی بنانے میں اسے بہت مہارت ہو چکی تھی۔ وہ کئی
جزیروں پر اس قسم کی جھونپڑیاں بنا کر رہ چکا تھا۔

شام تک جزیرے کے ساحل پر ناریل کے درختوں کے نیچے جھونپڑی
بن کر تیار ہو گئی۔ عنبر نے جھونپڑی کے اندر بھی زمین پر گھاس پھونس
اور سوکھے پتوں کا فرش بچھا دیا۔ جھونپڑی کی چھت ڈھلانی تھی تاکہ
اگر بارش ہو تو پانی چھت پر سے بہہ جائے۔ عنبر کو کچھ خبر نہ تھی کہ ابھی
انہیں کسی جہاز کے انتظار میں کتنی دیر وہاں رہنا پڑے گا۔ وہ اتنا ضرور
جانتا تھا کہ یہ نقشہ تجارتی جہازوں کے راستے پر نہیں ہے بلکہ بہت

ہٹ کر ہے اس لیے یہاں کسی جہاز کا گزر بڑی مشکل بات ہے۔

سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتا تھا کہ درخت کاٹ کر کشتی بنائی جائے۔

اس کام کے لیے عنبر نے دو درخت بھی چن لیے جنہیں کاٹ کر وہ کشتی بنا سکتا تھا۔ مگر سوال یہ تھا کہ درخت کو کاٹا کیسے جائے؟

ان کے پاس نہ کوئی آری تھی اور نہ کوئی چاقو چھری وغیرہ تھی۔ وہ رات انہوں نے جھونپڑے میں بسر کر دی۔ عنبر نے جھونپڑے کو اندر سے دو حصوں میں تبدیل کر دیا تھا۔ ایک حصے میں پیچھے شگفتا سوئی اور اگلے حصے میں عنبر سو گیا۔ وہ آدھی رات تک پہرہ بھی دیتا رہا اور سوچتا بھی رہا کہ اس جزیرے میں کب تک انہیں رہنا ہوگا۔

وہ یہ باتیں معلوم کرنے کے لیے بے تاب تھا کہ اس جزیرے پر کوئی قبیلہ آباد بھی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو وہ کہاں گیا؟ کیونکہ ایسا ہو نہیں

سکتا تھا کہ اس قسم کے زرخیز جزیرے پر انسان کی آبادی نہ ہو۔ انسان اس جزیرے میں ضرور رہتے تھے۔ لیکن انہیں یہ خبر نہیں تھی کہ وہ کہاں رہتے ہیں؟ اور وہ لوگ کون ہیں؟ کیا ان کا تعلق ریڈ انڈین قبیلے سے ہے یا لمبے بالوں والے عیسائی ہیں؟ عنبر نے فیصلہ کیا کہ وہ کل صبح کو سارے جزیرے میں گھوم پھر کر دیکھے گا۔

☆

ریچھ سے مقابلہ

شگفتہ ابھی جھونپڑے میں سوئی ہوئی تھی کہ عنبر نے اٹھ کر جزیرے کا چکر لگانا شروع کر دیا۔ اسے اس جزیرے کے جنگل میں اکیلے گھومتے ہوئے کوئی خطرہ یا ڈر محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ اس لیے کہ وہ اس قسم کے ویران جزیرے بہت دیکھ چکا تھا۔ ویسے بھی اسے یقین تھا کہ اسے کوئی نہیں مار سکتا۔ یہ جزیرا پہلے والے جزیرے سے بہت زیادہ گھنا تھا۔ یہاں قدم قدم پر درخت اور جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ جھاڑیاں پورے پورے ایک آدمی کے قد کی تھیں۔ بعض جھاڑیاں کانٹوں سے بھری ہوئی تھیں۔ درختوں کی شاخیں زمین پر لٹک رہی تھیں۔ ان کے اوپر رنگ برنگ کے طوطے اور چڑیاں بیٹھی چہچہا رہی تھیں۔

عنبر سیر کرتے کرتے جنگل میں کافی آگے نکل گیا۔ یہ جزیرا اتنا بڑا نہیں تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ جزیرے کے دوسرے ساحل پر پہنچ گیا۔ سارا جنگل سنسان تھا۔ کہیں کوئی آبادی نہیں تھی۔ جنگلی وحشی لوگ بھی یہاں نہیں تھے۔ عنبر کو یقین ہو گیا جزیرے پر کوئی انسان یا جانور آباد نہیں ہے۔ اب وہ دوسری طرف سے جنگل میں داخل ہو گیا۔

جزیرے کا یہ ساحل بھی پہلے والے ساحل کی طرح سنسان اور غیر آباد تھا۔ صرف اس طرف ساحل کے ساتھ ساتھ بھورے رنگ کی چٹانیں بہت تھیں۔ جن میں سے بعض کا رنگ موسموں کی مار کھا کر سیاہ پڑ گیا تھا۔ یہ چٹانیں بڑی ڈراؤنی لگتی تھیں۔ یوں محسوس ہوتا جیسے کئی چڑیلیں ایک جگہ سر جوڑ کر بیٹھی ہیں۔

اب عنبر دوسری طرف سے جنگل میں داخل ہوا۔ وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ کہیں جزیرے کے جنوب مشرقی علاقے میں کوئی آبادی تو نہیں

ہے۔جنگل کا یہ حصہ بھی بہت ہی گھنا تھا۔بڑے بڑے گنجان، گھری
چھاؤں والے اونچے لمبے درخت بڑی شان سے کھڑے تھے۔ان
کی اوپر والی شاخیں سمندر کی طرف سے آتی ہوا میں جھوم رہی تھیں۔
عنبر چلتا چلا گیا۔وہ اپنے اندازے کے مطابق بالکل ٹھیک جا رہا تھا۔
یہ جنگل کچھ زیادہ ہی لمبا ہو گیا تھا۔ختم ہونے میں ہی نہیں آتا تھا۔
عنبر کو خیال آیا کہ کہیں وہ بھٹک نہیں گیا۔لیکن کچھ بھی ہو ایک چھوٹے
سے جزیرے پر وہ کہاں بھٹک سکتا تھا۔بہر حال وہ کسی نہ کسی طرف
سمندر کے ساحل پر تو نکل ہی سکتا تھا۔
جنگل اتنا گھنا تھا کہ سورج کی دھوپ وہاں نہیں پہنچ رہی تھی۔
یہ دھوپ درختوں کے اوپر ہی اوپر رہ جاتی تھی۔نیچے سورج کی روشنی
بڑی دھیمی ہو کر پہنچ رہی تھی۔عنبر نے ایک جگہ ایک سانپ کو دیکھا جو
درخت کی ٹہنی سے نیچے تک لٹک رہا تھا۔یہ سانپ اژدہا قسم کا تھا اور

بڑا موٹا تھا۔عنبر اسے دور کھڑا ہو کر دیکھنے لگا یہ سبز اور سیاہ رنگ کا
کوڈیوں والا سانپ بڑا ہی خوبصورت تھا۔
سانپ کا سر نیچے جھوم رہا تھا۔شاید اسے بھی عنبر کا پتہ چل گیا تھا۔
اس نے نیچے لٹکے ہی لٹکے سر اٹھا کر عنبر کی طرف دیکھا۔سانپ کی
آنکھیں گہری سرخ تھیں اور ان میں بڑی کشش تھی۔مگر عنبر کے اندر
بھی بے حد طاقت اور کشش تھی۔کہتے ہیں سانپ جس کی طرف دیکھتا
ہے اس پر اپنا جادو ڈال دیتا ہے۔لیکن عنبر کی آنکھوں میں اتنی کشش
تھی کہ یہ بھی جس طرف دیکھتا تھا اس پر جادو ڈال دیتا تھا۔اصل بات
یہ ہے کہ سانپ کا اثر صرف ان لوگوں پر ہوتا ہے جو کمزور ہوتے ہیں۔
جو لوگ طاقت ور خیال کے ہوتے ہیں ان کو دیکھ کر سانپ بھاگ
جاتا ہے۔
اس اژدہا کے ساتھ بھی یہی ہوا۔عنبر نے جب گھور کر اژدہا کی آنکھوں

میں آنکھیں ڈالی تو سانپ کو شاید زندگی میں پہلی بار محسوس ہوا کہ
اسے کوئی بڑی ہی طاقت ور آنکھیں دیکھ رہی ہیں۔ سانپ کو اپنی
طاقت اور اپنا زہر ختم ہوتا محسوس ہونے لگا۔ اس نے اپنا منہ اوپر اٹھایا
اور درخت پر رینگتا ہو دوسری طرف نکل گیا۔ عنبر مسکرا کر آگے چل دیا
تھوڑی دور آگے جا کر اس نے ایک درخت پر اسی قسم کا ایک سانپ
دیکھا جو اوپر کسی شے پر ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا۔

عنبر نے اوپر دیکھا تو وہاں درخت کی شاخ پر بڑا ہی موٹا چوہا بیٹھا تھا
شاید چوہے نے بھی سانپ کو اپنی طرف دیکھتے ہوئے محسوس کر لیا تھا
چوہا چونکہ ایک کمزور جانور ہے اس لیے وہ سانپ کو اپنے قریب پا کر
کانپ رہا تھا۔ اس کی جگہ اگر شیر کا بچہ ہوتا تو کبھی سانپ کو دیکھ کر نہ
ڈرتا۔ بلکہ سانپ اسے دیکھ کر ڈر جاتا اور وہاں سے بھاگ جاتا۔
کیونکہ شیر کا بچہ بہادر ہوتا ہے۔ اس کے اندر کمزوری نہیں ہوتی بلکہ

بہادری ہوتی ہے۔ دلیری اور جرات ہوتی ہے۔ بہادر اور دلیر انسان
سے ہر کوئی ڈرتا ہے۔ عنبر اس جگہ کھڑا ہو گیا اور دیکھنے لگا کہ سانپ کس
طرح چوہے پر حملہ کرتا ہے۔ اسے معلوم تھا کہ سانپ گھات لگائے
بیٹھا ہے۔ وہ چوہے پر ضرور حملہ کرے گا۔ عنبر چوہے کو کانپتے ہوئے
صاف دیکھ رہا تھا۔ چوہے میں اگر دلیری اور بہادری ہوتی تو اپنی
جان بچا سکتا تھا۔ بلکہ سانپ پر حملہ کر کے اسے ہلاک بھی کر سکتا تھا۔
لیکن چوہے کی بزدلی اسے موت کے پاس لے جا رہی تھی۔ موت
اس کے سر پر منڈلا رہی تھی۔ سانپ بجلی ایسی پھرتی کے ساتھ آگے
بڑھا۔

اس کا منہ کھلا اور آدھا چوہا سانپ کے منہ میں تھا چوہے نے چیخنا
شروع کر دیا۔ اب بزدلوں کی طرح چیخنے سے کیا ہوتا ہے۔
سانپ نے چوہے کو ایک دم ہڑپ کر لیا۔

چوہے کو ہڑپ کرنے کے بعد سانپ رینگتا ہوا دوسرے درخت پر چلا گیا۔ عنبر سانپ کے اس شکار پر بڑا خوش ہوا۔ اسے خیال آیا کہ قدرت بہادر اور دلیر جانور کو پسند کرتی ہے اور اسے زندہ رہنے کا موقع دیتی ہے جب کہ بزدل جانور کو دوسرے جانور اپنی خوراک بنا لیتے ہیں۔ وہ اسی قسم کی باتیں سوچتا چلا جا رہا تھا کی اس کا پاؤں ایک پتھر سے ٹکرایا۔ ٹھوکر سی کھا کر وہ ایک درخت کے تنے پر گر پڑا۔

اس درخت کے تنے پر بڑے بڑے چوڑے، کانٹے دار لمبوترے پتے اپنے بازو پھیلائے تھے۔

عنبر کو خیال نہیں تھا کہ یہ آدم خور درخت ہے۔

جزیروں اور اور افریقہ کے جنگلوں میں ایسے بہت سے درخت پائے جاتے ہیں جو گوشت خور ہوتے ہیں۔ وہ اپنی شاخیں پھیلائیں کھڑے رہتے ہیں۔ جوں ہی کوئی جانور یا انسان ان کے اوپر گرتا

ہے ان کی شاخیں ریچھ کے بازوؤں کی طرح اسے اپنے ساتھ لگا کر جکڑ لیتی ہیں۔ ان کی گرفت اور پکڑ اتنی سخت ہوتی ہے کہ بڑے سے بڑا طاقت ور آدمی بھی اگر چاہے تو ان کا حلقہ توڑ کر باہر نہیں نکل سکتا۔ ان آدم خور اور گوشت خور درختوں کی ٹہنیاں لوہے کی طرح مضبوط ہوتی ہیں۔ لچک جاتی ہیں مگر ٹوٹتی نہیں ہیں۔ پھر یہ ٹہنیاں اپنے لمبے لمبے کانٹے جانور یا انسان کے جسم میں چبھو کر اس کا خون پینا شروع کر دیتی ہیں۔ جب شکار کے جسم سے سارا خون نکل جاتا ہے تو پھر اس کے گوشت کو نوچ نوچ کر کھانا شروع کرتی ہیں اور آخر اسے ہڈیوں کا ڈھانچہ بنا کر نیچے پھینک دیتی ہیں۔

عنبر بھی جس درخت پر گرا وہ اسی قسم کا گوشت خور درخت تھا۔ اس کے گرتے ہی درخت کی پھیلی ہوئی شاخیں آپس میں مل گئیں اور انہوں نے عنبر کو بھینچ لیا۔ پہلے تو عنبر گھبرا گیا کہ یہ کس مصیبت سے پالا پڑ گیا

پھر اسے خیال آیا کہ یہ تو گوشت خور درخت ہے۔ وہ چپکے سے شاخوں
میں پڑا رہا۔ درخت نے اب اپنا کام شروع کر دیا۔

اس کی شاخوں نے اپنے لمبے لمبے نوکیلے کانٹے عنبر کے جسم میں
چبھوئے اور اپنی طرف سے عنبر کا خون پینا شروع کر دیا۔ مگر عنبر کے جسم
میں خون ہوتا تو کوئی اسے پیتا۔ وہاں تو خون نام کی کوئی شے نہیں تھی۔
شاخوں کے کانٹے عنبر کے جسم میں اس طرح اتر گئے جس طرح ربڑ
کے اندر اتر گئے ہوں۔ وہاں سے خون کا ایک قطرہ بھی نہ بہا۔

کانٹے اپنا کام کر رہے تھے۔ مگر درخت کی شاخوں نے محسوس کیا کہ
ان کے اندر خون نہیں جا رہا۔ درخت اپنے انداز میں ضرور پریشان
ہو گیا ہو گا۔ اس کے برخلاف یہ ہوا کہ درخت کی شاخوں کے کانٹے
ٹوٹنا شروع ہو گئے۔ خدا معلوم عنبر کے جسم میں وہ کون سا زہر تھا کہ
کانٹے جھڑنے لگے تھے۔ درخت کی شاخوں نے گھبرا کر عنبر کو چھوڑ

دیا۔ عنبر شاخوں میں سے نکل کر درخت کے سامنے جا کھڑا ہوا اور بولا
"اے آدم خور درخت، تو نے زندگی میں پہلی بار میرے جیسا انسان
دیکھا ہو گا۔ یاد رکھ اگر مجھے تمہاری بھوک کا خیال نہ ہوتا تو میں ابھی
پتھروں کو رگڑ کر تمہیں آگ لگا دیتا۔ مگر میں ایسا نہیں کروں گا اس لئے
کہ تمہیں قدرت نے پیدا ہی اس لیے کیا ہے کہ تو جانوروں سے اپنا
رزق حاصل کرے۔ تو اندھا ہے۔ نہ سن سکتا ہے اور نہ دیکھ سکتا ہے۔
پس میں تمہیں معاف کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر عنبر آگے نکل گیا۔

درخت کی ٹہنیاں دیر تک منہ اٹھائے کھڑی جیسے عنبر کو جاتے ہوئے
دیکھتی رہیں۔ عنبر جنگل میں سے گزرنے لگا۔ اب وہاں چھوٹی چھوٹی
چٹانیں شروع ہو گئی تھیں۔ ان چٹانوں پر سیاہ رنگ کی لمبی لمبی گھاس
اگی تھی۔ بعض چٹانوں میں سے سیاہ رنگ کا مادہ سا نکل کر بہہ رہا تھا۔

عنبر نے قریب جا کر دیکھا' یہ مادہ گرم تھا اور اس میں سے گرم گرم
بھاپ نکل رہی تھی۔ ٹھیک اس وقت عنبر نے جنگل میں ایک ریچھ کی
آواز سنی۔ ریچھ کی آواز کو عنبر خوب پہچانتا تھا۔ اب عنبر کو شگفتا کا خیال
آیا جسے وہ جھونپڑے میں اکیلی چھوڑ آیا تھا۔ اسے فکر ہوا کہ وہ اکیلی
ہے۔ کہیں ریچھ اس پر حملہ نہ کر دے۔ کیوں کہ ریچھ کی آواز اسی
جانب سے آئی تھی جس طرف شگفتا کی جھونپڑی تھی۔ عنبر نے جنگلوں
میں بھاگنا شروع کر دیا۔ راستے میں ایک بار پھر اسے ریچھ کی غراہٹ
سنائی دی۔ اب وہ سمندر کے کنارے پہنچ رہا تھا۔ اسے سمندر کی
طرف سے ہوا آنے لگی تھی۔ ایک بار جو ریچھ کی آواز بلند ہوئی تو اس
کے ساتھ ہی عنبر کو شگفتا کی چیخ بھی سنائی دی۔ عنبر کے اندر جیسے کسی نے
بجلی بھر دی اسے شگفتا کی شکل یاد آ گئی کہ ریچھ اس پر حملہ کر رہا ہے اور
وہ رو رہی ہے۔ چیخ رہی ہے اور پیچھے ہٹتی چلی جا رہی ہے۔ عنبر نے

پوری طاقت سے آواز لگائی :

"میں آ رہا ہوں شگفتا!"

یہ آواز شگفتا کے علاوہ ریچھ نے بھی سن لی۔ اس وقت ریچھ شگفتا کے
جھونپڑے کے سامنے چٹان کے پاس اپنے دونوں پاؤں اٹھائے
کھڑا تھا اور ہولے ہولے غراتا ہوا اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ شگفتا
خوف کے مارے زمین پر گر پڑی تھی اور رینگنے کی کوشش کر رہی تھی۔
اس نے عنبر کی آواز سنی تو اسے کچھ حوصلہ ہوا۔ اسے یوں محسوس ہوا
جیسے عنبر اس کی مدد کو وہاں پہنچ گیا ہے۔ ریچھ ایک پل کے لیے گردن
گھما کر ٹھٹکا۔ اس نے اپنی موٹی کالی گردن گھما کر اس طرف دیکھا
جدھر سے آواز آئی تھی۔ جب اسے دوسری آواز سنائی نہ دی تو وہ
دوبارہ شگفتا پر حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھا ابھی اس نے ایک قدم
ہی اٹھایا تھا کہ ریچھ نے فضا میں ایک اور آدمی کی بو سونگھی۔

گویا ایک اور شکاری وہاں آن پہنچا تھا۔ ریچھ کئی عرصے سے انسانی گوشت کا بھوکا اور پیاسا تھا۔ انسان کی بو پا کر وہ مست ہو گیا تھا۔

اس نے ایک زوردار چیخ ماری اور اور شگفتہ کی طرف لپکا۔ شگفتہ ڈر کے مارے ریت پر جہاں پڑی تھی وہیں کی وہیں رہ گئی۔ اس میں اتنی ہمت نہ رہی تھی کہ ایک قدم بھی اور آگے رینگ سکے۔ اس کا کمزور جسم ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔ سیاہ کالا بھاری بھرکم ریچھ اس کے سر پر آ کر اپنا بالوں بھرا بدن تھرکا تھرکا کر ناچنے اور غرانے لگا۔

آدم خور ریچھ شگفتہ کو اپنا تر نوالہ بنانے سے پہلے خوب ناچنا چاہتا تھا۔ وہ ریت پر نیم بے ہوش عورت کے ارد گرد چکر لگانے لگا پھر اس نے شگفتہ کی گردن پر پنجہ مارا۔

اس کے استرے ایسے تیز بلیڈ اگر شگفتہ کی گردن پر پڑ جاتے تو وہ اسی وقت ہلاک ہو جاتی۔ لیکن اس کی قسمت اچھی تھی کہ اس نے اپنا

منہ دوسری طرف کر لیا۔ وہ بچ گئی اس کے منہ سے خوف کے مارے چیخ نکل گئی۔

ٹھیک اس وقت عنبر جنگل سے نکل کر ساحل کی ریت پر آ گیا تھا۔ وہ کیا دیکھتا ہے کہ شگفتہ زمین پر پڑی ہے اور ایک خوفناک ریچھ اس کے گرد ناچ رہا ہے اور بار بار اس پر حملہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

عنبر نے زور سے آواز دی:

"شگفتہ، میں آ گیا ہوں گھبراؤ نہیں۔"

ریچھ نے ایک اور آدمی کی آواز سنی تو اس نے پلٹ کر پیچھے دیکھا۔

اس کے پیچھے عنبر دونوں بازو پھیلائے اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

ریچھ نے سوچا یہ کیسا انسان ہے کہ بجائے اس سے ڈرنے کے اس کی طرف بڑی دلیری کے ساتھ بڑھ رہا ہے۔ اس نے شگفتہ کو تو وہیں چھوڑا اور اب عنبر پر حملہ کرنے کے لیے اس کی طرف بڑھا۔ عنبر پہلے

سے ہی تیار تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر ریچھ کی گردن دبوچنے کی کوشش
کی۔ ریچھ کی گردن اتنی موٹی تھی کہ اس کے قابو میں نہ آئی۔ دوسری
طرف ریچھ نے اپنی پوری طاقت سے عنبر کی گردن پر پنجہ مارا۔
استرے ایسے تیز ناخن عنبر کی گردن سے پھر کر باہر آ گئے۔
مگر عنبر کو کچھ بھی محسوس نہ ہوا۔ نہ خون بہا اور نہ گردن کٹی زخم پھر ربڑ کی
طرح آپس میں مل گیا۔ شگفتہ اٹھ کر پرے بھاگ گئی۔ عنبر نے زمین
پر سے ریت اٹھا کر ریچھ کی آنکھوں میں ڈال دی۔ ریچھ گھبرا گیا۔
اس نے عنبر کو اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا اور زور لگا کر اسے بھینچنا شروع
کر دیا۔ اس کی جگہ اگر کوئی اور انسان ہوتا تو اس کی ساری پسلیاں
ٹوٹ جاتیں۔ مگر عنبر کی پسلیاں اور ہڈیاں تو لوہے جیسی بنی ہوئی
تھیں۔
اسے کچھ بھی نہ ہوا۔ عنبر نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ریچھ کی

آنکھوں میں ڈال کر اس کے ڈیلے باہر نکال دیے۔ ریچھ اندھا
ہو کر غصے میں آ گیا۔ وہ غصے میں پاگل ہو کر عنبر پر جھپٹا۔
عنبر کو ریچھ کے وار سے بچنے کی ضرورت نہیں تھی۔
ریچھ کے ہر وار کو وہ اپنے سینے پر سہتا۔ اس کے سینے پر ریچھ کے
ناخنوں سے لمبا زخم لگتا اور پھر گوشت ربڑ کی طرح آپس میں مل جاتا۔
دونوں لڑتے لڑتے گر پڑے۔ عنبر نے زمین پر سے پتھر اٹھا کر ریچھ کی
کھوپڑی پر مارنا شروع کر دیا۔ شگفتہ دور کھڑی کانپ رہی تھی۔
عنبر نے کہا:
"شگفتہ! ریچھ کے قریب آنے کی کوشش نہ کرنا میں ابھی اس کا کام
تمام کیے دیتا ہوں۔"
اور ایسا ہی ہوا۔ عنبر بڑی آسانی سے ریچھ کے سر پر پتھر مار رہا تھا۔
ریچھ اپنے پنجوں سے عنبر کی کھال ادھیڑ رہا تھا لیکن عنبر کی کھال لوہے

جیسی تھی۔ اس پر ریچھ کے پنجوں کا کچھ اثر نہیں ہو رہا تھا۔

آخر ریچھ تھک گیا۔ اس کے ڈیلے پھوٹ گئے تھے۔ عنبر نے کھوپڑی
پر پتھر مار مار کر اسے توڑ دیا تھا۔ ریچھ خون میں لت پت ہو گیا۔
کمزوری محسوس کرنے لگا اور زمین پر گر پڑا۔ گرتے ہی عنبر اس پر
جھپٹا اور پتھر مار مار کر اس کی کھوپڑی کے دو ٹکڑے کر دیے۔

ریچھ نے آخری سانس لیا اور مر گیا۔

عنبر نے اٹھ کر شگفتا کو اپنے ساتھ لگا لیا اور اسے تسلی دی۔
شگفتا بے چاری کا ڈر کے مارے دم نکلا جا رہا تھا۔ عنبر نے اسے
جھونپڑے میں لے جا کر گھاس پر لٹا دیا اور اسے ناریل توڑ کر اس کا
دودھ پلایا۔

اور پھر اسے بتایا کہ وہ جنگل میں گھوم رہا تھا کہ اسے ریچھ کی آواز اور
پھر شگفتا کی چیخ سنائی دی۔

"خدا کا شکر ہے کہ میں ٹھیک وقت پر پہنچ گیا اور میری اچھی بہن کی
جان بچ گئی۔"

☆

سمندری بلا

یہ جزیرے پر ان کی دوسری رات تھی۔

اس ویران جزیرے میں کھانے پینے کے لیے پھل تھے اور چشمے ندی کا پانی تھا۔ پھر بھی نہ جانے کیا بات تھی کہ یہاں کسی قسم کی بھی انسانی آبادی نہیں تھی۔ عنبر کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ اتنے زرخیز اور خوش حال جزیرے پر کوئی آبادی نہ ہو۔ لیکن اس نے دوسرے روز بھی جزیرے کو سارے کا سارا چھان مارا تھا۔ مگر اسے آبادی کا کہیں کوئی نشان نہیں ملا تھا۔ شگفتنا کے لئے سب سے بڑی پریشانی یہ تھی کہ وہ اب اس جزیرے سے کیسے اپنے ملک ہندوستان کی طرف روانہ ہو؟ ایک

بات ظاہر تھی کہ اس جزیرے پر کبھی کوئی جہاز نہیں آئے گا۔ دوسرے اگر وہ کسی نہ کسی طرح ایک کشتی بنا بھی لیں تو وہاں سے کدھر کو روانہ ہوں؟ یوں ہی بے یار و مددگار سمندر میں بھٹکنے اور طوفان کا مقابلہ کرنے سے کہیں بہتر تھا کہ وہ اسی جزیرے میں بیٹھ کر وقت کا انتظار کریں۔

عنبر تو وہاں سے کشتی بنا کر جانے کو تیار تھا۔ مگر شگفتنا تیار نہیں تھی۔ وہ اپنی جان کا خطرہ مول لینا نہیں چاہتی تھی۔ عنبر بھی اسے مصیبت میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ کیوں کہ وہ سمندری طوفان سے بے حد ڈرتی تھی۔ خدا جانے وہ کس مصیبت میں سے اسے پہلے ہی طوفان سے نکال کر ساحل تک لایا تھا۔ عنبر کو صرف ایک امید تھی کہ شاید کوئی بھولا بھٹکا جہاز اس جزیرے پر آن لگے اور وہ اس میں سوار ہو کر ہندوستان کی طرف روانہ ہو جائیں۔ اسے یہ کوئی اندازہ نہیں تھا کہ ایسا بھولا

بھٹکا جہاز کب آئے گا اور آئے گا بھی یا نہیں؟
بہر حال اس نے شگفتہ کو بڑی تسلی دی تھی کہ وہ خدا نے چاہا تو بہت
جلد اس جزیرے سے چل پڑیں گے۔ شگفتہ نا امید تھی۔ پریشان تھی۔
اس کی آنکھوں میں بار بار اپنے بچے اور خاوند اور گھر یاد کر کے
آنسو آ جاتے تھے۔ عنبر اسے ہر دفعہ حوصلہ دیتا اور کہتا کہ اس طرح
پریشان ہونے سے بھلا کیا ہوگا؟
”شگفتہ بہن میں جانتا ہوں کہ انسان کی زندگی میں اس قسم کی مصیبتیں
آتی ہی رہتی ہیں۔ ان مصیبتوں کو شکست وہی انسان دے سکتا ہے
جو ان مصیبتوں سے گھبراتا نہیں اور ان کا ڈٹ کر مقابلہ کرتا ہے۔
اب ظاہر ہے کہ ہم اس چھوٹے سے جزیرے میں گھر گئے ہیں۔
ویسے اگر یہ جزیرا نہ ہوتا تو کم از کم تمہارا زندہ بچنا ممکن تھا۔ اس
جزیرے نے تمہاری جان بچائی ہے۔ میں تمہیں یہاں سے ایک کشتی

بنا کر بھی لے جا سکتا ہوں۔ مگر اس میں بھی تمہاری جان کا خطرہ ہے۔
میں تو مر نہیں سکتا لیکن تمہاری جان کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اس لئے
کہ اب سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ ہم یہاں بیٹھ کر کسی سفر
کرتے ہوئے جہاز کی راہ دیکھیں۔“
شگفتہ بولی:
”مگر عنبر بھائی اس طرف تو شاید قیامت تک بھی کوئی جہاز نہیں آئے گا
ہم تو ایک فضول امید کے سہارے یہاں بیٹھے ہیں۔“
عنبر نے کہا:
”نہیں شگفتہ ایسی بات نہیں ہے۔ مجھے ان جزیروں اور سمندروں کا
بڑا تجربہ ہے۔ اگر سمندر میں جہاز غرق ہو جاتے ہیں تو قدرت نے
ڈوبتے انسانوں کی جان بچانے کیلئے سمندر میں جگہ جگہ چھوٹے
چھوٹے جزیرے بھی پیدا کر رکھے ہیں اور ان جزیروں کی طرف بھی

نہ کبھی کوئی نہ کوئی جہاز ضرور پھیرا مارا کرتے ہیں۔ یہ تو ایک زرخیز اور پھلوں اور چشموں سے بھرا ہوا جزیرا ہے۔ میں نے زندگی میں ایسے جزیرے بھی دیکھے ہیں جن پر سوائے زہریلے پانی کے چشموں اور بنجر چٹانوں کے گھاس کا ایک تنکا بھی نہیں تھا۔ لیکن جہاز کوئی نہ کوئی ادھر بھی آنکلتا تھا۔ اس لئے ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہیے۔"

کچھ بھی ہو شکنتلا مایوس ہو چکی تھی۔

وقت گزرنے لگا۔ انہیں اس گمنام جزیرے پر آئے دس روز گزر گئے تھے۔ اب شکنتلا کی پریشانی کچھ کم ہو گئی تھی۔ اب اس نے عنبر کے ساتھ مل کر جھونپڑی کی دیواریں پتھر کی کر لی تھیں اور چھت بھی دوبارہ ڈال لی تھی۔ جھونپڑی کے اندر دو چھوٹے چھوٹے سے کمرے بھی بنا لیے تھے ایک کمرے میں عنبر سوتا اور دوسرے میں شکنتلا سوتی تھی۔

عنبر روز صبح صبح جنگل میں جا کر جنگلی پھل توڑ کر لے آتا جسے وہ ناشتے

دھوئیں کو دیکھ لے تو وہ وہاں مدد کو آجائے۔

کیوں کہ سمندری جزیروں میں جہاز کو اسی طرح بلایا جاتا تھا۔

جزیرے پر دوسرا ہفتہ بھی گزر گیا۔ دھواں چٹان پر اٹھتا رہا مگر کوئی جہاز ان کی مدد کو نہ آیا۔ اب تو عنبر بھی سوچنے لگا کہ کہیں سچ مچ اس طرف کوئی جہاز نہ آیا تو پھر وہ کیا کریں گے؟

اگر شکنتلا کو اپنے گھر بار کا خیال پریشان کرتا تھا تو عنبر کو اپنی بہن ماریا اور ناگ کا خیال ستاتا تھا۔ وہ بھی ان لوگوں سے جلد سے جلد ملنا چاہتا تھا۔ مگر وہ دونوں اس جزیرے پر بری طرح پھنس گئے تھے۔ اب وہ ایک ہی صورت میں وہاں سے جا سکتے تھے کہ کوئی بادبانی جہاز ان کی مدد کو وہاں آئے۔ اس کے سوا اور کوئی ذریعہ وہاں سے نکلنے کا نہیں تھا۔

وقت اسی طرح گزرتا رہا۔

اس ویران جزیرے پر رہتے ہوئے ایک مہینہ گزر گیا۔ شکنتلا نے

دھوئیں کو دیکھ لے تو وہ وہاں مدد کو آ جائے۔

کیوں کہ سمندری جزیروں میں جہاز کو اسی طرح بلایا جاتا تھا۔

جزیرے پر دوسرا ہفتہ بھی گزر گیا۔ دھواں چٹان پر اٹھتا رہا مگر کوئی جہاز ان کی مدد کو نہ آیا۔ اب تو عنبر بھی سوچنے لگا کہ کہیں سچ مچ اس طرف کوئی جہاز نہ آیا تو پھر وہ کیا کریں گے؟

اگر شگفتہ کو اپنے گھر بار کا خیال پریشان کرتا تھا تو عنبر کو اپنی بہن ماریا اور ناگ کا خیال ستاتا تھا۔ وہ بھی ان لوگوں سے جلد سے جلد ملنا چاہتا تھا۔ مگر وہ دونوں اس جزیرے پر بری طرح پھنس گئے تھے۔ اب وہ ایک ہی صورت میں وہاں سے جا سکتے تھے کہ کوئی بادبانی جہاز ان کی مدد کو وہاں آئے۔ اس کے سوا اور کوئی ذریعہ وہاں سے نکلنے کا نہیں تھا۔

وقت اسی طرح گزرتا رہا۔

اس ویران جزیرے پر رہتے ہوئے ایک مہینہ گزر گیا۔ شگفتہ نے

بہت سے پھلوں کو خشک کر کے بھی رکھ لیا تھا کہ جس موسم میں پھل نہ ہو اس موسم میں وہ بھوکے نہ مریں۔۔۔۔۔

انہیں وہاں کام ہی کیا تھا۔ عنبر دن بھر جنگل میں چکر لگاتا رہتا اور شگفتہ چٹان پر آگ کے پاس بیٹھی رہتی۔ اس خیال سے کہ اگر خوش قسمتی سے کوئی جہاز دور سے آتا دکھائی دے وہ دھواں کر کے تو اسے اپنی طرف بلا سکے۔ مگر اسے کبھی کوئی جہاز نظر نہ آیا تھا۔

ایک روز عجیب واقعہ ہوا۔

ہوا یوں کہ شگفتہ کو چٹان پر آگ کے پاس چھوڑ کر عنبر سمندر کے ساحل کے ساتھ ساتھ چلا جا رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ کسی سمندر میں ڈوبی ہوئی چٹان پر چڑھ کر مچھلی کا شکار کرے گا۔ اس کام کے لیے اس نے ایک لمبی سی نوکیلی چھڑی بنا کر ہاتھ میں تھام رکھی تھی۔ ساحل کے ساتھ ساتھ چلتا وہ جزیرے کے جنوبی حصے کی طرف آ گیا۔ یہاں

کنارے کی چٹانیں دور اندر جنگل میں چلی گئی تھیں اور سمندر کا پانی بھی کھاڑی کی شکل میں جنگل میں آ گیا ہوا تھا۔ عنبر نے سوچا کہ وہ جنگل میں کھاڑی کے کنارے کی چٹان پر چل کر مچھلی کا شکار کرے گا۔ وہ چھوٹی چھوٹی چٹانوں کے ساتھ ساتھ چلتا جنگل کے اندر جا رہا تھا کہ اچانک رک گیا۔ وہ زمین پر جھک کر پیروں کے نشان دیکھنے لگا۔ ریت پر کسی عجیب سے جانور کے پاؤں کے نشان تھے۔ یہ نشان ہاتھی کے پاؤں سے بھی بڑے تھے۔ پاؤں کی بارہ انگلیاں تھیں۔ عنبر بہت حیران ہوا کہ اس جزیرے میں یہ خوفناک پاؤں والا جانور کہاں سے آ گیا۔ پہلے تو اس نے اس جگہ کسی جانور کے پیروں کے نشان نہیں دیکھے تھے۔ نشان کو اس نے ہاتھ لگایا۔ وہ گیلے تھے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس ہاتھی نما جانور کو یہاں گزرے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی۔ عنبر نے اندازہ لگایا کہ یہ جانور رات کو وہاں سے گزرا ہو گا۔

یہ ایک نئی مصیبت سامنے آ گئی تھی۔ اسے اپنی تو زیادہ فکر نہیں تھی۔ اسے سب سے زیادہ فکر شکنتلا کی تھی کہ کہیں اسے کچھ نقصان نہ پہنچ جائے۔ کیوں کہ کوئی بھی درندہ اسے جان سے مار سکتا تھا اور وہ ہر وقت تو اس کے پاس نہیں بیٹھ سکتا تھا۔

عنبر پاؤں کے نشانوں کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ یہ نشان جنگل میں جا کر ایک بہت بڑے درخت کا چکر کاٹ کر دوبارہ سمندر کی طرف مڑ گئے۔ عنبر نشانوں کے ساتھ ہی گھوم گیا۔ پاؤں کے نشان دوبارہ سمندر کے کنارے آ کر سمندر میں اتر گئے تھے۔ وہ چپکا کھڑا ہو گیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ یہ خوف ناک جانور سمندر سے آیا تھا اور سمندر میں ہی چلا گیا ہے۔ تو کیا یہ کوئی سمندری بلا ہے؟

اس نے اپنی ڈھائی ہزار سالہ زندگی میں بڑی بڑی سمندری بلائیں دیکھی تھیں۔ بلکہ ویل مچھلی کے پیٹ کی بھی سیر کی تھی۔ مگر ایسی

خوف ناک بلا اس نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔جس کے پاؤں ہاتھی کے
پاؤں کی طرح ہوں۔جس کے پاؤں کی بارہ انگلیاں ہوں اور جو دو
ہاتھ پاؤں پر انسانوں کی طرح چلتی ہو۔
یہ کوئی ویل مچھلی نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ ویل مچھلی کبھی ساحل پر آ کر سفر
نہیں کرتی۔پھر ویل مچھلی کے پاؤں اور انگلیاں نہیں ہوتیں۔یہ کوئی
بڑا تیندوا بھی نہیں ہو سکتا تھا۔کیونکہ تیندوا بھی ساحل پر آ کر اس طرح
سے نہیں چلتا تو پھر یہ کیا بلا تھی؟ اور ساحل پر کیا لینے آئی تھی؟
اس قسم کے خیال سوچتا عنبر جلدی سے واپس شکنتلا کے پاس آ گیا۔
اسے ڈر تھا کہ کہیں بلا اس کی طرف نہ نکل گئی ہو۔مگر شکنتلا خیریت
سے تھی۔وہ چٹان پر آگ کے پاس بیٹھی تھی۔آگ میں سے دھواں
برابر اٹھ رہا تھا۔عنبر چٹان پر جا کر اس کے پاس بیٹھ گیا اور ناریل کا
گودا توڑ کر کھانے لگا۔

شکنتلا نے پوچھا :
"کیا جزیرے میں آج کوئی انوکھی شے نظر آئی؟"
عنبر نے کہا :
"کچھ بھی نہیں۔کل کی طرح آج بھی جزیرا ویران پڑا تھا۔اکیلا تھا۔
درختوں پر پرندے بول رہے تھے۔سمندر میں مچھلیاں تھیں اور دو تین
جگہ سانپ دیکھے جو ٹہنیوں پر لٹک رہے تھے۔"
اس نے سمندری بلا کے پاؤں کے نشانوں کے بارے میں شکنتلا سے
کوئی بات نہیں کی۔کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ سمندری بلا کا سن کر شکنتلا کا
برا حال ہوگا۔وہ تو پہلے ہی ڈری ہوئی تھی۔اس قسم کی خوف ناک خبر
سن کر تو اس کی راتوں کی نیند حرام ہو جائے گی۔
شکنتلا سرد آہ بھر کر بولی :
"عنبر بھائی! جانے بھگوان نے مجھے میرے کس گناہ کی سزا دی ہے۔"

میرے ساتھ تمہیں بھی اس مصیبت میں پھنسا دیا ہے۔۔۔۔
کاش، میں تمہارے سامنے اپنی مصیبت بیان نہ کرتی۔ کم از کم تم تو
اس مشکل میں نہ پھنستے۔"

عنبر نے کہا:

"بہن ایسی باتیں کبھی مت سوچنا۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ میری یہ خوش
قسمتی ہوگی کہ میں تمہارے کام آسکوں۔ انسان وہ اچھا ہے جو پریشانی
میں کسی کے دوسرے انسان کے کام آتا ہے۔ مشکلیں انسانوں پر ہی
پڑا کرتی ہیں۔ مشکلوں سے کبھی نہیں گھبرانا چاہیے۔ مشکل تو آتی ہی
اس لئے ہے کہ انسان کی بہادری کا امتحان لیا جائے اور اسے زیادہ
بہادر بنایا جائے۔ مشکل سے گھبرا کر بھاگ جانا مردوں کا کام نہیں
ہے۔۔۔۔ میں اب تمہارے ساتھ آیا ہوں تو اس وقت تک
تمہارے ساتھ رہوں گا جب تک کہ تم اپنے گھر اپنے بچے اور خاوند

کے پاس نہیں پہنچ جاتیں۔"

شگفتا نے کہا:

"میرے بھائی میں کس زبان سے تمہاری مہربانیوں کا شکریہ ادا
کروں؟ تم نے مجھے نہ صرف سنگدل جابر ملکہ کی غلامی سے نجات
دلائی بلکہ جنگلی ریچھ سے بھی میری جان بچائی۔ اگر بھگوان کی مدد ہوئی
اور میں اپنے گھر پہنچ گئی تو میں اپنے خاوند کو بتاؤں گی کہ تم کتنے بہادر
ہو۔"

باتوں ہی باتوں میں شام ہوگئی۔ وہ چٹان سے اتر کر جھونپڑے کے
باہر آکر بیٹھ گئے۔ شگفتا نے پتھر رگڑ کر وہاں آگ روشن کر دی۔ رات
کو وہ جھونپڑی کے باہر آگ ضرور روشن کرتے تھے تاکہ اس کی وجہ
سے جنگلی ریچھ ادھر کا رخ نہ کریں۔ شگفتا نے آگ پر رکھ کر دو روز کی
پڑی ہوئی مچھلی بھونی جو ان دونوں نے مل کر کھائی۔ پھر وہ اپنے بچے

اور ماں باپ کو یاد کر کے ان کی باتیں کرنے لگی۔ شکنتلا کی یہ عادت بن گئی تھی کہ وہ ہر روز رات کو آگ کے سامنے بیٹھ کر اپنے خدا کو یاد کرتی اور پھر اپنے بچے اپنے خاوند اور اپنے ماں باپ کو یاد کر کے ان کی باتیں کرتی۔ عنبر خاموشی سے ہر روز اس کی باتیں سنتا۔ پھر شکنتلا اپنے وطن اور بھگوان کی یاد میں گیت گاتی اور سو جاتی۔

اس رات بھی شکنتلا نے اپنے بھگوان کی یاد میں گیت گایا اور اسے نیند آنے لگی۔

عنبر نے کہا:

"شکنتلا بہن تمہیں نیند آ رہی ہے۔ اب تم سو جاؤ۔ میں کچھ دیر یہاں بیٹھوں گا۔ مجھے ابھی نیند نہیں آ رہی۔"

شکنتلا بولی:

"بہت اچھا بھائی۔"

یہ کہہ کر شکنتلا جھونپڑی کے اندر چلی گئی اور اپنے کمرے میں جا کر سو گئی عنبر دیر تک جھونپڑی کے باہر آگ کے پاس بیٹھا رہا۔ سمندر کی طرف سے ٹھنڈی ہوا چلنے لگی تھی۔ سردی بڑھ گئی تھی۔ مگر آگ کی وجہ سے وہاں گرمائش تھی۔ ٹھنڈ نہ تھی۔ جھونپڑی کے اندر بھی اتنی سردی نہیں ہوتی تھی۔ ویسے عنبر نے ناریل کی چھال کو بُن کر کمبل بنا لئے تھے جنہیں وہ رات کو اوپر لے کر سوتے تھے۔ سمندر کی لہروں کی آواز بلند ہو رہی تھی۔ ان لہروں کی آواز سنتے سنتے عنبر کے کان پک گئے تھے نہ جانے کیا بات تھی آج اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ نیند جیسے دماغ سے غائب ہو گئی تھی۔ وہ اٹھ کر سمندر کے کنارے ریت پر ٹہلنے لگا۔ ٹہلتے ٹہلتے وہ اس طرف نکل گیا جدھر اس نے سمندری بلا کے پاؤں کے نشان دیکھے تھے۔ آسمان پر چاند روشن تھا جس کی چاندنی جزیرے پر آ رہی تھی۔ اس نے جھک کر ریت پر دیکھا وہاں سمندری بلا کے

پاؤں کے نشان اسی طرح موجود تھے۔ سمندر کی ہوا میں خشک ہو کر وہ
سخت ہو گئے تھے۔ کچھ دیر عنبر ان نشانوں کو تکتا رہا۔ پھر وہ ایک چھوٹی
سی چٹان کے اوپر چڑھ کر جنگل میں دیکھنے لگا۔ جنگل میں بڑی گہری
خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ آج کوئی پرندہ بھی نہیں بول رہا تھا۔ نہیں تو
زرد رنگ کے طوطے اور لال رنگ کی چڑیاں آدھی رات تک بولتی
رہتی تھیں۔ یہ بڑی عجیب بات تھی کہ آج پرندے بھی خاموش تھے۔
وہ جب سے اس جزیرے پر آیا تھا یہ پہلی رات تھی کہ جنگلی پرندے
بول نہیں رہے تھے۔ عنبر چٹان سے اتر کر واپس جانے ہی لگا تھا کہ
اسے اپنے پیچھے کچھ عجیب سی آواز سنائی دی۔ یہ آواز ایسی تھی جیسے کسی
نے زور سے سیٹی بجائی ہو۔ عنبر نے پلٹ کر دیکھا۔ چاندنی رات میں
ساحل سمندر کی ریت چمک رہی تھی۔ وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔
آواز عنبر نے ضرور سنی تھی۔ مگر سوال یہ تھا کہ آواز کس کی تھی؟ پہلے عنبر

نے سوچا کہ شاید کوئی پرندہ بولا ہو۔ لیکن جزیرے پر اس طرح کی آواز
آج تک ایسے پرندے کی آواز کبھی نہیں سنی تھی۔ پھر اسے خیال آیا کہ
شاید اس کا وہم ہو۔ وہ چٹان پر سے نیچے آ گیا۔ ریت پر آ کر وہ چلتا
ہوا سمندر کے کنارے آ گیا اور اب خاموشی سے اپنے جھونپڑے کی
طرف چلنے لگا۔ اچانک اسے پھر وہی آواز سنائی دی آواز پیچھے سے
آئی تھی۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا کہ سمندر میں ایک لمبی ہاتھی نما سونڈ
باہر نکلی سانس لے رہی تھی۔ چاندنی میں یہ سونڈ صاف نظر آ رہی تھی۔
یہ سیاہ رنگ کی سونڈ تھی۔

عنبر دنگ رہ گیا کہ یہ سمندری بلا کہاں سے آ گئی؟

☆

قیدی لڑکا

عنبر اس سونڈ کو دیکھتا رہا۔

یہ سونڈ ہاتھی کی سونڈ سے مختلف تھی۔ یہ لمبی اور موٹی تھی۔
چاندنی میں اسے یہ سونڈ گہرے سیاہ رنگ کی لگ رہی تھی۔ دیکھتے
دیکھتے سونڈ نے آخری سانس لیا۔ اسی طرح کی خوف ناک سسکار
پیدا ہوئی اور پھر سونڈ سمندر کے پانی میں گم ہوگئی۔ عنبر یہ منظر کھڑا
دیکھتے کا دیکھتا رہ گیا۔ سمندری بلا کے راز پر سے پردہ اٹھ گیا تھا۔ یہی
وہ بلا تھی جس کے قدموں کے نشان ساحل کی ریت پر جنگل کے اندر
تک چلے گئے تھے۔ یہ ہاتھی یقیناً نہیں تھا۔ کیونکہ ہاتھی سمندر میں
زندہ نہیں رہ سکتا۔ یہ کوئی بڑی ہی ڈراؤنی چیز تھی۔ جس کی لمبی کالی سونڈ

بھی تھی ہاتھ بھی تھے اور پاؤں بھی تھے جن کی بارہ بارہ انگلیاں تھیں۔
پاؤں جتنے بڑے تھے اس حساب سے تو یہ بلا ایک چٹان سے کم اونچی
نہ تھی۔

عنبر خاموشی سے واپس جھونپڑی میں آ گیا۔ شگفتا گہری نیند سو رہی
تھی۔ عنبر بھی اپنے حصے میں گھاس پر لیٹ گیا۔ اس نے الاؤ میں اور
لکڑیاں ڈال دیں تا کہ آگ ساری رات جلتی رہے۔ جھونپڑی کے
دروازے کو اس نے کانٹے دار جھاڑیوں سے ڈھانپ دیا تھا۔ وہ
سمندری بلا کے بارے میں غور کرتا رہا کہ یہ سمندر میں کہاں سے
آ گئی؟ اس نے اپنی اڑھائی ہزار سالہ زندگی میں اس قسم کی خوفناک بلا
پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ اس نے سوچا ہو سکتا ہے یہ زمین کے اندر
کہیں سے نکل آئی ہو۔ ہو سکتا ہے یہ ایسی بلا ہو جو سمندر کے اندر ہی
زندہ رہتی ہو سمندر کے اندر ہی کہیں پرورش پاتی رہی ہو یا یہ بھی ہو سکتا

ہے کہ ایسی کوئی بلا اس علاقے کے سمندروں میں پائی جاتی ہو جو
سمندر کے پانی میں بھی زندہ رہ سکتی ہو اور پانی سے باہر نکل کے بھی
سانس لے سکتی ہو۔

حالاں کہ سمندر کے اندر جتنے بھی جانور رہتے ہیں۔ ان میں سے چند
ایک کچھوے قسم کے جانور ہی ہیں جو پانی سے باہر آ کر بھی کچھ دیر زندہ
رہتے ہیں۔ نہیں تو عام طور پر پانی کے جانور خشکی پر آ کر زندہ نہیں
رہتے۔ پھر سمندری بلا کی سونڈ بھی تھی۔ سونڈ والا اتنا بڑا سمندری جانور
عنبر نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس سوچ بچار میں اسے نیند آ گئی اور وہ
سو گیا۔ رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ چاند مغرب کی طرف جا رہا
تھا۔ اس کی وجہ سے سمندری لہروں میں اتار چڑھاؤ پیدا ہونے لگا
تھا۔ رات کے پچھلے پہر آسمان پر صبح کا نور پھیلنا شروع ہو گیا۔
ستاروں کی چمک ماند پڑنے لگی۔

دن نکل آیا۔ مشرق سے سورج طلوع ہوا۔ اس کی سنہری روشنی نے
سمندر کو چمکیلا کر دیا۔ جزیرے کے جنگل میں پرندے چہچہانے
لگے۔ شگفتا سب سے پہلے اٹھی۔ اس نے سمندر کے پانی میں غسل
کیا اور پھر رات کی بجھی ہوئی آگ کو دوبارہ روشن کیا۔ چٹان پر جا کر
آگ جلائی اور اس میں گیلی جھاڑیاں ڈال دی۔ چٹان کی آگ میں
گیلی جھاڑیاں اس لیے ڈالی جاتی تھیں کہ دھواں مسلسل اٹھتا رہے۔
یہی وہ دھواں تھا جسے دیکھ کر کسی نہ کسی بادبانی جہاز کو اس جزیرے کی
طرف مدد کے لیے آنا تھا۔ مگر ایک مہینہ گزر جانے پر بھی کوئی جہاز اس
طرف ان دونوں کی مدد کو نہیں آیا تھا۔

عنبر سو کر اٹھا تو شگفتا نے جنگلی اناناس اور ناریل کاٹ کر کیلے کے پتوں
میں سجا رکھے تھے۔ یہ صبح کا ناشتہ تھا۔ عنبر نے اناناس اور ناریل کے
ٹکڑے کھا کر چشمے کا پانی پیا اور بانس کا نیزہ کندھے پر رکھ کر بولا!

"میں کھاڑی میں مچھلیاں پکڑنے جا رہا ہوں شکنتلا! بہن تم جھونپڑی سے دور مت جانا بلکہ چٹان پر ہی بیٹھی رہنا۔"

شکنتلا نے تعجب سے پوچھا :

"کیوں عنبر بھائی آج کیا کوئی خاص بات ہے۔ تم نے پہلے تو کبھی مجھے ایسا نہیں کہا؟"

عنبر کو خیال آیا کہ اس نے خواہ مخواہ یہ کہہ کر شکنتلا کو شک میں ڈال دیا۔ جھٹ بولا :

"نہیں نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے میرا مطلب ہے کہ احتیاط کرنا ہمارا فرض ہے۔ جنگلی ریچھوں کا کوئی بھروسہ نہیں۔ کم بخت دن کو بھی ادھر چکر لگا سکتے ہیں۔"

"اچھا بھائی میں جھونپڑی سے دور نہیں جاؤں گی۔"

عنبر نیزہ کندھے پر رکھے کھاڑی کی طرف آ گیا۔

یہ وہی کھاڑی تھی جس کے کنارے اس نے دو دن پہلے سمندری بلا کے پاؤں کے نشان دیکھے تھے اور جس کے قریب ہی رات اس نے سمندری بلا کی کالی سیاہ سونڈ کو ایک سسکار کے ساتھ پانی میں ڈوبتے دیکھا تھا۔

چلتے ہوئے عنبر جنگل اور سمندر کی طرف بڑے غور سے دیکھتا جا رہا تھا کہ کہیں سمندری بلا آس پاس تو نہیں ہے۔ وہ کھاڑی کے قریب آ گیا اس نے سمندر کے کنارے جھک کر پاؤں کے نشان دیکھنے کی کوشش کی۔ مگر ریت پر سمندری بلا کے قدموں کے تازہ نشان کہیں نہیں تھے۔ وہی پرانے نشان تھے جو اب سمندری ہوا لگنے سے سخت ہو گئے تھے۔ اس کا مطلب صاف تھا کہ سمندری بلا رات سمندر سے باہر نہیں نکلی تھی۔

عنبر کچھ دیر وہاں کھڑا سمندر کی طرف تکتا رہا۔ سمندر کا پانی پرسکون

تھا۔جنگل میں بھی خاموشی تھی۔صرف پرندوں کے چہچہانے کی
آوازیں آرہی تھیں جو روشنی سے بھرے ہوئے جزیرے کے چمکیلے
دن میں بڑی خوب صورت لگ رہی تھیں۔عنبر پھر آگے چل دیا اب وہ
ساحل سمندر کو چھوڑ کر کھاڑی کے ساتھ ساتھ چلتا جزیرے کے اندر
جنگل میں آگیا۔یہاں بڑی چھوٹی چھوٹی چٹانیں ادھر ادھر پھیلی ہوئی
تھیں جن کے بیچ میں سمندری پانی کے چھوٹے چھوٹے گڑھے بن
گئے تھے۔یہ وہ پانی تھا جو جوار بھاٹا کی لہریں رات کو اپنے ساتھ اندر
لے آئی تھیں۔اس پانی کے گڑھوں میں مچھلیاں بھی ساتھ آجاتی
تھیں۔عنبر کے پاس صرف بانس کا ایک نیزہ ہی تھا جس کی نوک پتھر
پر رگڑ کر تیز کر دی گئی تھی۔عنبر ایک پتھر پر کھڑا ہو گیا۔اس نے پانی میں
اناناس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے پھینکے جنہیں دیکھ کر چھ سات موٹی
موٹی مچھلیاں بھاگتی ہوئی اس طرف آئیں۔انہوں نے پانی میں منہ

باہر نکالا ہی تھا کہ عنبر نے زور سے نیزہ مارا ایک موٹی مچھلی نیزے میں
پروئی گئی۔عنبر نے نیزے سمیت اسے باہر نکال لیا۔اسے گھاس پر
پھینک کر عنبر نے دوسری مچھلی کو بھی شکار کر لیا۔وہ تیسری مچھلی کو شکار
کرنے کے بارے میں تیاریاں کر رہا تھا کہ اچانک اسے اپنے پیچھے
کسی شے کے دھپ سے زمین پر گرنے کی آواز آئی۔

اس نے مڑ کر دیکھا ایک سیاہ رنگ کا سبز دھاریوں والا بہت بڑا
سانپ درخت کی شاخ سے گر کر نیچے گھاس پر پڑا تھا۔عنبر کو دیکھ کر
سانپ نے اپنا چھوٹا بکری جتنا سر ایک جھٹکے سے اوپر اٹھایا اور زمین
سے کوئی چھ فٹ بلند ہو کر اسے ہلانے لگا۔گویا اژدہا عنبر پر حملہ کرنے
کے لیے بالکل تیار تھا اب وہ صرف موقع کی تلاش میں تھا۔عنبر کو اس
اژدہے پر بڑا غصہ آیا۔کم بخت خواہ مخواہ اس کا وقت ضائع کر رہا ہے
اتنی دیر میں وہ دو تین اور مچھلیاں پکڑ سکتا تھا۔

عنبر نے اپنا نیزہ اوپر اٹھایا۔

اژدہا نے جھٹ اپنی گردن پیچھے کرلی اور لپک کر عنبر پر حملہ کر دیا۔

اژدہے کا حملہ یہ تھا کہ اس نے اپنا منہ کھول کر عنبر کے کندھے پر اپنے
دانت گاڑ دیے۔ اس کے دانت عنبر کے جسم میں اتر گئے۔ سانپ
اپنے ٹیڑھے دانتوں کو واپس کھینچ رہا تھا کہ عنبر نے اس کی گردن
دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر دبوچ لی۔ اژدہا کے لیے یہ ایک انوکھا تجربہ
تھا۔ آج تک کسی انسان نے اس کی گردن کو یوں پکڑ کر نہیں دبوچا
تھا۔ اس کا چہرہ اور سکارمن کر کسی انسان کو جرات نہ ہوئی تھی کہ
سانپ کی طرف ہاتھ بڑھاتا۔۔۔ لیکن اس بہادر انسان نے ایسا کر
دکھایا تھا۔ اژدہا عنبر کے دبوچنے پر گھبرا سا گیا۔ اس نے عنبر کی گرفت
سے اپنی گردن کو آزاد کرانے کی ہر ممکن کوشش کی مگر ناکام رہا۔ پھر اس
نے سارا زور لگا کر ایک زبردست جھٹکا مارا۔ جھٹکے کے ساتھ ہی

سانپ کی موٹی سری اس کی گردن سے الگ ہوگئی۔ گردن عنبر کے
ہاتھوں میں رہ گئی اور سانپ کا موٹا بھدا جسم زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔
اس کے خون سے گھاس والی زمین لال ہوگئی۔ عنبر نے سانپ کی
گردن بھی اسی جگہ پھینک دی اور کھاڑی میں ہاتھ دھو کر دوبارہ
مچھلیاں پکڑنے لگا۔ کچھ اور مچھلیاں پکڑ کر عنبر انہیں نیزے
میں پروئے واپس چل پڑا۔

یہ مچھلیاں دو روز کے لیے کافی تھیں۔

وہ کھاڑی والے جنگل میں سے نکل کر سمندر کی طرف آیا تو کیا دیکھتا
ہے کہ سامنے سمندر میں ایک چھوٹی سی کشتی کنارے کی طرف چلی
آ رہی تھی۔ عنبر کے پاؤں وہیں جمے کے جمے رہ گئے۔ یہ دوسرا عجیب
سا واقع تھا جو اس جزیرے میں ہو رہا تھا۔

پہلا واقع سمندری بلا کا ظاہر ہونا اور دوسرا یہ کہ ایک ایسے جزیرے کی

طرف کوئی کشتی آرہی تھی جو دور دراز سمندر میں تھا اور جس کے بارے
میں عنبر کو یقین تھا کہ اس کے ارد گرد کوئی جزیرہ نہیں ہے۔ لیکن اس
چھوٹی سی کشتی نے ثابت کر دیا تھا کہ اس جزیرے کے قریب کوئی اور
جزیرا بھی تھا کیوں کہ جو کشتی آرہی تھی۔ وہ چھوٹی تھی اور اس میں کچھ
جنگلی لوگ سوار تھے۔

سورج کی دھوپ میں عنبر ان آدمیوں کے سروں پر لگے ہوئے
جانوروں کے رنگ دار پر صاف دیکھ رہا تھا۔

عنبر کے لئے اب باہر نکلنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔

وہ جلدی سے ایک چٹان کے پیچھے ہو گیا۔ اس چٹان کے اوپر کٹھل کا
ایک گنجان درخت جھکا ہوا تھا۔ اس درخت کی گھنی شاخوں نے آدھی
سے زیادہ چٹان کو اپنے چوڑے پتوں سے ڈھانپ رکھا تھا۔ عنبر پیچھے
کی طرف سے اس چٹان کے اوپر چڑھ کر درخت کی شاخوں میں

چھپ کر بیٹھ گیا اور بے تابی سے اس کشتی کو دیکھنے لگا جو اب کنارے
پر پہنچ چکی تھی۔ عنبر نے گنا اس میں چھ جنگلی آدمی سوار تھے۔ انہوں
نے کشتی کو کھینچ کر ریت کے اوپر کیا اور پھر کشتی میں لیٹے ہوئے ایک
لڑکے کو باہر نکالا جس کے ہاتھ پاؤں رسی سے بندھے ہوئے تھے۔

عنبر بڑا حیران ہوا کہ یہ لوگ کون ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں اور اس
لڑکے کو یہاں لا کر کیا کرنے والے ہیں؟ اتنا اس نے اندازہ لگا لیا تھا
کہ یہ جنگلی لوگ ہیں اور کسی قریب کے جزیرے میں رہتے ہیں۔ مگر
سوال یہ تھا کہ وہ اس قیدی لڑکے کے ساتھ کیا سلوک کرنے والے
تھے۔

جنگلی آدمیوں نے بڑے بڑے نیزے ہاتھوں میں تھام رکھے تھے۔

لڑکے کو انہوں نے زمین پر لٹا دیا۔

عنبر کو اچانک خیال آیا کہ کہیں یہ آدم خور نہ ہوں اور اس لڑکے کو مار کر

کھانے کی تیاری نہ کر رہے ہوں۔ عنبر نے فیصلہ کیا کہ لڑکے کی جان بچانا چاہیے پھر اس نے سوچا ایسا کرنے سے شگفتا کی زندگی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ وہ تو مر نہ سکے گا۔ مگر ہو سکتا ہے کہ کچھ آدم خور بھاگ جائیں اور پھر چھپ کر جزیرے پر حملہ کریں اور سوتے ہوئے بے چاری شگفتا کو ہلاک کر ڈالیں۔

عنبر چٹان پر درخت کی شاخوں میں چھپا رہا اور دیکھنے لگا کہ یہ لوگ نوجوان لڑکے کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔ اس نے دور ہی سے دن کی روشنی اور دھوپ میں دیکھا کہ لڑکے کی عمر سترہ اٹھارہ سال سے زیادہ نہیں ہے۔ اس کا رنگ گہرا سانولا تھا اور بال گھنگریالے تھے اور اس کے سر کے ساتھ چپکے ہوئے تھے۔

عنبر چکر میں پڑ گیا کہ کیا کرے؟ اس لڑکے کی جان بچائے یا نہ بچائے؟

اسے پھر شگفتا کا خیال آ رہا تھا۔ وہ اکیلا ہوتا تو ایک دم سے ان آدم خوروں کے سامنے آ جاتا۔ ان میں سے کوئی بھی عنبر کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا لیکن اس کے ساتھ شگفتا بھی تھی۔ وہ جزیرے پر اکیلی تھی عنبر ان آدم خوروں سے دشمنی مول لے کر شگفتا کی زندگی خطرے میں نہیں ڈال سکتا تھا۔ وہ عجیب الجھن میں پھنس گیا تھا۔ اتنے میں کیا دیکھتا ہے کہ آدم خوروں نے زمین میں چار کھونٹیاں گاڑیں اور اسکے ساتھ لٹا کر لڑکے کو باندھ دیا۔ پھر انہوں نے اس کے ارد گرد لکڑیاں چن کر ان میں آگ لگا دی۔ گویا یہ آدم خور لڑکے کو بھون کر کھانا چاہتے تھے۔

یہ آگ قیدی لڑکے سے کچھ فاصلے پر تھی اور آہستہ آہستہ اس کی طرف پہنچ رہی تھی۔ لڑکے نے زمین پر لیٹے لیٹے ہاتھ پاؤں مارے مگر اس کے دونوں ہاتھ پاؤں کھونٹیوں کے ساتھ بڑی مضبوطی سے باندھے ہوئے تھے۔

آدم خور جنگلی آگ کے گرد ناچنے لگے۔

اب ایک حیرت انگیز بات ہوئی۔ اچانک سمندر میں سے اسی سمندری بلا کی سیاہ کالی سونڈ باہر نکلی۔ اسے سوائے عنبر کے اور کسی نے نہ دیکھا۔

کیونکہ جنگلی سارے کے سارے آگ کے گرد سر نیچے کیے ناچ رہے تھے۔ عنبر نے دیکھا کہ سونڈ فضا میں بلند ہونے لگی۔ وہ ایک ستون کی طرح سمندر میں کھڑی ہوگئی۔ پھر نیچے کو خم کھا سمندر کی سطح کے ساتھ لگ گئی۔ اس کے بعد سمندری بلا پانی میں سے باہر نکل آئی۔ خدا کی پناہ وہ ایک بڑی ڈراؤنی پہاڑ ایسی کالی بلا تھی جس کی لمبی سونڈ جھول رہی تھی۔ اس کے دونوں ہاتھ جن پر لمبے لمبے بال تھے اوپر کو اٹھے تھے اور وہ دونوں پاؤں سمندر میں ڈالے باہر نکل رہی تھی۔ اس نے سیٹی ایسی سسکاری ماری اور پانی سے نکل کر کنارے پر آگئی۔

اب آدم خور جنگلیوں نے بھی اس بلا کو دیکھ لیا تھا۔ سمندری بلا نے گویا

ان پر جادو کر دیا۔ وہ سب جہاں کھڑے تھے وہیں کھڑے رہ کے کھڑے گئے۔ نیزے ان کے ہاتھوں سے نیچے گر پڑے۔ جیسے انہیں سمندر بلا نے سانس کھینچ کر پتھر کا بت بنا دیا تھا۔

سمندری بلا کا ایک پاؤں سمندر میں تھا۔ اس نے دوسرا پاؤں نکال کر اس آگ پر رکھ دیا۔ جو قیدی لڑکے کے ارد گرد جل رہی تھی۔ آگ ایک طرف سے بجھ گئی۔ پھر سمندری بلا نے دونوں ہاتھ اور سونڈ آگے کر کے تین آدم خور جنگلیوں کو اوپر اٹھایا اور انہیں زور سے گھما کر سمندر میں اچھال دیا۔ جنگلی بے جان پتھروں کی طرح دور سمندر میں جا کر گر گئے۔ اس کے بعد سمندری بلا نے باقی تین جنگلیوں کو بھی اسی طرح پکڑ کر اپنے سر کے اوپر گھمایا اور اس زور سے اچھالا کہ وہ تینوں کے تینوں جنگل کے اندر درختوں کے اوپر جا گرے اور ان کی ہڈیاں سرمہ بن گئیں۔

اس کام سے فارغ ہو کر سمندری بلا نے آگ کے ارد گرد ایک چکر لگایا اور واپس سمندر میں جا کر پانی میں گم ہو گئی۔ یہ سب کچھ اتنی جلدی ہوا کہ عنبر کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ چھ آدم خور جو ایک بے گناہ قیدی لڑکے کو ہڑپ کرنے کے لئے آئے تھے خود موت کے گھاٹ اتر چکے ہیں۔

عنبر کو ایک دم خیال آیا کہ سب سے پہلے بھاگ کر آگ سے لڑکے کو بچانا چاہیے۔ وہ جلدی سے چٹان کے پیچھے سے نکلا اور بھاگتا ہوا سمندر کے کنارے اس جگہ پہنچا جہاں لڑکے کو زمین پر جکڑ دیا گیا تھا۔

خوش قسمتی سے سمندری بلا کے چٹان ایسے پاؤں کے پڑنے سے آگ آدھے سے زیادہ بجھ چکی تھی۔ عنبر نے پہلا کام یہ کیا کہ بڑی تیزی سے جلتی ہوئی لکڑیوں کو اٹھا کر دور دور پھینک دیا۔ لڑکا بالکل

یہ قیدی لڑکے نے اپنی زبان میں کہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ عنبر وہ زبان نہیں سمجھے گا۔ مگر عنبر دنیا کی ساری زبانیں سمجھتا تھا۔

اس نے کہا:

''تم میرے بھائی ہو۔''

قیدی لڑکا حیران رہ گیا کہ یہ شخص اس کی زبان بھی جانتا ہے۔

☆

یہ قیدی لڑکے نے اپنی زبان میں کہا تھا۔اس کا خیال تھا کہ عنبر وہ زبان نہیں سمجھے گا۔مگر عنبر دنیا کی ساری زبانیں سمجھتا تھا۔

اس نے کہا:

''تم میرے بھائی ہو۔''

قیدی لڑکا حیران رہ گیا کہ یہ شخص اس کی زبان بھی جانتا ہے۔

☆

آدم خوروں کا جزیرہ

عنبر قیدی لڑکے کو لے کر جھونپڑے میں آگیا۔

جس کشتی میں آدم خور جزیرے پر اترے تھے وہ عنبر اور قیدی لڑکے نے مل کر ایک طرف کنارے کی جھاڑیوں میں چھپا دی تھی۔عنبر نے جھونپڑے میں آکر ساری کہانی شکنتلا کو سنا ڈالی۔اس نے یہ بھی بتا دیا کہ اس جزیرے پر ایک سمندری بلا کے پاؤں کے نشان اس نے پہلے بھی دیکھے تھے۔مگر شکنتلا سے بات نہیں کی تھی۔شکنتلا سمندری بلا کا سن کر بہت ڈری۔عنبر نے اسے بتایا کہ اگر وہ نہ ہوتی تو یہ لڑکا کبھی

زندہ نہ بچتا

عنبر نے لڑکے سے اس کی زبان میں پوچھا :

"تم کون ہو اور یہ کون لوگ تھے جو تمہیں ہڑپ کرنے یہاں لائے تھے؟"

قیدی لڑکے نے کہا :

"میرا نام بوریلا ہے۔ میں اپنے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا ہوں میرا باپ یہاں سے تھوڑی دور ایک جزیرہ ہے وہاں رہتا ہے۔ وہ اس جزیرے کا راجہ تھا۔ مگر منتری میرے باپ کا دشمن ہے۔ اس نے میرے باپ اور میری ماں کو ایک غار میں قید کر دیا اور خود جزیرے کا راجہ بن بیٹھا۔ پھر اس نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ وہ مجھے اس جزیرے پر لا کر قتل کر کے کھا جائیں۔ اگر سمندری بلا سنگرام باہر نکل کر ان لوگوں کو ہلاک نہ کرتی تو وہ ضرور مجھے ختم کر چکے ہوتے۔"

عنبر نے پوچھا :

"یہ سمندری بلا سنگرام کیا شے ہے؟"

بوریلا کہنے لگا :

"سنگرام ایک بڑی ہی خوفناک سمندری بلا ہے۔ یہ ہر مہینے ہمارے جزیرے میں سے ایک آدمی کی قربانی لیتی ہے۔ جب میرا باپ راجہ تھا تو وہ بھی ہر مہینے کسی ایک لڑکی کو اس بلا کے آگے سمندر میں ڈال دیا کرتا تھا۔ اب منتری راجہ بن گیا ہے تو اسے بھی ہر مہینے کی چاندرات کو ایک لڑکی اس بلا کے آگے ڈالنی ہو گئی۔ اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو یہ بلا جزیرے پر آ کر سارے لوگوں کو ہلاک کر دے گی۔"

عنبر بولا :

"کیا یہ بلا سمندری بلا ہر مہینے اپنی قربانی لینے آتی ہے؟"

"ہاں میرے آقا! چاندرات کو یہ بلا سمندر میں سے اپنی سونڈ باہر نکال کر کنارے پر رکھ دیتی ہے۔ جزیرے کے لوگ لڑکی کو بار سنگار کروا کر

نئے کپڑے پہنا کر وہاں لے آتے ہیں اور اسے بلا کی سونڈ پر بیٹھا دیتے ہیں۔ پھر وہ بلا لڑکی کو سونڈ میں لپیٹ کر سمندر میں لے جاتی ہے۔"

عنبر نے کہا :

"یہ تو بڑا ظلم ہے۔"

شگفتہ بولی :

"بھگوان اس بلا کا ستیاناس کرے جس نے جزیرے کی جانے کتنی لڑکیوں کو آج تک ہڑپ کر لیا ہوگا۔"

بوریلا نے کہا :

"اب تک ہزاروں لڑکیاں اس کالی بلا کی بھینٹ چڑھ چکی ہیں۔ مگر یہ ضروری ہے۔ اگر قربانی نہ دی گئی تو یہ بلا سارے جزیرے کو تہس نہس کر دے گی۔"

عنبر نے اس لڑکے بوریلا سے پوچھا :

"یہ بتاؤ کہ اب تم واپس اپنے جزیرے پر جانا چاہتے ہو یا اسی جگہ رہنا چاہتے ہو؟"

بوریلا کہنے لگا :

"میرے آقا! وہاں گیا تو منتری کے ساتھی مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ اگر یہاں رہا تب بھی وہ بہت جلد اس جزیرے پر میری تلاش میں آئیں گے۔ کیونکہ انہیں معلوم ہو جائے گا کہ میں بچ گیا ہوں۔"

عنبر نے پوچھا :

"سوال یہ ہے کہ سمندری بلا نے تمہاری مدد کیوں کی؟"

بوریلا بولا :

"سمندری بلا آگ سے بڑی نفرت کرتی ہے۔ وہ جہاں کہیں آگ دیکھتی ہے وہاں ہر شے کو ملیا میٹ کر دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم

جزیرے میں باہر آگ نہیں جلاتے۔ ہر شخص جھونپڑی کے اندر آگ جلاتا ہے۔ ویسے بھی سمندری بلا بہت کم دن کے وقت سمندر سے باہر آتی ہے۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ عین وقت پر میری مدد کو آ گئی۔"

شکنتلا نے کہا:

"اس بلا کا کوئی بھروسہ نہیں ہو بیلا! وہ تمہیں بھی ہلاک کر سکتی تھی۔ اسے تم زمین پر بندھے ہوئے نظر نہیں آئے ہو گے۔"

"ہاں بہن شاید ایسا ہی ہو۔ مگر یہ بتاؤ کہ تم لوگ اس جزیرے پر کس طرح آ گئے؟ تم یہاں کیسے زندہ ہو؟ یہاں تو رات کو بھوت آ کر بسیرا کرتے ہیں اور کبھی کبھی سمندری بلا بھی یہاں آ کر آرام کرتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس جزیرے پر کوئی آبادی نہیں ہے۔ شروع شروع میں ایک قبیلے نے اس جزیرے پر آ کر آباد ہونے کی کوشش کی تھی مگر سمندری بلا نے ان سب کو مار بھگا دیا۔ اب کوئی شخص بھی ادھر آنے کی

کے بارے میں نہیں بتایا تھا۔ آج اس لیے بتانا پڑا کہ تم بھی میرے ساتھ تھے۔

بوریلا نے کہا:

ہمارا اس جزیرے پر رہنا بے حد خطرناک ہے۔ سمندری بلا یہاں آ کر ہمیں سوتے میں کھا جائے گی۔ اسے انسانوں کی بو آ جاتی ہے۔ ہمیں یہاں سے نکل چلنا چاہیے۔

"مگر ہم کہاں جائے گے بوریلا؟" شکنتلا نے پوچھا۔

عنبر نے کہا:

"کیا یہاں آس پاس کوئی اور جزیرا ہے؟"

بوریلا کہنے لگا:

"سوائے ہمارے جزیرے کے آس پاس کوئی جزیرا نہیں ہے۔

پھر ہم کہاں جا سکتے ہیں؟

بوریلا نے کہا:

"یہاں بیٹھ کر سمندری بلا کے ہاتھوں مر جانے سے کہیں بہتر ہے کہ ہم اپنی کشتی میں سوار ہو کر سمندر میں نکل چلیں۔ آخر کسی نہ کسی جزیرے پر پہنچ ہی جائے گے۔

عنبر بولا:

"نہیں بوریلا نہیں، میں اتنا بڑا خطرہ مول لینے کو تیار نہیں ہوں میں اپنی بہن کے ساتھ اس وقت تک اسی جگہ رہوں گا جب تک کہ کوئی جہاز نہیں آ جاتا۔

شکنتلا بولی:

"بوریلا کیا اس طرف بحری جہاز آیا کرتے ہیں؟

بوریلا نے گردن ہلاتے ہوئے کہا:

"نہیں شکنتلا بہن ان جزیروں کے آس پاس کبھی کوئی جہاز نہیں دیکھا

گیا۔ یہ جزیرے۔۔۔ یہ دونوں جزیرے دنیا کے کسی نقشے پر نہیں ہیں
ان جزیروں پر میں نے اپنے باپ کی حکومت میں ہی آنکھیں کھولیں
اب میری عمر چودہ پندرہ برس کی ہے۔ میں نے اپنی زندگی میں صرف
ایک بار سمندری جہاز دیکھا تھا جو راستہ بھول کر ادھر آ گیا تھا۔
میرے باپ نے جہاز والوں کے ساتھ بڑا اچھا سلوک کیا۔ انہیں
خوب کھلایا پلایا۔ ان کے جہاز میں پھل اور پینے کے پانی کے مٹکے
رکھ دیے اور وہ لوگ خوش خوش جزیرے سے چلے گئے۔ اس کے
بعد میں نے کبھی کسی جہاز کو نہیں دیکھا۔

عنبر نے کہا:

"پھر تو میرا خیال ہے کہ ہم تمھارے رعبہ باپ کے جزیرے پر جائیں
گے۔"

بوریلا خوف سے کانپ گیا۔

"میرے آقا! ان آدم خوروں کے پاس جاؤں گے تو وہ میرے ساتھ
تم لوگوں کو بھی مار ڈالیں گے۔ منتری نے سارے جزیرے کے لوگوں
پر قبضہ کر رکھا ہے۔ اس نے لوگوں کو یقین دلا دیا ہے کہ وہ جادوگر ہے
جادوگری اس نے جزیرے کے جادوگر سے سیکھی تھی۔ اس بڑے
جادوگر کو بھی اس نے قتل کروا دیا تھا۔ ہم لوگ وہاں گئے تو اسی وقت مار
ڈالے جائیں گے۔ خدا جانے میرے ماں باپ کو اس نے کس وقت
تک کے لیے قید کر رکھا ہے۔ یہ خیال دل سے نکال دیں میری مانیں
ہم کشتی میں سوار ہو کر یہاں سے کسی دوسرے جزیرے کی طرف چلے
جاتے ہیں۔"

شگفتا نے کہا:

"یہ لڑکا بوریلا ٹھیک کہتا ہے عنبر بھائی' آدم خوروں کے وحشی جزیرے
پر جانا اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالنے کے برابر ہے۔ یہاں رہنا بھی

خطرے سے خالی نہیں کیونکہ یہاں سمندری بلا ضرور حملہ کرے گی۔
پہلے تو میں اکیلی جھونپڑی میں رہ لیتی تھی۔اب میں ہرگز اکیلی نہیں رہ
سکتی۔بھگوان کے لیے اس لڑکے کے کہنے پر عمل کرو اور یہاں سے
کھلے سمندر کی طرف نکل چلو۔

عنبر ہنس پڑا اور بولا :

"تم دونوں ڈرپوک ہو۔میں ڈرپوک نہیں ہوں۔میں ایک بہادر
انسان ہوں۔میں نے ہمیشہ سچائی کا ساتھ دیا ہے۔اور بڑی بہادری
سے سچائی کا ساتھ دیا ہے۔مجھے آج تک کبھی کوئی نقصان نہیں
پہنچا۔میں چاہتا ہوں کہ آدم خور منتری کے جزیرے پر جا کر اس کے
نوجوان راج کمار کے ماں باپ کو ظالم منتری کی قید سے آزاد کراؤں
اور اسے جزیرے کا راجہ بناؤں۔کیا تم لوگ میرے ساتھ نہیں چلوں
گے؟بوریا لڑکا تو عنبر کا منہ تکتا رہ گیا۔اسے کبھی امید نہیں ہو سکتی تھی

کہ ایک نوجوان انسان سمندری بلا اور جزیرے کے اتنے سارے
آدم خور وحشیوں کا اکیلا مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھا۔اس نے کہا
"میرے آقا اس خیال کو دل سے نکال دیں۔اگر ہم منتری کے
جزیرے پر گئے تو زندہ بچ کر واپس نہ آسکیں گے۔

عنبر نے کہا :

"بوریا' تم گھبراؤ نہیں۔میں نے ایسے بہت سے آدم خور وحشی دیکھے
ہیں اور پھر میں سمندری بلا کا بھی مقابلہ کر سکتا ہوں۔مجھے میرے خدا
نے اتنی طاقت دے رکھی ہے۔کیوں شکنتلا کیا میں جھوٹ بول رہا
ہوں؟

شکنتلا کہنے لگی :

"کہہ تو آپ ٹھیک رہے ہیں بھائی مگر خواہ مخواہ اپنے ساتھ ہم دونوں
کی زندگیاں بھی خطرے میں ڈالنے سے کیا؟ حاصل ہوگا بھلا؟

بہتر یہی ہے کہ ہم اس خیال سے باز آ جائیں اور ساتھ والے
جزیرے پر جانے کی بجائے کسی دوسری زمین کسی دوسرے ملک کی
طرف نکل چلتے ہیں۔

عنبر نے پکے ارادے کے ساتھ کہا :

"اگر تم لوگ میرے ساتھ نہیں جانا چاہتے تو بے شک مت جاؤ اور
یہیں رہو۔ مگر میں بوریلا کے راجہ باپ کے جزیرے پر ضرور جاؤں
گا۔ میں منتری کی ساری فوج سے مقابلہ کروں گا اور اسے شکست
دے کر سمندری بلا کو بھی ہلاک کر کے جزیرے پر دوبارہ بوریلا کے
باپ کو تخت پر بٹھا کر دم لوں گا۔

شگفتا گھبرا کر بولی :

"بھائی اگر تم وہاں چلے جاؤ گے تو ہم یہاں مرنے کے لیے کیوں
پیچھے رہ جائیں۔ ہم بھی پھر تمہارے ساتھ ہی چلیں گے۔

بوریلا کو ابھی تک یقین نہیں تھا کہ عنبر آدم خوروں اور سمندری بلا
کا مقابلہ کر سکے گا۔ وہ سوچنے لگا کہ شاید اس آدمی کا دماغ خراب
ہو گیا ہے۔ اس نے کہا :

"میرے آقا آپ کو سمندری بلا کی طاقت اور آدم خور وحشیوں کی
درندگی کا پورا پورا احساس نہیں ہے۔ یہ لوگ صحیح سلامت ہاتھی کو
کھڑے کھڑے بھون کر کھا جاتے ہیں۔ آپ بے چارے ان کے
آگے کیا کریں گے؟ سوائے اس کے اور کچھ نتیجہ نہ نکلے گا کہ میرے
ساتھ آپ بھی پکڑ لیے جائیں گے اور آپ کو بھی سمندری بلا کے
آگے ڈال دیا جائے گا۔"

عنبر نے جوش میں آ کر کہا۔

"خدا کی قسم ہے جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ میں سمندری بلا
اور جزیرے کے آدم خوروں پر برتری حاصل کر کے رہوں گا۔"

بوریلا اور شگفتا خاموش ہو گئے۔ شگفتا سمجھ گئی تھی کہ عنبر نے پکا فیصلہ کر لیا ہے اور اب اسے آدم خوروں کے جزیرے پر جانے سے کوئی نہیں روک سکے گا۔ آخر مجبور ہو کر اس نے کہا۔

"عنبر بھائی، اگر آپ نے جانے کا فیصلہ ہی کر لیا ہے تو پھر ہم بھی آپ کے ساتھ ہی چلیں گے۔ قسمت میں جو کچھ لکھا ہو گا اسے بھگت لیں گے"۔

عنبر نے کہا۔

"شگفتا بہن، تم لوگوں کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچنے دیا جائے گا تم لوگوں کی میں اپنے سے بڑھ کر حفاظت کروں گا"

بوریلا کہنے لگا۔

"جیسے آپ کی مرضی ۔ میں واپس آپ کے ساتھ جانے کو تیار ہوں"۔

عنبر نے خوش ہو کر کہا۔

"شاباش، اب یہ بتاؤ کہ کس وقت یہاں سے چلا جائے؟"

بوریلا نے کہا۔

"سب سے بہترین اور محفوظ وقت آدھی رات کا وقت ہے۔ کیونکہ اس وقت جزیرے پر سب لوگ سو رہے ہوں گے۔ اس کے علاوہ سمندری بلا بھی رات کو کبھی سمندر سے باہر نہیں نکلتی"۔

"پھر ٹھیک ہے ہم آج ہی رات یہاں سے کوچ کر جائیں گے۔ کیا تم کشتی میں بیٹھ کر جزیرے تک ہماری رہنمائی کر سکو گے؟"

"کیوں نہیں"۔ بوریلا نے کہا "ضرور رہنمائی کر سکوں گا۔ میں کئی بار اس جزیرے پر اکیلا کشتی میں سوار ہو کر آیا ہوں۔ میرے لیے یہ کوئی نیا سفر نہیں ہو گا"۔

عنبر نے کہا۔

"آج رات ہمیں تیار رہنا ہوگا"

عنبر اور قیدی لڑکا بوریلا مل کر کشتی کو جھاڑیوں میں سے نکال کر سمندر کے کنارے لے آئے اس میں انہوں نے شکنتلا کو سوار کرایا۔ پھر خود بیٹھے اور کشتی رات کے اندھیرے میں ساتھ والے آدم خوروں کے جزیرے کی طرف چلنا شروع ہوگئی۔ یہ جزیرہ آدھے دن کے سفر پر تھا۔ سمندر بڑا پرسکون تھا۔ آسمان پر ستارے چمک رہے تھے۔ ستاروں کے حساب پر بوریلا بڑے آرام سے کشتی کو سمندر کی لہروں پر کھیلتا چلا جا رہا تھا۔

پچھلے پہر کی نیلی نیلی روشنی آسمان پر پھیلی تو عنبر اور شکنتلا نے دور ایک جزیرے کے ہرے بھرے سرسبز درختوں کو ابھرتے دیکھا۔ یہ آدم خوروں کا جزیرہ تھا۔ شکنتلا کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ بوریلا بھی کچھ پریشان ہوگیا تھا۔

کیوں کہ بہر حال وہ اس کے جانی دشمنوں کا جزیرہ تھا۔ مگر عنبر خاموش تھا اور اس کے چہرے پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ تھی۔

☆

غار پر حملہ

منہ اندھیرے ہی کشتی آدم خوروں کے جزیرے پر جا لگی۔

بوریلا نے کشتی کو جزیرے کے پچھلے حصے کی طرف لگا دیا تھا۔ اس طرف کوئی آبادی نہیں تھی۔ صرف تاڑ کے جنگل ہی جنگل اور چٹانیں ہی چٹانیں ابھری ہوئی تھیں۔ وہ تینوں کشتی سے اتر آئے۔ کشتی کو انہوں نے ریت پر کھینچ کر چٹان کے پاس جھاڑیوں میں چھپا دیا۔ وہ خود بھی جھاڑیوں میں ایک جگہ چھپ کر بیٹھ گئے۔ عنبر نے بوریلا سے پوچھا۔

"یہ بتاؤ بوریلا کہ وہ غار کس طرف ہیں جہاں تمہارے باپ اور ماں کو منتری نے قید کر رکھا ہے؟"

بوریلا نے کہا۔

"یہاں سے اگر آپ اس جنگل میں چلتے چلے جائیں تو راستے میں ایک ریچھ کی طرح جھکی ہوئی چٹان آئے گی۔ اس چٹان کے پیچھے ایک اور جنگل ہے۔ اس جنگل میں ایک پہاڑی ہے۔ اسی پہاڑی کے غار میں میرے ماں باپ قید ہیں۔ مگر وہاں منتری کے آدم خوروں کا بڑا زبردست پہرہ ہے۔ اول تو آپ وہاں تک پہنچ نہیں سکیں گے اگر پہنچ بھی گئے تو پہرے پر کھڑے آدم خور آپ کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"یہ سب کچھ میں دیکھ لوں گا۔ میں جا رہا ہوں۔ اب تمہارا کام یہ ہے کہ تم شگفتا کو لے کر اسی چٹان کی کھوہ میں کشتی کے پاس چھپے رہو اور جب تک میں واپس نہ آؤں' یہاں سے ہرگز ہرگز باہر مت نکلو۔ اب

میں جا رہا ہوں۔"

شکنتالا کہنے لگی۔

"مجھے ڈر لگ رہا ہے عنبر بھائی۔"

عنبر نے کہا۔

"گھبراؤ نہیں شکنتالا بہن! یہاں تمہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ میری خفیہ طاقت سے تم اچھی طرح واقف ہو۔ جب تک تمہیں یہاں کوئی دیکھے گا اس وقت تک میں سب کام اپنے ہاتھ میں لے چکا ہوں گا۔"

اتنا کہہ کر عنبر وہاں سے جنگل کی طرف روانہ ہو گیا۔

اس کے جاتے ہی بوریلا نے ادھر ادھر سے جھاڑیاں کاٹ کر بڑی جلدی سے ایک چھت سی وہاں ڈال دی۔ چھت کے نیچے اس نے پتے بچھا دیے اور شکنتالا سے کہا۔

"شکنتالا بہن! تم یہاں لیٹ کر آرام کرو۔ میں باہر چھپ کر پہرہ دیتا

ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ اس طرف کوئی بھی آدمخور نہیں۔

ایک درخت کے اوپر چڑھ کر عنبر نے دیکھا سامنے ایک جگہ غار کا منہ کھلا ہوا تھا۔ جس کے باہر دو آدم خور نیزے لیے آرام سے زمین پر بیٹھے تھے۔ انہوں نے نیزے زمین پر گاڑ رکھے تھے اور آپس میں باتیں کر کے ہنس رہے تھے۔ وہ بڑے بے فکر تھے۔ اس لیے کہ انہیں خواب میں بھی خیال نہیں آ سکتا تھا۔ کہ ان کے جزیرے پر کوئی غیر آدمی قدم رکھ سکتا ہے جزیرے کے منتری کو یہ اطلاع مل چکی تھی کہ سمندری بلا نے دوسرے جزیرے پر حملہ کر کے بوریلا کو اور اس کو قتل کر کے کھانے والے آدم خوروں کو ہلاک کر ڈالا ہے۔ اس نے ہنس کر اپنے ساتھیوں سے کہا تھا۔

"اچھا ہوا کہ سمندری بلا نے بوریلا کو ہڑپ کر لیا۔ وہ ہماری کالی ماتا ہے وہ ہمارا خیال رکھے گی۔"

اسے کیا خبر تھی کہ بوریلا زندہ ہے اور اسی کے جزیرے میں ایک جگہ
چھپا بیٹھا تھا اور عنبر۔۔۔ منتری کا دشمن اس غار کے قریب پہنچ گیا ہے
جہاں راجہ رانی قید ہیں۔ اس کی امید نہ جزیرے کے نمک حرام ظالم
منتری کو تھی اور نہ ان پہریدار آدم خوروں کو تھی جو غار کے باہر پہرہ
دے رہے تھے۔ عنبر ان کی اس غفلت سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہتا
تھا۔ وہ درخت پر بیٹھا کافی دیر تک سوچتا رہا کہ کون سا طریقہ اختیار
کرے کہ وہ غار کے اندر پہنچ جائے۔ آخر ایک ترکیب اس کے دماغ
میں آ گئی۔

وہ درخت پر سے نیچے اتر آیا۔ جھاڑیوں کی اوٹ میں چلتے چلتے وہ اس
جگہ جا پہنچا جہاں جنگلی بیلوں نے ایک گھنی چھت ڈال رکھی
تھی۔ یہاں اسے پہریدار آدم خوروں کی باتیں کرنے کی پوری آواز
آ رہی تھی وہ ان کی جنگلی زبان اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔ وہ سمندری بلا

کی قربانی کے بارے میں بات کر رہے تھے۔ ایک آدم خور کہہ رہا تھا۔

"اس دفعہ چاندرات کو بوڑھے کی لڑکی شکتی کو بھینٹ چڑھایا جا رہا
ہے۔ کاش میں اس سے شادی کر لیتا۔ پھر اس کی جان بچ سکتی تھی۔
مگر اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ چاندرات کو اسے سمندری بلا کے آگے ڈال
دیا جائے گا۔"

دوسرا آدم خور بولا۔

"کیا اس آدم خور سمندری بلا سے نجات حاصل نہیں ہو سکتی؟"

پہلے آدم خور نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"دیوتا ہمیں معاف کریں۔ خبردار ایسی بات پھر زبان سے مت
نکالنا۔ سمندری بلا ایک دیوی ہے۔ سمندر کی دیوی ہے اس کی وجہ سے
اس جزیرے پر جوالا مکھی نہیں پھٹتا۔ اس کی وجہ سے یہاں کبھی کوئی
طوفان نہیں آیا۔ کبھی کوئی بیماری نہیں پھوٹی۔ اسے کوئی ہلاک نہیں کر

سکتا۔ اگر وہ مرگئی تو یہ جزیرہ بھی تباہ ہو جائے گا۔"

دوسرا آدم خور بھی کانوں پر ہاتھ رکھ کر توبہ کرنے لگا۔ عنبر ان کی بیوقوفوں ایسی باتوں پر دل ہی دل میں ہنس پڑا۔ کس قدر جاہل تھے یہ آدم خور وحشی۔ ایک سمندری جانور کو دیوی دیوتا سمجھ کر اس کی پوجا کر رہے تھے۔ حالاں کہ وہ ایک سمندری جانور کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔

عنبر نے زمین پر سے ایک پتھر اٹھایا اور اسے جنگل کی دوسری طرف اچھال دیا۔

جنگل کی خاموشی میں پتھر گرنے کی آواز پر دونوں آدم خور چوکس ہو گئے۔ انہوں نے اس طرف دیکھا جدھر سے آواز آئی تھی۔ عنبر نے ایک اور پتھر اٹھا کر ادھر پھینک دیا۔ دونوں آدم خور جلدی سے اٹھے اور نیزے لے کر جنگل کی طرف لپکے۔ عنبر اسی لمحے کا انتظار کر رہا تھا۔

آدم خوروں کے جاتے ہی وہ جھاڑیوں کی اوٹ میں سے باہر نکل

آیا۔ اور بھاگ کر سامنے غار میں داخل ہو گیا۔

اس غار میں نمی، ٹھنڈک اور ہلکا ہلکا اندھیرا تھا۔ عنبر بڑی تیزی سے غار کے اندر چلنے لگا آگے جا کر غار ایک طرف کو گھوم گیا۔ عنبر نے اس قسم کے بہت سے غار دیکھے تھے۔ وہ بڑی احتیاط سے چاروں طرف اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا چلا جا رہا تھا۔ غار آگے سے جا کر تنگ ہو گیا۔ پھر بائیں ہاتھ کو گھوما تو سامنے ایک دروازہ تھا۔ یہ دروازہ بانس کے درختوں کے ڈنڈے کاٹ کر بنایا گیا تھا عنبر اس دروازے کے پاس جا کھڑا ہو گیا۔ اس نے اندر جھانک کر دیکھا اسے ہلکے ہلکے اندھیرے میں دو انسان زمین پر لیٹے ہوئے نظر آئے۔ ان میں سے ایک اس جزیرے کا بوڑھا راجہ تھا اور ایک رانی تھی۔ عنبر نے آہستہ سے لکڑی کے دروازے کو ایک طرف ہٹایا اور اندر چلا گیا۔

دونوں انسان اسے آتا دیکھ کر اٹھ کر بیٹھ گئے۔ عنبر نے ان کی
زبان میں کہا۔
''کیا تم راجہ اور رانی ہو اس جزیرے کے؟''
دونوں انسان حیرانی سے عنبر کو دیکھنے لگے۔ انہیں یقین نہیں آ رہا
تھا کہ کوئی باہر کا آدمی ان کے پاس پہنچ سکتا ہے۔
راجہ نے کہا۔
''ہاں ہم اس جزیرے کے راجہ اور رانی ہیں۔ مگر تم کون ہو؟''
عنبر نے کہا۔
''یہ میں سب کچھ آپ کو بعد میں بتاؤں گا۔ پہلے میں آپ کو خوشی
کی خبر سنانی چاہتا ہوں کہ آپ کا بیٹا راجکمار بوریلا زندہ ہے''۔
رانی اور راجہ خوشی سے نہال ہو گئے۔ رانی نے آنکھوں میں آنسو

لا کر کہا۔
''کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟''
''ہاں رانی'' میں سچ کہہ رہا ہوں''
رانی نے پوچھا۔
''کہاں ہے میرا بیٹا؟''
عنبر نے کہا
''وہ اسی جزیرے میں ایک خفیہ جگہ پر چھپا ہوا ہے''۔
راجہ نے کہا۔
''مگر بیٹا' اسے تو نمک حرام منتری نے سمندری بلا کے جزیرے
میں قتل کرانے کے لیے بھجوا دیا تھا۔ پھر وہ کیسے بچ گیا؟''
عنبر نے کہا۔
''یہ باتیں پھر بتاؤں گا۔ اس وقت حالات یہ ہیں کہ آپ کا بیٹا

بوریلا زندہ ہے اور اسی جزیرے میں ایک جگہ چھپا ہوا ہے میں آپ کو اور اس جزیرے کے لوگوں کو ظالم منتری سے نجات دلانے آیا ہوں"۔

رانی نے کہا۔

"مگر بیٹا تم اکیلے اس شیطان کا کیسے مقابلہ کر سکو گے۔ وہ تو بہت بڑا جادوگار ہے۔ اس کے پاس کالے علم کا جادو ہے"۔

عنبر بولا۔

"رانی صاحبہ! آپ فکر نہ کریں۔ یہ سارا کام میں سنبھال لوں گا۔ اس کا سارا جادو میں ایک ہی پل میں باہر نکال دوں گا۔ آپ صرف اتنا کریں کہ میرے ساتھ یہاں سے نکل چلیں۔ کیونکہ ہو سکتا ہے جب میری اور نمک حرام منتری کی جنگ چھڑے تو وہ آپ کو اپنے آدمی بھیج کر قتل کروا دے"۔

رانی نے کہا۔

"مگر بیٹا! باہر تو آدمی خود پہرہ دے رہے ہیں"۔

عنبر بولا۔

"آپ میرے ساتھ آئیں۔ جلدی کریں۔ میرے پاس وقت بہت تھوڑا ہے"۔

عنبر نے راجہ اور رانی کو ساتھ لیا اور کوٹھڑی سے باہر نکل آیا۔ اس نے بانس کے دروازے کو دوبارہ اپنی جگہ پر لگا دیا۔ غار کے اندھیرے میں راجہ اور رانی کو پیچھے پیچھے چلاتا عنبر غار کے منہ پر آ کر رک گیا۔ دونوں کو پیچھے کھڑا کر کے عنبر نے دیکھا کہ پہریدار باہر پہرہ دے رہے تھے۔ ایک پہریدار زمین پر لیٹا ہوا اونگھ رہا تھا اور دوسرا دروازے کے پاس کھڑا پہرہ دے رہا تھا۔

عنبر دبے پاؤں غار سے باہر نکل آیا۔ اس نے پہریدار کے پیچھے

آ کر ایک چھلانگ لگا کر کھڑے ہوئے پہریدار کی گردن دبوچ لی۔
وہ منہ بل زمین پر گرا۔ دوسرا پہریدار شور کی آواز سن کر اٹھ کھڑا ہوا۔
اس نے جو ایک اجنبی کو اپنے ساتھی کے ساتھ گتھم گتھا دیکھا تو نیزہ اٹھا
کر پورے زور سے عنبر کی پسلیوں میں مار دیا۔ عنبر نے اس نیزے کی
بالکل پرواہ نہ کی اور پہلے والے پہریدار کی گردن دباتا رہا۔ دوسرے
پہرے دار نے نیزہ کھینچ کی پوری طاقت سے پھر عنبر کی پسلیوں میں
گھونپ دیا۔ اس دفعہ عنبر اٹھ کھڑا ہوا۔ پہلا پہریدار گلا دبانے سے مر
چکا تھا۔ عنبر نے اپنی پسلیوں میں سے نیزہ نکال کر ہاتھ میں تھام لیا۔
یہ منظر دیکھ کر زندہ پہرے دار دنگ رہ گیا۔ عنبر کے جسم سے خون کا
ایک قطرہ تک نہیں بہہ رہا تھا۔ عنبر نے نیزہ اٹھایا' لہرایا اور آدمخور کے
سینے میں اتار دیا۔ زخم اس قدر گہرا لگا کہ آدم خور بغیر آواز نکالے زمین
پر گرا اور تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ عنبر لپک کر واپس غار میں آیا اور بولا۔

"جلدی سے میرے ساتھ چلیں راستہ صاف ہے"۔
راجہ اور رانی لڑائی کا یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔ وہ حیرت زدہ تھے کہ
یہ کیسا انسان ہے کہ ایک طاقت ور آدم خور کے ہاتھوں سے دو نیزے
کھانے کے باوجود زندہ ہے۔ نہ صرف زندہ ہے بلکہ زخمی تک نہیں
ہوا۔ لیکن یہ وقت ایسی باتیں پوچھنے کا نہیں تھا۔ وہ عنبر کے پیچھے چھپتے
چھپاتے جنگل میں سے گزر رہے تھے۔ چٹان کے قریب سے گھوم کر
وہ گھنے درختوں کے نیچے سے ہوتے اس چٹان کے پاس آ گئے۔
جہاں ایک چھت کے نیچے شگفتا چھپی ہوئی تھی اور بوریلا پہرہ دے رہا
تھا۔

بوریلا بڑا چوکنا ہو کر چٹان کی اوٹ میں جھاڑیوں میں بیٹھا
تھا۔ اس نے اپنے پیچھے قدموں کی آہٹ سنی تو پلٹ کر پیچھے دیکھا۔
اسے اپنی آنکھوں پر اعتبار نہ آیا۔ اس کے سامنے اس کی ماں اور

بوڑھا باپ عنبر کے ساتھ چلے آ رہے تھے۔ وہ جھاڑی میں سے نکل کر بازو پھیلائے اپنے ماں باپ کی طرف بڑھا۔ راجہ رانی نے اپنے جگر کے ٹکڑے کو زندہ دیکھا تو خوشی سے باغ باغ ہو گئے۔ انہوں نے بچے کو سینے سے لگا لیا۔ اور خوب بھینچ بھینچ کر پیار کیا۔

عنبر نے کہا۔

"تم لوگ اب اسی جگہ چھپے رہو یا یہاں سے کشتی میں سوار ہو کر واپس سمندری بلا کے جزیرے میں چلے چلو۔ کیوں کہ میں منتری کے خلاف جنگ شروع کرنے والا ہوں۔ اگر تم لوگ لڑائی میں میرے ساتھ ہوئے تو میں تمہاری جان کی ذمے داری نہیں لے سکتا۔ ہاں فتح پانے کے بعد تمہیں اپنے پاس بلا سکتا ہوں"۔

راجہ نے کہا۔

"بیٹا، سمندری بلا کا جزیرہ محفوظ نہیں ہے۔ میں نے اپنے لیے

ایک خفیہ پناہ گاہ تلاش کر رکھی ہے۔ ہم وہاں جا کر چھپ جاتے ہیں وہ پناہ گاہ ایسی جگہ پر ہے جس کا کسی کو علم نہیں ہو سکتا۔ یہ جگہ میں نے بنائی ہی اسی لیے تھی کہ اگر کبھی جزیرے پر بغاوت ہو گئی تو وہاں چھپ جاؤں گا۔ لیکن نمک حرام منتری نے محل سے بھاگنے کی مہلت ہی نہیں دی۔

"چلیے میں آپ کو وہاں چھوڑ آتا ہوں"۔

یہ خفیہ جگہ جنگل کی پرلی جانب ایک چوڑی سی چٹان کے نیچے تھی۔ دروازے پر لمبی لمبی گھاس اگی تھی اور اندر بیٹھنے کے لیے خشک گھاس کے علاوہ پانی کا مرتبان اور خشک پھلوں کا ایک مرتبان بھی تھا۔ عنبر نے راجہ، رانی، شگفتہ اور بوریلا کو اس خفیہ جگہ پر چھوڑا اور خود اکیلا ہی منتری سے مقابلہ کرنے کے لیے نکل کھڑا ہوا۔

دشمن کی تلاش

جزیرے کے جنگل میں گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔
کہیں کہیں کسی وقت درخت پر بیٹھا کوئی پرندہ بولتا تو خاموشی
جیسے چونک اٹھتی۔ اس جزیرے میں جنگلی جانور بھی نہیں تھے۔ شاید
آدم خوروں نے سارے کے سارے مار کر کھا لیے تھے۔ عنبر چھپ
چھپ کر جنگل میں چلا جا رہا تھا۔ ایک پگ ڈنڈی جنگل میں چلی گئی
تھی۔ عنبر نے جان بوجھ کر اس پگ ڈنڈی کو چھوڑ دیا۔ اس لیے کہ
راستے میں کسی آدم خور سے مڈبھیڑ نہ ہو جائے۔ دور سے اسے ڈھول
بجنے کی آواز آنے لگی۔ راجہ نے اسے سب کچھ بتا دیا تھا کہ منتری کا
بانس کا محل کس جگہ پر ہے۔ یہ ڈھول اسی کے محل کے باہر بج رہا تھا۔

عنبر کو دو آدمیوں کی باتیں کرنے کی آواز سنائی دی۔ وہ ایک
درخت کے پیچھے چھپ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ آدم خور پگ ڈنڈی پر چلے آ
رہے تھے۔ انہوں نے ہاتھوں میں نیزے اٹھا رکھے تھے۔ وہ باتیں
کرتے عنبر کے قریب سے گزر گئے۔ اچانک ایک آدم خور رک گیا۔
دوسرے سے کہنے لگا۔

"میرا خیال ہے یہاں کوئی انسان چھپا ہوا ہے"۔

عنبر اس آدم خور کی عقل پر حیران رہ گیا۔ بات اصل میں یہ تھی کہ
جنگل میں رہتے رہتے انہیں بھی عادت پڑ گئی تھی کہ وہ جانوروں کی
طرح انسان کی بو سونگھ لیتے ہیں۔ دوسرے نے کہا۔

"یہاں کوئی غیر آدمی کہاں سے آ جائے گا؟"

"یہی میں سوچ رہا تھا"

اتنا کہہ کر دونوں آدم خور آگے نکل گئے۔ عنبر درخت کے پیچھے

سے نکل کر آگے روانہ ہو گیا۔ جوں جوں وہ آگے جا رہا تھا ڈھول کی
آواز زیادہ صاف سنائی دینے لگی تھی۔ وہ اسی ڈھول کی آواز پر چلا جا
رہا تھا۔ اب یہ آواز بہت قریب سے آ رہی تھی۔ عنبر ایک درخت پر
چڑھ گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ سامنے بانس کا ایک بہت خوبصورت مکان
بنا ہوا ہے۔ ہے تو بالکل جھونپڑے کی طرح کا مگر بناوٹ بڑی اچھی
ہے۔ وہ سمجھ گیا کہ یہی نمک حرام منتری کا محل ہے۔ محل کے دروازے
پر ایک آدم خور بیٹھا ڈھول بجا رہا تھا۔ وہ ڈھول پر یوں ہاتھ مار رہا تھا
جیسے سو رہا ہے۔

وہ یہ منظر دیکھ ہی رہا تھا کہ وہی دو پہریدار وہاں بھاگے
آئے جو راجہ رانی کے غار کے باہر پہرہ دے رہے تھے۔ انہوں نے
آتے ہی منتری کی دہائی دی۔ نمک حرام منتری ان کی آوازیں سن کر
محل سے باہر آ گیا۔ عنبر یہ تماشہ بڑے غور سے دیکھنے لگا۔ وہ جانتا تھا

کہ دونوں آدم خور راجہ رانی کے فرار کی خبر سنانے آئے ہیں۔ منتری کا
رنگ سیاہ تھا اور وہ بڑا موٹا تازہ ہاتھی کی طرح تھا۔

اس نے کڑک کر پوچھا۔

"کیا بات ہے؟ تم لوگ راجہ رانی کو اکیلے کیوں چھوڑ کر آ گئے؟"

آدم خور سجدے میں گر پڑے۔ پھر سر اٹھا کر بولے۔

"سرکار! وہ بھاگ گئے ہیں۔"

"کیا کہا؟" منتری بادل کی طرح گرجا۔

"کہاں بھاگ گئے ہیں؟"

آدم خور پہریدار نے کانپتے ہوئے کہا۔

"حضور! دیوتا ہی جانتے ہیں کہ راجہ اور رانی کہاں بھاگ گئے
ہیں۔ ہم پہرہ دے رہے تھے کہ ایک نوجوان سے مقابلہ ہوا۔ اس
نے ہمارے ایک آدمی کو مار دیا۔ میں بھاگ کر یہاں آیا ہوں۔ وہ

راجہ رانی کو بھگا کر ساتھ لے گیا ہے"۔

منتری نے تیوری چڑھا کر کہا۔

"کون تھا وہ نوجوان؟"

"حضور اس کا رنگ کالا نہیں تھا۔ وہ اس جزیرے کا رہنے والا نہیں لگتا تھا۔

منتری نے تالی بجا کر کہا۔

"ان دونوں پہرے داروں کی گردنیں کاٹ کر لاشوں کو گدھوں کے آگے ڈال دیا جائے"۔

آدم خور زمین پر گر کر رونے لگا۔

"سرکار رحم رحم رحم"

"بکواس بند کرو۔ لے جاؤ انہیں اور کاٹ دو ان کی گردنیں"۔

جلادوں نے آگے بڑھ کر دونوں آدم خوروں کو اپنے شکنجے میں جکڑ لیا۔ اور انہیں کھینچتے ہوئے جنگل کی طرف لے گئے جہاں انہیں قتل کر دیا جانے والا تھا۔ منتری نے اپنی ساتھی سے کہا۔

"سارے جزیرے میں آدم خور سپاہیوں کو پھیلا دو۔ راجہ رانی اس جزیرے سے بچ کر نہ جانے پائیں۔ سمندری کنارے کی تمام کشتیوں کو اپنے قبضے میں کر لو۔ ہر طرف پہرہ بٹھا دو اور حکم جاری کر دو کہ جو کوئی راجہ اور رانی کو دوبارہ گرفتار کر کے لائے گا' مہا منتری کی طرف سے اسے بہت انعام اکرام دیا جائے گا۔ اپنے آدمیوں سے کہو کہ جنگل کا چپہ چپہ چھان ماریں اور سمندر کے کنارے ناکہ بندی کر دیں۔ راجہ اور رانی جہاں کہیں بھی ہوں انہیں گرفتار کر کے ہمارے حضور پیش کیا جائے"۔

"جو حکم سرکار"۔

ڈھول بجانے والے نے زور زور سے ڈھول بجایا۔ یہ ڈھول کچھ اس طرح سے بجایا گیا تھا کہ دیکھتے دیکھتے وہاں کتنے سارے آدم خور جمع ہو گئے۔ منتری نے ان کے سامنے ایک بار پھر اعلان کیا کہ راجہ رانی قید سے بھاگ کر جزیرے میں کسی جگہ روپوش ہو گئے ہیں۔ انہیں فوراً تلاش کر کے لایا جائے۔ سب آدم خور جانوروں کی طرح آوازیں نکالتے جنگل کی طرف دوڑ پڑے۔

جس درخت پر عنبر چھپا بیٹھا تھا۔ اس کے نیچے سے بھی آدمخوروں کا جلوس گزرنے لگا۔ وہ سارے کے سارے جنگل میں پھیل گئے۔ عنبر نے خدا کا شکر ادا کیا کہ راجہ، رانی، بوریلا اور شکنتلا وغیرہ ایک محفوظ جگہ پر چھپے ہوئے ہیں۔ نہیں تو ان کا پکڑا جانا یقینی تھا۔ اب وہ انتظار کرنے لگا کہ آدم خور وہاں سے ہٹیں تو وہ نیچے اترے۔ آدم خور بانس کے محل کے سامنے بھی پہرہ دینے لگے تھے۔ یہ پہریدار صرف

دو آدمی تھے۔ ڈھول والا بھی نیزہ تھام کر شور مچاتا ہوا جنگل کی طرف بھاگ گیا تھا۔ ان آدم خوروں کی عورتیں بھی تیر کمان لے کر شور مچاتیں راجہ رانی کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئی تھیں۔

عنبر چاہتا تھا کہ کسی طرح محل میں داخل ہو کر منتری کو قابو کرلے وہ سارے کے سارے جزیرے کے آدم خوروں سے مقابلہ کرنے کی بجائے ان کے راجہ نمک حرام منتری کو قبضے میں لے کر ان پر اپنا اثر ڈالنا چاہتا تھا۔ وہ شام ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ اس کا خیال تھا کہ شام کا اندھیرا ہوتے ہی وہ کسی نہ کسی طرح پہریداروں کو دھوکا دے کر منتری کے محل میں داخل ہو جائے گا۔ وہ خواہ مخواہ کسی انسان کا خون نہیں بہانا چاہتا تھا۔ اس وقت دھوپ ڈھلنا شروع ہو گئی تھی۔ عنبر خاموشی سے درخت کی شاخوں میں چھپ کر بیٹھا رہا۔

آہستہ آہستہ دھوپ ڈھل گئی۔ جنگل میں شام کے سائے پھیل

گئے۔ منتری کے محل کے باہر مشعلیں روشن کر دی گئیں۔ کچھ عورتیں بھنی ہوئی مرغیاں اور پھل لے کر اندر داخل ہوئیں۔ عنبر سمجھ گیا کہ جزیرے کے راجہ منتری کا کھانا جا رہا ہے۔ وہ چپ چاپ درخت پر بیٹھا رہا۔ جب اس نے دیکھا کہ اب ہر طرف خاموشی چھا گئی ہے۔ اور سوائے محل کے آگے پہرہ دیتے آدم خوروں کے وہاں اور کوئی نہیں تو وہ آہستہ سے درخت سے نیچے اتر آیا۔ زمین پر پاؤں رکھتے ہی اس نے جھاڑیوں کی اوٹ میں ہو کر محل کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔

وہ محل کی پچھلی جانب سے اندر داخل ہونا چاہتا تھا۔

بانس کے محل کے پیچھے بھی ایک آدم خور نیزہ ہاتھ میں لیے پہرہ دے رہا تھا۔ عنبر کے لیے اب یہی ایک راستہ رہ گیا تھا کہ وہ کسی طرح آدم خور کو قابو میں کرے چنانچہ وہ ایک جنگلی بلے کی طرح آدم خور کی

طرف بڑھنے لگا۔ آدم خور بڑی بے فکری سے محل کی پچھلی دیوار کے ساتھ ساتھ ٹہل رہا تھا۔ جب اس کی پیٹھ عنبر کی طرف ہوئی تو عنبر نے ایک جھپٹا مارا اور اچھل کر آدم خور کی گردن اپنے دونوں ہاتھوں میں دبوچ لی۔ وہ آواز بھی پیدا نہ کر سکا اور عنبر کے بوجھ سے نیچے زمین پر گر پڑا۔ اس کے زمین پر گرنے کی آواز پیدا ہوئی۔

عنبر نے آدم خور کو گردن ہی سے پکڑ کر جنگل کی طرف کھینچ لیا محل کی کھڑکی میں روشنی ہو رہی تھی۔ ایک عورت نے کھڑکی میں سے جھانک کر باہر دیکھا اور پہرے دار کو آواز دی۔

''جھالا' کہاں ہو تم جھالا؟''

مگر جھالا کا تو عنبر نے کام تمام کر دیا تھا۔ عنبر نے صرف ایک کام اور کیا کہ آدم خور کا نیزہ اپنے ہاتھ میں لے کر سر پر اس کا تاج رکھ لیا۔ قمیض اتار کر پھینک دی اور ابھی جھاڑیوں میں ہی تھا کہ وہی عورت

پہرے دار کو آواز دیتی محل کی پچھلی کھڑکی سے باہر آ گئی۔ عنبر پریشان ہو گیا۔ اس عورت کی موت اسے عنبر کے پاس لا رہی تھی۔ لیکن عنبر نے فیصلہ کر لیا کہ وہ عورت پر ہاتھ نہیں اٹھائے گا۔ آدم خور عورت نے جھاڑیوں کے پاس آ کر جھالا کو ایک بار پھر آواز دی۔ عنبر باہر نکل آیا۔ اس نے چہرہ چھپا رکھا تھا۔ وہ جان بوجھ کر اپنا چہرہ عورت کی طرف نہیں کر رہا تھا۔ عورت نے پوچھا۔

''جھالا! تم اپنا چہرہ کیوں چھپا رہے ہو؟''

عنبر نے انہی کی زبان میں جواب دیا۔

''آنکھ میں کچھ پڑ گیا ہے''

عورت کو شک سا ہوا۔ اس نے قریب آ کر کہا۔

''جھالا! ذرا اپنا منہ تو اونچا کرو''

اب عنبر کو اپنا چہرہ اوپر کرنا پڑا۔ عورت ایک اجنبی شخص کو آدم

خوروں کے لباس میں دیکھ کر ششدر رہ گئی۔ اس نے شور مچانا چاہا ہی تھا کہ عنبر نے اپنا ہاتھ اس کے منہ پر اور نیزہ اس کی گردن پر رکھ کر کہا۔

''خبردار! اگر شور مچایا تو اسی وقت اسی جگہ تمہیں بھی جھالا کی طرح قتل کر کے پھینک دوں گا''۔

پھر عنبر نے اپنی قمیض پھاڑ کر عورت کے منہ میں ٹھونس کر اس کے ہاتھ پاؤں باندھے اور جھاڑیوں میں پھینک دیا۔ اب وہ نمک حرام منتری کے محل کی پچھلی کھڑکی کی طرف بڑھا کھڑکی کے اندر روشنی ہو رہی تھی۔ اس نے کونے میں ذرا سا سر اٹھا کر اندر دیکھا۔ موٹا کالا بھدا ہاتھی نما منتری اپنی بیگموں اور آدم خور ساتھی کے ہمراہ زمین پر بیٹھا جانوروں کی طرح بطخ اور مرغ کا گوشت کھا رہا تھا۔ عنبر نے سوچا کہ وہ کس طرف سے اندر داخل ہو کہ اسے خبر نہ ہو۔ مگر اب وہاں زیادہ سوچ بچار کا وقت نہیں تھا۔ ایک غلطی عنبر سے یہ ہو گئی کہ اس کے

باتھ کا نیزہ کھڑکی کے بانس سے ٹکرا گیا۔ منتری کے ساتھی نے آواز لگائی۔

"کون ہے باہر؟ جھالا' تم کہاں ہو؟"

باہر خاموشی طاری رہی۔ اب منتری کے ساتھی کو شک سا ہوا وہ اٹھ کر کھڑکی کے پاس آیا اور جھک کر باہر دیکھنے لگا۔ جوں ہی اس نے جھک کر باہر دیکھا اس کی آنکھیں عنبر سے چار ہو گئیں۔ وہ تو حیران ہو کر رہ گیا کہ یہ شخص یہاں کیسے آ گیا۔ اس نے ایک زور سے چیخ ماری۔ اس کے ساتھ ہی عنبر نے نیزہ اس کے دل میں اتار دیا۔ وہ لڑکھڑا کر کھڑکی سے باہر گر پڑا۔ منتری اور دوسرے آدم خور اٹھ کر باہر کو بھاگے۔ عنبر کھڑکی میں سے کود کر اندر آ گیا۔۔۔۔ منتری نے چیخ کر کہا۔

"اسے زندہ پکڑلو۔ یہی ہمارا دشمن ہے"۔

چھ سات آدم خور عنبر کی طرف بڑھے۔ عنبر دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ جوں ہی آدم خور اس کی طرف بڑھے اس نے آگے لپک کر ایک آدم خور کے ہاتھ سے نیزہ چھین لیا۔ اس نے نیزے سے دوسرے آدم خور پر حملہ کیا وہ تڑپ کر گر پڑا۔ منتری نے کہا۔

"اسے زخمی کر دو"۔

پانچوں آدم خور عنبر پر ٹوٹ پڑے اور اس کی ٹانگوں پر نیزے چلانے لگے۔ مگر عنبر کو بھلا کہاں اور کیسے زخم لگ سکتا تھا۔ لیکن اب عنبر ان کے قابو میں آ گیا تھا۔ انہوں نے فوراً اسے بانس کی رسی میں جکڑ کر منتری کے سامنے لا کر ڈال دیا۔ منتری کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔ وہ کھانا پینا چھوڑ کر عنبر کے قریب آیا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر غرایا۔

"بدبخت نوجوان تم کون ہو؟ یہاں یہاں کیا کرنے آئے ہو؟"

عنبر مسکرا رہا تھا، بولا۔

"اے نمک حرام ظالم منتری، میں اس جزیرے پر تمہاری موت بن کر آیا ہوں۔ اگر تم اپنی جان بچانا چاہتے ہو تو اس جزیرے کے اصلی اور خاندانی راجہ سے سب کے سامنے معافی مانگو اور جزیرے کو چھوڑ کر چلے جاؤ۔ نہیں تو موت تمہارے سر کے اوپر لٹک رہی ہے"۔

منتری غصے سے تھر تھر کانپنے لگا۔ وہ جزیرے کا مالک تھا۔ جزیرے کا راجہ تھا اور ایک نوجوان لڑکا سب عورتوں اور آدم خوروں کے سامنے اس کی بے عزتی کر رہا تھا۔ اس نے پوری طاقت سے عنبر کے منہ پر مکا مارا۔ عنبر کو کچھ نہ ہوا۔ ہاں منتری کو یوں لگا جیسے اس نے کسی پتھر پر ہاتھ مار دیا ہو۔ اس کا ہاتھ زخمی ہو گیا۔ وہ ہاتھ کو ملتے ہوئے بولا۔

"تمہاری موت تمہیں اس جزیرے میں لے آئی ہے۔ غلامو، لے جاؤ اس گستاخ باغی کو یہاں سے۔ کل صبح اسے سب کے سامنے اژدہا سے کٹوا کر مروا دیا جائے گا"۔

آدم خور جکڑے ہوئے عنبر کو لے گئے۔

"یہ کوئی عجیب قسم کا نوجوان لگتا ہے۔ اس کی آنکھوں میں مجھے ایک خاص کشش دکھائی دی ہے۔ کہیں یہ کوئی جادوگر تو نہیں ہے؟"

اس کا ساتھی سر جھکا کر کہنے لگا۔

"سرکار آپ سے بڑھ کر اس جزیرے میں اور کون بڑا جادوگر ہو سکتا ہے۔ آپ اس جزیرے کے مالک ہیں۔ آپ اس جزیرے کے سب سے بڑے جادوگر ہیں بھلا آپ کا مقابلہ یہ دبلا پتلا باغی نوجوان کر سکتا ہے؟"

منتری کچھ پریشان سا تھا اور اپنے ہاتھ کو دیکھ رہا تھا۔ کہنے لگا۔

"لیکن میرا ہاتھ اس کے چہرے پر پڑا تو یوں لگا تھا کہ میں نے کسی چٹان پر مکا مارا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟"

ساتھی نے کہا

"جناب یہ آپ کا وہم ہے۔ اس نوجوان کا جبڑا مضبوط ہوگا۔ کل اس کی ساری طاقت نکال دی جائے گی۔ اسے اس جزیرے کے سب سے زہریلے سانپ سے کٹوایا جائے گا۔ وہ ایک ہی پل میں پانی بن کر پگھل جائے گا"۔

منتری اپنے ساتھی کی باتوں میں آ گیا۔ بولا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ میں اس جزیرے کا سب سے بڑا جادوگر ہوں۔ میں جزیرے کا راجہ ہوں۔ سب سے بڑا دیوتا ہوں۔ میرا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا۔ میں کل اسی باغی نوجوان کو اپنے سامنے سانپ کے آگے ڈالوں گا۔ لیکن یہ کہاں سے آیا ہے؟"

ساتھی نے کہا۔

"میرا خیال ہے یہی وہ نوجوان ہے جس نے راجہ رانی کو بھاگنے میں مدد دی ہے۔ یہ اس جزیرے کا آدمی نہیں ہے۔ اسے ضرور معلوم ہوگا کہ راجہ رانی کہاں چھپے ہوئے ہیں"۔

نمک حرام منتری کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"تمہارا اندازہ بالکل درست ہے۔ یہی وہ نوجوان ہے جس نے میرے دشمن کو فرار کروا دیا ہے۔ اسے ضرور معلوم ہے کہ راجہ کہاں چھپا ہوا ہے۔ میں کل اس سے یہ راز اگلوا کر رہوں گا۔ وہ میری اذیت کو برداشت نہ کر سکے گا"۔

"کل صبح آپ کا دشمن راجہ آپ کے قدموں میں ہوگا"۔

عنبر کو ایک گڑھے میں ڈال کر اوپر بانس کا چھاپہ رکھ دیا گیا۔ یہ گڑھا زمین میں کھود کر بنایا گیا تھا اور پانچ چھ فٹ گہرا تھا۔ عنبر چپ چاپ

ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا۔ اس کے دونوں ہاتھ پیٹھ پیچھے باندھے گئے تھے۔ اس نے سلامبو کی لاش سے مدد لینی چاہی۔ مگر پھر سوچا کہ ایسا کون سی مشکل پڑ گئی ہے جو وہ سلامبو کا احسان لے۔ خدا نے چاہا تو وہ اکیلا ہی مقابلہ کر کے کامیاب ہو گا۔

☆

آتشی اژدھا

راجہ رانی، شگفتا اور ربوریلا کو بڑا فکر لگا۔

رات ہو چکی تھی اور عنبر ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ انہوں نے چٹان کے اوپر سے کئی بار آدم خوروں کے دوڑنے بھاگنے کی آوازیں سنی تھیں۔ وہ سمجھ گئے تھے کہ منتری کے آدمی راجہ رانی کی تلاش میں بھاگ دوڑ رہے ہیں۔ شگفتا کو سب سے زیادہ عنبر کی فکر لگی تھی، حالانکہ اسے سب سے زیادہ معلوم تھا کہ عنبر کو کوئی بھی شخص مار نہیں سکتا۔ پھر بھی ایک بہن اپنے بھائی کے لیے ضرور پریشان ہوتی ہے۔ راجہ نے شگفتا سے کہا۔

"بیٹی مجھے افسوس ہے کہ صرف ہماری وجہ سے تمہارے بھائی کو

اپنی جان خطرے میں ڈالنی پڑی"۔

رانی نے کہا۔

"کاش، ہمارا بچہ ہمیں پہلے ہی مل جاتا اور ہم تمہارے بھائی کو تکلیف دیے بغیر اس جزیرے سے کسی دوسری زمین کی طرف نکل جاتے"۔

شگفتانے کہا۔

"رانی جی، میرے بھائی نے جو کچھ کیا یہ اس کا انسانی فرض تھا۔ وہ ایک بہادر، دلیر اور انسانوں سے پیار کرنے والا انسان ہے، کسی کو کسی تکلیف میں دیکھ کر یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ اس کی مدد نہ کرے آپ فکر نہ کریں۔ وہ بہت جلد کامیاب ہو کر واپس آجائے گا"۔

بوریالا بولا۔

"عنبر کبھی کسی کے آگے شکست نہیں کھائے گا پتا جی۔ وہ ایک

بہت طاقتور انسان ہے۔ میں نے اسے اکیلا چھ چھ آدمیوں کا مقابلہ کرتے دیکھا ہے"۔

راجہ نے کہا۔

"لیکن اس نے اتنی دیر کہاں لگادی؟ کہیں وہ بے چارا کسی انوکھی مصیبت میں نہ پھنس گیا ہو۔ رات ہوگئی ہے وہ دوپہر کا نکلا ہوا ہے۔ اب تک اسے واپس آجانا چاہیے تھا"۔

بوریالا نے کہا۔

"اگر آپ اجازت دیں تو میں باہر جا کر اپنے بھائی کو تلاش کرتا ہوں"۔

شگفتانے فوراً کہا۔

"خبردار، بھائی عنبر نے سختی سے منع کیا تھا کہ اس تہہ خانے میں سے ہرگز ہرگز کوئی شخص باہر نہ نکلے۔ ہمیں بھائی کے کہنے پر

حالت میں عمل کرنا چاہیے۔ عنبر تو مصیبت کو سنبھال سکتا ہے لیکن ہم میں سے کوئی آدم خوروں کے ہتھے چڑھ گیا تو پھر زندہ بچ کر نکلنا مشکل ہو جائے گا بہتر یہی ہے کہ ہم اسی تہہ خانے میں بیٹھ کر اس کا انتظار کریں وہ جہاں کہیں بھی ہوگا کچھ نہ کچھ ضرور کر رہا ہوگا۔"

اب ذرا عنبر کی بھی سنیں۔

وہ زمین کے اندر کھدے ہوئے گڑھے میں خاموشی سے دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ اور سوچ رہا تھا کہ کل جب صبح ہوگی تو اس جزیرے کے سب سے زہریلے سانپ سے ڈسوایا جائے گا۔ وہ مرے گا نہیں۔ سب لوگ پریشان ہو جائیں گے۔ نمک حرام منتری اس پر اپنا جادو کرے گا۔ جادو کا بھی اثر نہیں ہوگا۔ وہ بے بس ہو جائے گا اور پھر عنبر اسے اپنے قابو میں کر کے اصلی راجہ کو جزیرے پر واپس لانے کا اعلان کر دے گا۔

اسے نیند بالکل نہیں آ رہی تھی۔ وہ صبح ہونے کا بے تابی سے انتظار کر رہا تھا۔ اس کے اوپر بانس کی چھت پڑی تھی جس میں سے آسمان پر چمکتے ہوئے ستارے نظر آ رہے تھے۔ آخر خدا خدا کر کے صبح ہوئی۔ دن کا اجالا چاروں طرف پھیل گیا۔ وہ اوپر تک رہا تھا کہ آدم خوروں نے آ کر گڑھے کے اوپر سے بانس کی چھت اٹھائی اور عنبر کو رسے کی مدد سے باہر کھینچ لیا۔ ایک آدم خور نے عنبر کے گلے میں رسی ڈال کر کہا۔

"چلو بدنصیب باغی' تمہاری موت محل کے باہر منہ کھولے کھڑی تمہاری راہ دیکھ رہی ہے۔"

عنبر نے ہنس کر آدم خور سے کہا۔

"کیا وہاں سانپ میرا انتظار کر رہا ہے؟"

آدم خور بولا۔

"سانپ نہیں۔ اژدہا کہو اژدہا۔ جزیرے کا سب سے زہریلا اژدہا جس کے سانس کے ساتھ باہر چنگاریاں پھوٹتی ہیں جو پھونک مار کر درختوں میں آگ لگا دیتا ہے۔"

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"اگر یہ اژدہا تمہیں ڈس دے تو کیسا ہوگا؟"

آدم خور نے طیش میں آ کر عنبر کے منہ پر طمانچہ مار دیا۔ مگر طمانچہ مارتے ہی وہ ہاتھ کو کھینچ کر دبانے لگا۔ اس کے ہاتھ کو سخت چوٹ لگی تھی۔ وہ بڑا حیران سا ہو گیا کہ عنبر کا چہرہ پتھر کا بنا ہوا ہے؟

آدم خور عنبر کو رسیوں میں جکڑ کر نمک حرام موٹے منتری کے محل کے سامنے لے آئے۔ یہاں منتری دوسری جادوگر ساتھیوں کے ہمراہ ایک تخت پر بیٹھا تھا۔ یہ تخت ایک چبوترے پر رکھا تھا سامنے ایک دائرے کی شکل میں جزیرے کے سارے آدم خور مرد عورتیں

اور بچے جمع تھے۔ یہ لوگ ایک اجنبی باغی کو سانپ سے ڈسوانے کا تماشا دیکھنے آئے تھے۔ عنبر کو لا کر چبوترے کے آگے ڈال دیا گیا۔

منتری نے کہا۔

"اس باغی کو زمین میں ایک موٹا سا بانس گاڑ کر اس کے ساتھ باندھ دیا جائے۔"

فوراً زمین میں ایک موٹا سا بانس گاڑ دیا گیا۔ اس کے ساتھ عنبر کو پیچھے ہاتھ کر کے باندھ ڈالا گیا۔ عنبر کے چہرے پر ذرا سی بھی پریشانی نہیں تھی۔ بلکہ وہ ہولے ہولے مسکرا رہا تھا۔ یہ بات جزیرے کے سارے لوگوں اور منتری کے ساتھی جادوگروں کے لیے بھی کچھ عجیب سی تھی۔ جو موت کے منہ میں جا کر بھی مسکرا رہا ہو۔ اسے وہ یا تو بہادری سمجھ رہے تھے اور یا یہ خیال کر رہے تھے کہ عنبر کے پاس کوئی خاص جادو ہے۔ منتری کا بھی یہی خیال تھا۔ اس نے اپنے ساتھی

جادوگر سے جھک کر کہا۔

"یہ کم بخت موت کو سامنے دیکھ کر بھی مسکرا کیوں رہا ہے؟ ضرور
اس کے پاس کوئی بہت بڑا جادو ہے"۔

منتری کے ساتھی جادوگر نے سر کو جھٹک کر کہا۔

"مہا منتری جی! آپ بچوں ایسی باتیں کر رہے ہیں۔ یہ بے
چارہ بھول میں ہے۔ اس کا خیال ہے کہ شاید اس کی جان بخش دی
جائے گی۔ بھلا اتنا چھوٹا سا نوجوان اتنا بڑا جادوگر کیسے ہو سکتا ہے؟
جادوگر بننے کے لیے تو ایک عمر چاہیے"۔

ساتھی جادوگر یہ کہہ کر چبوترے پر سے نیچے آ گیا۔

عنبر کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے عنبر کی آنکھوں میں آنکھیں
ڈال کر کہا۔

"بولو ہمارا دشمن راجہ اور رانی کہاں ہیں؟"

عنبر نے کہا۔

"میں نے انہیں اسی جزیرے میں ایک خاص جگہ پر چھپا رکھا
ہے"۔

منتری نے گرج کر پوچھا۔

"کہاں ہے وہ جگہ۔ جلدی بتاؤ؟"

عنبر نے ہنس کر کہا۔

"بھلا میں تم لوگوں کو کیسے بتا سکتا ہوں کہ راجہ رانی کہاں چھپے
ہوئے ہیں۔ تم مکار اور دغا باز ہو۔ تم انہیں نکال کر قتل کر دو گے اور میں
تمہیں قتل کر کے انہیں دوبارہ تخت پر بٹھانا چاہتا ہوں"۔

منتری نے غصے میں کہا۔

"میں تمہاری زبان کھینچ لوں گا۔ میں تمہیں ٹکڑے ٹکڑے کروا کر
جنگلی گدھوں کو کھلوا دوں گا"۔

عنبر نے پہلی بار ایک قہقہہ لگایا اور کہا۔

"نمک حرام مکار منتری' تو کیا ہے۔ اگر تمہارے جزیرے کے سارے آدم خور بھی مل کر چاہیں تو میرے جسم کا ایک معمولی سا ناخن بھی الگ نہیں کر سکتے۔ ہاں اگر میں چاہوں تو ایک ایک کر کے تم سبھوں کو موت کے گھاٹ اتار سکتا ہوں۔ میں اب بھی تمہیں کہتا ہوں کہ خون خرابہ نہ کراؤ۔ چپکے سے تخت چھوڑ کر یہاں سے دفع ہو جاؤ تا کہ اصلی راجہ اپنے تخت پر آ کر بیٹھ جائے"۔

جادوگر نے چیخ کر کہا۔

"خاموش بدزبان' ابھی تمہیں اس گستاخی کی سزا مل جاتی ہے۔ بول' کیا تو نہیں بتائے گا کہ ہمارا دشمن راجہ اور رانی کہاں چھپے ہوئے ہیں؟"

عنبر نے ڈٹ کر کہا۔

"کبھی نہیں بتاؤں گا"

جادوگر گرجا۔

"تم اپنی موت کو آوازیں دے رہے ہو"

عنبر نے چہرہ اوپر اٹھا کر کہا۔

"سن اے احمق جادوگر' میرے سامنے تمہارا اور تمہارے نمک حرام منتری کا جادو کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ تم اپنا بڑے سے بڑا منتر مجھ پر پھونک کر دیکھ لو۔ میرا کچھ نہیں بگڑے گا۔ اس لیے کہ میں تم سے بڑا جادوگر ہوں۔ میرے پاس ایک ایسا زبردست جادو ہے جو تمہارے سارے جادو کو ہڑپ کر جائے گا"۔

منتری نے بلند آواز میں ڈانٹ کر کہا۔

"خاموش بدزبان، ابھی جزیرے کے سب سے زہریلے سانپ کا زہر تمہارے جسم میں داخل ہو کر تمہیں بھسم کر کے رکھ دے گا۔ دیکھتا

ہوں تمہارا جادو تمہیں کیسے بچاتا ہے؟“
عنبر نے کہا۔

”تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے کہ تمہارا ہر جادو مجھ پر بے اثر ہو
گا۔ تم اور تمہارا زہریلا سانپ مجھے مار نہیں سکے گا۔ اس لیے کہ میں مر
نہیں سکتا۔ تم سب مر جاؤ گے۔ لیکن میں زندہ رہوں گا اور اگر چاہوں
تو تم سب کو مار سکتا ہوں“۔
جادوگر نے چیخ کر کہا۔

”اژدہا لایا جائے“۔

اسی وقت ایک آدم خور ایک بہت بڑا بانس کا ٹوکرا لے آیا۔
ٹوکرے کو اس نے عنبر کے آگے رکھ کر اس کا ڈھکنا اٹھا کر پرے
پھینک دیا۔ سب لوگ خاموش ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد ٹوکرے میں
سے سبز اور سیاہ رنگ کا ایک بہت بڑا سانپ یعنی اژدہا پھنکارتا ہوا باہر

نکلا۔ اس نے پھونک ماری اور بانس کے ٹوکرے کے ڈھکن کو آگ
لگ گئی۔ وہاں کھڑا ہر کوئی خوف زدہ تھا۔ مگر عنبر بے فکری کے ساتھ
بانس سے بندھا مسکرا رہا تھا۔

اژدہا نے عنبر کی طرف رینگنا شروع کر دیا۔ وہ عنبر کے بالکل
قریب آ گیا۔ اس نے اپنا پھوے جیسا منہ اٹھا کر عنبر کی طرف لال
لال انگارہ سی آنکھوں سے دیکھا۔ عنبر نے بھی اپنی آنکھیں اژدہا کی
آنکھوں میں ڈال دیں۔

اژدہا نے زور سے ایک پھونک ماری۔ اس کے منہ سے شرارے
سے نکل کر عنبر کے چہرے پر پڑے مگر عنبر کو کچھ نہ ہوا۔ وہ اسی طرح
مسکراتا رہا۔ اژدہا نے آگے بڑھ کر عنبر کی گردن پر ڈسنا چاہا ہی تھا کہ
عنبر نے سانپ سے کہا۔

”سن اے بے وقوف سانپ، تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ میں اس

ناگ کا بھائی ہوں جو تم سب سانپوں کا سر تاج ہے اور جو سانپ سے جون بدل کر انسان کی شکل میں میرے ساتھ زندگی بسر کر رہا ہے"۔

سانپ نے یہ سنا تو ایک دم ڈر کر پیچھے ہٹ گیا اور چپکے سے زمین پر سمٹ کر بیٹھ گیا۔

عنبر نے مسکرا کر منتری سے کہا۔

"اے منتری' اپنے اژدہا سے پوچھو کہ وہ مجھے ڈستا کیوں نہیں ہے؟ وہ میری زبان سے دو باتیں سن کر جھاگ کی طرح کیوں بیٹھ گیا ہے؟"

سارے لوگ حیران تھے کہ اژدہا کو کیا ہو گیا ہے۔ منتری نے حالات بگڑتے دیکھ کر جادوگر کو اشارہ کیا کہ وہ اپنے جادو سے عنبر کو ہلاک کر دے۔ جادوگر نے جیب میں سے ایک کنکر نکال کر اس پر کچھ پڑھا۔ اور زور سے عنبر پر دے مارا۔ کنکر عنبر کے چہرے سے ٹکراتے

ہی بجلی کی کڑک بن کر عنبر پر گرا۔

ایک دھماکہ ہوا۔ ایک غبار بلند ہوا۔ ایک شعلہ چمکا۔ لوگوں نے یہی سمجھا کہ عنبر کی ہڈیاں بھی جل کر بھسم ہو گئی ہوں گی۔ لیکن سب یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے کہ عنبر اسی طرح مسکرا رہا تھا۔ اس نے جادوگر سے کہا۔

"خبیث جادوگر' تو نے جو جو منتر پھونکنا ہے پھونک لے جو جو جادو کرنا ہے کر لے' تاکہ تجھے حسرت باقی نہ رہے۔ کیونکہ جس وقت میں نے اپنا منتر پھونکا پھر تم کہیں نظر نہیں آؤ گے"۔

جادوگر ذرا گھبرایا۔ مگر منتری کا حوصلہ پا کر اس نے عنبر پر دوسرا منتر پھونکا۔ اس کا بھی عنبر پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اب عنبر نے آنکھیں بند کر کے سلامیو کی لاش کو یاد کیا اور پھر زور سے پھونک ماری۔ عنبر کے منہ سے ایک شعلہ نکلا جس نے پگھلے ہوئے لاوے کی طرح جادوگر پر گر کر

اسے جلا کر راکھ کر دیا۔ جادوگر کی جگہ زمین پر راکھ پڑی تھی۔

سارے آدم خور دہشت زدہ ہوگئے۔

عنبر رسی توڑ کر آزاد ہوگیا۔ منتری نے چیخ کر حکم دیا۔

”اس جادوگر نوجوان کو نیزوں سے چھلنی کر دو“

ایک ہی وقت میں بے شمار آدم خوروں نے اپنے اپنے نیزے عنبر پر پھینکے۔ مگر اب عنبر پوری طرح تیار تھا۔ اس نے ہاتھ کا اشارہ کیا۔ سارے نیزے واپس پلٹ کر آدم خوروں کے سروں پر یوں لٹکنے لگے کہ جیسے ابھی گر کر ان کی کھوپڑیاں توڑ دیں گے۔ آدم خور ڈر کر بھاگنے لگے۔ وہ جدھر بھاگتے نیزے ان کے ساتھ ساتھ جاتے۔ عنبر نے کہا۔

”اب بتاؤ کہاں گیا تمہارا جادو؟ نمک حرام منتری اب تو اپنے ظلم کا مزہ چکھنے کے لیے تیار ہو جا“۔

عنبر نے زمین پر بیٹھے ہوئے سانپ سے کہا۔

”اے اژدہا، ناگ دیوتا کے حکم سے اٹھ اور اس جزیرے کے ظالم منتری کو ڈس کر ہلاک کر دے“۔

عنبر کا حکم سنتے ہی ناگ بجلی ایسی تیزی کے ساتھ اٹھا اور پھنکارتا ہوا چبوترے پر پہنچ گیا۔ منتری نے اٹھ کر بھاگنے کی کوشش کی مگر اژدہا نے اسے گردن سے دبوچ لیا۔ منتری گر پڑا۔ اژدہا نے پھونک ماری اور منتری کے جسم میں آگ لگ گئی۔ وہ درد سے تڑپنے اور چلانے لگا۔ مگر اژدہا نے ایک اور پھونک مار کر اسے جلا کر راکھ کر ڈالا۔

عنبر چبوترے پر آ کر تخت کے پاس آ کر کھڑا ہوگیا۔ اس نے آدم خوروں کو بتایا کہ وہ سمندر کے تمام جزیروں کا دیوتا ہے اور انسان کے بھیس میں یہاں کے حالات معلوم کرنے آیا تھا۔ نمک حرام منتری نے غداری کر کے یہاں کے نیک دل راجہ اور رانی کو قید کر کے خود

حکومت سنبھال لی تھی۔ اب وہ مر گیا ہے۔ یہ تخت دوبارہ اس کے راجہ کو
دیا جائے گا۔ آدم خور عنبر کو سچ مچ دیوتا سمجھنے لگے تھے۔ انہوں نے عنبر
اور راجہ رانی کے حق میں زور زور سے نعرے لگائے۔

عنبر نے آدم خوروں کو ساتھ لیا اور راجہ رانی کی طرف چل پڑا۔

☆

خونی بلا آگئی

راجہ، رانی، شگفتہ اور بوریلا نے آدم خوروں کی آوازیں سنیں۔
وہ ڈر گئے۔ ان کا خیال تھا کہ آدم خوروں نے عنبر کو قتل کر دیا ہے
اور اب وہ راجہ رانی اور اس کے بیٹے بوریلا کو گرفتار کرنے آ رہے
ہیں۔ شگفتہ بے چاری بڑی ڈرپوک تھی۔ اس کا تو رنگ زرد ہو گیا۔
بوریلا بھی گھبرا گیا۔ رانی کا خون خشک ہو گیا۔ کیونکہ وہ آدم خوروں کی
خصلت کو جانتی تھی۔ راجہ نے ان سب کو تسلی دی اور کہا کہ اگر آدم خور
بری نیت سے آئے ہیں تو ہم ان کا مقابلہ کریں گے۔ اول تو وہ تہہ
خانے کے اندر داخل نہ ہو سکیں گے جو کوئی اندر آئے گا اسے نیزے
مار کر ہلاک کر دیا جائے گا۔ اس کے باوجود خود راجہ بھی گھبرا گیا تھا۔

اس جزیرے پر آدم خوروں سے بچنے کی کوئی پناہ گاہ نہیں تھی۔ ایک بار وہ تہ خانے میں داخل ہو گئے تو پھر ان لوگوں میں سے کسی ایک کا بھی زندہ رہنا محال ہے۔

اتنے میں انہیں عنبر کی آواز سنائی دی۔

"شگفتا! گھبراؤ نہیں۔ میں آ گیا ہوں"

عنبر کی آواز سن کر سب کی جان میں جان آئی۔ آدم خور باہر اپنے راجہ اور رانی کی حمایت میں نعرے لگا رہے تھے۔ عنبر تہ خانے کے اندر آ گیا۔ اس کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا۔ اس نے آتے ہی راجہ سے کہا۔

"مبارک ہو اے نیک دل راجہ! ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ نمک حرام منتری اور ان کے ساتھیوں کی لاشیں میدان میں پڑی ہیں۔ جزیرے پر آپ کی حکمرانی بحال ہو گئی ہے۔ جزیرے کے

باہر عوام آپ کے حق میں نعرے لگا رہے ہیں۔ آپ اور رانی صاحبہ باہر آیئے۔ لوگ آپ کی ایک جھلک دیکھنے کو بے تاب ہیں"۔

خوشی سے راجہ نے عنبر کو سینے سے لگا لیا۔ رانی کا چہرہ مسرت سے کھل اٹھا۔ بوریلا نے بھی عنبر کے ہاتھ پکڑ کر چوم لیے۔ شگفتا نے اپنے بھائی کو زندہ سلامت دیکھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اپنی آنکھوں سے لگایا۔ راجہ نے کہا۔

"بیٹا عنبر! دیوتا تمہیں اس نیکی کا بدلہ دیں گے۔ تم نے میرے خاندان کو تباہی سے بچا کر مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ میں اور میری آنیوالی نسلیں تمہارے احسان کو ہمیشہ یاد رکھیں گی"۔

عنبر نے کہا۔

"میں نے حق دار کو اس کا حق پہنچایا ہے۔ میرا ضمیر مطمئن ہے۔ اب آپ باہر تشریف لے چلیں"۔

جوں ہی لوگوں نے راجہ اور رانی کو تہہ خانے سے باہر آتے دیکھا۔انہوں نے اچھل اچھل کر نیزے لہرا لہرا کر راجہ اور رانی کے حق میں نعرے لگائے۔عورتیں گیت گانے لگیں۔بچے خوشی سے تالیاں بجانے لگے۔انہوں نے راجہ کو اپنے کندھوں پر اٹھایا اور ایک جلوس بنا کر اسے بانس کے شاہی محل میں لے آئے۔اس سے اگلے روز راجہ نے اپنے بیٹے بوریلا کو تخت پر بٹھا دیا۔اس کی تاج پوشی کی رسم بڑی دھوم دھام سے ہوئی۔جزیرے کے لوگوں میں مٹھائی اور پھل بانٹے گئے۔عنبر نے بھرے دربار میں اعلان کیا۔

''آج سے اس جزیرے پر کوئی شخص آدم خور نہیں ہوگا۔کوئی انسان اپنے دوسرے بھائی کو مردہ گوشت نہیں کھائے گا۔ہر کوئی انسان ایک دوسرے سے پیار کرے گا۔ایک دوسرے کی مصیبت میں کام آئے گا۔اگر کسی شخص نے آدم خوری کی تو دیوتا اس کے گھر بار

کو اس کے بیوی بچوں کو تباہ و برباد کر دیں گے۔آج سے تم سب لوگوں کو میرے اور اپنے راجہ کے سامنے دیوتاؤں کی قسم کھانی ہوگی کہ اس جزیرے پر کسی انسان کو مار کر ہڑپ نہیں کیا جائے گا۔

تمام کے تمام آدم خوروں نے نیزے اوپر اٹھا کر قسم کھائی کہ وہ آئندہ سے آدم خوری نہیں کریں گے۔اور محنت' دیانت داری اور انسان دوستی کے ساتھ زندگی بسر کریں گے۔تاجپوشی کی رسم چھ روز تک جاری رہی۔عنبر اور شگفتا کو راجہ نے ایک شاندار بانس کی جھونپڑی دے رکھی تھی جس میں ضرورت کی ہر شے موجود تھی۔شگفتا اب وہاں سے نکل جانا چاہتی تھی۔عنبر بھی جانے کے لیے بے تاب تھا۔وہاں ان کا اب کوئی کام نہیں رہا تھا۔

انہوں نے ایک روز راجہ سے بات کی تو راجہ نے کہا۔

''میرے بیٹے اگر تم لوگوں کو پہلے ہندوستان جانا ہے تو ہندوستان

یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔ اگر تم لوگ اس جزیرے سے صبح کے
وقت کشتی میں سوار ہو کر چلو تو دوسرے روز صبح تم ہندوستان کے ساحل
پر پہنچ جاؤ گے۔ میں خود تمہیں بڑی شان سے یہاں سے رخصت
کروں گا۔ مگر بیٹے ابھی تمہیں ایک کام کے بارے میں مجھے مشورہ
دینا ہے‘‘۔

عنبر نے پوچھا۔

’’وہ کون سا کام ہے مہاراج؟‘‘

راجہ نے کہا۔

’’تم تو جانتے ہی ہو کہ اس جزیرے پر ہر ماہ کی چاند کی پندرہ
تاریخ کو ایک خوف ناک سمندری بلا نازل ہوتی ہے اور قربانی کے
لیے ایک نوجوان لڑکی کو اٹھا کر لے جاتی ہے۔ یہ قربانی ہمیں ضرور
کرنی پڑتی ہے۔ کیونکہ اگر ہم جزیرے کی کوئی جوان لڑکی اس

سمندری بلا کو بھینٹ نہ کریں تو وہ ہمارے جزیرے کو تباہ و برباد کر
دے گی۔

میں چاہتا ہوں کہ تم اس بارے میں مجھے مشورہ دو کہ میں کیا
کروں؟ کیونکہ میں یہ رسم۔۔۔۔ یہ ظالمانہ رسم ہمیشہ کے لیے
جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دینا چاہتا ہوں۔ لیکن یہ اس وقت تک نہیں ہو
سکتا جب تک کہ میرے پیچھے کوئی طاقت ور ہاتھ نہ ہو۔ کیا تم اس
بارے میں میری کچھ مدد کرو گے؟ کیا تم جزیرے کی بے گناہ لڑکیوں کو
سمندری بلا سے بچا سکو گے؟‘‘

عنبر سوچ میں پڑ گیا۔ اس کا جزیرے سے واپس جانا بھی بہت
ضروری تھا اور جزیرے کی بے گناہ لڑکیوں کو سمندری بلا سے بچانا بھی
ضروری تھا۔ اس نے راجہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

’’مہاراج‘ اگرچہ میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ میں یہاں رہ

کر سمندری بلا کا انتظار کروں۔ لیکن آپ اور آپ کے جزیرے کی بے گناہ معصوم بچیوں کی زندگی کی خاطر میں یہاں رہ کر سمندری بلا کا مقابلہ کرنے پر تیار ہوں"۔

راجہ نے خوش ہو کر عنبر کا ماتھا چوم لیا۔

"شاباش میرے بہادر بچے' مجھے تم سے یہی امید تھی۔ تم نے آج جزیرے کی ہزاروں بے گناہ بچیوں کو موت کے گھاٹ اترنے سے بچا لیا"۔

عنبر نے کہا۔

"لیکن راجہ کیا یہاں کے لوگ سمندری بلا سے مقابلہ کرنا گوارا کر لیں گے۔ کیا وہ دیوتاؤں کو ناراض کرنا قبول کر لیں گے؟"

راجہ نے کہا۔

"میرے بچے جزیرے کا کوئی آدمی ایسا نہیں جس نے اپنے گھر

کی کوئی نہ کوئی بچی اس خوف ناک بلا پر قربان نہ کی ہو۔ جزیرے کا ہر آدمی اس بلا کے خلاف ہے اور اس کا جانی دشمن ہے۔ وہ سمندری بلا کو خود اپنے ہاتھوں سے ہلاک کرنا چاہتا ہے۔ لیکن ایسا نہیں کر سکتا۔ یہ بلا اتنی بڑی اور اتنی طاقت ور ہے کہ سوائے تمہارے ہر کوئی اس سے خوف کھاتا ہے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ یہ بدبخت خونی بلا تمہارے ہی ہاتھوں مرے گی"۔

عنبر کہنے لگا۔

"ٹھیک ہے مہاراج' میں تیار ہوں"۔

عنبر نے جھونپڑے میں آ کر شکنتلا کو ساری بات بیان کر دی۔ شکنتلا اداس ہو گئی۔ ایک تو اس لیے کہ گھر جانے میں رکاوٹ پیدا ہو گئی تھی اور دوسرے یہ کہ اسے خطرہ تھا کہ اتنی بڑی سمندری بلا کہیں عنبر کو کوئی نقصان نہ پہنچا دے۔ اس نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"عنبر بھائی' سمندری بلا بڑی طاقت ور ہے۔ وہ بہت بڑی ہے۔
بھگوان نہ کرے کہ تم پر اس کا وار چل جائے۔ کیا تم اس بلا کو ختم کرسکو
گے عنبر بھائی؟"

عنبر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"شکنتلا' دنیا کا کوئی بھی جانور' کوئی ایسا درندہ اور کوئی ایسی بلا نہیں
جس کا مقابلہ میں نہ کرسکوں اور جسے میں ہلاک نہ کرسکوں۔ تم اپنی
آنکھوں سے سمندری بلا کو میرے ہاتھوں ہلاک ہوتے دیکھ لوگی"۔

شکنتلا نے کہا۔

"میرے پیارے بھائی' میرا دل ڈرتا ہے"۔

عنبر بولا۔

"تمہیں اپنے دل کو مضبوط کرنا ہوگا شکنتلا' میں سمندری بلا کو
ہلاک کیے بغیر یہاں سے نہیں جاسکتا۔ اس بلا نے سینکڑوں معصوم

بچیوں کو ہلاک کیا ہے اور اگر میں اسے مارے بغیر چلا گیا تو نہ جانے
ابھی کتنی اور لڑکیوں کو ہڑپ کر جائے گی۔ اس لیے ضروری ہے کہ
جزیرے کے لوگوں کو جزیرے کی معصوم لڑکیوں کو اس خوفی بلا سے
نجات دلائی جائے"۔

شکنتلا آخر راضی ہوتے ہوئے بولی۔

"تم ٹھیک کہتے ہو عنبر بھائی' میں اس معاملے میں تمہارے ساتھ
ہوں۔ بے شک میں سمندری بلا کے مارے جانے تک تمہارے
ساتھ اسی جزیرے میں رہوں گی"۔

سارے جزیرے میں یہ خبر عام ہوگئی کہ عنبر سمندری بلا کا مقابلہ
کرے گا۔ کچھ لوگوں نے خوشی کا اظہار کیا اور کچھ غمگین ہوگئے کہ کہیں
عنبر بلا کے ہاتھوں مارا نہ جائے۔ جس بوڑھے ماہی گیر باپ کی بیٹی کو
اس دفعہ قربان کیا جارہا تھا۔ اس نے یہ خوش خبری سنی تو سجدے میں

گر کر دیوتاؤں سے عنبر کی سلامتی اور سمندری بلا کی موت کی دعائیں مانگنے لگا۔ قربان ہونے والی لڑکی بے چاری غم کے مارے پہلے ہی سوکھ گئی تھی۔ اب اس نے یہ خوشخبری سنی تو وہ بھی آنکھیں بند کر کے دیوتاؤں سے دعائیں مانگنے لگی۔

چاند کی پندرھویں تاریخ کو سمندری بلا پانی میں نکلا کرتی تھی۔ جزیرے میں چاند کی پندرھویں تاریخ کا بڑی بے تابی سے انتظار کیا جانے لگا۔ چاند ہر رات آسمان پر تھوڑا سا بڑھ جاتا تھا۔ آخر بارھویں رات اور پھر تیرھویں رات آ گئی۔ سمندر کے کنارے جہاں بلا پانی میں سے نکلا کرتی تھی بانس کا ایک چبوترہ بنا دیا گیا۔ اس چبوترے پر سرخ کپڑے پہنا کر قربان ہونے والی لڑکی کو بٹھا دیا جاتا تھا۔

چبوترے کے بانس پر رنگ برنگ پھول چڑھا دیئے گئے۔

چاند کی پندرھویں رات بھی آ گئی۔ ہر طرف بڑا زبردست جوش

پایا جاتا تھا۔ لوگ پریشان بھی تھے۔ اور خوش بھی۔ پریشان اس لیے تھے کہ کہیں ان کے جزیرے پر کوئی آفت نازل نہ ہو جائے۔ خوش اس لیے تھے کہ سمندری بلا کے خون خرابے سے انہیں ہمیشہ کے لیے نجات مل جائے گی۔ عنبر نے جزیرے میں راجہ کے ذریعے اعلان کروا دیا تھا کہ رات کو سب لوگ سمندر کے کنارے جمع ہو جائیں اور اپنی آنکھوں سے سمندری بلا کی موت کا تماشہ دیکھیں۔ چاند آسمان پر پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ جزیرے کے سارے مرد، عورتیں اور بچے سمندر کنارے پہنچ گئے تھے۔

عنبر نے چبوترے پر کھڑے ہو کر کہا۔

"سنو اے جزیرے کے رہنے والو! تم نے ایک مدت تک اس خونی بلا کے ظلم و ستم سہے ہیں۔ اب وقت آ گیا ہے کہ اس قاتل سے اپنے بچوں کی موت کا بدلہ لو۔ یاد رکھو یہ بلا محض ایک آدم خور بلا ہے۔

اس کا دیوتاؤں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے کہ وہ میرے ہاتھوں مر جائے گی۔ اگر یہ دیوی ہوتی تو کبھی نہ مرتی۔ میں دیوتا ہوں۔ تم نے دیکھ لیا ہے کہ میں نہیں مرتا۔ نہ مجھ پر نیزہ اثر کرتا ہے اور نہ سانپ کا زہر اثر کرتا۔ اس لیے میں جو کچھ کہہ رہا ہوں تمہیں سچ کہہ رہا ہوں۔ سمندری بلا ایک آدم خور جانور ہے۔ اس سے زیادہ وہ کچھ نہیں ہے۔ میں اسے اپنی طاقت سے ہلاک کر دوں گا۔ اور تمہیں ایک آفت سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نجات مل جائے گی۔ اس کے بعد اس جزیرے پر خوش حالی آئے گی۔ ہر طرف خوشیوں کے پھول کھلیں گے"۔

لوگوں پر عنبر کی تقریر کا بہت اثر ہوا۔ انہوں نے زور زور سے تالیاں بجا کر کہا کہ وہ سمندری بلا کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ اسے ختم کر کے ہم پر احسان کرو۔ عنبر نے کہا۔

"میں اسی کام کے لیے یہاں رکا ہوا تھا۔ نہیں تو میں یہاں سے چلا گیا ہوتا اور یاد رکھو جب میں سمندری بلا سے مقابلہ کروں تو گھبرانا نہیں۔ اگر وہ سمندر سے باہر نکل آئی تو تم لوگ وہاں سے پرے پرے ہٹ جانا۔ بچوں اور عورتوں کو پیچھے کر دینا"۔

اتنے میں ایک آدمی نے آگے بڑھ کر عنبر کو سرخ کپڑے تھال میں پیش کیے۔ عنبر نے اس لڑکی کے سرخ کپڑے پہن لیے جسے آج قربانی کے لیے پیش کیا جا رہا تھا یہ عنبر نے خاص طور پر کیا تھا تاکہ پہلی نظر میں سمندری بلا کو دھوکا دیا جا سکے۔ عنبر نے سرخ چولا پہن لیا اور چبوترے پر خاموشی سے آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ اب وہاں گہری خاموشی ہو گئی۔ سمندری بلا کے سمندر سے باہر نکلنے کا وقت ہو گیا تھا۔ چاند آسمان پر ایک طرف کو جھک گیا تھا۔ سمندر کی لہریں بڑے سکون سے آ کر کنارے سے ٹکرا رہی تھیں۔

ذرا پرے درختوں کے نیچے مشعلیں روشن تھیں۔ وہاں ایک اونچا
چبوترہ بنا ہوا تھا۔ جس پر ایک تخت رکھ دیا گیا تھا۔ اس تخت پر راجہ' رانی'
ان کا بیٹا بوریلا اور شکنتلا بیٹھے تھے۔ شکنتلا کا دل دھڑک رہا تھا۔ وہ
بے چاری پہلے ہی سے ڈرپوک تھی۔ دل ہی دل میں بھگوان سے
اپنے پیارے بھائی کی زندگی کی دعا مانگ رہی تھی۔ راجہ اور رانی بھی
دل میں کچھ پریشان تھے۔ رانی نے راجہ سے کہا۔

"دیوتا اس بہادر بچے کی حفاظت کریں۔ لیکن بلا بڑی خوفناک
ہے۔ وہ ایک پہاڑ جتنی اونچی ہے۔ ایک نوجوان اس کا کس طرح
مقابلہ کر سکے گا؟"

اس پر رانی کے بیٹے نے کہا۔

"ماتا جی' آپ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے کہ عنبر بھائی کس
بہادری اور دلیری سے سمندری بلا کا مقابلہ کرتا ہے۔ وہ سچ مچ ایک

دیوتا ہے۔ بہت طاقت والا دیوتا ہے۔ اسے دنیا کی کوئی طاقت
نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ میں نے اسے حیرت انگیز کام کرتے دیکھا
ہے۔ وہ مر نہیں سکتا۔ وہ کامیاب ہوگا"۔

راجہ نے کہا۔

"دیوتا تمہاری زبان مبارک کریں"۔

سمندر کی طرف سے ایک لمبی سیٹی کی آواز سنائی دی۔

جزیرے میں کھڑے سارے لوگ ایک دم خاموش ہو گئے۔

عورتوں نے بچوں کو اپنے پیچھے کر لیا۔ مرد جھک کر غور سے
سمندر کی طرف دیکھنے لگا۔ سمندری بلا کی سیاہ کالی لمبی سونڈ ایک ستون
کی طرح سمندر میں سے بلند ہو رہی تھی۔ بلا آخر آ گئی تھی۔ جس لڑکی
کو قربان کیا جانے والا تھا۔ وہ اپنے ماں باپ کے پیچھے کھڑی تھر تھر
کانپ رہی تھی۔ راجہ' رانی' شکنتلا اور بوریلا بھی خاموش نگاہوں سے

سمندر کی طرف دیکھ رہے تھے۔

بلا نے اپنی سونڈ کو آگے کرنا شروع کر دیا۔ وہ سمندر کے اندر ہی اندر تیرتی ہوئی کنارے پر آ گئی تھی۔ سونڈ بڑھتے بڑھتے عنبر کے قریب چبوترے پر آ گئی۔ یہاں قربانی کے لیے پیش کی جانے والی لڑکی کو سونڈ پر بٹھا دیا جاتا تھا۔ سونڈ نے چبوترے پر لہرانا شروع کر دیا۔ لیکن قربانی پیش نہیں کی جا رہی تھی۔ سمندری بلا پیچ و تاب کھانے لگی۔ اب وقت آ گیا تھا کہ حملہ کیا جائے۔ عنبر نے آنکھیں بند کر کے سلامبو کی لاش کو یاد کیا اور اپنے نیچے سے تلوار نکال کر اس زور سے سمندری بلا کی سونڈ پر ماری کہ وہ آدھی کٹ کر گر پڑی۔

ایک بھیانک چیخ فضا میں بلند ہوئی اور بلا سمندر میں کھڑی ہو گئی

وہ کون تھے؟

سمندری بلا ایک پہاڑ کی طرح سمندر میں کھڑی تھی۔

عورتوں اور بچوں نے رونا شروع کر دیا۔ لوگ بھاگ کر درختوں پر چڑھ گئے۔ راجہ رانی، شگفتا اور بوریا بھی چبوترے پر سے اتر کر پیچھے چلے گئے۔ جزیرے پر ایک خوف اور دہشت چھا گئی۔

صرف عنبر اپنی جگہ پر دلیری سے ڈٹا ہوا تھا۔ عنبر کھڑا ہو گیا۔ سمندری بلا کی آدھی سونڈ کٹ چکی تھی۔ اور وہاں سے خون کا فوارہ چھوٹ رہا تھا۔ سمندری بلا، سمندر سے نکل کر باہر ریت پر آ گئی۔ اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا کہ عنبر کو اٹھا کر زمین پر پٹخ دے اور پھر پاؤں سے کچل کر ہلاک کر دے۔

عنبر پوری طرح ہوشیار تھا۔ اس نے سلامبو کی لاش کو آہستہ سے
آواز دی۔ پھر وہاں جزیرے کے لوگوں نے ایک عجیب منظر دیکھا۔
درختوں کے اوپر سے ایک سرخ رنگ کا بادل لہراتا ہوا آیا اور اس نے
سمندری بلا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ خدا جانے اس بادل میں کون سی
آگ بھری تھی کہ سمندری بلا نے چیخنا شروع کر دیا۔ اس کے سارے
جسم پر آگ لگ چکی تھی۔ وہ بڑی بری طرح اچھل کود رہی تھی۔ جس
کی وجہ سے جزیرے پر بھونچال سا آ گیا تھا۔ اس نے غصے میں کئی
ایک درخت اکھاڑ کر پھینک دیے۔ وہ جس درخت کو ہاتھ لگاتی اسے
بھی آگ لگ جاتی۔ پھر آسمان پر بجلی چمکی اور سمندری بلا پر بجلی گری۔

بجلی کے گرتے ہی سمندری بلا زمین پر سے بہت اونچی اچھلی اور
ٹکڑے ٹکڑے ہو کر زمین پر گر پڑی۔ اس کے بدن کے کئی ٹکڑے ہو
گئے تھے اور ہر ٹکڑے کو آگ لگی ہوئی تھی۔ سمندری بلا کے مرتے ہی

سارے لوگ درختوں جھاڑیوں سے نکل کر باہر آ گئے۔ وہ خوشی سے
ناچ رہے تھے۔ تالیاں بجا رہے تھے۔ گا رہے تھے۔۔۔ لوگوں نے
عنبر کو اپنے کندھوں پر اٹھا لیا۔ راجہ، شکنتلا اور رانی نے سکھ کا سانس لیا۔

راجہ نے عنبر کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"بھگوان تجھے ہمیشہ خوش رکھے بیٹا، تم سچ مچ ایک دیوتا ہو۔ میں
تمہیں سلام کرتا ہوں"۔

راجہ نے جھک کر عنبر کو سلام کیا۔ اسے دیکھ کر سارے لوگ عنبر کے
آگے جھک گئے۔

عنبر نے ایک اونچی چٹان پر کھڑے ہو کر کہا۔

"سنو اے جزیرے کے لوگو، تم نے اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ
لیا کہ ظالم کا انجام ہمیشہ برا ہوتا ہے۔ جس بلا نے تم پر کئی سالوں سے ظلم
کر رکھا تھا آج وہ اپنے انجام کو پہنچی۔ اے میرے خدا نے اپنی

طاقت سے ہلاک کر دیا۔ تم لوگ مجھے دیوتا سمجھتے ہو۔ میں نے بھی
تمہیں یہی کہا تھا کہ میں دیوتا ہوں۔ صرف اس لیے کہ تمہیں سمندری
بلا کے مرنے تک اپنے ساتھ رکھ سکوں اور تم کہیں راجہ کے خلاف نہ
اٹھ کھڑے ہوں۔ اب سمندری بلا مر چکی ہے۔ تمہارا جزیرہ آفتوں
سے بچ گیا ہے۔ تم آزاد اور خوشحالی میں زندگی بسر کرو گے۔ تمہارا راجہ
ایک نیک دل راجہ ہے۔ ہمیشہ اس راجے کی وفاداری کرنا۔ تمہارے
راجہ نے تمہارے لیے بڑی تکلیفیں اٹھائی ہیں۔۔ اور یہ بھی سن لو! کہ
میں دیوتا نہیں ہوں۔ بلکہ تمہاری طرح کا ایک عام انسان ہوں۔ فرق
صرف اتنا ہے کہ میں نے کبھی اپنے لیے کسی انسان کو تکلیف نہیں
دی۔ مجھے ایک خاص طاقت مل گئی ہے جو مجھے ہر جگہ مدد دیتی ہے اور
مجھے مصیبت سے بچاتی ہے۔ میں ابھی مر نہیں سکتا۔ یہ بادل جو آگ
لے کر آسمان پر آیا تھا اور جس میں سے بجلی گری تھی میری ایک بہن

نے بھیجا تھا۔۔۔ تمہاری مدد کے لیے۔ تمہیں ایک ظالم اور خونی بلا
کے پنجے سے نجات دلانے کے لیے۔ اب تم بچ گئے ہو۔ تمہارے
بچے اور تمہاری بچیاں آزادی اور سلامتی کے ساتھ اس جزیرے پر
زندگی بسر کریں گی۔ اب کوئی بلا تمہارے جزیرے کی طرف بری نظر
سے نہیں دیکھے گی۔ اگر اس بلا میں کوئی روحانی طاقت ہوتی تو وہ
میرے ہاتھوں سے کبھی ہلاک نہ ہوتی۔ بلکہ وہ مجھے مار کر اس جزیرے
کو بھی تباہ کر دیتی۔ مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس نے ایسا اس لیے
نہیں کیا کہ وہ ایسا کر ہی نہیں سکتی تھی۔ وہ ایک سمندری جانور تھا اور
میں نے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے"۔

لوگوں نے عنبر کو زندہ باد کے نعرے لگائے۔

دو روز تک جزیرے پر سمندری بلا سے نجات حاصل ہونے کا دن
منایا جاتا رہا۔ ہر طرف رونق اور چہل پہل لگی رہی۔ لوگوں نے رقص

کیا گیت گائے۔ عورتوں نے بچوں کے گلوں میں پھولوں کے ہار
ڈالے۔ پھل تقسیم کیا گیا۔ مچھلی کے خاص خاص پکوان پکائے گئے۔
تیسرے روز عنبر نے شکنتلا سے کہا کہ وہ جزیرے سے روانہ ہونے
کے لیے تیار ہو جائے۔

شکنتلا بولی۔

"بھگوان کے لیے اب رکنا نہیں۔ جتنی جلدی ہو سکے۔ یہاں
سے نکل چلتے ہیں۔ ابھی ہمیں اپنے ملک بھی پہنچنا ہے۔ اور سمندر کا
سفر ایک اکیلی کشتی میں کرنا ہے۔"

عنبر نے کہا۔

"راجہ نے بتایا تھا کہ یہاں سے ہندوستان کا ساحل بہت قریب
ہے۔ اگر ہم صبح کے وقت کشتی میں سوار ہو کر سفر شروع کریں تو
دوسرے روز صبح صبح ہندوستان پہنچ جائیں گے۔ یہ بھی ہماری خوش

قسمتی ہے کہ ہم اس جزیرے پر پہنچ گئے ہیں جو ہندوستان سے بہت
قریب تھا۔ اگر ہماری کشتی ہمیں یہاں سے ہزاروں میل دور لے
جاتی تو ہم کیا کر سکتے تھے"۔

شکنتلا بولی۔

"بھگوان کی مہربانی ہے یہ بھی۔ اب تم راجہ سے بات کرو اور کشتی
تیار کروانی شروع کر دو۔"

عنبر نے اسی روز راجہ سے بات کی اور کہا۔

"میں چاہتا ہوں کہ اپنی نگرانی میں ایک کشتی تیار کرواؤں جس
میں بادبان بھی لگے ہوں اور یہ بڑی تیز رفتاری سے منزل کی طرف
چل سکتی ہو"۔

راجہ نے کہا۔

"ایسا ہی ہوگا بیٹے' میں تمہیں خوبصورت اور مضبوط کشتی تیار کروا

کر دوں گا جو ہر طوفان کا مقابلہ بھی کر سکے گی اور تمہیں منزل پر جلدی سے جلدی پہنچائے گی۔ اس موسم میں طوفان بھی نہیں آتے۔ بھگوان نے چاہا تو تم بہت جلد ہندوستان کے ساحل پر پہنچ جاؤ گے“۔

راجہ نے اسی وقت ایک چھوٹی مگر بڑی مضبوط کشتی کی تیاری کا حکم دے دیا۔ اس جزیرے کے لوگ کشتی بنانے میں بڑے ماہر تھے۔ انہوں نے جنگل میں جا کر خاص قسم کے درخت کاٹے جن کی لکڑی سمندری میں بھی خراب نہیں ہوتی۔ کشتی کی تیاری شروع ہو گئی۔ عنبر روز جا کر کام کی نگرانی کرتا۔ تھوڑے ہی دنوں بعد کشتی بالکل تیار ہو گئی۔ اسے سمندر کے کنارے ساحل پر پہنچا دیا گیا۔ اس میں سفر کی ضرورتوں کو دیکھتے ہوئے ہر قسم کا سامان رکھ دیا گیا۔ پھل، خشک میوے سوکھی ہوئی مچھلی' پانی سے بھرے ہوئے لکڑی کے چھ ڈرم اور نیزے' تیر کمان اور خنجر۔۔۔ تا کہ اگر ضرورت پڑے تو اپنی حفاظت کی

جا سکے۔

جزیرے سے رخصت ہونے کا وقت آ گیا۔

جزیرے کے سارے کے سارے لوگ عنبر کو اپنے دوست اور احسان کرنے والے کو الوداع کہنے کے لیے سمندر کے کنارے آن کھڑے ہوئے۔ ہر کوئی عنبر کو اپنے سے جدا کرتے ہوئے اداس تھا۔ انہیں عنبر سے بڑا پیار ہو گیا تھا اور پھر عنبر نے ان کے لیے بڑا کام کیا تھا۔ انہیں ایک ایسی مصیبت سے نجات دلائی تھی جو ان کے بچوں کو ہڑپ کر رہی تھی۔

انہوں نے شگفتہ اور عنبر کے گلے میں پھولوں کے بے شمار ہار ڈالے۔ راجہ اور رانی نے دونوں کے سروں پر ہاتھ رکھ کر ماتھے چومے اور دعائیں دیں۔ بوریلا نے آگے بڑھ کر عنبر کے قدموں کو ہاتھ لگایا اور کہا۔

"میں آپ کو ہمیشہ یاد رکھوں گا"۔

راجہ نے کہا۔

"پیارے بیٹے! اگر زندگی میں کبھی تمہیں خیال آئے کہ زندگی شہر سے دور رہ کر کسی پرسکون جگہ پر بسر کرنی چاہیے تو سیدھے یہاں ہمارے پاس چلے آنا۔ ہمارے دل تمہارے لیے ہمیشہ کھلے رہیں گے"۔

عنبر نے کہا۔

"میں بھی تم لوگوں کو نہ بھلا سکوں گا راجہ صاحب! میں بھی آپ کو یاد رکھوں گا۔ آپ کے ساتھ بڑے خوبصورت اور یادگار دن بسر ہوئے ہیں"۔

شگفتا اور عنبر کشتی میں سوار ہو گئے۔ کشتی کا لنگر اٹھا کر بادبان کھول دیے گئے۔ بادبانوں میں ہوا بھرتے ہی کشتی نے کھلے سمندر کی طرف

بڑھنا شروع کر دیا۔ لوگوں نے نعرے لگائے۔ بچوں نے ہاتھ اٹھا اٹھا کر خدا حافظ کہا۔ عنبر اور شگفتا کشتی پر کھڑے ہاتھ ہلانے والوں کا جواب اپنے ہاتھ ہلا ہلا کر اور مسکرا کر دے رہے تھے۔ جزیرہ پیچھے ہٹتا جا رہا تھا۔ جزیرہ بہت دور رہ گیا۔ عنبر اور شگفتا کشتی میں آ کر بیٹھ گئے۔ انہوں نے دیکھا دور جزیرے کی ایک سیاہ لکیر باقی رہ گئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد یہ لکیر بھی غائب ہو گئی۔

اب وہ کھلے سمندر میں تھے اور کشتی اپنے بادبان پھیلائے ہندوستان کی طرف بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ شگفتا کشتی میں سو گئی تھی اور اپنے ماں باپ، بچے اور گھر کے خواب دیکھ رہی تھی۔ عنبر لکڑی کے ستون کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھا اپنی بہن ماریا اور ناگ کو یاد کر رہا تھا۔ انہیں ایک عرصے سے ایک دوسرے کی کوئی خبر نہیں تھی۔ نہ ماریا اور ناگ کو علم تھا کہ عنبر کس حال میں ہے اور نہ عنبر کو کچھ خبر تھی کہ ماریا اور

ناگ کیسے ہیں۔

سمندر کا رنگ گہرا نیلا تھا۔ دھوپ خوب چمک رہی تھی۔ عنبر نے آسمان کی طرف دیکھا۔ آسمان پر بادلوں کا دور دور تک نشان نہیں تھا۔ سمندر بڑے سکون کی حالت میں تھا۔ ہوا خوب چل رہی تھی۔ جس کی وجہ سے کشتی کی رفتار بھی خاصی تیز تھی۔ عنبر نے سوچا کہ اگر وہ اسی طرح سارا دن اور ساری رات سفر کرتے رہے تو اگلے روز صبح صبح وہ ہندوستان کے ساحل پر ہوں گے۔ وہ اس سے پہلے ہندوستان صرف ایک بار آیا تھا۔ اور وہ بھی تبت والے خشکی کے راستے سے۔

سمندر کی طرف سے وہ اس ملک میں کبھی داخل نہیں ہوا تھا۔ راجہ نے اسے ستاروں کا حساب بتا دیا تھا۔ وہ سورج کے حساب سے ٹھیک راستے پر جا رہا تھا۔

ستاروں نے رات کو چمک کر عنبر کو بتانا تھا کہ وہ کدھر کو جا رہا ہے۔

جب شام آئی تو عنبر اور شگفتا بڑی بے تابی سے رات کا انتظار کرنے لگے جس میں انہوں نے یہ معلوم کرنا تھا کہ کہیں وہ راستے سے بھٹک تو نہیں گئے؟ کیونکہ راجہ نے اسے کہہ دیا تھا کہ یہ بڑے خطرناک اور دنیا کے گہرے سمندر ہیں۔ اگر وہ راستہ ایک بار بھول گیا تو پھر ان کی کشتی شاید ساری زندگی سمندری لہروں پر بھٹکتی رہے گی۔ رات کو ستارے ایک ایک کر کے چمکنا شروع ہو گئے۔ عنبر نے بڑے غور سے ستاروں کے نشان دیکھے۔ وہ خوشی سے جھوم اٹھا۔

"شگفتا بہن! ہم ٹھیک راستے پر جا رہے ہیں"۔

شگفتا خوشی سے بولی۔

"سچ بھائی؟"

عنبر نے کہا۔

"ہاں' وہ دیکھو ستاروں کی ٹولی۔ یہ ہمیں تمہارے وطن کا راستہ

دکھاتی ہے۔ ساری رات ہمیں اسی ٹولی کی طرف سفر کرنا ہوگا۔ پھر ہم
صبح اپنی منزل پر پہنچ جائیں گے"۔

شکنتلا بڑی خوش تھی کہ ایک مدت بعد وہ اپنے خاوند' بچے اور ماں
باپ سے ملے گی۔ اس کے لیے اس سے بڑی اور کیا خوشی ہو سکتی
ہے۔ اس کی ساری مصیبت کٹ گئی تھی۔ صرف ایک رات باقی رہ گئی
تھی۔ ساری رات ان کی کشتی ستاروں کی ہلکی ہلکی روشنی میں پرسکون
لہروں پر سفر کرتی رہی۔ جزیرے کے راجہ نے جو کہا تھا وہ سچ ہو رہا
تھا۔ صبح کے وقت سمندر پر روشنی پھیلی تو انہیں دور کسی جزیرے کے
ساحل کی سیاہ لکیر دکھائی دی۔ زمین کو قریب آتے دیکھ کر بڑے خوش
ہوئے۔ عنبر نے کشتی کا رخ اور زیادہ ساحل کی طرف کر دیا۔ ہوا بڑی
موافق چل رہی تھی۔ کشتی بڑی تیزی کیساتھ ساحل کی طرف بڑھنے
لگی۔

شکنتلا نے کہا۔

"بھگوان کرے کہ یہ ہندوستان کا ہی ساحل ہو۔ کہیں کوئی اور
آدم خور جزیرہ نہ نکل آئے"۔

عنبر بادبانوں کی رسیاں ٹھیک کر رہا تھا۔ کہنے لگا۔

"شکنتلا بہن' تم تو خواہ مخواہ ڈرتی رہتی ہو۔ فکر نہ کرو۔ یہ کوئی آدم
خور جزیرہ نہیں ہو گا۔ مجھے یقین ہے کہ یہ ہندوستان کا ساحل ہی
ہے"۔

کشتی پوری رفتار کے ساتھ ساحل کی طرف بڑھ رہی تھی۔ دوپہر
کے وقت جب کہ سورج آسمان کے درمیان چمک رہا تھا اور ہر طرف
دھوپ اور روشنی پھیلی ہوئی تھی ان کی کشتی ساحل کے قریب پہنچ گئی۔
اس ساحل پر ناریل اور تاڑ کے گھنے درخت جھکے ہوئے تھے جس طرح
کہ عام طور پر جزیروں پر ہوا کرتے ہیں۔ شکنتلا نے کہا کہ ہو نہ ہو یہ

ضرور کوئی آدم خوروں کا جزیرہ ہے۔ عنبر کو بھی ابھی تک پورا یقین نہیں تھا کہ یہ ہندوستان ہی کا ساحل ہے۔ وہ بڑے غور سے ساحل کی طرف دیکھنے لگا۔ ساحل پر اسے کوئی انسان دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

کشتی ساحل پر پہنچ گئی۔ عنبر نے بادبانوں کو لپیٹ دیا تھا۔ کشتی کو ایک طرف چٹان کے ساتھ باندھ دیا گیا۔ اس کشتی میں کھانے پینے کا اتنا سامان تھا کہ وہ اس جگہ اگر چاہتے تو ایک ماہ تک زندہ رہ سکتے۔ ساحل کے ریت پر اتر کر وہ دھوپ میں لیٹ گئے۔

ٹھنڈی ٹھنڈی ریت پر لیٹنے سے انہیں بڑی خوشی حاصل ہوئی۔ موسم گرم تھا۔ مگر ہوا ٹھنڈی ٹھنڈی تھی جو سمندر کی جانب سے جزیرے کی طرف چل رہی تھی۔

شگفتہ نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"عنبر بھائی ہمیں معلوم کرنا چاہیے کہ اس جزیرے پر کون لوگ

آباد ہیں اور یہ ہندوستان کا ساحل ہے یا نہیں؟"

عنبر کہنے لگا۔

"خیال تو تمہارا ٹھیک ہے۔ اچھا۔ تم اسی جگہ ٹھہرو۔ میں جزیرے کے اندر جا کر معلوم کرتا ہوں"۔

شگفتہ بولی۔

"نہیں نہیں، میں یہاں اکیلی نہیں رہوں گی۔ میں بھی تمہارے ساتھ ہی چلوں گی"۔

عنبر نے کہا۔۔۔۔۔۔ "چلو پھر آؤ میرے ساتھ"۔

عنبر نے شگفتہ کو ساتھ لیا اور جزیرے کے اندر داخل ہو گیا۔ اس جزیرے پر انہوں نے آم کے بھی بے شمار درخت دیکھے۔ آم کے ایک درخت کے پاس چند وحشی جنگلی لوگوں نے شگفتہ اور عنبر کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔۔۔

آگے کیا ہوا۔۔۔۔؟

کیا شکنتلا اور عنبر وحشی لوگوں کی قید سے آزاد ہو گئے؟

کیا شکنتلا ہندوستان میں اپنے شوہر اور بچے کے پاس پہنچ گئی؟

موت در موت۔ کیسے عنبر دشمنوں میں پھنستا گیا اور نکلتا گیا۔

یہ سب کچھ جاننے کیلئے۔۔آپ بےچین ہوں گے۔

تو آئندہ ناول "اوپر موت نیچے موت" ۳۵ ویں قسط پڑھنا نہ بھولیں۔

عنبر ناگ ماریا
(قسط نمبر ۳۵)
اوپر موت نیچے موت
(اے حمید)
princeofdhamp@urdufanz.com

اوپر موت نیچے موت

فہرست

سنو پیارے بچو!

شگفتہ اور عنبر آدم خوروں کے جزیرے سے نکل کر سمندر میں سفر کرتے ہوئے ہندوستان کے ساحل کے ساتھ آن لگتے ہیں۔ یہاں جنگل میں ناٹے قد کے جنگلی ان کو پکڑ کر لے جاتے ہیں۔ ان وحشیوں کو معلوم ہی نہیں کہ شگفتہ ان کے راجہ کی بیٹی ہے وہ انہیں پکڑ کر سردار کے پاس لے جاتے ہیں سردار ان کو ہلاک کر دینے کا حکم دیتا ہے۔ عنبر سردار کو شکست دیتا ہے۔ یہاں خونی ہاتھی حملہ کرتا ہے۔ عنبر اکیلا خونی ہاتھی کا مقابلہ کر کے اسے ہلاک کر دیتا ہے۔

کالے جنگلی

وحشی لوگ شگفتہ اور عنبر کو لے کر جنگل میں سے گزر رہے تھے۔ خوف سے شگفتہ کا رنگ زرد تھا۔ عنبر نے چلتے چلتے اسے تسلی دی کہ وہ گھبرائے بالکل نہیں۔ مگر شگفتہ پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ ناٹے قد کے سیاہ فام وحشی ان دونوں کو غور غور کر دیکھ رہے تھے۔ ان کی زبان مشکل تھی۔

وہ کبھی کبھی آپس میں بات کر لیتے تھے۔ عنبر ان کی زبان اپنی خفیہ

طاقت کی وجہ سے سمجھ ضرور رہا تھا۔ پر اسے سمجھنے میں کچھ دقت محسوس ہو
رہی تھی۔ یہ زبان آریاؤں سے پہلے کی زبان تھی بلکہ فرعونوں کے مصر
سے بھی پہلے کی زبان تھی۔ وحشی ننگے انہیں دھکیل دھکیل کر آگے لیے
جا رہے تھے۔ وہ کسی وقت ہنس کر بھی بات کر لیتے۔ ایک وحشی نے
دوسرے سے کہا:

"راجہ سے کہہ کر میں اس عورت کو اپنی بیوی بنا لوں گا۔"

دوسرا بولا:

"میں اس نوجوان کو اپنا غلام بناؤں گا۔"

عنبر نے خدا کا شکر ادا کیا کہ شکنتلا ان کی زبان نہیں سمجھتی تھی، نہیں تو اس
کا یہ باتیں سن کر اور زیادہ برا حال ہوتا۔ عنبر نے جب راجہ کا لفظ سنا تو
وہ چونکا۔ اسے شک ہوا کہ وہ ہندوستان کے ساحل پر ہی آن لگا ہے۔
اس نے شکنتلا سے اپنی زبان میں کہا کہ یہ وحشی لوگ انہیں کسی راجہ

کے پاس لے جا رہے ہیں اور اس کے خیال میں راجہ صرف
ہندوستان میں ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہ ملک ہندوستان ہی ہے۔
شکنتلا کو بھی ذرا سا حوصلہ ہوا کہ وہ اپنے وطن میں تو ہے۔ اگر چہ اسے
ابھی تک کچھ معلوم نہیں تھا کہ وہ اپنے وطن میں تو ہے۔ اگر چہ اسے
ابھی تک کچھ معلوم نہیں تھا کہ یہ جنگلی اور وحشی لوگ ان کے ساتھ کیا
سلوک کرنے والے ہیں۔ جنگل میں آم اور املی کے بے شمار گھنے
درخت تھے۔ یہ درخت ہندوستان میں بڑے عام ہوتے تھے۔

شکنتلا نے عنبر سے کہا:

"بھائی بھگوان جھوٹ نہ بلوائے یہ ہندوستان ہی ہے۔"

عنبر بولا:

"میرا اپنا بھی یہی خیال ہے۔"

شکنتلا نے کہا:

"مگر عنبر بھائی یہ وحشی لوگ ہمیں کہاں لیے جا رہے ہیں؟"

"راجہ کے پاس۔ فکر نہ کرو، راجہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔"

"بھگوان کا شکر ہے کہ تم میرے ساتھ ہو نہیں تو جانے میرے ساتھ یہ جنگلی لوگ کیا سلوک کرتے۔"

وحشی لوگ عنبر اور شکنتلا کو کسی اور زبان میں باتیں کرتے دیکھ کر بڑے حیران ہو رہے تھے۔ وہ آپس میں کہتے کہ دیکھو یہ دونوں کس بے فکری سے باتیں کر رہے ہیں۔ انہیں پتہ ہی نہیں کہ ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ اب عنبر کو تشویش ہوئی کہ یہ جنگلی لوگ ان کے ساتھ کس قسم کا سلوک کرنے والے ہیں۔ اسے اپنی تو فکر نہیں تھی۔

ڈر تھا تو شکنتلا کا تھا۔ اس کی موجودگی میں تو دنیا کا کوئی شخص شکنتلا کو تکلیف نہیں پہنچا سکتا تھا۔ لیکن ایسا بھی ہو سکتا تھا کہ شکنتلا کو الگ لے جا کر قید کر دیا جائے اور پھر اسی قید میں اسے مار ڈالا جائے۔ ایسی

صورت میں بے چارہ عنبر اس کے لیے کیا کر سکتا تھا بھلا۔

بہر حال عنبر یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ قسمت میں ابھی کیا کیا لکھا ہے۔ جنگل گھنا ہوتے ہوتے زیادہ گہرا ہو گیا۔ یہاں موسم گرم مرطوب تھا۔ مچھر ان کے سروں پر چکر لگاتے ساتھ ساتھ جا رہے تھے۔ ایک جگہ عنبر نے مور کو دیکھا جو اپنے نیلے رنگ کے خوبصورت پنکھ کھولے ایک درخت کے نیچے مزے سے ناچ رہا تھا۔ عنبر نے شکنتلا کو ناچتا مور دکھایا۔

مگر شکنتلا کو حسین مور دیکھ کر بھی کوئی خوشی نہ ہوئی وہ اپنے انجام کے بارے میں بڑی پریشان تھی۔

کئی درختوں پر عنبر نے سبز رنگ کے سانپوں کو ہری بھری بیلوں کی طرح لٹکتے دیکھا۔ اب کیا ہوا کہ درختوں کے نیچے سے گزرتے ہوئے ایک سانپ نے ایک وحشی کی گردن پر ڈس دیا وہ ایک دم زمین پر بیٹھ گیا۔

دوسرے وحشی نے خنجر نکال کر ڈسنے والی جگہ پر زخم لگایا اور پھر زہر

چوس کر تھوک دیا۔ تیسرے وحشی نے ایک سانپ کو تیر مار کر نیچے گرا لیا
اس کی گردن کاٹ کر الگ کر دی اور دھڑ اس وحشی کو دے دیا جسے
سانپ نے کاٹا تھا۔ وحشی عنبر اور شکنتلا کے سامنے دیکھتے دیکھتے اسے
چبا کر کھا گیا۔
سانپ کے کھاتے ہی وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور جنگل میں سفر شروع کر دیا
عنبر نے ان وحشی لوگوں کی عقل مندی کی داد دی کہ کتنی جلدی انہوں
نے موت کو بھگا دیا۔ چلتے چلتے وہ ایک ندی پر آ گئے۔ یہ ندی چھوٹی سی
تھی اور بل کھاتی گزر رہی تھی۔ ندی کے کنارے بڑی بڑی گھاس اگی
تھی جس میں اگر آدمی چھپ جائے تو کسی کو ڈھونڈے سے بھی نہ ملے
عنبر نے دیکھا کہ وحشی ان جھاڑیوں سے بچ کر چل رہے تھے۔
خدا جانے وہ کسی جانور سے خوف زدہ تھے۔ یہ مگر مچھ نہیں ہو سکتا تھا۔
کیونکہ مگر مچھ دریاؤں میں ہوتا ہے۔ وہ ندی کنارے نہیں آتا۔ عنبر

نے شکنتلا سے کہا کہ یہ لوگ کسی جانور سے خوف زدہ ہیں۔ وحشی لوگ
چلتے چلتے ایک دم رک گئے اور فضا میں تھوتھنیاں بلند کر کے کچھ سونگھنے
کی کوشش کرنے لگے۔ ایک وحشی نے اونچی آواز میں کہا:
"درختوں پر چڑھ جاؤ۔"
اس کیساتھ ہی وہاں بھگدڑ مچ گئی۔ فوراً جنگل میں شیر کی دھاڑ گونجی اور
ایک زرد دھاریوں والا خونخوار شیر جھاڑیوں میں سے چھلانگ لگا کر
باہر نکلا۔ وحشی کچھ درختوں پر چڑھ گئے تھے اور کچھ ابھی زمین پر ہی
تھے۔ عنبر نے خدا کا شکریہ ادا کیا کہ وہ شکنتلا کو لے کر ایک درخت پر
چڑھ چکا تھا۔ شیر نے دھاڑتے ہی ایک وحشی کو منہ میں دبوچ لیا۔ وحشی
بڑا بہادر تھا۔ اس نے کھلے ہاتھ سے خنجر شیر کے پیٹ میں گھونپنا شروع
کر دیا۔ مگر شیر بھلا خنجروں سے کہاں مرتا ہے۔ ویسے شیر گھبرا ضرور گیا
اس نے جنگلی کو منہ سے نکال کر پھینک دیا اور پھر ایسے زور سے پنجہ مارا

کہ وحشی کی گردن اڑ گئی۔

یہ سارا تماشہ دوسرے وحشی درختوں پر بیٹھے دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے شیر پر بے شمار تیر چلائے مگر شیر صاف بچ گیا۔ شیر نے مردہ وحشی کو تو اسی جگہ چھوڑا اور اچھل کر ایک دوسرے وحشی کو پکڑ لیا جو ایک درخت کی نیچی شاخ پر بیٹھا شیر پر تیر چلا رہا تھا۔ وحشی کی چیخ سے جنگل گونج اٹھا۔ شیر نے وحشی کو گردن سے دبوچا اور اسے گھسیٹتا ہوا جنگل میں گم ہو گیا۔ دوسرے وحشی اس پر تیر برساتے رہے مگر شیر صاف نکل گیا۔ شیر کے جاتے ہی سارے کے سارے وحشی درختوں پر سے نیچے اتر آئے انہوں نے اپنے ساتھی کی گردن کٹی لاش کو اٹھا کر ایک درخت کے نیچے لٹایا۔ اوپر ادھر ادھر سے خشک پتے اکٹھے کر کے ڈالے اور آگے چل دیے۔

جیسے کچھ ہوا نہیں تھا۔ ان میں کسی نے شیر کا پیچھا کر کے اسے مارنے یا

اپنے دوسرے ساتھی کی موت کا بدلہ لینے کی کوشش نہ کی۔ وہ شگنتلا اور عنبر کو ساتھ لے ایک بار پھر جنگل میں روانہ ہو گئے۔ اب وہ چھوٹے چھوٹے ٹیلوں میں سے گزر رہے تھے۔ یہ ٹیلے ہری بھری جھاڑیوں سے بھرے ہوئے تھے۔ ایک ہرن جھاڑیوں میں سے نکل کر چوکڑیاں بھرتے بھاگا تو ایک وحشی نے تیر مار کر اسے زخمی کر کے گرا لیا۔ پھر اسے اٹھا کر اپنے کندھے پر ڈال لیا۔

ایک بولا:

"آج اسے بھون کر کھائیں گے۔"

دوسرے نے کہا:

"میں نے تو سانپ کا ناشتہ کر لیا ہے۔"

تیسرے نے کہا:

"اگر میں تمہارا زہر نہ چوستا تو تم مر گئے ہوتے۔"

دوسرا بولا:

"میں تمہیں اس کے بدلے میں مور کا گوشت کھلاؤں گا۔"

عنبر کو اب یقین ہو گیا تھا کہ وہ ہندوستان کے ملک میں داخل ہو چکے ہیں۔ کیونکہ مور بھی ہندوستان میں ہی ہوتا ہے۔ اس نے ایک وحشی سے آخر پوچھ ہی لیا کہ کیا اس ملک کا نام ہندوستان ہے۔ سارے کے سارے وحشی عنبر کو اپنی جنگلی زبان میں بات کرتے دیکھ کر دنگ رہ گئے اور کھڑے ہو گئے۔

ایک وحشی نے پوچھا:

"تم نے ہماری زبان کہاں سے سیکھی ہے؟"

عنبر نے کہا:

"میں چھوٹا سا تھا جب اس جگہ آیا تھا یہاں رہا تھا۔ میں نے یہاں کی زبان سیکھ لی تھی۔ مجھے یقین ہے کہ یہ ہندوستان ہی ہے۔"

وحشی نے کوئی جواب نہ دیا۔ بلکہ چیخ کر دوسرے وحشیوں سے کہا:

"یہ شخص مجھے کوئی بدروح معلوم ہوتی ہے۔"

دوسرا بولا:

"ان دونوں کو اسی جگہ ختم کر دو۔"

تیسرے نے کہا:

"نہیں نہیں' انہیں راجہ کے پاس لے جاؤ۔ راجہ کو پتہ چل گیا تو وہ ہم پر ناراض ہو گا۔ ہم ان دونوں کو راجہ کے حوالے کر کے اس سے انعام حاصل کریں گے۔ کیونکہ اس عورت کو تو راجہ بڑا خوش ہو کر اپنی بیوی بنا لے گا۔"

"ٹھیک ہے' ہم اس طرح کریں گے۔"

"لیکن اگر ہم انہیں قتل کر دیں تو راجہ کو کانوں کان خبر نہیں ہو گی۔ اس طرح اس ملک میں ایک بدروح نہیں آنے پائے گی۔"

"اسے ختم کر دیں گے۔"

ایک وحشی نے کہا:

"یہ بھی تو سوچو کہ ان دو بدروحوں کا قتل ہم اپنے اوپر کیوں لیں؟
کیوں نہ انہیں راجہ کے سامنے پیش کر کے اسے کہیں کہ یہ دونوں
بدروحیں ہیں اور انہیں ہلاک کر دیا جائے۔"

"یہ بات اچھی ہے۔"

عنبر نے خدا کا شکر ادا کیا کہ بات ٹل گئی۔ نہیں تو شگفتہ کو بچانے کے
لئے بڑی مشکل ہو جاتی۔ اب جنگل میں ایک گول دائرے کی قسم کا
چھوٹا سا میدان آ گیا۔

اس میدان میں درختوں کے نیچے جگہ جگہ لمبوتری چھتوں والی
جھونپڑیاں بنی ہوئی تھیں۔ کہیں کہیں سے دھواں بھی اٹھ رہا تھا۔ ننگ
دھڑنگ کالے کالے بچے جھونپڑیوں سے باہر کھیل رہے تھے۔

شگفتہ نے کہا:

"بھگوان کا شکر ہے کہ ہم آخر یہاں پہنچ گئے۔ میرا تو چل چل کر سخت
برا حال ہو گیا تھا۔"

عنبر نے کہا:

"میں خود چل چل کر تنگ آ گیا تھا۔ کم بخت جانے کہاں سے آئے
ہیں۔ میرا خیال ہے یہ ان کا قبیلہ ہے یہاں ان کا راجہ رہتا ہو گا۔"

"ہاں یہ راجہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟"

"ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے وہ ہمیں قید میں ڈال دے اور پھر کسی
روز ہمیں دیوتا کے آگے قربان کر دے۔"

"ہائے میں مر گئی۔ بھگوان کے لیے ایسی باتیں نہ کرو۔"

عنبر نے ہنس کر کہا:

"تم بہت جلد ڈر جاتی ہو۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں نے ہر مشکل

میں تمہیں موت کے منہ سے بچایا ہے۔ اچھا دیکھتے ہیں کہ یہاں کیا
تماشہ ہوتا ہے۔''

وحشی لوگ انہیں لے ایک جھونپڑی کے باہر رک گئے۔ پھر ایک وحشی
نے زور سے ڈھول بجایا۔ ڈھول کی آواز سن کر جنگلیوں کا راجہ
جھونپڑی سے باہر نکل آیا۔

یہ راجہ ایک سیاہ رنگ کا ہٹا کٹا ڈاکوؤں کی شکل ایسا آدمی تھا۔ اس نے
اپنی لال لال آنکھوں سے عنبر اور شکنتلا کو دیکھا اور ریچھ کی طرح ہنس
کر بولا:

''عنبر سمجھ گیا کہ راجہ شکنتلا کو ضرور اپنی بیوی بنا کر چھوڑے گا۔ یہ نہیں ہو
سکتا تھا۔ کیونکہ شکنتلا پہلے ہی ایک راجہ کنور کی بیوی ہے اور اس کا ایک
بچہ بھی تھا۔ عنبر نے شکنتلا کو ظالم راجے کی قید سے بچانے کا فیصلہ کرلیا۔

وحشیوں نے راجہ کو سارا کچھ ہی بتا دیا کہ یہ شخص انکی جنگلی زبان

بھی سمجھتا ہے اور یہ دونوں کوئی بدروح ہیں۔ کیونکہ شیر نے ان پر حملہ
نہیں کیا تھا۔ یہ سن کر کہ عنبر جنگلیوں کی زبان جانتا ہے۔ راجہ اس کے
قریب آگیا۔ اس نے عنبر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا اور کہا:

''تم کون ہو؟ تم ہماری زبان کس طرح جانتے ہو؟''

عنبر نے مسکرا کر کہا:

''راجہ میں بچپن میں یہاں اپنے باپ کے ساتھ آیا تھا۔ مجھے بچپن ہی
سے یہ زبان یاد ہو گئی تھی۔''

''جھوٹ بولتے ہو تم۔'' راجہ نے چلا کر کہا۔ ''تم بدروح ہو۔ تم
ہمارے قبیلے میں نحوست اور بیماری پھیلانے آئے ہو۔ تمہیں آگ
میں ڈال کر ہلاک کر دیا جائے گا۔ اور اس عورت سے ہم شادی
کریں گے۔''

شکنتلا نے عنبر سے پوچھا کہ راجہ کیا کہہ رہا ہے۔ عنبر نے اسے بتایا

کہ راجہ کہہ رہا ہے۔ میں شکنتلا سے بیاہ کروں گا۔ شکنتلا رونے لگی:

"عنبر بھائی مجھے اس ظالم وحشی سے بچاؤ۔ میں اپنے خاوند کی وفادار بیوی ہوں۔ میں اپنے راج کنور کے ہوتے ہوئے مر سکتی ہوں مگر دوسری شادی نہیں کر سکتی۔"

"حوصلہ رکھو شکنتلا! میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔"

پھر عنبر نے راجہ سے کہا:

"اے راجہ! تم مجھے بے شک بدروح جان کر آگ میں ڈال دو مگر اس عورت سے شادی مت کرو۔ کیونکہ اس کی شادی ہو چکی ہے اور اس کا ایک بچہ بھی ہے۔ یہ اگر ملک ہندوستان ہے تو اسی ملک کی ایک ریاست کا راجہ اس عورت کا خاوند ہے۔ یہ اس راجہ کی رانی ہے۔"

وحشی راجہ قہقہہ لگا کر ہنسا اور شکنتلا کی طرف دیکھ کر بولا:

"ہم اس آکاش کی اپسرا سے ضرور شادی کریں گے۔"

اس نے اسی وقت اعلان کر دیا:

اس نوجوان کو آگ میں ڈالنے اور اس عورت سے ہماری شادی کی تیاریاں شروع کر دی جائیں۔"

"جو حکم مہاراج۔"

جنگلیوں نے دونوں کو لے جا کر الگ الگ جھونپڑوں میں رسیوں میں جکڑ کر قید کر دیا۔ باہر عنبر کے لیے ایک گڑھا کھود کر اس میں درخت کاٹ کاٹ کر لکڑیاں ڈالی جانے لگیں۔ راجہ کی پہلی بیویاں اور دوسری عورتیں شکنتلا کو جھونپڑی میں نکل کر دلہن بنانے لے گئیں۔ شکنتلا روتی چلاتی رہی۔ مگر کسی نے اس کی ایک نہ سنی۔ اس نے دور ہی سے روتے ہوئے عنبر کو آواز دی۔

"عنبر بھائی بھگوان کے لیے میری مدد کرو۔ نہیں تو میں خودکشی کر لوں گی۔"

عنبر نے شگفتہ کی فریاد سن لی تھی اور دل میں پکا عہد کر لیا تھا کہ وہ شگفتہ کو بچائے گا بھی اور اس راجہ کو تھوڑا سا مزہ بھی چکھائے گا۔ وہ جھونپڑی کے فرش پر اس طرح بیٹھا تھا کہ اس کے دونوں ہاتھ باندھ کر اسے زمین میں کھونٹا گاڑ کر جکڑ دیا گیا تھا۔

اب وقت کم رہ گیا تھا۔ کیونکہ راجہ نے شگفتہ سے بیاہ کی پوری تیاریاں فٹافٹ شروع کر دی تھیں۔ ادھر زمین کے گڑھے میں لکڑیاں ڈال کر انہیں آگ لگا دی گئی تھی۔ لکڑیاں دھڑ دھڑ جلنا شروع ہو گئی تھیں۔

عنبر سمجھ گیا تھا کہ اسے اس وقت آگ میں ڈالا جائے گا جب لکڑیاں ساری کی ساری جل کر سرخ کوئلہ بن جائیں گی۔

وہ اپنے بارے میں ذرا بھی فکر مند نہیں تھا۔ اسے اگر کوئی فکر تھی تو صرف شگفتہ کی تھی کہ وہ کہیں گھبرا کر کوئی ایسی ویسی حرکت نہ کر بیٹھے۔

چونکہ وہ بڑی نیک شریف اور وفادار بیوی تھی۔ اس لیے اسے

خطرہ تھا کہ کہیں چپکے سے خودکشی ہی نہ کرے جو عنبر کسی حالت میں بھی گوارا نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے بیٹھے بیٹھے اپنے بندھے ہوئے ہاتھوں کو جھٹکا دے کر رسیاں توڑ ڈالیں۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اتنے میں دو وحشی اندر آ گئے۔ انہوں نے عنبر کو آزاد دیکھ کر شور مچا دیا عنبر کو پھر جکڑ دیا گیا۔

آگ میں زندہ

دوپہر کو عنبر جھونپڑے سے باہر لایا گیا۔

دو کالے جنگلیوں نے اسے پکڑ رکھا تھا اور اسے آگ کے گڑھے کی طرف لے جا رہے تھے۔ خونخوار راجہ ایک اونچی کرسی پر بیٹھا تھا۔

شکنتلا کو جھونپڑے میں زبردستی دلہن بنایا جا رہا تھا۔

راجہ نے حکم دیا:

"اس بدروح کو آگ میں ڈال دو تا کہ دیوتا خوش ہوں اور ہمارا قبیلہ بیماری اور نحوست سے بچ جائے۔"

لکڑیاں گڑھے میں ساری کی ساری جل چکی تھیں اور اب وہاں سرخ

رنگ کے بڑے بڑے انگارے دہک رہے تھے۔ یہ آگ اتنی شدید تھی کہ اس کے قریب نہیں کھڑا ہوا جاتا تھا۔ سارے وحشی پرے پرے کھڑے تھے۔ راجہ کا حکم سن کر دو وحشیوں نے عنبر کو لمبے لمبے نیزوں سے آگ کی طرف دھکیلنا شروع کر دیا۔ عنبر اگر چاہتا تو نیزے چھین کر ان وحشیوں کو قتل کر سکتا تھا۔ لیکن اس نے جان بوجھ کر ایسا نہ کیا۔ وہ اس وحشی راجہ کو آگ میں زندہ رہنے کی کرامت دکھانا چاہتا تھا۔ تا کہ وہ اسے دیوتا سمجھنے لگے اور یوں شکنتلا کی جان بھی بچ جائے گی۔

عنبر اپنے آپ آگ کی طرف چل پڑا۔ وہ آگ کے دہکتے ہوئے گڑھے کے کنارے کھڑا ہو گیا۔ اس نے پلٹ کر راجہ کی طرف دیکھا۔ وہاں آگ کی تپش اتنی زیادہ تھی کہ کوئی انسان وہاں ایک پل کے لیے بھی نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ لیکن عنبر بڑے سکون سے کھڑا تھا۔

عنبر نے راجے سے کہا:

"اے راجہ میری بات کو کان کھول کر سن لے۔ تو مجھے آگ میں زندہ جلا کر بھسم کرنا چاہتا ہے۔ تو نے میرے لیے آگ کا یہ دوزخ تیار کیا ہے۔ تو اس جگہ آ کر ایک بھی سانس نہیں لے سکتا جہاں میں بڑے آرام سے کھڑا ہو کر تجھ سے بات کر رہا ہوں۔ سن میں ابھی تمہاری آگ میں اتر جاؤں گا۔ میں ان سرخ کوئلوں پر جا کر بیٹھ جاؤں گا اور آگ میں زندہ ہوں گا۔ اور مجھے کچھ نہیں ہو گا۔ اس لیے کہ تم لوگ عام آدمی ہو اور میں دیوتا ہوں۔ ہاں میں دیوتا ہوں تم نے مجھے آگ ڈالنے کا حکم دے کر گستاخی کی ہے تمہیں اس کی سزا دی جائے گی۔ لو اب اپنی آنکھوں سے دیکھ کہ میں دیوتا ہوں اور تو نے مجھے سزا کا حکم دے کر کتنا بڑا گناہ کیا ہے۔"

یہ کہہ کر عنبر بڑے آرام کے ساتھ یوں جلتے ہوئے دہکتے انگاروں پر

اتر گیا۔ جس طرح کوئی آدمی پانی کے تالاب میں اتر جاتا ہے عنبر بڑے سکون سے دہکتے انگاروں پر آلتی پالتی مار کر اپنا منہ راجہ کی طرف کر کے بیٹھ گیا۔ آگ نے عنبر کے جسم کا ایک بال تک نہیں جلایا تھا۔

آگ دہک رہی تھی اور عنبر آگ میں بڑے سکون کے ساتھ بیٹھا تھا۔

یہ تماشہ دیکھ کر وحشی تو دم بخود ہو کر رہ گئے۔ ان میں دہشت کی ایک لہر دوڑ گئی۔ کئی جنگلی سجدے میں گر گئے۔ راجہ اپنی اونچی کرسی پر سے اٹھ کھڑا ہوا عنبر نے آگ پر بیٹھے بیٹھے اونچی آواز میں کہا:

"راجہ تم نے وہ کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔ جسے تم نے زندگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ تم دیکھ رہے ہو کہ آگ دھڑا دھڑ دوزخ کی طرح دہک رہی ہے۔ اگر تم اس آگ میں جنگل کا سب سے بڑا ہاتھی بھی ڈال دو تو وہ جل بھن کر پکوڑا بن جائے گا۔ لیکن آگ نے مجھے کچھ نہیں کہا۔ اس لیے کہ میں انسان نہیں ہوں، بلکہ ایک دیوتا ہوں۔

اب اگر میں چاہوں تو تم تمہیں وہاں کھڑے اٹھا کر اس آگ میں پھینک سکتا ہوں اور تم ایک سوکھے پتے کی طرح اس آگ میں جل جاؤ گے۔ بولو کیا میں اٹھاؤں تجھے؟"

راجہ نے دور ہی سے ہاتھ جوڑ کر سر جھکاتے ہوئے کہا:

"مجھے معاف کر دو اے عظیم معاف کر دو۔ مجھ سے غلطی ہو گئی۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ آپ ایک بہت بڑے دیوتا ہیں۔ میں اپنے گناہوں کی معافی مانگتا ہوں۔ مجھے معاف کر دو آپ آگ سے باہر آ جائیں۔ میں آپ کے پاؤں چھونے کے لیے بے تاب ہوں"

عنبر نے آگ پر بیٹھے بیٹھے کہا:

"اب تمہیں ہوش آ گیا ہے۔ اگر پہلے ہی اس کام سے باز آ جاتے تو کتنا اچھا تھا"

راجہ نے کہا:

"مہاراج اگر آپ حکم کریں تو میں ان سارے جنگلیوں کو آگ میں جھونک دیتا ہوں۔ جنہوں نے آپ کو پکڑ کر میرے سامنے لانے کی جرات کی تھی۔"

عنبر نے کہا:

"ان کا قصور نہیں ہے انہوں نے تو وہی کیا جو تم نے انہیں کہہ رکھا تھا۔ وہ بے گناہ ہیں۔ اچھا اب میں تمہارا قصور بھی معاف کرتا ہوں۔"

عنبر دہکتے ہوئے انگاروں پر سے اٹھ کر آگ سے باہر آ گیا۔ جوں ہی وہ باہر آیا سارے کے سارے جنگلی اس کے آگے سجدے میں گر گئے۔ وہ یہ دیکھ کر ششدر رہ گئے تھے کہ اتنی زیادہ آگ میں رہ کر اس شخص کا ایک بال تک نہیں جھلسا۔ آگ نے اسے کچھ بھی نہیں کیا تھا۔

"عنبر نے کہا"

جو کے ان کا بھگوان بنا ہوا تھا۔ کہ میں تم کو ایک شرط پر معاف کرو گا۔

کہ تم شکنتلا کو چھوڑ دو۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ شکنتلا کی پہلے شادی
ہو چکی ہے اور اس کا ایک بچہ بھی ہے۔"

راجہ نے اسی طرح ہاتھ باندھ کر کہا:

"مہاراج شکنتلا آج سے میری بہن ہے۔ اگر میں اس پر آنکھ ڈالوں
تو میری آنکھ پھوٹ جائے۔"

راجہ نے حکم دیا کہ شکنتلا بہن کو بڑی عزت کیساتھ لایا جائے۔

شکنتلا اسی وقت آ گئی۔ وحشی اس کے آگے بھی سر جھکا رہے تھے۔

شکنتلا نے پوچھا:

"یہ کیا کایا پلٹ ہو گئی بھائی عنبر؟"

عنبر نے کہا:

"وہی ہوا جو میرے ساتھ اکثر ہوتا رہتا ہے کہ پہلے لوگ مجھے قتل
کرنے کے لیے بھاگتے ہیں اور پھر میرے آگے ہاتھ باندھ کر سر جھکا

کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ انہوں نے مجھے آگ میں بھسم کرنے کی
کوشش کی تھی۔ آگ نے مجھے کچھ نہ کہا کیونکہ میں کسی درویش کی دعا
سے زندہ ہوں۔ یہ لوگ مجھے دیوتا سمجھنے لگے ہیں۔"

شکنتلا نے کہا:

"ان سے پوچھو کہ یہ ملک کون سا ہے اور ہماری ریاست یہاں سے
کتنی دور ہے۔ ان سے سوائے اس کے ہم کوئی اور کام نہیں لے
سکتے۔"

عنبر بولا:

"ہاں شکنتلا بہن تم نے جواب یاد دلایا۔ میں ابھی راجہ سے ساری
بات کرتا ہوں۔"

راجہ بڑی عزت کیساتھ عنبر اور شکنتلا کو اپنے خاص جھونپڑے میں لے
گیا۔ جہاں زمین پر شیر اور ہرن کی قیمتی کھالیں بچھی ہوئی تھیں۔

راجہ نے جھک کر کہا:

''مہاراج' تشریف رکھیں۔''

عنبر اور شکنتلا شیر کی کھال پر بیٹھ گئے۔ ان کے بیٹھنے کے بعد راجہ بھی ان کے پاس ہی بیٹھ گیا۔ عنبر نے پہلا سوال کیا کہ یہ کون سا ملک ہے؟

راجہ نے کہا:

''اے عظیم دیوتا' یہ ہندوستان ہے اور ہم اس ملک کے مشرقی ساحل پر ہیں۔ اس سے آگے پہاڑ ہیں' میدان ہیں جنگل ہیں ہم ادھر کبھی نہیں گئے سنا ہے کہ ادھر بھی بہت قبیلے آباد ہیں یہ بتائیں کہ آپ کہاں سے آئے ہیں؟''

عنبر نے کہا:

''اے راجہ اب میں تمہیں اصل بات بتاتا ہوں۔ میں کوئی دیوتا نہیں ہوں بلکہ ایک تمہاری طرح کا عام انسان ہوں مجھ میں تجھ میں فرق

صرف اتنا ہے کہ میرے اندر ایک خاص طاقت ہے جو مجھے دہکتی آگ میں بھی زندہ رکھتی ہے۔ یہ میری بہن شکنتلا ہے۔ یہ اس ملک ہندوستان کی ایک ریاست کی راجہ کنور کی بیوی ہے اس کی ریاست پہاڑ ہمالیہ کے دامن میں ہے۔ میں اسے اس کے گھر کے جا رہا تھا کہ سمندر میں طوفان آ گیا۔ ہم ایک جزیرے پر پہنچے جس کے راجہ نے ہمیں کشتی دے کر اس طرف روانہ کر دیا۔''

راجہ کہنے لگا:

''آپ نے ٹھیک کہا اے عظیم انسان' یہاں سے ایک دن اور ایک رات کے سفر پر سمندر میں ایک جزیرہ ہے جہاں سنا ہے کہ آدم خور وحشی رہتے ہیں۔ کیا آپ کے ساتھ انہوں نے برا سلوک تو نہیں کیا؟''

عنبر نے کہا:

''میرے سامنے انہوں نے بھی ہتھیار پھینک دیے تھے۔ وہ مجھے مارنا

چاہتے تھے مگر نہ مار سکے اور ڈر گئے۔ پھر انہوں نے ہماری بڑی آؤ بھگت کی۔ تم یہ بتاؤ کہ ہمالیہ پہاڑ یہاں سے کتنی دور ہے؟"

راجہ بولا:

"ہمالیہ پہاڑ سنا ہے کہ یہاں سے بہت دور ہمارے قبیلے کا کوئی آدمی آج تک اس پہاڑ تک نہیں پہنچا۔ کہتے ہیں کہ ہمالیہ پر سارا سال برف جمی رہتی ہے اور اس کے دامن میں چاندی کے چشمے بہتے ہیں اور درختوں پر سونے کے پنکھ لگتے ہیں۔"

عنبر نے مسکرا کر کہا:

میں نے آج تک ایسا کوئی درخت نہیں دیکھا جس کی ڈالیوں پر سونے کے پنکھ لگتے ہوں؛ بہر حال ہمیں اسی ہمالیہ پہاڑ کے دامن میں جانا ہے۔ وہاں ایک ریاست ہے جس کا نام کیا ہے۔ شکنتلا؟"

شکنتلا نے کہا:

"ہماری ریاست کا نام امی سارا ہے۔"

راجہ بولا:

"اے میری نیک بہن' میں نے اس ریاست کا نام کبھی نہیں سنا۔ لیکن ہم آپ کو ایک ایسے راستے پر ضرور ڈال دیں گے جو یہاں سے دریاؤں کی وادی کو جائے گا۔ ہمالیہ تک کا سفر بڑا لمبا ہے۔ وہاں تک پہنچنے کے لیے کئی ماہ لگ جائیں گے' اگر آپ گھوڑوں پر سفر کریں گے تو شاید ایک مہینے میں پہنچ جائیں۔

لیکن راستے میں بڑے خطرناک جنگل آئیں گے۔ آدم خور قبیلے ملیں گے طوفانی دریا آئیں گے۔ صحرا بھی شاید آئے۔ جہاں رات دن گرم آندھیاں چلتی رہتی ہیں۔ اگر آپ نے حوصلہ نہ ہارا تو ایک نہ ایک دن اپنی پر ضرور پہنچ جائیں گے۔"

عنبر نے کہا:

"ہم حوصلہ ہارنے والے نہیں ہیں۔ ہم نے طوفانی سمندروں میں سفر کیا ہے۔ ہم نے آدم خور قبیلوں کو اپنا غلام بنایا ہے۔ ہم ہمالیہ کو کیا سمجھتے ہیں۔ ہم منزل تک پہنچ کر ہی دم لیں گے۔"

راجہ بولا:

"بھگوان آپ کے ساتھ ہو گا میرے آقا۔"

عنبر اور شکنتلا نے چار پانچ روز اس قبیلے میں بسر کیے۔ راجہ نے ان کی بڑی خدمت کی۔ انہیں خوب پھل، جنگلی شہد اور اعلیٰ قسم کی مچھلیوں کے کباب کھلائے۔ شکنتلا کی صحت اچھی ہو گئی۔ ایک روز انہوں نے وہاں سے چلنے کا منصوبہ بنایا۔

عنبر نے راجہ سے کہا:

"اے راجہ! ہمارا ارادہ ہے کہ کل، صبح سورج نکلنے سے پہلے پہلے ہم اپنے سفر پر روانہ ہو جائیں۔ یہ بتاؤ کہ تم ہماری سواری کے لیے کیا

بندوبست کر سکتے ہو؟"

راجہ نے کہا:

"کاش میں آپ کے لیے گھوڑوں والے رتھ کا بندوبست کر سکتا۔ مگر میں مجبور ہوں۔ یہاں گھوڑے نہیں ہوتے۔ میرے پاس چند گدھے ہیں۔ اگر آپ پسند کریں تو میں تین گدھے آپ کی خدمت میں پیش کر سکتا ہوں۔"

عنبر نے کہا:

"میں تمہارا شکر گزار ہوں گا۔ گدھے ہمیں سفر میں کافی مدد دے سکتے ہیں۔ کم از کم شکنتلا پیدل چلنے سے بچ جائے گی۔"

دوسرے روز راجہ نے ایک گدھے پر عنبر اور شکنتلا کے سفر کے واسطے کھانے پینے کا سامان لدوا دیا۔ ان میں سوکھی مچھلی تھی۔ شہد کا ایک مرتبان تھا، پھل تھے اور شکر قندی تھی۔ ایک گدھے پر شکنتلا بیٹھ گئی اور

دوسرے گدھے پر عنبر بیٹھ گیا۔انہوں نے راجہ سے اجازت لی اور
ہمالیہ کے پہاڑ کی طرف اپنے طویل سفر پر روانہ ہو گئے۔

قبیلے والوں نے انہیں جنگل میں جس راستے پر ڈالا تھا۔وہ شام کو ایک
پہاڑی کے دامن میں بہتے دریا پر آنکلا۔دریا کا پاٹ زیادہ چوڑا
نہیں تھا۔مگر پانی کافی تیزی سے بہہ رہا تھا۔عنبر پل کی تلاش میں نکلا
آخر انہیں اوپر کی جانب لکڑی کا ایک پل مل گیا جو بانس جوڑ کر بنایا گیا
تھا۔انہوں نے دریا عبور کر لیا۔گدھے پل پر جاتے ڈرتے تھے لیکن
عنبر انہیں کھینچ کر لے گیا۔دریا پار کرنے کے بعد وہ ایک میدان میں
آ گئے۔

سورج غروب ہونا شروع ہو گیا تھا۔

سفر چھوڑ کر وہ رات بسر کرنے کے بارے میں سوچنے لگے۔انہیں
ایک جگہ چٹیل سا ٹیلہ دکھائی دیا۔اس ٹیلے پر انہوں نے رات بسر

کرنے کے لیے ڈیرے ڈال دیے۔رات کو عنبر نے آگ روشن کر
دی تاکہ جنگلی جانور ادھر کا رخ نہ کر سکیں۔ساری رات جنگل کی طرف
سے شیر کی آواز آتی رہی۔

شکنتلا کہاں گئی؟

شکنتلا شیر کی آواز سن کر رات بھر ڈرتی رہی۔

دن چڑھا تو عنبر نے درختوں کے نیچے بہتی ندی پر جا کر غسل کیا۔ پھر انہوں نے گدھے کے جھولے میں سے خشک مچھلی اور جوار کی روٹی کے خشک ٹکڑے نکال کر ناشتہ کیا۔ اب انہیں پھر سفر پر چلنا تھا۔ ابھی انہیں بہت دور جانا تھا۔ سفر میں یہ ان کی پہلی رات تھی۔ عنبر خدا سے دعا مانگتا تھا کہ اے خدا یہ سفر خیر و خیریت سے کٹ جائے۔ اسے اپنی

فکر نہیں تھی۔ فکر تھی تو شکنتلا کی تھی۔

کیونکہ وہ قدم قدم پر ڈر کر حوصلہ ہار دیتی تھی۔ اس نے شکنتلا سے بھائی بن کر وعدہ کیا تھا کہ وہ اسے بہن سے ملنے سے پہلے اس کے گھر ضرور چھوڑ کر آئے گا۔ وہ ہر حالت میں اپنا وعدہ نبھانا چاہتا تھا۔

دھوپ نکل آئی جنگل اور میدان میں ہر طرف روشنی پھیل گئی دور تک اونچے نیچے ٹیلے بکھرے پڑے تھے۔ ان ٹیلوں کے بیچ میں چھوٹے چھوٹے درختوں کے ذخیرے تھے۔ ان درختوں کی چھاؤں میں بہنے والی جنگلی ندیوں کا پانی گدلا سا تھا۔ ان میں پہاڑوں کی گیروی مٹی کا رنگ ملا ہوا تھا۔ چشمے یہاں کہیں بھی نہیں تھا۔ موسم گرم تھا۔ دن میں دھوپ چبھنے لگتی۔ رات کو حبس ہو جاتا اور لمبے لمبے مچھر کاٹتے۔ رات کو مچھروں سے بچنے کے لیے انہوں نے پاس ہی تھوڑی سی آگ جلائی تھی جس میں سے دھواں اٹھتا رہا اور وہ مچھروں سے بچے رہے۔

ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر وہ گدھوں پر سوار ہوئے اور
پھر سفر پر آگے کو چل پڑے۔ گدھے بھی دانہ دنکا کھا کر تازہ دم ہو چکے
تھے۔ شکنتلا رات والے شیر سے گھبرا رہی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ جو
شیر رات کو بولتا رہا تھا۔ وہ ضرور کسی نہ کسی جھاڑی میں چھپا ہو گا۔ عنبر
نے اسے بتایا کہ دن کو شیر اپنی کچھار سے بہت کم نکلا کرتے ہیں۔ شیر
رات کو شکار کرتا ہے اور پھر شکار کے بعد آرام کرتا ہے۔ پھر بھی شکنتلا
ڈرتی رہی۔ چلتے چلتے وہ کافی دور نکل گئے۔ وہ چھوٹے چھوٹے ٹیلے
اور جنگلی ندی نالے عبور کر رہے تھے۔ راستے میں انہیں کہیں بھی کوئی
آبادی دکھائی نہ دی۔ آج سے دو اڑھائی ہزار برس پہلے ہندوستان
میں بہت کم آبادی تھی۔

اس زمانے میں دنیا میں کہیں بھی آبادی زیادہ نہیں تھی۔ چند ایک
بڑے بڑے شہر آباد تھے۔ اور جنگلوں میں وحشی لوگوں کے قبیلے تھے۔

جو انسان کے خون کے پیاسے ہوتے تھے۔ وہ مسافروں کو لوٹ کر قتل
کر دیتے تھے۔ عنبر کو ایسے کئی جنگلیوں سے پالا پڑ چکا تھا۔ اس لیے تیار
تھا۔ اس کی وجہ سے شکنتلا کو بھی بہت حوصلہ ہوا تھا۔ اس کی جگہ کوئی دوسرا
ہوتا تو شکنتلا کبھی سفر پر نکلنے کی جرات نہ کرتی۔ اس کے علاوہ عنبر کی
پراسرار خفیہ طاقت سے بھی واقف ہو چکی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ خواہ
کتنی ہی بڑی مصیبت کیوں نہ پڑ جائے عنبر اسے بچا لے گا۔

وہ ٹیلوں کی وادی سے نکل کر ایک میدان میں آ گئے جہاں اونچے
اونچے درختوں کے سایہ دار جھنڈ دور تک چلے گئے تھے۔ شکنتلا اور عنبر
دونوں ہی ان راستوں سے واقف نہیں تھے۔ یہ سارے علاقے ان
کے لیے اجنبی تھے۔ شکنتلا تو اپنی ریاست سے کبھی باہر نہیں گئی تھی۔
عنبر نے بھی پہلی بار اس علاقے میں قدم رکھا تھا کہ افریقہ کی طرح
ہندوستان کے جنگل بھی آدم خور وحشیوں اور خونخوار شیر، ہاتھی اور چیتوں

سے بھرے ہوئے ہیں۔ آدم خوروحشیوں سے لڑتے لڑتے وہ تنگ
آ چکا تھا۔ اس نے دل میں سوچ رکھا تھا کہ اب اگر اسے کوئی آدم خور
قبیلہ ملا تو وہ اس کی خوب مرمت کرے گا۔

دوپہر ڈھل گئی۔ شام کے سائے میدانوں میں پھیلنے لگے۔ درختوں
کے نیچے اندھیرا ہو گیا۔ گدھے بھی تھک گئے تھے۔ شگفتا بھی گدھے
کے اوپر بیٹھے بیٹھے تھک گئی تھی۔ اس نے عنبر سے کہا کہ انہیں اب رک
کر آرام کرنا چاہیے۔

عنبر نے کہا:

''اگر تمہاری خواہش ہے تو کسی جگہ رات بسر کرنے کو کوئی ٹھکانہ تلاش
کرتے ہیں۔''

شگفتا کہنے لگی:

''میں تھک گئی ہوں گدھے پر زندگی میں پہلی بار سواری کر رہی ہوں

۔ اگر ہمیں کہیں سے گھوڑے مل جاتے تو راستہ بھی جلدی طے ہو جاتا
اور اتنی تکلیف بھی نہ ہوتی۔''

عنبر بولا:

''شگفتا بہن گھوڑے یہاں کہیں بھی نظر نہیں آئے۔ خدا کا شکر ہے کہ
یہ دو تین گدھے ہی مل گئے۔ ورنہ ہمیں یہاں سے پیدل گزرنا پڑتا۔
پھر تم کیا کرتیں؟''

شگفتا نے کہا:

''ہر کام میں خدا کی کوئی بہتری ہوتی ہے۔'' آؤ اب کوئی ایسی جگہ
تلاش کریں جہاں ہم رات بسر کر سکیں۔''

یہ درختوں اور جنگلی جھاڑیوں سے بھرا ہوا جنگل تھا۔ یہاں گرمی اور
حبس تھا۔ مچھر بھیں بھیں کر رہے تھے۔ بعض درختوں پر سے نمی ٹپک
رہی تھی۔ آخر چلتے چلتے وہ ایک ایسی جگہ پہنچ گئے۔ جہاں اتفاق سے

ایک چھوٹا سا چشمہ بہہ رہا تھا۔ اس چشمے کے کنارے ٹھنڈک تھی۔

عنبر نے کہا:

''یہ جگہ رات بسر کرنے کے لیے اچھی رہے گی۔ کیا خیال ہے؟''

شگفتہ نے کہا:

''بڑا اچھا خیال ہے لیکن۔ میں سب سے پہلے نہانا چاہتی ہوں۔''

عنبر بولا:

''اچھی بات ہے تم نہاؤ' میں ذرا جنگل کی سیر کرتا ہوں۔''

''بھگوان کے لیے زیادہ دور نہ نکل جانا۔ نہیں تو میں ڈر کے مارے بے ہوش ہو جاؤں گی۔''

عنبر قہقہہ لگا کو بولا:

''بھئی تم تو ہر وقت بے ہوش ہونے کو تیار رہتی ہو۔ خدا کے لیے کسی وقت تو ذرا دل نکال لیا کرو۔''

شگفتہ کہنے لگی:

''میں ایسا نہیں کر سکتی عنبر بھائی میرا دل بڑا چھوٹا ہے۔''

عنبر بولا:

''بہت اچھا' تمہارے گھر پہنچ کر میں تمہارے بابا سے کہوں گا کہ شگفتہ بیٹی کو ایک بڑا دل کہیں سے منگوا کر دو۔''

شگفتہ ہنس پڑی:

''بھاگو' تم بہت شریر ہو۔ اچھا اب جاؤ' میں ذرا غسل کر لوں۔''

عنبر وہاں سے چلا گیا اور شگفتہ چشمے کے کنارے بیٹھ کر نہانے لگی۔

عنبر جنگل میں قریب ہی درختوں کے نیچے گھوم رہا تھا۔ یہاں گرمی کم تھی اور سائے میں حبس کے باوجود ٹھنڈک تھی۔ ایک درخت پر سے عنبر کو سسکارنے کی آواز آئی اس نے اوپر دیکھا۔ ایک سنہری اور گیروے رنگ کا سانپ ٹہنی پر لٹک رہا تھا۔ اس نے سر اٹھا رکھا تھا اور

جھول کر عنبر کو اپنی طرف بلایا۔

"پیارے سانپ' ذرا نیچے آ کر میری بات سن جا۔"

وہ حیران رہ گیا کہ سانپ نے عنبر کی آواز سن کر درخت پر سے نیچے اترنا شروع کر دیا۔ عنبر اپنی اس طاقت سے ابھی تک بے خبر تھا کہ اگر وہ کسی جانور سے بات کرے تو وہ اس کی بولی سمجھ جاتا تھا۔ سانپ کے ساتھ خاص طور پر یہ بات تھی کہ وہ عنبر کے کپڑوں اور چہرے کی بو سے ناگ دیوتا کا دوست ہے۔ سانپ سچ مچ نیچے آ کر عنبر کے پاس ہی کنڈلی مار کر بیٹھ گیا۔

عنبر نے قریب جا کر جھک کر کہا:

"بھائی تم اس جنگل میں کب سے ہو؟"

سانپ نے پھنکار ماری عنبر سانپ کی بولی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ اگر ناگ ہوتا تو فوراً سمجھ جاتا کہ سانپ نے کیا کہا ہے۔ عنبر نے ہاتھ آگے بڑھا

کر سر پر رکھ دیا اور کہا:

"خوش رہو میرے بھائی' تم نے میری عزت کی ہے کہ میرے ایک اشارے پر درخت پر سے نیچے اتر آئے ہو۔ مگر دوست مجھے افسوس ہے کہ میں تمہاری بولی نہیں جانتا۔ نہیں تو تمہارے ساتھ یہاں بیٹھ کر ضرور کچھ باتیں کرتا۔"

سانپ نے پھر پھنکاری ماری۔ اس نے عنبر سے کچھ کہا تھا جسے وہ نہ سمجھ سکا وہ آگے بڑھ گیا۔ ایک موڑ گھوم کر وہ سامنے آیا تو اس نے ایک ایسا تماشا دیکھا کہ اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں کیا دیکھتا ہے کہ ایک نورانی چہرے والا شخص لیٹا ہوا ہے اور ایک سانپ نے پھن پھیلا کر اس پر سایہ کر رکھا ہے۔ عنبر درخت کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ اپنے پاؤں کے کھڑاک سے اس نورانی صورت والے بزرگ کی نیند خراب نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ چپ چاپ کھڑا اسے سوئے ہوئے

اور سانپ کو اپنے پھن کا سایہ کیے ہوئے دیکھتا رہا۔ اس نے دل میں سوچا کہ یہ کوئی بہت بڑا سادھو یا درویش ہے۔ جو شہر کو چھوڑ کر خدا کی عبادت کرنے جنگل میں آ گیا ہے۔

ایک مدت کے بعد کسی بزرگ صورت درویش کو دیکھ رہا تھا۔ درویش کی عمر اتنی زیادہ نہیں تھی۔ تن پر صرف ایک ہی زرد رنگ کا چولا تھا۔ وہ گہری نیند میں سو رہا تھا اور سانپ اپنا پھن پھیلائے اسی جگہ سایہ کیے ہوئے تھا۔ عنبر نے سوچا کہ چپکے سے واپس چلا جائے۔ کیونکہ وہ بزرگ کو جگانا نہیں چاہتا تھا؛ حالانکہ اسے اپنی بہن کی وجہ سے کافی پریشانی تھی اور وہ اس کے بارے میں پوچھنا چاہتا تھا۔ عنبر وہاں سے چلنے ہی والا تھا کہ اچانک ایک طرف جنگل میں دھاریوں والا اور اونچا لمبا شیر نمودار ہوا۔ عنبر اسی جگہ کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔

شیر درختوں کے پیچھے سے بڑے آرام کے ساتھ قدم قدم چل کر نکلا۔

اور اس بزرگ کے پاس آ کر رک گیا۔ سانپ شیر کو قریب آتے دیکھ کر ذرا پرے ہو کر بیٹھ گیا۔ شیر نے دونوں اگلی ٹانگیں زمین کے ساتھ جوڑ کر بزرگ کو سلام کیا اور پھر ان کے پاؤں کی طرف آ کر زمین پر سر جھکا کر بیٹھ گیا۔ اور وہ وہاں سے ہٹ گیا۔ عنبر تیز تیز قدم اٹھاتا اس طرف آ گیا جدھر وہ شگفتا کو چھوڑ گیا تھا۔

چشمے پر کوئی نہیں تھا شگفتا غائب تھی۔ اس نے سوچا کی شاید کسی جھاڑی کی اوٹ میں کپڑے بدل رہی ہو۔ وہ انتظار کرنے لگا کوئی بھی نہ آیا۔ اس نے شگفتا کو آوازیں دینا شروع کر دیں۔

”شگفتا بہن، شگفتا بہن تم کہاں ہو؟“

اس کی کسی آواز کو جواب نہ آیا۔ عنبر پریشان ہو گیا کہ یا خدا شگفتا کہاں گم گئی؟ وہ کہاں چلی گئی؟ اس جنگل سے تو وہ بالکل ہی ناواقف ہے۔ وہ اکیلی ایک قدم اٹھائے ہوئے ڈرتی ہے پھر وہ کس طرف کو نکل گئی

۔عنبر نے بڑی تیزی سے شگفتا کو تلاش کرنا شروع کر دیا۔اس نے
اردگرد کے سارے جنگل کی ایک ایک جھاڑی کے پاس جا کر شگفتا کو
پکارا۔جنگل کا چپہ چپہ چھان مارا مگر کہیں نظر نہ آئی۔
اب تو عنبر کو بڑی پریشانی ہوئی۔وہ اسی جگہ تھک ہار کر واپس آ گیا
یہاں اس نے شگفتا کو چھوڑا تھا۔

وہ خاموشی سے چشمے کے کنارے گھاس پر بیٹھ کر سوچنے لگا۔تینوں
گدھے اپنی جگہ پر بندھے ہوئے تھے۔انہیں کسی نے اپنی جگہ سے
نہیں چھیڑا تھا۔وہ زمین کو غور سے دیکھنے لگا گھاس پر کسی کے قدموں
کے نشان نہیں تھے۔اس نے جھک کر دیکھا۔ایک جگہ سے گھاس دبی
ہوئی تھی یوں لگتا تھا جیسے کوئی شخص وہاں آیا ہے۔اس جگہ پر پاؤں کے
نشان کدھر سے آئے رہیں اور کہاں جاتے ہیں وہ جلدی سے اٹھ کر
جنگل میں اس اس جگہ گیا جہاں پہلے اس نے ایک بزرگ کو درخت

کے نیچے لیٹے ہوئے تھے۔وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہاں کوئی نہیں
تھا۔وہ جگہ جہاں درویش سو رہا تھا خالی تھی۔نہ وہاں شیر تھا اور نہ وہ
سانپ جس نے بزرگ کے سر پر اپنا سایہ کر رکھا تھا۔اب تو عنبر اور
زیادہ پریشان ہو گیا کہ یہ چکر کیا ہے۔کہیں اس درویش نے تو شگفتا کو
اغوا نہیں کر لیا۔مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے۔درویش کی صورت تو بڑی نورانی
تھی اور پھر جو لوگ جنگلوں میں خدا کی عبادت کرتے ہیں یہ سب
باتیں عنبر کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

عنبر نہیں جانتا تھا کہ شگفتا کے ساتھ کیا ہوا ہے۔

جس وقت عنبر اسے چشمے شگفتا کو چھوڑ کر خود جنگل کی سیر کرنے کے
لیے نکلا تو شگفتا نے بڑے آرام اور سکون کے ساتھ چشمے کے
ٹھنڈے پانی میں غسل کیا۔اپنے بال دھوئے اور پھر خشک کر کے
لباس پہن لیا۔وہ چشمے کے کنارے بیٹھی بالوں میں لکڑی کی کنگھی کر

رہی تھی کہ اچانک کسی نے پیچھے سے آ کر اس کے منہ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا
۔شگفتا کا دم گھٹنے لگا۔ وہ تڑپ کر مچلی اور اس نے اجنبی کی گرفت سے
نکلنے کی بھرپور کوشش کی مگر اس عرصے میں اس کا دماغ چکرانا شروع ہو
گیا تھا اور وہ بے ہوش ہو گئی۔

اس نے بے ہوش ہوتے ایک جنگلی کی خوف ناک شکل دیکھی۔ اس
کے سر پر بکری کے سینگ لگے تھے۔ اور جسم پر شیر کی کھال تھی۔ ڈر کے
مارے شگفتا اسی وقت بے ہوش ہو گئی۔ جنگلی نے اسے کندھے پر ڈالا
اور درخت پر چڑھ گیا۔

وہ ایک درخت سے دوسرے درخت پر سے ہوتا ہوا جنگل میں سفر
کرنے لگا۔ درختوں درختوں پر چلتا۔ ایک ایک ٹہنی کو پھلانگتا وہ جنگلی
آخر ایک درخت کے اوپر گھنی شاخوں میں ایک جھونپڑا سا بنا ہوا تھا۔
یہ جھونپڑا بانس کے ڈنڈے جوڑ کر بنایا گیا تھا۔

جنگلی نے شگفتا کو جھونپڑے کے اندر گھاس پر ڈال دیا اور اس کے منہ
پر کپڑا باندھ دیا تاکہ وہ ہوش میں آ کر آواز نہ نکال سکے۔ وہ خود
جھونپڑے میں اس کے پاس ہی گھاس پر بیٹھ گیا اور پتھر پر کوئی ڈال کر
اسے پتھر سے رگڑنے لگا۔

جنگلی نے پسی ہوئی بوٹی کا لیپ انگلی پر سے اٹھا کر شگفتا کے ماتھے پر لگا
دیا۔ اس دوائی کا ماتھے پر لگنا تھا کہ اس کی تیز مہک سے شگفتا کو ہوش
آ گیا۔ اس نے آنکھیں کھول دیں۔ اپنے سامنے اسی خوف ناک
چہرے والے جنگلی کو دیکھ کر شگفتا نے زور سے چیخ ماری اور پھر
بے ہوش ہو گئی۔ اس کی چیخ کی آواز گلے میں ہی دب کر رہ گئی۔ کیوں
کہ جنگلی نے اس کے منہ پر کپڑا رکھا تھا۔

اگر اس کے منہ پر کپڑا نہ ہوتا تو اس کی چیخ کی آواز جنگل میں گونجتے
ہوئے عنبر تک ضرور پہنچ جاتی اور وہ شگفتا کو ڈھونڈ نکالتا۔

شگفتا بے ہوش ہو چکی تھی۔

جنگلی نے ناریل کی چھال کی بنی ہوئی رسی دیوار پر سے اتاری۔ شگفتا کے ہاتھ اور پاؤں باندھ کر جھونپڑی کے ایک ڈنڈے سے خوب کس کر باندھا اور خود جھونپڑی سے باہر آ گیا۔ اس وقت شام کا اندھیرا ہر طرف پھیل گیا تھا۔ جنگلی کے لیے جنگل کا اندھیرا اور روشنی ایک برابر تھی۔ اسے اندھیرے میں بھی جنگل کی ہر شے صاف دکھائی دیتی تھی۔

وہ درخت پر سے چھلانگ لگا کر دوسرے درخت پر آ گیا۔

وہاں سے وہ نیچے اترا اور اس نے ایک طرف بھاگنا شروع کر دیا۔ اس کے ہاتھ میں سوائے ایک نیزے کے اور کچھ نہیں تھا۔ بھاگتے بھاگتے اسے رات ہو گئی۔ وہ ایک ایسی جگہ پر آ گیا جہاں بہت سی جھونپڑیاں بنی ہوئی تھیں درمیان میں آگ روشن تھی اور بہت سے جنگلی اس کے گرد بیٹھے ہاتھی کا گوشت نوچ نوچ کر کچا ہی کھا رہے

تھے۔ جنگلی ان کے قریب سے ہو کر گزر گیا۔ کسی نے اس کی طرف نہ دیکھا وہ ایک جھونپڑے سے اندر چلا گیا۔ یہ جھونپڑا دوسرے جھونپڑوں سے زیادہ بڑا صاف ستھرا تھا۔

آدم خور سردار

جنگلی جھونپڑے میں آ کر جھک گیا۔

اس کے سامنے کے بیچ میں صندل کے ایک تخت پر اس قبیلے کا سردار آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا۔ اس کے سر پر شیر کی ہڈیوں کا تاج تھا اور گلے میں موٹے موٹے لال منکوں کی لائیں لٹک رہی تھیں۔ اس نے جسم کی کھال ڈال رکھی تھی اور تاج میں مور کے بڑے بڑے پنکھ لگے تھے۔ اس کی آنکھیں لال تھیں۔ رنگ کالا سیاہ تھا اور موٹا پیٹ باہر کو نکلا ہوا تھا۔ جنگلی نے جھک کر سلام کیا تو سردار نے چہرہ اوپر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"کیا خبر لائے ہو؟"

جنگلی نے کہا: "میری بکری مجھے واپس دے دو سردار۔ میں تمہارے لیے ایک خادمہ تلاش کر کے لے آیا ہوں۔"

سردار نے پوچھا:

"تم اسے کہاں سے لائے ہو؟"

جنگلی نے کہا:

"سردار اسے جنگل میں سے اٹھا کر لایا ہوں۔ وہ بہت خوب صورت ہے اور کسی راجہ کی بیوی لگتی ہے۔"

سردار نے کہا:

"تو پھر صبح اسے لا کر پیش کرو۔"

جنگلی نے پوچھا:

"اور میری بکری سردار؟"

سردار بولا:

وہ تمہیں صبح مل جائے گی۔ لیکن خبردار! اگر پھر تم کبھی اس طرف اپنی بکری کو لے آئے۔"

جنگلی نے سر جھکا کر کہا:

"سردار! میں تو ایک غریب آدمی ہوں۔ بکری پال کر اس کا دودھ پی کر گزارہ کرتا ہوں۔ یا کبھی کبھی ادھر سے کوئی مسافر گزرتا ہے تو اسے بھون کر کھا جاتا ہوں۔ میں پھر کبھی اپنی بکری لے کر ادھر نہیں آؤں گا اگر تم نے میری بکری نہ پکڑ رکھی ہوتی تو میں اس عورت کو بھی بھون کر کھا جاتا۔"

سردار نے پوچھا:

"کیا یہ عورت اکیلی سفر کر رہی تھی؟"

جنگلی بولا:

"ہاں سردار! بالکل اکیلی سفر کر رہی تھی۔ اس کے ساتھ اور کوئی نہیں تھا۔ صرف تین گدھے وہاں بندھے ہوئے تھے میرا خیال ہے کہ یہ کسی دریا والے گاؤں سے آئی ہے اور ساتھ والے گاؤں میں جا رہی ہوگی کہ شام ہوگئی اور اس نے وہاں رات بسر کرنے کا فیصلہ کر لیا۔"

سردار نے کہا:

"تم نے سخت غلطی کی جو گدھوں کو وہاں چھوڑ کر آ گئے۔ تمہیں چاہیے تھا کہ گدھوں کو بھی ساتھ ہی لاتے۔ اگر تم جا کر گدھوں کو لے آؤ میں تمہیں ایک اور بکری انعام میں دوں گا۔"

"یہ کون سی مشکل بات ہے سردار! میں جا کر تینوں گدھے اٹھا لاتا ہوں کیا مجھے ایک بکری اور مل جائے گی ناں؟"

سردار نے کڑک کر کہا:

"بدبخت! ہم جو وعدہ کرتے ہیں اسے پورا کرتے ہیں۔ اگر تم تینوں

گدھے لا کر ہمیں آج رات ہی دے دو گے تو ہم صبح تمہیں دو بکریاں دیں گے۔ ایک تمہاری بکری اور دوسری ہماری طرف سے انعام والی بکری۔ اب تم جاؤ اور جا کر گدھوں کو لے آؤ۔"

جنگلی بولا:

"ابھی جاتا ہوں سردار۔"

یہ کہہ کر جنگلی بھاگتا ہوا جنگل میں سے واپس چل پڑا۔

وہ انہی راستوں پر جا رہا تھا جہاں سے وہ آیا تھا۔ اندھیرا ہر طرف پھیل چکا تھا۔ لیکن جنگلی یوں بھاگا چلا جا رہا تھا۔ جیسے اسے جنگل کی ہر شے صاف دکھائی دے رہی ہو اور یہ سچ بھی تھا۔ اس جنگلی کے لیے رات اور دن ایک برابر تھے۔ جنگل میں رہتے رہتے وہ جنگل کے اندھیرے اجالے کا ایک حصہ بن گیا تھا۔ وہ بھاگتا ہوا اس طرف آ رہا تھا جہاں سے اس نے شگفتا کو اٹھایا تھا۔

اب ذرا عنبر کی بھی سنیں۔

اگر وہ اپنی جگہ پر سویا رہتا یا بیٹھا رہتا تو اسے شگفتا کا سراغ مل سکتا تھا مگر اس کی آنکھ کھل گئی۔ اسے ذرا فاصلے پر سے ایک آواز سی آئی۔ یہ آواز بالکل ایسے تھی جیسے کوئی عورت بیٹھی رو رہی ہے۔ عنبر اپنی جگہ سے اٹھا اور جدھر سے آواز آ رہی تھی اس طرف کو چل پڑا۔ جنگل میں گہرا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی طرف طرف کو چل پڑا۔ مگر عنبر بھی جنگل کے اندھیروں کا عادی ہو گیا تھا وہ تو دو ہزار برس سے ان جنگلوں کی خاک چھانتا چلا آ رہا تھا۔

عورت کے رونے کی آواز دور سے آ رہی تھی۔ عنبر آواز کا پیچھا کرتا جنگل میں کافی دور نکل گیا۔ ادھر جنگلی وہاں پہنچ چکا تھا جہاں تھوڑی دیر پہلے عنبر لیٹا ہوا تھا۔ جنگلی نے دیکھا کہ چشمے کے کنارے کوئی انسان نہیں ہے۔ تینوں گدھے اسی طرح بندھے ہوئے ہیں جنگلی نے

گدھوں اسی طرح بندھے ہوئے ہیں۔ جنگلی نے گدھوں کو کھولا اور انہیں ہنکاتا ہوا اپنے ساتھ لگا کر وہاں سے واپس چل دیا۔

عنبر نے کان لگا کر سنا کہ رونے کی آواز ایک جھاڑی کے پیچھے سے آ رہی تھی۔ عنبر نے جھک کر آواز دی:

"کون ہے یہاں؟ جو کوئی بھی ہے باہر آئے۔"

عورت کے رونے آواز پھر بھی آتی رہی کسی نے اس کا سوال جواب نہ دیا۔ دو تین بار پکارنے کے بعد عنبر نے آگے بڑھ کر جھاڑیوں کو ایک طرف ہٹایا تو ایک زرد آنکھوں والی بلی میاؤں میاؤں کرتی رہی تھی۔ اس کے رونے کی آواز بالکل عورت کے رونے کی آواز سے ملتی تھی۔ عنبر کو بڑا غصہ آیا۔ اس نے زمین پر سے ایک پتھر اٹھا کر زور سے ادھر دے مارا جدھر کو بلی بھاگ گئی تھی۔

مگر بلی جنگل کے اندھیرے میں گم ہو چکی تھی۔

عنبر سر کو جھکائے ایک افسوس اور پریشانی کے ساتھ واپس چل پڑا۔ وہ بڑا حیران ہو رہا تھا کہ یہ بیٹھے بٹھائے اسے کیا مصیبت پڑ گئی کہ شگفتا ایک دم غائب ہو گئی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے زمین کھا گئی یا جنگل کے درختوں نے اسے اپنے اندر نگل لیا۔ جنگل میں سے گزرتے گزرتے عنبر جب چشمے پر پہنچا تو دھک سے رہ گیا۔

تینوں گدھے غائب تھے۔

ارے؟ یہ گدھے کدھر چلے گئے؟ وہ خود جا ہی نہیں سکتے تھے کیونکہ وہ رسی کے ساتھ بندھے ہوئے تھے۔ عنبر نے لپک کر کھونٹوں کو دیکھا' صاف معلوم ہو رہا تھا کہ کسی نے رسی کو کھولا ہے اور گدھوں کو ہانکتا ہوا لے گیا ہے تو گویا اسی جنگل میں کچھ لوگ ایسا ہیں جو ڈاکو ہیں' چور ہیں راہ چلتوں کو لوٹنا اور انہیں اغوا کرنا ان کا کام ہے یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے گدھوں کو چرایا ہے۔

عنبر کو سو فیصد یقین ہو گیا کہ اس جنگل میں چوروں اور ٹھگوں کا کوئی
قبیلہ موجود ہے جن کے پاس اسکی بہن شکنتلا بھی ہے اور گدھے بھی
ہیں۔ تو گویا جنگل میں اس چوروں کے گروہ تلاش کرنا چاہتے۔ شکنتلا
ان کے پاس مل جائے گی۔ مگر یہ کام رات کو نہیں ہو سکتا تھا کیوں کہ
ڈاکو راتوں کو جنگل میں چھپ جاتے ہیں۔

اندھیرے میں ان کا کھوج لگانا کوئی آسان کام نہیں۔ جب کہ دن
کے اجالے میں ان کا کچھ نہ کچھ سراغ لگایا جا سکتا ہے۔

عنبر صبح کی امید لے کر سو گیا۔

نیند اسے دیر بعد آئی۔ صبح سویرے ہی اسکی آنکھ کھل گئی۔ اس نے اٹھ
کر چشمے پر منہ ہاتھ دھویا۔ خدا کو یاد کر کے شکنتلا کی خیریت اور واپسی
کی دعا مانگی اور جنگل میں ایک طرف چلنے لگا۔ وہ ایک خاص حساب
کے مطابق چلا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ چور یا ڈاکو جو کوئی بھی ہے وہ

جنگل کے پیچھے سے آیا ہوگا۔ جنگل کے آگے وہ بڑی دور تک گھوم آیا
اور اسے وہاں سوائے اس درویش کے کوئی انسان دکھائی نہیں آیا تھا۔
چلتے چلتے عنبر چاروں طرف بڑے غور سے ایک ایک شے کو دیکھ رہا تھا
درختوں پر اندھیرا اور خاموشی تھی۔ سب پرندے اپنے اپنے گھونسلوں
میں آرام کر رہے تھے۔ درختوں کی شاخوں میں کوئی شے نظر نہیں
آ رہی تھی۔ عنبر جھاڑیوں میں سے بڑی مشکل سے راہ بناتا چلا جا رہا تھا
اس نے محسوس کیا کہ وہ اس پگ ڈنڈی پر چل رہا ہے جس پر سے گزر
کر وہ اور شکنتلا سفر کر رہے تھے۔ ادھر دور دور تک کسی آبادی کا نام و
نشان تک نہ تھا۔ پھر وہ کدھر چل کر شکنتلا کو تلاش کرے عنبر ایک
درخت کے نیچے کھڑا ہو گیا۔

اسے یوں محسوس ہوا جیسے درخت میں کوئی لمبے لمبے سانس لے رہا ہے
اس نے اوپر نگاہ اٹھائی۔ شاخوں میں ایک زرد آنکھوں والا الو اسے

غور سے تک رہا تھا۔ یہ الو زور زور سے سانس لے رہا تھا یا شاید اسے
اپنی زبان میں کچھ کہہ رہا تھا۔ عنبر کو خیال آیا کہ وہ جانوروں سے بات
کر سکتا ہے۔ اس نے منہ اوپر اٹھا کر کہا:

"اے الو کیا تو بتا سکے گا کہ میری بہن شکنتلا کہاں ہے؟ اسے کون لے
گیا ہے؟ میرے گدھے کہاں ہیں۔ انہیں کون لے گیا ہے؟"

الو جواب میں بولا؛

"ٹر ٹر ٹرو۔۔۔۔۔ ٹر ٹر ٹرو۔۔۔۔۔"

وہ اپنی زبان میں عنبر سے کہہ رہا تھا:

"اے عنبر، شکنتلا ایک آدم خور ظالم جنگلی کی قید میں ہے۔ جو اپنے
سردار کو شکنتلا دے کر اس کے عوض اپنی بکری واپس لے گا۔ تمہارے
گدھے اس وقت سردار کے پاس ہیں۔

لیکن عنبر اپنی بات تو جانوروں کو سمجھا سکتا تھا۔ مگر ان کی بات نہیں سمجھ

سکتا تھا۔ جانور عنبر کی بولی جانتے تھے۔ عنبر جانوروں کی بولی نہیں جانتا
تھا۔ رات کے اندھیرے میں سارے کا سارا جنگل بھائیں بھائیں کر
رہا تھا۔ کسی طرف سے انسان تو کیا کسی جانور کی بھی آواز سنائی نہیں
دے رہی تھی۔

عنبر نا امید سا ہو گیا۔ اس نے سوچا کہ واپس اپنے چشمے پر گیا۔ وہ اس
جگہ سے ادھر ادھر نہیں ہونا چاہتا تھا۔ وہ اپنی تلاش صبح اسی جگہ سے
شروع کرنا چاہتا تھا۔

ادھر وہ جنگلی عنبر کے تینوں گدھوں کو لے کر قبیلے کے سردار کے پاس پہنچ
گیا۔ گدھے جھونپڑے کے باہر کھڑے کر کے جنگلی نے اندر جا کر
سردار سے کہا کہ گدھے حاضر ہیں۔

سردار خود مشعل لے کر باہر آیا۔ تینوں گدھے بندھے ہوئے تھے۔

سردار بڑا خوش ہوا کیونکہ اس علاقے میں گدھوں کی بڑی قدر تھی۔

اس نے جھولا کھول کر دیکھا تو اس میں کھانے پینے کی چیزیں تھی سردار بہت خوش ہوا۔ جنگلی سردار کو گدھے دے کر واپس اپنے جھونپڑے میں چلا گیا۔ جنگلی نے آگے بڑھ کر شکنتلا کے منہ سے کپڑا ہٹا دیا کپڑا جو اس نے شکنتلا کے اوپر دیا ہوا تھا۔ کپڑا ہٹتے ہی شکنتلا نے سکھ کا سانس لیا۔

شکنتلا نے جنگلی سے کہا۔

"بھگوان کے لیے مجھے چھوڑ دو۔ تم مجھے اٹھا کر یہاں کیوں لے آئے ہو؟"

جنگلی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ اس کی بولی بالکل نہیں سمجھتا تھا۔

شکنتلا نے پھر کہا:

"بھگوان تمہارا بھلا کرے گا۔ مجھے چھوڑ دو' مجھے چھوڑ دو۔"

جنگلی نے جھکے جھکے شکنتلا کو دیکھتے دیکھتے ہنسنا شروع کر دیا اور اپنی

زبان میں اسے کہا:

"پاگل عورت' تو اب میرے قبضے میں ہے۔ میں تجھے سردار کی خدمت میں پیش کر کے سردار سے اپنی بکری لوں گا۔ مجھے اپنی بکری سے بڑا پیار ہے۔ جب سے وہ گئی ہے میں بہت اداس ہوں سردار کے آدمی اسے اٹھا کر لے گئے تھے۔ وہ آدم خور ہیں۔ ان کے ڈر کے مارے میں درخت کے اوپر جھونپڑا بنا کر رہتا ہوں۔ وہ مجھے کچھ نہیں کہتے میری بکریوں کو اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ وہ ان کا دودھ پیتے ہیں۔ وہ اس سے پہلے بھی میری چار بکریاں اٹھا کر لے گئے ہیں۔ یہ آخری بکری رہ گئی تھی اسے بھی اٹھا کر لے گئے۔ اب میں تمہیں پیش کر کے سردار سے اپنی بکری واپس لے لوں گا۔"

جنگلی زور زور سے ہنسنے لگا۔ اس کی ہنسی کی آواز سن کر درختوں پر بیٹھے ہوئے پرندے اڑ گئے۔ شکنتلا نے روتے ہوئے جنگلی سے ایک بار

پھر التجا کی کہ وہ اسے معاف کر دے۔ اسے آزاد کر دے۔

شکنتلا کی بات جنگلی کی سمجھ میں بالکل نہیں آ رہی تھی۔ اس نے شکنتلا سے کہا:

"تو سردار کے پاس اس کی نوکرنی بن کر رہے گی۔ وہ تجھے کھانے کے لیے انسانوں، مگرمچھوں اور ہاتھی کا گوشت دے گا۔ وہ تیرے بچے پالے گا۔ اور کیا چاہیے۔ تو وہاں راج کرے گی۔"

جنگلی ہنستا رہا اور پھر وہاں ایک جگہ گھاس پر پڑ کر سو گیا اور ریچھ کی طرح خراٹے لینے لگا۔

شکنتلا بے چاری کا برا حال ہو رہا تھا اس کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے وہ خود بانس کے ایک ڈنڈے کے ساتھ جکڑی ہوئی تھی۔ وہ صرف تھوڑا سا ہل سکتی تھی۔ وہ عنبر کو یاد کر کے رونے لگی کہ وہ اس کے لیے کس قدر پریشان نہیں ہوگا۔ جب وہ دیکھے گا کہ شکنتلا غائب ہے تو

بے چارے کو بڑی پریشانی ہوگی۔ وہ خدا جانے اسے جنگل میں کہاں کہاں ڈھونڈتا پھر رہا ہوگا۔

اتنے میں صبح کی ہلکی ہلکی روشنی جھونپڑے میں آنے لگی۔ درختوں پر سوئے ہوئے پرندے جاگ پڑے اور چہچہانے لگے۔ جنگلی نے اٹھ کر شکنتلا کو کھول کر اٹھایا۔ اٹھا کر اپنے کندھے پر ڈالا اور درختوں پر سے ہوتا ہوا اس طرف چل پڑا جدھر آدم خور سردار کا جھونپڑا تھا۔

خونی ہاتھی

عنبر نے صبح اٹھ کر پھر شکنتلا کی تلاش شروع کر دی۔

دوسری طرف جنگلی شکنتلا کو لے کر منہ اندھیرے ہی سردار کے پاس پہنچ گیا۔ سردار نے شکنتلا کو دیکھا تو بہت خوش ہوا کہ نوجوان خوب صورت لڑکی اسے خادمہ مل گئی ہے جو اس کی خدمت کرے گی۔ اس کے بچے پالے گی اور اس کے لیے کھانا پکایا کرے گی۔ اس نے جنگلی کو شاباش دی کہ اس نے سردار کی خدمت میں بڑے عمدہ قسم کے تین گدھے اور ایک تندرست لڑکی پیش کی۔

جنگلی نے کہا:

"سردار، میری اس محنت کا صلہ دو بکریاں دے دو۔"

سردار نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ جنگلی کو فوراً دو بکریاں دے کر رخصت کیا جائے۔

جنگلی خوش خوش بکریاں لے کر جنگل میں واپس اپنے جھونپڑے کی طرف چل پڑا وہ درختوں اور جھاڑیوں میں سے گزر رہا تھا کہ اچانک اسے اپنے سامنے ایک انسان آتا دکھائی دیا۔ یہ عنبر تھا۔ عنبر نے بھی ایک جنگلی کو دیکھا کہ بکریاں ساتھ لئے چلا آ رہا ہے۔

اس نے سوچا کہ یہ کوئی گڈریا اور جنگل میں اپنی بکریاں چرا رہا ہے

قریب آ کر اس نے جنگلی سے جزیرے کی زبان میں پوچھا:

"کیا تم اس جنگل میں رہتے ہو؟"

جنگلی نے اس کی زبان نہیں سمجھی تھی۔ وہ ہنس پڑا اور اپنی زبان میں بولا

''تم کون احمق ہو جو اس خونی جنگل میں یوں گھوم رہے ہو؟''

عنبر فوراً جنگلی کی زبان سمجھ سکتا ہے لیکن جب عنبر نے اس کے سوال کا جواب دیا کہ وہ اپنی بہن کی تلاش میں ہے جو اس جنگل میں کھو گئی ہے تو جنگلی بڑا حیران ہوا۔ اس نے کہا:

''تمہیں ہماری جنگلی زبان کیسے آ گئی؟''

عنبر نے کہا:

''میں اس ملک کے سارے قبیلوں کی زبانیں جانتا ہوں۔ کیا تم بتا سکتے ہو کہ کہیں کوئی دبلی پتلی نوجوان لڑکی کو تم نے دیکھا ہو؟''

''جنگلی مکاری سے بولا:

''نہیں، میں نے یہاں کبھی کسی عورت کو نہیں دیکھا میرے پاس صرف یہ دو بکریاں ہیں۔ انہی سے خوراک حاصل کرتا ہوں۔''

جنگلی دل میں سمجھ گیا کہ یہ شخص اس عورت کا بھائی وغیرہ ہے۔ جسے اس

نے ابھی ابھی سردار کے ہاں چھوڑا ہے۔ وہ چاہتا تھا کہ یہ شخص اس جنگل میں ایسی جگہ جائے جہاں شیر رہتے ہیں؛ چناں چہ اس نے عنبر سے کہا:

''یہاں سے بائیں جانب ایک پہاڑی ہے جس کی کھوہ میں ایک عورت رہتی ہے۔ اگر اس کے پاس جاؤ تو وہ اپنے جادو کے زور سے تمہیں بتا سکتی ہے کہ تمہاری بہن کہاں ہے۔''

''بہت اچھا بھائی، میں جا کر اس عورت سے پوچھتا ہوں۔''

جنگلی بکریاں لے کر آگے چل دیا۔ عنبر جنگل میں بائیں طرف والے پہاڑ کی طرف گھوم گیا۔ اسے خیال آیا کہ وہ سلامبو کی لاش سے کیوں نہ مدد حاصل کرے؟ اس نے اسی وقت سلامبو کا خیال دل میں لا کر آواز دی۔ آواز دینے کی دیر تھی کہ سلامبو کی لاش اس کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔

"کیا بات عنبر تم نے مجھے کس لیے یاد کیا؟"

عنبر نے کہا:

"میں اپنی بہن شکنتلا کے ساتھ اس جنگل میں سفر کر رہا تھا۔ ہمیں رات ہوگئی۔ ہم سو گئے۔ صبح شکنتلا چشمے پر نہا رہی تھی۔ میں جنگل کی سیر کر رہا تھا۔ واپس آیا تو شکنتلا غائب تھی۔ ایک دن اور رات گزر گئی ہے مجھے اپنی بہن کا کچھ پتہ نہیں۔ خدا کے لیے میری پریشانی دور کرو اور مجھے بتاؤ کہ وہ اس وقت کہاں ہوگی؟"

سلامبو کی لاش نے ٹھنڈے سپاٹ لہجے میں کہا:

"عنبر تو بڑا نادان ہے۔ کیا میں نے تمہیں کہا نہیں تھا کہ میں تمہارے لیے پہاڑ توڑ کر ریزہ ریزہ کر سکتی ہوں۔ بادشاہوں کے محل زمین سے اکھاڑ کر پھینک سکتی ہوں مگر کسی چھپی ہوئی شے کے بارے میں بالکل نہیں بتا سکتی۔ میں آنے والے زمانے اور چھپے ہوئے زمانے میں

جھانک کر نہیں دیکھ سکتی۔ اگر تم کہو تو میں اس پورے جنگل میں آگ لگا سکتی ہوں۔ شیر سے لڑ سکتی ہوں۔ مگر تمہیں یہ نہیں بتا سکتی کہ شکنتلا اس وقت کہاں ہے۔"

عنبر نے اداس ہو کر کہا:

"پھر تمہیں بلانے سے کیا فائدہ ہوا سلامبو؟"

سلامبو بولی:

"مجھے افسوس ہے ہے بھائی کہ میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتی۔"

عنبر نے کہا:

"یہاں ایک گھنے درخت کے نیچے ایک درویش سو رہا تھا اس کے سر پر ایک سانپ نے اپنے پھن کا سایہ کر رکھا تھا۔ ایک شیر اس کے پاس بیٹھا تھا۔ جب سے شکنتلا غائب ہوئی ہے وہ درویش بھی غائب ہے۔ کیا تم بتا سکتی ہو کہ وہ درویش کون تھا؟ کیا شکنتلا کے غائب ہونے

میں اس کا ہاتھ تو نہیں ہے؟"

سلامبو کہنے لگی:

عنبر! میں تمہیں یہ بھی نہیں بتا سکتی۔ مجھے خود معلوم نہیں ہے کہ وہ درویش کون تھا۔ میں گزرے ہوئے زمانے کو بالکل نہیں دیکھ سکتی۔ گزرا ہوا زمانہ میرے لیے ایک پردہ ہے۔ ایک دیوار ہے۔ جس کے پار میں ایک لمحے کے لیے بھی دیکھ سکتی۔ میں صرف وہی شے دیکھتی ہوں جو گزر رہی ہے۔ میں مجبور ہوں۔ میں طاقتور ضرور ہوں۔ اتنی زیادہ طاقت رکھتی ہوں کہ اس گھنے درخت کو چاہوں تو ابھی جڑ سے اکھاڑ کر رکھ دوں۔ مگر تمہیں یہ نہیں بتا سکتی کہ کل کیا ہونے والا اور جو گزر گیا ہے وہ کہاں ہے؟"

عنبر نے کہا:

"پھر میں نے تمہیں یوں ہی تکلیف دی سلامبو! تم اگر چاہو تو جا سکتی

ہو۔"

سلامبو بولی:

"مجھے افسوس ہے کہ میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکی عنبر! لیکن تم نے اتفاق سے مجھ سے وہ شے مانگی ہے جو میں تمہیں نہیں دے سکتی۔ خدا حافظ۔"

سلامبو کی لاش درختوں میں غائب ہو گئی۔ عنبر اکیلا رہ گیا۔

اس کے لیے اب سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ جنگلی کی بتائی ہوئی عورت کے پاس جا کر شکنتلا کے بارے میں پوچھے۔ اسے معلوم تھا کہ جنگلوں میں ایسی عورتیں رہا کرتی ہیں جو جادو کے زور سے بتا دیتی ہیں کہ فلاں شخص کس جگہ ہے اور اس کے ساتھ کیا سلوک ہو رہا ہے۔ عنبر پہاڑ کے نیچے پہنچ گیا۔ جنگلی نے جیسا بتایا تھا وہاں ایک کھوہ موجود تھی۔ عنبر نے سوچا کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں جادوگر عورت

رہتی ہے۔اس نے کھوہ کو باہر سے اچھی طرح سے دیکھا اور پھر اس
کے اندر داخل ہو گیا۔

یہ ایک چھوٹا اور تنگ سا غار تھا۔

غار میں چھت پر سے پانی رس رہا تھا۔عنبر نے پاؤں آگے رکھا تو ایک
دو پتھر لڑھک گئے۔پتھروں کے لڑھکنے سے آواز پیدا ہوئی۔اس آواز
کے ساتھ ہی اچانک کھوہ میں شیر کی غضبناک دھاڑ گونجی۔عنبر اپنی جگہ
پر کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔تو کیا جنگلی نے اس کے ساتھ فریب کیا تھا؟
شیر کی دھاڑ ایک بار پھر سنائی دی شیر نے انسان کی موجودگی کو محسوس
کرلیا تھا اور بھوکا ہونے کی وجہ سے عنبر کی طرف بڑھ رہا تھا۔

عنبر نے سوچا کہ غار میں سے نکل جانا چاہیے،وہ تیزی سے مڑا اور
واپس بھاگنے لگا۔شیر نے اپنے سامنے انسان کو بھاگتے دیکھا تو وہ
بھی بھاگنے لگا۔وہ اپنی تیزی سے آگے کو دوڑا کہ اس نے غار کے

دروازے پر ہی عنبر کو دبوچ لیا عنبر شیر کے دھکے سے زمین پر گر پڑا۔
شیر نے عنبر کے اٹھتے اٹھتے ہی ایک بڑ زور کا تھپڑ اس کے منہ پر مار دیا
شیر کے خیال میں اس تھپڑ کے بعد کا ایک طرف کا پورے کا پورا جبڑا
ڑ جانا چاہیے تھا،مگر ایسا نہ ہوا بلکہ الٹا یہ ہوا کہ شیر کو یوں لگا جیسے اس نے
کسی سخت پتھر پر زور سے ہاتھ مار دیا ہو۔

شیر نے جھنجھلا کر دوبارا عنبر پر حملہ کیا۔عنبر اس وقت تک زمین سے اٹھ
چکا تھا اس دفعہ شیر نے ایک بار پھر پوری طاقت کے ساتھ عنبر کے سر
پر پنجہ مارا تو شیر تڑپ کر دور جا گرا کیونکہ اس کا پنجہ سخت زخمی ہو کر
درد کرنے لگا تھا۔شیر پریشان ہو گیا۔اس قسم کے انسان سے اس
کبھی پالا نہیں پڑا تھا

عنبر نے آگے بڑھ کر شیر کی گردن کو دبوچ لیا۔وہ پوری طاقت سے شیر
کی گردن کو دبوچ لیا۔وہ پوری طاقت سے شیر کی گردان کو دبانے لگا۔

شیر نے بے تحاشا عنبر کے جسم پر پنجے مارنے شروع کر دیے۔
شیر کے لمبے لمبے تیز ناخن عنبر کے جسم پر سے پھسل رہے تھے۔ جیسے کسی سنگ مرمر کی سل پر سے پھسل رہے ہوں۔ عنبر کے جسم میں شیر کا کوئی بھی ناخن چبھ نہیں رہا تھا۔ شیر کو یوں لگا جیسے وہ کسی پہاڑ سے لپٹا ہوا ہے۔ دوسری طرف عنبر کے سخت پنجے شیر کی گردن میں چلے جا رہے تھے۔ اس کا دم گھٹنے لگا تھا شیر کی آنکھیں باہر کو ابل آئی تھیں۔ عنبر نے شیر کو نیچے گرا لیا۔ شیر نیچے گر پڑا۔ عنبر بھی اس کے اوپر گر پڑا۔ اس نے شیر کی گردن سے اپنے سخت پنجے نہ ہٹائے۔ شیر کے گلے سے خرخر کی آوازیں نکلنے لگیں۔ آخر وہ بے سدھا ہو گیا۔ اس کے ہاتھ گر پڑے۔
اور شیر مر گیا۔
عنبر نے شیر کو مردہ چھوڑ دیا۔ واپس جنگل میں اس جگہ آ گیا جہاں اسے جنگلی ملا تھا۔ وہ اس جنگلی کی بھی اچھی طرح سے خبر لینا چاہتا تھا جس

نے اسے دھوکے سے شیر سے ہلاک کروانے کی کوشش کی تھی۔ مگر وہاں جنگلی کہیں بھی نہیں تھا۔ عنبر نے اس کے خیال کو چھوڑ کر شگفتنا کی تلاش شروع کر دی وہ اس طرف نکل گیا۔ جدھر ایک گدلے رنگ کے پانی والی چھوٹی سی ندی بہتی تھی۔ یہ ندی پہاڑوں کے اوپر سے آتی تھی اور جنگل میں سے ہو کر آگے دریا سے جا ملتی تھی۔ عنبر کچھ دور اس ندی کے کنارے کنارے چلتا چلا گیا۔ اسے خیال آیا کہ وہ تو بے مقصد گھوم رہا ہے۔ اسے ذرا سا بھی اشارہ معلوم نہیں کہ شگفتنا کس طرف کو گئی ہے۔ اس طرح تو وہ چلتا چلتا خدا جانے کہاں پہنچ جائے گا اسے ان لوگوں کا خیال آیا جن کے پاس وہ دونوں مہمان رہے تھے اور جنہوں نے اسے گدھے دیے تھے۔
مگر ان لوگوں کا قبیلہ وہاں سے بہت دور تھا۔ وہ پیدل وہاں تک بہت دیر میں پہنچتا۔ تو پھر کیا کیا جائے؟ عنبر ندی کنارے ایک پتھر پر بیٹھ گیا

اور اپنی بہن ماریا اور ناگ کو یاد کرنے لگا۔

اگر وہ لوگ بھی اس وقت اس کے ساتھ ہوتے تو کم از کم اسے کچھ مشورہ ہی دیتے۔ عنبر ان سے کچھ صلاح مشورہ ہی کر لیتا۔ اگر ماریا اس کے ساتھ ہوتی تو شگفتا کو کوئی شخص بھی اغوا کر کے نہیں لے جا سکتا تھا۔ سوال یہ تھا کہ اب کیا کیا جائے کس طرف کو چل کر شگفتا کو ڈھونڈا جائے۔

عنبر شگفتا کو اکیلی چھوڑ کر وہاں سے جا بھی نہیں سکتا تھا۔

عنبر نے اسے قول دیا تھا کہ وہ اسے اس کے گھر پہنچا کر ہی دم لے گا اور عنبر قول کا بڑا پکا تھا۔ وہ جس سے جو وعدہ کرتا اسے ہمیشہ پورا کرتا تھا

کچھ دیر ندی کنارے بیٹھنے کے بعد وہ آگے چل پڑا۔

ندی آگے چل کر جنگل کے گھن میں گھوم گئی تھی۔ یہاں اسے یوں اپنے پیچھے ایک طرف کچھ ایسی آوازیں سنائی دیں جیسے کوئی جانور جھاڑیوں

میں سے گزرتا آگے بڑھ رہا ہو۔ عنبر رک گیا۔ وہ پلٹ کر جنگل میں دیکھنے لگا اس کا خیال درست تھا۔ اچانک سامنے سے ایک بہت بڑا پہاڑ ایسا ہاتھی درختوں میں سے باہر نکلا وہ کان ہلاتا' سونڈ لہراتا' ندی کی طرف چلا آ رہا تھا۔ شاید وہ پانی پینے چلا آ رہا تھا۔ عنبر خواہ مخواہ ایک اور جنگلی جانور سے لڑائی مول لینا نہیں چاہتا تھا۔ وہ ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ درختوں کی آڑ میں کھڑا تھا۔ ہاتھی جھومتا جھومتا ندی پر آیا اور اپنی سونڈ سے پانی پینے لگا۔ پانی پی کر وہ ندی میں اتر گیا اور سونڈ میں پانی بھر بھر کر اپنے اوپر ڈالنے لگا۔ وہ غسل کر رہا تھا۔ عنبر درخت کے پیچھے کھڑا چپ چاپ یہ تماشہ دیکھتا رہا۔ ایک دم ہاتھی نے اپنی سونڈ اوپر اٹھائی اور چاروں طرف گھمانے لگا۔

ہاتھی کو قریب ہی کسی انسان کی بو محسوس ہوئی تھی۔

عنبر سمجھ گیا کہ ہاتھی کو کسی انسان کی موجودگی کا احساس ہو گیا اس نے

دوڑنے کی بجائے اسی جگہ ٹھہرنے کا فیصلہ کر لیا۔ کیونکہ دوڑنے سے ہاتھی یقیناً اس کا پیچھا کرتا اور بھاگنے میں کوئی بھی انسان ہاتھی کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ہاتھی ضرور اسے اپنی سونڈ پر اٹھا کر نیچے پھینک دیتا اور پھر پاؤں عنبر کے سینے پر رکھ کر اسے مسلنے کی کوشش کرتا۔ عنبر ڈرتا تو بالکل نہیں مگر خواہ مخواہ ہاتھی سے مقابلہ کرنے میں وقت ضرور ضائع ہوتا۔ جب کہ عنبر ہر گھڑی یہی سوچ رہا تھا کہ شکنتلا کو سراغ کیسے لگایا جائے۔

ہاتھی ایک پل بالکل بت بنا اپنی جگہ پر کھڑا رہا اور سونڈ سے عنبر کی بو لینے کی کوشش کرتا رہا۔ آخر اسے پتہ چل گیا کہ انسان درختوں کے پیچھے کہیں ہے کیونکہ اس طرف سے انسان کی بڑی تیز بو آ رہی تھی۔

عنبر نے لڑائی سے دور رہنے کے لیے درخت پر چڑھنا شروع کر دیا۔ جوں ہی وہ درخت کے اوپر چڑھا' ہاتھی نے اسے پتوں میں دیکھ لیا۔

وہ بھاگ کے عنبر کے پیچھے لپکا۔ مگر عنبر اس عرصے میں درخت کے اوپر جا چکا تھا۔ ہاتھی زور سے چنگھاڑا۔ اس کی چنگھاڑ سے جنگل گونج اٹھا۔ عنبر درخت کے اوپر آرام سے جا کر بیٹھ گیا۔ ہاتھی بھاگ ک درخت کے نیچے آ گیا اور زور زور سے جھولنا شروع کر دیا۔ کسی وقت وہ اپنی لمبی سونڈ اوپر اٹھا کر جیسے سلام کرتا اور پھر چنگھاڑ مار کر مست ہاتھیوں کی طرح جھولنے لگتا۔ عنبر کی جان عجیب مصیبت میں آ گئی تھی۔ وہ اب کسی جنگلی جانور سے لڑائی لڑنا نہیں چاہتا تھا۔

مگر ہاتھی اسے بار بار چیلنج دے رہا تھا۔ ہاتھی درخت کے نیچے دھرنا مار کر بیٹھ گیا۔ اس نے عنبر کو اوپر دیکھ لیا تھا۔ عنبر کافی دیر تک بیٹھا ہوا تھا۔ عنبر کافی دیر تک اوپر درخت کی شاخ پر بیٹھا رہا۔ ہاتھی بھی درخت کے نیچے بیٹھا ہوا تھا۔ عنبر تنگ آ گیا۔ وہ نیچے اتر کر ہاتھی سے مقابلہ کرنے کی سوچ ہی رہا تھا۔ کہ ہاتھی اپنی جگہ سے اٹھا۔ اس نے زور سے چنگھا

ٹماری اور درخت کو ٹکریں مارنی شروع کر دیں۔ اس کی ٹکروں سے
درخت پر گویا بھونچال سا آ گیا۔ درخت پر جتنے پرندے بیٹھے تھے
شور مچاتے اڑ گئے۔ عنبر بھی ٹہنی پر بیٹھے بیٹھے ٹہنی کے ساتھ ہل رہا تھا
اس نے سوچا کہ کیوں نہ ہاتھی پر چھلانگ لگا دے اور پھر اس کا مقابلہ
کرے۔ مگر مصیبت یہ تھی کہ ہاتھی بہت بڑا جانور تھا۔ ہو سکتا تھا کہ
ہاتھی اسے اٹھا کر سونڈ میں لپیٹتا اور پھر اپنے منہ میں ڈال لیتا۔ عنبر مرتا
نہ، مگر منہ کے اندر جا کر کیا کرتا۔ سوائے اس کے کہ ہاتھی کے گلے میں
سے گزر کر اس پیٹ میں آ جاتا اور خنجر سے اس کا پیٹ چاک کر کے
باہر نکل آتا۔ یہ سارا کام بڑا غلیظ کام تھا اور عنبر کے سارے کپڑے اور
بدن خراب ہو جاتا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ درخت کے اوپر ہی بیٹھا
رہے گا اور نیچے اتر کر ہاتھی کا مقابلہ نہیں کرے گا۔ وہ درخت کی ٹہنی پر
بیٹھا رہا اور ہاتھی ٹکریں مارتا رہا۔

ہاتھی بڑا طاقت ور تھا۔ اس نے درخت کو جڑ سے اکھاڑنا شروع کر دیا
درخت جڑ سے سچ مچ ہل گیا۔ وہ ایک طرف جھکنے لگا۔ عنبر نے شاخوں کو
مضبوطی سے پکڑ لیا۔ لیکن ہاتھی کی ٹکروں نے درخت کی طاقت کو ختم کر
دیا تھا۔ وہ اب گرنے ہی والا تھا اور زمین کی طرف جھکتا چلا جا رہا تھا
آخر ہاتھی کی ایک زوردار ٹکر کھا کر درخت دھڑام سے زمین پر گر پڑا
تھا۔ مکار ہاتھی کی آنکھ عنبر پر لگی ہوئی تھی۔ عنبر کے گرتے ہی وہ درخت
کی شاخوں پر اپنے بھاری بھر کم پاؤں رکھتا انہیں توڑتا مروڑتا عنبر کی
طرف بڑھا۔ عنبر نے بھاگنا شروع کر دیا۔ مگر جنگل میں جھاڑیاں اتنی
گھنی اور اتنی زیادہ تھیں کہ عنبر بار بار گرنے لگا۔

آخر ہاتھی اس کے سر پر پہنچ گیا۔ وہ تو جھاڑیوں پر پاؤں رکھتا بھاگ
رہا تھا۔ عنبر کے عین اوپر پہنچ کر ہاتھی نے زور سے چیخ ماری اور عنبر کو
زمین پر سے اپنی سونڈ میں لپیٹ کر اوپر اٹھا لیا۔ اور پر دو تین بار گھما کر

ہاتھی نے پوری طاقت سے عنبر کو اپنے قدموں میں زمین پر پھینک
دیا۔ وہ عنبر کی ہڈیاں توڑ کر اسے مارنا چاہتا تھا۔ مگر عنبر کو کچھ بھی نہ ہوا۔
اسے یوں لگا جیسے کسی نے روئی کا گالا نیچے پھینک دیا ہو۔ ہاتھی نے عنبر
کے جسم پر اپنا پاؤں رکھ دیا اور پورا بوجھ ڈالا لیکن عنبر ہاتھی کے پاؤں
کے نیچے بالکل محفوظ تھا۔ الٹا ہاتھی کو پاؤں میں لمبے لمبے کانٹے چبھے۔
وہ تڑپ کر ایک طرف کو ہٹ گیا۔

موت کی شرط

ہاتھی نے دوبارا عنبر پر حملہ کیا۔
اس دفعہ ہاتھی نے عنبر کو سونڈ میں ایک بار پھر لپیٹا اور اٹھا کر پورے
زور زور سے ایک درخت کے تنے سے مارنا شروع کر دیا۔
ہاتھی کا خیال تھا کہ عنبر چکنا چور ہو جائے گا۔ لیکن ہوا یہ کہ درخت اپنی
جگہ سے ہل گیا اور ہاتھی کی سونڈ زخمی ہو گئی۔ مگر عنبر کو کچھ بھی نہ ہوا۔ وہ
اسی طرف جھٹک دیا۔ اب عنبر نے بھی جوابی حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔
اس کی کمر کے ساتھ ایک خنجر ہمیشہ لگا رہتا تھا عنبر نے وہ خنجر نکال کر

ہاتھی پر حملہ کیا۔ وہ چھلانگ لگا کر ہاتھی کی گردن پر چڑھ گیا اور اس نے پوری طاقت کی ساتھ ہاتھی کی ایک آنکھ میں خنجر گھونپ دیا۔ ہاتھی درد سے چلا اٹھا۔ اس نے سونڈ اوپر لے جا کر عنبر کو پکڑنے کی کوشش کی۔ عنبر پیچھے کھسک گیا۔ ہاتھی نے زور سے اپنا بدن جھٹکا۔ عنبر نیچے گر پڑا۔

ہاتھی نے عنبر کے اوپر اپنا بھاری پاؤں رکھنا چاہا۔ عنبر تڑپ کر دوسری طرف ہٹ گیا۔ ہاتھی گھوم گیا۔ عنبر نے زور سے خنجر مار کر ہاتھی کی سونڈ کاٹ ڈالی۔ خون کی آبشار بہنے لگی۔ اس بک بک سے عنبر بچنا چاہتا تھا مگر ہاتھی نے خود اپنی موت کو آواز دی تھی اور اب بھی میدان چھوڑ کر نہیں بھاگ رہا تھا۔ اب تو عنبر مجبور تھا کہ اس خونی ہاتھی کو ہلاک کر دے۔ کیوں کہ وہ کسی دوسرے انسان پر بھی حملہ کر کے اسے ختم کر سکتا تھا۔ عنبر نے کوشش کی کہ وہ دوبارا ہاتھی کے اوپر چڑھ کر اس کی دوسری

آنکھ بھی پھوڑ ڈالے کیوں کہ اندھا ہو جانے کی صورت میں وہ ہاتھی کے جسم پر پے در پے وار کر سکتا تھا۔

عنبر نے ایک چھوٹے سے ٹیلے کے اوپر چڑھ کر ہاتھی کے اوپر چھلانگ لگا دی۔ ہاتھی کی ایک آنکھ ابھی باقی تھی اور وہ پوری طرح دیکھ رہا تھا کہ عنبر کیا کرنے والا وہ زور زور سے اپنے بدن کو جھٹکے دینے لگا تا کہ عنبر کو ایک بار نیچے گرا دے۔ مگر عنبر ہاتھی کی کمر سے چمٹ گیا تھا۔ وہ کھسکتا کھسکتا ہاتھی کی گردن پر آ گیا۔ پھر اس نے ہاتھ لمبا کر کے خنجر ہاتھی کی دوسری آنکھ میں بھی گھونپ دیا۔ ہاتھی زور سے چنگھاڑا اور تکلیف کی وجہ سے اک جگہ چکر کھانے لگا۔ عنبر بار بار اس کی آنکھ میں خنجر چلا رہا تھا۔

ہاتھی کی دوسری آنکھ بھی پھوٹ گئی اور خون بہنے لگا ہاتھی اندھا ہو چکا تھا اب عنبر نے نیچے چھلانگ لگا دی۔ ہاتھی کو اپنا دشمن کہیں بھی نظر نہیں

آ رہا تھا۔ اس کی سونڈ کٹ چکی تھی۔ دونوں آنکھیں پھوٹ گئی تھیں۔
اس کے بدن سے کافی خون بہہ چکا تھا۔ وہ کمزوری محسوس کرنے لگا
اس کا جسم کانپنے لگا تھا۔ پھر بھی ابھی ہاتھی میں بڑی طاقت تھی۔ وہ
پاگل اندھے کی طرح گھوم رہا تھا کہ کہیں اسے دشمن ملے تو وہ اسے
کچل دے۔

عنبر نے لپک کر ہاتھی کے پیٹ میں خنجر گھونپا اور پھر اسے پوری لگا کر
ایک طرف کو گھما دیا۔ ہاتھی کا آدھا پیٹ کٹ گیا اور اس کی بھاری
بھاری انتڑیاں باہر گر پڑیں۔ ہاتھی کے منہ سے ایک دردناک چیخ
نکل گئی وہ ایک طرف کو جھکنے لگا۔ عنبر نے موقع غنیمت جان کر ایک بار
پھر اس کے پیٹ میں خنجر مارا اور باقی کا آدھا پیٹ بھی کاٹ کر رکھ دیا
ہاتھی کے پیٹ کے اندر جو کچھ بھی تھا۔ وہ باہر زمین پر آن گرا۔ ہاتھی کا
جسم خشک پتے کی طرح کانپنے لگا۔ اس نے ایک جھرجھری سی لی اور

دھڑام سے زمین پر گر پڑا۔

ہاتھی کے گرنے سے زمین ایک بار ہل گئی۔

عنبر پرے کھڑے ہو کر ہاتھی کے مرنے کا تماشہ کرتے لگا۔ ہاتھی
کانپ رہا تھا۔ خون پرنالے بن کر بہہ رہا تھا۔ وہ ٹانگیں چلا رہا تھا'
تڑپ رہا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ اس کے جسم پر سکون آتا گیا۔ ایک بار
زور سے ہل کر ہاتھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ٹھنڈا ہو گیا۔ اس نے حملہ
کرنے میں پہل کی تھی۔ اس نے عنبر کو مجبور کو دیا تھا کہ وہ اسے ہلاک
کرے۔

وگرنہ عنبر نے لڑائی سے ہزار بار بچنے کی کوشش کی تھی۔ ہاتھی نے اپنی
موت کو خود آواز دی تھی۔

عنبر نے ندی پر جا کر غسل کیا۔ اپنے خون سے بھرے ہوئے کپڑے
دھوئے۔ اسے سوائے اس کے اور کچھ نقصان نہیں ہوا تھا کہ اس کا

وقت ضائع ہو گیا تھا۔ وہ اس عرصے میں شگفتہ کو تلاش کر سکتا۔

وہ ابھی دوبارا گیلے کپڑے پہن کر کمر میں خنجر لگا رہا تھا کہ اسے جنگل میں کچھ لوگوں کی آوازیں سنائی دیں۔ یہ آوازیں جنگلی لوگوں کی چیخوں سے ملتی جلتی تھیں۔ عنبر نے سوچا کہ شاید جنگلی لوگوں کا قافلہ آ رہا تھا۔ وہ جلدی سے ایک درخت کے اوپر چڑھ کر پتوں میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ وہ کسی پر ابھی اپنا آپ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا اور یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ یہ جنگلی لوگ کون ہیں؟

جنگلی لوگوں کی آوازیں قریب آ رہی تھیں۔ پھر جھاڑیاں زور زور سے ہلیں اور دس بار سیاہ رنگ کے ناٹے قد کے آدم خور جنگلی بدن پر صرف گھاس کو لنگوٹ باندھے ہاتھوں میں نیزے لیے وہاں آن موجود ہوئے۔ عنبر انہیں غور سے دیکھنے لگا۔ یہ سارے کے سارے وحشی لوگ تھے۔ خدا جانے انہیں کہاں سے مرے ہوئے ہاتھی کی بو آ گئی تھی

وہ اپنے سامنے زمین پر مرے ہوئے ہاتھی کو دیکھ کر بڑے خوش بھی ہوئے اور حیران بھی ہوئے کہ اسے اس اجاڑ بیابان جنگل میں کون آ کر ہلاک کر گیا۔

ایک وحشی نے نیزہ اٹھا کر زور سے چیخ ماری۔ اس کے ساتھ ہی باقی سارے وحشی مردہ ہاتھی پر ٹوٹ پڑے اور اس کو گوشت نوچ نوچ کر کھانے لگے۔ ایک وحشی تو ہاتھی کے پیٹ کے اندر گھس گیا اور وہاں سے اس کا دل نوچ کر لے آیا۔ جب وہ ہاتھی کے پیٹ سے باہر نکلا تو وہ خون میں لال ہو رہا تھا۔ باہر آ کر اس نے ایک نعرہ لگایا اور کھڑے ہو کر ہاتھی کا دل چبا چبا کر کھانے لگا۔ عنبر نے بڑے بڑے جنگلی لوگ دیکھے تھے۔ لیکن یہ بڑے عجیب قسم کے ڈراؤنے وحشی تھے۔ وہ ہاتھی کے گوشت کو انسان کا گوشت سمجھ کر کھا رہے تھے۔

دیکھتے دیکھتے انہوں نے ایک طرف سے ہاتھی کو گوشت ختم کر دیا ادھر

سے ہاتھی کی ہڈیاں نظر آنے لگیں۔ گوشت خوب پیٹ بھر کر کھا کر وہ اسی جگہ جانوروں کی طرح سر جوڑ کر بیٹھ گئے اور خدا جانے کیا غور کرنے لگے۔ پھر اٹھ کر وہ زمین پر پاؤں کے نشان دیکھنے لگے۔ عنبر سمجھ گیا کہ یہ وحشی معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ ہاتھی کے ساتھ کس نے مقابلہ کر کے اسے ہلاک کیا تھا؟

اچانک ایک وحشی نے چیخ ماری:

"انسان کے پیروں کے نشان ہیں۔"

یہ وہی زبان تھی جس میں عنبر کے ساتھ بکریوں والے جنگلی نے بات کی تھی۔ یہ بھی بڑی اچھی بات تھی کہ عنبر ان کی بولی سمجھ لیتا تھا۔

سارے کے سارے آدم خور وحشی زمین پر عنبر کے پیروں کے نشان جھک کر دیکھنے لگے۔ انہوں نے یہ معلوم کر لیا تھا کہ یہاں کوئی انسان ابھی ابھی موجود تھا جس نے ہاتھی کے ساتھ جنگ لڑ کر ہاتھی کو ہلاک

کر دیا تھا۔ مگر سوال یہ تھا کہ وہ آدمی کہاں چلا گیا؟ یہ جنگلی لوگ آدمی یا جانور کے پیروں کے نشان سے پورا پورا کھوج لگایا کرتے تھے کہ انسان یا جانور کدھر کو گیا ہے۔ اگر ایک جگہ سینکڑوں جانوروں کے پاؤں کے نشان ہوں تو پھر بھی یہ جنگلی ان میں سے انسان کے پیروں کے نشان کو صاف پہچان لیتے تھے۔

اور یہی ہوا جنگلیوں نے عنبر کے پیروں کے نشانوں کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ نشان ایک گول دائرے کی صورت میں تھے وہ بھی گول دائرے کی صورت میں گھوم گئے۔ پھر نشان ایک درخت کی طرف بڑھ رہے تھے۔ وحشی بھی اسی درخت کی طرف گھوم گئے۔ نشان اس درخت کے پاس آ گئے جس پر عنبر پتوں میں چھپا بیٹھا تھا۔ وحشی اس درخت کے نیچے آ کر کھڑے ہو گئے۔ ایک نے کہا:

"انسان اسی درخت کے اوپر ہو گا۔"

سب زور زور سے نعرے لگانے لگے۔ یہ نعرے عنبر کی سمجھ میں نہیں
آ رہے تھے لیکن اتنا وہ سمجھ چکا تھا کہ اب وہ وحشیوں کی قید سے نہیں بچ
نہیں سکتا۔ جنگلیوں نے سر اٹھا اٹھا کر درخت کی شاخوں میں جھانکنا
شروع کر دیا۔ پھر انہوں نے ایک ساتھ چھ سات نیزے درخت کی
شاخوں میں پھینکے۔ ایک نیزہ عنبر کے بازو کو چیرتا ہوا گزر گیا۔ مگر
اسے کچھ نہ ہوا۔ بازو کا گوشت دوبارہ اپنی جگہ پر واپس آ گیا دوسری بار
پھر نیزے پھینکے گئے۔ اس دفعہ ایک نیزہ عنبر کے پیٹ میں کھب گیا۔
عنبر نے نیزہ باہر کھینچ کر واپس زمین پر مارا تو وہ سیدھا ایک وحشی کی
کھوپڑی توڑتا ہوا کھب گیا۔

وحشی چیخ مار کر زمین پر گرا اور گرتے ہی مر گیا۔

پھر تو وہاں ایک شور مچ گیا۔ وحشیوں نے دھڑا دھڑ درخت میں
نیزے مارنے شروع کر دیے۔ عنبر کے ہاتھ میں جو نیزہ آ جاتا وہ اسے

دوبارا کسی نہ کسی وحشی پر اچھال دیتا جو زخمی ہو کر بھاگ جاتا جنگلی
لڑتے لڑتے تنگ آ گئے۔ انہوں نے درخت پر چڑھنا شروع کر دیا۔
عنبر اگر چاہتا تو وہ اوپر بیٹھے ہی بیٹھے ایک ایک کر کے سارے جنگلیوں
کو قتل کر کے نیچے پھینک سکتا تھا۔ مگر اس نے ایسا نہ کیا بلکہ سوچا کہ
کیوں نہ اپنے آپ کو ان وحشیوں کے حوالے کر کے انکے قبیلے میں چلا
جائے شاید اس طرح اسے شگفتا کا کوئی سراغ مل سکے۔

عنبر نے مقابلہ بند کر دیا اور درخت پر سے نیچے چھلانگ لگا دی۔
سارے جنگلی ایک نوجوان انسان کو درخت کے اوپر سے گرتے دیکھ کر
پرے پرے ہٹ گئے۔ پھر انہوں نے آگے بڑھ کر عنبر کو رسی میں جکڑ
لیا۔ ایک وحشی نے دوسرے وحشی سے کہا:

"سردار اس سفید نوجوان کا گوشت کھا کر بڑا خوش ہو گا۔ وہ ہمیں اس
کے عوض اپنی خاص بکریوں کا دودھ پینے کو دے گا۔"

عنبر نے سب کچھ سنا اور خاموش رہا۔ وہ ان پر یہ ظاہر ہی نہیں کرنا چاہتا تھا کہ وہ ان کی زبان جانتا ہے کیوں کہ پھر وہ اس کے سامنے راز کی کوئی بات نہ کرتے۔ لیکن جب انہیں معلوم ہوگا کہ عنبر ان کی نہیں سمجھتا تو وہ اس کے سامنے کھل کر بات کریں گے اور شگفتا کا سراغ اسی طرح لگایا جاسکتا تھا۔ وحشیوں نے اسے چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا۔ انہوں نے عنبر کی طرف نیزے تانے ہوئے تھے۔ ایک وحشی نے آگے بڑھ کر عنبر کی کمر میں لٹکا ہوا خنجر کھینچ لیا۔ وہ خنجر اس نے غور سے دیکھا اور اپنے ساتھیوں سے کہا:

"یہ خنجر کسی شہر کا بنا ہوا ہے یہ شخص کسی دوسرے شہر سے آیا ہے۔ اسے پکڑ کو اپنے سردار کے پاس لے چلتے ہیں۔ وہ ہمیں انعام دے گا۔"

"چلو' پکڑ کر لے چلو اسے۔"

وحشیوں نے عنبر کو رسی میں جکڑا اور اسے اٹھا کر جنگل میں واپس گھس

گئے۔ چار وحشی اسے اپنے سروں پر اٹھائے جنگل میں سے گزر رہے تھے۔ وہ اس قدر تیز تیز جا رہے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ جانور ہیں۔ کافی دیر تک جنگل میں چلنے اور کئی موڑ گھومنے کے بعد وہ ایک اور نیچے پہاڑ کے دامن میں آگئے۔ یہاں بہت سی جھونپڑیاں ایک نیم دائرے کی شکل میں بنی ہوئی تھیں۔ وحشیوں نے عنبر کو اتار نیچے زمین پر بٹھا دیا۔

تمام وحشی ان وحشیوں کو دیکھ کر قریب آگئے۔ وہ ایک دوسرے سے باتیں کرنے لگے کہ یہ قیدی کہاں سے آیا ہے؟ ایک وحشی نے انہیں بتایا کہ جنگل میں ہاتھی مرا پڑا ہے۔ اس شخص نے ہاتھی کو ہلاک کیا ہے۔ سارے وحشی بڑے حیران ہوئے کہ ایک دبلے پتلے سے انسان نے خنجر کے ساتھ اتنا بڑا ہاتھی کیسے ہلاک کر لیا۔

یہ وحشی لوگ جنگل میں پڑی ہوئی ہاتھی کی لاش کا سن کر اس طرف

بھاگ اٹھے۔ وہ آج ہاتھی کے گوشت کی ضیافت اڑانا چاہتے تھے۔

جو لوگ عنبر کو پکڑ کر لائے تھے۔ وہ ایک اونچی سی جھونپڑی کے اندر چلے گئے۔ اس جھونپڑی میں کچھ دیر رہنے کے بعد وہ ایک ایک کر کے چلے گئے۔ وہ سردار کی جھونپڑی تھی۔ مگر وہاں عنبر کو سوائے چند ایک بوڑھی عورتوں کے اور کوئی عورت نظر نہیں آ رہی تھی۔ یہ بوڑھی عورتیں ایک طرف بکریوں کا دودھ دوہ رہی تھیں۔ کوئی شکر قندی ابال رہی تھی۔ عنبر کا دل شگفتہ کو یاد کر کے اداس ہو گیا۔ اس نے خواہ مخواہ اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کیا۔ شگفتہ تو اس جگہ بھی نہیں ہے۔ پھر کیا کیا جائے۔ کیا وہ یہاں سے فرار ہو جائے تاکہ کسی اور جگہ چل کر شگفتہ کو تلاش کرے۔ یہاں پڑے رہنے سے کیا فائدہ ہوگا بھلا؟

پھر عنبر نے سوچا کہ ابھی اسے تھوڑا انتظار کرنا چاہیے۔ ہو سکتا ہے۔ ان لوگوں کی کچھ باتیں جھونپڑوں کے اندر ہوں۔ اگر شگفتہ یہاں نہ بھی

ہوئی پھر بھی اسے ان لوگوں سے کچھ سراغ ضرور مل سکتا ہے۔ عنبر نے اسی جگہ ٹھہرنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ ابھی کچھ دیر وہاں رہ کر کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ جھونپڑی میں سے سارے وحشی نکل کر باہر ایک قطار میں کھڑے ہو گئے۔ اب انہیں اندر سے شاید کسی سردار کے باہر نکلنے کا انتظار تھا۔ عنبر بھی اسی انتظار میں تھا کہ اندر سے کیا برآمد ہوتا ہے

اچانک اندر سے ایک بڑی خوب صورت سانولے رنگ کی عورت باہر نکلی۔ اس عورت نے سر پر موروں کے پروں کا تاج پہن رکھا تھا۔ اس کے گلے میں شیر کے ناخنوں کی مالا تھی۔ اس کے لمبے بال کھلے تھے اور بدن پر ہرن کی کھال کا لباس تھا۔

اگرچہ یہ عورت بہت حسین تھی۔ مگر اس کی آنکھوں میں جنگلی چیتے ایسی چمک اور مکاری تھی۔ ہمارے پڑھنے والوں کو اب ضرور معلوم ہو گیا ہوگا کہ یہ قبیلہ ان جنگلیوں کا نہیں تھا۔ جہاں شگفتہ قید تھی بلکہ یہ اس

قبیلے سے دور پچھم کی طرف ندی کنارے والا ایک قبیلہ تھا جو جادوگرنی
کا قبیلہ کے نام سے مشہور تھا۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ یہ عورت اس
قبیلے کی سردارنی ہے۔ اس نے بڑے غور سے عنبر کی طرف دیکھا اور
پھر اپنے وزیر سے کہا:

''اس نوجوان کو تم کہاں سے پکڑ کر لائے ہو؟''

ایک وحشی نے آگے بڑھ کر سر جھکایا اور کہا:

''سردانی یہ شخص ایک درخت کے اوپر چھپا ہوا تھا۔ اس کے پاس سے
وہ خنجر نکلا ہے جس پر ہاتھی کے خون کے نشان ہیں۔''

سردارنی نے کہا۔

''تمہارا مطلب ہے کہ ہاتھی کو اس نوجوان نے اپنے خنجر سے ہلاک
کیا ہے؟''

وحشی بولا:

''جی ہاں سردارنی نے زمین پر پاؤں مار کر کہا: ''اتنا دبلا پتلا نوجوان
جنگل کے ایک سرپھرے ہاتھی کو ہرگز نہیں مار سکتا۔ تم لوگوں کا دماغ
خراب ہو گیا ہے۔''

وحشی نے کہا:

''سردانی اس کے سوا جنگل میں اور کوئی آدمی نہیں تھا۔ ہاتھی کا شکار اسی
نے کیا ہے۔ آپ اس سے پوچھ لیں بے شک۔''

سردارنی نے کہا:

''مگر میں اس سے کس زبان میں بات کروں گی یہ تو ہماری زبان کو
بالکل نہیں سمجھتا۔''

عنبر ان لوگوں کی ساری باتیں اب تک غور سے سن رہا تھا۔ اور سمجھ رہا
تھا۔ اس مقام پر آ کر اس نے سردارنی سے کہا:

''سردارنی میں آپ کی زبان خوب جانتا ہوں۔ آپ بے شک اپنی

زبان میں مجھ سے بات کریں۔"

سردارنی نے یوں تڑپ کر عنبر کی طرف دیکھا جیسے کسی نے اس کے پیر پر پتھر مار دیا ہو۔ وہ کبھی خیال بھی نہیں کر سکتی تھی کہ ایک اجنبی نوجوان جو خدا جانے کہاں سے ادھر آ نکلا ہے۔ ان کے قبیلے کی مشکل زبان سمجھ لیتا ہوگا۔ اس نے عنبر کے قریب آ کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا:

"تم ہمارے قبیلے کی زبان کیسے جانتے ہو؟"

عنبر نے کہا:

"میں دنیا کے ہر قبیلے کی زبان جانتا ہوں سردارنی۔"

"کیا تم کوئی جادوگر ہو؟"

"نہیں میں ایک عام انسان ہوں۔"

سردارنی نے پوچھا:

"تم یہاں کیا کرنے آئے ہو تم درخت پر کیوں چھپے بیٹھے تھے؟"

عنبر بولا:

"سردارنی میں ایک سیاح ہوں اور ملک ہندوستان کی سیر کرنے اپنی شگفتا بہن کے ساتھ آیا تھا۔ وہ جنگل میں مجھ سے بچھڑ کر کہیں گم ہو گئی میں اس کی تلاش میں پھر رہا تھا۔ کہ آپ کے آدمی مجھے پکڑ کر یہاں لے آئے۔"

"تم درخت پر کیوں چھپے بیٹھے تھے۔؟"

"آپ کے آدمیوں کے ڈر سے چھپا بیٹھا تھا۔"

"کیا یہ خنجر تمہارا ہے؟" سردارنی نے عنبر کا خون آلود خنجر نکال کر اسے دکھاتے ہوئے پوچھا۔

عنبر نے خنجر کو غور سے دیکھ کر کہا:

"ہاں یہ میرا ہی خنجر ہے۔"

سردارنی نے پوچھا:

"اس خنجر پر خون کس جانور کا لگا ہے؟"

عنبر نے کہا:

"ہاتھی کا۔اے سردارنی۔"

"سردارنی نے حیرانی سے پوچھا:

"کیا جنگلی ہاتھی کو تم نے ہلاک کیا تھا۔"

"ہاں سردارنی، جنگلی ہاتھی کو میں نے ہلاک کیا تھا۔"

"محض اس چھوٹے سے خنجر سے؟"

"ہاں سردارنی صرف اس چھوٹے سے خنجر کے ساتھ۔"

"تم جھوٹ بولتے ہو۔"

"میں ایک بار پھر ہاتھی کو ہلاک کر کے دکھا سکتا ہوں۔"

"اگر تم ایسا نہ کر سکے تو جانتے ہو قبیلے کی سردارنی مذاق کرنے کی سزا

کیا ہے؟"

"نہیں۔"

"اگر تم ہاتھی کو ہلاک نہ کر سکے تو تمہیں زندہ ایک بوری میں بند کر کے کیڑے مکوڑوں کے گڑھے میں پھینک دیا جائے گا۔"

"مجھے منظور ہے۔"

"ایک بار پھر سوچ لو۔"

"مجھے منظور ہے میں سوچ سمجھ کر کہہ رہا ہوں۔"

"ہاتھی کی لڑائی کا بندوبست کیا جائے۔"

عنبر نے ہاتھ اٹھا کر کہا:

"مگر ایک میری شرط ہے۔"

سردارنی نے پوچھا:

"وہ کون سی شرط ہے۔"

''عنبر نے کہا:

''اگر میں نے ہاتھی کو اس خنجر سے ہلاک کر دیا تو مجھے کیا انعام دیا جائے گا۔''

سردارنی نے کہا:

''میں تم سے شادی کر لوں گی اور تمہیں قبیلے کا سردار بنا دیا جائے گا۔''

عنبر سر سے پاؤں تک کانپ گیا۔

''نہیں نہیں، مجھے یہ شرط منظور نہیں ہے۔''

''کیا کہا؟'' سردارنی غصے کے مارے کانپنے لگی۔ وہاں جتنے وحشی لوگ کھڑے تھے۔ وہ سارے کے سارے دہشت زدہ ہو گئے۔ سردارنی سے بیاہ کی خواہش پر انکار کرنا اس قبیلے میں سب سے بڑا گناہ اور برائی تھی۔ سردارنی کی اس سے زیادہ اور کوئی بے عزتی نہیں ہو سکتی تھی کہ کوئی شخص اس کے ساتھ شادی کرنے سے انکار کر دے۔

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ تم نے میری توہین کی ہے۔ اگر تم نے میرے ساتھ شادی نہ کی تو میں تمہیں زندہ نہ چھوڑوں گی۔''

عنبر نے سوچا کہ اس عورت سے شادی کرنے میں کیا ہرج ہے اس طرح وہ اس قبیلے کا سردار بن جائے گا اور ان کی مدد سے شکنتلا کو جلدی سے جلدی برآمد کر لے گا۔ پھر وہ جب وہ چاہے یہاں سے بھاگ سکتا ہے اور اس کا کوئی کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا۔

اس نے جھٹ کہا:

''میں تمہارے ساتھ شادی کرنے کو تیار ہوں۔''

سردارنی نے کہا:

''شاباش، مگر شرط یہ ہے کہ مجھ سے شادی کرنے کے لیے تمہیں جنگل کے ایک ہاتھی کو خنجر سے ہلاک کرنا ہو گا۔''

''ایسا ہی ہو گا سردارنی۔''

سردارنی نے حکم دے دیا کہ دوسرے روز جنگل میں ہاتھی کی لڑائی ہوگی
عنبر کو ایک جھونپڑے میں قید کر دیا گیا۔ سردارنی کا وزیر خود سردارنی
سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ مگر اس کی جرات نہیں تھی کہ وہ سردارنی کے
حکم کے آگے سر اٹھا سکے۔ جب سردارنی نے اعلان کیا کہ اگر عنبر نے
ہاتھی کو مار ڈالا تو وہ اس کے شادی کرلے گی تو وہ جل بھن کر رہ گیا۔
پھر اسے خیال آیا کہ یہ دبلا پتلا نوجوان کہاں ایک ہاتھی کو ہلاک کر سکتا
ہے۔ وہ دل ہی دل میں عنبر کی آنے والی موت کا خیال کر کے افسوس
کرنے لگا کہ اتنا بھولا بھالا خوب صورت لڑکا موت کی آغوش میں جا
رہا ہے۔ وہ خود بھی اب یہی چاہتا تھا کہ عنبر ہاتھی کی لڑائی میں مارا
جائے۔ راستے کا یہ پتھر ہٹ جائے اور وہ سردارنی سے شادی کرلے
سب لوگ ہاتھی کی لڑائی کا انتظار کرنے لگے۔

اوپر موت نیچے موت 115

جادوگرنی سے ملاقات

ہاتھی کی لڑائی دیکھنے کے لیے سارا قبیلہ امڈ پڑا۔
صبح ہی سے ہانکا کرنے والے جنگل میں نکل گئے تھے۔ انہیں خوب
معلوم تھا کہ ہاتھی کہاں پر ہوگا اور وہ یہ بھی خوب جانتے تھے کہ ہاتھی
کو گھیر کر کیسے لایا جائے گا۔ قبیلے کے سارے وحشی بڑے بڑے
درختوں پر چڑھ کر بیٹھے تھے۔ سردارنی کا تخت بھی ایک اونچے درخت
کی شاخ پر لگا دیا گیا تھا زمین پر سوائے عنبر کے اور کوئی نہیں تھا۔ وزیر
بھی سردارنی کے قریب ہی بیٹھا تھا۔ سارے وحشیوں کو یقین تھا کہ یہ

نوجوان لڑکا ہاتھی کی لڑائی میں ضرور مارا جائے گا۔انہیں یہ افسوس تھا۔ کہ وہ ہاتھی کو گوشت نہیں کھا سکیں گے۔سب کے کان جنگل کی طرف لگے ہوئے تھے۔جہاں ہانکا کرنے والوں کا شور آہستہ آہستہ قریب آرہا تھا۔

وہ لوگ جنگلی ہاتھی کو گھیر کر ادھر لا رہے تھے اچانک اس شور میں ہاتھی کی چنگھاڑ گونجی۔سب نے خوشی سے نعرے لگائے ہاتھی آرہا تھا۔لڑائی شروع ہونے والی تھی۔سردارنی کے چہرے پر بھی مسکراہٹ تھی۔اسے اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ ہاتھی مرتا ہے یا نوجوان عنبر ہلاک ہوتا ہے۔وہ صرف ہاتھی اور انسان کی لڑائی کا تماشہ دیکھنا چاہتی تھی۔خوشی وزیر کو ضرور ہو رہی تھی کہ جس نوجوان سے سردارنی نے شادی کا وعدہ کیا تھا وہ مارا جائے گا۔

عنبر درختوں کے نیچے ایک کھلے میدان میں خنجر ہاتھ میں لیے چپ

چاپ کھڑا تھا اور جنگل کی طرف سے آنے والے ہاتھی کی چنگھاڑوں کو غور سے سن رہا تھا۔وہ اگر چاہتا تو وہاں سے بھاگ سکتا تھا۔مگر وہ ایسا نہیں کرنا چاہتا تھا۔وہ اس قبیلے پر اپنی بہادری کا سکہ جما کر ان کا سردار بننا چاہتا تھا تاکہ شگفتہ کو ان لوگوں کی مدد سے تلاش کر سکے۔ کیونکہ اسے یقین تھا کہ شگفتہ کو اسی جنگل کے کسی قبیلے والوں نے اغوا کیا ہے۔

درختوں پر تمام وحشی نیزے اور تیر کمان لیے تیار بیٹھے تھے کہ اگر ہاتھی پاگل ہو کر غصے میں درختوں کو ٹکریں مارنا شروع کر دے تو وہ اس پر نیزوں اور تیروں کی بارش کر کے ختم کر دیں۔جس درخت پر ان لوگوں کی سردارنی تخت پر بیٹھی تھی وہاں کتنے ہی جانباز وحشی نیزے اور تیر کمان لیے تیار تھے کہ جوں ہی ہاتھی کا رخ اس طرف ہو وہ اس پر نیزوں کی بارش کر دیں۔

عنبر خنجر ہاتھ میں لیے خاموش کھڑا تھا۔

ہاتھی کے چنگھاڑنے کی آوازیں اب قریب سے قریب ہو رہی تھیں۔
پھر ہانکا کرنے والوں کا شور نزدیک آ کر ختم ہو گیا۔ وہ ہاتھی کو گھیر کر
درختوں والے کھلے میدان کے پاس لے آئے تھے۔ جنگل میں
خاموشی چھا گئی۔ درختوں پر سے سارے پرندے شور سن کر اڑ چکے
تھے۔ ایک دم ہانکا کرنے والوں کا شور بلند ہوا۔ اس کیساتھ ہی ہاتھی
کی زوردار چنگھاڑ گونجی شور ختم ہو گیا۔ ہاتھی درختوں کے آس پاس گھوم
رہا تھا۔

عنبر کی نگاہیں جھاڑیوں میں لگی تھیں۔ کٹر کٹر کی آوازیں آئیں۔
جیسے ہاتھی سوکھی ٹہنیوں کو توڑتا ہوا چلا آ رہا ہو۔ پھر اچانک ایک سیاہ
چشم پورے قد کا لمبے لمبے سفید دانتوں اور بڑے بڑے کھمبوں ایسی
ٹانگوں والا ہاتھی کان ہلاتا' گھبرایا ہوا۔ سونڈ گھماتا درختوں میں سے

نکل کر کھلے میدان کے ٹکڑے میں آ گیا۔ ہانکا گھماتا درختوں میں
سے نکل کر کھلے میدان کے ٹکڑے میں آ گیا۔ ہانکا کرنے والے
جلدی جلدی درختوں پر چڑھ گئے۔ ہاتھی نے گھوم کر ایک چکر لگایا اور
پھر اس کی چھوٹی چھوٹی مگر بڑی تیز آنکھوں نے عنبر کو ایک طرف
کھڑے دیکھ لیا۔ وہ سمجھا کہ یہ سارا شور اسی ایک آدمی نے اٹھا رکھا تھا
اور اسکی وجہ سے وہ بے چین کی گیا ہے۔

ہاتھی نے سونڈ اٹھا کر ایک بھیانک چیخ ماری اور سر جھکا کر عنبر پر حملہ
کرنے کے لیے بھاگا۔ عنبر اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ سردارنی کا دل
دھڑکنے لگا۔ سارے وحشی سانس روک کر تماشہ دیکھنے لگے کہ ابھی
ہاتھی سونڈ میں عنبر کو لے کر زمین پر دے مارے گا اور پھر پاؤں رکھ کر
اسے کچل دے گا۔

ہاتھی نے عنبر کے پاس آ کر زور سے سونڈ گھمائی۔ عنبر جھک کر بیٹھ گیا اور

پھر اچھل اس نے سونڈ پکڑ لی۔ ہاتھی نے جب دیکھا کہ اس کا دشمن سونڈ کے ساتھ چمٹا ہوا ہے تو اس نے سونڈ کو زور زور سے گھمانا شروع کر دیا اور پھر زور سے عنبر کو درخت کے ایک تنے سے مارا۔

وحشیوں کے منہ سے خوشی کی چیخ نکل گئی۔

وہ عنبر کو کچلا ہوا خون میں لت پت دیکھنا چاہتے تھے۔ مگر جب انہوں نے دیکھا کہ اتنی زبردست چوٹ کھانے کے باوجود عنبر زمین پر سے اٹھا اور اس نے اٹھتے ہی خنجر ہاتھی کی سونڈ میں گھونپ دیا۔ تو وہ چکر کھا گئے۔ کہ یہ سب کچھ کیسے ہو گیا؟ کسی کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ ایسا ہو سکتا ہے۔

سردارنی نے سوچا کہ انہیں غلطی لگی ہے۔ عنبر درخت کے ساتھ نہیں ٹکرایا تھا بلکہ ہاتھی کی سونڈ ٹکرائی تھی۔ ورنہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہاتھی ایک آدمی کو درخت پر مارے اور وہ بچ جائے؟ عنبر کا خنجر ہاتھی کی سونڈ

میں گھس گیا۔

ہاتھی کی سونڈ سے خون جاری ہو گیا۔ ہاتھی تلملا اٹھا۔ اس نے خون آلود سونڈ اٹھا کر زور سے چنگھاڑ ماری اور غصے میں عنبر پر حملہ آور ہوا۔ عنبر اب پوری طرح ہاتھی کے مقابلے کے لیے تیار ہو چکا تھا۔ وہ قبیلے کے وحشیوں پر اپنی بہادری کا سکہ جمانا چاہتا تھا۔ وہ ان سے اپنا لوہا منوانا چاہتا تھا۔ جوں ہی ہاتھی عنبر کی طرف سونڈ اٹھا کر بڑھا' عنبر نے چھلانگ لگائی، وہ اچھل کر ہاتھی کی گردن پر سوار ہونا چاہتا تھا۔ مگر ایسا نہ کر سکا۔ وہ زمین پر گر پڑا۔

ہاتھی نے دشمن کو زمین پر گرتے دیکھا تو تیزی سے بڑے بڑے پاؤں اٹھاتا' کان لہراتا عنبر کی طرف بڑھا اور اس سے پہلے کہ عنبر زمین سے اٹھ سکے' ہاتھی نے اپنا اگلا پیر عنبر کے پیٹ پر رکھ کر اپنے پہاڑ ایسے جسم کا پورا بوجھ اس پر ڈال دیا۔ اب تو سب کو یقین تھا کہ عنبر بچ نہیں سکتا۔

وہ بالکل کچلا جائے گا اور ہاتھی اس کی پچکی ہوئی لاش کو روند ڈالے گا۔
سردارنی نے منہ دوسری طرف کر لیا۔ وہ اتنی بھیانک لاش دیکھنا نہیں
چاہتی تھی۔

لیکن سب کے سب حیران رہ گئے جب انہوں نے دیکھا کہ ہاتھی
نے یوں تڑپ کر عنبر کے اوپر سے پاؤں اٹھا لیا جیسے اس نے اپنا پیر
آگ میں ڈال دیا تھا ہاتھی کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ عنبر نے اٹھ کر
ہاتھی کی سونڈ کو دونوں ہاتھوں سے پکڑا اور خنجر دانتوں میں دبائے ہاتھی
کے اوپر چڑھ گیا اور ہاتھی بھی ایک بار گھبرا گیا۔ کہ اس کا دشمن اس کی
گردن پر کیسے آ گیا؟

عنبر نے ہاتھی کی گردن پر سوار ہوتے ہی خنجر کا ایک وار کر کے اس کی
ایک آنکھ پھوڑ ڈالی۔ ہاتھی تکلیف سے اچھل پڑا۔ اس نے عنبر کو زور
سے جھٹک دیا۔ عنبر نیچے گر پڑا۔ ہاتھی ایک آنکھ سے عنبر کو دیکھتا اس کی

طرف بڑھا اور گردن نیچی کر کے اپنے دونوں تلواروں ایسے دانت عنبر
کے سینے میں گھیسڑنے چاہے عنبر پرے ہٹ گیا۔ ہاتھی اتنی طاقت
اور زور سے نیچے جھکا تھا کہ اس کے دونوں نوکیلے دانت زمین میں گڑ
گئے۔ ہاتھی کا سر نیچے ہو گیا تھا۔ عنبر بڑی آسانی سے خنجر ہاتھ میں لیے
ہاتھی کے سر پر پاؤں رکھ کر گردن پر چڑھ گیا اور اس نے خنجر کا وار کر
کے ہاتھی کی دوسری آنکھ بھی پھوڑ کر رکھ دی۔

ہاتھی نے درد سے تلملا کر زور لگا کر زمین میں سے دانت نکالنے
چاہے تو اس کے دونوں دانت ٹوٹ گئے ہاتھی اٹھا ہی تھا کہ عنبر نے
نیچے سے خنجر مار کر ہاتھی کا آدھا پیٹ چاک کر دیا۔ ہاتھی کا آدھا پیٹ
پھٹ کر انتڑیاں باہر نکل آئیں وہ طیش اور درد سے چنگھاڑا اور اس نے
اپنی سونڈ میں عنبر کو پوری طرح لپیٹ کر اس زور سے زمین پر مارا کہ
اس کا دھماکہ دور تک سنائی دیا۔ زمین پر سے گرد اڑی۔ گرد دور ہوئی تو

سب نے دیکھا کہ عنبر زمین پر سے صحیح و سالم اٹھ رہا تھا۔
حیرت سے لوگوں منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔
سردارنی نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے وزیر کی طرف اور وزیر نے تعجب کی آنکھوں سے سردارنی کی طرف دیکھا جو کچھ وہاں ہو رہا تھا وہ اس پر یقین کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ وزیر کو تو یہ فکر پڑ گئی کہ اگر عنبر نے ہاتھی کو ہلاک کر دیا تو وہ سردارنی سے شادی کر لے گا اور سردارنی اس کے ہاتھ سے نکل جائے گی۔ اور حالات سے یہی ظاہر ہو رہا تھا کہ عنبر ہاتھی کو شکست دینے والا تھا اور ہاتھی گرنے والا تھا۔
سردارنی نے وزیر سے کہا۔
"یہ تو بہت بہادر نوجوان ہے۔ میں حیران ہوں کہ یہ اتنے بڑے ہاتھی کا اکیلا کیسے مقابلہ کر رہا ہے؟ یہ تو کوئی بہت بڑا جادوگر لگتا ہے۔"
وزیر کو موقع مل گیا۔ اس نے کہا:

"سردارنی' یہ نوجوان بہادر نہیں ہے ملکہ جادوگر ہے۔ یہ صرف جادو کے زور سے ہاتھی پر قابو پا رہا ہے۔"
سردارنی نے مسکرا کر کہا:
"اگر یہ جادوگر بھی ہے تو اس سے بڑا جادوگر میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ میں چاہتی ہوں کہ اس جادوگر کو اپنے قبیلے کا سردار بناؤں اور یہ کام میں اس سے شادی کیے بغیر نہیں کر سکتی۔"
وزیر تو اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔
لیکن اس کے دل میں عنبر کے خلاف زبردست نفرت پیدا ہو گئی۔ اس نے اسی وقت فیصلہ کر لیا کہ اگر عنبر ہاتھی کو ہلاک کرنے میں کامیاب ہو گیا تو وہ اسے سردارنی سے ہرگز شادی نہیں کرنے دے گا۔ وہ شادی سے پہلے ہی اسے موت کے گھاٹ اتار دے گا۔ اس سلسلے میں خواہ اسے کالے جادو کا ہی سہارا کیوں نہ لینا پڑے۔

ادھر وزیر یہ سوچ رہا تھا۔ اور ادھر عنبر نے خنجر مار مار کر ہاتھی کا برا حال کر دیا تھا۔ ہاتھی کا پیٹ چاک ہو گیا۔ وہ لڑکھڑایا۔ عنبر نے خنجر مار کر ہاتھی کی سونڈ کاٹ کر اس کے جسم سے الگ کر دی۔ ہاتھی پر لرزہ طاری ہو گیا' وہ کانپا' لرزا' بلبلایا' لڑکھڑایا اور دھڑام سے ایک چٹان کی طرح زمین پر گر گیا۔

وحشیوں نے نعرے لگاتے ہوئے چھلانگیں لگانی شروع کر دیں۔ عنبر کے سامنے ہاتھی پر پڑا آخری سانس لے رہا تھا۔ وحشیوں نے آگے بڑھ کر عنبر کے ہاتھ اور ماتھا چوم لیا۔

وحشی زخمی ہاتھی پر ٹوٹ پڑے اور خنجروں سے اس کا گوشت کاٹ کاٹ کر کھانے لگے۔ سردارنی کا تخت بھی درخت پر سے نیچے اتار دیا گیا۔

سردارنی نے آگے بڑھ کر عنبر کے سر پر زرد رنگ کا پھول توڑ کر رکھ دیا۔

”تو سچ مچ ایک بہادر نوجوان ہو تمہیں مبارک ہو کہ میں نے

تمہیں اپنے قبیلے کا سردار چن لیا ہے۔ کل ہماری تمہاری شادی ہو جائے گی۔“

عنبر نے کچھ نہ کہا اور چپکے سے اپنی جھونپڑی میں آ گیا۔ وہاں سے سردارنی کے حکم سے عنبر ایک خوب صورت جھونپڑی میں پہنچا دیا گیا۔ شادی کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ پھلوں کے ڈھیر لگ گئے۔ پھولوں کے ہار تیار ہونے لگے۔ زمین پر سیندور پیس کر بچھایا گیا۔ وزیر نے سوچا کہ آج رات کو عنبر کا کام تمام کر دینا چاہیے۔

اوپر موت' نیچے موت

ادھر عنبر کے بیاہ کی تیاریاں ہورہی تھیں۔

اور دوسری طرف شکنتلا کے بیاہ کی تیاریاں ہورہی تھیں۔ قبیلے کے وحشی سردار نے اعلان کردیا تھا کہ صبح کو شادی ہوگی اور رات کو قبیلے کے سارے لوگ ایک بہت بڑی دعوت میں ناچ گانا کریں گے۔ ہر کوئی وحشی آدم خور خوش تھا۔ صرف شکنتلا ابھی جھونپڑی میں اداس بیٹھی تھی۔ صبح اس کی شادی ہونے والی تھی۔ وہ یہ گناہ نہیں کرنا چاہتی

تھی۔ اس کی شادی پہلے ہی ہوچکی تھی۔ اس نے فیصلہ کرلیا کہ وہ یہاں سے بھاگ جائے گی۔ چاہے وہ راستے میں ماری جائے۔ مگر وہاں وہ رہ کر گناہ کی زندگی بسر نہیں کرے گی۔ گناہ کی زندگی بسر کرنے سے بہتر ہے کہ آدمی مرجائے؛ چنانچہ وہ موقع تلاش کرنے لگی اسے جس جھونپڑی میں بند کیا گیا تھا اس کے باہر ایک عورت پہرہ دے رہی تھی۔ اس عورت کے ہاتھ میں صرف ایک نیزہ پکڑا رہتا تھا چونکہ وحشی سردار کو معلوم تھا کہ شکنتلا بھاگ کر کہیں نہیں جاسکتی۔ اس لیے اس نے شکنتلا پر زیادہ پہرہ نہیں لگایا تھا۔ شکنتلا نے اس کو غنیمت جانا اور موقع سے فائدہ اٹھانے کا ارادہ کرکے آدھی رات کو وہ اٹھ کر جھونپڑی سے باہر دیکھنے لگی۔ باہر میدان میں آگ روشن تھی اور اس کے گرد وحشی ناچ رہے تھے۔ گا رہے تھے۔ ان کے شور سے وہاں کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ وحشی سردار بھی ان کے ساتھ ہی ناچ

رہا تھا۔ پہریدار عورت باہر بیٹھی پہرہ بھی دے رہی تھی اور وحشیوں کا ناچ بھی دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہی تھی۔

وہ شکنتلا سے بالکل غافل ہو چکی تھی شکنتلا نے جھونپڑی کی پچھلی دیوار کو ہاتھ سے ٹٹولا۔ وہ گھاس پھونس کی بنی ہوئی تھی۔ اس نے زور سے اندر ہاتھ ڈال کر گھاس الگ کر دیا۔ گھاس کا مٹھا اس کے ہاتھ میں آ گیا۔ اس نے تھوڑی سی کوشش کے بعد وہاں اتنی جگہ بنالی کہ جہاں سے وہ باہر نکل سکتی تھی۔ شکنتلا بڑی ڈرپوک لڑکی تھی۔ مگر اس وقت اپنی عزت بچانے کے لیے وہ ایک نڈر اور بے خوف شیرنی بن گئی تھی اس نے دیوار کے سوراخ کو اور زیادہ چوڑ کر دیا اور پھر بڑی آسانی سے اس میں نکل کر باہر آ گئی۔

باہر جنگل ہی جنگل تھا۔ آسمان پر ستارے چمک رہے تھے۔

ادھر ادھر کئی ایک جھونپڑیاں تھیں۔ مگر وہ سب کی سب خالی تھیں۔

ساری عورتیں اور مرد ناچ گانے میں شریک تھے۔ شکنتلا نے ایک لمحے کے لیے بھی وقت ضائع نہ کیا اور جھونپڑے سے باہر نکلتے ہی ایک طرف بھاگنا شروع کر دیا۔ اسے کوئی خبر نہیں تھی کہ وہ کس طرف کو جا رہی ہے وہ بس بھاگی جا رہی تھی۔ راستے میں اس کے پاؤں جھاڑیوں میں الجھے۔ وہ ایک جگہ گر پڑی۔ پھر اٹھی اور بھاگنے لگی۔ جھاڑیاں گھنی تھیں گئی۔ جھاڑیاں اور گھاس اس کا راستہ روک رہی تھی مگر وہ بھاگتی چلی گئی۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے قبیلے کے سارے وحشی آدم خور اس کے پیچھے لگے ہیں۔ اس کا سانس پھول گیا۔ مگر وہ کسی جگہ بھی نہ رکی۔ وہ بھاگتی چلی جا رہی تھی۔

کافی دور بھاگنے کے بعد وہ ایک ٹیلے کو عبور کر کے دوسری طرف آ گئی ٹیلے کی ڈھلان پر سے اترتے ہوئے وہ گر پڑی، اس کے پاؤں میں کانٹے چبھ گئے تھے لیکن اسے درد بالکل نہیں ہو رہا تھا۔ نجات بھی

نہیں ہو گی۔ کوئی بھی شخص اس کی مدد کو نہیں آئے گا اور اس کی ساری
زندگی تباہ ہو کر رہ جائے گی اس لیے اسے ہر حالت میں خود ہی ہمت
کر کے اپنی زندگی کو گناہ کے جہنم سے بچانا ہے۔ وہ گر کر اٹھی اور اس
نے پھر بھاگنا شروع کر دیا بھاگتے بھاگتے وہ تھک کر چور ہو گئی تو ایک
جگہ بیٹھ گئی۔

جہاں وہ بیٹھی وہاں سے اسے پانی کے بہنے کی آواز آ رہی تھی۔ اس کا
سانس بڑی طرح پھولا ہوا تھا۔ وہ زور زور سے سانس لے رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد جب اس کا سانس درست ہوا تو اس نے دیکھا۔
ستاروں کی ہلکی ہلکی روشنی میں ایک چھوٹی سی ندی سے پتھروں پر سے
اچھلتی ہوئی بہہ رہی تھی۔ شگفتا نے جھک کر ندی سے تھوڑا سا پانی پیا۔
منہ پر چھینٹے مارے اور اس ڈر سے کہ کہیں وحشی اس کا پیچھا کرتے ہو
ئے وہاں نہ پہنچ جائیں۔ اس نے اٹھ کر پھر نا بھاگنا شروع کر دیا مگر

اب اس کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی۔ پانی پی لینے کی وجہ سے اس کے
پیٹ میں درد سا ہونے لگا۔

وہ تیز بھاگتی تو درد بھی تیز ہو جاتا۔ اس نے قدم قدم دوڑنا شروع کر
دیا۔ پھر بھی اسے دوڑنے میں تکلیف ہو رہی تھی۔ ندی آگے چل کر
چوڑی ہو گئی تھی۔ ستاروں کی روشنی میں اسے ندی میں ایک چھوٹی سی
بوڑنگا نما کشتی نظر آئی۔ وہ لپک کر کشتی میں سوار ہو گئی اور چپو چلانے
لگی۔ ندی میں ایک بڑا سا پتھر آ گیا اور کشتی اس پتھر سے ٹکرا کر ٹوٹ
گئی۔ شگفتا چھلانگ لگا کر باہر آ گئی اور ندی کے پار والے جنگل میں گم
ہو گئی۔

شگفتا جیسی ڈرپوک لڑکی۔ اپنی عزت کی خاطر کس قدر بہادری دکھاتی
وہ خود حیران تھی۔ پھر مشرق میں چاند نکل آیا۔
اس کی زرد زرد روشنی جنگل میں پھیلنے لگی۔ شگفتا نے دیکھا کہ جنگل

میں درخت بے حد گھنے تھے۔۔اس کے پاؤں سوکھے پتوں پر پڑ کر
شور پیدا کر رہے تھے۔جس کی وجہ سے کچھ پرندے درختوں پر سے
پھڑ پھڑا کر اڑ گئے۔شکنتلا کو بالکل معلوم نہیں تھا کہ وہ کدھر کو جا رہی
ہے۔بس وہ وحشی سردار اور اسکے ساتھیوں سے دور بھاگ جانا چاہتی
تھی۔

جنگل میں کافی دور آگے نکل کر شکنتلا کو چاند کی پھیکی پھیکی روشنی میں
ایک بہت بڑا سانپ نظر آیا جو ایک درخت کی شاخ پر سے لٹک کر
جھول رہا تھا۔شکنتلا ڈرنے کے بجائے وہاں رک گئی۔اور پھر درخت
کی دوسری طرف سے ہو کر آگے نکل گئی۔یہاں کوئی بھی جنگلی
پگڈنڈی نہیں تھی۔بس سارا جنگل بڑی گھنی جھاڑیوں سے بھرا ہوا تھا
شکنتلا کے پاؤں درد کرنے لگے تھے۔اس کے پاؤں میں کانٹے
چبھنے سے خون بہہ رہا تھا۔لیکن وہ ایک بہادر شیرنی کی طرح آگے ہی

آگے بڑھتی چلی جا رہی تھی۔

اچانک اسے اپنے پیچھے کچھ آوازیں سنائی دیں۔وہ رک گئی۔اس نے
کان لگا کر سنا کہ پیچھے یہ کیسی آوازیں آ رہی ہیں۔اس کا خون خشک ہو
گیا۔اس کے پیچھے قبیلے کے وحشی شور مچاتے چلے آ رہے تھے۔اب وہ
کیا کرے؟ کہاں جائے؟ اگر اس نے حوصلے سے کام نہ لیا تو ساری
زندگی کے لیے برباد ہو کر رہ جائے گی۔اسے ہمت اور بہادری سے
کام لینا ہو گا۔وقت بہت کم تھا۔وحشی شور مچاتے' بھاگتے' چیختے
چلاتے چلے آ رہے تھے۔جھونپڑے کی ٹوٹی ہوئی دیوار دیکھ کر وہ ٹھیک
اس سمت کو آ رہے تھے۔جس سمت کو شکنتلا بھاگی تھی۔

شکنتلا نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔

اس کے سر پر ایک گھنا درخت اپنی شاخیں پھیلائے رات کی خاموشی
میں چپ چاپ کھڑا تھا۔شکنتلا نے آنکھیں بند کر کے خدا سے دعا کی

اور پھر اس نے درخت پر چڑھنا شروع کر دیا۔

خدا جانے اس میں اتنی طاقت' اتنا حوصلہ اور اتنی بہادری کہاں سے آ گئی تھی کہ وہ ایک ماہر شکاری کی طرح دیکھتے دیکھتے درخت کے اوپر چڑھ گئی۔ اس نے کافی بلندی پر جا کر اپنے آپ کو گھنی شاخوں میں چھپا لیا۔ اب آہستہ آہستہ سانس لیتے ہوئے پتوں میں سے نیچے جھانکنے لگی۔ اس کی آنکھیں اندھیرے میں ہر شے دیکھ رہی تھیں۔ اندھیرا زیادہ نہیں تھا۔ چاندنی نے درختوں کے گھنے سائے میں بھی ہلکی ہلکی روشنی کر رکھی تھی۔

وحشیوں کا شور آہستہ آہستہ قریب آ رہا تھا۔ شکنتلا کا ہاتھ ایک شاخ پر پڑ گیا۔ اس شاخ پر بیٹھا پرندے پھڑ پھڑا کر اڑ گیا۔ اگر یہ پرندہ اس وقت پھڑ پھڑا کر اڑتا جب وحشی درخت کے نیچے ہوتے تو شکنتلا کا بچنا محال تھا۔ وحشی ضرور اوپر دیکھتے۔ انہیں شک پڑ جاتا کہ شکنتلا درخت

میں چھپی بیٹھی ہے۔ پھر دنیا کی کوئی طاقت شکنتلا کو وحشیوں کے پنجے سے نہیں بچا سکتی تھی۔ مگر خدا نے شکنتلا کو بچا لیا تھا۔ صرف اس لیے کہ اس نے ہمت اور بہادری سے کام لیا تھا۔

وحشی اس درخت کے پاس پہنچ گئے تھے۔ وہ درخت کے نیچے پہنچ کر رک گئے۔ قبیلے کا موٹا خونخوار سردار ان کی رہنمائی کر رہا تھا۔ شکنتلا کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ وحشی سردار نے ادھر ادھر غور سے دیکھا اور اپنے ساتھی سے کہا:

"اسے اسی جگہ تلاش کرتے ہیں زیادہ دور نہیں بھاگ سکتی پھر اسے جنگل کا پتہ بھی نہیں ہے۔"

سردار نے اوپر سر اٹھا کر کہا۔

"ان درختوں پر چڑھ کر دیکھو۔ وہ ضرور ان درختوں میں ہی کسی جگہ بیٹھی ہوگی۔"

یہ سن کر شگفتہ کی تو جان ہی نکل گئی۔ اس کی آنکھوں سے خوف کے
مارے آنسو بھی خشک ہو گئے۔ اس نے آنکھیں بند کر کے اور ہاتھ جوڑ
کر خدا سے دعا کی کہ اے مالک دو جہاں' اے شریف لڑکیوں کی
عزت کے رکھوالے ہماری بھی سن ۔۔۔۔۔ میری مدد کر ۔۔۔۔۔
میری عزت کو بچا لے۔ اب شگفتہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وحشی
درختوں پر چڑھنا شروع ہو گئے تھے۔ ایک وحشی شگفتہ کے درخت پر
بھی چڑھ رہا تھا۔ شگفتہ کا سانس خشک ہو گیا تھا۔ اس کا بدن تھر تھر
کانپ رہا تھا۔ موت اس کے سامنے کھڑی تھی۔ وحشی ابھی اوپر آئے
گا۔ پتوں میں چھپی ہوئی شگفتہ کو دیکھ کر وہ خوشی سے ایک چیخ مارے گا
اور پھر سارے وحشی اس درخت پر ٹوٹ پڑیں گے اور شگفتہ کو رسیوں
میں جکڑ کر لے جائیں گے۔ وحشی اب شگفتہ کے بالکل قریب آ گیا
تھا۔ بس صرف ایک پتوں والی شاخ ہٹانے کی دیر تھی کہ شگفتہ اسے نظر

آ جاتی۔

خدا نے شگفتہ کی فریاد سن لی تھی۔

شگفتہ کے سر کے اوپر سرسراہٹ سی ہوئی شگفتہ نے اوپر نظر اٹھائی۔
اب اس کی رہی سہی جان بھی نکل گئی۔ ایک سرخ آنکھوں والا موٹا
سانپ رینگتا ہوا نیچے اتر رہا تھا۔ شگفتہ کا سارا جسم ٹھنڈا پڑ گیا۔ نیچے
موت تھی اوپر موت تھی۔ نیچے وحشی اسے پکڑنے آ رہا تھا۔ اوپر سے
سانپ اسے ڈسنے چلا آ رہا تھا۔ مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔
سانپ بڑی خاموشی سے شگفتہ کے قریب والی ٹہنی سے ہو کر نیچے کی
طرف اتر گیا۔ تھوڑی دیر بعد شگفتہ نے اوپر نیچے چڑھتے ہوئے وحشی
کی چیخ کی آواز سنی اور وہ دھڑام سے نیچے زمین پر گر پڑا سانپ
نے وحشی کو ڈس لیا تھا۔

خدا جانے سانپ کہاں گم ہو گیا۔ وہ اوپر نہیں آیا۔ وحشی کے نیچے

گرتے ہی سارے اور سردار اس کے گرد جمع ہو گئے۔ وحشی کے جسم
میں سانپ کا زہر داخل ہو کر تیزی سے اپنا کام کر رہا تھا۔

سردار نے چیخ کر کہا:

"درخت سے پرے ہٹ جاؤ یہاں شیش ناگ ہے۔ اس کو
شیش ناگ نے کاٹا ہے۔ اس کا سارا بدن پانی بن کر بہہ رہا ہے۔
یہاں سے بھاگو۔ شیش ناگ ہمیں بھی کاٹ لے گا۔"

سارے وحشی سردار کے پیچھے مرتے ہوئے وحشی کو اسی جگہ چھوڑ کر
بھاگ جہاں ایک پل پہلے خطرناک قسم کے آدم خور شکنتلا کی جان کے
دشمن بنے جمع تھے۔ وہاں اب سناٹا چھایا ہوا تھا اور زمین پر ایک وحشی
کی لاش پڑی تھی جو نیلی ہو کر پانی بن رہی تھی۔

شکنتلا اس انقلاب پر دنگ رہ گئی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

اس نے ہاتھ باندھ کر اور آنکھیں بند کر کے خدا کا شکریہ ادا کیا۔

انسان بہت جلد گھبرا جاتا ہے۔ مگر جب وہ صبر کرتا ہے اور خدا سے
سچے دل سے دعا کرتا ہے تو خدا اس کے غیب سے مدد کرتا ہے۔ وہ ایسا
سبب بنا دیتا ہے کہ حیران ہو کر رہ جاتا ہے۔۔۔ اسے امید بھی نہیں
ہوتی مگر اس کی جان بچ جاتی ہے۔ اور وہ کامیاب ہو جاتا ہے۔

جس سانپ کو دیکھ کر شکنتلا سہم گئی تھی۔ اس نے شکنتلا کے دشمن کو آگے
بڑھ کر ہلاک کر ڈالا تھا۔ اور خود نہ جانے کہاں جا کر گم ہو گیا تھا۔ دشمن
بھی مر گیا تھا۔ اور سانپ بھی غائب ہو گیا تھا۔

نیچے میدان صاف تھا۔ وحشی واپس بھاگ گئے تھے۔ انہوں نے
جنگل میں کسی دوسری طرف کو شکنتلا کی تلاش شروع کر دی تھی۔ پھر بھی
وہ درخت اترتے ہوئے گھبرا رہی تھی اسے ڈر تھا کہ کہیں آس پاس کوئی
جنگلی چھپا ہوا نہ ہو۔

چاند اب درختوں کے اوپر آ کر چمک رہا تھا اور اس کی روشنی گھنے

شاخوں میں سے چھن چھن کر نیچے آ رہی تھی۔ جنگل میں پچھلے پہر کی ٹھنڈی ہوا چلنے لگی تھی۔ اس ہوا میں دلدلوں اور تالاب میں ڈوبے ہوئے سرکنڈوں کی بو تھی۔ شکنتلا نے سوچا کہ اس وقت اس کی تلاش میں وہ دوبارہ یہاں آئیں گے۔ اور وہ پکڑی جائے گی۔ وہ درخت سے نیچے اتر آئی۔ سوکھے پتوں پر وحشی کی لاش بڑی حالت میں پڑی تھی شکنتلا اس پر ایک نظر ڈال کر وہاں سے بھاگ اٹھی۔

وہ اب جنوب کی طرف جا رہی تھی جدھر وحشی نہیں گئے تھے۔ چاندنی میں جنگل کے راستے صاف دکھائی دے رہے تھے۔ شکنتلا کو اپنے اندر ایک نئی طاقت محسوس ہو رہی تھی۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا۔ جیسے خدا اس کے ساتھ ہے۔ خدا نے اس کی دعا سن لی تھی اور اسے دشمن سے بچا لیا تھا۔ آگے ایک ندی آ گئی۔ شکنتلا ندی میں سے گزر کر جنگل کے دوسرے حصے میں آ گئی۔ یہاں املی اور سال سے گزر کر

جنگل کے دوسرے حصے میں آ گئی۔ یہاں املی کے گھنے درختوں پر شبنم ٹپک رہی تھی درخت اتنے گھنے تھے کہ چاندنی بڑی مشکل سے اندر داخل ہو رہی تھی۔ شکنتلا کو ڈر سا لگا لیکن پیچھے موت اس کا پیچھا کر رہی تھی۔

اس نے خدا کا نام لیا اور جنگل کے اندھیرے میں داخل ہو گئی۔ اتنی دیر جنگلوں میں رہتے رہتے اسے وہاں کی ہر قسم کی بو سے واقفیت ہو گئی تھی۔ اس گھنے جنگل میں آتے ہی اس نے شیر کی خاص قسم کی بو محسوس کی وہ ایک پل کے لیے رک گئی۔ بو ان درختوں کی طرف سے آ رہی تھی جن کا سلسلہ دور پچھلی پہاڑیوں کی طرف چلا گیا تھا۔ وہ رک کر سوچنے لگی کہ اسے باقی رات کسی درخت پر چڑھ کر گزارنی چاہیے تاکہ شیر کا خطرہ ٹل جائے۔ مگر اب رات بہت تھوڑی رہ گئی پو پھٹنے والی تھی تھوڑی سی دیر کے لیے وہ کیا درخت پر چڑھنے اور پھر اترے۔

اب وہ کچھ کچھ بہادر ہوگئی تھی اور وہ آگے بڑھتی جائے گی۔
یہ فیصلہ کر کے شکنتلا دوسری طرف سے ہوکر جنگل میں آگے بڑھنے لگی
یہاں اسے قہوے کی گھنی جھاڑیاں ملیں جن کی اندر اندھیرا چھایا ہوا تھا
یہ جھاڑیاں چاروں طرف اپنی شاخیں گرا کر اندر ایک چھوٹا سا غار بنا
لیتی ہیں۔

جنگلی جانور عام طور پر اس قسم کی غار میں چھپے رہتے ہیں۔ شیر اکثر
راتوں کو انہی جھاڑیوں میں چھپ کر شکار کرتا ہے۔ شکنتلا ان
جھاڑیوں سے بچ بچ کر آگے بڑھ رہی تھی۔ مگر یہ جھاڑیاں قدم قدم پر
تھیں اور شکنتلا کو یہ ڈر تھا کہ کسی جھاڑی میں سے کوئی جنگلی درندہ نکل
کر اس پر حملہ نہ کر دے۔

شیر کی خاص بو اب نہیں آ رہی تھی۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ ہوا شکنتلا کی مخالف سمت کو چل رہی تھی یعنی ہوا

جنگل میں شکنتلا کے پیچھے سے آگے کو چل رہی تھی اور شیر شکنتلا کے
آگے ایک جگہ موجود تھا۔ شکنتلا اس شیر کی موجودگی سے بے خبر تھی۔
اگر اسے ہوا میں شیر کی بو آ جاتی تو وہ کبھی آگے بڑھنے کی جرات نہ کرتی
اور اس قدر قریب بو پا کر ضرور کسی درخت پر چڑھ جاتی۔ مگر مخالف
سمت کی ہوا نے اسے دھوکے میں رکھا۔

اس نے اب بھاگنا بند کر دیا تھا۔ وہ بھاگ نہیں رہی تھی بلکہ تیز تیز
قدموں سے چل رہی تھی چلتے چلتے اسے اپنے راج کنور اور کمسن بچے
کا خیال آ گیا وہ شاہی محل میں آرام سے سو رہا گا۔۔۔

اسے کیا خبر کہ اس کی بیوی' اس کی مہارانی اس وقت اسی کے ملک کے
ایک جنگل میں در بدر بھٹک رہی ہے۔ اور دشمن اس کے پیچھے لگے
ہوئے ہیں۔

پھر اسے عنبر کا خیال آ گیا کہ وہ بے چارہ اس کے لیے کس قدر پریشان

ہور ہا ہوگا۔خدا جانے وہ جنگل میں کس جگہ اسے تلاش کرتا پھر رہا ہوگا
خدا جانے وہ خود کہاں ہوگا؟ کس عالم میں ہوگا؟

ظاہر ہے وہ شکنتلا کے بغیر آگے نہیں گیا ہوگا۔وہ اسے چشمے پر غائب پا
کر بہت حیران اور پریشان ہوا ہوگا۔پھر اس نے شکنتلا کی تلاش
شروع کر دی ہوگی اور نہ جانے اس وقت کہاں کہاں اس کی تلاش میں
مارا مارا پھر رہا ہوگا۔شکنتلا اپنے عنبر بھائی کے کردار کی عظمت سے
بہت متاثر تھی۔اس نے شکنتلا کو بہن بنا کر پورے بھائی کا حق ادا کر
دیا تھا۔وہ اپنی بہن ماریا اور ناگ کو بھول کر شکنتلا کی مدد کر رہا تھا۔اس
نے شکنتلا کے ساتھ عہد کیا تھا کہ وہ اسے اس کے گھر پہنچا کر دم لے گا
اور وہ اس وعدے پر ایک مکمل بہادر اور شریف انسان کی طرح عمل کر
رہا تھا۔

شکنتلا کے پاؤں من من کے بھاری ہو گئے۔اس کا بدن ٹھنڈا برف ہو

گیا۔وہ جہاں کھڑی تھی وہیں کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ہلکی ہلکی صبح کی
روشنی چاندنی میں شامل ہو کر جنگل کے درختوں میں پھیل رہی تھی۔
شکنتلا نے دیکھا کہ تھوڑے فاصلے پر سامنے مہوے کی جھاڑیوں کے
باہر زرد دھاریوں اور بہت بڑے سر والا ایک شیر بیٹھا اس کی طرف
اپنی سرخ آنکھوں سے گھور رہا تھا۔

خنجر مار دو

شگفتہ پتھر کا بت بنی شیر کو دیکھ رہی تھی۔

جب سے وہ وحشی جنگلیوں کی قید سے بھاگی تھی یہ پہلی بار تھی کہ وہ ڈر محسوس کر رہی تھی۔ شیر اپنی جگہ پر جم کر بیٹھا تھا۔ وہ شگفتہ کی طرف گھور رہا تھا اور ہولے ہولے غرا رہا تھا۔ جیسے کہہ رہا ہو کہ تم اس طرف کیوں آ گئی ہو؟ کیا تمہیں معلوم نہیں تھا۔ کہ ادھر جنگل کا بادشاہ بیٹھا آرام کر رہا ہے۔ شگفتہ میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اپنی جگہ سے ہل سکے۔

درختوں پر پرندے اڑ چکے تھے۔ درختوں کے پیچھے سے سورج کی

روشنی پھیلنے لگی تھی شگفتہ نے صبح کی پہلی روشنی میں دیکھا کہ شیر بہت بڑا تھا۔ اس کے جسم پر سیاہ اور پیلی دھاریاں تھیں۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں اور غراتے ہوئے اس کے لمبے دانتوں والے جبڑے پھڑ پھڑا رہے تھے۔

شگفتہ کو اپنی موت سامنے نظر آ رہی تھی۔

کمزوری اور خوف کے مارے اس کی ٹانگیں لڑکھڑائیں اور وہ زمین پر بیہوش ہو کر گر پڑی۔ اس کے گرتے ہی شیر گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ جنگل کے سارے جانور اور درندے انسان سے ڈرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایسی طاقت دی ہے کہ اس کی شکل دیکھ کر ہی درندے کو دیکھ کر خود گھبرا جائے تو جانور کا دل بڑھ جاتا ہے۔ اور وہ خود انسان پر حملہ کر دیتا ہے۔ مگر جنگل کا شیر جب تک آدم خور نہ بن جائے وہ کبھی کسی انسان پر حملہ نہیں کرتا۔ جنگل میں وہ انسان کو دیکھ کر خود ہی کترا کر نکل

جاتا ہے۔ اگر انسان شیر کے علاقے میں نکل آئے تو شیر غرا کر اسے کہتا ہے کہ وہ وہاں سے چلا جائے۔ عقل مند انسان شیر کی غراہٹ سن کر چپکے سے راستے بدل کر دوسری طرف نکل جاتا ہے۔ شیر نے جب شگفتہ کو دیکھا تھا تو وہ اسی لیے غرایا تھا کہ شگفتہ ادھر کیوں آ گئی ہے۔ وہ وہاں سے چلی جائے۔ لیکن بے چاری شگفتہ کو اس کی کیا خبر تھی۔ وہ گھبرا گئی اور خوف کے مارے بے ہوش ہو کر گر پڑی۔

شیر بڑی شاہانہ چال سے چلتا ہوا بے ہوش شگفتہ کے پاس آیا۔ اس نے اپنا بھاری بھر کم سر جھکا کر غور سے شگفتہ کو دیکھا۔ شگفتہ بے ہوش تھی۔ اگر وہ ہوش میں ہوتی تو شیر کا سر اپنی آنکھوں اور چہرے کے اس قدر قریب دیکھ کر ضرور مر جاتی۔ کیونکہ اس کا ڈر اور خوف بیدار ہو چکا تھا۔ خوف اس قدر بڑی چیز ہے کہ انسان خوف میں اپنا نقصان کر ڈالتا ہے۔ انسان کو مصیبت کے وقت کبھی خوف نہیں کھانا چاہیے۔

خوف کھانے سے انسان بہت ہی کمزور ہو جاتا ہے اور پھر اس میں اتنی ہمت نہیں رہتی کہ وہ مصیبت کا مقابلہ کر سکے۔ بعض لوگ شیر یا ہاتھی کو سامنے دیکھ کر ہی خوف سے مر جاتے ہیں؛ حالاں کہ اگر وہ ایک بہادر آدمی کی طرح مقابلہ کرتے تو شیر یا ہاتھی کو بھگا دیتے۔

پس انسان کو چاہیے کہ وہ کبھی کسی چیز کو دیکھ کر خوف زدہ نہ ہو۔ اس سے ڈرنے کی بجائے بہادری سے مقابلہ کرے۔ بہادر آدمی کے سامنے دنیا کی کوئی بھی مصیبت نہیں ٹھہر سکتی۔ انسان کی بہادری سے مقابلہ کرتے دیکھ کر بڑے بڑے شیر، ہاتھی اور جن بھوت بھاگ جاتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جتنی طاقت اور عقل انسان کو دی ہے اتنی کسی جانور کو نہیں دی۔ شگفتہ اگر بہادری اور جی داری سے کام لیتے ہوئے وہاں سے دوسری طرف چلی جاتی تو شیر اسے کچھ بھی نہ کہتا۔ شیر اب بھی اسے کچھ نہیں کہہ رہا تھا۔

شیر نے شکنتلا کے چہرے کو سونگھا اور منہ اوپر اٹھا کر ایک بھرپور انگڑائی لی اور چپکے سے قدم قدم چلتا جنگل میں ایک طرف چلا گیا۔ دن نکل آیا تھا۔ دھوپ درختوں میں سے چھن کر آ رہی تھی۔

شکنتلا ابھی تک بے ہوش پڑی تھی۔ شیر کے وہاں سے چلے جانے کے بعد پرندے بھی درختوں پر واپس آ گئے اور انہوں نے شاخوں میں چہچہانا شروع کر دیا۔

ان کے شور سے شکنتلا کو ہوش آ گیا۔

پہلی بار تو اسے خیال آیا کہ وہ مر چکی ہے۔ شیر نے اسے کھا لیا تھا اور وہ جنت کے باغ میں آ گئی ہے۔ جہاں خوبصورت پرندے درختوں پر گیت گا رہے ہیں۔ مگر جب اس نے دیکھا کہ وہ اسی جنگل میں لیٹی ہے جہاں اس نے شیر کو دیکھا تھا تو وہ سمجھ گئی کہ ابھی وہ زندہ ہے۔

اب وہ یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ شیر وہاں بیٹھا ہے یا نہیں؟ اس نے

چپکے چپکے سر اٹھا کر دیکھا۔ شیر وہاں سے جا چکا تھا۔

شکنتلا کی جان میں جان آئی۔

وہ آہستہ سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ چاروں طرف جنگل میں کوئی شیر نہیں تھا۔

شکنتلا نے خدا کا شکریہ ادا کیا کہ وہ شیر کے حملے سے زندہ بچ گئی۔ شیر نے اس پر حملہ نہیں کیا تھا۔ اگر وہ حملہ کر دیتا تو اس وقت شکنتلا کی ہڈیاں وہاں پڑی ہوتیں۔

وہ کھڑی ہو گئی اور اس نے ایک بار پھر چاروں طرف دیکھا اور جنگل میں ایک طرف کو چلنے لگی۔ وہ تیز تیز چل رہی تھی۔ اس ڈر سے کہ کہیں شیر دوبارہ وہاں سے نکل کر نہ آ جائے۔ وہ جتنی جلدی ہو سکے وہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی۔

دن کا اجالا پھیل جانے کی وجہ سے جنگل میں ہر شے صاف نظر آ رہی تھی۔ یہاں شکنتلا نے تالاب دیکھے جن کی سطح پر کائی جمی ہوئی تھی اور

کناروں پر گلابی رنگ کے کنول کھلے ہوئے ایک سانپ شکنتلا کے
پاؤں کے قریب سے ہو کر تیزی سے گزر گیا۔ شکنتلا تڑپ کر پرے
ہٹ گئی۔ اگر وہ پھرتی نہ کرتی تو ہو سکتا تھا کہ سانپ اسے کاٹ کھاتا۔

اب ہم شکنتلا کو اسی جنگل میں چھوڑتے ہیں اور ذرا عنبر کی خبر
لیتے ہیں کہ وہ کس حالت میں ہے۔۔۔۔۔۔۔۔

جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں۔ عنبر نے جنگل کے ہاتھی کو ہلاک کر دیا تھا
اور قبیلے کی سردارنی نے اس کے ساتھ شادی کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اور قبیلے
کا سردار بن جائے اور پھر ان لوگوں کی مدد سے شکنتلا کو جنگل میں
تلاش کروائے اور اس کے بعد اسے ساتھ لے کر یہاں سے فرار ہو
جائے۔ لیکن قبیلے کا وزیر کا دشمن بن گیا تھا۔ اس نے رات کو عنبر کو
ہلاک کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس لیے کہ وہ خود سردارنی سے بیاہ رچانا
چاہتا تھا۔ اس بے وقوف کو یہ خبر نہیں تھی کہ عنبر نہیں مر سکتا۔

عنبر سردارنی کی طرف سے دی گئی ایک خاص جھونپڑی میں بڑے
خوبصورت تخت پر لیٹا شکنتلا، ماریا اور ناگ کے بارے میں غور کر رہا
تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس کی زندگی بھی کیا زندگی ہے کہ ہر روز ایک نئی
مصیبت ایک نئی مشکل سامنے آن کھڑی ہوتی تھی اور وہ اس کا مقابلہ
شروع کر دیتا ہے۔ ویسے عنبر کو مشکلات کا مقابلہ کرنے میں مزا آتا تھا
لیکن شکنتلا گم ہو جانے سے وہ بہت پریشان تھا۔ کم از کم اسے اتنی تو
خبر ہوتی کہ شکنتلا فلاں جگہ پر ہے۔ اسے تو شکنتلا کے بارے میں کچھ
بھی معلوم نہیں تھا۔ وہ پہلو بدل رہا تھا۔ اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔
جھونپڑی میں ایک جانور کی چربی کا چراغ جل رہا تھا۔
ٹھیک اس وقت وزیر کا بھیجا ہوا ایک خاص آدمی خنجر ہاتھ میں لیے
جھونپڑی کے باہر پہنچ کر اندر دیکھا۔ عنبر جاگ رہا تھا۔
وحشی اس کے سونے کا انتظار کرنے لگا۔

عنبر اس گھناؤنی سازش سے بے خبر تھا کچھ دیر وہ شگفتہ اور ماریا وغیرہ کے بارے میں سوچتا رہا۔ پھر اس نے آنکھیں بند کرلیں اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔ اسے نیند نہیں آرہی تھی۔ پھر بھی وہ سونے کی کوشش کرتے ہوئے لیٹا رہا۔

باہر کھڑے ہوئے وحشی نے جب دیکھا عنبر سو گیا ہے تو وہ چپکے سے خنجر ہاتھ میں لیے جھونپڑی کے اندر آگیا۔ جھونپڑی کے دروازے کے باہر جو پہرہ دار تھا وہ بھی سو رہا تھا۔ وحشی جھونپڑی میں داخل ہو کر ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ تسلی کرنا چاہتا تھا کہ عنبر جاگ تو نہیں رہا اصل میں عنبر کی اس وقت سچ مچ آنکھ لگ گئی تھی اور وہ سو گیا تھا۔ وحشی دبے پاؤں عنبر کے تخت کی طرف بڑھا۔

عنبر بے خبر ہو کر سو رہا تھا۔

وحشی نے عنبر کے چہرے پر جھک کر دیکھا وہ ہلکے ہلکے خراٹے لے رہا

تھا۔ وحشی کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں شکار اس کے جال میں آگیا تھا۔ وزیر نے اس شخص کو بکریاں دینے کا لالچ دے کر عنبر کے قتل پر راضی کیا تھا۔ اسے خوشی تھی کہ عنبر کو مار کر وہ سات بکریاں حاصل کر سکے گا اور بڑے مزے سے روز اس کا دودھ پیا کرے گا۔ وحشی نے پوری طاقت سے خنجر والا ہاتھ اٹھایا اور پوری طاقت سے خنجر کے دل میں گھونپ دیا۔ عنبر کو ایک جھٹکا سا لگا۔ اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے دیکھا کہ ایک وحشی اس پر جھکا مسکرا رہا ہے اور خنجر اس کے سینے میں گھسا ہوا ہے۔ عنبر جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔

وحشی جلدی سے پرے ہٹ گیا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک آدمی کے سینے میں خنجر لگے اور وہ اٹھ کر بیٹھ جائے؟ وحشی کے لیے یہ عجیب و غریب بات تھی جسے وہ اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہا تھا۔ عنبر کے جسم سے کوئی خون نہیں نکل رہا تھا۔ اس کے جسم پر کوئی زخم بھی نہیں آیا تھا۔ عنبر

نے اپنے سینے میں سے خنجر نکال کر ہاتھ میں لے لیا اور وحشی کا ہاتھ اپنی طرف کھینچا۔ وہ زمین پر گر پڑا۔

عنبر نے خنجر اس کے منہ پر لہرا کر کہا:

"بول تو یہاں کس کے حکم سے آیا ہے؟"

وحشی کو اچھی معلوم تھا کہ اگر اس نے وزیر کا نام لے لیا تو وہ اسے ہرگز زندہ نہیں چھوڑے گا۔ اس نے وہاں سے بھاگنے کا فیصلہ کر لیا۔ کہنے لگا۔

"ابھی بتاتا ہوں پہلے مجھے پانی پلاؤ۔"

عنبر پانی لینے کے لیے دوسری طرف ہٹا ہی تھا کہ وحشی نے ایک چھلانگ لگائی اور جھونپڑی سے نکل کر جنگل کے اندھیرے میں گم ہو گیا۔

عنبر اسے دیکھتا ہی رہ گیا؛ بہر حال وہ اس کی شکل پہچان سکتا تھا۔ اس

نے سوچا کہ صبح اٹھ کر وہ سردارفی سے بات کرے گا۔

اور وحشی کو پہچان کر سزا دلوائے گا۔ عنبر تخت پر دوبارہ لیٹ گیا اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔

وحشی رات کے اندھیرے میں دوڑتا ہوا سیدھا وزیر کے جھونپڑے میں پہنچا۔ وزیر پہلے ہی سے اس کا انتظار کر رہا تھا۔ وحشی اندر داخل ہوا تو وزیر نے جھونپڑی کا دروازہ بند کر لیا اور اس سے پوچھا:

"کیا تو نے میرے دشمن کو قتل کر دیا؟"

وحشی نے سر ہلا کر کہا:

"نہیں میرے آقا!"

وزیر نے گرج کر پوچھا:

"کیوں؟"

وحشی بولا:

"وہ انسان نہیں کوئی دیوتا ہے آقا۔"

"کیا مطلب؟" وزیر نے پوچھا۔

وحشی کہنے لگا:

"مطلب یہ میرے آقا کہ میں نے پوری طاقت سے خنجر اس کے سینے میں عین دل میں اتارا تھا مگر وہ پھر بھی زندہ رہا۔ اسے کچھ بھی نہیں ہوا نہ اس کے جسم سے کوئی خون بہا اور نہ اس کے سینے پر کوئی زخم لگا۔ میری آنکھوں کے سامنے اس نے خنجر اپنے سینے سے کھینچ لیا۔ اور پھر مجھے پکڑ لیا۔"

وزیر نے فکر ہو کر کہا:

"تم نے اسے کچھ بتایا تو نہیں؟"

وحشی بولا:

"میں وہاں موقع پا کر بھاگ آیا ہوں۔ مگر اس نے میری شکل اچھی

طرح دیکھ لی ہے۔ اب وہ صبح سردارنی کو سب کچھ بتا دے گا آقا اور سردارنی مجھے شیر کے آگے ڈال دے گی۔ مجھے بچائیے۔ میری زندگی آپ کے ہاتھ میں ہے۔"

تم ابھی اس وقت یہاں سے بھاگ جاؤ اور دریا پار دوسرے قبیلے میں پہنچ جاؤ۔ وہاں میرا بھائی رہتا ہے۔ تم اسے جانتے ہو۔ وہ تمہیں بھی جانتا ہے۔ اسے سب کچھ بتا دینا۔ میں اس کی مدد سے اس قبیلے پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔ میرے بھائی سے کہنا کہ ابھی وہ کچھ دیر انتظار کرے چلو' جلدی بھاگ جاؤ ابھی رات باقی ہے۔ نہیں تو صبح ہو جائے گی اور پھر تمہارا بچنا میرے لیے مشکل ہو جائے گا۔"

وحشی اٹھ کر جنگل کے اندھیرے میں گم ہو گیا۔

وزیر دیر تک جھونپڑی میں ٹہلتا رہا اور وہ بچ جائے؟ کہیں یہ عنبر سچ مچ جادوگر تو نہیں ہے؟ ضرور وہ جادوگر ہے۔ ورنہ ایسا کبھی نہیں کر سکتا۔

اس نے جادو کے زور سے اپنی جان بچائی ہے۔ پھر اسے کس طرح
ہلاک کیا جائے؟ کیا اسے اجازت دے دی جائے کہ وہ سردارنی سے
شادی کر لے؟ اب تو پانی سر سے گزر گیا ہے۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔
صبح ہو گئی۔ شادی کی تیاریاں زور شور سے شروع ہو چکی تھیں۔
دن نکلتے ہی عنبر نے سب سے پہلی بات سردارنی کو یہ بتائی کہ رات
اس کے قبیلے کے ایک آدمی نے اس پر قاتلانہ حملہ کیا تھا۔ سردارنی
غصے میں آ گئی!
"کون ہے وہ بد بخت جس نے تم پر حملہ کرنے کی جرات کی؟ کیا تم
اسے پہچان لو گے؟"
"ہاں‘ میں سے پہچان لوں گا۔"
سردارنی نے قبیلے کے سارے آدمیوں کو ایک قطار میں کھڑا کر دیا۔
عنبر ایک ایک وحشی کو غور سے دیکھنے لگا۔ وہ ساری قطار کے آگے سے

گزر گیا۔ لیکن جس آدمی نے اس پر حملہ کیا تھا وہ وہاں موجود نہیں تھا۔
سردارنی نے پوچھا:
"کیا قاتل نہیں ملا؟"
عنبر نے کہا:
"سردارنی میرا قاتل ان لوگوں میں نہیں ہے۔ وہ ضرور یہاں سے
فرار ہو چکا ہے۔"
سردارنی نے کہا:
"ابھی پتہ چل جاتا ہے کہ کون آدمی غائب ہوا ہے۔"
سردارنی نے جب پتہ چلایا وحشیوں کی پڑتال کی تو معلوم ہوا کہ ایک
وحشی کم ہے۔ وہ قبیلے کو چھوڑ کر بھاگ چکا تھا۔ سردارنی غصے سے پیچ و
تاب کھاتی رہ گئی۔ وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ لیکن وہ بڑی حیران تھی کہ عنبر
پر حملہ اس شخص نے کس لیے کیا؟

اسے کیا ضرورت تھی کہ سردارنی کے ہونے والے دولہا کو وہ ہلاک
کرے؟

عنبر نے کہا:

"میرا خیال ہے کہ کسی نے اسے اس کام کے لیے بھیجا تھا۔"

سردارنی نے تڑپ کر پوچھا:

"کون ہوسکتا ہے میرا دشمن؟ اس کا نام لو۔ میں ابھی اس کا خون پی
جاؤں گی۔"

عنبر کو وزیر کو پہلے ہی شک تھا۔ لیکن اس نے اس کا نام لینا مناسب نہ
سمجھا۔ کیونکہ اس کے پاس ثبوت کوئی نہیں تھا۔

اس نے سردارنی سے کہا:

"میں کسی کا بھی نام نہیں لے سکتا سردارنی۔"

سردارنی نے کہا:

"بہر حال میں اس شخص کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔"

اس نے چند ایک وحشیوں کو حکم دیا کہ جنگل جنگل گھوم کر قاتل کو تلاش
کیا جائے اور اس کا سر کاٹ کر اس کی خدمت میں پیش کیا جائے۔

اس کام سے فارغ ہو کر سردارنی نے عنبر سے کہا:

"آج ہماری تمہاری شادی ہو جائے گی۔ تم اس قبیلے کے سردار بن
جاؤ گے پھر تمہیں ہمارے قبیلے میں ہی رہنا اور مرنا ہوگا۔۔۔"

عنبر کو چونکہ شکنتلا کو تلاش کرنے کی غرض تھی اور وہ اسی لیے قبیلے کا
سردار بننا چاہتا تھا۔ اس لیے اس نے سردارنی سے کہا:

"یہ میری خوش قسمتی ہے سردارنی کہ تم مجھے قبیلے کا سردار چن رہی ہو۔
پھر بھلا مجھے کیا ضرورت ہے کہ یہاں سے بھاگوں؟ ایسی اچھی زندگی
مجھے اور کہاں ملے گی؟ اور پھر میرا اس دنیا میں کون ہے جس کے پاس
بھاگ کر میں جاؤں گا۔"

سردارنی نے خوش ہو کر کہا:

"شاباش مجھے تم سے یہی امید تھی۔ اچھا اب ایک بات بتاؤ گے؟"

"کیا"؟

سردارنی غور سے گھورتے ہوئے پوچھا:

"کیا تمہارے پاس کالا جادو ہے؟"

عنبر نے مسکرا کر کہا:

"اسکا جواب میں وقت آنے پر دوں گا سردارنی۔"

سردارنی خاموش ہوگئی۔ اس نے سوچا کہ وہ پھر کبھی اس سے یہ بات پوچھ لے گی۔ اب تو عنبر نے ساری زندگی اسی قبیلے میں بسر کرنی ہے پھر کسی وقت سہی۔۔۔ اسی زور عنبر کی سردارنی سے شادی ہوگئی اور وہ اس قبیلے کا سردار بن گیا۔

وزیر غصے سے تلملا ہی رہ گیا۔

شیر آیا تھا

اب ذرا شکنتلا کی خبر لیں کہ وہ کس حال میں ہے؟

ہم اسے جنگل میں چھوڑ آئے تھے۔ دن چڑھ آیا تھا۔ درختوں کے اوپر دھوپ تھی۔ درختوں کے نیچے بہت کم دھوپ پہنچ رہی تھی۔ اس لیے کہ درختوں کی شاخیں بہت گھنی تھیں۔ شکنتلا بے چاری آگے ہی آگے بڑھتی چلی جارہی تھی۔ نہ اسے راستے سے واقفیت تھی نہ اسے یہ خبر تھی کہ وہ کہاں جارہی ہے۔ بس وحشیوں ڈر سے چلی جارہی تھی۔

یہ جنگل ہر قسم کے جنگلی درندوں سے بھرا ہوا تھا۔ ابھی وہ شیر کی مصیبت

سے بچی تھی کہ اب اسے جنگل میں سوچنے لگی کہ آواز کدھر سے آئی تھی
؟ دوسری بار ہاتھی چنگھاڑا تو بالکل قریب سے آواز آئی سوائے درخت
پر چڑھ کر جان بچانے کے اور کوئی چارہ نہیں تھا۔

اس نے ایک درخت کو دیکھا جس کی ٹہنیاں بہت جھکی ہوئی تھیں لپک
کر اس درخت پر چڑھ گئی۔ اور پتوں میں اپنے آپ کو چھپا لیا اب
وہ ہاتھی کی راہ دیکھنے لگی کہ کم بخت وہاں سے گزر جائے تو وہ اتر کر
آگے چلے۔ ہاتھی شاید کسی جگہ گھاس کھانے کے لیے رک گیا تھا۔
جنگل میں سوائے پرندوں کے چہچہانے کے اور کسی کی آواز سنائی نہیں
دے رہی تھی۔ ہاتھی ایک بار پھر چنگھاڑا اور پھر وہ درختوں میں سے
نکل کر سامنے آگیا۔ شکنتلا نے اسے شاخوں میں سے دیکھا تو اس کا
دل خوف سے دھڑکنے لگا۔

کم بخت بڑا اونچا لمبا ہاتھی تھا۔ دھپ دھپ زمین پر پاؤں مارتا چلا

آرہا تھا۔ اب جو شکنتلا نے دیکھا تو اس کا خون خشک ہو گیا۔ اس ہاتھی
کے پیچھے ایک اور ہاتھی چلا آرہا تھا۔ جو شاید ہتھنی تھی۔ دونوں اس
درخت کے نیچے آکر کھڑے ہو گئے جس کے اوپر شکنتلا نے پناہ لے
رکھی تھی ہاتھی نے سونڈ بڑھا کر درختوں پر سے ٹہنیاں نوچ نوچ کر
کھانی شروع کر دیں۔ شکنتلا ڈرنے لگی کہ اگر ہاتھی نے اس کے
درخت کی شاخیں نوچنا شروع کر دیں تو وہ اسے نظر آجائے گی اور
ہاتھی تو پھر اسے کبھی نہیں چھوڑتے گا۔ وہ دل میں خدا سے دعا کرنے
لگی کہ وہ اسے اس مصیبت سے بچائے۔

ہاتھی درختوں کے پتے نوچ رہا تھا۔ ہتھنی چپ چاپ کھڑی اپنی سونڈ
ہلا رہی تھی اچانک اس نے سونڈ اوپر اٹھا کر فضا میں کچھ بو سونگھی اور
پھر ایک خاص انداز میں چنگھاڑی ہاتھی بھی چوکنا ہو گیا۔ اس نے سونڈ
میں جو ٹہنی پکڑی ہوئی تھی۔ وہ نیچے پھینک دی اور رخ موڑ کر اس

طرف دیکھنے لگا جدھر اس کی ہتھنی دیکھ رہی تھی۔ شکنتلا بھی خبردار ہو گئی اس نے سوچا کہ ضرور کوئی عجیب و غریب بات ہونے والی ہے۔

اتنے میں جنگل میں ریچھ کی آواز سنائی دی ان آواز میں وحشی پن تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ ریچھ پاگل ہو کر ادھر نکل آیا ہے تھوڑی دیر وہاں گہری خاموشی رہی۔ دونوں ہاتھی اور ہتھنی چپ چاپ جدھر سے ریچھ کی آواز آئی تھی ادھر تکتے رہے۔ شکنتلا بھی اسی طرف دیکھ رہی تھی۔

اچانک بھورے رنگ کا ایک ہٹا کٹا پلا ہوا ریچھ اپنی گردن مارتا جھاڑیوں میں سے نکلا اور ہاتھی اور ہتھنی کو سامنے دیکھ کر اسی جگہ ٹھٹھک گیا۔ اسے توقع نہیں تھی کہ ہاتھی سے اتنی جلدی سامنا ہو جائے گا۔ پھر اسے یہ بھی امید نہیں تھی کہ ساتھ ہتھنی سے بھی مقابلہ کرنا ہوگا۔ لیکن ریچھ نے لڑنے مرنے کا کسی بات پر ڈٹ جائے تو پھر اس کی لاش ہی پیچھے ہٹائی جا سکتی ہے۔ ریچھ کو کوئی پیچھے نہیں ہٹا سکتا۔

چنانچہ یہ ریچھ بھی دو ہاتھی دیکھنے کے باوجود ڈٹ گیا اور مقابلے کے لیے تیار ہو گیا۔ اب سوال یہ تھا کہ دیکھیں پہلے حملہ کون کرتا ہے۔

شکنتلا درخت کی شاخوں می دبکی بیٹھی یہ سارا تماشہ دیکھ رہی تھی۔ اتنے میں ہتھنی پیچھے ہٹ گئی اور ہاتھی نے سونڈ اوپر اٹھا کر زور سے چنگھاڑ ماری اور ریچھ کی طرف بڑھا۔ ہاتھی یہ چاہتا تھا کہ ریچھ کو اپنی سونڈ میں لپیٹ کر پاؤں اوپر رکھ کر چیر ڈالے اور ریچھ اس فکر میں تھا کہ موقع ملتے ہی اپنے لمبے لمبے ناخنوں سے ہاتھی کا پیٹ ادھیڑ ڈالے یا اس کی سونڈ کو کاٹ کر رکھ دے۔

ہاتھی پہل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے آگے بڑھ کر سونڈ کو گھما کر ہزاروں من طاقت کا مکا ریچھ کی کمر پر مارا۔ مگر چالاک ریچھ پھرتی سے ہاتھی کے نیچے آ گیا ہاتھی دوسری بار حملہ کے لیے آگے بڑھا تو ریچھ چکر دے کر ہاتھی کے نیچے آ گیا۔ نیچے آتے ہی اس نے بڑی

چھرتی سے ہاتھی کے پیٹ میں اپنے لمبے لمبے ناخن مارنے شروع کر
دیے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہاتھی کا سارا پیٹ پھٹ گیا اور ساری انتڑیاں
وغیرہ نکل کر باہر زمین پر ڈھیر ہو گئیں ہاتھی نے زور کی چیخ ماری ہتھنی کو
اپنی مدد کے لیے بلایا۔ لیکن شاید ہتھنی اس کے مرنے کا انتظار کر رہی
تھی۔

ہتھنی پیچھے گئی۔ ہاتھی نے ریچھ کو اپنی سونڈ میں پکڑنا چاہا مگر خون بہہ جا
نے اور پیٹ پھٹ جانے سے وہ بے حد کمزور ہو گیا تھا۔ وہ لڑکھڑایا۔
ریچھ نے پیچھے سے آکر ہاتھی کی سونڈ پر اس زور سے پنجہ مارا کہ وہ کٹ
کر دور جا گری۔ اب ہاتھی بے بس ہو چکا تھا۔ وہ دھڑام سے زمین پر
گر پڑا۔ ریچھ نے حملہ کر کے ہاتھی کی دونوں آنکھیں اور منہ چیر ڈالا
ہاتھی کی دردناک چیخ سے جنگل گونج اٹھا۔ اب ہتھنی سے نہ رہا گیا۔
اس نے سونڈ اوپر اٹھا کر ایک وحشیانہ چیخ ماری اور پہاڑ کی طرح

آگے بڑھ کر ریچھ کو اپنی سونڈ میں لپیٹ لیا۔ ریچھ کو بھی امید نہیں تھی کہ
ہتھنی ایک دم سے اس پر حملہ کر دے گی۔ وہ بڑے مزے سے ہاتھی کا
چہرہ نوچ رہا تھا کہ ہتھنی نے پیچھے سے آکر اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا
ہتھنی نے ریچھ کو سونڈ میں لپیٹے لپیٹے اوپر اٹھا لیا۔ ریچھ نے اس کی سونڈ
پر بھی ناخنوں کے بلیڈ چلانے شروع کر دیے۔ ہتھنی کی سونڈ سے خون
کی دھاریں جاری ہو گئیں۔ ہتھنی نے ریچھ کو چھوڑ دیا۔ ریچھ نیچے گرتے
ہی جنگل کی طرف بھاگا۔ مگر ہتھنی اس سے اپنے ہاتھی کا بدلہ لینا چاہتی
تھی۔

ریچھ اس کے چنگل سے نکل کر اتنی آسانی سے نہیں بھاگ سکتا تھا۔

ہتھنی نے لپک کر ریچھ کی پیٹھ پر زور سے سونڈ کا مکا مارا۔

ریچھ زمین پر لوٹنیاں کھانے لگا۔ ریچھ نیچے گرا ہی تھا کہ ہتھنی نے اس
کے اوپر اپنا بھاری بھرکم پاؤں رکھ کر اسے پوری طاقت سے دبا دیا۔

ریچھ کی آخری چیخ نکلی اور وہ مر گیا۔ ہتھنی کا جوش ابھی ٹھنڈا نہیں ہوا تھا اس نے مرے ہوئے ریچھ کو اپنے پاؤں کے ساتھ دبا دیا۔ وہ زمین میں دب گیا۔ ہتھنی جنگل میں غائب ہو گئی شگفتہ درخت سے نیچے اتر گئی اور دریا کے ساتھ چلنے لگی۔ چلتے چلتے اس کو ایک کشتی نظر آئی۔

اس نے خدا کا شکر ادا کیا۔ اور اس پر سوار ہو گئی۔ دریا میں ابھی تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی۔ کہ ایک مگرمچھ شگفتہ کی کشتی کا پیچھا کرنے لگا۔ شگفتہ نے دیکھا کہ ایک سیاہ مگرمچھ کو اپنا بھیانک منہ کھولے کشتی کا پیچھا کرتے دیکھا۔ اس نے اپنے آپ کو کشتی کے اندر چھپا لیا۔

مگرمچھ نے دیکھا کہ اس کا شکار غائب ہو گیا۔ خون خوار درندے کو عقل نہیں تھی کہ وہ کشتی کے اندر بھی جھانک سکتا۔ کچھ دور تک کشتی کا پیچھا کرنے کے بعد وہ واپس مڑ گیا۔ شگفتہ نے کافی دور جا کر سر اٹھا کر دریا میں دیکھا۔ مگرمچھ کہیں نہیں تھا۔ اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس

بلا سے نجات ملی۔ کشتی دریا کی لہروں پر بہتی جا رہی تھی۔

خدا جانے ہی دریا کہاں جا کر نکلتا تھا کہاں جا کر سمندر میں گرتا تھا یا کسی دوسرے کے ساتھ شامل ہو جاتا تھا۔

شگفتہ کو اتنا ضرور معلوم تھا کہ وہاں سے سمندر زیادہ دور نہیں ہے وہ سوچ کر کانپ گئی کہ اگر دریا کے ساتھ وہ بھی سمندر میں آن گری تو پھر کیا ہوگا؟ سمندر میں وہ اس چھوٹی سی کشتی پر بہت جلد تباہ ہو کر ڈوب جائے گی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ مگر وہ سخت جان ہو گئی تھی اور اب اس میں کافی ہمت پیدا ہو چکی تھی۔ اوپر تلے مصیبتیں اٹھانے سے اس میں اتنی صلاحیت پیدا ہو گئی تھی کہ مصیبت میں بھی سوچ سکے

اس نے اب کوشش شروع کی کسی طرح وہ دریا کے دوسرے کنارے پر پہنچ جائے۔ یہ کام سوائے چپو کے نہیں ہو سکتا تھا۔ وہاں چپو وہ کہاں لاتی۔ اس نے ہاتھوں سے چپوؤں کا کام لینے کا فیصلہ کر لیا۔ شگفتہ نے

اپنا ایک ہاتھ پانی میں ڈال کر اسے چپو کی طرح چلانا شروع کر دیا۔
شگفتا کا ایک ہاتھ تھک گیا تو اس نے دوسرے ہاتھ چپو بنا لیا۔ دن
ڈھل رہا تھا کہ اس کی کشتی دریا کے دوسرے کنارے کے پاس آ گئی۔
شگفتا بے حد تھک چکی تھی اسکے دونوں ہاتھ شل ہو چکے تھے۔
اب شگفتا کو یہ ڈر تھا کہ لہریں اسے دوبارا بہا کر دریا کے بیچ میں نہ
لے جائیں؛ چنانچہ اس نے جلدی سے کشتی میں سے دوسرے
کنارے پر چھلانگ لگا دی۔ کشتی اسے کنارے پر پہنچا کر دریا میں
بہتی ہوئی دور نکل گئی۔ کنارے پر آتے ہی شگفتا زمین پر لیٹ گئی وہ
اس قدر تھک گئی تھی کہ اس سے اٹھا بھی نہیں جا رہا تھا۔ وہ کافی دیر تک
لیٹ رہی پھر وہ اٹھ کر دریا کا تازہ میٹھا پانی پیا۔ منہ ہاتھ دھویا اور
گھاس پر بیٹھ کر سوچنے لگی کہ اب کدھر کو جائے؟
دریا کے اس کنارے سے آگے چھوٹے چھوٹے ٹیلے شروع ہو جاتے

تھے جن پر جھاڑیاں اور درخت اگے ہوئے تھے۔ یہ ٹیلے جہاں تک
نظر کام کرتی تھی بکھرے ہوئے تھے۔ شام سر پر آ رہی تھی۔
شگفتا کو اب رات بسر کرنے کے لیے کسی ٹھکانے کی تلاش تھی۔
چھوٹے چھوٹے ٹیلوں کے جس جنگل میں وہ سفر کر رہی تھی۔ وہاں
جھاڑیاں بہت کم تھیں۔ زمین پر گھاس بے تحاشا اگی ہوئی تھی۔ شام
پڑ جانے کی وجہ سے گھاس کے اندر جھینگر اور درختوں پر پرندے بول
رہے تھے۔ شگفتا کو سب سے زیادہ ڈر اس بات کا تھا کہ کہیں کوئی
سانپ گھاس میں سے نہ نکل آئے گرمی اور حبس بھی بڑھ گیا تھا۔
درختوں میں اندھیرا چھا گیا۔
پرندوں نے شاخوں میں بسیرا کر لیا اور خاموش ہونے لگے۔ آسمان
کہیں کہیں درختوں میں سے نظر آتا تھا۔ جہاں اکا دکا تارے
جھلملانے لگے تھے۔ شگفتا کسی درخت پر ہی رات بسر کرنا چاہتی تھی۔

اس طرح وہ جنگلی درندوں سے بچ سکتی تھی۔ مگر یہاں درخت اونچے اونچے تھے۔ شگفتہ چلتے چلتے وہ تھک بھی گئی تھی اور رات کے وقت جنگل میں زیادہ چلنا ویسے بھی ٹھیک نہیں تھا۔

کیونکہ رات کو ہی جنگلی جانور اور درندے پانی اور خوراک کی تلاش میں نکلا کرتے ہیں۔

شگفتہ پریشان ہوگئی۔ اسے کوئی جگہ ایسی نہیں مل رہی تھی جہاں رات بسر کر سکے اس کی نظر ایک چٹان کی طرف گئی۔ یہاں ایک جگہ اسے غار سا نظر آیا۔ قریب جا کر اس نے دیکھا کہ یہ ایک چھوٹا سا کھوہ تھا۔ جس میں لیٹنے کی جگہ تھی۔ شگفتہ نے اس کھوہ میں رات بسر کرنے کا فیصلہ کرلیا اس نے تھوڑی سی گھاس زمین پر بچھا دی اور کھوہ میں داخل ہو کر اس کا منہ جھاڑیوں سے بند کر دیا۔

یہاں تھوڑی تھوڑی ٹھنڈک تھی اور مچھر بھی نہیں تھے۔ شگفتہ چپکے سے

گھاس پر لیٹ گئی۔

رات گزرنے لگی۔ جنگل میں آہستہ آہستہ خاموشی چھا گئی۔ درختوں پر بیٹھے پرندے بھی سو گئے رات آدھی گزر گئی۔ شگفتہ کو نیند نہیں آ رہی تھی کیوں کھوہ کے اندر کچھ مچھر آ گئے تھے۔ جو شگفتہ کو سونے نہیں دے رہے تھے۔ اس نے اپنے آپ کو ساڑھی میں لپیٹ لیا اور سونے کی کوشش کرنے لگی وہ دن بھر کی تھکی ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ اونگھنے لگی۔ پھر اسے نیند آ گئی۔

جنگل میں رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ ہر طرف گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ دور جنگل کبھی کبھی کسی الو کی بھیانک آواز گونج جاتی تھی۔

پھر ایسا ہوا کہ الو بولتے بولتے ایک دم رک گیا۔ ساتھ ہی جنگل میں کسی شیر نے ایک دھاڑ ماری۔ ایسا لگتا تھا کہ شیر بھوکا ہے اور شکار کی تلاش میں نکلا ہے۔ شگفتہ کھوہ کے اندر گہری نیند میں کھوئی ہوئی تھی۔

شیر کی دھاڑ سے ڈر کر ہرن جھاڑی میں سویا ہوا ہڑ بڑا کر اٹھا اور ایک طرف اٹھ کر دوڑا۔

شیر ہرن کے پیچھے لپکا ہرن چوکڑیاں بھرتا جنگل میں بھاگنے لگا۔ مگر وہ بھاگنے کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ ہرن اس طرف بھاگا چلا آ رہا تھا۔ جدھر شگفتا کھوہ کے اندر سوئی تھی۔ وہاں سے تھوڑی دور پیچھے شیر نے چھلانگ لگائی اور وہ ہرن کے اوپر جا گرا۔ گرتے ہی شیر نے ہرن کی گردن کو منہ میں لے کر زور سے جھٹکا دیا۔ ہرن کی گردن ٹوٹ گئی۔

شیر نے وہیں شکار کا خون پی کر تھوڑا گوشت کھا کر پیٹ بھرا اور ہرن کی ادھ کھائی لاش کو چھپانے کے لیے کسی مناسب جگہ کی تلاش میں اسے منہ میں لے کر آگے چل پڑا۔

وہ کوئی ایسی محفوظ جگہ ڈھونڈ رہا تھا۔ جہاں ہرن کی لاش کو پتوں میں چھپا کر رکھ دے تا کہ اگلے روز پھر آ کر ہرن کے گوشت سے اپنا پیٹ

بھرے۔

ہرن کی لاش کو گھسیٹتے ہوئے شیر اس کھوہ کے پاس آ گیا۔ جس کے اندر شگفتا سو رہی تھی۔ شیر نے کھوہ کے باہر جھاڑیوں میں لاش کو چھپایا اور خود واپس اپنی کچھار کی طرف چلا گیا۔ شگفتا گہری نیند میں سوئی ہوئی تھی۔ رات ڈھلنے لگی پو پھٹ گئی۔ درختوں پر پرندے چہچہانے لگے۔ پھر سورج نکل آیا۔ سارے جنگل میں صبح کی روشنی پھیل گئی۔ پرندوں کی آوازوں سے شگفتا کی آنکھ کھل گئی۔

وہ انگڑائی لے کر منہ ہاتھ دھونے کے لیے کھوہ سے باہر نکلی تو اچانک اس کی نظر ہرن کی ادھ کھائی لاش پر پڑی۔ وہ ٹھٹھک گئی۔ لاش پر شیر کے پنجوں کے نشان صاف نظر آ رہے تھے۔

تو کیا رات کو وہاں شیر آیا تھا؟ شگفتا کا دل خوف دھڑکنے لگا۔

آگے کیا ہوا۔۔۔؟

عنبر سے شگفتا کی ملاقات کہاں ہوئی؟

شگفتا اس جنگل سے نکل کر کہاں جا پہنچی؟

ماریا اور ناگ چین سے چل کر کدھر گئے؟

اس کے لیے اسی ناول کی اگلی قسط ۳۶ ویں قسط

''پراسرار پالکی'' ملاحظہ فرمائیں

عنبر ناگ ماریا
قسط ۔ ۳۶
پراسرار پالکی
اے حمید

فہرست

سنو پیارے بچو

عنبر وحشی سردارنی کے قبیلے کا سردار بن جاتا ہے۔ سردارنی اس سے شادی کرنا چاہتی ہے مگر عنبر وہاں سے بھاگ جاتا ہے وہ شکنتلا کی تلاش میں نکل کھڑا ہوتا ہے۔ ادھر شکنتلا جنگل میں راستہ بھول گئی ہے۔ وہ ایک شیر کو دیکھتی ہے جو رات کے چھپائے ہوئے ہرن کے گوشت کو جھاڑیوں میں سے باہر نکال رہا ہے۔

ماریا اور ناگ عنبر کی تلاش میں ہندوستان کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔ جنگل میں بڑے پراسرار حالات میں بڑے پراسرار حالات میں عنبر کی شکنتلا سے ملاقات ہوتی ہے اور وہ اسے لے کر راجہ محل کی طرف جاتا ہے۔

پراسرار پالکی

سیاہ بونوں کا سردار

ہرن کی لاش جھاڑیوں میں پڑی تھی۔

شکنتلا یہ سوچ کر کہ رات کو شیر وہاں آیا تھا ڈر گئی۔ وہ وہاں سے بھاگنے کی سوچ رہی تھی کہ ایک دم سے بہت قریب شیر کی دھاڑ گونجی۔ درختوں پر سے پرندے پھڑ پھڑا کر اڑ گئے۔ ایسے لگتا تھا کہ شیر کو پتہ چل گیا ہے کہ اس کا شکار خطرے میں ہے۔ شکنتلا کے لیے اب وہاں سے بھاگنا خطرناک تھا۔ وہ اس جگہ رہنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ شیر ایک بار پھر دھاڑا۔ اس بار اس کی آواز بالکل جھاڑیوں کے پاس ہی سے

آئی تھی۔ شکنتلا جلدی سے کھوہ کے اندر چھپ گئی۔ اس نے جھاڑیوں کی شاخیں اپنے آگے کر لیں اور سہم کر بیٹھ گئی۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ شیر اپنا شکار کھانے آ رہا تھا۔

شکنتلا کو ڈر تھا کہ اگر شیر کی نگاہ اس پر پڑ گئی تو اس کی خیر نہیں ہے۔ وہ ہرن کو چھوڑ کر اسے ہڑپ کر جائے گا۔ ہو سکتا ہے وہ اپنے شکار کے پاس ایک انسان کو دیکھ کر غصے میں بھڑک اٹھے۔ مگر اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ شیر سر پر آن پہنچا تھا۔ شکنتلا نے آہستہ آہستہ سانس لینا شروع کر دیا کہ کہیں اس کے سانس لینے کی آواز سن کر ہی شیر اس کی طرف نہ آ جائے۔ اب جھاڑیوں میں سے شیر باہر آ گیا۔ یہ ایک بڑا ہی دہشت ناک چہرے والا شیر تھا۔ اس کے جبڑے پر ابھی تک ہرن کا خون لگا ہوا تھا۔

شکنتلا نے خوف کے مارے آنکھیں بند کر لیں۔ لیکن آنکھیں

بند کر لینے سے خطرہ ٹل نہیں جایا کرتا۔ خطرہ تو سر پر موجود رہتا ہے۔ اسی لیے عقلمند لوگوں کا کہنا ہے کہ جب خطرہ سر پر آ جائے تو آدمی کو اس کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ اس کی طرف سے آنکھیں بند کر لینے سے الٹا زیادہ نقصان ہوتا ہے۔ شکنتلا نے آنکھیں کھول کر جھاڑیوں میں سے دیکھا۔ شیر بڑے مزے سے ہرن کا بچا کھچا گوشت کھا رہا تھا۔ کبھی کبھی شیر اپنا بھاری سر اٹھا کر جھاڑیوں کی طرف دیکھ لیتا تھا۔ اس وقت شکنتلا سہم کر آنکھیں بند کر لیتی تھی۔ پھر اسے یوں محسوس ہوتا کہ ابھی اس کے سر پر شیر کا پنجہ پڑے گا اور وہ اس کا سر تن سے الگ کر دے گا۔

شیر بڑے مزے سے ہرن کی دعوت اڑاتا رہا۔

درختوں میں سے آتی دھوپ کی کرنیں اس کے زرد کھال والے بدن پر پڑ رہی تھیں۔ شکنتلا کی ساری زندگی راجہ کے محل میں گزری

تھی۔اس نے کبھی کسی شیر کو جنگل میں اپنا شکار کھاتے نہیں دیکھا
تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ وہ ایک زندہ جنگلی شیر کو اپنی آنکھوں کے
سامنے ہرن کا گوشت اڑاتے دیکھ رہی تھی۔شیر دانت مار کر ہرن کے
بدن سے سیر بھر کا ٹکڑا کاٹتا اور پھر اسے بڑے مزے سے چبا کر نگل
جاتا۔شکنتلا کو خیال آیا کہ اگر شیر کی اس پر نظر پڑ گئی اور اس نے جھنجھلا
کر اسے سخت زخمی کر دیا یا مار ڈالا تو پھر کیا ہوگا؟

اس کی لاش کھوہ میں پڑی پڑی مٹی بن جائے گی۔عنبر کو اس کی
کوئی خبر نہیں ہوگی۔پھر وہ اپنے معصوم بچے اور اپنے خاوند راج کنور
سے کبھی نہ مل سکے گی۔اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور وہ دل میں
خدا سے دعا کرنے لگی کہ وہ اسے بچے کی خاطر بچا لے خدا نے اس کی
دعا قبول کر لی تھی۔شیر تھوڑی دیر ہرن کو کھانے کے بعد گردن اٹھا کر
کھڑا ہو گیا اور زبان سے اپنے جبڑے چاٹنے لگا۔وہ گھوم کر پیچھے

ہٹا۔شکنتلا نے سوچا کہ شکر ہے شیر واپس جا رہا ہے۔مگر شیر پھر واپس
پلٹ کر ہرن کی لاش کے پاس آ گیا۔

شکنتلا کی بدقسمتی سے اسے چھینک آ گئی۔جوں ہی اس نے آچھو
کیا۔شیر تڑپ کر پرے ہٹ گیا۔اور حیرت ناک نظروں سے کھوہ کی
طرف دیکھنے لگا۔وہ حیران ہو رہا تھا کہ کس جانور کی آواز کھوہ میں
سے آئی ہے۔شیر زور سے غرایا۔جیسے کہہ رہا ہے کون ہے کھوہ کے
اندر؟ شکنتلا کا تو سارا بدن زرد ہو گیا۔اسے یقین ہو گیا کہ اب اس کی
خیر نہیں ہے۔وہ زمین پر جھک گئی۔اور شیر کے حملے کا انتظار کرنے
لگی۔ادھر شیر گھبرا گیا تھا کہ کھوہ میں سے کس قسم کی آواز آئی ہے؟
شیر نے اس سے پہلے کسی انسان کے چھینکنے کی آواز نہیں سنی تھی۔اس
نے کھوہ کے پاس آ کر جھاڑیوں کو غور سے دیکھا۔سونگھا اور دو تین
زور سے ہاتھ مارے۔

شکنتلا کی تو جان ہی نکل گئی۔ اس کا دم خشک ہو گیا۔ شیر کو کسی انسان کی بو آ رہی تھی۔ مگر چونکہ اس کا پیٹ بھرا ہوا تھا۔ اس لیے شیر نے حملہ نہ کیا۔ صرف غرا کر اور دو ایک بار گرج کر اس نے شکنتلا کو بتا دیا کہ وہ وہاں سے چلی جائے اور کبھی اس طرف نہ آئے۔ شیر تھوڑی دیر وہاں کھڑا رہنے اور غرانے کے بعد ہرن کی لاش کے پنجر کو چھوڑ کر وہاں سے چلا گیا۔ شکنتلا نے کافی دیر بعد آنکھیں کھولیں تو شیر غائب تھا۔

وہ کھوہ سے ڈرتے ڈرتے باہر آ گئی۔

بھوک سے اس کا دم نکلا جا رہا تھا۔ ہرن کے ساتھ ابھی کافی گوشت لگا ہوا تھا۔ شکنتلا بھوک سے نڈھال ہو رہی تھی۔ اس نے ہرن پر جھک کر ہاتھوں سے گوشت کی بوٹیاں نوچیں اور انہیں کچا ہی چبا چبا کر نگل گئی۔ گوشت اگرچہ کچا تھا مگر بھوک بھی بڑی ظالم لگی ہوئی

تھی۔ خوب اچھی طرح پیٹ بھرنے کے بعد شکنتلا کھوہ میں سے باہر نکل آئی۔ اب وہ اپنا سفر دوبارہ شروع کرنا چاہتی تھی۔ اسے ایک ڈر تھا کہ کہیں راستے میں شیر سے ملاقات نہ ہو جائے۔ لیکن اسے معلوم تھا کہ شیر نے پیٹ بھر لیا ہے اب وہ اسے کچھ نہیں کہے گا۔ وہ اونچے اونچے درختوں کے نیچے اگی ہوئی گھاس میں سے گزرتی ہوئی آگے کو روانہ ہو گئی۔

شکنتلا سورج کے حساب سے چل رہی تھی۔ اسے یہ تو یقین تھا کہ وہ اپنے ملک ہندوستان میں ہے۔ اس کی ریاست ہمالیہ پہاڑ کے دامن میں تھی۔ ہمالیہ پہاڑ وہاں سے گھوڑے خچر پر ایک مہینے کے سفر پر تھا۔ اب تو وہ پیدل جا رہی تھی۔ اگر اسے اپنے پیچھے وحشی لوگوں کے تعاقب کا ڈر نہ ہوتا تو وہ کبھی خطرناک جنگل میں پیدل چلنے کا ارادہ نہ کرتی۔ مگر اب تو وہ پیدل چلنے پر مجبور تھی۔ اسے عنبر بھائی کا خیال بھی

تھا کہ خدا جانے وہ کہاں اس کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہوگا۔

ادھر اب ذرا عنبر کی طرف چلتے ہیں۔

یہ تو آپ پڑھ چکے ہیں کہ عنبر وحشی قبیلے کا سردار بن گیا تھا۔ اس نے سردارنی سے کہا کہ اب جب کہ وہ قبیلے کا سردار بن گیا ہے۔ تو اسے اپنی ایک بہن کی تلاش ہے جو اس جنگل میں کھوگئی ہے۔ اس نے کہا۔

”میرا خیال ہے کہ وہ اسی علاقے کے کسی وحشی قبیلے کے ہاتھ آ گئی ہے۔ اس سلسلے میں تم میری کیا مدد کر سکتی ہو؟“

سردارنی نے کہا۔

”اس علاقے میں سیاہ کالے بونوں کا ایک ہی قبیلہ ہے۔ یہ لوگ کسی زمانے میں آدم خور تھے۔ لیکن اب وہ ایسا نہیں کرتے اور صرف ہماری طرح ہاتھی کا گوشت کھاتے ہیں۔ اگر تمہاری بہن ان لوگوں

کے پاس ہوئی تو ہم اسے اپنے ساتھ ہی لے آئیں گے۔ سیاہ بونوں کا سردار میری بہت عزت کرتا ہے“۔

عنبر نے پوچھا۔

”کیا یہ سیاہ بونوں کا سردار تمہارا کوئی عزیز ہے؟“

”نہیں ایسا نہیں ہے۔ ہم لوگ دوستوں کی اپنے رشتے داروں سے بڑھ کر مدد کرتے ہیں۔ تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا کہا اگر تمہاری بہن ان کے پاس ہوئی تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ ہم اسے پھر سے حاصل نہ کریں“۔

عنبر نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔ اگر ایسا ہو سکتا ہے تو میں سیاہ بونوں کے قبیلے میں جانے کو تیار ہوں۔ کیا ہم آج ہی وہاں نہیں جا سکتے؟“۔

سردارنی نے کہا۔

"کیوں نہیں، تم اگر چاہو تو ہم آج ہی بونوں کے سردار سے ملاقات کر سکتے ہیں"۔

"میری خواہش ہے کہ بادشاہ سے آج ہی ملاقات ہو میں تیار ہوں"۔

سردارنی نے اسی وقت سواری کا انتظام کیا اور عنبر سردارنی کو ساتھ لے کر سیاہ بونوں کے قبیلے کی طرف روانہ ہو گیا۔ غلاموں نے ان کے تخت کو کندھوں پر اٹھا رکھا تھا۔ ان کے آگے پیچھے غلام چل رہے تھے۔ بونوں کے سردار کا قبیلہ وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔

شام ہونے سے پہلے پہلے یہ لوگ وہاں پہنچ گئے۔

بونوں کے سردار کو جب علم ہوا کہ سردارنی اور سرداران سے ملنے آ رہے ہیں تو وہ اپنے جھونپڑی کے محل سے باہر آ گیا اور غلاموں کے ساتھ ایک طرف استقبال کرنے کے لیے کھڑا ہو گیا۔ جب سردارنی

اور سردار تخت پر بیٹھے وہاں آئے تو اس نے جھک کر سردارنی اور سردار کو سلام کیا۔

"آپ کا آنا ہمارے لیے مبارک ہو۔ میری قسمت جاگ اٹھی جو آپ میرے قبیلے میں آئے"۔

سردارنی اور سردار کے آگے کھانے چن دیے گئے۔ مشعلیں روشن ہو گئیں کھانے کے بعد بونوں کے سیاہ فام سردار نے سردارنی سے پوچھا کہ انہوں نے کس لیے اتنی زحمت کی کہ خود تخت پر بیٹھ کر وہاں آئے۔ عنبر نے سارا واقعہ بونوں کے سردار کو سنا دیا اور آخر میں کہا۔

"مجھے اپنی بہن شگفتا کی تلاش ہے۔ کیا آپ نے اس حلیے کی عورت کو دیکھا ہے؟"

بونے سردار نے کہا۔

"اے سردار، تم میرے بھائی ہو۔ میں جھوٹ نہیں بولتا۔ میں نے اس حلیے کی عورت آج تک نہیں دیکھی۔ اگر یہ عورت ہمارے قبیلے میں ہوتی تو میں ابھی آپ کی خدمت میں پیش کر دیتا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں ایسا نہیں کر سکا"۔

سردارنی نے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔ لیکن بہر حال جنگل میں سے گزرنے والے تمام راستوں پر نگاہ رکھنا۔ اگر کبھی اس حلیے کی عورت پر نظر پڑے تو اس کی مدد کرنا۔ اسے اپنے پاس عزت سے رکھنا اور مجھے اطلاع کر دینا"۔

بونے سردار نے کہا۔

"ایسا ہی ہوگا میری عظیم بہن، لیکن میں اپنے آدمیوں کو شکنتلا کی تلاش میں بھی روانہ کر دوں گا۔ جہاں کہیں بھی انہیں شکنتلا مل گئی وہ ہر

حالت میں اسے لا کر آپ کی خدمت میں پیش کر دیں گے"۔

سردارنی بولی:

"میرے بھائی مجھے تم سے ایسی ہی امید تھی"۔

رات کو انہوں نے اسی قبیلے میں آرام کیا۔

صبح ہوئی تو سردارنی عنبر سردار کو ساتھ لے کر واپس اپنے قبیلے کی طرف روانہ ہو گئی۔ واپس آ کر عنبر نے شکنتلا کی تلاش اپنے طور پر بھی شروع کروا دی۔ اس نے اپنے آدمیوں کو بھی جنگل میں روانہ کر دیا کہ وہ شکنتلا کو تلاش کریں۔ سردارنی بھی یہی چاہتی تھی کہ عنبر کہ بہن مل جائے۔ اس نے عنبر سے کہا۔

"تم تو بہت بڑے جادوگر ہو۔ پھر تم اپنے جادو کے زور سے کیوں معلوم نہیں کر لیتے کہ تمہاری بہن کس جگہ پر ہے؟"

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

''سردارنی۔تم بھولی ہو۔شاید تمہیں معلوم نہیں کہ میرا جادو صرف
دشمن پر چل سکتا ہے۔ان لوگوں پر نہیں چل سکتا۔جن کو میں اچھا سمجھتا
ہوں۔اگر ایسی بات ہو سکتی تو مجھے کیا ضرورت تھی کہ میں یوں مارا مارا
پھرتا؟''۔

سردارنی نے پوچھا:

''اگر تمہارا جادو ایک ہاتھی کو ہلاک کر سکتا ہے، تمہیں بچا سکتا ہے تو
وہ ایک عورت کے بارے میں یہ معلوم کیوں نہیں کر سکتا کہ وہ کس جگہ
پر ہے؟''۔

عنبر نے کہا:

''سردارنی، میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ ایسا ہونا مشکل ہے۔
جادوگر مصیبت کا مقابلہ کر سکتے ہیں مگر تقدیر کے پیچ نہیں کھول سکتے۔
میں مجبور ہوں کہ اپنی بہن کو جنگل جنگل خود بھی تلاش کروں اور اسے

دوسروں سے بھی تلاش کرواؤں''۔

سردارنی نے ہنس کر کہا۔

''اچھا ایک بات بتاؤ۔یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم پر تیر تلوار اور نیزے
کا وار اثر نہیں کرتا۔تمہیں کوئی زخم نہیں آتا۔تمہارے جسم سے خون کا
ایک قطرہ تک نہیں بہتا''۔

عنبر خاموش ہو گیا۔وہ سوچنے لگا کہ اس جنگلی عورت کو اب کیا
بتائے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے۔پھر اس نے سوچا کہ یہ ایک جاہل عورت
ہے۔اسے بتانے سے کیا ہوگا۔اس نے کہا۔

''سردارنی، یہ سب کچھ جادو کی وجہ سے ہوتا ہے۔میرے جادو
نے مجھے اپنی حفاظت میں لیا ہوتا ہے۔اگر میرے جادو کا اثر ٹوٹ
جائے تو میں بھی دوسروں کی طرح مر سکتا ہوں۔مجھے بھی زخم لگ سکتا
ہے اور میرے جسم سے بھی خون بہہ سکتا ہے۔لیکن چوں کہ ایسا نہیں

ہوتا اس لیے میں زندہ ہوں اور جب تک چاہوں زندہ رہ سکتا
ہوں"۔

سردارنی بولی۔

"کچھ یقین نہیں آ رہا۔ ایسے لگتا ہے کہ تم مجھ سے کوئی بات چھپا
رہے ہو"۔

عنبر سردارنی کو ایک جنگلی اور جاہل عورت سمجھ رہا تھا۔ مگر وہ اس کی
ذہانت پر حیران رہ گیا کہ کم بخت کو کیسے اس پر شک پڑ گیا ہے۔ مگر وہ
بھی بڑا تجربہ کار تھا۔ اس نے بھی کئی زمانے اور کتنے ہی بادشاہوں
کے دور دیکھے تھے۔ جھٹ بولا۔

"سردارنی، میری زندگی کا ایک ایک راز، میری زندگی کی ایک
ایک بات تم پر واضح اور روشن ہو چکی ہے۔ میں تم سے کوئی بات
نہیں چھپا رہا۔ اس لیے کہ اب تم ہی میری زندگی ہو۔ اور موت تک

تمہارا میرا ساتھ رہے گا۔

اپنی تعریف سن کر سردارنی بڑی خوش ہوئی۔ اس نے عنبر سے کہا۔

"اب تم سردار ہو۔ میں سردارنی ہوں۔ ہماری شادی ہو چکی
ہے۔ اب تم ہمیشہ ہمارے ساتھ رہو گے۔ تمہاری زندگی اور موت
اب ہمارے قبیلے کے لیے ہے۔ اگر کبھی تم نے یہاں سے بھاگنے کی
کوشش کی تو ہمارا ناگ دیوتا تمہیں ایک آن میں ڈس کر ہلاک کر دے
گا۔ یہ مت سمجھنا کہ اس پر تمہارے جادو کا اثر ہو جائے گا۔ نہیں، ایسا
نہیں ہو گا۔ ناگ دیوتا پر کسی جادو کا اثر نہیں ہوتا۔ وہ ایک ہزار برس
سے زندہ چلا آ رہا ہے۔ اس کے زہر میں اتنی طاقت ہے کہ اگر کسی
درخت پر اپنا زہر پھینک دے تو وہ کھڑے کا کھڑا ایک دم جل کر خاک
ہو جائے"۔

عنبر نے کہا۔

"بھلا مجھے کیا ضرورت پڑی ہے یہاں سے جانے کی؟ میں تو یہاں بہت خوش ہوں۔ میں اب ساری زندگی اسی جگہ رہوں گا۔ تم بالکل فکر نہ کرو۔"

لیکن دل میں عنبر نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر اسے شگفتا کا کسی جگہ سے بھی کچھ پتہ نہ چل سکا تو وہ وہاں سے فرار ہونے کی کوشش کرے گا۔

جنگل میں سادھو

عنبر سردار کو ہم سردارنی کے قبیلے میں چھوڑتے ہیں۔

اب ذرا شگفتا کی طرف جاتے ہیں کہ وہ جنگل میں سفر کرتے کرتے کس مقام پر آ گئی ہے؟ شگفتا بے چاری پیدل ہی گرتی پڑتی چلی جا رہی تھی۔ وہ بے حد تھک گئی تھی۔ اس کے پاؤں بھی زخمی ہو گئے تھے۔ اور اب اس سے چلا نہیں جاتا تھا۔ جنگل ختم ہونے کا نام نہیں لیتا تھا۔ شام ہونے والی تھی۔ وہ چل رہی تھی، چل رہی تھی۔ آخر خدا خدا

کر کے اونچے نیچے ٹیلوں کا سلسلہ ختم ہوا۔ اور سامنے ایک میدان آ گیا۔ جہاں جگہ جگہ درختوں کے جھنڈ اگے ہوئے تھے۔

شکنتلا نے ایک جھنڈ میں سے دھواں اٹھتے دیکھا تو اس کی جان میں جان آئی۔ سوچا یہاں ضرور انسان رہتے ہوں گے۔ ان سے چل کر مدد لینی چاہیے۔ پھر وہ ڈر گئی کہ کیا خبر یہ لوگ بھی کہیں آدم خور وحشی نہ ہوں اور وہ پھر کسی مصیبت میں پھنس جائے پھر بھی وہ درختوں میں اٹھتے ہوئے دھوئیں کی طرف چل پڑی۔ اس لیے کہ وہ بے حد نڈھال ہو رہی تھی۔ اب اس سے آگے چلا نہیں جاتا تھا۔ جھنڈ کے پاس پہنچ کر وہ ایک جھاڑی کی اوٹ میں ہو کر دیکھنے لگی کہ دھواں کہاں سے اٹھ رہا ہے؟

سامنے درختوں کے نیچے ایک جھونپڑی سی بنی ہوئی تھی۔ جس کے آگے آگ جل رہی تھی۔ شکنتلا نے سوچا کہ یہاں ضرور کوئی جوگی

رہتا ہے۔ اس قسم کے جوگی اس نے اپنی ریاست میں بھی دیکھے تھے جو جنگلوں میں رہ کر خدا کی عبادت کرتے ہیں۔ جو بڑے نرم دل ہوتے ہیں اور کسی کو کچھ نہیں کہتے۔ پھر بھی شکنتلا کا دل خطرے کی وجہ سے دھڑک رہا تھا کہ کہیں یہاں کوئی آدم خور وحشی ہی نہ رہتا ہو۔ وہ جھاڑیوں کی اوٹ میں چھپ کر بیٹھی رہی۔ تھوڑی دیر بعد ایک جٹا دھاری سادھو جھونپڑی میں سے باہر نکلا اور آگ کے پاس آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ شکنتلا کو حوصلہ ہوا۔

وہ جھاڑیوں کی اوٹ سے نکل کر سادھو کے پاس آ گئی۔

اب جو سادھو نے ایک دبلی پتلی خوب صورت لڑکی کو اپنے سامنے دیکھا تو وہ بڑا حیران ہوا کہ اس اجاڑ بیابان جنگل میں یہ لڑکی کہاں سے آ گئی۔ اس نے شکنتلا کی طرف ہاتھ اٹھا کر اس سے پوچھا۔

"بیٹی تم کون ہو؟ کہاں سے آئی؟"

شکنتلا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور وہ سادھو کے قدموں میں جا کر گر پڑی۔ نرم دل سادھو نے شکنتلا کو اٹھا کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ اس کے پاؤں سے بہتا ہوا خون دیکھ کر بولا:

”ارے بیٹی، تمہارے پاؤں سے خون بہہ رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے تم مصیبت کی ماری جنگل میں بھٹک رہی ہو۔ ٹھہرو پہلے میں تمہارے پیروں پر دوا لگاتا ہوں“۔

سادھو جھونپڑی کے اندر گیا۔ وہاں سے ایک مٹی کا پیالہ لے آیا جس میں نسواری رنگ کی کوئی مرہم سی تھی۔ اس نے شکنتلا کو ہرن کی کھال کے بستر پر لٹا دیا۔ اس کے پیر پانی سے صاف کیے اور پھر زخموں پر مرہم لگا کر پٹی باندھ دی۔ اس کے بعد اس نے کٹورے میں سے گرم گرم دودھ شکنتلا کو پلایا۔

تازہ، میٹھا اور گرم دودھ پی کر شکنتلا کی جان میں جان آ گئی۔ وہ

سکون سے لیٹی رہی اور پھر اسے نیند آ گئی۔ سادھو قریب ہی آلتی پالتی مار کر بیٹھا خدا کی عبادت کرتا رہا۔ شام ہو گئی۔ سورج غروب ہو گیا تو سادھو نے اٹھ کر جھونپڑی میں مشعل روشن کی۔ شکنتلا کے لیے اندر بستر لگایا۔ اس عرصے میں شکنتلا جاگ پڑی تھی۔

سادھو نے کہا:

”بیٹی تم اندر جا کر آرام کرو۔ صبح تم سے باتیں ہوں گی“۔

شکنتلا ابھی تک تھکن محسوس کر رہی تھی۔ وہ اٹھ کر جھونپڑی میں آ کر بستر پر لیٹ گئی۔ تھوڑی دیر بعد سادھو نے اسے کچھ جنگلی پھل اور دودھ پلایا۔ دودھ پی کر شکنتلا گہری نیند سو گئی۔ اسے اس قدر گہری نیند آئی کہ وہ ساری رات سوئی رہی۔ سادھو ساری رات باہر آگ کے پاس بیٹھا خدا کو یاد کرتا رہا۔ دن نکلا تو درختوں پر پرندے خدا کے گیت گانے لگے۔ قریب ہی ایک ندی بہتی تھی۔ سادھو اٹھ کر ندی پر گیا۔

منہ ہاتھ دھو کر واپس جھونپڑی کے باہر آ گیا۔

یہاں ایک بکری بندھی ہوئی تھی۔ سادھو نے بکری کا دودھ دوہا۔ کٹورہ بھر کر دودھ کو آگ پر گرم کرنے کے لیے رکھ دیا۔ اور خود عبادت کرنے لگا۔ جب وہ عبادت سے فارغ ہوا تو دودھ گرم ہو چکا تھا۔ شکنتلا بھی اٹھ کر باہر آ گئی تھی۔ شکنتلا اپنے آپ کو بے حد تازہ دم محسوس کر رہی تھی۔ سادھو نے شکنتلا کے پاؤں میں سوکھے گھاس کا بنا ہوا جوتا پہنایا اور کہا۔

''بیٹی، ادھر قریب ہی ندی بہہ رہی ہے وہاں جا کر منہ ہاتھ دھو آؤ اور پھر آ کر دودھ پی لو۔''

شکنتلا سادھو کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ندی پر گئی۔ جی بھر کر غسل کیا۔ تازہ دم ہو کر واپس آئی اور گرم گرم دودھ پی کر سادھو کے پاس ہی ہرن کی کھال پر بیٹھ گئی۔ سادھو نے کہا۔

''بیٹی، اب مجھے بتاؤ کہ تم کون ہو اور کہاں سے آ رہی ہو؟''

شکنتلا نے کہا۔

''اے عظیم انسان، میرا نام شکنتلا ہے۔ میں بمبئی سار ریاست کے راجہ کنور کی بیوی ہوں۔ ایک رات ڈاکوؤں نے ہمارے محل پر ڈاکہ ڈالا اور مجھے اٹھا کر لے گئے۔ ایک سمندر پار کے شہر میں وہ مجھے فروخت کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ کہ ایک نیک دل بھائی عنبر سے ملاقات ہو گئی۔ اس نے مجھے ڈاکوؤں سے بچا کر اپنے ساتھ کر لیا اور مجھے لے کر میرے گھر کی طرف روانہ ہوا۔ ہم ایک بادبانی جہاز پر سفر کرتے ہوئے ہندوستان کے ساحل پر پہنچے۔ یہاں ایک قبیلے والوں نے ہمیں گدھے اور خوراک دے کر روانہ کیا۔ مگر راستے میں ایک جگہ مجھے دوسرے قبیلے کے وحشیوں نے اٹھا لیا۔ میرا بھائی اس وقت دریا پر نہانے گیا ہوا تھا یہ وحشی مجھے اپنے ساتھ لے گئے۔ وہ

مجھے دیوتاؤں کے سامنے قربان کرنے کی سوچ رہے تھے کہ میں ایک
رات وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگئی۔ جب سے لے کر
اب تک میں جنگلوں میں ماری ماری پھر رہی ہوں۔ خدا جانے عنبر
کہاں ہے؟ اور میں کس علاقے میں آ گئی ہوں؟ اب تھکن سے
نڈھال ہوکر گرنے ہی والی تھی کہ آپ کی جھونپڑی میں سے دھواں
اٹھتے دیکھا اور یہاں آ گئی۔ آپ نے ایک نرم دل باپ بن کر
میرے ساتھ جو سلوک کیا ہے، میں اسے ساری زندگی نہیں بھول سکوں
گی۔ بس یہ ہے میری کہانی۔۔۔"

سادھو بولا۔

"بیٹی تمہاری کہانی بڑی دردناک ہے۔ میں حیران بھی ہوں اور
خوش بھی ہوں کہ تم نے ایک کمزور عورت ہوتے ہوئے اتنی دلیری اور
بہادری سے کام لیا اور جنگل میں اکیلی سفر کر رہی ہو۔ باقی میں نے جو

تمہاری خدمت کی ہے تو یہ میرا فرض تھا۔ ہم جوگی لوگ ہیں۔ ہم پیدا
ہی دوسرے انسان کی خدمت کے لیے ہوئے ہیں۔ ہمارے لیے ہر
بچی ہماری بیٹی ہے اور ہر لڑکا ہمارا بیٹا ہے"۔

شگفتا نے کہا۔

"مہاراج، آپ بہت اچھے انسان ہیں۔ یہ بتایئے کہ یہ جگہ کون
سی ہے اور ہمالیہ پہاڑ یہاں سے کتنی دور ہے۔ کیونکہ میرا گھر ہمالیہ
پہاڑ کے دامن میں ریاست بمبی سار میں ہے"۔

سادھو بولا۔

"پیاری بیٹی، تم جس جنگل میں کھڑی ہو اس جگہ کا کوئی نام
نہیں ہے۔ میں ایک عرصے سے یہاں رہ رہا ہوں۔ ہاں اتنا مجھے ضرور
معلوم ہے کہ یہاں سے ایک دن اور ایک رات کے سفر پر ایک دریا
آتا ہے۔ دریا کے پاس ایک چھوٹا سا شہر ہے جس پر ایک راجہ ہنومان

حکومت کرتا ہے۔ اگر تم اس شہر میں پہنچ جاؤ تو وہ راجہ ضرور تمہاری مدد کرے گا۔ تمہارا خاوند بھی راجہ ہے۔ ایک راجہ دوسرے راجہ کی مدد کیا کرتے ہیں''۔

شکنتلا بولی۔

''لیکن مہاراج، میں اب پیدل آگے سفر کس طرح کروں گی؟ میرے پیر پھر زخمی ہو جائیں گے''۔

سادھو بولا۔

''میری بچی، تم اگر چاہو تو میری بکری لے جا سکتی ہو۔ اس پر سوار ہو کر باقی سفر طے کر لینا۔ میں بغیر دودھ کے صرف پھلوں پر ہی گزارہ کر لوں گا''۔

شکنتلا نے کہا۔

''نہیں مہاراج، میں یہ بے انصافی نہیں کر سکتی کہ ایک تو آپ

نے میری اتنی خدمت کی اور میں آپ کی بکری بھی چھین کر لے جاؤں۔ میں پیدل ہی چلی جاؤں گی۔ آپ نے میرے پاؤں میں جو گھاس کی جوتی پہنا دی ہے۔ یہ میرے پاؤں کو زخمی ہونے سے بچا لے گی''۔

سادھو نے کہا۔

''بیٹی، میری طرف سے تمہیں اجازت ہے کہ بکری لے جاؤ''۔

''نہیں مہاراج، میں اس بکری پر سواری نہیں کر سکتی۔ میں یہاں سے پیدل ہی چلی جاؤں گی''۔

سادھو بولا۔

''تم کل صبح جانا۔ آج کی رات یہاں آرام کر لو۔ ایک رات اور آرام کرنے سے تمہاری طبیعت ٹھیک ہو جائے گی''۔

''جیسے آپ کی مرضی مہاراج''۔

شکنتلا نے دوسری رات بھی سادھو مہاراج کی جھونپڑی میں آرام کیا۔ صبح صبح وہ سو کر اٹھی تو اپنے اندر ایک نئی طاقت محسوس کر رہی تھی۔ اس میں دودھ اور پھل کھانے اور جی بھر کر آرام کرنے سے نئی زندگی پیدا ہوگئی تھی۔ سادھو نے کہا۔

"بیٹی میری طرف سے تمہیں اجازت ہے۔ جتنے دن چاہو یہاں آرام کرو۔ لیکن اگر تم اپنے گھر جانا چاہتی ہو تو میں تمہیں مجبور کر کے روکنا نہیں چاہتا۔ تم جا سکتی ہو۔"

شکنتلا نے کہا۔

مہاراج، آپ کے قدموں سے اٹھنے کو دل نہیں چاہتا۔ مگر مجھے میرا خاوند اور بچہ بہت یاد آ رہا ہے۔ میں اڑ کر ان کے پاس پہنچنا چاہتی ہوں۔ میں جا رہی ہوں۔ ہاں ایک بات ضرور کہنا چاہتی ہوں۔ اگر قسمت میرے بھائی عنبر کو ادھر لے آئی تو اسے بتا دینا کہ

میں دریا پار والے شہر میں راجہ ہنومان کے دیس گئی ہوں اور وہاں سے اپنے شہر جانے کی کوشش کروں گا"۔

سادھو نے شکنتلا کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"اچھا بیٹی، میں اسے ضرور کہوں گا۔ لیکن یہ بتاؤ کہ تمہارے بھائی عنبر کی پہچان کیا ہوگی؟ میں اسے کس طرح پہچانوں گی کہ یہی تمہارا بھائی ہے؟"

شکنتلا نے کہا:

"مہاراج، میرے بھائی عنبر کی سب سے بڑی پہچان یہ ہے کہ اگر آپ اس کے جسم میں نیزہ چبھوئیں گے تو اس کے جسم سے خون نہیں نکلے گا"۔

سادھو نے حیرانی سے پوچھا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے بیٹی کہ ایک گوشت پوست کے زندہ انسان

کے بدن میں نیزہ چبھے اور خون نہ نکلے؟ کیا وہ انسان نہیں ہے؟''

شگفتا بولی۔

''مہاراج، میرا بھائی عنبر ایک انسان ہی ہے مگر اس کے اندر ایک دیوتا کی طاقت ہے۔ اسے کوئی زخم نہیں لگتا۔ اس کے بدن پر نہ تیر اثر کرتا ہے۔ نہ تلوار اثر کرتی ہے۔ اسے کوئی ہلاک نہیں کر سکتا''۔

سادھو اور زیادہ حیران ہوگیا۔

''یہ تم کیا کہہ رہی ہو بیٹی، مجھے یقین نہیں آ رہا''۔

شگفتا نے کہا۔

''آپ میری بات کا یقین کریں، میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے ک ایک ہاتھی نے اٹھا کر اسے درخت پر مارا مگر اسے کچھ نہیں ہوا۔ دشمن نے اس کے دل میں خنجر اتار دیا اور وہ زندہ رہا۔ اس نے دل میں سے خنجر نکال کر باہر پھینک دیا اور پھر دشمن کو ہلاک کر دیا۔

وہ دیوتا ہے۔ اسے دعا ملی ہوئی ہے کہ وہ ہلاک نہیں ہوگا''۔

سادھو خاموش ہوگیا۔ پھر بولا۔

''اگر یہ سچ ہے بیٹی تو وہ ایک عظیم انسان ہے۔ لیکن اتنی طاقت رکھتے ہوئے بھی وہ تمہاری مدد کیوں نہیں کر سکا بیٹی؟''۔

شگفتا نے کہا:

''مہاراج، میں اس سے بچھڑ گئی ہوں۔ میری یہی بد قسمتی ہے۔ جب تک میں اس کے ساتھ تھی مجھ پر کوئی مصیبت نہیں آئی تھی۔ اب تو مجھے خود معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہے''۔

شگفتا نے کہا۔

''ایسا نہ کہیں مہاراج، آپ لوگوں کی خدمت کرتے ہیں۔ آپ نے انسان کی خدمت کر کے، دکھی دلوں کی ڈھارس بندھا کر جو مقام حاصل کیا ہے وہ بہت کم لوگوں کو حاصل ہوتا ہے۔ آپ کا مقام

دیوتاؤں سے بھی بلند ہے۔ کیوں کہ میں نے اپنے باپ کو ایک بار یہ
کہتے سنا تھا کہ جو انسان دوسرے دکھی انسان کی خدمت کرتا ہے۔ اس
کی ڈھارس بندھاتا ہے اور مصیبت میں ان کے کام آتا ہے۔ وہ
دیوتاؤں سے بھی اونچا انسان ہے"۔

سادھو نے کہا۔

"تمہارے پتا جی ٹھیک کہتے تھے بیٹی۔ دوسرے انسان کی
خدمت کرنے والے انسان کو خدا بھی پیار کرتا ہے۔ میں اسے اپنی
خوش قسمتی سمجھتا ہوں کہ خدا نے مجھے اس قابل بنایا کہ میں کسی انسان
کی مصیبت میں اس کے کام آسکوں"۔

شکنتلا بولی۔

"اچھا مہاراج، اب اجازت دیں۔ راستہ لمبا ہے۔ مجھے جلدی
پہنچنا ہے"۔

"خدا تمہاری حفاظت کرے بیٹی"۔

سادھو نے ایک کٹورے میں دودھ اور ایک ٹوکری میں پھل بھر کر
ساتھ کر دیئے۔ شکنتلا نے سادھو بابا سے اجازت لی اور خدا کا نام لے
کر راجہ ہنومان کے شہر کی طرف روانہ ہوگئی۔

دن کی روشنی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ شکنتلا بڑے آرام
کے ساتھ سفر کرتی رہی۔ دوپہر کو وہ ایک ایسی وادی میں پہنچ گئی جہاں
سیاہ چٹانیں زمین پر کھڑی تھیں۔ درخت کہیں کہیں تھے۔ شام تک
شکنتلا ان چٹانوں میں چلتی رہی۔ سادھو بابا کی دی ہوئی سوکھے گھاس
کی جوتی اسے بڑا آرام دے رہی تھی۔ وہ قدم قدم چل رہی تھی کہ
کہیں جوتی پھٹ نہ جائے۔ چلتے چلتے رات ہوگئی۔ شکنتلا نے ایک
جگہ بیٹھ کر کٹورے میں سے دودھ پیا اور کچھ پھل کھائے۔

اب وہ سوچنے لگی کہ رات کس جگہ بسر کرے۔ وہاں ہر طرف سیاہ

چٹانیں ہی چٹانیں پھیلی ہوئی تھیں۔ سوائے اس کے اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ وہ انہی چٹانوں میں کسی جگہ پڑ کر رات گزار دے۔ آسمان پر ستاروں کے فانوس روشن ہو گئے تھے۔ آخر ایک سوکھے درخت کے نیچے زمین صاف کر کے شگفتا نے ہرن کی کھال بچھائی اور لیٹ گئی۔ آسمان پر وہ ستاروں کو تکنے لگی۔ اسے عنبر کا خیال آ رہا تھا۔ پھر اپنے بچے اور خاوند کا خیال آنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں اپنے بچے کو یاد کر کے آنسو آ گئے۔

خدا جانے وہ مبارک گھڑی کب آئے گی جب وہ اپنے بچے کو گلے سے لگائے گی۔ یہی سوچتے سوچتے اسے نیند آ گئی۔ دن بھر چل چل کر وہ تھک گئی تھی۔ اب جو اس کی آنکھ لگی تو گہری نیند میں کھو گئی۔ رات گزرتی رہی۔ ستارے چمک چمک کر آگے بڑھتے رہے۔ آدھی رات ہو گئی۔ پھر آدھی رات بھی گزر گئی اور آسمان کے مشرق میں پو

پھٹنا شروع ہو گئی۔ ستاروں کا رنگ سفید پڑنے لگا۔ پھر مشرق میں سورج کی پہلی سنہری کرن جاگی اور سورج کے نکلتے ہی چٹانوں کی وادی میں ہر طرف روشنی ہی روشنی پھیل گئی۔

شگفتا کی آنکھ کھل گئی۔ وہ اپنے آپ کو تازہ دم محسوس کر رہی تھی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس نے پھل کھا کر دودھ پیا اور خدا کا نام لے کر پھر اپنے سفر پر روانہ ہو گئی۔ اب صرف ایک دن کا سفر باقی رہ گیا تھا۔ سادھو بابا نے جو کچھ بتایا تھا اس حساب سے شگفتا کو شام کے وقت دریا پار کر کے راجہ ہنومان کے شہر میں داخل ہو جانا چاہیے تھا۔

ڈاکوؤں کا سردار

شگفتا کا سفر شروع ہو گیا۔

دوپہر کے بعد جنگل ختم ہو گیا اور اس کی جگہ گھاس کے میدان میں آ گئے جہاں کہیں کہیں گندم کے کھیت بھی تھے یہ کھیت اس بات کی نشانی تھی کہ انسانوں کی بستی قریب ہے۔ وہ تھک گئی تھی۔ چنانچہ ایک جگہ گندم کے کھیت کے کنارے بیٹھ گئی۔ ٹوکری میں سے اس نے باقی بچا ہوا پھل نکال کر کھایا۔ اس کے پاس دودھ اور پھل ختم ہو گئے تھے۔ خالی ٹوکری اس نے کھیت میں پھینک دی۔ تھوڑی دیر آرام

کرنے کے بعد وہ کھیتوں کے درمیان سے گزرنے والی پگ ڈنڈی پر سے ہوتے ہوئے آگے چل پڑی۔

ایک اونچی سی گندم کی ڈھیری کے پاس اسے ایک کچا مکان دکھائی دیا۔ جس کے باہر ایک دیہاتی عورت آٹا پیس رہی تھی۔ شگفتا اس کے پاس آ گئی۔ عورت آٹا پیستے پیستے رک گئی۔ اس نے شگفتا سے کہا۔

"تم مجھے اجنبی عورت معلوم ہوتی ہو بہن۔ تم کہاں سے آ رہی ہو؟"۔

شگفتا ایک کھاٹ پر بیٹھ گئی اور بولی:

"میں بہت دور سے آ رہی ہوں بہن، مجھے یہ بتاؤ کہ راجہ ہنومان کا شہر کتنی دور ہے؟"۔

دیہاتی عورت نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہاں سے تھوڑی دور جاؤ گی تو ایک دریا آئے گا۔ اس دریا کے پار راجہ ہنومان کا شہر آباد ہے۔ مگر تم وہاں کس کے پاس جا رہی ہو؟"۔

شکنتلا نے اس دیہاتی عورت کو اپنی پوری کہانی سنانا مناسب نہ سمجھا۔ بس اتنا ہی کہا۔

"وہاں میرا کوئی بھی واقف نہیں ہے۔ لیکن مجھے اس شہر سے آگے جانا ہے۔ ہمالیہ کی گود میں ایک ریاست ہے۔ بمبی سار۔۔ وہاں میرا گھر ہے۔ میں شہر میں صرف دو ایک راتیں بسر کر کے آرام کروں گی اور کوشش کروں گی کہ وہاں کسی ایسے قافلے کے ساتھ شامل ہو جاؤں جو ہمالیہ پہاڑ کی طرف جا رہا ہو"۔

دیہاتی عورت نے کہا۔

"بہن، تم مجھے کوئی دکھی عورت معلوم ہوتی ہو۔ اگر تمہارا ہر میں

جاننے والا کوئی نہیں تو تم راجہ کی سرائے میں ٹھہر جانا۔ وہاں راجہ کے آدمی مسافروں سے کوئی پیسہ وصول نہیں کرتے۔"

شکنتلا نے پوچھا۔

"یہ بتاؤ بہن، کیا ہنومان راجہ کے شہر سے مجھے ہمالیہ کی طرف جانے والا کوئی قافلہ مل جائے گا؟"

دیہاتی عورت نے کہا۔

"میں نے اپنے خاوند کی زبانی سنا ہے کہ شہر سے اکثر قافلے ہمالیہ کے مقدس مندروں اور زیارتوں کی طرف جاتے رہتے ہیں۔ تمہیں کوئی نہ کوئی قافلہ ضرور مل جائے گا۔ لیکن وہ تو بڑے پیسے لیتے ہیں۔ کیا تمہارے پاس اتنے پیسے ہوں گے؟"

شکنتلا بولی۔

"نہیں تو! میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے"۔

دیہاتی عورت نے کہا۔

''پھر تم کیسے سفر کر سکو گی؟ تم کیسے اپنے وطن پہنچ سکو گی؟ کیونکہ رقم لیے بغیر تو کوئی بھی تمہیں اپنے قافلے کے ساتھ شریک نہیں کرے گا''۔

شگفتا بولی:

''میں کوشش کروں گی کہ شہر میں کسی امیر عورت سے مجھے کچھ رقم قرض مل جائے۔ یہ رقم میں گھر پہنچ کر اسے لوٹا دوں گی''۔

دیہاتی عورت بولی:

''مشکل معلوم ہوتا ہے۔ آج کل کے زمانے میں یہاں کوئی کسی پر بھروسہ نہیں کرتا۔ میں ایک غریب عورت ہوں۔ نہیں تو تمہاری ضرور مدد کرتی۔ میں تمہاری خدمت میں کھانا پیش کر سکتی ہوں''۔

شگفتا نے کہا۔

''شکریہ بہن۔ مجھے بھوک نہیں ہے۔ ابھی ابھی میں نے پھل کھائے ہیں۔ اچھا، تمہارا شکریہ۔ پھر ملاقات ہوگی۔ خدا حافظ۔''

''خدا حافظ''

شگفتا دیہاتی عورت سے اجازت لے کر دریا کی طرف روانہ ہو گئی۔

دو ایک میدان اور کھیت عبور کرنے کے بعد وہ دریا پر پہنچ گئی۔ دریا کے دوسرے کنارے اسے شہر ختومان کی عمارتیں اور مکان صاف نظر آ رہے تھے۔ مندروں اور عبادت گاہوں کے کلس ڈوبتے سورج کی سنہری دھوپ میں چمک رہے تھے۔ دریا کنارے ایک ماہی گیر پیسے لے کر مسافروں کو دریا پار اتارنے کا کام کر رہا تھا۔ سواریاں ایک ایک درہم اسے دیتیں اور کشتی میں سوار ہوتی جاتی۔ شگفتا کی باری آئی تو چپ چاپ کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ کیوں کہ اس کے پاس دینے کو

کچھ بھی نہیں تھا۔ جب تمام سواریاں کشتی میں بیٹھ گئیں تو ملاح نے
شگفتا سے پوچھا:

"کیوں بیٹی، کیا تم دریا پار نہیں جاؤں گی؟"

شگفتا نے کہا۔

"جاؤں گی بابا، مگر میرے پاس تمہیں دینے کے لیے کرایہ نہیں
ہے"۔

ملاح کہنے لگا۔

"کوئی بات نہیں بیٹی، تم بیٹھ جاؤ کشتی میں۔ میں تم سے کرایہ نہیں
لوں گی"۔

شگفتا بڑی خوش ہوئی کہ وہ دریا پار کر لے گی۔ وہ کشتی میں بیٹھ کر
دریا کے پاس آ کر اتر گئی۔ شہر کچھ فاصلے پر شروع ہو جاتا تھا۔ وہ چل
کر شہر کی چار دیواری کے اندر داخل ہو گئی۔ یہ ایک چھوٹا سا شہر تھا جس

کی چار دیوار کے اور راجہ کے سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ کچے پکے
مکانوں کی کھڑکیوں پر پردے لٹک رہے تھے۔ دکانوں پر لوگوں کی
چہل پہل تھی۔ شگفتا راجہ کی سرائے میں جانا چاہتی تھی۔

اس نے ایک شہد بیچنے والے سے پوچھا۔

"بابا، یہاں راجہ کی سرائے کہاں ہو گی؟"

شہد بیچنے والے نے ایک چھوٹا سا لڑکا شگفتا کے ساتھ کر دیا۔ جو
اسے راجہ کی سرائے کے باہر چھوڑ کر چلا گیا۔ یہ سرائے ایک پرانی طرز
کی سرائے تھی جس کے دروازے کے باہر ایک چبوترے پر ایک آدمی
بیٹھا لکڑی کی تختی پر لوگوں کے نام لکھ رہا تھا۔ شگفتا اس کے قریب جا
کر بولی۔

"بھائی میں پردیسی عورت ہوں۔ اس شہر میں میرا کوئی جاننے
والا نہیں۔ کیا مجھے سرائے میں رہنے کو جگہ مل جائے گی؟"۔

سرائے والے کی ایک آنکھ کانی تھی۔ اس نے دوسری آنکھ سے
بڑے غور سے شگفتا کو سر لے کر پاؤں تک دیکھا اور پوچھا کہ وہ کون
ہے اور کہاں سے آ رہی ہے؟ شگفتا نے اسے بھی اصلی کہانی نہ سنائی۔
بلکہ یہی کہا کہ وہ دور دیس سے آ رہی ہے۔ اور اپنے بھائی سے بچھڑ گئی
ہے جو اس کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔ سرائے والے نے پوچھا:

"تمہیں کہاں جانا ہے لڑکی؟"

شگفتا نے کہا:

"مجھے ریاست لمبی سار جانا ہے جہاں میرا گھر ہے اور میرا خاوند
وہاں گندم اور کپاس کی تجارت کرتا ہے"۔

سرائے کا مالک بولا۔

"ریاست بمبی سار تو ہمالیہ پہاڑ کے دامن میں ہے اور یہاں
سے بہت دور ہے۔ تو وہاں اکیلی کیسے پہنچے گی؟"

شگفتا بولی۔

"میں کوشش کروں گی کہ وہاں جانے والے کسی قافلے کے ساتھ
شامل ہو جاؤں۔ کیا تمہیں معلوم ہے بھائی کہ ہمالیہ پہاڑ کے مندروں
کو یہاں سے قافلہ کب جا رہا ہے؟"

سرائے کے مالک نے کانی آنکھ پھڑ پھڑا کر کہا۔

"ایک قافلہ بہت جلد یہاں سے روانہ ہونے والا ہے۔ بہر حال
تم سرائے میں رک جاؤ۔ جس روز قافلہ چلا میں تمہیں ساتھ کر
دوں گا۔ اس قافلے کا سردار میرا دوست ہے اور اپنا آدمی ہے۔ وہ
تمہارا راستے میں بڑا خیال رکھے گا"۔

شگفتا نے کہا۔

"مگر بھائی۔ میرے پاس اسے دینے کے لیے کرایہ نہیں ہوگا۔
میں اسے اپنے گھر جا کر جتنے وہ کہے گا پیسہ دے دوں گی"۔

مکار سرائے والے نے گردن جھکا کر کہا۔

”یہ تو بڑی مشکل بات ہے کیوں کہ کوئی بھی قافلے والا کسی مسافر سے ادھار نہیں کیا کرتا، بہر حال میں تمہاری سفارش کر دوں گا بلکہ اگر ہو سکا تو تمہارا کرایہ خود ادا کر دوں گا۔ پھر تم اپنے شہر جا کر مجھے پیسے بھجوا دینا“۔

شگفتا سرائے والے کی اس ہمدردی سے بہت خوش ہوئی کہنے لگی۔

”بھائی تم کتنے اچھے انسان ہو۔ تم نے میرے ساتھ جو ہمدردی کی ہے میں اسے ہمیشہ یاد رکھوں گی۔ اگر تم میرا کرایہ ادا کر دو تو میں وعدہ کرتی ہوں کہ قافلے کے سردار کو اپنے شہر جاتے ہی کرائے کی رقم واپس کر دوں گی“۔

سرائے کا مالک بولا۔

”اس کی کوئی ضرورت نہیں ابھی۔ ابھی تو تم میری سرائے میں آرام کرو۔ اگر چہ یہ راجہ کی سرائے ہے۔ لیکن ہم یہاں ہر مسافر سے کھانے پینے اور رات رہنے کے پیسے وصول کرتے ہیں۔ مگر میں تم سے کچھ نہیں لوں گا کیونکہ مجھے تم ایک دکھی عورت لگتی ہو۔ مجھے تم سے بڑی ہمدردی ہے“۔

شگفتا نے کہا۔

”شکریہ بھائی، اس سے بڑھ کر میرا اور کیا خوش قسمتی ہو سکتی ہے کہ مجھے اس اجنبی شہر میں تم جیسا بھائی مل گیا“۔

سرائے کا مالک چبوترے پر سے اٹھا اور شگفتا کو ساتھ لے کر سرائے کی ڈیوڑھی سے گزر کر اندر آ گیا۔ یہ سرائے پرانی تھی۔ ڈیوڑھی کی چھت سے مکڑیوں کے جالے لٹک رہے تھے۔ پہلی منزل میں ایک دوسرے کے ساتھ ملی ہوئی کوٹھڑیاں تھیں۔

سرائے کا مالک شکنتلا کو ساتھ لے کر دوسری منزل کی ایک کوٹھڑی میں آ گیا۔ یہاں زمین پر پھٹا ہوا پرانا قالین بچھا ہوا تھا۔ ایک طرف منہ ہاتھ دھونے کا حمام پڑا تھا۔ کونے میں بکرے کی کھال کا بستر بچھا تھا۔

سرائے کے مالک نے کہا:

"لو بی بی، یہ رہا تمہارا کمرہ۔۔ تم یہاں جتنی مدت چاہو آرام سے رہو تم سے ایک پیسہ بھی وصول نہیں کروں گا۔ اس لیے کہ مجھے تم بہت اچھی لگتی ہو۔ ویسے بھی تم ایک پردیسی عورت ہو اور بڑی دکھی ہو۔ یہ کوٹھڑی دوسری منزل کی سب سے اچھی کوٹھڑی ہے۔ جب بھی کسی امیر آدمی کی عورت اس شہر میں آتی ہے تو میں اسے اسی کوٹھڑی میں ٹھہراتا ہوں"۔

شکنتلا نے کہا۔

"میرے عزیز بھائی' میں یہاں زیادہ دیر رہ کر تمہیں تکلیف نہیں دوں گی۔ جونہی کوئی قافلہ یہاں سے چلا، میں اس کے ساتھ چل دوں گی۔ تمہاری بڑی مہربانی ہے کہ تم میرے ساتھ ایک ہمدرد بھائی بن کر اچھا سلوک کیا ہے۔ کبھی موقع آیا تو میں تمہیں اس کا بدلہ ضرور دوں گی"۔

سرائے کے مالک نے کہا:

"نہیں نہیں' اس کی کیا ضرورت ہے بھلا۔۔ لو اب تم آرام کرو۔ میں جاتا ہوں۔ تمہارے لیے کھانا بھی بجھوانا ہے"۔

سرائے کا مالک چلا گیا۔ شکنتلا نے حمام میں سے پانی لے کر منہ ہاتھ دھویا۔ سرائے کے مالک نے نوکر لڑکے کے ہاتھ ایک جوڑا کپڑے کا بجھوا دیا۔ شکنتلا نے پرانے اتارے اور نئے کپڑے پہنے اس کے بعد کھانا آ گیا۔ کھانے میں ہرن کے گوشت کے کباب،

روغنی روٹی اور بھنے ہوئے بادام اور دودھ تھا۔ اس سے بھی اچھا کھانا کبھی شگفتالا اپنے محل میں کھایا کرتی تھی۔ اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ ایک مدت بعد اسے بادام اور ہرن کا گوشت کھانے کو ملا ہے۔ وہ بڑے مزے سے کھانا کھانے لگی۔ فارغ ہو کر وہ قالین پر کھڑکی کے پاس لیٹ گئی۔

رات کا اندھیرا اچھیل گیا تھا۔ کوٹھڑی کے طاق میں ایک دیا روشن تھا۔ کھڑکی میں سے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا اندر آ رہی تھی۔ شگفتالا کو نیند آنے لگی۔ اس نے اٹھ کر کوٹھڑی کا دروازہ اندر سے بند کیا اور قالین پر لیٹ کر سو گئی۔

اب ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ یہ سرائے والا کانا آدمی بڑا خطرناک شخص تھا۔ یہ ایک بڑے بدنام ڈاکوؤں کے ایک گروہ کا رازدار تھا۔ جس کا کام شہروں میں ڈاکے ڈالنا اور عورتوں کو اٹھا کر دوسرے شہروں

میں کنیزیں بنا کر فروخت کرنا تھا۔ سرائے والے نے جب دیکھا کہ ایک بے یارو مددگار اکیلی خوش شکل عورت اس کی سرائے میں آ کر ٹھہری ہے تو اس کی نیت میں فتور آ گیا۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ وہ اس عورت شگفتالا کو ڈاکوؤں کے سردار ہوبلیکا کے ہاتھ فروخت کر کے پیسے کمائے؟ چنانچہ اس نے اپنا خاص آدمی بھیج کر سردار ہوبلیکا کو سرائے سے دور دریا کنارے بلوا بھیجا۔

رات کو سردار ہوبلیکا گھوڑے پر سوار ہو کر دریا کنارے پہنچ گیا۔ ڈاکوؤں کا سردار ہوبلیکا ایک لال آنکھوں والا کالا آدمی تھا جو ریچھ کی طرح گھوڑے پر بیٹھا تھا۔ سرائے کا مالک دریا کنارے اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اس کے آتے ہی سرائے کے مالک نے کہا:

"سردار، تمہارے لیے ایک ایسی چیز تلاش کی ہے کہ تم خوش ہو جاؤ گے"۔

سردار ہوبلیکا گھوڑے سے اتر کر درختوں کے نیچے آ کر بیٹھ گیا۔

''کیا کوئی راجکماری ڈھونڈ لی ہے تم نے؟''

سرائے کے مالک نے کہا:

''سردار بس یہی سمجھ لو کہ وہ ایک راج کماری ہی ہے۔ تم اسے دیکھو گے تو خوش ہو جاؤ گے''۔

''کہاں ہے وہ؟''

''میری سرائے میں وہ آرام کر رہی ہے''۔

''تو پھر بولو اس کا کیا لو گے؟''

سرائے کے مالک نے کہا:

''اگر تم اسے ایک نظر دیکھ لو تو بات پکی ہو جائے گی''۔

سردار ہوبلیکا نے کہا:

''مجھے دیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں تمہاری بات پر اعتبار کرتا

ہوں۔ تم ہمارے پرانے آدمی ہو۔ بولو، اس کا کیا وصول کرو گے؟''۔

سرائے کے مالک نے کہا:

''ایک سو سونے کی اشرفیاں لے لوں گا''۔

''سو اشرفیاں نہیں، میں تمہیں مال دیکھے بغیر اسی اشرفیاں دے دوں گا۔ اس سے زیادہ ایک پائی نہیں دوں گا''۔

''چلو ٹھیک ہے۔ اب یہ بتاؤ کہ مال کب وصول کرنے آؤ گے؟''۔

''کل رات ٹھیک رہے گا''۔

''ہاں' کل آدھی رات کو تم سرائے کے باہر اسی جگہ آ جانا تمہارا مال یہاں موجود ہو گا''۔

''بہت اچھا' اب میں جا رہا ہوں''۔

ڈاکوؤں کا سردار ہوبلیکا شگنتلا کا سودا طے کرنے کے بعد

گھوڑے پر سوار ہو کر رات کے اندھیرے میں گم ہو گیا۔ سرائے کا مالک خوش خوش واپس سرائے میں آ گیا۔ بے چاری بدنصیب شکنتلا اپنی کوٹھڑی میں گہری نیند میں کھوئی ہوئی تھی۔ اسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ قسمت نے اس کے خلاف فیصلہ کر دیا ہے اور کل رات اسے ڈاکو وہاں سے اغوا کر کے لے جائیں گے۔ وہ رات بھر سوئی رہی۔ بے حد تھکی ہوئی تھی۔ دن کافی چڑھ آیا تھا کہ اس کی آنکھ کھلی۔

سرائے کا مکار مالک اس کے لیے خود گرم گرم دودھ لے کر آیا۔ وہ شکنتلا کے ساتھ اب زیادہ ہمدردی کر رہا تھا کہ کہیں وہ وہاں سے چلی نہ جائے۔

وہ بڑا خوش تھا کہ بیٹھے بٹھائے اسے سونے کی اسی اشرفیاں مل جائیں گی۔

اس نے شکنتلا کو گرم دودھ پلایا۔ شکنتلا نے ہمالیہ پہاڑ کے

مندروں کی طرف جانے والے قافلے کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا کہ اس نے کل ہی معلوم کیا تھا۔

خیال ہے کہ آج رات ایک قافلہ ہمالیہ کی ریاست بمبی سار کی طرف جانے والا ہے۔ شکنتلا بڑی خوش ہوئی۔

سرائے کے مالک نے کہا۔

"تم آج رات تیار رہنا۔ ہو سکتا ہے قافلہ آدھی رات کو یہاں سے روانہ ہو جائے۔ اگر ایسا ہوا تو میں تمہیں اطلاع کر دوں گا"۔

شکنتلا کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ اس کا خیال تھا کہ جانے وہاں اسے کتنی دیر رہنا پڑے اور قافلہ کب وہاں سے چلے۔ یہ سن کر کہ قافلہ آدھی رات کو جا رہا ہے وہ بہت خوش تھی۔ اب وہ بڑی بے تابی سے رات کا انتظار کرنے لگی۔

ایک اور مصیبت

رات ہوگئی۔

سرائے کا مالک رات کا کھانا لے کر خود شکنتلا کی کوٹھڑی میں آیا۔ اس نے آتے ہی اسے خوشخبری سنائی کہ آدھی رات کو دریا کنارے سے روانہ ہو رہا ہے۔ شکنتلا کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آگئے۔ اس نے سرائے کے مالک کی ہمدردیوں کی بڑی تعریف کی اور کہا کہ وہ اس کے احسان کا بدلہ نہیں دے سکتی۔ وہ اس کے اچھے سلوک کو ہمیشہ یاد رکھے گی۔

سرائے کا مالک بولا:

”بی بی، غریب دکھی عورتوں کی خدمت کرنا تو میں اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ مجھے خوشی ہے کہ میں تمہارے کسی کام آسکا۔ اب تم تیار رہنا۔ آدھی رات کو تمہیں میرے ساتھ دریا کنارے چلنا ہوگا جہاں سے قافلہ روانہ ہوگا“۔

شکنتلا نے پوچھا۔

”بھائی قافلے عام طور پر صبح صبح روانہ ہوا کرتے ہیں۔ یہ قافلہ آدھی رات کو کیوں روانہ ہو رہا ہے؟“

سرائے کے مالک نے جھٹ کہا۔

”بی بی، اس ملک میں گرمیوں کے موسم میں قافلے آدھی رات کو ہی چلا کرتے ہیں تاکہ ٹھنڈے موسم میں کافی سفر طے کرلیا جائے۔ دن میں دھوپ نکل آتی ہے اور سفر مشکل ہو جاتا“۔

شگفتا کو یقین آ گیا۔ اس نے تیاریاں شروع کر دی۔ مگر اس کی تیاریاں بھی کیا ہو سکتی تھیں۔ بے چاری نے ایک تھیلے میں خشک پھل رکھ لیے۔ سرائے کے مالک نے اسے بکری کی کھال کا بستر بھی دے دیا اور کہا کہ راستے میں اس کے کام آئے گا۔ شگفتا نے کہا کہ وہ اپنے شہر جا کر اسے سنبل کا ریشمی بستر واپس کرے گی اور وہ کر سکتی تھی۔ کیوں کہ وہ تو ایک ریاست کے راجہ کنور کی بیٹی تھی۔ سرائے کے مالک کو کیا خبر تھی کہ وہ کتنی بڑی عورت کو ڈاکوؤں کے ہاتھ بیچ رہا ہے۔ وہ بولا۔

''اس کی کیا ضرورت ہے بی بی، میں دوسرا بستر بنا لوں گا۔ اسے تم اپنے پاس ہی رکھنا''۔

دل میں سرائے کے مالک نے یہ سوچ لیا تھا کہ وہ بستر ڈاکو سے واپس لے لے گا۔

''اچھا اب تم تھوڑی دیر کے لیے آرام کرو۔ میں آدھی رات کو آؤں گا''۔

''بہت اچھا بھائی''۔

سرائے کا مالک چلا گیا۔ شگفتا کو خوشی سے نیند نہیں آ رہی تھی۔ آج سے اس کے دکھوں کا سفر ختم ہو رہا تھا۔ حالانکہ اصل میں اس کے ایک اور دکھ کا سفر شروع ہو رہا تھا۔ وہ سوچ سوچ کر خوش ہو رہی تھی کہ بہت جلد وہ اپنے خاوند، اپنے باپ اور اپنے بچے سے ملے گی۔ بچے کو سینے سے لگا کر پیار کرے گی۔ اسے اپنے نیک دل بھائی عنبر کا خیال آ رہا تھا کہ نہ جانے بے چارا اس کی تلاش میں کہاں مارا مارا پھر رہا ہو گا۔ کاش اس وقت وہ بھی اس کے ساتھ ہوتا اور قافلے کے ساتھ سفر کرتا ہوا اس کے شاہی محل میں جاتا۔ کاش اسے پتہ چل سکتا کہ اس کی قسم پوری ہو رہی ہے اور شگفتا اپنے گھر جا رہی ہے۔

اس قسم کے خیال سوچ سوچ کر شکنتلا کوٹھڑی میں ادھر ادھر ٹہلتی
رہی۔ اسے ایک پل کے لیے بھی نیند نہیں اسے ایک پل کے لیے بھی
نیند نہیں آ رہی تھی۔ آدھی رات کا گجر بجا تو سردار ہوبلیکا سیاہ گھوڑے
پر سوار اپنے ساتھیوں کے ہمراہ دریا پار والے درختوں کے جھنڈ میں
پہنچ گیا۔ اس نے اپنے ساتھ بے ہوش کرنے والی دوا بھی لائے تھی۔
یہ دوا اس زمانے میں ایک جنگلی بوٹی کو پیس کر حاصل کی جاتی تھی۔
سردار ہوبلیکا پتھر پر بیٹھ گیا اور سرائے کے مالک کی راہ دیکھنے لگا۔
دریا میں آسمان پر چمکتے ستاروں کا عکس پڑ رہا تھا۔ درختوں میں اندھیرا
ہی اندھیرا تھا۔ اتنے میں چاند نکل آیا۔ اس کی زردسی ہلکی ہلکی روشنی
پھیل گئی۔ ایک ڈاکو نے کہا۔

”سردار، اتنا وقت گزر گیا سرائے کا مالک ابھی تک نہیں آیا۔
ضرور اس نے دھوکا کیا ہے“۔

سردار نے کہا۔

”اسے ہمارے ساتھ دھوکا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ کیا اس
نے ہم سے سونے کی اسی اشرفیاں وصول نہیں کرنی ہیں؟ اور اگر اس
نے ہمارے ساتھ مذاق کیا ہوگا تو ہم اسی درخت کے نیچے لا کر اس کا
سر تن سے جدا کر دیں گے“۔

لیکن سرائے کا مالک بیدار تھا۔ آدھی رات کو وہ شکنتلا کی کوٹھڑی
میں پہنچا اور اس نے دروازے پر آہستہ سے دستک دی۔ شکنتلا پہلے
ہی جاگ رہی تھی۔ اس نے خوشی خوشی لپک کر دروازہ کھول دیا۔

”تم آ گئے بھائی؟ کیا قافلہ تیار ہے؟“

سرائے کا مالک بولا۔

”ہاں بی بی، قافلے والے بالکل تیار ہیں۔ صرف تمہارا انتظار ہو
رہا ہے۔ کیا تم میرے ساتھ چلنے پر تیار ہو؟“۔

شکنتلا نے کہا:

"کیوں نہیں بھائی، میں تو صبح سے اس وقت کا انتظار کر رہی تھی۔ میں بالکل چلنے کو تیار ہوں"۔

"تو پھر میرے ساتھ آؤ"۔

سرائے کا مکار مالک معصوم اور بھولی بھالی شکنتلا کو لے کر سرائے سے باہر آ گیا۔ تمام مسافر سو رہے تھے۔ سرائے کی ڈیوڑھی کے باہر طاق میں ایک دیا جل رہا تھا۔ دو گھوڑے کھڑے تھے۔ سرائے کے مالک نے ایک گھوڑے پر شکنتلا کو سوار کرایا اور دوسرے پر خود بیٹھ گیا۔

"میرے ساتھ ساتھ چلی آؤ شکنتلا"

"بہت اچھا بھائی"۔

سرائے کے مالک نے اپنا گھوڑا آگے ڈال دیا۔ اس کے پیچھے پیچھے شکنتلا روانہ ہو گئی۔ بدنصیب شکنتلا بے خبر تھی کہ وہ تباہی کے منہ

میں جا رہی ہے۔ آخر سرائے کا مالک اسے لے کر دریا کنارے اس جگہ پہنچ گیا جہاں ڈاکو درختوں کے پیچھے چھپے ان کا انتظار کر رہے تھے۔ شکنتلا نے دیکھا کہ وہاں قافلے کا کوئی نشان نہیں تھا۔ نہ گھوڑے تھے، نہ بیل گاڑیاں تھیں اور نہ سفر کرنے والے مسافر تھے۔ وہ کچھ پریشان سی ہو کر بولی:

"بھائی، قافلہ کہاں سے روانہ ہوگا۔ یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے؟"

سرائے کے مالک نے بڑی مکاری سے کہا:

"قافلہ ابھی یہاں پہنچ جائے گا۔ اصل میں قافلہ دریا پر پانی بھرنے کے بعد روانہ ہونے والا تھا۔ تم یہاں ٹھہرو، میں درختوں کے پار جا کر دیکھتا ہوں۔ وہاں مسافر بیٹھے ہیں"۔

شکنتلا وہاں گھوڑے سے اتر کر کھڑی ہو گئی اور سرائے کا مالک درختوں میں گم ہو گیا۔ پہلی بار شکنتلا کے دل میں خطرے کا احساس

پیدا ہوا۔ کہیں میرے ساتھ دھوکا تو نہیں کیا جا رہا؟ اس نے سوچا پھر اسے خیال آیا کہ سرائے کا مالک ایک شریف آدمی ہے۔ بھلا اسے کیا ضرورت ہے کہ اس کے ساتھ دھوکا کرتا پھرے؟

ادھر سرائے کا مالک جوں ہی درختوں کے نیچے آیا، ڈاکو باہر آ گئے۔ سردار نے اس سے پوچھا۔

"مال کہاں ہے؟"

سرائے کے مالک نے کہا۔

"دریا کنارے گھوڑے کے پاس کھڑا ہے۔ میرے پیسے مجھے دو اور جا کر اپنے مال پر قبضہ کر لو"۔

ڈاکوؤں کے سردار نے تھیلی میں سے سونے کی اسی اشرفیاں نکال کر سرائے کے مالک کے حوالے کر دیں۔ سرائے کا مالک اشرفیاں اپنی تھیلی میں ڈال کر گھوڑے پر سوار ہوا اور دوسری طرف سے ہو کر

اپنی سرائے کی طرف روانہ ہو گیا۔ ڈاکوؤں کا سردار اپنے ساتھیوں کو لے کر اس جگہ کی طرف بڑھا۔ جہاں شگفتلا قافلے کی راہ دیکھ رہی تھی۔ اس نے قدموں کی آہٹ سنی تو مڑ کر دیکھا۔

اندھیرے میں اسے کچھ آنکھیں چمکتی دکھائی دیں۔ اس کا دل دھڑکنے لگا۔ اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"کون ہے؟"

اسی لمحے ڈاکو اس پر ٹوٹ پڑے۔ شگفتلا کے منہ سے ایک لمبی درد بھری چیخ نکلی۔ مگر اس کی درد بھری چیخ سننے والا وہاں کوئی نہیں تھا۔ ڈاکوؤں کے سردار نے اسے دوائی سنگھا کر بے ہوش کر دیا۔ پھر اسے گھوڑے پر ڈالا اور اپنے ساتھیوں کے ہمراہ گھوڑا دوڑاتے وہاں سے غائب ہو گیا۔

یہ ڈاکو گھوڑے دوڑاتے دریا کے ساتھ ساتھ کافی دور تک سفر

کرتے رہے۔ پھر انہوں نے ایک جنگل میں گھوڑے ڈال دیے۔ یہ
جنگل کافی گھنا تھا۔ یہاں چاند کی روشنی بھی نہیں پہنچ رہی تھی۔ اس
جنگل میں ایک پہاڑی کے دامن میں غار تھا۔ اس غار میں یہ ڈاکو آ کر
ٹھہرا کرتے تھے۔ غار کے منہ کے آگے ایک گھنا درخت اگا ہوا تھا
جس نے اس پر اپنی گھنی ٹہنیوں کا پردہ ڈال رکھا تھا۔ ویسے بھی اس
زمانے میں پولیس اتنی ہوشیار نہیں ہوا کرتی تھی جیسی کہ اب ہے۔
ڈاکو بڑی آسانی سے ڈاکہ ڈال کر غاروں میں جا کر چھپ جایا کرتے
تھے۔

سردار ہوبلیکا بے ہوش شکنتلا کو لے کر غار میں آ گیا۔ اس غار
میں جگہ جگہ پتھروں کی چوڑی سلیں پھیلی ہوئی تھیں۔ ایک اونچی لمبی سل
کے عقب میں ایک لکڑی کا تخت بچھا تھا۔ سردار اس تخت پر بیٹھ گیا۔
دوسرے ڈاکو اس کے گرد حلقہ بنا کر بیٹھ گئے۔ شکنتلا ابھی تک بے

ہوش تھی۔ انہوں نے شکنتلا کو اٹھایا اور غار کے اندر ایک کوٹھڑی میں
ڈال کر کوٹھڑی کے باہر بانس کا دروازہ گرا دیا۔ اب شکنتلا وہاں قید ہو
کر رہ گئی تھی۔ دروازے میں بھی رسیاں ڈال کر اسے بند کر دیا گیا تھا
اور شکنتلا کے ہاتھ پیر بھی رسیوں میں جکڑ دیے گئے تاکہ وہ وہاں سے
فرار نہ ہو سکے۔

اس کام سے فارغ ہو کر سردار ہوبلیکا نے کہا۔

"اب تھوڑی دیر میں صبح ہونے والی ہے۔ دن کی روشنی میں ہم
اس لڑکی کو کہیں نہیں لے جا سکتے۔ ہم رات ہونے تک اسی جگہ
رہیں گے۔ جب چاروں طرف رات کا اندھیرا پھیل جائے گا تو اس
عورت کو لے کر یہاں سے ہستنا پور کی طرف کوچ کر جائیں گے۔
ہستنا پور میں جو بڑا بردہ فروش رامو ہے وہ اس عورت کی اچھی قیمت
دے گا۔ کیوں کہ یہ عورت بڑی خوب صورت ہے۔ میں اس کی کم

سے کم قیمت ایک ہزار سونے کی اشرفیاں وصول کروں گا“۔

ڈاکو سارا دن غار میں چھپے رہے۔ دوپہر کے وقت شگفتا کو ہوش آیا تو اس نے اپنے آپ کو ایک غار میں پایا۔ اس کے دونوں ہاتھ پیٹھ پر بندھے ہوئے تھے۔ اس کے چاروں طرف خونخوار چہروں والے ڈاکو بیٹھے تھے۔ وہ رونے لگی۔ سردار ہوبلیکا نے اسے ڈانٹ کر کہا۔

”سن اے کم بخت عورت‘ تیرے رونے دھونے کا یہاں کسی پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔ ہم میں سے ہر ایک نے تمہارے ایسی جانے کتنی عورتوں کو قتل کیا ہے۔ ہم بڑے پتھر دل ڈاکو ہیں۔ مگر ہم تمہیں قتل نہیں کریں گے۔ تمہیں خوش ہونا چاہیے کہ تو ہمارے ہاتھوں مرنے سے بچ گئی“۔

شگفتا خاموش ہو گئی۔ آنسو اس کی آنکھوں میں خشک ہو گئے۔ وہ سمجھ گئی کہ وہ ظالم قسم کے ڈاکوؤں کے نرغے میں پھنس گئی ہے۔ وہ شیر

سے بچ گئی تھی۔ مگر اب ڈاکوؤں سے بچنا مشکل تھا۔ بہتر یہی ہے کہ خاموش رہے اور موقع تلاش کرے کہ فرار ہو سکے۔ لیکن ڈاکوؤں نے وہاں سے بھاگنے کے سارے راستے بند کر رکھے تھے۔ ایک تو وہ سارے کے سارے اس کے اردگرد بیٹھے پہرہ دے رہے تھے۔ دوسرے انہوں نے شگفتا کے ہاتھ باندھ رکھے تھے۔ دوپہر کو انہوں نے اسے پینے کے لیے گرم دودھ اور جو کی باسی روٹی دی جسے شگفتا نے زہر مار کر لیا۔ کیونکہ اسے سخت بھوک لگی تھی۔

شام ہو گئی۔ غار میں اندھیرا ہو گیا۔ پھر رات آ گئی۔ ڈاکوؤں نے غار میں ایک دیا روشن کر دیا۔ سردار ہوبلیکا تھوڑی دیر کے لیے باہر نکل گیا۔ آدھی رات کے وقت وہ واپس غار میں آیا اور بولا۔

”یہاں سے کوچ کرنے کا وقت آ گیا ہے۔ چلو‘ اس عورت کا منہ بند کر دو۔ بے ہوش کرنا اب ٹھیک نہیں ہے“۔

ایک ڈاکو نے سردار کا اشارہ پا کر شکنتلا کے منہ پر رومال باندھ دیا۔ پھر اسے اٹھا کر گھوڑے پر ڈال کر اوپر بکرے کی کھال رکھ دی گئی۔ باقی گھوڑوں پر ڈاکو سوار ہو کر غار میں سے نکلے اور دریا کنارے آ کر سرپٹ گھوڑے دوڑاتے شہر ہستنا پور کی طرف روانہ ہو گئے۔ پو پھٹنے تک وہ دریا کنارے سفر کرتے رہے۔ پھر وہ بائیں طرف کو گھوم گئے۔ یہاں اونچے اونچے پہاڑوں کے درے شروع ہوتے تھے۔ ان دروں میں جگہ جگہ جنگلی جھاڑیوں کے جھنڈ اگے ہوئے تھے۔ ان جھنڈوں میں بڑے زہریلے سانپ اور بچھو رہتے تھے۔ ڈاکوؤں نے کئی ایک سانپ گھوڑوں تلے روند ڈالے۔

دوپہر کو انہوں نے ایک پہاڑ کے اوپر قیام کیا۔ یہاں کھانا کھایا گیا۔ شکنتلا کے ہاتھ اور منہ کھول دیا گیا۔ بے چاری بدنصیب لڑکی کچھ نہیں بول رہی تھی۔ اب تو وہ مصیبت میں رونا بھی بھول گئی تھی۔

مجبوراً اس نے بھی ڈاکوؤں کے ساتھ روٹی اور بھنا ہوا خشک گوشت زہر مار کیا۔ سردار ہو بلیکا نے شکنتلا سے پوچھا۔

"تم کون ہو؟ کہاں سے آ رہی تھیں؟"

شکنتلا نے انہیں یہ نہ بتایا کہ وہ لمبی سار کے راجہ کنور کی بیوی ہے۔ اس خیال سے کہ اس کی ریاست کی بدنامی ہو گی اور پھر نہ جانے ڈاکو اس کی زیادہ سے زیادہ قیمت وصول کرنے کے لیے اسے کہاں کہاں لیے پھریں۔ اس نے جھوٹ موٹ کہا۔

"میں ملک مصر میں اپنے خاوند کے ساتھ رہتی تھی۔ اس کی موت کے بعد میں اکیلی اپنے شہر واپس جا رہی تھی۔ کہ سرائے میں قیام کیا اور پھر تم لوگوں کے قبضے میں آ گئی"۔

سردار ہو بلیکا قہقہہ لگا کر ہنسا:

"تمہیں خوش ہونا چاہیے کہ تمہارے پیچھے کوئی تمہیں رونے والا

نہیں ہوگا۔ تم اکیلی جان ہو جہاں جی چاہا رہ سکتی ہو۔ ویسے جس شخص
کے ہاتھوں ہم تمہیں فروخت کریں گے وہ بھی شاید تمہیں افریقہ کے
کسی شہر میں لے جا کر بیچے گا۔ کیوں کہ اس ملک میں تمہاری ایسی
خوش شکل عورتوں کی قیمت زیادہ پڑتی ہے"۔

شگفتالا نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

"کیا تم لوگ مجھ پر ترس نہیں کھاؤ گے۔ میرا ایک چھوٹا بچہ بھی
ہے۔ وہ میرے بغیر مر جائے گا۔ اس ننھی سی جان پر ہی رحم کھاؤ اور
مجھے واپس جانے دو"۔

سردار ہوبلیکا گرج کر بولا۔

"مکار عورت ابھی تو تو کہہ رہی تھی کہ میرا اس دنیا میں کوئی نہیں
ہے۔ اب کہتی ہے کہ میرا ایک بچہ بھی ہے۔ سچ سچ بتا تو کون ہے اور
کہاں سے آ رہی ہے؟"

شگفتالا نے روتے ہوئے کہا۔

"میں جھوٹ نہیں کہہ رہی ہوں سردار، میرا بچہ میرے شہر میں
میری ساس کے پاس رہتا ہے۔ اس کا سوائے میرے اس دنیا میں
اب کوئی نہیں رہا۔ مجھے جانے دو بھگوان کے لیے مجھے جانے دو"۔

سردار ہوبلیکا نے شگفتالا کو بالوں سے پکڑ کر جھنجھوڑا۔ شگفتالا کی چیخ
نکل گئی۔

"رحم کرو مجھ پر ظالمو"۔

"بکواس بند کرو بد بخت عورت' نہیں تو ابھی خنجر مار کر تمہارا کام
تمام کر دوں گا"۔

اس کے فوراً بعد سردار ہوبلیکا نے کوچ کا حکم دے دیا۔

"سفر جاری رکھا جائے"۔

ڈاکوؤں کا یہ چھوٹا سا قافلہ دوبارہ چل پڑا۔ پہاڑوں، دروں سے

نکلے تو تیسرے پہر دور ایک شہر کے مکان دکھائی دیے۔ یہی شہر ہستنا پور تھا۔ اسی شہر میں مشہور عورتوں کی تجارت کرنے والا بردہ فروش رامو رہتا تھا۔ شہر سے باہر ہی ڈاکوؤں نے پڑاؤ ڈال دیا۔ ایک بار پھر شکنتلا کے منہ کو کپڑے سے بند کر کے اس کے ہاتھ پشت پر باندھ دیے گئے۔ ڈاکوؤں کے سردار نے کہا۔

"تم لوگ اسی جگہ کھنڈروں میں ٹھہرو۔ میں رامو کو بلا کر لاتا ہوں۔ اس خوش شکل عورت کا سودا اسی جگہ کر دیا جائے گا"۔

سردار چلا گیا۔ ڈاکو پیچھے شکنتلا کے گرد گھیرا ڈال کر بیٹھے پہرہ دیتے رہے شام کا وقت ہو رہا تھا کہ سردار ہوبلیکا اپنے ساتھ کالے سیاہ، بڑی بڑی مونچھوں والے رامو کو لے کر وہاں پہنچ گیا۔ رامو کا پیٹ نکلا ہوا تھا۔ اس نے آتے ہی شکنتلا کو غور سے دیکھا اور مونچھوں پر ہاتھ پھیر کر بولا:

"مال تو اچھا ہے سردار، بتاؤ کیا دوں اس کا؟"

ایک ہزار اشرفیوں پر بات طے ہو گئی۔ رامو نے ایک ہزار اشرفیاں سردار ہوبلیکا کو ادا کر دیں۔ رامو شکنتلا کو بے ہوش کر کے گھوڑے پر ڈال کر وہاں سے بھاگ گیا۔ شکنتلا کو جب ہوش آیا تو وہ ایک تہہ خانے میں بستر پر لیٹی تھی جس کی چھت نیچی تھی اور کھڑکی پر سلاخیں لگی تھیں۔ شکنتلا نے اٹھ کر کھڑکی میں سے جھانک کر دیکھا۔ بہت نیچے ایک گھوڑا گاڑی کھڑی تھی۔

فرار اور سانپ

شکنتلا کو اب معلوم ہوا کہ وہ ایک مکان کی سب سے اوپر منزل پر
قید ہے۔

وہ اسے تہہ خانہ سمجھ رہی تھی۔ کھڑکی میں سلاخیں لگی تھیں اور شہر
کے مکان دکھائی دے رہے تھے۔ مکانوں کے درمیان راجہ ہنومان کا
محل نظر آ رہا تھا۔ جس کے گنبد پر چاندی کا چھتر لگا ہوا تھا۔ یہ شہر زیادہ
بڑا نہیں تھا۔ کہیں کہیں مکانوں میں درختوں کے جھنڈ نظر آ رہے
تھے۔ وہ ساری رات بے ہوش رہی تھی۔ اب اسے بھوک لگ رہی

تھی۔ کمرے کی دیواریں پتھر کی بنی ہوئی تھیں۔ اسے قید کر دیا گیا
تھا۔ بڑی بڑی خوفناک مونچھوں والا راموا سے کسی بڑے آدمی کے
پاس فروخت کر کے زیادہ دولت کمانا چاہتا تھا۔ شکنتلا کو اپنی قسمت پر
رونا آ گیا۔ بے چاری جب سے گھر سے نکلی ہے اسے ایک پل کے
لیے چین نصیب نہیں ہوا۔ کبھی شہروں میں ماری ماری پھرتی ہے
اور کبھی جنگلوں میں بھٹکتی ہے۔

کمرے کا دروازہ کسی نے باہر سے کھولا۔ اندر ایک ڈاکو ہاتھ میں
روٹی کی چنگیر اور بھنے ہوئے مرغ کا سالن لے کر آیا۔ یہ لوگ شکنتلا
کو اچھے سے اچھا کھلانا چاہتے تھے تا کہ وہ تندرست رہے اور اس کی
زیادہ قیمت وصول کی جائے۔ شکنتلا نے سوچا کہ اس کے ساتھ جو ہونا
ہے وہ تو ہوتا ہی رہے گا۔ اب اگر کھانا اچھا ملا ہے تو پھر اسے کیوں نہ
کھائے۔ چنانچہ اس نے خوب ڈٹ کر کھانا کھایا اور بکروں کی کھال

کے بستر پر لیٹ گئی۔ اب وہ بڑی بے خوف ہوگئی تھی۔ مصیبتیں سہہ سہہ کر انسان سخت جان بن جاتا ہے۔ پہلے وہ بات بات پہ ڈرا کرتی تھی۔ اب اس نے یونہی ڈرنا چھوڑ دیا تھا۔

ویسے دل میں اس نے سوچ رکھا تھا کہ جیسے ہی اسے کوئی موقع ملا وہ فوراً وہاں سے بھاگنے کی کوشش کرے گا۔ اس لیے وہ بڑی چوکس رہنے لگی۔ اس نے کھانا لانے والے ڈاکو سے یونہی ادھر ادھر کی باتیں شروع کردیں۔ وہ اس سے یہ پتہ کرنا چاہتی تھی کہ اسے ہنومان رجہ کے شہر سے کہاں لے جا کر فروخت کیا جائے گا۔ لیکن ڈاکو جو کھانا لے کر آیا تھا بڑا ہوشیار تھا۔ وہ زیادہ باتیں نہیں کر رہا تھا۔ شگفتہ بہت سی باتیں پوچھتی تو وہ صرف ایک بات کا جواب دیتا۔

شگفتہ نے پوچھا۔

"کیا تم اسی جگہ پیدا ہوئے تھے؟ تمہارے ماں باپ کہاں ہیں۔

تم تو چہرے سے مجھے کسی شریف خاندان کے آدمی لگتے ہو۔ پھر تم ان ڈاکوؤں میں کس طرح پھنس گئے؟"

یہ بڑی جذباتی باتیں تھیں۔ ڈاکو کے دل پر چوٹ پڑی کہ وہ واقعی برے دوستوں کی صحبت کی وجہ سے ان ڈاکوؤں میں پھنس گیا تھا۔ مگر اس کی آنکھوں کے سامنے خوف ناک راموکی شکل آ گئی جس نے کہا تھا کہ خبردار اس عورت سے زیادہ بات مت کرنا اس نے صرف اتنا کہا۔

"میں ڈاکو ہوں۔ ڈاکو پیدا ہوا اور ڈاکو ہی مروں گا"۔

شگفتہ نے پھر اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا اور کہا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے بھلا۔ تمہارا چہرہ بتا رہا ہے کہ تم ایک شریف ماں کے بچے ہو"۔

"خاموش"

ڈاکو نے چیخ کر شگفتہ کو چپ کرا دیا۔ اور چنگیر لے کر کوٹھڑی سے باہر نکل گیا۔ باہر جا کر اس نے دروازہ بند کر کے تالہ ڈال دیا۔ شگفتہ پھر اکیلی رہ گئی۔ اس نے کھڑکی میں سے نیچے جھانکا۔ تیسری منزل کی کوٹھڑی میں تھی۔ یہاں سے وہ رسی کے ذریعے نیچے اتر تو سکتی تھی مگر ایسا کرنا بہت خطرناک تھا۔ اس لیے کہ نیچے کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں پاؤں ٹکا کر وہ اتر سکے اور اس کے علاوہ اس کے پاس کوئی رسی بھی تو نہیں تھی۔ اس نے فرار ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ اس سے پہلے کہ یہ ظالم شخص رامو اسے کسی امیر آدمی کے ہاتھوں فروخت کر دے وہ جلد سے جلد وہاں سے نکل جانا چاہتی تھی۔ اب سوال یہ تھا کہ وہ وہاں سے کیسے فرار ہو؟

شگفتہ دن بھر اس بارے میں سوچتی رہی۔ شام ہو گئی۔ ایک اور ملازم اس کے لیے کھانا لے کر آیا۔ اس ملازم کی عمر پکی تھی۔ اور سر کے

بال سفید ہونا شروع ہو گئے تھے۔ شگفتہ سمجھ گئی کہ یہ ڈاکو نہیں ہے بلکہ رامو کا باورچی یا گھریلو ملازم ہے۔ شگفتہ نے سوچا کہ اس شخص کی انسانی ہمدردی کو جلدی بیدار کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اس نے کبھی کسی کو قتل نہیں کیا ہوگا اور کبھی ڈاکہ نہیں ڈالا ہوگا۔ چنانچہ اس نے کھانا کھانے سے پہلے ملازم سے کہا:

”بھائی، تم بڑے بھلے مانس ہو جو میرے لیے اتنا اچھا کھانا لائے۔ اپنے باورچی سے میرا سلام کہنا اور شکریہ ادا کرنا۔ تمہارا باورچی سچ مچ بہت عمدہ پکاتا ہے“۔

نوکر نے جھٹ کہا:

”میں ہی یہ کھانا پکاتا ہوں“۔

شگفتہ بولی۔

”تو کیا تم ڈاکو نہیں ہو؟ میں بھی سوچ رہی تھی کہ اتنا اچھا آدمی

ڈاکو نہیں ہو سکتا۔ تم شکل سے مجھے اپنے بڑے بھائی معلوم ہو رہے ہو۔ تمہاری شکل بالکل میرے بھائی سے ملتی ہے۔ کیا میں تمہیں بھائی کہہ سکتی ہوں"۔

شگفتا کی یہ چال بڑی کامیاب رہی۔ نوکر کے دل پر شگفتا کی باتوں کا بڑا اثر ہوا۔ مگر اوپر سے وہ بالکل پتھر کا بت بنا شگفتا کے سامنے بیٹھا اسے کھانا کھاتے دیکھتا رہا۔ شگفتا باتیں کر رہی تھی اور صرف ہوں، ہاں کہہ کر جواب دیتا تھا۔

شگفتا نے کہا۔

"میرے بھائی، اگر تمہاری کوئی اپنی بہن ہوتی اور اسے یہ لوگ گھر سے اٹھا کر فروخت کرنے کے لیے اس جگہ لا کر قید کر دیتے تو تم کیا کرتے؟"

نوکر نے کہا۔

"میں ان لوگوں کو باری باری قتل کر کے خود سب سے بڑا ڈاکو بن جاتا، مگر کسی عورت کو اغوا کر کے فروخت نہ کرتا"۔

شگفتا بولی۔

"شاباش، بھائی مجھے تم سے اسی جواب کی امید تھی۔ تم ایک بے حد شریف اور خاندانی نوجوان ہو۔ میں تمہیں پسند کرتی ہوں۔ تمہارے اندر انسانی شرافت ابھی باقی ہے۔ کاش میرا بھی کوئی تمہاری طرح کا بھائی ہوتا۔ پھر وہ مجھے قید میں پڑا دیکھ کر میری مدد کرتا"۔

"کیا تم میرے بھائی کی جگہ نہیں لے سکتے؟"

نوکر نے سر جھکا دیا۔ جب سر اٹھایا تو اس کے چہرے پر بڑی نرمی سی تھی۔ اس نے کہا۔

"سنو، تم نے باتیں کر کے میرے دل پر بڑا اثر کیا ہے۔ میں تمہارے لیے صرف اتنا کر سکتا ہوں کہ تمہیں ایک رسی لا دوں تاکہ تم

رات کو کھڑکی میں سے باہر فرار ہو جاؤ“۔

شگفتہ بڑی خوش ہوئی کہ اس نے نوکر کے دل کو موم کر لیا تھا۔ اس نے جھٹ کہا:

”مگر اس کھڑکی کی سلاخیں میں نہیں توڑ سکتی میرے بھائی“ نوکر نے کہا۔

”میں رات کو آ کر کھڑکی کی تین سلاخیں اکھاڑ دوں گا۔ تم رسی باندھ باندھ کر فرار ہو جانا۔ اس سے زیادہ میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ ان لوگوں نے تم پر بڑا سخت پہرہ لگا رکھا ہے۔ لیکن میری ایک شرط ہے کہ اگر تم پکڑی گئیں تو میرا نام ہرگز نہ لینا نہیں تو یہ ظالم شخص رامو مجھے قتل کر دے گا۔

شگفتہ نے کہا:

”میں وعدہ کرتی ہوں مر جاؤں گی مگر زبان نہیں کھولوں گی“

”تو پھر آج رات آ کر تمہیں رسی دے جاؤں گا اور کھڑکی کی تین سلاخیں بھی اکھاڑ دوں گا“۔

اتنا کہہ کر نوکر برتن لے کر وہاں سے چلا گیا۔

شگفتہ نے خدا کے حضور سجدہ کیا کہ اس نے اس کی آخر سن لی۔ اب وہ بڑی بے تابی سے رات کا انتظار کرنے لگی۔ نوکر نے اتنا شگفتہ کو بتا دیا تھا کہ رامو اسے فروخت کرنے کے سلسلے میں شہر سے باہر گیا ہوا ہے اور کل واپس آ کر اسے ساتھ لے جائے گا۔ اس کا مطلب تھا کہ شگفتہ کے پاس صرف ایک رات ہی باقی تھی۔ اس ایک رات میں اگر وہ بھاگ سکتی ہے تو بھاگ جائے۔ نہیں تو پھر ساری زندگی کسی امیر آدمی کی لونڈی بن کر زندہ رہنا پڑے گا۔

شگفتہ نے فیصلہ کر لیا کہ خواہ وہ تیسری منزل سے گر کر مر جائے گی گی مگر وہاں سے بھاگنے کی کوشش ضرور کرے گی۔ رات کا اندھیرا شہر

میں پھیل گیا۔ دور مکانوں میں کہیں کہیں روشنی ہوگئی۔ شگفتالا کے کان دروازے پر لگے تھے کہ کب نوکر آ کر اسے رسی دیتا ہے۔ آدھی رات کو نوکر دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں بکرے کی اون کی بٹی رسی کا گچھا تھا۔ اور سلاخ اکھاڑنے والا اوزار تھا۔ اندر آ کر اس نے رسی شگفتالا کے پاس رکھ دی۔ دروازہ اندر سے بند کیا اور اوزار کی مدد سے کھڑکی کی سلاخیں اکھاڑنا شروع کر دیا۔ وہ بڑی خاموشی اور جانفشانی سے اپنے کام میں لگا ہوا تھا۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد اس نے کھڑکی کی تین سلاخیں اکھاڑ کر پرے پھینک دیں۔ پھر شگفتالا سے کہا۔

"میں رسی اس ستون کے ساتھ باندھ کر ایک سرا کھڑکی سے باہر پھینک دیتا ہوں۔ اب تم جانو تمہارا کام۔ میں زیادہ دیر یہاں نہیں رک سکتا۔ مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے"۔

یہ کہہ کر نوکر کوٹھڑی سے نکل گیا۔ باہر سے اس نے دروازے پر تالا ڈال دیا اور پھر نیچے اتر گیا۔ اس نے رسی ستون سے باندھ ڈالی تھی۔ شگفتالا نے رسی کا دوسرا سرا کھڑکی میں سے باہر پھینک دیا۔ یہ مکان کا پچھواڑہ تھا۔ سلاخیں اکھڑ جانے سے وہاں اتنی جگہ پیدا ہوگئی تھی کہ شگفتالا بڑی آسانی سے اس میں سے گزر سکتی تھی۔ باہر بڑا گھپ اندھیرا تھا۔ شگفتالا کے لیے ایک ایک لمحہ بڑا قیمتی تھا۔ وہ وقت ضائع نہیں کرنا چاہتی تھی۔

اس نے رسی کو مضبوطی سے پکڑا اور کھڑکی کی سلاخوں والی جگہ سے گزر کر باہر لٹک گئی۔ نیچے اس کے پاؤں کسی چیز سے بھی نہیں ٹکرا رہے تھے۔ اس نے آہستہ آہستہ نیچے کھسکنا شروع کر دیا تھا۔ ایک منزل اتر کر اس کے پاؤں دوسری منزل کی کھڑکی کے چھجے سے جا لگے۔ چھجے پر رک کر اس نے کچھ دیر آرام کیا اور پھر خدا کا نام لے کر

نیچے اترنا شروع کر دیا۔ رسی بڑی مضبوط تھی۔ اس کا پورا بوجھ لے کر اسے نیچے اتار رہی تھی۔ وہ دوسری منزل سے بھی اتر گئی۔ اب تیسری منزل سے گزر رہی تھی۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ اس پر کسی کی بھی نظر نہیں پڑی۔

ویسے بھی آدھی رات کو ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا اور سارے ڈاکو اندر گہری نیند سو رہے تھے۔ شکنتلا جلدی جلدی لٹکتی ہوئی تیسری منزل سے بھی نیچے اتر گئی۔ اس کے پیر زمین پر لگے تو اس کی جان میں جان آ گئی۔ اس نے رسی کو اسی جگہ پھینکا اور ایک طرف کو بھاگنا شروع کر دیا۔ وہ جس جگہ سے گزر رہی تھی یہ ایک کچا راستہ تھا جو گندے نالے کے ساتھ ساتھ جا رہا تھا۔ ایک طرف کچے مکانوں کی قطار دور تک چلی گئی تھی۔ شکنتلا کو بھاگتے دیکھ کر ایک جھونپڑی کے باہر سویا ہوا کتا زور سے بھونکا۔ شکنتلا رک گئی اور پھر آہستہ آہستہ چلنے

لگی۔ کتا پھر سو گیا۔

شکنتلا نے دوبارہ بھاگنا شروع کر دیا۔

بھاگتے بھاگتے وہ شہر سے باہر آ گئی۔ ستاروں کی روشنی میں اسے دور ایک جگہ سے دھواں اٹھتا نظر آیا۔ وہ کسی بھی گھر میں داخل ہونے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی۔ اسے تو یوں لگ رہا تھا جیسے یہ سارا شہر ہی ڈاکوؤں کا ہے۔ پھر بھی صبح ہونے سے پہلے پہلے وہ کسی نہ کسی جگہ پناہ ضرور حاصل کرنا چاہتی تھی۔ تاکہ جب ڈاکو اس کی تلاش میں نکلیں تو وہ کسی جگہ پر چھپی ہوئی ہو۔ پہلے اس نے سوچا کہ وہ کسی مکان کے اندر جا کر پناہ حاصل کرے۔ پھر اسے خیال آیا کہ اسے کسی پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔ یہ سوچ کر شکنتلا نے دریا کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ دریا کی طرف سے ٹھنڈی ہوا آ رہی تھی۔

وہ بہت جلد دریا کنارے پہنچ گئی۔ ستاروں کی ہلکی روشنی میں دریا

کنارے اگے ہوئے درختوں کے جھنڈ خاموش کھڑے تھے۔ دریا کا
پانی بڑی خاموشی سے بہہ رہا تھا۔ وہ شمال کی طرف دریا کنارے
آگے ہی آگے بڑھتی چلی گئی۔ وہ شہر سے دو نکل آئی تھی۔ اب مشرق
میں پو پھٹ چکی تھی۔ آسمان پر نیلے رنگ کی روشنی پھیلنے لگی تھی۔ شگفتا
تھک کر ایک جگہ بیٹھ گئی۔ اس نے سانس لیا۔ دریا کا پانی پیا۔ منہ ہاتھ
دھویا۔ وہ تازہ دم ہو گئی۔ ہلکی ہلکی صبح کی روشنی نمودار ہونے لگی تھی۔ اس
روشنی میں شگفتا کو ایک جگہ جھاڑیوں کا جھنڈ دکھائی دیا۔ وہ اس جھنڈ
کی طرف آ گئی۔ یہ جھاڑیاں اونچی اور پھیلی ہوئی تھیں۔ جھاڑیوں
کے اندر جگہ خالی تھی۔ زمین پر جھاڑیوں کے خشک پتے اور سوکھی
شاخیں بکھری پڑی تھیں۔ اس سے اچھی جگہ چھپنے کے لیے اور کوئی
نہیں ہو سکتی تھی۔

شگفتا نے سوچا کہ جب تک کوئی ٹھکانہ نہیں ملتا اسی جگہ چھپ جانا

چاہیے۔ چنانچہ اس نے جھاڑیوں کے اندر جگہ صاف کی۔ جھاڑیوں
کے اندر آنے والی جگہ پر شاخیں توڑ کر لگا دیں تاکہ باہر سے کسی کو
شک نہ پڑ جائے کہ اندر کوئی ہے۔ وہ سوکھی شاخوں کے بستر پر لیٹ
گئی۔ رات بھر کی جاگی ہوئی تھی۔ وہ لیٹتے ہی سو گئی۔

اب ذرا ڈاکو راموکی بھی خبر لیتے ہیں کہ اس نے جو صبح کو دیکھا کہ
کھڑکی کی سلاخیں ٹوٹی ہوئی ہیں اور باہر رسی لٹک رہی ہے تو اس کا چہرہ
غصے سے آگ بھبوکا ہو گیا۔ وہ ابھی ابھی پانچ ہزار سونے کی
اشرفیوں میں شگفتا کا سودا کر کے آ رہا تھا۔ اتنا بڑا نقصان بھلا وہ کیسے
برداشت کر سکتا تھا۔ اس نے سارے نوکروں کو قطار میں کھڑا کر دیا۔
چوکیدار کو تو اس نے الٹا لٹکا دیا جو نوکر کھانا لے کر جاتے تھے انہیں بھی
چھت کے ساتھ الٹا لٹکا دیا۔ جس نوکر نے شگفتا کو فرار ہونے میں مدد دی
تھی وہ راموکا بڑا پرانا نمک خوار تھا۔ اس پر راموکو شک نہ ہوا۔ یہ بھی

اچھا ہوا، وگرنہ کوئی پتہ نہیں تھا کہ بوڑھا نوکر سب کچھ بتا دیتا۔ راموکا مارے غصے کے برا حال ہو رہا تھا۔

اس نے ہنٹر سے نوکروں کو مارنا شروع کر دیا۔

"کم بخت نمک حرامو، تمہاری مدد کے بغیر وہ یہاں سے کبھی نہیں بھاگ سکتی تھی۔ ضرور تم میں سے کسی نے اسے رسی لا کر دی ہے اور سلاخیں اکھاڑی ہیں"۔

رامو نے مار مار کر نوکروں کا کچومر نکال دیا۔ مگر اب چڑیا اڑ گئی تھی۔ نوکروں کو مارنے سے کچھ بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نے اپنے خاص ڈاکو ساتھی کو ساتھ لیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر شکنتلا کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ مکان کے باہر شکنتلا کے پاؤں کے نشان گندے نالے کے ساتھ ساتھ جا رہے تھے۔ ڈاکو پیروں کے نشانوں کو دیکھتے ہوئے آگے روانہ ہو گئے۔ یہ ایک بڑی خطرناک بات تھی۔ کیوں کہ پاؤں

کے نشان شکنتلا کی جھاڑیوں تک لے جاتے تھے۔ مگر ایسا نہیں ہو رہا تھا۔ صبح ہی صبح دریا کنارے سے بھینسوں اور بکریوں کا ایک ریوڑ گزرا جس نے شکنتلا کے پاؤں کے نشان مٹا دیے۔

دریا کنارے پہنچ کر رامو اور ساتھی گھوڑوں پر سے اتر پڑے۔ شکنتلا کے پاؤں کے نشان بھینسوں اور بکریوں کے پاؤں کے نشانوں میں گم ہو گئے تھے۔ رامو وہیں بیٹھ گیا۔ اس کا پانچ ہزار اشرفیوں کا نقصان ہو رہا تھا۔ اس نے نوکروں کو کوسنا شروع کر دیا پھر اپنے ساتھی سے کہا۔

"اگر وہ لڑکی دریا کنارے تک آئی ہے تو ضرور دریا کے ساتھ ساتھ گئی ہو گی۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں بھی دریا کے ساتھ ساتھ اسے تلاش کرنا چاہیے"۔

ساتھی ڈاکو نے کہا۔

"اب دیر ہو گئی ہے۔ نہ جانے وہ اتنی دیر میں کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہو گی۔ بہر حال ہمیں تلاش ضرور کرنی چاہیے"۔

وہ گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور دریا کنارے چلنے لگے۔ کافی دور نکل جانے کے بعد وہ گھوڑوں کو پانی پلانے کے لیے رک گئے۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں قریب ہی جھاڑیوں میں شگفتہ چھپی ہوئی تھی۔ دن چڑھ آنے پر شگفتہ کی آنکھ کھل گئی۔ جھاڑیوں کے باہر دھوپ کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ جھاڑیوں کے اندر ہلکا ہلکا اندھیرا تھا۔ شگفتہ نے سوچا کہ باہر نکل کر دریا پر جا کر منہ ہاتھ دھونا چاہیے۔ وہ یہ سوچ کر باہر نکلنے ہی والی تھی کہ اسے گھوڑے کے ہنہنانے اور آدمیوں کے باتیں کرنے کی آواز سنائی دی۔ اس نے جھاڑیوں کی شاخیں پرے ہٹا کر دیکھا۔

باہر دیکھتے ہی اس کا دل دھڑکنے لگا ذرا فاصلے پر دریا کنارے

رامو اور اس کا ایک ڈاکو ساتھی گھوڑوں کو پانی پلا رہے تھے اور باتیں کر رہے تھے۔

شگفتہ نے ہاتھ جوڑ کر خدا سے دعا کی کہ وہ اسے ان ظالموں کے پنجے سے نجات دے۔ رامو اور اس کا ڈاکو ساتھی گھوڑوں کو پانی پلا رہے تھے۔ وہ دریا کنارے گھوڑوں سے اتر کر کھڑے تھے۔ رامو نے دریا کنارے کی جھاڑیوں کو غور سے دیکھا اور ڈاکو ساتھی سے کہا۔

"کم بخت وہ کہیں ان جھاڑیوں میں تو نہیں چھپی ہوئی؟"

ساتھی ڈاکو نے کہا۔

"ان جھاڑیوں میں بڑے بڑے زہریلے سانپ اور بچھو رہتے ہیں۔ یہاں اگر وہ چھپی بھی ہو گی تو سانپ کے زہر سے اب تک مر چکی ہو گی"۔

رامو نے کہا:

"پھر بھی میں ان جھاڑیوں کو ضرور دیکھوں گا"۔

یہ کہہ کر وہ دریا کنارے پھیلی ہوئی جھاڑیوں کے چھوٹے بڑے جھنڈوں کی طرف بڑھا۔

شگفتہ نے اسے اپنی طرف بڑھتے دیکھا تو اس کی تو جان ہی نکل گئی۔ اس نے آنکھیں بند کر کے خدا سے مدد کے لیے دعا کی۔ پھر آنکھیں کھولیں تو رامو ایک جھاڑی میں جھانک رہا تھا۔ وہاں بہت ہی جھاڑیوں کے جھنڈ پھیلے ہوئے تھے۔

رامو ڈاکو نے جوں ہی دوسری جھاڑی میں منہ ڈالا تو ایک سیاہ کالا ناگ پھن پھیلا کر اس کی طرف لپکا۔ رامو واپس بھاگا سانپ بھی اس کے پیچھے بھاگا۔

رامو نے چیخ کر اپنے ساتھی سے کہا۔

"بھاگو، سانپ! سانپ!"

وہ بھاگ رہا تھا۔ ڈاکو ساتھی بھی اٹھ بھاگا۔ افراتفری میں انہیں گھوڑوں پر سوار ہونے کی بھی مہلت نہ ملی۔ رامو اتنا موٹا تھا کہ اس سے زیادہ تیز بھاگا نہیں جاتا تھا۔ سانپ نے بھی انہیں ہلاک کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ سانپ اپنا پھن پھیلائے بڑی تیز رفتاری کے ساتھ رامو کا پیچھا کر رہا تھا۔

رامو ہانپتا کانپتا دریا کی پٹڑی پر ہی پہنچا تھا کہ سانپ اس کے سر پر جا پہنچا اور اس نے پھوں کی آواز کے ساتھ گردن جھکا کر بڑی جلدی سے رامو کی ٹانگ پر ڈس دیا۔ سانپ کے ڈسنے کے بعد ایک طرف کھڑا پھن اٹھائے جھومتا رہا۔ جیسے اپنے شکار کے مرنے کا نظارہ کرنا چاہتا ہو۔ یہ نظارہ شگفتہ بھی دیکھ رہی تھی۔

رامو کی ٹانگ پر سانپ نے ڈسا تو وہ وہیں رک گیا۔ اس نے جھک کر اپنی ٹانگ کو دیکھا۔ سانپ کے دانتوں کے نشان کی جگہ خون

کی دو بوندیں ابھر آئی تھیں۔ رامو سمجھ گیا کہ سانپ اپنا کام کر گیا ہے۔

اس نے سانپ کو مارنے کے لیے اپنی کمر سے خنجر نکالا۔ سانپ اس کی آنکھوں کے سامنے پھن اٹھائے لہرا رہا تھا اور اپنی سرخ آنکھوں سے رامو کو دیکھ رہا تھا۔ رامو نے خنجر ہاتھ میں پکڑا اور سانپ کی طرف بڑھا۔ اس دوران میں زہر نے اپنا کام کرنا شروع کر دیا تھا۔ رامو کے قدم لڑکھڑائے۔ اس کا ہاتھ جس میں خنجر تھا کانپنے لگا۔ رامو کے سارے جسم پر رعشہ طاری ہو گیا۔ وہ کپکپانے لگا۔ اس نے کھڑا رہنے کی بڑی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا۔

جھوم کر لڑکھڑایا۔ لڑکھڑا کر جھوما اور دھڑام سے زمین پر گر پڑا۔ اس کے بدن سے خون جاری ہو گیا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ اس نے اپنا گال زمین کے ساتھ لگا لیا۔

ایک ہچکی لی اور ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔

شگفتہ یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔

پراسرار پالکی

رامو کے مرتے ہی سانپ دریا کی طرف چلا گیا۔

رامو کا ساتھی ڈاکو وہاں سے بھاگ چکا تھا۔ ان کے دونوں گھوڑے دریا کنارے کھڑے تھے۔ شگفتا بڑی حیران ہوئی کہ خدا کس طرح بے گناہ کی مدد کرتا ہے۔ اور گنہگار کو اس کے گناہوں کی سزا دیتا ہے۔ پہلے تو اسے خیال آیا کہ باہر نکل کر گھوڑے پر سوار ہو اور وہاں سے بھاگ جائے۔ پھر اسے خیال آیا کہ ہو سکتا ہے رامو کا ساتھی واپس وہاں آ جائے اور گھوڑا لے کر شگفتا کا تعاقب شروع کر

دے۔ وہ جھاڑیوں کے اندر ہی چھپی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہی ہوا جس کا اسے ڈر تھا۔ رامو کا ساتھی دور سے پھونک پھونک کر قدم رکھتے وہاں دوبارہ آ گیا۔

اس نے چاروں طرف غور سے دیکھا کہ کہیں سانپ تو چھپا نہیں ہوا۔ پھر وہ رامو کی لاش کے پاس آیا۔ اس نے لاش کو کندھے پر اٹھایا۔ اسے کناروں پر لایا اور پھر دریا میں پھینک دیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر اس نے دونوں گھوڑوں کو پیار کیا۔ ایک گھوڑے پر خود سوار ہوا۔ اور دوسرے گھوڑے کو ساتھ لے کر وہاں سے چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد شگفتا نے خدا کا شکر ادا کیا کہ ایک بہت بڑی بلا سے اس کا پیچھا چھوٹ گیا۔ اب اسے خود جھاڑیوں سے خوف آنے لگا کہ کہیں وہاں کوئی سانپ نہ نکل آئے۔ وہ جھاڑیوں سے ڈرنے لگی تھی۔

چنانچہ وہ باہر نکل آئی۔ دریا کنارے کوئی بھی نہیں تھا۔ اس نے شمال کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ اسے بھوک لگ رہی تھی۔ راستے میں ایک درخت پر اس نے پکے ہوئے لال لال امرود لٹکتے دیکھے شکنتلا نے پیٹ بھر کر امرود کھائے اور آگے چل پڑی۔ کافی دور چلنے کے بعد اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ شہر بہت پیچھے رہ گیا تھا۔ دھوپ میں راجہ کے محل کا چاندی کا چھتر ابھی تک چمکتا دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے دل میں راجہ کے محل کا چھتر دیکھ کر ایک عجیب خیال آیا۔ کیوں نہ وہ راجہ سے جا کر مدد طلب کرے۔ کیوں نہ وہ اسے جا کر بتا دے کہ وہ بھی سار کے راجہ کنور کی بیٹی ہے اور مصیبتوں میں پھنس گئی ہے۔ راجہ ہنومان ضرور اس کی مدد کرے گا۔

یہ خیال شکنتلا کو پسند آیا۔ اس نے راجہ کے محل میں جانے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ ایک دم واپس گھومی اور راجہ کے محل کی طرف چلنے لگی۔ وہ

شہر کے دروازے پر آ گئی۔ دروازے پر پہریدار نے اسے روک کر پوچھا کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آئی ہے؟ شکنتلا نے اسے یونہی بتایا کہ وہ ایک کسان کی بیوی ہے۔ کسان گاؤں سے شہر سبزی فروخت کرنے آیا تھا۔ ابھی تک گھر واپس نہیں گیا۔ وہ اسے تلاش کرتی وہاں آئی ہے۔ پہرے دار نے شکنتلا کو اندر جانے دیا۔ اس کا حلیہ بھی غریب کسان عورتوں جیسا بنا ہوا تھا۔ شہر کی چار دیواری میں آ کر شکنتلا نے راجہ کے محل کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ راجہ کا محل شہر میں صاف اور سب سے الگ دکھائی دے رہا تھا۔

راجہ کے محل کے قریب آ کر وہ رک گئی۔ راجہ ہنومان کا محل اتنا شاندار محل تھا۔ جتنا کہ شکنتلا کے راجہ کنور کا محل تھا۔ دو چار گنبد تھے اور پتھر کی چار دیوار میں بہت بڑا دروازہ لگا ہوا تھا۔ جس کی ایک کھڑکی کھلی تھی۔ شکنتلا کھڑکی کے پاس آئی تو چوکیدار سپاہیوں نے اسے

روک کر پوچھا کہ وہ کون ہے؟

شکنتلا نے کہا:

''میں ہمالیہ کی ریاست بمبی سار کے راجہ کنور کی بیوی ہوں۔ مجھ پر ایک مصیبت ٹوٹ پڑی ہے۔ میں راجہ ہنومان سے ملنا چاہتی ہوں''۔

سارے سپاہی شکنتلا کے پھٹے ہوئے کپڑے اور گندے بال دیکھ کر ہنس پڑے۔ انہوں نے شکنتلا کا مذاق اڑانا شروع کر دیا۔

''تو پاگل ہوگئی ہے عورت، بھلا ایک راج کنور کی بیوی کی ایسی حالت ہوتی ہے جیسی کہ تمہاری ہے؟ چل بھاگ جا یہاں سے۔ ورنہ راجہ کو خبر ہوگئی تو وہ تمہیں پاگل خانے پہنچا دیں گے''۔

شکنتلا نے کہا:

بھائیو! یقین کرو میں راجہ بمبی سار کی بیوی ہوں۔ میں راج محل

میں رہتی تھی کہ ڈاکو مجھے اٹھا کر لے گئے۔ ان سے بڑی مشکل سے جان بچا کر بھاگی ہوں۔ تم مجھے راجہ ہنومان جی سے ملا دو۔ میں انہیں اپنی بپتا سنانا چاہتی ہوں''۔

سپاہی اور زیادہ کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

''بھاگ جا یہاں سے پاگل عورت، چل بھاگ یہاں سے ورنہ ابھی تم پر کتے چھوڑ دیے جائیں گے''۔

کرنا خدا کا کیا ہوا کہ اتنے میں وہاں سے رانی ہنومان کی سواری گزری۔ اس نے جو دروازے پر شور سنا تو ایک سپاہی کو بلا کر پوچھا۔

''یہاں کیا ہو رہا ہے؟ یہ شور کیسا ہے؟''

سپاہی نے جھک کر آداب بجالاتے ہوئے کہا۔

''مہارانی جی، ایک پھٹے کپڑوں والی عورتوں کہیں سے آ گئی ہے۔ کہتی ہے کہ میں ہمالیہ کی ریاست بمبی سار کے راجہ کنور کی بیوی

ہوں اور راجہ جی سے ملاقات کرنا چاہتی ہوں"۔

رانی کا دل بڑا نرم تھا۔ اس نے سپاہی سے کہا۔

"اس عورت کو ہمارے محل میں ابھی پیش کرو"۔

"جو حکم مہارانی جی"۔

رانی کی سواری محل میں چلی گئی اور سپاہی نے بھاگ کر پہریداروں سے کہا۔

"رک جاؤ، اس عورت کو مہارانی نے راج محل میں بلایا ہے"۔

سپاہی خاموش ہو گئے۔ شکنتلا نے شکر ادا کیا کہ وہ راج محل میں رانی کے راج محل جانے میں کامیاب ہو گئی ہے۔ سپاہیوں نے اسی وقت شکنتلا کو راج محل میں رانی کے پاس پہنچا دیا۔ جس وقت شکنتلا رانی کے محل میں آئی۔ اس وقت وہاں رانی کے ساتھ راجہ ہنومان بھی موجود تھا۔ یہ ایک بڑا نرم دل اور مہربان راجہ تھا۔ اس نے شکنتلا کو سر

سے پاؤں تک دیکھا۔ اس کی تجربہ کار آنکھوں نے اندازہ کر لیا کہ یہ کوئی شاہی خاندان کی عورت ہے۔ اگرچہ کپڑے پھٹے ہیں۔ بالوں میں گرد جمی ہے اور چہرے پر خراشیں ہیں مگر آنکھیں بتا رہی ہیں کہ کسی محل کی رانی ہے۔

رانی ہنومان نے شکنتلا کو چوکی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ شکنتلا چوکی پر بیٹھ گئی تو رانی نے پوچھا کہ وہ کون ہے۔ کہاں سے آ رہی ہے۔ اور کدھر جانے کا ارادہ رکھتی ہے؟

شکنتلا نے کہا:

"اے مہارانی! اس وقت جو عورت پھٹے ہوئے کپڑوں اور گرد سے بھرے ہوئے بالوں کے ساتھ تمہارے سامنے کھڑی ہے وہ ہمالیہ کی ریاست بھی سار کے راجہ کنور کی بیوی ہے"۔

راجہ اور رانی خاموش ہو گئے۔ وہ بڑے غور سے شکنتلا کو دیکھ رہے

تھے۔انہوں نے پوچھا:

"تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ تم بھی سار کے راجہ کنور کی بیوی ہے؟ کیا تیرے بازو پر ہندوستان کی مہارانیوں کی چھاپ لگی ہے؟"

شکنتلا بولی۔

"جی ہاں، آپ یہ چھاپ دیکھ سکتے ہیں"۔

اس زمانے میں ملک ہندوستان میں یہ دستور عام تھا کہ راجے مہاراجے شادی کے بعد اپنی مہارانی کے بازو پر خنجر کی نوک سے ستارے کا ایک نشان بنا دیا کرتے تھے۔اسے وہ راجہ محل کی چھاپ کہا کرتے تھے۔یہ چھاپ شکنتلا کے بازو پر تھی۔آج تک اس نے کسی کو یہ چھاپ اس لیے نہیں دکھائی تھی کہ اس کی کبھی ضرورت ہی نہیں پڑی تھی۔صرف ایک راجہ ہی اس چھاپ کو پہچان سکتا تھا۔رانی نے آگے بڑھ کر شکنتلا کے بازو کو ننگا کیا۔ سچ مچ مہارانیوں کی چھاپ وہاں

موجود تھی۔رانی اور راجہ کو یقین ہو گیا کہ یہ عورت مہارانی ہے۔

راجہ نے پوچھا۔

"تمہاری ریاست ہمالیہ کے دامن میں کس جگہ پر ہے؟"

شکنتلا نے کہا۔

اے راجہ، یہ مجھے معلوم نہیں کہ وہ جگہ کون سی ہے۔ ہاں یہ مجھے ضرور معلوم ہے کہ اس ریاست کے شمال میں ہمالیہ پہاڑ کی چوٹیوں پر سارا سال برف چمکتی رہتی ہے اور ہماری ریاست میں آم کے گھنے باغ ہیں اور ہمارے محل کے اوپر چاندی کے بیشمار چھتر ہیں۔ بالکل ایسے جیسے تمہارے محل کے اوپر بنے ہوئے ہیں۔

اس کے بعد شکنتلا نے اپنی ساری داستان الف سے یے تک راجہ ہنومان اور اس کی رانی کو سنا دی۔ دونوں شکنتلا کی مصیبت بھری کہانی سن کر بے حد متاثر ہوئے۔

شکنتلا نے کہا:

''اے مہاراج ، اے مہارانی، میں صرف اس لیے تمہاری خدمت میں حاضر ہوئی ہوں کہ میری مدد کرو۔ مجھے کسی طرح میرے راج کنور کے محل تک پہنچا دو تا کہ میں اپنے خاوند سے مل کر اپنے پیارے بچے کو سینے سے لگا سکوں''۔

رانی نے کہا۔

''گھبراؤ نہیں شکنتلا مہارانی' تمہاری مصیبتوں کے دن اب ختم ہو گئے ہیں۔ ہم تمہیں بہت جلد تمہارے محل میں واپس پہنچا دیں گے۔ جب تک تم ہمارے محل میں ہماری شاہی مہمان بن کر رہو گی۔ تمہاری خاطر داری مہارانیوں کی طرح سے ہو گی''۔

شکنتلا کو ایک عرصے کے بعد کسی نے مہارانی کہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں خوشی سے آنسو آ گئے۔ اب وہ ہر طرح سے محفوظ

تھی۔ اس نے راجہ سے کہا۔

''اے راجہ' آپ ایک نیک اور رعایا سے محبت کرنے والے راجہ ہیں۔ پھر آپ کے شہر میں ایسے لوگ کیوں رہتے ہیں جو غریب عورتوں کو اٹھا کر انہیں لونڈی بنا کر فروخت کر دیتے ہیں؟''۔

راجہ نے کہا۔

''کون ہے وہ ظالم شخص؟''

شکنتلا نے راجہ کو رامو کے گھر کا پتہ بتا دیا۔ راجہ نے اسی وقت سپاہیوں کو وہاں بھجوا کر چھاپہ مارا اور سارے ڈاکو گرفتار کر لیے گئے۔ ان سب کو شکنتلا کے سامنے لایا گیا۔ شکنتلا نے اس نوکر کو باہر نکال لیا جس نے اس کی مدد کی تھی۔ باقی ڈاکوؤں کو راجہ نے ہاتھیوں کے آگے ڈال کر ہلاک کروا دیا۔ شکنتلا اب شاہی محل میں رہنے لگی۔

راجہ ہنومان بڑا شریف اور نیک راجہ تھا۔ مگر اس کا وزیر بڑا ہی

مکار اور ظالم شخص تھا۔اس نے جب شکنتلا کو دیکھا تو اس کے دل میں خیال آیا کہ اس مہارانی کو راج کنور کے پاس روانہ کرنے کی بجائے اسے اپنی رانی بنا کر رکھنا چاہیے۔

اس نے اپنے غلام سے بات کی اور کہا:

”راکھش، ہم اس عورت شکنتلا کو اپنی مہارانی بنانا چاہتے ہیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ یہ ہمارے ہاتھ سے نکل کر بھمی سار کے راج کنور کے پاس جائے۔تمہارا کیا خیال ہے؟“۔

غلام نے جھک کر کہا۔

”حضور، آپ کا خیال بڑا اچھا ہے۔میں آپ کے ساتھ ہوں۔ حکم کریں کہ اسے اٹھا کر کہاں لے جاؤں؟“۔

وزیر نے کہا:

”اسے اٹھا کر میں شہر سے دور پہاڑیوں والے خفیہ محل میں لے

جا کر رکھوں گا۔مگر ابھی میں اسے اٹھوانا نہیں چاہتا“۔

”وہ کیوں حضور؟“

”پہلے میں بندوبست کر لینا چاہتا ہوں“۔

وزیر نے بندوبست کرنا شروع کر دیا۔راجہ ہنومان نے وزیر کو ہی کہہ رکھا تھا کہ وہ معلوم کرتا رہے کہ ہمالیہ کی ریاست بھمی سار کی طرف کون سا قافلہ جا رہا ہے تا کہ شکنتلا کو اس قافلے کے ساتھ روانہ کیا جا سکے۔وزیر نے ایک روز یوں ہی جھوٹ موٹ آ کر خبر دی کہ ایک قافلہ جا رہا ہے۔راجہ نے کہا:

”ٹھیک ہے، تم اپنا اطمینان کر لو۔شکنتلا کو پوری عزت کے سات قافلے میں شریک کروں۔اسے بہت سی دولت بھی ساتھ دو اور راجہ بھمی سار کو ہمارا اسلام بھی پہنچاؤ۔

”جو حکم مہاراج“

وزیر نے اسی روز شکنتلا سے آ کر کہا:

''مہارانی صاحبہ، بمبی سار کو جانے والا قافلہ یہاں سے کل صبح صبح روانہ ہوگا۔ آپ آج رات تیاری کر لیجیے گا''۔

شکنتلا بے حد خوش ہوئی۔ بولی:

''میں تیار ہوں وزیر صاحب' کیا آپ یہاں سے آ کر مجھے لیں گے؟''

''ہاں مہارانی شکنتلا، میں آپ کی حفاظت کے لیے آپ کے ساتھ جاؤں گا۔ راجہ ہنومان کا حکم ہے کہ میں آپ کے راج محل تک آپ کو چھوڑ کر آؤں گا۔ کیا آپ کو تو کوئی اعتراض نہیں ہے ناں؟''

''جی نہیں، جی نہیں''۔

شکنتلا نے ہکلاتے ہوئے کہا۔ اصل میں وہ وزیر کی شکل کو سخت نا پسند کرتی تھی۔ اسے وزیر کو دیکھ کر ایک ظالم لومڑ کا خیال آ جاتا تھا۔ مگر

یہاں آ کر وہ مجبور ہو گئی تھی۔ راجہ ہنومان نے حکم دے دیا تھا کہ وزیر اسے بمبی سار تک چھوڑنے جائے گا۔ کچھ بھی ہو وہ تیار ہو گئی۔ اسے تیار ہونا ہی پڑا۔ وہ خوش بھی بہت تھا۔ آخر بھگوان نے اس کی سن لی تھی اور اس کی پریشانیوں کے دن ختم ہو گئے تھے۔

جاتے وقت راجہ اور رانی محل کے دروازے تک آئے۔ اسے بڑی محبت کے ساتھ رخصت کیا گیا۔ وزیر شکنتلا کو پالکی مس ی بٹھا کر پالکی غلاموں کے کندھوں پر اٹھوا کر شہر سے باہر آ گیا اس کے اپنے خاص آدمی شہر کے باہر ساتھ ہو گئے۔ وزیر نے راجہ سے کہا تھا کہ شہر سے باہر ایک قافلہ بمبی سار کی طرف جانے والا ہے وزیر تھوڑی دور جانے کے بعد واپس آ گیا۔ اس نے راجہ سے آ کر کہا۔

''حضور شکنتلا مہارانی کو پوری حفاظت کے ساتھ قافلے کیساتھ رخصت کر دیا گیا ہے''۔

راجہ اور رانی بڑے خوش ہوئے کہ ایک فرض ادا ہوا۔

شکنتلا پالکی میں سوار تھی۔ پالکی کے پردے گرے ہوئے تھے۔ کافی دور جا کر اس نے پردہ ہٹا کر دیکھا تو اسے محسوس ہوا کہ قافلہ کہیں بھی نہیں ہے۔ اور وہ اکیلی چار غلاموں اور دو سواروں کے ساتھ جا رہی ہے۔ اس نے ایک سوار کو بلا کر پوچھا۔

"سوار، قافلہ کہاں جا رہا ہے؟"

سوار نے کہا۔

"مہارانی، قافلہ یہاں سے قریب ہی پہاڑی سرائے میں پڑاؤ ڈالے ہے۔ وہ ہمارا انتظار کر رہا ہے۔ جب آپ کی سواری وہاں پہنچے گی تو وہ روانہ ہو جائے گا"۔

شکنتلا خاموش ہو گئی۔ مگر اسے دال میں کالا نظر آ رہا تھا۔ لیکن اب وہ کیا کر سکتی تھی۔ شہر سے دور اجاڑ جنگل میں وہ تھی۔ غلام پالکی لے کر

پہاڑیوں کے درمیان ایک عمارت کے پاس آ کر رک گئے۔ سواروں نے شکنتلا کو بتایا کہ یہاں کچھ آرام کر لیں پھر سفر کریں گے۔ شکنتلا کو مجبوراً اس عمارت میں اترنا پڑا۔ یہ ایک منزلہ عمارت تھی۔ شکنتلا کو ایک کمرے میں بند کر کے باہر سے سواروں نے تالا ڈال دیا اور غلاموں کو لے کر واپس چلے گئے۔ صرف ایک غلام وہاں پہرہ دیتا رہا۔

سواروں نے جا کر وزیر کو اطلاع کر دی کہ مہارانی کو قید کر دیا گیا ہے۔

وزیر بڑا خوش ہوا۔

خونخواروں کا قبیلہ

غلام تالا ڈال کر چلے گئے۔ شکنتلا چوکنی ہوگئی۔

وہ سمجھ گئی کہ اس کے ساتھ دھوکا ہوا ہے اور وزیر نے اس کے ساتھ فریب کر کے قید میں ڈال دیا ہے۔ اسے راجہ اور رانی سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ راجہ اور رانی نے تو اس کے ساتھ بھلائی کی تھی مگر وزیر کی نیت بدل گئی تھی۔ اس نے اٹھ کر ادھر ادھر دیکھا کوٹھڑی میں کوئی کھڑکی نہیں تھی۔ صرف اوپر ایک روشن دان تھا۔ جس میں سے صبح کی روشنی اندر آ رہی تھی اس روشندان تک پہنچنا بڑا مشکل تھا۔ ویسے

اگر وہ روشندان تک پہنچ بھی جاتی تو وہ کیا کر سکتی تھی؟ اس سے پہلے بڑی مشکل سے ایک ڈاکو کے چنگل سے فرار ہو کر بھاگی تھی کہ پھر نئی مصیبت میں پھنس گئی۔ وہ چپ چاپ تخت پر لیٹ گئی اور سوچنے لگی کہ وہاں سے کیسے نکلا جائے۔

ادھر وزیر گھوڑے پر سوار ہوا اور خفیہ طور پر شکار کا بہانہ بنا کر پہاڑیوں والے پرانے محل کی جانب روانہ ہوگیا۔ شام کو وہ محل میں پہنچ گیا۔ غلام نے گھوڑے کو سنبھالا اور وزیر کوٹھڑی کا دروازہ کھول کر شکنتلا کے سامنے آ گیا۔ شکنتلا اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس نے پہلا سوال یہ کیا کہ اسے یہاں کیوں قید کر دیا گیا ہے جب کہ راجہ کا حکم تھا کہ مجھے میری ریاست میں پہنچایا جائے۔ وزیر نے نفرت سے ہنس کر کہا۔

"سنو، میں تمہیں اصل بات بتاتا ہوں۔ تمہارا راج کنور نے میرے ایک بھائی پر چوری کا الزام لگا کر اسے پھانسی پر چڑھا دیا تھا۔

میں اپنے بھائی کے صدمے کو آج تک نہیں بھولا۔ میں نے دل میں قسم کھا رکھی ہے کہ ایک نہ ایک دن ریاست بمبی سار کے راج کنور سے اپنے بھائی کی موت کا بدلہ ضرور لوں گا۔ آج جب مجھے معلوم ہوا کہ تم راج کنور کی بیوی ہو تو میرے اندر بدلہ لینے کی آگ بھڑک اٹھی اور میں نے تمہیں دھوکے سے یہاں پہنچا دیا۔ اب تم میری قید میں ہو۔ اگر تم مجھ سے شادی کرنے پر راضی ہو جاؤ تو میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔ نہیں تو تمہیں اسی کوٹھڑی میں قتل کر کے دفن کر دوں گا۔ اس کے لیے میں تمہیں اکیس دن کی مہلت دیتا ہوں۔ تم سوچ لو"۔

شکنتلا تو وزیر کے منہ سے اتنی ساری باتیں سن کر حیران رہ گئی یہ تو بڑا کمینہ قسم کا انسان تھا۔ اس نے کہا:

"اے وزیر، تم راج کنور کا بدلہ مجھ سے کیوں لے رہے ہو؟ اگر تم چاہو تو میں اپنی ریاست میں جا کر تمہیں تمہارے بھائی کی موت کے

بدلے میں ہزاروں سونے کی اشرفیاں دلوا دوں گی۔ مگر تم مجھے تو انتقام کا نشانہ مت بناؤ۔ آخر میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟"

وزیر بولا۔

"تم میرے دشمن کی بیوی ہو۔ تم ساری دنیا کی دولت بھی اگر لا کر میرے قدموں میں ڈھیر کر دو جب بھی میرا بھائی واپس نہیں آ سکے گا"۔

شکنتلا نے اس پر کہا۔

"تو کیا مجھ پر ظلم کرنے سے تمہارا بھائی تمہیں واپس مل جائے گا؟"

وزیر نے کہا۔

"اس سے کم از کم میرے انتقام کی آگ تو ٹھنڈی ہو جائے گی۔ کم از کم مجھے یہ تو تسلی ہو گی کہ میں نے اپنے بھائی کا بدلہ لے لیا

ہے"۔

شکنتلا نے کہا:

"بھگوان کا خوف کرو۔ میں ایک شریف اور ریاست کے سب
سے بڑے آدمی راج کنور کی بیوی ہوں۔ میرا ایک بچہ ہے۔ تم مجھ
سے شادی کر کے ایک ایسا گناہ کرو گے جو خدا تمہیں کبھی معاف نہیں
کرے گا"۔

وزیر نے نفرت سے کہا۔

"مجھے تمہارے بھگوان کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ میں نے تم سے
بدلہ لینے کا فیصلہ کر لیا ہے اور تم سے بدلہ لے کر رہوں گا۔ اگر تم نے
اکیس دن کے اندر اندر مجھ سے شادی نہ کی تو میں تمہیں غلام سے قتل
کروا دوں گا۔ یہاں ان پہاڑیوں میں تمہاری آواز سننے والا بھی کوئی
نہیں ہوگا۔ اور اگر تم نے مجھ سے شادی کر لی تو تم ساری زندگی اس

محل میں رانی بن کر رہو گی"۔

شکنتلا نے ہاتھ جوڑ کر کہا:

"مجھ پر نہ سہی، میرے بچے پر ہی رحم کرو۔ وہ تو معصوم ہے اسے
ماں کی ضرورت ہے"۔

وزیر نے غصے سے شکنتلا کا ہاتھ پرے جھٹک دیا۔

"خاموش میرے دشمن کی بیوی، میں تم پر یا تمہارے بچے پر کبھی
رحم نہیں کھاؤں گا۔ تم اب میرے قابو میں ہو اور میں تمہیں اپنے قبضے
سے ہرگز ہرگز نہیں نکلنے دوں گا۔ یہ جگہ ایک ویران اور اجاڑ جنگل میں
ہے۔ تم اگر چاہو بھی تو یہاں سے فرار نہیں ہو سکتیں۔ بس اس سے
زیادہ میں تم سے کوئی بات نہیں کروں گا میں جا رہا ہوں۔ لیکن ہر روز
شام کو آ کر تم سے تمہاری مرضی دریافت کر لیا کروں گا۔ اکیسویں روز
بھی اگر تم اپنی ضد پر اڑی رہیں تو میں تمہیں قتل کرنے پر مجبور ہو جاؤں

گا"۔

اتنا کہہ کر وزیر کوٹھڑی سے باہر نکل گیا۔

کوٹھڑی کو بند کر کے باہر تالا ڈال دیا گیا۔ شگفتا بیچاری سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ وہ اپنی قسمت پر آنسو بہانے لگی کہ اچھی بھلی اپنے گھر کو جا رہی تھی کہ ایک نئی مصیبت میں گرفتار ہو گئی۔ اسی وقت شگفتا کو اپنا بہادر بھائی عنبر بہت یاد آیا۔ اگر وہ اس وقت موجود ہوتا تو وزیر کی جرات نہیں تھی کہ شگفتا کا راستہ روک کر اسے قید میں ڈالتا۔

شگفتا کو ہم اسی جگہ قید میں چھوڑتے ہیں اور واپس چل کر یہ دیکھتے ہیں کہ شگفتا کا بھائی عنبر کس حال میں ہے؟

عنبر نے وحشی سردارنی کے قبیلے سے بھاگ جانے کا پکا ارادہ کر لیا تھا۔ چنانچہ ایک رات کو شاہی جھونپڑی سے اٹھا اور گدھے پر سوار ہو کر جنگل کی طرف چل پڑا۔ آسمان پر آدھی رات کا چاند چمک رہا تھا۔

جنگل کے درختوں میں سے چاندنی چھن کر آ رہی تھی۔ راستہ صاف نظر آ رہا تھا۔ عنبر گدھے پر سوار چلتا چلا گیا۔ وہ ساری رات چلتا رہا۔ صبح ہوئی تو وہ دریا کے کنارے پہنچ گیا۔ اس نے دریا کنارے کسی کشتی کی تلاش شروع کر دی۔ وہ دریا پار کرنا چاہتا تھا۔ آخر اسے ایک جگہ درخت ڈال کر بنایا ہوا پل دکھائی دیا۔

عنبر اس پل پر سے گزر کر دریا کے دوسرے کنارے پر آ گیا۔ یہاں سے اونچی نیچی پہاڑیوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ عنبر ان پہاڑیوں میں چلتا چلا گیا۔ دوپہر کو وہ ایک جگہ رک گیا۔ اس نے گدھے کو گھاس چرنے کے لیے کھلا چھوڑ دیا اور خود جنگلی درختوں پر سے لال لال میٹھے بیر اتار کر خوب پیٹ بھر کر کھائے۔ وہ گھاس پر چھاؤں میں آرام کرنے کے لیے بیٹھ گیا۔ گدھا بھی گھاس کھا کر تازہ دم ہو گیا تھا۔

عنبر گدھے پر سوار ہوا اور دوبارہ سفر پر چل پڑا۔ وہ یوں ہی چلا جا رہا تھا۔ اسے صرف اتنی خبر تھی کہ وہ جنوب مشرق کی طرف کر رہا ہے۔ اور لوگوں نے اسے یہی بتایا تھا کہ اسی سمت کو ہمالیہ پہاڑ ہے۔ شکنتلا کے بارے میں اس کے دل میں یہی ایک خیال تھا کہ اگر وہ کسی دشمن کی قید سے بھاگی ہو گی تو اسی سمت کو سفر کر رہی ہو گی۔ اس کے دل میں ایک ہلکی سی امید تھی کہ وہ بڑا حیران تھا کہ آخر شکنتلا کہاں گم ہو گئی؟

شام تک وہ اونچی نیچی پہاڑیوں میں سفر کرتا رہا۔ شام ابھی پوری طرح نہیں چھائی تھی۔ عنبر درختوں کے قریب سے گزر رہا تھا۔ کہ اچانک اسے سیاہ فام جنگلیوں نے نیزے لہراتے ہوئے گھیر لیا۔ وہ پریشان تو نہ ہوا مگر رک کر کھڑا ہو گیا۔ جنگلی اسے لال لال آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ اور آپس میں اشارے بھی کر رہے تھے جیسے کہہ

رہے ہوں کہ ایک اچھا شکار ہاتھ لگا ہے۔ یہ لوگ اصل میں ہندوستان کے ایک پرانے آدم خور قبیلے سے تعلق رکھتے تھے شکنتلا ان لوگوں کے قریب سے ہو کر گزر گئی تھی۔ وگرنہ وہ ان سے کبھی نہیں بچ سکتی تھی۔ یہ شکنتلا کی خوش نصیبی تھی کہ وہ ان آدم خوروں سے بچ گئی اور یہ آدم خوروں کی بدقسمتی تھی کہ انہوں نے عنبر کو پکڑ لیا تھا۔

ایک جنگلی نے جو کہ شکل صورت سے ان کا سردار لگتا تھا کہا۔

"وہ اس لذیذ گوشت کو لے جاؤ اور بھون کر رات کے کھانے پر ہمارے سامنے پیش کرو"۔

جنگلی عنبر کو لے کر اپنے قبیلے میں آ گئے۔ عنبر بڑا پریشان ہوا کہ یہ کس نئی بک بک میں پھنس گیا۔ اس کے لیے یہ کوئی مصیبت نہیں تھی بلکہ ایک نئی بک بک تھی جس سے اس کا وقت ضائع ہو رہا تھا۔ اس کی راہ کھوٹی ہو رہی تھی۔ جنگلی آدم خوروں نے عنبر کو ایک جھونپڑے میں

لے جا کر قید کر دیا اور اسے بھون ڈالنے کے لیے باہر آگ روشن کر
دی۔ یہ قبیلہ کوئی سوڈیڑھ سو آدم خوروں کا تھا۔ سارے کے سارے
آگ کے گرد جمع ہو کر ناچ کود کر رہے تھے۔ شاید ایک عرصے کے بعد
انہیں انسان کا گوشت ملنے والا تھا۔ عنبر دل میں انہیں برا بھلا کہہ رہا تھا
کہ کم بختوں نے خواہ مخواہ اس کے سفر میں رکاوٹ ڈالی۔

عنبر ان آدم خوروں کی روز روز کی بک بک سے تنگ آ گیا تھا۔
اس نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ اس دفعہ وہ ان آدم خوروں کو بڑا
زبردست سبق سکھائے گا۔ ایسا سبق کہ پھر کبھی کسی انسان کو بھون کر نہ
کھائیں گے۔

رات ابھی پڑی تھی۔ آگ خوب روشن ہو گئی تھی۔ آدم خور
سردار نے حکم دیا کہ انسان کو لا کر اس کے کباب بنائے جائیں۔ فوراً
ہی چھ سات آدم خور بھاگے اور عنبر کو جھونپڑی میں سے پکڑ کر گھسیٹتے

ہوئے باہر آگ کے پاس لے آئے۔

الاؤ کے پاس لا کر انہوں نے عنبر کا کرتہ اتار دیا۔ ایک آدم خور
نے اپنے سردار کی طرف دیکھا۔ سردار نے سر ہلا کر اشارہ کیا کہ قیدی
انسان کو ذبح کر دیا جائے۔ جنگلی نے چھرا زمین پر سے اٹھا کر آسمان
کی طرف دیکھا۔ آنکھیں بند کر کے منہ ہی منہ میں کچھ منتر پڑے اور
چھرا اٹھا کر پوری طاقت سے عنبر کی گردن پر مار دیا۔

عنبر کی جگہ اگر کوئی دوسرا انسان ہوتا تو اس کی گردن گاجر مولی کی
طرح اڑ جاتی۔ مگر پہلے کی طرح اس بار بھی عنبر کو کچھ نہ ہوا۔ بلکہ اس کی
گردن سے چھرا ٹکرا کر جنگلی کے ہاتھ سے چھن کے ساتھ نیچے گر پڑا۔

سردار اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ قاتل وحشی حیران رہ گیا۔ دوسرے آدم
خور بھی عنبر کو غور سے دیکھنے لگے۔ عنبر نے سوچ رکھا تھا کہ وہ ان لوگوں
کو خوب سبق سکھائے گا۔ اس نے ایک ہاتھ بڑھا کر جنگلی کو اٹھایا اور

اس زور سے اچھالا کہ وہ اوپر درخت کی شاخوں سے ٹکرا کر آگ کے الاؤ میں آن گرا۔ وہ چیخنے اور آگ میں تڑپنے لگا۔ سردار اور دوسرے وحشی عنبر کی طرف نیزے لے کر لپکے کہ اسے ایک ہی حملے میں قتل کر دیں۔

عنبر اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ جنگلی وحشی آگ میں جل بھن کر بھسم ہو چکا تھا۔ اس کے ساتھیوں نے اپنے سارے کے سارے نیزے عنبر کے جسم سے پار کر دیے۔ ان کو یقین تھا کہ عنبر ایک پل میں ختم ہو جائے گا۔ مگر اس کی بجائے ہوا یہ کہ عنبر اپنی جگہ پر چپ چاپ بڑے مزے سے کھڑا رہا۔ پھر اس نے ایک ہاتھ سے ایک ایک کر کے اپنے بدن میں کھبے ہوئے نیزے نکالنے شروع کر دیئے۔ اس تماشے کو دیکھ کر تو سارے کے سارے وحشی لوگ دنگ رہ گئے۔ عنبر جب سارے نیزے جسم میں سے نکال کر زمین پر پھینک چکا تو آدم خور تھر

تھر کانپ رہے تھے کہ یہ کس قسم کا انسان ہے کہ پورے ڈیڑھ سو نیزوں کا زخم بھی اسے ہلاک نہ کر سکا۔

عنبر کو ان لوگوں پر بڑا غصہ تھا۔ اس نے زمین پر سے ایک نیزہ اٹھایا اور اسے ایک جنگلی کے جسم میں پرو کر اوپر اٹھا لیا۔

خون کی دھار نیزے کے ساتھ بہہ نکلی۔ عنبر نے آدم خور کو آگ میں ڈال دیا۔ آگ میں شعلے بھڑکے اور آدم خور تڑپ تڑپ کر راکھ ہو گیا۔ عنبر نیزے میں وحشیوں کے سردار کو پرونے کے لیے آگے بڑھا تو اس نے ہاتھ جوڑ دیے۔

"ہمیں معاف کر دو اے دیوتا، ہمیں معلوم نہیں تھا کہ تم آسمان کے دیوتا ہو۔ اگر ہمیں معلوم ہوتا تو ہم کبھی تم پر ہاتھ نہ ڈالتے ہمیں معاف کر دو۔ ہم پر رحم کرو"۔

سارے کے سارے آدم خور عنبر کو سجدے کرنے لگے۔ عنبر نے

نیزہ زمین پر زور سے گاڑتے ہوئے کہا۔

"سنو اے جانور سردار، تم ایک جانور ہو، درندے ہو۔ تم بے بس انسانوں کا خون کر کے انہیں ہڑپ کرتے رہے ہو۔ تم درندے ہو۔ میں تم سے انسانوں جیسا سلوک نہیں کروں گا۔ میں نے تمہارے دو آدمیوں کو مار دیا ہے۔ ابھی تمہارے دس اور آدمیوں کو ہلاک کروں گا۔ تمہاری آنکھوں کے سامنے انہیں نیزوں میں پروؤں گا۔ اور وہ کچھ نہ کر سکیں گے۔ تم بھی کچھ نہ کر سکو گے"۔

سردار نے اپنا سر عنبر کے قدموں پر رکھ دیا:

"اے دیوتا، ہم سے غلطی ہو گئی۔ ہم سے بھول ہو گئی۔ ہم سے بہت بڑا گناہ ہو گیا۔ ہمیں معاف کر دو۔ ہمارے گناہ بخش دو۔ ہم قسم کھاتے ہیں کہ آج سے پھر کبھی کسی انسان کا شکار نہیں کریں گے"۔

عنبر نے سر ہلا کر کہا۔

"اگر تم اپنے دیوتاؤں کی قسم کھا کر وعدہ کرو کہ پھر کبھی اس طرح کا ظلم نہیں کرو گے تو میں تمہیں معاف کر دوں گا۔ ورنہ ابھی تم سب کو ایک ایک کر کے تمہارے سردار سمیت اس آگ میں بھسم کر دوں گا اور تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے"۔

سب آدم خور ہاتھ باندھ کر بولے۔

"ہم اپنے دیوتاؤں کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ پھر کبھی کسی انسان کو اپنے ظلم کا نشانہ نہیں بنائیں گے۔ ہم آج سے کسی انسان کا شکار نہیں کریں گے بلکہ جنگلی درندوں کو مار کر اپنے پیٹ کی آگ بجھائیں گے"۔

عنبر نے کہا

"جاؤ میں تمہیں معاف کرتا ہوں۔ لیکن یاد رکھو مجھ میں بڑی خفیہ طاقت ہے۔ اگر تم لوگوں نے اپنی قسم توڑی تو میں جہاں بھی ہوں

گا مجھے معلوم ہو جائے گا اور میں اس جگہ سے تم پر اپنا عذاب نازل
کروں گا"۔

سب وحشیوں نے ایک آواز ہو کر کہا:

"ہرگز نہیں اے دیوتا۔ اب ہرگز ایسا نہیں ہوگا"۔

عنبر نے ان لوگوں کو معاف کر دیا۔ وہ سارے کے سارے عنبر
کے گرد جمع ہو گئے اور اس کی پوجا کرنے لگے۔

عنبر نے کہا۔

"میری پوجا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں تمہارے ہاں
ایک رات رہ کر صبح صبح یہاں سے چلا جاؤں گا۔ تم صرف اتنا کرو کہ
میرے گدھے پر جنگلی پھلوں کا ایک جھولا بھر کر لا دو"۔

"جو حکم ہمارے دیوتا"۔

وحشیوں نے صبح اٹھتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ گدھے پر ایک جھولا

پھلوں سے بھر کر لا دیا۔ عنبر گدھے پر سوار ہو گیا۔ سب جنگلیوں نے
سجدے میں گر کر اسے سلام کیا اور عنبر جنگل میں ایک بار پھر اپنے سفر پر
روانہ ہو گیا۔ رات تو اس نے کسی نہ کسی جگہ بسر کرنی ہی تھی۔ اچھا ہوا
کہ اس نے اس جنگل کی ایک آرام دہ جھونپڑی میں رات بھی بسر کر
لی اور خوراک بھی لے لی۔

آوارہ گرد شہزادہ

سارا دن عنبر جنگل میں سفر کرتا رہا۔

اس کے پاس کھانے پینے کو کافی سامان تھا۔ پانی کی جنگل میں کمی نہیں تھی۔ پھل اس کے ساتھ جھولے میں موجود تھا۔ وہ اب گھنے جنگلوں میں سے نکل کر اس وادی میں آ گیا۔ جہاں سادھو بابا کی جھونپڑی تھی۔ ایک رات اس نے پچھلے جنگل میں بسر کی تھی۔ اب سورج نکل آیا تھا۔ وادی میں دھوپ چمک رہی تھی۔ راستے میں عنبر کو کسی قسم کی کوئی آبادی نہیں ملی تھی۔ دوپہر ہو گئی۔ سورج آگ

برسانے لگا۔ فضا میں حبس ہو گیا تھا۔ عنبر کا گرمی کے مارے دم نکلا جا رہا تھا۔ اس نے ذرا دور ایک جھنڈ دیکھا جہاں بڑے گھنے درخت اگے ہوئے تھے۔ اس نے سوچا کہ ان درختوں میں چل کر کچھ دیر آرام کیا جائے۔

وہ درختوں کے جھنڈ میں آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک جھونپڑا بنا ہوا ہے۔ درخت کے ساتھ بکری بندھی ہے۔ کورے مٹی کے مٹکے میں پانی بھرا ہوا ہے۔ آدمی وہاں کوئی نہیں۔ جھونپڑی کا دروازہ بھی کھلا ہے۔ عنبر نے جھونپڑی کے اندر جھانک کر دیکھا۔ وہاں صرف ہرن کی کھال بچھی ہوئی تھی۔ عنبر نے مٹکے میں سے ٹھنڈا پانی پیا اور درخت کی ٹھنڈی چھاؤں میں گھاس پر لیٹ گیا۔ اتنے میں وہی سادھو بابا وہاں آیا جس نے شگفتا کی خاطر مدارات کی تھی اور اسے رخصت کیا تھا۔

سادھو بابا نے جب دیکھا کہ ایک اجنبی گستاخ نوجوان اس کی

مقدس ہرن کی کھال پر بڑے مزے سے لیٹا ہوا ہے۔ تو اسے بے حد غصہ آ گیا۔ اس کھال پر بیٹھ کر وہ خدا کی عبادت کیا کرتا تھا۔ اس نے آج تک کسی کو اجازت نہیں دی تھی کہ ہرن کی اس کھال پر پاؤں رکھ سکے۔ سادھو نے جھونپڑے میں داخل ہوتے ہی کڑک کر عنبر سے کہا۔

"اے گستاخ نوجوان، کون ہو تم؟ تجھے یہ جرات کیوں کر ہوئی کہ میری ہرن کی کھال پر پاؤں رکھو؟"

عنبر نے دیکھا کہ ایک لمبے لمبے بالوں والا سادھو اس کے سامنے کھڑا اپنی سرخ آنکھوں سے اسے گھور رہا ہے۔ عنبر کے دل پر اس سادھو بابا کی جلالی آنکھوں کا اثر نہ ہوا۔ اگر اس کی جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو ڈر کر ہرن کی کھال پر سے اٹھ کر پرے ہٹ جاتا۔ مگر عنبر کھال پر لیٹا رہا اور سادھو بابا کی طرف دیکھ کر مسکراتا رہا۔ اب تو سادھو کو اور بھی غصہ آیا۔ اس نے عنبر کو ٹھوکر مار کر کہا۔

"بد بخت نوجوان، کیا تیرے سر پر موت منڈلا رہی ہے کہ تو میری بات کا جواب نہیں دیتا۔ بلکہ الٹا مجھے مذاق سے دیکھ رہا ہے؟"

عنبر پھر بھی ہنستا رہا اور کھال پر لیٹا رہا۔ پھر بولا:

"بابا، ہم غریب مسافر ہیں۔ ہمیں تھوڑی دیر آرام کر لینے دو۔ ہم تمہارے ہرن کی کھال اٹھا کر نہیں لے جائیں گے۔ تھوڑی دیر یہاں آرام کیا ہے۔ اٹھ کر آگے چل دیں گے۔ اس میں بھلا تیرا کیا نقصان ہوگا۔ کہ تو ہم کو ٹھوکریں مار رہا ہے"۔

سادھو نے بلند آواز میں کہا۔

"بد نصیب نوجوان، تو نے میری پاک جگہ پر پاؤں رکھ کر بہت بڑا گناہ کیا ہے۔ تجھے اس کی پوری پوری سزا ملے گی۔ تجھے سزا کے لیے تیار ہو جانا چاہیے"۔

عنبر نے کہا۔

”سادھو بابا، اگر ہم سے غلطی ہوگئی ہے تو ہم معافی مانگتے ہیں۔ ہم نے کبھی کسی کا دل نہیں دکھایا“۔

سادھو نے کہا۔

”بکواس بند کرو۔ ہم تمہیں کبھی معاف نہیں کریں گے۔ ہم تمہیں آگ میں بھسم کردیں گے۔ لو مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ“۔

عنبر کا خیال تھا کہ یہ کوئی پاگل سادھو ہے۔ اور یونہی پاگلوں جیسی باتیں کر رہا ہے۔ مگر وہ تو بڑا کرنی والا سادھو تھا۔ جنگل میں بیس برس سے ریاضت کر رہا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر عنبر پر زور سے پھونک ماری۔ سادھو کے منہ سے پھونک کے ساتھ آگ کا شعلہ نکلا۔ اس آگ کے شعلے نے عنبر کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ عنبر آگ میں گم ہوگیا۔ سادھو نے زور سے قہقہہ لگایا۔ وہ اپنی طرف سے عنبر کو جلا کر راکھ کر چکا تھا۔

سادھو نے زور سے تالی بجائی۔ آگ کا شعلہ گم ہوگیا۔ سادھو عنبر کی بچی کھچی ہڈیاں اٹھانے کے لیے آگے بڑھا ہی تھا کہ ٹھٹھک کر پیچھے ہٹ گیا۔ اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ نوجوان عنبر اس کے سامنے اسی طرح ہرن کی کھال پر لیٹا مسکرا رہا تھا۔ سادھو ایک دم جھک کر عنبر کے پاس بیٹھ گیا۔ اس نے عنبر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

”کیا تم شکنتلا کے بھائی ہو؟“

عنبر ایک دم سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔

”تم شکنتلا کو جانتے ہو؟“

سادھو نے کہا۔

”پہلے یہ بتاؤ کہ تم شکنتلا کے بھائی ہو؟ وہی شکنتلا جو جنگل میں چشمے کے کنارے تم سے بچھڑ گئی تھی جو ہمالیہ کی ریاست بمبی سار کے

راج کنور کی بیوی ہے اور جسے لے کر تم اس کے خاوند کے پاس جا رہے تھے؟"۔

عنبر نے کہا۔

"ہاں سادھو بابا، میں ہی وہ نوجوان ہوں"۔

سادھو نے پوچھا۔

"کیا تمہارا نام عنبر ہے؟"

عنبر جھٹ بولا۔

"تم نے ٹھیک پہچانا۔ میرا نام عنبر ہے۔ یہ بتاؤ کہ شگفتہ کہاں ہے؟ تم اسے کہاں ملے تھے؟ میں تو اس کی تلاش میں جنگل جنگل مارا مارا پھر رہا ہوں"۔

سادھو نے کہا۔

"پہلے یہ بتاؤ کہ تمہیں بھوک تو نہیں لگی؟"

"نہیں بابا، میں نے پھل خوب کھالیا ہے اور تمہارے مٹکے سے ٹھنڈا پانی بھی پی لیا تھا۔ مجھے نہ بھوک ہے نہ پیاس۔ صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ شگفتہ اس وقت کہاں ہے؟"

سادھو نے کہا۔

"عنبر بیٹا" آج سے دس روز پہلے شگفتہ یہاں سے گزری تھی۔ وہ ایک رات۔۔۔نہیں دو راتیں میرے اس جھونپڑے میں ٹھہری تھی۔ اس نے تمہارے بارے میں مجھے سب کچھ بتا دیا تھا۔ اس نے تمہارے بارے میں بتایا تھا کہ تم پر آگ اور تلوار اثر نہیں کرتی۔ یہی تمہاری سب سے بڑی نشانی ہے"۔

عنبر نے پوچھا۔

"ٹھیک ہے بابا" لیکن خدا کے لیے مجھے یہ بتاؤ کہ میری بہن شگفتہ کہاں ہے؟ میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ جب تک میں

اسے اس کے خاوند کے گھر نہیں پہنچاؤں گا۔ اپنی بہن ماریا کی تلاش میں نہیں جاؤں گا“۔

سادھو کہنے لگا۔

”عنبر بیٹا، شکنتلا نے تم سے بچھڑنے کے بعد بڑی بڑی مصیبتیں اٹھائیں۔ آخر وہ آدم خوروں سے جان بچا کر میرے پاس پہنچی“۔

”اب وہ کہاں ہو گی سادھو بابا؟“

”یہاں سے وہ یہ کہہ کر گئی تھی کہ راجہ ہنومان کے شہر میں جا رہی ہے“۔

”وہ شہر کہاں ہے؟“

”یہاں سے تھوڑی دور ایک دریا ہے۔ دریا کے پار راجہ ہنومان کا چھوٹا سا شہر ہے۔ شکنتلا نے کہا تھا کہ وہ اس شہر میں راجہ کی سرائے میں جا کر ٹھہرے گی۔ اگر عنبر آئے تو اسے کہہ دینا کہ میں راجہ کی سرائے

میں ٹھہری ہوئی ہوں“۔

عنبر ایک دم سے اٹھ کھڑا ہوا۔

”بس سادھو بابا، اب میں ایک پل کے لیے بھی آرام نہیں کر سکتا۔ شکنتلا اکیلی ہے۔ اجنبی شہر میں جانے بے چاری کس حال میں ہو گی۔ مجھے اس کے پاس جلد سے جلد پہنچنا چاہیے“۔

عنبر اٹھ کر گدھے پر سوار ہونے لگا تو سادھو اس کے پاس آ کر بولا۔

”عنبر بیٹا، بھگوان کرے کہ تمہیں تمہاری بہن مل جائے۔ میں تمہاری ہمت کی داد دیتا ہوں اور خدا سے تمہارے لیے دعا کرتا ہوں کہ تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤ۔ لیکن بیٹا جاتے ہوئے مجھے بھی ایک بات بتاتے جاؤ“۔

عنبر نے پوچھا۔

"پوچھو بابا کیا پوچھتے ہو؟ اگر میرے اختیار میں ہوا تو میں تمہیں جواب ضرور دوں گا"۔

سادھو نے پوچھا۔

عنبر بیٹا یہ بتاؤ کہ تم پر موت اثر کیوں نہیں کرتی؟ تم پر آگ اور تلوار کا اثر کیوں نہیں ہوتا؟ یہ کیا راز ہے؟ کیا تم میرے لیے اس راز پر سے پردہ ہٹاؤ گے۔ میں بیس برس سے یہاں خدا کی عبادت کر رہا ہوں۔ مگر مجھے یہ کمال حاصل نہیں ہوا جو تمہیں نوجوانی میں ہی مل گیا ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"سادھو بابا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ میں نوجوان نہیں ہوں۔ میں ظاہر میں تمہیں نوجوان نظر آ رہا ہوں مگر میری عمر دو ہزار پانچ سو برس ہے۔ میں بہت ہی بوڑھا ہوں"۔

سادھو حیرانی سے تکتے ہوئے بولا۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"

"ٹھیک کہہ رہا ہوں بابا۔ میں دو ہزار پانچ سو سال سے زندہ ہوں۔ آج سے اڑھائی ہزار سال پہلے جب کہ میں ملک مصر میں فرعون بادشاہ کے محل سے بھاگ کر افریقہ کے ایک جنگل میں سے گزر رہا تھا۔ تو ایک درویش نے مجھے دعا یا بد دعا دی تھی کہ میں اس وقت تک نہیں مر سکوں گا جب تک وہ درویش دوبارہ اس دنیا میں آ کر اپنی دعا یا بد دعا واپس نہیں لے لیتا"۔

سادھو پھٹی ہوئی آنکھوں سے عنبر کو دیکھ رہا تھا۔

"تو کیا سچ مچ تم اڑھائی ہزار برس سے زندہ چلے آ رہے ہو؟"

عنبر نے کہا۔

"ہاں بابا' میں اڑھائی ہزار سال پہلے مصر کے ایک فرعون کے گھر

پیدا ہوا۔ پھر میری ماں نے مجھے دریائے نیل میں بہا دیا۔ ایک ماہی گیر حکم مجھے دریا سے اٹھا کر اپنے گھر لے گیا۔ وہاں میری پرورش ہوئی۔ پھر قسمت مجھے کہاں سے کہاں لے گئی۔ اور اس وقت سے لے کر اب تک در بدر، ملک ملک جنگل جنگل، صحرا صحرا آوارہ گردی کرتا پھر رہا ہوں''۔

سادھو بابا نے آگے بڑھ کر عنبر کے ہاتھ چوم لیے۔

''عنبر بیٹا، تم ایک عظیم انسان ہو۔ اس اعتبار سے کہ تم اڑھائی ہزار سال سے موت کو شکست دے رہے ہو۔ موت تمہارا پیچھا کر رہی ہے اور تمہیں اپنی گرفت میں نہیں لے سکتی۔ تم نے وہ اڑھائی ہزار برس پہلے حاصل کر لیا ہے جو میں آج تک حاصل نہیں کر سکا۔ کیا تم مجھے اپنے خزانے میں سے کوئی چھوٹا سا موتی دے سکتے ہو؟''

عنبر نے ایک سرد آہ بھر کر کہا:

''کاش میں اپنا سارا راز تمہیں دے سکتا۔ کاش میں اپنا سارے کا سارا خزانہ تمہارے حوالے کر سکتا۔ اس لیے کہ تم نے میری دکھی بہن کو اپنے جھونپڑے میں پناہ دی۔ اس کی دل جوئی کی۔ اس کی مدد کی۔ اسے کھانا کھلایا۔ مگر میں تمہارے اس احسان کا بدلہ نہیں چکا سکتا۔ جو کچھ میرے پاس ہے وہ میرا اپنا نہیں ہے۔ وہ میں نے ریاضت سے نہیں کمایا ہے۔ تم اس کو کسی اپنے خزانے میں سے کچھ نہ کچھ ضرور دے سکتے ہو۔ مگر اس لائق نہیں ہوں کہ تمہیں کچھ دے سکوں۔ میں مجبور ہوں۔ مجھے معاف کر دینا۔ ہاں اگر کبھی وقت آیا تو تمہارے ضرور کام آؤں گا''۔

سادھو خاموش ہو گیا۔ عنبر نے سادھو کو ادب سے سلام کیا۔ اور گدھے پر سوار ہو کر راجہ ہنومان کے شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ شام کے وقت سفر کرتے کرتے وہ ایک دریا کے کنارے پہنچا جس کے

دوسرے کنارے پر شہر ہنومان کے مکانوں کی دیواریں اور چھتیں غروب ہوتے ہوئے سورج کی سنہری دھوپ میں صاف نظر آ رہی تھیں۔

دریا میں کشتی پڑی تھی۔ کشتی میں مسافر سوار ہو رہے تھے۔ عنبر نے گدھے کو وہیں ایک آدمی کے حوالے کر دیا۔ جھولا بھی اسی غریب آدمی کو دے دیا۔ وہ غریب آدمی تعجب سے عنبر کو تکنے لگا۔ عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"بھائی، اب مجھے اس کی ضرورت نہیں رہی۔ اسے تم اپنے پاس رکھو۔ یہ میری طرف سے تمہیں تحفہ ہے"۔

عنبر نے کشتی والے کو دریا پار کرنے کا کرایہ ادا کیا اور کشتی میں بیٹھ گیا۔ کشتی میں اور لوگ بھی سوار تھے۔ کشتی دریا میں روانہ ہو گئی۔

دوسرے کنارے پہنچ کر عنبر نے شہر کا رخ کیا۔ وہ شہر کی چار دیواری

میں داخل ہونے لگا تو پہریدار نے اسے روک کر پوچھا۔

"تم پردیسی لگتے ہو۔ کہاں سے آئے ہو اور کہاں جانا ہے؟"۔

عنبر نے کہا۔ بھائی۔

"بھائی' میں ملک افریقہ سے آ رہا ہوں۔ حکیم ہوں اور جڑی بوٹیوں سے علاج کرتا ہوں۔ اس شہر میں سیر کی غرض سے آیا ہوں۔ کچھ روز ٹھہروں گا اور پھر آگے چلا جاؤں گا"۔

پہریدار نے اسے اندر داخل ہونے کی اجازت دے دی۔ عنبر نے اس سے پوچھا۔

"بھائی یہ بتاؤ کہ یہاں راجے کی سرائے کس جگہ پر ہے؟"۔

پہرے دار نے کہا۔

"راجے کی سرائے شہر کے دوسرے کنارے ایک گلی کی نکڑ پر ہے"۔

سرائے کا پورا پتہ لے کر عنبر پیدل ہی شہر میں سے ہوتا ہوا راجے
کی سرائے میں آ گیا۔ سرائے کے باہر چبوترے پر وہی کانا سرائے کا
مالک بیٹھا تھا جس نے شکنتلا کو ڈاکوؤں کے سردار ہوبلیکا کے ہاتھ
فروخت کیا تھا۔ عنبر نے اس سے پوچھا۔

''کیوں بھائی راجے کی سرائے یہی ہے؟''

کانا بولا۔

''ہاں میاں، یہی راجہ کی سرائے ہے۔ مگر یہاں مفت میں روٹی
بستر کمرہ نہیں ملتا۔ وہ زمانے چلے گئے جب یہ سب کچھ مفت میں ملتا
تھا۔ اب تو ہر چیز کے دام لگتے ہیں دام۔۔۔ اگر تم کرایہ ادا کر سکو تو
یہاں رہ سکتے ہو۔ اگر اشرفیاں نہیں ہیں تو بھاگو یہاں سے اور چلتے
پھرتے نظر آؤ''۔

عنبر نے کہا۔

''بھائی میرے پاس سب کچھ ہے''۔

''تو پھر اندر آ جاؤ۔ باہر کیوں کھڑے ہو؟''

اور سرائے کے کانے مالک نے بڑی خوشامد سے عنبر کو ایک کوٹھڑی
میں لے جا کر بٹھایا اور کھانا کھلایا۔ عنبر نے اسے کچھ اشرفیاں دیں اور
اشرفیوں کی تھیلی اپنے سرہانے رکھ کر سو گیا۔ صبح صبح ایک بوڑھے نوکر
نے آ کر اسے جگایا اور بکری کے دودھ کا کٹورا دیا۔ عنبر نے سوچا کہ
سرائے کے مالک سے بات کرنے کی جگہ اس نوکر سے بات کرنی
چاہیے۔ اس نے نوکر سے پوچھا کہ اس سرائے میں کوئی شکنتلا نام کی
عورت بھی رہتی ہے؟ نوکر نے عنبر سے پوچھا کہ وہ اس کی کون ہے؟
عنبر نے کہا کہ وہ میری بہن ہے۔ نوکر خاموش ہو گیا۔ پھر ادھر ادھر
دیکھ کر بولا:

''کاش تم کچھ روز پہلے آ گئے ہوتے؟''

"مگراب کیاہوا؟"

نوکر نے عنبر کو صاف بتا دیا کہ سرائے کے مالک نے اسے ڈاکوؤں کے سردار ہوبلیکا کے ہاتھ فروخت کر دیا ہے۔ عنبر دھک سے رہ گیا۔ اس نے پوچھا کہ سردار ہوبلیکا کہاں ہوگا؟

نوکر نے کہا۔

"یہ صرف سرائے کے مالک کو ہی خبر ہے"۔

رانی زندہ ہوگئی

عنبر کوٹھڑی سے نکل کر سیدھا سرائے کے مالک کے پاس آیا۔ اس نے کانے مالک کو یہ کہہ کر کہ اسے ایک ضروری بات کرنی ہے اپنی کوٹھڑی میں بلالیا۔ عنبر نے کوٹھڑی کا دروازہ بند کر دیا اور کانے مالک کی طرف گھور کر دیکھتے ہوئے اسے بتایا کہ وہ شکنتلا نامی عورت کا بھائی ہے جسے اس نے سردار ہوبلیکا کے پاس فروخت کر دیا ہے۔

کانے سرائے کے مالک نے گردن اکڑا کر کہا۔

"تو پھر میں کیا کروں اگر تم اس کے بھائی ہو؟ میں کسی شکنتلا کو

نہیں جانتا۔ اگر اپنی خیریت چاہتے ہو تو ابھی یہاں سے نکل جاؤ۔
نہیں تو سردار ہوبلیکا سے کہہ کر میں تجھے مروا دوں گا۔ ڈاکو ہوبلیکا
کے لیے ایک آدمی کو قتل کر دینا کوئی بڑی بات نہیں''۔

سرائے کے مالک کو پتہ چل گیا تھا کہ اس کا بھانڈا پھوٹ گیا
ہے۔ اب ڈرنے سے اور زیادہ کام خراب ہو جائے گا۔ بہتر یہی ہے
کہ عنبر پر اور دھونس جمائی جائے۔

عنبر نے پوچھا۔

''تم مجھے صرف یہ بتا دو کہ سردار ہوبلیکا کہاں مل سکتا ہے۔ میں
تمہارے گناہ کو معاف کرتا ہوں''۔

سرائے کا مالک طیش میں آ کر بولا۔

''میں تمہیں کیوں بتاؤں کہ ہوبلیکا کہاں ہے۔ تم خود جا کر معلوم
کرلو۔ میں ڈاکوؤں کا ساتھی نہیں ہوں جو مجھے ان کے ٹھکانے کا علم

ہو''۔

عنبر سمجھ گیا کہ سیدھی انگلی سے گھی نہیں نکلے گا۔ اس نے خنجر نکال کر
سرائے کے مالک پر حملہ کر دیا۔ وہ چیخ مارنے ہی والا تھا کہ عنبر نے خنجر
اس کی گردن پر رکھ دیا۔

''اگر تم نے مجھے ہوبلیکا ڈاکو کا ٹھکانہ نہ بتایا تو یہ خنجر تمہاری گردن
کو الگ کر دے گا''۔

سرائے کا مالک کانپنے لگا۔

''بتاتا ہوں۔ ڈاکو ہوبلیکا یہاں سے پندرہ مکان چھوڑ کر ایک لال
رنگ کی حویلی کے تہ خانے میں موجود ہے۔ لیکن بھگوان کے لیے
اسے یہ نہ بتانا کہ میں نے ٹھکانے کا پتہ دیا ہے''۔

عنبر نے خنجر کمر کے ساتھ لگا لیا اور سرائے میں سے تیزی کے
ساتھ نکل کر ڈاکو ہوبلیکا کی طرف گیا۔ پندرہ مکان چھوڑ کر ایک لال

رنگ کی حویلی آ گئی۔ حویلی کے باہر ایک آدمی پہرہ دے رہا تھا۔ عنبر نے اس کے پاس جا کر کہا:

"میں افریقہ سے آیا ہوں۔ میرے پاس رومال ہے۔ ڈاکو ہوبلیکا سے ملنا چاہتا ہوں"۔

پہرے دار عنبر کو لے کر سردار کے پاس آ گیا۔ سردار یہاں ایک سوداگر کے بھیس میں اترا ہوا تھا۔ عنبر نے سردار ہوبلیکا کو دیکھا تو کہا۔

"سردار میں افریقہ کے شہر سے آیا ہوں۔ میرے پاس عدن کی کچھ لونڈیاں ہیں۔ اگر تم چاہو تو میں تمہاری خدمت میں پیش کروں"۔

سردار ہوبلیکا نے گھور کر عنبر کو دیکھا اور کہا۔

"تم کب سے یہ کام کر رہے ہو؟"

عنبر نے کہا۔

"میرا باپ بھی افریقہ میں یہی کام کرتا تھا"

سردار ہوبلیکا بولا۔

"ٹھیک ہے تم جا کر کنیزوں کو لے آؤ۔ میں انہیں خرید لوں گا"۔

عنبر نے سردار ہوبلیکا سے ادھر ادھر کی باتیں شروع کر دیں۔ باتوں ہی باتوں میں عنبر نے سردار ہوبلیکا سے کہا:

"پچھلے دنوں ہمیں شکنتلا نامی ایک لونڈی کی وجہ سے بڑا نقصان اٹھانا پڑا وہ ہمارے جواہرات اور قیمتی ہیرے لے کر بھاگ گئی۔ ہم نے اسے بہت تلاش کیا مگر کہیں نہ مل سکی"۔

سردار ہوبلیکا نے چونک کر پوچھا:

"کیا وہ ملک ہندوستان کی رہنے والی تھی؟"

عنبر نے کہا۔

''ہاں سردار، ہمالیہ کی ایک ریاست کی رہنے والی تھی۔ کیا تم اسے جانتے ہو؟''

سردار نے کہا:

''کیوں نہیں' ابھی پچھلے دنوں میں نے اسے ڈاکو رامو کے ہاتھ فروخت کیا تھا''۔

''ڈاکو رامو؟''

''ہاں' وہ ڈاکو بھی ہے اور لونڈیوں کی تجارت بھی کرتا ہے''۔

عنبر نے پوچھا۔

''وہ کہاں مل سکتا ہے؟''

سردار ہوبلیکا بولا۔

''وہ اسی شہر سے باہر ایک بستی میں رہتا ہے۔ تالاب کے پاس اس کی حویلی ہے۔ اسے وہاں رامو دادا کہتے ہیں۔ اس نے لوگوں کو

دھوکا دینے کے لیے کپاس اور گندم کی خرید وفروخت کا دھندا شروع کر رکھا ہے''۔

عنبر کو جس معلومات کی تلاش تھی وہ اسے مل گئی تھی۔ وہ وہاں سے تیزی سے نکل کر شہر کے باہر والی بستی میں آ گیا۔ یہاں اس نے رامو دادا کا پوچھا تو ایک لڑکا بولا۔

''رامو دادا کو تو سانپ نے کاٹ لیا تھا۔ وہ تو مر گیا ہے''۔

''کب؟''

''کئی روز ہوئے''

''تم مجھے اس کے مکان پر لے چلو گے بیٹا؟''

''کیوں نہیں' آیئے''

لڑکا عنبر کو رامو ڈاکو کے مکان پر لے آیا۔ یہاں معلوم ہوا کہ رامو مر چکا ہے۔ اس کا ایک ساتھی وہاں موجود تھا۔ عنبر نے ساتھی سے مل

کر اسے بتایا کہ وہ افریقہ سے آیا ہوا ہے اور اس کے پاس کچھ افریقی کنیزیں تھیں۔ جنہیں وہ رامو کے پاس پہنچنا چاہتا تھا۔ رامو کے ساتھی نے کہا:

"بڑی خوشی سے آپ انہیں میرے پاس فروخت کر دیں۔ رامو دادا کے بعد میں ہی ان کا کاروبار کرتا ہوں"۔

"آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی"۔

عنبر نے رامو کے ساتھی سے گھل مل کر باتیں شروع کر دیں۔ باتوں ہی باتوں میں اس نے بھی رامو کے ساتھی سے شکنتلا کا ذکر چھیڑ دیا اور اسے بتایا کہ شکنتلا نام کی ایک لونڈی کی اسے تلاش ہے جو اس کے بڑے قیمتی ہیرے جواہرات لے کر بھاگ گئی ہے۔

رامو کے ساتھی نے جب حلیہ پوچھا تو عنبر بولا۔

"بھائی صاحب' اس حلیے کی ایک لڑکی پچھلے دنوں ہم نے سردار

ہو بلیکا سے خریدی تھی۔ رامو دادا اسے ملک چین لے جا کر بیچنا چاہتے تھے۔ کہ وہ بھاگ گئی"۔

عنبر نے جلدی سے پوچھا۔

"پھر کیا ہوا؟"

"پھر یہ ہوا کہ میں اور رامو دادا اس کی تلاش میں نکلے۔ ہم دریا کے ساتھ ساتھ اسے ڈھونڈ رہے تھے کہ رامو کو ایک زہریلے سانپ نے کاٹ لیا اور وہ وہیں مر گیا۔ میں ڈر کر واپس بھاگ آیا"۔

عنبر نے کہا۔

"اور وہ لونڈی کہاں گئی؟"

رامو کے ساتھی نے کہا۔

"بھگوان جانے کہاں چلی گئی۔ میں نے تو پھر اسے تلاش کرنے کا خیال ہی دل سے نکال دیا۔

عنبر کو یہاں بھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تھا۔

وہ ادھر ادھر کی باتیں کر کے وہاں سے بھی واپس چلا گیا۔

عنبر نے شہر میں گھومنا شروع کر دیا۔ چھوٹا سا شہر تھا۔ اس نے دو چکر شہر کے لگا لیے۔ اس کا خیال تھا کہ شاید اسے کہیں شگفتا کی کوئی سن گن مل جائے۔ لیکن اسے شگفتا کہیں نظر نہ آئی۔ چلتے پھرتے وہ راجہ ہنومان کے محل کے پاس آ گیا۔ یہاں لوگوں کا بڑا ہجوم تھا۔ عنبر نے ایک سپاہی سے پوچھا۔

"کیوں بھائی' یہ لوگ یہاں کیوں کھڑے ہیں؟"

سپاہی نے افسوس کے ساتھ بتایا کہ راجہ ہنومان کی پیاری رانی مر گئی ہے۔ عنبر نے پوچھا کہ اسے کیا ہو گیا تھا؟ سپاہی نے بتایا:

"کہتے ہیں' ایک دم سے بے ہوش ہو کر گری اور پھر ہوش میں نہیں آئی"۔

عنبر کو اچانک خیال آیا کہ کہیں رانی کو سکتہ نہ ہو گیا ہو۔ اس علاقے میں یہ مرض بڑا عام تھا۔ اس نے سپاہی سے کہا:

"بھائی کیا میں رانی کو ایک نظر دیکھ سکتا ہوں؟"۔

سپاہی نے حیران ہو کر پوچھا:

"تم کون ہو اور رانی کی لاش کو کیوں دیکھنا چاہتے ہو؟"

عنبر نے کہا۔

"میں ملک افریقہ کا جادوگر ہوں۔ میرا خیال ہے کہ رانی پر جادو کر دیا گیا ہے۔ میں اسے پھر زندہ کر دوں گا"۔

"اگر یہ بات ہے تو جلدی سے میرے ساتھ آؤ"۔

سپاہی عنبر کو ساتھ لے کر راجہ کے پاس محل میں آ گیا۔ راجہ ہنومان اداس ہو کر رانی کی میت کے پاس بیٹھا رو رہا تھا۔ سپاہی نے جا کر راجہ کے آگے جھک کر سلام کیا اور کہا:

"مہاراج یہ نوجوان افریقہ کا جادوگر ہے۔ کہتا ہے کسی دشمن نے رانی پر جادو کر دیا ہے۔ یہ جادو دور کر دے گا۔"

راجہ نے حیران ہو کر عنبر کو دیکھا۔

"کیا تم سچ کہہ رہے ہو نوجوان؟"

عنبر بولا۔

"مہاراج" میں افریقہ کا جادوگر ہوں۔ اگر رانی پر واقعی کسی نے جادو کر دیا ہے تو میں کوشش کروں گا کہ جادو اتار دوں۔ لیکن اگر جادو نہیں ہے اور رانی سچ مچ مر گئی ہے تو پھر میں مجبور ہوں گا"۔

راجہ نے کہا۔

"نوجوان ۔تم کوشش کرو۔ ادھر آؤ اور میرے پیاری رانی کی لاش کو دیکھ کر بتاؤ کہ اس پر جادو کیا گیا ہے؟"

عنبر نے یوں ہی حامی بھر لی تھی۔ حالانکہ اسے راجہ سے کوئی لالچ

نہیں تھا۔ وہ رانی کی لاش کے پاس آ گیا۔ اس نے غور سے رانی کے چہرے کی طرف دیکھا۔ رانی کا چہرہ ایک لاش کی طرح سفید تھا۔ پھر بھی عنبر نے محسوس کیا کہ اس کے گالوں کے کناروں پر ہلکی ہلکی خون کی سرخی تھی جو کبھی کسی مرے ہوئے انسان کے چہرے پر نہیں ہوتی۔ عنبر کو کچھ حوصلہ ہوا کہ شاید رانی پر سکتہ ہی ہوا ہے۔ اس نے راجہ سے کہا:

"مہاراج" ان سب عورتوں اور بچوں کو اس کمرے سے باہر نکال دیا جائے اور میرے لیے موت کا ایک پر لایا جائے"۔

راجہ کے حکم سے کمرہ فوراً خالی کر دیا گیا۔ اور مور کا ایک پر بھی آ گیا۔ عنبر مور کے پر کو رانی کے ناک کے بالکل قریب لے آیا۔ پھر وہ غور سے مور کے پنکھ کو دیکھتا رہا۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ رانی کو سکتہ ہوا ہے وہ مری نہیں۔ اس نے راجہ سے کہا:

"مہاراج، محل میں اگر مشک اور کیسر ہے تو اسے پیالی میں گھول

کرالایا جائے"۔

مشک اور کیسر محل میں پہلے ہی سے موجود تھا۔ فوراً لونڈی اسے لے کر حاضر ہوگئی۔ عنبر نے اپنے تھیلے میں سے ایک خاص قسم کی سفید دوا نکال کر مشک اور کیسر میں پانی ڈال کر ملائی اور چاندی کے چمچ سے اس کے چند قطرے رانی کا منہ کھول کر اس کے حلق میں ٹپکائے۔ رانی پر کوئی اثر نہ ہوا۔ راجہ اور لونڈی بڑی بے تابی سے رانی کے مردہ چہرے کو تک رہے تھے۔

راجہ نے کہا:

"کیا کوئی امید بندھی؟"

"مہاراج، میں کوشش کر رہا ہوں"۔

عنبر کے لیے یہ ایک امتحان بن گیا تھا۔ رانی کو سکتہ تھا۔ یہ عنبر کو یقین تھا مگر اسے ہوش نہیں آ رہا تھا۔ عنبر نے ہمت نہ ہاری اور بار بار رانی کے حلق میں زعفران اور مشک ٹپکاتا رہا۔ جب ساری دوائی رانی کے حلق میں انڈیل دی گئی تو اچانک رانی کے جسم میں ہلکی سی حرکت پیدا ہوئی۔ رانی نے اپنا ہاتھ تھوڑا سا ہلایا۔ ہاتھ کو ہلتے دیکھ کر خوشی سے راجہ کی چیخ نکل گئی۔

"رانی زندہ ہے۔ میری رانی زندہ ہوگئی"۔

سارے محل میں یہ خوشی کی خبر پھیل گئی کہ رانی زندہ ہوگئی ہے۔ عنبر نے پیالی میں مشک اور کیسر اور منگوا کر اس میں دوائی ڈالی اور اسے رانی کو پلانا شروع کر دیا۔ وہ بڑی محنت سے کام کر رہا تھا۔ شام کے وقت رانی نے آہستہ سے آنکھیں کھول دیں۔ راجہ تو تڑپ کر رانی کے پاس آ گیا۔

"بھگوان نے تمہیں پھر سے زندہ کر دیا"۔

عنبر نے کہا۔

"مہاراج" رانی کے پاس اونچی آواز میں نہ بولیں۔ جادو کا اثر ابھی پوری طرح سے نہیں گیا"۔

راجہ نے عنبر کے ہاتھوں کو چوم لیا۔

"تو نے میری رانی کی زندگی کو بچا کر میری زندگی کو بچا لیا ہے۔ تم نے زندگی بھر کے لیے مجھے اپنا غلام بنا لیا ہے۔ میں تمہارا گھر سونے چاندی سے بھر دوں گا"۔

عنبر نے کہا۔

"مہاراج، صبر کریں اور خاموش رہیں"۔

عنبر رات گئے تک رانی کے پاس بیٹھا اس کا علاج کرتا رہا۔ آدھی رات کے بعد رانی کو پوری طرح ہوش آ چکا تھا۔ اس نے راجہ کی طرف دیکھ کر کمزور سی آواز میں پوچھا۔

"میں کہاں چلی گئی تھی؟"

راجہ نے کہا:

"اچھی رانی، تم بے ہوش ہو گئی تھیں۔ اس نوجوان حکیم نے تمہاری زندگی کو بچا لیا"۔

صبح کے وقت رانی پوری طرح ہوش میں تھی۔

سارے شہر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ رات کو چراغ روشن کیے گئے۔ راجہ تو عنبر کے بار بار ہاتھ چومتا اور کہتا۔

"بیٹے، تو نے میری ریاست کو میری زندگی کو بچا لیا۔ اگر رانی مر جاتی تو میں بھی زندہ نہ رہتا"۔

دوسرے دن عنبر نے کہا۔

"مہاراج، اب مجھے اجازت دیں میں جانا چاہتا ہوں"۔

راجہ نے کہا۔

"بیٹا، کیا تو ہمارا بیٹا بن کر ہمارے راج محل میں نہیں رہ جاتا۔

یہاں ہم تمہاری زندگی بھر خدمت کریں گے“۔

رانی نے کہا۔

”ہاں بیٹا‘ اگر تو ہمارے پاس رہ جائے تو ہمیں بڑی خوشی ہو گی“۔

عنبر نے کہا۔

”شکریہ رانی صاحبہ‘ مگر میرا جانا بہت ضروری ہے“۔

راجہ نے پوچھا۔

”مگر بیٹا۔ آخر تو کیوں جانا چاہتا ہے تمہیں ایسی کون سی جلدی ہے۔ اگر تو حکم کرے تو ہم دنیا کی ہر نعمت تمہارے قدموں پر لا کر رکھ دیں“۔

عنبر نے شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔

”مہاراج‘ جس چیز کی میں تلاش میں ہوں وہ آپ کے بس میں

نہیں ہے“۔

راجہ نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

”بیٹے‘ تو زبان سے کہہ کہ تمہیں کس چیز کی تلاش ہے۔ میں اسے ایک پل کے اندر اندر تمہارے پاس لا کر رکھ دوں گا“۔

عنبر نے کہا۔

”راجہ صاحب‘ مجھے اپنی ایک بہن کی تلاش ہے“۔

رانی اور راجے بولے:

”بہن کی تلاش ہے۔ مگر وہ کہاں کھو گئی تھی؟“

عنبر نے کہا۔

”مہاراج، ہم دونوں افریقہ سے ایک ساتھ ہندوستان آ رہے تھے کہ ایک جنگل میں اسے ڈاکو اٹھا کر لے گئے۔ بس اس کے بعد سے اسے تلاش کرتا پھر رہا ہوں“۔

راجہ نے پوچھا۔

''اس کی کوئی نشانی تمہیں یاد ہے؟''

عنبر نے آہ بھر کر کہا۔

''اس سے بڑی اس کی نشانی اور کیا ہو گی کہ وہ ہمالیہ کی ایک ریاست بھمی سار کے راج کنور کی بیوی تھی''۔

راجہ اور رانی ایک دم چونک پڑے۔

''کیا اس کا نام شکنتلا تھا؟''

عنبر نے پلٹ کر راجہ کو دیکھا۔

''ہاں مہاراج، اس کا نام شکنتلا تھا۔ کیا آپ نے اسے کہیں دیکھا ہے؟''۔

راجہ رانی نے مسکرا کر عنبر کو دیکھا۔ رانی نے کہا۔

''بیٹے' شکنتلا ہمارے پاس آئی تھی۔ اس نے ہمیں بتایا تھا کہ وہ

بھمی سار کے راجہ کی بیوی ہے اور اپنے گھر واپس جانا چاہتی ہے۔ ہم نے اسے اپنے محل میں عزت سے رکھا اور پھر سپاہیوں کا ایک دستہ ساتھ دے کر ریاست کی جانب روانہ کر دیا''۔

عنبر نے پوچھا۔

''یہ کب کی بات ہے؟''

راجہ نے کہا۔

''آج سے چھ سات روز پہلے کی بات ہے۔ میرا خیال ہے کہ شکنتلا اپنے گھر پہنچ بھی گئی ہو گی''۔

عنبر نے خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے راجہ سے کہا۔

''مہاراج، میں بے حد خوش ہوں کہ آپ نے میری منہ بولی بہن کی اتنی مدد کی۔ میں تو آپ کا احسان زندگی بھر نہیں بھول سکتا۔ بے چاری اگر کسی اور کے قبضے میں آ جاتی تو وہ اسے لونڈی بنا کر بیچ

دیتا"۔

راجہ نے کہا۔

"بیٹا، تو نے میری رانی کو اچھا کر کے مجھے ساری عمر کے لیے خرید لیا ہے۔ میں بھلا تو پر اب کیا احسان کرسکوں گا۔ کاش، زندگی میں کبھی تمہارے کام آسکوں"۔

عنبر نے کہا۔

"مہاراج، یہ بتائیے کہ ہمالیہ کی ریاست بمی سار یہاں کتنی دور ہے اور کس طرف ہے؟"

راجہ نے کہا:

"کیا تم وہاں جانا چاہتے ہو بیٹا؟"

عنبر بولا۔

"ہاں مہاراج، میں وہاں جا کر اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا

ہوں کہ میری بہن اپنے گھر خیریت سے پہنچ گئی ہے۔ اس کے بعد ہی مجھے زندگی کا سکون نصیب ہوگا"۔

راجہ نے کہا۔

"بیٹھا، ہم تمہیں بڑا تیز بھاگنے والا گھوڑا دیں گے۔ اگر تم اس گھوڑے پر سوار ہو کر یہاں سے چلو تو چھ روز کے بعد تم ہمالیہ کی ریاست بمی سار کے دروازے پر ہوگے"۔

عنبر نے پوچھا۔

"کیا یہاں سے سفر سیدھا ہے؟"

راجہ نے کہا۔

"ہندوستان کا ملک جنگلوں اور دریاؤں کا ملک ہے بیٹا، یہاں سے کوئی بھی راستہ ایسا نہیں جو جنگلوں اور دریاؤں سے نہ ہو کر گزرے۔

ہم تمہیں اسلحہ بھی دیں گے تاکہ تم راستے میں اپنی حفاظت کر سکو“۔

عنبر بولا۔

”شکریہ مہاراج“۔

دوسرے روز عنبر نے راجہ اور رانی سے اجازت طلب کی اور گھوڑے پر سوار ہو کر راجہ کے بتائے ہوئے راستے پر ہمالیہ پہاڑی کی گود میں ریاست بھی سار کی جانب سفر شروع کر دیا۔ اسے جو گھوڑا راجہ نے دیا تھا بڑا تیز سفر کر رہا تھا۔

کھانے پینے کی بھی بہت سی چیزیں راجہ نے ساتھ کر دی تھیں۔

اگر چہ عنبر کو تیر کمان کی ضرورت نہ تھی۔ پھر بھی راجہ نے یہ سامان بھی دے دیا تھا۔

غدار کی موت

عنبر جنگل میں چلتا چلا گیا۔

اس کے دل میں اس بات کی بڑی تسلی تھی کہ شکنتلا راجہ کے سپاہیوں کی حفاظت میں اپنی ریاست کی طرف روانہ ہو گئی ہے۔

صرف ایک فکر اسے تھی کہ خدا کرے وہ گھر پہنچ گئی ہو۔ اس نے سوچا پہنچ ہی چکی ہو گی۔ دھوپ کافی نکل آئی تھی۔ عنبر گھوڑے پر چلا جا رہا تھا۔ ایک کچی سڑک شہر سے باہر ہو کر جنگل میں سے گزر رہی تھی۔ گرمی سخت پڑنے لگی تھی۔ اصل میں حبس بہت زیادہ ہو رہا تھا۔

دوپہر کے وقت عنبر نے سوچا کہ کسی جگہ تھوڑی دیر آرام کیا جائے۔ یہاں اونچی نیچی پہاڑیاں سی پھیلی ہوئی تھیں۔ عنبر نے دیکھا کہ ذرا دور درختوں کے پاس پہاڑی کی ڈھلان پر ایک چھوٹا سا مکان بنا ہے جس کے اوپر چھتر لگا ہے۔

یہی وہ مکان تھا جہاں مکار وزیر نے شگفتا کو قید کر کے رکھا ہوا تھا۔ عنبر نے سوچا کہ وہ اس مکان پر جا کر معلوم کرے کہ وہ کون رہتا ہے۔ پھر اس نے سوچا کہ اسے کیا پڑی ہے کہ خواہ مخواہ کسی کے بارے میں معلومات حاصل کرتا پھرے۔ وہ ایک درخت کے نیچے گھوڑے سے اتر کر بیٹھ گیا۔ اس نے ٹوکری میں سے کچھ پھل اور گوشت نکال کر کھایا۔ گھوڑے کو گھاس اور پانی سے تازہ دم کیا اور پھر سفر پر روانہ ہو گیا۔ وہ اس چھوٹے سے محل سے آگے نکل گیا۔ جہاں شگفتا قید کی زندگی گزار رہی تھی۔

کاش، عنبر کو معلوم ہوتا کہ جس بہن کی تلاش میں وہ جنگل میں مارا مارا پھر رہا ہے وہ اس کے قریب ہی ایک مکان میں قید پڑی ہے اور اسے یاد کر کے رو رہی ہے۔

شگفتا کو وزیر نے بہت بری طرح سے قید کر رکھا تھا۔ پہریدار جو کھانا لے کر آتا اسے بھی اجازت نہیں تھی کہ وہ دروازے کو کھول سکے۔ وہ دروازے کی ایک چھوٹی سی باری میں سے کھانے کا طشت اندر کر دیتا تھا۔ وزیر ہر دوسرے روز آ کر شگفتا سے پوچھ لیتا کہ اس نے شادی کے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے۔ شگفتا اسے انکار کر دیتی اور وہ یہ کہہ کر واپس چلا جاتا۔

"کوئی بات نہیں۔ ایک روز گزر جانے دو۔ پھر تم میرے ہاتھ سے زندہ نہ بچ سکو گی"۔

شگفتا کو ایک یہ بھی غم تھا کہ کہیں یہ سرپھرا وزیر سچ ہی اسے

ہلاک نہ کر دے۔ وہ اتنی مصیبتوں، شیروں، آدمخوروں، ہاتھیوں اور
وحشی درندوں سے بچ کر یہاں تک پہنچ گئی ہے۔ اور اب کہیں اس
پاگل وزیر کے ہاتھوں نہ ماری جائے۔ اس وقت شکنتلا کو اپنے بھائی
عنبر کا خیال آ رہا تھا۔ اگر وہ اس کے پاس موجود ہوتا تو اسے کسی بات
کی فکر ہی نہیں تھی۔ جس وقت شکنتلا نے بچھڑے ہوئے بھائی عنبر کے
بارے میں سوچ رہی تھی ٹھیک اسی وقت عنبر اس کے محل کے قریب
سے ہو کر گزر گیا تھا۔

شکنتلا رات کو عنبر پر لیٹی سوچتی رہتی کہ یہاں سے کس طرح فرار
ہوا جائے؟ وہ ہر حالت میں وہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی۔ لیکن
بھاگنے کا وہاں کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ کوٹھڑی میں روشندان
کوئی نہیں تھا۔ دروازے پر باہر کی طرف ہر وقت تالا لگا رہتا۔
نوکر واتنی اجازت نہیں تھی کہ وہ دروازے کو کھول سکے۔ وہ چھوٹی سی

کھڑکی میں سے کھانا اور پانی اندر پکڑاتا تھا۔ پھر وہاں سے بھاگا
جائے تو کس طرح سے بھاگا جائے؟ شکنتلا سوچ سوچ کر پاگل ہوئی
جا رہی تھی۔ اسے اس بات کا اور زیادہ صدمہ تھا کہ وہ اپنے ملک کے
اندر بے بس کر دی گئی تھی اور اس وقت جب کہ وہ اپنے گھر والوں کے
پاس جا رہی تھی۔

شکنتلا فرار ہونے کے بارے میں جس قدر سوچتی اس کا دماغ اتنا
ہی پریشان ہو جاتا۔ آخر اس نے ایک ترکیب سوچی۔ اس نے اپنی
زندگی کی بازی لگانے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ اس قسم کے مصیبتوں اور
پریشانیوں سے تنگ آ چکی تھی۔ اس نے ایک بڑا خطرناک فیصلہ کیا
تھا۔ وہ بڑی بڑی مصیبتوں کا مقابلہ کرتی چلی آئی تھی۔

ترکیب اس نے یہ سوچی کہ رات کو جب وزیر اس سے ملاقات
کرنے آئے تو وہ اسے ہلاک کر دے۔ یہ بڑی خطرناک بات تھی۔

اس میں شگفتا کی جان کو خطرہ بھی تھا۔ مگر وہ تنگ آ چکی تھی۔ وہ ہر حالت میں وہاں سے نکل جانا چاہتی تھی۔ چاہے اس کے لیے اسے کتنی بڑی قربانی ہی کیوں نہ دینی پڑے مگر وہ وزیر کو کس طرح مارے یا بے ہوش کرے؟

شگفتا نے کوٹھڑی میں ادھر ادھر دیکھا وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ شگفتا نے دروازے پر ٹھک ٹھک کر پہرے دار کو بلایا۔

پہرے دار نے کھڑکی میں سے جھانک کر پوچھا:

"کیا بات ہے؟ تمہیں کس چیز کی ضرورت ہے؟"

شگفتا نے کہا۔

"مجھے سیب لا دو۔ میں سیب کھانا چاہتی ہوں"۔

وزیر نے پہرے دار کو حکم دے رکھا تھا کہ شگفتا جس چیز کی خواہش کرے اسے فوراً لا کر دے دی جائے۔ پہریدار نے منہ بنا کر

کہا۔

"ابھی لاتا ہوں"۔

وہ کھڑکی بند کر کے سیب لانے چلا گیا۔ باورچی خانے میں سرخ رنگ کے بڑے بڑے سیب طشت میں سجے ہوئے تھے۔ پہرے دار ایک تھالی میں تین سیب رکھ کر لے آیا۔ کھڑکی کھول کر اس نے سیبوں کی تھالی شگفتا کو پکڑا دی۔

شگفتا نے کہا:

"تم سیب چھیلنے کے لیے چھری تو لائے ہی نہیں۔ میں سیب کیسے کھاؤں گی۔ میں نے کبھی سیب چھلکے سمیت نہیں کھائے"۔

پہرے دار کو دوبارہ نیچے باورچی خانے میں جا کر چھری لانا مصیبت نظر آ رہی تھی۔ اس نے کہا۔

"کیا تم چھلکے سمیت نہیں کھاؤ گی؟"۔

”نہیں، میں چھلکے سمیت سیب نہیں کھا سکتی“۔

پہرے دار نے اپنی کمر میں سے خنجر نکال کر کھڑکی میں سے اندر پکڑاتے ہوئے کہا۔

”لو میرے اس خنجر سے سیب چھیل لو“۔

شکنتلا کو اور کیا چاہیے تھا بھلا، اس نے چھری کے لیے ہی تو سیب کھانے کا بہانہ کیا تھا۔ اب اسے تیز خنجر مل گیا۔ وہ بے حد خوش ہوئی۔ پہرے دار نے کھڑکی بند کر دی۔ شکنتلا نے دیکھا کہ خنجر کی دھار بڑی تیز تھی۔ اس کی نوک بھی لمبی اور نوکیلی تھی۔

اس نے سیب چھیل کر کھانے شروع کر دیے۔ تھوڑی دیر بعد پہریدار نے خنجر مانگا تو شکنتلا نے کہا۔

”تمہیں اتنی جلدی کیا ہے ابھی میں سیب کھا رہی ہوں“۔

پہرے دار سر ہلا کر چلا گیا۔ انہی باتوں میں شام ہو گئی۔ پہریدار

کھانا لے کر آ گیا۔ اس نے کھانا دے کر پھر خنجر واپس مانگا تو شکنتلا نے کہا۔

”میں کھانے کے بعد بھی ایک سیب کھاؤں گی۔ پھر تمہیں تمہاری امانت واپس کر دوں گی“۔

پہرے دار کھڑکی بند کر کے چلا گیا۔ یہ وزیر کی بدقسمتی تھی کہ اس روز رات کی بجائے شام کو ہی وہاں آ گیا۔ پہرے دار نے کوٹھڑی کا تالا کھول دیا۔

وزیر اندر آ کر بولا۔

”کہو، تم نے کیا فیصلہ کیا؟“

شکنتلا نے خنجر پہلے ہی سے اپنے کپڑوں میں چھپا رکھا تھا۔ اس نے سوچی سمجھی ترکیب کے مطابق سر اٹھا کر کہا۔

”اے وزیر، میں ہار گئی۔ تو جیت گیا اس قید کی زندگی سے تو بہتر

ہے کہ میں تمہارے ساتھ شادی کر کے زندگی بسر کروں‘‘۔

وزیر تو خوشی سے پاگل ہو گیا۔

’’شاباش شگفتا، تم بڑی عقل مند ہو۔ تم نے بڑا اچھا فیصلہ کیا ہے میں بہت خوش ہوں۔ میں آج ہی شادی کی تیاری شروع کرتا ہوں‘‘۔

پہرے دار نے اندر سے آواز دی۔

’’کون بدتمیز ہے باہر؟‘‘

شگفتا بولی

’’کم بخت، اب تو اس کمرے میں قید رہے گا‘‘

پہرے دار نے پوچھا۔

’’تم ہو شگفتا؟‘‘

شگفتا نے جواب دیا:

’’ہاں میں ہوں‘‘۔

پہرے دار نے پوچھا:

’’اور وزیر صاحب کہاں ہیں؟‘‘

شگفتا نے کہا۔

’’اس مکار کمینے کی لاش کھڈ میں پڑی ہے۔ میں نے اسے ہلاک کر دیا ہے اور تجھ پر اس لیے رحم کیا ہے کہ تو نے مجھے خنجر لا کر دیا تھا‘‘۔

پہرے دار نے کہا۔

’’یہ تو نے کیا کر دیا؟‘‘

شگفتا بولی۔

’’خاموش، مکار وزیر کی خوشامدی نوکر‘‘۔

یہ کہہ کر شگفتا اس کمرے میں آ گئی جہاں رات کو وزیر سوتا تھا۔

شگفتا نے اندر سے دروازہ بند کر دیا اور وزیر کے نرم نرم بستر پر

لیٹ گئی۔ اس کا منصوبہ یہ تھا کہ وہ رات کو اس کمرے میں آرام کرے
گی۔ اور صبح ہونے سے پہلے پہلے وہاں سے نکل جائے گی۔ وہ رات
کو سفر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اسے نیند بھی نہیں آ رہی تھی۔

اسے یہ ڈر تھا کہ کہیں پہرے دار باورچی خانے کا دروازہ توڑ کر
باہر نہ نکل جائے۔ اس نے سوچا کہ وہ وہاں سے نکل کر سیدھی راجہ کے
پاس جائے گی اور وزیر کی کرتوت بیان کرنے کے بعد وہاں سے تازہ
دم سپاہیوں کا دستہ ساتھ لے کر واپس اپنے گھر کی طرف روانہ ہو
جائے گی۔

تھوڑی دیر کے لیے اس کی آنکھ لگ گئی۔

جب اس کی آنکھ کھلی تو دن کی روشنی چاروں طرف پھیل چکی تھی۔
شکنتلا جلدی سے بستر پر سے اٹھی۔ باہر آ کر اس نے منہ ہاتھ دھویا۔
محل کے باہر کھڑے وزیر کے گھوڑے پر سوار ہوئی اور راجہ ہنومان

کے محل کی طرف چل پڑی۔

دوپہر کے وقت وہ راجہ ہنومان کے محل میں آ گئی۔ رانی اور راجہ
شکنتلا کو پریشان حال واپس آتے دیکھ کر بڑے پریشان ہوئے۔

شکنتلا نے راجہ کو وزیر کی غداری اور اس کی موت کی ساری کہانی
سنا ڈالی۔

راجہ نے کہا۔

"تم نے ایسے کمینے شخص کو مار کر بڑا اچھا کام کیا ہے"۔

پھر راجہ نے شکنتلا کو بتایا کہ اس کا بھائی عنبر آیا تھا اور اس کے پیچھے
پیچھے وہ ریاست بمبسار کی طرف روانہ ہو چکا ہے۔ یہ سن کر شکنتلا کو
بڑی خوشی ہوئی۔

راجہ نے سپاہیوں کا ایک دستہ شکنتلا کے ساتھ کر دیا جو شاہی رتھ
پر شکنتلا کو لے کر ہمالیہ پہاڑ کی جانب چل دیا۔

آگے کیا ہوا۔۔۔۔؟

شنکتسلا ہمالیہ کی گود میں کیسے پہنچی۔۔؟

عنبر اپنی منہ بولی بہن سے کیسے ملا۔۔؟

کیا ناگ اور ماریا چین سے اکیلے ہی روانہ ہوئے۔۔؟

عنبر اور ناگ کی ملاقات ہندستان میں کہاں ہوئی۔۔؟

یہ سب آپ اگلی یعنی ۳۷ ویں قسط میں پڑھیے۔

سمندری قزاق
قسط نمبر 37
اے حمید

سمندری قزاق

عنبر ناگ ماریا ۔ قسط نمبر 37

اے حمید

سمندری قزاق

عنبر ناگ ماریا ۔قسط نمبر 37

اے حمید

فہرست

سنو پیارے بچو

عنبر اپنے ساتھ شکنتلا کو لے کر اس کے باپ راجہ کے دربار میں آتا ہے۔ راجہ اس کا شکریہ ادا کرتا ہے۔ عنبر چلا جاتا ہے۔ نمک حرام وزیر راجہ کی بیٹی کو اغوا کر کے ایک سمندری ڈاکو کے حوالے کر دیتا ہے۔ جو اسے لے کر ملک جاپان کی طرف فروخت کرنے کے لیے روانہ ہو جاتا ہے۔

عنبر بھی جاپان کی طرف جا رہا ہے۔ ... رات بسر

کرنے کے لیے رکتا ہے۔ اس کے پاس اشرفیوں سے بھرا ہوا تھیلا ہے۔ اسی سرائے میں ایک ڈاکو بھی آیا ہوا ہے۔ وہ عنبر کی اشرفیاں چرانے کی کوشش کرتا ہے مگر ناکام رہتا ہے۔ سمندری ڈاکو بھی شکنتلا کو لے کر اسی شہر میں آ جاتا ہے۔

مچھیرے کی موت

عنبر گھوڑے پر سوار اکیلا جنگل میں سفر کر رہا تھا۔

سادھو بابا نے اسے یہی خبر دی تھی کہ شکنتلا اس سے مل کر آگے اپنے شہر کی طرف چلی گئی ہے۔ اس کے پیچھے پیچھے شکنتلا چلی آ رہی ہے۔ اس کے ساتھ راجہ ہنومان کے سپاہی ہیں جو اس کی حفاظت کر رہے ہیں۔ یہ قافلہ پرانے ہندوستان کے گھنے اور خطرناک جنگل سے گزر رہا ہے۔ عنبر سفر کرتے کرتے شام کے وقت ایک گاؤں میں

پہنچا۔ جس کے کچے مکانوں کے باہر کچھ آدمی بیٹھے دھان کوٹ رہے تھے۔ عنبر نے قریب جا کر ان سے پوچھا کہ ہمالیہ پہاڑ کو راستہ کدھر سے جاتا ہے؟

ایک آدمی نے عنبر کی طرف غور سے دیکھا اور کہا:

"میاں' ہمالیہ پہاڑ تو یہاں سے بہت دور ہے۔ راستے میں کئی دریا ہیں' خطرناک پہاڑ ہیں۔ درندوں سے بھرے ہوئے جنگل ہیں۔ تم اکیلے یہ راستہ کیسے طے کرو گے؟"۔

عنبر نے کہا:

"بھائی، تم یہ بتاؤ کہ میں ٹھیک راستے پر جا رہا ہوں؟ باقی سفر میں خود طے کر لوں گا۔ اگر راستے میں خطرناک پہاڑ ہیں اور جنگل درندوں سے بھرے ہوئے ہیں تو کیا ہوا۔ مجھے تو یہ سفر طے کرنا ہی ہے"۔

اس آدمی نے عنبر کو بتایا کہ وہ ٹھیک سمت میں جا رہا ہے۔ عنبر نے اس سے گاؤں میں رات بسر کرنے کی اجازت مانگی۔ اس آدمی نے عنبر کو اپنے مکان میں ٹھہرنے کی اجازت دے دی۔ عنبر نے اس کے مکان کے صحن میں بستر بچھا دیا۔ رات کو کھانا کھانے کے بعد دیہاتی نے عنبر سے پوچھا کہ وہ کہاں سے آ رہا ہے؟ عنبر نے کہا کہ وہ راجہ ہنومان کے شہر سے آ رہا ہے اور ریاست بمبئی سار میں جڑی بوٹیوں کی تجارت کے لیے جا رہا ہے۔ وہ آدمی بولا:

”کیا تم جڑی بوٹیوں کا جادو جانتے ہو؟“۔

عنبر نے کہا:

”جڑی بوٹیوں کا جادو تو میں نہیں جانتا۔ ہاں میں جڑی بوٹیوں سے بیماروں کا تھوڑا بہت علاج ضرور کر لیتا ہوں۔ مگر یہ بتاؤ کہ جڑی بوٹیوں کا جادو کیا ہوتا ہے؟“۔

دیہاتی بولا:

ہمالیہ کے جنگلوں کے اوپر ایسی جڑی بوٹیاں پائی جاتی ہیں جو اگر لوہے کی کسی شے سے چھو جائیں تو وہ سونے کی ہو جاتی ہیں“۔

عنبر مسکرایا:

”بھائی جس ملک سے میں آ رہا ہوں وہاں ویسے بھی سونا بہت پایا جاتا ہے۔ مجھے سونے کی خواہش نہیں ہے۔ میں تو ایک سیدھا سادا سوداگر ہوں۔ جڑی بوٹیاں اکٹھی کر کے دوسرے ملک میں جا کر فروخت کر دیتا ہوں“۔

دیہاتی نے ہنس کر کہا۔

”ٹھیک ہے لیکن تمہاری باتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تم سوداگر نہیں بلکہ جادوگر ہو۔ تمہاری آنکھوں میں ایک عجیب قسم کی کشش ہے“۔

عنبر پریشان ہوگیا کہ یہ دیہاتی کس قسم کی باتیں کر رہا ہے۔ اس نے جمائی لے کر کہا:

"بھائی مجھے نیند آ رہی ہے۔ کل بات کریں گے"۔

عنبر بستر پر لیٹ کر سوچنے لگا کہ یہ دیہاتی لوگ کس قدر ذہین اور ہوشیار ہوتے ہیں۔ اس نے ایک ہی نظر میں اندازہ لگا لیا کہ عنبر جادو جانتا ہے۔ اگرچہ وہ جادوگر نہیں تھا۔ پھر بھی اس پر جادو ضرور کیا گیا تھا اور اس طرح اس کا جادو سے بڑا تعلق تھا۔ بہر حال ان دیہاتی لوگوں سے عنبر کو کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ وہ بڑے اطمینان سے رات بھر سویا رہا۔ دن چڑھا تو وہ چلنے کے لیے تیار ہوگیا۔

دیہاتیوں نے بڑی گرم جوشی سے اسے رخصت کیا۔ عنبر گھوڑے پر سوار ہوا۔ اس نے سلام کیا اور سفر پر روانہ ہوگیا۔ دوپہر تک وہ بہت آگے نکل گیا۔ جنگل اب اتنا گھنا نہیں رہا تھا۔ درختوں کے جھنڈ بکھر

گئے تھے۔ علاقہ پہاڑی تھا۔ زمین ہموار نہیں تھی بلکہ جگہ جگہ سے پتھریلی اور ابھری ہوئی تھی۔ ایسی زمین کو سطح مرتفع بھی کہتے ہیں۔

دوپہر کے بعد راستے میں ایک دریا آ گیا۔ یہ دریا کافی چوڑا تھا۔ عنبر رک گیا اور گھوڑے پر سے اتر کر دریا کے کنارے بیٹھ گیا۔ اس نے گھوڑے کو چرنے کے لیے کھلا چھوڑ دیا۔ خود کھانا کھا کر پانی پیا اور سوچنے لگا کہ دریا کو کس طریقے سے پار کیا جائے؟ وہاں کوئی پل بھی نہیں تھا۔

عنبر گھوڑے پر سوار ہو کر دریا کے ساتھ شمال کی طرف چلنے لگا۔ اس کا خیال تھا کہ شاید کہیں سے کوئی کشتی مل جائے۔ کیونکہ اس زمانے میں اتنے بڑے دریا پر پل نہیں ہوا کرتا تھا۔ چلتے چلتے وہ ایک دریا کنارے ملاحوں کی چھوٹی سی بستی میں آ گیا۔ یہاں اسے کچھ مچھیرے اور ان کی کشتیاں دکھائی دیں۔ عنبر نے ایک بوڑھے

مچھیرے کے پاس جا کر کہا کہ وہ مسافر ہے اور دریا پار کرنا چاہتا ہے۔
بوڑھا مچھیرا جال مرمت کر رہا تھا۔اس نے سر اٹھا کر عنبر کو دیکھا اور کہا:

"دریا تو پار کرا دوں گا مگر سونے کی چار اشرفیاں لوں گا"۔

اس زمانے میں سونے کی چار اشرفیوں کی بڑی قیمت ہوتی تھی۔
عنبر کے پاس سونے کی بہت اشرفیاں تھیں۔ اس نے مچھیرے کو
جھٹ جیب میں سے دو اشرفیاں نکال کر دے دیں۔وہ مچھیرا بہت
لالچی تھا۔اس کی نیت میں بدی آ گئی۔اس نے سوچا کہ یہ تو ایک
پردیسی مسافر ہے۔کیوں نہ اس کی ساری اشرفیاں چھین لی جائیں۔
مچھیرے نے عنبر کے پاس اشرفیوں سے بھرا ہوا تھیلا دیکھ لیا تھا۔اس
نے کہا۔

"بیٹا' تم مجھے اچھے تو جوان لگتے ہو۔میں تمہارے ساتھ ناانصافی
نہیں کر سکتا۔بات اصل میں یہ ہے کہ اس وقت دریا پار کرنا خطرے

سے خالی نہیں۔ کیونکہ دریا چڑھاؤ پر ہے اور اس میں بہت سے مگرمچھ
بھی تیر رہے ہیں جو گھوڑے کی بو پا کر فوراً کشتی پر حملہ کر کے اسے توڑ
کر ڈبو دیتے ہیں اور پھر گھوڑے اور انسانوں کو ہڑپ کر جاتے ہیں"۔

عنبر نے پوچھا:

"تو پھر میں دریا کس طرح سے پار کر سکتا ہوں؟"۔

مچھیرے نے کہا:

"بیٹا، دریا پار کرنے کا بہترین وقت صبح ہے۔ خاص طور پر جب انسان کے ساتھ گھوڑا بھی ہو اور دریا چڑھاؤ پر ہو، میرے رائے میں تم رات جھونپڑی میں ہمارے ساتھ بسر کرو۔ صبح صبح میں تمہیں دریا پار کرادوں گا کیونکہ اس وقت دریا کا پانی اترا ہوا ہوتا ہے"۔

عنبر نے سوچا کہ بوڑھا مچھیرا ٹھیک ہی کہہ رہا ہوگا۔ پھر اسے کوئی

پریشانی بھی نہیں تھی۔ سوائے اس کے کہ وہ جلد سے جل شکنتلا کے شہر پہنچنا چاہتا تھا۔ شکنتلا کی طرف سے اسے اطمینان تھا کہ وہ اپنی منزل پر پہنچ چکی ہوگی۔ اس نے مچھیرے کی جھونپڑی میں رات بسر کرنے کی حامی بھر لی۔ مچھیرے نے سب سے الگ دریا کنارے کی ایک جھونپڑی میں گھاس کا بستر بچھا دیا اور عنبر کے سامنے بھنی ہوئی مچھلی اور چاول لا کر رکھ دیے۔

"لو بیٹا، اسے کھاؤ۔ ہم غریب ماہی گیر اس سے زیادہ تمہاری خدمت نہیں کر سکتے"۔

عنبر نے کہا:

"بابا میں تمہارا بڑا شکر گزار ہوں جو تم ایک غریب مسافر کے ساتھ اتنی ہمدردی سے پیش آ رہے ہو۔ میں تمہارے اس نیک سلوک کو ہمیشہ یاد رکھوں گا"۔

مچھیرا بولا:

"اس کی کیا ضرورت ہے بیٹا، ہم لوگ تو مسافروں کی بڑی خدمت کرتے ہیں اور ان سے پیار کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ اب تم کھانا کھا کر آرام کرو۔ میں صبح تمہارے پاس آؤں گا اور تمہیں دریا پار کرا دوں گا"۔

"اچھا بابا"۔

عنبر کھانا کھا کر لیٹ گیا۔ اس کا گھوڑا جھونپڑے کے باہر بندھا ہوا تھا۔ عنبر دن بھر کے سفر کا تھکا ہوا تھا۔ وہ سو گیا۔ مچھیرا وہاں سے بھاگ کر بستی کے پچھواڑے چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں میں آ گیا۔ یہاں چٹانوں کے بیچ میں ایک جھونپڑا بنا ہوا تھا۔ مچھیرا جھونپڑی میں داخل ہوا۔ وہاں ایک ہٹا کٹا مچھیرا کمر کے ساتھ خنجر لگائے بیٹھا مچھلیوں کو نمک لگا رہا تھا۔ وہ بوڑھے مچھیرے کو دیکھ کر بولا:

"دادا کیا کوئی اچھی سی خبر لائے ہو؟"۔

مچھیرا خوشی سے بولا:

"ایسی اچھی خبر لایا ہوں کہ سنو گے تو خوشی سے قلابازیاں لگانی شروع کر دو گے"۔

جوان مچھیرے نے کام روک دیا اور بولا:

"کیا سچ کہہ رہے ہو دادا؟"

بوڑھا مچھیرا بولا:

"تو اور کیا جھوٹ بول رہا ہوں؟ میاں تمہارے اور میرے دونوں کے دن پھر گئے ہیں۔ ایک بڑی موٹی اسامی پھنس گئی ہے۔ پھنس کیا گئی ہے یہ سمجھو کہ بھگوان نے بھیج دی ہے۔ اس کے پاس سونے کی اشرفیوں سے بھرا ہوا تھیلا ہے"۔

ہٹا کٹا جوان مچھیرا اچھل پڑا:

"کہاں ہے وہ مسافر؟"۔

بوڑھا مچھیرا بولا:

"میری جھونپڑی میں سو رہا ہے"۔

جوان مچھیرے نے کہا:

"میں ابھی جا کر اسے قتل کر دیتا ہوں۔ تم نے کسی اور کو تو نہیں بتایا؟"۔

دادا کہنے لگا:

"ارے پاگل ہو گیا ہے کیا؟ بھلا یہ باتیں کسی غیر کو بتانے والی ہوتی ہیں۔ بستی والوں سے تو میں نے یہی کہا ہے کہ ایک غریب مسافر اس کی جھونپڑی میں مہمان بن کر اترا ہے اور وہ تو مصیبت کی مہمان نوازی میں پھنس گیا ہے۔ کیا مجال ہے کہ بستی میں کسی کو کانوں کان خبر بھی ہوئی ہو کہ اس سوداگر کا جھولا سونے کی اشرفیوں سے بھرا ہوا

ہے"۔

جوان مچھیرے کی آنکھوں میں سونے کی چمک آ گئی۔

"شاباش دادا، تم سچ مچ بڑے کائیاں ہو۔ بڑے تجربہ کار ہو۔ بڑے مکار ہو۔ میں آج ہی رات اس بدنصیب سوداگر کا گلا گھونٹ کر اس کی لاش دریا میں بہا دوں گا اور پھر سونے کی اشرفیوں پر قبضہ کر لوں گا"۔

دادا بولا:

"لیکن یاد رہے۔ آدھا مال میرا ہوگا"۔

جوان مچھیرے نے کہا:

"کیوں نہیں، کیوں نہیں۔ آدھا مال تمہیں ضرور ملے گا دادا"۔

بوڑھا مچھیرا خوش ہو کر کہنے لگا:

"ٹھیک ہے بیٹے، تمہیں میری طرف سے اجازت ہے۔ تم آج

رات مسافر کا کام تمام کر سکتے ہو۔ مگر خبردار اس کی آواز تک نہ نکلنے پائے''۔

جوان مچھیرا ہنس پڑا:

''پاگل ہو گئے ہو دادا' بھلا میں کوئی پہلی بار کسی انسان کو قتل کر رہا ہوں۔ جال کی مضبوط رسی اس کے گلے میں ایسے ڈال کر دباؤں گا کہ ایک پل میں اس کا کام ختم ہو جائے گا''۔

بوڑھا مچھیرا بولا:

''اچھا اب میں جا رہا ہوں بستی میں کسی نے مجھے تمہاری جھونپڑی سے نکلتے دیکھ لیا تو اسے خواہ مخواہ شک پڑ جائے گا۔ تم آدھی رات کو اپنا کام کرو۔ اشرفیوں کا تھیلا چٹانوں کے نیچے چھپا دینا' اور سنو۔ مسافر کی لاش بہت آگے جا کر دریا میں پھینکنا''۔

''ایسا ہی ہو گا دادا''۔

بوڑھا مکار مچھیرا دبے قدم اٹھاتا اپنی جھونپڑی میں آ کر چراغ بجھا کر سو گیا۔

عنبر بھی گہری نیند سویا ہوا تھا۔ دوسری طرف جوان مچھیرا جال کی
رسی جیب میں ڈال کر عنبر کا گلا دبانے کے لیے جھونپڑی سے باہر نکل
آیا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اس کی موت اسے جھونپڑی سے نکال کر
باہر لے آئی۔ اس ظالم مچھیرے نے کئی آدمیوں اور عورتوں کو قتل کیا
تھا۔ اسے کیا خبر تھی کہ اب وہ خود مرنے کے لیے عنبر کے پاس جا
رہا ہے۔

وہ چٹانوں میں چھپتا چھپاتا۔ دبے دبے قدموں چلتا۔ جھکے جھکے

دریا کنارے کی ریت پر رات کے اندھیرے میں عنبر کی جھونپڑی کی
طرف بڑھ رہا تھا۔ عنبر کی جھونپڑی میں اندھیرا تھا۔ صرف ایک
روشندان سے ستاروں کی ہلکی ہلکی روشنی اندر آ رہی تھی جس میں وہ
گھاس پر لیٹا صاف نظر آ رہا تھا۔

اس کا اشرفیوں سے بھرا ہوا تھیلا اس کے سرہانے کے نیچے رکھا
ہوا تھا۔ اسے غریب مچھیروں کی بستی سے کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔
اس لیے وہ بڑی بے فکری سے سو رہا تھا۔ اسے کیا خبر تھی کہ لالچ کا مارا
ایک انسان اسے مارنے کے لیے اس اس کی طرف بڑھ رہا ہے۔

مچھیرا عنبر کی جھونپڑی کے باہر آ کر رک گیا۔ باہر گھوڑا بندھا ہوا
تھا۔ مچھیرے نے سوچا کہ اگر وہ جھونپڑی کے دروازے میں سے
اندر داخل ہوا تو گھوڑا ایک اجنبی کو دیکھ کر ضرور ہنہنائے گا اور سوداگر
جاگ پڑے گا؛ چنانچہ اس نے جھونپڑی کے پیچھے سے اندر جانے کا

فیصلہ کیا۔ جھونپڑی کے پیچھے بھی ایک ایسی جگہ تھی جہاں سے اندر داخل ہوا جا سکتا ہے۔ یہاں سے سرکنڈے بڑی آسانی سے ہٹائے جا سکتے ہیں۔ مچھیرے نے سرکنڈے سے ہٹا کر اندر جھانک کر دیکھا۔ سوداگر بڑے سکون کے ساتھ سو رہا تھا۔

مچھیرا چپکے سے جھونپڑی کے اندر آ گیا۔

وہ زمین پر رینگتا ہوا عنبر کے سرہانے کی جانب آ گیا۔ وہ سرہانے کی طرف سے رسی عنبر کے گلے میں ڈال کر ایک دم مروڑا دے کر اس کا گلا گھونٹ دینا چاہتا تھا۔ اپنی طرف سے وہ ہر کام بڑی عقل مندی سے کر رہا تھا۔ لیکن قدرت اس کی مکاری پر ہنس رہی تھی۔ مچھیرے نے جھک کر عنبر کو دیکھا۔ عنبر ہولے ہولے خراٹے لے رہا تھا۔

مچھیرا اپنی کامیابی پر پھولا نہیں سما رہا تھا۔ رات کے اندھیرے

میں ہر شے اس کی طرف داری کر رہی تھی۔ شکار سویا ہوا تھا اور اشرفیوں سے بھرا ہوا تھیلا اس کے سرہانے کے نیچے پڑا تھا۔ بس ذرا سا گردن کو ایک مروڑا دینے کی کسر تھی کہ مچھیرا سونے کی اشرفیوں کا مالک بن جاتا۔

اس نے یہ بھی سوچ رکھا تھا کہ وہ بڈھے مچھیرے کو ایک اشرفی بھی نہیں دے گا۔ اگر اس نے شور مچانا چاہا تو وہ اسے بھی ختم کر دے گا۔ مچھیرا اپنی کامیابی پر دل ہی دل میں ہنس پڑا۔

اب حملہ کرنے کا وقت آ گیا تھا۔

مچھیرے نے ایک ہاتھ میں جال کی باریک مگر بڑی ہی مضبوط رسی اوپر اٹھائی۔ اس کے دونوں سرے ایک ایک ہاتھ میں پکڑے اور عنبر کی گردن کے قریب سے لے آیا۔ پھر اس نے تیزی کے ساتھ رسی کا پھندا عنبر کے گلے میں ڈال کر اسے زور سے مروڑا دیا کہ اس کی جگہ

اگر ریچھ کی گردن ہوتی تو وہ بھی کٹ جاتی۔ لیکن یہاں دوسرا معاملہ ہو رہا تھا۔ جوں جوں مچھیرا رسی کو مروڑا دے رہا تھا اس کا اپنا ہاتھ چھلتا چلا جا رہا تھا۔ جیسے اس نے پتھر کے ستون کے گرد رسی کا پھندا ڈال دیا ہو۔ رسی اس کی ہتھیلیوں میں گھسنے لگی۔

مچھیرے نے مروڑا چڑھانا بند کر دیا۔

عنبر جاگ پڑا تھا۔ اس کے لیے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ کسی مچھیرے کی نیت خراب ہو گئی ہے اور وہ اسے ہلاک کر کے سونے کی اشرفیوں سے بھرا ہوا تھیلا حاصل کرنا چاہتا ہے۔ عنبر نے ہاتھ بڑھا کر مچھیرے کو گردن سے پکڑ کر نیچے گرا لیا اور اس کی چھاتی پر چڑھ کر خنجر نکال لیا۔

"بول اے بد خصلت آدمی' میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں؟"۔

مچھیرے نے بہت زور لگایا کہ کسی طرح سے عنبر کے نیچے سے نکل آئے۔ مگر وہ تو عنبر کے بوجھ کے نیچے یوں دب گیا تھا جیسے کسی نے اس کے اوپر پتھر کی چٹان لا کر رکھی ہو۔ پھر بھی وہ بولا:

"مجھے معاف کر دو۔ مجھ سے غلطی ہو گئی۔ مجھے معاف کر دو"۔

عنبر نے کہا:

"تم ایک قاتل ہو۔ جانے تم اب تک کتنے بے گناہوں کو قتل کر چکے ہو اور اگر میں نے تمہیں زندہ چھوڑا تو نہ جانے اس کے بعد کتنے اور بے گناہوں کو اپنی ہوس کے لیے قتل کرو گے۔ اس لیے میں تمہیں ہلاک کرتا ہوں۔ تم سے وہی سلوک کرتا ہوں جو تم دوسروں کے ساتھ کرتے رہے ہو"۔

اور یہ کہہ کر عنبر نے خنجر سے ڈاکو اور قاتل مچھیرے کا کام تمام کر دیا۔

اس کام سے فارغ ہو کر اس نے جھونپڑی کے باہر آ کر شور مچا دیا
کہ ایک ڈاکو اسے لوٹ کر قتل کرنے آیا تھا اور خود ہی مارا گیا۔ بوڑھے
مچھیرے نے جب لاش دیکھی تو سر پکڑ کر رہ گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ سوداگر
ایک بہادر نوجوان ہے اور اس کے آگے دم مارنا ایک مشکل بات
ہے۔

دوسرے ماہی گیر نے عنبر کا ساتھ دیا۔ کیوں کہ قتل ہونے والا
مچھیرا ایک قاتل اور بدمعاش آدمی تھا اور سارے بستی والے اس کے
ہاتھوں سے تنگ آئے ہوئے تھے۔

انہوں نے عنبر کی بہادری کی تعریف کی اور مچھیرے کی لاش اٹھا
کر دریا میں پھینک دی۔

یہاں یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ جو کوئی کسی دوسرے کے
لیے گڑھا کھودتا ہے اس کے لیے کنواں پہلے ہی سے تیار ہوتا ہے اور

وہ سب سے پہلے خود اس میں گرتا ہے۔

عنبر نے اب وہاں ٹھہرنا مناسب خیال نہ کیا اور وہ پچھلی رات کو
ہی گھوڑے پر سوار ہو کر کشتی میں بیٹھ کر دریا پار کر گیا۔

راجو ڈاکو

عنبر دریا پار کر کے دوسری طرف نکل گیا۔

اب ہم شکنتلا کی طرف واپس آتے ہیں۔ وہ عنبر کے پیچھے پیچھے پالکی میں سوار چلی آ رہی تھی۔ اس کے ساتھ راجہ ہنومان کے سپاہی تھے۔ جو اس کی حفاظت کر رہے تھے۔ ان سپاہیوں کے دستے کا سینا پتی ایک بدمعاش اور لالچی آدمی تھا۔ شکنتلا کی پالکی کے ساتھ ساتھ

سفر کرتے کرتے وہ تنگ آ گیا۔ اس نے راجہ کے حکم کا بھی خیال نہ کیا۔ اس کی نیت خراب ہو گئی۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ کسی راستے کے شہر میں پہنچ کر شکنتلا کو کسی بردہ فروش کے ہاتھ فروخت کر دے اور واپس جا کر راجہ سے کہہ دیا کہ اس نے شکنتلا کو اس کے گھر پہنچا دیا ہے اس کی شکایت کرنے والا بھلا کون ہو گا؟

سپاہی اس کے خلاف ایک لفظ نہیں بول سکتے تھے۔ ویسے سپاہی بھی سفر کرتے کرتے تھک گئے تھے اور چاہتے تھے کہ کسی طرح سے شکنتلا سے چھٹکارا حاصل کیا جائے۔ سینا پتی نے ایک جگہ رات کا پڑاؤ کیا۔ آگ جلا دی گئی۔ شکنتلا کی پالکی ایک طرف کھڑی کر کے اسے کھانا دیا گیا۔ شکنتلا کھانا کھا کر اپنے گھر بار کا خیال دل میں لا کر سو گئی۔ اب تو وہ بڑی مطمئن تھی کہ بہت جلد بغیر کسی مصیبت کے اپنے گھر پہنچ جائے گی۔ لیکن ابھی اس کی مصیبتوں کے دن ختم نہیں ہوئے

تھے۔

ادھر شگفتہ اپنی پالکی میں سکون کے ساتھ سو رہی تھی اور ادھر آگ کے گرد سپاہی بیٹھے جاگ رہے تھے۔ سیناپتی انہیں بتا رہا تھا کہ اس نے شگفتہ کو ایک ڈاکو یعنی بردہ فروش کے ہاتھ فروخت کر دینے کا فیصلہ کر لیا ہے سپاہی پہلے تو سیناپتی کے اس فیصلے پر ذرا چونکے۔ پھر بڑے خوش ہوئے کہ وہ بہت جلد واپس اپنے شہر چلے جائیں گے۔

ایک سپاہی نے کہا:

”سیناپتی جی، ہم بھی بے کار سفر کرتے کرتے تھک گئے تھے۔ آخر ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے کہ خواہ مخواہ ایک عورت کے لیے اتنی دور کا سفر کریں۔ ہمیں بھی اپنے بال بچے بہت یاد آ رہے ہیں“۔

سیناپتی بولا:

”میں نے آپ لوگوں کا بھی خیال کیا ہے۔ ہمارا راجہ تو بالکل مٹی

کا مادھو ہے۔ بھلا ہمیں کیا مصیبت پڑی ہے کہ ہم اتنی دور دیس کے راجہ کی بیوی کو اٹھائے لیے پھریں؟ کیا ہمیں اس کا الگ پیسہ ملے گا؟ ہرگز نہیں۔ اسی لیے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اس عورت کو ہم راستے میں ہی ایک جگہ بیچ کر واپس چلے چلیں گے اور راجہ سے جا کر کہہ دیں گے کہ ہم نے اسے اس کے گھر پہنچا دیا ہے۔ راجہ کہاں وہاں جا کر پوچھتا پھرے گا“۔

”مہاراج آپ نے بڑا اچھا فیصلہ کیا ہے۔ آپ نے تو ہمارے دل کی بات کی ہے۔ ہم بھی یہی چاہتے تھے کہ اس بلا سے جتنی جلدی ہو سکے نجات حاصل کی جائے“۔

ایک سپاہی نے کہا:

”مگر مہاراج، اس مصیبت کو آپ کہاں اور کس کے ہاتھ فروخت کریں گے؟“۔

سیناپتی بولا:

"یہ علاقہ میرا سارا دیکھا بھالا ہے۔ یہاں سے تھوڑی دور چوگان نامی ایک گاؤں آئے گا۔ اس گاؤں میں ایک بڑا مشہور بردہ فروش راجو رہتا ہے۔ وہ میرا واقف ہے۔ میں اس عورت کو راجو کے پاس فروخت کردوں گا اور ہم وہاں سے واپس روانہ ہو جائیں گے"۔

دوسرا سپاہی بولا:

"لیکن سیناپتی جی! راجہ یہ نہ پوچھے گا کہ ہم اتنی جلدی واپس کیسے آ گئے؟"۔

سیناپتی نے کہا:

"ہم راجہ سے کہیں گے کہ شکنتلا کے خاوند سے راستے میں ہی ملاقات ہو گئی تھی۔ وہ جنگل میں شکار کے لیے آیا ہوا تھا کہ اس نے شکنتلا کو دیکھ کر وہیں اسے اپنے ساتھ گھر لے گیا"۔

اس فیصلے کی شکنتلا کو بالکل خبر نہ تھی۔

وہ بے چاری قسمت کی ماری اپنی پالکی میں بے خبر سو رہی تھی اور خواب میں اپنے پیارے بچے کو پیار کر رہی تھی۔ سپاہی بھی سو گئے۔ سیناپتی کچھ دیر آگ کے پاس بیٹھا راجو بردہ فروش کے بارے میں سوچتا رہا کہ وہ اسے گاؤں میں مل جائے تو اچھا ہے۔ اگر وہ گاؤں سے باہر گیا ہوا ہو تو مشکل پیش آ جائے گی مگر اسے یقین سا تھا کہ راجو گاؤں میں ہی ہو گا۔ اس کے بعد سیناپتی بھی سو گیا۔

صبح اٹھتے ہی سیناپتی نے شکنتلا کو ناشتہ کروایا اور اس کے پاس جا کر کہنے لگا:

"راجکماری جی! اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو حکم کریں۔ میں آپ کی خدمت کے لیے حاضر ہوں"۔

شکنتلا سیناپتی سے بہت خوش ہوئی کہ بے چارا راستے میں اسکا

کس قدر خیال رکھ رہا ہے۔اس بے چاری کو کیا معلوم تھا کہ یہ تو میٹھا زہر ہے۔اس کی آستین میں چھپا ہوا سانپ ہے جو ابھی اسے ڈسنے ہی والا ہے۔اس نے کہا:

"سیناپتی' ہم تمہاری خدمت گزاری سے بہت خوش ہیں ہم اپنے محل میں جا کر راجہ کنور سے تمہاری بہت تعریف کریں گے۔اس وقت مجھے سوائے اس کے اور کسی شے کی ضرورت نہیں کہ میں جلدی سے جلدی اپنے بچے کے پاس پہنچنا چاہتی ہوں"۔

سیناپتی نے مسکرا کر کہا:

"فکر کی کوئی بات نہیں راج کماری' ہم آپ کے شہر کی طرف ہی

سفر کر رہے ہیں۔ ہم بہت جلد آپ کے شہر پہنچ جائیں گے"۔

شکنتلا نے پوچھا:

"ابھی کتنے دنوں کا اور سفر باقی ہے؟"۔

سیناپتی بولا:

"بس دو ایک دن میں پہنچنے ہی والے ہیں راجکماری جی"۔

شکنتلا خاموش ہوگئی۔ اسے یہ دو دن پہاڑ معلوم ہو رہے تھے۔ وہ چاہتی تھی کہ اس کے پر نکل آئیں اور وہ اڑ کر اپنے گھر پہنچ جائے۔ اپنے خاوند کے پاؤں چھوئے اور اپنے بچے کو سینے سے لگا کر خوب پیار کرے۔ اسے ان سے بچھڑے سال بھر سے زیادہ عرصہ گزر گیا تھا۔ خدا جانے وہ لوگ اس کے بغیر کتنے پریشان نہیں ہوں گے"۔

سیناپتی کے حکم سے سپاہیوں نے پالکی اٹھائی اور چل پڑے۔

اب وہ اس دریا پر پہنچ گئے جہاں عنبر پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا۔

سپاہیوں نے دریا کنارے جا کر پالکی روک دی۔ سیناپتی نے مچھیروں کو بلا کر کہا:

"جلدی سے کشتیاں جوڑ کر ایک بیڑا بناؤ۔ شاہی سواری کو دریا پار اترنا ہے"۔

مچھیرے راجہ کے سپاہیوں اور سیناپتی کو دیکھ کر پہلے ہی ڈر گئے تھے۔ ہاتھ جوڑ کر بولے:

"سرکار! ابھی دریا پار کرائے دیتے ہیں"۔

سب ماہی گیروں نے مل کر دیکھتے دیکھتے چھ سات کشتیوں کو جوڑ کر ایک بیڑا سا بنا دیا۔ سپاہی پالکی سمیت بیڑے میں سوار ہو گئے اور بیڑا دریا میں بہتا ہوا دوسرے کنارے کی طرف روانہ ہو گیا۔ پالکی کے پاس بیٹھے ہوئے ایک سپاہی نے ایک مچھیرے سے پوچھا:

"کیوں بھائی، یہاں تو کبھی کبھی کوئی مسافر آتا ہوگا؟"۔

ماہی گیر منہ بنا کر بولا:

’’سرکار‘ کبھی کبھی ہی کوئی مسافر آتا ہے۔ لیکن اس دفعہ جو مسافر آیا‘ اس نے تو ہمارے ایک ساتھی کو ہی مار ڈالا۔ بڑا بہادر تھا ویسے۔ کہتے ہیں اس پر خنجر کا بھی کوئی اثر نہیں ہوا‘‘۔

یہ سنتے ہی پالکی میں بیٹھی ہوئی شکنتلا کے کان کھڑے ہو گئے اس نے پالکی کا پردہ اٹھا کر ماہی گیر سے کہا:

’’بھائی‘ تم کیا کہہ رہے تھے؟ کیا تم نے اس مسافر کو دیکھا تھا؟‘‘۔

ماہی گیر نے جھک کر کہا:

’’ہاں راجکماری جی‘ میں نے ہی اسے اور اس کے گھوڑے کو کشتی میں سوار کرایا تھا‘‘۔

شکنتلا نے پوچھا۔

’’اس کی شکل کیسی تھی؟‘‘

جب ماہی گیر نے شکنتلا کو حلیہ اور قد بتایا تو خوشی سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ عنبر ہی تھا۔ ویسے بھی عنبر کی یہی نشانی کافی تھی کہ اس پر خنجر اثر نہیں کرتا تھا۔ شکنتلا نے پوچھا:

’’بھائی! مسافر یہاں سے کس طرف گیا تھا؟‘‘۔

ماہی گیر نے کہا:

’’راج کماری جی‘ ہمیں یہ نہیں معلوم کہ وہ کس طرف گیا تھا۔ یہاں سے تو وہ دریا پار کر گیا تھا۔ آگے بھگوان جانے وہ کہاں گیا ہو گا؟ مگر راج کماری جی‘ آپ اتنا کرید کرید کر کیوں پوچھ رہی ہیں؟ وہ آپ کا کون تھا؟‘‘۔

شکنتلا نے کہا:

’’وہ میرا بھائی تھا۔ کاش میں اس سے مل سکتی۔ لیکن اب گھر چل

کر ہی اس سے ملاقات ہو گی‘‘۔

سیناپتی کو اچھی طرح معلوم تھا کہ شکنتلا کا بھائی آگے آگے سفر کر رہا ہے۔ وہ اس لیے بے فکر تھا کہ شکنتلا کے بھائی سے ملاقات ہو جانے کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ ورنہ یہ بھائی سیناپتی کی سازش کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ بن سکتا تھا۔ یہ لوگ دریا پار کر گئے۔ دریا کے پار جا کر سیناپتی نے مچھیروں کو انعام دے کر واپس کر دیا۔ دریا کے پار ایک کچا راستہ اوپر کو چلا گیا۔ قافلہ اس راستے پر چل پڑا۔

دوپہر کے بعد یہ راستہ ایک جنگل میں داخل ہونے والا تھا کہ جنگل کے کنارے ایک گاؤں نظر آیا۔ یہی چوگان نامی گاؤں تھا جہاں سیناپتی کا ڈاکو دوست راجو رہتا تھا۔ سیناپتی نے خوراک حاصل کرنے کا بہانہ بنا کر اس گاؤں کے باہر ایک گنجان درخت کے نیچے پڑاؤ ڈال دیا۔ شکنتلا نے سیناپتی سے کہا:

’’یہاں پڑاؤ کس لیے ڈال دیا ہے سیناپتی جی؟‘‘۔

مکار سیناپتی نے چاپلوسی سے کہا:

’’راج کماری جی‘ پانی کا ذخیرہ ختم ہو گیا ہے۔ یہاں کا پانی بڑا میٹھا ہوتا ہے۔ یہاں کا پانی سارے ملک میں مشہور ہے۔ سوچا یہاں سے پانی کے مٹکے بھر کر آگے روانہ ہوں گے‘‘۔

شکنتلا بھلا اس کے خلاف کیا بول سکتی تھی۔ خاموش ہو کر بیٹھ رہی۔ سیناپتی اسی وقت چپکے سے نکل کر گاؤں کی طرف آ گیا۔ وہ سیدھا راجو ڈاکو کے مکان پر گر گیا۔ اس نے راجو کو حویلی کی ڈیوڑھی میں تخت پر بیٹھے دیکھا تو بے حد خوش ہوا۔ اس کی سازش کامیاب ہو گئی تھی۔ راجو نے سیناپتی کو آتے دیکھا تو اٹھ کر گلے ملا۔

’’بھائی تم یہاں کب آئے؟ کہو کیسے آنا ہوا؟ میں کیا خدمت کر سکتا ہوں؟‘‘۔

سیناپتی نے مسکرا کر کہا:

"تم نے ایک ہی سانس میں تین چار سوال کر ڈالے ہیں۔ راجو بھائی ذرا ایک طرف آ جاؤ۔ تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں"۔

راجو ڈاکو نے پوچھا:

"خیریت تو ہے ناں؟ اگر کسی کی گردن اڑانی ہے تو ہمیں بتا دو۔ ابھی اپنے آدمی بھیج کر تمہارے دشمن کی گردن کٹوا دیتا ہوں"۔

سیناپتی نے مسکرا کر کہا:

"ایسی کوئی بات نہیں بھائی، تم ذرا ایک طرف تو آ جاؤ"۔

راجو ڈاکو سیناپتی کو لے کر ڈیوڑھی میں بیٹھے ہوئے آدمیوں کے قریب سے گزرا کر اندر کوٹھڑی میں آ گیا۔ یہاں دونوں ایک کھاٹ پر بیٹھ گئے۔ راجو ڈاکو نے کہا:

"اب بتاؤ بھائی سیناپتی' تم کس کام کے لیے اتنی دور کا سفر کر کے

میرے گاؤں میں آئے ہو۔ میں تمہاری ہر خدمت کرنے کے لیے تیار ہوں"۔

سیناپتی نے کہا:

"لو سنو"۔

اور اس کے بعد سیناپتی نے راجو ڈاکو کے سامنے ساری بات کھول کر بیان کر دی۔ راجو قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"ارے بھائی، بس اتنی سی بات تھی جس کا تم نے بتنگڑ بنا دیا تھا؟ یہ کون سی مشکل بات ہے۔ یہ تو دور دیس کی ریاست کی راج کماری ہے۔ قسم ہے بھگوان کی اگر تم کہو تو راجو تمہاری مہارانی کو اٹھا کر لے آئے اور ایسی جگہ بیچ دے کہ راجہ زندگی بھر تلاش کرتا رہے تو اس کی پھر شکل نہ دیکھ سکے"۔

سیناپتی نے کہا:

"بس میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ شکنتلا راج کماری کو کسی ایسی جگہ فروخت کرو کہ وہ پھر کبھی اس ملک کا رخ نہ کر سکے"۔

راجوڑا کو بولا:

"قسم بھگوان کی تم کیسی باتیں کرتے ہو۔ میں تو کہتا ہوں کہ تم بڑے ٹھیک وقت پر آئے ہو۔ ابھی میرے پاس لونڈیوں کو بیچنے والا ایک گروہ آ کر ٹھہرا ہوا ہے۔ انہیں کسی ایسی خوبصورت لونڈی کی تلاش تھی جسے وہ سمندر پار جاپان کے بادشاہ کی خدمت میں پیش کر سکیں۔ یہ لوگ جاپان کے بادشاہ کی ہمدردیاں حاصل کر کے وہاں آباد ہونا چاہتے ہیں تا کہ وہاں سے زیادہ سے زیادہ خوب صورت کنیزیں اور لونڈیاں لے کر واپس ہندوستان سے فروخت کر سکیں۔ تم یہ بتاؤ کہ راج کماری کہاں ہے؟"۔

سیناپتی نے کہا:

"یہاں سے قریب ہی گاؤں کے باہر درخت تلے پالکی میں بیٹھی ہے۔ میرے سپاہی بھی اس کے پاس ہی موجود ہیں"۔

راجو نے کہا:

"تم اپنے سپاہیوں کو لے کر وہاں سے کھسک جاؤ۔ باقی میں جانوں اور میرا کام۔۔۔ میں اس کے بعد راج کماری پر قبضہ کر لوں گا"۔

سیناپتی بولا:

"ٹھیک ہے۔۔۔"

راجو نے ایک تھیلی اشرفیوں کو بھر کر سیناپتی کو دیتے ہوئے کہا:

"یہ رہا تمہارا انعام دوست"۔

سیناپتی نے جھوٹ موٹ کہا:

"ارے اس کی کیا ضرورت تھی بھلا؟"۔

راجو بولا:

”اسے لے لو دوست' یہ تمہارا حق ہے“۔

سیناپتی گاؤں میں سے نکل کر باہر آ گیا۔ اس نے دور ہی سے سپاہیوں کو اشارہ کیا کہ وہ اس کے پاس آ جائیں۔ ایک ایک کر کے سارے کے سارے سپاہی گھوڑے لے کر شکنتلا کو اکیلی چھوڑ کر سیناپتی کے پاس آ گئے۔

سیناپتی نے سپاہیوں سے کہا:

”مصیبت کا سفر ختم ہو گیا ہے۔ راج کماری کو میں نے راجوڈاکو کے حوالے کر دیا ہے۔ اب واپس چلو اور خبردار راجہ کے سامنے جس کسی نے بھی زبان کھولی' میں اس کے بچوں کو کولہو میں پلوا دوں گا“۔

سپاہیوں نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا:

”جناب' ہم اپنے بال بچوں کے دشمن نہیں ہیں جو آپ کے

خلاف زبان کھولیں۔ ہم تو بھگوان کا اور آپ کا شکر ادا کر رہے ہیں کہ اس مصیبت سے نجات مل گئی“۔

سیناپتی اور سپاہی وہیں سے واپس بھاگ گئے۔ شکنتلا کی پالکی گاؤں کنارے کے درخت تلے اکیلی رہ گئی۔ شکنتلا پالکی کے اندر بیٹھی تھی اور پردے گرے ہوئے تھے۔ شام ہو رہی تھی۔ شکنتلا نے محسوس کیا کہ کچھ دیر سے کسی سپاہی کی آواز نہیں آ رہی۔ اس نے جو پردہ اٹھا کر دیکھا تو اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ وہ اکیلی رہ گئی تھی۔ سپاہی اسے چھوڑ کر جانے کہاں چلے گئے تھے۔ وہ پالکی سے باہر آ گئی۔ ابھی وہ ادھر ادھر دیکھ ہی رہی تھی کہ راجوڈاکو کا مکروہ قہقہہ گونجا۔

”اب تم میرے قبضے میں ہو راج کماری، میں نے تمہیں خرید لیا ہے۔ تم میری لونڈی ہو“۔

شکنتلا یہ سنتے ہی چکر کھا کر گری اور بے ہوش ہو گئی۔

سمندری قزاق

راجو ڈاکو کے آدمی شگفتا کو اٹھا کر حویلی میں لے آئے۔

شگفتا کو ایک کوٹھڑی میں ڈال کر بند کر دیا گیا۔ آدھی رات کو اسے ہوش آیا تو اس نے اپنے آپ کو ایک کوٹھڑی میں پایا طاق میں دیا جل رہا تھا۔ کوٹھڑی خالی تھی۔ صرف زمین پر سوکھی پرالی بچھی ہوئی تھی۔ شگفتا کا سر چکرا رہا تھا۔ وہ سمجھ گئی کہ اس کے ساتھ ایک بار پھر

دھوکا ہوا ہے اور مکار سیناپتی اس ایک ڈاکو کے حوالے کر کے واپس چلا گیا ہے۔ غدار سیناپتی راجہ ہنومان کو جا کر یہی کہے گا کہ اس نے راج کماری کو حفاظت سے اس کے محل میں پہنچا دیا ہے۔ ہائے ری قسمت۔۔۔ شگفتا بیچاری اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

اس دوران راجو ڈاکو نے جاپان جانے والے آدمیوں سے شگفتا کا سودا کر دیا تھا۔ اس نے ڈاکوؤں کو بے ہوش شگفتا دکھا بھی دی تھی۔ یہ لوگ اصل میں ٹھگ تھے اور اب لونڈیوں اور غلاموں کو فروخت کرنے کا کام کرتے تھے۔ ٹھگوں کے سردار شیواجی نے راجو ٹھگ سے شگفتا کو سونے کی اشرفیوں کی دو تھیلیوں کے عوض خرید لیا اور کہا:

"راجو میں منہ اندھیرے اس راج کماری کو یہاں سے لے جاؤں گا۔ تم ہمارے لیے ایک فالتو گھوڑے کا انتظام کر دو"۔

راجو نے کہا۔

"فکر نہ کرو، یہ بندوبست ہو جائے گا"۔

شکنتلا بے چاری ساری رات کوٹھڑی میں پڑی جاگتی رہی اور اپنی قسمت پر آنسو بہاتی رہی۔ قسمت کا چکر اسے منزل کے قریب لا کر بے گھر کر رہا تھا۔ وہ اپنے گھر پہنچنے والی تھی کہ اسے ایک بار پھر اغوا کر کے فروخت کر دیا گیا۔ ابھی رات پوری طرح سے نہیں ڈھلی تھی۔ منہ اندھیرا ہی تھا کہ شیوا جی ٹھگ اپنے لال لال آنکھوں والے ٹھگوں کے ساتھ کوٹھڑی میں داخل ہوا۔ شکنتلا ان ٹھگوں کی شکلیں دیکھ کر ڈر گئیں۔

شیوا جی نے کہا:

"راج کماری، تجھے اپنی قسمت پر جس قدر رونا ہے ایک بار ہی رو لے۔ کیوں کہ اس کے بعد ہم تمہیں رونے کی اجازت نہیں دیں

گے۔ ہم نے تمہیں بے شمار دولت دے کر خرید لیا ہے اور اب اپنے ساتھ لے جا رہے ہیں۔ اس سارے علاقے پر ہم ٹھگوں کی حکومت ہے۔ یہاں تمہارا رونا بے کار ہے۔ تمہاری فریاد کوئی نہیں سنے گا۔ اس لیے چپکے سے ہمارے ساتھ چل دے"۔

شکنتلا بے بس اور مجبور ہو چکی تھی۔ مصیبتیں سہتے سہتے اب اس میں اتنی طاقت ہی نہیں تھی کہ کسی کا مقابلہ کر سکے۔ وہ سوائے رونے کے اور کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ بس بے چاری روتی ہوئی اپنی جگہ سے اٹھی اور ٹھگوں کے ساتھ کوٹھڑی سے باہر آ گئی۔ باہر گھوڑے تیار کھڑے تھے۔ شیوا جی نے شکنتلا کو اپنے ساتھ گھوڑے پر بٹھایا اور ٹھگوں کا یہ قافلہ آگے کی جانب روانہ ہو گیا۔

جس مقام پر راجو ڈاکو کا گاؤں تھا وہاں سے سمندر ایک دن اور ایک رات کے سفر پر تھا۔ یہ ہندوستان کا جنوب مشرقی کنارا تھا جہاں

آج کل مشرقی گھاٹ کی بندرگاہیں ہیں۔ ٹھگوں کا قافلہ سارا دن جنگلو
میں سفر کرتا رہا۔ دوپہر کو انہوں نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا۔ خود بھی کھانا
کھایا اور راج کماری شکنتلا کو بھی دیا۔ شکنتلا نے انکار کیا تو شیوا جی خنجر
لے کر سامنے آ گیا۔

"راج کماری، تمہاری زندگی اور موت اس وقت میرے ہاتھ
میں ہے۔ اگر تم نے ضد کی تو میں یہ خنجر تمہارے سینے میں گھونپ دوں
گا۔ تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ جیسا ہم کہتے ہیں ویسے ہی کرو"۔

بے چاری شکنتلا بے بس ہو کر چپ ہو گئی۔ اس نے کھانا زہر مار
کیا اور چپکے چپکے آنسو بہانے لگی۔ قافلہ کھانے کے بعد پھر سفر پر
روانہ ہو گیا۔ شام کو یہ قافلہ جنگل سے نکل کر ایک وادی میں آ گیا
جہاں کہیں کہیں چاول کے کھیت پھیلے ہوئے تھے۔ رات کو ٹھگوں نے
ایک کھیت میں پڑاؤ ڈال دیا۔ یہاں قریبی گاؤں سے کچھ ٹھگ شیوا

جی سے ملنے آئے۔

شیوا جی کی انہوں نے بڑی خدمت کی۔ کوئی اپنے ساتھ کھیر پکا
کر لا رہا تھا۔ کسی نے ناریل کے دودھ کا مٹکا اٹھا رکھا تھا۔ کسی نے
پھلوں کی ٹوکری اٹھائی ہوئی تھی۔ یہ سارے ٹھگ شیوا جی کی ٹہل سیوا
کر رہے تھے۔ انہوں نے کھیت میں بستر لگا دیے اور اوپر کپڑے کے
تنبو تان دیے۔ رات کو کچھ ٹھگ سو گئے اور کچھ پہرہ دیتے رہے۔
رات بھر باری باری پہرہ بدلتے رہے۔ شکنتلا پہلے تو جاگتی رہی اور
سوچتی رہی کہ یہاں سے کیسے بھاگے؟ بھاگ کر کہاں جائے؟ پھر
اسے نیند آ گئی اور وہ بھی سو گئی۔

صبح اس کی آنکھ کھلی تو ٹھگوں کا قافلہ وہاں سے کوچ کرنے کی
تیاری کر رہا تھا۔ قافلہ چل پڑا۔ اب وہ منزل پر پہنچنے ہی والے تھے۔
شکنتلا نے دیکھا کہ جنگل ختم ہو گئے تھے اور اب جگہ جگہ ناریلوں کے

درختوں کے جھنڈوں کے جھنڈ شروع ہو گئے تھے۔ زمین بھی ریتلی ہو
گئی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ سمندر کا کنارا قریب آ رہا تھا۔ ہوا میں
سمندر کی نمی محسوس ہونے لگی تھی۔ شیوا جی نے گھوڑوں کی رفتار تیز کر
دی تھی۔ وہ سمندر کے کنارے جلد سے جلد پہنچنا چاہتا تھا۔

سورج ان کے سروں کے اوپر آیا تو سامنے دور سمندر کے گہرے
نیلے پانی کی چادر شیشے کی طرح چمکتی دکھائی دی۔ شکنتلا گھوڑے پر
سوار تھی۔ اس کا دل سمندر کو دیکھ کر گھبرا گیا۔ اگر وہ سمندر کے پار کسی
ملک میں چلی گئی تو پھر شاید کبھی واپس اپنے وطن نہ آ سکے گی۔ اس
خیال سے شکنتلا کا دماغ چکرانے لگا اور وہ بے ہوش ہوتے ہوتے
بچی۔ پھر اس نے یہ سوچ کر اپنے آپ کو حوصلہ دیا کہ اگر بھگوان نے

چاہا تو وہ ایک بار ضرور واپس اپنے گھر آئے گی اور اپنے بچے اور خاوند سے ملے گی۔

لیکن اس وقت وہ اپنے وطن سے ہزاروں میل دور جا رہی تھی۔

یہ لوگ ہندوستان کے مغربی گھاٹ کی ایک گمنام سے بندرگاہ پر پہنچ رہے تھے۔ جہاں عام طور پر ڈاکوؤں کے جہاز آ کر کنارے لگا کرتے تھے۔ یہ بحری ڈاکو یہاں سے خوراک وغیرہ حاصل کرتے اور آگے نکل جاتے۔ بحری ڈاکوؤں کے جہاز کسی بڑی اور قانونی بندرگاہ پر لنگر ڈال کر کھڑے نہیں ہو سکتے تھے اور نہ وہ کسی ایسی بندرگاہ سے کھانے پینے کی چیزیں حاصل کر سکتے تھے۔ اس کام کے لیے انہوں نے بعض ملکوں اور جزیروں پر غیر قانونی بندرگاہیں بنا رکھی تھیں جہاں سمگلر اور ٹھگ قسم کے لوگ ان کو اناج، پھل، پانی اور گرم مسالے اور کپڑا سپلائی کرتے تھے۔

یہ بندرگاہ بھی اسی قسم کی غیر قانونی بندرگاہ تھی۔ دور کنارے سے تھوڑے فاصلے پر سمندر میں ایک بادبانی جہاز لنگر ڈالے کھڑا تھا۔ جہاز کے بادبان لپٹے ہوئے تھے۔ عرشے پر کچھ لوگ نیچے کشتیوں میں سے بوریاں اوپر اٹھا کر رکھ رہے تھے۔ ایسے لگتا تھا کہ جہاز سفر پر روانہ ہونے کی تیاری کر رہا ہے۔ ٹھگوں کا قافلہ سمندر کے کنارے پہنچ گیا۔ یہاں کئی دوسرے ٹھگ اور سمگلر بھی موجود تھے۔ ان سبھوں نے شیواجی ٹھگ کا بڑی گرم جوشی سے خیر مقدم کیا۔ جو کوئی ٹھگ بھی آتا شیواجی سے خوب ہاتھ ملا کر ملتا۔ پھر ایک کالی کالی مونچھوں اور کالی سیاہ گھنی داڑھی والا ریچھ قسم کا آدمی شیواجی کے پاس آیا اور اس نے شیواجی کو قہقہہ مار کر گلے لگا لیا۔

"ارے میرے یار شیوا جی، کہو کیا حال ہے؟ اس دفعہ کدھر کو جانے کا ارادہ ہے؟"۔

شیوا جی نے کہا:

''کپتان' میں اس دفعہ جاپان جا رہا ہوں''۔

معلوم ہوا ہے کہ وہ ریچھ نما آدمی بحری ڈاکوؤں کے جہاز کا ڈاکو
کپتان تھا۔ اس نے آنکھ مار کر پوچھا:

''ساتھ کچھ مال بھی ہے کہ نہیں؟''۔

شیوا جی نے کہا:

''بہت مال ہے کپتان۔ فکر نہ کرو۔ اشرفیاں ہی اشرفیاں ہیں اور
جاپان جا کر اور مال مل جائے گا''۔

کپتان نے کہا:

''شاباش' میرے بنارسی ٹھگ''۔

شیوا جی ٹھگ نے پوچھا:

''جہاز کس وقت روانہ ہوگا؟''۔

کپتان نے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا:

''بس ہوا چل پڑی ہے۔ یہ تھوڑا سا سامان لد جائے تو لنگر اٹھا
دیں گے۔ تم ٹھیک وقت پر آئے ہو''۔

شیوا جی بولا:

''میرا خیال ہے ہم جہاز پر چل کر بیٹھتے ہیں''۔

کپتان نے کہا:

''کیوں نہیں' تمہارا اپنا ہی تو جہاز ہے''۔

شیوا جی نے پوچھا:

''اس دفعہ دیر بعد تم سے ملاقات ہوئی ہے۔ سناؤ کہاں کہاں
ڈاکے مارتے رہے؟''۔

''کچھ نہیں بھائی' ہمارا کام تو پانی میں غوطے لگا کر خوراک حاصل
کرنا ہے۔ کوئی تجارتی جہاز مل گیا تو کام بن گیا۔ نہیں تو سمندر میں

بے کار پھرتے رہو۔ پچھلے ماہ ایک جہاز لوٹا تھا۔ آدمیوں کو قتل کر دیا۔ کافی سامان مل گیا تھا۔ اب یہ مہینہ خالی جا رہا ہے اب تمہارے ساتھ جاپان کو چلتے ہیں۔ شاید راستے میں کوئی تجارتی جہاز مل جائے"۔

شیوا جی نے کہا:

"میں تمہارے ساتھ ہوں گا تو تجارتی جہاز ضرور ملے گا"۔

کپتان بولا:

"ضرور ضرور' آؤ اب جہاز پر چلو۔ وہاں چل کر باتیں کریں گے"۔

شیوا جی نے شکنتلا کو ساتھ لیا اور اپنے دوسرے ٹھگوں کے ساتھ کشتی میں سوار ہو گیا۔ یہ کشتی بھی بحری ڈاکو ہی چلا رہے تھے۔ کشتی سمندر میں کھڑے بادبانی جہاز کے پاس پہنچ کر رک گئی۔ سارے ٹھگ کشتی میں بیٹھے رہے۔ شیوا جی کے ساتھ صرف تین ٹھگ جہاز پر

سوار ہوئے۔ شکنتلا کو انہوں نے پہلے ہی جہاز پر سوار کرا دیا تھا۔ گویا شیوا جی ٹھگ کے ساتھ صرف تین ٹھگ جا رہے تھے۔ باقی ٹھگ وہیں سے واپس چلے گئے۔

عرشے پر جا کر شیوا جی ٹھگ نے شکنتلا کو ساتھ لیا اور بحری ڈاکوؤں کے کپتان کے ساتھ والے کیبن میں آ گیا۔ یہ کیبن چھوٹا سا تھا مگر بڑا آرام دہ تھا۔ آمنے سامنے دو بستر لگے ہوئے تھے۔ ایک تپائی پر مٹکے میں پانی اور ٹوکری میں پھل پڑے تھے۔

شیوا جی نے شکنتلا سے کہا:

"اس کیبن میں صرف تم رہو گی۔ میں دوسرے ٹھگوں کے ساتھ ساتھ والے کیبن میں سوؤں گا۔ اب تم اپنے وطن کا خیال دل سے نکال دو۔ اب تمہارا وہی وطن ہو گا جہاں ہم تمہیں فروخت کریں گے"۔

اتنا کہہ کر شیواجی باہر نکل گیا۔

شکنتلا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ اپنے وطن سے کسی نامعلوم منزل کی طرف جا رہی تھی۔ ایک ایسی منزل کی طرف جہاں سے واپس لوٹنے کی اسے کوئی امید نہیں تھی۔ وہ جنگل میں بھاگ سکتی تھی۔ لیکن سمندر میں کچھ نہیں کر سکتی تھی اور پھر اس کے سر پر سارے کے سارے خونی اور قاتل تھے۔ سب کے دل پتھر کے تھے۔ کسی کے دل میں ذرا سا بھی رحم نہیں تھا۔ یہ بحری ڈاکو تھے جن کا کام ہی جہازوں کو لوٹنا۔ مسافروں کو قتل کرنا اور عورتوں کیساتھ ظلم کرنا تھا۔ ان سے ہمدردی کی امید رکھنا فضول تھا۔

اس وقت شکنتلا کو عنبر کا بہت خیال آیا۔ اگر وہ کہیں سے آ جائے تو اسے دکھوں سے نجات مل سکتی ہے۔ وہ اسے ان قاتل اور خونی ڈاکوؤں سے بھی نکال کر لے جا سکتا ہے۔ لیکن خدا جانے عنبر کہاں

تھا؟ کس حال میں تھا اور کہاں کہاں شکنتلا کو تلاش کرتا پھر رہا تھا۔

اسے کیا خبر تھی کہ اس کی بہن شکنتلا قاتل ٹھگوں اور خونی بحری ڈاکوؤں کے قبضے میں آ چکی ہے اور سمندر میں کسی نامعلوم منزل کی طرف روانہ ہونے والی ہے۔

شام غروب ہوئی تو شمال کی طرف سے جنوب کی جانب ٹھنڈی اور تیز ہوا چلنا شروع ہو گئی۔ کپتان عرشے پر چرخی کے پاس کھڑا تھا۔ اس نے حکم دیا۔

"بادبان کھول کر لنگر اٹھا دیا جائے"۔

بحری ڈاکوؤں نے اسی وقت جہاز کا لنگر اوپر کھینچ لیا۔ چھ ڈاکو جہاز کے مستول کے اوپر چڑھ گئے اور انہوں نے سارے بادبان کھول

دیے۔ بادبانوں کے کھلتے ہی ان میں ہوا بھر گئی اور جہاز نے جنوب مشرق کی طرف ہولے ہولے چلنا شروع کر دیا۔

بحری ڈاکوؤں نے عرشے پر کھڑے ہو کر زور زور سے نعرے لگائے کپتان کے حکم سے بحری ڈاکوؤں کے جہاز کا کھوپڑی اور ہڈیوں والا سیاہ جھنڈا کھول دیا گیا۔

یہ جھنڈا بحری ڈاکوؤں کا خاص نشان تھا جسے دور ہی سے دیکھ کر بڑے سے بڑے بہادر کپتانوں کے حوصلے پست ہو جاتے تھے۔ اپنے جھنڈے کو پھڑ پھڑاتے دیکھ کر ڈاکوؤں نے اور زیادہ جوش سے نعرے لگانے شروع کر دیے۔

کپتان چرخی کے پاس کھڑا تھا۔ کمپاس اس کے ہاتھ میں تھی۔ کبھی وہ کمپاس کو دیکھتا، کبھی آسمان پر چمکتے ستاروں کو دیکھتا اور پھر جہاز کو آگے بڑھنے کا حکم دیتا۔ وہ جہاز کو ٹھیک سمندری راستے پر ڈال

رہا تھا۔ جہاز ایک بار ٹھیک راستے پر چل پڑے تو پھر وہ چلتا چلا جاتا
ہے۔

جہاز اپنی ٹھیک سمت پر روانہ ہو گیا۔

اب اس کی رفتار بھی تیز ہو گئی تھی۔ سمندری لہریں جہاز کے
پیندے سے ٹکرا کر بڑی تیزی سے پیچھے کی طرف بھاگتی چلی جا رہی
تھیں۔

شکنتلا اپنے کیبن میں اداس بیٹھی تھی۔ یہ اس کا پہلا سمندری سفر
تھا۔ اس نے دریاؤں میں بہت سفر کیے تھے مگر سمندر میں کبھی سفر نہیں
کیا تھا۔ زندگی میں پہلی بار وہ ایک سمندری جہاز میں سفر کر رہی تھی اور
وہ بھی سمندری ڈاکوؤں کے جہاز میں۔ جہاز آہستہ آہستہ سمندری
لہروں کے ساتھ ہل رہا تھا۔ شکنتلا کو چکر سے آنے لگے۔ وہ بستر پر
لیٹ گئی اور اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

تینوں ٹھگ ٹھنڈی ہوا میں جہاز کے عرشے پر بیٹھے دوسرے
سمندری ڈاکوؤں سے باتیں کرتے ہوئے اپنے اپنے کارنامے سنا
رہے تھے۔ شیواجی ٹھگ وہاں سے اٹھ کر جہاز کے کپتان کے کیبن
میں آ گیا۔ وہ میز پر ایک چمڑے کا نقشہ پھیلائے اس پر جھک کر کچھ
دیکھ رہا تھا۔ شیواجی ٹھگ کو اندر آتے دیکھ کر بولا:

”آؤ دوست' میرے پاس آ کر بیٹھ جاؤ“۔

شیواجی اندر آ کر بیٹھ گیا۔

”تم کیا دیکھ رہے ہو کپتان؟“۔

کپتان نے کہا:

”ہم اسی رفتار سے سفر کرتے رہے تو تین دن کے بعد جاوا سماٹرا
کے سمندر میں داخل ہو جائیں گے۔ اس سمندر میں ایک جزیرہ ایسا
ہے جہاں بادشاہ کی فوج جمع ہے۔ میں اس جزیرے سے بچ کر نکلنا

چاہتا ہوں۔ بس اسی جزیرے کو دیکھ رہا تھا۔ ویسے فکر نہ کرو۔ کئی بار ادھر سے گزرا ہوں اور ہمیشہ شاہی فوج کی توپوں سے محفوظ رہا ہوں"۔

شیواجی نے کہا:

"کپتان! یہ بتاؤ کہ ہم جاپان کب پہنچیں گے؟"۔

کپتان کہنے لگا:

"شیواجی! جاپان ہم پندرہ سولہ دنوں کے اندر اندر پہنچ جائیں گے۔ اگر طوفان نہ آیا تو اس سے بھی جلدی سفر کٹ جائے گا"۔

شیواجی بولا:

"اچھا بھائی! مجھے تو نیند آرہی ہے۔ میں تو سونے چلا"۔

اور شیواجی ٹھگ اپنے کیبن میں آ گیا۔ اس کے ساتھی ٹھگ ابھی تک باہر عرشے پر بیٹھے سمندری ڈاکوؤں سے باتیں کر رہے تھے

رات کافی گزر گئی تھی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ ٹھگ باہر ہی عرشے کے تختے پر پڑ کر سو گئے۔ شیواجی اپنے کیبن میں سو گیا۔ شگفتہ! بے چاری کیبن کے بستر پر لیٹی کروٹیں بدل رہی تھی۔ اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ اسے نیند کیسے آتی؟ وہ اپنے بال بچوں اور گھر بار سے زبردستی جدا کر دی گئی تھی۔ ٹھگ اسے سمندری ڈاکوؤں کے جہاز میں کسی دوسری جگہ فروخت کرنے کے لیے جا رہا تھا۔

وہ تو کانٹوں کے بستر پر پہلو بدل رہی تھی۔

محل اداس ہے

شکنتلا کو ہم بحری ڈاکوؤں کے جہاز میں چھوڑتے ہیں۔

اب ہم واپس عنبر کی طرف آتے ہیں۔ جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ عنبر شکنتلا کی ریاست کی طرف جا رہا تھا۔ اسے یہ خبر ملی تھی کہ شکنتلا راجہ ہنومان کی شاہی فوج کی حفاظت میں اپنے راج کنور کے محل کی طرف روانہ ہو چکی ہے۔

عنبر کو یقین تھا کہ اگر شاہی فوج کا دستہ اس کے ساتھ ہے تو وہ اب تک راج کنور کے محل میں پہنچ چکی ہو گی۔ اسے کیا خبر تھی کہ اس وقت شکنتلا سمندری ڈاکوؤں کے جہاز پر ٹھگوں کی قیدی ہو کر ملک جاپان کی طرف سفر کر رہی تھی۔

عنبر گھوڑے پر سوار دن کو سفر کرتا اور رات کو کسی درخت یا کسی چٹان کے سائے میں پڑ کر سو رہتا۔ کئی دنوں کے بعد وہ ایک دریا کے پل پر آ گیا۔ یہ پل بھی لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ اس پل کو عبور کر کے جب وہ دریا کے دوسرے کنارے پر آیا تو اس نے دیکھا کچھ جھونپڑیوں کے آگے عورتیں اور مرد ڈھول کی تھاپ پر ناچ رہے ہیں۔ عنبر گھوڑے پر سوار ان کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ بستی والوں نے ایک اجنبی کو وہاں آتے دیکھ کر ناچنا بند کر دیا۔

ایک بوڑھا آگے بڑھا:

"بیٹا' تو کون ہے اور کدھر سے آ رہا ہے؟"

عنبر نے گھوڑے پر سے اتر کر کہا:

"میں مسافر ہوں اور راجہ ہنومان کے شہر سے آ رہا ہوں اور مجھے راج کنور کی ریاست بھی سار میں جانا ہے ہمالیہ پہاڑ کے دامن میں ہے۔ مجھے یہ بتاؤ کہ یہ ریاست یہاں سے کتنی دور ہے؟"۔

بوڑھے نے کہا:

"بیٹا' ریاست بھی سار یہاں سے چار دن کے سفر پر ہے۔ ہمارے ہاں ایک شادی ہو رہی ہے۔ اگر تمہیں پسند آ جائے تو ہمارا کھانا کھا کر آگے سفر کرو"۔

عنبر وہاں رک گیا کھانا کھا کر وہ تازہ دم ہو گیا۔ اس کے گھوڑے نے بھی خوب گھاس وغیرہ چر لیا تھا۔ دوپہر کے بعد وہ وہاں سے رخصت ہو گیا۔ وہ شام تک سفر کرتا رہا۔ یہ سن کر اسے بڑی خوشی ہو گئی

اور جنگل کے راستوں پر اندھیرا چھا گیا تو عنبر گھوڑے سے اتر آیا۔ اس نے ایک درخت کے نیچے ڈیرا جما لیا۔ رات بھر اس جگہ سویا رہا۔ صبح اٹھ کر پھر سفر پر چل پڑا۔ اس نے دور دیکھا تو ہمالیہ کے پہاڑ اسے دکھائی دے رہے تھے۔

وہ منزل کے قریب آ گیا تھا۔ عنبر نے تیز تیز چلنا شروع کر دیا دوپہر کو اس نے ایک جگہ آرام کیا۔ کھانا کھایا۔ گھوڑے کو بھی پانی وغیرہ پلایا اور پھر روانہ ہو گیا۔ عنبر یوں ہی سفر کرتا رہا۔ چوتھے روز وہ ایک وادی میں آ گیا۔ اس کے ارد گرد چاروں طرف پہاڑ ہی پہاڑ تھے۔ اونچے اونچے پہاڑ جن پر گھنے جنگل اگے ہوئے تھے۔ یہاں سردی ہو گئی تھی۔ عنبر نے جھولے میں سے گرم کپڑے نکال کر پہن لیے تھے۔

یہ وادی بڑی سرسبز تھی۔ وہ ایک پہاڑ کی ڈھلان پر سے اتر کر

وادی میں آ گیا۔ یہاں ہر طرف مکی اور سرسوں کے کھیت پھیلے ہوئے تھے اور ایک دو جگہوں پر کسان ہل چلا رہے تھے۔ عنبر گھوڑا لے کر ایک کسان کے پاس آ گیا۔ اس نے کسان سے پوچھا کہ راج کنور کا شہر بمبی سار کس جگہ پر ہے۔ کسان نے ہل روک کر عنبر کی طرف دیکھ کر کہا:

’’بھائی، تم اس وقت ریاست بمبی سار میں ہی ہو‘‘۔

عنبر نے کہا:

’’راج کنو کا محل یہاں سے کتنی دور ہے؟‘‘۔

کسان بولا:

’’تم اس سامنے والی پہاڑی کے دوسری جانب جاؤ گے سامنے راج کنور کا راج محل نظر آئے گا۔ کیا تم کسی لمبے سفر سے آ رہے ہو؟‘‘۔

’’ہاں بھائی۔۔۔شکریہ‘‘۔

عنبر کسان کا شکریہ ادا کر کے اس پہاڑی کی طرف چل پڑا جس کے دوسری طرف ریاست بمبی سار تھی۔ پہاڑی پر سے جب وہ دوسری طرف آیا تو سامنے سنہری دھوپ میں راج محل کے مینار چمک رہے تھے۔

راج محل کے اردگرد لمبی سار کا چھوٹا سا شہر پھیلا ہوا تھا۔ اس شہر اور محل کو دیکھ کر عنبر کے چہرے پر خوشی کی لالی آ گئی۔ وہ آخر اپنی منزل پر پہنچ گیا تھا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے سامنے شگفتاں کھڑی مسکرا رہی ہے۔ اس کا دل اپنی بہن سے ملنے کے لیے بے چین ہو گیا۔

''وہ جب مجھے اچانک محل میں دیکھے گی تو کس قدر حیران ہو گی؟

کس قدر خوش ہو گی؟''

عنبر دل ہی دل میں سوچ کر خوش ہونے لگا۔ اسے بھلا کیا خبر ہو سکتی تھی کہ راج محل کے اندر اداسیاں اس کا انتظار کر رہی ہیں۔ وہ گھوڑے کو دوڑاتا ہوا محل کے دروازے کی طرف چل پڑا۔ جب سے وہ راجہ ہنومان کے محل سے چلا تھا پہلی بار گھوڑے کو دوڑا رہا تھا۔ شاید گھوڑے کو بھی پتہ چل گیا تھا کہ اس کا سوار منزل پر پہنچنے والا ہے اس لیے وہ بھی بڑی خوشی خوشی بھاگتا ہوا چلا جا رہا تھا یہاں سڑک اگرچہ کچی تھی مگر چوڑی اور سایہ دار تھی۔ عنبر گھوڑا دوڑاتا شہر کے دروازے پر آ گیا۔ شہر کا دروازہ اونچا تھا اور ڈیوڑھی میں راج کنور کے سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ عنبر ان کے قریب جا کر رک گیا۔

ایک سپاہی نے آگے بڑھ کر عنبر سے پوچھا:

''تم کہاں سے آئے ہو؟''۔

عنبر نے کہا:

"میں راجہ ہنومان کے محل سے آیا ہوں اور تمہارے راج کنور کے لیے ایک بڑا ہی ضروری پیام ساتھ لایا ہوں۔ کیا مجھ سے پہلے راجہ کے سپاہی نہیں آئے؟"۔

سپاہی بولا:

"کون سے سپاہی؟"

"راجہ ہنومان کے۔۔۔ساتھ ایک پالکی بھی تھی جس میں راجکماری بیٹھی ہوئی تھی۔ کیا تم نے راج کماری کی سواری کو یہاں سے نہیں گزارا؟"

سپاہی بولا:

"معلوم ہے تمہاری موت سر پر منڈلا رہی ہے جو ہمارے راج کنور کی مصیبت اور پریشانی کے ساتھ کھیلنے کی کوشش کر رہے ہو"۔

"کیا مطلب؟" عنبر نے تعجب سے پوچھا۔

"مطلب یہ کہ یہاں سے کسی راجہ ہنومان کے سپاہی راج کماری کی سواری لے کر نہیں گزرے"۔

عنبر ایک دم خاموش ہو گیا۔ اس نے سر اٹھا کر پوچھا:

"کیا تم سچ کہہ رہے ہو کہ یہاں سے راج کماری کی سواری نہیں گزری؟"۔

سپاہی نے کہا:

"بھائی تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ اگر راجکماری شکنتلا راج محل میں واپس آ چکی ہوتی تو تمہیں محل پر چھائی ہوئی اداسی کہیں نظر نہ آتی۔ تمہیں ہر طرف شادیانوں کی آوازیں سنائی دیتیں۔ شہزادی کو راج محل سے جدا ہوئے آج چوتھا مہینہ جا رہا ہے۔ اس کا پیارا بچہ ماں کی یاد میں رو رو کر ہلکان ہو گیا ہے۔ بھگوان جانے ہماری راج کماری

بے چاری کہاں کہاں ٹھوکریں کھا رہی ہوگی؟""۔

عنبر کے دل پر تو اوس پڑ گئی۔ اس کا چہرہ اداس ہو گیا۔ وہ گھوڑے سے اتر کر سپاہی کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ سپاہی نے پوچھا:

"بھائی، تم کہاں سے آ رہے ہو اور یہ کیسا سندیسہ لے کر آئے ہو کہ راج کماری یہاں پہنچ گئی ہوگی"۔

عنبر نے ٹھنڈی آہ بھری اور کہا:

"میں یہ ساری باتیں راجہ کنور سے جا کر کرنا چاہتا ہوں۔ میں راجہ ہنومان کے شہر سے چل کر یہاں سے آ رہا ہوں۔ مجھے راج کنور سے مل کر انہیں ایک ضروری پیام دینا ہے"۔

سپاہی نے کہا:

"آپ شوق سے چلے جائیں۔ یہاں سے نکل کر آپ شہر میں داخل ہو جائیں گے۔ شہر کے بیچ میں آپ کو راجہ کنور کا محل ملے گا۔

آپ وہاں دربان سے کہہ کر راجہ کنور سے مل سکتے ہیں"۔

"شکریہ دوست"۔

عنبر گھوڑے پر سوار ہو کر شہر میں آ گیا۔

اس کا دل یہ سن کر ایک دم بجھ سا گیا تھا کہ شگفتا ابھی تک محل میں نہیں پہنچی؛ حالانکہ وہ شاہی فوج کے ساتھ ہنومان راجہ کے شہر سے اس سے کئی روز پہلے چلی تھی۔ شاہی سواری بڑی تیز سفر کیا کرتی ہے۔ اس نے سوچا ہو سکتا ہے راستے میں کسی دریا کا پل ٹوٹ گیا ہو اور انہیں دریا پار کرنے میں دشواری آئی ہو اور دیر لگ گئی ہو۔ لیکن وہ جس دریا پر سے گزرا تھا ان کے سارے کے سارے پل سلامت تھے اور پھر یہ برسات کا موسم بھی نہیں تھا کہ بارشوں کی وجہ سے دریا سیلاب پر ہوں۔

عنبر انہی خیالوں میں غرق شہر میں سے گزر رہا تھا۔

راج محل کے دروازے پر دربان پہرہ دے رہے تھے۔اس نے عنبر سے پوچھا کہ وہ کون ہے اور کس سے ملنا چاہتا ہے۔عنبر نے اسے بھی یہی بتایا کہ وہ راجہ ہنومان کے شہر سے آ رہا ہے۔اور راج کنور کو ایک ضرور پیام دینا چاہتا ہے۔دربان نے کہا:

”ہم تمہیں ایسے اندر آنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ہاں راج کنور سے پوچھ لیتے ہیں۔اگر انہوں نے اجازت دی تو تمہیں اندر بھیج دیا جائے گا؛ ورنہ تمہیں اسی جگہ سے واپس ہونا ہوگا“۔

عنبر کے لیے سوائے اس کے اور کوئی راستہ نہیں تھا کہ وہ راج کنور کو پیام بھجوائے؛ چنانچہ اس نے راج کنور کو ایک سپاہی کے ہاتھ کہلوا بھیجا کہ ایک آدمی راج کماری کے بارے میں خاص پیام لے کر محل کے دروازے پر آیا ہے اور راج کنور سے ملنا چاہتا ہے۔سپاہی محل کے اندر چلا گیا۔

اس وقت راج کنور اپنے خاص کمرے میں وزیروں کے ساتھ بیٹھا کسی خاص بات پر گفتگو کر رہا تھا۔سپاہی نے جا کر جھک کر سلام کیا اور کہا:

”مہاراج“ راجہ ہنومان کے شہر سے ایک آدمی آیا ہے اور راج کماری کے بارے میں خاص پیغام لایا ہے“۔

یہ سننا تھا کہ راج کنور ایک دم اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

’’کہاں ہے آدمی؟ اسے فوراً اندر بھیج دو‘‘۔

سپاہی جانے لگا تو راج کنور جلدی سے بولا:

’’نہیں نہیں، ہم خود جا کر اس سے ملاقات کرتے ہیں‘‘۔

راج کنور نے وزیروں کو برخاست کر دیا اور تیز تیز قدم اٹھاتا راج محل کی ڈیوڑھی میں آ گیا۔ سارے سپاہی راج کنور کو یوں آتا

دیکھ کر جلدی سے جھک کر کھڑے ہو گئے۔

عنبر نے دیکھا کہ ایک خوب صورت اور نازک سا شہزادہ اس کے پاس آ کر رک گیا ہے۔ جس کے چہرے پر بڑی اداسی چھائی ہوئی تھی۔

عنبر نے جھک کر راج کنور کو آداب پیش کیا اور کہا:

’’راج کنور جی، میں آپ کے محل میں جا کر آپ سے کچھ خاص باتیں کرنا چاہتا ہوں‘‘۔

راج کنور نے کہا:

’’کیا تم ہماری راج کماری کے بارے میں کچھ خبر لائے ہو؟‘‘۔

’’ایسا ہی سمجھ لیں‘‘۔

راج کنور عنبر کو اپنے ساتھ محل کے خاص کمرے میں لے آیا۔ عنبر ایک گدیلے پر بیٹھ گیا۔ راج کمار نے کمرے کو تمام لونڈیوں اور غلاموں سے خالی کرا دیا۔ پھر بڑے بے تابی سے کہا:

"بھگوان کے لیے مجھے جلدی سے بتاؤ کہ میری رانی کہاں ہے؟"۔

عنبر نے گہرا سانس بھر کر کہا:

"راج کمار' میں یہی بات آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ راجکماری کہاں ہے؟ وہ اب تک راج محل میں کیوں نہیں پہنچی؟ اسے تو راجہ ہنومان کے محل سے چلے دو مہینے ہو گئے ہیں"۔

راج کنور بولا:

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ مجھے ساری بات کھول کر بیان کرو"۔

عنبر نے کہا:

"مہاراج' میری باتوں کو غور سے سنیں۔ میرا نام عنبر ہے۔ میں ملک افریقہ کا حکیم ہوں۔ میں ایک سمندری سفر کر رہا تھا کہ ایک بندر گاہ میں ایک لڑکی کو ڈاکوؤں کے پنجے میں دیکھا۔ اس لڑکی کا نام شکنتلا

تھا"۔

راج کنور نے جلدی سے کہا:

"ہاں ہاں' شکنتلا ہماری رانی کا نام ہے۔ پھر کیا ہوا؟ پھر وہ کہاں چلی گئی؟"۔

عنبر بولا:

"مہاراج' اس کے بعد میں نے شکنتلا کو ڈاکوؤں کے پنجے سے رہائی دلائی۔ شکنتلا نے مجھے بتایا کہ وہ آپ کی بیوی ہے اور ڈاکو اسے راج محل سے اغوا کر کے لے گئے تھے۔ وہ آپ کو اور اپنے پیارے بچے کو یاد کر کے رو رہی تھی۔ میں نے اسے تسلی دی اور کہا کہ تم میری بہن ہو اور میں اس وقت تک ملک جاپان کی طرف نہیں جاؤں گا جب تک کہ تمہیں تمہارے راج کنور کے پاس نہیں پہنچا دیتا"۔

راج کنور نے پریشانی سے پوچھا:

"پھر کیا ہوا؟"

"پھر یہ ہوا کہ۔۔۔"

اس کے بعد عنبر نے راج کنور کو ساری کہانی کھول کر بیان کرنی شروع کر دی کہ کس طرح وہ شکنتلا کو لے کر جنگل جنگل، سمندر سمندر پھرتا رہا پھر کس طرح وہ ملک ہندوستان کے ساحل پر آیا۔ کس طرح ویران جزیروں میں بھٹکتا پھرا۔ پھر کیسے شکنتلا کو آدم خوروں سے بچایا اور پھر کس طرح وہ ایک جگہ ہندوستان میں آ کر اس سے جدا ہو گئی۔

"اس کے بعد جب میں راجہ ہنومان کے شہر میں پہنچا تو وہاں سے مجھے معلوم ہوا کہ شکنتلا کو راجہ نے شاہی سواری کے ساتھ ریاست بمبی سار کی طرف روانہ کر دیا ہے۔ میں خوش خوش ریاست کی طرف چل پڑا۔ اب آپ کے پاس آیا تو معلوم ہوا کہ راج کماری کی سواری ابھی تک نہیں پہنچی"۔

راج کنور سر پکڑ کر بیٹھ گیا:

"میرے بھائی عنبر‘ میں تمہارا بے حد شکر گزار ہوں کہ تم نے راج کماری شکنتلا کو اپنی بہن سمجھ کر اس کی مدد کی۔ اسے ڈاکوؤں اور آدم خوروں سے بچایا اور پھر اسے لے کر مارے مارے پھرتے رہے۔ مگر قسمت میں ابھی میری پریشانی اور راج کماری کا غم لکھا ہوا ہے"۔

عنبر نے کہا:

"راج کنور‘ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ راستے میں سواری کو کسی جگہ دیر لگ گئی ہو"۔

"ہاں ایسا بھی ہو سکتا ہے"۔

"ہمیں کچھ وقت انتظار کرنا چاہیے۔ شاید راجکماری کی سواری آ جائے"۔

"کاش‘ میں اور میرا بچہ جو کہ ماں کے غم میں سوکھ گیا ہے

راجکماری کی دوبارہ شکل دیکھ کر نہال ہو سکیں"۔

عنبر راج محل میں ٹھہر گیا۔ اسے ایک امید سی تھی کہ شاید شکنتلا کی سواری کو راستے میں کسی جگہ کوئی دقت پیش آ گئی ہو۔ شاید دو چار دنوں بعد وہ راج محل میں آ جائے۔ مگر جانے کیوں اس کا دل اسے بار بار کہہ رہا تھا کہ شکنتلا ابھی واپس نہیں آ سکتی۔

جنگل میں آگ

ایک ہفتہ گزر گیا۔

عنبر راج کنور کے محل میں شکنتلا کی سواری کی راہ دیکھ رہا تھا۔ راج کنور کے دل میں کبھی امید کا چراغ جلتا اور کبھی ٹمٹمانے لگتا۔ جیسے ابھی بجھ جائے گا۔ دو ہفتے گزر گئے۔ شکنتلا راج محل میں داخل نہ ہوئی۔۔۔ اور پھر ایک مہینہ گزر گیا۔ شکنتلا کو نہ آنا تھا اور نہ آئی۔ اب

امید کا دیا گل ہو چکا تھا۔

راج کنور کو یقین ہو چکا تھا کہ راج کماری نہیں آئے گی۔ اسے خیال آیا کہیں یہ شخص عنبر اس کے ساتھ جھوٹ ہی نہ بول رہا ہو۔ مگر پھر اس نے سوچا کہ اسے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی۔

عنبر سمجھ گیا تھا کہ شکنتلا راستے میں کسی مصیبت میں پھنس گئی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ شاہی فوج نے سفر سے تنگ آ کر اسے راستے میں ہی چھوڑ دیا ہو اور بے چاری شکنتلا جنگلوں میں در بدر پھر رہی ہو۔ عنبر نے سوچا کہ واپس چل کر جنگلوں میں شکنتلا کو تلاش کرنا چاہیے۔ محل میں بیٹھے رہنے کا کوئی فائدہ نہیں؛ چنانچہ عنبر نے راج کمار سے کہا:

”راج کنور! میرا خیال ہے کہ راجکماری کسی مصیبت میں پھنس گئی ہے۔ میرا اب یہاں رہنا بے کار ہے۔ اسے کہیں بہتر ہے کہ میں واپس جا کر جنگلوں میں راج کماری کو تلاش کرنے کی کوشش کرتا

ہوں“۔

راج کمار نے کہا:

”عنبر بھائی! میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا۔ تم نے میرے زخم کو پھر سے ہرا کر دیا ہے۔ میں راج کماری کے غم کو سینے سے لگائے خاموش بیٹھا آنسو بہا رہا تھا کہ تم نے مجھے امید دلا کر پھر سے ناامید کر دیا ہے۔ میں بھی تمہارے ساتھ جنگلوں میں اپنی رانی کو تلاش کروں گا“۔

عنبر نے کہا:

”مہاراج! اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کو بڑا صدمہ ہوا ہے۔ لیکن آپ اپنے محل میں ہی رہ کر شکنتلا بہن کا انتظار کریں۔ کیونکہ ہو سکتا ہے وہ یہاں کسی وقت پہنچ جائے۔ ویسے بھی آپ جنگلوں کی مصیبتیں برداشت نہ کر سکیں گے اور پھر اگر شکنتلا بہن واپس آ گئی

اوراس نے یہاں آپ کو نہ دیکھا تو وہ زیادہ پریشان ہوگی''۔

راج کنور نے کہا:

''بھائی' یہ سوچ کر ٹھہر جاتا ہوں کہ کہیں سچ مچ بھگوان نے میری
رانی کو راج محل میں بھیج دیا تو مجھے نہ پا کر اسے بہت صدمہ ہوگا۔
ویسے میرا دل تمہارا ساتھ جنگل جنگل سفر کر رہا ہوگا۔ لیکن کیا تم
کچھ روز کے لیے اور یہاں رک کر انتظار نہیں کر لیتے؟''۔

عنبر بولا:

''یہاں بیٹھ کر ہاتھ پر ہاتھ دھرے رکھنا اچھی بات نہیں میں جنگل
میں جا کر کیوں نہ اپنی بہن کو تلاش کروں۔ ہوسکتا ہے اس کی سواری آ
رہی ہو اور راستے میں ہی اس سے ملاقات ہو جائے''۔

راج کنور نے کہا:

''بھائی' بھگوان کرے کہ ایسا ہی ہو۔ اگر راج کماری کی سواری

تمہیں راستے میں مل گئی تو تمہیں میری قسم ہے کہ اسی وقت بھاگ کر
میرے پاس آنا اور مجھے آ کر خوش خبری سنانا کہ راج کماری راج محل
کی طرف آ رہی ہے''۔

عنبر بولا:

''خدا نے چاہا تو ایسا ہی ہوگا''۔

راج کنور نے کہا:

''تم میرے محل کا سب سے طاقت ور اور تیز دوڑنے والا گھوڑا
لے جا سکتے ہو۔ تمہیں کھانے پینے کے لیے جس چیز کی ضرورت ہو
تمہارے ساتھ رکھوا دی جائے گی''۔

''شکریہ''۔

تھوڑی سی خوراک اور تیز رفتار گھوڑا لے کر عنبر ریاست بمبی سار
کے شہر سے نکل کر ایک بار پھر مغربی گھاٹ کے جنگلوں میں نکل کھڑا

ہوا۔ یہ وہی راستے تھے جہاں سے ہو کر وہ گزرا تھا۔ وہ صبح کو راج محل سے نکلا تھا اور اسے راستے میں ہی شام ہو گئی۔ وہ اب بہت کم راستے میں آرام کرنا چاہتا تھا۔ وہ انہیں راستوں پر چل رہا تھا جہاں سے وہ گزر کر آ رہا تھا۔ اس کے دل میں ایک ہلکی سی امید کی کرن روشن تھی کہ شاید راستے میں اسے شکنتلا کی سواری مل جائے۔

شام غروب ہو گئی۔ پھر رات ہو گئی۔ ہر طرف رات کا اندھیرا پھیل گیا۔ آسمان پر ستارے نکل آئے۔ عنبر بغیر رکے جنگل میں سفر کرتا رہا۔ اندھیرے میں راستہ بہت کم نظر آ رہا تھا۔ اس کے ارد گرد پہاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ سردی بڑھ گئی تھی۔ عنبر کا گھوڑا قدم قدم چل رہا تھا۔ آخر کار اندھیرے اور سردی کی وجہ سے اسے رکنا پڑا۔ وہ گھوڑے سے اتر پڑا۔ ایک جگہ اس نے خشک جھاڑیاں جمع کر کے آگ روشن کی اور پاس بیٹھ کر آگ تاپنے لگا۔ آگ کی گرمائش نے

اس پر غنودگی طاری کر دی۔

وہ اسی جگہ گرم کمبل اوڑھ کر سو گیا۔

اس کی آنکھ اس وقت کھلی جب سورج نکل آیا تھا اور درختوں کے اوپر دھوپ چمک رہی تھی۔ اس نے اٹھ کر تھوڑا سا ناشتہ کیا۔ گھوڑا بھی گھاس وغیرہ کھا کر تازہ دم ہو چکا تھا۔ عنبر نے بستر لپیٹ کر گھوڑے پر رکھا اور پھر آگے چل پڑا۔

سارا دن سفر کرتا رہا۔ دوپہر کو ایک پہاڑی چشمے پر آ کر اس نے
خود کھانا کھایا اور گھوڑے کو پانی پلایا۔ کچھ دیر آرام کیا اور پھر آگے
روانہ ہو گیا۔ چلتے چلتے پھر رات ہو گئی۔ عنبر سفر کرتا رہا۔ جب وہ بہت
تھک گیا اور اندھیرا ابھی بڑھ گیا تو وہ گھوڑے پر سے اتر پڑا۔
ایک درخت کے نیچے اس نے آگ روشن کی۔ کھانا کھایا
گھوڑے کو درخت کے ساتھ باندھ کر اس کے آگے گھاس ڈال دیا

اور خود سو گیا۔ ساری رات وہ سوتا رہا۔ صبح اٹھا اور پھر اپنے سفر پر روانہ
ہو گیا۔

اسی طرح سفر کرتے کرتے اسے کئی دن اور کئی راتیں گزر گئیں۔
مگر شگفتالا کی سواری اسے کہیں بھی نہ ملی۔ اس کے دل میں طرح طرح
کے وسوسے پیدا ہونے لگے۔ کہیں شگفتالا کو ڈاکو نہ پڑ گئے ہوں۔ کہیں
سپاہی اسے چھوڑ کر نہ بھاگ گئے ہوں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ خونخوار آدم
خور جنگلیوں نے ان سب کو پکڑ کر ہڑپ کر لیا ہو؟

اس قسم کے خیالوں سے عنبر پریشان ہو گیا۔ مگر وہ سفر کرنے کے
سوا کچھ نہ کر سکتا تھا۔ اس نے سفر جاری رکھا۔ وہ ایک بہادر نوجوان تھا
اور اپنی دھن کا پکا تھا۔ اس نے دل میں فیصلہ کر رکھا تھا کہ چاہے اسے
دنیا کے دوسرے کنارے پر جانا پڑے وہ شگفتالا کو ڈھونڈ کر رہے گا۔
سفر پر سفر کرتے' منزلوں پر منزلیں اور دریا پر دریا عبور کرتے' آخر اس

نے ایک دریا کو عبور کیا تو اسے سامنے ایک گاؤں کی آبادی نظر آئی۔
یہاں کچے مکان بنے ہوئے تھے۔
گاؤں کے ارد گرد جوار کے چند کھیت بھی تھے۔ شام ہو رہی تھی۔
کچھ مکانوں سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ عنبر کو کوئی علم نہیں تھا کہ وہ راستے
سے بھٹک گیا ہے اور اس گاؤں کی طرف نکل آیا ہے جہاں راجو ٹھگ
کی حویلی ہے۔ وہ گاؤں میں آ گیا اور ایک مکان کے باہر دیہاتی کو
دیکھ کر گھوڑے پر سے اترا۔ اس نے اس دیہاتی سے پوچھا:

"کیوں بھائی؟ اس گاؤں کا کیا نام ہے؟"۔

یہ دیہاتی راجو ڈاکو کا آدمی تھا۔ اصل میں یہ سارا گاؤں ڈاکوؤں
اور ٹھگوں کا تھا۔ دیہاتی نے اوپر سے نیچے تک بڑے غور سے عنبر کو
دیکھا اور پوچھا:

"بھائی تم کون ہو اور کہاں سے آ رہے ہو؟"۔

عنبر نے کہا:

"میں ریاست بھمی سار کے شہر سے آ رہا ہوں اور راجہ ہنومان
کے شہر کی طرف جا رہا ہوں۔ تم مجھے یہ بتاؤ کہ کیا میں راستے سے
بھٹک تو نہیں گیا۔ کیونکہ جو پہاڑ اور دریا میں نے آتے ہوئے دیکھے
تھے وہ مجھے راستے میں کہیں دکھائی نہیں دے رہے"۔

دیہاتی نے کہا:

"بھائی تم ٹھیک راستے سے بھٹک گئے ہو۔ خیر کوئی بات نہیں۔
میں تمہیں گاؤں کے مکھیا کی حویلی میں لیے چلتا ہوں۔۔۔ شاید وہ
تمہارا کوئی انتظام کر دے۔ کیونکہ یہاں سے مہینے میں دو ایک بار
قافلہ راجہ ہنومان کے شہر کو جایا کرتا ہے۔ لیکن وہاں پیسے لگتے ہیں۔ یہ
بتاؤ کہ تمہارے پاس پیسے ہیں کیا؟"۔

دیہاتی اصل میں یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اس نوجوان کے پاس

کتنی رقم ہے؟

عنبر بھولپنے سے بولا:

''بھائی میرے پاس بہت دولت ہے۔ سونے کی اشرفیوں کی چار تھیلیاں ہیں جو میں نے سفر کے لیے ساتھ رکھی ہوئی ہیں۔ تم مجھے گاؤں کے مکھیا کے پاس لے چلو تا کہ وہاں یہ پتہ چل سکے کہ قافلہ کس روز یہاں سے روانہ ہونے والا ہے''۔

دیہاتی نے جب یہ سنا کہ نوجوان کے پاس کافی دولت ہے۔ تو اس کی تو باچھیں کھل گئیں۔ سونے کی اشرفیوں کی چار تھیلیاں بہت بڑی دولت تھی۔ اتنی دولت تو راجوڈاکو بھی تین چار ڈاکے مار کر یا پورے قافلے کو ہلاک کر کے حاصل کیا کرتا تھا۔ دیہاتی نے سوچا کہ وہ راجوڈاکو سے ضرور انعام حاصل کرے گا۔ کیوں کہ وہ ایک بہت دولت مند آسامی کو لے کر جا رہا ہے۔

دیہاتی عنبر کو راجوڈاکو کی حویلی میں لے کر گیا۔ راجوڈاکو اگلے روز ڈاکے پر جانے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ کیونکہ اس کے پاس پیسے ختم ہو گئے تھے۔ اس نے ڈیوڑھی میں گھوڑے کی آواز سنی تو باہر آ گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک دبلا پتلا نوجوان دیہاتی کے ساتھ حویلی کی ڈیوڑھی میں آ رہا ہے۔ عنبر نے بھی دیکھا کہ ایک لمبی لمبی مونچھوں اور ڈراؤنی شکل والا آدمی اس کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔

راجو نے دیہاتی سے پوچھا:

''یہ کون ہے؟''۔

دیہاتی نے ہاتھ سے خاص اشارہ کیا جس کا مطلب یہ تھا کہ بہت بڑی آسامی ہے۔ زبان سے یہ کہا:

''سرکار آپ اس گاؤں کے مکھیا ہیں۔ یہ ایک غریب مسافر ہے۔ راستہ بھول کر اس گاؤں میں آ گیا ہے۔ میں اسے آپ کی

خدمت میں لایا ہوں کہ اگر قافلہ راجہ ہنومان کے شہر کو جانے والا ہو تو اسے بھی ساتھ کر لیں۔ اس کے پاس کرائے کے پیسے موجود ہیں"۔

راجو ڈاکو کو معلوم ہوا کہ اسامی بہت دولت مند ہے تو بہت خوش ہوا۔ فوراً بولا:

عنبر بولا:

"ہاں جناب' ادھر ہی کو جا رہا تھا کہ راستہ بھٹک گیا۔ اب آپ کے پاس آیا ہوں۔ سنا ہے یہاں سے کبھی کبھار ایک قافلہ تیار ہو کر راجہ کے شہر کو جایا کرتا ہے۔ اگر آپ اس قافلے میں مجھے بھی شامل کر لیں تو میں آپ کا بڑا شکر گزار ہوں گا۔ میں کرایہ ادا کروں گا"۔

راجو ڈاکو مسکرایا:

"برخوردار، کرایہ تم نہ بھی ادا کرو تو ہم تمہیں راجہ ہنومان کے شہر میں پہنچا دیں گے۔ اس لیے کہ تم ہماری حویلی میں ہمارے مہمان بن کر اترے اور ہم اپنے مہمانوں سے کرایہ وصول نہیں کیا کرتے۔ کرایہ تو ہم مسافروں سے وصول کرتے ہیں اور تم مسافر نہیں ہو۔ ہمارے مہمان ہو"۔

عنبر نے کہا:

"شکریہ جناب' لیکن قافلہ کب روانہ ہو گا؟"۔

راجو ڈاکو بولا:

"قافلہ کل صبح کو روانہ ہونے والا ہے۔ میں اسی سلسلے میں تیاریاں کر رہا تھا۔ آج رات تم میری حویلی میں آرام کرو۔ کل صبح تمہیں قافلے کے ساتھ روانہ کر دیا جائے گا"۔

عنبر بولا:

"کرایہ میں ابھی ادا کر دیتا ہوں"۔

راجو ڈاکو نے مسکرا کر کہا:

"برخوردار' اس کی کیا ضرورت ہے۔ کل دیکھا جائے گا"۔

راجو ڈاکو کے نوکروں نے عنبر کو ایک کمرے میں پہنچا دیا جو دوسری منزل پر تھا۔ یہ ایک چھوٹی سی کوٹھڑی تھی جس کے فرش پر گدیلا اور گدیلے کے اوپر بکروں کی کھال بچھی ہوئی تھی۔ تکیے بھی لگے تھے۔

عنبر نے کھانا کھایا اور بستر پر لیٹ کر شکنتلا کے بارے میں سوچنے لگا۔ پھر اس کا خیال گاؤں کے مکھیا یعنی راجو کی طرف مڑ گیا۔ بڑی خوفناک شکل تھی مکھیا کی۔ گاؤں کے مکھیا عام طور پر اس قسم کی شکلوں والے نہیں ہوا کرتے۔ شاید یہ کوئی انوکھا مکھیا ہو۔ شاید یہ کوئی خاص قسم کا آدمی ہو۔

عنبر اسی قسم کی باتیں سوچتا سو گیا۔

دوسری طرف راجو ڈاکو اپنے ٹھگوں کے ساتھ حویلی کی ڈیوڑھی میں بیٹھا باتیں کر رہا تھا کہ عنبر کو کس وقت ہلاک کیا جائے۔ ان کے لیے کسی آدمی کو ہلاک کرنا بڑی ہی معمولی سی بات تھی۔ بحث اس بات پر ہو رہی تھی کہ عنبر کو کون جا کر ہلاک کرے؟ کیونکہ جو ٹھگ کسی اسامی کو ہلاک کرتا تھا اسے راجو ڈاکو کی طرف سے انعام کے طور پر دس اشرفیاں ملتی تھیں۔ ایک ٹھگ نے کہا:

”راجو! میں ایک غریب ٹھگ ہوں۔ کتنے ہی دنوں سے کسی اسامی کو ہلاک نہیں کیا۔ بھگوان کے لیے مجھے اجازت دے کر میری غریبی پر رحم کھاؤ۔ میں دس اشرفیاں لے کر نیا بیل خریدوں گا جس سے اپنی زمین پر ہل چلاؤں گا“۔

راجو نے کہا:

”کیوں بھئی ساتھیو! تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا تم اجازت دیتے ہو کہ میں تازہ اسامی اس سے قتل کرواؤں؟“۔

ایک بوڑھا ٹھگ بولا:

”راجو! ترس تو تمہیں مجھ پر کھانا چاہیے۔ کیونکہ میں ایک بوڑھا ٹھگ ہوں۔ مجھے سہارے کی زیادہ ضرورت ہے۔ یہ تو دس اشرفیوں سے بیل خریدے گا اور میں ایک مہینے کے دانے اپنے گھر میں ڈال لوں گا۔ تو تم ڈاکے پر بھی مجھے نہیں لے جاتے کیوں کہ میں بوڑھا ہو

گیا ہوں"۔

دوسرا آدمی بولا:

"بابا! تم بہت ضعیف ہو گئے ہو۔ اسامی کو ہلاک کرتے وقت تمہارے ہاتھ کانپنے لگیں گے اور آسامی کو قتل کرنے میں دیر لگے گی اسے زیادہ تکلیف ہو گی اور تمہیں معلوم ہی ہے کہ ٹھگ کسی شخص کو تکلیف دے کر کبھی نہیں مارا کرتے۔ بس گلے میں رومال ڈال کر ایک جھٹکا دیا اور کام تمام ہو گیا"۔

اس پر بوڑھے ٹھگ نے طیش میں آ کر کہا:

"تم بے شک میرے ساتھ شرط لگا کر دیکھ لو۔ بھگوان کی قسم اگر تم سے پہلے نہ اسے ماردوں تو ساری عمر تمہاری خدمت کروں گا"۔

راجو نے کہا:

"بس بس! اب بک بک بند کرو اور میرا فیصلہ سنو۔ اس موٹی

اسامی کو میں خود ہلاک کروں گا۔ لیکن انعام کے طور پر دس دس اشرفیاں تم سب کو دی جائیں گی"۔

اس فیصلے نے سب کو خوش کر دیا۔ سارے کے سارے ٹھگ راجو ڈاکو کو دائیں دینے لگے کہ اسے ان کا کتنا خیال ہے۔ ایک ٹھگ نے آگے بڑھ کر پوچھا:

"راجو! کل جو ڈاکے پر چلنا تھا اس کے بارے میں کیا فیصلہ ہے؟"۔

"ڈاکے پر ہم ضرور جائیں گے۔ میرے جاسوس نے اطلا دی ہے کہ جنگل میں سے کسی سوداگر کی سواری گزرنے والی ہے۔ ہم اسے نہیں چھوڑ سکتے"۔

راجو ڈاکو نے تمام ٹھگوں کو حویلی کی ڈیوڑھی میں چھوڑا اور رومال ہاتھ میں لے کر اکیلا ہی عنبر کو ہلاک کرنے اس کی کوٹھڑی کی طرف

بڑھنے لگا۔ بدبخت اپنی موت کے پاس جارہا تھا۔ وہ بڑی بے فکری سے سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔ جیسے عنبر کو ہلاک کرنا کسی چڑیا کو مارنے کے برابر ہے۔

حالانکہ وہاں ایک ببر شیر بیٹھا تھا۔

سمندر بلاتا ہے

راجو ٹھگ اس سے پہلے کتنے ہی آدمیوں کو قتل کر چکا تھا۔

وہ بڑے آرام سے ٹہلتا ٹہلتا اوپر والی منزل میں آ گیا۔ سامنے اس کوٹھڑی کا دروازہ تھا جس کے اندر عنبر سو رہا تھا۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ راجو ٹھگ دروازے کی طرف جانے کی بجائے کوٹھڑی کی پچھلی دیوار کے پاس آ گیا۔ یہاں اس نے ایک خفیہ دروازہ رکھا ہوا تھا۔

اس قسم کے خفیہ دروازے اور کھڑکیاں ہر کوٹھڑی میں موجود تھیں۔ خفیہ کھڑکی کے پاس آ کر راجو نے اسے کھول دیا۔ کوٹھڑی کے طاق میں دیا جل رہا تھا۔ اس کی روشنی میں راجو نے دیکھا کہ عنبر بڑے مزے سے گدیلوں پر سو رہا تھا۔ راجو ہنس پڑا۔ اس نے دل میں سوچا کہ کیسا بے فکر ہو کر سو رہا ہے۔ کم بخت اسی طرح اب قیامت تک سوتا رہے گا۔

راجو کھڑکی میں سے گزر کر کوٹھڑی کے اندر آ گیا۔

وہ بڑی ہوشیاری اور چالاکی سے کوٹھڑی میں دبے پاؤں چلتا ہوا عنبر کے سرہانے آ گیا۔ رومال اس کے دائیں ہاتھ میں تھا۔ اس نے رومال کو مروڑی دی اور پھر پلک جھپکنے میں اسے سوئے ہوئے شکاری کی گردن میں ڈال کر اس زور سے جھٹکا دیا کہ اس کے خیال میں عنبر کی گردن کا منکا ٹوٹ چکا تھا۔ مگر ایسا نہیں ہوا تھا۔ ہوا صرف یہ تھا

کہ عنبر کی آنکھ کھل گئی تھی۔

اس نے جو اپنی گردن میں رومال اور اپنے اوپر جھکے ہوئے لمبی لمبی مونچھوں والے ٹھگ کو دیکھا تو ایک دم سارے معاملے کی تہہ تک پہنچ گیا۔ راجو ٹھگ نے جب دیکھا کہ اس کا شکار آنکھیں کھول کر اسے دیکھ رہا ہے تو وہ بڑا پریشان ہوا کہ یہ بات کیا ہے۔ اس قسم کے جھٹکے کے بعد تو کوئی سانڈ بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔

اس نے ایک بار پھر زور لگا کر رومال کو مروڑا اور زور سے جھٹکا مارا۔ اب تو اس کی گردن ہی ٹوٹ گئی ہو گی۔ راجو ٹھگ نے یہ سوچ کر عنبر کی طرف دیکھا۔

عنبر آنکھیں کھول کر راجو ٹھگ کو دیکھ رہا تھا۔

راجو دنگ رہ گیا۔ اس نے تیسری بار اس زور سے عنبر کی گردن کو جھٹکا دیا کہ خود اس کی کلائی میں درد ہونے لگا۔ لیکن عنبر اب بھی زندہ تھا

اور راجو ٹھگ کی طرف غور سے لیٹے ہی لیٹے دیکھ رہا تھا۔ پھر عنبر نے ہاتھ بڑھا کر رومال کو گلے میں سے نکالنے کی کوشش کی تو راجو ٹھگ نے کمر میں سے خنجر نکال کر عنبر کے سینے میں دل کے اوپر گھونپ دا۔

"اب تو کہاں بچے گا پیارے"۔

راجو ٹھگ خنجر کھینچ کر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کے ساتھ ہی عنبر بھی اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کے سینے پر نہ کوئی زخم لگا تھا اور نہ کسی جگہ سے خون بہہ رہا تھا؛ حالانکہ وہاں تو خون کے فوارے نکلنے چاہئیں تھے اور دل میں کھبے ہوئے خنجر کے بعد تو کوئی بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ راجو ٹھگ غصے میں بھڑک اٹھا۔

اس نے عنبر پر خنجر کے وار پر وار کرنے شروع کر دیے۔ اپنی طرف سے اس نے عنبر کے جسم کو چھلنی کر دیا۔ لیکن عنبر کے جسم پر ایک بھی زخم نہیں آیا تھا۔ وہ اسی طرح اپنی جگہ پر بیٹھا بڑے غور سے راجو

ٹھگ کی طرف دیکھ رہا تھا۔

راجو ٹھگ اب ڈر سا گیا۔ آخر وہم پرست جاہل آدمی تھا اور عنبر نے جو کرامت دکھائی تھی اسے دیکھ کر تو پڑھا لکھا آدمی بھی ڈر جاتا ہے۔ عنبر نے ہاتھ آگے بڑھا کر راجو کے ہاتھ سے خنجر چھین لیا اور کہا:

"جو آدمی مجھے تمہارے پاس لایا تھا اسے اوپر بلاؤ"۔

راجو نے کہا:

"تم کون ہو؟ کیا تم کوئی دیوتا ہوں؟ کوئی جادوگر ہو؟"۔

عنبر نے راجو ٹھگ کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے پھر وہی بات دہرائی۔

"جو آدمی مجھے تمہارے پاس لایا تھا اسے اوپر بلاؤ"۔

راجو سہم سا گیا۔ اس نے اسی وقت آواز دے کر اس دیہاتی کو اوپر بلا لیا جو عنبر کو دھوکا دے کر راجو کے پاس لے آیا تھا تاکہ اسے قتل

کر کے اس کا سارا مال ہضم کر لے۔ اس ٹھگ کے ساتھ دوسرے
ٹھگ بھی اوپر آ گئے۔ انہوں نے جو شکار کو زندہ اور ہاتھ میں خنجر
پکڑے دیکھا تو وہ غصے میں آ کر بولے:

"سردار، حکم کرو۔ ہم اس آسامی کے پرزے پرزے کر دیں۔"

راجو ٹھگ نے ہاتھ سے اشارہ کر کے انہیں ایسا کرنے سے منع کر
دیا۔ عنبر نے کسی کی طرف ذرا سا بھی دھیان نہ دیا تھا۔ اس کے ہاتھ
میں خنجر پکڑا ہوا تھا۔ اس نے اس ٹھگ کو پہچان لیا جو اسے راجو کے
پاس لیا تھا۔

عنبر نے کہا:

"میرے سامنے آؤ۔"

ٹھگ ڈرتا ہوا عنبر کے سامنے آ گیا۔ ایک بجلی سی چمکی۔ عنبر نے خنجر اس زور سے ٹھگ کی طرف پھینکا کہ وہ سیدھا اس کے دل میں جا کر کھب گیا۔ ٹھگ نے ایک چیخ ماری اور زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔ اس کا خون کمرے میں بکھر گیا۔ سب دم بخود کھڑے تھے۔ کسی کی اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ آگے بڑھ کر عنبر کو پکڑ سکے۔ خود راجو ٹھگ جس نے نہ جانے کتنے آدمیوں کو اب تک قتل کیا تھا چپ چاپ کھڑا تھا۔ آخر دوسرے ٹھگ غصے میں آ کر بھڑک اٹھے۔ انہوں نے ایک نعرہ لگایا اور عنبر پر خنجر نکال کر ٹوٹ پڑے۔

عنبر اپنی جگہ پر بت بنا بیٹھا رہا اور ٹھگ اس کے جسم پر، گردن، سر، کندھوں اور پیٹھ پر خنجروں کے دھڑا دھڑ وار کرتے رہے اس حالت میں تو انسان کی بوٹی بوٹی اڑ جاتی ہے۔ مگر عنبر کے جسم پر ہلکی سی خراش بھی نہیں آ رہی تھی۔ بلکہ الٹا خنجر کے وار کرنے والوں کے ہاتھ زخمی

اور لہولہان ہو گئے تھے۔ ان کے ہاتھ جیسے پتھر سے ٹکرا رہے تھے۔

یہ بھیانک تماشہ دیکھ کر راجو ٹھگ کے ساتھ ساتھ دوسرے ٹھگوں کی بھی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس نے دونوں ہاتھ ہوا میں بلند کر دیے اور چیخ کر کہا:

"رک جاؤ"۔

اور پھر عنبر کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔

"مہاراج' معاف کر دیں۔ ہم سے غلطی ہو گئی۔ ہمیں معاف کر دیں۔" عنبر آرام سے بستر پر لیٹ گیا اور ہاتھ کے اشارے سے بولا:

"تم سب لوگ ایک طرف ہو کر بیٹھ جاؤ۔ سب سے پہلے تو میں باری باری تم سب ٹھگوں کو قتل کرتا ہوں۔ اس کے بعد تمہارے سردار راجو ٹھگ کو ہلاک کروں گا۔ اب تم لوگ تیار ہو جاؤ"۔

اتنا سننا تھا کہ سارے کے سارے ٹھگ روتے چلاتے عنبر کے

پاؤں پر گر پڑے۔

''بھگوان کے لیے معاف کر دو۔ دیوتا جی' بھگوان کے لیے ہمیں معاف کر دو۔ ہمیں کیا خبر تھی کہ ہم انسان کی جگہ کسی دیوتا کو گھیر کر لے آئے ہیں۔ ہمیں معاف کر دو۔ ہم سے غلطی ہو گئی''۔

راجو ٹھگ نے ہاتھ جوڑ کر' سر جھکا کر کہا:

''اے دیوتا' ہم سب کو معاف کر دے۔ ہم سے غلطی ہو گئی۔ ہم ساری عمر تمہاری خدمت کریں گے۔ تمہارے غلام بن کر رہیں گے''۔

عنبر نے راجو ٹھگ کی طرف دیکھ کر کہا:

''یہ تم کہہ رہے ہو؟ جس نے اب تک نہ جانے کتنے بے گناہوں کے گلوں میں رومال ڈال کر ہلاک کر ڈالا ہے۔ مجھے تمہاری بات پر کوئی اعتبار نہیں''۔

راجو ٹھگ نے کہا:

''میں کالی دیوی کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آج کے بعد سے ہم کبھی کسی کے خون سے ہاتھ نہیں رنگیں گے۔ کبھی کسی کو قتل نہیں کریں گے اور کبھی کسی کو نہیں لوٹیں گے''۔

کالی دیوی کی قسم ہندوستان کے ٹھگوں میں سب سے بڑی قسم ہوا کرتی تھی۔ ایک ٹھگ اپنے سردار کی حکم عدولی کر سکتا تھا مگر وہ کالی دیوی کے آگے قسم کھا کر اس سے کبھی نہیں پھر سکتا تھا۔ عنبر نے یہ قسم سننے کے بعد کہا:

''کیا تم سب لوگ قسم کھاتے ہو کہ آج کے بعد سے کبھی ٹھگی نہیں کرو گے۔ کبھی کسی مسافر کے خون سے اپنے ہاتھ نہیں رنگو گے؟''۔

سب ٹھگوں نے ایک آواز ہو کر کہا:

''کبھی نہیں' اے عظیم دیوتا' کبھی نہیں''۔

عنبر نے کہا:

''اور تم راجو ٹھگ؟''۔

راجو ٹھگ نے ہاتھ باندھ کر کہا:

''مہاراج' میں تو پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ اب کبھی ایسا کام نہیں کروں گا''۔

عنبر نے کہا:

''ٹھیک ہے' اب تم لوگ جا کر آرام کرو۔ مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔ اس ٹھگ کی لاش کو لے جا کر گاؤں کے کتوں کے آگے ڈال دو۔ یہ ایک قاتل تھا۔ سینکڑوں بے گناہ مردوں، عورتوں اور بچوں کا قاتل''۔

ٹھگ اپنے ساتھی کی لاش لے کر نیچے اتر گئے۔ راجو ٹھگ نے بھی سر جھکا کر سلام کیا اور نیچے آ گیا۔ نیچے آتے ہی انہوں نے اپنے

ساتھی کی لاش کو باہر لے جا کر کتوں کے آگے ڈال دیا جو غضب ناک ہو کر بھونکتے ہوئے لاش کو چبانے لگے۔

یہ لوگ بے حد وہم پرست تھے۔ انہیں یقین ہو گیا تھا کہ عنبر کوئی آسمانی دیوتا ہے اگر اس کا حکم نہ مانا تو ریاست پر خدا کا قہر نازل ہو گا۔

راجو ٹھگ بہت حیران ہوا۔ وہ بھی سو گیا۔

صبح صبح عنبر سو کر اٹھا تو سارے کے سارے ٹھگ نیچے سر جھکائے کھڑے تھے۔ انہوں نے مل کر عنبر کا منہ ہاتھ دھلایا اس کے پاؤں دھو کر صاف کپڑے سے پونچھے۔ اس کے آگے کھانا چن دیا۔ راجو ٹھگ نے اپنے ہاتھ سے عنبر کے جوتے ٹھیک کیے۔ عنبر نے سوچا کہ ان لوگوں سے اسی طرح خدمت کروانی چاہیے۔ یہ اسی قابل ہیں۔ اگر ان کو اپنے برابر بٹھا لیا تو یہ عزت نہیں کریں گے اور ڈریں گے بھی نہیں۔ عنبر کو اس بات کا بے حد تجربہ ہو چکا تھا کہ چھوٹے ذہن کے

چھوٹے آدمی کے ساتھ کبھی زیادہ دوستی نہیں ڈالنی چاہیے۔وہ موقع ملنے پر ضرور ڈنگ مارتا ہے۔وہ بڑے مزے سے ناشتہ کرتا رہا۔

ناشتے کے بعد راجو ٹھگ نے ہاتھ جوڑ کر کہا:

"مہاراج' اگر کوئی اور حکم ہو تو فرمائیں۔بندہ حاضر ہے"۔

عنبر نے کہا:

"یہ بتاؤ کہ تم نے ادھر سے کوئی شاہی سواری تو گزرتی نہیں دیکھی؟"۔

راجو نے پوچھا:

"کیسی سواری مہاراج؟"

عنبر نے کہا:

"ایک سواری نے یہاں سے گزرنا تھا جو راجہ ہنومان کے شہر کی طرف آرہی تھی۔ مگر ادھر سے وہ کہاں گزر سکتی تھی؟ یہ تو راستے سے ہٹ کر ہے"۔

راجو ٹھگ نے کہا:

"مہاراج کیا اس سواری کے ساتھ سپاہی بھی تھے؟"۔

عنبر بولا:

"ہاں ہاں سپاہی بھی تھے"۔

راجو ٹھگ نے پوچھا:

"کیا اس میں ایک لڑکی بھی تھی؟"۔

"ہاں لڑکی بھی تھی"۔ عنبر اچھل کر بیٹھ گیا "کیا تم نے اسے کہیں دیکھا ہے؟"۔

راجو ٹھگ نے بولا:

"مہاراج' وہ لڑکی راجکماری تو نہیں تھی؟"۔

اب تو عنبر کو یقین ہو گیا کہ راجو نے اس سواری کو دیکھا ہے اس نے بے تابی سے کہا:

"جلدی سے بتاؤ کہ وہ لڑکی' وہ راج کماری کہاں ہے؟"۔

راجو ٹھگ نے ہاتھ باندھ کر کہا:

"مہاراج' اس گنہ گار کی خطا کو معاف کر دیں۔ راجہ ہنومان کا سینا پتی میرے پاس پالکی میں بیٹھی ہوئی ایک خوش شکل لڑکی کو بیچ کر اپنے سپاہی ساتھ لے کر واپس چلا گیا تھا۔ میں اس لڑکی کو زبردستی اٹھا کر اس حویلی میں لے آیا"۔

عنبر نے تیزی سے پوچھا۔

"پھر کیا ہوا؟ جلدی بولو"۔

راجو ٹھگ کہنے لگا:

"مہاراج' اس روز میری حویلی میں ایک بہت مشہور ٹھگ اور بردہ فروش شیواجی ٹھگ ٹھہرا ہوا تھا۔ میں نے اس راجکماری کو اس ٹھگ کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔"

عنبر نے سر پکڑ لیا۔

"وہ ٹھگ شیواجی اب کہاں ہوگا؟"۔

راجو بولا:

"مہاراج' وہ لوگ سنا تھا کہ جاپان جا رہے تھے"۔

"جاپان؟" عنبر نے چونک کر پوچھا۔

راجو ٹھگ نے کہا:

"ہاں مہاراج' ہمارے پاس بیٹھے وہ جاپان کے بارے میں ہی باتیں کر رہے تھے۔ بلکہ شیواجی نے کہا بھی تھا کہ وہ اس راج کماری کو لے کر جاپان جائے گا اور وہاں کے ایک بادشاہ یا صوبے کے گورنر

سے منہ مانگا انعام پائے گا"۔

عنبر کا چہرہ غم سے لٹک گیا۔ راجو ٹھگ نے حیرانی کے ساتھ پوچھا:

"مہاراج' کیا اتنے بڑے دیوتا ہو کر راج کماری کا بھی پتہ نہیں چلا سکتے؟"۔

عنبر نے صرف آہستہ سے اتنا کہا:

"کچھ باتیں ہمارے اختیار میں ہیں اور کچھ باتیں ہمارے اختیار میں نہیں ہیں۔ اگر شکنتلا کو حاصل کرنا ہمارے اختیار میں ہوتا تو ہم تمہاری قید میں کبھی نہ آتے"۔

راجو ٹھگ کہنے لگا:

"مہاراج' مجھے حکم دیں۔ میں آج ہی شیوا ٹھگ کی تلاش میں مشرقی گھاٹ کی طرف نکل جاتا ہوں"۔

عنبر نے ہاتھ کے اشارے سے کہا:

"نہیں نہیں' اس کی ضرورت نہیں۔ میں خود اس کی تلاش میں نکلوں گا۔ میں اسے تلاش کرلوں گا۔ وہ پہاڑوں، جنگلوں، سمندروں جہاں کہیں بھی ہوگا میں اسے ڈھونڈ نکالوں گا اور اسے ایسی سزا دوں گا جسے وہ ساری عمر یاد رکھے گا"۔

وہ رات بھی عنبر نے گاؤں میں بسر کی۔

دوسرے روز وہ صبح صبح سفر پر چلنے کے لیے تیار ہوگیا۔ سارے ٹھگ باہر ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔ راجو ٹھگ عنبر کے گھوڑے کی باگ تھامے کھڑا تھا۔

عنبر قریب آ کر گھوڑے پر سوار ہوگیا۔ راجو ٹھگ نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

"مہاراج' ہمارے گناہوں کو معاف کردیں"۔

عنبر نے کہا۔

سنو راجو ٹھگ، تم نے میرے ساتھ بہت زیادتی کی جو میری بہن کو ایک بردہ فروش کے ہاتھوں فروخت کر دیا جو اسے لے کر سمندروں کے سفر پر روانہ ہوگیا۔ لیکن چوں کہ تمہیں معلوم نہیں تھا کہ تم کیا کر رہے ہو۔

اس لیے میں تمہیں معاف کرتا ہوں۔ تم سب لوگ یاد رکھو۔ تم نے کالی ماتا کی قسم کھائی ہے۔ اگر تم قسم سے پھر گئے تو کالی ماتا تم سے زبردست انتقام لے گی اور تمہارے کھیتوں کو آگ لگا دے گی۔ تمہارے بچوں کو قتل کردے گی"۔

سب ٹھگوں نے ایک آواز ہو کر پھر کہا:

"ہرگز ایسا نہیں ہوگا مہاراج۔ ایسا کبھی نہیں ہوگا"۔

عنبر وہاں سے آگے چل دیا۔

اسے راستے کے بارے میں راجو ٹھگ نے سب کچھ بتا دیا تھا۔

اب وہ سمندر کی طرف سفر کر رہا تھا۔ یہ ہندوستان کے مشرقی
گھاٹ کی جانب کا سفر تھا۔

عنبر ایک بار پھر سمندر کی طرف بڑھ رہا تھا۔

خونی لٹیرا

سورج ابھی غروب نہیں ہوا تھا کہ عنبر کو سمندر نظر آ گیا۔

سنہری دھوپ میں سمندر کا پانی دور تک چمک رہا تھا۔ عنبر نے
گھوڑے کی رفتار کو تیز کر دیا۔ یہاں جگہ جگہ ناریلوں کے جھنڈ تھے۔
سمندر کی طرف سے ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ زمین پر ریت ہی
ریت تھی یا چھوٹے چھوٹے پتھروں کی بجری بچھی ہوئی تھی۔

عنبر نے دیکھا کہ کنارے پر چند ایک کشتیاں کھڑی ہیں۔ جہاز اسے کہیں بھی نظر نہ آیا۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ کوئی چھوٹی سی بندرگاہ ہے جہاں شاید تجارتی جہاز کبھی کبھار ہی آتے ہیں۔ وہ سمندر کے کنارے پہنچ گیا۔ یہاں ذرا پرے ہٹ کر ناریل کے درختوں تلے ماہی گیروں کا ایک چھوٹا سا گاؤں آباد تھا۔ کچھ کچے جھونپڑے تھے۔ دو ایک جھونپڑے پتھروں سے بنے ہوئے تھے۔ جیسے وہ وہاں کے کچھ پیسے والے ملاح ہوں۔ عنبر نے سوچا کہ کسی ملاح سے بات چیت کر کے معلوم کرنا چاہیے کہ یہاں سے تجارتی جہاز کب اور کس موسم میں گزرتے ہیں؟

وہ کشتیوں کے پاس آ کر گھوڑے سے اتر آیا۔ ایک ملاح اپنی کشتی کی مرمت کر رہا تھا۔ عنبر نے قریب جا کر سلام کیا اور اس سے پوچھا کہ یہ کون سی بندرگاہ ہے اور وہاں سے تجارتی جہاز کب گزرتے

ہیں؟ ملاح نے چہرہ اوپر اٹھا کر بڑے غور سے عنبر کو دیکھا اور پوچھا:

"تم کہاں سے آ رہے ہو اور کہاں جانے کا ارادہ رکھتے ہو؟"۔

عنبر نے اسے بڑی خوش اخلاقی سے کہا کہ وہ ریاست بمبی سار سے آ رہا ہے اور جاپان جانا چاہتا ہے۔ ملاح جاپان کا نام سن کر ذرا سا چونکا۔ کہنے لگا:

"بھائی، ابھی دو تین روز ہوئے ایک جہاز یہاں سے جاپان کی طرف گیا تھا۔ مگر وہ جہاز تو سمندری ڈاکوؤں کا تھا"۔

عنبر نے حیرت سے کہا:

"سمندری ڈاکوؤں کا جہاز تھا؟"۔

ملاح بولا:

"ہاں بھائی، یہاں اس قسم کے جہاز آ کر ہی کھڑے ہوتے ہیں"۔

عنبر نے پوچھا:

"کیا تجارتی اور مسافروں کے جہاز یہاں آ کر نہیں رکتے؟"۔

ملاح ہنس پڑا:

"بھائی تم یہاں مسافر ہو۔ تمہیں معلوم نہیں کہ یہ کوئی تجارتی بندر گاہ نہیں ہے۔ تجارتی بندرگاہ یہاں سے بہت دور ہے۔ یہ تو سمگلروں اور سمندری ڈاکوؤں کی بندرگاہ ہے۔ سمگلر یہاں مال سمگل کرتے ہیں اور سمندری ڈاکو یہاں ٹھہر کر خوراک اور پانی کا ذخیرہ لے کر آگے روانہ ہو جاتے ہیں"۔

عنبر خاموشی سے ملاح کے پاس بیٹھ گیا۔ اس نے جھولے میں سے پھل اور جوار کی روٹی نکال کر ملاح کو پیش کی۔

"لو بھائی تم بھی میرے ساتھ شریک ہو جاؤ"۔

ملاح نے عنبر کے ساتھ روٹی کھانی شروع کر دی۔ نہ اس نے کوئی

تکلف کیا نہ شکریہ ادا کیا۔ ایسے لگتا تھا کہ وہ بھوکا تھا۔ عنبر اس ملاح سے بہت سی معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا اتنی خبر اسے مل گئی تھی کہ یہ ایک غیر قانونی بندرگاہ ہے اور ہو سکتا ہے کہ جو جہاز پہلے جا چکا ہے شگفتلا کو اسی میں اغوا کر کے لے جایا جا رہا ہو۔ ملاح سیدھا سادا سچا آدمی تھا جس نے عنبر کو صاف صاف بتا دیا تھا کہ وہاں سے سمندری ڈاکوؤں کا جہاز نکل کر گیا ہے۔

جب کہ سمگلروں کی بندرگاہوں سے اس قسم کی باتیں ملاح کسی کو نہیں بتایا کرتے۔ عنبر نے ملاح کی تعریف کر دی تا کہ وہ کچھ اور پھول جائے اور عنبر کو زیادہ سے زیادہ سچی معلومات دے۔

"تم مجھے ایک نیک دل اور ایماندار ملاح معلوم ہوتے ہو۔ میں تمہاری سچائی سے بڑا خوش ہوا ہوں۔ میں نے زندگی میں اس قسم کے ملاح بہت کم دیکھے ہیں جو سچ بولتے ہوں۔ تم سچ بولتے ہو۔ اس سے

مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے"۔

ملاح سچ مچ اپنی تعریف سن کر پھول کر کپا ہو گیا۔ کہنے لگا:

"بھائی صاحب' میں نے زندگی میں کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ پہلے جھوٹ بولا کرتا تھا۔ لیکن جب سے میری ماں فوت ہوئی ہے میں نے جھوٹ بولنا چھوڑ دیا ہے۔ میری ماں نے خواب میں آ کر مجھے بتایا تھا کہ بیٹا جھوٹ مت بولنا۔ موت کے بعد انسان کو جھوٹ سانپ بن کر چمٹ جاتا ہے اور کبھی نہیں چھوڑتا۔ بس اس کے بعد سے میں ہر بات سچ سچ کہہ دیتا ہوں"۔

عنبر نے کہا:

"شاباش تمہیں بھائی' تم اس لائق ہو کہ تمہاری پرستش کی جائے۔ اچھا یہ بتاؤ کہ اس سمندری جہاز میں پچھ میں کچھ مسافر یہاں سے بھی سوار ہوئے تھے؟"۔

ملاح بولا:

"کیوں نہیں' یہاں سے چار پانچ مسافر سوار ہوئے تھے۔ وہ سارے کے سارے ٹھگ اور ڈاکو تھے۔ میاں ڈاکوؤں کے جہاز میں ڈاکو اور ٹھگ ہی سوار ہو سکتے ہیں۔ شریف آدمی کا ایسے جہاز پر کیا کام ہو سکتا ہے بھلا؟"۔

عنبر نے پوچھا:

"بھائی کیا ان مسافروں میں کوئی عورت بھی تھی؟"۔

ملاح نے کہا:

"میں اپنی کشتی میں بیٹھا سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ ان مسافروں میں ایک تو شیواجی ٹھگ تھا۔ تین اس کے ساتھی تھے اور ایک دبلی پتلی سی بڑی خوبصورت لڑکی تھی۔ مجھے تو وہ کوئی راج کماری لگ رہی تھی۔ بے چاری کی آنکھوں میں آنسو تھے اور چہرہ زرد

تھے"۔

عنبر نے اپنا سر پکڑ لیا۔

شگفتا وہاں سے جا چکی تھی جس کی تلاش میں وہ بھاگا بھاگا جنگلوں کو عبور کرتا سمندر تک آیا تھا۔ اسے سمندری ڈاکو اپنے ساتھ لے وہاں سے روانہ ہو چکے تھے۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ اب کیا ہو سکتا تھا بھلا؟ سوائے اس کے کہ عنبر وہاں رہ کر اسی قسم کے ڈاکوؤں سے کسی اور جہاز کا انتظار کرے جو اسے جاپان لے جائے۔

ملاح نے عنبر کو غمگین دیکھا تو پوچھا:

"بھائی تم اداس کیوں ہو گئے؟ کیا اس جہاز میں تمہارا ابھی کوئی آدمی تھا جسے ڈاکو یا ٹھگ اغوا کر کے لے جا رہے تھے؟"

عنبر نے سرد آہ بھری اور کہا:

"میرے بھائی! میں تم سے کوئی بات نہیں چھپاؤں گا۔ کیونکہ تم

نے مجھ سے کوئی بات نہیں چھپائی۔ جس لڑکی کو ٹھگ شیوا جی اپنے
ساتھ اغوا کر کے جاپان لے گیا ہے وہ میری بہن ہے اور راج کنور
بھی سار کی بیوی ہے“۔

ملاح نے افسوس کرتے ہوئے کہا:

”یہ تو تم نے بڑے دکھ کی خبر سنادی۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ وہ بے
چاری راج کماری تھی تو میں ضرور اسے بچانے کی کوشش کرتا۔ مگر بھائی
میں کوشش بھی کیا کر سکتا تھا بھلا؟ تم سمندری ڈاکوؤں اور ٹھگوں کو شاید
نہیں جانتے۔ یہ لوگ تو آدمی کو کھڑے کھڑے زمین میں زندہ دفن کر
دیتے ہیں؛ بہر حال مجھے تم سے بڑی ہمدردی ہے۔ کاش میں تمہاری
مدد کر سکتا“۔

عنبر نے کہا:

”پیارے بھائی؛ تم مجھے بتا سکتے ہو کہ اب یہاں سے جاپان کی

طرف کون سا جہاز جائے گا اور کب جائے گا؟“۔

ملاح بولا:

”اول تو جہاز کا کچھ معلوم نہیں کہ وہ کب آتا ہے؟ سمندری
ڈاکوؤں کے جہازوں کا کوئی وقت نہیں ہوتا۔ وہ کسی وقت بھی آ سکتے
ہیں اور پھر اگر کوئی جہاز ادھر آ بھی جائے تو وہ کسی شریف آدمی کو جہاز
پر سوار نہیں کرتے۔ وہ تو صرف لونڈیاں غلاموں یا ٹھگوں وغیرہ کو جہاز
پر بٹھاتے ہیں“۔

عنبر نے کہا:

”میں غلام بن کر جہاز پر سوار ہو جاؤں گا۔ میں چاہتا ہوں کہ جلد
سے جلد جاپان کی طرف روانہ ہو جاؤں تاکہ وہاں جا کر اپنی بہن کو
ڈاکوؤں کے پھندے سے بچا سکوں“۔

ملاح نے سر ہلا کر کہا:

”میرے عزیز، شاید تم ایسا نہیں کرسکو گے۔ یہ ٹھگ لوگ بڑی
خفیہ جگہوں پر جا کر ٹھہرتے ہیں۔ ان کے ہر شہر میں خاموش اور پر
اسرار تہہ خانے ہوتے ہیں جن کا کسی شریف آدمی کو علم نہیں ہوتا اور پھر
یہ لوگ غلاموں اور اغوا کی ہوئی لونڈیوں کو فوراً کسی نہ کسی امیر آدمی
کے ہاں فروخت کر دیتے ہیں۔ تم اگر کسی نہ کسی طرح جاپان پہنچ بھی
گئے تو تمہارے لیے اپنی بہن کو تلاش کرنا بہت مشکل ہو جائے گا“۔

عنبر نے کہا:

”بھائی خواہ دنیا ادھر کی ادھر ہو جائے۔ میں ہر حال میں جاپان
جانا چاہتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ میں ضرور اپنی بہن کا ٹھکانہ تلاش کر
لوں گا۔ تم مجھے صرف یہ مشورہ دو کہ میں جاپان کیسے اور کیونکر پہنچ سکتا
ہوں“۔

ملاح نے کہا:

”اگر تم نے اپنی بہن کی تلاش کا پکا ارادہ کر رکھا ہے تو پھر ایسا کرو
کہ اس جگہ سے کسی سمندری ڈاکوؤں کے جہاز پر سوار ہونے کا خیال
ترک کر دو“۔

عنبر نے پوچھا۔

”پھر کیا کروں؟“۔

ملاح بولا:

”تم ایسا کرو کہ یہاں سے دو دن اور دو راتوں کے سفر پر اسی
گھاٹ پر سمندر کے کنارے ایک شہر آباد ہے۔ اس بندرگاہ سے مہینے
میں دو بار جہاز جاپان کی طرف جاتے ہیں۔ وہاں جا کر کوشش کرو کہ
تمہیں کسی جہاز پر جگہ مل جائے“۔

عنبر نے کہا:

”کیا یہ راستہ سمندر کے ساتھ ساتھ جاتا ہے یا مجھے گھنے جنگل

میں سے ہو کر جانا پڑے گا؟"۔

ملاح کہنے لگا:

"تجارتی بندرگاہ کو راستہ اس جنگل میں سے ہو کر سمندر کے ساتھ
ساتھ ہی جاتا ہے۔ یہاں سے اکثر قافلے آتے جاتے رہتے ہیں۔
یہ سب سمگلروں اور ٹھگوں کے قافلے ہوتے ہیں۔ تم راستے میں کوشش
کرنا کہ ان سے بچ کر نکل سکو۔ کیوں کہ یہ لوگ بڑے جابر اور ظالم
ہوتے ہیں۔ اکیلے وکیلے مسافر کو لوٹ کر ہلاک کر دینا ان کے لیے
معمولی کام ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"میں کوشش کروں گا کہ ان لوگوں سے بچ بچ کر سفر کروں۔ لیکن
کیا تمہیں یقین ہے کہ اگر میں برابر سفر کرتا رہا تو دو دن اور دو راتوں
کے بعد منزل پر پہنچ جاؤں گا؟"۔

"کیوں نہیں' اس راستے پر سے اکثر قافلے آتے رہتے ہیں۔ سنا
ہے کہ کافی ٹھیک ٹھاک راستہ ہے۔ اگرچہ جنگل بڑا خطرناک ہے۔
اس جنگل میں شیر چیتے بھی ہیں اور ہاتھی بھی ہیں۔ لیکن اگر تم ایک
بہادر آدمی ہو اور تمہارے پاس تلوار اور تیر کمان ہے تو تم ان درندوں
پر قابو پا لو گے۔ ویسے عام طور پر یہ درندے راستے کے قریب
بہت ہی کم نظر آتے ہیں"۔

عنبر نے کہا:

”مجھے اس کی فکر نہیں ہے۔ میں بہادر آدمی بھی ہوں اور میرے
پاس اسلحہ بھی موجود ہے“۔

”پھر تمہیں بے خطر ہو کر سفر شروع کر دینا چاہیے“۔

”لیکن میں تھکا ہوا ہوں۔ ایک رات اس جگہ بسر کر کے کل صبح
یہاں سے روانہ ہونا چاہتا ہوں“۔

ملاح نے کہا:

”تم بڑے شوق سے میری جھونپڑی میں رات بسر کر سکتے
ہو۔ لیکن ایک بات کا خاص طور پر خیال رکھنا۔ اس گاؤں میں تقریباً
سب کے سب بدمعاش اور جرائم پیشہ لوگ رہتے ہیں۔ اگر کسی سے
ملاقات ہو جائے تو ہرگز ہرگز یہ نہ بتانا کہ تم ایک شریف آدمی ہو
اور اپنی بہن کی تلاش میں جاپان جا رہے ہو۔ اس لیے کہ یہ لوگ پھر
تمہیں لوٹ کر مار ڈالیں گے۔ یہ لوگ میرے بھی دشمن ہیں۔ مگر
میرے خلاف اس لیے کچھ نہیں کرتے کہ میں ایک غریب آدمی
ہوں۔ مجھے مار کر ان کے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا“۔

عنبر بولا:

”تم فکر نہ کرو بھائی۔ میں اس بات کا خاص طور پر خیال رکھوں
گا۔ تم نے جو نصیحت کی ہے اس پر سختی سے عمل کروں گا“۔

ملاح عنبر کو اپنے جھونپڑے میں لے گیا۔

یہ جھونپڑا بڑا غریبانہ سا تھا۔ زمین پر گھاس بچھی ہوئی تھی۔ دو چار مٹی کے کٹورے اور ایک ہنڈیا رکھی تھی جس میں یہ ملاح کھانا پکاتا تھا۔ عنبر نے اس سے پوچھا کہ اس کی بیوی بچے کہاں ہیں؟

ملاح نے آہ بھر کر کہا:

"مدت ہوئی کہ میرے بیوی بچے ایک سمندری طوفان میں کشتی الٹ جانے سے مر گئے۔ اب تو میں اس جھونپڑی میں اکیلا ہی رہتا ہوں۔ ہاں، اگر تمہارے پاس کوئی اشرفیاں یا قیمتی جواہرات ہیں تو مجھے دے دو میں انہیں سنبھال کر رکھ لوں گا۔ صبح تم اپنی امانت واپس لے لینا"۔

عنبر کو اس ملاح پر بڑا اعتبار آ گیا۔ اس نے سونے کی اشرفیوں سے بھرے ہوئے تھیلے دیکھے تو بڑا حیران ہوا۔ کہنے لگا:

"تم تو بڑے امیر آدمی ہو؟"۔

عنبر بولا:

"میں اتنا زیادہ امیر نہیں ہوں بھائی۔ یہ دولت میں نے گھوڑوں کی تجارت کر کے کمائی تھی کہ بہن اغوا ہو گئی۔ اب ساری دولت لے کر گھر سے نکلا ہوں کہ خواہ ایک ایک پائی خرچ ہو جائے مگر اپنی بہن کو تلاش کر کے چھوڑوں گا"۔

ملاح نے کہا:

"میں تمہاری باتیں سن کر بڑا خوش ہوا ہوں۔ تم بڑے بہادر اور غیرت مند نوجوان ہو۔ بھگوان کرے کہ تمہیں تمہاری بہن مل جائے"۔

جس وقت عنبر اور ملاح جھونپڑی کے اندر باتیں کر رہے تھے۔ اس وقت جھونپڑی کی دیوار کے ایک سوراخ سے کان لگائے ایک بدمعاش ملاح سب کچھ سن رہا تھا۔ جب اس نے اشرفیوں کی چار تھیلیاں ملاح کو ایک جگہ زمین میں دفن کر کے اوپر گھاس ڈالتے دیکھا

تو اس کی رال ٹپکنے لگی۔ اس نے فیصلہ کرلیا کہ وہ رات کو ڈاکہ ڈال کر ملاح اور مسافر دونوں کو قتل کر کے اشرفیوں پر قبضہ جما لے گا۔ اتنی زیادہ دولت تو اس نے کبھی خواب میں بھی نہ دیکھی تھی۔ وہ بے تابی سے رات کے اندھیرے کی راہ دیکھنے لگا۔

یہ ملاح گاؤں کا سب سے بڑا بدمعاش اور سمگلر آدمی تھا۔ اس سے بچہ بچہ خوف کھاتا تھا۔ وہ آج تک نہ جانے کتنے لوگوں کو بے گناہ قتل کر چکا تھا۔ اس کا کام ہی یہ تھا کہ مسافروں کو جنگل میں لوٹ کر ہلاک کر دیا کرتا۔ کسی نے کبھی اس کا مقابلہ نہیں کیا تھا۔

ادھر ملاح اور عنبر اشرفیاں چھپانے کے بعد آپس میں باتیں کر رہے تھے اور ادھر بدمعاش ٹھگ رات کو ڈاکہ ڈالنے کی سازش تیار کر چکا تھا۔ اس نے اپنے جھونپڑے میں جا کر ایک بہت لمبا اور تیز خنجر صندوق میں سے نکال کر اپنی قمیض کے اندر چھپا لیا۔

عنبر اور ملاح نے شام کا کھانا مل کر کھایا۔ وہ ٹہلتے اور باتیں کرتے ہوئے سمندر کے کنارے آ گئے۔ آسمان پر شام کے ستارے ٹمٹمانے لگے۔ بڑی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ عنبر ملاح کو بتا رہا تھا کہ وہ کئی ملکوں میں گھوڑوں کی تجارت کے سلسلے میں سفر کر چکا ہے۔ اس نے ملاح پر یہی ظاہر کیا تھا کہ وہ گھوڑوں کی تجارت کرتا ہے۔

وہ سمندر کے کنارے ٹہلتے رہے اور رات ہو گئی۔

گاؤں میں آگ جل اٹھی اور گھروں، جھونپڑوں میں سے ہلکا ہلکا دھواں اٹھنا شروع ہو گیا۔ ملاح نے عنبر سے کہا کہ اب چل کر آرام کرنا چاہیے۔ کیوں کہ صبح اس نے سفر پر جانا ہے۔ عنبر ملاح کے ساتھ اس کے جھونپڑے میں آ گیا۔ یہاں گھاس کے بستر پر لیٹ کر دونوں باتیں کرتے رہے۔

ملاح اسے جنگل کے راستے کے بارے میں خاص معلومات دیتا

رہا۔ اس لیے کہ وہ اس راستے پر پہلے بھی سفر کر چکا تھا۔ پھر وہ اونگھنے لگا اور اونگھتے اونگھتے سو گیا۔ تھوڑی دیر بعد عنبر کی بھی آنکھ لگ گئی۔

بدمعاش ٹھگ جھونپڑی کے باہر منڈلا رہا تھا۔

ساتھی کی جدائی

بدمعاش ٹھگ اسی انتظار میں تھا۔

جوں ہی اسے محسوس ہوا کہ ملاح اور عنبر گہری نیند میں سو گئے ہیں تو وہ چپکے سے سائے کی طرح دبے پاؤں جھونپڑی کی دیوار پھاڑ کر اندر داخل ہو گیا۔ جھونپڑی کی دیوار پھاڑنے میں اسے کسی قسم کی دقت نہ ہوئی۔ کیوں کہ وہ گھاس پھونس کی دیوار تھی۔ جھونپڑی کے

اندر آکر اس نے سوچا کہ پہلے کسے قتل کرے۔ پھر وہ ملاح کی طرف بڑھا تاکہ اسے پہلے ختم کرے تاکہ اگلے روز وہ گاؤں والوں کو کچھ نہ بتا سکے۔

خنجر اس نے اپنے کرتے میں سے نکال کر ہاتھ میں لے لیا۔

اتفاق سے ایک مچھر ٹھیک اسی وقت عنبر کے کان کے اوپر آکر بھیں بھیں کرنے لگا۔ یہ سمندری مچھر تھا اور کافی بڑا تھا۔ اس کی آواز سے عنبر کی آنکھ کھل گئی۔

آنکھ کھلتے ہی عنبر نے دیکھا کہ ایک سایہ ملاح کی طرف بڑھ رہا ہے۔ وہ ایک دم چوکنا ہو گیا مگر بہانہ بنا کر لیٹا رہا۔ جیسے سویا ہوا ہے۔ وہ یہ پتا کرنا چاہتا تھا کہ چور کا ارادہ کیا ہے اچانک عنبر نے چور کے ہاتھ میں پکڑا ہوا خنجر دیکھ لیا۔ ارے یہ تو غریب ملاح کو قتل کرنا چاہتا ہے۔ عنبر کو معلوم تھا کہ اس وقت اگر اس نے ملاح کی مدد نہ کی تو چور

اسے ہلاک کر دے گا؛ چنانچہ جوں ہی چور نے ملاح کو مارنے کے لیے خنجر والا ہاتھ بلند کیا۔

عنبر نے اچھل کر اسے پکڑ لیا۔ اب دونوں گتھم گتھا ہو گئے۔ شور کی آواز سن کر ملاح کی بھی آنکھ کھل گئی۔ اس نے اندھیرے میں ہی بدمعاش ٹھگ کو پہچان لیا۔ فوراً بولا:

"بھائی عنبر یہ گاؤں کا بہت بڑا قاتل ٹھگ ہے۔ یہ تمہاری دولت چوری کرنے آیا تھا"۔

عنبر نے اس وقت ٹھگ کو نیچے گرا لیا تھا۔ بدمعاش ٹھگ نے جب دیکھا کہ وہ بے بس ہو رہا ہے تو اچھل کر نیچے سے ہی خنجر عنبر کے پیٹ میں گھونپ دیا۔ ملاح کی چیخ نکل گئی۔ عنبر نے کہا:

"خنجر مجھے لگا ہے تم کیوں چیخ رہے ہو؟"

اس کے ساتھ ہی عنبر نے یہ کیا کہ اپنے پیٹ میں لگا ہوا خنجر باہر

کھینچ کر بلند کیا اور بدمعاش ٹھگ کے سینے میں اتار دیا۔ بدمعاش نے ایک سسکی بھری اور خون میں نہا کر تڑپنے لگا۔ عنبر خنجر پکڑ کر اس کے اوپر اٹھ گیا۔ بدمعاش تھوڑی دیر تڑپنے کے بعد ٹھنڈا ہو گیا۔ ملاح نے خوف زدہ آواز میں عنبر سے کہا:

"بھائی، بھگوان کے لیے لیٹ جاؤ۔ خنجر تمہیں بھی گہرا لگا ہے۔ تم بہت سخت زخمی ہو۔ میں تمہارے پیٹ پر پٹی باندھتا ہوں"۔

عنبر نے کہا۔

"گھبراؤ نہیں دوست، مجھے خنجر نہیں لگا"۔

ملاح بولا:

"مگر میں نے تو اپنی آنکھوں سے تمہارے پیٹ میں خنجر اترتے دیکھا ہے اور پھر تم نے خود اپنے ہاتھوں سے اپنے پیٹ میں سے خنجر کھینچ کر نکالا تھا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم زخمی نہ ہوئے ہو؟"۔

عنبر نے کہا:

"میں سچ کہہ رہا ہوں بھائی، میں زخمی نہیں ہوا۔ خنجر مجھے نہیں لگا۔ تم میرا پیٹ دیکھ سکتے ہو"۔

اور عنبر نے قمیض اٹھا کر ملاح کو پیٹ دکھایا۔ واقعی وہاں زخم کا ایک ہلکا سا نشان بھی نہیں تھا۔ ملاح تو حیران رہ گیا۔ کبھی خنجر کو دیکھتا، کبھی عنبر کو دیکھتا اور کبھی اس کے پیٹ کو دیکھتا۔ پھر سر جھٹک کر بولا:

"کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ یا تو میں پاگل ہو گیا ہوں اور یا تم کوئی جادوگر ہو۔ بہت بڑے جادوگر"۔

عنبر نے کہا:

"ایسا نہیں ہے بھائی۔ نہ تم پاگل ہو اور نہ میں کوئی جادوگر ہوں۔ خنجر مجھے نہیں لگا تھا"۔

ملاح بولا:

"ہرگز نہیں، میں اسے کبھی تسلیم نہیں کر سکتا"۔

عنبر کہنے لگا:

"بھائی ان باتوں کو چھوڑو۔ یہ بے کار باتیں ہیں۔ اب تم اس لاش کو سمندر میں پھینکنے کا جتن کرو، تاکہ تم پر صبح کوئی الزام نہ آ سکے"۔

ملاح نے کہا:

"سمندر میں پھینکی ہوئی لاش واپس کنارے پر آ جائے گی۔ میں اسے جھونپڑے کے اندر ہی گڑھا کھود کر دفن کر دیتا ہوں۔ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری"۔

عنبر بولا:

"تو پھر آؤ ہم مل کر گڑھا کھودتے ہیں"۔

عنبر اور ملاح نے مل کر جھونپڑے کے اندر گڑھا کھودنا شروع کر دیا۔ زمین ریتلی تھی۔ تھوڑی دیر میں وہاں کافی کھلا اور گہرا گڑھا کھود

ڈالا گیا۔ دونوں نے مل کر بدمعاش ٹھگ کی لاش گڑھے کے اندر دبا کر اوپر مٹی اور ریت ڈال کر دوبارا خشک گھاس بچھا دی۔ اس کام سے فارغ ہو کر ملاح نے عنبر سے کہا:

"مجھے تو نیند نہیں آ رہی بھائی"۔

عنبر جان گیا کہ ملاح کو یہی ایک بات پریشان کر رہی ہے کہ اسے خنجر کا زخم کیوں نہیں لگا تھا۔ اس نے کہا:

”مگر بھائی مجھے تو بڑی نیند آ رہی ہے۔ میں سو رہا ہوں۔ تم بے شک جاگتے رہو۔ مجھے تو صبح صبح سفر پر بھی جانا ہے“۔

ملاح بولا:

”بھائی‘ تم مجھے کوئی بہت بڑے ڈاکو یا بہت بڑے جادوگر معلوم

ہو رہے ہو۔ تم قتل کر کے کس قدر آرام سے سونے کی تیاری کرنے لگے ہو اور پھر تم پر خنجر نے بھی کوئی اثر نہیں کیا۔ سچ سچ بتا دو کہ تم کون ہو؟“۔

عنبر نے کہا:

”بھائی‘ اتنی چھوٹی سی بات پر تم کیوں اتنے پریشان ہو رہے ہو۔ اگر میں جادوگر ہوتا تو اپنی بہن تلاش میں یوں مارا مارا نہ پھرتا بلکہ جادو کے زور سے فوراً اس کے پاس پہنچ جاتا یا اسے اپنے پاس بلا لیتا۔ میں تو ایک معمولی گھوڑوں کا سوداگر ہوں“۔

”مگر خنجر میں نے اپنی آنکھوں سے تمہارے پیٹ میں گھستے دیکھا تھا“۔

عنبر نے کہا:

”تمہاری آنکھوں کا دھوکا ہوا ہے بھائی۔ اندھیرے میں تمہیں

غلط فہمی ہوگئی ہے''۔

ملاح بولا:

''ہرگز نہیں' میں اندھیرے میں دیکھنے کا عادی ہوں۔ اندھیرا مجھے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ میں نے یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے''۔

عنبر اس ملاح کی ضد سے پریشان ہوکر بولا:

''اچھا بھائی' میں جادوگر ہوں۔ اب تو تمہاری تسلی ہوگئی؟ اب اجازت ہے کہ میں سوجاؤں؟''۔

ملاح اسے حیرانی سے تکنے لگا:

''بھائی' اگر تم جادوگر ہو تو مجھے یہ بتاؤ کہ میری بیوی اور بچے کو کس نے کشتی سے طوفان میں دھکا دیا تھا۔ کیوں کہ مجھے شک ہے کہ میرے ایک دشمن نے طوفان سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میرے بچے

اور بیوی کو سمندر میں دھکیل دیا تھا۔ کیا تم مجھے بتا سکتے ہو؟''۔

عنبر تنگ آ کر بولا:

''ہاں تمہارے دشمن نے ہی ایسا کیا ہے۔ مگر اب تم کیا کر سکتے ہو۔ تم اپنے دشمن سے بدلہ بھی نہیں لے سکتے اور تمہارے بیوی بچے بھی نہیں آ سکتے۔ اس لیے ان باتوں کو کریدنے سے کیا ہوگا۔ اب تم بھی چپ چاپ سوجاؤ''۔

ملاح ٹھنڈی آہ بھر کر بولا:

''نہیں مجھے نیند نہیں آ رہی۔ مجھے اپنی بیوی بچے بہت یاد آ رہے ہیں۔ میں اپنے دشمن سے ضرور بدلہ لوں گا۔ وہ میرے انتقام سے نہیں بچ سکے گا۔ اگر تم نے یہ سچ کہا ہے تو میں اس سے ضرور بدلہ لوں گا''۔

مگر عنبر اس کی باتیں نہیں سن رہا تھا۔ وہ سو چکا تھا اور خراٹے لے

رہا تھا۔ ملاح بستر پر لیٹا بڑے غور سے عنبر کے خراٹے سن رہا تھا۔ اسے
یقین ہو گیا تھا کہ سچ مچ عنبر کوئی بہت بڑا اور بہت ہی سنگدل قسم کا جادو
گر ہے۔ کیوں کہ اس کے خیال کے مطابق صرف ایک پتھر دل جادو
گر ہی ایک انسان کو ہلاک کرنے کے بعد آرام سے خراٹے لے کر سو
سکتا ہے۔ وہ اس بات کو بھول گیا کہ جس شخص کو عنبر نے ہلاک کیا ہے
وہ خود اسے بلکہ ان دونوں کو قتل کرنے آیا تھا اور اس سے پہلے وہ نہ
جانے کتنے لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار چکا تھا۔ عنبر گہری نیند سویا
رہا۔ ملاح اس کے خراٹے کچھ دیر تک سنتا رہا۔ پھر وہ بھی سو گیا۔

منہ اندھیرے ہی عنبر ملاح سے جدا ہو گیا۔

ملاح نے عنبر کی امانت' اشرفیوں کی تھیلیاں اسے دے کر کہا:

"بھائی' میں اگر چہ غریب ہوں مگر بڑا ایماندار ہوں۔ میں نے
زندگی میں کبھی کسی کی ایک پائی بھی چوری نہیں کی۔ اس لیے کہ میرے

باپ نے مجھے نصیحت کی تھی کہ بیٹا چوری کبھی نہ کرنا۔ چوری بہت بڑا
گناہ ہے جسے بھگوان کبھی معاف نہیں کرتا۔ اب تم اپنی امانت اچھی
طرح دیکھ لو۔"

عنبر نے دیکھا تو چاروں تھیلیاں اشرفیوں سے بھری تھیں۔ اس نے کہا:

"بھائی، تم بڑے نیک دل انسان ہوں۔ میں جہاں بھی ہوں گا تمہاری ایمانداری اور سچائی کو ہمیشہ یاد رکھوں گا۔ اب اجازت دو کہ میں اپنے سفر پر روانہ ہوسکوں"۔

ملاح بولا:

"اچھا بھائی، بھگوان کرے کہ تم اپنی بہن کو تلاش کرنے میں کامیاب ہوسکو۔ میں دعا کروں گا"۔

"خدا حافظ"

عنبر گھوڑے پر سوار ہو کر ملاحوں کے گاؤں سے نکل کر جنگل کی طرف روانہ ہوگا۔

یہ جنگل ملاح کے کہنے کے مطابق سمندر کے ساتھ ساتھ چلا جا رہا تھا۔ ابھی سورج نہیں نکلا تھا۔ جنگل میں اندھیرا تھا۔ درختوں پر پرندوں نے صبح کی آمد آمد کی خوشی چہچہانا شروع کر دیا تھا۔ عنبر جنگل میں ایک کچے راستے پر آ گیا۔ یہ راستہ خودرو جنگلی جھاڑیوں میں گھرا ہوا تھا۔ ملاح نے ٹھیک کہا تھا۔ یہ جنگلی راستہ دور تک جنگل کے اندر چلا گیا تھا۔

یہی وہ کچا راستہ تھا جس پر سے گزر کر ٹھگوں اور سمگلروں کے

قافلے آیا کرتے تھے۔ عنبر کو خیال تھا کہ شاید راستے میں کسی ٹھگوں کے
گروہ سے آمنا سامنا ہو جائے۔ اسے اپنی زندگی کی فکر نہیں تھی۔ خطرہ
تھا تو اس بات کا کہ خواہ مخواہ اس کا وقت ضائع ہو گا اور اگر ٹھگ زیادہ
ہوئے اور انہوں نے اسے رسیوں میں قابو کر کے باندھ لیا اور
اشرفیاں لوٹ لیں تو مصیبت میں پڑ جائے گی۔ پھر بھی وہ مطمئن تھا۔
اس نے دل میں عہد کر رکھا تھا کہ کسی بھی ٹھگوں یا ڈاکوؤں کے گروہ کو
اتنی اجازت نہیں دے گا کہ وہ اسے باندھ کر اپنے ساتھ لے جا
سکیں۔

جنگل میں سفر کرتے کرتے دن نکل آیا۔

عنبر نے دیکھا کہ جنگل دوسرے جنگلوں کی نسبت زیادہ گھنا تھا۔
زیادہ تر درخت تاڑ اور آم کے تھے۔ عنبر نے ایک درخت پر سے آم
توڑ کر کھائے۔ یہ بڑے میٹھے جنگلی آم تھے۔ عنبر کے پاس کھانے کا

ذخیرہ ختم ہو گیا تھا۔ ملاح سے اس نے کچھ بھنی ہوئی مچھلی لے کر ساتھ
جا رہے تھے۔ اس لیے عنبر نے پھل توڑ کر ساتھ رکھنے کی ضرورت
محسوس نہ کی۔

وہ دوپہر تک جنگل میں سفر کرتا رہا۔ کچا راستہ جنگل میں ادھر ادھر
سے گھومتا ہوا برابر آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ سفر کرتے کرتے اسے
شام ہو گئی۔ اس نے اب رات بسر کرنے کے بارے میں سوچنا
شروع کر دیا۔ اس جنگل میں وہ کسی جگہ بھی رات بسر کر سکتا تھا۔ آخر
اس نے ایک درخت کے نیچے ڈیرا جما لیا۔ گھوڑے کو اس نے چرنے
کے لیے کھلا چھوڑ دیا اور خود گھاس پر لیٹ گیا۔ جنگل میں ہوا بالکل بند
تھی اور حبس بہت زیادہ تھا۔ مچھر بھی اسے بہت تنگ کر رہے تھے۔
عنبر نے اٹھ کر قریب ہی گھاس جمع کر کے آگ جلا دی۔ آگ کی وجہ
سے وہاں دھواں ہونے لگا۔

دھوئیں نے مچھروں کو عنبر سے دور بھگا دیا مگر خود اس کا ناک میں دم آ گیا۔ وہ ذرا پرے ہٹ کر لیٹ گیا۔ اب جنگل میں چاند نکل آیا تھا اور اس کی روشنی جنگل میں پھیل گئی۔ اچانک عنبر کو گھوڑے کی آواز سنائی دی۔ اس آواز میں خوف اور ڈر کی چیخ تھی۔ عنبر جلدی سے اٹھا اور اس طرف بھاگا جدھر سے گھوڑے کی آواز آئی تھی۔ درختوں کے پیچھے سے ہٹ کر وہ سامنے آیا تو اس نے دیکھا کہ اس کا وفادار ساتھی گھوڑا زمین پر لیٹا ہوا ہے اور ایک گیروے رنگ کا بڑا سانپ اس کے پاس ہی بیٹھا جھوم رہا ہے۔

سانپ نے اپنا خوفناک پھن پھیلا رکھا تھا۔ چاندنی میں وہ بڑا بھیانک لگ رہا تھا۔ عنبر نے جھک کر گھوڑے کو دیکھا۔ گھوڑے کے منہ سے نیلی جھاگ پھوٹ رہی تھی۔ اس کا مطلب صاف یہی تھا کہ سانپ نے گھوڑے کو ڈس لیا تھا۔

گھوڑے کا سارا جسم اکڑنا شروع ہو گیا۔ وہ کانپنے لگا اور دیکھتے دیکھتے مر گیا۔ عنبر کو اپنے وفادار ساتھی کی اس موت پر بے حد صدمہ ہوا۔ اسے سانپ پر بھی غصہ آیا کہ کم بخت نے اسے ایک ایسے ساتھی سے محروم کر دیا ہے جس پر سوار ہو کر اس نے ابھی سارا سفر طے کرنا تھا۔

عنبر سانپ کی طرف بڑھا۔

سانپ ابھی تک اپنا پھن پھیلائے چاندنی رات میں جھوم رہا تھا۔ اس نے جو ایک انسان کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا تو ذرا پیچھے ہٹ گیا۔ اسے توقع ہی نہیں تھی کہ اسے اپنے سامنے پھن پھیلائے دیکھ کر کوئی انسان اتنی جرات بھی کر سکتا ہے کہ اس کی طرف بڑھے۔

مگر سانپ کو کیا خبر تھی کہ اس کی طرف ایک عام انسان نہیں بڑھ رہا بلکہ عنبر بڑھ رہا ہے۔ عنبر سانپ کے بالکل قریب آ گیا۔ سانپ بار

بار زبان باہر نکال رہا تھا۔ اس کی سرخ آنکھیں چمک رہی تھیں۔ وہ طیش میں آ گیا کہ ایک انسان اس کی طرف بڑھ رہا ہے۔

سانپ نے لپک کر عنبر کے ہاتھ پر ڈس دیا۔ عنبر نے آگے بڑھ کر سانپ کو گردن سے پکڑنا چاہا۔ سانپ لچک کر دوسری طرف ہو گیا اور اس نے دوسری بار بڑے غصے اور جوش کے ساتھ عنبر کے بازو پر ڈس دیا۔ یہ بڑا ہی زہریلا اور خوفناک قسم کا سانپ تھا جس کا کاٹا پانی نہیں مانگتا اور جو دوسری بار بھی انسان کو کاٹ سکتا تھا؛ حالانکہ عام طور پر سانپ ایک بار ڈسنے کے بعد کچھ دیر تک دوسری بار نہیں ڈستا۔ لیکن یہ سانپ ایک بار گھوڑے کو ڈس کر ہلاک کر چکا تھا اور دوبارہ عنبر کا کاٹ چکا تھا۔

لیکن عنبر پر سانپ کے زہر کا کوئی اثر نہ ہوا۔ الٹا سانپ پر عنبر کے خون کی وجہ سے غنودگی سی طاری ہونے لگی۔ عنبر نے سانپ کو گردن

سے دبوچ لیا اور کہا۔

”ظالم سانپ! اس بے زبان گھوڑے نے تیرا کیا بگاڑا تھا کہ تو نے اسے ڈس کر ہلاک کر دیا؛ اب میں تمہیں بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا تا کہ تو اب کسی دوسرے جانور یا انسان کو اپنے ظلم کا نشانہ نہ بنا سکے“۔

یہ کہہ کر عنبر نے خنجر نکال کر سانپ کی گردن اڑا دی۔ عنبر نے سانپ کو ٹکڑے کر کے پھینک دیا۔ پھر وہ گھوڑے کی لاش کے پاس بیٹھ کر افسوس کرنے لگا کہ اس کا ایک پیارا ساتھی اس سے جدا ہو گیا تھا۔ دوسرے اب اسے پیدل ہی سفر کرنا تھا۔ یہ ایک تکلیف دہ بات تھی اس لیے کہ وہ جلد سے جلد بندرگاہ پر پہنچنا چاہتا تھا اور پیدل چل کر وہ جلدی اپنی منزل پر نہیں پہنچ سکتا تھا۔

رات کے کسی لمحے عنبر کو نیند آ گئی اور وہ سو گیا۔

صبح صبح مچھیروں نے اسے جگا دیا۔ آگ بجھ چکی تھی۔ عنبر خدا کا

نام لے کر اٹھ بیٹھا۔ اس نے اشرفیوں کی چار تھیلیوں کو ایک کپڑے
میں باندھ کر اپنے کندھے پر ڈالا اور خوراک کا تھیلا وہیں پھینک کر
آگے روانہ ہوگیا۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد اشرفیوں کی گٹھڑی کے
بوجھ سے وہ تھک سا گیا۔ بڑا پریشان ہوا کہ اب وہ کیا
کرے۔ اشرفیوں کو وہ پھینک نہیں سکتا تھا۔ مجبوراً اٹھ کر پھر چلنے لگا۔
وہاں سے کوئی دوسری سواری بھی نہیں مل سکتی تھی۔ دل میں یہ امید لیے
وہ چلتا رہا کہ شاید کسی جگہ سے کوئی جنگلی گدھا ہی اسے مل جائے۔

انوکھا مسافر

دوپہر کو تھک کر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔
سونے کی اشرفیوں کا تھیلا اس کے لیے مصیبت کا باعث بن گیا
تھا۔ لیکن وہ ان اشرفیوں کو پھینک بھی نہیں سکتا تھا۔ اگر وہ انہیں پھینک
دے تو جہاز کا کرایہ کہاں سے ادا کرے؟ وہ کتنی دیر تک درخت کے
نیچے بیٹھا آرام کرتا رہا۔ پھر اچانک اسے کچے راستے پر پیچھے سے کچھ

لوگوں کے باتیں کرنے کی آوازیں سنائی دیں۔

عنبر چوکس ہو گیا۔ کچھ مسافر ادھر سے گزرنے والے تھے۔ ظاہر تھا کہ وہ ٹھگ ہی ہو سکتے تھے۔ عنبر نے اشرفیوں کا تھیلا ایک جھاڑی کے نیچے چھپا دیا اور خود اسی جگہ بیٹھ گیا۔ آدمیوں کی آوازیں قریب آ رہی تھیں۔ عنبر درخت کے نیچے لیٹ گیا۔ اس نے یوں آنکھیں بند کر لیں جیسے اونگھ رہا ہے۔

عنبر نے چوری آنکھوں سے دیکھا۔ سڑک پر تین آدمی گھوڑوں پر سوار چلے آ رہے تھے۔ انہوں نے منہ پر کپڑا لپیٹ رکھا تھا۔ شکل و صورت سے وہ صاف ٹھگ معلوم ہو رہے تھے۔ ان ٹھگوں نے جو ایک آدمی کو درخت کے نیچے لیٹا دیکھا تو اس کے قریب آ کر رک گئے۔

ایک ٹھگ نے عنبر کے پاؤں پر ٹھوکر مار کر کہا:

"کون ہو تم؟"

عنبر نے آنکھیں کھول دیں اور کہا:

"جناب میں مسافر ہوں جنگل میں سفر کر رہا ہوں"۔

ایک ٹھگ بولا:

"تم کیسے مسافر ہو؟ کیا تم ٹھگ ہو؟"

عنبر نے کہا:

"نہیں جناب میں ٹھگ نہیں ہوں۔ میں تو ایک غریب سنیاسی ہوں۔ جڑی بوٹیوں سے علاج کرتا ہوں"۔

اچانک ٹھگ خاموش ہو گئے۔ انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر عنبر سے کہا:

"کیا تم ہر بیماری کا علاج کر لیتے ہو؟"۔

عنبر نے کہا:

"ہاں جناب، کوشش ضرور کرتا ہوں"۔

ٹھگ بولے:

"تو پھر ہمارے ساتھ چلو۔ ہمارا ایک ساتھی بہت بیمار ہے۔ اگر تم نے اسے اچھا کر دیا تو ہم تمہیں منہ مانگا انعام دیں گے"۔

عنبر نے پوچھا:

"حضور اسے کیا تکلیف ہے؟"۔

ٹھگ نے گرج کر کہا:

"یہ تمہیں وہاں پہنچ کر معلوم ہو جائے گا"۔

ٹھگ عنبر کو لے کر واپس روانہ ہو گئے۔ ایسے لگتا تھا کہ وہ بندرگاہ کی طرف کسی حکیم کی تلاش میں ہی جا رہے تھے۔ ٹھگ عنبر کو جنگل میں ایک ایسی جگہ لے گئے جہاں پہاڑیوں کے چھوٹے ٹیلوں کے درمیان میں ایک پتھروں کا دروازہ تھا اور اندر چھوٹی سی غار تھی۔

عنبر ان کے ساتھ غار میں داخل ہو گیا۔ یہ غار بالکل ایسی ہی غار تھی جیسی کہ ڈاکوؤں اور ٹھگوں کی ہوا کرتی ہیں۔ عنبر کو ایک تہہ خانے میں لے جایا گیا جہاں ایک ادھیڑ عمر کا ٹھگ گھاس کے بستر پر لیٹا زندگی اور موت کی کشمکش میں پھنسا ہوا تھا۔ ٹھگ بولا:

"یہ ہمارا بڑا بھائی ہے۔ نہ جانے اسے کیا بیماری ہو گئی ہے کہ یہ کسی کو پہچانتا بھی نہیں اور دل کے درد سے تڑپتا رہتا ہے"۔

عنبر نے کہا:

"میں ابھی دیکھتا ہوں حضور، اور کوشش کروں گا کہ ان کی بیماری کا علاج کر سکوں"۔

عنبر نے مریض کی نبض دیکھی۔ نبض تیز تیز چل رہی تھی۔ عنبر نے اس کی آنکھوں کے پپوٹے اٹھا کر دیکھا۔ آنکھوں کے ڈیلے سفید پڑ رہے تھے! گویا اس مریض کی آنکھوں کی روشنی غائب ہو چکی تھی۔ عنبر

نے دل پر ہاتھ رکھا تو وہ بے قابو گھوڑے کی طرح دوڑ رہا تھا۔

ایک ٹھگ نے پوچھا:

”جلدی بتاؤ‘ کیا ہمارا بھائی بچ جائے گا؟“۔

عنبر نے کہا:

”بچ سکتا ہے۔ اگر آپ نے مجھے وہ جڑی بوٹی لا دی جس کی اس وقت سخت ضرورت ہے“۔

ٹھگ نے پوچھا:

”وہ کہاں سے ملے گی۔ تم بتاؤ۔ ہم ابھی جا کر لے آتے ہیں“۔

عنبر نے کہا:

”اس بوٹی کا نام بیر بہوٹی ہے۔ وہ جنگل میں ہوتی ہے“۔

ٹھگ خوش ہو کر بولے:

"وہ تو اس غار کے پیچھے بہت اگی ہوئی ہے۔ وہی نا جو لال لال ہوتی ہے؟"۔

عنبر بولا:

"ہاں وہی"۔

"پھر میں ابھی لایا"۔

دونوں ٹھگ غار سے باہر نکل گئے۔

تھوڑی دیر بعد وہ ڈھیر ساری بیر بہوٹی کی جڑی بوٹی توڑ کر لے آئے۔ عنبر نے بوٹی کے ڈھیر کو دیکھا تو بڑا حیران ہوا کہ اس مرتبہ مریض کی قسمت کتنا کام کر رہی تھی۔

عنبر نے کہا:

"اس بوٹی کو جلدی سے پانی کے تسلے میں ڈال کر ابال دو"۔

ٹھگوں نے اسی وقت آگ جلائی۔ تسلے میں پانی ڈالا اور بوٹی ڈال کر اسے ابالنے کے لیے آگ پر رکھ دیا۔ مریض بیچارہ درد سے تڑپ رہا تھا۔ جب پانی ابلنا شروع ہو گیا۔ تو عنبر نے پانی کا ایک کٹورہ بھر کر اسے ٹھنڈا کیا اور مریض کے حلق میں گرانا شروع کر دیا۔ پہلے دو گھونٹ پینے کے ساتھ ہی مریض کے دل کا درد رک گیا اور اسے چین سا آ گیا۔ کٹورا پورا خالی ہو گیا۔

عنبر نے بوٹی کے پانی میں اپنی جیب سے ایک سفوف نکال کر ملایا اور اس کے چند قطرے مریض کی دونوں آنکھوں میں ٹپکا دیے۔

وہ مریض کی آنکھوں کو ملنے لگا۔ کافی دیر تک ملتا رہا۔ مریض کی آنکھوں میں سے پانی جاری ہو گیا۔ پھر عنبر نے مریض کی آنکھیں خشک کر دیں اور کہا:

"اب دیکھیں کیا دکھائی دیتا ہے؟"۔

عنبر نے مریض کی آنکھیں کھول دیں۔ مریض کے چہرے پر رونق آ گئی۔ وہ اپنے اردگرد سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظر واپس آ گئی تھی۔ اس کا درد غائب ہو گیا تھا۔ اس کا دل زیادہ شدت سے دھڑکنا بند ہو گیا تھا۔ اس کا بخار نہ جانے کدھر غائب ہو گیا تھا۔

مریض نے عنبر کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا:

''نوجوان' اتنی چھوٹی سی عمر میں تم نے اتنی زیادہ مہارت کیسے حاصل کر لی؟ تم کون ہو؟''۔

عنبر نے کہا:

''میں ایک مسافر ہوں''۔

''میرے پیارے بھائیو' میں تمہارا کس منہ سے شکریہ ادا کروں کہ تم اس قابل حکیم کو کہیں سے ڈھونڈ لائے جس نے اپنی دوائی سے میری صحت ٹھیک کر دی۔ مجھے موت کے منہ سے بچا لیا۔ میں تو اس

نوجوان کا بھی جتنا شکریہ ادا کروں کم ہو گا''۔

ایک ٹھگ بولا:

''بھائی' یہ ایک مسافر نوجوان ہے جو راستے میں ایک درخت کے نیچے آرام کر رہا تھا۔ ہمارے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ یہ مسافر ہے اور سنیاسی بھی ہے۔ جڑی بوٹیوں سے بیماروں کا علاج کرتا ہے۔ ہم اسے یہ کہہ کر آپ کے پاس لے آئے کہ ہمارے بھائی صاحب کا علاج کرو۔ بھگوان کا شکر ہے کہ اس کے علاج سے آپ کو دوبارہ زندگی مل گئی''۔

مریض ٹھگ نے عنبر سے کہا:

''اے نوجوان' تو نے میری زندگی بچا کر مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ میں تمہارے احسان کا بدلہ تو نہیں دے سکتا۔ مگر اتنا ضرور ہے کہ تم جو منہ سے مانگو گے۔ میں وہ تمہاری خدمت میں پیش کر دوں

گا"۔

دوسرے ٹھگ نے کہا:

"ہاں میاں، تم جو چاہتے ہو وہ مانگو۔ ہم تمہاری ہر خواہش
کو پوری کرنے کی بھرپور کوشش کریں گے"۔

عنبر اسی وقت کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے کہا:

"مجھے صرف ایک گھوڑا چاہیے جس کے اوپر سوار ہو کر میں اپنا سفر
طے کر سکوں"۔

مریض ٹھگ نے پوچھا:

"تم کہاں جا رہے ہو؟"

عنبر نے کہا:

"پہلے بتائیے کہ کیا میر خواہش پوری کر دیں گے؟"۔

مریض نے زور سے ہنس کر کہا:

"نوجوان، میں نے تم سے سمندر مانگنے کے لیے کہا تھا۔ تم نے
صرف ایک پانی کا قطرہ مانگا ہے۔ اب بھی سوچ لو۔ وقت ہے۔ میں
تمہیں ایک اور خواہش کرنے کی اجازت دیتا ہوں"۔

عنبر نے کہا:

"جناب عالی، مجھے سوائے ایک گھوڑے کے اور کسی شے کی
خواہش نہیں۔ برائے مہربانی مجھے گھوڑا عنایت کر دیں تا کہ میں اس پر
سوار ہو کر اپنا سفر شروع کر سکوں"۔

مریض ٹھگ نے اپنے بھائیوں سے کہا:

"میرے پیارے بھائیو، اس نوجوان سنیاسی کو فوراً ایک گھوڑا
دے دو"۔

بھائیوں نے اسی وقت عنبر کے لیے گھوڑی لا کر دے دی۔

عنبر نے کہا:

''اب مجھے اجازت دیں۔ میرا سفر بڑا لمبا ہے اور وقت بڑا تھوڑا ہے''۔

مریض ٹھگ نے کہا:

''تم نے ابھی تک میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔ میں نے تم سے یہ پوچھا تھا کہ تم کہاں سے آ رہے ہو اور کہاں جا رہے ہو؟''۔

عنبر نے کہا:

''جناب میں نے آپ کو بتا دیا ہے کہ میں ایک سنیاسی حکیم ہوں۔ ریاست بمبی سار کے شہر سے آ رہا ہوں اور تجارتی بندرگاہ کے شہر کو جا رہا ہوں''۔

ٹھگ نے پوچھا۔

''تم وہاں کیا کرنے جا رہے ہو؟''۔

عنبر نے کہا:

''جڑی بوٹیوں سے بیماروں کا علاج کر کے دولت کمانے جا رہا ہوں۔ دل میں یہ خیال بھی ہے کہ شاید وہاں کے جنگل سے کوئی قیمتی جڑی بوٹی بھی مل جائے''۔

ٹھگ نے کہا:

''کیا تم آج کی رات ہمارے مہمان بن کر نہیں رہ سکتے؟''۔

عنبر نے کہا:

''اگر آپ کو تکلیف نہ ہو تو میں ایک رات ٹھہر جاتا ہوں''۔

ٹھگ بولا۔

''ہمیں خوشی ہوگی''۔

عنبر غار میں رات بسر کرنے پر تیار ہو گیا۔

اس کا خیال تھا کہ ٹھگوں کے پاس رہنے سے شاید اسے شگنتالا کے بارے میں کوئی اور معلومات حاصل ہو جائیں۔ اس کی اشرفیوں کا تھیلا ابھی تک جنگل میں جھاڑیوں میں چھپا ہوا تھا۔ عنبر کو اشرفیوں کی کوئی فکر نہیں تھی۔ وہ جس وقت چاہے وہاں جا کر اشرفیاں حاصل کر سکتا تھا۔

اس کے سوا اور کسی کو خبر ہی نہیں تھی کہ وہاں اشرفیوں کا تھیلا پڑا ہے۔ رات کو ٹھگوں نے عنبر کی بڑی خاطر داری کی۔ اسے بھنی ہوئی مرغی اور تیتر کا گوشت کھلایا۔

عنبر نے کھانے پر ان سے پوچھا:

''آپ کیا کام کرتے ہیں؟''۔

ٹھگوں نے ایک دوسرے کی طرف اس انداز سے دیکھا جیسے پوچھ رہے ہوں کہ اس احمق نے یہ کیا سوال کر دیا؟ ایک ٹھگ نے کہا:

"ہم بھی سوداگر ہیں۔ یوں سمجھ لو کہ گھوڑوں کی تجارت کرتے ہیں۔ کیا تمھیں کوئی اعتراض ہے؟"۔

عنبر بولا۔

"نہیں نہیں، بالکل نہیں۔ مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے بھلا"۔

حالانکہ عنبر کو اچھی طرح معلوم تھا کہ یہ تینوں شخص ڈاکو ہیں۔ ٹھگ ہیں اور لوگوں کو قتل کرنا، لوٹنا اور ڈاکے ڈالنا ان کا پیشہ ہے۔ مگر اسے کیا ضرورت پڑی تھی کہ ان کے پھٹے میں ٹانگ اڑاتا پھرتا۔

رات کو عنبر دوسرے ٹھگوں کے پاس سو گیا۔ تینوں ٹھگ بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ عنبر نے جان بوجھ کر آنکھیں بند کر لیں اور خراٹے لینے شروع کر دیے۔ یہ معلوم کرنے کے لیے کہ ٹھگ اس کے بارے میں کیا باتیں کرتے ہیں۔ ایک ٹھگ نے عنبر کے خراٹوں کی آواز سن کر کہا۔

"سو گیا ہے۔ کیا خیال ہے تمہارا؟ یہ کوئی امیر آدمی ہے معلوم ہوتا ہے مجھے"۔

دوسرے ٹھگ نے کہا:

"ہو سکتا ہے کوئی امیر حکیم ہو۔ قابل بھی تو بہت ہے۔ مگر میں اسے کچھ نہیں کہوں گا۔ کیوں کہ اس نے میری جان بچائی ہے"۔

تیسرے ٹھگ نے کہا:

"اگر اس کے قبضے سے ہمیں کافی مال و دولت مل جائے تو اسے قتل کرنے میں ہرج ہی کیا ہے؟ مجھے تو اس میں کوئی ہرج نظر نہیں آتا"۔

مریض ٹھگ نے ڈانٹ کر کہا:

"تمہیں شرم آنی چاہیے۔ تم لوگوں کو دولت اور سونے کی ہوس نے اس قدر اندھا کر دیا ہے کہ تم اپنے احسان کرنے والے اور دشمنی

کرنے والے میں تمیز کرنا بھی بھول گئے ہو۔ یہ شخص فقیر ہو یا بادشاہ ہو۔اس نے میری جان بچا کر مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ اگر تم لوگوں میں سے کسی نے بھی اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔جاؤ باہر جا کر سو جاؤ''۔

تینوں ٹھگ چپکے سے اٹھ کر باہر چلے گئے۔عنبر دل میں سوچنے لگا کہ یہ کم بخت تو اس کی جان کے دشمن ہو گئے تھے۔ سچ ہے کہ ٹھگ بھی کسی کا دوست نہیں ہوتا۔ ڈاکو پھر بھی ایک دوسرے کا لحاظ کرتے ہیں مگر ٹھگ کسی کو معاف نہیں کرتے۔ان کا دین مذہب ہی دولت ہے جس کے پاس دولت ہو وہ اس کے دشمن بن کر اسے ہلاک کرنے کی فکر میں لگ جاتے ہیں۔

لیکن مریض ٹھگ کوئی کردار کا آدمی لگتا تھا۔اس نے عنبر کی حمیت کی تھی۔ ویسے اگر ٹھگ عنبر پر حملہ کر دیتے تو نقصان ان کا ہی ہونا تھا۔

لیکن پھر بھی عنبر کو تینوں ٹھگوں کی نیت کا حال معلوم ہو گیا تھا۔

وہ ساری رات آرام سے سویا رہا۔ دن چڑھا تو اس نے مریض ٹھگ سے کہا:

''اب میں جا رہا ہوں۔ آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے مجھے اپنی غار میں رات بھر آرام کرنے کی اجازت دی اور کھانا بھی کھلایا۔زندگی رہی تو پھر کبھی ضرور ملاقات ہوگی''۔

مریض ٹھگ نے کہا:

''بھائی اگر کبھی کبھار تمہارا اس طرف سے گزر ہو تو میرے پاس اس غار میں ضرور آنا۔اب میں تمہیں صاف صاف بتائے دیتا ہوں کہ ہم لوگ بڑے پتھر دل قسم کے ٹھگ اور ڈاکو ہیں۔ہم کسی کو معاف نہیں کرتے۔لیکن تم نے مجھ پر ایک احسان کیا ہے کہ میں زندگی بھر کے لیے تمہارا دوست بن گیا ہوں۔کبھی تمہیں کسی شے کی ضرورت

ہو۔ کبھی تمہیں کسی جگہ میری مدد کی ضرورت ہو تو مجھے یاد کرنا۔ میں تمہارا بھائی ہوں۔ میں جان کی بازی لگا کر تمہاری مدد کروں گا"۔

عنبر نے کہا:

"شکریہ میرے بھائی، اب اگر آپ نے مجھ پر اپنا آپ ظاہر کر دیا تو میں بھی آپ پر ایک راز کی بات ظاہر کر دینا چاہتا ہوں کہ اگر آپ سارے مل کر بھی مجھ پر خنجروں سے حملہ کر دیتے جب بھی آپ مجھے ہلاک نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے کہ میں مر نہیں سکتا"۔

مریض ٹھگ نے حیرانی سے عنبر سے پوچھا:

"کیا مطلب؟"۔

عنبر بولا:

"مطلب یہ ہے کہ میں ابھی آپ کو ایک کرامت دکھاتا ہوں۔ ذرا اپنا خنجر ایک پل کے لیے مجھے دے دو"۔

مریض ٹھگ نے اپنا خنجر عنبر کو دے دیا۔ اس عرصے میں دوسرے ٹھگ بھی باہر سے اندر آ کر وہاں کھڑے ہو گئے اور حیرانی سے عنبر کو تکنے لگے۔ عنبر نے خنجر اوپر اٹھا کر اپنے بازو میں گھونپ لیا۔

بدبخت سرائے

عنبر نے بڑے آرام سے خنجر بازو میں سے کھینچ لیا۔

سارے کے سارے ٹھگ یہ دیکھ کر حیران ہو گئے کہ عنبر کا بازو ویسے کا ویسا ہی تھا۔ نہ وہاں خنجر لگنے سے کوئی زخم لگا تھا اور نہ ایک قطرہ بھر خون گرا تھا۔ ان کے لیے یہ ایک بڑا جادو تھا۔ ان کی تو آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ مریض ٹھگ اپنی جگہ سے اچھل پڑا۔

"یہ۔۔۔یہ کیسے ہو گیا؟"۔

عنبر نے مسکرا کر کہا:

"یہ ایک راز ہے جو میں آپ لوگوں کو نہیں بتا سکتا۔ اچھا اب میں جا رہا ہوں۔ زندگی رہی تو پھر کبھی نہ کبھی، کہیں نہ کہیں ضرور ملاقات ہو گی"۔

عنبر غار میں سے باہر نکل آیا۔ وہ گھوڑے پر سوار تھا۔ یہ گھوڑا مریض ٹھگ نے خاص طور پر عنبر کو تحفے کے طور پر دیا تھا۔ تمام ٹھگ اسے دیکھتے ہی رہ گئے۔ عنبر چھوٹی چھوٹی چٹانوں میں سے گھوم گھام کر اسی راستے پر آ گیا جو جنگل میں سے ہو کر تجارتی بندرگاہ کی طرف چلا گیا تھا۔

اسے سفر کرتے ہوئے دو راتیں اور ایک دن ہو گیا تھا۔ ملاح کے حساب کے مطابق اسے آج شام تک منزل پر پہنچ جانا چاہیے تھا۔ اس

نے سڑک پر اپنی رفتار تیز کر دی۔ اب جنگل گھنا نہیں رہا تھا۔ درختوں کے جھنڈ بکھر گئے تھے۔ سمندر کا ساحل قریب آ گیا تھا۔ عنبر نے ہوا میں سمندر کی نمی محسوس کی۔ آسمان پر وہ پرندے بھی اڑ رہے تھے جو عام طور پہ ساحلی بندرگاہوں پر بسیرا کرتے ہیں۔

تیسرے پہر عنبر ملاحوں کی بستیوں کے قریب سے ہو کر گزر رہا تھا۔ یہ نشانی تھی کہ تجارتی شہر کی بندرگاہ قریب آ گئی ہے۔ شام کی سرخی آسمان پر پھیل رہی تھی کہ عنبر نے دوسرے سمندر میں کھڑے بادبانی جہازوں کے مستول دیکھے۔ ساتھ ہی اسے شہر کے مکانوں کی منڈیریں اور عبادت گاہوں کے مینار نظر آئے۔

وہ اپنی منزل پر پہنچ گیا تھا۔ رات کے پہلے حصے میں وہ بندرگاہ کے شہر میں داخل ہو گیا۔ جیسا کہ اس زمانے میں دستور تھا۔ عنبر نے ایک سرائے کا رخ کیا۔ راستے میں اس نے جھاڑیوں میں سے سونے

کی اشرفیوں کے تھیلے اپنے ساتھ کر لیے تھے۔

سرائے کی مالکہ ایک بوڑھی عورت تھی جس کی ایک آنکھ باہر کو نکلی ہوئی تھی۔ اس کے آدھے بال سفید اور آدھے کالے تھے۔ اس نے کانوں میں سونے کے چھلے ڈال رکھے تھے۔ اس نے عنبر کو سر سے پاؤں تک دیکھا اور کہا:

”شکل وصورت سے تم مجھے ڈاکو لگتے ہو۔ کہاں سے آئے ہو تم؟“

عنبر نے گھوڑے پر سے اتر کر عورت کے قریب جا کر کہا:

”چچی جان! میں ڈاکو نہیں ہوں بلکہ ایک سوداگر ہوں۔ حکیم ہوں۔۔۔ سنیاسی ہوں اور آوارہ گرد راجکمار ہوں جو ملک گھوم پھر کر جڑی بوٹیوں کو تلاش کر رہا ہے“۔

عورت نے کہا:

"لیکن تمہاری آنکھوں میں مجھے ایک جادو کی چمک نظر آ رہی ہے"۔

عنبر بولا:

"اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔ جس چمک کو تم جادو کی چمک کہہ رہی ہو یہ میری آنکھوں کی اپنی چمک ہے۔ اگر میں جادوگر ہوتا تو مجھے سرائے میں آ کر رات بسر کرنے کی بھلا کیا ضرورت تھی۔ میں تو اپنے لیے جنگل میں ہی جادو کا محل تعمیر کرا سکتا تھا۔ کیا میں جھوٹ کہہ رہا ہوں؟"۔

بوڑھی عورت مکاری کے ساتھ ہنسی۔

"تم بڑے باتونی انسان ہو۔ مجھے بھی ایک مدت ہو گئی ہے۔ لوگوں کے چہرے دیکھتے اور ان سے باتیں کرتے ہوئے۔ میں نے جو چمک تمہاری آنکھوں میں دیکھی ہے وہ پہلے کہیں نہیں دیکھی۔ سچ

بتاؤ تم کون ہو؟"۔

عنبر سر کو جھٹک کر بولا:

"بی بی میں نے تمہیں جو کہہ دیا کہ میں ایک مسافر ہوں اور تمہاری سرائے میں رات بسر کرنا چاہتا ہوں۔ میرے پاس کرائے کے پورے پیسے ہیں۔ تم فکر مت کرو۔ میں تمہارا کرایہ مار کر بھاگوں گا نہیں۔ اگر تم چاہو تو میں تمہیں پیشگی رقم دے سکتا ہوں"۔

بوڑھی عورت کہنے لگی:

"اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ مجھے تم پر اعتبار ہے۔ میں جانتی ہوں تمہاری شکل صورت کا آدمی ایسی گھٹیا حرکت کبھی نہیں کر سکتا کہ کسی سرائے کا کرایہ مار کر بھاگ جائے"۔

عنبر نے کہا:

"پھر تم مجھے کوٹھڑی کیوں نہیں دکھاتیں؟"۔

عورت بولی:

"ضرور دیکھو۔۔۔ضرور دیکھو۔۔۔ بلکہ جا کر اپنی کوٹھڑی میں آرام کرو۔ جاؤ، اوپر والی منزل کا آخری کمرہ ہے۔ یہ لو اس کی چابی لے لو۔"

بوڑھی عورت نے عنبر کو کوٹھڑی کی لکڑی کی چابی دے دی جسے دروازے کے درز میں گھمانے سے کھل جاتا تھا اور واپس کرنے سے تالا دوبارا لگ جاتا تھا۔ عنبر نے چابی لی اور گھوڑے کو اصطبل میں لے جا کر کھڑا کر دیا۔

اصطبل کے سامنے سرائے کے بڑے دالان میں زمین پر قالین بچھے تھے اور ملک ملک کے مسافر وہاں بیٹھے اور آرام کر رہے

تھے۔ایک مسافر نے بڑے غور سے عنبر کی طرف دیکھا۔عنبر نے اسے نہ دیکھا۔

وہ گھوڑے پر سے اشرفیوں کا تھیلا اتار کر کندھے پر رکھ رہا تھا۔وہ تھیلا لے کر اوپر اپنی کوٹھڑی میں آ گیا۔اس کی کوٹھڑی کی کھڑکی سمندر کی طرف کھلتی تھی جہاں سے بڑی تروتازہ ہوا اندر آ رہی تھی۔وہاں گرمی بھی نہیں تھی اور ہوا کی وجہ سے مچھر بھی غائب تھے۔عنبر نے کوٹھڑی میں داخل ہونے کے بعد دروازہ اندر سے بند کر لیا اور اشرفیوں کے تھیلے کو اپنی لکڑی کی کھاٹ کے نیچے رکھ کر اوپر قالین ڈال دیا۔

اس کام سے فارغ ہو کر اس نے منہ ہاتھ دھویا۔تازہ دم ہو کر دوسرے کپڑے تبدیل کیے اور دروازے کو باہر سے تالا لگا کر نیچے عورت کے پاس آ کر کھانا طلب کیا۔سرائے کی مالکہ نے اسے

طوطوں کا بھنا ہوا گوشت کھلایا اور کہنے لگی۔

"کبھی زندگی میں تم نے ایسا گوشت کھایا ہے؟"۔

عنبر نے کہا:

"بی بی میں نے ایسے ایسے جانوروں کے گوشت کھائے ہیں کہ اگر تم دوسری بار بھی جنم لے کر اس دنیا میں آ جاؤ تو ان جانوروں کے گوشت سے بنے ہوئے کھانوں کا تصور بھی نہیں کر سکتیں۔تم مجھے شاید کوئی بھکاری سمجھ رہی ہو اور میں ایک بادشاہ تھا۔۔۔ہاں کبھی ایک بادشاہ تھا"۔

یہ بات سن کر بوڑھی عورت اس زور سے کھلکھلا کر ہنسی کہ کئی مسافر گردنیں گھما کر اس کی طرف دیکھنے لگے اور پھر وہ بھی ہنس پڑے۔وہ سمجھے کہ شاید سرائے کی مالکہ نے کوئی دلچسپ مذاق کیا ہے یا پھبتی کسی ہے۔عنبر اپنی جگہ پر خموشی سے بیٹھا رہا۔اس نے نہ ہاں کی اور نہ نہ کی۔

بوڑھی عورت کہنے لگی:

''بہر حال جو بھی ہے تم ایک اچھے نوجوان لگتے ہو۔ میں تمہیں اچھا سمجھتی ہوں۔اس لیے ہمیں ایک دوسرے کی عزت کرنی چاہیے۔ میں تمہاری بہت عزت کرتی ہوں بلکہ میں تمہیں ایک ڈاکو نہیں کہوں گی۔ جب تک تم نے نہا دھو کر کپڑے نہیں بدلے تھے۔ میں یہی سمجھ رہی تھی کہ تم بھی کوئی ٹھگ یا ڈاکو ہی ہو۔شکر ہے کہ میرا اندازہ غلط نکلا۔ جب میں کسی شخص کو ڈاکو کے روپ میں دیکھتی ہوں تو مجھے بڑا صدمہ ہوتا ہے۔عورت کا یہ مقام نہیں کہ وہ جگہ جگہ ڈاکے ڈالتی پھرے۔۔۔مرد کو بھی ڈاکو کی زندگی زیب نہیں دیتی کچھ اور کھاؤ گے؟''۔

عنبر بولا:

''نہیں بڑی بی' میں سفر کا تھکا ہوا ہوں۔ مجھے نیند آ رہی ہے۔

اوپر چل کر سوتا ہوں۔صبح تم سے باتیں ہوں گی''۔

عنبر بوڑھی عورت کو شب بخیر کہہ کر اوپر اپنی کوٹھڑی میں آ گیا۔تالا کھول کر وہ کوٹھڑی کے اندر داخل ہوگیا۔اس نے دروازے کو دوبارہ اندر سے تالا لگا دیا۔سب سے پہلے اس نے اشرفیوں کی تھیلی کو دیکھا۔ وہ اپنی جگہ پر موجود تھی۔پھر وہ قالین پر لیٹ کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔

کسی وقت رات کو اسے نیند آ گئی۔

سویرے وہ کوٹھڑی کو تالا لگا کر ناشتہ کرنے سرائے کی مالکہ کے پاس آ گیا۔بوڑھی عورت زیتون کے تیل میں مچھلی تل رہی تھی اور قہوہ بنا رہی تھی۔عنبر نے اسے صبح کا سلام کیا اور مچھلی کھائی۔پھر قہوہ پینے لگی۔

بڑی بی نے پوچھا:

”تم یہاں سے کہیں باہر جاؤ گے یا اسی شہر میں کچھ دیر رہنے کے بعد واپس اپنے شہر چلے جاؤ گے؟“

عنبر نے کہا:

”بڑی بی! بات اصل یہ ہے کہ میں یہاں سے ملک جاپان جانا چاہتا ہوں۔ تم مجھے بتا سکتی ہو کہ یہاں سے جاپان کی طرف کوئی جہاز کب جائے گا؟“۔

سرائے کی مالکہ نے غور سے عنبر کو دیکھا اور کہا:

”تم جاپان کیا لینے جا رہے ہو؟ کیا وہاں تمہارا کوئی رشتے دار ہے یا تم یوں ہی سیر کرنے کے لیے وہاں جا رہے ہو؟“۔

عنبر نے قہوے کا ایک گھونٹ پینے کے بعد کہا:

”بڑی بی! میں تمہیں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ میں ایک سوداگر ہوں اور جڑی بوٹیوں کا کاروبار کرتا ہوں۔ میں اپنی تجارت کے سلسلے

میں جاپان کا چکر لگا رہا ہوں۔ تم مجھے صرف اتنا بتا دو کہ یہاں سے جاپان کو جہاز کب جایا کرتے ہیں؟“۔

سرائے کی مالکہ نے کہا:

"یہاں سے کوئی بھی جہاز تیار ہو کر جاپان نہیں جاتا۔۔کالی کٹ کی بندرگاہ یہاں سے بہت دور ہے۔اس بندرگاہ سے چل کر تجارتی جہاز یہاں آتے ہیں جو یہاں سے مسافروں کو لے کر جاپان کی طرف کوچ کر جاتے ہیں"۔

عنبر نے کہا:

"بس میں تم سے یہی پوچھنا چاہتا تھا کہ کالی کٹ سے جاپان کو جانے والا جہاز کب اور کس وقت یہاں آئے گا؟"۔

بڑی بی اپنا کالا جبڑا کھول کر مسکرائی اور کہنے لگی:

"ایک جہاز مہینہ ہوا چلا گیا ہے۔اب دوسرا جہاز اسی مہینے کسی وقت آ کر یہاں لگے گا۔تم اس جہاز پر سوار ہو کر جاپان جا سکو گے۔لیکن اس کے لیے تمہیں یہاں کے ایک بیوپاری سے مل کر اجازت نامہ پہلے ہی سے لے لینا ہوگا"۔

عنبر نے پوچھا۔

"وہ بیوپاری مجھے کہاں ملے گا؟"۔

سرائے کی مالکہ نے کہا:

"میں ابھی اسے بلوائے دیتی ہوں۔تم یہاں آرام کرو"۔

بڑی بی نے اسی وقت ایک لڑکے کو بیوپاری کی طرف دوڑایا۔عنبر قریب ہی زمین پر بچھے ہوئے قالین پر لیٹ کر آرام کرنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد لڑکے کے ساتھ ایک موٹا سا آدمی آ گیا۔اس نے سراء

کی مالکہ کو سلام کیا اور پوچھا:

''بڑی بی' تم نے مجھے بلا بھیجا ہے۔کیا بات ہے؟''۔

سرائے کی مالکہ نے عنبر سے بیوپاری کو ملایا۔عنبر نے بیوپاری کو بتایا کہ وہ جاپان جانے کا ارادہ رکھتا ہے۔

بیوپاری نے کہا:

''کیا تمہارے پاس ایک ہزار سونے کی اشرفیاں ہیں؟ یہاں سے جاپان جانے کا کرایہ ایک ہزار سونے کی اشرفیاں ہیں''۔

عنبر نے کہا:

''ہاں میرے پاس ایک ہزار اشرفیاں موجود ہیں''۔

بیوپاری نے کہا:

''تو پھر تم جا سکتے ہو۔تمہیں رقم ابھی جمع کرا دینی ہوگی۔پھر میں تمہیں اجازت نامہ لکھ کر دے دوں گا۔تم جہاز پر سفر کر سکو گے''۔

عنبر نے پوچھا:

''جہاز کب آئے گا اور یہاں سے چل کر اپنی منزل پر کب پہنچے گا''۔

بیوپاری بولا:

''جہاز کالی کاٹ سے ٹھیک سات دن بعد یہاں پہنچ رہا ہے۔وہ دور دراز یہاں ٹھہر کر یہاں سے تجارتی سامان اپنے اوپر رکھے گا اور پھر جاپان کی طرف روانہ ہو جائے گا۔یہ جہاز موسم اچھا رہا تو ایک مہینے کے سمندری سفر کے بعد جاپان پہنچ جائے گا''۔

عنبر نے کہا:

''بہت خوب' آپ اپنی جگہ بیٹھیں۔میں ابھی اوپر سے اشرفیاں لا کر آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں''۔

بیوپاری بولا:

"ٹھیک ہے اگر تم رقم ادا کر دو گے تو میں ابھی تمہیں سفر کا اجازت نامہ لکھ کر دے دوں گا"۔

عنبر بیوپاری کو سرائے کی مالکہ کے پاس چھوڑ کر اوپر اپنی کوٹھڑی میں آ گیا۔ دروازہ کھول کر وہ اندر گیا اور جس جگہ اس نے سونے کی اشرفیوں کا تھیلا رکھا تھا وہاں سے کپڑا اپرے ہٹایا تو وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔

کسی نے اس کا اشرفیوں سے بھرا ہوا تھیلا چوری کر لیا تھا۔ عنبر دھک سے رہ گیا۔ یہ اس کے لیے ایک بہت بڑا صدمہ تھا۔ وہ جلدی سے نیچے آ گیا۔ اس نے سرائے کی مالکہ سے کہا کہ کسی نے اس کی اشرفیاں چوری کر لی ہیں۔ سرائے کی مالکہ نے ایک قہقہہ لگایا اور کہا:

"تم جھوٹ بولتے ہو۔ تم ایک بھکاری ہو۔ مجھے پہلے ہی تم پر شک تھا۔ میری سرائے میں آج تک کبھی کسی کی چوری نہیں ہوئی۔ تم

میری سرائے کو بدنام کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔۔۔ میں ابھی تمہیں سپاہیوں کے حوالے کرتی ہوں"۔

عنبر تو ہکا بکا رہ گیا کہ یہ سرائے کی مکار مالکہ الٹا اسے ڈانٹ رہی ہے۔ جہاز کا بیوپاری یہ سن کر کہ عنبر کے پاس رقم نہیں ہے ہنستا ہوا واپس چلا گیا۔

عنبر نے سرائے کی مالکہ سے کہا:

"میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے خود اپنے ہاتھوں سے اشرفیوں سے بھرا ہوا تھیلا کوٹھڑی میں ایک جگہ چھپا رکھا تھا۔ میں جھوٹ نہیں بول رہا۔ میں سچ کہہ رہا ہوں"۔

بڑی بی نے کہا:

"بکواس بند کرو۔ تم جھوٹے ہو۔ مکار ہو۔ فریب کر رہے ہو۔ تم نے ابھی میری سرائے کا کرایہ اور کھانے کے پیسے بھی دینے ہیں۔

میں تمہیں یہاں سے بھاگنے نہیں دوں گی‘‘۔

اس نے تالی بجائی۔ ایک ہٹا کٹا حبشی وہاں آیا اور اس نے عنبر کے سر پر زور سے مکا مارا اور سرائے کی مالکہ کے اشارے پر اسے گھسیٹتا ہوا ایک کوٹھڑی میں لے گیا اور اندر بند کر کے باہر سے تالا لگا دیا۔ عنبر دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو پکڑ کر بیٹھ گیا۔ یہ بیٹھے بٹھائے اسے ایک نئی مصیبت کا سامنا کرنا پڑ گیا تھا۔ کاش وہ اس سرائے میں کبھی نہ آتا۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ اس کے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہیں تھی کہ سرائے کی رقم ہی ادا کر سکتا۔

جاپان جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اسے یہ غم نہیں تھا کہ وہ قید ہے۔ قید سے تو وہ جس وقت چاہے نکل سکتا تھا مگر سوال یہ تھا کہ اب وہ جاپان کیسے جائے گا؟ اپنی بہن شگفتا سے کیا گیا وعدہ کیسے پورا کرے گا؟

وہ سرائے سے نکلنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ سرائے سے نکل کر وہ کہاں جائے؟ ایک اجنبی شہر کی دربدری سے تو کہیں بہتر تھا کہ وہ سرائے کی کوٹھڑی میں پڑا رہے۔

بھوک پیاس کا اسے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ سرائے کی مالکہ نے شام تک اسے کھانے کو کچھ بھی نہ بھیجا۔ رات آ گئی۔ عنبر وہیں زمین پر لیٹ کر سو گیا۔ آدھی رات کو دروازہ کھلا اور سرائے کی مالکہ اپنے حبشی غلام کے ساتھ اندر آئے اس نے عنبر کو جگا کر کہا:

’’اگر تم چاہتے ہو کہ میں تم سے اپنے پیسے وصول نہ کروں تو مجھے تمہارے پاس جو جادو ہے وہ بتا دو‘‘۔

☆ کیا عنبر نے سرائے کی مالکہ کو جادو بتایا؟

☆ عنبر جاپان میں کن حالات میں گیا؟

☆ شگفتہ سے اس کی ملاقات کہاں ہوئی؟

☆ سمندری ڈاکوؤں کا جہاز شگفتہ کو لے کر کہاں پہنچا؟

☆ ان سب سوالوں کا جواب آپ اسی مسلسل ناول کی

38 ویں قسط "زرد لاش" میں پڑھے گا۔

زرد لاش
عنبر ناگ ماریہ ۔ قسط نمبر 38
اے حمید
princeofdhamp@urdufanz.com

فہرست

سنو پیارے بچو

عنبر کی اشرفیاں لوٹ لی جاتی ہیں۔ اسے رسیوں سے جکڑ کر سرائے کی قید میں کر دیا جاتا ہے۔

سرائے کی مالکہ عنبر سے ہمیشہ زندہ رہنے کا راز معلوم کرنا چاہتی ہے۔

عنبر اس کی قید سے نکل کر جاپان کی طرف بھاگتا ہے۔ وہ ایک شہر کی بندرگاہ میں چھپ کر جاپان جانے والے جہاز کا انتظار کر رہا ہے۔

ادھر بحری ڈاکو جزیرے کی تلاشی لیتے ہیں وہاں انہیں ہیرے جواہرات ملتے نہیں ملتے۔ سمندر میں پراسرار جہاز دکھائی دیتا ہے۔

کالا جادو

عنبر پریشان ہو گیا کہ اس مکار عورت کو کیا جواب دے۔

وہ بار بار عنبر سے پوچھ رہی تھی کہ بتاؤ تمہارے پاس کون سا جادو ہے۔ عنبر نے اسے بتایا کہ وہ جادوگر نہیں ہے بلکہ محض ایک سوداگر ہے۔ لیکن مکار سرائے کی مالکہ بھلا کب ماننے والی تھی۔ وہ بار بار یہی سوال کر رہی تھی کہ اگر عنبر نے کالے جادو کے بارے میں کچھ نہ بتایا تو وہ اسے جان سے مار دے گی۔ خیر اس دھمکی سے تو عنبر ڈرنے والا نہیں تھا۔ اس نے بوڑھی عورت سے کہا:

”ایک تو تمہاری سرائے سے میری اشرفیاں چوری ہو گئی ہیں۔۔۔ دوسرے تم نے مجھے نوکروں سے

ڈال دیا ہے اور تیسرے تم مجھ سے جادو کے بارے میں پوچھ پوچھ کر میری جان کھا رہی ہو۔ جب میں نے تمہیں ایک بار کہہ دیا ہے کہ مجھے کوئی جادو نہیں آتا تو تم یقین کیوں نہیں کرتیں؟"

مکار عورت ایک ڈائن کی طرح قہقہہ مار کر ہنسی:

"جھوٹے دغاباز۔ میں خوب جانتی ہوں۔ تم کالا جادو جانتے ہو۔ مجھے کالے جادو کی ایک مدت سے تلاش ہے۔ اگر تم نے مجھے کالے جادو کا علم نہ بتایا تو میں حبشی سے تمہاری گردن اڑوا دوں گی اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہوگی۔ بولو، کیا صلاح ہے؟"

عنبر بڑا پریشان ہو گیا کہ یہ کس بلا سے پالا پڑ گیا ہے۔ وہ اپنے آپ کو یونہی ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ تو بڑی خاموشی سے جہاز میں سوار ہو کر جاپان کی طرف روانہ ہو جانا چاہتا تھا۔ مگر مکار عورت اسے اکسا رہی تھی، اسے مجبور کر رہی تھی کہ وہ اپنا آپ ظاہر کر دے۔

یا شاید اس چالاک عورت نے سچ مچ عنبر کی آنکھوں میں کوئی پراسرار شے دیکھ لی تھی۔ عنبر نے آخری بار اس عورت کو سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا:

"بڑی بی، مجھے جانے دو۔ میں تم سے اپنی اشرفیوں کے بارے میں بھی کوئی شکایت نہیں کرتا۔ بس تم میرے راستے سے ہٹ جاؤ اور مجھے یہاں سے چلے جانے دو تاکہ میں کہیں محنت مزدوری کر کے کچھ روپیہ پیدا کروں جس سے تمہارا ابھی قرض چکاؤں اور بیوپاری سے جاپان جانے کا اجازت نامہ بھی حاصل کر لوں"۔

لیکن مکار بڑھیا کے سر پر تو کالے جادو کا بھوت سوار تھا۔ بولی:

"بک بک بند کرو۔ میں اس وقت تک تمہیں ہرگز ہرگز یہاں سے نہیں جانے دوں گی جب تک کہ تم مجھے کالے جادو کا راز نہیں بتا دیتے۔ یاد رکھو، تمہارے سر پر موت منڈلا رہی ہے۔ یہ حبشی جو خنجر

لیے کھڑا ہے صرف میرے ایک اشارے کا انتظار کر رہا ہے۔ بولو کیا
چاہتے ہو۔ موت یا زندگی“۔

اب عنبر کے صبر کا بند ٹوٹ گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ لاتوں کے بھوت
باتوں سے نہیں مانتے۔ اس کے دونوں ہاتھ بڑی مضبوط رسیوں سے
بندھے ہوئے تھے۔ اس نے خیال ہی خیال میں سلامبو کی لاش کا
تصور کیا۔ سلامبو کی لاش اس کی آنکھوں کے سامنے آ کھڑی ہوگئی۔
وہ مسکرا رہی تھی۔ اس کے دانتوں سے خون بہہ رہا تھا۔ یہ لاش صرف
عنبر کو نظر آ رہی تھی۔ سرائے کی مالکہ اور حبشی غلام اسے نہیں دیکھ سکتے
تھے۔ سلامبو نے عنبر سے پوچھا:

”تم یہاں کس مصیبت میں پھنسے ہوئے ہو عنبر؟“

عنبر نے مسکرا کر کہا:

”میں شگنتالا کی تلاش میں یہاں پہنچا تھا کہ اس سرائے میں میری

ساری کی ساری اشرفیاں چوری ہوگئیں۔ اب میں اس مکار عورت کی
قید میں ہوں۔ یہ مجھے بے حد تنگ کر رہی ہے کہ میں اسے کالے جادو
کے بارے میں کچھ نہیں جانتا“۔

سلامبو کی لاش نے خونخوار نظروں سے سرائے کی مالکہ کو دیکھا۔
سرائے کی مالکہ بڑی حیران ہوئی کہ یہ شخص کس سے باتیں کر رہا ہے۔
حبشی بھی حیران تھا۔ اس نے عنبر سے پوچھا:

”تم کس سے باتیں کر رہے ہو؟“

عنبر نے اس سوال کا کوئی جواب نہ دیا۔ سلامبو بولی۔

”یہ جو سرائے کی مالکہ ہے بڑی مکار اور قاتل عورت ہے۔ اس
نے جادو ٹونے کر کے کئی لوگوں کو مارا ہے۔ میں ابھی اس کی خبر لیتی
ہوں“۔

سلامبو کی لاش نے مکار عورت کے سامنے اپنے آپ کو ظاہر کر

دیا۔ مکار بڑھیا اور حبشی نے جس اپنے سامنے ایک کفن پوش زندہ لاش
کو کھڑے دیکھا تو ان کی خوف کے مارے چیخیں نکل گئیں۔ ان کے
پاؤں من من بھر کے ہو گئے۔ انہوں نے بھاگنا چاہا مگر بھاگ نہ
سکے۔

چہروں پر سفیدی آ گئی۔ سارا بدن خوف اور دہشت کے مارے
تھر تھر کانپنے لگا۔ سرائے کی مالکہ کا تو بہت برا حال تھا۔ آنکھیں
دہشت کے مارے پھٹی جا رہی تھیں۔ عنبر نے اسے اونچی آواز میں
کہا:

''بولو مکار عورت' اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟ تم نے جادو تعویذ کر
کے جن جن لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارا ہے۔ کیا میں ان سبھوں کا
تم سے بدلہ لوں؟''۔

سرائے کی مالکہ کی زبان سے ایک لفظ بھی ادا نہیں ہو رہا تھا۔

سلامبو کی کفن پوش لاش کو اپنے سامنے دیکھ کر اس کی حالت بڑی
خراب ہو گئی تھی۔

اس پر جیسے سکتہ طاری ہو گیا تھا۔ وہ خود ایک لاش بن گئی تھی۔ مگر
اس نے عنبر کی بات اچھی طرح سن لی تھی۔ اس نے آہستہ سے ہاتھ
جوڑ دیے۔

سلامیو کی لاش نے عنبر سے کہا:

"مگر اب تم جاپان کیسے جاؤ گے؟ کیا میں تمہیں اٹھا کر جاپان
چھوڑ آؤں؟"۔

عنبر نے کہا:

"نہیں سلامیو بہن' میں ایک دم سے جاپان نہیں پہنچ جانا چاہتا میں

شکنتلا کو راستے میں بھی تلاش کرنا چاہتا ہوں۔ کیا خبر وہ کہیں راستے
میں ہی کسی جہاز پر سفر کرتی مل جائے۔ کیا خبر حالات کیسی شکل اختیار
کر لیں۔ اس لیے میرا جہاز میں دوسرے مسافروں کے ساتھ ہی سفر
کرنا بہتر ہے"۔

سلامیو بولی:

"یہ تو ٹھیک ہے عنبر بھائی' لیکن سوال یہ ہے کہ تمہارے پاس
اشرفیاں کہاں سے آئیں گی؟ اچھا میں اس کا بھی بندوبست کیے دیتی
ہوں"۔

سلامیو کی لاش نے ایک ہاتھ اوپر اٹھایا۔ پھر جب ہاتھ کو نیچے رکھا
تو زمین پر چھن کے ساتھ اشرفیوں کا ایک تھلا آن گرا۔

"یہ اشرفیاں تمہارے لیے کافی ہوں گی"۔

"سلامیو یہ تو بہت ہیں"۔

"سفر بھی بہت لمبا ہے عنبر، تم انہیں اپنے پاس رکھ لو۔ راستے میں کام آئیں گی۔ اچھا اب میں جاتی ہوں"۔

یہ کہہ کر سلامبو کی لاش غائب ہو گئی۔ کافی دیر بعد سرائے کی مالکہ اور حبشی کو ہوش آیا تو وہ عنبر کے قدموں پر گر پڑے۔

"ہمیں معاف کر دو بیٹے، ہمیں معاف کر دو"۔

عنبر نے کہا:

"میں نے تمہیں اسی وقت معاف کر دیا تھا جب سلامبو نے مجھے تمہارے بارے میں بتایا تھا کہ وہ تمہیں ہلاک کرنا چاہتی ہے۔ میں نے اسے منع کر دیا تھا۔ مگر تم بڑی مکار عورت ہو۔ یہ لو اپنی ایک رات کی اور کھانے کی اشرفیاں"۔

عنبر نے تھیلے میں سے دو اشرفیاں نکال کر بوڑھی عورت کے منہ پر ماریں اور کوٹھڑی سے باہر نکل آیا۔ مکار عورت اور حبشی غلام اسے

دیکھتے ہی رہ گئے۔ عنبر سرائے سے باہر آ کر سیدھا بیوپاری کے پاس گیا، اس وقت وہ گھر میں ہی تھا۔ بیوپاری کے گھر کا پتہ عنبر نے سرائے سے معلوم کر لیا۔ وہ یہ سمجھا کہ شاید عنبر اس سے ادھار پیسے مانگنے آیا ہے۔ عنبر بیوپاری کے پاس آ کر بولا:

"سیٹھ! میں تم سے ادھار پیسے لینے نہیں آیا، بلکہ تم سے جاپان جانے کا اجازت نامہ لینے آیا ہوں"۔

بیوپاری نے جھڑک کر کہا:

"ابے جا بھکاری کہیں کے، تو کیا اجازت نامہ لے گا۔ بول دو ہزار اشرفیاں کہاں سے لائے گا؟"۔

عنبر نے جیب سے دو ہزار اشرفیوں کی تھیلی نکال کر بیوپاری کے آگے رکھ دی۔

"یہ لو دو ہزار اشرفیاں اور جلدی سے مجھے اجازت نامہ لکھ کر اپنی

مہر اس پر لگا دو"۔

بیوپاری نے بڑا تعجب کیا کہ اس کے پاس اتنی دولت ایک دم کہاں سے آ گئی؟ اس نے اشرفیوں کو بڑے غور سے دیکھا۔ ٹھونک بجا کر پرکھا۔۔۔ بے حد خالص سونے کی اشرفیاں تھیں۔ ایسا خالص سونا بہت کم دیکھا تھا۔ اس نے مسکرا کر عنبر کی طرف دیکھا اور بولا:

"میاں صاحبزادے، تمہاری اشرفیاں تو چوری ہو گئی تھیں۔ پھر اتنی جلدی یہ رقم کہاں سے آ گئی؟"۔

عنبر نے کہا:

"میری رقم مجھے واپس مل گئی ہے سیٹھ صاحب، جلدی سے اب مجھے اجازت نامہ لکھ دو"۔

"ابھی لو میاں، ابھی لو۔ تم نے رقم ادا کر دی ہے۔ اب تو تمہیں اجازت نامہ ضرور ملے گا۔۔۔ ضرور ملے گا"۔

بیوپاری نے اندر سے اپنے منشی کو آواز دی اور کہا:

"جلدی سے عنبر کے نام کا ایک جاپان کے لیے اجازت نامہ بنا کر لے آؤ"۔

"بہت اچھا جناب"۔

نوکر اندر چلا گیا۔ بیوپاری نے عنبر سے ادھر ادھر کی باتیں شروع کر دیں۔

"یہ بتاؤ لڑکے کہ تم جاپان۔۔۔ اتنی دور کیا لینے جا رہے ہو؟ کیا تمہارا وہاں کوئی رشتے دار رہتا ہے؟ کیا تمہارا وہاں کوئی کاروبار ہے؟"۔

عنبر بولا:

"وہاں میرا کوئی رشتے دار نہیں ہے۔ وہاں میرا کوئی کاروبار بھی نہیں ہے"۔

"تو پھر وہاں کیا لینے جا رہے ہو؟"

عنبر نے کہا:

"سیر کرنے۔۔۔"

بیوپاری تعجب سے اچھل پڑا۔

"ارے یہ کیا کہہ رہے ہو؟ اتنی رقم خرچ کر کے تم اتنی دور محض سیر کرنے جا رہے ہو۔ نہیں نہیں میں نہیں مان سکتا۔ ضرور تم وہاں کسی کام پر جا رہے ہو"۔

عنبر ہنس کر بولا:

"تو پھر اصل بات یہ ہے کہ میں جڑی بوٹیوں کی سوداگری کرتا ہوں۔ میں سمندر پار جڑی بوٹیوں کی تلاش اور تجارت کے سلسلے میں جا رہا ہوں۔ بولو اب تمہارا کیا خیال ہے؟"۔ بیوپاری بولا:

"اب بڑا اچھا خیال ہے۔ سوداگری تو ایک بڑا عزت والا پیشہ ہے۔ میں خود پہلے گرم کپڑے کی تجارت کیا کرتا تھا۔ مگر ایک بار مجھے اس قدر نقصان ہوا کہ سارا کاروبار تباہ ہو گیا۔ اب جہازوں کے اجازت نامے لکھتا ہوں۔ چار پیسے مل جاتے ہیں۔ اچھا گزارا ہو رہا ہے"۔

عنبر نے پوچھا:

"یہ بتاؤ کہ جہاز میں کل کتنے مسافر ہوتے ہیں؟"۔

بیوپاری نے کہا:

"یہ جہاز عام طور پر چھوٹے ہوتے ہیں اور ان میں سو سوا سو سے زیادہ آدمی نہیں بٹھائے جاتے۔ مگر جس جہاز پر تم جاپان جاؤ گے اور جو کالی کٹ سے سیدھا یہاں آ رہا ہے۔ وہ ایک بڑا جہاز ہے۔ بلکہ میں یہ کہوں گا کہ اس سمندر میں چلنے والے تمام جہازوں سے بڑا جہاز ہے"۔

"خوب! اچھا یہ کب تک جاپان پہنچ جائے گا؟"۔

"یہی کوئی پندرہ بیس دن تو لگ ہی جائیں گے۔ اگر موسم خراب ہو گیا تو مہینہ بھی لگ جاتا ہے۔ مگر موسم خراب نہیں ہو گا۔ آج کل موسم بڑا خوشگوار رہتا ہے"۔

عنبر بولا:

"اچھا آپ یہ بتائیں کہ اس علاقے میں سمندری ڈاکوؤں کے جہاز بھی چلتے ہیں؟"۔

بیوپاری ایک بار پھر خوف سے اچھل پڑا۔

"ارے بھائی بھگوان کا نام لو۔ سمندری ڈاکوؤں کا نام لے کر تو تم نے مجھے ڈرا دیا ہے۔ ارے بھائی سمندری ڈاکو کہاں نہیں ہوتے وہ تو سارے سمندروں میں دندناتے پھرتے ہیں۔ ہاں کبھی کبھی ہندوستان کے ساحل پر بھی نکل آتے ہیں۔ لیکن قانونی بندرگاہوں پر وہ کبھی نہیں آتے بس آزاد اور گمنام ساحلوں پر ہی زیادہ ٹھہرتے ہیں"۔

عنبر نے کہا:

"یہاں سے بہت پیچھے ایک بندرگاہ ہے۔ وہاں سمندری ڈاکوؤں کے جہاز آ کر ٹھہرا کرتے ہیں"۔

بیوپاری نے کہا:

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ وہ ایک آزاد علاقہ ہے۔ وہاں کسی کی

حکومت نہیں۔ وہاں رہتے بھی سمگلر اور ڈاکو لوگ ہی ہیں۔ کیا تم وہاں گئے تھے؟"۔

عنبر نے کہا:

"میں ادھر ہی سے ہو کر آ رہا ہوں"۔

بیوپاری عنبر کا منہ تکنے لگا۔

"میاں تم آدمی ہو یا جن؟ جس جگہ کا نام لو وہاں سے تم پہلے ہی ہو کر آ رہے ہوتے ہو۔ بھائی تم وہاں کس لیے گئے تھے بھلا؟"۔

"سنا تھا کہ وہاں سے بھی جاپان کو جہاز جاتے ہیں"۔

"ارے بھائی، وہاں سے تو چور اچکے اور ڈاکو جاتے ہیں۔ کسی شریف آدمی کا وہاں کیا کام؟"۔

اتنے میں نوکر اجازت نامہ لے کر آ گیا۔ بیوپاری نے اجازت نامے پر اپنی انگوٹھی کی مہر لگائی اور عنبر کے حوالے کرتے ہوئے بولا:

"لو میاں' یہ رہا تمہارا اجازت نامہ۔ اب تم جہاز میں بڑی آسانی سے سوار ہو کر جاپان تک کا سفر کر سکتے ہو۔ لیکن بھائی' وہاں جا کر اگر ہو سکے تو میرے لیے سورج مکھی کے پھولوں کا تیل ضرور بھجوانا۔ سنا ہے وہاں یہ تیل بے حد خالص ملتا ہے"۔

"اچھا بھائی' میں کوشش کروں گا"۔

"ارے میاں، کوشش کیا کرنی ہے بس بھجوا دینا"۔

"کوشش کروں گا"۔

عنبر بیوپاری سے اٹھ کر جانے لگا تو بیوپاری نے پوچھا:

"بھائی' ابھی جہاز کے آنے میں چار روز باقی ہیں۔ یہ چار روز کیا سرائے میں رہو گے؟"۔

"نہیں"۔

"تو پھر کہاں رہو گے؟"۔

"سوچ کر بتاؤں گا"۔

بیوپاری نے عنبر کے پاس اشرفیوں سے بھرا ہوا تھیلا دیکھ لیا تھا۔

وہ چاہتا تھا کہ عنبر اس کے پاس ہی رہے تاکہ وہ اس سے کچھ اشرفیاں بٹور سکے۔ مگر عنبر اس کے پاس نہیں ٹھہرنا چاہتا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ کسی غریب آدمی کے گھر جا کر ٹھہرے اور اس کی مدد بھی کرے۔

سمگلروں کا بادشاہ

عنبر شہر کے غریب علاقے میں آ گیا۔

یہاں امیر لوگوں کے اونچے اونچے عالی شان مکان نہیں تھے۔ بلکہ غریب لوگوں کے کچے گھر تھے جن کی چھتیں بھی ٹوٹی ہوئی تھیں۔ عنبر نے دیکھا کہ ایک مکان کا دروازہ ٹوٹا پھوٹا سا تھا۔ اور ایک بوڑھا آدمی صحن میں بیٹھا پتھر پر آٹا پیس رہا ہے۔ عنبر نے دروازے میں کھڑے ہو کر بوڑھے کو سلام کیا۔ بوڑھے نے آٹا پیستے ہوئے سر

اٹھا کر عنبر کی طرف مسکرا کر دیکھا اور کہا:

”جیتے رہو بیٹا، بھگوان تمہاری عمر لمبی کرے“۔

عنبر نے کہا:

”بابا‘ کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟“۔

”آ جاؤ بیٹے‘ غریب کے گھر میں رکھا ہی کیا ہے“۔

عنبر بوڑھے کے اچھے اخلاق سے بڑا خوش ہوا۔ وہ صحن میں آ گیا۔ بوڑھے نے کہا:

”بیٹے‘ تم یہاں اجنبی لگ رہے ہو۔ کیا باہر سے آئے ہو؟“۔

عنبر نے کہا:

”ہاں بابا‘ میں ریاست بمبئی سار سے آ رہا ہوں اور آگے جاپان کی طرف جا رہا ہوں۔ میرے جہاز میں آنے میں ابھی چار دن باقی ہیں۔ اگر تم اجازت دو تو کیا میں تمہارے گھر دو چار روز کے لیے ٹھہر

سکتا ہوں؟“۔

بوڑھے نے مسکراتے ہوئے کہا:

”بیٹا‘ کسی کے گھر مہمان آئے تو یہ اس گھر والے کی خوش قسمتی ہے۔ میرے گھر کو تم اپنا ہی گھر جانو۔ بے شک جتنے دن رہنا چاہتے ہو شوق سے رہو۔ جو روکھی سوکھی میں اور میری بیٹی کھاتے ہیں تم بھی کھا لینا۔ افسوس کہ میں غریب آدمی ہوں۔ تمہاری زیادہ خدمت نہ کر سکوں گا“۔

عنبر نے کہا:

”ایسی کیا بات ہے بابا میں خود غریب آدمی ہوں۔ مجھے تمہارے غریب گھر میں رہ کر بڑی خوشی ہوگی“۔

اتنے میں باہر سے بابا کی بیٹی بھی آ گئی۔ اس نے سر پر خشک لکڑیوں کا گٹھا اٹھا رکھا تھا۔ بابا کے پاس عنبر کو دیکھ کر اس نے سلام

کیا۔ بابا نے کہا:

"بیٹی شگفتا! یہ ہمارا مہمان ہے"۔

عنبر نے چونک کر کہا:

"تو کیا اس لڑکی کا نام بھی شگفتا ہے؟"۔

بابا نے پوچھا:

"ہاں بیٹا، مگر تمہیں تعجب کیوں ہوا؟ شگفتا یہاں بڑا عام نام ہے"۔

عنبر نے کہا:

"وہ تو ٹھیک ہے بابا، لیکن شگفتا میری ایک بہن کا نام بھی ہے"۔

"کہاں رہتی ہے تمہاری بہن؟"۔

"بے چاری کھو گئی ہے۔ اسی کی تلاش میں جاپان جا رہا ہوں۔ اس کی ہی تلاش میں در بدر مارا مارا پھر رہا ہوں"۔

بابا نے کہا:

"بیٹے، مجھے افسوس ہے کہ تمہاری بہن تم سے جدا ہو گئی ہے۔ کاش میں تمہاری کوئی مدد کر سکتا۔ میری بیٹی شگفتہ کا خاوند بھی مر گیا ہے۔ یہ بے چاری بیوہ ہے۔ میری بڑی خدمت کرتی ہے۔ بڑی دکھی لڑکی ہے"۔

شگفتہ بہت نیک اور پاکیزہ لڑکی تھی۔ جوانی میں ہی بیوہ ہوگئی تھی اوراب باپ کی خدمت کر کے زندگی کے دن پورے کر رہی تھی۔ عنبر کو دونوں باپ بیٹی پر بڑا ترس آیا۔ اس نے کہا:

"بابا' تم اپنی کشتی کیوں نہیں بنا لیتے۔ کشتی بنا کر تم اسے کرایے پر دے سکتے ہو اور تم اور تمہاری بیٹی اس مزدوری اور محنت سے بچ سکتے ہو"۔

بابا بولا:

"بیٹا، تم تو راجے مہاراجوں کی باتیں کرتے ہو۔ بھلا کشتی بنانا کوئی آسان کام ہے۔ کچھ نہیں تو تین ہزار اشرفیاں چاہئیں ایک کشتی کے لیے، اور میرے پاس تو پھوٹی کوڑی تک نہیں ہے۔ سمندر کے کنارے جا کر بچی کچھی مچھلیاں پکڑ لاتا ہوں۔ اسے ہی بھون کر ہم دونوں کھا لیتے ہیں"۔

عنبر نے کہا:

"بابا' مجھ سے تم باپ بیٹی کی اس قدر غریبی نہیں دیکھی جاتی۔ میں ابھی بازار جا کر تمہارے لیے کچھ کھانے پینے کو خرید کر لاتا ہوں"۔

"نہیں بیٹا' اس کی کیا ضرورت ہو"۔

"بابا' تم چپکے بیٹھے رہو"۔

عنبر اٹھ کر شہر کے سب سے بڑے بازار میں آ گیا۔ یہاں کافی بھیڑ بھاڑ تھی۔ یہ شہر کا سب سے بڑا کاروباری بازار تھا۔ عنبر نے یہاں

سے کھانے پینے کی بے شمار چیزیں خریدیں۔ گوشت، پھل، سبزیاں، گھی، مسالے، نمک، مرچ، گھر کے لیے تخت پوش، چادریں، قالین غرضیکہ ہر شے خرید کر وہ بابا کے گھر لے آیا۔ ان لوگوں نے یہ تمام چیزیں دیکھیں تو حیران رہ گئے۔

بابا نے کہا:

بیٹا' یہ تم نے کس لیے تکلیف کی؟"۔

عنبر بولا:

"نہیں بابا' یہ میری خوشی کی بات ہے۔ مجھے خوشی ہوئی ہے کہ میں تمہارے اور اپنی بہن شکنتالا کے لیے یہ چیزیں خرید کر لایا ہوں"۔

شکنتالا نے بھی عنبر سے کہا:

"بھائی، تم نے اتنی ڈھیر ساری چیزیں کیوں خرید لیں؟ ہم تو بہت تھوڑے میں گزارا کرنے والے لوگ ہیں"۔

عنبر بولا:

"شکنتلا! بہن پھر ایسی بات نہ کہنا۔ تم مجھے اپنی بہن کی طرح پیاری ہو۔ بھائی جب اپنی بہن کو کوئی چیز لا کر دیتا ہے تو اسے خوشی ہوتی ہے۔ یہی خوشی مجھے ہوئی ہے"۔

عنبر نے بابا کے گھر میں رہنا شروع کر دیا۔ اس نے بابا کے گھر کا نیا دروازہ لگوایا۔ چھتوں اور دیواروں کی مرمت کروائی۔ سامان نیا لا کر سجایا۔ برتن نئے منگوائے۔ پھر دوسرے روز شام کو کھانے کے بعد بابا سے پوچھنے لگا:

"بابا' اگر تم ایک کشتی بنا کر کرائے پر دے دو تو تمہیں مہینے میں کتنی آمدنی ہو جائے گی؟"۔

بابا نے کہا:

"بیٹے ایک کشتی کا کرایہ اس وقت سوا اشرفی مہینہ اور ایک من مچھلی

لگتا ہے“۔

عنبر نے کہا:

”اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم لوگ ایک کشتی کے کرایے پر بڑی اچھی طرح سے گزارا کر سکتے ہو“۔

بابا نے کہا:

”ارے بیٹا، ہم تو آدھی کشتی کے کرایہ پر گزارا کر سکتے ہیں۔ ہمارے لیے ایک سو اشرفی ماہوار اور ایک من مچھلی ماہوار بہت دولت ہے“۔

عنبر نے کہا:

”اور اگر بابا تمہارے پاس دو کشتیاں ہوں تو پھر کیسا رہے؟“۔

بابا ہنس کر بولا:

”ارے بیٹا، کیوں ایک غریب بوڑھے سے مذاق کر رہے ہو۔

بھلا ہماری یہ قسمت ہے کہ ہم دو کشتیوں کے مالک بن سکیں۔ بس جیسے گزارا ہو رہا ہے خدا کا شکر ہے“۔

عنبر خاموش ہو گئے۔ اسی طرح چار روز گزر گئے عنبر بیوپاری کے ہاں یہ پوچھنے گیا کہ کالی کٹ سے بادبانی جہاز کب آ رہا ہے۔ اس کا گزر اتفاق سے بازار سے ہوا۔ جہاں سرائے کی کالی کلوٹی مالکہ چبوترے پر بیٹھی گاہکوں کے لیے مچھلی بنا رہی تھی۔ عنبر اس کے سامنے جا کھڑا ہوگا۔

”بڑی بی سلام“۔

سرائے کی مالکہ کے ہاتھ سے مچھلی نیچے گر پڑی۔ اس کا کالا رنگ زرد ہو گیا۔ آنکھیں پتھرا گئیں اور وہ بت بنی عنبر کو تکتی ہی رہ گئی۔ عنبر نے قریب جا کر اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لے جا کر دو چار بار ہلایا اور پھر مسکرا کر کہا:

"کیوں بڑی بی، یہ بیٹھے بیٹھے تم پتھر کیوں بن گئیں؟"۔

سرائے کی مالکہ اٹھ کر ایک دم اندر بھاگ گئی۔

عنبر مسکراتا ہوا وہاں سے آگے چل دیا۔ بیوپاری گھر پر نہیں تھا۔ عنبر باہر لکڑی کے تخت پر بیٹھ کر بیوپاری کا انتظار کرنے لگا۔ بیوپاری کا مکان بازار کے چوک میں تھا۔ وہاں بڑی رونق تھی۔ ہر قسم کے لوگ آ جا رہے تھے۔ ان میں چینی بھی تھے۔ جاپانی بھی تھے۔ افریقی بھی تھے اور جاوا سماٹرا کے بھی تھے۔ عورتیں بھی تھیں اور بچے بھی تھے۔ عنبر نے دیکھا کہ ایک امیر آدمی جس نے گلے میں سونے کا لاکٹ پہن رکھا ہے اور لباس ریشم کا ہے۔ دور سے ایک حبشی غلام کو

بری طرح مارتا چلا آ رہا ہے۔

غلام زنجیروں میں جکڑا ہوا بار بار ہاتھ جوڑ رہا تھا۔

لوگ اس امیر آدمی کو دیکھ کر پرے پرے ہٹ گئے۔ کچھ لوگ جھک گئے اور کچھ سجدوں میں گر پڑے۔ عنبر نے ایک آدمی سے پوچھا:

''یہ شخص کون ہے؟''۔

اس آدمی نے حیرانی سے عنبر کو دیکھا۔

''کیا تم اسے نہیں جانتے؟''۔

عنبر بولا:

''بھائی! میں اس شہر میں اجنبی ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ یہ شخص کون ہے اور اس حبشی بے چارے کو کیوں مار رہا ہے؟''۔

اس آدمی نے کہا:

''میاں! یہ شخص اس علاقے میں سمگلروں کا بادشاہ ہے۔ اس کے

آگے کسی کو دم مارنے کی جرات نہیں۔ اس کے اپنے جہاز چلتے ہیں۔ شہر سے باہر اس کا عالیشان محل ہے''۔

عنبر نے کہا:

''لیکن یہ بے چارے حبشی کو اس بری طرح سے کیوں پیٹ رہا ہے۔ کیا یہ اس کا غلام ہے؟''۔

اس آدمی نے کہا:

''ہاں بھائی! یہ شخص سمگلروں کے بادشاہ کا غلام ہے۔ اس کی عادت بن گئی ہے کہ یہ ہر سال آج کے دن دیوی دیوتاؤں کے نام پر اپنا ایک خاص غلام قربان کر کے سمندر میں پھینکتا ہے۔ آج اس غلام کی باری تھی جسے وہ سمندر کنارے قریب کرنے کے کھینچے لیے جا رہا ہے''۔

عنبر کو غلام پر بڑا ترس آیا۔ وہ بڑا حیران ہوا کہ ہندوستان میں

ابھی تک انسانوں کی قربانی دی جاتی تھی۔ سمگلروں کا بادشاہ اب
چوک میں آ گیا تھا۔ اس کے نوکر بے چارے مریل سے حبشی غلام کو
کھینچتے ہوئے چلے آ رہے تھے۔ عنبر بھی ان کے ساتھ ہو لیا۔ یہ جلوس
شہر سے باہر سمندر کے کنارے ایک جگہ جا کر رک گیا۔ یہاں ایک
پتھر کا چبوترہ بنا تھا۔ سمگلروں کے بادشاہ آسمان کی طرف اٹھا کر کہا:

"اے مقدس دیوی دیوتاؤ، تم میرے گواہ رہنا۔ میں آج اپنی
دولت میں سے تمہارے نام پر ایک غلام قربان کر رہا ہوں۔ اس کے
بدلے تم مجھے اور دولت دو۔ تاکہ میں زیادہ غلام قربان کر سکوں"۔

لوگوں نے سمگلروں کے بادشاہ کے حق میں نعرے لگائے۔
نوکروں نے حبشی غلام کو زبردستی چبوترے پر لٹا دیا۔ سمگلروں کا بادشاہ
تلوار لے کر اس کے سر کے پاس کھڑا ہو گیا۔ بے چارے حبشی کی
جان خشک ہو گئی۔ وہ رو رو کر فریاد کر رہا تھا کہ اس کی جان بخشی کی

جائے۔ مگر وہاں اس کی سننے والا کون تھا۔ وہاں تو سب کے سب اس
کے دشمن تھے۔ لیکن عنبر نے اس حبشی غلام کو بچانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔
اس نے آنکھیں بند کر کے سلامبو کو یاد کیا اور اسے آہستہ سے آواز
دی:

اچانک سلامبو کی لاش اس کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔

"کیا بات ہے عنبر؟ تم نے مجھے کیوں یاد کیا؟"۔

عنبر نے کہا:

"سلامبو! تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ میں نے تمہیں اپنی مدد
کے لیے بہت کم یاد کیا ہے۔ اس وقت میں نہیں بلکہ ایک غریب
مصیبت کا مارا غلام مشکل میں ہے۔ اس کی جان پر بنی ہوئی ہے۔ یہ
لوگ اسے قتل کر رہے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اس کی جان بچا
لو۔۔۔ وہ دیکھو بے چارے حبشی کو قتل کرنے کے لیے چبوترے پر لٹایا

جا چکا ہے"۔

سلامبو کی لاش نے دیکھا کہ چبوترے پر ایک حبشی غلام کو زبردستی لٹا دیا گیا تھا اور اس کے سر پر ایک آدمی تلوار لیے کھڑا منہ ہی منہ میں منتر پڑھ رہا تھا۔ بس وہ اسے قتل کرنے ہی والا تھا۔ عنبر نے کہا۔

"سلامبو" جلدی سے اسے بچا لو۔ نہیں تو یہ ظالم اسے مار ڈالے گا"۔

سلامبو نے مسکرا کر کہا:

"عنبر تم ذرا تماشہ تو دیکھو کہ کیا ہوتا ہے"۔

سمگلروں کے بادشاہ نے منتر پڑھنے کے بعد آنکھیں کھول دیں اور تلوار اوپر اٹھا کر حبشی کی گردن پر چلانے ہی لگا تھا کہ اچانک تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر پڑی۔ حبشی اٹھ کر بیٹھ گیا اور سمگلروں کا بادشاہ پتھر بن گیا۔

وہ جس حالت میں کھڑا تھا اسی حالت میں کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔

لوگوں میں شور مچ گیا کہ سمگلروں کا بادشاہ پتھر بن گیا ہے۔ حبشی حیرانی کے عالم میں یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

سمگلروں کے بادشاہ کو لوگوں نے ہاتھ لگا کر، ہلا جلا کر دیکھا۔ وہ بالکل پتھر کا بت بن چکا تھا۔ سمگلروں کے بادشاہ کے ایک غلام نے غصے میں آ کر حبشی پر تلوار مارنی چاہی۔ اس کے ہاتھ سے بھی تلوار چھوٹ کر دور جا گری اور وہ بھی پتھر کا بت بن گیا۔ تیسرے غلام نے حملہ کیا تو وہ بھی پتھر کا بن گیا۔ اب تو وہاں کہرام مچ گیا۔ حبشی اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور سہمی ہوئی نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ وہ حیران تھا کہ یہ سب کچھ کیسے ہو گیا۔

لوگوں کا دماغ ایک دم پلٹ گیا۔ انہوں نے حبشی کے حق میں نعرے لگانے شروع کر دیے۔ وہ یہ سمجھے کہ حبشی کوئی دیوتا ہے جو غلام

کے روپ میں وہاں آیا ہے۔ لوگوں نے حبشی کو پھولوں کے ہاروں
سے لاد دیا اور اسے ایک پالکی میں بٹھا کر مندر لے گئے۔ سلامبو کی
لاش نے ہنس کر عنبر سے کہا:

"کہو کیسا رہا تماشہ؟ تم چاہتے تھے کہ حبشی کی جان بچ جائے۔
میں نے اسے آدمی سے دیوتا بنا دیا ہے۔ بس اب اگر اس نے کوئی
غلطی نہ کی تو ساری زندگی عیش کرے گا۔ اچھی سے اچھی خوراک
کھائے گا اور مزے سے سوتا رہے گا۔ اب میں جا رہی ہوں۔۔۔"

اتنا کہہ کر سلامبو غائب ہو گئی۔

عنبر کو بڑی خوشی ہوئی کہ اس نے ایک بے گناہ انسان کو قتل ہونے
سے بچا لیا ہے۔ وہاں سے وہ واپس چوک میں بیوپاری کے گھر آ
گیا۔ موٹا بیوپاری واپس آ چکا تھا۔ عنبر نے اس سے جہاز کے
بارے میں پوچھا تو وہ بولا:

"میاں، تم جہاز کو رو رہے ہو یہاں انسان کے روپ میں دیوتا
زمین پر آنا شروع ہو گئے ہیں۔ ابھی ابھی جو کچھ ہوا تمہیں پتا چلا؟"۔

"کیا ہوا؟" عنبر نے انجان بن کر پوچھا۔

"میاں، سمگلروں کا بادشاہ اپنے ایک غلام کی قربانی کرنے والا تھا
کہ حبشی دیوتا نکل آیا۔ وہ پتھر بن کر سمندر کے کنارے کھڑا ہے اور
لوگ اسے دیکھنے چلے آ رہے ہیں"۔

عنبر بولا:

"ارے ہاں میں نے بھی سنا ہے۔ بھئی دیوتا لوگ بھی تو زمین پر آ
کر سیر کرنا چاہتے ہیں۔ اچھا یہ بتاؤ کہ جہاز کب آ رہا ہے؟"۔

"جہاں؟ ہاں۔۔۔ میاں جہاز آج رات کسی وقت یہاں پہنچ
جائے گا۔ بس تم تیار رہو"۔

عنبر واپس بابا کے گھر آ گیا۔ رات اس نے بڑے سکون سے بسر

کی۔ صبح صبح وہ اٹھ کر سمندر کنارے گیا تو وہاں ایک تجارتی جہاز کھڑا تھا۔ وہ ایک کافی بڑا جہاز تھا اور اس کے مستول پر رنگ برنگے جھنڈے لہرا رہے تھے۔ عنبر جہاز کو دیکھ کر بے حد خوش ہوا اور واپس گھر کی طرف چل پڑا۔

سنہری عورت

گھر آ کر عنبر نے بابا سے کہا:

''بابا' میرا جہاز آ گیا ہے۔ میں جا رہا ہوں۔ لیکن جانے سے پہلے میں تمہارا اور بہن شکنتلا کا بہت بہت شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ کہ تم لوگوں نے میری جس طرح خدمت کی ہے میں اس کا بدلہ نہیں چکا سکتا۔ پھر بھی میں یہ معمولی سی رقم آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں''۔

اور عنبر نے پانچ ہزار اشرفیوں سے بھرا ہوا تھیلا بابا کے سامنے رکھ
دیا:
"یہ پانچ ہزار اشرفیاں ہیں بابا۔ ان سے تم دو کشتیاں خرید کر
کرائے پر چڑھا سکتے ہو اور اپنے لیے نیا مکان بھی بنوا سکتے ہو"۔
بابا اور شگفتہ تو خوشی سے حیران رہ گئے۔ بابا نے کہا:
"بیٹا، تم ہمارے لیے جو کر رہے ہو، ہم اس لائق تو نہیں۔ یہ تو
۔۔۔بہت بڑی رقم ہے بیٹا"۔
عنبر نے کہا:
"تمہاری مہمان نوازی کو دیکھتے ہوئے یہ رقم بہت تھوڑی ہے
بابا، اسے تم اپنے پاس رکھ لو"۔
شگفتہ بولی:
"بھائی، ہم اس قابل نہیں ہیں۔ ہم تمہارے اتنے بڑے احسان

کا بدلہ نہیں اتار سکتے"۔
عنبر نے کہا:
"شگفتہ بہن، تم میری بہن ہو۔ ایک بھائی کو اجازت دو کہ وہ
اپنی بہن کی خدمت کر سکے۔ تمہیں تمہارے خدا کی قسم ہے کہ اسے اٹھا
کر اپنے پاس رکھ لو"۔
انہیں مجبوراً وہ رقم اٹھانی پڑی۔
"اچھا خدا حافظ' زندگی رہی تو پھر بھی کبھی ملنے ضرور آؤں گا۔ خدا
سے دعا کرنا کہ میری بہن مجھے مل جائے"۔
شگفتہ اور بابا نے کہا:
"خدا کرے کہ تمہیں تمہاری بہن مل جائے۔ ہماری نیک
دعائیں تمہارے ساتھ ہوں گی"۔
عنبر بابا کے گھر سے رخصت ہو کر سمندر کے کنارے آ گیا۔

جہاز سمندر میں، کنارے سے ذرا ہٹ کر کھڑا تھا۔ اس کا لنگر پانی میں ڈوبا ہوا تھا اور چھوٹی چھوٹی کشتیاں جہاز پر سامان لاد رہی تھیں۔ ایک جگہ سمندر کے کنارے کچھ لوگ بیٹھے کاغذات کی پڑتال کرنے کے بعد جہاز پر سفر کرنے والے مسافروں کو ایک کشتی میں بٹھا رہے تھے۔ عنبر نے بھی جیب سے اجازت نامہ نکالا اور وہاں جا کر پیش کر دیا۔ اجازت نامہ دیکھنے کے بعد عنبر کو بھی دوسرے مسافروں کے ساتھ کشتی میں سوار کروا دیا۔ جب دونوں کشتیاں مسافروں سے بھر گئیں تو وہ لوگ کپڑے جھاڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ خود بھی کشتیوں میں بیٹھ گئے اور کشتیاں جہاز کی طرف سمندر کی لہروں پر روانہ ہو گئیں۔ جب وہ جہاز کے نیچے پہنچیں تو اوپر سے رسیوں کی سیڑھیاں لٹکا دی گئیں۔ مسافر ایک ایک کر کے اوپر چڑھنا شروع ہو گئے۔

عنبر بھی جہاز پر سوار ہو گیا۔ عرشے کے تختے پر آ کر اس نے دیکھا

کہ جہاز کافی کھلا کھلا تھا۔ کیبن بڑے اچھے تھے۔ بادبانوں کا کپڑا بھی عمدہ اور مضبوط تھا۔ چرخی پر پیتل کے بٹن لگے تھے۔ جہازی ادھر ادھر کام کرتے پھر رہے تھے۔

عنبر نے اپنے لیے ایک کیبن لے لیا تھا۔ اس کے واسطے اسے پانچ سو اشرفیاں زیادہ ادا کرنی پڑی تھیں۔ اب اس کے پاس چھ سات ہزار اشرفیاں باقی رہ گئی تھیں جو اس کے لیے کافی تھیں۔

جہاز اگلے روز صبح کے وقت روانہ ہونے والا تھا۔

عنبر کیبن میں آ کر بستر پر لیٹ گیا اور شگفتا کے بارے میں سوچنے لگا کہ جانے بے چاری اس وقت کہاں ہو گی۔ ڈاکو اور ٹھگ اس کے ساتھ کیا سلوک کر رہے ہوں گے۔ اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی۔ عنبر نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ اس کے سامنے ایک بڑی خوبصورت عورت سر پر سنہری ہار لپیٹے کھڑی مسکرا رہی تھی۔

"آپ کا نام عنبر ہے ناں"۔

عنبر نے کہا:

جی ہاں' فرمایئے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"۔

سنہری عورت بولی:

"میں نے شہر میں آپ کی بہت تعریف سنی تھی۔ معلوم ہوا آپ جہاز میں ہیں تو سوچا کیوں نہ آپ سے ملاقات کر لوں میں اندر آ سکتی ہوں؟"۔

"تشریف لایئے"۔

سنہری عورت اندر آ کر بیٹھ گئی۔ عنبر نے محسوس کیا کہ عورت کی آنکھوں میں ایک خاص قسم کی عیاری چمک رہی تھی؛ بہر حال اسے اس سے کیا خطرہ ہو سکتا تھا۔ اگر سنہری عورت کے دل میں کھوٹ تھی تو نقصان اسی کا ہوتا تھا۔ عنبر کا وہ کیا بگاڑ سکتی تھی۔

سنہری عورت نے پوچھا:

"آپ بھی جاپان جا رہے ہیں؟"

عنبر بولا:

"جی ہاں۔۔۔اور آپ؟"۔

سنہری عورت نے کہا:

"خوش قسمتی سے میں بھی جاپان جا رہی ہوں۔ آپ کا ساتھ رہے گا"۔

عنبر نے پوچھا:

"آپ اکیلی سفر کر رہی ہیں کیا؟"

سنہری عورت کہنے لگی:

"جی ہاں۔۔۔جی نہیں۔۔۔"

عنبر بولا:

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ۔۔۔"

سنہری عورت کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ گھبرا رہی تھی۔ اس نے اٹھ کر بند دروازے میں سے باہر جھانک کر دیکھا اور پھر چپکے سے کرسی پر بیٹھ کر سر جھکا لیا۔

عنبر نے پوچھا۔

"بات کیا ہے؟ آپ پریشان کیوں ہیں؟ کیا آپ مجھے اپنی پریشانی بتائیں گی؟"۔

سنہری عورت نے ساڑھی کے پلو سے آنکھیں پونچھتے ہوئے کہا:

میری کہانی بڑی لمبی ہے۔ لیکن مختصر یہ ہے کہ میں ملک نیپال کے

ایک امیر ماں باپ کی بیٹی ہوں۔ ایک بار میں اپنی نوکرانی کے ساتھ
میلے پر جارہی تھی کہ ڈاکوؤں نے حملہ کر کے مجھے اغوا کرلیا۔ وہ مجھے اٹھا
کر چین لے گئے۔ وہاں سے تبت اور کشمیر سے ہوتے ہوئے
ہندوستان آ گئے۔ اب میں ان کے چنگل سے کسی طرح بھاگ کر اس
جہاز میں سوار ہو گئی ہوں۔ لیکن وہ میرے پیچھے لگے ہیں اور اس جہاز
پر ان کے دو ساتھی میرا تعاقب کر رہے ہیں۔

میں آپ کے پاس صرف اس لیے ہوں کہ آپ مجھے ان ظالموں
سے بچائیں گے؟

عنبر پر سنہری عورت کی کہانی کا بڑا اثر ہوا۔ وہ سچ مچ اسے دکھی
عورت معلوم ہونے لگی۔ اس نے یونہی اس کے بارے میں خیال کیا
کہ وہ عیار ہوگی۔ عنبر نے کہا:

"بی بی میں تمہاری ضرور مدد کروں گا۔ مگر جاپان جا کر تم ان

لوگوں سے کیوں کر بچ سکو گی۔ کیوں کہ وہاں تو میں تمہارے ساتھ
نہیں ہوں گا"۔

سنہری عورت بولی:

"جاپان کی بندرگاہ پر میرا ایک چچا ٹھیکیداری کرتا ہے۔ میں اس
کے پاس چلی جاؤں گی۔ جاپان پہنچ کر مجھے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں
ہوگی"۔

عنبر نے کہا:

"بہت خوب' کیا تم مجھے ان دو ڈاکوؤں کی شکلیں دکھا سکتی ہو جو
تمہارا پیچھا کر رہے ہیں؟"۔

سنہری عورت بولی:

"ہاں' وہ ابھی نیچے جا کر قہوہ پی رہے ہیں"۔

عنبر نے پوچھا:

”آخر وہ تم سے اب چاہتے کیا ہیں؟“۔

سنہری عورت نے کہا:

”حقیقت میں وہ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں کیونکہ میرے پاس ان کا راز ہے۔انہیں ڈر ہے کہ میں انہیں گرفتار کروادوں گی“۔

عنبر نے کہا:

”ٹھیک ہے‘ تم مجھے نیچے چل کر ان کی شکلیں دکھا دو“۔

سنہری عورت عنبر کو لے کر جہاز کے درمیانی حصے میں آ گئی۔ جہاں مسافر قہوے کی چھوٹی سی دکان کے باہر بیٹھے قہوہ پی رہے تھے۔

سنہری عورت نے ایک طرف اشارہ کرکے کہا:

”وہ جو دو سیاہ پگڑی والے آدمی بیٹھے قہوہ پی رہے ہیں وہی ڈاکو ہیں“۔

عنبر نے بڑے غور سے دونوں ڈاکوؤں کی طرف دیکھا۔انہوں

نے بھی سنہری عورت اور عنبر کو بڑے غور سے گھور کر دیکھا۔عنبر نے سنہری عورت سے کہا:

”تم میرے کیبن میں چلی جاؤ۔میں ابھی آتا ہوں“۔

سنہری عورت واپس عنبر کے کیبن میں چلی گئی۔عنبر وہیں بیٹھا تھا کہ دونوں ڈاکو اس کے پاس آ کر بیٹھ گئے۔ایک ڈاکو بولا:

”نوجوان‘ تم اس عورت کے معاملے میں نہ آؤ۔ہم جانیں اور ہمارا کام جانے۔بہتر ہے کہ تم خاموش رہو“۔

عنبر نے کہا:

”اک دکھی عورت نے مجھ سے مدد طلب کی ہے۔میرا یہ اخلاقی اور انسانی فرض ہے کہ میں اس کی مدد کروں اور اسے تم ایسے ظالم لوگوں سے بچاؤں۔اس لیے کان کھول کر سن لو کہ میں اس عورت کی ضرور مدد کروں گا۔تم اگر ساری زندگی بھی اس کے پیچھے لگے رہو تو

اب اس کا بال تک بیکا نہیں کر سکتے کیونکہ اب میں اس کے سامنے کھڑا ہوں"۔

دوسرے ڈاکو نے کہا:

"بھائی، تم کیوں خواہ مخواہ دوسرے کی مصیبت میں خود پھنس رہے ہو۔ تمہیں معلوم بھی ہے کہ وہ عورت کون ہے؟ بھگوان قسم بڑی مکار عورت ہے۔ تم جیسے ہزاروں مردوں کو ایک پل میں الو بنا کر رکھ دے"۔

عنبر نے کہا:

"جو کچھ بھی ہو۔ میں نے اسے بچانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اس لیے تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ یہاں سے تو دو گیارہ ہو جاؤ۔ ابھی

اسی وقت جہاز پر سے اتر جاؤ"۔

پہلا ڈاکو بولا:

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ہم اپنے سردار کو کیا منہ دکھائیں گے؟ ہمیں اس نے حکم دیا ہے کہ اس عورت کو زندہ پکڑ کر لائیں اور یا اس کی لاش ساتھ لے کر چلیں۔ اب تم ہی کہو سردار نے جب ہمیں خالی ہاتھ آتے دیکھا تو وہ کس قدر قیامت بپا نہیں کرے گا۔ تم ہمارے سردار کے غصے سے واقف نہیں ہو"۔

عنبر نے ڈانٹ کر کہا:

"سنو! میں نہ تمہاری پیروا کرتا ہوں اور نہ تمہارے سردار کی پروا کرتا ہوں۔ اگر تم اس جہاز سے اتر کر یہاں سے بھاگے نہیں تو میں تم دونوں کی گردنیں اڑا کر لاشیں سمندری مچھلیوں کے حوالے کر دوں گا"۔

دونوں ڈاکو کچھ ڈر سے گئے۔ عنبر کی آواز میں بڑا رعب اور دبدبہ تھا۔ آخر ایک ڈاکو نے عنبر سے کہا:

"بھائی، اگر تم بھی ہماری طرح ڈاکو ہو تو پھر ہمارے ساتھ مل کر ڈاکے ڈالو۔ اگر کوئی جاسوس ہو تو پھر تم پرے ہٹ کر بیٹھ جاؤ"۔

"بکواس بند کرو تم دونوں"۔ عنبر نے غصے میں آ کر کہا۔ "میں ایک بات تو دونوں کو آخری بار اور صاف صاف لفظوں میں بتا دینا چاہتا ہوں کہ اگر آج رات کے بعد میں نے تم دونوں کو اس جہاز پر دیکھا تو پھر تم اس دنیا میں نہیں رہو گے۔ تمہاری لاشیں سمندر میں پڑی ہوں گی"۔

یہ کہہ کر عنبر وہاں سے اٹھ کر اپنے کیبن میں آ گیا۔ اس کا خیال تھا کہ سنہری عورت اس کے انتظار میں ہو گی۔ لیکن جب وہ کیبن میں داخل ہوا تو وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ کیبن کی ایک ایک چیز اپنی جگہ سے

الٹی ہوئی تھی۔ ایسے لگتا تھا جیسے کسی نے پورے کیبن کی تلاشی لی ہے۔ عنبر کا ماتھا ٹھنکا۔ وہ تیزی سے اس مرتبان کی طرف لپکا جس کے اندر اس نے اشرفیوں کی تھیلی چھپا کر رکھی ہوئی تھی۔

اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ اشرفیوں کی تھیلی غائب تھی۔ عنبر جلدی سے عرشے پر آ گیا۔ وہاں سے قہوہ خانے میں گیا۔ دونوں ڈاکو بھی وہاں نہیں تھے۔ اس نے سارے جہاز کا کونہ کونہ چھان مارا وہاں نہ سنہری عورت تھی اور نہ دونوں ڈاکوؤں کا کوئی نام ونشان تھا۔ اس نے عرشے پر آ کر سمندر کنارے دیکھا۔

دور گھوڑوں پر سوار دونوں ڈاکو اور سنہری عورت جنگل کی طرف بھاگے جا رہے تھے عنبر کو پہلے تو ہنسی آئی۔ پھر غصہ آ گیا کہ کم بخت اسے لوٹ کر جا رہے ہیں۔ اس کے پاس اب ایک پائی تک نہیں تھی کہ جس کے بدلے وہ پانی کا ایک گلاس ہی خرید کر پی سکے۔ جاپان کا

سفر تھا۔ جگہ جگہ پردیس میں پیسوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ عنبر نے اسی وقت ان دونوں سے بدلہ لینے کا فیصلہ کر لیا۔ عنبر نے اسی وقت آنکھیں بند کر کے سلامبو کو آواز دی اور کہا:

''سلامبو! جنگل میں ایک عورت اور دو ڈاکو تمہاری دی ہوئی سونے کی اشرفیاں چھین کر بھاگے جا رہے ہیں۔ ان اشرفیوں کے چھن جانے سے میرے پاس کچھ باقی نہیں بچا۔ مجھے سنہری عورت پر سخت غصہ ہے۔ اس نے میرے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی ہے۔ فوراً انہیں راستے میں پکڑو اور ڈاکوؤں کو اسی جگہ قتل کر کے سنہری عورت کو میرے پاس لے آؤ''۔

سلامبو مسکرائی اور غائب ہو گئی۔

سنہری بالوں والی عورت اپنے دونوں ڈاکو ساتھیوں کے ہمراہ گھوڑے پر سوار بڑے مزے سے جنگل میں سے گزر رہی تھی۔ وہ

بڑی خوش تھی۔

تینوں بڑے خوش تھے کہ انہوں نے ایک سیدھے سادھے آدمی کو الو بنا کر اس سے ساری کی ساری اشرفیاں چھین لیں۔ اشرفیوں کا تھیلا سنہری عورت نے اپنے گھوڑے پر رکھا ہوا تھا۔ وہ سب سے آگے آگے جا رہی تھی۔

یہ عورت اس گروہ کی سردارنی تھی۔ یہ ٹھگوں کا گروہ تھا جو اسی طرح بھولے بھالے لوگوں کو لوٹ لیا کرتا۔

عنبر کو ایک ڈاکو نے مکار عورت کی سرائے میں ہی دیکھ کر تاڑ لیا تھا کہ اس کے پاس کافی دولت ہے۔ دونوں ڈاکو اس کا پیچھا کرتے رہے۔ پھر وہ بوڑھے ماہی گیر کی جھونپڑی تک بھی ساتھ گئے۔

عنبر جب جہاز پر سوار ہوا تو ڈاکوؤں نے اپنی سردارنی کو خبر کر دی کہ شکار جہاز پر سوار ہو گیا ہے؛ چنانچہ سنہری عورت نے آ کر عنبر کے

ساتھ چکنی چپڑی باتیں کر کے اس کی اشرفیوں پر ڈاکہ ڈال لیا۔

سنہری عورت نے قہقہہ لگا کر کہا:

"بڑا احمق تھا یہ نوجوان’ میرے جال میں بڑی آسانی سے پھنس گیا۔ میرا خیال تھا۔ شاید مجھے بہت محنت کرنی پڑے گی۔ مگر وہ تو بڑا کاٹھ کا الو نکلا۔"

ڈاکو نے کہا:

"ویسے تمہاری بڑی طرف داری کر رہا تھا۔ گدھا کہیں کا۔۔۔ ہمیں دھمکی دے رہا تھا کہ اگر ہم نے جہاز نہ چھوڑا تو وہ ہمیں جان سے مار دے گا۔"

اس پر دونوں ڈاکو زور سے قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔

ابھی ان کے قہقہے ختم نہیں ہوئے تھے کہ جنگل میں راستے پر انہیں سامنے درختوں کے نیچے ایک کفن پوش لاش کھڑی نظر

آئی۔۔۔گھوڑے زور سے ہنہنائے اور وہیں رک گئے۔ یہ سلامبو کی لاش تھی۔

لاش ان کے قریب آ گئی۔ دونوں ڈاکو اور سنہری عورت کا رنگ فق ہو گیا۔ لاش ان کے بالکل سامنے آ کر رک گئی۔ تینوں کو لاش کا خون سے بھرا ہوا چہرہ دیکھ کر پسینے آ گئے۔

سلامبو کی لاش نے ایک ہاتھ اوپر اٹھا کر ایک ڈاکو کی طرف اشارہ کیا اور کہا:

"تم زمین پر گر کر مر جاؤ گے"۔

اور وہ ڈاکو زمین پر تڑپ کر گرا اور مر گیا۔

زرد لاش

سلامبو کی لاش نے دوسرے ڈاکو کی طرف اشارہ کر کے کہا:

"تم زمین پر گر کر مر جاؤ گے"۔

اس آواز کے ساتھ ہی دوسرا ڈاکو بھی تڑپ کر زمین پر گرا اور گرتے ہی مر گیا۔ اب تو سنہری عورت تھر تھر کانپنے لگی۔ سلامبو کی لاش نے اس کی طرف اشارہ کر کے کہا:

"تم میرے ساتھ چلو گی"۔

اس آواز کے ساتھ ہی سنہری عورت بے ہوش ہوگئی۔ جب اسے
ہوش آیا تو وہ عنبر کے کیبن میں جہاز پر تھی۔ عنبر کو اپنے سامنے دیکھ کر وہ
ہکی بکی رہ گئی۔ سلامب وکی لاش کیبن سے باہر کھڑی تھی۔ عنبر نے
سنہری عورت کی طرف دیکھ کر طنزیہ قہقہہ لگایا اور کہا:

”اے ڈاکو عورت! تو ظالم ہے۔ تیرے ساتھی بھی ظالم تھے۔ جو
اپنے انجام کو پہنچے۔ اب تو بھی اپنے انجام کے لیے تیار ہو جا“۔

سنہری عورت ایک دم عنبر کے قدموں پر گر پڑی۔

”تجھے تیرے ماں باپ کا واسطہ ہے۔ مجھے معاف کر دے۔
میری جان بخش دے۔ مجھ سے غلطی ہوگئی۔ اب کبھی ایسی غلطی نہیں
کروں گی“۔

عنبر بھی یہی چاہتا تھا کہ وہ توبہ کرے اس نے کہا:

”تو نے میرے مرحوم ماں باپ کا واسطہ دیا ہے۔ میں تجھے ایک

شرط پر معاف کرتا ہوں کہ تو وعدہ کر کہ آئندہ کبھی کسی کو نہیں لوٹے گی
اور باقی زندگی شریف عورت بن کر بسر کرے گی“۔

سنہری عورت نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا:

”میں اپنے ماں باپ کی قسم کھا کر وعدہ کرتی ہوں کہ آئندہ سے
کبھی ڈاکہ نہیں ڈالوں گی اور ہمیشہ ایک شریف عورت بن کر زندگی
بسر کروں گی“۔

عنبر نے اپنی اشرفیوں کی تھیلی لے کر تخت پر رکھ لی۔ پھر تھیلی کھول
کر اس میں سے کافی اشرفیاں ایک الگ تھیلی میں بھر کر سنہری عورت
کو دیں اور کہا۔

”یہ رقم تمہارے شروع شروع کے خرچ کے لیے کافی ہو گی۔
جب تک یہ اشرفیاں خرچ ہوں تم کوئی محنت مزدوری کا کام تلاش کر
لینا۔ اب تم جاؤ“۔

سنہری عورت نے عنبر کا ہاتھ پکڑ کر چومتے ہوئے کہا:

"تم انسان نہیں دیوتا ہو۔ میں تمہارا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گی۔ لیکن میں اس جہاز پر سے اتر کر کیسے جاؤں گی۔ جہاز تو چلنے کو تیار ہو رہا ہے۔ ساری کشتیاں جہاز کو چھوڑ کر جا چکی ہیں"۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"جو خاتون تمہیں یہاں لا کر چھوڑ گئی ہے وہی تمہیں یہاں سے لے بھی جائے گی۔ تم واپس جنگل میں جاؤ گی جہاں تمہارا گھوڑا اسی طرح درخت کے نیچے کھڑا ہے"۔

سنہری عورت بولی:

"شکریہ بھائی، بہت بہت شکریہ"۔

عنبر نے آواز دی:

"سلامبو بہن، اس عورت کو واپس اسی جنگل میں چھوڑ آؤ"۔

سلامبو نے اندر کیبن میں آ کر سنہری عورت کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ دونوں غائب ہو گئیں۔ سلامبو ظاہر نہ ہوئی۔ مگر سنہری عورت نے اپنے آپ کو جنگل میں اسی جگہ پایا جہاں سے وہ غائب ہوئی تھی۔ اس کے دونوں ساتھی ڈاکوؤں کی لاشیں جنگلی درندے اٹھا کر لے گئے تھے۔

سنہری عورت کا گھوڑا اسی جگہ درخت کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ وہ گھوڑے پر سوار ہوئی اور جنگل میں غائب ہو گئی۔ عنبر کے بادبانی جہاز کا لنگر اٹھا دیا گیا۔

کپتان کے حکم سے اس کے بادبان بھی کھول دیے گئے۔ بادبانوں میں کھلتے ہی ہوا بھر گئی اور جہاز نے آہستہ آہستہ کھلے سمندر کی طرف کھسکنا شروع کر دیا۔ سب مسافر عرشے پر آ کر کھڑے جہاز کے چلنے کا تماشا دیکھ رہے تھے۔

بندرگاہ کے درخت، شہر کی عمارتیں، مندروں کے مینار اور جنگل
جنگلوں کے درخت۔۔۔سبھی کچھ آہستہ آہستہ پیچھے جا رہا تھا۔
بادبانوں میں ہوا بھرتی جاتی تھی اور جہاز کی رفتار تیز ہو رہی تھی۔

آخر کنارہ بہت دور رہ گیا۔

جہاز کھلے سمندر میں آ گیا۔ یہاں ہوا زیادہ کھل کر چل رہی تھی۔
جس کی وجہ سے جہاز کی رفتار بھی پہلے سے تیز ہو گئی۔ مسافر اپنے اپنے
کام میں لگ گئے۔ جہازی عرشے کو پانی سے دھونے لگے۔ کچھ مسافر
کھانا کھانے بیٹھ گئے۔ کچھ گپیں ہانکنے لگے اور کچھ کیبن میں چلے
گئے۔ عنبر اکیلا عرشے کے جنگلے کے ساتھ لگ کر کھڑا اپنی بہن شکنتلا،
بھائی ناگ اور ماریا سے ملنے کی پوری امید تھی۔

وہ بڑا پرامید تھا کہ ناگ اور ماریا کیوشو کے بادشاہ کے محل میں ہی
ہوں گے۔ ایک خیال اسے یہ بھی آتا کہ ہو سکتا ہے وہ جا چکے ہوں۔

مگر وہ اکیلے نہیں جا سکتے تھے۔ وہ بہر حال عنبر کی راہ دیکھ رہے ہوں
گے۔

شکنتلا کے بارے میں وہ زیادہ پریشان تھا۔ کیوں کہ اسے کوئی یقین نہیں تھا کہ شیواجی ٹھگ اسے لے کر جاپان کی کونسی بندرگاہ پر اترا ہوگا۔ ویسے اصولی طور پر اسے کیوشو میں ہی اترنا چاہیے تھا۔ کیونکہ جاپان کی اس زمانے میں یہی ایک تجارتی بندرگاہ تھی جو مشہور بھی تھی اور جس کا رخ کھلے سمندر کی طرف تھا۔

باہر سے جو جہاز بھی آتا وہ اسی بندرگاہ پر لنگر ڈالتا۔ پھر عنبر کو خیال آیا کہ شکنتلا تو سمندری ڈاکوؤں کے جہاز میں سفر کر رہی ہے۔ خدا

جانے وہ کون سی غیر قانونی بندرگاہ پر جا کر ٹھہرے گا۔

جہاز بڑی پرسکون اور اچھی خاصی رفتار کے ساتھ کھلے سمندر میں آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ ہوا بڑی عمدہ چل رہی تھی۔ عرشے پر کھڑے کھڑے عنبر تھک گیا۔ وہ واپس مڑنے ہی والا تھا کہ اسے کیبن کے باہر جہاز کا کپتان نظر آیا۔ وہ ایک تجربہ کار ادھیڑ عمر کا مضبوط آدمی تھا جو زمانے کے بہت سے گرم سرد موسم دیکھ چکا تھا۔ عنبر نے سوچا کہ اس آدمی سے دوستانہ ڈال کر یہ معلوم کرنا چاہیے کہ سمندری ڈاکو عام طور پر کس راہ پر سے گزرا کرتے ہیں۔

عنبر چپکے سے جہاز کے کپتان کے قریب جا کر سلام کر کے بولا:

"کپتان صاحب۔ خدا نے چاہا تو سفر بڑا اچھا گزرے گا"۔

کپتان نے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا:

"ہاں۔۔۔ موسم بہت اچھا ہے۔ اگر موسم صاف رہا تو سفر بہت

خوشگوار ہوگا۔ لیکن موسم خراب ہو گیا تو کافی تکلیف اٹھانی پڑے گی۔ کیوں کہ ان سمندروں میں بڑا خوفناک طوفان آیا کرتا ہے''۔

عنبر نے پوچھا:

''کیا طوفانوں کا موسم یہی ہے؟''۔

''موسم یہ نہیں ہے۔ مگر کبھی کبھی طوفان اس مہینے میں بھی آ جایا کرتے ہیں۔ بہر حال اب تو چل پڑے ہیں جو ہوگا دیکھا جائے گا''۔

کپتان جہاز کا رخ بدلنے والی چرخی گھما رہا تھا۔ اس نے سامنے سمندر کی لہروں کی طرف دیکھتے ہوئے عنبر سے پوچھا:

''تم کہاں تک سفر کرو گے؟''۔

''جناب' میں آپ کے ساتھ جاپان تک جا رہا ہوں''۔

''بہت خوب' کیا یہ تمہارا پہلا سفر ہے نوجوان؟''۔

''جی نہیں' میں اس سے پہلے بھی جاپان کا سفر کر چکا ہوں۔ میری ایک بہن اور بھائی کیوشو میں شاہی مہمان ہیں''۔

کپتان نے مسکرا کر کہا:

''شاہی مہمان ہیں؟ بہت خوب۔ پھر تو تم بڑے درباری آدمی ہو۔ کیوں میں ٹھیک کہہ رہا ہوں ناں؟''۔

عنبر نے جواب دیا:

''نہیں جناب' میں درباری آدمی نہیں ہوں۔ میں اور میرا بھائی جڑی بوٹیوں سے بیماروں کا علاج کرتے ہیں۔ میری ایک دوا سے بادشاہ کے بچے کو صحت مل گئی تھی۔ بس اسی وجہ سے میرے بھائی اور بہن شاہی محل میں رہنے لگے''۔

''پھر تم وہاں سے ہندوستان کیا لینے آئے میاں؟''۔

''میں جڑی بوٹیوں کی تلاش میں آیا تھا۔ ہندوستان کے جنگل

قیمتی جڑی بوٹیوں سے بھرے ہوئے ہیں‘‘۔

عنبر کچھ دیر تک کپتان کے ساتھ باتیں کرتا رہا۔ اس کی باتیں کپتان کو بڑی دلچسپ لگیں۔ اس نے عنبر سے کہا:

’’برخوردار‘ تم میرے کیبن میں آ کر میرے ساتھ قہوہ پیو گے تو مجھے خوشی ہوگی‘‘۔

’’میرے لیے یہ عزت کا باعث ہوگا‘‘۔

رات کے کھانے کے بعد عنبر کپتان کے کیبن میں قہوہ پینے آ گیا۔ کپتان نے میز پر نقشہ پھیلا رکھا تھا اور اس پر جھکا ہوا کچھ دیکھ رہا تھا۔ عنبر نے سلام کیا اور ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا۔ کپتان نے سر اٹھا کر عنبر کی طرف دیکھا اور پھر نوکر سے کہا کہ وہ قہوہ لائے۔

’’کہو میاں‘ سفر کیسا گزر رہا ہے۔ جہاز بڑا ہے جس کی وجہ سے زیادہ چکر نہیں کھا رہا۔ ویسے بھی سمندر پرسکون ہے‘‘۔

اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد عنبر نے پوچھا:

’’جناب یہ فرمائیے کہ جاپان کے ملک کو جانے کے لیے یہی ایک سمندری راستہ ہے یا کوئی دوسرا راستہ بھی ہے؟‘‘۔

کپتان نے ہنس کر کہا:

’’میاں‘ سمندر میں اگر تھوڑے تھوڑے فاصلے پر جہاز چلیں تو اس کے بے شمار راستے بن جائیں گے۔ تم پوچھنا کیا چاہتے ہو؟‘‘۔

عنبر نے کہا:

’’میں یہ پتہ کرنا چاہتا تھا کہ ہندوستان کی بندرگاہ سے جو جہاز چلتے ہیں کیا وہ سبھی جاپان کی ایک ہی بندرگاہ پر جا کر رکتے ہیں؟‘‘۔

’’نہیں‘ جاپان کی کئی بندرگاہیں ہیں۔ کیوشو کے علاوہ کیوٹو ہے‘ کیموٹو ہے اور کئی ایک بندرگاہیں ہیں جہاں تجارتی اور مسافر جہاز آ کر ٹھہرتے ہیں‘‘۔

عنبر نے صاف سوال کر دیا:

"کپتان صاحب' میں یہ پوچھنا چاہتا تھا کہ سمندری میں جو سمندری ڈاکوؤں کے جہاز چلتے پھرتے رہتے ہیں۔ وہ اگر جاپان کو روانہ ہوں تو کس جگہ پر جا کر ٹھہریں گے؟"۔

کپتان نے بڑے غور سے عنبر کو دیکھا اور پوچھا:

"میاں صاحب زادے' تمہارا بحری ڈاکوؤں کے جہاز سے کیا تعلق ہے؟ تم ان کے بحری راستوں کے بارے میں کیوں پوچھ رہے ہو؟"۔

عنبر نے کہا:

"جناب' اب میں آپ سے صاف صاف بیان کر دوں کہ میں اپنی ایک بہن کی تلاش میں جاپان کا سفر کر رہا ہوں جس کو بحری ڈاکو اغوا کر کے جہاز پر بٹھا کر لے گئے ہیں۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ

سمندری ڈاکوؤں کا جہاز جاپان کی طرف جا رہا ہے"۔

کپتان کچھ دیر عنبر کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر بولا:

"پہلی بات تو یہ ہے کہ مجھے بڑا افسوس ہے کہ تمہاری بہن اغوا ہو
گئی اور دوسری بات یہ کہ بحری ڈاکو بہت کم بندرگاہوں پر جاتے
ہیں۔ عام طور پر وہ سمندروں میں ہی گھومتے پھرتے رہتے ہیں۔
ہاں کبھی کبھی خوراک وغیرہ حاصل کرنے کے لیے وہ کسی گمنام سے
جزیرے یا کسی ملک کے بے آباد ساحل پر جا کر لنگر ڈال دیتے ہیں
وہاں ان کے خاص آدمی خوراک وغیرہ کا ذخیرہ لیے تیار کھڑے
ہوتے ہیں"۔

عنبر نے کہا:

"لیکن جناب میں آپ کو پورے یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ
جس سمندری جہاز پر میری بہن سوار ہے وہ جہاز جاپان کی طرف جا
رہا ہے"۔

"اگر یہ بات ہے تو وہ ضرور جاپان کے غیر آباد ساحل پر جا کر
رکے گا۔ میرے خیال میں کیموتو سے دور ساحل ایسا ہی ہے۔ سنا ہے
کہ اس جگہ کبھی کبھی کوئی بحری قزاقوں کا جہاز دیکھا جاتا ہے"۔

عنبر نے کہا:

"کپتان صاحب! کیا آپ نقشے میں مجھے بتا سکتے ہیں کہ یہ جگہ
جاپان میں کس مقام پر ہے؟"۔

"کیوں نہیں آؤ میرے پاس"۔

کپتان نے میز پر رکھے ہوئے چمڑے کے نقشے پر جھک کر عنبر کو

بتایا کہ جاپانی ساحل پر وہ جگہ کہاں ہے۔ جہاں اس کے خیال کے
مطابق سمندری ڈاکوؤں کے جہاز کو جا کر کنارے لگنا تھا۔ کپتان نے
کہا:

"یہ جگہ اس لیے بھی محفوظ ہے کہ یہاں سمندر میں ساحل کے
ساتھ ساتھ پانی کے اندر بے شمار چٹانیں نکلی ہوئی ہیں۔ ایک ماہر
تجربے کار کپتان ہی یہاں سے اپنا جہاز گزار سکتا ہے اور سمندری
قزاق بہت ماہر اور تجربہ کار کپتان ہوتے ہیں۔ ان کی ساری عمر ہی
سمندروں میں گزر جاتی ہے۔ اس لیے مجھے یقین ہے کہ سمندری
قزاقوں کا جہاز اسی جگہ رکے گا"۔

عنبر نے کہا:

"مجھے اس جگہ کیسے پہنچنا ہوگا؟"۔

"اس کے لیے تم کیوشو سے کشتی میں سوار ہو کر کیمونو جاؤ گے اور

پھر وہاں سے مغربی ساحل پر چٹانوں کے پاس جاؤ گے۔ مگر تمہارے
وہاں جانے کا فائدہ کیا ہوگا۔ کیونکہ تمہیں تو اس وقت وہاں جانے
چاہیے جب سمندری ڈاکوؤں کا جہاز وہاں لنگر ڈال چکا ہو جب جہاز
ہی وہاں نہیں ہوگا تو تم وہاں کیا لینے جاؤ گے؟"۔

عنبر بولا:

"میں کوشش کروں گا کہ جہاز کے ساتھ ساتھ وہاں پہنچ سکوں"۔

کپتان ہنس پڑا:

"یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟ سمندری ڈاکوؤں کے جہاز کو یہاں
سے روانہ ہوئے دس روز ہو گئے ہیں۔ وہ تو اب جاپان کے ساحل پر
پہنچنے ہی والا ہوگا۔ تمہارے لیے اس جہاز کو تلاش کرنا بہت مشکل ہو
گا۔ بحری ڈاکوؤں کا کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ وہ کہاں سے کدھر نکل جاتے
ہیں۔ مگر یہ تو بتاؤ کہ سمندری ڈاکوؤں کو کیا ضرورت تھی کہ تمہاری بہن

کو اغوا کرتے۔ وہ تو عام طور پر دولت لوٹا کرتے ہیں"۔

عنبر نے کہا:

"بات اصل میں یہ ہے کہ میری بہن کو ایک ڈاکو نے اغوا کر کے ایک ٹھگ کے پاس بیچ دیا۔ یہ ٹھگ جاپان میں جا کر عورتوں کو لونڈیاں بنا کر شاہی محلات میں فروخت کرتا ہے اور وہاں سے لونڈیاں خرید کر ہندوستان میں آ کر فروخت کر دیتا ہے؛ چنانچہ جہاز پر یہ ٹھگ میری بہن کو لے کر جاپان جا رہا ہے"۔

کپتان نے میز پر ہاتھ مار کر کہا:

"ایسا کہو ناں پھر۔۔۔ پھر وہ یقیناً کیوشو جائے گا۔ کیوں کہ اسی جگہ شاہی محل ہے"۔

"لیکن وہاں کا بادشاہ بہت شریف ہے۔ اس کے محل میں لونڈیاں نہ ہونے کے برابر ہیں"۔

"تو پھر وہ کیوٹو جائے گا۔ وہاں کا شاہی محل بہت بڑا محل ہے۔ تمہیں کیوشو پہنچ کر وہاں سے کیوٹو جانا ہوگا۔ کیوٹو کیوشو سے دو رات اور ایک دن کے سفر پر ہے"۔

عنبر بڑے غور سے کپتان کی باتیں سنتا رہا۔ اس کی باتیں بڑی فائدہ مند تھیں۔ ان میں عنبر کے لیے بے حد معلومات تھیں۔ اب اسے صرف اس بات کا انتظار تھا کہ کسی طرح وہ جلد سے جلد کیوشو پہنچے تاکہ وہاں سے وہ ناگ اور ماریا سے مل کر اپنی بہن شگفتا کو تلاش کرنے کی مہم شروع کر سکے۔

خونی محل

اب ہم آپ کو واپس سمندری ڈاکوؤں کے جہاز پر لیے چلتے ہیں۔

عنبر کپتان کے تجارتی جہاز پر جاپان کی طرف جا رہا ہے۔ اس سے پہلے شکنتلا کو لے کر شیواجی ٹھگ سمندری ڈاکوؤں کے جہاز پر جاپان کے لیے روانہ ہو چکا تھا۔ شکنتلا بے چاری مجبور اور بے بس ہو کر اپنے کیبن میں پڑی تھی۔

وہ ٹھگوں کی قید سے آزاد نہیں ہو سکتی تھی۔ کیونکہ وہ بڑے خونخوار قسم کے بحری ڈاکوؤں کے نرغے میں پھنسی ہوئی تھی۔ بحری ڈاکوؤں کا بادبانی جہاز سمندر میں بھاگا جا رہا تھا۔ سمندری ڈاکوؤں کے جہاز عام طور پر بڑے چھوٹے جہاز ہوتے ہیں' تاکہ دوسرے جہازوں سے مقابلے کے وقت وہ تیزی سے دائیں بائیں گھوم کر حملہ کر سکیں۔ جہاز کے بانس پر سے ڈاکوؤں نے اپنا کھوپڑی اور ہڈیوں والا جھنڈا اتار دیا تھا۔ یہ جھنڈا وہ اس وقت لہراتے جب کسی جزیرے میں اترنا ہوتا یا کوئی تجارتی جہاز سامنے آ جاتا۔

موسم خوشگوار تھا۔ دھوپ سمندر پر خوب چمک رہی تھی اور پانی کی لہریں بڑی روانی اور سکون کے ساتھ بہہ رہی تھیں۔ انہیں سمندر میں سفر کرتے ہوئے ایک ہفتہ گزر گیا تھا۔ اس دوران جہاز کسی بھی بندرگاہ پر نہیں رکا تھا۔ آٹھویں روز اچانک جہاز پر ایک ڈاکو بیمار پڑ گیا۔

دو گھنٹے کے اندر اندر وہ مر گیا۔شام کو دوسرا ڈاکو بھی بیمار ہو کر مر گیا۔دو روز کے اندر اندر جہاز پر سات ڈاکو بیمار پڑ کر مر گئے۔کپتان پریشان ہو گیا۔اس نے شیوا جی کو بلا کر کہا:

"معلوم ہوتا ہے جہاز پر کسی وبائی بیماری نے حملہ کر دیا ہے"۔

شیوا جی نے پوچھا:

"پھر کیا ہوگا؟ کیا جہاز پر کوئی حکیم نہیں ہے؟"۔

کپتان نے کہا:

"یہ کوئی تجارتی جہاز نہیں ہے۔ڈاکوؤں کا جہاز ہے۔یہاں کوئی حکیم کہاں سے آئے گا"۔

شیوا جی نے کہا:

"مگر تم لوگوں کو کوئی نہ کوئی دوائی ضرور ساتھ رکھنی چاہیے"۔

کپتان کہنے لگا:

"اسے تم چھوڑو۔اب سوال یہ ہے کہ اگر ہم نے فوراً اس سمندری بیماری کا علاج نہ کیا تو جاپان تک پہنچتے پہنچتے جہاز کے سارے آدمی مر جائیں گے"۔

شیوا جی نے ڈرتے ہوئے کہا:

"یہ تو بڑی خوفناک بات ہوگی۔اب کیا کیا جائے؟"۔

کپتان نے کہا:

"یہاں سے جنوب کی جانب مارشی نام کا ایک گمنام سا جزیرہ ہے۔اس جزیرے پر ایک بہت بڑے سمگلر کی حکومت ہے۔وہ میرا دوست ہے۔اس کا نام موشے ہے۔اگر جہاز کو موشے سمگلر کے جزیرے کی طرف لے جائیں تو اس کے خاص حکیم سے ہم اپنے بیمار ملاحوں کا علاج بھی کرا سکتے ہیں اور جہاز کی صفائی بھی کروا لیں گے۔ کیا خیال ہے تمہارا؟"۔

شیوا جی بولا:

"بھائی خیال کیا پوچھتے ہو۔اس کے سوا تو کوئی چارہ بھی نہیں ہے۔اگر ہم نے جہاز کی صفائی نہ کرائی تو ہم سب کے سب کی جان سخت خطرے میں ہے۔جہاز کو جزیرے کی طرف موڑ دو۔"

بحری قزاق نے اسی وقت حکم دیا کہ جہاز کا رخ جنوب کے جزیرے مارشی کی طرف موڑ دیا جائے۔ نائب کپتان نے جہاز کی چرخی گھما کر رخ جنوب کی طرف کر دیا۔ شکنتلا اپنے کیبن کی گول کھڑکی میں سے باہر دیکھ رہی تھی۔ اس نے جہاز کو داہنی جانب گھومتے محسوس کیا۔وہ خود جہاز پر پھیلی ہوئی بیماری سے بہت گھبرائی ہوئی تھی۔

ایک بوڑھا ڈاکو شکنتلا سے ڈرتے ڈرتے بڑی ہمدردی کرنے لگا تھا۔اس کا کام جہاز میں دوسرے ڈاکوؤں کی خدمت کرنا تھا۔چونکہ

وہ بوڑھا ہو گیا تھا۔اس لیے اسے کوئی نہیں پوچھتا تھا۔ہر کوئی اس سے خدمت کراتا اور اسے جھڑکتا رہتا تھا۔ کپتان نے اس کی ڈیوٹی شکنتلا کو دونوں وقت کھانا دینے پر لگا رکھی تھی۔دوپہر کو وہ کھانا لے کر آیا تو شکنتلا نے پوچھا:

"بابا' یہ جہاز کا رخ کیوں بدل دیا گیا ہے؟ کیا ہم لوگ واپس ہندوستان جا رہے ہیں"۔

بوڑھے ڈاکو نے کہا:

"بیٹی' جہاز پر جو بیماری پھیل گئی ہے۔اس سے کپتان اور شیواجی بہت پریشان ہو گئے ہیں؛ چنانچہ جہاز کو ایک قریبی جزیرے کی طرف لے جایا جا رہا ہے۔ وہاں جہاز کی ساری صفائی ہو گی۔ اسے دھویا جائے گا۔اس میں دوائیاں چھڑکی جائیں گے اور بیمار ملاحوں کا علاج

کیا جائے گا"۔

شگفتہ نے پوچھا:

"مگر بابا' کیا اس جزیرے پر قانونی حکومت نہیں ہے؟"۔

"نہیں بیٹی' جزیرے پر ایک قاتل اور بڑے بدنام سمگلر موشے کی حکومت ہے۔ یہ جزیرہ سمگلروں اور بحری ڈاکوؤں کی جنت ہے۔ ہمارے کپتان کا سمگلر موشے سے بہت دوستانہ ہے"۔

شگفتہ بولی:

"یہ جہاز جزیرے پر کتنی دیر ٹھہرے گا؟"۔

بوڑھے ڈاکو نے کہا:

"یہی کوئی ہفتہ بھر تو ضرور ٹھہرے گا۔اس سے کم وقت میں جہاز کی صفائی وغیرہ نہیں ہو سکے گی"۔

شگفتہ نے آہ بھر کر کہا:

"کاش بابا' تم میری کوئی مدد کر سکتے!"۔

بوڑھے ڈاکو نے اداس لہجے میں کہا:

بیٹی' میں ایک ایسا پرندہ ہوں جس کے پر کاٹ دیے گئے ہیں۔ مجھ پر کوئی بھروسہ نہیں کرتا کوئی میری بات نہیں مانتا۔ میری کسی کے آگے پیش نہیں چلتی۔ پھر بھی میں جزیرے میں پہنچ کر کوشش کروں گا کہ تمہاری کچھ مدد کرسکوں۔ مگر بیٹی' جزیرے پر اگر تم اتر بھی گئیں تو وہاں کیا کرو گی؟

یہ جزیرہ تو چاروں طرف سے وحشی لوگوں سے بھرا پڑا ہے۔ وہاں کے سارے جنگلی لوگ بھی سمگلر موشے کی طرح قاتل اور ڈاکو ہیں۔ میں وہاں رہ چکا ہوں۔ وہ لوگ تو معمولی سی بات پر قتل کر کے سمندر میں لاش پھینک دیتے ہیں۔

شکنتلا نے کہا:

"بابا' جزیرے پر جانے کا سن کر میرے دل میں امید کی ایک ننھی سی کرن جگمگا اٹھی ہے۔ مجھے یوں لگتا ہے کہ جیسے یہ جزیرہ میری مدد کرے گا۔ وہاں کے لوگ میری مدد کریں گے"۔

بوڑھے نے کہا:

"مجھے بہت کم امید نظر آتی ہے۔ فرض کر لیا کہ تم جہاز پر سے جزیرے پر بھاگ بھی جاتی ہو تو کہاں جاؤ گی؟ سارا جزیرہ چاروں طرف سے سمندر سے گھرا ہوا ہے۔ وہاں کے وحشی لوگ سمگلر موشے کے وفادار ہیں۔ اس کے اپنے آدمی ہیں۔ تمہیں کوئی بھی پناہ نہیں دے گا۔ بلکہ تمہیں پکڑ کر خود شیوا جی کے حوالے کر دے گا"۔

شکنتلا نے کہا:

"بابا جی' میں نا امید نہیں ہوں۔ جزیرے پر پہنچ کر دیکھا جائے گا۔ میری رہائی کی کوئی نہ کوئی سبیل ضرور پیدا ہو جائے گی۔ یہ میرا دل

کہہ رہا ہے"۔

"خدا کرے کہ ایسا ہو سکے"۔

بحری ڈاکوؤں کے جہاز کا جزیرے کی طرف رخ موڑے دوسرا دن تھا۔ اس عرصے میں دو اور ملاح مر گئے تھے۔ وبا واقعی سارے جہاز پر پھیل گئی تھی۔ اس کی وجہ محض یہ تھی کہ یہ سمندری ڈاکو بڑے گندے تھے۔ ان کے کپڑے میل سے بھرے تھے۔ وہ ساری زندگی سمندر میں گزار دیتے تھے مگر نہاتے سال سال بھر کے بعد تھے۔ خود کپتان کو نہائے ہوئے چھ مہینے گزر گئے تھے۔ دوسرے دن دوپہر کے وقت دور سے جزیرہ دکھائی دیا۔

دوپہر کے بعد جہاز جزیرے پر جا کر لگ گیا۔ سمگلر موشے نے اپنے شاندار مکان کی کھڑکی میں سے سمندری ڈاکوؤں کے جہاز کو جزیرے کی طرف آتے دیکھ لیا تھا۔ وہ گھوڑے پر بیٹھ کر خود سمندر کے

کنارے آ گیا۔ جہاز پر ڈاکوؤں کا کھوپڑی اور ہڈی والا جھنڈا لہرا دیا گیا تھا۔

جہاز پر سے اترتے ہی کپتان آگے بڑھ کر موشے سمگلر کے گلے ملا۔ موشے سمگلر کے چہرے پر خونخواری تھی۔ زخم کا ایک لمبا نشان اس کی آنکھ سے لے کر نیچے ٹھوڑی تک چلا گیا تھا۔ موشے سمگلر نے کپتان سے کہا:

"مجھے خوشی ہوئی ہے کہ کپتان تم ایک عرصے کے بعد اس جزیرے پر آئے ہو۔ یہ تو بتاؤ کہ تمہیں اس طرف آنے کا خیال کیسے آ گیا؟"۔

کپتان نے کہا:

"تمہارے مکان میں چل کر بتاؤں گا"۔

"ضرور ضرور ضرور۔۔۔"

موشے سمگلر کپتان کو لے کر اپنے شاندار محل میں آ گیا۔ شیوا جی ٹھگ بھی اس کے ساتھ تھا۔ یہاں موشے نے اپنے مہمانوں کی پر تکلف دعوت کی۔ انہیں بھنے ہوئے سمندری کیکڑے اور عمدہ ترین مچھلیوں کا گوشت کھلایا۔ کھانے سے فارغ ہو کر قہوہ پیتے ہوئے کپتان نے اسے کہا:

"موشے، ہمارے جہاز پر سمندری بخار نے حملہ کر دیا تھا۔ میرے کئی ایک ملاح اس سمندری بخار میں مبتلا ہو کر مر چکے ہیں۔ مجھے مجبوراً اس جزیرے پر آنا پڑا ہے۔ اب میں چاہتا ہوں کہ تمہارا حکیم میرے آدمیوں کا علاج کرے اور یہاں میرے جہاز کی اچھی طرح صفائی بھی ہو جائے اور اس میں جراثیم مارنے والی دوائیوں کا چھڑکاؤ بھی ہو جائے۔"

موشے نے مونچھوں پر ہاتھ پھیر کر کہا:

"یہ کون سی بڑی بات ہے۔ ابھی ہو جاتا ہے۔"

اس نے فوراً اپنے حکیم کو حکم دیا کہ جا کر جہاز پر بیمار ملاحوں کا علاج کرے اور جہاز کی صفائی کا بندوبست کیا جائے۔

شیوا جی ٹھگ نے کپتان سے مشورہ کیا کہ شگفتا کو کہاں لے جا کر
رکھا جائے؟ کپتان نے کہا:

''موشے کے محل میں ایک تہہ خانہ ہے۔ تم اس تہہ خانے
میں شگفتا کو بند کر سکتے ہو۔ اس سے بہتر جگہ اس سارے جزیرے
میں اور کہیں نہیں ہے''۔

''ٹھیک ہے۔ میں آج ہی شگفتا کو وہاں لے جاتا ہوں۔ لیکن
تہہ خانے سے کہیں وہ کسی طرف بھاگ تو نہیں جائے گی؟''۔

کپتان نے مسکرا کر کہا:

''کیا تم پاگل ہو گئے ہو؟ تم نے موشے سمگلر کے تہہ خانے کیا سمجھ
رکھا ہے؟ وہ تو ایک قلعہ ہے قلعہ۔۔۔اور پھر وہاں سے بھاگ کر یہ
عورت کہاں جائے گی؟ اس سارے جزیرے پر موشے سمگلر کی
حکومت ہے۔ جزیرے کے سارے وحشی موشے کے غلام ہیں اور اسی
کا دیا کھاتے ہیں۔ یہ عورت وہاں سے بھاگ کر جہاں بھی جائے گی
واپس موشے کے محل میں پہنچا دی جائے گی''۔

''تو پھر ٹھیک ہے۔ تم موشے سمگلر سے بات کر لو''۔

''تم شگفتا کو لے کر آؤ۔ میں اس سے بات کرتا ہوں''۔

کپتان موشے سمگلر کے محل کی طرف اور شیوا جی ٹھگ سمندر میں
کھڑے جہاز کی طرف چل پڑا۔ اس وقت شگفتا اپنے کیبن میں بند
پڑی تھی۔ اتنے میں بوڑھا ڈاکو کھانا لے کر آ گیا۔ شگفتا نے خاموشی

سے کھانا کھایا۔ پھر بوڑھے ڈاکو سے کہا:

"بابا' کیا میں اسی جہاز میں بند رکھی جاؤں گی؟ کہیں بخار مجھ پر بھی حملہ نہ کردے؟"۔

بوڑھے ڈاکو نے کہا:

"آج شام سے جہاز کی زبردست صفائی شروع ہو رہی ہے۔ میرا خیال ہے اس سے پہلے تمہیں کسی جگہ پر روانہ کردیا جائے گا"۔

اتنے میں دروازہ کھولا اور شیواجی ٹھگ دوسرے ٹھگوں کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ اس نے شکنتلا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

"میں تمہیں لینے آیا ہوں۔ تمہیں میرے ساتھ چلنا ہوگا"۔

"کہاں؟" شکنتلا نے پوچھا۔

"تم یہ پوچھنے والی کون ہوتی ہو۔ تم میری لونڈی ہو۔ میں جہاں جی چاہے تمہیں لے جاسکتا ہوں۔ چلو اٹھو"۔

پھر اس نے اپنے ساتھی تین ٹھگوں سے کہا:

"تم اس عورت کو لے کر موشے ممگلر کے مکان پر پہنچاؤ اور اس کے حوالے کردو۔ میں نے اس سے ساری بات کردی ہے"۔

ٹھگوں نے سر جھکا کر کہا:

"ایسا ہی ہوگا سردار"۔

بوڑھا ڈاکو کھانے کے خالی برتن لے کر چلا گیا۔ تین ٹھگ شکنتلا کے ہاتھ باندھ کر کیبن میں سے نکال کر باہر لے آئے۔ پھر انہوں نے اسے کشتی میں سوار کیا اور جزیرے پر آ گئے۔ شکنتلا نے آٹھ دس روز کے بعد زمین پر قدم رکھا تھا۔ اس کے پیر ڈگمگا رہے تھے۔

جزیرہ بڑا سرسبز تھا۔

ہر طرف ناریل اور پام کے جھنڈ تھے۔ آسمان پر شام کی سنہری دھوپ پھیل رہی تھی۔ کنارے سے دور ملاحوں کی جھونپڑیاں بنی ہوئی

تھیں۔

تینوں ٹھگ شکنتلا کو ایک گدھا گاڑی پر سوار کروا کر موشے سمگلر کے شاندار مکان پر لے آئے۔ یہ عالی شان محل دو منزلہ تھا۔ اس کے سامنے بڑا خوبصورت باغ تھا۔ پیچھے جنگل تھا۔ کھڑکیوں میں پھولوں کے گملے لٹک رہے تھے۔ ایک طرف موشے سمگلر کی دو گھوڑوں والی بگھی کھڑی تھی۔ جس میں بیٹھ کر وہ جزیرے کی سیر کیا کرتا تھا۔ پہلی منزل میں باغ میں ایک طرف چڑیا گھر بنا ہوا تھا جس میں پنجروں میں پرندے چہچہا رہے تھے۔ شکنتلا کو موشے سمگلر کے روبرو پیش کیا گیا۔ موشے سمگلر نے شکنتلا کو دیکھ کر کپتان سے کہا:

"کپتان' یہ لونڈی شیواجی ٹھگ نے کہاں سے لی ہے؟"۔

کپتان نے کہا:

"یہ کہتا تھا کہ اس نے اسے ہندوستان کی ایک ریاست سے

خریدا تھا"۔

موشے سمگلر نے کہا:

"اسے بلاؤ۔ مجھے اس سے ایک ضروری بات کرنی ہے"۔

اسی وقت شیواجی ٹھگ کو بلایا گیا۔ شیواجی ٹھگ نے آ کر موشے سمگلر کو جھک کر آداب کیا اور کہا:

"آپ نے مجھے یاد فرمایا موشے"۔

موشے سمگلر نے کہا:

"شیواجی' یہ بتاؤ کہ تم اس لونڈی کو جاپان کیوں اور کس لیے لے جا رہے ہو؟"۔

شیواجی بولا:

"جناب آپ سے بہتر کون سمجھ سکتا ہے کہ میں اسے جاپان کیوں لے جا رہا ہوں۔ میں اسے شاہ جاپان کے محل میں فروخت کرنا چاہتا

ہوں‘‘۔

موشے نے کہا:

’’اور اگر اسے ہم خرید لیں اور تمہیں منہ مانگا انعام دیں تو کیا تم راضی ہو جاؤ گے‘‘۔

شیوا جی نے کہا:

’’جناب‘ میں ایک کاروباری ٹھگ ہوں۔ میرا کام ہی لونڈیاں خریدنا اور انہیں خرید کر فروخت کرنا ہے۔ میرا خیال تھا کہ یہ ایک خوش شکل لونڈی ہے اور شاہ جاپان کے ہاں اس کی قیمت زیادہ پڑے گی‘‘۔

لیکن اگر آپ اسے خریدنا چاہتے ہیں تو میں بھلا کیسے انکار کر سکتا ہوں۔ مجھے اگر نقصان بھی ہوگا تو میں برداشت کر لوں گا۔ کیوں کہ میں آپ کے آگے انکار نہیں کر سکتا۔

موشے تمگر نے زمین پر پیر مار کر کہا:

’’ہم شاہ جاپان سے کم نہیں ہیں۔ ہم تمہیں نقصان نہیں ہونے دیں گے۔ تم جو مانگو گے ہم وہی تمہیں دیں گے۔ بولو‘ تم اس عورت کے عوض کتنی اشرفیاں طلب کرتے ہو؟‘‘۔

شیوا جی نے بڑی مکاری سے کہا:

’’جناب عالی‘ شاہ جاپان کے ایک آدمی نے اس کی قیمت سترہ ہزار اشرفی ڈالی تھی۔ آگے آپ کی مرضی ہے جو مجھے دیں گے میں خوشی سے قبول کر لوں گا‘‘۔

موشے تمگر نے کہا:

گر شاہ جاپان نے اس لونڈی کی قیمت سترہ ہزار اشرفی ڈالی ہے تو ہم تمہیں بیس ہزار اشرفی دیں گے۔ ہم اس جزیرے کے بادشاہ ہیں۔

ہم شاہ جاپان سے بڑھ چڑھ کر آگے بڑھیں گے۔ آج سے یہ لونڈی ہمارے محل میں کنیز بن کر رہے گی'۔

پھر موشے نے تالی بجائی۔ ایک آدمی کمرے میں آ کر جھک گیا۔

''حکم سرکار؟''۔

موشے نے کہا:

''شیواجی کو خزانے میں لے جاؤ اور اسے بیس ہزار اشرفیوں کی تھیلی گن کر حوالے کر دو۔۔۔ کیا شیواجی اب تم خوش ہوئا؟''۔

شیواجی نے سلام کر کے کہا:

''جناب' میں آپ کا شکرگزار ہوں کہ آپ نے مجھے شاہ جاپان سے کئی گنا زیادہ رقم دے کر نہال کر دیا ہے''۔

شیواجی اس آدمی کے ساتھ اشرفیوں کی تھیلی لینے باہر نکل گیا۔

اب کمرے میں کپتان، شکنتلا اور موشے رہ گئے۔ موشے نے شکنتلا کی طرف دیکھ کر کہا:

مجھے معلوم ہے کہ تمہارا نام شکنتلا ہے۔ آج سے تم میری بہترین اور پسندیدہ کنیز ہو۔

تم اس محل میں نئے کپڑے پہن کر رہو گی۔ تمہیں محل سے باہر قدم رکھنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

پھر موشے نے ایک بوڑھی کنیز مشاطہ کو بلا کر کہا:

مشاطہ جاؤ اور شکنتلا کو نہلا دھلا کر نیا جوڑا پہنا دو۔ آج سے یہ بھی دوسری کنیزوں کی طرح اس محل میں رہے گی۔

خبردار اسے محل سے باہر قدم نہیں رکھنے دینا۔ ورنہ تم جانتی ہو کہ موشے بڑے آرام سے عورتوں کی گردن مروڑ دیا کرتا ہے۔

مشاطہ بولی:

"جو حکم سرکار۔"

مشاطہ نے شگفتا کو ساتھ لیا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

قاتل محل سے فرار

مشاطہ شگفتا کو لے کر دوسری منزل کے کمرے میں آ گئی۔

یہاں شگفتا کو نہلا دھلا کر نیا جوڑا پہنایا گیا۔ شگفتا خاموشی سے ہر حکم کو مانتی گئی۔ وہ اور کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ دل میں اس نے سوچ رکھا تھا کہ خواہ اس کی جان جاتی رہے گی مگر وہ اس جزیرے سے ضرور بھاگ جائے گی۔

بوڑھا ڈاکو جو اس کا ہمدرد تھا اس سے جدا کر دیا گیا تھا۔ اب اس

کے لیے ضروری تھا کہ اس محل میں سے کسی کو ساتھ ملایا جائے۔ مگر وہاں تو سارے کے سارے ہی شکنتلا کے لیے اجنبی اور دشمن تھے۔

ادھر بحری ڈاکوؤں کے جہاز کی سات روز تک صفائی ہوتی رہی۔ بیمار ملاح حکیم کی دواؤں سے تندرست ہو گئے۔ کپتان نے جانے کی تیاریاں شروع کر دیں۔

آٹھویں روز شکنتلا اپنے کمرے میں بیٹھی تھی کہ وہی بوڑھا ڈاکو اس کے پاس ایک ٹوکری میں پھل لے کر آ گیا۔ آتے ہی اس نے کہا:

''بیٹی' میں جہاز کے ساتھ واپس جا رہا ہوں۔ یہ پھل تمہارے لیے لایا تھا۔ ہوسکتا ہے پھر کبھی ملاقات نہ ہو''۔

شکنتلا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس کے پاس ایک اور کنیز

بیٹھی تھی۔ اس نے شکنتلا کو روتے دیکھا تو نفرت سے منہ بنا کر وہاں سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ بوڑھا ڈاکو اس کے وہاں سے جانے کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے کنیز کے جاتے ہی شکنتلا سے کہا:

''بیٹی' مجھے اس بات کا بڑا صدمہ ہے کہ میں تمہیں یہاں اکیلا چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ مگر میں مجبور ہوں۔ اگر میرے بس میں ہوتا تو میں کبھی تم سے الگ نہ ہوتا۔ مگر کپتان کے حکم کے خلاف آواز بلند نہیں کر سکتا۔ پھر بھی میں نے تمہارے لیے ایک ترکیب سوچی ہے''۔

شکنتلا نے پوچھا:

''بابا' وہ ترکیب کیا ہے؟''۔

بوڑھے نے آہستہ سے کہا:

''بیٹی اس جزیرے کے جنوب میں ایک ماہی گیر رہتا ہے۔ وہ

اب صرف گھر میں بیٹھ کر مچھلیاں پکڑنے والے جال مرمت کرتا ہے۔ اس سے میری دوستی ہے۔ وہ ایک دردمند آدمی ہے۔ یہ میری انگوٹھی تم اپنے پاس رکھ لو۔ اگر کسی طرح تم یہاں سے فرار ہو جاؤ تو اس ماہی گیر کو جا کر میری یہ انگوٹھی دے دینا۔ وہ تمہاری ہر طرح سے مدد کرے گا۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ تمہیں اس جزیرے سے باہر نکال سکے گا لیکن کم از کم وہ تمہیں اپنے ہاں چھپا ضرور لے گا اور کوشش کرے گا کہ تم یہاں سے فرار ہو سکو"۔

بوڑھے نے انگوٹھی اتار کر شگفتا کو دے دی۔ شگفتا نے پوچھا:

"اس ماہی گیر کا نام اور حلیہ کیا ہے بابا؟"۔

بوڑھا بولا:

اس ماہی گیر کا نام سارنگ ہے۔ حلیہ یہ ہے کہ وہ ایک ٹانگ سے لنگڑا چلتا ہے۔ اس کی جھونپڑی جنوبی ساحل پر ایک نیلے رنگ کی

چٹان کے سائے میں ہے۔ اگر تم کسی طرح یہاں سے فرار ہو جاؤ تو تم یہاں سے نکل کر اس مکان کے پچھواڑے والے جنگل میں سیدھی بھاگ جانا۔

آدھے راستے میں تمہیں ایک چشمہ ملے گا جس کے اوپر سرخ پھولوں والا ایک درخت ہے۔ اس چشمے سے تھوڑی دور سفر کرنے کے بعد ساحل آ جاتا ہے۔ قریب ہی نیلی چٹان ہے۔ جس کے سائے میں سارنگ ماہی گیر کی جھونپڑی ہے۔

اتنے میں مشاطہ کنیز اندر آ گئی۔ اس نے بوڑھے کی طرف دیکھ کر کہا:

"تم یہاں کیا کرنے آئے ہو؟"۔

بوڑھے نے کہا:

"میں موشے سے اجازت لے کر یہاں آیا ہوں۔ شگفتا مجھے

اپنی بیٹی کی طرح عزیز ہے۔اس سے آخری بار جدا ہو رہا تھا۔اس
لیے ملنے آ گیا"۔

مشاطہ نے جھاڑ پلاتے ہوئے کہا:

"اچھا چلو اب بھاگ جاؤ یہاں سے"۔

بڑھے ڈاکو نے اپنا کام پورا کر لیا تھا۔اب اسے وہاں ٹھہرنے
کی کوئی ضرورت بھی نہیں تھی؛ چنانچہ وہ اٹھا۔اس نے شکنتلا کے سر پر
ہاتھ رکھ کر اسے پیار کیا۔شکنتلا رونے لگی۔ایک مدت کے بعد اسے
کسی انسان سے باپ کا پیار ملا تھا۔مشاطہ اسے جھڑکنے لگی۔

"خبردار جو یہاں کبھی آنکھوں میں آنسو لائی۔ورنہ مار مار کر
میں تمہاری چمڑی ادھیڑ دوں گی۔یہاں کبھی کسی کنیز نے آنسو نہیں

بہائے۔اب خاموش ہو جا۔پونچھ لے آنسو"۔

شگفتہ آنسو پونچھ کر صبر کر کے بیٹھ گئی۔

دوسرے روز سمندری ڈاکوؤں کا جہاز جزیرہ مارشی سے کوچ کر گیا۔بوڑھا نیک دل ڈاکو بھی ان کے ساتھ ہی چلا گیا۔شگفتہ کا دل اس کے لیے کئی روز تک اداس رہا۔شگفتہ کو محل میں کسی قسم کی تکلیف نہیں تھی۔

سوائے اس کہ کہ اسے محل کے باہر قدم رکھنے کی اجازت نہیں تھی۔وہ وہاں محل کے اندر قیدی بن کر رہ گئی تھی۔اسے عنبر اور اپنا خاون، اپنا گھر اور اپنا بچہ یاد آتے تھے۔وہ دن کو تو مشاطہ کے ڈر کے مارے چپ چاپ سی ادھر ادھر کے کام کرتی رہتی۔لیکن رات کو وہ بستر پر لیٹ کر دیر تک چپکے چپکے آنسو بہایا کرتی۔

وقت گزرتا چلا گیا۔شگفتہ اب وہاں سے فرار ہونا چاہتی تھی۔وہ

دن رات موقع کی تلاش میں رہنے لگی۔ایک رات اسے موقع مل گیا۔

وہ اپنے بستر پر سے اٹھ کر دوسری منزل کی گیلری پر آ گئی۔اندھیری رات تھی۔ستاروں کی روشنی میں باہر جنگل کے درخت ہوا میں جھوم رہی تھے۔اتفاق سے باہر پہرہ دینے والی کنیز سو گئی تھی۔شگفتہ نے موقع غنیمت جانا اور دیوار کے ساتھ اوپر تک آتی ہوئی بیل کے سہارے گیلری پر سے نیچے اتر گئی۔زمین پر اترتے ہی اس نے محل کے پچھواڑے والے جنگل میں بھاگنا شروع کر دیا۔

وہ بھاگتی چلی گئی۔جنگل اس کے لیے اجنبی نہیں تھا۔وہ اس قسم کے کتنے ہی جنگلوں میں گزر چکی تھی۔

بھاگتے بھاگتے جب وہ تھک کر ایک جگہ بیٹھنے ہی والی تھا کہ اسے وہ چشمہ نظر آ گیا جس کے بارے میں بوڑھے ڈاکو نے اسے بتایا تھا۔چشمے کے اوپر سرخ پھولوں والا درخت تھا۔ایک پل ستانے

کے بعد وہ وہاں سے پھر بھاگ کھڑی ہوئی۔

کافی دور بھاگنے کے بعد وہ تھک گئی۔اس کا سانس پھول گیا۔وہ ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئی۔ جب اس کا سانس درست ہوا تو وہ تیز تیز قدموں سے حاصل سمندر کی طرف چلنے لگی۔اسے سمندر کی طرف سے چلنے والی ہوا محسوس ہو رہی تھی۔ پھر وہ جنگل سے باہر نکل آئی۔ سامنے سمندر پھیلا ہوا تھا۔

قریب ہی ایک نیلے رنگ کی چٹان تھی جو ستاروں کی روشنی میں سیاہ معلوم ہو رہی تھی۔ شگفتا سمجھ گئی کہ یہی وہ چٹان ہے جس کے بارے میں بوڑھے ڈاکو نے بتایا تھا۔

نیلی چٹان کے سائے میں ایک چھوٹی سی جھونپڑی بنی ہوئی تھی۔ جھونپڑی کے باہر بانس کی کھونٹیوں پر جال لٹک رہے تھے۔ یہی اس بوڑھے سارنگ بابا کی جھونپڑی تھی جو بوڑھے ڈاکو کا دوست

تھا۔شگفتا جھونپڑی کے باہر آ کر رک گئی۔جھونپڑی کا دروازہ بند تھا۔

شگفتا نے دروازے پر زور سے ہاتھ مارا۔اندر سے کسی نے پوچھا:

”کون ہے باہر؟“۔

شگفتا نے کہا:

”سارنگ بابا سے ملنا ہے“۔

اندر سے آواز آئی:

”میں ہی سارنگ بابا ہوں۔مگر تم کون ہو؟ آدھی رات کو میری جھونپڑی میں کیوں آئی ہو؟“۔

شگفتا نے کہا:

”بابا! آپ دروازہ کھولیں۔میں آپ کو سب کچھ بتا دوں گی“۔

”اچھا بیٹی کھولتا ہوں دروازہ“۔

جھونپڑی کا دروازہ کھل گیا۔اندر ایک چراغ جل رہا تھا۔جس کی

روشنی میں شگنتلا نے دیکھا کہ ایک سفید ڈاڑھی والا بوڑھا اس کے سامنے کھڑا ہے۔ یہ سارنگ بابا تھا۔ سارنگ نے بھی دیکھا کہ ایک خوش لباس، سیاہ بالوں والی عورت اس کی جھونپڑی کے دروازے میں کھڑی تھی۔

سارنگ بابا نے پوچھا۔

''بیٹی' تم کون ہو؟ کہاں سے آئی ہو؟

شگنتلا جھونپڑی کے اندر آ گئی۔

''بابا' دروازہ بند کرلو۔ پھر میں آپ کو سب کچھ بتاتی ہوں''۔

سارنگ نے دروازہ بند کر دیا۔ اندر کونے میں مچھلیاں پکڑنے کے جال پڑے تھے۔ زمین پر سوکھی گھاس بچھی تھی جس پر سارنگ سو رہا تھا۔ شگنتلا گھاس پر سارنگ بابا کے پاس بیٹھی تھی۔

سارنگ نے کہا:

''اب بتاؤ بیٹی' تم کہاں سے آ رہی ہو۔ تمہارا سانس بھی پھولا ہوا ہے اور تمہارے بالوں میں جنگل کے پتے اٹکے ہوئے ہیں۔ کیا تم جنگل میں سے بھاگ کر آئی ہو''۔

شکنتالا نے کہا:

"ہاں بابا"۔

اور پھر اس نے رومال میں سے بوڑھے ڈاکو کی دی ہوئی انگوٹھی نکال کر سارنگ کے ہاتھ پر رکھ دی۔ سارنگ نے انگوٹھی کو غور سے دیے کے پاس لے جا کر دیکھا اور مسکرا کر کہا:

"یہ تو میرے بڑے گہرے دوست کی انگوٹھی ہے۔ کیا وہ چلا گیا؟"۔

شکنتالا نے کہا:

"ہاں بابا' وہ چلا گیا۔ ان کا جہاز یہاں سے کوچ کر گیا ہے"۔

سارنگ بولا:

"کیا تم شکنتالا ہو؟"۔

شکنتالا بولی:

"ہاں' مگر آپ کو میرے نام کا علم کیوں کر ہوا؟"۔

سارنگ نے کہا:

"میرا دوست مجھے تمہارے بارے میں سب کچھ بتا گیا تھا۔ اس نے مجھے بتایا تھا کہ تم ایک شریف اور نیک خاندان کی لڑکی ہو۔ مگر قسمت کے چکر میں پھنس کر موشے کے محل میں لونڈی بنا دی گئی ہو۔ مجھے معلوم تھا کہ تم ایک نہ ایک دن اس ظالم کے محل سے بھاگ کر میرے پاس ضرور آؤ گی؛ بہر حال میں خوش ہوں کہ تم یہاں پہنچ گئی

ہو"۔

شگفتانے کہا:

"لیکن سارنگ بابا' میں یہ بھی نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے آپ پر کوئی مصیبت آئے۔ کیوں کہ میرے فرار ہونے کے بعد موشے سمگلر پاگل ہو جائے گا۔ صبح کو جب اسے پتہ چلے گا کہ میں غائب ہو گئی ہوں تو اس کے آدمی اس جزیرے کا چپہ چپہ چھان مریں گے۔ وہ ضرور اس جھونپڑی میں بھی آئیں گے۔ اگر انہوں نے مجھے پکڑ لیا تو میرے ساتھ ساتھ آپ پر بھی قیامت ٹوٹ پڑے گے"۔

سارنگ بابا نے کہا:

"بیٹی' جب میں نے اپنے دوست سے وعدہ کر لیا تھا کہ میں تمہاری ہر ممکن مدد کروں گا تو پھر مصیبتوں سے کیا ڈرنا۔ جو ہو گا دیکھا جائے گا"۔

شگفتانے کہا:

"بابا' میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے آپ کی جان خطرے میں پڑے۔ میں بھی پکڑی جاؤں اور آپ کو بھی موشے سمگلر کے آدمی جان سے مار ڈالیں۔ ہمیں کوئی ایسی ترکیب سوچنی چاہیے کہ جس سے سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹنے پائے"۔

سارنگ بابا نے کہا:

"بیٹی' پھر اس کی ترکیب ایک ہی ہے"۔

شگفتانے پوچھا:

"وہ کیا بابا؟"۔

سارنگ نے کہا:

"میری جھونپڑی کے پیچھے جو نیلی چٹان ہے اس کے اندر ایک چھوٹا سا غار ہے جس کے بارے میں کبھی کسی کو علم نہیں ہوا۔ کم از کم

میں نے کبھی کسی کو اندر جاتے نہیں دیکھا۔ اس غار کے منہ پر جنگلی جھاڑیاں اگی ہوئی ہیں۔ اگر تم پسند کرو تو دن کے وقت اس میں جا کر چھپ سکتی ہو۔ وہاں تمہیں کھانا پہنچا دیا کروں گا۔ ویسے میں پتھر لا کر غار کے منہ کے آگے بھی چن دوں گا تا کہ کسی کو شک ہی نہ پڑے کہ اس کے اندر کوئی انسان رہتا ہے"۔

شکنتلا نے کہا:

"میں غار کے اندر رہنے پر تیار ہوں۔ مگر بابا! آخر میں کب تک اس غار کے اندر پڑی رہوں گی۔ کیا یہاں سے فرار ہونے کی کوئی ترکیب نہیں کی جا سکتی؟"۔

"تمہارا مطلب ہے اس جزیرے سے فرار ہونے کی ترکیب؟"۔

"ہاں بابا"۔

سارنگ بابا گہری سوچ میں پڑ گیا۔ پھر سر اٹھا کر بولا:

"بیٹی، یہ کام بڑا مشکل ہے۔ میں تمہیں کسی نہ کسی طرح ایک کشتی پر سوار کروا کر یہاں سے بھگا سکتا ہوں۔ مگر تم اتنے بڑے سمندر میں کہاں جاؤ گی؟ سمندر بڑا خونخوار ہے۔ تم اکیلی نازک عورت ہو۔ سمندر میں شارک مچھلیاں بھی ہیں۔ طوفان بھی آتے ہیں۔ تم کیا کرو گی؟ اور پھر یہاں آس پاس کوئی جزیرہ بھی نہیں ہے۔ ہزاروں میل تک سمندر ہی سمندر ہے۔ تم ایک چھوٹی سی کشتی پر زیادہ دن تک بھوکی پیاسی زندہ نہ رہ سکو گی"۔

شکنتلا نے مایوسی سے کہا:

"تو بابا! کیا میں زندگی بھر اپنے خاوند اور معصوم بچے سے نہ مل سکوں گی؟"۔

سارنگ بابا کا دل دہل گیا۔ کہنے لگا:

''بیٹی گھبراؤ نہیں' خدا تمہارے لیے کچھ نہ کچھ کرے گا۔ اس جزیرے پر کبھی کبھی کوئی مسافر جہاز بھی خوراک پانی لینے نکل آتا ہے۔ ایسا جہاز جب بھی آیا۔ میں تمہیں اس میں سوار کرادوں گا''۔

شگفتا نے سر جھکا دیا۔ اسے اپنا مستقبل پہلی بار تاریک نظر آنے لگا تھا۔ سارنگ بابا نے اسے سو جانے کے لیے اور خود بھی جھونپڑی کے ایک طرف ہو کر سو گیا۔ شگفتا سوکھی گھاس پر لیٹ گئی۔ اسے نیند نہیں آرہی تھی۔ اسے یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ پتھر دل سمندر کی چار دیواری میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قید ہو کر رہ گئی ہے۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

سانپ کا انتقام

شگفتا کو ہم سارنگ بابا کی جھونپڑی میں چھوڑتے ہیں۔

اب ہم ذرا جاپان لتے ہیں جہاں کیوشو کی بندرگاہ کے شہر میں ناگ اور ماریا شاہی محل میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ یہ دونوں اس محل میں عنبر کے انتظار میں تھے۔

انہیں وہاں رہتے ایک سال بیت گیا۔ عنبر واپس نہ آیا تو ایک روز ماریا نے ناگ سے کہا:

"ناگ بھائی' میرا خیال ہے کہ ہمیں اب یہاں سے واپس ہندوستان کی طرف کوچ کر جانا چاہیے۔عنبر بھائی کا انتظار اب فضول ہے۔وہ ضرور ہندوستان میں ہی ہمیں مل جائے گا"۔

ناگ نے کہا:

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں کہ اب یہاں رہتے رہتے بہت وقت گزر گیا ہے۔عنبر اب یہاں نہیں آئے گا۔اب ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے"۔

ماریا تو کیوشو کے بادشاہ سے بات نہیں کر سکتی تھی۔کیونکہ وہ تو کسی کو نظر ہی نہیں آتی تھی۔وہ ایک برس سے شاہی محل میں غائب حالت میں رہ رہی تھی۔ناگ سب کو دکھائی دیتا تھا؛ چنانچہ اس نے بادشاہ سے جا کر اپنے دل کا حال بیان کر دیا کہ اب وہ وہاں سے واپس ہندوستان جانا چاہتے ہیں۔

بادشاہ نے کہا:

"میرے بچے، یہ تمہارا اپنا محل ہے۔تم چاہو تو ساری عمر یہاں رہ سکتے ہو۔لیکن عنبر بیٹا خدا جانے کہاں ہے؟ اس کا مجھے بھی انتظار ہے۔ اگر تم نے واپس جانے کا فیصلہ کر لیا ہے تو ٹھیک ہے۔ میں تمہیں روکنے والا کون ہوں۔تم تیاری کر لو۔ میں تمہارے لیے شاہی جہاز کا بندوبست کر دوں گا۔تم اس جہاز میں بیٹھ کر واپس ہندوستان جا سکتے ہو۔یہ میرا خاص جہاز ہو گا جو تمہیں ہندوستان چھوڑ کر واپس آ جائے گا"۔

ناگ نے کہا:

"میں آپ کا بہت بہت شکر گزار ہوں بادشاہ سلامت کہ آپ میرے لیے اتنی تکلیف اٹھا رہے ہیں"۔

بادشاہ نے کہا:

"کوئی تکلیف نہیں بیٹا، یہ تو میرا فرض ہے۔ تم لوگوں نے میرے بیٹے کی جان بچا کر مجھ پر جو احسان کیا ہے میں اس کا بدلہ کبھی نہیں چکا سکتا"۔

ناگ نے ماریا کو جا کر یہ خوشخبری سنائی کہ بادشاہ نے ان کے سفر کے لیے ایک خاص بحری جہاز کا بندوبست کر دیا ہے۔

وقت مقررہ پر ناگ اور ماریا جہاز پر سوار ہو گئے۔ یہ ایک چھوٹا مگر بڑا مضبوط شاہی جہاز تھا جس کے مستولوں اور پیندے پر سنہری رنگ پھرا تھا۔ اس جہاز کو شاہی غلام چلا رہے تھے۔

بادشاہ اور شہزادہ خود سمندر کے کنارے انہیں چھوڑنے آئے۔

ماریا چونکہ کسی کو نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس لیے وہ تو پہلے ہی جہاز پر سوار ہو گئی۔ اس کے بعد ناگ بھی بادشاہ اور شہزادے سے مل کر جہاز پر سوار ہو گیا۔

جہاز کے بادبان کھل گئے اور وہ کھلے سمندر میں بڑی تیزی سے اپنی منزل کی طرف سفر کرنے لگا۔ دو تین دنوں کے سفر کے بعد وہ سمندر کے اسے علاقے میں پہنچ گئے جہاں پانی کے اندر بڑی بھیانک چٹانیں تھیں۔ مگر شاہی بجرے کے تجربہ کار ملاح اسے بڑی آسانی سے نکال کر لے گئے۔

اب ہمارے پڑھنے والوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ ادھر یہ شاہی بجرا ناگ اور ماریا کو لے کر آگے بڑھ رہا تھا ادھر سمندری ڈاکوؤں کا جہاز شیواجی ٹھگ کو لے کر جاپان کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ان کے پیچھے عنبر ایک تجارتی جہاز میں سوار جاپان کی طرف سفر کر رہا تھا۔

بحری ڈاکوؤں کا جہاز ایک چمکیلی صبح کو سمندر میں چلا جا رہا تھا۔ شیواجی ٹھگ اس کے تین اور دوسرے ڈاکو اور کپتان جہاز کے عرشے پر آرام سے بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے کہ جہاز کے اونچے مستول پر

چڑھے ہوئے ایک بحری ڈاکو نے اوپر ہی سے آواز لگائی۔

’’شکار‘شکار‘شکار‘‘۔

اس لفظ کے ساتھ ہی سمندری ڈاکوؤں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ شکار کا مطلب یہ تھا کہ کوئی تجارتی جہاز بحری ڈاکوؤں کے جہاز کی طرف بڑھا چلا آ رہا ہے۔

کپتان نے اعلان کیا:

’’جہاز آ رہا ہے۔اس پر حملے کے لیے تیار ہو جاؤ‘‘۔

سمندری ڈاکوؤں نے سروں پر لال پیلے نیلے رومال باندھ لیے اور تلواریں‘ خنجر اور نیزے سنبھال لیے اور عرشے پر آ کر جمع ہو گئے۔

ان کا حملہ کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ وہ تجارتی جہاز پر رسوں کی مدد سے چھلانگ لگا دیتے تھے اور مسافروں کا قتل عام شروع کر دیتے تھے۔ پھر وہ جہاز کو اپنے قبضے میں کر لیتے اور سارا مال لوٹ کر اپنے جہاز پر آ جاتے اور تجارتی جہاز کو آگ لگا کر کھلے سمندر میں جلنے کے لیے چھوڑ دیتے۔

کپتان نے شیوا جی سے کہا:

"میں بہت خوش ہوں کہ ایک جہاز مل گیا۔ میں تو سوچ رہا تھا کہ جاپان تک کا سفر یونہی بے کار جائے گا۔ مگر قدرت نے ایک گرما گرم شکار ہماری طرف روانہ کر دیا"۔

شیوا جی ٹھگ بھی خوش تھا۔ کہنے لگا:

"یہ میری خوش قسمتی ہے کہ میں آپ جیسے تجربہ کار کپتان کے ساتھ ایک جہاز کو لٹتے اور مسافروں کو قتل ہوتے دیکھوں گا"۔

کپتان نے ہوا میں تلوار کا وار کرتے ہوئے کہا:

"میں تو دشمن کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دوں گا"۔

اتنے میں ایک ڈاکو نے مستول پر سے آواز لگائی:

"کپتان! یہ جہاز کوئی شاہی جہاز معلوم ہوتا ہے"۔

کپتان بولا:

"ہیں شاہی جہاز؟ یہ تو ہماری بے حد خوش قسمتی ہے۔ اس پر تو شاہی خزانہ لدا ہوگا"۔

شیوا جی بولا:

"لیکن کپتان! اس میں فوج بھی تو ہو سکتی ہے"۔

کپتان قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"ارے شاہی فوج تو موٹی ٹخنیں ہوتی ہیں۔ وہ ہم بہادر ڈاکوؤں کا کیا مقابلہ کر سکتی ہیں بھلا۔ تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ میرے

بہادر ڈاکوان کا کیا حشر کرتے ہیں"۔

تھوڑی دیر میں جاپان کا شاہی بجرا ابھر کر سمندر کی لہروں پر آ گیا۔ اس بجرے پر ناگ اور ماریا سوار سفر کر رہے تھے۔ ان کے علاوہ کوئی پچاس کے قریب غلام اور ایک کپتان تھا۔ شاہی بجرے کے کپتان نے بھی دور ایک جہاز کے سفید بادبانوں کو دیکھا اور ناگ سے کہا:

"کوئی تجارتی جہاز معلوم ہوتا ہے۔ ہندوستان سے چل کر کیوشو کی طرف سفر کر رہا ہے"۔

ناگ بھی غور سے جہاز کو دیکھنے لگا جو دم بہ دم ان کے قریب آ رہا تھا۔ پھر اچانک شاہی کپتان نے خوف زدہ ہو کر کہا:

"ہائیں' مارے گئے"۔

ناگ نے پوچھا:

"کیا ہوا کپتان صاحب؟"۔

شاہی کپتان نے کہا:

"یہ تو سمندری قزاقوں کا جہاز ہے"۔

ناگ نے جہاز کی طرف دیکھا۔ ماریا بھی غائب حالت میں اس کے پاس کھڑی جہاز کی طرف دیکھ رہی تھی۔ بحری ڈاکوؤں نے اس وقت تک جہاز پر اپنا خوفناک کھوپڑی اور ہڈیوں والا جھنڈا لہرا دیا تھا۔ یہ اس بات کا اعلان تھا کہ ہم حملہ کرنے والے ہیں۔ اگر تم اپنا بچاؤ کر سکتے ہو تو کر لو۔ مگر شاہی جہاز کا کپتان بالکل گائے ثابت ہوا۔ سمندری ڈاکوؤں کے جھنڈے کو دیکھتے ہی اس کا رنگ زرد ہو گیا۔ اس پر مردنی چھا گئی اور عرشے پر بیٹھے ہوئے بولا:

"بھائی صاحب، اب ہمیں کوئی طاقت سمندری ڈاکوؤں کے ہاتھوں موت سے نہیں بچا سکتی۔ اب ہم مارے گئے سمجھو۔ بس دو چار

زندگی کے سانس جو باقی رہ گئے ہیں ان کا مزہ لے لو"۔

ناگ نے اسے حوصلہ دلاتے ہوئے کہا:

"کپتان صاحب' آپ کو تو بہت بہادر ہونا چاہیے۔ ڈرنا تو ہمیں چاہیے۔ مگر الٹا آپ پر لرزہ طاری ہو گیا ہے"۔

شاہی کپتان بولا:

"میاں' تمہیں کبھی بحری ڈاکوؤں سے پالا نہیں پڑا۔ ان جیسے ظالم لوگ اس دنیا میں کہیں نہیں ہیں۔ یہ تو مسافروں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کاٹ کر پھینکتے چلے جاتے ہیں"۔

ماریا کی بے اختیار ہنسی نکل گئی۔ کپتان نے جو ایک عورت کی ہنسی کی آواز سنی تو ڈرتے ہوئے بولا:

"یہ عورت کہاں سے آ گئی؟ یہ ہنسی کس کی تھی؟ یہاں تو کوئی بھی عورت نہیں ہے۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ ضرور کوئی چڑیل ہے جو ہماری موت

بن کر جہاز پر آ گئی ہے"۔

ناگ نے کہا:

"کپتان اگر تم نے ڈرنا ہی ہے تو نیچے جا کر بیٹھ جاؤ اور باقی غلاموں کے حوصلے پست نہ کرو"۔

اب سمندری ڈاکوؤں کا جہاز بہت قریب آ گیا تھا۔ اتنا قریب کہ اس کے عرشے پر کھڑے بحری ڈاکوؤں کے خوفناک چہرے صاف دکھائی دے رہے تھے۔ ناگ نے غلاموں سے کہا کہ وہ بہادری سے مقابلہ کریں۔ ڈاکو بزدل ہوتا ہے۔

"وہ ہمارا مقابلہ نہ کر سکے گا۔ اس کے سامنے دیوار بن کر ڈٹ

جاؤ۔ وہ بھاگ جائے گا۔ ہم اسے بھگا دیں گے۔ تم فکر نہ کرو۔ گھبرانا ہرگز نہیں۔ خدا کی مدد ہمارے ساتھ ہوگی۔ آسمان سے غیبی مدد آئے گی"۔

مگر سب غلاموں کے چہرے اترے ہوئے تھے۔ ان کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ ان کے رنگ زرد تھے۔ اب بحری ڈاکوؤں کا جہاز سامنے آ گیا تھا۔

بحری ڈاکوؤں نے رسوں کو تھام کر بھیانک چیخیں ماریں اور اچھل کر تلواریں ہاتھوں میں لیے شاہی بجرے میں چھلانگیں لگا دیں۔ انہوں نے آتے ہی غلاموں کو کاٹ کاٹ کر مارنا شروع کر دیا۔ وہ تو بے چارے اپنے آپ تلواروں کے آگے گر رہے تھے۔

ناگ بھاگ کر بجرے کے اوپر چلا گیا۔

ماریا نے ایک تلوار ہاتھ میں لے لی اور غائب حالت میں ہی

ڈاکوؤں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ دیکھتے دیکھتے اس نے دس بارہ ڈاکوؤں کی گردنیں بالکل صاف اڑا دیں۔ عرشے پر کھڑے اور شیوا جی بڑے حیران ہو رہے تھے کہ یہ ڈاکوؤں کی گردنیں اپنے آپ کیسے اڑتی جا رہی ہیں؟ ادھر ناگ نے جہاز کے اوپر چڑھ کر آنکھیں بند کیں اور ہاتھ اوپر اٹھا کر جو زور سے جھٹکا تو کتنے ہی سانپ اس کے ہاتھوں سے نکل کر بحری ڈاکوؤں کی طرف لپکے۔ ان میں کہرام مچ گیا۔ مگر سانپوں نے دیکھتے دیکھتے ان سبھوں کو ہلاک کر کے رکھ دیا۔

سانپ اس قدر زہریلے تھے کہ ڈاکوؤں کو ڈستے ہی موت کی نیند سلا دیا۔ شیوا جی کے تینوں ٹھگ بھی مارے گئے۔ اب صرف شیوا جی اور ڈاکوؤں کا کپتان اور دو ڈاکو رہ گئے۔ جو اپنے جہاز پر کھڑے لڑائی دیکھ رہے تھے۔ ناگ نے رسی کو پکڑا اور لٹک کر کپتان کے جہاز پر آ گیا۔

ماریا بھی اس کے ساتھ ہی ڈاکوؤں کے جہاز پر آ گئی۔ شیوا جی اور کپتان نے تلواریں نکال کر ناگ پر حملہ کر ہی دیا۔ کیونکہ انہیں صرف ناگ ہی نظر آ رہا تھا۔ ماریا تو انہیں دکھائی ہی نہیں دے رہی تھی۔ ویسے وہ ایک خالی رسی کو اچھل کر شاہی بجرے سے اپنے جہاز پر آتے دیکھ کر بے حد حیران ہوئے تھے۔ مگر وہ وقت حیرانی کا نہیں تھا۔ دشمن ان کے اپنے جہاز پر آ چکا تھا۔

ایک ایسا دشمن جس نے اپنی جادوگری کے زور پر ان کے سارے کے سارے ڈاکو موت کے گھاٹ اتار دیے تھے۔ کپتان ناگ کی طرف بڑھا۔ وہ ناگ کو ایک زبردست جادوگر سمجھ رہا تھا۔ جس کی جادوگری نے اس کے سارے کے سارے ساتھیوں کو ختم کر کے رکھ دیا تھا۔ اگرچہ ناگ کے شاہی بجرے کے بھی سارے آدمی مارے گئے تھے۔

جوں ہی کپتان تلوار لہرا کر ناگ کی طرف بڑھا۔ ناگ لپک کر لکڑی کی دیوار کی اوٹ میں ہو گیا۔ شیوا جی ٹھگ بھی اس کی طرف حملہ کرنے کے لیے لپکا۔ ناگ نے سانس کی پھنکار ماری اور غائب ہو کر سانپ بن گیا۔

سانپ کے روپ میں آ کر ناگ ایک جگہ چھپ گیا۔ اب جہاز پر ماریا کے ساتھ ساتھ ناگ بھی غائب ہو چکا تھا۔ کپتان ڈاکو اور شیوا جی بڑے حیران ہوئے کہ ابھی ابھی تو ان کا دشمن وہاں موجود تھا۔ پھر وہ کہاں چلا گیا؟

انہوں نے تلواریں لے کر جہاز کا کونہ کونہ چھان مارا مگر ناگ انہیں کہیں بھی نہ ملا۔

کپتان نے شیوا جی ٹھگ سے کہا:

”میں زندگی میں پہلی بار ایسی جادوگری دیکھ رہا ہوں کہ ایک جیتا

جاگتا انسان غائب ہو گیا ہے۔ ہمارے دیکھتے دیکھتے غائب ہو گیا ہے“۔

شیوا ٹھگ بولا:

”میرا خیال ہے یہ کیوشو کے بادشاہ کا شاہی جادوگر تھا جو ہندوستان کی طرف سفر کر رہا تھا۔ ہم نے اس سے لڑائی مول لے کر سخت غلطی کی ہے۔ اب ہم اپنی غلطی کی سزا بھگت رہے ہیں“۔

کپتان غرا کر بولا:

”اس جادوگر نے میرے بہترین ساتھیوں کو ہلاک کیا ہے۔ میں اس سے انتقام لوں گا۔ میں اس کے شاہی بجرے کو آگ لگا دوں گا“۔

چنانچہ کپتان نے بہت سے کپڑوں کو رال میں بھگو کر آگ لگائی اور ناگ کے شاہی بجرے میں پھینک دیا۔ شاہی بجرے میں غلاموں

اور ڈاکوؤں کی لاشیں بھی پڑی تھیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے بجرے میں آگ لگ گئی۔ شعلے آسمان کو چھونے لگے اور سارے کا سارا لکڑی کا جہاز جل کر سمندر میں غرق ہو گیا۔

کپتان نے قہقہہ لگا کر کہا:

"اب میرا سینہ ٹھنڈا ہو گیا مگر ابھی میرا اصل دشمن باقی ہے۔ ابھی اس سے بدلہ لینا باقی ہے اگر وہ میرے سامنے آ جائے تو میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا"۔

ٹھیک اس وقت ناگ کپتان کے قریب ہی لکڑی کے صندوقوں کے درمیان سانپ بن کر چھپا اس کی ساری باتیں سن رہا تھا اور ماریا کپتان کے بالکل پیچھے تلوار لیے کھڑی تھی۔ ناگ نے زور سے سیٹی بجائی۔ ماریا نے سانپ کو دیکھ لیا۔ سیٹی کی آواز سن کر کپتان اور شیوا جی نے چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

شیوا ٹھگ نے کہا:

"یہ تو سانپ کی آواز تھی"۔

کپتان بولا:

"ہاں یہ سانپ کی آواز تھی"۔

کپتان نے گھبرا کر اپنے پیچھے دیکھا۔ مگر اس کے پیچھے کچھ بھی نہیں تھا۔

ڈاکو آ گئے

لیکن اس کے پیچھے ماریا تلوار ہاتھ میں لیے کھڑی تھی۔

ماریا نے سانپ کا اشارہ پاتے ہی تلوار کا ایک ہاتھ مارا اور کپتان کا کندھا سینے تک کٹ گیا۔ وہ لڑکھڑا کر جہاز کے عرشے پر گرا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ادھر ادھر تکنے لگا۔ شیواجی ٹھگ ڈر کر دور بھاگ گیا۔ کپتان کے جسم سے خون بہہ رہا تھا۔ اس نے آواز دے کر پکارا:

"شیواجی' میری مدد کرو۔ جادوگر نے حملہ کر دیا ہے"۔

اس پر ماریا نے کہا:

"بد بخت ڈاکو' تجھے تیرے ظلموں کا بدلہ مل رہا ہے۔ تو نے آج تک سینکڑوں بے گناہ انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارا ہے۔ آج تو خود موت کی آغوش میں جا رہا ہے۔ یاد رکھ۔ ظالم کا انجام کبھی اچھا نہیں ہوتا جو دوسروں کے لیے گڑھا کھودتا ہے وہ پہلے خود اس میں گرتا ہے"۔

کپتان چکر کھا گیا کہ یہ عورت کی آواز کہاں سے آ رہی ہے اس کے سامنے کوئی عورت نہیں کھڑی تھی۔ اس کی حالت خراب ہونے لگی تھی۔ کندھے پر تلوار کا زخم گہرا لگا ہوا تھا۔ اور خون برابر بہے چلا جا رہا تھا۔ اس نے کمزور آواز میں کہا:

"تم کون ہو؟ تم کہاں سے بول رہی ہو؟ کیا تم کوئی جن ہو۔ بھوت ہو؟"۔

ماریا نے کہا:

"میں نہ تو کوئی جن ہوں، نہ بھوت ہوں۔ میں صرف تمہاری موت ہوں جوان بے گناہوں کا بدلہ لینے کے لیے آئی ہوں جن کو تم نے اور تمہارے ڈاکوؤں نے لوٹ کر ہلاک کر دیا۔ اب اپنی موت کے لیے تیار ہو جا"۔

کپتان نے کہا:

"کیا تم مجھے معاف نہیں کرو گی؟"

ماریا نے کہا:

"موت کسی کو معاف نہیں کیا کرتی۔ یہ اگر غریبوں کو آتی ہے تو ظالموں اور بادشاہوں کو بھی ایک دن اپنے پنجے میں دبوچ لیتی ہے۔"

اس کے ساتھ ہی ماریا نے تلوار کا ایک اور وار کیا اور کپتان کی گردن کٹ کر عرشے کے تختے پر گری اور لڑھکتی ہوئی سمندر میں گر

گئی۔

ظالم کپتان ڈاکو کی لاش وہیں تھوڑی دیر تڑپی اور پھر ٹھنڈی ہو گئی۔ شیوا ٹھگ دور کھڑا یہ بھیانک منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے پہلے تو یہ دیکھا کہ کپتان کے کندھے پر خدا جانے کہاں سے تلوار لگی اور وہ نیچے تک کٹ گیا۔ پھر اس نے کپتان کو کسی کے ساتھ باتیں کرتے سنا۔

اس نے جواب میں کسی عورت کی آواز بھی سنی جو اسے دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

پھر شیوا جی نے دیکھا کہ کپتان کی گردن خود بخود اس کے جسم سے علیحدہ ہو کر لڑھکتی ہوئی سمندر میں جا پڑی۔ وہ تو دہشت سے زرد ہو گیا۔ تو کیا جہاز پر کسی آسیب نے قبضہ کر لیا تھا؟ شیوا جی ٹھگ اس گھڑی کو کوسنے لگا جب اس نے اس جہاز پر قدم رکھا تھا۔ کاش وہ اس

جہاز پر کبھی سفر نہ کرتا۔

کاش وہ اس سفر پر کبھی گھر سے نہ نکلتا۔ تو کیا اس نے شکنتلا کے ساتھ جو ظلم کیا تھا قدرت نے اس سے بدلہ لیا ہے؟ کاش وہ شکنتلا کو خرید کر کبھی فروخت نہ کرتا۔ آخر وہ کسی کی بہن تھی، کسی کی بیٹی تھی اور کسی بچے کی ماں تھی۔ شیوا ٹھگ اپنے کیے پر پچھتا رہا تھا اور ماریا ناگ سے کہہ رہی تھی:

”ناگ بھائی، وہ جو سامنے ایک ڈاکو بیٹھا ہے اس کا کیا کریں؟“۔

ناگ نے کہا۔

”ماریا بہن' یہ بھی ڈاکوؤں کا ساتھی ہے اسے بھی ہلاک کر دینا چاہیے“۔

ماریا نے کہا:

”لیکن پہلے اس سے یہ پتہ کرنا چاہیے کہ یہ جہاز کہاں سے آ رہا ہے، کہاں جا رہا تھا؟ ہوسکتا ہے اس شخص سے ہمیں بھائی عنبر کا کچھ سراغ مل سکے۔“

”ہاں' یہ تمہارا خیال ٹھیک ہے۔ چلو اس سے چل کر معلوم کرتے ہیں کہ وہ کون ہے اور جہاز کدھر سے آ رہا تھا؟ تم جا کر اس سے بات کرو۔ میں بعد میں آ جاؤں گا۔“

ماریا کے ہاتھ میں تلوار ابھی تک پکڑی ہوئی تھی۔ وہ جہاز کے عرشے پر قدم قدم چلتی شیوا ٹھگ کے قریب جا کر کھڑی ہو گئی۔ جہاز کے بادبان لپیٹ دیے گئے تھے اور وہ سمندر میں ایک ہی جگہ کھڑا جھوم رہا تھا۔ شیوا جی ٹھگ نے عرشے پر کسی کے قدموں کی آواز سنی تو چوکنا ہو گیا۔ اس نے تلوار لہرا کر پوچھا:

”کون ہے؟ خبردار آگے مت آنا۔ نہیں تو ہلاک کر دوں گا۔“

ماریا کو سخت غصہ آیا کہ یہ کس قدر ضدی اور کمینہ شخص ہے کہ اپنے ساتھی کو سامنے قتل ہوتے دیکھ چکا ہے اور پھر بھی اکڑپن دکھا رہا ہے۔

ماریا نے اس کی تلوار پر زور سے تلوار ماری۔ شیوا ٹھگ کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ کر دور جا گری۔

وہ تلوار اٹھانے کو آگے بڑھا تو ماریا نے اس کی پیٹھ پر ایک زور دار لات ماری۔ وہ اوندھے منہ عرشے پر گر پڑا۔ ماریا نے پاؤں کی ٹھوکر سے تلوار کو سمندر میں گرا دیا۔ شیوا ٹھگ اٹھ کر بیٹھ گیا اور سہمی ہوئی نظروں سے اردگرد دیکھنے لگا۔ اسے احساس ہو گیا تھا کہ آسیب قریب ہی ہے۔

ماریا نے گرج کر کہا:

"تم کون ہو؟ کہاں سے آ رہے ہو؟"۔

شیوا جی ٹھگ نے کہا:

"میرا نام شیوا ٹھگ ہے۔ میں ملک ہندوستان سے آ رہا ہوں"۔

ماریا نے پوچھا:

"تم جاپان کیا کرنے جا رہے تھے؟"۔

شیوا ٹھگ بولا:

"میں لونڈیوں اور غلاموں کی خرید و فروخت کا دھندا کرتا ہوں۔ میں لونڈی خرید کر جاپان جا رہا تھا کہ اس جہاز پر مصیبت نازل ہو گئی"۔

ماریا نے کہا:

"ناگ بھائی، سامنے آ جاؤ"۔

ناگ سانپ کے روپ میں سامنے آ کر اپنا پھن پھیلا کر شیوا ٹھگ کے سامنے جھومنے لگا۔ اس نے ڈرتے ہوئے کہا:

"یہ۔۔ یہ سانپ کہاں سے آ گیا؟"۔

ماریا نے کہا:

"یہ سانپ تمہاری موت بن کر آیا ہے۔ تم نے سینکڑوں گھروں کو تباہ و برباد کیا ہے۔ تم نے سینکڑوں عورتوں کو اغوا کر کے دوسرے ملکوں میں فروخت کر دیا ہے۔ کئی بچوں کو ان کی ماؤں سے اور کئی ماؤں کو ان کے بچوں سے محروم کیا ہے۔ تمہاری سزا بڑی سخت ہو گی۔ تمہیں پہلے یہ سانپ ڈسے گا۔ پھر میں اپنی تلوار سے تمہاری بوٹی بوٹی الگ کر دوں گی"۔

شیوا جی کی مکار آنکھوں نے دیکھا کہ اس کے پاس ہی تختے پر ایک لکڑی کا ڈنڈا پڑا تھا۔ اس نے لپک کر وہ ڈنڈا اٹھایا اور سانپ پر حملہ کر دیا۔ اگر ناگ تیزی سے دوسری طرف نہ ہٹ جاتا تو ڈنڈا اس کی کمر میں پڑ چکا تھا، ناگ کے دو ٹکڑے ہو جاتے۔ ناگ زور سے

پھنکارا۔ غصے سے اس کے منہ میں جھاگ آ گیا۔ ماریا کا رنگ بھی غصے سے لال ہو گیا۔ ماریا نے تلوار کی نوک شیوا ٹھگ کی گردن پر رکھ دی اور کہا۔

"مکار انسان اب بتا تو ہم سے بچ کر کہاں جائے گا؟ کیا تو سمجھتا ہے کہ ظلم کرنے والے آدمی پر مظلوم کی آہ کبھی نہیں پڑتی؟ کیا ظالم شخص عیش و عشرت میں ہی زندگی بسر کرتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ ایک وقت آتا ہے کہ اس سے اس کے ایک ایک ظلم کا حساب لیا جاتا ہے۔ پھر اسے پتہ چلتا ہے کہ کسی پر ظلم کرنا کتنا بڑا گناہ ہے۔ مگر پھر پچھتانے سے کچھ نہیں ہوتا۔ کیوں کہ وقت گزر چکا ہوتا ہے"۔

ناگ بھی پھنکار مار کر انسان کے روپ میں شیوا ٹھگ کے سامنے آ گیا۔ اس نے تلوار ہاتھ میں لی۔ شیوا جی ٹھگ کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس نے اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھا کہ ایک سانپ

پھنکار مار کر انسان کے روپ میں بدل گیا ہے۔ اس نے جو کچھ دیکھا تھا اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ اسے تو غش آتے رہ گیا تھا۔ وہ اگرچہ بڑا ظالم آدمی تھا مگر وہم پرست بھی تھا۔ وہ لوگوں کو قتل کر سکتے تھا مگر سانپ کو انسان بنتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس نے پوچھا:

"یہ کیسے ہو گیا؟ سانپ دیوتا انسان کے روپ میں آ گیا۔ کیا تم سانپ دیوتا ہو۔ کیا تم ناگ دیوتا ہو؟"۔

ناگ نے کہا:

"میں ناگ دیوتا ہوں اور تمہاری موت کا پیام لے کر یہاں آیا ہوں۔ یہ بتاؤ کہ تم نے ایک ایسے نوجوان کو کہیں دیکھا ہے جو کبھی نہیں مرتا جس کا رنگ صاف ہے اور آنکھوں میں بے پناہ کشش ہے۔ جس کے جسم پر کوئی زخم نہیں لگتا۔ جس کے جسم سے کبھی خون نہیں بہتا"۔

شیوا ٹھگ ناگ کا منہ دیکھ رہا تھا کہ وہ کس آدمی کے بارے میں کیا کہہ رہا ہے۔اس نے کہا:

''نہیں' میں نے ہندوستان کے ملک میں ایسے کسی آدمی کو نہیں دیکھا۔مگر وہ کون ہے؟تمہارا کیا لگتا ہے؟''۔

ناگ نے کہا:

''وہ میرا بھائی ہے۔لیکن تم کون ہو مجھ سے پوچھنے والے۔تم اب مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔تم کس طرح مرنا پسند کرو گے؟ کیا میں تلوار سے تمہاری گردن اڑاؤں یا سانپ بن کر تمہارے جسم میں زہر داخل کر دوں''۔

شیوا جی نے کہا:

''اگر تم مجھے معاف کر دو تو میں ساری زندگی تمہاری خدمت کرتے کرتے گزار دوں گا''۔

ناگ نے کہا:

''دشمن پر کبھی بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔دشمن قابو میں آ جائے تو پھر اسے کبھی نہیں چھوڑنا چاہیے۔اسے اسی وقت ختم کر دینا چاہیے۔ تاکہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری''۔

ماریا نے کہا:

''ناگ بھائی' اس نے عورتوں پر ظلم کیے ہیں۔یہ میرا شکار ہے۔اس سے عورتوں اور مظلوم بچوں کا میں بدلہ لوں گی''۔

ناگ نے کہا:

بہت اچھا ماریا۔اس سے تم ہی بدلہ لو''۔

شیوا جی نے یہ باتیں سنیں تو عرشے پر سے اٹھ کر دوڑا اور اس نے سمندر میں چھلانگ لگا دی۔ناگ اور ماریا اسے دیکھتے رہ گئے۔

ماریا بولی:

”کم بخت سمندر میں بھلا کہاں بچے گا؟ اسے سمندر کی موت زیادہ پسند تھی“۔

ناگن نے کہا:

سے سینکڑوں بے گناہ عورتوں اور بچوں کا بدلہ لے لیا تھا۔

ناگ نے ڈاکو کپتان کی لاش بھی اٹھا کر سمندر میں پھینک دی۔

اب وہ بحری ڈاکوؤں کے جہاز پر اکیلے رہ گئے تھے۔ وہ اس جہاز کے مالک تھے۔ جس کے مالک نے قریباً سینکڑوں جہازوں کو لوٹ کر ان کے مسافروں کو قتل کر دیا تھا اور جہازوں کو آگ لگا دی تھی۔

ماریا نے کہا:

”ناگ بھائی، سب سے پہلے تو ہمیں اس جہاز کے بادبان کھولنے چاہئیں۔ تاکہ یہ کسی طرف کو روانہ تو ہو۔ پھر اس کا رخ موڑ کر ہندوستان کی طرف کرنا ہے“۔

ناگ نے کہا۔

”ہاں ماریا بہن، تم ٹھیک کہتی ہو“۔

ناگ جہاز کے مستول پر چڑھ گیا اور اس نے اس کے سارے

بادبانوں کی رسیاں کھینچ دیں۔ اور انہیں کھول دیا۔ بادبانوں میں ہوا بھر گئی اور جہاز ایک طرف کو چلنا شروع ہو گیا۔ ناگ نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ نیچے کیبن میں جا کر چمڑے کا وہ نقشہ دیکھا جو میز پر پھیلا ہوا تھا۔ وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ جہاز جا کس طرف رہا ہے۔ اس نے قطب نما پر نظر ڈالی تو پتہ چلا کہ جہاز کا رخ جنوب مشرقی کی طرف ہے۔ یہ رخ دوبارہ جاپان کی طرف تھا۔ اس نے ماریا سے کہا:

”اگر جہاز اسی رخ پر چلتا رہا تو ہم ایک بار پھر جاپان پہنچ جائیں گے“۔

ماریا نے کہا:

”پھر کیا کیا جائے؟“۔

”جہاز کا رخ شمال کی طرف موڑنا ہوگا“۔

وہ قطب نما لے کر اوپر جہاز کے عرشے پر آ گیا۔ اس نے چرخی کو

گھمانا شروع کر دیا۔ چرخی کے گھومتے ہی جہاز کا رخ بھی شمال مغرب کی طرف ہونا شروع ہوگیا۔تھوڑی سی کوشش کے بعد جہاز اب ٹھیک سمت پہ چل رہا تھا۔

اب ناگ اور ماریا نے نیچے جا کر جہاز کے تہہ خانے کا معائنہ کیا۔ یہاں کئی ایک صندوق تھے جو زر و جواہرات سے بھرے ہوئے تھے۔ یہ ساری دولت ڈاکوؤں نے مختلف تجارتی جہازوں سے لوٹ لوٹ کر جمع کی تھی۔ ایک طرف ریشمی کپڑوں کے ڈھیر لگے تھے۔ جہاز کے باورچی خانے میں خوراک کا اتنا بڑا ذخیرہ پڑا تھا کہ وہ ان کے لیے ایک سال کے لیے کافی تھا۔ ناگ اور ماریا جہاز کے اوپر عرشے پر آ گئے۔ ماریا نے کہا:

"اگر ہم اسی طرح سفر کرتے رہے تو کیا خیال ہے ناگ بھائی ہم کب تک ملک ہندوستان کے ساحل پر پہنچ جائیں گے؟"۔

ناگ نے کہا:

"میرا اندازہ ہے کہ ایک مہینے کے اندر اندر ہمیں ہندوستان کے ساحل پر پہنچ جانا چاہیے۔ ویسے طوفانوں اور بارشیوں کا موسم شروع ہونے ہی والا ہے۔ اگر کسی طوفان نے راستے میں آن لیا تو بڑی مشکل آن پڑے گی"۔

"خدا نہ کرے کہ طوفان آ جائے"۔

اب ہم آپ کو یہ بتاتے ہیں کہ صورت حال کیا تھی۔

صورت حال یہ تھی کہ ناگ اور ماریا بحری ڈاکوؤں کے خالی جہاز پر اکیلے ہندوستان کی طرف سمندر میں سفر کر رہے تھے۔ ادھر عنبر ایک تجارتی جہاز میں ملک ہندوستان سے جاپان کی طرف سفر کر رہا تھا۔ دوسری طرف شکنتلا مارشی جزیرے پر سارنگ بابا کی جھونپڑی کے پاس نیلی چٹان کی غار میں پناہ لیے ہوئے تھی۔ وہ سمگلروں کے بادشاہ

کے محل سے بھاگ کر وہاں آ گئی تھی۔ سارنگ بابا نے اسے پناہ دے
رکھی تھی اور سمگلروں کے بادشاہ کے آدمی کتوں کی طرح اسے سارے
جزیرے میں تلاش کرتے پھر رہے تھے۔

اب ہم عنبر کے جہاز پر آتے ہیں۔

عنبر جس تجارتی جہاز میں سفر کر رہا تھا وہ آدھا راستہ طے کر چکا
تھا۔ دھوپ خوب نکلی ہوئی تھی۔ آسمان صاف تھا۔ موسم بڑا خوشگوار
تھا۔ بڑی اچھی ہوا چل رہی تھی۔ جہاز بڑی عمدہ رفتار کے ساتھ سمندر
میں منزل کی طرف جا رہا تھا۔ اتنے اچھے موسم میں عنبر جہاز کے عرشے
پر کپتان کے ساتھ بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔ کپتان سمندر میں دور دیکھ رہا
تھا۔ اچانک اس کی آنکھیں سکڑ گئیں۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ عنبر نے
پوچھا:

”کیا بات ہے کپتان صاحب؟“۔

کپتان نے کہا:

”ادھر دیکھو کوئی تجارتی جہاز جاپان سے چلا آ رہا ہے“۔

عنبر نے بھی اٹھ کر دیکھا۔ سمندر میں دو سفید پھولے ہوئے
بادبانوں والا جہاز ان کی طرف آہستہ آہستہ بڑھ رہا تھا۔ عنبر نے کہا:

”کپتان، اس میں حیرانی کی کون سی بات ہے۔ آپ اتنے
پریشان کیوں ہو گئے ہیں؟“۔

کپتان ابھی تک جہاز کے بادبانوں کو دیکھ رہا تھا۔ کہنے لگا:

”عنبر جو شے میں دیکھ رہا ہوں وہ تم نہیں دیکھ رہے۔ مجھے اس
جہاز پر بحری ڈاکوؤں کے جہاز کا شبہ ہو رہا ہے“۔

”کیا کہا؟ بحری ڈاکوؤں کا جہاز؟“۔

”جی ہاں اس کے بادبان خاص سمندری ڈاکوؤں کے جہازوں
کے بادبان ہیں۔ مجھے مستول پر بحری ڈاکوؤں کا خاص ہڈیوں اور

کھوپڑیوں کا جھنڈا بھی لہراتا دکھائی دے رہا ہے"۔

عنبر بھی غور سے دور جہاز کو تکنے لگا۔

جزیرے کی تلاش

اجنبی جہاز قریب آ گیا تھا۔

تجارتی جہاز کے کپتان نے جوں ہی بحری ڈاکوؤں کے جہاز پر ہڈیوں اور کھوپڑی کا خوف ناک جھنڈا لہراتا دیکھا۔اس نے اونچی آواز میں اعلان کر دیا کہ ہوشیار ہو جاؤ۔سمندری ڈاکوؤں کا جہاز آ گیا ہے۔

تجارتی جہاز پر ہر طرف بھگدڑ مچ گئی۔ مسافر گھبرا کر ادھر ادھر

بھاگ بھاگ کر چھپنے لگے۔ ان سبھوں کو معلوم تھا کہ اب ان کی خیر
نہیں ہے۔ کیونکہ سمندری ڈاکو کسی کو معاف نہیں کرتے۔ وہ سامان
لوٹ لیتے ہیں۔

عورتیں اٹھا کر لے جاتے ہیں اور مردوں کو قتل کر دیتے ہیں۔

کپتان نے اپنے ملاحوں کو حکم دے دیا کہ جہاز کو روک دیا جائے۔ اور
بحری ڈاکوؤں سے صلاح کی کوشش کی جائے۔ عنبر بھی کپتان کے
پاس ہی کھڑا تھا۔ کپتان اور دوسرے ملاحوں کا رنگ زرد ہو رہا تھا۔
انہیں اپنی موت سامنے دکھائی دے رہی تھی۔

مگر ایک عجیب بات ہو رہی تھی۔ بحری ڈاکوؤں کا جہاز اب بہت
قریب آ گیا تھا۔ لیکن اس کے اوپر ایک بھی بحری ڈاکو نظر نہیں آ رہا
تھا؛ ورنہ عام طور پر سارے ڈاکو تجارتی جہاز کو دیکھ کر حملے کے وقت
تلواریں اور خنجر لیے جہاز کے اوپر آ جایا کرتے ہیں۔ یہ کوئی بڑا ہی

عجیب ڈاکوؤں کا جہاز تھا کہ اوپر صرف ایک آدمی کونے میں کھڑا
دکھائی دے رہا تھا۔ کپتان نے کہا:

"عنبر یہ کوئی بڑا ہی خطرناک جہاز ہے۔ سارے ڈاکو کہیں چھپے
ہوئے ہیں۔ وہ اچانک ہم پر حملہ کریں گے۔ اس جہاز سے بچ کر نکلنا
مشکل نظر آ رہا ہے"۔

عنبر نے کہا:

"گھبراؤ نہیں کپتان' میں خود جا کر ان سے صلح کی بات چیت
کروں گا۔ اگر وہ سیدھی راہ پر نہ آئے تو انہیں ایسا مزہ چکھایا جائے گا
کہ وہ ساری عمر یاد رکھیں گے"۔

کپتان نے عنبر سے کہا:

"اے نوجوان، کیسی بیوقوفوں جیسی باتیں کر رہے ہو۔ بھلا تم ایک
دبلے پتلے سے نوجوان خونخوار بحری ڈاکوؤں کا مقابلہ کیسے کر سکو

گے''۔

عنبر نے کہا:

''یہ وقت آنے پر تمہیں خود معلوم ہو جائے گا''۔

بحری ڈاکوؤں کا جہاز قریب آ گیا۔

دونوں جہازوں نے لنگر ڈال دیے۔ اصل میں یہ بحری ڈاکوؤں کا جہاز وہی تھا جس میں ناگ اور ماریا اکیلے سفر کرتے چلے آ رہے تھے۔ ناگ جہاز کے عرشے پر ایک طرف ہٹ کر کھڑا تھا۔ ماریا اس کے پاس ہی تھی۔ ناگ نے کہا:

''کم بخت یہ تجارتی جہاز کیسا ہے کہ بالکل سامنے آ کر کھڑا ہو گیا ہے۔ ہم سے بڑی غلطی ہو گئی۔ ہمیں ڈاکوؤں کا جھنڈا اتار کر پھینک دینا چاہیے تھا''۔

ماریا کہنے لگی:

''اگر ہم جھنڈا اتار کر پھینک دیتے تو پھر یہ جہاز کبھی ہمارے پاس نہ آتا۔ یہ اب اپنے آپ کو ہمارے قید میں سمجھ رہا ہے''۔

تجارتی جہاز پر جن پھر گیا تھا۔ مسافر چھپے ہوئے تھے۔ عرشے پر ملاح کانپ رہے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ ابھی چیختے چلاتے نعرے لگاتے آدم خود ڈاکو تلواریں لیے ان کے جہاز پر کود پڑیں گے اور ان کا قتل عام کرنا شروع کر دیں گے۔

کپتان اور عنبر عرشے کے جنگلے کے پاس کھڑے پریشانی اور گھبراہٹ کے عالم میں بحری ڈاکوؤں کے جہاز کو دیکھ رہے تھے۔ عنبر نے کہا:

''جہاز پر کوئی بھی نہیں ہے۔ میں خود ڈاکوؤں کے جہاز پر جا کر پتہ کرتا ہوں کہ یہ ڈاکو لوگ کہاں چھپے ہوئے ہیں اور وہ کیا چاہتے ہیں؟ ان کی نیت کیا ہے''۔

کپتان نے کہا:

''برخوردار، تم نوجوان ہو۔ ابھی تمہیں زندگی کی ضرورت ہے۔ تم موت کے منہ میں نہ جاؤ۔ تم جہاز پر ہی ٹھہرو۔ ڈاکو خود ابھی ہمارے جہاز پر آ جائیں گے''۔

عنبر نے کہا:

''نہیں کپتان، میں ڈاکوؤں کے جہاز پر ضرور جاؤں گا''۔

اور عنبر نے ایسا ہی کیا۔ اس نے ایک رسے کو پکڑا اور جھولا سا جھولتا ہوا وہ تجارتی جہاز سے اچھل کر ڈاکوؤں کے جہاز پر آ گیا۔

ناگ نے دور سے دیکھا کہ ایک نوجوان رسے کے ساتھ لٹکتا ہوا ان کے جہاز پر آ گیا ہے اور ادھر ادھر دیکھ رہا ہے۔ ماریا نے ناگ سے کہا:

''ناگ بھائی، مجھے تو یہ عنبر لگ رہا ہے''۔

ناگ نے چونک کر کہا:

”کیا کہہ رہی ہو ماریا بہن؟“۔

”ہاں ہاں ناگ بھائی‘ یہ عنبر ہے“۔

اور پھر ماریا نے زور سے آواز دی:

”عنبر بھائی“۔

ناگ بھی اس کی طرف ہاتھ پھیلا کر لپکا۔

”عنبر۔۔میرے بھائی عنبر“۔

عنبر نے ناگ اور ماریا کی آواز پہچان لیں۔وہ بڑا حیران ہوا کہ بحری ڈاکوؤں کے جہاز پر ان کی آوازیں کہاں سے آ گئیں لیکن اب اس کی آنکھوں کے سامنے ناگ کھڑا تھا۔عنبر نے کہا:

”ناگ بھائی‘ یہ میں ہی ہوں ناگ‘ تمہارا بھائی“۔

اور دونوں بھائی آگے بڑھ کر ایک دوسرے کے گلے لگ گئے۔

پاس ہی ماریا کھڑی تھی۔اگرچہ وہ غائب تھی مگر عنبر نے ہاتھ بڑھا کر اس کے سر پر پھیرا اور پیار سے اپنی بہن کا سر چوم لیا۔

”میری پیاری بہن‘ میرے پیارے بھائی‘ تم کہاں تھے۔ میں کہاں تھا۔خدا کا شکر ہے کہ ہم ایک بار پھر مل گئے۔مگر یہ بتاؤ کہ تم اس بحری ڈاکوؤں کے جہاز پر کیسے سفر کر رہے ہو؟“۔

ناگ نے کہا:

تم نے دیر کر دی تو ہم کیوشیو سے چل پڑے۔ہمیں شاہ جاپان نے ایک شاہی بجرے میں روانہ کیا۔راستے میں بحری ڈاکوؤں نے ہمارے جہاز پر حملہ کر دیا ہم نے ان کا مقابلہ کیا۔انہوں نے ہمارے سارے غلاموں کو ہلاک کر دیا۔

پھر میں نے اور ماریا نے مل کر ان کے کپتان اور اس کے ساتھیوں کو بھی ختم کر دیا۔انہوں نے ہمارے جہاز کو آگ لگا دی تھی۔

ہم نے ان کے جہاز پہ قبضہ کرلیا اور اس کا رخ تمہاری تلاش میں ہندوستان کی طرف موڑ دیا۔

ماریا نے کہا:

"یہ خدا کی قدرت ہے کہ ہماری آپس میں اس سمندر میں ملاقات ہوگئی۔ آج کا دن بڑا مبارک دن ہے۔ ہم جاپان میں تمہاری یاد میں اکثر رویا کرتے تھے"۔

عنبر نے کہا۔

"ماریا بہن! میری کہانی بڑی لمبی ہے۔ پھر کبھی سناؤں گا۔ پہلے اپنے جہاز کے کپتان کو یہ خوش خبری سنالوں کہ بحری ڈاکو اس جہاز پر نہیں ہیں؛ ورنہ جہاز کے مسافروں کا خوف کے مارے دن نکل جائے گا"۔

ادھر کپتان عرشے پر کھڑا بڑی حیرت سے دیکھ رہا تھا کہ عنبر ایک

بحری ڈاکو سے بڑا گھل مل کر باتیں کر رہا ہے اور اس کے گلے لگ کر بھی ملا ہے۔ اس نے سمجھا کہ یہ ڈاکو عنبر کا دوست نکلا ہے۔ عنبر نے کپتان کو آواز دی:

"کپتان! یہ جہاز بحری ڈاکوؤں کا نہیں۔ ادھر آجاؤ"۔

تھوڑی دیر میں کپتان بھی ڈاکوؤں کے جہاز پر آ گیا۔ عنبر نے اپنے بھائی ناگ سے جہاز کے کپتان کا تعارف کروایا اور کہا:

"کپتان، میرے اس بھائی کے جہاز پر بحری ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا تھا۔ اس اکیلے نے سارے ڈاکوؤں کو ہلاک کر ڈالا۔ اس کے اپنے جہاز میں آگ لگ گئی اور اس نے ڈاکوؤں کے جہاز پر قبضہ کر لیا"۔

کپتان نے ناگ کی بہادری کی تعریف کرتے ہوئے کہا:

بھائی! تم سچ مچ بڑے بہادر نوجوان ہو۔ مجھے حیرانی ہے کہ تم نے

اکیلے ہو کر وحشی سمندری ڈاکوؤں پر کیسے فتح حاصل کی؛ بہر حال
میرے سامنے تمہاری فتح اور ڈاکوؤں کی شکست کا ثبوت موجود ہے کہ
تم ڈاکوؤں کے جہاز پر سفر کر رہے ہو۔ لیکن بھائی، کم از کم اپنے جہاز
پر سے ڈاکوؤں کا سیاہ جھنڈا تو اتار دیا ہوتا"۔

ناگ نے مسکرا کر کہا:

"اگر میں جھنڈا اتار دیتا تو آپ یہاں کبھی کھڑے نہ ہوتے اور
میرے بھائی عنبر سے ہماری کبھی ملاقات نہ ہوتی۔ ہم ایک برس کے
جدا ہوئے آج مل رہے ہیں"۔

تجارتی جہاز کے ملاحوں اور مسافروں کو معلوم ہوا کہ جس جہاز کو
وہ بحری ڈاکوؤں کا جہاز سمجھ رہے تھے وہ ڈاکوؤں کا جہاز نہیں ہے تو ان
میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ کپتان نے ناگ کے جہاز کو اپنے جہاز کے
ساتھ باندھ لیا۔

اس کے بادبان لپیٹ دیئے گئے۔ ناگ، عنبر کپتان کے ساتھ
تجارتی جہاز پر آ گئے۔ ماریا بھی ان کے ساتھ ہی آ گئی۔ جہاز پر آ کر
مسافروں نے ناگ کا بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا۔

دونوں جہاز بیچ سمندر میں کھڑے تھے۔ رات کو ناگ اور عنبر کے ملنے کی خوشی میں جہاز پر ایک شاندار دعوت دی گئی۔ دعوت میں ماریا بھی شریک ہوئی۔ مگر وہ کسی کو نظر نہیں آ رہی تھی۔ وہ ناگ کے پاس ہی بیٹھی تھی۔ عنبر بھی ساتھ ہی تھا۔ ناگ ماریا کو بھی سب کی نظروں سے چھپا چھپا کر گوشت اور مٹھائیاں کھلا رہا تھا۔ کپتان کو اور جہاز کے دوسرے کسی مسافر کو شک تک نہیں ہو رہا تھا کہ اس جگہ ایک ایسی عورت بیٹھی ہے جو کسی کو دکھائی نہیں دے رہی۔

کھانے کے بعد کپتان، ناگ اور عنبر کیبن میں بیٹھ گئے۔ عنبر نے ماریا کو بھی چپکے سے اندر داخل کرا لیا تھا۔ کپتان نے پیالیوں میں قہوہ ڈالتے ہوئے کہا۔

"ناگ بھائی' میں تمہاری ہوشیاری اور عقل مندی پر بڑا خوش ہوں کہ تم نے ایک جہاز کو کس طرح سنبھال لیا اور اسے سمندر میں چلاتے ہوئے یہاں تک لے آئے۔ تمہاری جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو وہ ہمت ہار دیتا"۔

عنبر نے کہا:

"کپتان صاحب، میرا بھائی بڑا بہادر ہے۔ ہم دونوں نے اکٹھے مل کر بڑی بڑی مصیبتیں برداشت کی ہیں اور بڑے بڑے کٹھن سفر کیے ہیں۔ کئی بار ہمارا جہاز طوفان میں غرق ہو گیا اور ہم ایک تختے پر بیٹھ کر سمندر میں تیرتے کسی جزیرے پر پہنچے"۔

ناگ بولا:

"انسان کو مصیبت کے وقت ہمیشہ صبر اور حوصلے سے کام لینا چاہیے۔ جو شخص ہمت ہار بیٹھا ہے وہ جنگ اپنے ہی گھر میں ہار بیٹھتا ہے"۔

کپتان نے کہا:

"لیکن مجھے ایک بات کی سمجھ نہیں آ رہی کہ تم نے اکیلے اتنے زیادہ اور اس قدر وحشی ڈاکوؤں کا مقابلہ کس طرح کیا۔ یہ ڈاکو لوگ تو پچاس ساٹھ آدمیوں سے بھی ہار نہیں مانتے۔ پھر تم نے اکیلے ان سب کا مقابلہ کر کے، انہیں ہلاک کرنے کے بعد ان کے جہاز پر کیسے قبضہ کر لیا؟"۔

اب ناگ اسے کیا بتاتا کہ وہ سانپ بن گیا تھا۔ اس نے سینکڑوں سانپ ڈاکوؤں پر چھوڑ دیے تھے۔۔۔ اور یہ کہ ماریا بھی

غائب ہو کر اس کے ساتھ جنگ کر رہی تھی۔ وہ مسکرایا اور بولا:

"بس خدا نے میری مدد کی اور میں کامیاب ہو گیا"۔

اس دوران میں کپتان نے دیکھا کہ میز پر سے قہوے کا ایک سبز رنگ کا پیالہ غائب ہے۔ اس نے کہا:

"سبز رنگ کا ایک پیالہ کہاں گیا۔ ابھی تو وہ قہوے سے بھرا ہوا یہاں پڑا تھا"۔

اس پیالے میں ماریا قہوہ پی رہی تھی اور جیسا کہ آپ پچھلے حصوں میں پڑھ چکے تھے۔ ماریا خود بھی غائب تھی اور وہ جس چیز کو اپنے ہاتھ میں پکڑ لیتی تھی وہ بھی غائب ہو جاتی تھی۔ عنبر نے کہا:

"میرا خیال ہے سبز پیالہ میز پر نہیں تھا۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے"۔

کپتان بولا:

”بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میں نے خود ابھی ابھی سبز رنگ کا پیالہ میز پر پڑے دیکھا تھا۔ اس میں قہوے کی بھاپ اٹھ رہی تھی۔“

ناگ نے کہا:

”آپ کی نظروں کو دھوکا ہوا ہوگا کپتان صاحب۔“

ماریا قہوہ بھی پی رہی تھی اور ہنس بھی رہی تھی کہ کپتان کیسا بے وقوف بن رہا ہے۔ وہ لوگ ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ اب ماریا نے قہوہ پی کر خالی پیالہ میز پر لا کر رکھا تھا۔ دیکھو میز پر پڑا ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ یہ کہاں سے آ گیا؟“۔

عنبر نے پیالے کو غور سے دیکھ کر کہا:

”کمال ہے یہ تو کوئی جادو کا کرشمہ معلوم ہوتا ہے۔“

ناگ بولا:

”بہر حال کپتان صاحب آپ کو خوش ہونا چاہیے کہ آپ کا پیالہ

ضائع نہیں ہوا۔ وہ آپ کو واپس مل گیا ہے“۔

کپتان نے حیرت سے سر ہلا کر کہا:

”لیکن۔۔۔لیکن۔۔۔یہ کہاں چلا گیا تھا؟ اور۔۔۔اور پھر اپنے آپ واپس کہاں سے آ گیا؟“۔

عنبر نے بات بدلتے ہوئے کہا:

”میرا خیال ہے، ہمیں اب اصل بات پر آ جانا چاہیے۔ اب قصہ یہ ہے کہ کپتان صاحب کہ میں آپ کے ساتھ جاپان نہیں جا سکتا۔ کیوں کہ اپنے جس بھائی اور جس بہن کی۔۔۔“

عنبر ایک دم رک گیا۔ وہ بے خیالی میں ماریا کا ذکر کر گیا تھا۔

کپتان نے کہا:

”بہن کون؟“

عنبر نے جھٹ کہا:

"میرا مطلب تھا کہ بہن شکنتلا' لیکن اسے ابھی تلاش کرنا ہے۔
وہ اس ڈاکوؤں کے بحری جہاز پر نہیں تھی۔ ظاہر ہے اسے ڈاکو کسی دوسرے جگہ لے گئے ہیں۔ یا وہ یقیناً ہندوستان میں ہوگی"۔

عنبر نے ناگ اور ماریا کو شکنتلا کے بارے میں ساری کہانی بیان کر دی۔

پھر کپتان سے کہا:

اب سوال یہ ہے کہ میں جاپان جا کر کیا کروں گا۔ کیوں کہ جس بحری ڈاکوؤں کے جہاز میں شکنتلا جا رہی تھی اس پر ناگ نے قبضہ کر لیا ہے اور اس کے کہنے کے مطابق جہاز پر کوئی عورت سوار نہیں تھی۔ میرا خیال ہے کہ ڈاکو شکنتلا کو ضرور راستے میں کسی جزیرے میں فروخت کر

چکے ہیں۔

نقشہ دیکھ کر آپ ہمیں یہ بتائیں کہ اس علاقے میں کوئی آس پاس ایسا جزیرہ بھی ہے جہاں کوئی امیر آدمی رہتا ہو اور جہاں لونڈیوں اور غلاموں کی خرید وفروخت کا کاروبار کرتا ہو؟“۔

کپتان نے نقشہ دیکھ کر بتایا:

میاں عنبر، اس وقت جہاں ہم کھڑے ہیں یہاں سے دو سو کلومیل جنوب مغرب کی طرف واحد جزیرہ ہے جس کا نام مرشی ہے۔ اس جزیرے پر ایک ایسے امیر آدمی کی حکومت ہے جسے ان سمندروں میں سمگلروں کے بادشاہ سے نام کیا جاتا ہے۔

بحری ڈاکوؤں نے شکنتلا کو ضرور اس آدمی کے ہاتھ فروخت کیا ہو گا۔ کیوں کہ اس آدمی کو نئی لونڈیاں اور غلام خریدنے کا بہت شوق ہے اور بحری ڈاکو یہاں سے گزرتے ہوئے عام طور پر اس جزیرے

پر خوراک وغیرہ حاصل کرنے کے لیے رک جایا کرتے ہیں۔

عنبر نے کہا:

”مجھے یقین ہے کہ بحری ڈاکوؤں اور شیوا جی ٹھگ نے شکنتلا کو اسی جزیرے میں فروخت کر دیا ہوگا۔ کیونکہ ان کا جہاز اس وقت ہمارے قبضے میں ہے اور سارے ڈاکو ٹھگوں سمیت مارے جا چکے ہیں۔ شکنتلا ضرور اسی جزیرے پر ہوگی“۔

ناگ نے کہا۔

”تو پھر ہمیں اسی جزیرے کی طرف چلنا چاہیے“۔

عنبر بولا:

”ٹھیک ہے، کپتان صاحب، میں اور ناگ کل صبح صبح اپنا جہاز لے کر جزیرہ مارشی کی طرف کوچ کر جائیں گے۔ آپ صرف اتنا کریں کہ جہاز کو درست رخ پر رکھنے کے لیے ہمیں کیا کرنا ہوگا؟“۔

کپتان کہنے لگا:

میں جہاز کا رخ جزیرے کی طرف ڈال دوں گا۔ آپ صرف اتنا کریں کہ جہاز کو اسی رخ پر چلاتے جائیں۔ ذرا سمت بدلے تو اسے پھر اسی رخ پر ڈال دیں۔

اگر آپ لوگ کل صبح روانہ ہوں تو میرے حساب سے اگلے روز رات کو آپ جزیرہ مارشی پہنچ جائیں گے۔ آپ بادبانوں کا رخ موڑ کر کوشش کریں کہ جزیرے کے کسی بے آباد اور چھپے ہوئے ساحل پر اتریں یا آپ جہاز کو بیچ سمندر میں کھڑا کر کے کشتی کے ذریعے جزیرے میں داخل ہوں کیوں کہ سمگلروں کا بادشاہ بڑا ظالم شخص ہے۔ اسے معلوم ہو گیا ہے کہ آپ اس کی لونڈی کے پیچھے آئے ہیں تو وہ آپ کو زندہ نہیں چھوڑے گا“۔

عنبر بولا:

”یہ تو خیر وہاں جا کر ہی معلوم ہوگا کہ وہ ہمیں زندہ نہیں چھوڑتا یا ہم اسے ہلاک کر کے جزیرے کے سب سے اونچے درخت پر اس کی لاش لٹکاتے ہیں؛ بہر حال کل صبح ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں گے“۔

کپتان نے کہا:

”ایک بات آپ بھول گئے ہیں۔ آپ کے جہاز پر ڈاکوؤں کا مال غنیمت لدا ہوا ہے۔ آپ کو اس کی بے حد حفاظت کرنی ہوگی۔ جزیرے پر کسی شخص کو ذرا سا بھی علم ہو گیا کہ آپ کے جہاز میں جواہرات سے بھرے صندوق ہیں تو پھر آپ کے جہاز کو آناً فاناً لوٹ کر آگ لگا دی جائے گی“۔

ناگ بولا:

”آپ فکر نہ کریں کپتان صاحب، ہم جواہرات کے بارے میں

کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہونے دیں گے اور اگر کسی نے ہمارے
جہاز پر حملہ کرنے کی کوشش کی تو میں ان سے نپٹ لوں گا۔"
میں اگر وحشی سمندری ڈاکوؤں کا مقابلہ کر سکتا ہوں تو جزیرے
کے لوگ میرے آگے کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔

کپتان نے کہا:

"آپ کو خبردار کرنا میرا فرض تھا اور میں نے اپنا فرض پورا کر دیا
ہے۔ اب باقی حالات کو سنبھالنا آپ کا کام ہے۔"

وہ رات عنبر، ناگ اور ماریا نے مسافروں کے جہاز پر بسر کی۔ صبح
صبح وہ جہاز پر سے نکل کر اپنے خالی جہاز میں آ گئے۔ یہاں کپتان ان
کے ساتھ ساتھ آیا۔ کپتان نے کیبن میں جا کر نقشے پر نشان لگائے۔
قطب نما کے حساب سے جہاز کی چرخی کو ایک خاص زاویے کی طرف
گھما کر وہاں اسے تالا لگا دیا۔ پھر لنگر اٹھوا کر بادبان کھلوا دیے۔ جہاز

حرکت کرنے لگا تو کپتان اپنے جہاز پر آ گیا۔ ناگ کا جہاز کھلے
سمندر میں جزیرہ مارشی کی طرف روانہ ہو گیا۔

پراسرار جہاز

سارا دن اور ساری رات جہاز سمندر میں سفر کرتا رہا۔

موسم بڑا خوشگوار تھا۔ سمندر کی لہروں میں بڑا سکون تھا۔ جس کی وجہ سے جہاز ایک نپی تلی رفتاری کے ساتھ ٹھیک سمت کی طرف چلا گیا۔ عنبر اور ناگ دن میں کتنی ہی بار قطب نما اور چرخی پر لوہے کی سوئی کے زاویے کو دیکھتے کہ کہیں جہاز کا رخ تو نہیں بدل گیا؟

مگر جہاز صحیح سمت کی جانب روانہ تھا۔ کپتان نے اپنے بہترین

تجربے اور حساب کے ساتھ جہاز کا رخ قائم کیا تھا۔ انہیں سمندر میں جزیرے کی طرف سفر کرتے دوسرا روز جا رہا تھا۔ اس حساب سے اس رات کو کسی وقت ان کا جہاز جزیرے پر پہنچ جانا چاہیے تھا۔

ناگ، عنبر اور ماریا جزیرے کی طرف نگاہ لگائے ہوئے تھے۔

شام کے وقت انہیں دور جزیرے کی سیاہ لکیر نظر آئی تو ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ ان کا جہاز ٹھیک راستے پر سفر کر رہا تھا۔۔ اب دوسری اہم بات یہ تھی کہ انہیں جہاز کے رخ کو جزیرے کے غیر آباد ساحل کی طرف موڑنا تھا۔ سورج غروب ہو گیا۔ سمندر پر رات کا ہلکا ہلکا اندھیرا چھانے لگا۔ اگر مشرق کی طرف سے زرد رنگ کا آدھا چاند نہ نکلتا تو اندھیرے میں ان کے لیے جزیرے کے بے آباد علاقے تک پہنچنا بہت مشکل تھا۔

زرد چاند کی ہلکی دھیمی روشنی میں جزیرے کے سیاہ درخت اب

کافی قریب آ گئے تھے۔ ناگ اور عنبر نے مل کر بادبانوں کی رسیوں کو جزیرے کے پچھلے حصے کی طرف کھینچنا شروع کر دیا۔ جہاز جزیرے کے عقبی حصے کی سمت مڑنے لگا۔ انہوں نے جہاز کے آدھے بادبان لپیٹ دیے تاکہ زیادہ زور میں جہاز کہیں جزیرے کے ساحل سے نہ جا ٹکرائے۔

جہاز آہستہ آہستہ جزیرے کے ساحل کے ساتھ ساتھ گھوم رہا تھا۔ یہاں جزیرے کا ساحل ویران اور اجاڑ تھا۔ سامنے کی جانب کہیں کہیں جھونپڑوں کے باہر انہیں آگ جلتی نظر آ رہی تھی۔ مگر ادھر اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ کپتان نے انہیں بڑی نصیحت کی تھی۔

ناگ نے عنبر سے کہا:

”میرا خیال ہے ہمیں اب جہاز کو کسی جگہ روک دینا چاہیے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ جہاز پورے جزیرے کا چکر لگا کر پھر سامنے والے رخ پر

نہ آ جائے“۔

عنبر نے کہا۔

”تو پھر بادبان لپیٹ کر لنگر پھینک دیتے ہیں“۔

ماریا بولی:

پہلے یہ اندازہ لگا لینا چاہیے کہ یہ جگہ کہیں غیر محفوظ تو نہیں ہے؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ دن چڑھے تو ہمیں پتہ چلے کہ ہم تو جزیرے کے سارے لوگوں کی نظروں میں ہیں“۔

ناگ نے کہا:

”اتنے بڑے جہاز کو جزیرے والوں کی نگاہوں سے زیادہ دیر تک چھپانا بہت مشکل بات ہے۔ انہیں آج نہیں تو کل جہاز کے بارے میں ضرور علم ہو جائے گا“۔

عنبر بولا:

"ہاں ماریا بہن' آخر جزیرے کے ماہی گیر سمندر میں کشتیاں لے کر مچھلیاں پکڑنے بھی تو نکلیں گے۔۔۔یہ جہاز کسی کی نظروں سے زیادہ دیر تک نہ چھپ سکے گا"۔

ناگ نے کہا:

"ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ جہاز کے نظروں میں آنے سے پہلے پہلے ہم شکنتلا کو تلاش کر کے یہاں سے روانہ ہو جائیں"۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"ناگ بھائی، جس کام کو تم اتنا آسان سمجھ رہے ہو وہ اتنا آسان نہیں ہے۔ابھی تو ہمیں یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ شکنتلا کس جگہ پر ہے؟ آیا وہ سمگلروں کے بادشاہ کے محل میں ہے یا وہاں سے فرار ہو کر کسی دوسری جگہ چھپی ہوئی ہے"۔

ماریا نے کہا:

"وہ بے چاری سمگلروں کے محل سے کیسے فرار ہو سکے گی۔ وہ ضرور اسی جابر آدمی کے محل میں ہی ہوگی۔"

عنبر نے کہا:

"ماریا بہن' تم شکنتلا کو نہیں جانتیں۔وہ بھی تمہاری طرح ہی دلیر اور بہادر ہے۔اس نے میرے ساتھ ہندوستان کے اور افریقہ کے جنگلوں اور سمندروں میں بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائی ہیں اور بڑی بہادری کے کام کیے ہیں۔اس نے ضرور سمگلروں کے محل سے بھاگ جانے کی کوشش کی ہوگی"۔

ماریا بولی:

"یہ تو ٹھیک ہے مگر سب سے پہلے ہمیں سمگلروں کے بادشاہ کے محل میں ہی اسے تلاش کرنا چاہیے۔ اگر وہ وہاں نہیں ہوگی تو ہو سکتا ہے کہ وہیں سے کہیں اس کا کوئی سراغ مل جائے"۔

ناگ نے کہا:

"ٹھیک ہے، ہم اسی جگہ جہاز کا لنگر ڈالتے ہیں"۔

انہوں نے بادبان لپیٹ کر جہاز کا لنگر سمندر میں پھینک دیا۔

لنگر کے سمندر میں گرتے ہی جہاز رک گیا اور اپنی جگہ پر کھڑا ہو گیا۔ چاند اب ان کے سروں پر آ گیا تھا۔ جزیرے کے درختوں پر اس کی زرد روشنی بڑی اداس لگ رہی تھی۔ ناگ، عنبر اور ماریا نے آپس میں صلاح مشورہ شروع کر دیا۔ کہ کون کون کس کس طرف جائے۔

عنبر کا خیال تھا کہ وہ اور ناگ وہاں سے اتر کر جزیرے پر جائیں اور سمگلروں کے بادشاہ کے محل میں شکنتلا کا کھوج لگائیں۔ وہ ماریا کو

جہاز ہی پر چھوڑنا چاہتے تھے۔ ماریا نے کہا کہ نہیں وہ بھی ان کے ساتھ جائے گی۔ پردیس کا معاملہ ہے اگر وہ کسی مصیبت میں پھنس گئے تو وہ غائب ہونے کی وجہ سے ان کی بڑی مدد کر سکے گی۔

ناگ نے کہا:

”ماریا بہن‘ یہ تو درست ہے کہ تم ہماری مدد کر سکتی ہو۔ لیکن اس پر بھی تو غور کرو کہ تم بھی کسی مصیبت میں پھنس سکتی ہو۔ اگر تم کو کسی نے ایک بار پکڑ لیا تو پھر تم کچھ نہ کر سکو گی۔ تمہیں بہت بچ بچ کر ہمارے ساتھ چلنا پڑے گا کہ کہیں تم کسی کو چھو نہ جاؤ۔ کوئی دوسرا آدمی تم سے ٹکرا نہ جائے۔ اس لیے تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ تم جہاز پر ہی آرام کرو“۔

عنبر بولا:

”ہاں ماریا بہن‘ ناگ کا خیال ٹھیک ہے۔ تم جہاز پر ہی ٹھہرو۔ ابھی

صرف میں اور ناگ جزیرے پر جاتے ہیں۔ ہم دن میں کسی بھی وقت واپس آ کر تمہیں بتا جائیں گے کہ ہمیں شکنتلا کو تلاش کرنے میں کہاں تک کامیابی یا ناکامی ہوئی ہے“۔

دونوں بھائیوں نے جب بہت مجبور کیا تو ماریا خاموش ہو گئی اور بولی:

”اچھا بھائیو‘ جیسا تم کہتے ہو ویسا ہی کرتی ہوں۔ میں اس جہاز پر تمہاری راہ دیکھوں گی۔ مگر خدا کے لیے زیادہ دیر نہ کرنا۔ مجھے یہاں کسی سے خوف نہیں آئے گا مگر تمہارے بارے میں فکر بہت رہے گا۔ اس لیے جلدی سے جلدی آنے کی کوشش کرنا۔ کم از کم مجھے بھی پتہ لگنا چاہیے کہ تم کیا کر رہے ہو“۔

عنبر بولا:

”اچھی بہن ماریا‘ تم بالکل نہ گھبراؤ۔ ہم جہاں بھی ہوں گے

خیریت سے ہوں گے۔ ہمارا یہاں کوئی کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔ ویسے ہم پوری پوری کوشش کریں گے کہ تمہیں جلد سے جلد جہاز پر آ کر خبر کریں۔ لیکن اگر ہم شام تک بھی نہ آئے تو پریشان نہ ہونا۔ تم جہاز کے کیبن میں جا کر سو جانا۔۔۔ اور سنو! ایک بات کی تاکید ہے کہ جہاز کے باہر یا اوپر چراغ جلا کر روشنی مت کرنا۔ ہاں اپنے کیبن میں دیا روشن کر لینا“۔

ماریا نے کہا کہ وہ ان باتوں پر ضرور عمل کرے گی۔ اس کے بعد ناگ اور عنبر نے مل کر جہاز پر سے ایک چھوٹی سی کشتی سمندر میں اتاری اور اس میں سوار ہو کر رات کی خاموشی اور ہلکی ہلکی زرد چاندنی میں جزیرے کے ساحل کی طرف روانہ ہو گئے۔

وہ جزیرے پر ساحل کے ساتھ آن لگے۔ سمندر کی لہریں یہاں بڑے سکون کے ساتھ آ کر ساحل سے ٹکراتیں اور پھر واپس چلی

جاتیں۔ انہوں نے ساحل پر اترتے ہی کشتی کو کھینچ کر کنارے کی گھنی جھاڑیوں میں چھپا کر اوپر ٹوٹی پھوٹی شاخیں اور پتے ڈال دیے۔ اس کام سے فارغ ہو کر انہوں نے ساحل کے ساتھ ساتھ ایک طرف کو چلنا شروع کر دیا۔ وہ جزیرے کے سامنے والے حصے کی طرف چل رہے تھے، جدھر انہوں نے جھونپڑوں کے باہر آگ جلتی دیکھی تھی۔

ناگ نے کہا:

”عنبر بھائی، ہم کس حیثیت سے اس جزیرے میں داخل ہوں گے۔ کوئی ہم سے پوچھے گا کہ ہم کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں تو ہم انہیں کیا کہیں گے؟“۔

عنبر نے کہا:

”ہاں بھائی! یہ تو ہم نے سوچا ہی نہیں۔ میرا خیال ہے ہمیں الگ

الگ سفر کرنا چاہیے۔ تم کسی دوسری طرف سے آؤ اور میں اس کے
سامنے والے حصے سے جاتا ہوں۔ میں تو یہی کہوں گا کہ جہاز ڈوب
گیا تھا اور بڑی مشکل سے سمندر میں تیر کر یہاں تک پہنچا ہوں"۔

ناگ ہنس کر بولا:

"کمال ہے، مگر کپڑے تو تمہارے سوکھے ہیں۔ پھر تم سمندر میں
تیر کر کیسے آئے ہو؟"۔

عنبر نے کہا:

"میں ابھی پانی میں ڈبکی لگا لیتا ہوں"۔

ناگ بولا:

"تو پھر ہمارے اکٹھے رہنے میں کیا حرج ہے؟ ہم دونوں ہی یہی
کہیں گے کہ ہمارا جہاز سمندر میں آگ لگنے سے غرق ہو گیا تھا۔ ہم
بڑی مشکل سے سمندر میں چھلانگ لگا کر تیرتے ہوئے یہاں پہنچے

ہیں"۔

عنبر بولا:

"تو پھر ٹھیک ہے۔ ہم دونوں اکٹھے ہی رہتے ہیں"۔

اسی طرح باتیں کرتے کرتے دونوں دوست، دونوں بھائی جزیرے کے اس علاقے میں پہنچ گئے جہاں ادھر ادھر ملاحوں کی کئی ایک جھونپڑیاں تھیں جن کے باہر کہیں کہیں آگ جل رہی تھی آگ میں انہوں نے ملاحوں کو دیکھا کہ بیٹھے رسیاں بٹ رہے ہیں۔عنبر اور ناگ نے سب سے پہلا کام تو یہ کیا کہ سمندر میں ڈبکی لگا کر اپنے کپڑے گیلے کیے۔ پھر ایک جھونپڑی کے پاس آ کر رک گئے۔ یہاں ایک بوڑھا ملاح رسی بٹ رہا تھا۔اس نے حیرانی سے عنبر اور

ناگ کو دیکھا اور پوچھا:

”تم لوگ کون ہو اور یہاں کیا کر رہے ہو؟“۔

عنبر نے کہا:

”بابا جی‘ ہم دونوں بھائی ہیں مصیبت کے مارے ہوئے ہیں۔ ہمیں بھوک۔۔۔“

اور سوچی سمجھی سکیم کے مطابق دونوں غش کھا کر جھونپڑی کے باہر ریت پر گر پڑے۔ ملاح نے جلدی سے انہیں اٹھایا اور ان کے منہ میں ناریل کا دودھ ٹپکایا۔عنبر اور ناگ نے آنکھیں کھول دیں وہ تو پہلے ہی ہوش میں تھے۔

بے ہوش ہونے کا تو انہوں نے بہانہ بنایا تھا۔مقصد یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ وہ بہت بھوکے ہیں اور تھکے ہوئے ہیں۔ہوش میں آتے ہی انہوں نے اشارے سے پانی اور کھانا مانگا۔

بوڑھے ملاح نے انہیں پانی اور مچھلی کھانے کو دی۔ کھا پی کر عنبر اور ناگ نے بوڑھے ملاح کا شکریہ ادا کیا اور پوچھا:

''ہم کون سے جزیرے میں ہیں؟''۔

بوڑھے ملاح نے کہا۔

''تم مارشی جزیرے میں ہو۔ یہ سمگلروں کے بادشاہ کا جزیرہ ہے۔ مگر تم یہاں کہاں سے ٹپک پڑے ہو۔ یہ تو بتاؤ؟''۔

عنبر نے کہا:

''بابا' ہم دونوں بھائی مصیبت کے مارے ہیں۔ ہم ملک ہندوستان سے ملک جاپان کی طرف ایک مسافر جہاز میں سفر کر رہے تھے کہ اچانک جہاز میں آگ لگ گئی۔ سارے جہاز میں قیامت مچ گئی لوگوں نے سمندر میں چھلانگیں لگا دیں۔ جہاز جل رہا تھا ہم بھی سمندر میں کود پڑے۔ تقریباً سارے کے سارے مسافر سمندر میں

ڈوب کر ہلاک ہو گئے۔ چونکہ ہم تیرنا خوب جانتے تھے اور ہمیں ایک لکڑی کا تختہ مل گیا تھا۔ اس لیے ہم اس جزیرے تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے ہم تمہارا شکریہ ادا کرتے ہیں بابا کہ تم نے ہمیں کھانا کھلایا اور پانی پلایا''۔

بوڑھے ملاح نے کہا:

''تم لوگ خوش قسمت ہو جو بچ گئے؛ ورنہ یہ سمندر تو بڑی خوفناک شارک مچھلیوں سے بھرا پڑا ہے۔ وہ تو کسی انسان کو زندہ نہیں چھوڑتیں۔ اچھا ہوا کہ تم بچ گئے۔ اب تم اس آگ کے پاس لیٹ جاؤ اور رات آرام سے گزارو۔ صبح اٹھ کر تم سے باتیں ہوں گی''۔

ناگ بولا:

''بابا' ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ کسی جگہ ایسا کام مل جائے کہ ہم کچھ پیسے کما کر واپسی کا کرایہ بنا سکیں اور پھر کسی مسافر جہاز پر بیٹھ کر

ملک ہندوستان کی طرف واپس چلے جائیں۔ کیونکہ جہاز میں ہمارا سارا سامان بھی تباہ ہو گیا ہے۔ اب ہمارا جاپان جانے کا بھی کوئی فائدہ نہیں"۔

بوڑھے ملاح نے کہا:

"میاں اب تم لوگ زیادہ باتیں نہ کرو اور سو جاؤ۔ یہ سب کچھ صبح اٹھو گے تو طے کرلیا جائے گا؛ بہرحال تمہیں اتنا ضرور بتا دینا چاہتا ہو کہ یہاں کوئی مسافر جہاز سال سال بھر کے بعد ہی کبھی بھولے بھٹکے سے آتا ہے۔ اب باقی تم سوچ لو کہ تمہیں کیا کرنا چاہیے۔۔۔ رات بھر سوچتے رہو۔ باقی باتیں صبح ہوں گی"۔

عنبر اور ناگ کے لیے یہ کوئی فکر کی بات نہیں تھی۔ کیوں کہ ان کا جہاز تو جزیرے کے پچھلی جانب سمندر میں خاموش کھڑا تھا۔ پھر بھی انہوں نے بوڑھے ملاح کے آگے بڑی پریشانی کا اظہار کیا اور کہا:

"ہائیں، یہ تم نے کیا کہہ دیا بابا؟ سال سال تک ادھر کوئی مسافر جہاز نہیں آتا؟ ہمارا تو سارا کاروبار تباہ ہو جائے گا۔ ہم تو تباہ و برباد ہو جائیں گے"۔

ملاح نے کہا:

"پھر میں کیا کرسکتا ہوں میاں۔ مسافر جہاز کے لیے تو تمہیں ہو سکتا ہے دو سال تک انتظار کرنا پڑے"۔

عنبر نے کہا۔

"اچھا بابا! اب کیا ہو سکتا ہے پھر۔ اب تو سونے کی کوشش کرتے ہیں صبح بات کریں گے"۔

ناگ اور عنبر آگ کے پاس ہی ریت پر لیٹ گئے۔ وہ سونے کی کوشش کرنے لگے۔ مگر انہیں نیند نہیں آ رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد بوڑھا ملاح اٹھا اور جھونپڑی کے اندر جا کر گھاس پھونس کے بستر پر لیٹ

گیا۔ وہ ان سے ذرا فاصلے پر تھا۔

عنبر نے سرگوشی میں ناگ سے کہا:

''بھائی! صبح اٹھ کر پہلا کام یہ کرنا ہے کہ بوڑھے ملاح سے سمگلروں کے بادشاہ کے محل کا راستہ پوچھنا ہے تاکہ ہم وہاں پہنچ کر کسی نہ کسی طرح محل کے اندر داخل ہونے کی کوشش کریں۔''

ناگ بولا:

''بہت اچھا''۔

وہ دونوں سو گئے۔ رات گزر گئی۔

دن چڑھا تو جزیرے پر سورج کی چمکیلی روشنی پھیل گئی۔ بوڑھا ملاح ابھی تک جھونپڑے کے اندر سو رہا تھا۔ شاید یہ شخص رات کو کام کرتا تھا اور صبح کو سوتا تھا۔ عنبر اور ناگ اٹھ کر بیٹھ گئے اور بوڑھے ملاح کے بیدار ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

دوسری طرف ماریا بھی جہاز کے کیبن سے نکل کر اوپر جہاز کے عرشے پر آ گئی تھی۔ اس نے دیکھا کہ جزیرے کا گھنا جنگل سامنے پھیلا ہوا ہے اور ان کا جہاز جس جگہ کھڑا ہے وہاں ارد گرد پانی میں جگہ جگہ ریت کے ٹاپو ابھرے ہوئے ہیں۔ جہاں درختوں کے جھنڈ ہی جھنڈ ہیں۔ اس اعتبار سے ان کا جہاز لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا۔

☆ عنبر اور ناگ کی شکنتلا سے ملاقات کیسے ہوئی؟

☆ شکنتلا بوڑھے سارنگ کی غار سے کہاں نکل کر گئی؟

☆ ماریا اور عنبر جہاز پر کن حالات میں آ کر ملے؟

☆ یہ سب آپ اسی ناول کی اگلی یعنی 39 ویں قسط

''سنہری موت'' میں پڑھیے گا۔

سنہری موت
عنبر ناگ ماریا ۔ قسط نمبر 39
اے حمید
princeofdhamp@urdufanz.com

فہرست

سنو پیارے بچے

ڈاکوؤں کے سمندری جہاز پر قبضہ کرنے کے بعد عنبر اور ناگ جہاز کو لے کر جزیرے کی طرف آتے۔ ماریا بھی اسی جہاز میں ان کے ساتھ ہے۔ آدھی رات کو وہ جہاز چپکے سے جزیرے کے پچھلے علاقے میں روک دیتے ہیں۔ ماریا اکیلی جہاز میں رہ جاتی ہے۔ عنبر اور ناگ یہ معلوم کرنے جہاز سے اتر کر جزیرے پر آتے ہیں کہ یہاں کون لوگ آباد ہیں؟

شکنتلا اسی جزیرے کے مشرقی حصے میں ایک بوڑھے ملاح کی جھونپڑی میں چھپی ہوئی ہے کیونکہ وہ سمندری ڈاکوؤں کی قید سے فرار ہو کر یہاں پہنچی ہے۔

جاسوس راون

اکیلا جہاز جزیرے کے مغربی ساحل پر سمندر میں کھڑا تھا۔

صبح ہوگئی تو ماریا اٹھ کر جہاز کے عرشے پر آ گئی۔ اس نے دیکھا جزیرے پر سورج کی سنہری روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ عنبر اور ناگ ابھی تک نہیں آئے تھے۔ ساحل ویران ویران تھا۔ جہاز کے آس پاس گھنے درخت تھے۔ یہ جہاز ایک کھاڑی میں کھڑا تھا۔ جو جزیرے کے ایک گھنے جنگل کے اندر چلی گئی تھی۔

کچھ دیر ماریا جہاز کے اوپر کھڑی رہی۔ پھر اس نے نیچے آ کر

ناشتہ کیا اور عرشے پر کھڑی ہو کر دوبارہ جزیرے کا نظارہ کرنے لگی۔ اسے معلوم تھا کہ ناگ اور عنبر جس کام پر گئے ہیں اس کام کے پورا ہونے میں ایک دن اور لگ جائے گا۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ ابھی اسے ایک دن اور ایک رات اور جہاز پر اکیلا رہنا ہوگا۔ اسے جہاز پر اکیلا رہنے میں کوئی ڈر نہیں لگتا تھا۔ اس لیے کہ وہ خود تو کسی کو نظر نہیں آتی تھی مگر وہ سب کو دیکھ سکتی تھی۔ جہاز خالی تھا۔ اس پر کوئی بھی دوسرا شخص سوار نہیں تھا۔

ماریا نے عرشے پر قالین بچھایا اور لیٹ گئی۔

دوسری طرف عنبر اور ناگ جھونپڑی کے باہر جاگ چکے تھے۔ جھونپڑی کے اندر بوڑھا ملاح ابھی تک سو رہا تھا۔ عنبر نے ناگ سے کہا کہ انہیں جھونپڑی میں چل کر بوڑھے ملاح کو جگانا چاہیے تاکہ شکنتلا کے بارے میں سراغ رسانی کا کام شروع کیا جا سکے۔ ناگ اٹھ

کر جھونپڑی کے پاس آ گیا اور اس نے ملاح کو آہستہ سے ہلا کر جگایا۔ ملاح نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں اور کہا:

"کون ہے؟"۔

ناگ نے کہا:

"ہم ہیں بابا' کیا اٹھو گے نہیں؟ ہمیں بھوک لگی ہے؟"۔

بوڑھا ملاح اٹھ کر بیٹھ گیا اور بولا:

"دن چڑھ آیا؟ اچھا اچھا' میں تمہیں کھانے کو جنگلی پھل دیتا ہوں"۔

اور بوڑھے ملاح نے ایک ٹوکری میں سے کچھ ناریل نکالے اور انہیں لے کر باہر عنبر کے پاس آ گیا۔ یہاں بیٹھ کر انہوں نے ناریل توڑ کر ان کا پانی پیا اور گودا کھا کر ناشتہ کیا۔ عنبر نے ملاح سے کہا کہ وہ انہیں لے کر سمگلروں کے بادشاہ موشے کے پاس کس وقت جائے گا؟

ملاح بولا:

"میری طرف سے کوئی دیر نہیں ہے۔ بے شک ابھی چلو"۔

اور ملاح اسی وقت عنبر اور ناگ کو لے کر سمگلروں کے بادشاہ کے محل کی طرف چل پڑا۔ عنبر اور ناگ بھیگی بلی بنے اس کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ ملاح نے انہیں سمجھا دیا تھا کہ وہ سمگلروں کے بادشاہ کے پاس جا کر بڑے ادب سے بات کریں اور اسے یہی کہیں کہ وہ اس کی خدمت کرنا چاہتے ہیں۔

عنبر اور ناگ نے بوڑھے ملاح کو یقین دلایا تھا کہ ایسا ہی ہوگا۔

جزیرے کے جنگلی پتھریلے اور ریتلے راستوں پر سے ہوتے ہوئے وہ ملاح کے ساتھ پام اور ناریل کے درختوں میں گھرے ہوئے ایک خوبصورت اور چھوٹے محل کے سامنے آ گئے۔

ملاح نے انہیں بتایا کہ یہی سمگلروں کے بادشاہ موشے کا محل

ہے۔ اتفاق سے سمگلروں کا بادشاہ اس وقت محل کے آگے سامنے
والے باغ میں اپنے غلاموں کے ساتھ بیٹھا ناشتا کر رہا تھا۔ غلام اس
کی خدمت میں لگے تھے۔

ملاح نے عنبر سے کہا:

"سنو' موشے ایک خطرناک آدمی ہے۔ سارے جزیرے پر اس
کی حکمرانی ہے۔ اس لیے کہ بحری ڈاکو اس بادشاہ کے ساتھ ہیں۔
جزیرے کا جو شخص بھی اس کا حکم ماننے سے انکار کرتا ہے موشے کے
بحری ڈاکو اس آدمی کو اٹھا کر اپنے جہاز پر لے جاتے ہیں اور پھر اسے
بیچ سمندر میں دھکا دے کر مار ڈالتے ہیں"۔

ناگ بولا:

"پھر تو یہ بڑا ہی طاقت والا شخص ہے بابا' ہمیں بھلا کیا ضرورت
پڑی ہے کہ اتنی بڑی طاقت والے جزیرے کے بادشاہ سے الجھتے

پھریں۔ ہم تو اس سے مدد لینے جا رہے ہیں۔ اس سے مقابلہ کرنے تو
نہیں جا رہے"۔

ملاح نے کہا:

"شاباش' اس طرح سوچو گے تو سمگلروں کا بادشاہ خوش ہو کر
تمہیں بہت سا انعام و اکرام بھی دے گا اور اپنے محل میں ملازم بھی
رکھ لے گا"۔

عنبر کہنے لگا:

"خدا تمہاری زبان مبارک کرے بابا' ہم بس یہی چاہتے ہیں کہ
یہاں کام مل جائے تاکہ ہم فاقے کرنے سے بچ جائیں"۔

"کام تمہیں میں لے کر دوں گا۔ سمگلروں کا بادشاہ میری عزت
کرتا ہے۔ کیوں کہ جب وہ اس جزیرے پر ڈاکے ڈالا کرتا تھا اور
لوگوں کو سمگل کر کے بحری ڈاکوؤں کے ہاتھ بیچتا تھا تو میں نے اس کی

بڑی مدد کی تھی۔ وہ میرے احسانوں کو بھولا نہیں ہے۔ میرے ساتھ آؤ۔ وہ ہمیں غور سے دیکھ رہا ہے"۔

سمگلروں کا بادشاہ موشے بوڑھے ملاح کے ساتھ آنے والے عنبر اور ناگ کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا کہ یہ اجنبی نوجوان اس جزیرے پر کہاں سے آئے ہیں۔ ملاح نے جا کر موشے کو سلام کیا۔ عنبر اور ناگ نے بھی سلام کیا۔ موشے تے ملاح کے سلام کا جواب بڑی خندہ پیشانی یعنی ہنس مکھی سے جواب دیا اور پوچھا:

"بابا' یہ دونوں کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں؟ میں نے پہلے انہیں اس جزیرے پر کبھی نہیں دیکھا"۔

ملاح نے بتایا کہ دونوں نوجوان ایک جہاز پر سفر کر رہے تھے کہ

جہاز طوفان میں گھر کر ڈوب گیا اور ان دونوں نے بڑی مشکل سے جان بچائی اور اب ایک لمبے تکلیف دہ سمندری سفر کے بعد ساحل پر پہنچے ہیں۔ سمگلروں کے بادشاہ موشے نے پوچھا:

''یہ نوجوان کیا چاہتے ہیں؟''۔

ملاح نے کہا:

''اس دنیا میں ان کا کوئی نہیں رہا۔ خاندان کے سارے لوگ سمندر میں ڈوب کر مر گئے ہیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ تمہاری خدمت کر کے روکھی سوکھی کھا کر باقی زندگی اسی جزیرے پر گزار دیں۔ میری درخواست ہے کہ تم ان پر مہربانی کر دو اور اپنے محل میں کسی کام پر لگا دو۔ تمہیں دعائیں دیں گے''۔

سمگلروں کے بادشاہ نے آنکھیں سکیڑ کر بڑی تیز نگاہوں سے عنبر اور ناگ کو دیکھا۔ ان دونوں کو موشے کی نگاہیں اپنے جسم میں چبھتی

محسوس ہوئی۔ موشے نے پوچھا:

''کیا تم اصطبل میں گھوڑوں اور شکاری کتوں کی دیکھ بھال کر لو گے؟''۔

عنبر نے کہا:

''کیوں نہیں جناب' ہم آپ کے گھوڑوں اور کتوں کی پوری پوری حفاظت کریں گے''۔

''بس پھر آج سے تم ملازمت شروع کر دو''۔

پھر اس نے ایک شخص سے کہا:

''ان نوجوانوں کو محل کے خاص اصطبل میں پہنچا دو''۔

وہ آدمی عنبر اور ناگ کو لے کر شاہی اصطبل میں آ گیا۔ یہاں پچاس ساٹھ گھوڑے بندھے تھے۔ دوسری طرف بے شمار کتے پنجروں میں قید غرا رہے تھے۔ ایک نوکر ان کے آگے گوشت کے

لوتھڑے ڈال رہا تھا۔ عنبر اور ناگ کو کام پر لگا کر وہ آدمی واپس چلا گیا۔ ناگ نے عنبر سے کہا:

"اب کیا کیا جائے؟ سمگلروں کے محل میں تو آ گئے ہیں۔ اب شکنتلا کو کہاں سے تلاش کیا جائے؟"۔

عنبر بولا:

"بھائی شاہی محل میں کہاں آئے ہیں۔ ابھی تو ہم شاہی محل کے طویلے میں آئے ہیں۔ یہاں تو سوائے گھوڑوں اور کتوں کے اور کچھ نہیں ہے۔ شاہی محل میں تو تھوڑی دیر کے بعد جائیں گے۔"

ناگ نے کہا:

"میرا خیال ہے شاہی محل میں میں اکیلا ہی جاتا ہوں"۔

عنبر نے کہا:

"تم جا کر کیا کرو گے؟ تم نے تو شکنتلا کو دیکھا تک نہیں۔ پھر تم

اسے کس طرح پہچانو گے؟ اس کی تلاش میں میں جاؤں گا۔ تم اسی جگہ میرا انتظار کرنا"۔

ناگ نے عنبر کو بتایا کہ پہلے ہی روز اس طرح شاہی محل میں جانا ٹھیک نہیں ہوگا۔

عنبر نے کہا:

"یہ شخص ہمارا کیا بگاڑے گا۔ ہم یہاں دیر نہیں لگا سکتے۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ سمندر میں ہمارا اکیلا جہاز کھڑا ہے۔ جس میں ماریا سوار ہے۔ اگر ان لوگوں نے جہاز کو دشمن کا جہاز سمجھ کر آگ لگا دی تو ماریا کے لیے مصیبت بن جائے گی۔ وہ جہاز میں سے بھاگ کر جزیرے میں ہمیں کہاں تلاش کرتی پھرے گی۔ اس لیے ہم پر فرض ہے کہ ہم اپنا کام تیزی سے کریں"۔

اسی روز دوپہر کے بعد عنبر طویلے میں سے نکل کر شاہی محل میں آ

گیا۔ اور اس نے ادھر ادھر یوں گھومنا شروع کر دیا۔ جیسے وہ ضروری
کام کے لیے وہاں آیا ہے۔ کسی نے اس پر شک نہ کیا۔ ہر کسی نے
یہی سمجھا کہ محل کا ملازم ہے۔ پھرتے پھراتے وہ اسی جگہ پر آ گیا
جہاں محل کی کچھ لونڈیاں سینے پرونے کا کام کر رہی تھی۔ عنبر ایک لونڈی
کے پاس جا کر بولا:

”بہن، میں نیا نیا اس محل میں نوکر ہوا ہوں۔ میں گھوڑوں کا دربان
ہوں۔ کیا تم مجھے بتا سکتی ہو کہ ملک افریقہ کی کوئی نئی کنیز اس محل میں
آئی ہے۔ وہ کنیز میری رشتے دار ہے۔ میں اس سے ملنا چاہتا
ہوں“۔

یہ ایک اتفاق کی بات تھی کہ عنبر جس لونڈی سے بات کر رہا تھا وہ
سمگلروں کے بادشاہ موشے کی خاص جاسوس لونڈی تھی اور موشے
نے اسے محل میں صرف یہ کام دے رکھا تھا کہ وہ اسے محل کے سارے

نوکروں اور لونڈیوں کی جاسوسی کر کے بتایا کرے کہ کون اس کا وفادار
ہے اور کون اس کے خلاف سازش کر رہا ہے۔

عنبر نے جب اس لونڈی سے یہ بات کی تو اس کے کان کھڑے ہو گئے۔ کیوں کہ شکنتلا نام کی خاص کنیز نئی نئی فرار ہوئی تھی۔ جس کے بارے میں سمگلروں کے بادشاہ نے لونڈی کو خاص طور پر ہدایت کر رکھی تھی کہ وہ اس کے بارے میں کسی کو بات کرتے سنے تو فوراً اسے آ کر اطلاع کرے۔ لونڈی نے انجان سا بن کر عنبر سے پوچھا:

''بھائی' تم کس لونڈی کے بارے میں بات کر رہے ہو؟''۔

عنبر نے کہا:

''وہ ملک ہندوستان کی رہنے والی تھی اور میں نے سنا ہے کہ وہ

اس محل میں لائی گئی تھی''۔

لونڈی نے پوچھا:

''بھائی یہاں تو کتنی ہی لونڈیاں خدمت کر رہی ہیں۔ نہ جانے تم کس کے بارے میں بات کر رہے ہو۔ کیا تم مجھے اس کا نام بتاؤ گے تا کہ میں تمہیں ٹھیک بتا سکوں؟''۔

عنبر اس مکار لونڈی کے فریب میں آ گیا۔ کہنے لگا:

''اس لونڈی کا نام شکنتلا ہے۔ وہ ایک خوش شکل عورت ہے اور اس کا رنگ سانولا ہے۔ آنکھیں کالی ہیں''۔

مکار لونڈی چوکنی ہو گئی۔ اس نے کہا:

''نہیں بھائی اس نام کی کوئی بھی لونڈی اس محل میں نہیں آئی''۔

عنبر ناامید ہو کر بولا:

''اچھا بہن' معاف کر دینا۔ میں نے تمہیں خواہ مخواہ پریشان

کیا"۔

عنبر وہاں سے چلا گیا۔اس کے جانے کے بعد مکار لونڈی فوراً سینے پرونے کا کام چھوڑ کر وہاں سے اٹھی اور سیدھی سمگلروں کے بادشاہ موشے کے پاس آ گئی۔ وہ اس وقت محل کے باغ میں بیٹھا دوپہر کا کھانا کھا رہا تھا۔اس کے ساتھ دوسرے لوگ بھی تھے۔مکار لونڈی نے جا کر سلام کیا اور خاص اشارہ کیا جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ ایک خاص بات کرنے وہاں آئی ہے۔

سمگلروں کے بادشاہ نے اسی وقت سب لوگوں کو وہاں سے رخصت کر دیا اور لونڈی کو بلا کر پوچھا:

"بتاؤ تم کیا خاص بات کرنے آئی ہو؟"۔

لونڈی نے کہا:

"سرکار آپ نے کوئی نیا دربان گھوڑوں کے اصطبل میں رکھا

ہے؟"۔

موشے نے کہا:

"ہاں' ایک عنبر نام کا نوجوان اور اس کا ایک بھائی میں نے آج ہی اپنے گھوڑوں اور کتوں کی رکھوالی کے لیے رکھا ہے۔کیوں کیا بات ہے۔کھل کر بیان کرو"۔

لونڈی نے کہا:

"وہ ابھی بای میرے پاس آیا تھا اور آپ کی گم شدہ چہیتی کنیز شگفتا کے بارے میں پوچھ رہا تھا"۔

سمگلروں کا بادشاہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔اس کا چہرہ غضب ناک ہو گیا۔شگفتا کے بھاگ جانے سے اس کی سارے جزیرے میں بڑی بے عزتی ہوئی تھی۔وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح اسے یہ معلوم ہو جائے کہ شگفتا کو بھگانے میں کس کا ہاتھ ہے تا کہ وہ اسے سزا دے کر اپنے

آپ کو تسکین دے سکے۔ لونڈی کی باتوں سے اس نے یہی سمجھا کہ عنبر دربان کا شکنتلا کے فرار میں ہاتھ ہے۔ اس نے کہا:

''میں ابھی اس بدبخت دربان کو بلا کر پوچھتا ہوں کہ شکنتلا کہاں ہے اور اس کا شکنتلا کے ساتھ کیا رشتہ ہے؟''۔

مکار لونڈی بولی:

سرکار! اس طرح آپ بنا بنایا کھیل بگاڑ دیں گے۔ اس دربان سے اگر آپ نے بلا کر پوچھا تو وہ صاف انکار کر دے گا۔ بہتر یہ ہے کہ اس سے کوئی بات نہ کریں اور اس کا پیچھا کرائیں۔ معلوم کریں کہ وہ کہاں جاتا ہے۔ کس سے ملتا ہے۔

وہ شکنتلا کی تلاش میں ہے۔ وہ اکیلا نہیں ہوگا۔ ضرور اس کے دوسرے ساتھی بھی اسی جزیرے میں ہوں گے۔ آپ اس کی سراغرسانی کریں اور پتہ چلائیں کہ یہ لوگ کس جگہ پر ٹھہرے ہوئے

ہیں۔ ضرور شکنتلا ان لوگوں سے ملنے کی کوشش کرے گی۔

سمگلروں کے بادشاہ نے مسکرا کر کہا:

''تو میری بڑی وفادار کنیز ہے۔ میں تم سے بہت خوش ہوں۔ تم نے مجھے ایک بہترین راہ سمجھائی ہے۔ میں اپنے خاص جاسوس راون کو اس نوجوان عنبر کی جاسوسی پر لگا دیتا ہوں۔ اب دیکھتا ہوں کہ شکنتلا اس جزیرے سے بچ کر کہاں جاتی ہے''۔

مکار لونڈی چلی گئی۔ سمگلروں کے بادشاہ نے اسی وقت اپنے خاص جاسوس راون کو طلب کیا اور اسے عنبر کے بارے میں سب کچھ سمجھا کر کہا کہ وہ عنبر اور ناگ دونوں بھائیوں کا پیچھا کرے اور معلوم کرے کہ وہ کہاں کہاں جاتے ہیں۔

ہو سکتا ہے کہ شکنتلا خود ان کی تلاش میں ہو اور انہیں ملنے کی کوشش کرے۔ راون نے جھک کر کہا:

"سرکاری، آپ فکر نہ کریں۔ میں سائے کی طرح عنبر اور ناگ کا پیچھا کروں گا۔ وہ میری نظروں سے بچ کر کہیں نہیں جا سکیں گے"۔

سمگلروں کے بادشاہ نے خوش ہو کر کہا:

"شاباش! مجھے تم سے یہی امید تھی۔ اگر تم شکنتلا کا پتہ چلانے میں کامیاب ہو گئے تو تمہیں منہ مانگا انعام دوں گا۔ اب تم جاؤ اور عنبر ناگ، دونوں بھائیوں کا پیچھا شروع کر دو۔ اور جلدی سے مجھے خوشخبری سناؤ کہ تم نے شکنتلا کو ڈھونڈ نکالا ہے"۔

"ایسا ہی ہو گا سرکار"۔

یہ کہہ کر جاسوس راون سلام کر کے چلا گیا۔

راون اسی شام سے عنبر اور ناگ کے پیچھے سائے کی طرح لگ گیا۔ یہ ایک بڑا ہی خطرناک قسم کا جاسوس تھا۔ وہ اڑتی چڑیا کے پر گن لیتا تھا۔ جس کے پیچھے لگ جاتا اس کے فرشتوں کو بھی خبر نہ ہوتی کہ

اس کے پیچھے لگا ہوا ہے اور اس کی سراغرسانی کر رہا ہے۔ خدا جانے اس شخص میں کیا خاص بات تھی کہ چالاک سے چالاک جاسوس کو بھی شکست دے دیتا تھا۔ راون نے عنبر اور ناگ کا پیچھا کرنا شروع کر دیا۔

یہ شخص سب سے پہلے گھوڑوں کے اصطبل میں پہنچا جہاں عنبر اور ناگ کام کر رہے تھے۔ اس نے پانی کی بڑی سی بالٹی لا کر طویلے میں رکھ دی اور عنبر سے کہا:

"یہ لو بھائی پانی کی بالٹی۔ کم بخت اس سمگلروں کے بادشاہ سے تو میں تنگ آ گیا ہوں۔ ایسے ایسے مشکل کام مجھے دیتا ہے کہ میری ہڈی پسلی ایک ہو جاتی ہے۔ اب مجھے یہ کام ہے کہ میں ہر روز تمہیں گھوڑوں اور کتوں کے لیے طویلے میں پانی لا کر دیا کروں"۔

عنبر اور ناگ گھوڑوں کی مالش کر رہے تھے۔ ناگ نے کہا:

''تمہارا نام کیا ہے بھائی؟''۔

راون نے کہا:

''مجھے یہاں لوگ الو کے نام سے پکارنے لگے ہیں۔ اس لیے کہ میں ہر کام کر لیتا ہوں اور کبھی کسی کام کے بارے میں اعتراض نہیں کرتا او اس لیے بھی لوگ مجھے الو کہتے ہیں کہ میں رات کو جاگتا اور دن کو سوتا ہوں۔ یعنی مجھے رات کو بہت کم نیند آتی ہے۔ مگر اب جو یہ مزدوروں کی طرح پانی کی بالٹیاں اٹھاؤں گا تو رات کو ضرور نیند آ جایا کرے گی۔ بس اس نوکری مجھے یہی ایک فائدہ ہوگا''۔

عنبر ہنس کر بولا:

''میاں الو! تم ایک دلچسپ آدمی ہو۔ فکر نہ کرو۔ پانی کی بالٹیاں بھر بھر کر تم اس طویلے میں راتوں کو بڑے آرام سے سوؤ گے۔ اگر مجھے یہاں زیادہ کام نہ ہوتا تو میں تمہارا بھی کام کر لیا کرتا۔ مگر میں

مجبور ہوں''۔

راون بولا:

''شکریہ بھائی۔ آخر ایک غلام ہی دوسرے غلام کے دکھ درد کو سمجھ سکتا ہے۔ اب مجھ پر جو گزرے گی اسے کاٹوں گا''۔

یہ شخص راون اس قدر چالاک اور ہوشیار تھا کہ عنبر اور ناگ ایسے تجربہ کار نوجوان بھی اس سے مات کھا گئے۔ انہیں ایک پل کے لیے بھی شک نہ ہوا کہ یہ جاسوس ہے اور سمگلروں کے بادشاہ نے اسے ان دونوں کی جاسوسی کے لیے وہاں بھیجا ہے۔

دن بھر کے کام سے تھک ہار کر عنبر اور ناگ دونوں طویلے میں بے سدھ ہو کر سو گئے۔ اصطبل میں یہ ان کی پہلی رات تھی۔ ان کا خیال تھا کہ وہ رات کو جاگیں گے اور آدھی رات کو جہاز پر جا کر ماریا کی خبر لیں گے۔ مگر دن بھر کے کام سے وہ اس قدر تھک گئے کہ انہیں کوئی خبر

نہ ہوئی۔

راون نے انہیں جھوٹ موٹ کہا تھا کہ وہ رات کو سوئے گا اور دن کو جاگے گا۔ اصطبل میں وہ رات کو بھی جاگ رہا تھا۔ مگر جب اس نے دیکھا دونوں بھائی گھوڑے بیچ کر سو رہے ہیں تو وہ بھی گہری نیند سو گیا۔

ادھر جب رات ہو گئی تو جہاز میں اکیلی ماریا پریشان سی ہوئی کہ نبر اور ناگ کہاں جا کر رہ گئے؟ انہیں کم از کم رات کو تو وہاں آ جانا چاہیے تھا۔ اسے خیال آنے لگا کہ وہ کسی مصیبت میں نہ پھنس گئے ہوں۔ پھر اس نے سوچا کہ وہ جس مصیبت میں بھی پھنس جائیں اس میں سے آسانی کے ساتھ نکل سکتے ہیں۔

لیکن کم از کم ان میں سے کسی ایک کو تو ضرور اس کا حال معلوم کرنے کے لیے جہاز پر آنا چاہیے تھا۔ اتنے بڑے بادبانی جہاز پر وہ

اکیلی عرشے پر آدھی رات کو کھڑیا جزیرے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جہاں اندھیرا پھیلا ہوا تھا اور ہر طرف گہری خاموشی تھی۔

تھوڑی دیر وہ عرشے کے جنگلے سے لگی جزیرے کے جنگلوں کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر وہ تھک گئی اور اسے نیند آ گئی۔ وہ عرشے پر ہی قالین پر لیٹ گئی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ رات بڑی خوشگوار تھی۔ ماریا سو گئی۔

ادھر عنبر اور ناگ بھی سوئے رہے۔ دن چڑھا تو اٹھ کر بیٹھ گئے۔ جاسوس راون ان سے پہلے اٹھ چکا تھا اور منگلوں کے بادشاہ کی طرف سے لگائی گئی ڈیوٹی کے مطابق پانی کی بالٹیاں بھر بھر کر لا رہا تھا۔ عنبر نے اسے پانی لاتے دیکھا تو کہا۔

"او میاں، کیا آج کی رات تم آرام سے نہیں سوئے؟"۔

راون نے کہا۔

''بھائی عنبر' زندگی میں یہ پہلی رات ہے کہ میں گھوڑے بیچ کر سویا ہوں''۔

حالاں کہ وہ آدھی رات تک جاگتا رہا تھا۔ ناگ گھوڑوں کو نہلا رہا تھا۔ اس نے عنبر سے کہا:

''عنبر' ہمیں شکنتالا کے بارے میں جلد سے جلد سراغ لگانا چاہیے۔ ہم نے ابھی تک ماریا اور جہاز کی بھی خبر نہیں لی۔ وہ اکیلی جہاز پر گھبرا رہی ہوگی''۔

عنبر نے کہا:

''وہ تو کسی کو نظر ہی نہیں آتی۔ پھر اسے گھبرانے کی کیا ضرورت ہے۔ اگر جہاز میں کوئی ابھی گیا تو وہ تو ماریا کو دیکھ ہی نہیں سکے گا۔ ماریا بڑے آرام سے اسے ہلاک کر سکتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب تک ہمیں یہ معلوم نہ ہو کہ شکنتالا یہاں کہاں ہے ہم اس کی تلاش کیسے

کر سکتے ہیں؟''۔

ناگ نے کہا:

لیکن یہی تو معلوم کرنا ہے کہ شکنتالا اگر یہاں ہے تو کہاں ہے؟ تم مجھے اجازت دو یا نہ دو۔

لیکن میں آج رات جہاز پر جا کر ماریا بہن کی خیریت ضرور دریافت کروں گا۔ وہ اکیلی ہمارے بارے میں سوچ کر گھبرا رہی ہوگی۔

عنبر نے کوئی جواب نہ دیا۔ کیوں کہ وہ خود رات کو محل میں جا کر شکنتالا کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ لیکن ناگ نے فیصلہ کر لیا کہ وہ رات کو جہاز پر جا کر اپنی بہن ماریا کی خیریت ضرور دریافت کرے گا۔ اسے بتائے گا کہ فکر نہ کرو ہم اس جزیرے پر ہیں اور شکنتالا کے بارے میں کھوج لگا رہے ہیں۔

جہاز میں سانپ

ناگ آدھی رات کو اٹھ بیٹھا۔

وہ جہاز پر جا کر ماریا کو سارے حالات کی خبر کرنا چاہتا تھا۔ عنبر گہری نیند سو رہا تھا۔ ناگ چپکے سے اٹھ کر جزیرے میں اس علاقے کی طرف چل پڑا جہاں ان کا جہاز کھڑا تھا۔ ہر طرف رات کا اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔

کبھی کبھی جزیرے کے جنگل کی طرف سے الو کی آواز آ جاتی تھی۔ ناگ بڑی خاموشی سے قدم اٹھاتا ساحل کی طرف جا رہا تھا۔ اسے کوئی خبر نہیں تھی کہ راون اس کا پیچھا کر رہا ہے۔ راون تو آیا ہی

ان دونوں کی جاسوسی کرنے کے لیے تھا۔

سمگلروں کے بادشاہ نے راون کو اسی کام کے لیے مقرر کیا تھا کہ پتہ کرے کہ ان لوگوں کے پاس شکنتلا آتی ہے یا نہیں؟ اور پھر یہ کہ ان لوگوں کا شکنتلا کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ جس وقت ناگ اٹھ کر ساحل کی طرف چلا تھا اس وقت راون جاگ رہا تھا۔ اس نے کانی آنکھ سے ناگ کو جنگل کی طرف جاتے دیکھا تو وہ بھی اٹھ کر اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔

ناگ جنگل میں سے گزر رہا تھا۔ یہاں بھی ہر طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ ستاروں کی روشنی تھی۔ مگر یہ روشنی بڑی ہلکی ہلکی تھی۔ اس روشنی میں بس جنگل کے درخت ہی نظر آ رہے تھے۔ لیکن ناگ کو اندھیرے میں چلنے کی خوب عادت تھی۔ اس کی آنکھیں اندھیرے میں بھی راستہ تلاش کر لیتی تھیں۔

ادھر راون بھی اسی جزیرے کا رہنے والا تھا اور ان ہی جنگلوں میں کھیل کود کر بڑا ہوا تھا۔ اس کے لیے بھی وہ جنگل اجنبی نہیں ہی تھے۔

اگر ناگ بڑی آسانی سے جنگل میں راستہ تلاش کرتے چلا جا رہا تھا تو راون کو بھی اس کا پیچھا کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آرہی تھی۔

راون کے دل میں سمگلروں کے بادشاہ سے انعام حاصل کرنے کی امید جاگ پڑی تھی۔ کیوں کہ اس کے خیال میں ناگ ضرور شگفتا سے ملنے جا رہا تھا۔ اگر ایسی بات نہیں تھی تو پھر وہ رات کو جنگل میں کیا کرنے جا رہا تھا؟

ناگ جنگل میں سے نکل کر سمندر کی طرف چل پڑا۔

راون بھی اس کا پیچھا کر رہا تھا۔ جس طرف ناگ جا رہا تھا۔ اس طرف سمندر ایک کھاڑی کی شکل میں جنگل کے اندر چلا گیا تھا۔ یہ جگہ بڑی پراسرار تھی اور راون بچپن ہی سے سنتا چلا آیا تھا کہ اس جگہ جن

بھوت رہتے ہیں۔ وہ کچھ کچھ ڈر بھی رہا تھا۔ کیوں کہ ناگ کھاڑی والے جنگل میں داخل ہو گیا تھا۔

راون کو ہر حالت میں ناگ کا پیچھا کرنا تھا۔ کیونکہ نہ صرف یہ سمگلروں کے بادشاہ کا حکم تھا بلکہ اسے انعام و اکرام ملنے کی بھی امید تھی۔ حیران وہ اس بات پر ہو رہا تھا کہ یہ ناگ جا کس طرف رہا ہے۔ کیا سچ مچ وہ شگفتا سے ملنے جا رہا ہے؟

ناگ ایک جگہ پہنچ کر اندھیرے میں راون کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ راون بڑا حیران ہوا کہ یہ نوجوان کہاں گم ہو گیا ہے۔ راون جلدی سے ناگ کے پیچھے لپکا۔ وہ ایک درخت کی اوٹ سے نکل کر آیا تو وہ دنگ رہ گیا۔ کھاڑی کے سمندے میں ایک پورے کا پورا بادبانی جہاز لنگر ڈالے کھڑا تھا۔ وہ کتنی دیر تک اس جہاز کو تکتا رہا۔ اب جو دیکھتا ہے تو ناگ ایک چھوٹے سے ڈونگے میں بیٹھا اسے ہاتھوں

سے چلاتا ہوا جہاز کی طرف بڑھ رہا تھا، تو گویا ان لوگوں نے شکنتلا کو اس جہاز میں چھپا رکھا ہے؟

راون کو یقین ہو گیا کہ اس نے شکنتلا کو پا لیا ہے۔ کیا وہ واپس جا کر سمگلروں کو بادشاہ کو تمام حالات سے باخبر کرے یا ناگ کے پیچھے جہاز پر جائے؟ راون نے سوچا جہاز پہ جانے سے ایک فائدہ ضرور تھا کہ راون کو کم از کم یہ ضرور علم ہو جاتا کہ شکنتلا اس جہاز میں ہے یا نہیں ہے۔

اس طرح سے وہ پورے فیصلے کے ساتھ سمگلروں کے بادشاہ کو جا کر بتا سکتا ہے کہ حضور شکنتلا مل گئی ہے۔ وہ کھاڑی کے سمندر میں ایک جہاز میں ہے اور لایئے میرا انعام۔ راون کو انعام کا بہت لالچ تھا۔

اسی لیے اس نے جان کو خطرے میں ڈال کر ناگ کا پیچھا کرنا شروع

کر دیا۔ وہ بہت عمدہ تیراک تھا۔ اور تیر کر بھی جہاز تک جا سکتا تھا۔ اس کی کمر میں ٹپکے کے ساتھ ایک دو دھار والا تیز خنجر لگا ہوا تھا۔ خطرے کے وقت وہ دشمن کا مقابلہ بڑی خوبی سے کر سکتا تھا۔

راون ویسے بھی بہادر اور دلیر آدمی تھا۔ بس صرف جن بھوتوں سے بہت ڈرتا تھا۔ اسے وہم بھی تھا کہ کہیں اس کھاڑی میں بھوت نہ بسیرا کر رہے ہوں۔ کیونکہ اس کھاڑی کے جنگل کے بارے میں جزیرے میں یہ بات عام مشہور تھی کہ یہاں بھوت رہتے ہیں اور چڑیلوں نے بسیرا کر رکھا ہے۔ اگرچہ آج تک کسی نے اپنی آنکھ سے نہ کوئی بھوت دیکھا تھا اور نہ کوئی چڑیل ہی دیکھی تھی۔

ناگ جہاز پر سوار ہو چکا تھا۔ اس کا ڈونگا پانی میں جہاز کی رسی کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ جس پر سوار ہو کر ناگ نے واپس جزیرے کے ساحل پر آنا تھا۔ راون نے اپنی قمیض اتار کر جھاڑیوں میں چھپائی اور

چپکے سے سمندری کی کھاڑی کے پانی میں اتر گیا۔

سمندر کا پانی گرم تھا۔ وہ بڑے سکون کے ساتھ تیرا ہوا آہستہ آہستہ جہاز کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ اتنی ہوشیاری سے تیر رہا تھا کہ پانی سے صرف اس کی گردن ہی باہر تھی۔ باقی جسم پانی کے اندر تھا۔ وہ بڑھتے بڑھتے جہاز کے قریب آ گیا۔

جہاز میں مکمل اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ وہ تیرتے تیرتے جہاز کے پیچھے حصے کی طرف آ گیا۔ وہ اس طرف سے جہاز پر نہیں چڑھنا چاہتا تھا جس طرف سے ناگ اوپر چڑھا تھا۔ جہاز کے پچھلے حصے میں لنگر کا موٹا لوہے کا سنگل سمندر میں گڑھا ہوا تھا۔

راون موٹی زنجیر کے ساتھ چڑھتا ہوا جہاز کے اوپر عرشے کے جنگلے پر آ کر خاموشی سے بیٹھ کر دیکھنے لگا۔ جہاز کا عرشہ بالکل ویران اور سنسان تھا۔ وہاں کوئی انسان نہیں تھا۔ ستاروں کی پھیکی پھیکی روشنی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔

راون چپکے سے جنگلے کے اوپر سے گزر کر جہاز کے عرشے پر آ گیا اور زمین پر بیٹھ کر دبے پاؤں بلی کی طرح اس طرف بڑھنے لگا جدھر سے سیڑھی جہاز کے نیچے جاتی تھی۔ وہ سیڑھی کے پاس آ کر رک گیا اور کان لگا کر سننے لگا کہ کسی طرف سے کسی کی باتیں کرنے کی آواز تو نہیں آ رہی؟ اسے کوئی آواز سنائی نہ دی۔ وہ آہستہ آہستہ سیڑھیاں اترنے لگا۔ نیچے آ کر اس نے دیکھا کہ ایک جگہ کیبن بنا ہوا ہے جس کا آدھا دروازہ کھلا ہے اور اندر ہلکی ہلکی روشنی ہو رہی تھی۔

اس کیبن سے ناگ کی باتیں کرنے کی دھیمی دھیمی آواز آ رہی

تھی۔ وہ کسی عورت سے باتیں کر رہا تھا۔ عورت کی آواز بھی دھیمی تھی۔ راون سمجھ گیا کہ یہ شخص ضرور شگفتا سے باتیں کر رہا ہے اور انہوں نے شگفتا کو محل سے نکال کر یہاں چھپا رکھا ہے اور یہ لوگ جزیرے سے فرار ہونے کے لیے کسی اچھے سے موقع کی تلاش میں ہیں مگر سوال یہ تھا کہ پھر ان سمگلروں کے بادشاہ کے محل میں آ کر نوکری کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

یہ ایک عجیب قسم کا راز تھا جو راون کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اگر انہوں نے شگفتا کو حاصل کر لیا تھا تو یہ لوگ بڑی آسانی سے کسی بھی رات کی تاریکی میں جزیرے سے بھاگ سکتے تھے۔ لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا تھا۔ راون کان کھڑے کر کے ناگ اور عورت کی باتیں سننے کی کوشش کرنے لگا۔

اس وقت ناگ ماریا کے پاس بیٹھا اس سے باتیں کر رہا تھا۔ ماریا

کہہ رہی تھی:

"میں اکیلی یہاں پریشان ہو گئی ہوں۔ آخر تم لوگ جزیرے میں کیا کر رہے ہو؟ عنبر کہاں ہے؟"

ناگ نے کہا:

"عنبر اور میں تمگروں کے بادشاہ کے محل میں کام پر لگ گئے ہیں۔ ہمارا کام طویلے میں گھوڑوں کی رکھوالی کرنا ہے۔ ویسے عنبر رات کو ایک چکر شاہی محل میں لگا آیا تھا"۔

ماریا نے پوچھا:

"پھر شکنتلا کا کچھ پتہ چلا؟"۔

"نہیں ابھی تک شکنتلا کا کچھ پتہ نہیں چلا؟"۔

یہ سن کر راون اور زیادہ حیران ہو گیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ یہ عورت جس کے ساتھ ناگ کیبن کے اندر باتیں کر رہا ہے شکنتلا نہیں

ہے بلکہ کوئی دوسری عورت ہے۔ راز اور زیادہ پر اسرار ہو رہا تھا۔ راون اب اس راز کو حل کرنے کے لیے بے چین تھا۔ اس نے آوازوں پر کان لگا دیے۔ ماریا نے کہا:

"ناگ بھائی، میں تو اب بھی یہی کہوں گی کہ میں تم لوگوں کی مدد کرتی ہوں۔ تم اکیلے پریشان ہو گے۔ میں اگر محل میں چلی جاؤں تو زیادہ آسانی سے شکنتلا کا کھوج لگا سکوں گی"۔

ناگ نے کہا:

تم ٹھیک کہہ رہی ہو، مگر میرا اور عنبر کا بھی یہی خیال ہے کہ تم محل میں جا کر اگر کسی خطرے میں گھر گئیں تو پھر تمہیں وہاں سے واپس لانا مشکل ہو جائے گا۔ پھر ایسا نہ ہو کہ ہم شکنتلا کو لے کر جہاز پر آ جائیں اور تم مصیبت میں پھنس جاؤ۔

تمہارا پتا کرنا تو بہت مشکل ہو جائے گا کیوں کہ تمہارے بارے

میں تو ہمیں کوئی بھی نہیں بتا سکے گا کہ تم کہاں ہو اور کیا کر رہی ہو جب
تک تم خود آ کر ہمیں نہ ملو۔

ماریا کہنے لگی:

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ ابھی نہ جانے کتنے روز اور مجھے اس
جہاز پر رہنا ہوگا''۔

''ہاں معلوم تو ایسا ہی ہو رہا ہے۔ کیونکہ ہم ابھی تک شکنتلا کا
سراغ لگانے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ ویسے ہمیں امید ہے کہ آج
نہیں تو کل ہمیں ضرور معلوم ہو جائے گا کہ شکنتلا کس جگہ ہے''۔

ماریا بولی:

''کیا خبر وہ محل میں موجود ہی نہ ہو؟''۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟''۔

''کیوں نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ محل میں موجود ہوتی تو کہیں نہ کہیں

چلتی پھرتی ضرور دکھائی دے جاتی۔ آخر سنگلروں کے بادشاہ کا محل کتنا
بڑا ہے؟''۔

ناگ نے کہا:

''محل اتنا بڑا نہیں ہے مگر لونڈیاں بہت ہیں۔ عنبر نے جس لونڈی
سے بات چیت کی تھی اس نے تو شکنتلا کے بارے میں کچھ نہیں بتایا
تھا۔ ہو سکتا ہے اسے کوئی خبر نہ ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس نے اصل
بات کو چھپانے کی کوشش کی ہو۔ کیوں کہ ہمیں اتنا ضرور پتہ چل گیا
ہے کہ سنگلروں کا بادشاہ شکنتلا کو لوگوں کی نظروں سے چھپا کر رکھتا
ہے''۔

یہ دونوں باتیں کر رہے تھے اور راون زمین پر بلی کی طرح کھسکتا
کھسکتا کیبن کے آدھے کھلے دروازے کے قریب آ گیا۔ وہ اندر
جھانک کر دیکھنا چاہتا تھا کہ ناگ جس عورت سے باتیں کر رہا ہے وہ

کون ہے؟ راون نے ادھ کھلے دروازے کے ساتھ منہ لگا کر اندر دیکھا۔

کیبن میں ایک دیا جل رہا تھا۔لکڑی کی دیوار کے ساتھ صندوق پڑے تھے۔کونے میں ایک بڑی سی تپائی رکھی تھی جس پر چمڑے کا نقشہ بچھا ہوا تھا۔یہ چھوٹا سا کیبن تھا۔ایک مونڈھے پر ناگ بیٹھا صاف نظر آرہا تھا۔اس کے سامنے مونڈھا خالی پڑا تھا۔

تو ناگ کس سے باتیں کر رہا تھا؟

کیبن میں سوائے ناگ کے اور کوئی شخص نہیں تھا۔ناگ جس عورت سے باتیں کر رہا تھا۔وہ عورت کہاں تھی۔راون کا دماغ چکر کھا گیا۔جو کچھ وہ دیکھ رہا تھا اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔

اس نے آنکھیں جھپکا کر ایک بار پھر کیبن میں دیکھا۔

ناگ بڑے دھیان اور غور سے باتیں کر رہا تھا۔ اور بالکل اسی طرح کی باتیں کر رہا تھا کہ جیسے کوئی عورت اس کے سامنے مونڈھے پر بیٹھی ہے۔ وہ کہہ رہا تھا:

''میں تو خود اس جزیرے سے بہت جلد واپس جانا چاہتا ہوں۔ مگر کیا کروں۔ عنبر بھائی نے عہد کر رکھا ہے کہ وہ شکنتلا کو حاصل کیے بغیر وہاں سے ہرگز قدم باہر نہیں رکھے گا۔ اب تم تو جانتی ہو کہ اس کے بغیر ہم بھی یہاں سے نہیں جاسکتے''۔

ماریا بولی:

''ہمیں عنبر کے بغیر یہاں سے جانا بھی نہیں چاہیے، مگر اتنا ضروری ہے کہ تم دونوں کو اپنا کام تیز کر دینا چاہیے۔ ہم جتنی دیر یہاں رہیں گے ہمارا نقصان ہی ہوگا۔ ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ شکنتلا کا

کھوج جلد سے جلد لگا کر اسے یہاں سے نکال کر لے چلیں''۔

راون کو عورت کی باتیں کرنے کی آواز برابر آرہی تھی۔ مگر عورت اندر بیٹھی ہوئی کہیں نظر نہیں آرہی تھی۔ اسے خیال آیا کہ ضرور یہ شخص ناگ جزیرے کی کسی چڑیل سے باتیں کر رہا ہے؛ ورنہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ عورت سامنے بیٹھی باتیں کر رہی ہو اس کی آواز سنائی دے رہی ہو اور وہ نظر نہ آئے۔

راون نے فیصلہ کیا کہ اسے وہاں سے چلے جانا چاہیے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ناگ کو اس کی موجودگی کا علم ہو جائے۔ ویسے بھی اب اس کا وہاں ٹھہرنا بے کار تھا۔ اسے کام کی ساری باتوں کا علم ہو گیا تھا۔ ناگ اور عنبر نے ایک جہاز کھاڑی میں کھڑا کر رکھا تھا جس پر ایک ایسی عورت سوار تھی جو دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

یہ لوگ جزیرے سے شکنتلا کو بھگا کر لے جانے کے لیے آئے

تھے۔ اور انہیں ابھی اس بات کی خبر نہیں تھی کہ شگنتلا شاہی محل سے فرار ہو چکی ہے۔ یہی وہ معلومات تھیں جو راون کو حاصل ہو چکی تھیں۔

راون واپس جانے کے لیے پلٹا ہی تھا کہ اتفاق سے اس کا ایک پاؤں سیڑھی کے پاس رکھے ہوئے لکڑی کے ڈرم سے ٹکرا گیا۔ کھڑاک کی آواز سن کر ناگ نے باتیں کرنا بند کر دیں اور باہر دیکھنے کے لیے اٹھا۔ وہ اٹھا ہی تھا کہ راون بجلی جیسی پھرتی کے ساتھ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر عرشے پر آ گیا اور اس نے جنگلے پر سے سمندر میں چھلانگ لگا دی۔

ناگ دوڑ کر عرشے پر آیا۔ اس نے دیکھا کہ ایک آدمی بڑی تیزی سے پانی میں تیرتا ہوا واپس ساحل کی طرف جا رہا تھا۔ اندھیرے میں صرف اس کی گردن ہی پانی سے باہر دکھائی دے رہی تھی۔ ماریا بھی جہاز کے اوپر آ گئی۔ وہ بولی:

"یہ کون تھا؟"۔

ناگ نے کہا:

"کچھ نہیں کہہ سکتا۔ لیکن یہ بات ضرور معلوم ہو گئی ہے کہ ہمارا پیچھا کیا جا رہا ہے"۔

ماریا نے کہا:

"جزیرے والوں کو تمہارا پیچھا کرنے کی کیا ضرورت ہے؟"۔

ناگ بولا:

"اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ سمگلروں کے بادشاہ کو ہم پر شک ہو گیا ہے اور ہمارے پیچھے اس نے ایک آدمی لگا دیا ہے"۔

ماریا نے کہا:

"اور اب تو ہمارا راز بھی کھل گیا ہے۔ اس شخص نے ہماری باتیں بھی ضرور سنی ہوں گی۔ اسے پتہ چل چکا ہے کہ جہاز کھاڑی میں ہے

اور ہم شگفتا کو یہاں سے بھگا کر لے جانے کے لیے آئے ہیں"۔

ناگ نے کہا:

"میرا خیال ہے مجھے اس شخص کا پیچھا کرنا چاہیے۔ تم کیبن میں جا کر آرام کرو۔ اگر کوئی مصیبت آ گئی تو میں تمہاری مدد کے لیے آ جاؤں گا"۔

یہ کہہ کر ناگ نے زور سے سانس اندر کو کھینچا۔ وہ ایک دم سے سانپ کی شکل میں آ گیا۔ سانپ بنتے ہی ناگ نے سمندر میں چھلانگ لگا دی اور بڑی تیزی سے تیرتا ہوا ساحل کی طرف روانہ ہو گیا۔

راون اس وقت ساحل پر پہنچ چکا تھا اور جھاڑی میں سے کپڑے نکال کر پہن رہا تھا۔ ناگ تیزی سے سمندر کی لہروں پر تیرتا ہوا چلا آ رہا تھا۔ جب وہ ساحل پر آیا تو راون وہاں سے جا چکا تھا۔ ناگ

کنارے پر آ گیا۔ تو اس نے اپنا پھن اٹھا کر ہوا میں راون کی بو سونگھنے کی کوشش کی۔ راون کی بو بہت دور چلی گئی تھی۔

ناگ ناامید ہو گیا۔ اس نے سوچا اب واپس عنبر کے پاس جا کر اسے ساری بات بتا دینی چاہیے۔ یہ سوچ کر ناگ پھر سے انسان کی شکل میں آ گیا۔ اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا جنگل میں سے گزر کر واپس طویلے میں آ گیا۔ جہاں عنبر ابھی تک گھوڑے بیچ کر سو رہا تھا۔ ہاں وہاں سے راون غائب تھا۔

ناگ کا ماتھا ٹھنکا کہ ہو نہ ہو جو شخص اس کا پیچھا کر رہا تھا وہ ضرور راون ہو گا۔ نہیں تو وہ کہاں غائب ہو گیا تھا۔

ناگ نے عنبر کو جگا کر ساری بات بیان کر دی۔ عنبر نے تعجب سے سر ہلا کر کہا:

"کمال یہ کہ یہ شخص ہم سے کتنی ہمدردی کا اظہار کر رہا تھا اور اب

پتہ چلا کہ سمگلروں کے بادشاہ نے اسے ہماری جاسوسی کے لیے یہاں بھیجا ہے۔ خیر اس کا تو ہم بندوبست کر لیں گے۔ اس کی ہمیں زیادہ پرواہ بھی نہیں ہے۔ لیکن یہ بری بات ہوئی کہ ان لوگوں کو یہ پتہ چل گیا کہ ہمارا جہاز سمندر کی کھاڑی میں لنگر ڈالے کھڑا ہے اور یہ کہ ہم شگفتا کو یہاں سے بھاگ کر لے جانے کے لیے آئے ہیں"۔

ناگ بولا:

"اس نے میری اور ماریا کی ساری باتیں سن لی ہیں اور میرا خیال ہے کہ وہ اب سمگلروں کے بادشاہ کو ساری کارروائی سنانے گیا ہے"۔

عنبر نے پوچھا:

"تمہارے خیال میں اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"۔

ناگ نے کہا:

"میرا تو خیال ہے کہ ہمیں اس شخص کو ختم کر دینا چاہیے"۔

عنبر بولا:

"اب اس کو ختم کر دینے سے کیا ہو گا بھائی' ہمارے بارے میں پوری معلومات تو اس نے سمگلروں کے بادشاہ کو پہنچا دی ہوں گی۔ اسے تو اس وقت مار ڈالنا چاہیے تھا جب یہ جہاز پر سے سمندر میں کودا تھا"۔

"بس یہی مجھ سے غلطی ہو گئی۔ پھر اب کیا کرنا چاہیے۔ سمگلروں کا بادشاہ ہمارے جہاز پر بھی قبضے کر لے گا اور ہمیں بھی گرفتار کر کے کسی تہ خانے میں پھینک دے گا۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں یہاں سے فرار ہو کر سیدھا جہاز پر پہنچ جانا چاہیے تا کہ وہاں مل کر سمگلروں کی فوج کا مقابلہ کر سکیں"۔

عنبر نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ ہمیں کچھ دیر انتظار کرنا چاہیے۔ ہو سکتا ہے

"سمگلروں کا بادشاہ اس قسم کا کوئی قدم نہ اٹھائے"۔

ناگ بولا:

"عنبر بھائی اس سمگلر کا کوئی بھروسہ نہیں۔ ہمیں یہاں سے فرار ہو جانا چاہیے اور جہاز پر جا کر ماریا کو ساری بات کی خبر کر کے اس کو ساتھ لے کر جزیرے سے کافی دور کھلے سمندر میں پہنچ کر انتظار کرنا چاہیے کہ حالات ذرا ٹھیک ہوں تو جزیرے پر چپکے سے آ کر شگنتلا کو دوبارہ تلاش کیا جائے"۔

ابھی وہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ ایک دم سے جزیرے کی فوج کے سپاہی وہاں آئے اور انہوں نے عنبر اور ناگ کے گرد گھیرا ڈال لیا۔ سپاہی تیس چالیس تھے۔ ان سبھوں کے ہاتھوں میں نیزے تھے۔ راون ان کے ساتھ تھا۔

عنبر نے مسکرا کر ناگ کی طرف دیکھا اور کہا:

"لو بھائی، تم تو یہاں سے فرار ہو لو۔ آ گئے ہیں سپاہی ہم دونوں کو گرفتار کرنے"۔

راون نے قہقہہ لگا کر کہا:

"اب تم لوگ اور تمہارا بادبانی جہاز ہم لوگوں سے بچ کر کہیں نہیں جا سکتا۔ ہمارے بادشاہ نے تمہیں گرفتار کر کے اندھیرے تہہ خانے میں ڈالنے کا حکم دیا۔ چلو ہمارے ساتھ۔۔۔ سپاہیو، ان دونوں غداروں کو لے چلو"۔

سپاہیوں نے آگے بڑھ کر عنبر اور ناگ کو زنجیروں میں جکڑ دیا۔ ناگ نے عنبر کی طرف دیکھ کر آنکھوں ہی آنکھوں میں پوچھا کہ کیا خیال ہے۔ مقابلہ شروع کر دیا جائے؟ عنبر نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے جواب دیا کہ نہیں اس وقت ہمیں ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ زیادہ آدمیوں کی وجہ سے ناگ کی زندگی کو نقصان پہنچ سکتا تھا۔

کیوں کہ اگر وہ سانپ بن جاتا تو وہ زیادہ سے زیادہ دو تین سپاہیوں کو ڈس سکتا تھا۔

باقی سپاہی ضرور اسے کچل کر رکھ دیتے۔ دونوں گرفتار ہو کر زنجیروں میں جکڑے شاہی محل کے پراسرار اور خوفناک تہہ خانے کی طرف چل پڑے۔ یہ تہہ خانہ بڑا بھیانک تھا اور اس میں گیا ہوا آدمی پھر کبھی زندہ باہر نہیں آیا تھا۔

سنہری موت

عنبر اور ناگ کو تہہ خانے میں لا کر ڈال دیا گیا۔

ان کے پاؤں اور ہاتھوں میں اسی طرح زنجیریں پڑی تھیں۔ تہہ خانے میں ٹھنڈک تھی۔ اوپر ایک طاق میں دیا روشن تھا۔ جس کی کمزور سی روشنی میں، عنبر اور ناگ نے دیوار کے ساتھ پڑے ہوئے دو انسانی ہڈیوں کے پنجر دیکھے۔ عنبر نے کہا:

"ناگ بھائی، یہ وہ لوگ ہیں بے چارے جو ہم سے پہلے اس تہہ خانے میں قید تھے۔ جہاں لا کر انہیں پھینک دیا گیا اور پھر کسی نے

انہیں نہیں پوچھا کہ میاں تم زندہ ہو یا مر گئے ہو"۔

ناگ بولا:

"یہ لوگ چاہتے ہیں کہ ہمارا بھی ایسا ہی انجام ہو"۔

عنبر نے کہا:

"احمق ہیں' اگر انہیں معلوم ہو جائے کہ ہم کون لوگ ہیں اور کیا کچھ کر سکتے ہیں تو ہمارے قدموں پر آ کر گر جائیں"۔

ناگ نے کہا:

"میرا تو خیال ہے کہ ہمیں اپنی کرامت دکھا دینی چاہیے۔ اس بد بخت سمگلروں کے بادشاہ سے شکنتلا اسی طرح حاصل کی جا سکتی ہے۔

عنبر بولا:

"خیال تو تمہارا ٹھیک ہے۔ اچھا رات گزر جانے دو۔ صبح ہوتے ہی پہلا کام یہی کریں گے کہ یہاں سے رہا ہو کر محل میں سیدھا

سمگلروں کے بادشاہ کے پاس جا کر اسے اپنے قابو میں کر لیں گے۔ وہی ایک شخص ہے جسے قابو میں کرنے کے بعد ہم شکنتلا کو برآمد کرا سکتے ہیں"۔

"مجھے یقین ہے کہ ان سپاہیوں نے جہاز کو بھی اپنے قبضے میں کر لیا ہو گا"۔

"لیکن ماریا کو قابو کرنا بڑا مشکل ہے۔ وہ تو ان لوگوں کو ناکوں چنے چبوا دے گی۔ انہیں خبر ہی نہیں ہو گی کہ وہاں ایک عورت غائب ہے اور ان کی کھوپڑیاں توڑ سکتی ہے"۔

ادھر عنبر اور ناگ تہہ خانے میں زنجیروں میں جکڑے یہ باتیں کر رہے تھے۔ اور ادھر سمگلروں کے بادشاہ نے اپنی شاہی فوج کے دس آدمیوں کے ایک دستے کو کھاڑی والے جہاز پر قبضہ کر کے اپنے ساتھ کھینچ لانے کا حکم دے کر روانہ کر دیا تھا۔ یہ سپاہی گھوڑوں پر سوار

ہو کر ساحل پر اس جگہ پہنچ گئے جہاں کھاڑی کے اندر جہاز کھڑا تھا۔ ماریا کیبن میں آرام سے سو رہی تھی۔ وہ دن بھر کی تھکی ہوئی تھی اور ناگ کے جاتے ہی سو گئی۔ اسے یقین تھا کہ ناگ نے بھاگتے جاسوس کو ضرور راستے میں ہلاک کر دیا ہوگا۔

سپاہی کشتی پر سوار ہو کر سمندر میں کھڑے جہاز کے قریب آ گئے۔ انہوں نے جہاز کے لنگر کو کاٹ ڈالا اور اس کے رسے کو پکڑ کر کنارے کی طرف کھینچنا شروع کر دیا۔ ماریا جہاز کے کیبن میں ایسی بے سدھ ہو کر سوئی ہوئی تھی کہ اسے کوئی خبر ہی نہ ہوئی کہ جہاز کا لنگر کاٹ دیا گیا ہے اور اب اسے کنارے کی طرف کھینچا جا رہا ہے۔

صبح ہو گئی کہ سپاہیوں نے جہاز کو کنارے پر لا کھڑا کر دیا۔ اور اس کے رسے درختوں کے ساتھ باندھ دیے۔ ماریا ابھی تک کیبن میں بے خبر ہو کر سو رہی تھی۔ اب سپاہیوں نے جہاز پر سیڑھیاں لگا ئیں اور

وہ اوپر چڑھ گئے۔ عرشے پر ان کے بھاری بھرکم قدموں کی تھپ تھپ سنائی دی تو ماریا کی آنکھ کھل گئی۔ وہ سوچنے لگی کہ اوپر یہ کون لوگ ہیں جو چل پھر رہے ہیں۔ وہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آ گئی۔

اوپر آ کر اس نے جو نقشہ دیکھا اس سے اسے یقین ہو گیا کہ ناگ جاسوس راون ہلاک کرنے میں ناکام ہو گیا ہے اور سمگلروں کے بادشاہ نے جہاز پر قبضہ کر لیا ہے۔ ظاہر ہے کہ انہوں نے عنبر اور ناگ کو بھی قید کر کے جیل میں ڈال دیا ہوگا۔ حیرانی ماریا کو اس بات پر تھی کہ وہ ایسے بے سدھ ہو کر سوئی کہ سپاہی جہاز کا لنگر کاٹ کر اسے کھینچ کر کنارے پر لے آئے اور اسے کوئی خبر نہ ہوئی۔ اس نے سیڑھیوں کے دروازے میں کھڑی ہو کر دیکھا کہ سپاہی عرشے پر پڑے ہوئے لکڑی کے ڈرموں کو الٹا پلٹا کر دیکھ رہے تھے۔ آپس میں وہ ہنس ہنس کر باتیں بھی کر رہے تھے۔

’’یار! اس جہاز پر تو سوائے لکڑی کے خالی ڈرموں کے اور کچھ بھی نہیں ہے‘‘۔

دوسرا سپاہی بولا:

’’میرا خیال ہے ہمیں نیچے چل کر معلوم کرنا چاہیے۔ نیچے ضرور کوئی نہ کوئی مال دولت مل جائے گی‘‘۔

کچھ سپاہی اوپر عرشے پر ہی تلاشی لے رہے تھے۔ دو سپاہی نیچے تہہ خانے میں جانے کے لیے سیڑھی کے دروازے کی طرف بڑھے۔ دروازے میں ماریا کھڑی تھی۔ اس نے سپاہیوں کو اپنی طرف آتے دیکھا تو پرے ہٹ گئی۔

دونوں سپاہی نیچے اترے۔ نیچے بحری ڈاکوؤں کا سارا خزانہ پڑا تھا۔ چھ سات صندوق ہیرے جواہرات سے بھرے ہوئے تھے۔ دو صندوق میں سونے کی اشرفیاں تھیں۔ ایک صندوق میں چاندی کے

برتن تھے اور باقی صندوق ریشمی کپڑوں سے لدے ہوئے تھے۔ ماریا نہیں چاہتی تھی کہ یہ سارا خزانہ انگلروں کے بادشاہ کے سپاہی لوٹ کر لے جائیں۔

وہ بھی دونوں سپاہیوں کے پیچھے پیچھے نیچے اتر گئی سپاہی بڑی تیزی سے نیچے اتر گئے تھے۔ ماریا نے دیکھا کہ وہ کہیں بھی نہیں ہیں۔ وہ بڑی حیران ہوئی کہ یہ کم بخت نیچے اترتے ہی کہاں گم ہو گئے۔

جہاز کے دو کیبن تھے اور جس کیبن میں تہہ خانہ تھا وہ ایک کیبن کے بازو میں تھا۔ ماریا دوسرے کیبن کے اندر آ گئی۔ وہ خالی تھا۔ خزانے والے کیبن کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اندر دونوں سپاہی اتنی دولت، ہیرے جواہرات سے بھرے ہوئے صندوق دیکھ کر پاگل ہو گئے تھے۔

وہ ایک ایک صندوق میں سے جواہرات نکال نکال کر دیکھ رہے تھے اور خوش ہو رہے تھے۔ ماریا ان کے قریب ہی دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی۔ وہ ان کی باتیں سننا چاہتی تھی۔ سپاہی خوشی سے نہال ہو رہے تھے اور اپنے کپڑوں میں جواہرات اور اشرفیاں ٹھونس رہے تھے۔ پھر ایک نے دوسرے سے کہا:

''یار! اس طرح ہم ساری کی ساری دولت یہاں سے نہ لے جا سکیں گے۔ ابھی کوئی دم میں سارے لوگ یہاں آ جائیں گے اور خزانے پر قبضہ کر لیں گے''۔

دوسرے نے کہا:

''پھر کیا کیا جائے؟''

پہلا بولا:

''میرا خیال ہے کہ اس خزانے کو اسی جگہ چھپا دیتے ہیں اور پھر

آدھی رات کو چھپ کر آئیں گے اور خزانہ یہاں سے نکال کر جنگل میں لے جا کر دفن کر دیں گے۔ کیوں کیا خیال ہے؟"۔

دوسرا بولا:

"خیال تو بڑا اچھا ہے۔ مگر اس کو چھپائیں کیسے؟"۔

"میں ابھی چھپا کر بتاتا ہوں"۔

پہلے سپاہی نے ادھر ادھر سے خشک گھاس پھونس کے گٹھے لا کر خزانے کے صندوقوں کے اوپر رکھنے شروع کر دیے۔ یہ خشک گھاس جہاز میں آگ جلانے کے لیے رکھا گیا تھا۔ سپاہی بڑی تیزی سے خزانے کے صندوقوں پر گھاس کے گٹھے رکھ رہے تھے۔ ماریا انہیں ایسا کرتے بڑی دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔

اچانک اب کیا ہوا کہ پہلے سپاہی کی نیت خراب ہو گئی۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ میں دوسرے سپاہی کو مار کر خود ہی سارا خزانہ حاصل کر

لوں۔ اس کے دل میں لالچ پیدا ہو گیا تھا۔ دوسرا سپاہی آگے بڑھ کر صندوقوں کے اوپر گھاس ڈال رہا تھا کہ پہلے سپاہی نے پیچھے سے اس کی پیٹھ میں اوپر تلے خنجر کے دو چار وار کر دیے۔

یہ اس نے اتنی تیزی سے کیا کہ ماریا دیکھتی ہی رہ گئی۔ اسے پتہ ہی نہ چلا کہ پہلے والا سپاہی کیا کر رہا ہے۔ اسے اس وقت پتہ چلا جب دوسرا سپاہی لڑکھڑا کر فرش پر گر پڑا۔ خنجر کے زخم اس کے دل پر آئے تھے۔ اس نے ایک لمبی ہائے کی اور گرتے ہی مر گیا۔ دوسرے سپاہی نے بڑے سکون کے ساتھ جلدی جلدی مرے ہوئے سپاہی کی لاش گھاس کے نیچے چھپا دی۔

ماریا کو اس لالچی سپاہی پر بے حد غصہ آیا۔ وہ اس سے قتل کا بدلہ لینا چاہتی تھی۔ اس نے دروازہ بند کر کے اندر سے تالہ لگا دیا دوسرے سپاہی نے جو دروازے کو اندر سے خود بخود بند ہوتے اور تالا لگتے

دیکھا تو خوف سے مارے زرد ہو گیا۔ ماریا نے گرج دار آواز میں کہا:

"بدبخت لالچی انسان' تو نے دولت کے لالچ میں اپنے پیارے دوست کو مار ڈالا ہے۔ میں تجھے بھی زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ تو بھی یہ خزانہ حاصل نہ کر سکے گا۔ اب مرنے کے لیے تیار ہو جا"۔

سپاہی تو پاگلوں کی طرح ادھر ادھر بھاگنے لگا۔

"اے خزانے کی دیوی، مجھے معاف کر دے"۔

ماریا نے کہا:

"تو اس قابل نہیں کہ تجھے معاف کیا جائے"۔

اس کے ساتھ ہی ماریا نے دیوار کے ساتھ لٹکی ہوئی تلوار اتار لی اور جب سپاہی اس کے قریب سے بھاگتا ہوا دوسری طرف گیا تو ماریا نے اس کی گردن اڑا دی۔ پھر اس نے گھاس کے گٹھے کے نیچے سے بھی لاش نکال کر باہر فرش پر پھینک دی تا کہ جب دوسرے سپاہی اندر

آئیں تو وہ لاشیں اٹھا کر لے جائیں۔ اس کے بعد ماریا نے دروازہ کھول دیا۔

اوپر سے سپاہیوں کے نیچے اترنے اور باتیں کرنے کی آوازیں آنے لگیں۔ سپاہی نیچے آ رہے تھے۔ پھر وہ کیبن میں داخل ہو گئے وہاں سے انہوں نے بازو والے کیبن کا دروازہ کھولا دیکھا تو اندر آ گئے۔

اندر ماریا ایک طرف چپ چاپ کھڑی تھی۔ سپاہیوں نے فرش پر اپنے سپاہیوں کی لاشیں پڑی دیکھیں تو حیرانی سے ایک دوسرے کو تکنے لگے۔

"ارے' یہ کیسے ہلاک ہو گئے۔ ان کو کس نے مار ڈالا۔ ایک کی پیٹھ میں خنجر لگے ہیں۔ دوسرے کی گردن اڑ گئی ہے"۔

"یار مجھے تو یہاں بھوتوں کا سایہ لگتا ہے۔ بھاگو یہاں سے"۔

"ان گھاس کے گٹھوں کو یہاں سے لے چلو۔ جزیرے میں آگ جلانے کے کام آئیں گے۔ بڑی عمدہ خشک گھاس ہے۔ایسی گھاس ہمارے جزیرے میں نہیں ملتی اور ان لاشوں کو اٹھا کر باہر لے چلو"۔

"مگر ان کو کس نے مار ڈالا؟"۔

"میرا خیال ہے خود ہی ایک دوسرے سے لڑ پڑے ہوں گے۔ اور تو یہاں کوئی ہے ہی نہیں جو ان کو قتل کرتا۔۔۔ چلو اٹھاؤ گھاس کے گٹھے"۔

اس کے حکم سے دوسرے سپاہیوں نے گھاس کے گٹھے اٹھا کر باہر لے جانے شروع کر دیے۔ ابھی انہوں نے چھ سات گٹھے اٹھائے تھے کہ نیچے صندوق نظر آئے۔ سپاہیوں کے کپتان نے کہا۔

"ٹھہرو، یہ صندوق کیسے ہیں۔انہیں کھول کر دیکھو"۔

جب صندوق کھولے گئے تو وہ ہیرے جواہرات سے بھرے ہوئے تھے۔ سپاہیوں کی تو آنکھیں چکا چوند ہو گئیں۔ کپتان نے کہا:

"ارے یہ تو بے حد قیمتی خزانہ ہے"۔

دوسرے سپاہی نے کہا۔

”ہمیں بادشاہ کو خبردار کر دینا چاہیے“۔

سپاہیوں کے کپتان کی نیت بدل گئی۔ اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر کہا:

”شی! خاموش رہو۔ ہم کل کتنے سپاہی ہیں؟“۔

ایک سپاہی نے کہا:

”جی آپ ملا کر کل آٹھ ہیں“۔

کپتان بولا:

”کیوں نہ ہم اس خزانے کو آپس میں تقسیم کر لیں؟ ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے کہ یہ سارے کا سارا خزانہ اپنے بادشاہ کو دے دیں۔ آخر وہ ہمیں تنخواہ ہی کیا دیتا ہے؟ اور پھر ابھی تک اسے اس خزانے کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں ہے۔ کہو کیا خیال ہے تم لوگوں کا؟“۔

سارے سپاہی ایک دوسرے کو تکنے لگے۔ کپتان نے کہا:

”سوچتے کیا ہو؟ جواب دو۔ اگر تم لوگ راضی ہو تو میں یہ خزانہ آٹھ برابر حصوں میں تقسیم کر دوں گا۔ یاد رکھو اس خزانے کی دولت سے ہماری اور ہمارے بچوں کی زندگی بدل جائے گی“۔

ایک سپاہی نے کہا:

”لیکن کپتان، اگر بادشاہ کو علم ہو گیا تو وہ ہمیں اور ہمارے بچوں کو زندہ نہیں چھوڑے گا“۔

کپتان نے کہا:

"کیسی باتیں کرتے ہو۔ بادشاہ کو کس طرح علم ہوگا۔ اسے ہم میں سے کوئی جا کر بتائے گا تو اسے علم ہوگا۔ نہیں تو اسے قیامت تک معلوم نہیں ہوسکتا کہ ہم نے یہاں سے خزانہ لوٹا ہے۔ کیا تم میں سے کوئی شخص بادشاہ کو جا کر بتا دے گا؟ بولو! جواب دو۔ کیا تم میں سے کوئی شخص ایسا ہے جو اپنے بچوں کا قاتل ہو؟ جو یہ چاہتا ہو کہ اس کے بچے امیر نہ ہوں"۔

سب نے کہا:

"نہیں کپتان کوئی بھی نہیں ہے"۔

کپتان نے کہا:

"تو بس پھر سب ٹھیک ہے۔ اس وقت ہم طے کرتے ہیں کہ اس خزانے کے ہم آٹھ سپاہی مالک ہیں۔ ہم اس دولت کو آٹھ برابر

حصوں میں تقسیم کر دیں گے۔ اور پھر اس دولت کو جنگل میں جا کر دفن کر دیں گے۔ ضرورت کے مطابق اسے نکال کر استعمال کرتے رہیں گے"۔

ایک سپاہی نے پوچھا:

"لیکن کپتان، ہم اتنی دولت کو اس جہاز سے کب اور کیسے لے جائیں گے۔ کیا جاسوس کو اس کی خبر نہ ہوگی"۔

کپتان نے کہا:

"کسی کو ہرگز ہرگز خبر نہ ہوگی۔ ہم ابھی اس خزانے کو اسی جگہ چھپا رہنے دیں گے۔ اس پر گھاس کے گٹھے ڈال دیں گے۔ پھر رات کے اندھیرے میں آ کر اس ساری دولت کو اٹھا کر جنگل میں لے جائیں گے۔ جہاں بیٹھ کر ہم اس کے آٹھ حصے کریں گے۔ پھر ہم میں سے ہر ایک سپاہی اپنے اپنے حصے کو اپنی مرضی کے مطابق کسی جگہ پر گڑھا

کھود کر دفن کر دے گا۔اس جگہ کے بارے میں سوائے اس سپاہی کے
اور کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوگی“۔

”بالکل ٹھیک ہے کپتان، ہم سب تیار ہیں اور راضی ہیں کہ اس
خزانے کو آپس میں بانٹ لیں“۔

کپتان نے کہا:

”مگر دوستو!اس خزانے کے بارے میں کسی دوسرے کو خبر نہیں
ہونی چاہیے۔اگر ہم میں سے کسی نے دوسرے شخص کو بتا دیا تو یاد رکھو
ہم سب قتل کر دیے جائیں گے اور دولت پر بادشاہ قبضہ کر لے گا“۔

”ہم کبھی اس کا ذکر کسی سے نہیں کریں گے“۔

”ہمیں قسم کھانی ہوگی“۔

”ہم قسم کھاتے ہیں کہ اگر ہم نے کسی غیر کو اس خزانے کے
بارے میں کچھ بتایا تو دیوتا لوگ ہمارے بچوں کو موت کی نیند سلا

دیں“۔

کپتان نے خوش ہو کر کہا۔

”بس ٹھیک ہے۔اب مجھے تم لوگوں پر اعتبار آ گیا ہے۔اب
ہمیں اس خزانے پر گھاس ڈال کر اسے چھپا دینا چاہیے۔آؤ پہلے یہ
کام تو کر لیں“۔

انہوں نے خزانے کے صندوقوں کے اوپر گھاس ڈالنا شروع کر
دی۔ماریا یہ سارا تماشا ایک طرف چپ چاپ کھڑی دیکھ رہی تھی۔وہ
بڑی حیران تھی کہ یہ لوگ کس طرح آپس میں سارے کے سارے
خزانے کو تقسیم بھی کر بیٹھے ہیں؛بہر حال وہ اب اس تماشے کے انجام
کو دیکھنا چاہتی تھی کہ کپتان یا کوئی دوسرا سپاہی باقی سپاہیوں کو کس
طرح قتل کرتا ہے۔کیوں کہ وہ سارے کے سارے لالچی تھے۔اور
دولت نے ان کے دلوں میں فتور پیدا کر دیا تھا۔

سپاہیوں نے گھاس کے خزانے کے صندوقوں کو اچھی طرح سے
ڈھانپ دیا۔اس کام سے فارغ ہو کر کپتان نے کہا:

''چلو اب جہاز پر سے واپس چلتے ہیں''۔

ایک سپاہی نے خطرہ ظاہر کرتے ہوئے کہا:

''کپتان' اگر بادشاہ کے دوسرے سپاہیوں نے اس گھاس کو
یہاں سے لے جانے کی کوشش کی تو پھر کیا ہوگا۔ہمارے سارے کیے
دھرے پہ پانی پھر جائے گا''۔

کپتان نے کہا:

''میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔ میں آج ہی بادشاہ سے مل کر
اسے کہہ دوں گا کہ جہاز پر سوائے کھانے پینے کی چیزوں اور گھاس
کے گٹھوں کے اور کچھ نہیں ہے۔اس کے علاوہ ہم کوشش کریں گے کہ
آج ہی رات کو یہ خزانہ یہاں سے نکال کر جنگل میں لے جایا

جائے''۔

اس کے لیے ہمیں چوری چوری ایک کشتی لا کر جہاز کے پچھلی
طرف کھڑی کرنی ہوگی اور سارے صندوق اس میں اتار دینے ہوں
گے۔

کپتان دوسرے سپاہیوں کیساتھ رات کے اندھیرے میں
خزانے کو وہاں سے نکال کر جنگل میں لے جانے کی سازش کر کے
سپاہیوں کے ساتھ جہاز پر سے باہر نکل گیا۔ ماریا دیر تک ہنستی رہی کہ
یہ لالچی سپاہی اپنی موت کو آواز دے رہے ہیں۔

پراسرار تہہ خانہ

ادھر عنبر ابھی تک تہہ خانے میں بند تھا۔

اسے کھانے کو نہ روٹی دی گئی تھی اور نہ پینے کو پانی ہی دیا گیا تھا۔

ایک رات اور ایک دن گزر گیا تھا۔ صبح کو سمگلروں کا بادشاہ خود عنبر سے پوچھ گچھ کرنے آیا۔ اس کا خیال تھا کہ عنبر بھوک اور پیاس سے نڈھال ہو چکا ہوگا۔ مگر اس نے دیکھا کہ عنبر تہہ خانے کی بند اور ٹھنڈی فضا میں بھی تازہ دم نظر آ رہا تھا۔ سمگلروں کا بادشاہ موشے حیران سا ہوا کہ یہ نوجوان کس مٹی کا بنا ہوا ہے۔ اس نے آتے ہی عنبر سے پوچھا:

"تم کون ہو اور یہاں کس لیے آئے ہو؟"۔

عنبر نے کہا:

"میں ایک نوجوان حکیم ہوں اور ملک افریقہ سے سیاحت کرتا ہوا تمہارے جزیرے پر جڑی بوٹیوں کی تلاش میں آیا ہوں"۔

"تم جھوٹ بکتے ہو۔ تم شکنتلا کی تلاش میں آئے ہو۔ بولو شکنتلا کہاں ہے؟"۔

عنبر نے کہا:

"اگر تم سچ ہی سننا چاہتے ہو تو سن لو۔ میں شکنتلا کی تلاش ہی میں یہاں آیا ہوں۔ مجھے معلوم ہوا تھا کہ شکنتلا کو تم نے خرید کر اپنے محل میں بند کر رکھا ہے۔ اس لیے میں تمہارے محل میں نوکر ہو گیا تاکہ موقع ملتے ہی تمہارے محل سے اپنی بہن شکنتلا کو لے کر یہاں سے بھاگ جاؤں"۔

سمگلروں کے بادشاہ نے کہا:

”کیا تم اس نیت سے جہاز بھی اپنے ساتھ لائے ہو؟“۔

اب عنبر کو محسوس ہوا کہ سمگلروں کے بادشاہ کو سارے حالات کا علم ہو چکا ہے۔ اسے یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ وہ اپنے بھائی ناگ کے ساتھ جہاز لے کر وہاں آیا ہے۔ اس موقع پر ناگ نے کہا:

”اے سمگلروں کے بادشاہ میری بات غور سے سن' ہمارا جہاز سمندر کی کھاڑی میں لنگر ڈالے ہوئے ہے۔ ہم اس جہاز میں سوار ہو کر اپنی بہن شگفتا کی تلاش میں یہاں آئے ہیں۔ ہم نے کوئی جرم نہیں کیا۔ جرم تم نے کیا ہے جو کسی کی بہن کو خرید کر اپنے گھر کی لونڈی بنا لیا ہے۔

موشے نے گرج کر کہا:

”خاموش' اگر تم نے پھر ایسی بات کی تو میں تمہاری زبان کھینچ

لوں گا“۔

ناگ کو سخت غصہ آ گیا۔ اس کا چہرہ غصے سے لال سرخ ہو گیا۔ قریب تھا کہ وہ سانپ بن کر اسے ہلاک کر دے کہ عنبر نے اسے منع کرتے ہوئے کہا:

”ناگ' صبر سے کام لو۔ غصہ تھوک دو۔ ہم یہاں جنگ کرنے نہیں آئے۔ ہم یہاں اپنی بہن کی تلاش میں آئے ہیں۔ ہم کسی سے لڑائی کرنا نہیں چاہتے۔ ہم صلح سے کام لے کر اپنی بہن کو سلامتی کے ساتھ یہاں سے لے جانا چاہتے ہیں“۔

سمگلروں کے بادشاہ نے اونچی آواز میں کہا:

”تم کون ہوتے ہو مجھ سے لڑائی مول لینے والے۔ تم اور تمہاری حیثیت ہی کیا ہے بھلا۔ یہ تو تم اپنے خدا کا شکر ادا کرو کہ میں نے تمہیں جان سے نہیں مارا۔ ورنہ میں تمہیں ابھی ہلاک کروا سکتا

ہوں''۔

ناگ نے کہا:

''موشے اس خیال کو اپنے دل سے نکال دو کہ تم ایسا کر سکتے ہو۔
تم اگر دوسری بار پیدا ہو کر اس دنیا میں آ جاؤ تو بھی تم ہمارا بال تک بیکا
نہیں کر سکتے''۔

''بکواس بند کرو'' سمگلروں کے بادشاہ نے چیخ کر کہا ''سچ سچ بتا
دو کہ شکنتلا کہاں ہے۔ اگر تم نے جھوٹ بول کر اسے چھپانے کی
کوشش کی تو یاد رکھو اس کا نتیجہ اچھا نہیں ہوگا میں تمہیں جلتی آگ میں
ڈال کر تمہاری چربی تک پگھلا دوں گا''۔

اب عنبر اور ناگ پر یہ حقیقت بھی کھلی کہ شکنتلا سمگلروں کے بادشاہ
کے پاس بھی نہیں ہے۔ پہلے تو عنبر کو شبہ ہوا کہ شاید وہ جھوٹ بول رہا
ہے۔ پھر اس نے سوچا کہ موشے کو جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے۔

اگر شکنتلا اس کے پاس ہوتی تو اسے چھپانے کی کیا ضرورت تھی۔ اس
نے کانت سے پوچھا:

''کیا تم سچ کہہ رہے ہو کہ شکنتلا تمہارے پاس نہیں ہے؟''۔

موشے نے ایک زوردار طمانچہ عنبر کے چہرے پر مارتے ہوئے
کہا:

''بکواس کرتے ہو؟ ایک تو تم نے شکنتلا کو اغوا کیا اور یہاں سے
بھاگنے کی تیاریاں کر رہے تھے اور پھر اوپر سے بھولے بھالے بنتے ہو
جیسے کچھ پتہ ہی نہ ہو''۔

عنبر کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ یہی حال ناگ کا ہوا۔ وہ دونوں
اس پر حملہ کرنے کو بالکل تیار تھے کہ عنبر نے ایک دم ٹھنڈا ہو کر ناگ
سے کہا:

''ناگ، ہمیں حوصلے سے کام لینا ہے۔۔۔ یہ شخص ہو سکتا ہے ہم

سے فریب کر رہا ہے۔ ہم سے جھوٹ بول کر اپنا الو سیدھا کرنا چاہتا ہو۔ اس لیے جب تک ہمیں شکنتلا کا علم نہیں ہو جاتا کہ وہ کہاں ہے ہم اس وقت تک خاموش رہیں گے"۔

سمگلروں کے بادشاہ نے ایک اور طمانچہ عنبر کے منہ پر مارتے ہوئے کہا:

"میں تم دونوں کی کھال کھینچوا دوں گا۔ اگر کل تک تم نے یہ نہ بتایا کہ شکنتلا کہاں ہے، میں تمہیں زندہ آگ میں پھینکوا دوں گا"۔

اتنا کہہ کر سمگلروں کا بادشاہ باہر نکل گیا۔

تہہ خانے کا اکلوتا دروازہ بند کر دیا گیا۔ عنبر اور ناگ ایک بار اندر اکیلے رہ گئے۔

عنبر نے ناگ سے کہا:

"ناگ بھائی، میرا تو خیال ہے کہ یہ شخص موشے جھوٹ نہیں بول رہا۔ اسے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے؟ اگر شکنتلا اس کے پاس ہوتی تو اسے ہم پر تشدد کر کے ہم سے راز اگلوانے کی کیا ضرورت پڑی تھی بھلا؟ یہ زیادہ سے زیادہ یہی کر سکتا تھا کہ شکنتلا کو یہاں سے بھگانے کے جرم میں ہمیں پھانسی پر چڑھا دیتا۔ پھر یہ ہم سے پوچھ گچھ کیوں کر رہا ہے؟ اس کی وجہ سوائے اس کے اور کیا ہو سکتی ہے کہ شکنتلا سچ مچ اس کے ہاتھ سے نکل چکی ہے"۔

ناگ بھی سوچ میں پڑ گیا۔

بات تو تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ لیکن شکنتلا کہاں چلی گئی؟"۔

عنبر بولا:

"میرا تو خیال ہے کہ وہ اپنی عقل مندی سے اس شخص کے محل سے فرار ہو گئی ہے۔ اب یہ معلوم نہیں کہ وہ جزیرے میں کس جگہ پر چھپی

ہوئی ہے۔ لیکن یہ سچ ہے کہ وہ اس شخص کے محل میں نہیں ہے"۔

ناگ نے کہا:

"پھر وہ ضرور کسی جگہ جنگل میں چھپی ہوگی"۔

"تمہارا خیال ٹھیک معلوم ہوتا ہے۔ وہ ضرور جنگل میں کسی جگہ چھپی ہوگی۔ اسے جنگل کا بڑا تجربہ ہے۔ وہ اس قسم کے کئی جنگلوں میں سے گزر چکی ہے اور راتیں بسر کر چکی ہے"۔

ناگ نے کہا:

"اگر یہ سچ ہے تو پھر وہ جنگل میں ضرور کسی کھوہ یا غار میں چھپی ہوگی۔ اس طرح وہ ہو سکتا ہے بھوک اور پیاس سے نڈھال ہو کر دم توڑ دے گی"

عنبر نے مسکرا کر کہا:

"فکر کرنے کی یہ بات نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس جزیرے کے

جنگل پھلدار درختوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ یہاں قدم قدم پر جنگل
میں آم اور جنگلی بیروں کے درخت پھلوں سے لدے ہوئے ہیں اور
پہاڑی چشمے بھی بہتے ہیں۔ شگفتالا اپنا بچاؤ کر سکتی ہے وہ بھوکی اور
پیاسی نہیں مر سکتی۔ سوال صرف یہ باقی رہ گیا ہے کہ ہم اسے کہاں سے
تلاش کریں؟"۔

ناگ نے کہا:

"اور اب تو ایک اور مصیبت پڑ گئی ہے۔ سمگلروں کے بادشاہ نے
ہمارے جہاز پر بھی قبضہ کر لیا ہے۔ ماریا بھی مصیبت میں گرفتار ہو
گی"۔

عنبر نے کہا:

"ماریا اپنا بچاؤ کر سکتی ہے۔ وہ تو کسی کو دکھائی ہی نہیں دے گی۔
اسے گرفتار کون کرے گا۔ بلکہ مجھے تو ڈر ہے کہ کہیں اس نے ایک ایک

کر کے سپاہیوں کو مارنے کا سلسلہ نہ شروع کر دیا ہو۔ اصل سوال یہ
ہے کہ شگفتالا اگر مل بھی گئی تو یہاں سے فرار کس پر ہوں گے۔ اپنا جہاز
بھی اپنے پاس نہیں رہا"۔

ناگ نے کہا:

"پہلے شگفتالا مل جائے۔ اس کے بعد خدا کوئی نہ کوئی ہاں سے
بھاگنے کا سبب بھی بنا دے گا"۔

عنبر خاموشی سے کچھ سوچنے لگا پھر بولا:

"میرا تو خیال ہے کہ اس تہہ خانے سے فرار ہو کر جنگل میں جا کر
شگفتالا کو تلاش کیا جائے تو بہتر ہوگا۔ کیوں کہ یہاں بیٹھے رہنے سے
کہیں بہتر ہے کہ جنگل میں گھوم پھر کر شگفتالا کو ڈھونڈا جائے۔ تمہارا کیا
خیال ہے؟"۔

ناگ نے کہا:

"بڑا اچھا خیال ہے۔ یہاں بیٹھے رہنا تو اب بالکل بے کار ہے۔ ہمیں یہاں سے باہر نکل جانا چاہیے"۔

عنبر نے کہا:

"تو پھر ابھی سے کوشش شروع کر دینی چاہیے"۔

"ٹھیک ہے، میں کوشش شروع کرتا ہوں"۔

تہہ خانے کے باہر دروازے پر ہر وقت تالا لگا رہتا تھا۔ باہر کوئی پہرے دار بھی نہیں تھا۔ ناگ نے دروازے پر ہاتھ مار کر سپاہی کو آوازیں دینا شروع کر دیں۔ مگر وہاں کسی نے ان کی آواز نہ سنی۔ سپاہی وہاں سے کافی فاصلے پر تھا۔

عنبر نے کہا:

"میرا خیال ہے ہمیں انتظار کرنا چاہیے۔ ہو سکتا ہے شام سے پہلے پہلے کوئی سپاہی ہمارے پاس آئے"۔

ناگ بولا:

"ہوں کیوں آئے گا بھلا؟ کھانا پانی تو یہ لوگ ہمیں دے نہیں رہے"۔

"ہوسکتا ہے منگروں کا بادشاہ ہم سے پوچھ گچھ کرنے کے لیے ایک بار پھر آئے"۔

"چلو اچھا ہے۔ہم انتظار کرتے ہیں"۔

ادھر ناگ اور عنبر کسی سپاہی کے آنے کا انتظار کر رہے تھے اور ادھر ماریا جہاز میں اکیلی بیٹھی تھی۔ جہاز کنارے کیساتھ لگ چکا تھا۔ باہر کنارے پر جہاز کی رکھوالی وہی سپاہی کر رہے تھے۔جنہوں نے کپتان کے ساتھ مل کر خزانے کو چرانے کا فیصلہ کر رکھا تھا۔کپتان نے جنگل میں جا کر ایک جگہ چن لی تھی جہاں رات کے اندھیرے میں

خزانے کو جہاز پر سے نکال کر دفن کیا جانا تھا۔ یہ جگہ جنگل میں ایک چٹان کی اوٹ میں زمین کھود کر بنائی گئی تھی۔

کپتان نے اپنے سپاہیوں کو جہاز پر بلایا اور کہا:

"سنو آج رات جب آدھی سے زیادہ گزر جائے اور سب لوگ سو جائیں تو میں کشتی لے کر جہاز کے پیچھے آؤں گا۔تم لوگ جہاز میں سے سارے صندوق نکال کر اس کشتی میں رکھ دینا۔پھر ہم اس کشتی کو جزیرے کے اس طرف لے جائیں گے جہاں جنگل میں ہم نے خزانہ دفن کرنے کے لیے زمین کھود رکھی ہے۔ٹھیک ہے نا؟"۔

سپاہیوں نے کہا:

"بالکل ٹھیک ہے جناب، ہم پوری طرح رات کو تیار رہیں گے آپ بے فکر ہو کر کشتی لے آئیں"۔

ماریا سیڑھیوں کے دروازے میں کھڑی ان کی ساری باتیں سن

رہی تھی۔ وہ دل ہی دل میں ان کی باتوں پر ہنس رہی تھی کہ یہ لوگ کیا سوچ رہے ہیں۔

وہ خود اپنے بھائی عنبر اور ناگ کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ شگفتا اب اسے بھول گئی تی۔ اسے تو اپنے بھائیوں کی فکر پڑ گئی تھی۔ اگر چہ اسے یقین تھا کہ وہ لوگ زندہ ہوں گے۔ سمگلروں کے بادشاہ کے سپاہی انہیں نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ مگر پھر بھی وہ ان کے لیے پریشان تھی اور ان سے مل کر اس جزیرے سے نکل جانا چاہتی تھی۔ جہاز پر وہ اکیلی بے بس تھی۔ وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

دوسری طرف ناگ اور عنبر تہہ خانے میں بیٹھے کسی سپاہی کے آنے کا انتظار کر رہے تھے مگر وہاں کوئی نہیں آ رہا تھا۔ عنبر نے ناگ سے کہا۔

”بھائی یہ جو ہمارے جہاز پر ان لوگوں نے قبضہ کر لیا ہے اس کو

دوبارہ کیسے حاصل کیا جائے۔ کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ جہاز کے اندر جو بحری ڈاکوؤں کا خزانہ ہے وہ ان بدمعاشوں کے پاس نہیں جانا چاہیے۔ اس خزانے پر ان لوگوں کا کوئی حق نہیں ہے“۔

ناگ بولا:

”خیال تو تمہارا ٹھیک ہے عنبر بھائی، لیکن جب انہوں نے جہاز پر قبضہ کیا ہے تو ظاہر ہے وہ خزانہ بھی جہاز میں سے نکال کر لے گئے ہوں گے“۔

عنبر نے کہا:

”میرا خیال ہے کہ ابھی ان لوگوں کو خزانے کا علم نہیں ہوا۔ کیونکہ خزانہ اگر ان کے ہاتھ لگ گیا ہوتا تو سمگلروں کا بادشاہ اپنی گفتگو میں خزانے کا ذکر ضرور کرتا کہ ہم نے یہ خزانہ کہاں سے حاصل کیا ہے۔ اس نے تو صرف شگفتا اور جہاز کا ذکر کیا تھا خزانے کی تو بات بھی نہیں

کی جس کا مطلب یہی ہے کہ اسے خزانہ نہیں ملا"۔

ناگ بولا:

"میرا خیال ہے کہ اگر ایسی بات ہے تو ماریا خزانے کی حفاظت کر رہی ہوگی۔ اس نے ان سپاہیوں کو ضرور ہلاک کر دیا ہوگا جو خزانے کے کیبن میں آنے کی کوشش کر رہے ہوں گے"۔

عنبر نے کہا:

"اگر ایسی بات ہوتی تو یہاں سپاہیوں میں شور مچ گیا ہوتا کہ جہاز پر کوئی غیبی روح ہے جو سپاہیوں کو جہاز پہ ہلاک کر رہی ہے۔ پھر موشے بھی ہم سے ضرور پوچھتا کہ ہمارے جہاز پر کوئی جن بھوت تو نہیں ہر تا۔ اس نے ہم سے ایسی بات بھی کوئی نہیں کی"۔

ناگ نے کہا:

"بہر حال یہ بات ظاہر ہے کہ ان لوگوں کو جہاز کا خزانہ ہاتھ

نہیں لگا اور اگر خزانہ ہاتھ نہیں لگا تو ماریا ضرور اس کی حفاظت کر رہی ہے۔ اس نے کسی نہ کسی طرح اس کیبن کا دروازہ بند کر دیا ہے جس میں خزانہ ہے اور یا خزانے کو کچھ اس طرح سے چھپا دیا ہے کہ وہ کسی کو نظر نہیں آ رہا"۔

"میرا خیال ہے۔ ماریا نے ایسا ہی کیا ہوگا"۔

وہ ابھی یہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ انہیں باہر کسی کے قدموں کی آواز سنائی دی۔ ناگ نے خاموشی سے عنبر کی طرف دیکھا۔ دونوں سمجھ گئے کہ کوئی آ رہا ہے۔ دونوں خاموش ہو گئے اور آنے والے کی راہ دیکھنے لگے۔

آنے والا ایک سپاہی تھا۔ اس نے دروازہ کھولے بغیر ہی باہر سے آواز دی کہ اندر والے زندہ ہیں؟ ناگ نے آواز میں درد پیدا کر کے کہا:

"میرا ساتھی مر چکا ہے اور میں مر رہا ہوں۔ خدا کے لیے تھوڑا سا پانی لا دو"۔

سپاہی نے باہر سے آواز دی:

"ہم تمہارے مرنے کا انتظار کر رہے ہیں۔ جب تم بھی مر جاؤ گے تو پھر آؤں گا"۔

یہ کہہ کر سپاہی چلا گیا۔ اب انہیں افسوس ہونے لگا کہ انہوں نے آواز کیوں دی۔ اگر ناگ چپ رہتا تو سپاہی یہ سمجھ کر کہ وہ دونوں مر گئے ہیں اندر آ جاتا۔ پھر اس پر قابو پا لیا جاتا اور وہ دونوں وہاں سے فرار ہو جاتے۔

جنگل میں تلاش

عنبر اور ناگ اب کسی دوسرے سپاہی کا انتظار کرنے لگے۔ رات گزرنے لگی۔ پھر آدھی رات ہو گئی اور وہاں کوئی سپاہی نہ آیا۔ ناگ نے عنبر سے کہا کہ سلامبو کی لاش سے مدد لی جائے۔ عنبر نے کہا کہ سلامبو کی لاش کو وہ اب چھوٹی چھوٹی باتوں کے لیے پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔

اس کے پاس خود اتنی طاقت ہے کہ وہ اس کی وجہ سے ہر مصیبت سے نجات حاصل کر سکتا ہے۔ یہ سوچ کر وہ اب سلامبو کی لاش کون

ہیں بلانا چاہتا۔ ہاں کوئی بہت بڑی آفت آ جائے۔ کوئی بہت بڑی
فوج ان پر حملہ کر دے تو پھر وہ مدد کے لیے اسے پکار سکتا ہے۔ ناگ
نے کہا:

"تو پھر سوائے اس کے اور کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ ہم کسی ایسے
سپاہی کا انتظار کریں جو دروازہ کھول کر اندر آئے اور ہم اس پر قبضہ کر
کے یہاں سے بھاگ جائیں۔"

عنبر نے کہا:

"ایسا ہی کرنا چاہیے۔ ہمیں کیا نقصان ہوگا۔ ہمارا کیا بگڑ جائے
گا۔ ہم نہ بھوک سے نڈھال ہو سکتے ہیں اور نہ پانی کے بغیر مر سکتے
ہیں۔ ہم انتظار کر سکتے ہیں اور ہمیں انتظار کرنا چاہیے۔"

اور وہ دونوں انتظار کرنے لگے۔

رات آدھی سے زیادہ گزر گئی۔ جزیرے پر ہر طرف اندھیرا چھا

گیا۔ آسمان پر ستارے جگمگانے لگے۔ ان کی پھیکی پھیکی روشنی میں
جہاز کے ارد گرد کی سمندر کی لہریں صاف دکھائی دے رہی تھیں۔
سپاہی جہاز کے باہر کنارے پر پہرہ دے رہے تھے۔

چھ سپاہی کنارے کے ایک طرف تھے اور چار سپاہی دوسری
طرف پہرہ دے رہے تھے۔ اصل میں ان کی آنکھیں سمندر کے اس
حصہ پر لگی ہوئی تھیں جہاں سے کپتان خزانہ اڑانے کے لیے کشتی لے
کر آتا تھا۔ اس وقت کپتان جزیرے کے ایک جنگل میں تھا اور اس
گڑھے کو دیکھ رہا تھا جہاں اس نے خزانے کو دفن کرنا تھا۔

اس کپتان نے بھی سخت مکاری سے کام لیا تھا اور جس جگہ خزانہ
دفن کرنا تھا۔ اس جگہ پر ایک اور بہت بڑا خفیہ گڑھا کھود رکھا تھا۔ اس
کی سازش یہ تھی کہ جب خزانہ یہاں آ جائے تو وہ باقی کے سارے
سپاہیوں کو باری باری ہلاک کر کے ان کی لاشوں کو اس گڑھے میں دفن

کر دے اور خود اکیلا ہی خزانے کا مالک بن بیٹھے۔ یہ شخص کچھ اور سوچ رہا تھا اور قدرت کچھ اور سوچ رہی تھی۔

کپتان نے دونوں گڑھوں کے اوپر جھاڑیاں کاٹ کر ڈال دیں تا کہ وہ لوگوں کی نظر سے چھپ جائیں۔ ایک کشتی سمندر کے کنارے کھڑی پانی کی لہروں پر ڈول رہی تھی۔ وہ ایک پتھر کے ساتھ رسے سے بندھی ہوئی تھی۔ کپتان نے رسی کھول کر کشتی میں رکھی اور اس میں سوار ہو کر بڑے آرام سے چپو چلاتا جہاز کی طرف بڑھنے لگا۔

جہاز پر صرف ماریا تھی جو عرشے کی ایک جانب لیٹی ہوئی تھی۔ اتفاق ایسا ہوا کہ اس کی آنکھ لگ گئی۔ کشتی کنارے کے سامنے سے ہو کر گزری تو سپاہیوں نے اشارہ پاتے ہی سمندر میں چھلانگیں لگا دیں اور وہ سارے کے سارے ایک ایک کر کے بڑی خاموشی سے کشتی میں سوار ہو گئے۔

کپتان کشتی کو دھکیلتا ہوا جہاز کے پچھلے حصے کی طرف لے آیا۔ انہوں نے کشتی کو رسے کی مدد سے جہاز کے لنگر کے ساتھ باندھ دیا۔ پھر وہ ایک ایک کر کے بڑی خاموشی کے ساتھ جہاز پر سوار ہو گئے۔

کپتان نے انہیں خاص طور پر ہدایت کر رکھی تھی کہ انہیں اتنی خاموشی سے دبے پاؤں جہاز پر جانا ہے کہ کسی کو ان کے قدموں کی آواز تک نہ آئے۔

اور ایسا ہی ہوا۔ سپاہی اتنے آرام سے دبے دبے پاؤں چلتے
ہوئے عرشے پر سے جہاز کے نیچے خزانے والے کیبن میں اترے کہ
عرشے پر سوئی ہوئی ماریا کو بھی کانوں کان خبر نہ ہوئی۔
وہ اسی طرح بے سدھ ہو کر سوئی رہی۔ سپاہی ایک ایک صندوق کو
کیبن میں سے اٹھا کر لائے اور انہوں نے بڑے سکون کے ساتھ
سارے کے سارے ہیرے جواہرات کے صندوق جہاز پر سے اتار
کر کشتی میں رکھ لیے۔ پھر وہ سارے سپاہی لنگر کی مدد سے واپس کشتی
میں سوار ہو گئے۔

یہ سارا کام اتنی آسانی سے خاموشی سے ہوا کہ ماریا عرشے پر
آرام سے بے سدھ ہو کر سوئی رہی اور سارے کا سارا خزانہ جہاز پر
سے نکل کر کشتی میں آ گیا۔ سپاہیوں نے چپو سنبھالے اور کپتان کی مدد
سے ہولے ہولے کشتی کو کھے کر جزیرے کے جنگل والے کنارے کی

طرف آ گئے۔

اب ادھر یہ سپاہی کپتان کے ساتھ مل کر خزانے کو لے کر جنگل
والے کنارے کی طرف جا رہے تھے۔ اور ادھر عنبر اور ناگ تہہ خانے
میں بیٹھے ایک سپاہی کے قدموں کی آواز سن رہے تھے جو تہہ خانے کی
طرف بڑھ رہے تھے۔ تہہ خانے کے دروازے کے قریب آ کر سپاہی
کے قدم رک گئے۔ باہر سے سپاہی نے آواز دی:

"اندر کوئی ہے؟"۔

اس کا مطلب یہ معلوم کرنا تھا کہ اندر کوئی زندہ یا نہیں؟

ناگ اور عنبر خاموش رہے۔ انہوں نے جان بوجھ کر کوئی آواز نہ
دی۔

سپاہی نے باہر سے ایک بار پھر پوچھا:

"اندر کوئی ہے؟"۔

عنبر اور ناگ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اب سپاہی کو یقین ہو گیا کہ وہ دونوں بھوک اور پیاس سے نڈھال ہو کر مر چکے ہیں۔ سمگلروں کے بادشاہ نے اسے یہی معلوم کرنے کے لیے بھیجا تھا کہ اگر عنبر اور ناگ مر گئے ہوں تو ان کی لاشیں لا کر جلا دی جائیں۔ کیوں کہ سمگلروں کے بادشاہ کو یقین ہو گیا تھا کہ وہ دونوں نہیں جانتے شکنتلا کہاں ہے۔ عنبر اور ناگ دم سادھے چپکے بیٹھے رہے۔

ناگ دروازے کی ایک جانب چھپ گیا اور عنبر دوسری جانب اوٹ میں ہو کر دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ سپاہی اس یقین کے بعد کہ دونوں مر گئے ہیں' دروازے کا تالا کھولنے لگا۔ تالا کھل گیا۔

سپاہی اندر آ گیا۔

وہ اندر عنبر اور ناگ کی لاشیں زمین پر پڑی ہوئی دیکھنا چاہتا تھا اور وہاں کسی کی لاش نہیں ہے۔ وہ بڑا حیران ہوا۔ اس کا ماتھا ٹھنکا کہ شاید

اس کے ساتھ دھوکا ہوا ہے۔

وہ واپس بھاگنے ہی والا تھا کہ ناگ نے لپک کر سپاہی کی گردن دبوچ لی۔ عنبر نے اس کے ساتھ مل کر سپاہی کو نیچے گرا لیا اور ایک پل کے اندر اندر اس کا گلا گھونٹ کر ہلاک کر دیا۔

ناگ نے عنبر سے کہا:

"عنبر بھائی' تم اس کے کپڑے خود پہن لو۔ میں تو وقت آنے پر غائب ہو سکتا ہوں۔ تمہیں سپاہی کی وردی میں دیکھ کر بھی یہی خیال کریں گے کہ تم یہاں کے سپاہی ہو؟"۔

"ٹھیک خیال ہے"۔

عنبر نے اسی وقت مرے ہوئے سپاہی کی وردی پہن لی۔ وردی پہن کر انہوں نے سپاہی کی لاش کو کونے میں ایک طرف پھینکا اور تہہ خانے کے دروازے سے باہر نکل آئے۔ عنبر نے کہا:

"میرا خیال ہے ناگ کہ تم سانپ بن کر میرے ساتھ چلو۔ مجھے دیکھ کر تو کسی کو شک نہیں ہوگا مگر تم کو دیکھ کر ہر شخص ہمیں پکڑنے کی کوشش کرے گا اور سارے محل میں شور مچ جائے گا"۔

"اچھا بھائی' ایسا ہی کرتا ہوں"۔

اور ناگ اسی وقت ایک گہری پھنکار مار کر سانپ کے روپ میں آ گیا۔ سانپ بن کر وہ عنبر کے ساتھ ساتھ دیوار پر رینگ کر چلنے لگا۔ عنبر تہہ خانے کی راہداری سے نکل کر سیڑھیوں کے دروازے پر آ گیا۔ اس نے اندھیرے میں دیوار کی اوٹ میں کھڑے ہو کر دیکھا کہ اوپر جانے والی سیڑھیوں کا دروازہ بند تھا اور سامنے ایک ہٹا کٹا سپاہی پہرہ دے رہا تھا۔ عنبر نے ناگ سے کہا:

"ناگ' اگر میں نے اس آدمی پر قابو پانے کی کوشش کی تو یہ شور مچا دے گا اور سارے محل کے سپاہی یہاں جمع ہو جائیں گے۔ وہ مجھے مار

تو نہ سکیں گے لیکن مل کر مجھے گرفتار ضرور کر لیں گے۔ اس لیے بہتر ہے کہ تم آگے بڑھو اور اس سپاہی کا اس طرح کام تمام کرو کہ اس کی چیخ نہ نکلنے پائے"۔

سانپ نے یہ سن کر سر ہلایا۔ کیوں کہ ناگ سانپ بن کر کسی آدمی سے باتیں نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی بولی اس وقت سوائے سانپ کے اور کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ ناگ نے سر ہلایا اور اندھیرے میں دیوار پر رینگ کر وہاں پہنچ گیا۔ جہاں موٹا سپاہی پہرہ دے رہا تھا۔ سانپ سپاہی کے پیچھے والی دیوار پر آ گیا۔ موٹا سپاہی چلتے چلتے ایک پل کے لیے رک کر دیوار کے ساتھ لگ گیا۔

سانپ اسی وقت کا انتظار کر رہا تھا۔

سانپ نے اپنی گردن اٹھا کر پھن پورا پھیلا لیا اور بڑے سکون کے ساتھ دیوار پر سے چھلانگ لگا کر موٹے سپاہی کی گردن میں اس طرح بل ڈال دیے کہ وہ بول تک نہ سکا۔ سانپ نے اس کی گردن پر ڈس دیا۔

سپاہی کی رگیں زہر کے اثر سے خشک ہو گئیں۔ اس نے چیخ ماری مگر وہ اس کے حلق سے باہر نہ نکل سکی۔ زہر نے اس کے جسم پر اثر کر دیا۔ سپاہی کی ٹانگیں کپکپانے لگیں اور وہ لڑکھڑا کر گر گیا۔ گرتے ہی اس نے دم توڑ دیا۔

عنبر اسی کے انتظار میں تھا۔ وہ آگے بڑھا۔ اس نے سپاہی کی کمر سے چابیاں کھول کر دروازے کا تالا کھولا اور ناگ کے ساتھ سیڑھیاں چڑھتا اوپر آ گیا۔

یہاں سے محل کا ایک حصہ شروع ہوتا تھا۔ یہاں باہر برآمدہ تھا

جس کے ساتھ ساتھ سپاہیوں اور پہرے داروں کے کمرے چلے گئے
تھے۔عنبر نے سانپ کے قریب منہ لے جا کر کہا:

"ناگ میں کسی نہ کسی طرح باہر نکلنے کی کوشش کر رہا ہوں۔تم بھی
میرے ساتھ رہنا۔ہوسکتا ہے کہ میں تمہاری نظروں سے اوجھل ہو
جاؤں۔مگر تم نے میرا ساتھ نہیں چھوڑنا۔تم اندھیرے میں بھی دیکھ
سکتے ہو۔اس لیے میرے پیچھے پیچھے رہنا"۔

عنبر چونکہ سپاہی کی وردی میں تھا۔اس لیے اسے زیادہ پروا نہیں
تھی۔موٹے سپاہی کے پاس وہ اس لیے نہیں گیا تھا کہ اس سے
چابیاں لینے کے لیے بات کرنی پڑتی اور وہ ضرور پہچان لیتا کہ یہ شخص
جھوٹا سپاہی ہے اصلی سپاہی نہیں ہے۔وہ برآمدے میں دیواروں اور
ستونوں کے ساتھ ساتھ ہو کر آگے بڑھ رہا تھا۔مصیبت یہ تھی کہ اسے
یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ محل سے باہر جانے کو کون سا راستہ جاتا ہے؟

وہ بس اندازے کے مطابق ہی چلا جا رہا تھا۔

اس سامنے سے ایک سپاہی آتا دکھائی دیا۔عنبر رک گیا۔پھر اس
نے سوچا کہ اس طرح رک جانے سے تو خواہ مخواہ اسے شک ہوگا۔
اسے تو چلتے چلے جانا چاہیے۔وہ آگے بڑھ گیا۔سامنے والا سپاہی
وہاں رات کی گشت پر تھا۔عنبر کے قریب گزرتے ہوئے سپاہی نے
مسکرا کر اس سے کہا:

"کیوں بھئی اس وقت کس مار میں پھر رہے ہو؟ تمہاری تو رات
کو پہرہ دینے کی ڈیوٹی نہیں ہے"۔

عنبر نے جان بوجھ کر کوئی جواب نہ دیا۔سپاہی نے پھر کہا:

"بھائی تم بولتے کیوں نہیں ہو؟"

عنبر نے کہا:

"بھائی میرے دانت میں سخت درد ہے"۔

اب سپاہی نے عنبر کو غور سے دیکھ لیا تھا۔ اس نے پوچھا:

"تمہارا نام کیا ہے؟ میں نے تمہیں پہلے اس محل میں کبھی نہیں دیکھا۔ تم کہاں سے آئے ہو؟ اس محل میں تو کبھی کسی نئے سپاہی کو بھرتی نہیں کیا جاتا"۔

عنبر گھبرا گیا۔ بولا:

"بات یہ ہے کہ میں کچھ عرصہ باہر رہا ہوں اور۔۔۔"

سپاہی نے جھٹ کہا:

"تم جھوٹ بولتے ہو۔ تم نے کس سپاہی کی وردی پہن رکھی ہے؟"۔

اب معاملہ ہاتھ سے نکلا جا رہا تھا۔ بھید کھل گیا تھا۔ خطرہ تھا کہ سپاہی شور مچا کر عنبر کو گرفتار نہ کرا دے۔ اگر اس نے شور مچا دی تو سارا محل جاگ اٹھے گا۔ ہر طرف روشنی ہو جائے گی۔

سارے سپاہی گھیرا ڈال لیں گے اور پھر عنبر تو کیا بلکہ ناگ کا بھی وہاں سے نکلنا مشکل ہو جائے گا۔ لوگ اسے سانپ سمجھ کر کچل کر رکھ دیں گے اور اگر وہ آدمی بن گیا تو اسے زنجیروں میں جکڑ دیں گے۔

عنبر نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ لپک کر سپاہی کی گردن دبوچ لی تاکہ وہ آواز نہ نکال سکے۔ سپاہی نے بھی عنبر کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ دونوں گتھم گتھا ہو گئے۔ سپاہی کسی طرح اپنی گردن آزاد کرا کر شور مچانا چاہتا تھا۔

عنبر اس کی گردن نہیں چھوڑ رہا تھا۔ ناگ نے جب دیکھا کہ پیچھے پیچھے عنبر نہیں ہے تو وہ واپس پلٹا۔ برآمدے میں آکر کیا دیکھتا ہے کہ عنبر سپاہی سے گتھم گتھا ہو رہا ہے۔

ناگ نے وہیں سے چھلانگ لگائی اور سپاہی کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے آگے بڑھ کر سپاہی کی گردن پر ڈس دیا۔

سانپ کے ڈسنے سے سپاہی کے خون میں زہر پھیل گیا اور اس کی گرفت ڈھیلی ہونا شروع ہوگئی۔ گردن کی رگیں بند ہوگئیں۔ عنبر نے بھی سانپ کو حملہ کرتے دیکھ لیا تھا۔ وہ اسی انتظار میں تھا کہ سانپ اس پر حملہ کرے۔

سپاہی مردہ ہوکر گر پڑا۔

عنبر نے ناگ سے کہا:

"یہاں سے جلدی نکلنے کی کوشش کرو۔ یہاں رات کو قدم قدم پر سپاہی پہرہ دے رہے ہیں۔"

عنبر تیزی سے برآمدوں میں سے گزرنے لگا۔ سانپ اس کے ساتھ ساتھ زمین پر رینگ کر چل رہا تھا۔ اب وہ محل کے بڑے دروازے کی طرف بڑھ رہے تھے۔

سامنے ایک ڈیوڑھی میں سے گزر کر وہ بڑے دروازے پر آ

گئے۔ یہاں دو سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔

دونوں جاگ رہے تھے اور نیزے تلواریں اٹھائے ہوئے تھے۔

عنبر ایک طرف ہو کر کھڑا ہو گیا۔ سانپ بھی اس کے قریب آ گیا۔ عنبر نے زمین پر جھک کر سانپ سے کہا:

"ناگ! یہ کام ذرا مشکل نظر آ رہا ہے۔ ایک نہیں بلکہ دو سپاہی پہرہ دے رہے ہیں۔ تم جا کر کوشش کرو کہ ایک سپاہی کو قابو کر لو۔ کیا تم میں اتنا زہر ہے کہ ان میں سے ایک کو کاٹ کر ہلاک کر سکو؟"

سانپ نے گردن اس طرح ہلائی جیسے کہہ رہا ہو:

"میں ان دونوں کا کام تمام کر سکتا ہوں"۔

سانپ پہرے داروں کی طرف بڑھا۔ عنبر اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔

سانپ نے پہرے داروں کے پاس جا کر ایک پہرے دار سپاہی پر جا کر حملہ کر دیا اور اسے کاٹ کھایا۔

اس سپاہی نے گرتے گرتے سانپ سانپ کا شور مچا دیا۔

دوسرے سپاہی نے تلوار کھینچ کر سانپ پر حملہ کر دیا۔ عنبر لپک کر سپاہی کی طرف گیا۔ کیوں کہ ناگ کی زندگی خطرے میں تھی۔

سپاہی تلوار چلا رہا تھا۔ سانپ بھاگ کر چھپ گیا تھا۔ اب جو سپاہی نے ایک اور سپاہی کو اپنی طرف آتے دیکھا تو رک گیا اور بولا:

"تم یہاں کیا لینے آئے ہو؟"۔

عنبر نے کہا:

"بادشاہ کے حکم سے باہر جا رہا ہوں۔ جہاز پر کام ہے"۔

سپاہی نے کہا:

"حکم نامہ دکھاؤ"۔

عنبر نے کہا:

"ابھی دکھاتا ہوں"۔

عنبر جیبیں ٹٹولنے لگا۔ اس اثنا میں سپاہی زمین پر گرے ہوئے پہرے دار پر جھک کر اس کی دیکھ بھال کرنے لگا۔ مگر سانپ کے زہر نے اس سپاہی کا کام تمام کر دیا تھا۔ وہ زہر کے اثر سے مر کر اکڑ گیا تھا۔ ابھی دوسرا سپاہی اٹھنے ہی لگا تھا کہ اوپر سے عنبر نے تلوار مار کر اسے بھی ہلاک کر دیا۔ اب میدان صاف تھا۔ عنبر نے سانپ کو آواز دی۔

"ناگ باہر نکل آؤ"۔

سانپ ایک ستون کے پیچھے سے باہر نکل آیا۔

عنبر نے دروازہ کھولا اور محل سے باہر آ گیا۔ باہر آتے ہی سانپ

نے بھی زور سے پھنکار مار کر دوبارہ آدمی کی شکل میں آ گیا۔

عنبر نے کہا:

"بڑی مشکل سے باہر نکلے ہیں۔ کم بخت جگہ جگہ پہرہ لگا ہوا تھا۔ نہ جانے شگفتا یہاں سے کس طرح بھاگی ہو گی۔ چلو اب یہاں سے بھاگ چلیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کر پھر کوئی مصیبت آ جائے"۔

عنبر اور ناگ نے محل میں سے نکل کر اس طرف بھاگنا شروع کر دیا جس طرف جنگل شروع ہوتا تھا۔ راستے میں انہوں نے دور سمندر کے کنارے کھڑا اپنا بادبانی جہاز بھی دیکھا۔

ناگ نے کہا:

"عنبر بھائی، کیوں نہ جہاز پر چل کر ماریا کو بھی ساتھ لے لیں؟"۔

عنبر بولا:

ایسا کرنا خطرناک ہوگا۔ جہاز پر بڑا پہرہ ہوگا۔ ماریا تو اپنا بچاؤ کر سکتے ہے۔ مگر ہم ضرور پکڑ لیے جائیں گے۔ سب سے پہلے جنگل میں چل کر شکنتلا کو تلاش کرتے ہیں۔

ماریا تو اس جہاز پر محفوظ رہ رہی ہوگی۔ وہاں کھانے پینے کی کمی نہیں ہے اور پھر وہ کسی کو دکھائی بھی نہیں دیتی۔ پہلے شکنتلا کو ڈھونڈ لیں۔ پھر جہاز پر آکر ماریا کو بھی ساتھ لے لیں گے۔ بلکہ شکنتلا کو بھی ساتھ لے کر اسی جہاز پر آجائیں گے اور یہاں سے آگے نکل چلیں گے۔

ناگ نے کہا:

"جیسے تمہاری مرضی"۔

اور وہ جنگل کی طرف دوڑتے چلے گئے۔ سمندر کے کنارے کنارے چلتے ہوئے وہ جنگل کے کنارے پر آگئے اور پھر گھنے جنگل

میں داخل ہو گئے۔

رات اندھیری تھی ۔ ہر طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ وہ شکنتلا کو آواز نہیں دے سکتے تھے۔ آواز دینا ویسے بھی بے کار تھی۔ کیونکہ ظاہر ہے شکنتلا کسی جگہ باہر نہیں بیٹھی ہوگی۔ وہ ضرور کسی غار یا کھوہ کے اندر چھپی ہوگی۔

اسے تو دن چڑھنے کے بعد ہی تلاش کیا جا سکتا تھا۔ عنبر اور ناگ جنگل میں بھاگتے بھاگتے کافی دور نکل گئے۔ آخر انہیں ایک جگہ تھک کر رکنا پڑا۔ وہاں ایک ندی بہہ رہی تھی۔ انہوں نے پانی پیا۔ منہ ہاتھ دھوئے اور جھاڑیوں کی اوٹ میں چھپ کر ذرا آرام کرنے لگے۔

ناگ کا حملہ

ادھر عنبر اور ناگ جنگل میں ندی کنارے جھاڑیوں میں چھپے ہوئے تھے۔

ادھر کپتان کشتی میں خزانے کے صندوق لادے انہیں ساحل کی طرف لا رہا تھا۔ جہاز پر ماریا گہری نیند میں سو رہی تھی۔ اچانک ایک پرندہ اس کے اوپر سے تیزی سے گزر گیا۔

اس کے پروں کی آواز سے ماریا کی آنکھ کھل گئی۔ آنکھیں ملتی

ہوئی اٹھی۔ اسے معلوم تھا کہ آج رات سپاہیوں نے خزانہ چرانا ہے۔ وہ بھاگی بھاگی نیچے کیبن میں گئی۔ وہاں نہ خزانہ تھا نہ خزانے کے صندوق تھے۔ سپاہی خزانہ اٹھا کر لے جا چکے تھے۔

ماریا پریشان ہو کر اوپر عرشے پر بھاگی۔ اس نے جنگلے پر کھڑے ہو کر سمندر کی طرف دیکھا۔ دور کنارے پر سپاہیوں کی کشتی کھڑی اور اور سپاہی سروں پر خزانے کے صندوق اٹھائے لیے جا رہے تھے۔

ماریا کو سخت غصہ آیا اپنے آپ پر بھی اور سپاہیوں پر بھی اور اپنی نیند پر بھی۔

مگر اب وہ کیا کر سکتی تھی۔ کوئی کشتی بھی نہیں تھی کہ جس پر سوار ہو کر وہ سپاہیوں کا پیچھا کر سکے اور اسے تیرنا بھی نہیں آتا تھا کہ سمندر میں چھلانگ لگا کر ہی کنارے پر پہنچ جائے۔

اپنے اندر ہی پیچ و تاب کھاتی وہ جہاز کے جنگلے سے لگی کھڑی

رہی۔اس نے سوچا کہ کوئی بات نہیں۔آخر یہ لوگ جنگل میں جا کر ہی کسی جگہ خزانہ دفن کریں گے۔جب وہ دوبارہ واپس آئیں گے تو وہ کسی ایک کو قابو کر کے اس سے پوچھ لے گی کہ خزانہ کس جگہ دفن ہے۔

کپتان کے خزانے کے پانچوں صندوق سپاہیوں کے سروں پر اٹھوا رکھے تھے اور انہیں اپنی نگرانی میں لے کر جنگل میں داخل ہو گیا۔ اسے پہلے ہی سے معلوم تھا کہ خزانہ کس جگہ دفن کرنا ہے؛ چنانچہ اس نے سوچی سمجھی سازش کے مطابق سپاہیوں سے کہا:

"بھائیو، جس جگہ خزانہ دفن کرنا ہے وہ جگہ یہاں سے کافی دور ہے۔اس لیے میں چاہتا ہوں کہ کچھ لوگ یہاں آرام کریں اور کچھ سپاہی خزانہ لے کر یہاں سے آگے چلے جائیں"۔

"آخر ایسا کیوں کپتان' ہم میں سے کوئی بھی تھکا ہوا نہیں ہے۔ ہم بڑے آرام سے سفر کر سکتے ہیں"۔

کپتان لاجواب ہو گیا۔اس کے پاس کوئی جواب نہیں رہا۔اس نے کہا:

"بہت اچھا بھائیو، اگر تم تھکے ہوئے نہیں ہو تو بے شک چلتے رہو میں تو صرف تمہاری خاطر کہہ رہا تھا"۔

سپاہیوں نے یک زبان ہو کر کہا:

"نہیں کپتان صاحب' ہم تازہ دم ہیں۔ہم خزانہ لے کر کسی دوسرے جزیرے پر بھی جا سکتے ہیں"۔

"ٹھیک ہے پھر۔۔۔چلے آؤ میرے پیچھے پیچھے"۔

کپتان جان بوجھ کر سپاہیوں کو چکر لگوا کر اس جگہ لے آیا جہاں جھاڑیوں کی اوٹ میں دو گڑھے کھدے ہوئے تھے۔ایک خزانے کے صندوق دفن کرنے کے لیے اور ایک بڑا گڑھا سپاہیوں کی لاشیں دبانے کے لیے کھودا گیا تھا۔کپتان نے سپاہیوں کو بالکل نہ بتایا کہ

یہی وہ جگہ ہے جہاں انہوں نے خزانے کو دفن کرنا ہے، بلکہ بولا:

''میرا خیال ہے ہمیں اس جگہ تھوڑا آرام کر لینا چاہیے۔ ذرا دم لے کر آگے چلیں گے۔ کیوں کہ وہ جگہ کافی دور ہے''۔

ایک سپاہی نے کہا:

''کپتان، ہم تھکے بالکل نہیں ہیں۔ ہم چل سکتے ہیں''۔

کپتان ذرا ڈانٹ کر بولا:

''یہ میرا حکم ہے کہ تم لوگوں کو یہاں تھوڑی دیر آرام کرنا چاہیے میں جانتا ہوں کہ اگر تم نے لوگوں نے یہاں تھوڑا آرام نہ کیا تو تم آگے کا سفر نہیں کر سکو گے۔ صندوق اتار کر ایک طرف رکھ دو''۔

سب سپاہیوں نے صندوق اتار کر ایک طرف رکھ دیے۔

کپتان نے اپنے جھولے میں سے مچھلی کا بھنا ہوا گوشت نکال کر لکڑی کی ایک تھالی میں رکھا اور بولا:

''یہ لو۔۔۔ تھوڑا گوشت کھاؤ تا کہ تمہارے اندر آگے بڑھنے کی طاقت آ جائے''۔

سپاہی بڑے خوش ہوئے۔انہیں مچھلی کا بھنا ہوا گوشت بھلا کہاں ملتا تھا۔سپاہیوں کو تو صرف جنگلی سانڈوں کا گوشت ہی کھانے کو دیا جاتا تھا۔جزیرے میں جس قدر اعلیٰ قسم کی مچھلی پکڑی جاتی تھی۔ان پر سمگلروں کے بادشاہ کا قبضہ تھا۔

لیکن سپاہیوں کو کوئی خبر نہیں تھی کہ مکار کپتان نے مچھلی میں زہر ملا رکھا ہے۔کپتان نے جو مچھلی خود کھائی اسے اپنی جیب میں سے نکال کر منہ میں ڈال لیا اور تھالی آگے بڑھا کر سپاہیوں سے کہا:

”بڑی مزیدار مچھلی ہے۔ یہ میں نے صبح خاص طور پر تمہارے لیے پکوائی تھی۔ ذرا چکھ کر دیکھو۔اس کی طاقت سے تم لوگوں کی ساری تھکان اتر جائے گی“۔

سپاہی تھک گئے تھے۔خاص طور پر وہ سپاہی تو بہت تھک گئے تھے۔جنہوں نے سروں پر صندوق اٹھائے رکھے تھے۔وہ تو محض اس لیے جلدی کر رہے تھے کہ کسی طرح ہیرے جواہرات ان کی آنکھوں کے سامنے زمین میں ایک بار دفن کر دیے جائیں تا کہ ان کی دولت محفوظ ہو جائے۔

کپتان نے جونہی زہریلی مچھلی ان کے آگے کی سارے کے سارے مچھلی پر ٹوٹ پڑے۔مچھلی میں سے گرم گرم بھاپ اٹھ رہی تھی اور مسالوں کی خوشبو آ رہی تھی۔دیکھتے دیکھتے وہ سارے مچھلی چٹ کر گئے۔صرف ایک سپاہی مچھلی کھانے سے بچ گیا۔ہوا یہ کہ جب اس

نے تھالی میں سے اپنے حصے کی مچھلی کا ٹکڑا اٹھایا تو وہ اسے لے کر ذرا
پرے درخت کے نیچے بیٹھ گیا تاکہ آرام سے کھا سکے۔

کپتان نے اسے نہیں دیکھا تھا۔ وہ ان سپاہیوں کی طرف لگا تھا
جنہوں نے تھالی کے گرد جھرمٹ ڈال رکھا تھا اور بڑے مزے سے
مچھلی کھا رہے تھے۔

خوش قسمت سپاہی نے مچھلی کا ٹکڑا کھانا چاہا ہی تھا کہ اوپر سے
ایک آدم درخت پر سے ٹوٹ کر ٹھیک سپاہی کے اس ہاتھ پر گرا جس
میں اس نے مچھلی پکڑ رکھی تھی۔ مچھلی کا ٹکڑا جھٹکے سے نیچے گر پڑا۔ نیچے
چٹان کی ڈھلان تھی۔

مچھلی کا ٹکڑا اندھیرے میں نیچے دور تک لڑھک گیا۔ سپاہی کو بڑا
افسوس ہوا کہ اس نے تو سوچا تھا کہ سکون سے ایک طرف بیٹھ کر بھنی
ہوئی مچھلی اڑائے گا اور یہاں مچھلی کے ٹکڑے سے ہی ہاتھ دھونے

پڑے۔

اس نے سوچا کہ چٹان کہ ڈھلان پر سے نیچے اتر کر مچھلی کو تلاش
کرنا چاہیے۔ ابھی وہ یہی سوچ ہی رہا تھا کہ اس نے کیا دیکھا کہ ایک
سپاہی نے چیخ ماری اور زمین پر گر پڑا۔ وہ چوکنا ہو گیا۔

کپتان گرتے سپاہی کی طرف بڑھا ہی تھا کہ دوسرا
سپاہی بھی گر پڑا اور پھر دیکھتے دیکھتے سارے کے سارے سپاہی زمین
پر گرے اور گرتے ہی خطرناک زہر کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔

یہ سپاہی جو درخت کی اوٹ میں بیٹھا تھا یہ منظر دیکھ کر کانپ اٹھا۔
فوراً سمجھ گیا کہ کپتان نے زہریلی مچھلی کھلا دی ہے۔ اس نے خدا کا
شکر ادا کیا کہ اس کی جان بچ گئی۔ مگر ابھی اس کی جان خطرے میں
تھی۔ کپتان نے ہاتھ جھاڑ کر سپاہیوں کی لاشیں گننا شروع کر دیں۔

سپاہی ایک دن چونکا۔ کپتان کو جب معلوم ہوا کہ مرے ہوئے

سپاہی نو ہیں تو وہ دسویں سپاہی کی تلاش شروع کر دے گا۔ یہ سوچ کر زندہ بچے ہوئے سپاہی نے چپکے سے درخت پر چڑھنا شروع کر دیا۔ وہ بڑی خاموشی سے درخت کی شاخوں میں چھپ کر بیٹھ گیا اور نیچے کا تماشہ دیکھنے لگا۔ کپتان نے لاشوں کو گنا تو وہ نو تھیں۔ وہ حیران ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

''دسویں لاش کہاں گئی؟''۔

کپتان نے جھک کر ایک بار پھر لاشیں گنیں اور سپاہیوں کے چہروں کو غور سے دیکھا وہاں صرف نو عدد سپاہیوں کی لاشیں تھیں۔ دسواں سپاہی غائب تھا۔ کپتان پریشان ہو گیا۔

دسواں سپاہی کہاں بھاگ گیا تھا؟ اس نے مچھلی کیوں نہیں کھائی؟ اسے کس طرح شک پڑ گیا کہ مچھلی میں زہر ملا دیا گیا ہے؟ کپتان نے سپاہی کو ادھر ادھر تلاش کرنا شروع کر دیا۔ مگر وہاں تو کوئی

بھی نہیں تھا۔ دسواں سپاہی تو اوپر درخت کی شاخوں میں چپ چاپ چھپا بیٹھا تھا۔

کپتان نے ساری جھاڑیوں میں سپاہی کو ڈھونڈ مارا مگر وہ کہیں بھی اسے تلاش نہ کر سکا۔ پھر اس نے اپنے آپ سے کہا۔

"ہو سکتا ہے، نو سپاہی ہی ہوں۔ کیونکہ یہ نہیں ہو سکتا کہ دسواں سپاہی غائب ہو جائے۔ میرا خیال ہے نو سپاہی ہی تھے۔ مجھے غلط فہمی ہوئی ہے۔"

کپتان کو جب یقین ہو گیا کہ اس کے ساتھ دس نہیں بلکہ نو سپاہی تھے تو وہ بڑے اطمینان سے آگے بڑھا۔ اس نے ایک بڑے گڑھے

کے اوپر سے شاخوں کو پرے ہٹا دیا۔

دسواں سپاہی اوپر درخت پر بیٹھا تھا۔ وہ یہ دیکھ کر کانپ گیا کہ کپتان نے ان کی لاشوں کو دبانے کے لیے پہلے سے ہی گڑھا کھود رکھا تھا۔ اس نے بڑی مکاری سے انہیں اسی جگہ آرام کرنے کا مشورہ دیا تھا اور پھر زہریلی مچھلی کھلا کر ہلاک کر دیا۔

کپتان نے ایک ایک سپاہی کی لاش کو پکڑ کر گڑھے کی طرف گھسیٹنا شروع کر دیا۔ کافی محنت کے بارے کپتان نے سارے نو کے نو سپاہیوں کی لاشوں کو گڑھے کے اندر پھینک کر اوپر مٹی ڈال دی۔ پھر اس کے اوپر جھاڑیوں کی شاخیں ڈال کر اس جگہ کو چھپا دیا۔

دسواں سپاہی درخت پر بیٹھے بیٹھے سوچنے لگا کہ درخت نے اسے عین وقت پر اوپر سے آم گرا کر بچا لیا۔

اگر ٹھیک اس وقت جب کہ وہ مچھلی کھانے والا تھا آم اس کے

ہاتھ پر نہ گرتا تو اس وقت اس کی اپنی لاش بھی سامنے والے گڑھے
میں دفن ہوتی دسواں سپاہی خوف سے کانپ گیا۔

کپتان نے اب دوسرے گڑھے کے اوپر سے خشک جھاڑیاں
پرے ہٹائیں اور اس کے اندر خزانے کے صندوق رکھنے شروع کر
دیے۔ لاشوں کو اس نے پاؤں سے پکڑ پکڑ کر گھسیٹا تھا۔ لیکن
جواہرات کے صدنوق کو وہ بڑے آرام سے اٹھا کر گڑھے کے
اندر رکھ رہا تھا۔

پانچوں کے پانچوں صندوق گڑھے کے اندر رکھ کر کپتان نے
اطمینان کا سانس لیا اور اس جگہ بیٹھ کر جیب سے تولیہ نکال کر چہرے
اور بازوؤں کا پسینہ پونچھنے لگا۔

دسواں سپاہی اوپر بیٹھا بیٹھا تنگ آ گیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ کپتان
اب وہاں سے جائے تا کہ وہ نیچے اترے۔ لیکن کپتان نے دیر کر دی

تھی۔ وہ کچھ دیر آرام سے بیٹھا رہا۔ پھر اٹھا۔ جس جگہ خزانہ دفن تھا
اس جگہ جھاڑیوں پر ہاتھ پھیرا اور وہاں سے چلا گیا۔ کچھ دور تک
سپاہی کو اس کے قدموں کی کھڑ کھڑ کی آواز آتی رہی۔ پھر جنگل میں
خموشی چھا گئی۔

مگر سپاہی ابھی تک خوف زدہ تھا۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں کپتان
قریب ہی نہ چھپا ہوا ہو۔ اس نے کوئی چال نہ چلی ہو۔ کافی دیر گزر
جانے پر جب کپتان اندھیرے سے باہر نہ نکلا تو سپاہی کو یقین آ گیا
کہ وہ چلا گیا ہے۔ اب وہ بڑے آرام سے درخت پر سے اترا
اور نیچے آ گیا۔

سب سے پہلے وہ جھکا جھکا اس گڑھے پر آیا جہاں اس کے
ساتھیوں کی لاشیں دبی ہوئی تھیں۔ سپاہی جذباتی سا ہو گیا۔ اپنے
سپاہیوں کو یاد کر کے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے فیصلہ کر

لیا کہ وہ اپنے ساتھیوں کا کپتان سے بدلہ ضرور لے گا۔ پھر اس نے اس گڑھے کی جھاڑیوں کو دیکھا جہاں خزانہ دفن تھا۔ اس کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

"اس سارے خزانے کا اب میں اکیلا مالک ہوں گا۔ میں کپتان کو اسی طرح ہلاک کر دوں گا جس طرح اس نے میرے ساتھیوں کو ہلاک کیا ہے۔ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ میں اس کا اسی جگہ انتظار کروں گا۔ وہ ضرور آئے گا۔ اس کا خزانہ اس جگہ دفن ہے جس کا وہ اب اکیلا مالک بن بیٹھا ہے۔ میں کپتان کو اس کے ظلم اور لالچ کی پوری سزا دوں گا"۔

سپاہی ایک طرف ہو کر سو گیا۔

دن نکلا تو وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ جزیرے اور جہاز کی طرف نہیں جا سکتا تھا۔ کیوں کہ اگر وہ اس طرف جاتا تو کپتان اسے ضرور پہچان لیتا

اور اسی وقت اسے ہلاک کر ڈالتا۔ اس نے اٹھ کر درخت پر سے پھل توڑ کر کھائے۔

ندی کا پانی پیا اور پھر درخت کے اوپر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ اسے یقین تھا کہ کپتان جلدی سے جلدی خزانے کو ایک نظر دیکھنے کے لیے وہاں ضرور آئے گا۔

اور ایسا ہی ہوا۔ صبح ابھی ہوئی ہی تھی کہ سپاہی کو جنگل میں قدموں کی آواز سنائی دی۔ سپاہی درخت کی شاخوں میں چھپا بڑے غور سے نیچے دیکھنے لگا۔ اسے سورج کی روشنی میں دور سے کپتان آتا دکھائی دیا۔

وہ بڑی ہوشیاری سے ادھر ادھر دیکھتا چلا آ رہا تھا۔ جیسے کسی پر ظاہر نہ کرنا چاہتا ہو کہ وہ جنگل میں آیا ہوا ہے۔ سپاہی اس کے انتظار میں درخت کے اوپر ہی بیٹھا رہا کپتان اس جگہ آ گیا جہاں اس نے

خزانہ دفن کر رکھا تھا۔ پہلے تو وہ بڑے خوشی بھرے چہرے کے ساتھ اس جگہ کو دیکھتا رہا۔ پھر وہ بیٹھ گیا۔ چاروں طرف ایک بار پھر غور سے دیکھا۔

جب اسے اطمینان ہو گیا کہ وہ وہاں اکیلا ہی ہے تو اس نے جھاڑیاں پرے ہٹا کر مٹی ادھر ادھر کرنی شروع کر دی۔

تھوڑا سا گڑھا کھودنے کے بعد ہی نیچے صندوق دکھائی دیا۔

کپتان نے صندوق کو باہر نکال کر اس کا ڈھکنا کھول دیا۔ دن کی روشنی میں صندوق میں بھرے ہوئے ہیرے جواہرات ستاروں کی طرح چمکنے لگے۔ درخت کے اوپر چھپے ہوئے سپاہی کی بھی آنکھیں چکا چوند ہو گئیں۔ کپتان کا تو خوشی کے مارے برا حال ہو رہا تھا۔۔۔

جواہرات کے ہاروں کو اپنے گلے میں پہنتا۔ ہیروں کو اپنے کانوں اور ماتھے سے لگاتا۔

کچھ ہیرے اس نے اپنی جیب میں ڈال لیے۔ پھر دوسرے صندوق میں سے سونے کا ایک گلدان نکال کر اسے بار بار چومنے لگا۔ جب اسے چومتا چومتا تھک گیا تو گلدان کو دوبارہ صندوق میں رکھ کر اس کا ڈھکنا بند کر دیا۔

کپتان نے دونوں صندوق گڑھے میں واپس رکھ دیے۔ وہ مٹی بھرنے لگا۔ سپاہی نے سوچا کہ اس کپتان کو کس طرح ہلاک کیا جائے؟ اس کے پاس تلوار تھی۔ سپاہی کے پاس صرف خنجر تھا۔ کپتان ہٹا کٹا اور تجربے کار تلوار باز تھا۔ سپاہی اگر نیچے جا کر اس پر حملہ کر بھی دے تو کپتان ضرور مقابلہ کرتا اور سپاہی کو ضرور ہلاک کر دیتا۔ پھر اس سے اپنے ساتھیوں کی موت کا کس طرح بدلہ لیا جائے؟ یہ شخص تو اگر

اب چلا گیا تو ہوسکتا ہے کچھ روز بعد آئے اور خزانہ یہاں سے لے کر چلا جائے؟

ہوسکتا ہے کہ وہ اب رات کو واپس آئے۔ سپاہی اس طرح اتنے دن تو جنگل میں نہیں پڑا رہ سکتا تھا۔ پھر کیا کیا جائے؟ کیا وہ نیچے اتر کر کپتان پر حملہ کر دے؟ ابھی وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ کیا دیکھتا ہے۔ ایک سیاہ رنگ کا لمبا موٹا سانپ درخت کی اوپر ٹہنی سے نیچے اتر رہا ہے۔ سپاہی کا تو جسم خوف کے مارے سن ہو گیا۔ اگر وہ شور مچاتا تو نیچے کپتان کے ہاتھوں گرفتار ہو کر ہلاک ہو جاتا ہے اور اگر خاموش رہتا ہے تو سانپ اسے کاٹ لے گا۔ اس کی جان دوہری مصیبت میں پھنس گئی تھی۔

سپاہی کو اپنی موت بالکل سامنے نظر آ رہی تھی۔

نیچے بھی موت تھی، اوپر بھی موت تھی۔ وہ دونوں موتوں کے بیچ

میں آ گیا تھا۔ سانپ اوپر والی شاخ سے نیچے اتر کر اب اس ٹہنی پر آ
گیا تھا جس پر سپاہی نے پناہ لے رکھی تھی۔ سپاہی نے موت کے
انتظار میں آنکھیں بند کر لیں۔ دوسری بار جو اس نے آنکھیں کھولیں
تو سانپ اس کے قریب سے گزر رہا تھا۔ بالکل قریب سے۔ اسے
سانپ کے چلنے کی ہلکی ہلکی سرسراہٹ بھی سنائی دی۔ اس نے
آنکھیں کھولی ہی تھیں کہ جیسے سانپ کو بھی علم ہو گیا۔ سانپ چلتے چلتے
رک گیا۔ سانپ نے اپنی گردن پیچھے گھما کر سپاہی کو اپنی دہکتی ہوئی
انگارہ آنکھوں سے دیکھا۔

سپاہی زرد پڑ گیا۔ اس کے منہ سے چیخ نکلنے ہی والی تھی کہ سانپ
نے گردن موڑ لی اور آگے رینگنا شروع کر دیا۔ اس کا مطلب صاف
یہ تھا کہ جب اس نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں تو سانپ اس کے چہرے
کے سامنے سے ہو کر گزرا تھا۔

سپاہی کے بدن میں ایک جھرجھری سی آئی۔ سانپ کی دم اب
اس کے پاؤں کو چھو کر آگے نکل گئی۔ سانپ درخت پر سے نیچے اتر رہا
تھا۔ نیچے کپتان ابھی تک گڑھے میں خزانہ دفن کرنے کے بعد مٹی
ڈال رہا تھا۔ سانپ نیچے اتر گیا۔ کچھ دیر وہ اپنی جگہ پر رکا۔ بڑے غور
سے اس آدمی کو تکنے لگا جو زمین میں مٹی ڈال رہا تھا۔ کپتان سانپ
سے بے خبر تھا۔ پھر اس نے رینگنا شروع کر دیا۔ وہ کپتان کے بالکل
قریب پیچھے جا کر ٹھہر گیا۔

سپاہی درخت پر بیٹھا بڑی دلچسپی سے یہ سب تماشہ دیکھ رہا تھا۔
اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے؟ سانپ نے
اسے کاٹنا تھا مگر اس نے نہیں کاٹا اور قریب سے ہو کر اسے گھور کر دیکھ
کر نیچے چلا گیا اور اب کپتان کے پیچھے جا کر رک گیا۔ آخر سانپ کیا
کرنا چاہتا تھا؟ سانپ نے جو کچھ کرنا تھا وہ سامنے آ گیا۔

سانپ نے زمین پر سے پھن پھیلا کر اوپر اٹھنا شروع کر دیا۔ وہ زمین سے پانچ فٹ اوپر آ گیا اور اپنے پھن کو جھلانے لگا۔ کپتان کو احساس ہوا کہ اس کے پیچھے کوئی ہے۔ جوں ہی اس نے پلٹ کر دیکھا اس کی نظر سانپ کے پھن پر پڑی جو اس کی طرف منہ کر کے جھوم رہا تھا۔

کپتان کا ہاتھ تلوار کی طرف گیا۔ لیکن اس دوران میں سانپ اسے ڈس کر وہاں سے جا چکا تھا۔ یہ سب کچھ اس قدر تیزی سے ہوا کہ سپاہی بھی حیرت زدہ ہو کر رہ گیا۔

عجیب سپاہی

سانپ کے ڈسنے سے کپتان چکرا کر زمین پر گر پڑا۔

یہ کوئی بہت ہی خطرناک زہری سانپ تھا۔ کیوں کہ دیکھتے ہی دیکھتے کپتان کا سارا جسم نیلا پڑ گیا اور اس کی آنکھیں ابل کر باہر آ گئیں۔ پھر اس کے جسم نے پھولنا شروع کر دیا۔ پھر لاش پھٹ کر پانی بن کر زمین میں جذب ہو گئی تھی۔ زہر کے اثر سے کپتان کی ہڈیاں بھی پانی بن کر زمین میں گم ہو چکی تھیں

سپاہی لرز گیا۔ جہاں ایک پل پہلے کپتان بیٹھا ہیرے جواہرات
کے ہار اور سونے کا گلدان دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔ وہاں اب اس
کی لاش بھی نہیں تھی۔ خدا جانے سانپ اپنا کام کرنے کے بعد کہاں
گم ہو گیا تھا۔

سپاہی نے دیکھا کہ جہاں خزانہ دفن تھا وہاں سے ایک جگہ سے
مٹی ہٹی ہوئی تھی۔ سپاہی نے آگے بڑھ کر دیکھا تو کانپ کر پیچھے ہٹ
گیا۔ اس جگہ وہی زہری سانپ کنڈل مارے مٹی کے اندر خزانے
کے اوپر بیٹھا سپاہی کو لال لال آنکھوں سے گھور رہا تھا۔ جیسے کہہ رہا ہو
کہ خبردار آگے آئے تو یہی حشر تمہارا بھی ہو گا۔

سپاہی ڈر کر وہاں سے اٹھ دوڑا۔

وہ دوڑتا گیا، دوڑتا گیا اور ساحل سمندر پر جا کر اس نے دم لیا۔
وہاں سے وہ سیدھا جزیرے کی طرف مڑ گیا۔ اب سارے جزیرے

میں صرف وہی ایک سپاہی تھا جسے معلوم تھا کہ بحری ڈاکوؤں کا
کروڑوں اشرفیوں کا خزانہ جنگل میں کس جگہ دفن ہے۔ اس سپاہی کی
دوستی ایک اور سپاہی سے تھی جو محل کا بڑا کوتوال تھا۔ سپاہی نے جاتے
ہی کوتوال کے گھر پناہ لی۔ چونکہ کوتوال اس کا گہرا دوست تھا۔ اس
لیے سپاہی نے کوتوال کو ساری بات کھول کر بیان کر دی۔

کوتوال کی آنکھوں میں بھی لالچ آ گیا۔ اوپر سے اس نے کہا:

"شاباش، تم بڑے اچھے انسان ہو جو وہاں سے بھاگ آئے۔
تمہیں ایسا ہی کرنا چاہیے تھا۔ دولت ایک لعنت ہوتی ہے۔ کپتان
نے لالچ کیا، دولت سے محبت کی اور اسے اپنے کیے کی سزا مل گئی۔
اب تم میرے گھر پر کچھ دن آرام کرو۔ ابھی یہاں سے باہر نہ نکلنا۔
کہیں ایسا نہ ہو کہ کپتان کے ساتھی تمہیں دیکھ کر پوچھ گچھ شروع کر
دیں۔"

سیدھا سادا سپاہی کوتوال کی چال میں آ گیا۔ اس نے کوتوال کے گھر ٹھہرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ جب کہ کوتوال نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اس سپاہی کو ہلاک کر کے سارے خزانے پر جا کر خود قبضہ کر لے گا۔

آخر کروڑوں کا خزانہ تھا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ اتنی بڑی دولت کو کوتوال نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ وہ اس کے ساتھ ہی سپاہی کا کام بھی تمام کر دینا چاہتا تھا۔ کیوں کہ یہی ایک سپاہی تھا جسے علم تھا کہ خزانہ کس جگہ پر دفن ہے؟

کوتوال نے باتوں ہی باتوں میں سپاہی سے وہ جگہ معلوم کر لی تھی جہاں صندوق زمین کے اندر دبا دیے گئے تھے۔ رات کو کھانا کھانے کے بعد کوتوال اور سپاہی دیر تک باتیں کرتے رہے۔ سپاہی بے چارا بڑا سیدھا آدمی تھا کہنے لگا:

”بھائی یہ انسان دولت کے لالچ میں آ کر دوسرے انسان کو قتل

کیوں کر دیتے ہیں۔ انسان تو بہت بڑی دولت ہے۔ کیا ان لوگوں کے دل سے خدا کا خوف اٹھ گیا ہے؟“۔

کوتوال بولا:

”بھائی، آج کل کے زمانے کے لوگ دولت کے پیچھے دیوانے ہو کر پھرتے ہیں۔ ہم تم جیسے لوگ اب دنیا میں مشکل سے ملتے ہیں جنہیں دولت کی جگہ انسانوں سے پیار ہے۔ اچھا اب تم سو جاؤ۔ میں ذرا باہر ایک کام سے جا رہا ہوں“۔

”بہت اچھا بھائی“۔

کوتوال اٹھ کر باہر چلا گیا۔

سپاہی نے کمبل اپنے اوپر کیا اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔

کوتوال نے سازش یہ بنا رکھی تھی کہ تھوڑی دیر بعد جب سپاہی گہری نیند سو جائے گا تو وہاں آئے گا اور چپکے سے کمرے میں داخل

ہو کر سپاہی کو ہلاک کر دے گا اور پھر خزانے کا اکیلا مالک بن بیٹھے گا۔
سپاہی بے چارے کو اس سازش کی کوئی خبر نہیں تھی۔ وہ بڑے آرام
سے پلنگ پر کمبل اوڑھے سونے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر اسے نیند نہیں آ
رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے بار بار سانپ کی شکل آ جاتی جس
نے کپتان کو ڈس کر ہلاک کر دیا تھا۔

آخر وہ گھبرا کر اٹھا اور یہ سوچ کر کمرے سے باہر نکل کر سمندر کے
کنارے آ گیا کہ شاید تھوڑی دیر سمندر کے کنارے ٹہلنے سے اس کا
دل بہل جائے۔ آتی دفعہ اس نے کمبل اپنے پلنگ پر ہی ڈال دیا تھا اور
دیا گل کر دیا تھا تاکہ بے چارے کوتوال کو زحمت نہ ہو۔ جب کہ کوتوال
ایک جگہ بیٹھا اس انتظار میں تھا کہ سپاہی سو جائے تو وہ جا کر اس کا کام
تمام کر دے۔

کوتوال کچھ سوچ رہا تھا۔ قدرت اس کے ظلم سے پہلے ہی سپاہی

کو بچا چکی تھی۔ وہ سمندر کے کنارے ٹہلتا ہوا بہت دور نکل گیا تھا۔ پھر
وہ واپس اپنے مکان کی طرف آ گیا۔

جس وقت وہ کوتوال کے مکان کے اندر آیا تو اس وقت کوتوال
اس کے کمرے میں داخل ہو چکا تھا۔ اس کے پلنگ پر کمبل اس طرح
سے اوپر اٹھا ہوا پڑا تھا کہ کھڑکی میں سے آتی ہوئی ستاروں کی پھیکی
روشنی میں یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی سو رہا ہے۔

سپاہی ابھی کمرے سے باہر ہی تھا کہ اسے اندر کسی کے قدموں کی
آواز سنائی دی۔ وہ یہ دیکھنے کے لیے رک گیا کہ کہیں اندر کوئی چور تو
نہیں آ گیا۔ پھر اس نے کھڑکی میں سے تھوڑا سا جھانک کر اندر دیکھا

تو اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

کوتوال اس کے پلنگ کے پاس کھڑا وحشیوں کی طرح کمبل پر
تلوار کے وار کر رہا تھا۔ وہ اپنی طرف سے سپاہی کو ہلاک کر رہا تھا۔
کوتوال نے تلوار مار مار کر کمبل کا قیمہ قیمہ کر دیا۔ پھر اچانک اسے
خیال آیا کہ کمبل کے نیچے تو کوئی انسان نہیں ہے۔ کوتوال نے تیزی
سے پھٹا ہوا کمبل ایک طرف پھینکا۔ نیچے پلنگ خالی تھا۔

کوتوال نے غصیلی نظروں سے آس پاس دیکھا۔ سپاہی جلدی
سے کھڑکی میں سے پرے ہٹ کر بھاگ گیا۔ اسے معلوم تھا کہ کوتوال
اس کی تلاش میں ضرور آئے گا۔ وہ سمندر کے کنارے تک بھاگتا چلا
گیا۔ خوف کے مارے نہ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور نہ کسی جگہ وہ
رکا۔

بس بھاگتا ہی چلا گیا۔ وہ اس قدر خوف زدہ تھا کہ بھاگتا ہی چلا

جارہا تھا۔ سمندر سامنے آ گیا۔ اس نے سمندر میں چھلانگ لگادی اس
کا اس دنیا سے اعتماد اٹھ گیا تھا۔ اس کا بہترین دوست دولت کی وجہ
سے اس کی جان کا دشمن ہو گیا تھا۔ اب وہ کسی پر بھروسہ نہیں کر سکتا تھا۔
اور پھر کوتوال تو سپاہی کو کبھی زندہ نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ کیوں کہ
صرف وہی ایک اس دنیا میں خزانے کی جگہ کا گواہ باقی تھا اور وہ اسے
ہر حالت میں ختم کرنا چاہتا تھا۔ سپاہی بے چارا سمندر میں تیرتا چلا
گیا۔

وہ آخر تیر کر کہاں جا سکتا تھا؟ اس نے دیکھا کہ ایک طرف
بادبانی جہاز کھڑا تھا۔ کنارے کی طرف جہاز پر پہرہ تھا لیکن جہاز کے
پیچھے کچھ بھی نہیں تھا۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ پیچھے سے خالی جہاز
کے اوپر چڑھ کر آرام کر لے پھر دیکھا جائے گا۔ سوچ لے گا کہ اب
کہاں جائے؟

یہ سوچ کر سپاہی نے سمندر میں بڑی خاموشی سے بادبانی جہاز کی
طرف تیرنا شروع کر دیا۔ تیرتے تیرتے وہ رات کے اندھیرے میں
جہاز کے قریب آ گیا۔ جہاز کی پچھلی طرف لنگر کے ساتھ ایک رسہ
لٹک رہا تھا۔ سپاہی نے رسے کو تھام کر اوپر چڑھنا شروع کر دیا۔ جہاز
کے اوپر چڑھ کر عرشے پر لیٹ گیا۔ وہ بے حد تھک گیا تھا۔ اسے سخت
پیاس لگی تھی۔

کچھ دیر لیٹے رہنے کے بعد اس کے ہوش و حواس درست ہوئے تو
اس نے سوچا کہ جہاز کے نیچے جا کر باورچی خانے میں پانی تلاش
کرنا چاہیے اور پھر اسی جگہ کسی تختے کے نیچے پڑ کر سو جانا چاہیے۔ پھر
دیکھا جائے گا کہ کیا کرنا چاہیے۔ اس نے دل میں اس بات کا بھی
فیصلہ کر لیا تھا کہ اب وہ یہ جزیرہ چھوڑ دے گا جہاں ہر شخص انسان کا
دشمن ہے اور دولت کا پجاری ہے۔

ایسے جزیرے پر وہ کبھی نہیں رہے گا جہاں ہر شخص اسے محض اس لیے قتل کرنا چاہتا تھا کہ اسے ایک خزانے کا علم ہے۔ سپاہی کے لیے اب خزانے میں کوئی دل کشی نہیں رہی تھی۔ وہ اب آٹھویں حصے سے بھی الگ ہو گیا تھا۔ اسے دولت اور زر و جواہرات سے نفرت ہو گئی تھی۔

اس کے دل میں یہ خیال بیٹھ گیا تھا کہ جس کے دل میں دولت کی محبت ہو گی وہ کبھی اس دنیا میں خوشی کی زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ دولت کے لالچ میں اس نے اپنی آنکھوں کے سامنے کتنے ہی لوگوں کو موت کے گھاٹ اترتے دیکھا تھا۔ یہاں تک کہ اس کا خاص دوست اس کی جان کا دشمن بن بیٹھا تھا۔ اسے کبھی یقین نہیں آ سکتا تھا کہ کوتوال۔۔۔ جو کہ اتنا پرانا اس کا دوست تھا وہ بھی اسے دولت کے لالچ میں آ کر قتل کر سکتا ہے۔

پیاس کے مارے اس کا دم نکلا جا رہا تھا۔ وہ اٹھ کر نیچے آ گیا۔ جہاز کے نیچے اس نے دیکھا کہ کیبن کے دروازے باہر سے بند تھے۔ ایک کیبن کے قریب سے گزرتے ہوئے اسے چھینک آ گئی۔ اسی کیبن میں ماریا سو رہی تھی۔

چھینک کی آواز سن کر اسکی آنکھ کھل گئی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس نے کیبن میں سے باہر جھانک کر دیکھا۔ ہلکی ہلکی روشنی میں اس نے دیکھا کہ ایک سپاہی قسم کا نوجوان راہداری میں سے گزر کر باورچی خانے کی طرف جا رہا ہے، اس نے سوچا کہ پتہ کرنا چاہیے یہ شخص کون ہے اور جہاز میں آدھی رات کو کیا کرنے آیا ہے؟

ماریا کیبن میں سے نکل کر باہر آ گئی اور سپاہی کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ سپاہی تو اسے دیکھ ہی نہیں سکتا تھا۔ کیوں کہ وہ تو غائب تھی۔ نظروں سے اوجھل تھی جب کہ ماریا اسے برابر دیکھ رہی تھی۔ سپاہی

نے آخر باورچی خانے کو تلاش کر لیا۔

باورچی خانے میں آ کر اس نے مرتبان میں سے پانی نکال کر پیا اور پھر اسی جگہ فرش پر اپنے سر کو پکڑ کر بیٹھ گیا۔ وہ اپنے آپ سے باتیں کرنے لگا۔

''میاں' خدا کا شکر ادا کرو کہ تم کو خدا نے بچا لیا؛ ورنہ اس وقت یہ ٹھنڈا پانی نصیب نہ ہوتا۔ اس وقت تمہاری لاش بھی دوسرے سپاہیوں کی لاشوں کے ساتھ زمین کے اندر دبی ہوتی''۔

پھر سپاہی نے ہاتھ جوڑ کر آسمان کی طرف کیے اور بولا:

اے سب کے رب' میں کس زبان سے تمہارا شکریہ ادا کروں کہ تو نے میری جان تین بار بچائی۔ پہلی بار کپتان کی زہریلی مچھلی سے بچا۔ دوسری بار سانپ سے تو نے مجھے محفوظ کیا اور تیسری بار کوتوال کی تلوار سے بچایا۔

میں ایک گنہ گار انسان ہوں لیکن اتنا ضرور ہے کہ تیرا غلام ہوں اور دولت کے لالچ اور ہوس سے دل پاک ہے۔

میری طرف سے خزانے کے صندوق جنگل میں پڑے پڑے گل سڑ جائیں یا کوتوال اسے لے جائے یا کوتوال سانپ کی وجہ سے ہلاک ہو جائے۔ میں کبھی ان کی طرف دھیان بھی نہیں دوں گا۔ اب تو دل چاہتا ہے کہ اس جزیرے سے کسی اور جگہ بھاگ جاؤں۔ یہاں تو سب کے سب دولت کے پجاری اور انسانوں کے قاتل بستے ہیں۔ اے رب! مجھے اس جزیرے سے نکال کر کہیں دور لے جا۔

پھر سپاہی نے سر جھکا لیا اور منہ ہی منہ میں بڑبڑانے لگا۔

ماریا باورچی خانے میں ایک طرف کھڑی اس شخص کی ساری باتیں سن رہی تھی۔ وہ بڑی حیران ہوئی کہ یہ کیسا اچھا اور نیک نوجوان ہے۔ سمجھ گئی کہ اسے خزانے کا پورا پتہ معلوم ہے اور اسی کی وجہ سے بھاگ کر یہاں آیا ہے۔ اس نے سوچا کہ اس نوجوان کی مدد کرنی چاہیے اور اس سے مدد بھی لینی چاہیے۔ کم از کم وہ یہ ضرور بتا سکتا ہے کہ خزانہ جنگل میں کہاں ہے۔

لیکن سوال یہ تھا کہ ماریا اس سے کس طرح کلام کرے۔ وہ خود اسے دکھائی نہیں دے گی۔ اور وہ اس کی آواز سن کر ڈر جائے گا۔ لیکن سوائے اس سے بولنے کے اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ آخر ماریا نے کہا:

"اے نوجوان بھائی تم کون ہو؟"۔

سپاہی نے چونک کر اپنے آس پاس دیکھا۔

"کون۔۔۔کون؟"

وہ ڈر گیا تھا، سہم گیا تھا۔ اسے ابھی ابھی کسی عورت کی آواز سنائی دی تھی مگر وہاں اسے کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ آخر ماریا نے کہا:

"سنو، میرے بھائی، میری آواز سن کر گھبراؤ نہیں۔ میں کوئی جن، بھوت یا چڑیل نہیں ہوں بلکہ تمہاری طرح ایک انسان ہوں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ میں جادو کے زور سے غائب ہو چکی ہوں۔ تم مجھے دیکھ نہیں سکتے۔ مجھے کوئی بھی نہیں دیکھ سکتا۔ میں تم سے اس لیے بول پڑی ہوں کہ میں نے تمہاری ساری باتیں سن لی ہیں۔ تم مجھ سے ہرگز نہ گھبراؤ۔ میں تمہاری پوری مدد کروں گی۔ پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ تمہارا خوف دور ہوا یا نہیں؟"۔

سپاہی نے ڈرتے ڈرتے کہا:

"کچھ کچھ خوف دور ہوا ہے"۔

ماریا بولی:

"شاباش، تم نیک ہی نہیں ایک بہادر انسان بھی ہو۔ اب یہ بتاؤ کہ تمہارا نام کیا ہے اور تم کہاں سے آئے ہو؟"۔

سپاہی نے کہا:

"میرا نام فرائی ہے۔ میں اس جزیرے میں ایک سپاہی ہوں۔ بلکہ سپاہی تھا۔ میرے ساتھ نو سپاہی اور اس جہاز کے اندر جو خزانہ تھا اس پر پہرہ دے رہے تھے۔ ہمارے کپتان کی نیت بدل گئی۔ اس نے خزانے کو اٹھوا کر جنگل میں دفن کرا دیا اور اس خیال سے سارے کے سارے سپاہیوں کو زہریلی مچھلی کھلا کر مار ڈالا کہ وہ اکیلا خزانے کا مالک بن جائے گا۔

اتفاق سے میں وہ مچھلی نہ کھا سکا۔ میں درخت پر چڑھ گیا اور اپنی جان بچائی۔ کپتان نے مجھے تلاش کیا۔ جب میں اس کے ہاتھ نہ آیا

تو وہ چلا گیا۔ دوسرے روز پھر آیا اور اس روز ایک سانپ نے میرے قریب سے نکل کر نیچے جا کر کپتان کو ڈس کر ہلاک کر دیا۔ میں وہاں سے بھاگا اور اپنے ایک کوتوال دوست کو جا کر سارا ماجرا کہہ سنایا۔ اس کی نیت بھی خزانے کا سن کر بدل گئی۔ اس نے بھی مجھے قتل کر کے خود خزانے پر قبضہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔

مگر خدا نے مجھے اس کے ظلم سے بھی بچا لیا۔ اب میں بھاگ کر یہاں آیا تھا کہ یہاں سے نکل کر کسی دوسرے جزیرے پر چلا جاؤں گا۔ میرا دل اب اس جزیرے سے اچاٹ ہو گیا ہے۔

ماریا نے پوچھا:

"کیا تم نے اس سانپ کو دیکھا تھا۔ جس نے کپتان کو ڈسا تھا؟"۔

سپاہی نے کہا:

"ہاں دیکھا تھا بلکہ وہ سانپ اب بھی اسی جگہ خزانے کی حفاظت کر رہا ہے اور میرا خیال ہے کہ جو بھی وہاں جائے گا اسے وہ ضرور ہلاک کر دے گا"۔

ماریا نے پوچھا:

"اس سانپ کا رنگ کیسا تھا؟"

"اس کا رنگ سبز۔۔۔ نہیں سیاہ تھا۔ وہ کافی لمبا چوڑا سانپ ہے۔ اب بھی اسی جگہ پر ہوگا"۔

ماریا کا خیال تھا کہ ہو سکتا ہے وہ ناگ ہو۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ خزانے پر جا کر سانپ سے ضرور ملاقات کرے گی۔ پھر اس نے سپاہی سے کہا:

"بھائی فرائی، اب تم کیا چاہتے ہو؟"۔

فرائی نے کہا:

"میں یہاں سے بھاگ جانا چاہتا ہوں۔ میری اچھی بہن، کیا تم اس سلسلے میں میری کچھ مدد کر سکتی ہو؟"۔

ماریا نے کہا:

"میں تمہاری ضرور مدد کروں گی۔ لیکن پہلے تمہیں میرے ساتھ جنگل میں چل کر وہ جگہ دکھانی ہوگی جہاں خزانہ دفن کر دیا گیا ہے"۔

سپاہی نے کہا۔

"بہن، کیا تمہیں بھی دولت کی ہوس ہے؟"۔

ماریا بولی:

"مجھے دولت کی ہوس نہیں ہے۔ میں اس لیے وہاں جانا چاہتی ہوں کہ وہ خزانہ میرا ہے۔ اس جہاز کا ہے اور یہ جہاز میرا ہے"۔

سپاہی نے پوچھا:

"تمہارا یہ جہاز"۔

"ہاں"

"تم اکیلی یہاں کیسے آ گئیں؟"۔

ماریا نے کہا:

"یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ پھر کبھی سناؤں گی۔ اب تم آرام کرو۔ کل میرے ساتھ جنگل میں چل کر وہ جگہ دکھانا جہاں خزانہ ہے"

"بہت اچھا بہن"۔

ماریا نے سپاہی کو ایک الگ کیبن میں بستر پر سلا دیا اور خود اپنے کیبن میں آ کر سوچنے لگی کہ کہیں وہ سانپ ناگ ہی نہ ہو۔

خزانے کی تلاش

ادھر جہاز میں رات کو ماریا نے سپاہی کو سلا دیا۔

ادھر رات کو کوتوال جنگل میں خزانے کو سمیٹنے کے لیے جانے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ اس نے سپاہی سے وہ جگہ معلوم کر لی تھی جہاں وہ خزانہ دبا ہوا تھا۔

رات کو وہ چپکے سے اپنے مکان سے نکلا اور جنگل میں آ گیا۔

جنگل میں گھپ اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ کوتوال اندازے سے چلتا ہوا

اس درخت کے نیچے آ گیا جہاں اسے بتایا گیا تھا کہ خزانے کے سارے صندوق دفن ہیں۔ وہ ادھر ادھر خزانے کی جگہ تلاش کرنے لگا۔ اب جنوب کی طرف آسمان پر چاند نکل آیا جس کی وجہ سے جنگل میں روشنی پھیل گئی۔

کوتوال کو دولت کے لالچ نے اندھا کر دیا تھا۔ وہ پاگلوں کی طرح خزانے کو تلاش کر رہا تھا۔ آخر خزانہ اسے مل گیا۔ اس نے دیکھا کہ ایک جگہ زمین کچھ کھدی ہوئی اور ابھری ابھری سی تھی۔ یہی وہ جگہ تھی۔

کوتوال نے دیوانوں کی طرح زمین کھودنی شروع کر دی۔ چاندنی میں اسے سب کچھ دکھائی دے رہا تھا۔ اسی روشنی میں اس نے پہلے صندوق کو دیکھا۔ ابھی وہ صندوق کی طرف گڑھے میں ہاتھ بڑھانے والا تھا کہ اسے اپنے پیچھے ایک پھنکار سنائی دی۔

کوتوال نے چونک کر پیچھے دیکھا۔اس کی جان خشک ہوگئی۔

اس کے پیچھے وہی سیاہ لمبا سانپ اپنا پھن پھیلائے جھوم رہا تھا اور کوتوال کی طرف سرخ خونی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔کوتوال نے سوچا کہ کمر سے خنجر نکال کر سانپ کا کام تمام کردے۔مگر سانپ کو پہلے ہی سے اس کے ارادے کا علم ہوگیا تھا۔اس نے بجلی جیسی تیزی کے ساتھ آگے بڑھ کر کوتوال کی ٹانگ پر ڈس دیا۔

کوتوال کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی۔یہ چیخ عنبر نے بھی سنی تھی۔ عنبر یہاں سے قریب ہی ناگ کے ساتھ جنگل میں ایک درخت کے نیچے پناہ لیے ہوئے تھے۔وہ دو راتوں سے شگفتا کو جنگل میں تلاش کر رہے تھے۔مگر اسے اس کا کہیں سراغ نہیں ملا تھا۔۔۔رات کو تھک ہار کر وہ ایک گھنے درخت کے نیچے پڑے تھے کہ جنگل میں کوتوال کی چیخ کی آواز سنی۔عنبر نے ناگ سے کہا:

"تم نے چیخ کی آواز سنی ہے؟"۔

ناگ بولا:

"ہاں یہ کسی انسان کی آواز تھی۔چل کر دیکھنا چاہیے کوئی شخص تکلیف میں پھنسا ہوا ہے"۔

عنبر اور ناگ لپک کر اس طرف گئے جدھر سے انہیں چیخ کی آواز آئی تھی۔جھاڑیوں کو الانگتے پھلانگتے جب وہ ایک کھلی جگہ پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک سانپ اپنا پھن پھیلائے مستی میں آکر جھوم رہا ہے اور نیچے کوتوال کی لاش پڑی ہے۔عنبر اور ناگ حیرانی سے ایک دوسرے کو تکنے لگے۔عنبر نے کہا:

"سانپ نے اس بے چارے آدمی کو ہلاک کر دیا ہے"۔

ناگ بولا:

"ہاں اس نے سپاہیوں کی وردی پہنی ہوئی ہے۔شاید وہ ہماری

تلاش میں ادھر آیا تھا۔ میں سانپ سے پوچھتا ہوں“۔

جیسا کہ آپ پہلے حصوں میں پڑھ چکے ہیں کہ ناگ خود ایک سانپ تھا جس نے انسان کی شکل اختیار کر رکھی تھی۔ وہ سانپ کی زبان جانتا تھا اور ان کی باتیں سمجھ بھی لیتا تھا اور خود بھی ان سے باتیں کر لیتا تھا۔

ناگ جوں ہی آگے بڑھا‘ سانپ نے اپنا پھن گھما کر زور سے پھنکار ماری۔ پھر اچانک سانپ پر جیسے لرزہ سا طاری ہو گیا۔ اس کا پھن جھک گیا۔ اس نے اپنی گردن جھکا لی اور پھن سمیٹ کر ناگ کے آگے گردن زمین پر رکھ دی۔ اس نے ناگ سے کہا:

”اے ناگ دیوتا‘ میں آپ کی خدمت میں ادب سے سلام عرض کرتا ہوں“۔

ناگ نے کہا:

”یہ آدمی کون تھا؟ تم نے اسے کیوں ہلاک کیا؟“۔

سانپ نے کہا:

”ناگ دیوتا‘ یہ شخص لالچی ہے۔ اس نے کوئی لوگوں کو قتل کیا ہے۔ یہ خزانے کی تلاش میں یہاں آیا تھا جو کسی کی امانت معلوم ہوتا ہے۔ میں اس خزانے پر پہرہ دے رہا ہوں“۔

ناگ نے پوچھا:

”خزانہ؟ کون سا خزانہ؟“۔

سانپ بولا:

”حضور‘ اس جگہ زمین کے اندر خزانہ دفن ہے“۔

ناگ نے عنبر کو ساتھ لیا اور انہوں نے دیکھا کہ گڑھے کے اندر وہی صندوق پڑے تھے جوان کے اپنے صندوق تھے۔

عنبر نے کہا:

''ارے' یہ تو ہمارا ہی خزانہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے ماریا کو پکڑ لیا ہو گا۔ جب ہی خزانے پر قبضہ کر کے یہاں دفن کر دیا گیا''۔

ناگ نے سانپ سے پوچھا:

''تم نے یہاں کسی عورت کو بھی دیکھا تھا؟ میرا مطلب ہے تمہیں یہاں کبھی کسی عورت کی بو محسوس ہوئی تھی؟''۔

سانپ نے کہا:

ناگ دیوتا' یہاں میں نے کسی عورت کو محسوس نہیں کیا۔ ہاں ایک کپتان اپنے دس سپاہیوں کے ساتھ اس خزانے کے صندوق لے کر یہاں آیا تھا۔ اس نے خزانہ یہاں دبا دیا اور اپنے نو سپاہیوں کو

زہریلی مچھلی کے کباب کھلا کر مار ڈالا۔ ایک سپاہی بچ کر درخت پر چڑھ گیا۔

میں نے اسے کچھ نہیں کہا۔ کیونکہ اس سپاہی سے دشمنی کی بو نہیں آتی تھی۔ کپتان نے اپنے سارے سپاہیوں کو گڑھے میں دبا دیا اور خود خزانہ لے جانے کی فکر میں تھا کہ میں نے اسے ڈس کر ہلاک کر دیا۔ اب یہ شخص خزانہ چرانے آیا تھا کہ میں نے اسے بھی مار ڈالا۔

عنبر کہنے لگا:

"ناگ بھائی، یقیناً ماریا کی عدم موجودگی میں یہ لوگ یہاں خزانہ اٹھوا کر لے آئے ہیں۔ ماریا یا تو سو رہی ہوگی اور یا اسے پکڑ کر لے گئے ہیں"۔

ناگ نے کہا:

"مگر ماریا کو پکڑنا آسان کام نہیں۔ وہ تو کسی کو دکھائی ہی نہیں

دیتی۔ پھر اسے کوئی کیسے گرفتار کر سکتا ہے؟ باقی رہی یہ بات کہ وہ کسی سے ٹکرا گئی ہوگی تو ایسی صورت میں بھی یہ لوگ اس سے ڈر کر بھاگ گئے ہوں گے۔ کیوں کہ یہاں سارے کے سارے لوگ وہمی ہیں اور جن بھوتوں سے ڈرتے ہیں"۔

"تم پھر تمہارا کیا خیال ہے؟ ماریا کہاں ہوگی؟"۔

"ایک بات تو ظاہر ہے کہ وہ جہاز پر نہیں ہے۔ اگر وہ جہاز پر ہوتی تو کسی میں اتنی جرات نہیں تھی کہ وہ خزانے کو ہاتھ لگا سکتا وہ ایک ایک کر کے سب کا کام تمام کر سکتی تھی۔ میرا خیال ہے کہ وہ جہاز سے کہیں چلی گئی ہے اور شاید اسی جنگل میں ہمیں تلاش کرتی پھر رہی ہو گی"۔

"تو کیا ہمیں اب شکنتلا کیساتھ اسے بھی تلاش کرنا ہوگا؟"۔

"میرا تو خیال ہے کہ ہمیں ایک بار جہاز پر جا کر اپنا اطمینان کر

لینا چاہیے''۔

ناگ بولا:

''میں اس لیے نہیں جا سکتا کہ اگر کسی نے دیکھ لیا تو کچل دیا جاؤں گا۔ مقابلہ بھی کیا تو سپاہیوں کے سامنے کیا کروں گا۔ اگر تم کہتے ہو تو میں ابھی جانے کو تیار ہوں''۔

اس موقع پر سانپ نے کہا:

''میں جا کر پتہ کر آتا ہوں حضور آپ مجھے حکم دیں''۔

ناگ نے کہا:

''نہیں بھائی، تمہارے جانے کی ضرورت نہیں ہے''۔

پھر عنبر اور ناگ نے مل کر خزانے کے گڑھے کو مٹی اور پتوں سے بھر دیا اور سانپ کو سلام کر کے اور اسے تاکید کر کے خزانے کی ان کے آنے تک حفاظت کرے، واپس جنگل میں اسی جگہ چلے گئے جہاں وہ

آرام کر رہے تھے۔

باقی رات وہ آپس میں ماریا اور شکنتلا بارے میں باتیں کرتے رہے۔ پھر وہ سو گئے۔

دن چڑھا تو انہوں نے جنگل کے مشرقی حصے میں شکنتلا کی تلاش شروع کر دی۔

شکنتلا کے بارے میں ہم آپ کو اتنا بتا دیں کہ وہ ابھی تک نیلی چٹان کے غار میں سارنگ کی پناہ میں ہی تھی۔ اس لیے کہ سارے جزیرے میں منگلروں کے بادشاہ کے جاسوس اس کی تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ سارنگ بابا نے شکنتلا کو کہہ رکھا تھا۔

''بیٹا، میں ایک غریب ملاح ہوں۔ بوڑھا ہو گیا ہوں۔ تمہاری اتنی مدد ضرور کر سکتا ہوں کہ تمہیں اس جگہ چھپائے رکھوں۔ مگر تمہیں لے کر اس جزیرے سے فرار نہیں ہو سکتا۔ ہاں کوشش جاری رکھوں

گا۔ جونہی موقع ملا تمہیں یہاں سے بھگا دوں گا"۔

چنانچہ شگفتا صبر شکر کر کے نیلی چٹان کے غار میں ہی دن کاٹ رہی تھی۔ دن کے وقت وہ غار میں چھپی رہتی۔ رات کو باہر نکل کر قریب جنگل میں تھوڑی بہت سیر کر لیتی۔ سارنگ بابا اسے ہر روز جنگلی پھل اور مچھلی لا کر کھلاتا تھا اور اس بڑی خدمت کر رہا تھا۔

ادھر عنبر اور ناگ جنگل میں اسے تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ مصیبت یہ تھی کہ رات کو عنبر اور ناگ خود بھی چھپے رہتے تھے اور دن کے وقت وہ غار کے اندر چھپی رہتی تھی۔

دن چڑھ آیا تھا۔ ماریا جاگ پڑی۔ اس نے سپاہی کو بھی جگایا اور اسے کھانا پکا کر کھلایا۔ خود بھی کھایا۔ پھر اس سے کہا:

"میرا خیال ہے کہ تمہیں اب میرے ساتھ چل کر جنگل میں وہ جگہ دکھانی چاہیے جہاں خزانہ دفن ہے"۔

سپاہی نے ہاتھ جوڑ کر کہا:

"اے دیوی! اگر میں آپ کے ساتھ یہاں سے باہر گیا تو بادشاہ اور کوتوال کے سپاہی مجھے اسی وقت پکڑ کر میری کھال کھینچ ڈالیں گے۔ مجھ پر رحم کریں اور مجھے دن کے وقت اپنے ساتھ نہ لے جائیں"۔

ماریا نے اسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا:

"تم فکر نہ کرو۔ میں جو تمہارے ساتھ ہوں گی۔ میں تمہاری حفاظت کروں گی"۔

سپاہی نے کہا:

"اے دیوی! تم تو کسی کو نظر نہیں آتی۔ تمہیں تو کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ مگر میں غریب مارا جاؤں گا۔ مجھے یہ جزیرے کے سپاہی زندہ نہیں چھوڑیں گے"۔

ماریا سمجھ گئی کہ بے چارا سپاہی بہت خوفزدہ ہے اور وہ اس کے ساتھ کسی صورت بھی دن کے وقت جہاز سے باہر نہیں نکلے گا:

چنانچہ اس نے مسکرا کر کہا:

''اچھا بھائی' شام کو جب اندھیرا پھیل جائے گا تو پھر میرے ساتھ چلو گے؟''۔

''ہاں دیوی بہن' شام کو میں ضرور تمہارے ساتھ جاؤں گا۔شام کو میں ضرور چلوں گا۔۔۔ضرور چلوں گا''۔

''چلو ٹھیک ہے۔میں شام کا انتظار کرلوں گی''۔

ادھر ماریا شام کا انتظار کررہی تھی۔ادھر شکنتالا نیلی چٹان کے اندر

غار میں پناہ لیے ہوئے تھے۔ دوسری طرف عنبر اور ناگ بھی جنگل کے
ایک درخت کے نیچے بیٹھے سوچ رہے تھے کہ اب شکنتلا کو کس جگہ پر
تلاش کیا جائے۔ ایک خیال انہیں یہ بھی آتا کہ کہیں وہ اس جزیرے
سے ہی نہ نکل چکی ہو۔

"مگر وہ اکیلی اس جزیرے سے کہاں نکل سکتی ہے؟"۔

عنبر نے کہا:

"بھائی' وہ بڑی دلیر عورت ہے۔ شروع میں وہ بڑی
ڈرپوک تھی۔ بزدل تھی۔ مگر مصیبتوں کا مقابلہ کرتے کرتے وہ بڑی
بہادر ہو گئی ہے۔ وہ اب کوئی بھی بہادری کا کام بڑی آسانی سے کر
سکتی ہے"۔

ناگ کہنے لگا:

"اگر یہ مان بھی لیا جائے تو پھر وہ کہاں سے اور کس کی مدد سے

کشتی پر سوار ہوئی ہوگی؟ کس طرف کو گئی ہوگی۔ اسے تو راستے کا علم
نہیں ہے۔ سمندر میں وہ اکیلی کہاں بھٹکتی پھر رہی ہوگی۔ نہیں نہیں'
مجھے یقین ہے کہ وہ اسی جزیرے میں کسی جگہ پناہ لیے بیٹھی ہے اور
مناسب موقع کا انتظار کر رہی ہے"۔

ناگ کا یہ خیال بہت درست تھا۔ عنبر نے کہا:

"ٹھیک ہے، پھر ہم اسے اس وقت تک تلاش کرتے رہیں گے
جب تک کہ وہ ہمیں مل نہیں جاتی۔ اب دوسری بات یہ ہے کہ ماریا کو
کہاں ڈھونڈا جائے؟ میں تو کہتا ہوں۔ ہم دونوں مل کر جہاز پر جاتے
ہیں اور ماریا کو تلاش کرتے ہیں"۔

ناگ بولا:

"پھر تمہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں خود آج رات کو
جہاز پر جاؤں گا"۔

عنبر نے کہا:

''کیا تم یہ خطرہ مول لے لو گے؟''

ناگ بولا:

''اپنی بہن کے لیے میں ہر طرح کی قربانی کر سکتا ہوں''۔

ادھر رات کو ناگ جہاز پر جا کر ماریا کو تلاش کرنے کی سکیم بنا رہا تھا اور دوسری طرف ماریا سپاہی کو لے کر جہاز پر سے جنگل میں آنے کا منصوبہ تیار کر رہی تھی اور ایسا ہی ہوا۔

جب جزیرے پر اندھیرا چھا گیا تو ایک طرف سے ماریا نکلی اور دوسری طرف سے ناگ نکلا۔ سپاہی اندھیرے میں جا کر ایک چھوٹی سی کشتی چرا لایا۔ اس کشتی میں سوار ہو کر ماریا اور سپاہی چپکے سے سمندر میں تیرتے ہوئے جزیرے کے جنوبی ساحل کے ساتھ جا کر لگ گئے۔ سپاہی نے کشتی کو ایک جگہ جھاڑیوں میں چھپا دیا اور ماریا کو

194 سنہری موت

ساتھ لے کر جنگل میں خزانے والی جگہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

دوسری طرف ناگ نے عنبر سے اجازت لی اور درخت پر سے اتر کر جنگل میں سے نکل کر جہاز کی طرف روانہ ہو گیا اس نے سمندر کے قریب جا کر اپنی جون تبدیل کر لی۔ وہ انسان سے سانپ بن گیا اور سمندر میں اتر کر تیرتا ہوا جہاز کی طرف چلا گیا۔ جہاز سمندر کے کنارے کھڑا تھا اور باہر سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ ناگ جہاز پر دوسری طرف سے گیا۔ اس نے لنگر کے پاس جا کر زنجیر کی مدد سے اوپر چڑھنا شروع کر دیا۔

جہاز کے عرشے پر آ کر وہ لکڑی کے تختوں پر رینگتا ہوا سیڑھیوں میں آ گیا۔ جہاز پر گہرا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ وہاں چاروں طرف گھپ اندھیرا تھا۔ کسی جگہ بھی کوئی روشنی نہیں ہو رہی تھی۔ وہ سمجھ گیا کہ جہاز پر کوئی سپاہی نہیں ہے۔

اس نے پھنکار مار کر پھر سے انسان کی شکل اختیار کر لی اور سیڑھیاں اتر کر نیچے آ گیا اس نے دیکھا کہ ایک کیبن میں چھوٹا سا دیا روشن تھا۔ اس کی روشنی میں کمرے کی ہر شے ویسے ہی پڑی تھی۔ مگر وہاں ماریا نہیں تھی۔

ناگ نے سارے جہاز میں گھوم پھر کر دیکھا۔ ایک ایک کیبن میں جا کر ماریا کو آواز دی۔ باورچی خانے میں آ کر اسے تلاش کیا۔ مگر ماریا کسی جگہ پر بھی نہ ملی۔

ناگ کو یقین ہو گیا کہ ماریا جہاز سے چلی گئی ہے۔ وہ اگر جہاز پر ہوتی تو اسے ضرور مل جاتی۔ وہ جہاز پر نہیں ہے۔ ناگ ناامید ہو کر اوپر عرشے پر آ گیا۔ یہاں اس نے ایک بار پھر سانپ کی شکل بدلی اور سمندر میں چھلانگ لگا دی۔

سمندر میں پانی کی لہروں پر تیرتا ہوا وہ کنارے پر آ گیا۔ پھر

کنارے کی ریت پر رینگتا ہوا جنگل کی طرف جا رہا تھا کہ اچانک پہرہ دیتے ہوئے ایک سپاہی کی اس پر نظر پڑ گئی۔ اس نے سانپ سانپ کی آواز لگائی اور ناگ کی طرف لپکا۔ کم بخت کو چاہیے تھا کہ سانپ کو جانے دیتا۔ مگر کم بخت سانپ کے پیچھے پڑ گیا اور اسے مارنے کی کوشش کرنے لگا۔

ناگ آگے آگے دوڑ پڑا۔ پہریدار اس کا پیچھا کر رہا تھا۔ ناگ نے سمجھ لیا کہ اب اگر اس نے پہرے دار پر حملہ نہ کیا تو وہ تلوار کے ایک ہی وار سے اس کے دو ٹکڑے کر دے گا۔

کیونکہ سانپ اتنا تیز نہیں دوڑ رہا تھا۔ جتنا تیز پہرے دار دوڑ رہا تھا۔ آخر وہی ہوا۔ پہرے دار ناگ کے سر پر پہنچ گیا اور وہ حملہ کرنے ہی والا تھا کہ سانپ نے پلٹ کر زور سے پھنکار ماری اور سانپ سے ایک دم انسان بن گیا۔ پہرے دار سانپ کو انسان بنتے دیکھ کر غش کھا

کر گر پڑا۔ ناگ کو ہنسی آ گئی۔

اب اس نے واپس سانپ بننا پسند کیا اور جنگل میں گھس گیا تا کہ عنبر کو جا کر بتائے کہ جہاز پر ماریا کہیں نہیں ہے۔ وہ درختوں میں سے ہوتا ہوا عنبر کے پاس پہنچ گیا۔ اور اسے ساری کہانی جا کر سنا ڈالی۔

انہیں اب اور یقین ہو گیا کہ ماریا کو کسی شخص نے پکڑ لیا ہو اور یا پھر وہ خود ہی جہاز پر سے کسی دوسری جگہ چلی گئی ہو۔

سوال یہ تھا کہ وہ کہاں چلی گئی ہے؟

دیوی بہن

سپاہی ماریا کو لے کر جنگل میں پہنچ گیا تھا۔

چاند نکل آیا تھا اور جنگل میں ہلکی ہلکی چاندنی ہر جگہ پھیلی ہوئی تھی۔ اس روشنی میں ماریا نے دیکھا کہ جنگل میں بڑے گھنے درخت پھیلے ہوئے تھے۔

درختوں کی شاخیں اس قدر گھنی تھیں کہ وہ نیچے زمین تک لٹک رہی تھیں۔ سپاہی ماریا کو لے کر آگے آگے جا رہا تھا۔ آخر وہ اس جگہ

پر آ گیا جہاں خزانہ دفن تھا۔ اس نے ماریا سے کہا:

"دیوی بہن' یہ وہ جگہ ہے جہاں خزانے کے صندوق دفن ہیں۔ لیکن یہاں ایک بہت ہی زہریلا سانپ اس خزانے کی حفاظت کر رہا ہے۔ خدا کے لیے اس سے بچ کر رہنا۔ اس کا کاٹا پانی نہیں مانگتا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے کپتان کو اس سانپ کے زہر سے پانی کی طرح پگھلتے دیکھا ہے"۔

ماریا ذرا سی مسکرائی اور بولی:

"فکر نہ کرو۔ جب تک میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تمہیں سانپ کچھ نہیں کہے گا"۔

"لیکن دیوی بہن' وہ بڑا ہی زہری سانپ ہے۔ بڑا خطرناک سانپ ہے جو شخص خزانے کی طرف آتا ہے وہ اسے اسی وقت ڈس دیتا ہے"۔

ماریا نے کہا:

"اچھا بھائی' اب تم زیادہ باتیں نہ کرو اور یہ بتاؤ کا کیا اسی جگہ تم نے اس سانپ کو دیکھا تھا؟"۔

"ہاں دیوی بہن' اس جگہ خزانہ دفن ہے اور اسی جگہ وہ سانپ اس خزانے کی حفاظت کر رہا ہے"۔

ماریا نے آگے بڑھ کر زمین پر سے جھاڑیوں کو ہٹانا شروع کر دیا۔ سپاہی سہم کر پرے ہو گیا۔ وہ بڑا ڈر رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ اگر سانپ نکل آیا تو اس کی خیر نہیں۔ دیوی بہن تو کسی کو نظر ہی نہیں آ رہی۔ سانپ اسے تو کچھ نہیں کہے گا۔ مگر سپاہی کو ضرور کر ہلاک کر دے گا۔

ماریا جھاڑیوں کو ہٹا رہی تھی کہ اچانک سامنے وہی سیاہ کالا ناگ نکل کر اپنا پھن پھیلائے کھڑا ہو گیا۔ وہ چاندنی رات میں بڑا

خوفناک لگ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے شعلے سے نکل رہے تھے۔ سپاہی تو اسے دیکھ کر تھر تھر کانپنے لگا۔ ماریا سانپ کو دیکھ کر بالکل نہ گھبرائی۔ سانپ نے اسے دیکھا تو نہیں تھا مگر اس کی بو کو ضرور محسوس کر لیا تھا۔ ماریا نے کہا:

''اے سانپ، کیا تو ناگ ہے؟''۔

سانپ کے کانوں کے ساتھ ناگ کے لفظ ٹکرائے تو وہ کچھ حیران سے ہوا، اس کے علاوہ سانپ کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ناگ دیوتا کہیں قریب ہی موجود ہے۔ اصل بات یہ تھی کہ اسے ماریا کے جسم سے اس کے بھائی ناگ کی ہلکی ہلکی بو محسوس ہو رہی تھی۔ وہ کچھ ڈر سا گیا۔ اس نے اپنا پھن سمیٹ لیا اور گردن جھکا لی۔ وہ ماریا سے کچھ کہہ رہا تھا مگر ماریا اس کی زبان نہیں سمجھ رہی تھی۔

اس کے علاوہ سانپ ایک عجیب بات یہ دیکھ رہا تھا کہ عورت اس

سے باتیں کر رہی ہے مگر خود نظر نہیں آ رہی۔ یہ ایک حیران کن بات تھی۔ سانپ کو یقین ہو گیا کہ وہ کسی آسمانی ہستی کے سامنے کھڑا ہے۔ اس نے ایک بار پھر کہا:

''اے آسمانی دیوی' میں ناگ دیوتا نہیں ہوں۔ مگر ان کا غلام ضرور ہوں۔ وہ اسی جنگل میں ایک جگہ موجود ہے۔ اگر تم تھوڑی دیر انتظار کرو تو میں انہیں ابھی جا کر بلا لاتا ہوں۔ مجھے اس جنگل میں ان کی بو برابر محسوس ہو رہی ہے۔ میں اس بو کے ساتھ ساتھ رینگتا ہوا ان تک پہنچ جاؤں گا''۔

لیکن مصیبت یہ تھی کہ ماریا سانپ کی زبان سے نکلا ہوا ایک لفظ بھی نہیں سمجھ رہی تھی۔ اگر وہ اس کی زبان سمجھ جاتی تو اس وقت ملاقات عنبر اور ناگ سے ہو جاتی۔ ماریا نے سپاہی سے کہا:

''دیکھا تم نے۔۔۔ سانپ نے مجھے کچھ نہیں کہا۔ میں نہ کہتی تھی

کہ وہ تمہیں کچھ نہیں کہے گا۔اب زمین کو کھود دو اور مجھے دکھاؤ کہ خزانہ کہاں ہے؟"۔

سپاہی نے کہا:

"مجھے ڈر لگ رہا ہے"۔

ماریا بولی:

"اب ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔تم بے فکر ہو کر مٹی کھودو۔ میں تمہارے پاس کھڑی ہوں اور سانپ نے بھی اپنا پھن سمیٹ لیا ہے"۔

سپاہی نے ڈرتے ڈرتے زمین کھودنی شروع کر دی۔سانپ

ایک طرف ہٹ کر خاموشی سے زمین پر بیٹھا تھا۔ وہ سپاہی کو مسلسل دیکھ رہا تھا۔ مگر کیا مجال کہ ذرا آگے آ کر کچھ کہے۔ تھوڑی سی زمین کھودنے کے بعد نیچے سے خزانے کے صندوق نکل آئے ماریا نے اپنے جہاز کے خزانے کو فوراً پہچان لیا۔ اس نے سپاہی سے کہا:

"بس ٹھیک ہے۔ میں سمجھ گئی۔ یہی وہ خزانہ ہے۔ اب تم اسے دوبارہ مٹی ڈال کر بند کر دو اور اوپر جھاڑیاں ڈال دو"۔

"دیوی بہن' جو آپ کا حکم"۔

سپاہی خوش ہوا کہ اس بک بک سے جان چھوٹی۔ وہ چاہتا بھی یہی تھا کہ خزانے پر مٹی ڈال کر وہاں سے نکل جائے۔ زمین ہموار کر کے اوپر جھاڑیاں ڈال کر سپاہی نے کہا:

"دیوی بہن' اب کیا حکم ہے۔ کیا یہاں سے چلیں اب؟"۔

ماریا بولی:

"ہاں اب چلو۔۔۔ جس بات کی تلاش میں' میں یہاں آئی تھی وہ یہاں کہیں نظر نہیں آئی"۔

سپاہی ماریا کو لے کر واپس روانہ ہو گیا۔ راستے میں اس نے ماریا سے پوچھا کہ وہ کس چیز کی تلاش میں وہاں آئی تھی۔ کیا اسے خزانے کی تلاش نہیں تھی۔ ماریا نے گہرا سانس بھر کر کہا:

"نہیں بھائی' اگر خزانے کی تلاش ہوتی تو میں جہاز پر ہی بیٹھی رہتی۔ یہ خزانہ تو میرے جہاز پر سے ہی اٹھا کر یہاں لایا گیا ہے"۔

سپاہی نے حیرت سے پوچھا:

"دیوی بہن، پھر آپ کو کس چیز کی تلاش اس گھنے جنگل میں آدھی رات کو کھینچ لائی؟"۔

ماریا نے کہا:

"یہ تمہیں پھر کبھی بتاؤں گی"۔

سپاہی ماریا کو لے کر جنگل سے باہر نکل آیا۔ سامنے چاند آسمان پر چمک رہا تھا۔ جس کی روشنی میں سمندر کی سطح شیشے کی طرح چمک رہی تھی۔ دور ماریا کا اپنا جہاز سمندر میں کھڑا دکھائی دے رہا تھا۔

وہ جنگل سے باہر نکل کر اب جزیرے کے ساحل کی گیلی ریت پر چلے جا رہے تھے۔ ماریا نظر نہیں آ رہی تھی۔ سپاہی چاندنی میں چلتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔

ابھی وہ جہاز سے دور ہی تھے کہ اچانک سامنے سے دو پہریدار سپاہی گھوڑا دوڑاتے آئے اور انہوں نے اسے پہچان کر گھیر لیا۔ ایک نے گرج کر کہا:

”فرائی، اب تم ہم سے بچ کر کہیں نہیں جا سکتے۔ ہمیں کئی روز سے تمہاری تلاش تھی۔ تم نے کوتوال کو ہلاک کیا اور تم نے ہی کپتان اور باقی پہرے دار سپاہیوں کو مارا ہے۔ بادشاہ نے حکم دے رکھا ہے

کہ تمہیں گرفتار کر کے اس کی خدمت میں پیش کیا جائے تاکہ وہ خود اپنے ہاتھ سے تمہیں قتل کرے۔ اب سیدھی طرح ہمارے ساتھ چلو۔۔۔ مگر ٹھہرو میں تمہیں رسی سے باندھ لوں۔ کیونکہ بادشاہ کا یہی حکم ہے“۔

سپاہی کا خون خشک ہو گیا۔ اسے معلوم تھا کہ اب وہ بچ کر کہیں نہیں جا سکتا۔ پہرے دار نے گھوڑے سے اتر کر سپاہی کو رسی سے باندھنا شروع کر دیا۔ سپاہی نے گڑگڑاتے ہوئے کہا:

”بھائی مجھے معاف کر دو“۔

پہرے دار نے سپاہی کو طمانچہ مار کر کہا:

”بکواس بند کرو۔ تم قاتل ہو“۔

سپاہی نے اسی طرف دیکھا جدھر اس کے خیال کے مطابق ماریا کو کھڑے ہونا چاہیے تھا۔ وہ خود بھی حیران تھا کہ ماریا اس کی مدد کیوں

نہیں کر رہی؟ اس نے آواز دے کر کہا:

"دیوی بہن، میری مدد کرو۔ یہ لوگ اب مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے"۔

پہرے دار بڑے حیران ہوئے کہ یہ پاگل ہو گیا ہے جو ہوا میں کسی دیوی کو آوازیں دے رہا ہے۔ ایک پہرے دار نے قہقہہ لگا کر کہا:

"بد بخت، تو ہوا میں کس کو مدد کے لیے پکار رہا ہے؟ اب کوئی تمہاری مدد کو نہیں آئے گا"۔

دوسرا پہرے دار بولا:

"یار اس بے چارے کا موت کی خبر سن کر دماغ چل گیا ہے"۔

پھر دونوں قہقہہ مار کر ہنسنے لگے۔ سپاہی نے پھر ماریا کو آواز دی:

"دیوی بہن، تم کہاں ہو؟ میری مدد کرو"۔

اس پر دونوں پہرے داروں نے باری باری سپاہی کو ایک ایک لات ماری۔ وہ بے چارا پہلے ہی رسی میں بندھا ہوا تھا۔ منہ کے بل ریت پر گرا۔ اب ماریا سے نہ رہا گیا۔ اس نے آگے بڑھ کر ایک پہرے دار کی بغل سے نیزہ زور سے کھینچ لیا۔ نیزہ اس کے ہاتھ میں آتے ہی غائب ہو گیا۔ جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ ماریا کی ایک خاص بات یہ تھی کہ اس کے ہاتھ میں جو شے آتی وہ بھی غائب ہو جاتی تھی۔

پہرے دار تو حیران رہ گیا اس کا نیزہ پیچھے سے کس نے کھینچ لیا۔ اس نے سپاہی کی طرف دیکھا کہ کہیں اس نے تو یہ حرکت نہیں کی؟ مگر سپاہی کے دونوں ہاتھ اس کی پیٹھ پر بندھے ہوئے تھے۔ دوسرے

پہرے دار نے کہا:

"تمہارا نیزہ کون لے گیا؟"۔

پہلے نے گھبرا کر کہا:

"معلوم ہوتا ہے یہاں کوئی بھوت آ گیا ہے۔ اس بد بخت نے کسی بھوت کو ہی آواز دی تھی۔ یہاں سے بھاگ چلو۔ مگر پہلے اسے ہلاک کر دو۔ نہیں تو ہماری جان کو خطرہ ہے"۔

سپاہی خوف سے کانپنے لگا۔ کیوں کہ وہ بڑی آسانی سے دوسرے نیزے سے اسے ہلاک کر سکتے تھے اور ایسا ہی ہوا۔ دوسرے پہرے دار نے اپنے نیزے کو اوپر اٹھایا اور پوری طاقت سے گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھے بیٹھے اسے سپاہی کے سینے پر گھونپ دیا۔ ماریا کے نیزہ اس کے ساتھ ہی بلند ہوا اور اس نے پہریدار کے سینے میں پرو دیا۔

دونوں چیخیں ایک ساتھ بلند ہوئیں۔ ایک چیخ پہرے دار کی تھی

اور دوسری سپاہی کی چیخ تھی۔ ماریا نے نیزہ باہر کھینچ لیا۔

دوسرا پہرے دار وہاں سے بھاگنے لگا تو ماریا نے اسے کھینچ کر نیچے گرا دیا۔ وہ گر پڑا۔ ماریا نے نیزہ اس کے سینے میں گھونپ دیا دونوں زمین پر تڑپنے لگے۔ سپاہی بھی تڑپ رہا تھا۔ ماریا اس کے پاس جا کر بیٹھ گئی اور بولی:

"مجھ سے دیر ہو گئی بھائی۔ مجھے معاف کر دینا"۔

سپاہی نے کہا:

"دیوی بہن' اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں۔ میری موت اسی طرح لکھی ہوئی تھی۔ اگر تم کوشش بھی کرتیں تو مجھے بچا نہیں سکتی تھیں۔ قسمت کو یہی منظور تھا۔ اچھا خدا حافظ۔۔۔ میرا کہا سنا بخش دینا"۔

اس کے ساتھ ہی سپاہی دم توڑ گیا۔ دونوں پہریدار ابھی زندہ

تھے۔ وہ بڑے حیران تھے کہ یہ عورت کی آواز کہاں سے آ رہی ہے اور سپاہی کس سے باتیں کر رہا تھا۔ ایک پہریدار نے روتے روتے دوسرے سے کہا۔

"یہاں کوئی چڑیل ہے۔ یہاں کوئی چڑیل ہے"۔

ماریا نے کہا:

"تمہارے لیے میں چڑیل ہی ہوں۔ تم مجھ سے بچ کر اب نہیں جا سکتے۔ میں سپاہی کا بدلہ تم سے ضرور لوں گی"۔

اور ماریا نے ان دونوں کو اسی وقت ختم کر دیا۔

اس کا دل سپاہی کی موت پر بڑا اداس ہو گیا۔ وہ بوجھل قدموں جہاز کی طرف چل پڑی۔ سمندر میں کشتی اسی طرح جھاڑیوں میں چھپی ہوئی تھی۔ ماریا نے کشتی باہر نکالی اور اس میں بیٹھ کر آہستہ آہستہ چپو ہلاتی جہاز کی طرف روانہ ہو گئی۔

جہاز کے لنگر کے پاس اس نے کشتی کھڑی کر دی اور رسی سیڑھی لگا کر اوپر جہاز کے عرشے پر آ گئی۔ یہاں آ کر اس نے محسوس کیا کہ نیچے سیڑھیوں میں سے روشنی اوپر آ رہی ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ کوئی اندر ہے۔

وہ جلدی سے سیڑھی کے دروازے کے پاس آ گئی۔ اس نے دیکھا' نیچے سے روشنی آ رہی تھی اور اب آدمیوں کی باتیں کرنے کی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔ ماریا چپکے سے نیچے آ گئی۔ آخری سیڑھی پر اس نے آ کر دیکھا کہ تین آدمی اس کے کیبن کے اندر بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔

وہ سبھوں نے سپاہیوں کی وردی پہن رکھی تھی۔ ایک کی وردی ان سب سے زیادہ قیمتی تھی۔ دونوں سپاہی کھڑے تھے اور لال وردی والا بیٹھا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا:

"بادشاہ کے حکم سے اس جہاز کی ساری چیزیں یہاں سے لے کر جزیرے پر لے چلو۔ باورچی خانے میں کھانے پینے کی چیزیں کیبن میں گھاس وغیرہ کچھ بھی یہاں نہ چھوڑا جائے۔ بادشاہ نے کہا ہے کہ اس جہاز پر بھوتوں کا بسیرا ہے اور اسے آگ لگا دی جائے گی"۔

یہ سن کر ماریا تو پریشان ہو گئی۔ اس کے لیے یہی ایک رہنے کی جگہ تھی۔ کم بخت یہ لوگ اس سے یہ جہاز بھی چھین رہے تھے۔ اگر اس جہاز کو بھی جلا دیا گیا تو پھر وہ کہاں جائے گی؟ اور پھر اب تک تو یہ امید تھی کہ عنبر اور ناگ جہاز پر واپس آ سکتے ہیں۔ اگر جہاز ہی باقی نہ رہا تو پھر وہ کہاں مل سکے گی۔ پھر تو ملنے کی ایک آخری امید بھی ختم ہو جائے گی۔

ماریا نے فیصلہ کر لیا کہ وہ کسی قیمت پر اس جہاز کو آگ نہیں لگنے دے گی۔ تینوں سپاہی کیبن میں آرام سے باتیں کر رہے تھے۔ ان

کے افسر نے دونوں سپاہیوں سے کہا:

"جو قیمتی قیمتی چیزیں اس وقت اٹھا کر لے جا سکتے ہو لے چلو۔ باقی دن چڑھنے پر لے جائیں گے"۔

اور سپاہیوں نے چیزوں کو اٹھا کر ایک طرف جمع کرنا شروع کر دیا۔ ماریا کو بڑا سخت غصہ آیا۔ اس نے زمین پر پڑی ہوئی لکڑی کی ایک چوکی اٹھائی اور زور سے کیبن کے اندر پھینک دی۔ چوکی کا دھڑام سے اندر گرنا تھا کہ دونوں سپاہیوں کی چیخ نکل گئی۔

"بھوت آگئے' بھاگو"۔

افسر نے ڈانٹ کر کہا:

"کم بختو، ہمت سے کام لو۔ ہم بھوتوں کو بھگا دیں گے"۔

ماریا نے زمین پر سے ایک اور چوکی اٹھا کر زور سے افسر کے سر پر لگی اور وہ لڑکھڑا کر گر پڑا۔ دونوں سپاہی بھاگ کر باہر چلے گئے۔

افسر بھی سیڑھیاں چڑھ کر ان کے پیچھے ہی اوپر بھاگ گیا۔ عرشے پر جاتے ہی سپاہیوں نے سمندر میں چھلانگیں لگا دیں۔

افسر کے ماتھے سے خون بہہ رہا تھا۔ اس نے پیچھے مڑ کر سیڑھیوں کی طرف دیکھا۔ ایک اور چوکی سیڑھیوں میں سے اس کی طرف آئی اور دھم سے زمین پر گر پڑی۔ افسر نے دوسری چوکی کے آنے سے پہلے ہی سمندر میں چھلانگ لگا دی۔

شکنتلا کہاں ہے؟

کالا سانپ آدھی رات کو ناگ دیوتا کی طرف چل پڑا۔

اس جنگل میں ناگ دیوات کی برابر بو آ رہی تھی۔ چاندنی رات میں اسے جنگل کی ایک جھاڑی اور ایک ایک پتا صاف نظر آ رہا تھا۔ ماریا اور سیاہی ابھی ابھی سانپ کو اکیلا چھوڑ کر گئے تھے۔ وہ ناگ دیوتا کو جا کر بتانا چاہتا تھا کہ جس لڑکی کی تلاش میں وہ جنگل میں پھر رہے ہیں۔ وہ جہاز پر واپس چلی گئی ہے۔ سانپ جوں جوں آگے بڑھ رہا

تھا۔ اسے ناگ دیوتا کی بو زیادہ تیز محسوس ہو رہی تھی۔

سانپ نے اس جگہ اپنا پھن اٹھا لیا اور جھومنے اور سیٹی کی آواز نکالنے لگا۔ یہ ایک سلام تھا جو سانپ ناگ دیوتا کے حضور میں جا کر کیا کرتے ہیں۔ ناگ اس وقت عنبر کے قریب ہی جھاڑیوں میں لیٹا ہوا تھا۔ سیٹی کی آواز سن کر وہ ہوشیار ہو گیا۔ اس نے چونک کر عنبر سے کہا:

''بھائی عنبر' وہی سانپ پھر آیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی پیغام لے کر آیا ہے''۔

عنبر بولا:

''اس سے چل کر ملتے ہیں''۔

دونوں اٹھ کر جھاڑیوں میں سے باہر آ گئے۔ سامنے سانپ موجود تھا۔ ناگ نے اسے دیکھ کر پوچھا:

"تم آدھی رات کو کیسے آ گئے؟"۔

سانپ نے ناگ کو جھک کر سلام کیا اور کہا:

"اے ناگ دیوتا' ایک عورت ابھی ابھی ایک شخص کے ساتھ میرے خزانے پر آئی تھی۔ وہ وہاں موجود تھی۔ اس کی بو مجھے محسوس ہو رہی تھی۔ اس کی بو میں سے مجھے آپ کی بو آ رہی تھی۔ مگر وہ مجھے دکھائی نہیں دے رہی تھی"۔

سانپ کے اتنا کہتے پر ناگ اور عنبر چونک پڑے۔

"کہاں ہے وہ عورت؟ وہ ماریا ہے۔ ہماری بہن ماریا۔ کہاں چلی گئی؟ تمہیں معلوم ہے؟"۔

سانپ نے کہا:

"حضور وہ عورت سمندر میں کھڑے کسی جہاز پر واپس جانے کے لیے کہہ رہی تھی"۔

ناگ نے عنبر سے کہا:

"عنبر بھائی، میں نہ کہتا تھا کہ ماریا ضرور جہاز پر موجود ہو گی چلو جلدی چلو۔ اس سے جا کر ملتے ہیں"۔

عنبر اور ناگ سمندر کی طرف چلنے لگے۔ ناگ نے سانپ سے کہا:

"تم خزانے پر جا کر بیٹھ جاؤ اور اس کی حفاظت کرو۔ دیکھنا کوئی بھی شخص خزانے کو وہاں سے نہ لے جائے"۔

سانپ نے جھک کر کہا:

"فکر نہ کریں حضور، کسی کی جرات نہیں ہے کہ آپ کے خزانے کو ہاتھ لگا سکے۔ میں اپنی جان کی بازی لگا کر آپ کی امانت کی حفاظت کروں گا"۔

ناگ بولا:

”شاباش' اب تم واپس جاؤ۔ ہم سمندر میں کھڑے جہاز کی طرف جارہے ہیں“۔

سانپ وہاں سے واپس خزانے والی جگہ کی طرف آ گیا۔ اور نبر اور ناگ جہاز کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہ بڑی تیزی سے جنگل میں سے نکل کر سمندر کے کنارے پر آ گئے۔ چاندنی خوب چٹکی ہوئی تھی، چاند آسمان کے بیچ میں آ کر چمک رہا تھا۔

انہوں نے دیکھا۔ دور ساحل کے ساتھ ان کا جہاز کھڑا تھا۔ وہ جہاز کی طرف چلے تو راستے میں انہیں تین لاشیں دکھائی دیں۔ ان میں سے دو لاشیں تو پہریداروں کی تھیں اور ایک سپاہی کی تھی۔

ناگ نے کہا:

”نہ جانے انہیں کون قتل کر کے یہاں پھینک گیا ہے“۔

عنبر بولا:

”معلوم ہوتا ہے واپسی پر ان سپاہیوں نے ماریا کو گھیر لیا ہوگا۔ اس نے مقابلہ کر کے انہیں ہلاک کر دیا ہے“۔

ناگ بولا:

”مگر ماریا تو انہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔ پھر اسے کیسے گھیر لیا انہوں نے؟“۔

عنبر نے کہا:

”میرا خیال ہے ان میں سے ایک سپاہی ضرور ماریا کے ساتھ ہو گا۔ اسے گرفتار کرنے دو سپاہی آئے ہوں گے۔ ماریا نے حملہ کر کے ان کو ہلاک کر دیا اور ایک سپاہی مقابلے میں مارا گیا ہوگا“۔

اسی طرح وہ باتیں کرتے جہاز کے قریب آ گئے۔ یہاں سے انہوں نے رک کر دیکھا جہاز کے آگے ساحل پر سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔

عنبر نے ناگ سے کہا:

ان لوگوں سے بچ کر جہاز پر پہنچنے کا ایک طریقہ ہے کہ کہیں سے کوئی کشتی مل جائے تو میں سوار ہو کر پیچھے سے جہاز پر پہنچا جائے“۔

ناگ بولا:

”کشتی کہاں سے ملے گی؟ اچھا میں آگے جا کر کشتی لانے کی کوشش کرتا ہوں۔ تم عنبر بھائی اسی جگہ ٹھہرنا۔ میں ابھی کشتی لے کر آتا ہوں“۔

یہ کہہ کر ناگ نے اپنا روپ سانپ کی شکل میں تبدیل کیا اور عنبر کو اسی جگہ چھوڑ کر اس طرف روانہ ہو گیا جہاں کشتیاں کھڑی تھیں۔ یہ

کشتیاں چھوٹی تھیں اور عام طور پر ساحل کے ساتھ ساتھ مچھلیاں پکڑنے کے لیے استعمال ہوتی تھیں۔

سانپ آگے بڑھتا چلا گیا۔ اس نے قریب جا کر دیکھا کہ ایک کشتی سب سے الگ سمندر میں کھڑی تھی۔ وہ رسی کے ساتھ ایک چٹان کے ساتھ بندھی ہوئی تھی۔

ناگ نے آگے بڑھ کر دانتوں سے رسی کو کاٹ دیا اور پھر اچھل کر اس میں سوار ہو گیا۔ کشتی آہستہ آہستہ سمندر کی لہروں پر روانہ ہو گئی۔ کسی نے خیال نہ کیا کہ کشتی آگے نکل گئی ہے۔

سانپ کشتی میں بیٹھا کنارے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جب کشتی کنارے سے آگے نکل گئی تو ناگ نے پھر سے اپنی جون بدل لی۔ وہ پھر سے انسان کی شکل میں آ گیا اور کشتی کو چپوؤں سے کھیتا ہوا اس طرف لے آیا جہاں عنبر اس کی راہ دیکھ رہا تھا۔

کشتی کو رات کی تاریکی میں اس نے چپکے سے کنارے پر لا کر کھڑا کر دیا۔ یہاں چاندنی پھیکی پھیکی تھی۔ پھر اس نے سیٹی بجا کر عنبر کو اپنی طرف بلا لیا۔ عنبر جلدی سے بھاگ کر کشتی میں سوار ہو گیا اور بولا:

"جلدی سے کشتی کو جہاز کی طرف لے چلو"۔

انہوں نے جہاز کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ چپو پانی میں چلتے ہوئے رات کی خاموشی میں آواز پیدا کر رہے تھے۔ ناگ نے عنبر کے کہنے پر چپو اٹھا کر کشتی میں رکھ لیے اور ہاتھوں کی مدد سے کشتی کو جہاز کی طرف دھکیلنا شروع کر دیا۔

تھوڑی سی جدوجہد کے بعد ان کی کشتی جہاز کی پچھلی طرف آ گئی۔ کشتی کو چپکے سے جہاز کے پیچھے لٹکتے ہوئے رسے سے باندھ کر عنبر اور ناگ لنگر کی مدد سے جہاز کے اوپر چڑھ گئے۔

جہاز کے عرشے پر پہنچ کر انہوں نے اطمینان کا سانس لیا اور
بڑے غور سے اندھیرے میں آس پاس دیکھا۔عرشہ ویران پڑا تھا۔

ناگ نے کہا:

”نیچے چلتے ہیں“۔

وہ سیڑھیاں اتر کر نیچے آ گئے۔یہاں ایک کیبن میں روشنی ہو رہی
تھی۔ناگ نے آواز دی:

”ماریا بہن؟“۔

اچانک ماریا نے آواز دی:

”ناگ بھائی؟“۔

ناگ اور عنبر لپک کر اندر چلے گئے۔ ماریا نے جب دیکھا کہ عنبر
بھی ساتھ ہے تو اس کی خوشی دگنی ہو گئی۔ عنبر نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ
کر اسے پیار کیا۔ ناگ نے بھی ماریا بہن کے ماتھے کو چوم کر پیار کیا۔

ماریا نے کہا:

"آپ لوگ کہاں چلے گئے تھے۔ میں تو اکیلی جہاز پر بیٹھی بیٹھی
سخت پریشان ہو گئی۔ ان لوگوں نے جہاز پر قبضہ کر لیا۔ پھر سپاہی خزانہ
یہاں سے اٹھا کر لے گئے۔ سخت مشکل میں پڑ گئی تھی میں تو۔۔۔
تمہیں کیسے پتہ چلا کہ میں اس جگہ ہوں؟"۔

ناگ نے کہا:

جس سانپ نے تمہارے پاس آ کر تمہیں سلامی دی تھی اور جسے تم
نے میرا نام لے کر پکارا تھا اسی نے تمہارے آنے جانے کے بعد
میرے پاس آ کر اطلاع دی کہ تم ابھی خزانے کے پاس سے ہو

کر کسی آدمی کے ساتھ واپس جہاز پر گئی ہو۔

تم سانپ کی باتیں نہیں سمجھ سکیں۔ مگر سانپ نے تمہاری ساری
باتیں سن لی تھیں اور پھر مجھے ایک ایک لفظ واپس آ کر سنا دیا۔ اس
وقت میں اور عنبر وہاں سے تمہاری تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ یہ
بتاؤ کہ وہ آدمی کہاں ہے جو تمہارے ساتھ تھا؟۔

ماریا نے سپاہی کی ساری کہانی سنا ڈالی۔

عنبر نے کہا:

"اب حالات یہ ہیں کہ سارا خزانہ جنگل میں دبا ہوا ہے۔ اس
خزانے اس جہاز پر لا کر رکھنا ہے۔ دوسرا کام یہ ہے کہ شکنتلا کو تلاش کر
کے واپس لانا ہے۔ اس کے بعد ہی ہم یہاں سے کوچ کر سکیں گے"۔

ماریا نے پوچھا:

"کیا شکنتلا کا کوئی سراغ ملا؟"

عنبر بولا:

"سراغ صرف اس قدر مل سکا ہے کہ شکنتلا سمگلروں کے بادشاہ
کے محل سے بھی بھاگ چکی ہے۔ وہ شاہی محل میں نہیں ہے۔ وہ
تمہارے پاس جہاز میں بھی نہیں آئی۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ وہ
جنگل میں کسی جگہ چھپی ہوئی ہے۔ ہم دو دن سے جنگل میں اسے تلاش
کرتے پھر رہے ہیں۔ ہمیں وہ کہیں نظر نہیں آئی۔ ہم خود سمگلروں
کے بادشاہ کی قید سے نکل کر بھاگے ہیں"۔

ماریا بولی:

"اب شکنتلا کو کہاں سے تلاش کیا جائے؟"۔

عنبر نے کہا۔

"شکنتلا کو ہم تلاش کر لیں گے۔ وہ ضرور مل جائے گی۔ سب سے
پہلے ہمیں جنگل میں سے خزانے کو کسی طرح لا کر اس جہاز پر لادنا

ہے۔ تاکہ جب شکنتلا اچانک مل جائے تو ہم اسی وقت اس جزیرے
سے کوچ کر جائیں"۔

ماریا نے کہا:

"بات بڑی معقول ہے لیکن شکنتلا کو کس جگہ تلاش کیا جائے؟
جنگل میں اگر وہ نہیں ہے تو پھر کس جگہ پر ہوگی؟"۔

عنبر نے کہا:

"میرا اپنا خیال ہے کہ اسے ضرور کسی شخص نے اپنے گھر میں پناہ
دے رکھی ہے۔

اس قسم کا آدمی کوئی بوڑھا ملاح ہی ہو سکتا ہے۔ کیوں کہ اس
جزیرے میں میں نے کسی جوان ملاح کو رحم دل نہیں دیکھا۔ یہاں رحم
دل صرف کوئی بوڑھا ملاح ہی ہو سکتا ہے۔

یہ جزیرے والے بھی بوڑھوں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتے؛

چنانچہ خیال یہی ہے کہ شکنتلا نے کسی بوڑھے کو اپنی دردناک کہانی سنا
ئی ہوگی۔ اس کے دل میں رحم آ گیا ہوگا اور شکنتلا کو اس نے پناہ دے
دی ہوگی۔

ناگ نے کہا:

"میں تمہارے خیال کی تائید کرتا ہوں۔ ہمیں جنگل کے ساتھ
ساتھ سمندری ساحل پر ایسے ملاحوں کو دیکھنا چاہیے جو بوڑھے ہوں
اور جھونپڑیوں میں جال مرمت کرنے پر ہی زندگی بسر کر رہے
ہوں"۔

ماریا بولی:

"یہ کام تو میں خود بڑی آسانی سے کر سکتی ہوں۔ مجھے تو کوئی نہیں
دیکھ سکتا۔ میں سمندر کے کنارے کنارے کی ایک ایک جھونپڑی میں

جھانک کر دیکھ لوں گی کہ شگفتا کہاں ہے؟ عنبر بھائی، تم صرف مجھے
اس کا حلیہ بتا دو کہ کیسا ہے۔ پھر میں اسے ضرور کسی نہ کسی جگہ ڈھونڈ
لوں گی"۔

عنبر نے کہا:

"وہ سیاہ آنکھوں والی ایک لمبے قد کی بڑی خوش شکل عورت
ہے۔ جس کے چہرے سے وقار اور حیا ٹپکتی ہے۔ تم اسے ایک ہی نظر
میں پہچان لو گی۔ اگر پورا یقین کرنا چاہو تو اسے کہنا کہ تم عنبر کی بہن
ہو اور تمہیں عنبر نے اس کے پاس بھیجا ہے۔ وہ خود ہی تمہیں بتا دے گی
کہ میں شگفتا ہوں اور مجھے خدا کے لیے میرے بھائی کے پاس لے
چلو۔۔۔ ٹھیک ہے ناں؟"۔

ماریا نے کہا:

"بالکل ٹھیک ہے۔ تم لوگ اسی جہاز پر ٹھہرو۔ میں صبح ہوتے ہی

یہاں سے نکل جاؤں گی اور میرے خدا نے چاہا تو ایک ہی دن کے
اندر اندر شگفتا بہن کو تلاش کر کے اسے اپنے ساتھ لے کر آؤں گی"۔

ناگ نے کہا:

"ماریا بہن! اگر تم یہ کام کر سکو تو ہم دونوں تمہارے بڑے شکر گزار
ہوں گے۔ لیکن اپنی حفاظت بھی ساتھ ساتھ ہی کرنا۔ کیوں کہ ان
سپاہیوں کا کوئی بھروسہ نہیں کہ وہ یوں ہی وقت بے وقت کوئی تلوار چلا
دیں اور اپنے ساتھ ہمیں بھی لے ڈوبیں"۔

ماریا نے کہا:

"گھبراؤ نہیں ناگ بھائی، تم لوگوں کی طرح میں بھی اپنا بچاؤ کرنا
خوب جانتی ہوں۔ میں صبح ہونے سے پہلے پہلے یہاں سے نکل
جاؤں گی اور شگفتا کا پتہ چلا کر ہی یہاں آؤں گی"۔

باقی رات انہوں نے باتیں کرتے میں ہی نکال دی۔ صبح ہونے

والی تھی کہ ماریا کشتی میں سوار ہو کر کنارے کی طرف چلی گئی۔ کنارے پر جا کر اس نے کشتی کو ساحل پر ایک جھاڑی میں چھپا کر رکھ دیا۔ اور خود کنارے کنارے سمندر سے دور نکل گئی۔

عنبر اور ناگ جہاز کے عرشے پر کھڑے اسے دور جاتی دیکھتے رہے۔ جب وہ ساحل کے درختوں میں گم ہو گئی تو وہ واپس کیبن میں آ کر لیٹ گئے۔ انہوں نے کیبن کا دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

عنبر نے کہا۔

"یار ناگ' ماریا تو دکھائی نہیں دیتی تھی۔ مگر ہم تو سب کو نظر آ جاتے ہیں۔ اگر کوئی سپاہی یہاں آیا تو مجبوراً اس سے مقابلہ کر کے اسے قتل کر دینا پڑے گا۔ اس لیے ہمیں ہوشیار رہنا چاہیے۔ کہیں تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچ جائے"۔

ناگ نے کہا:

"عنبر بھائی، جب کوئی سپاہی یہاں آئے گا تو دیکھا جائے گا۔ ویسے تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ یہاں آیا ہوا سپاہی ماریا کے ہاتھ سے بچ کر نکل جاتا تھا مگر میرے ہاتھ سے کبھی بچ کر نہیں جائے گا۔ یہ سپاہی بڑے ظالم ہیں۔ انہوں نے بے شمار لوگوں کو موت کی نیند سلایا ہے۔ اب ہمیں کچھ دیر آرام کرنا چاہیے"۔

تھوڑی دیر باتیں کرنے کے بعد دونوں سو گئے۔

صبح ہو گئی تھی۔ سورج نکل آیا تھا۔ دن کی روشنی چاروں طرف جزیرے پر پھیل چکی تھی۔ ماریا ساحل کے ساتھ ساتھ چلی جا رہی تھی۔ راستے میں چھ سات جھونپڑیاں آئیں اس نے اندر جھانک کر دیکھا۔ اسے وہاں کوئی سیاہ آنکھوں اور باوقار چہرے والی عورت نظر نہ آئی۔

کوئی بوڑھا بھی دکھائی نہ دیا۔ ماریا آگے ہی آگے چلتی چلی گئی۔

ایک جگہ اس نے جھونپڑی کے باہر ایک بوڑھے کو دیکھا کہ بیٹھا اپنی پھٹی ہوئی صدری سی رہا ہے۔ ماریا اس کے قریب جا کر کھڑی ہو گئی اور بولی:

"بابا" کیا یہاں تم نے کسی شکنتلا کو بھی چھپا رکھا ہے؟"۔

بوڑھے نے چونک کر دیکھا کہ یہ آواز کہاں سے آ رہی ہے۔

ماریا نے اپنا سوال پھر دہرایا تو بوڑھا چیخ مار کر بے ہوش ہو گیا۔ ماریا سمجھ گئی کہ اتنا بزدل اور ڈرپوک بوڑھا شکنتلا جیسی دلیر عورت کو چھپانے کی جرات نہیں کر سکتا۔ وہ اس جھونپڑی کو پیچھے چھوڑ کر آگے نکل گئی۔

اس نے ساحل کے ساتھ ساتھ تقریباً ہر جھونپڑی کے اندر جھانک کر دیکھ لیا۔ اسے شکنتلا کے حلیے کی ایک بھی عورت دکھائی نہ دی۔ وہ شام تک وہاں در بدر ماری ماری پھرتی رہی۔ اسے شکنتلا نہ مل

سکی۔

کشتی پر سوار ہو کر وہ جہاز پر پہنچی۔ عنبر اور ناگ کو جا کر اس نے بتایا کہ شکنتلا کا کہیں سراغ نہیں ملا۔ لیکن اس نے حوصلہ نہیں ہارا۔ کل صبح وہ جزیرے کے جنوب مشرقی ساحل کی طرف جائے گی۔ شکنتلا اس طرف ضرور چلی گئی ہو گی۔ یہ کل معلوم ہو جائے گا۔

رات کو تھکی ہاری تھی جلد ہی سو گئی۔ اگلے روز عنبر اور ناگ کو اسی جگہ چھوڑ کر وہ اکیلی جنگل میں شکنتلا کو تلاش کرتے نکل آئی۔

جنگل سے وہ جلدی سے باہر نکلنا چاہتی تھی؛ چنانچہ وہ ایک طرف سے باہر سمندر کے کنارے پر آ گئی۔ یہاں کوئی بھی انسان نہیں تھا۔ سمندر کا یہ ساحل بالکل ویران تھا۔

☆ ماریا نے شگنتالا کو تلاش کر لیا؟

☆ کیا باد بانی جہاز کو بادشاہ نے آگ لگوا دی؟

☆ عنبر، ناگ، ماریا اور شگنتالا جہاز پر کیسے پہنچے؟

☆ ان کا ہندوستان کا سفر کیسا رہا؟

☆ یہ سب کچھ اسی ناول کی اگلی یعنی 40 ویں قسط

''خونی پل'' میں پڑھیے

خونی پل
عنبر ناگ ماریا۔ قسط نمبر 40
اے حمید

فہرست

پیارے بچو!

آپ نے یہاں تک کہانی پڑی ہے کہ شکنتلا جزیرے کے کنارے مشرق کی جانب ایک چٹان کی کھوہ میں سارنگ کی پناہ میں ہے۔ عنبر اور ناگ اس کی تلاش میں جزیرے میں آ گئے ہیں۔ ان کا جہاز سمندر میں کھڑا ہے۔

ماریا اس جہاز کی حفاظت کر رہی ہے۔ ادھر سمگلروں کا بادشاہ بھی شکنتلا کی تلاش میں ہے۔ آخر اسے دور سے جہاز نظر آتا ہے۔ وہ اپنے ساتھیوں کو حکم دیتا ہے کہ جہاز کو لوٹ کر آگ لگا دی جائے۔ ڈاکو جہاز کو لوٹنے آتے ہیں۔

ماریا وہاں موجود ہے مگر وہ کسی کو دکھائی نہیں دیتی۔ وہ ایک ڈاکو کی تلوار چھین کر اس کی گردن اڑا دیتی ہے۔ دوسرے ڈاکو حیران ہیں کہ یہ اپنے آپ تلوار کیسے ہوا میں بلند ہوئی۔

ماریا دوسرے ڈاکو کو بھی ہلاک کر دیتی ہے۔ باقی ڈاکو ڈر کر بھاگتے ہیں۔ ماریا ان کا پیچھا کر کے انہیں چن چن کر قتل کر دیتی ہے۔

دوسری طرف سارنگ اپنے ساتھ عنبر اور ناگ کو لے کر سمگلروں کے محل کی طرف جاتا ہے۔

ماریا جہاز پر بیٹھے بیٹھے گھبرا جاتی ہے اور جہاز سے اتر کر کشتی میں سوار ہوتی ہے اور جزیرے پر آ جاتی ہے۔ وہ شکنتلا کو تلاش کرنا شروع کر دیتی ہے۔ اب آپ خود پڑھیں۔

بے رحم سمندر

ماریا جہاز چھوڑ کر جنگل میں نکل گئی۔

وہ جزیرے کے مشرقی ساحل کی طرف چل پھر رہی تھی۔ اسے شکنتلا کی تلاش تھی جو کہ جزیرے کے جنوبی ساحل پر سارنگ بابا کی پناہ میں تھی اور نیلی چٹان کی کھوہ میں چھپی ہوئی تھی۔ سارنگ بابا اس تلاش میں تھا کہ کہیں سے کوئی ایسا سبب بن جائے کہ اسے ایک پختہ سی کشتی مل جائے جس میں وہ شکنتلا کو سوار کروا کر جزیرے سے ہندوستان کی طرف روانہ کر دے۔

نہ تو اسے اب تک کوئی ایسی کشتی ملی تھی اور نہ وہ کسی معمولی سی کشتی

پر شکنتلا کو بے یار و مددگار اتنے بڑے سمندر کے حوالے کر سکتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ شکنتلا ایک عرصے سے سارنگ بابا کی کھوہ میں ہی رہ رہی تھی۔

شکنتلا نے کئی بار سارنگ بابا سے کہا کہ وہ اکیلی ہی کشتی میں سوار ہو کر چلی جائے گی۔ مگر بابا نے شکنتلا کو سمندر کی بے رحم لہروں کے حوالے کرنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ ہمیشہ اسے یہی کہتا۔

”شکنتلا بیٹی! مجھے جس وقت موقع مل گیا، میں اسی وقت تمہیں ہندوستان کی طرف روانہ کر دوں گا۔ کم بخت کوئی تجارتی جہاز بھی تو ادھر نہیں آیا“۔

شکنتلا اپنے بچوں کے لیے بڑی اداس تھی۔ ایک مدت سے وہ اپنے بچوں اور بچوں کے باپ سے جدا تھی۔ اسے اپنا گھر یاد آتا تھا۔ اپنا خاوند یاد آتا۔ اپنا بچہ یاد آتا۔ عنبر یاد آتا۔ کاش عنبر بھائی ہی اس

کے پاس ہوتا۔

پھر وہ اتنی مشکل میں نہ پھنستی۔ عنبر بھائی ضرور اسے جزیرے سے نکال دیتا۔ اس بے چاری کو کیا معلوم تھا کہ عنبر تو اسی جزیرے کے ساحل پر اپنے بادبانی جہاز پر ناگ کے ساتھ موجود ہے۔

وقت گزرتا جا رہا تھا وہ بے حد غمگین رہنے لگی تھی۔ ایک روز اس نے بابا سے کہا:

”بابا! میں اب یہاں رہتے رہتے تنگ آ گئی ہوں۔ اگر تم میرے لیے کوئی بندوبست کر نہیں سکتے تو میں خود یہاں سے کسی کشتی میں سوار ہو کر نکل جاتی ہوں۔ خدا کہیں نہ کہیں مجھے ضرور پہنچا دے گا“۔

بابا کہنے لگا:

”بیٹی! یہ سمندر بڑا خطرناک ہے۔ یہاں طوفان آتے رہتے ہیں اور اب موسم بھی طوفان کا شروع ہونے والا ہے۔ تم اکیلی لڑکی ایک

معمولی سی کشتی میں کہاں تک سفر کرسکوگی؟ سمندر کی ظالم موجیں تمہیں
زندہ نہیں چھوڑیں گی''۔

شگفتانے کہا:

''لیکن بابا' آخر میں کب تک یہاں پڑی رہوں گی؟''۔

بابا نے کہا۔

بیٹی' یہ تمہارا ہی گھر ہے۔ کاش میں کوئی دولت مند شخص ہوتا تو
تمہارے لیے ایک شاندار جہاز خرید کر خود تمہیں تمہارے گھر چھوڑ کر
آتا مگر میں ایک غریب ماہی گیر ہوں۔

میں تمہاری اتنی ہی مدد کرسکتا ہوں کہ تمہیں یہاں اپنی پناہ
میں رکھوں اور تمہاری حفاظت کرتے ہوئے اپنی جان بھی قربان کر
دوں۔

شگفتانے کہا:

''بابا' تم جو کہتے ہو کہ ایک پراسرار جہاز کئی روز سے جزیرے
کے ساحل پر کھڑا ہے، یہ کس کا جہاز ہے۔ کیا اس جہاز میں مجھے جگہ
نہیں مل سکتی؟''۔

بوڑھے ملاح نے کہا:

''بیٹی' یہ جہاز سمگلروں کے بادشاہ نے اپنے قبضے میں کر رکھا ہے۔
کہتے ہیں کہ یہ کسی بہت بڑے ڈاکو کا ویران جہاز ہے' جس پر بھوتوں
نے قبضہ کر رکھا ہے۔ ابھی تک جو سپاہی بھی جہاز پر گیا ہے' واپس نہیں
آسکا''۔

شگفتانے کہا:

''کیا تم مجھے اس جہاز پر لے جاسکتے ہو؟''۔

''بیٹی' تمہارے ہوش تو ٹھکانے ہیں؟ تم جن بھوتوں کے جہاز پر
جا کیا کروگی؟ وہ تو ایک آسیب والا جہاز ہے۔ وہاں تو کوئی نہیں جاتا

اور پھر سنا ہے کہ آج یا کل بادشاہ کے حکم سے اس جہاز کو آگ لگا دی جائے گی"۔

شکنتلا خاموش ہوگئی۔

اس نے اپنے دل میں دھار لی کہ وہ جہاز پر ضرور جائے گی۔ نہ جانے کیوں اسے وہم سا ہوگیا تھا کہ جہاز پر جانے سے اسے اپنے بھائی عنبر کا سراغ مل جائے گا؛ چنانچہ جس روز ماریا صبح کے وقت جنگل میں شکنتلا کو تلاش کرتی پھر رہی تھی۔

اسی روز شکنتلا چپکے سے اپنی کھوہ میں سے نکل کر جہاز کی طرف روانہ ہوگئی۔

ادھر ناگ اور عنبر نے جب دیکھا کہ ماریا جزیرے پر اتر گئی ہے۔ تو وہ کچھ پریشان سے ہوئے۔ پھر انہیں خیال آیا کہ ماریا بڑی عقل مند عورت ہے۔ وہ جہاز پر ضرور واپس آ جائے گی۔

وہ جہاز کے عرشے پر آ کر جنگلے کے پیچھے چھپ کر لیٹ گئے۔ اور ساحل کی طرف دیکھنے لگے۔ ساحل پر سمگلروں کے بادشاہ کے سپاہی نمودار ہوئے۔ یہ سپاہی جہاز پر سے سارا مال اسباب نکال کر جہاز کو آگ لگانے کے لیے آئے تھے۔

عنبر نے ناگ کی طرف اور ناگ نے عنبر کی طرف دیکھا۔ عنبر نے کہا:

"ناگ بھائی، میرا خیال ہے' یہ لوگ جہاز لوٹنے آ رہے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ جہاز کا سارا خزانہ اپنے قبضے میں کرنا چاہتے

ہیں جس پر ان کا کوئی حق نہیں ہے"۔

ناگ نے کہا:

"فکر نہ کرو عنبر بھائی' ان کو اس کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ میں ان کو ایسا سبق سکھاؤں گا کہ انہیں اپنی نانی یاد آ جائے گی"۔

عنبر نے کہا:

"مگر بھائی تم زیادہ سے زیادہ دو یا تین سپاہیوں کو کاٹ کر مار سکو گے۔ باقی سپاہیوں کو کون روکے گا؟ اور پھر اس میں یہ بھی خطرہ ہے کہ کوئی سپاہی تلوار مار کر تمہارے ہی دو ٹکڑے نہ کر دے"۔

ناگ ہنسا:

"عنبر بھائی، میں اتنا بے وقوف نہیں ہوں۔ سنو میں اس دفعہ خود نہیں ڈسوں گا بلکہ اپنے نوکروں کو بلاؤں گا"۔

عنبر نے پوچھا:

"نوکر؟ کیا مطلب؟ تمہارے نوکر کون لوگ ہیں؟"۔

ناگ نے کہا:

"میرے نوکر وہ چھوٹے چھوٹے زہریلے سانپ ہیں جو ان سپاہیوں کو ہلاک کرنے کا کام کریں گے۔ تم اپنی آنکھوں سے ان ڈاکوؤں کا انجام دیکھ لینا"۔

اتنے میں سپاہی جہاز کے قریب آ گئے۔ وہ سیڑھی لگا کر جہاز پر چڑھنے لگے۔ عنبر اور ناگ لپٹے ہوئے بادبانوں کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گئے۔ سپاہی اب عرشے کے تختے پر قطار بنا کر کھڑے ہو گئے ان کے سردار نے آگے بڑھ کر کہا:

سپاہیو' اس جہاز کے تہہ خانے میں ایک بڑا قیمتی خزانہ پڑا ہے۔ بادشاہ کا حکم ہے کہ اس خزانے کو یہاں سے نکال کر شاہی محل میں پہنچا دیا جائے۔

سپاہیوں نے ایک آواز ہو کر کہا:

''جو حکم سرکار‘ ہم ابھی سارا خزانہ اور سارا سامان اس جہاز پر سے اٹھا کر شاہی محل میں پہنچا دیتے ہیں‘‘۔

عنبر اور ناگ ایک جگہ چھپے بیٹھے سپاہیوں کی باتیں غور سے سن رہے تھے۔ عنبر نے سرگوشی سے کہا:

''ناگ‘ یہ لوگ خزانہ لینے اب نیچے جا رہے ہیں۔ تمہیں جو کچھ کرنا ہے جلدی سے کرلو۔ نہیں تو وقت گزر جائے گا اور پھر ہم کچھ نہ کر سکیں گے‘‘۔

ناگ بولا:

''تم بے فکر رہو بھائی عنبر‘ ذرا ان کو سیڑھیوں پاس آ جانے دو‘‘۔

سپاہی اب سیڑھیوں کے پاس آ گئے تھے۔

اب ناگ نے عنبر سے کہا:

''عنبر بھائی تم سامنے نکل کر ان لوگوں کو جا کر جہاز کو لوٹنے سے منع کرو۔ یہ ہمارا فرض ہے کہ انہیں پہلے خبردار کر دیں تاکہ بعد میں ہم پر کوئی الزام نہ آئے‘‘۔

عنبر سپاہیوں کے سامنے آ گیا۔ سپاہی اچانک ایک نوجوان کو بادبانوں کے پیچھے سے نکل کر سامنے آتے دیکھ کر ٹھٹھک سے گئے۔ سپاہیوں کے کپتان نے آگے بڑھ کر عنبر کو بڑی حقارت سے دیکھا اور اسے کندھے سے پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے کہا:

''کون ہو تم اور یہاں کیا کر رہے ہو؟‘‘۔

عنبر نے کہا:

''کپتان، میں اس جہاز کا مالک ہوں۔ میں یہاں تمہیں اور تمہارے سپاہیوں کو خبردار کرنے آیا ہوں کہ اس جہاز کو لوٹنے کا خیال اپنے دل سے نکال دو‘‘۔

کپتان اور سارے سپاہی کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

"ارے تم ایک معمولی سے لڑکی ہو کر اتنی بڑی بات کر رہے ہو؟ تم کون ہو ہمیں اپنے فرض کو پورا کرنے سے روکنے والے؟"۔

عنبر نے کہا:

"میں اس جہاز کا مالک ہوں۔ کپتان ہوں۔ اگر تم لوگوں نے اپنا ارادہ نہ بدلا تو تم سب لوگوں کی جان خطرے میں پڑ جائے گی۔ بلکہ میں صاف صاف کہوں گا کہ تمہیں ہلاک کر دیا جائے گا"۔

اتنا سننا تھا کہ سپاہیوں نے عنبر کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ کپتان کو بھی سخت غصہ آ گیا کہ اتنا سا لونڈا اور جزیرے کے بادشاہ کی فوج کو دھمکی دے رہا ہے۔ دو ایک سپاہی تو عنبر کو مارنے کے لیے تلواریں کھینچ کر آگے بڑھے مگر کپتان نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں روک دیا۔

"تمہارا نام کیا ہے اے بدنصیب نوجوان، کیوں کہ اب تم ہماری تلواروں سے بچ کر کہیں نہیں جا سکتے۔ کیوں کہ اس جہاز پر بادشاہ کا قبضہ ہے اور جو کوئی بادشاہ کے علاوہ اس کا مالک بنے گا اسے قتل کر دیا جائے گا"۔

عنبر مسکرا کر بولا:

"میرا نام عنبر دیو ہے۔ میں بھوت ہوں۔ اس جہاز کا بھوت ہوں اور تم میں سے ایک سپاہی کو زندہ نہیں چھوڑوں گا"۔

اب تو کپتان کا غصہ ہنسی میں بدل گیا کہ یہ ایک معمولی سا لڑکا کیسی باتیں کر رہا ہے۔ وہ خوب دل کھول کر ہنسا۔

"پاگل نوجوان' ہم اس جہاز سے سارا مال و دولت نیچے اتار کر اسے آگ لگانے آئے ہیں۔ ہماری خواہش تھی کہ کاش اس جہاز پر کوئی قیدی بھی ہوتا جسے ہم آگ میں زندہ جلا کر اس کا تماشہ دیکھتے۔

دیوتاؤں کا شکریہ کہ انہوں نے ہماری خواہش پوری کی اور تمہیں یہاں بھیج دیا۔۔۔اب اس جہاز کے ساتھ تم بھی شعلوں کے حوالے کر دیے جاؤ گے"۔

پھر کپتان نے سپاہیوں کی طرف اشارہ کر کے کہا:

"سپاہیو' آگے بڑھ کر اپنا کام شروع کر دو"۔

دو سپاہی آگے بڑھے:

"جو حکم سرکار"۔

ان کے ساتھ ہی چار اور سپاہی آگے بڑھے اور خزانے کو اٹھا کر نیچے لے جانے کے لیے نیچے سیڑھیوں میں آ گے آ گئے۔ وہ سیڑھیاں اتر کر نیچے خزانے والے کیبن میں جانا چاہتے تھے۔ عنبر گرج کر کہا:

"بدبختو' معلوم ہو گیا کہ تمہاری موت آ چکی ہے۔ میں چاہتا تھا کہ تم زندہ رہتے اور یہاں سے چلے جاتے مگر تم خود اپنی موت کو

آوازیں دے دے کر بلا رہے ہو کہ اے موت آ جا اور ہمیں اپنے ساتھ لے جا"۔

کپتان نے غصے میں آ کر بائیں ہاتھ میں تھاما ہوا نیزہ اوپر اٹھایا اور زور سے عنبر کے سینے میں گھونپ دیا۔ عنبر نیزہ لگنے کے دھچکے سے ذرا سا جھک گیا۔ سپاہی خوشی سے چیخ اٹھے۔

"وہ مارا ایک دشمن"۔

کپتان نے بڑی شان سے عنبر کے سینے میں سے ایک ہی جھٹکے سے نیزہ باہر کھینچ لیا۔ قدرتی طور پر عنبر کو تڑپ کر زمین پر گرنا اور گرتے ہی مر جانا چاہیے تھا۔ کیوں کہ آدھا نیزہ اس کے دل کو دو ٹکڑے کرتا ہوا دوسری طرف سے باہر نکل گیا تھا۔

مگر ایسا نہ ہوا۔ سپاہی اور کپتان حیرانی سے تکنے لگے۔ کپتان نے دوسری بار غصے میں آ کر پوری طاقت سے عنبر کے سینے میں نیزہ

مارا۔ یہ نیزہ بھی عنبر کے سینے سے آر پار ہو گیا۔ کپتان نے نیزہ زور سے کھینچ لیا، لیکن عنبر اپنی جگہ پر کھڑا مسکراتا رہا۔ پھر اس نے کپتان کے ہاتھ سے نیزہ چھین کر اسے توڑ کر عرشے پر پھینک دیا اور بولا:

"اب بھی وقت ہے، یہاں سے بھاگ جاؤ۔ نہیں تو تم سب کی لاشیں یہاں تڑپ رہی ہوں گی"۔

کپتان خوف زدہ ہو کر پیچھے ہٹ گیا، لیکن ایک سپاہی کی جو کم بختی آئی وہ تلوار لے کر للکارتا ہوا آگے بڑھا اور اس زور سے عنبر کے سر پر تلوار ماری کہ عنبر کے سر سے ٹکرا کر تلوار ٹوٹ کر دو ٹکڑے ہو گئے۔ سارے سپاہی دہشت زدہ ہو گئے۔ ان کا خیال تھا کہ عنبر کے سر کے دو ٹکڑے ہونے چاہئیں تھے مگر تلوار کے دو ٹکڑے ہو گئے۔

اب عنبر کو بھی طیش آ گیا۔ اس نے آگے بڑھ کر اس سپاہی کو گردن سے پکڑ کر آگے کھینچا۔ اسے دونوں ہاتھوں سے اوپر اٹھایا اور اپنے

گھٹنے پر مار کر لکڑی کے ڈنڈے کی طرح دو ٹکڑے کر دیا۔ یہ دیکھ کر کپتان اور باقی سپاہی چیخیں مار کر وہاں سے بھاگ گئے۔

انہوں نے عرشے کے اوپر ہی سے سمندر میں چھلانگیں لگا دیں۔

عنبر نے سپاہی کی لاش کو بھی سمندر میں پھینک دیا۔ وہ ناگ کے پاس آیا تو ناگ نے مسکرا کر کہا:

''بھائی، تم نے خود ہی ان کو بھگا دیا۔ میری باری ہی نہیں آنے دی؟''۔

عنبر بولا:

''میں نے سوچا تمہیں اور تمہارے نوکر سانپوں کو کیوں تکلیف دوں۔ جو کام میں خود کر سکتا ہوں وہ میں خود ہی کر لوں تو اچھا ہے''۔

ناگ نے کہا:

''میرا خیال ہے کہ اب یہ لوگ یہاں نہیں آئیں گے''۔

عنبر بولا:

''ہاں، اب کوئی بھی اس جہاز کے قریب نہیں آئے گا۔ لیکن ماریا کہاں ہے؟ اسے اکیلی جہاز سے نہیں جانا چاہیے تھا۔ کہیں وہ کسی مصیبت میں گرفتار نہ ہو جائے''۔

ناگ نے کہا:

''میرا خیال ہے ہمیں اس کی تلاش میں نکلنا چاہیے''۔

عنبر بولا:

''چلو چل کر اسے جزیرے میں تلاش کرتے ہیں''۔

عنبر اور ناگ جہاز پر سے اتر کر نیچے آ گئے اور انہوں نے ساحل کے ساتھ ساتھ اس طرف چلنا شروع کر دیا جس طرف ماریا گئی تھی۔

اب ذرا ماریا کی بھی خبر لیں۔ وہ جنگل میں چلی جا رہی تھی کہ ایک جگہ اسے ایک آدمی لکڑیاں کاٹتا نظر آیا۔ اس نے قریب جا کر اس لکڑ

ہارے سے پوچھا:

”کیوں بھائی، تم نے یہاں کسی لڑکی کو دیکھا ہے جس کی شکل ہندوستان میں رہنے والی لڑکیوں کی سی ہے؟“۔

لکڑ ہارے نے جب دیکھا کہ اسے آواز تو آ رہی ہے مگر عورت کی شکل دکھائی نہیں دے رہی تو وہ ڈر کر بھوت بھوت کہتا جنگل میں بھاگ کر گم ہو گیا۔ اب ماریا کو خیال آیا کہ وہ تو غائب ہے اس لکڑ ہارے سے بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔ وہ جنگل سے واپس جہاز کی طرف روانہ ہو گئی۔ راستے میں اسے ناگ اور عنبر اپنی طرف آتے دکھائی دیے۔

ماریا نے قریب پہنچ کر کہا:

”میرے بھائیو، تم کس کی تلاش میں پھر رہے ہو؟“۔

ناگ اور عنبر نے ماریا کی آواز سنی تو بولے:

”خدا کا شکر ہے کہ تم ہمیں مل گئیں۔ واپس چلو بہن۔ اس جنگل میں اس طرح پھرنا مناسب نہیں“۔

ماریا بولی۔

”مگر میں تو شکنتلا کو تلاش کر رہی تھی“۔

عنبر نے کہا:

”وہ اس طرح کہاں ملے گی؟ آؤ واپس جہاز پر چلتے ہیں“۔

ماریا، عنبر اور ناگ جہاز کی سمت چل پڑے۔ جہاز پر آ کر وہ آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ انہیں کب تک شکنتلا کی راہ دیکھنی چاہیے اور اسے کہاں جا کر آخر بار تلاش کرنا چاہیے؟

جاسوس لکڑ ہارا

شکنتلا سارنگ سے چھپ کر جہاز کی طرف آ رہی تھی۔

اس نے بہت بڑی بے وقوفی کی تھی۔ اسے اس طرح غار سے نکل کر اکیلی جنگل میں نہیں آنا چاہیے تھا مگر اسے کیا خبر تھی کہ سمگلروں کے بادشاہ کو جب سے معلوم ہوا تھا کہ شکنتلا جزیرے میں ہی کسی جگہ چھپی ہوئی ہے، اس نے اپنے خاص جاسوس چپے چپے پر چھوڑ رکھے تھے۔ وہ لکڑ ہارا بھی ایک جاسوس ہی تھا جس سے ماریا نے پوچھا تھا کہ شکنتلا کو تو اس نے نہیں دیکھا؟ وہ لکڑ ہارا بھاگا بھاگا بادشاہ کے پاس

پہنچا۔ اس نے جا کر بادشاہ کو ساری کہانی سنائی تو وہ حیران ہو کر بولا:

"کم بخت، تمہارے کان بج رہے ہوں گے۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تو ایک عورت کی آواز سنے اور وہ عورت نظر نہ آ رہی ہو"۔

لکڑ ہارے نے کہا:

"حضور ضرور یہ کسی چڑیل یا جن بھوت کی کارستانی ہے۔ میں نے اپنے کانوں سے ایک عورت کی آواز سنی تھی جو شکنتلا کے بارے میں پوچھ رہی تھی"۔

"بکواس بند کرو اور بھاگ جا یہاں سے۔ پھر اس قسم کی فضول خبر لے کر آیا تو تمہیں چٹان پر سے سمندر میں گروا دوں گا"۔ جنگل مں ی واپس جا اور جاسوسی کر"۔

لکڑ ہارا بھاگ کر پھر جنگل میں آ گیا اور لکڑیاں کاٹنے لگا۔ اب اسے شکنتلا کی بدقسمتی کہیے کہ جس راستے میں لکڑ ہارا لکڑیاں کاٹ رہا

تھا،شکنتلا اسی راستے پر چھپتی چھپاتی جنگل میں چلی آ رہی تھی۔ اس نے جو راہ میں ایک بوڑھے لکڑ ہارے کو دیکھا تو اس کے پاس آ کر بولی:

"بابا! میں جنگل میں راستہ بھول گئی ہوں۔ کیا تم مجھے بتا سکتے ہو کہ سمندر کے ساحل کی طرف کون سا راستہ جاتا ہے؟"۔

لکڑ ہارے نے شکنتلا کو دیکھا تو اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ جس چیز کی اسے تلاش تھی وہ اس کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔ اب اس کا کام صرف یہ تھا کہ کسی طرح شکنتلا کو ورغلا کر اپنے ساتھ پہاڑی کے دامن والے مورچے میں پہرہ دیتے شاہی سپاہیوں کے پاس لے جا کر گرفتار کروا دے۔

مکار جاسوس لکڑ ہارے نے بڑی نرمی سے کہا:

"اچھی بیٹی! تم تو راستہ بھول کر جنگل میں بڑی دور نکل آئی ہو۔ جس طرف تم جا رہی ہو ادھر تم سمندر بہت دور ہے"۔

شکنتلا نے پوچھا:

"بابا! مجھے اس راستے پر ڈال دو جو سمندر کی طرف جاتا ہے۔ میں تمہاری نیکی ہمیشہ یاد رکھوں گی"۔

مکار جاسوس نے میٹھی آواز بنا کر شکنتلا کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا:

"تم مجھے اپنی بیٹی کی طرح پیاری ہو۔ تمہیں دیکھ کر مجھے اپنی بیٹی یاد آ گئی ہے۔ اب میرا فرض ہو گیا ہے کہ ایک باپ بن کر تمہیں اپنے ساتھ سمندر کے کنارے تک لے جاؤں، کیوں کہ جنگل کا آگے کا راستہ جنگلی درندوں اور بھیانک دلدلوں سے بھرا پڑا ہے اگر تم اکیلی گئیں تو ضرور کسی شیر یا چیتے کا نوالہ بن جاؤ گی جو میں کبھی برداشت نہیں کر سکتا"۔ شکنتلا سوچ میں پڑ گئی کہ وہ اس لکڑ ہارے کے ساتھ جائے یا نہ جائے۔ اس کا ارادہ جہاز تک اکیلی جانے کا تھا۔ پھر اس

نے سوچا کہ یہ تو بے چارا ایک نیک دل بوڑھا لکڑ ہارا ہے۔ اس کے
ساتھ جانے میں کیا حرج ہے؟ اور پھر آگے کا راستہ بھی تو خطرناک
ہے ہوسکتا ہے وہ کسی دلدل میں گر پڑے یا کسی جنگلی درندے کے
ہاتھوں ہلاک ہوجائے۔ اسے سوچ میں دیکھ کر مکار جاسوس بولا: "

"میری پیاری بیٹی کس سوچ میں پڑ گئی ہے؟ میرے بچے میں
تمہارے باپ کی جگہ ہوں۔ تم مجھے اپنی بیٹی کی طرح عزیز ہو۔ آؤ
میرے ساتھ۔ میں تمہیں بڑی حفاظت سے سمندر تک پہنچا دوں گا۔
میں اس جنگل کے سارے بھیدوں سے واقف ہوں۔ تم اکیلی کبھی
راستہ نہ ڈھونڈ سکو گی۔ آؤ میری بچی، آؤ میرے ساتھ۔"

شکنتلا کی بدبختی آ گئی تھی۔ وہ جاسوس لکڑ ہارے کے ساتھ چل
پڑی۔ اس بات سے یہ سبق حاصل کرنا چاہیے کہ ہمیں کبھی کسی اجنبی پر
اعتبار یا بھروسہ نہیں کرنا چاہیے خواہ وہ چپڑی باتیں کیوں نہ کرے۔

مکار لکڑ ہارا شکنتلا کو ساتھ لے کر جنگل میں سے گزر رہا تھا۔ اس
کے خوشی سے پیر زمین پر نہیں ٹکتے تھے۔ وہ ایک ایسی دولت کو اپنے
ساتھ لیے جا رہا تھا۔ جسے پا کر بادشاہ کو بے حد خوش ہونا تھا اور لکڑ
ہارے جاسوس کو بہت بھاری انعام دینا تھا۔ شکنتلا کو کچھ خبر نہ تھی کہ وہ
مصیبت کے منہ میں جا رہی ہے۔

لکڑ ہارا ساتھ ساتھ شکنتلا کی توجہ ہٹانے کے لیے اس سے چکنی
چپڑی باتیں بھی کرتا چلا جا رہا تھا۔ اس نے ایک بار بھی شکنتلا سے یہ
نہیں پوچھا تھا کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آئی ہے اور کہاں جا رہی

ہے؟

جب سپاہیوں کا مورچہ قریب آ گیا تو لکڑ ہارے نے شگفتہ سے کہا:

"میری بچی! آگے مجھے شک ہے کہ دلدل ہے۔ تم ایک پل کے لیے اسی جگہ ٹھہرو۔ میں اکیلا آگے جا کر راستے کے بارے میں پوری تسلی کر کے آتا ہوں۔ دیکھنا یہاں سے ہلنا بالکل نہیں۔ یہ سارا علاقہ جنگلی درندوں سے بھرا ہوا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں بیٹھے بٹھائے کوئی مشکل پڑ جائے"۔

شگفتہ نے کہا:

"نہیں بابا، میں یہاں سے نہیں ہلوں گی"۔

لکڑ ہارا درختوں کے پیچھے غائب ہو گیا۔

وہ بھاگتا ہوا مورچے کے اندر آیا اور اس نے سپاہیوں کو سب

کچھ بتا دیا۔ شگفتہ اسی جگہ پر بیٹھی اپنی زندگی کے بارے میں سوچ سوچ کر اداس ہو رہی تھی۔ کہ اچانک اس کے گرد بادشاہ کے سپاہیوں نے گھیرا ڈال لیا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے سپاہیوں کو دیکھتی رہ گئی۔ پھر اس نے اپنا سر پیٹ لیا۔

"ہائے میں نے ایک اجنبی مکار پر بھروسہ کیا"۔

لیکن اب پچھتانے سے کیا ہو سکتا تھا۔ اب تو پانی سر سے گزر چکا تھا۔ اگر شگفتہ نے پہلے سوچ لیا ہوتا تو یہ برا وقت دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا۔ وہ اچھی طرح سمجھ گئی تھی کہ وہ لکڑ ہارا بادشاہ کا چھوڑا ہوا جاسوس تھا اور وہ اس وقت بادشاہ کے سپاہیوں کی قید میں آ چکی ہے۔ سپاہیوں سے الجھنا بے کار تھا۔

وہ بہر حال ایک کمزور عورت تھی۔ سپاہیوں نے آگے بڑھ کر شگفتہ کے دونوں ہاتھ اس کی پشت پر باندھ دیے اور اسے گھوڑے پر

بٹھا کر گرفتار کر کے لے گئے۔

شکنتلا کو جب سمگلروں کے بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا تو وہ خوشی سے کھل کھلا کر ہنس پڑا اور بولا:

"اب دیکھ لیا مزا یہاں سے بھاگنے کا؟ میں نہ کہتا تھا کہ تم اس جزیرے سے کبھی فرار نہ ہو سکو گی؟ اب میں تجھے یہاں سے بھاگنے کی سزا دوں گا۔ تو ایک مہینہ تک قید میں رہے گی اور تجھے کھانے کو سوائے روکھی روٹی اور پانی کے اور کچھ نہ ملے گا۔۔۔ لے جاؤ اسے اور قید میں ڈال دو اسے"۔

سپاہیوں نے شکنتلا کو لے جا کر نیچے تہہ خانے میں ڈال دیا۔

سارنگ بابا جب دوپہر کا کھانا لے کر نیلی چٹان کی کھوہ میں گیا تو اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ شکنتلا وہاں موجود نہیں تھی۔ کھانا وہیں رکھ کر وہ کھوہ سے باہر نکل آیا اور اس نے شکنتلا کی تلاش شروع کر

دی۔

کتنی ہی دیر تک وہ اسے جنگل میں تلاش کرتا رہا مگر شکنتلا کو نہ ملنا تھا اور نہ ملی۔ بوڑھا ملاح سر پکڑ کر بیٹھ گیا کہ بے وقوف عورت کہیں سیر کو باہر نکلی ہے اور بادشاہ کے سپاہیوں کے ہتھے چڑھ گئی ہے۔ واپس جھونپڑی میں آ کر صبر شکر کر کے بیٹھ گیا کہ اگر اس کی قسمت اچھی ہو گی تو واپس آ کر اسے مل جائے گی مگر اب اسے امید نہیں تھی کہ وہ بادشاہ کے محل سے فرار ہو سکے گی، کیوں کہ اب تو سمگلروں کا بادشاہ اس پر تخت سے تخت پہرہ بٹھا دے گا۔

شکنتلا بادشاہ کی قید میں ہے۔

بوڑھا ملاح صبر شکر کر کے بیٹھ گیا۔ عنبر ناگ اور ماریا واپس جہاز پر جا چکے ہیں۔ بادشاہ کے سپاہیوں نے واپس جا کر بڑے افسر کو خبر دی کہ جہاز پر کوئی بھوت رہتا ہے جس نے انسان کے روپ میں سامنے

آ کر ان کے کپتان اور سپاہیوں کو ہلاک کر دیا ہے تو بڑا افسر تلملا کر
بولا:
''الو کی دم، تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ جو سپاہی ہو کر اس قسم کی
باتیں کرتے ہو؟ کون ہے وہ قاتل جس نے میری فوج کے کپتان اور
سپاہیوں کو موت کے گھاٹ اتارا ہے۔۔۔ آؤ میرے ساتھ۔۔ میں
ابھی چل کر اس کا سر تن سے جدا کرتا ہوں اور جہاز کو آگ لگاتا
ہوں''۔

بڑے افسر نے چار سپاہی ساتھ لیے اور جہاز کی طرف چل
دیا۔ بادبانی جہاز پر اس وقت عنبر اور ناگ نیچے کیبن میں بیٹھے اس
بات پر آپس میں صلاح مشورہ کر رہے تھے کہ شکنتلا کا کتنی دیر تک
انتظار کیا جائے۔

ناگ نے دبی زبان میں مشورہ دیا کہ اس کے خیال میں بہت دیر

ہو گئی ہے اس جزیرے میں پڑے پڑے۔۔۔ اب وہاں سے چل
دینا چاہیے۔ عنبر نے ناگ کو ذرا ڈانٹ کر کہا کہ خبردار اگر اس نے پھر
ایسی بات کی۔ وہ شکنتلا کو ان وحشیوں کے پاس اکیلا چھوڑ کر کبھی
واپس نہیں جائے گا۔
''اور پھر میں نے شکنتلا بہن کو ایک بھائی کی طرح قول دے رکھا
ہے کہ جب تک اسے اس کے گھر نہیں پہنچاؤں گا، چین سے نہیں
بیٹھوں گا''۔

ناگ نے اس کے بعد کوئی اعتراض نہ کیا اور شکنتلا کو تلاش کرنے
کے بارے میں باتیں شروع کر دیں۔ ماریا اکیلی بیٹھے بیٹھے تھک گئی تو
وہ جہاز کے عرشے پر اوپر آ گئی۔ آسمان پر سورج نکلا ہوا تھا۔ دھوپ
خوب چمک رہی تھی۔

ماریا عرشے پر جنگلے کے ساتھ ساتھ ٹہل رہی تھی کہ کیا دیکھتی ہے

کچھ سپاہی نیزے اور تیر کمان لیے جہاز کی طرف بڑھے چلے آ رہے ہیں۔ آگے آگے ان کا سردار ہے۔

ماریا سمجھ گئی کہ جہاز پر سے خزانہ اتارنے اور جہاز کو آگ لگانے آئے ہیں، کیوں کہ پہلے سپاہیوں کے حشر سے ماریا خوب واقف تھی۔ پہلے تو ماریا نیچے جا کر عنبر اور ناگ کو اطلاع کرنے لگی۔ پھر اس نے ارادہ بدل لیا اور وہیں ایک طرف ہو کر کھڑی ہو گئی۔

سپاہی اپنے بڑے سردار کے ساتھ رسوں کی سیڑھی پر سے چڑھ کر اوپر جہاز کے عرشے پر آ گئے۔

بڑے سردار نے بڑے رعب سے پوچھا:

"کہاں ہے وہ بھوت جس نے انسان کی شکل لے لی ہے؟ بولو

بتاؤ؟ کم بخت اگر سامنے آ جائے تو ایک ایسا وار کروں کہ بد بخت
ٹکڑے ٹکڑے ہو کر رہ جائے“۔

ماریا جان گئی کہ اشارہ عنبر کی طرف ہے سپاہی نے جھک کر کہا:

”سرکار! وہ بھوت اسے جگہ کھڑا تھا“۔

بڑے سردار نے کڑک کر کہا:

”مگر اب وہ کہاں ہے الو کے پٹھے؟“۔

سپاہی نے خوشامد کرتے ہوئے کہا:

”سرکار! آپ کو دیکھ کر ڈر کے مارے بھاگ گیا ہے“۔

یہ جواب سن کر بڑا سردار بہت خوش ہوا اور بولا:

”سپاہیو! نیچے جا کر سارا خزانہ اٹھا کر اوپر لے آؤ۔ ہم اس خزانے
کو سمیٹ کر شاہی محل لے جائیں گے اور جہاز کو بادشاہ کے حکم کے
مطابق آگ لگا دیں گے“۔

یہ حکم پا کر چاروں سپاہی سیڑھیوں کی طرف بڑھے۔ سیڑھیوں
کے دروازے پر ماریا کھڑی تھی۔ جوں ہی ایک سپاہی آگے بڑھنے
لگا۔ ماریا نے آگے ٹانگ اڑا دی۔

سپاہی ٹھوکر کھا کر منہ کے بل گر پڑا۔ پھر اٹھا۔ ماریا نے اسے پھر
گرا دیا۔ اس دفعہ ماریا نے اس کی گردن پر اس زور سے مکا مارا کہ اس
کی چیخ نکل گئی۔ وہ واپس بھاگا۔

”مجھے بچاؤ' بچاؤ' بھوت ہے۔ بھوت ہے“۔

بڑے افسر نے گھرکی دے کر کہا:

”بکواس بند کرو' کہاں ہے بھوت؟ میں بھی تو دیکھوں؟“۔

پھر اس نے دوسرے سپاہیوں سے کہا:

”چلو' تم میرے ساتھ نیچے۔ اگر میں نیچے سے خزانہ نہ لایا تو باپ
کا بیٹا نہیں ہوں“۔

بڑا سردار آگے بڑھا ہی تھا کہ ماریا نے اسے بھی ٹانگ اڑا کر عرشے پر گرا دیا۔ بڑا سردار دھڑام سے عرشے پر گرا۔

سپاہیوں نے آگے بڑھ کر اسے اٹھایا۔ وہ جھنجھلا کر اٹھا اور ڈانٹ کر بولا:

"یہ کس نے مجھے پیچھے سے دھکا دیا تھا؟"۔

"حضور، ہم آپ کو دھکا دینے کی جرات کیسے کر سکتے ہیں بھلا؟"۔

"بکواس بند کرو اور آگے بڑھو"۔

سپاہیوں نے قدم اٹھایا ہی تھا کہ ماریا نے ایک سپاہی کا نیزہ اس کے ہاتھ سے چھین کر اس زور سے اس کے سر پر مارا کہ وہ لہولہان ہو کر چکر کھا کر گر پڑا۔

نیچے عنبر اور ناگ نے اوپر گڑبڑ کی آوازیں سنیں تو وہ لپک کر اوپر

عرشے پر گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ سپاہیوں کی مرمت ہو رہی ہے۔ سمجھ گئے کہ یہ کام سوائے ماریا کے اور کسی کا نہیں ہو سکتا۔

بڑے افسر نے جو عنبر اور ناگ کو سامنے دیکھا تو غصے میں دھاڑا:

"گرفتار کر لو ان دونوں کو۔۔۔ یہی دونوں ڈاکو ہیں جو جھوٹ موٹ بھوت بن کر جہاز کا خزانہ لوٹنا چاہتے ہیں"۔

عنبر نے سپاہیوں کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا تو سردار سے کہا:

"سردار میری بات غور سے سن۔ ہم ڈاکو نہیں ہیں۔ ہم شریف لوگ ہیں اور جس خزانے پر تم اور تمہارا بادشاہ قبضہ کرنا چاہتا ہے، وہ ہمارا خزانہ ہے۔ یہ جہاز بھی ہمارا ہے"۔

سردار اور سپاہی قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔ سردار نے کہا:

"ابھی تمہارے کسی آدمی نے ہمارے ایک سپاہی کو شدید زخمی کر دیا ہے۔ ہم اس کا بھی تم سے بدلہ لیں گے۔ تم ڈاکو ہو۔ ہم تمہیں پکڑ کر

بادشاہ کے پاس پیش کریں گے"۔

عنبر نے ناگ کی طرف دیکھا اور کہا:

"کیوں ناگ کیا خیال ہے؟ گرفتار ہو جائیں؟"۔

ناگ نے کہا:

"ہاں، میرا خیال ہے کہ گرفتار ہو جانا چاہیے"۔

عنبر نے سردار سے کہا:

"لو بھائی ہمیں گرفتار کر کے بادشاہ کے سامنے پیش کر دو"۔

اس کے ساتھ ہی سپاہیوں نے دونوں کو زنجیروں میں جکڑ لیا۔

ماریا نے عنبر کے قریب جا کر کہا:

"عنبر بھائی، یہ آپ نے کیا کر دیا۔ میں ان سپاہیوں کو ہلاک کر کے آپ کو چھڑانے لگی ہوں"۔

عنبر نے سرگوشی میں کہا:

"میں نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہے ماریا۔ اس طرح شاید ہمیں محل میں جا کر شکنتلا کا کچھ اتا پتا مل سکے"۔

سپاہی عنبر اور ناگ کو گرفتار کر کے جہاز سے اتر گئے۔ ماریا بھی ان کے ساتھ ہی گئی۔ سپاہی دونوں کو لے کر سمگلروں کے بادشاہ کے پاس آ گئے۔ سمگلروں کے بادشاہ نے عنبر کو پہچان کر کہا:

"تم پھر آ گئے؟ گویا یہ ساری کارستانی تمہاری تھی۔ بہت خوب اب میں تمہیں ایک ایسے قید خانے میں ڈالوں گا جہاں سے تم ساری زندگی باہر نہیں نکل سکو گے"۔

بدنصیب قیدی

عنبر نے کہا:

"اے شخص میری بات کو غور سے سن' میں تمہارے پاس اپنے آپ گرفتار ہو کر آیا ہوں؛ ورنہ تمہارے کسی سپاہی میں اتنی جرات نہیں ہے کہ مجھے ہاتھ بھی لگا سکے۔ تمہارے پاس آنے کا میرا ایک خاص مقصد ہے۔ وہ یہ ہے کہ مجھے ملوم ہوا ہے' میری بہن شکنتلا تمہارے پاس ہے۔ میں اسے واپس لینے آیا ہوں"۔

بادشاہ نے گردن اونچی کر کے غرور سے کہا:

"اے بدنصیب قیدی، اگر تو چاہتا ہے کہ میں تجھ پر رحم کروں اور تجھے بھوکے کتوں کے آگے نہ ڈالوں تو میرے پاؤں پڑو اور مجھ سے رحم کی بھیک مانگو۔ اگر اس کے بعد تم نے شکنتلا کے بارے میں کچھ پوچھا تو میں تمہاری زبان کاٹ کر رکھ دوں گا"۔

اب ناگ نے کہا:

"تو نادان ہے بادشاہ، اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ تو کن کے آگے کھڑا بات کر رہا ہے تو اسی وقت ہمارے پاؤں پر گر کر ہم سے رحم کی بھیک مانگے"۔

بادشاہ نے کڑک کر کہا:

"بکواس بند کرو"۔

پھر اس نے جلاد کو حکم دیا کہ عنبر اور ناگ کو شاہی محل کے اوپر والی

خونی پل

چھت پر لے جا کر ابھی اور اسی وقت قتل کر دیا جائے اور ان کے سر کاٹ کر بادشاہ کے حضور پیش کیے جائیں۔

جلاد نے سر جھکایا اور سپاہی عنبر اور ناگ کو لے کر محل کی چھت پر آ گئے۔ ماریا بھی پیچھے پیچھے چلی آ رہی تھی۔ محل کی چھت پر سپاہیوں نے عنبر اور ناگ کو لکڑی کے ایک شکنجے میں کس دیا تاکہ گردن پر تلوار مار کر اسے الگ کر کے بادشاہ کے حضور پیش کی جائے۔

ماریا بڑی حیران تھی کہ عنبر اور ناگ کچھ نہیں کہہ رہے۔ جلاد تلوار لے کر سامنے کھڑا ہو گیا۔ اور کپتان کے اشارے کا انتظار کرنے لگا۔ کپتان نے رومال سے اشارہ ابھی کیا ہی تھا کہ ناگ نے زور سے پھنکار ماری اور سیاہ کالا سانپ بن کر سامنے آ گیا۔ اس نے سانپ کا روپ بدلتے ہی جلاد کو ڈس دیا۔ جلاد لڑکھڑا کر گرا اور گرتے ہی مر گیا۔

ماریا نے آگے بڑھ کر عنبر کی رسیاں کھول دیں۔ وہ آزاد ہو گیا

دربار میں چھ سات سپاہی آگے بڑھے ہی تھے کہ ناگ نے سانپ کا روپ بدل لیا اور بادشاہ کی آنکھوں کے سامنے دو سپاہیوں کو ڈس کر گرا دیا۔ ماریا نے نیزے مار کر دو سپاہیوں کو ہلاک کر دیا۔ عنبر مسکرا رہا تھا۔ کہنے لگا:

''اے غافل بادشاہ، میں تمہیں آخری بار خبردار کر رہا ہوں۔ اگر اب تو نے ہم میں سے کسی پر حملہ کرنے یا کرانے کی کوشش کی تو اب کے ہلاک ہونے کی باری تمہاری ہوگی''۔

بادشاہ اسی جگہ ٹھٹھک کر رہ گیا۔ اس نے اشارے سے سپاہیوں کو رکنے کے لیے کہا اور عنبر سے پوچھا:

''تم جادوگر ہو۔ تم کیا چاہتے ہو؟ شکنتلا میرے پاس نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اگر کچھ مانگنا چاہتے ہو تو مانگو''۔

عنبر نے کہا:

''ہم صرف شکنتلا اور اپنے جہاز کو لینے آئے ہیں۔ ہمیں شکنتلا واپس کر دو تاکہ ہم اپنے جہاز میں بیٹھ کر واپس چلے جائیں''۔

بادشاہ مکاری سے بولا:

''میں اپنی ہار مان لیتا ہوں۔ میں ہار گیا۔ تم جیت گئے۔ لیکن میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ شکنتلا میرے پاس نہیں ہے۔ تم اپنا جہاز اور خزانہ جس وقت چاہو واپس لے جا سکتے ہو''۔

عنبر اور ناگ کو یقین ہونے لگا کہ شکنتلا واقعی وہاں محل میں نہیں ہے۔ ناگ نے ماریا سے سرگوشی کی تو اس نے بھی یہی کہا کہ اگر شکنتلا محل میں ہوتی تو ضرور کہیں نہ کہیں دکھائی دیتی۔ اس لیے یہاں سے چلے جانا ہی بہتر ہے۔ عنبر نے بادشاہ سے کہا:

''ہم تمہاری بات پر اعتبار کرتے ہیں۔ ہم کل یہاں سے کوچ کر جائیں گے''۔

بادشاہ کے محل سے نکل کر تینوں بہن بھائی اپنے جہاز پر آ گئے۔

یہاں آ کر عنبر نے ناگ سے مشورہ کرنے کے بعد ماریا سے کہا:

”ماریا بہن‘ اب جب کہ ہم صبح یہاں سے جا رہے ہیں تو میں چاہتا ہوں کہ تم محل میں جا کر سارے کمروں کا ایک چکر لگا کر دیکھو کہ شکنتارا وہاں موجود ہے یا نہیں! کیوں کہ ہو سکتا ہے‘ بادشاہ ہم سے جھوٹ بول رہا ہو“۔

ناگ نے کہا:

”ہاں‘ ایک بار تلاشی لینے میں کیا حرج ہے۔ کم از کم بعد میں ہمیں افسوس تو نہیں رہے گا کہ کاش ایک بار پورے محل کی تلاشی لے لیتے“۔

ماریا بولی:

"ٹھیک ہے، اگر آپ لوگوں کی یہی رائے ہے تو میں ابھی جا کر محل کا کونہ کونہ چھان مارتی ہوں۔ اگر وہ کہیں ہوئی تو ضرور پتا چل جائے گا"۔

ناگ اور عنبر جہاز پر ہی بیٹھے رہے اور ماریا جہاز پر سے نکل کر محل کی طرف روانہ ہو گئی۔ محل کی ڈیوڑھی پر بڑا سخت پہرہ تھا، لیکن ماریا چونکہ غائب تھی اور اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس لیے وہ بڑی آسانی کے ساتھ ان سب کے سامنے سے گزر گئی۔ اب وہ محل کی پہلی منزل پر تھی۔

یہاں اس نے ایک ایک کمرے میں جھانک کر دیکھا۔ کسی جگہ شگفتا اسے نظر نہ آئی۔ پھر وہ دوسری منزل میں آ گئی۔ یہاں بھی کس نے کونہ کونہ چھان مارا۔ شگفتا کہیں نہیں تھی۔

ماریا نے سوچا کہ کیوں نہ کسی لونڈی یا غلام سے پوچھا جائے۔ یہ سوچ کر وہ بڑے کمرے کی طرف مڑی۔ یہاں اسے ایک موٹا سا سپاہی نظر آیا جو ایک پتھر کی کرسی پر بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ ماریا چپکے سے اس کے پیچھے جا کر کھڑی ہو گئی۔

موٹا اونگھ رہا تھا۔ ماریا نے موٹے سپاہی کی گردن پر ہاتھ مارا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔ سمجھا کہ شاید خواب دیکھ رہا تھا۔ پھر اونگھنے لگا ماریا نے ایک اور تھپڑ مارا۔ اب تو موٹا اچھل پڑا۔

"کون ہے؟"۔

ماریا نے سرگوشی میں کہا:

"میں تمہاری موت تمہارے پاس کھڑی ہوں۔ میں تمہاری جان نکالنے یہاں آئی ہوں، لیکن اگر تم مجھے یہ بتا دو کہ شگفتا کہاں ہے تو میں تمہاری جان نہیں نکالوں گی، بولو، کیا کہتے ہو؟"۔

موٹا سپاہی پہلے تو ہکا بکا رہ گیا کہ یہ آواز کہاں سے آ رہی ہے، ادھر ادھر تکنے لگا۔ ماریا نے اس کی موٹی گردن میں رسی ڈال کر کہا:

"اگر تم نے جواب نہ دیا تو میں ابھی تمہاری گردن دبا کر تمہارا کام تمام کر دوں گی"۔

موٹا سپاہی تھر تھر کانپنے لگا۔ ہاتھ جوڑ کر بولا:

"اے موت کی دیوی' میری جان بخش دے۔ شگفتا نام کی لڑکی اس محل کے سب سے نچلے تہہ خانے میں قید ہے"۔

ماریا نے کہا:

"تہہ خانے کا راستہ کدھر سے جاتا ہے؟"۔

"سامنے والے دروازے سے گزر کر ایک ڈیوڑھی آئے گی۔ اس کے بازو میں سیڑھیاں نیچے اترتی ہیں۔ بس نیچے ہی تہہ خانہ ہے۔ اب میری جان بخش دو"۔

ماریا کا مقصد حل ہو گیا تھا۔ اس نے موٹر کی گردن چھوڑ دی اور سامنے والی ڈیوڑھی میں آ گئی۔ وہ بڑی خوش تھی کہ اتفاق سے اسے شگفتا کا سراغ مل گیا۔ اس ڈیوڑھی کے بازو میں سیڑھیاں نیچے جاتی تھیں۔

ماریا نیچے سیڑھیاں اترنے لگی۔ نیچے ایک راہداری آ گئی۔ جہاں روشنی بڑی کم تھی۔ وہ آگے چل پڑی۔ ذرا فاصلے پر ایک مشعل روشن تھی۔

ماریا نے قریب جا کر دیکھا کہ تین سپاہی ایک دروازے کے باہر پہرہ دے رہے ہیں۔ دروازے پر بڑا سا لا پڑا ہے۔ تینوں سپاہی آپس میں باتیں کر رہے تھے اور ہنس رہے تھے۔ ماریا کو یقین ہو گیا کہ یہی وہ تہہ خانہ ہے جہاں شگفتا قید ہے۔

آگے بڑھ کر اس نے دروازے پر زور زور سے ہاتھ مارنا شروع

کر دیا۔۔۔سپاہیوں نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔انہیں
ماریا تو دکھائی نہیں دے رہی تھی۔وہ یہ سمجھے کہ شکنتلا اندر سے دستک
دے رہی ہے۔ایک بولا:

''اس کم بخت کو کیا ضرورت پڑ گئی جو دروازہ پیٹ رہی ہے؟''۔

دوسرے نے کہا:

''یار دروازہ کھول کر پوچھ لیتے ہیں۔کیا معلوم اسے پانی کی
ضرورت ہو''۔

تیسرا کہنے لگا:

''نہ بھائی ایسا نہ کرنا۔بادشاہ کا سخت حکم ہے کہ سوائے روٹی پانی
کے وقت کے اور کسی وقت بھی دروازہ نہ کھولا جائے۔اس لیے چپکے
بیٹھے رہو''۔

ماریا دروازے پر ہاتھ مارتی رہی مگر سپاہیوں کے کانوں پر کوئی اثر

نہ ہوا۔اندر جب شکنتلا نے آواز سنی تو بڑی حیران ہوئی کہ یہ دروازہ
کون کھٹکھٹا رہا ہے۔مگر وہ چپکی ہو کر بیٹھی رہی۔ماریا کا ہاتھ تھک گیا۔
اس نے سوچا کوئی دوسری ترکیب لڑانی چاہیے۔اس نے زمین پر سے
ایک پتھر اٹھایا اور ایک سپاہی کے سر پر پورے زور سے دے مارا۔
سپاہی چکرا کر بے ہوش ہو گیا۔

دونوں سپاہیوں نے اپنے ساتھی کے ساتھ سے خون نکلتے اور
اسے چکرا کر زمین پر گرتے دیکھا تو تعجب سے ایک دوسرے کو دیکھ کر
بولے: ''یہ۔۔۔یہ تم نے پتھر مارا؟''۔

''میں نے کہاں مارا ہے؟ میں تو تمہارا سامنے بیٹھا ہوں''

''پھر یہ پتھر اس کے سر پر کہاں سے آن لگا''۔

ماریا نے دوسرا پتھر دوسرے سپاہی کے سر پر دے مارا۔وہ اٹھ کر
کھڑا ہو گیا اور اس نے تلوار کھینچ لی:

"ضرور یہاں کوئی بھوت آ گیا ہے۔مگر میں ڈروں گا نہیں۔میں بھوت کا مقابلہ کروں گا"۔

دوسرے سپاہی نے بھی تلوار نکالی اور بلند آواز میں کہا:

"اے بھوت'میں بھی تجھ سے نہیں ڈرتا۔تو اگر مرد ہے تو سامنے آ جا"۔

ماریا ہنس پڑی۔اگر وہ مرد ہوتی تو ضرور ان کے سامنے آ جاتی۔ لیکن سامنے آنا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ سپاہی تلواریں کھینچے دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑے تھے اور مشعل کی روشنی میں آنکھیں پھاڑ

پھاڑ کر دیکھ رہے تھے۔

ان کو ڈر بھی لگ رہا تھا۔وہ ظاہر نہیں کر رہے تھے۔ماریا نے ایک طرف سے آ کر ایک سپاہی کی کلائی پر اس زور سے ہاتھ مارا کہ اس کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ کر دور جا گری۔

سپاہی جلدی سے تلوار کی طرف بڑھا،لیکن اس سے پہلے ماریا نے لپک کر تلوار زمین پر سے اٹھا کر اپنے ہاتھ میں پکڑ لی۔تلوار ماریا کے ہاتھ میں آتے ہی غائب ہو گئی۔سپاہیوں نے تلوار کو گم ہوتے دیکھا تو وہ گھبرا گئے۔کیوں کہ تلوار اب بھوت کے ہاتھ میں چلی گئی تھی اور کوئی معلوم نہیں تھا کہ کب ان کے سروں پر چل جائے۔ایک سپاہی نے کہا:

"میرے ساتھ لگ کر کھڑے ہو جاؤ۔بھوت اب ہم پر ضرور حملہ کرے گا۔جوں ہی پیروں کی آہٹ آئے فوراً ہوا میں تلوار کا وار کر

دو“۔

دوسرے سپاہی نے ایسا ہی کیا۔ ماریا کے ہاتھ میں تلوار تھی اور وہ موقع تلاش کر رہی تھی۔ موقع بالکل صاف تھا۔ ماریا نے پہلو سے ہو کر تلوار کا ایک ایسا بھرپور وار کیا کہ ایک سپاہی کی گردن لٹک گئی اور وہ زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔

دوسرے سپاہی نے حوصلہ ہار دیا اور وہ چیخ مار کر وہاں سے ایسا بھاگا کہ مڑ کر بھی نہیں دیکھا۔ ماریا نے گرے ہوئے سپاہی کی کمر سے چابی نکال کر دروازے کا تالا کھول دیا۔ اندر اندھیرا تھا۔

ماریا نے دروازہ پورا کھولا تو اندر روشنی پھیل گئی۔

اس روشنی نے ماریا نے دیکھا کہ ایک دبلی سی سانولے رنگ کی تیکھے ناک والی لڑکی دیوار کے ساتھ رکھے ایک پتھر پر اداس بیٹھی تھی۔

وہ کھلے دروازے کو بڑی حیرانی سے دیکھ رہی تھی۔ دروازہ کھل گیا تھا

مگر اندر کوئی نہیں آ رہا تھا۔ شگفتا اپنی جگہ سے اٹھی اور اس نے باہر آ کر دونوں سپاہیوں کی لاشوں کو دیکھا تو وہ زیادہ حیران ہو گئی۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ بھید کیا ہے۔ دونوں سپاہی مرے پڑے ہیں۔ دروازہ اپنے آپ کھل گیا ہے؟ وہ سوچنے لگی کہ ان کو کس نے ہلاک کیا؟ دروازہ کس نے کھولا؟ وہ غور کر رہی تھی کہ ماریا نے آہستہ سے کہا:

”گھبراؤ نہیں میری بہن‘ یہ سب کچھ میں نے کیا ہے“۔

آواز سن کر شگفتا نے چونک کر ادھر دیکھا جدھر سے آواز آئی تھی۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ وہ پریشان سی ہو گئی۔ اس نے آواز دے کر پوچھا:

”تم کون ہو؟“

ماریا نے کہا:

"یہ میں بعد میں بتاؤں گی۔ پہلے تم یہ بتاؤ کہ کیا تم شگفتا ہو؟"۔

شگفتا نے کہا:

"ہاں، میرا ہی نام شگفتا ہے"۔

"کیا تم عنبر کو جانتی ہو؟"۔

"وہ میرا بھائی ہے۔ کہاں ہے میرا بھائی؟"۔

ماریا نے کہا:

"میرے ساتھ آؤ۔ تمہارا بھائی تمہاری راہ دیکھ رہا ہے"۔

شگفتا نے پوچھا:

"مگر تم کون ہو؟ تم دکھائی کیوں نہیں دے رہیں؟"۔

"کیا تم کوئی بھوت ہو؟ کیا تم کوئی جادوگر ہو؟"۔

ماریا نے کہا:

"ان سب سوالوں کے جواب تمہیں جہاز پر چل کر مل جائیں

گے"۔

شگفتا نے حیرت سے کہا:

"جہاز؟ کون سا جہاز؟"

ماریا بولی:

"شگفتا بہن، آخر تم ایک ہی سانس میں اتنے سارے سوال کیوں کر رہی ہو؟ تم میرے ساتھ چلو۔ تمہارے سارے سوالوں کے جواب مل جائیں گے"۔

شگفتا نے پوچھا:

"مجھے صرف اتنا بتا دو کہ عنبر کہاں ہے؟"

"کہہ تو دیا کہ وہ جہاز پر ہے۔ اگر تم اس سے ملنا چاہتی ہو تو میرے ساتھ آؤ"۔

شگفتا نے کہا:

”مگر یہاں تو راستے میں سارے محل پر پہرہ لگا ہے۔ ہم کیسے باہر نکلیں گے؟“۔

ماریا نے کہا:

”تم میرے ساتھ ساتھ چلتی چلو۔ میں تمہیں آسانی کے ساتھ یہاں سے باہر نکال کر لے جاؤں گی“۔

شگفتا کوٹھری سے نکل کر ماریا کے ساتھ ساتھ راہداری میں سے گزرنے لگی۔ وہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر منزل کی ڈیوڑھی میں آ گئے۔ ڈیوڑھی میں اب ایک سپاہی پہرہ دے رہا تھا۔ وہ باہر جانے والے دروازے کے بیچ میں کھڑا پہرہ دے رہا تھا۔ شگفتا رک گئی۔ ماریا نے اس کے کان میں کہا:

”تم ذرا پرے ہو کر چھپ جاؤ۔ میں ابھی راستہ صاف کرتی ہوں“۔

شگفتا ایک طرف ہو کر اندھیرے میں آ گئی۔ ماریا دبے پاؤں سپاہی کی طرف بڑھی۔ وہ سپاہی جو پہرہ دے رہا تھا، اس کی پشت ڈیوڑھی کی طرف تھی اور منہ چھت کی جانب تھا۔ ماریا دبے پاؤں اس کے پیچھے آ گئی۔

انوکھا سپاہی

پہرے دار تلوار کندھے پر رکھے کھڑا تھا۔

ماریا نہیں چاہتی تھی کہ وہاں شور مچے۔ شور مچ جانے سے وہاں سارا محل جمع ہو جاتا اور شگفتالا کا وہاں سے بچ نکلنا مشکل ہو جاتا۔ ماریا چاہتی تھی کہ کسی طریقے سے سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔

اس نے اپنی کمر کے گرد بندھی ہوئی ریشمی ڈوری کھول کر دونوں ہاتھوں میں پکڑ لی۔ وہ ہاتھ آگے بڑھانے ہی والی تھی کہ اس کا پاؤں

دہلیز سے الجھ گیا اور تپائی الٹ گئی۔ پہرے دار نے چونک کر پیچھے دیکھا۔

"کون ہے؟"

ماریا سمٹ کر دیوار کے ساتھ لگ گئی۔ پہرے دار نے تلوار ہاتھ میں تھام لی اور راہداری میں دیکھنے لگا۔ مشعل کی روشنی میں وہ آگے بڑھا تو سامنے شگفتالا دیوار کے ساتھ چھپ کر کھڑی تھی۔ پہریدار نے تلوار شگفتالا کے سینے پر رکھ دی۔

"خبردار! اگر بھاگنے کی کوشش کی تو یہ تلوار تمہارے جگر کے پار ہو گی۔ تو بھاگ جاتی تو بادشاہ مجھے زندہ نہ چھوڑتا۔ چل واپس کال کوٹھڑی میں چل۔ حیران ہوں کہ تو وہاں سے بھاگ کر کیسے آ گئی؟"۔

شگفتالا خاموشی سے پہرے دار کے آگے آگے چل پڑی۔ ماریا

پہرے دار کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی۔ جوں ہی راہداری میں ذرا
اندھیرا آیا۔ ماریا نے پیچھے سے لپک کر پہرے دار کی گردن میں
ریشمی رسی ڈال کر ایک دم سے چھ سات مروڑے دے دیے۔۔۔
پہرے دار کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی۔

وہ دونوں ہاتھوں سے اپنے گلے کی کستی ہوئی رسی کو پکڑنے کی
کوشش کرنے لگا۔ مگر ریشمی ڈوری اس کی گردن میں کھبتی چلی جا رہی
تھی۔ اس کا دم گھٹنے لگا۔ اس کی آنکھیں ابل کر باہر نکل
آئیں۔ پھر اس نے مرنے سے پہلے دونوں ہاتھ اپنی گردن سے ہٹا
کر ماریا کو پکڑنے کی کوشش کی۔ یہ دیکھنے کے لیے کہ اسے کون ہلاک
کرنے کی کوشش میں ہے۔

لیکن ریشمی ڈوری اس کی گردن میں دور تک جا چکی تھی۔ پہریدار
کی گردن ایک طرف کو ڈھلکنے لگی۔ ماریا نے ایک بار زور سے جھٹکا

دے کر پہرے دار کو چھوڑ دیا۔ وہ بے ہوش ہو کر دھم سے فرش پر گر
پڑا۔ ماریا نے شکنتلا سے کہا:

"جلدی کرو۔ یہاں سے باہر نکل چلو"۔

دونوں ایک دوسری کے پیچھے بھاگ کر ڈیوڑھی سے باہر آ گئیں۔

اب وہ محل کے دالان میں تھیں۔ سامنے محل کا بڑا دروازہ تھا۔ یہاں
رونق تھی۔ لونڈیاں اور غلام کام کر رہے تھے۔ سپاہی بھی چل پھر رہے
تھے۔ ڈیوڑھی میں تو خاص طور پر سخت پہرہ تھا۔ ماریا نے شکنتلا کو ایک
دیوار کی اوٹ میں لے جا کر کہا:

"شکنتلا! میں تو کسی کو دکھائی نہیں دیتی مگر تمہیں ہر کوئی دیکھ کر
پہچان لے گا۔ میں چاہتی ہوں کہ تمہیں اس طرح یہاں سے نکالوں
کہ میری طرح تمہیں بھی کوئی نہ دیکھ سکے"

شکنتلا بولا:

"کیا تم مجھے بھی جادو سے غائب کر سکتی ہو؟"

ماریا نے کہا:

کاش میں ایسا کر سکتی۔۔۔ میں ایسا نہیں کر سکتی۔ لیکن میں ایک
بات کر سکتی ہوں"۔

"وہ کیا؟" شکنتلا نے پوچھا:

ماریا بولی:

میں تمہیں تھوڑی دیر کے لیے غائب کر سکتی ہوں، لیکن اس کے
لیے مجھے ایک گھوڑے کی سخت ضرورت ہو گی۔ اگر تم میرے ساتھ
ایک ہی گھوڑے پر بیٹھ جاؤ تو میری طرح سے تم بھی غائب ہو جاؤ
گی۔

پھر کوئی بھی شخص تمہیں، مجھے اور گھوڑے کو ہرگز نہ دیکھ سکے گا۔

شکنتلا نے کہا: "کیا یہاں سے گھوڑا نہیں مل سکتا؟"

"میں کوشش کرتی ہوں۔ تم اسی جگہ چھپی رہو۔ خبردار، باہر بالکل نہ
نکلنا۔ بس اسی دیوار کی اوٹ میں ہو کر بیٹھی رہو۔ میں جلدی سے جلدی
گھوڑا لے کر یہاں آ جاؤں گی۔ گھبرانا بالکل نہیں"۔

یہ کہہ کر ماریا چلی گئی۔

ماریا ڈیوڑھی میں پہرے داروں کے سامنے سے گزر کر باہر
گئی۔ باہر جا کر اس نے دیکھا کہ ایک درخت کے نیچے چھ سات
بڑے صحت مند گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ ماریا گھوڑوں کے پاس
جا کر سوچنے لگی کہ وہ گھوڑا لے کر اندر جائے یا شکنتلا کو کسی طرح سے

یہاں لے آئے۔

گھوڑے کو اندر لے جانا بڑا مشکل تھا۔ کیونکہ ڈیوڑھی کا صرف نچلا پٹ کھلا تھا جس میں سے آدمیوں کو سر جھکا کر گزرنا پڑتا تھا۔ پھر وہ گھوڑے پر سوار ہو کر اندر کیسے جاسکتی تھی؟۔

لیکن سوال یہ تھا کہ شکنتلا کو کس صورت سے باہر لایا جائے۔ اس کے سوائے کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ ماریا دوبارہ ڈیوڑھی میں سے گزر کر اندر آگئی۔ شکنتلا اسی جگہ چھپ کر بیٹھی ہوئی تھی۔ جہاں وہ اسے چھوڑ گئی تھی۔ ماریا نے اس کے پاس جا کر کہا:

شکنتلا بہن، گھوڑے باہر بڑا میں کھڑے ہیں۔ ان میں سے کسی ایک گھوڑے کا بھی محل کے اندر آنا بہت مشکل ہے۔ میں تمہیں اپنے کندھے پر اٹھا کر بھی نہیں لے جاسکتی۔ کیوں کہ ڈیوڑھی کا دروازہ پورا کھلا ہوا نہیں ہے۔

وہاں سے گزرنے کے لیے تمہیں کندھے سے اترنا پڑے گا اور جوں ہی تم میرے کندھے سے اتریں، تمہیں سب دیکھ لیں گے“۔

شکنتلا نے ناامید ہو کر پوچھا:

”تو پھر اب کیا کیا جائے؟“۔

ماریا سوچ کر بولی:

”اس وقت زیادہ سوچنے کا وقت نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ تمہیں مردانہ لباس پہن کر یہاں سے نکل جانا ہوگا“۔

”مردانہ لباس؟“۔ شکنتلا نے تعجب سے پوچھا ”مگر میں یہاں سے مردانہ لباس کہاں سے لوں گی؟“۔

ماریا بولی:

”اس کا انتظام میں کرتی ہوں۔ تم اسی جگہ چھپ کر بیٹھی رہو“۔

ماریا شکنتلا کو اسی جگہ دیوار کی اوٹ میں چھوڑ کر محل کے اندر اس

جگہ آ گئی جہاں دیواروں کے ساتھ سپاہیوں کی وردیاں لٹکی ہوئی تھیں۔
یہاں ایک چوکیدار پہرہ دے رہا تھا۔
ماریا نے آگے بڑھ کر ایک وردی اتار لی۔ چوکیدار نے دیکھا
کہ ایک وردی دیوار سے اپنے آپ دیوار سے اتری اور غائب ہوگئی
ہے۔ اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس نے چونک کر ادھر
ادھر دیکھا۔ مگر وردی اسے کہیں بھی نظر نہ آئی۔ وہ حیرت کے مارے
دیوار کو تکنے لگی۔

ماریا اسے پریشان چھوڑ کر بھاگتی ہوئی شکنتلا کے پاس آ گئی۔
وردی اسے دے کر اس نے کہا کہ فوراً وردی پہن کر سپاہی بن جاؤ
اور کوشش کرو کہ جلدی سے جلدی ڈیوڑھی میں سے گزر جاؤ۔

”ایک بات کا خیال رکھنا۔ سر کو جھکائے رکھنا۔ تمہارا چہرہ کوئی
پوری طرح نہ دیکھنے پائے“۔

شکنتلا نے وردی پہنی اور ڈیوڑھی کی طرف چل دی۔ وہ سپاہی کی
طرح اکڑ کر مگر سر کو چھپائے چل رہی تھی۔ ماریا اس کے پیچھے تھی۔
ماریا نے اس خیال سے نیزہ اپنے ہاتھ میں تھام لیا تھا۔ کہ اگر کوئی
گڑبڑ ہو جائے تو وہ شکنتلا کی حفاظت کر سکے۔ شکنتلا ڈیوڑھی میں آ
گئی۔ یہاں چار پانچ سپاہی آپس میں ہنسی مذاق کر رہے تھے۔ شکنتلا
ان کے قریب سے ہوکر گزرنے لگی تو ایک سپاہی نے اس کے کندھے
پر ہاتھ رکھ کر کہا:

”یار تم کیوں سر جھکا کر چل رہے ہو؟ سپاہی بنو اور گردن اٹھا کر
چلو“۔

شکنتلا نے کوئی جواب نہ دیا اور سپاہی کا ہاتھ جھٹک کر آگے چل
دی۔ سپاہی کو شک سا ہوا کہ یہ کون بدتمیز ہے۔ اس نے آگے بڑھ کر
شکنتلا کا چہرہ ہاتھ سے اوپر اٹھا دیا۔

"یار تم کون ہو؟ ذرا ہمیں بھی تو پتا چلے"۔

چہرہ اوپر اٹھتا تھا کہ سپاہی یہ دیکھ کر چونکا کہ سپاہی کا چہرہ عورت کا تھا۔ اس وقت شکنتلا ڈیوڑھی کے دروازے کے قریب آ گئی تھی۔ سپاہی نے شور مچا دیا۔

"یہ کوئی عورت جا رہی ہے"۔

ماریا نے پیچھے سے سپاہی کے نیزہ مار دیا۔ سپاہی نیچے گرا۔ شکنتلا بھاگ اٹھی۔ سامنے گھوڑے کھڑے تھے۔ ماریا نے کہا:

"شکنتلا، جلدی سے گھوڑے پر سوار ہو جاؤ۔ میں بھی آ رہی ہوں"۔

ماریا بھی شکنتلا کے پیچھے بھاگی۔ وہاں شور مچ گیا۔ سپاہی شکنتلا کے پیچھے لپکے۔ شکنتلا گھوڑے کے پاس پہنچ گئی تھی۔ وہ اچھل کر گھوڑے پر چڑھ گئی۔ ایک سپاہی نے دور سے نیزہ اس کی طرف

پھینکا۔ نیزہ گھوڑے کے پاس گرا۔ گھوڑا زور سے ہنہنایا۔ ماریا قریب آ گئی۔ سپاہیوں نے شکنتلا کی طرف خنجر پھینکے جو ان کے ساتھ اس کے پاس سے گزر گئے۔ ماریا اچھل کر گھوڑے پر شکنتلا کے ساتھ ہی سوار ہو گئی۔

ماریا کے گھوڑے پر سوار ہوتے ہی گھوڑا غائب ہو گیا۔ شکنتلا بھی غائب ہو گئی۔ سپاہی جہاں کھڑے تھے، وہاں کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔

ان کے منہ کھلے تھے اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں کے ساتھ ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ ہر ایک دوسرے سے یہی پوچھ رہا تھا کہ یہ ایک دم گھوڑا سوار سمیت کہاں اور کیسے غائب ہو گیا۔ لیکن گھوڑا سوار سمیت غائب ہو چکا تھا اور ماریا شکنتلا کو لے کر گھوڑا دوڑاتی باغ سے نکل گئی تھی۔

باغ سے باہر آ کر ماریا نے اطمینان کا سانس لیا اور کہا:

"بڑی مشکل سے جان بچی۔ اگر ذرا سی دیر ہو جاتی تو تم پکڑی جاتیں اور اس دفعہ بادشاہ کے حکم سے تمہیں ضرور مار دیا جاتا"۔

شکنتلا نے کہا:

"ماریا بہن! میں تمہارا شکریہ ادا کرتی ہوں۔ اگر آج تم میری مدد نہ کرتیں تو میری جان ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سخت خطرے میں پڑ گئی تھی"۔

"چلو اچھا ہوا۔ جان بچی سو لاکھوں پائے"۔

ماریا گھوڑا دوڑاتی شکنتلا کو لے کر سمندر کے کنارے اس مقام پر آ گئی جہاں بادبانی جہاز کھڑا تھا۔ اس نے کنارے پر پہنچ کر گھوڑا چھوڑ دیا۔

شگنتلا جوں ہی گھوڑے سے اتری وہ نظر آنے لگی۔ ماریا اسے لے کر جہاز کے عرشے پر آ گئی۔ وہاں جب عنبر نے شگنتلا کو دیکھا تو بے حد خوش ہوا۔ دونوں بہن بھائی ایک مدت کے بعد ملے تھے۔ خوشی سے ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ دیر تک وہ ایک دوسرے کو اپنی اپنی مصیبتیں سناتے رہے۔ عنبر نے شگنتلا کا تعارف ناگ سے کروایا اور کہا:

''یہ بھی تمہارا ایک بھائی ہے شگنتلا بہن''۔

شگنتلا نے کہا:

''ناگ بھائی اور ماریا سے مل کر مجھے سچی خوشی ہوئی ہے''۔

عنبر اور ناگ نے ماریا کی بڑی تعریف کی اور کہا کہ اگر وہ محل کی تلاشی لینے نہ جاتی تو شگنتلا کا ملنا بڑا محال تھا۔ ناگ نے کہا:

''اب ہمیں جلد سے جلد اس جزیرے کو چھوڑ دینا چاہیے۔۔۔

کیوں کہ شگنتلا کے فرار کی خبر بادشاہ تک پہنچ جائے گی اور اس کے سپاہی جہاز پر حملہ کرنے آ رہے ہوں گے، اور کچھ نہیں تو کم از کم وہ جہاز کو آگ ضرور لگا سکتے ہیں۔ ہم آگ کا مقابلہ کر سکیں گے''۔

عنبر نے کہا:

''تم بالکل ٹھیک کہتے ہو۔ لنگر اٹھا کر بادبان کھول دو۔ ہم اسی وقت یہاں سے نکل چلتے ہیں۔ ہوا بھی مناسب چل رہی ہے''۔

ناگ تیزی سے مستول کے اوپر چڑھ گیا اور اس نے سارے بادبان کھول دیے۔ عنبر اور ماریا مل کر جہاز کا لنگر کھینچ رہے تھے کہ سامنے سے بادشاہ اپنے خونخوار وفادار سپاہیوں کی فوج سمیت آتا دکھائی دیا۔

سپاہی آگے آ رہے تھے۔ انہوں نے جہاز پر تیروں کی بارش کر دی۔ لنگر اٹھا دیا گیا تھا۔ بادبانوں میں ہوا بھر گئی اور جہاز جزیرے

کے ساحل کو چھوڑ کر کھلے سمندر کی طرف کھسکنا شروع ہو گیا۔ سپاہی کنارے پر آ گئے۔ بادشاہ نے چلا کر کہا:

"کشتیوں میں بیٹھ کر جہاز پر حملہ کر دو۔ جہاز کو آگ لگا دو"۔

سپاہی کشتیوں میں سوار ہو کر جہاز کی طرف لپکے۔ انہوں نے جلتے ہوئے تیر پھینکنے شروع کر دیے۔ عنبر اور ناگ تیروں کی آگ بجھانے لگے جہاز اب سمندر کی طرف چل پڑا تھا۔

جہاز کنارے سے دور نکل چکا تھا۔ مگر سپاہی بھی اپنی کشتیوں پر جہاز کے آس پاس منڈلانے لگے تھے۔ کشتیوں میں سے جہاز پر تیروں کی بارش ہو رہی تھی۔ عنبر نے ناگ سے کہا:

"کیا خیال ہے ناگ؟"

ناگ بولا:

"اگر آپ حکم کریں تو میں اپنے نوکروں کو تکلیف دوں۔ یعنی

چھوٹے سانپوں کو بلا کر سپاہیوں پر حملہ کرا دوں؟"

شکنتلا نے کہا:

"میرا خیال ہے اس کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ یہ لوگ ہمارے جہاز پر تو چڑھ نہیں سکتے۔ بس پیچھا ہی کریں گے اور یا تیر چلائیں گے۔ اس سے ہمارا کچھ نہیں بگڑتا۔ یہ لوگ کچھ دور تک سمندر میں تعاقب کرنے کے بعد خود بخود واپس چلے جائیں گے"۔

ماریا نے کہا:

"میرا بھی یہی خیال ہے ناگ بھائی۔ یہ لوگ اب ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ ہم ان کی زد سے کافی دور نکل آئے ہیں"۔

عنبر کہنے لگا:

"ان کو مزا چکھانے کے لیے ہم ان کی کشتیوں پر جوابی حملہ کرتے ہوئے جلتے تیر ضرور برسا سکتے ہیں۔ نیچے اس قسم کے تیروں کا پورا

ذخیرہ جمع ہے۔ میں ابھی جا کر لے آتا ہوں"۔

عنبر نیچے سے تیروں کا گٹھا اٹھا کر لے آیا۔ انہوں نے تیروں کو آگ لگا کر سپاہیوں کی کشتیوں پر برسانا شروع کر دیا۔ دشمن اس جوابی حملے سے بوکھلا گیا۔ انہیں کیا خبر تھی کہ یہ تو بحری ڈاکوؤں کا جہاز ہے اور اس میں دشمن کو مار بھگانے کے لیے ہر قسم کا ہتھیار موجود ہے۔ جلتے تیروں نے نہ صرف کئی سپاہیوں کو زخمی کر دیا بلکہ دو ایک کشتیوں میں آگ بھی لگا دی۔

سپاہیوں میں افراتفری مچ گئی۔ وہ کشتیاں واپس موڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ میدان صاف تھا۔ دشمن اپنے زخموں کو سہلاتا شکست کھا کر جزیرے کی طرف بھاگ رہا تھا اور جزیرہ دور ہو رہا تھا۔

عنبر، ناگ، ماریا اور شکنتلا جہاز کے عرشے پر کھڑے یہ تماشا بڑی دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔

ناگ نے مسکرا کر کہا:

"دشمن کس طرح دم دبا کر بھاگ رہا ہے"۔

دشمن بھاگ گیا۔ جزیرہ بہت دور رہ گیا۔ جہاز سمندر کے بیچ میں آ گیا۔

عنبر نے کہا:

"اب ہمیں نقشے کے مطابق جہاز کے رخ کو خاص سمت میں ڈالنا ہے تا کہ ہم ہندوستان کے ساحل پر پہنچ سکیں۔ مجھے بحری کپتان نے بتایا تھا کہ ہم اس جزیرے سے جہاز لے کر دو راتیں اور دو دن سمندر میں قطبی ستارے کے جنوب کی طرف سفر کرتے رہیں تو ہندوستان کے ساحل پر جا لگیں گے"۔

یہ لوگ نیچے کیبن میں گئے۔ وہاں انہوں نے نقشہ دیکھا اور اس کے مطابق اوپر آ کر جہاز کی چرخی کو ایک خاص سمت میں گھما دیا۔

بادبانوں کا رخ بھی قطبی ستارے کے جنوب کی طرف کر دیا۔ ہوا خوب چل رہی تھی اور جہاز ایک نپی تلی رفتار کے ساتھ اپنی منزل کی طرف بڑھ رہا تھا۔ چاروں بہن بھائی جہاز کے عرشے پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ عنبر کہہ رہا تھا۔

''شگفتا بہن نے بھی بہت مصیبتیں اور تکلیفیں اٹھائی ہیں۔ یہ آج ایک لمبی مدت کے بعد اپنے گھر بار کو واپس جا رہی ہے۔ ہم اسے مبارکباد دیتے ہیں''۔

شگفتا نے کہا:

''عنبر بھائی' میں آپ کا سب سے زیادہ شکریہ ادا کرتی ہوں، کیونکہ یہ آپ کی مدد ہی تھی جس نے میرا حوصلہ بلند رکھا اور میں نے ہر مصیبت پر فتح حاصل کی۔ نہیں تو میں اکیلی کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی''۔

جہاز اسی طرح دن رات سفر کرتا رہا۔ یہ ان سب کی خوش قسمتی تھی

کہ وہ بڑی درست سمت میں سفر کر رہا تھے؛ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پوری دو راتیں اور دو دن سفر کرنے کے بعد انہیں دور سے ہندوستان کا ساحل دکھائی دینے لگا۔ سب کے چہرے خوشی سے کھل گئے۔ شگفتا کا چہرہ سب سے زیادہ کھلا ہوا تھا۔ وہ اپنے گھر جا رہی تھی۔

خونی پل

آسمان بڑا روشن تھا۔

نیلے آسمان پر سورج اور سیاہ کالے سمندر کے پانی پر دھوپ چمک رہی تھی۔ عنبر، ناگ، ماریا اور شکنتلا جہاز کے عرشے پر کھڑے بڑے شوق سے ہندوستان کے ساحل کو قریب آتے دیکھ رہے تھے۔ انہیں کچھ خبر نہیں تھی کہ یہ ساحل ہندوستان کے کس حصے کا ہے۔ یہ تو وہ جانتے تھے کہ یہ ہندوستان کا جنوب مشرقی ساحل ہے اور شکنتلا کا شہر بھی اسی خطے میں تھا۔

جہاز آہستہ آہستہ کنارے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ کنارے پر وہی ناریل اور پام کے درختوں کے جھنڈ دور تک چلے گئے تھے۔ شاداب ہرے بھرے درخت سفید دھوپ میں چمک رہے تھے۔ آسمان پر مرغابیاں پرواز کر رہی تھی۔ ناگ نے شکنتلا سے پوچھا۔

"کیا تم اس ساحل کو دیکھ کر کچھ اندازہ کر سکتی ہو کہ ہم کس علاقے میں ہیں؟"۔

شکنتلا نے کہا:

"میں کچھ بھی اندازہ نہیں لگا سکتی، کیوں کہ میں کبھی شاہی محل سے باہر نہیں نکلی تھی۔ ویسے یہ ملک میرا ہی ہے۔ یعنی ہندوستان ہی ہے اور اس کا جنوب مشرقی حصہ ہے"۔

عنبر کہنے لگا:

"یہ تو ہمیں بھی معلوم ہے۔ خیر کنارے پر جا کر اصل حالات کا

علم ہوگا۔ میرا خیال ہے، ہمیں جہاز کنارے سے دور ہی کھڑا کرنا چاہیے۔ کیوں کہ ہوسکتا ہے۔ کنارے پر پانی گہرا نہ ہو“۔

ماریا نے کہا:

”ہمیں چاہیے تھا کہ ہم اوپر کی طرف جا کر کہیں کنارے پر لگتے، کیوں کہ شکنتلا کے باپ کی ریاست ہندوستان کے شمال مشرق میں ہے۔ کیوں شکنتلا میں ٹھیک کہہ رہی ہوں کیا؟“۔

شکنتلا نے کہا:

”بالکل شمال مشرق میں نہیں ہے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے وہ جنوب مشرق کے اوپر والے حصے میں ہے“۔

عنبر نے کہا:

”بہرحال کنارے پر اتر کر سب کچھ معلوم ہو جائے گا“۔

عنبر نے ناگ کے ساتھ مل کر جہاز کے بادبان لپیٹ دیے۔ اب

جہاز بڑی سست رفتار کے ساتھ کنارے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ کنارے سے کچھ ہی دور جہاز رک گیا اور سمندر کی لہروں پر ڈولنے لگا۔

عنبر نے اعلان کیا:

”لنگر پھینک دیا جائے“۔

جہاز کا لنگر پھینک دیا گیا۔ لنگر سمندر کی تہہ میں جا کر پتھروں میں گڑ گیا۔ اس کے ساتھ ہی جہاز نے ڈولنا بند کر دیا۔ کشتی سمندر میں اتار دی گئی۔ اس کشتی میں شکنتلا، عنبر اور ماریا بیٹھ گئے۔ ناگ کو انہوں نے جہاز پر ہی چھوڑ دیا۔ اس نے اترنے کے لیے بہت زور لگایا مگر

عنبر نے کہا:

”ناگ، پہلی بار ماریا جہاز پر اکیلی رہی تھی۔ اب تمہاری باری ہے۔ فکر نہ کرو۔ تمہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ تم انکار بھی نہیں کر سکتے۔

بس اب اس وقت تو تم ہی جہاز کی پہرے داری کرو گے۔ جب تک
ہم یہ معلوم کر کے واپس نہیں آ جاتے کہ ہم کس جگہ پر آ گئے ہیں؟"۔
ناگ اب کیا کر سکتا ہے۔ وہ عنبر کی عزت اپنے بڑے بھائی سے
بھی بڑھ کر کرتا تھا۔ مجبوراً وہ جہاز پر پہرے داری کے لیے رک گیا۔
شکنتلا' عنبر اور ماریا کشتی میں سوار ہو کر کنارے کی طرف روانہ
ہو گئے۔ کنارہ وہاں سے بمشکل ایک فرلانگ کے فاصلے پر ہو گا۔ کشتی
سمندر کے سیاہ پانیوں میں بڑے سکون کے ساتھ چلی جا رہی تھی۔
چھوٹی چھوٹی مچھلیاں قریب آ کر واپس بھاگ جاتیں۔

کشتی کنارے کے ساتھ لگ گئی۔ عنبر نے کشتی کو ریت پر کھینچ کر
جھاڑیوں میں چھپا دیا۔ جزیرے کا یہ ساحل بے آباد تھا۔ انہوں نے
اس سے پہلے اس قسم کے جانے کتنے ساحل دیکھے تھے بس یہ ساحل
بھی ایسا ہی تھا۔ سب سے پہلی بات وہ یہ پتا کرنا چاہتے تھے کہ وہ اگر

ملک ہندوستان میں ہیں تو اس ملک کے کس علاقے میں ہیں؟ اتنا
انہیں جاپان میں ہی پتا چل گیا تھا کہ ہندوستان میں چندر گپت کی
حکومت ہے اور پاٹلی پتر اس کا دارالحکومت ہے جہاں ملک ملک کے
سفیر موجود ہیں۔ یہ بھی مشہور تھا کہ چندر گپت ایک انصاف پسند راجہ
ہے اور اسکے ملک میں رعایا بڑی خوش حال ہے۔

ساحل کی ریت پر چلتے ہوئے وہ درختوں کی طرف بڑھے۔
دلچسپ بات کہ ریت پر شکنتلا اور عنبر کے پاؤں کے نشانوں کے ساتھ
ساتھ ماریا کے پاؤں کے نشان بھی پڑ رہے تھے اور وہ نظر نہیں رہی
تھی۔ گیلی ریت پر اپنے آپ پاؤں کے نشانوں کی لکیر پڑتی چلی جا
رہی تھی۔

عنبر نے مسکرا کر شکنتلا سے کہا:

"شکنتلا بہن، اگر کوئی یہ تماشہ دیکھے کہ انسان نظر نہیں آ رہا اور اس

کے پاؤں کے نشان پڑتے جا رہے ہیں تو چیخ مار کر بھاگ جائے"۔

شگفتہ نے کہا:

"ہاں، یہ تو بڑا عجیب تماشا ہے"۔

ماریا بولی:

میں خود بھی اپنے پاؤں کے نشانوں کو دیکھتی ہوں تو حیران ہو جاتی ہوں۔ مگر کیا کروں۔ اس مصیبت سے خدا جانے کب چھٹکارا ملے گا۔ میں تو غائب رہ رہ کر تنگ آ گئی ہوں۔ دل چاہتا ہے میں بھی ظاہر ہو کر چلوں پھروں۔

مجھے بھی تم لوگ دیکھو اور مجھ سے ہنس ہنس کر باتیں کرو۔ اب ہوتا

یہ ہے کہ تم لوگ کسی دوسری طرف منہ کر کے مجھ سے باتیں کر رہے ہوتے ہو اور مجھے بڑا صدمہ ہوتا ہے۔

عنبر نے کہا:

"ایسی کوئی بات نہیں ماریا بہن، ہم تم سے اتنا ہی پیار کرتے ہیں جتنا پیار کہ ایک بھائی اپنی بہن سے کر سکتا ہے اور پھر غائب ہو کر زندگی بسر کرنا تو ایک بڑا ہی دلچسپ کام ہے۔ اگر میں تمہاری طرح غائب ہو سکتا تو کبھی واپس ظاہر ہونے کی خواہش نہ کرتا"۔

ماریا نے آہ بھر کر کہا:

"بس اسی طرح دل بہلا لیتی ہوں۔ ویسے خدا کا شکر ادا کیا کرو کہ تم غائب نہیں ہو، بلکہ لوگوں کی نظروں کے سامنے چلتے پھرتے نظر آتے ہو"۔

وہ باتیں کرتے کرتے درختوں کے جھنڈوں کے پاس پہنچ گئے۔

یہاں زمین پر لمبی لمبی گھاس اگی ہوئی تھی۔ ارد گرد کوئی آبادی نہیں تھی۔ عنبر نے کہا:

"شاید یہ علاقہ بے آباد ہے۔ ہمیں ذرا آگے جا کر جہاز کا لنگر ڈالنا چاہیے تھا"۔

ماریا بولی:

"ادھر تو آبادی کا کوئی نشان دکھائی نہیں دے رہا"۔

شکنتلا بولی:

"میرا خیال ہے، ہمیں اب بھی آگے چلے چلنا چاہیے، کیونکہ ادھر تو نہ کوئی انسان دکھائی دیتا ہے اور نہ کوئی ایسا راستہ نظر آتا ہے جس پر چل آدمی کسی جھونپڑے تک پہنچ جائے"۔

وہ واپس جہاز پر جانے کا سوچ ہی رہے تھے کہ انہیں ایک جانب سے درختوں میں دھواں اٹھتا نظر آیا۔ عنبر نے کہا:

"یہ دھواں کہاں سے اٹھ رہا ہے۔ میرا خیال ہے وہاں ضرور کوئی چھوٹی بستی ہے۔ چلو وہاں چل کر معلوم کرتے ہیں"۔

تینوں اس طرف چل دیے جدھر سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ اب انہیں باتوں کی آواز بھی سنائی دینے لگی۔ وہ ذرا رک گئے اور دبے پاؤں آگے بڑھنے لگے۔

دھواں جھاڑیوں کے ایک گھنے جھنڈ کے پیچھے سے اٹھ رہا تھا۔ انہوں نے جھاڑیوں میں سے جھانک کر دوسری طرف دیکھا۔ وہاں دو آدمی آگ کے پاس بیٹھے چھال کی رسیاں بٹ رہے تھے۔ وہ ادھیڑ عمر کے تھے اور آپس میں باتیں بھی کر رہے تھے۔ عنبر نے کان لگا کر سنا۔ وہ اپنی غریبی کا رونا رو رہے تھے کہ صبح سے انہیں کھانے کو کچھ نہیں ملا۔ عنبر نے شگفتا اور ماریا کو اسی جگہ کھڑا کیا اور خود ان آدمیوں کے سامنے آ گیا۔

دونوں آدمی عنبر کو دیکھ کر کچھ ڈر سے گئے۔ عنبر نے کہا:

"آپ مجھ سے ڈریں نہیں۔ میں آپ کا بھائی ہوں اور بڑی دور سے سمندر میں سفر کر کے یہاں آیا ہوں۔ پہلے مجھے یہ بتائیں کہ یہاں سے ریاست بمبی سار کتنی دور ہے؟"۔

ایک آدمی نے سر اٹھا کر کہا:

"بھائی! بمبی سار کی ریاست یہاں سے دو جنگل اور ایک دریا عبور کرنے کے بعد شروع ہوتی ہے، لیکن تم کہاں سے آئے ہو۔ بمبی سار میں تمہیں کیا کام ہے؟"۔

عنبر نے اب شگفتا اور ماریا کو بھی وہیں بلوا لیا۔ اس نے ان آدمیوں سے شگفتا کا تعارف کرواتے ہوئے کہا:

"یہ ریاست بمبی سار کے راج کمار کی بیوی ہے۔ اس کا نام شگفتا ہے۔ ہم اسے اس کے راجکمار کے پاس چھوڑنے جا رہے ہیں"۔

دونوں آدمیوں نے اٹھ کر شکنتلا کے آگے جھک کر سلام کیا اور کہا:

’’راج کماری جی! ہمارے بڑے بھاگ ہیں کہ آپ کے درشن ہو گئے۔ لیکن آپ کی ریاست میں تو سیناپتی نے بغاوت کر کے تخت پر قبضہ کر لیا ہے۔ آپ کے راج کمار کے بارے میں سنا ہے کہ اسے قید کر دیا گیا ہے‘‘۔

شکنتلا کا رنگ فق ہو گیا۔

’’اور میرا بچہ؟‘‘۔

دوسرے آدمی نے کہا:

’’شاید وہ بھی راج کمار کے ساتھ ہی ہے۔ بھگوان ان کی حفاظت کرے۔ سیناپتی نے ریاست میں ظلم کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ اگر آپ وہاں گئیں تو وہ آپ کو بھی گرفتار کر کے قید میں ڈال دے گا‘‘۔

عنبر نے کہا:

’’فکر کی کوئی بات نہیں شکنتلا! ہم تمہیں لے کر تمہارے شاہی محل ضرور جائیں گے‘‘۔

سیناپتی کو اس کے ظلم کی ضرور سزا ملے گی۔ بھگوان سے دعا کرو کہ تمہارا راج کمار اور بچہ زندہ ہو۔ پھر ہمیں کوئی خطرہ نہیں ہے۔

عنبر نے آدمیوں کا شکریہ ادا کیا اور واپس جہاز پر ناگ کے پاس آ گئے۔ اس نے ناگ کو سارا قصہ کھول کر سنا دیا۔ انہوں نے سوچا کہ بجائے اس کے کہ وہ جہاز کو اسی جگہ کھڑا کر کے پیدل جنگل جنگل سفر کریں، یہ بہتر ہوگا کہ وہ جہاز پر ہی رہ کر اس دریا کی طرف سفر کریں جو راستے میں پڑتا ہے اور جسے عبور کرنے کے بعد ریاست بمبی سار کی سرحد شروع ہوتی ہے۔

سب نے اس تجویز کو پسند کیا؛ چنانچہ جہاز کا لنگر اٹھا کر بادبان کھول دیے گئے اور جہاز نے ہلکی رفتار کے ساتھ ساحل کے ساتھ ساتھ شروع کر دیا۔

وہ رات گئے تک ساحل کے ساتھ ساتھ سفر کرتے رہے۔

دوسرے روز صبح ہوئی تو انہوں نے ایک دریا کو دیکھا جو سمندر میں گر رہا تھا۔ عنبر نے کہا:

"یہی وہ دریا ہے جس کے باہر ریاست بمبی سار کی سرحد شروع ہوتی ہے۔ میرا خیال ہے' ہمیں دریا میں جہاز کو ڈالنے کے بجائے اسے اسی جگہ کہیں کھڑا کر دینا چاہیے"۔

ناگ بولا:

"یہی مناسب رہے گا، کیونکہ ہو سکتا ہے، دریا کم گہرا ہو اور جہاز اس کی دلدل میں پھنس جائے"۔

ماریا نے شگنتلا سے پوچھا:

"شگنتلا کیا تمہیں یاد ہے کہ تمہاری ریاست کے باہر کوئی دریا بھی بہتا تھا؟"۔

شگنتلا نے کہا:

"ہاں' مجھے یقین ہے کہ یہ وہی دریا ہے جس کی کہانیاں میری بوڑھی ماں سنایا کرتی تھی۔ ضرور یہی وہ دریا ہے۔ ہم اپنی ریاست میں پہنچنے ہی والے ہیں"۔

"ٹھیک ہے۔ جہاز کو اسی جگہ لنگر ڈال کر کھڑا کر دیتے ہیں"۔

جہاز کے بادبان لپیٹ کر اسے آہستہ آہستہ ساحل سے قریب لایا گیا۔ دریا کے سمندر میں گرنے کی وجہ سے یہاں پانی گہرا تھا۔ جہاز بڑی آسانی سے کنارے کے پاس آ کر رک گیا۔ فوراً اس کا لنگر ڈال دیا گیا۔ لنگر ڈالتے ہی انہوں نے رسے کی کشتی باہر پھینک دی۔

عنبر نے کہا:

"ناگ بھائی' اب تم بھی ہمارے ساتھ چلو گے، کیوں کہ ریاست میں سیناپتی نے بغاوت کر کے قبضہ کر لیا ہے اور ہمیں تمہاری ضرورت پڑے گی"۔

ماریا نے کہا:

"کیا ہم اس جہاز کو اکیلا ہی چھوڑ دیں گے؟"۔

عنبر نے کہا:

"نہیں' اسے ہم اکیلا کیسے چھوڑ سکتے ہیں بھلا؟ اس میں تو لاکھوں اشرفیوں کا خزانہ ہے"۔

شگنتلا نے پوچھا:

"پھر اس جہاز کی چوکی داری کون کرے گا؟"۔

عنبر نے کہا:

"اس خزانے کی چوکی داری ناگ کے سانپ کریں گے۔ کیوں ناگ بھائی کیا خیال ہے تمہارا؟ کیا تمہارے سانپ اس خزانے پر پہرہ دے سکیں گے"۔

ناگ بولا:

"کیوں نہیں عنبر بھائی' آخر وہ میرے نوکر ہیں۔ میرے غلام ہیں۔ میں ان کا شیش ناگ ہوں۔ وہ میرا ہر حکم ماننا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔"

"تو پھر انہیں بلا کر یہاں پہرے پر بٹھا دو"۔

"ابھی حاضر کرتا ہوں انہیں"۔

ناگ جہاز کے عرشے پر بیٹھ گیا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑانے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے دونوں ہاتھ اوپر ہوا میں اٹھا کر زور سے عرشے پر جھٹک دیے۔ اس کے ساتھ ہی

عرشے کے تختے پر اس کے سامنے ایک بہت بڑا اژدھا آ کر بیٹھ گیا۔ اس اژدہا کا رنگ سبز اور سیاہ تھا۔ سرخ آنکھوں میں شعلے چمک رہے تھے۔ اس نے اپنا زبردست پھن اٹھا رکھا تھا۔ ناگ نے کہا:

"سنو ناگ پھنی' اس جہاز کے نیچے ایک خزانہ ہے جس کے مالک ہم ہیں۔ تمہیں اس لیے یہاں بلایا ہے کہ ہم کچھ عرصہ کے لیے یہاں سے جا رہے ہیں۔ تم اس خزانے کی حفاظت کرنا اور خبردار کسی کو اوپر آ کر خزانہ چرانے کی اجازت نہ دینا۔ جس چور نے کبھی ایسا کرنے کی کوشش کی، اسے اسی وقت ہلاک کر دینا' سمجھے؟"۔

ناگ پھنی اژدھا نے پھن جھکا دیا۔ جیسے کہہ رہا ہو:

"میں ہر خدمت کے لیے حاضر ہوں"۔

اس نے ناگ سے کچھ کہا جسے صرف ناگ ہی سمجھ سکا۔ ناگ نے اٹھ کر عنبر سے کہا:

"یہ خزانے پر پہرہ دے گا۔ ہمیں بے فکر ہو جانا چاہیے۔ اب کسی میں اتنی ہمت نہیں کہ خزانے کی ایک اشرفی بھی چرا سکے"۔

ناگ نے نیچے کی طرف اشارہ کیا۔ اژدھا چپکے سے رینگتا ہوا نیچے خزانے کی طرف چلا گیا۔ نیچے جا کر وہ خزانے کے صندوقوں کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا اور پہرہ دینے لگا۔ اوپر عنبر، ناگ، شگفتہ اور ماریا چاروں کے چاروں سیڑھیوں پر سے اتر کر کنارے پر آ گئے۔ ان کے سامنے اب دریا تھے۔ وہ دریا کو کشتی کے ذریعے عبور اس لیے نہیں کر سکتے تھے کہ خشکی پر سے اتنی دور کشتی لے جانا مشکل تھا۔ ناگ نے کہا:

"دریا پر کسی نہ کسی جگہ ضرور کوئی پل موجود ہو گا۔ یہ ریاست کی سرحد کا دریا ہے۔ اس قسم کے دریاؤں پر ضرور پل بنے ہوتے ہیں۔ ہمیں آگے چل کر معلوم کرنا چاہیے"۔

چاروں دریا کے ساتھ ساتھ اوپر کی طرف چلنے لگے۔ ایک جگہ

بیٹھ کر انہوں نے کچھ کھانا وغیرہ کھایا اور دریا کا پانی پیا۔ پھر آگے چل دیے۔ کافی دور چلنے کے بعد انہیں ایک پل نظر آیا جو بانس کے لٹھوں کو جوڑ کر بنایا گیا تھا۔

وہ پل کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ پل کے دوسری جانب دو سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ ناگ نے خیال ظاہر کیا کہ ہو سکتا ہے یہ سینا پتی کے سپاہی ہوں۔ اس لیے احتیاط سے آگے بڑھنا چاہیے۔

بات ٹھیک تھی۔ مگر پل عبور کرنا بہت ضروری تھا۔ عنبر نے کہا:

"شکنتلا اور ماریا کو ہم اسی جگہ چھوڑ کر خود جا کر معلوم کرتے ہیں کہ یہ سپاہی یہاں کیا کر رہے ہیں اور کیوں کھڑے ہیں؟"۔

عنبر اور ناگ پل پر آگے بڑھے۔

جب وہ سپاہیوں کے پاس پہنچے تو انہوں نے نیزے تان کر

دونوں کو روک لیا۔

"کون ہو تم اور کہا جانا چاہتے ہو؟"۔

عنبر نے کہا:

"ہم مسافر ہیں۔ جڑی بوٹیوں کی تجارت کر کے اپنا پیٹ پالتے ہیں۔ ریاست بمبی سار میں جڑی بوٹیاں لینے آئے ہیں۔ کیا ہمیں پل عبور کرنے کی اجازت مل جائے گی؟"۔

ایک سپاہی نے کہا:

"کیا تم اکیلے ہو؟"۔

ناگ بولا:

"نہیں، ہماری دو بہنیں بھی ہمارے ساتھ ہیں"۔

سپاہی ہنس کر بولے:

"پھر ان کو بھی ساتھ لاؤ۔ اکٹھے ہی پل عبور کرو۔ ہم تمہیں

اجازت دیتے ہیں۔تم پل کے پار جاسکتے ہو"۔

ناگ اور عنبر نے سپاہیوں کا شکریہ ادا کیا اور ماریا اور شگفتا کو بھی ساتھ لے آئے۔ سپاہیوں نے پوچھا:

"تم تو دو بہنیں کہہ رہے تھے اور یہ ایک ہی بہن ہے تمہاری' دوسری کہاں ہے؟"۔

اصل میں عنبر سے یہ غلطی ہوگئی تھی۔وہ بھول گیا تھا کہ دوسری بہن ماریا تو کسی کو دکھائی نہیں دیتی۔اب اس نے بہانہ بنا کر کہا:

"مجھ سے بھول ہوگئی جناب' اصل میں ہماری یہی ایک بہن ہے۔دوسری بہن تو بہت دور گھر پر رہتی ہے"۔

سپاہی نے شگفتا کو بازو سے پکڑ کر اپنی طرف گھسیٹ لیا اور بولا:

"جاؤ' پہلے دوسری بہن گھر سے جالاؤ۔پھر اسے بھی لے جانا۔ اس عورت سے تو میں شادی کروں گا۔میں کنوارا ہوں۔ایک مدت

سے ایسی خوب صورت عورت کی تلاش میں تھا"۔

ناگ اور عنبر ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ماریا ان کے قریب ہی کھڑی تھی۔ایک سپاہی نے عنبر اور ناگ کی طرف نیزہ تان کر کہا:

"بھاگو یہاں سے۔ایک دوسرے کا منہ کیا دیکھتے ہو۔چلو بھاگ جاؤ واپس اور دوسری بہن کو بھی لاؤ۔اس سے میں شادی کروں گا۔ہم دونوں کنوارے ہیں"۔

وہ دونوں قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔شگفتا کو سپاہیوں نے ایک طرف بٹھا دیا تھا۔وہ بڑے اطمینان سے بیٹھی تھی، کیوں کہ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ یہ سپاہی اپنی موت کو آوازیں دے رہے تھے۔بھلا انہیں کیا ضرورت تھی، ایسی غنڈہ گردی کرتے کی لیکن برا آدمی برائی سے باز نہیں آتا اور جب تک اسے سزا نہ دی جائے اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔عنبر نے پھر بھی نرمی سے کہا:

”بھائیو‘ ہماری بہن کو ہمارے ساتھ جانے دو۔ یہ ظلم نہ کرو۔ ہم غریب لوگ ہیں۔ ہم تمہیں کچھ نہیں کہتے۔ پھر ہمیں کیوں تنگ کرتے ہو۔ تمہارا بھلا ہو گا۔ ہمیں یہاں سے گزر جانے کی اجازت دے دو“۔

سپاہی زور سے ہنسے اور ایک سپاہی نے نیزہ عنبر کی ٹانگ میں مار کر کہا:

”اگر زیادہ بک بک کی تو تمہیں ابھی نیزہ مار کر ہلاک کر دوں گا اور تمہاری لاش کو دریا کی مچھلیاں کھائیں گی۔ تمہیں معلوم نہیں، ہم سیناپتی کے خاص سپاہی ہیں۔ ہمیں اجازت ہے کہ جو چاہے کریں۔ بغاوت میں ہم سینکڑوں آدمیوں کو ہلاک کر چکے ہیں۔ ہم تمہیں بھی قتل کر دیں گے۔ اس لیے تمہاری خیر اسی میں ہے کہ دونوں چپ چاپ واپس چلے جاؤ“۔

ناگ نے کہا:

”لیکن ہم اپنی بہن کے بغیر واپس نہیں جائیں گے۔ ہماری بہن ہمیں واپس کر دو۔ ہم بڑے آرام سے واپس چلے جائیں گے“۔

سپاہی نے ناگ کے سر پر زور سے نیزہ مارنا چاہا۔ ناگ پرے ہٹ گیا۔

”بد بخت‘ بھاگ جا یہاں سے۔ نہیں تو ابھی تمہارا خون کر دوں گا“۔

عنبر نے آخری بار پوچھا:

”کیا تم لوگ ہماری بہن کو آزاد نہیں کرو گے؟“۔

سپاہی نے نفرت سے تھوک کر کہا:

”کہہ جو دیا کہ نہیں آزاد کریں گے۔ بھاگو یہاں سے بندر کے بچو چلو بھاگو‘ بھاگو“۔

سپاہیوں نے ناگ اور عنبر کو نیزے کے کچوکے لگانے شروع کر دیے۔ اب پانی سر سے گزر گیا تھا۔ دونوں کا صبر اب پورا ہو گیا تھا۔ ماریا یہ سب خاموشی سے ایک طرف کھڑی دیکھ رہی تھی۔ عنبر ماریا کی طرف اندازے کے مطابق دیکھ رہا تھا:

”ماریا‘ آگے بڑھو اور ان لوگوں کو برائی کی سزا دو“۔

دونوں سپاہی قہقہہ مار کر ہنسے:

”بدبخت، اب کس کو بلا رہے ہو؟“۔

عنبر نے کہا:

”ابھی تمہیں پتا چل جائے گا۔ میں تمہاری موت کو بلا رہا ہوں“۔

”بکواس بند کرو“۔

اور سپاہی نیزہ اٹھا کر عنبر کو ہلاک کرنے کے لیے آگے بڑھا ہی تھا

کہ ماریا نے پیچھے سے آ کر سپاہی کو اس زور سے دھکا دیا کہ وہ چیخ مار کر دریا میں دھڑام سے جا گرا۔

دریا کی لہروں نے اسے اپنے اندر چھپا لیا۔ دوسرا سپاہی گھبرا کر آگے بڑھا اور نیزہ ہوا میں بلند کر کے عنبر پر حملہ کرنے ہی والا تھا کہ ماریا نے اسے بھی زور سے دھکا دے کر دریا میں گرا دیا۔ دونوں سپاہی دریا میں گر کر ڈوب گئے۔ وہ کچھ دور تک تیرتے تئے، لیکن چوں کہ سمندر کے قریب دریا کا پانی بے حد تیز تھا۔ اس لیے وہ لہروں میں ڈوب کر ہلاک ہو گئے۔

ناگ نے کہا:

”شاباش ماریا‘ تم نے سینکڑوں لوگوں کے قاتلوں کو اس کی ٹھیک سزا دی۔ اٹھو شگفتہ بہن، اب آگے بڑھتے ہیں“۔

نقلی راجکمار

چاروں نے دریا کا پل عبور کر لیا۔

دریا کے دوسری جانب جنگل تھوڑی دور چلنے کے بعد ختم ہو گیا اور چھوٹے چھوٹے ہرے بھرے کھیتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ یہاں آبادی کے نشان بھی تھے۔ چاروں چلتے چلے گئے۔ کھیتوں میں سے گزر کر انہوں نے دیکھا کہ دور ریاست بھی سار کے شہر کی دیوار شروع ہو رہی ہے۔ شکنتلا نے کہا:

"یہی ہماری ریاست کی دیوار ہے۔ میں نے اسے پہچان لیا

ہے۔ ہمیں احتیاط سے چلنا ہو گا۔ وہاں زبردست پہرہ ہو گا۔ ہو سکتا ہے سیناپتی کے سپاہی میری تلاش میں ہوں"۔

عنبر نے کہا:

"فکر نہ کرو۔ ہم ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھائیں گے۔ ناگ، میرا خیال ہے' ہم شکنتلا کو یہاں کسی محفوظ جگہ چھوڑ کر خود آگے بڑھتے ہیں اور ریاست کے اندر داخل ہو کر راج کمار سے جیل میں ملتے ہیں۔ سب سے پہلے ہمیں راج کمار کو پھر سے تخت پر بٹھانا ہو گا۔ اس کی کھوئی ہوئی سلطنت اسے واپس دلانی ہو گی۔ پھر ہم شکنتلا کو یہاں سے لے جا سکتے ہیں"۔

ناگ نے کہا:

"یہ تو ٹھیک ہے، مگر شکنتلا کو ہم یہاں کہاں چھوڑ کر جا سکتے ہیں؟"۔

عنبر نے کہا:

”یہاں کسی اچھی سی جگہ تم شکنتلا کے ساتھ آرام کرو۔ میں اور ماریا آگے جاتے ہیں۔ اگر ہمیں تمہاری مدد کی ضرورت ہوئی تو اسی جگہ آ کر تمہیں بھی ساتھ لے چلیں گے۔ کیا خیال ہے؟“۔

ماریا بولی:

”میرا تو خیال ہے کہ یہ اچھا خیال ہے۔ ہمیں ایسا ہی کرنا چاہیے۔ یہ جو سامنے درختوں کے جھنڈ ہیں۔ وہاں جھاڑیوں میں چھپ کر شکنتلا اور ناگ کچھ وقت گزار سکتے ہیں“۔

”کیوں ناگ تمہارا کیا خیال ہے؟“۔

”جو آپ کا خیال ہے وہی میرا خیال ہے۔ میں تیار ہوں۔ ان درختوں میں کسی جگہ ہم چھپ رہیں گے۔ بہر حال آپ لوگوں کا ہمیں انتظار رہے گا“۔

عنبر نے کہا:

”فکر نہ کرو۔ ہم پہلی فرصت میں تمہارے پاس آئیں گے۔ ماریا کو میں اس لیے ساتھ لیے جا رہا ہوں کہ اس کی وجہ سے میرا راستہ آسان ہو جائے گا۔ جو کام میں نہیں کر سکوں گا وہ یہ کرے گی، کیونکہ یہ کسی کو دکھائی نہیں دیتی اور مجھے ہر کوئی دیکھ سکتا ہے“۔

”ٹھیک ہے۔ آپ لوگ خدا کا نام لے کر چلیں“۔

پھر عنبر نے شکنتلا کو تسلی دی:

”شکنتلا بہن! میں اپنا وعدہ پورا کروں گا۔ میں تمہیں تمہارے خاوند اور بچے تک پہنچا کر دم لوں گا۔ فکر بالکل نہ کرو۔ تمہارا راج کمار جیل میں اپنے بچے کے ساتھ زندہ ہے۔ اگر وہ زندہ نہ ہوتا تو سپاہیوں سے اس کی خبر مل جاتی۔

ہم سیدھے جا کر تمہارے راجکمار کو تمہاری زندگی اور اس کی

عنبر نے کہا:

"یہاں کسی اچھی سی جگہ تم شکنتلا کے ساتھ آرام کرو۔ میں اور ماریا آگے جاتے ہیں۔ اگر ہمیں تمہاری مدد کی ضرورت ہوئی تو اسی جگہ آکر تمہیں بھی ساتھ لے چلیں گے۔ کیا خیال ہے؟"۔

ماریا بولی:

"میرا تو خیال ہے کہ یہ اچھا خیال ہے۔ ہمیں ایسا ہی کرنا چاہیے۔ یہ جو سامنے درختوں کے جھنڈ ہیں۔ وہاں جھاڑیوں میں چھپ کر شکنتلا اور ناگ کچھ وقت گزار سکتے ہیں"۔

"کیوں ناگ تمہارا کیا خیال ہے؟"۔

"جو آپ کا خیال ہے وہی میرا خیال ہے۔ میں تیار ہوں۔ ان درختوں میں کسی جگہ ہم چھپ رہیں گے۔ بہرحال آپ لوگوں کا ہمیں انتظار رہے گا"۔

عنبر نے کہا:

"فکر نہ کرو۔ ہم پہلی فرصت میں تمہارے پاس آئیں گے۔ ماریا کو میں اس لیے ساتھ لیے جا رہا ہوں کہ اس کی وجہ سے میرا راستہ آسان ہو جائے گا۔ جو کام میں نہیں کر سکوں گا وہ یہ کرے گی، کیونکہ یہ کسی کو دکھائی نہیں دیتی اور مجھے ہر کوئی دیکھ سکتا ہے"۔

"ٹھیک ہے۔ آپ لوگ خدا کا نام لے کر چلیں"۔

پھر عنبر نے شکنتلا کو تسلی دی:

"شکنتلا بہن! میں اپنا وعدہ پورا کروں گا۔ میں تمہیں تمہارے خاوند اور بچے تک پہنچا کر دم لوں گا۔ فکر بالکل نہ کرو۔ تمہارا راج کمار جیل میں اپنے بچے کے ساتھ زندہ ہے۔ اگر وہ زندہ نہ ہوتا تو سپاہیوں سے اس کی خبر مل جاتی۔

ہم سیدھے جا کر تمہارے راجکمار کو تمہاری زندگی اور اس کی

آزادی اور سلطنت کی واپسی کی خوش خبری دیں گے۔ تمہاری سلطنت
تمہیں ضرور واپس ملے گی۔

شکنتلا نے آنسوؤں بھری آنکھوں سے عنبر کا شکریہ ادا کیا۔ اور
انہیں رخصت کیا۔ ان کے جانے کے بعد ناگ نے ایک جگہ
جھاڑیاں صاف کر کے زمین پر بچھا دیں اور شکنتلا سے کہا:

”بہن تم یہاں پر آرام کرو۔ میں پہرہ دیتا ہوں اور جنگل میں
سے تمہارے لیے پھل وغیرہ توڑ کر لاتا ہوں“۔

شکنتلا گھاس پر لیٹ کر آرام کرنے لگی۔ ناگ نے قریب ہی
درختوں پر سے جنگلی پھل توڑے، پتوں کا پیالہ بنا کر اس میں پانی بھرا
اور لے کر شکنتلا کے پاس آ گیا۔ شکنتلا نے جی بھر کر پھل کھائے، پانی
پیا اور آپس میں باتیں کرنے لگے۔

دوسری طرف عنبر اور ماریا دونوں چلتے چلتے سرحد کی دیوار کے

ساتھ ساتھ چلتے ہوئے وہ شہر کے دروازے پر آ گئے۔ یہاں سپاہی
پہرہ دے رہے تھے اور شہر میں آنے جانے والوں سے پوچھ گچھ بھی
کر رہے تھے۔

ماریا عنبر سے پہلے ہی ڈیوڑھی میں آ گئی اور ایک طرف کھڑی ہو
کر انتظار کرنے لگی کہ عنبر کو اجازت ملے تو اس کے ساتھ شہر میں داخل
ہو۔

عنبر سے سپاہیوں نے پوچھنا شروع کر دیا کہ وہ کون ہے۔ کہاں
سے آیا ہے؟ اور شہر میں کیوں جا رہا ہے۔ عنبر نے وہی اپنا پرانا جواب
دہرایا کہ وہ ایک سنیاسی حکیم ہے۔ جڑی بوٹیوں سے علاج کرتا ہے
اور جڑی بوٹیوں کی تجارت بھی کرتا ہے۔

''مگر تم ریاست بھی سار میں کیوں آئے ہو؟''۔

عنبر نے مسکرا کر کہا:

سرکار! میں ایک سنیاسی حکیم ہوں۔ فقیر ہوں۔ ہمارے لیے سب
شہر ایک جیسے ہوتے ہیں۔ ہمارا کام لوگوں کی خدمت کرنا ہے۔
بیماروں اور دکھی لوگوں کو سکھ پہنچانا ہے۔ ہم ہمیشہ سفر میں رہتے ہیں۔
جہاں کوئی شہر راستے میں آتا ہے وہاں ضرور جاتے ہیں کہ اگر شہر میں
کوئی بیمار ہو تو اس کا علاج کریں۔

کوئی دکھی ہو تو اس کی خدمت کریں اور اسے سکھ پہنچائیں۔ اگر
آپ کا کوئی عزیز بیمار ہو تو مجھے بتائیں۔ میں آپ کے بیمار کا علاج کر
کے فوراً اسے ٹھیک کر دوں گا۔

سپاہی عنبر کی باتوں سے کافی متاثر ہوئے۔ انہوں نے عنبر کو شہر
میں داخل ہونے کی اجازت دے دی۔ عنبر ماریا کو ساتھ لے کر شہر میں
آ گیا۔ شہر میں آتے ہی اس نے پہلی بات یہ دیکھی کہ لوگوں پر ایک

خوف، ایک دہشت سی چھائی ہوئی تھی۔

جگہ جگہ سیناپتی کے سپاہی تلواریں اور تیر کمان لیے پھر رہے تھے۔ لوگوں کے چہروں پر خوف کی پرچھائیاں تھیں۔ صاف ظاہر ہوتا تھا کہ سیناپتی سے کوئی بھی خوش نہیں ہے۔ سب لوگ راج کمار سے پیار کرتے ہیں اور انہیں راجکمار کے تختہ الٹنے کا صدمہ ہے۔

یہ بات عنبر کو اچھی لگی۔ اگر عوام ساتھ ہوں تو کام آسان ہو جاتا ہے۔ اس نے ماریا سے کہا:

"ماریا' ہمیں سب سے پہلے کسی سرائے میں جا کر اترنا ہوگا۔ وہاں سے پھر ہمیں راج محل میں داخل ہونے کی کوشش کرنی ہوگی"۔

"ٹھیک ہے عنبر بھائی"۔

لوگوں سے پوچھتے پوچھتے عنبر اور ماریا ایک سرائے میں آ گئے۔ یہ سرائے زیادہ بڑی نہیں تھی۔ مگر انہیں رہنے کے لیے ایک اچھا سا کمرہ

مل گیا۔ عنبر کی جیب میں کافی اشرفیاں تھیں۔ عنبر نے کہا:

"میرا خیال ہے کہ میں یہاں سے کچھ تحفے خریدتا ہوں اور پھر سیناپتی کے دربار میں جا کر انہیں پیش کرتا ہوں۔ اس طرح مجھے اندر جانے کی اجازت مل جائے گی اور ہم دونوں محل کے اندر جا کر اپنا کام آسانی سے کر سکیں گے"۔

"اچھا خیال ہے"۔

عنبر نے اسی روز ایک شاندار گھوڑا خریدا۔ ساتھ ہی ہزاروں روپے کے بڑے قیمتی تحفے تحائف خریدے اور ماریا کو ساتھ لے کر راج محل کے دروازے پر عنبر اس شان سے آیا کہ وہ شاندار شاہی لباس پہنے سفید گھوڑے پر سوار تھا اور چار غلاموں نے سروں پر تحفوں کے تھال اٹھا رکھے تھے۔

شاہی محل کے پہریداروں نے آگے بڑھ کر پوچھا:

"جناب کی تعریف اور جناب کہاں سے تشریف لا رہے ہیں؟"۔

عنبر نے کہا:

"سیناپتی جی سے جا کر کہو کہ جنوبی ہند کی ایک ریاست کالانی کا راج کمار آپ سے ملنے کی آرزو لے کر آیا ہے"۔

سیناپتی کو اطلاع ملی کہ ریاست کالانی کا راج کمار آیا ہے تو وہ خود باہر آ گیا۔ اس نے دیکھا کہ ایک خوش شکل نوجوان سفید گھوڑے پر سوار بڑی شان سے بیٹھا ہے۔

عنبر گھوڑے سے نیچے اتر آیا۔ سیناپتی نے آگے بڑھ کر عنبر کو گلے لگایا۔ اس نے نیا نیا تختہ الٹا تھا۔ اسے ضرورت تھی کہ ہندوستان کی باقی ریاستوں کے شہزادے اسے تسلیم کر لیں۔ یہی وجہ تھی کہ عنبر کی خوب آؤ بھگت کر رہا تھا۔ اس نے بڑی محبت سے عنبر کا ہاتھ پکڑ کر کہا:

"راج کمار جی' اندر تشریف لے چلیں۔ یہ محل بھی آپ ہی کا ہے"۔

عنبر نے تحفے پیش کیے اور کہا:

سیناپتی جی، ہم ایک مہینے سے شکار پر نکلے ہوئے ہیں۔ آپ کی ریاست سے کافی دور ہمارا کیمپ لگا ہے۔ ہم نے سوچا کہ قریب آئے ہیں تو کیوں نہ آپ سے ملاقات کر لی جائے۔ ہمیں یہ سن کر بڑی خوشی ہوئی تھی کہ آپ نے ظالم راج کمار کا تختہ الٹ کر حکومت پر قبضہ کر لیا ہے۔

بھگوان کا شکر ہے کہ اب ریاست میں انصاف کا دور دورہ ہو گیا ہے۔ لوگوں کے چہروں پر خوشی اور مسرت کی چمک ہے۔

سیناپتی یہ سن کر بڑا خوش ہوا کہ ریاست کالانی کے راج کمار نے بھی اس کی سلطنت کو مان لیا ہے اور وہ اس سے مطمئن ہے اس نے کہا:

”راج کمار جی، آپ کی مہربانی ہے۔ میں تو ہر دم عوام کی سیوا یعنی خدمت ہی کرنا چاہتا ہوں۔ اسی لیے میں نے ریاست کے لوگوں کو ایک ظالم راج کمار سے نجات دلائی اور خود تخت پر بیٹھ گیا تاکہ غریبوں کے ساتھ انصاف ہو سکے“۔

عنبر نے کہا:

”آپ کو ہزار بار مبارک ہو۔ آپ نے بہت بڑا کام کیا ہے۔ ساری دنیا آپ کی تعریف کر رہی ہے اور ریاست کے لوگ تو صبح اٹھتے ہی پہلے آپ کا نام لیتے ہیں۔ اور پھر روٹی کھاتے ہیں“۔

”بھگوان کی مہربانی ہے۔۔۔ آپ اندر محل میں تشریف لے

چلیں ناں"۔

سیناپتی عنبر کو ساتھ لے کر شاہی مہمان خانے میں آ گیا۔

ماریا بھی عنبر کے ساتھ ساتھ ہی تھی۔ جس محل میں داخل ہونے کے لیے عنبر اور ماریا کو خدا جانے کیا کیا جتن کرنے پڑتے اس کے اندر وہ ہوشیاری سے کام لے کر بڑی آسانی سے داخل ہو گئے تھے۔ سیناپتی نے عنبر کو شاہی مہمان خانے میں ٹھہرا دیا۔ شام کو کھانے پر وہ عنبر کو راج کمار سمجھ کر دیر تک باتیں کرتا رہا۔

عنبر سب سے پہلے یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ ریاست کے راج کنور اور اس کے بچے کا کیا حال ہے؟ وہ کس عالم میں ہیں؟ زندہ بھی ہے یا نہیں؟ عنبر نے سیناپتی سے پوچھا۔

"راج کنور اور اس کے بچے کو آپ نے ابھی تک قتل کیوں نہیں کیا؟"۔

سیناپتی نے کہا:

"بات اصل میں یہ ہے کہ ریاست میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو راج کنور سے بہت لگاؤ رکھتے ہیں۔ بس صرف ان کے خیال سے میں نے ابھی راج کنور کو قتل نہیں کروایا کہ کہیں ملک میں بغاوت نہ ہو جائے۔ یہ لوگ ختم ہو جائیں گے تو راج کنور اور اس کے بچے کو بھی ختم کرا دوں گا"۔

عنبر نے دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ راج کنور اور بچہ ابھی زندہ ہیں؛ ورنہ کوئی ایسی ویسی بات ہو گئی ہوتی تو شکنتلا کو کیا منہ دکھاتا؟ اس نے سیناپتی سے کہا:

"یہ بھی آپ کا خیال مناسب معلوم ہوتا ہے، لیکن راج کنور کو ایسی جگہ قید کرنا چاہیے کہ جہاں سے وہ ہرگز ہرگز فرار نہ ہو سکے"۔

سیناپتی ہنس کر بولا:

"اس کی آپ فکر نہ کریں راج کمار جی۔ راج کنور اور اس کے بچے کو ہم نے اس قلعے کی سب سے نچلی کالی دیواروں والی کوٹھڑی مس ی بند کر رکھا ہے۔ اس کوٹھڑی میں جانے کے لیے قلعے کی سرنگوں میں سے ہو کر جانا پڑتا ہے۔ جہاں قدم قدم پر میرے جانباز سپاہی پہرہ دے رہے ہیں"۔

عنبر نے کہا:

"بہت خوب، بہت خوب، بس میں یہی تسلی کرنا چاہتا تھا کہ ظالم کو ایسی جگہ بند کریں جہاں سے وہ پھر کبھی باہر نہ نکل سکے"۔

سیناپتی بولا:

"بھگوان نے چاہا تو اب وہ وہاں سے کبھی باہر نہیں نکل سکے گا۔ بس کچھ دنوں کے بعد میں ان دونوں کو ہلاک کر دوں گا۔ میں ان کے زندہ رہنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ کوئی دن کی بات ہے ذرا

لوگوں کا جوش کم ہوا تو میں اسی وقت کنور کر مروا دوں گا"۔

"مجھے یہ سن کر خوشی ہوئی"۔

کھانے کے بعد عنبر اپنے شاہی مہمان خانے میں آ گیا۔ یہاں ماریا اس کا انتظار کر رہی تھی۔ ماریا کو عنبر نے سب کچھ بتا دیا کہ راج کنور اپنے بچے کے ساتھ اس قلعے کی سب سے نچلی میں کالی دیواروں والی کوٹھڑی میں قید ہے اور وہاں تک راستہ سرنگوں کے ذریعے جاتا ہے۔ ماریا نے کہا:

"یہ باتیں تو میں بعد میں بھی سن لوں گی۔ پہلے مجھے کھانے کو کچھ دو۔ بھوک سے میرا دم نکلا جا رہا ہے"۔

عنبر نے کہا:

"اوہو! تمہارے لیے کھانا لانا تو میں بھول ہی گیا۔ اچھا ابھی جا کر لاتا ہوں"۔

ماریا نے کہا:

"نہیں نہیں' اب اس کی ضرورت نہیں ۔ میں خود شاہی باورچی خانے میں جا کر کھالوں گی۔تم آرام کرو۔میں ابھی کھانا کھا کر آتی ہوں۔میں نے شاہی باورچی خانہ دیکھ لیا ہے اور پھر تمہارا وہاں جا کر کھانا طلب کرنا اچھی بات نہیں"۔

ماریا وہاں سے نکل کر سیدھی شاہی باورچی خانے میں آ گئی۔

یہاں قسم قسم کے لذیذ اور سینکڑوں طرز کے کھانے اور مٹھائیاں تیار ہو رہی تھیں ایک کالا موٹا آدمی بیٹھا گرم گرم پوریاں تل رہا تھا۔ حلوہ پلیٹ میں پاس پڑا تھا۔ماریا اس کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی۔وہ پوریاں تھالی میں رکھتا جاتا تھا اور ماریا اسے اٹھا اٹھا کر کھاتی جاتی تھی۔

موٹے نے جب دیکھا تو تھالی میں سے پوری غائب ہو رہی ہیں

تو بڑا اسٹ پٹایا۔تعجب سے ادھر ادھر دیکھا مگر پوریاں پہلے کی طرح پھر بھی غائب ہو رہی تھیں۔اس نے غور سے دیکھا تو حلوے کی پلیٹ بھی خالی تھی۔

"اے کم بختو' میری پوریاں اور حلوہ کون اٹھا کر لے گیا؟"۔

ماریا ہنستی ہوئی واپس آ گئی۔

کال کوٹھڑی

خوب اچھی طرح کھا پی کر ماریا واپس آ گئی۔

عنبر نے اسے سب کچھ سمجھا دیا کہ راج کنور کس جگہ پر قید ہے۔ اس نے صرف اتنا کہا کہ اب یہ معلوم کرنا اس کا کام ہے کہ سرنگوں کو راستہ کہاں جاتا ہے۔ ماریا نے عنبر کو تسلی دی کہ وہ آج ہی رات کو یہ معلوم کرے گی۔ اور راج کنور سے ملاقات کرنے کی کوشش کرے گی۔

عنبر خود یہ کام نہیں کر سکتا تھا، کیونکہ اسے ہر کوئی دیکھ سکتا تھا، جب

کہ ماریا کو کوئی بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ غائب حالت میں تھی اور اس کے لیے یہ کام بہت آسان تھا۔ عنبر سے الگ ہو کر ماریا محل میں آ گئی۔

یہاں آ کر اسے اب یہ پتا کرنا تھا کہ سرنگوں کو راستہ کہاں سے جاتا ہے؟ وہ ظاہر ہے کسی سے پوچھ تو سکتی نہیں تھی۔ اندازے کے مطابق وہ محل میں ایک راستہ نیچے جاتا دیکھ کر سیڑھیاں اتر کر محل کی نچلی منزل میں آ گئی۔

یہاں اسے کچھ سپاہی پہرہ دیتے نظر آئے۔ وہ ان کے قریب سے ہو کر آگے گزرنے لگی تو اس نے سنا وہ آپس میں راج کنور کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ وہ بڑی دبی زبان میں افسوس کا اظہار کر رہے تھے کہ سیناپتی نے راج کنور کو ننھے بچے کے ساتھ جیل کی کال کوٹھڑی میں بند کر دیا ہے۔ ماریا کھڑی ہو کر ان کی باتیں سننے

لگی۔ایک سپاہی بولا:

”سیناپتی نے راج کنور کے بچے کو بھی قید کر دیا۔وہ تو معصوم تھا۔ بھلا اس کا کیا قصور تھا۔اسے قید نہیں کرنا چاہیے تھا“۔

دوسرا بولا:

”بھائی‘ ہم اس معاملے میں دخل دینے والے کون ہیں۔جو ہوا اچھا ہوا۔ہمیں تو اپنی نوکری کرنی ہے۔یہ تو راجاؤں کی باتیں ہیں۔ راجہ جانے یا بھگوان جانے“۔

تیسرا سپاہی بولا:

”سنا ہے چندر گپت بھی بوڑھا ہو گیا ہے۔اس کے خلاف بھی پاٹلی پتر کے راج محل میں سازشیں ہو رہی ہیں۔نیک دل راجہ ہے۔اسے بھی کسی نے مار ڈالا تو ہندوستان پر قیامت آجائے گی“۔

پہلے سپاہی نے کہا:

”ارے کم بختو، یہ کہو کہ راج کنور کے بچے کو دودھ پلایا ہے یا نہیں؟ چوری چھپے اگر یہی کام ڈھنگ سے کر دیا کرو تو بھگوان تم پر راضی ہو جائے گا“۔

ایک سپاہی نے کہا:

”ارے میں تو بھول ہی گیا۔ابھی جا کر ننھے راجکمار کو دودھ پلاتا ہوں“۔

وہ سپاہی اٹھا اور دودھ کا کٹورا لے کر ایک طرف کو چل دیا۔

ماریا اس کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔سپاہی سرنگوں میں سے ہوتا، دوسرے سپاہیوں کو سلام کرتا، کٹورے کو دھوتی کے اندر چھپائے ایک کوٹھڑی کے دروازے پر پہنچا جس کے باہر دو سپاہی تلواریں ہاتھوں میں لیے پہرہ دے رہے تھے۔پہریدار نے پوچھا:

”کیوں بھئی‘ اب کیا لینے آئے ہو؟“۔

سپاہی نے کہا:

''بھائی بھگوان سے ڈرتا ہے۔ایک تولہ بھر دودھ راج کنور کے بچے کو دینے آیا ہوں۔ اگر اجازت دو تو اندر جا کر دودھ دے آؤں''۔

پہرے دار نے کٹورا اس کے ہاتھ سے چھین کر کہا:

''بھاگ جاؤ یہاں سے باغی، اگر پھر کبھی اسی جرات کی تو سیناپتی سے شکایت کرکے تمہاری گردن اڑا دوں گا''۔

سپاہی ڈر کر واپس چلا گیا۔پہرے داروں نے کٹورے کا دودھ آپس میں پی کٹورہ دور پھینک دیا۔ماریا جس بات کی تلاش میں تھی، اس کا سراغ اسے مل گیا تھا۔راج کنور اپنے بچے کے ساتھ اسی کوٹھڑی میں بند تھا۔اچانک اندر سے کسی ننھے بچے کے رونے کی آواز سنائی دی۔ یہ راج کنور اور شکنتلا کا بچہ تھا جو شاید بھوک کی وجہ سے رو رہا

تھا۔پہرے داروں کے دل پر بچے کے رونے کا ذرا اثر نہ ہوا۔وہ آپس میں اسی طرح ہنس ہنس کر باتیں کرتے رہے۔ماریا کسی ایسی ترکیب پر غور کرنے لگی جس سے وہ کوٹھڑی کے اندر داخل ہو سکے۔

وہ ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ کوٹھڑی کے اندر سے راج کنور نے دروازہ کھٹکھٹا کر کہا:

''بچے کو بھوک لگی ہے۔اس کے لیے دودھ چاہیے''۔

پہرے دار نے زور سے کہا:

''اس کو دن میں ایک وقت دودھ پلانے کا حکم ہے۔وہ ہم نے پلا دیا ہے۔اب اسے دودھ نہیں ملے گا''۔

راج کنور خاموش ہو گیا۔ بچہ روتا رہا۔ ماریا وہاں سے واپس آ گئی۔ باورچی خانے میں آ کر اس نے تازہ دودھ کا ایک کٹورہ لیا اور دوبارا سرنگ میں کال کوٹھڑی کے باہر آ گئی۔ اب معاملہ یہ تھا کہ

کوٹھڑی کے اندر کیسے جایا جائے؟ کوٹھڑی پر تالا پڑا تھا وہ دیر تک دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی رہی۔

پہریدار وہاں سے ادھر ادھر نہیں ہو رہے تھے۔ کافی دیر گزر جانے پر ایک آدمی دودھ اور کھجوریں لے کر آیا۔ شاید صبح ہو گئی تھی اور یہ راج کنور اور اس کے بچے کا روز کا ناشتا آیا تھا۔

اس آدمی کو آتے دیکھ کر پہرے دار نے آگے بڑھ کر دودھ اور کھجوریں لے لیں۔ وہ آدمی چلا گیا تو پہرے داروں نے دودھ خود پی لیا اور کھجوریں رومال میں باندھ کر دروازہ کھولا اور اندر چلا گیا۔

ماریا اتنی دیر سے بس اسی وقت کا انتظار کر رہی تھی۔ جونہی دروازہ کھلا' پہرے دار کے ساتھ ماریا بھی کوٹھڑی کے اندر داخل ہو گئی۔

کوٹھڑی میں ایک طرف مٹی کا ننھا سا دیا جل رہا تھا۔ گھاس پر ایک بچہ پڑا بھوک سے بلک بلک کر سو گیا تھا۔ پاس ہی گھاس پر ایک دبلے پتلے جسم والا لیکن خوبصورت نوجوان بیٹھا تھا۔ یہ راج کنور تھا۔ اور شکنتلا کا خاوند تھا۔ اسی کی تلاش میں وہ لوگ یہاں تک آئے تھے۔ کسی نے ماریا کو نہ دیکھا۔

ماریا چپکے سے دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی رہی۔ پہریدار نے کھجوروں کی پوٹلی راج کنور کے آگے پھینکی اور باہر نکل گیا۔ اس نے دروازہ بند کر کے باہر تالا ڈال دیا۔ دیے کی ہلکی ہلکی روشنی میں ماریا نے دیکھا کہ راج کنور نے دونوں ہاتھ جوڑ کر آسمان کی طرف دیکھا اور کمزور آواز میں کہا:

”اے میرے رب، تو ہی سب کا مالک اور ان داتا ہے۔ مجھے موت دے دے مگر اس معصوم بچے کو بھوک سے بچالے“۔

ماریا نے یہی موقع اپنے آپ کو ظاہر کرنے کا سمجھ کر کہا:

”راج کنور، تمہارے رب نے تمہاری دعا قبول کر لی ہے۔ میں ایک زندہ عورت ہوں، مگر جادو کے زور سے غائب کر دی گئی ہوں۔ میں تمہیں اور تمہارے راج کنور کو دیکھ رہی ہوں۔ مگر تم مجھے نہیں دیکھ سکتے۔ سب سے پہلے تو یہ دودھ لو۔ خود بھی پیو اور بچے کو بھی پلاؤ۔ پھر تم سے باتیں ہوں گی“۔

راج کنور حیرانی سے جدھر سے آواز آ رہی تھی ادھر دیکھ رہا تھا۔ اس نے صرف اتنا کہا:

”اے عورت، تو جو کچھ کہہ رہی ہے کیا سچ ہے؟ کیا سچ مچ تم کوئی روح نہیں ہو بلکہ ایک عام عورت ہو اور تمہیں جادو کے زور سے غائب کر دیا گیا ہے؟“۔

ماریا نے کہا:

"اس کا ثبوت تمہیں ابھی مل جائے گا راج کنور۔ لیکن سب سے پہلے تم بچے کو دودھ پلاؤ۔ میں یہ دودھ تمہارے محل کے شاہی باورچی خانے سے لائی ہوں"۔

ماریا نے کٹورا راج کنور کے آگے رکھ دیا۔ کٹورا زمین پر ٹکتے ہی ظاہر ہو گیا؛ ورنہ ابھی تک وہ ماریا کے ہاتھ میں تھا اور غائب تھا۔ راج کنور نے کٹورا اٹھا کر بچے کو جی بھر کر دودھ پلایا۔ بھوکے بچے نے خوب سیر ہو کر دودھ پیا اور سو گیا۔ راج کنور نے کھجوروں کے ساتھ خود بھی تھوڑا سا دودھ پیا اور بولا:

"اے نیک دل عورت، اب مجھے بتا کہ تو کون ہے اور یہاں کیا کرنے آئی ہے؟"۔

ماریا نے کہا:

"راج کمار! میری باتوں کو غور سے سننا۔ میں جو کچھ کہوں گی۔ سچ

کہوں گی۔ میرا نام ماریا ہے۔ میں جادو کے زور سے غائب کر دی گئی ہوں۔ یہ کام ایک زبردست جادوگر نے کیا تھا؛ بہر حال میرے ساتھ میرے دو بھائی عنبر اور ناگ بھی ہیں۔ یہ دونوں بڑے نیک اور اپنی اپنی طاقت کے آدمی ہیں۔

عنبر اس وقت شاہی محل میں ہے۔ وہ مر نہیں سکتا۔ اس میں یہ طاقت ہے۔ ناگ جس روپ میں چاہے آ سکتا ہے اور تمہیں یہ سن کر خوشی ہو گی کہ تمہاری بیوی شکنتلا بھی ہمارے ساتھ ہے"۔

یہ سننا تھا کہ راج کنور تڑپ کر اٹھ بیٹھا۔

"کیا تم سچ کہہ رہی ہو ماریا بہن؟ کیا میری پیاری بیوی شکنتلا زندہ ہے؟ کیا میرے بچے کی ماں، شکنتلا زندہ ہے؟ اس دنیا میں ہے؟"۔

ماریا نے کہا:

راج کنور! میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا کہ میں جو کہوں گی' سچ کہوں گی۔ تم یقین کرو کہ تمہاری بیوی شکنتلا اس وقت تمہاری ریاست کی سرحد سے باہر ایک جگہ ہمارے بھائی ناگ کے ساتھ محفوظ ہے۔

اس نے تم تک پہنچنے کے لیے بڑی تکلیفیں اٹھائی ہیں۔ میرے بھائی عنبر نے اسے ایک جزیرے میں ڈاکوؤں سے چھڑایا تھا اور اس نے فیصلہ کیا تھا کہ جب تک شکنتلا کو اس کے گھر نہیں پہنچائے گا۔ اپنے گھر نہیں جائے گا۔ اس وقت عنبر ایک نقلی راج کمار کے روپ میں سیناپتی کے محل میں اترا ہوا ہے۔ میں بھی اس کے ساتھ ہوں۔ چونکہ مجھے کوئی دیکھ نہیں سکتا تھا، اس لیے چپکے سے تمہاری تلاش میں آ گئی۔

سرحد میں آ کر ہمیں پتا چلا کہ سیناپتی نے تختہ الٹ کر تمہیں قید کر

دیا ہے۔ شکنتلا بے چاری تمہاری اور بچے کی خیریت کے بارے میں بے حد پریشان ہے۔ اب میں سب سے پہلے اسے جا کر اطلاع کروں گی کہ تم خیریت سے ہو۔ اس کے بعد تمہارا تخت تمہیں واپس دلایا جائے گا۔

راج کنور بولا:

''ماریا بہن' اتنا بڑا کام تم لوگ کیسے کر سکو گے؟'' سیناپتی نے سب کو ساتھ ملا رکھا ہے''۔

''کچھ بھی ہو، رعایا اور سپاہیوں کی بڑی تعداد تمہارے ساتھ ہے''۔

''بھگوان کے لئے تم میری بیوی کو جا کر اطلاع کرو کہ میں ٹھیک ٹھاک ہوں۔ بچہ بھی خیریت سے ہے۔ کیا تم کسی طرح مجھے اس کے پاس نہیں لے جا سکتیں۔ کاش' میں اپنی بیوی سے جلدی مل سکتا۔ میرا

بچہ اپنی ماں کی گود میں آرام کرتا"۔

ماریا نے کہا:

"ہم یہی کوشش کر رہے ہیں۔ میں سب سے پہلے تمہیں یہاں سے نکالوں گی۔ تمہیں شکنتلا کے پاس پہنچا دیا جائے گا۔ اس کے بعد تمہیں تمہارا تخت واپس دلایا جائے گا"۔

راج کنور بولا:

"بھگوان تمہاری مدد کرے۔ تم لوگ ایک بہت ہی نیک کام کر رہے ہو۔ مجھے راج تخت کی پرواہ نہیں۔ میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ اپنے بچے اور شکنتلا کو لے کر یہاں سے کہیں دور چلا جاؤں اور وہاں جا

کر محنت مزدوری کر کے گزارہ کروں“۔

ماریا نے کہا:

”نہیں راج کنور یہ راج تخت تمہارا ہے۔ سیناپتی ظالم ہے۔ اس سے رعایا تنگ ہے۔ ہم نے شہر میں کسی آدمی کے چہرے پر خوشی نہیں دیکھی۔ ہر کوئی تمہیں یاد کرتا ہے اور سیناپتی سے نفرت کرتا ہے۔ ہم تمہیں تمہارا تخت ضرور واپس دلائیں گے۔ اب میں جاتی ہوں۔ پھر میں آؤں گی۔ تم تیار رہنا۔ شاید کل رات کو ہی تمہیں یہاں سے نکال دیا جائے گا“۔

راج کنور نے کہا:

”مگر تم جاؤ گی کیسے؟ باہر سے پہرے داروں نے تالا ڈال رکھا ہے“۔

”ابھی تمہیں معلوم ہو جائے گا“۔

اتنا کہہ کر ماریا نے دروازے کے قریب منہ کر کے باہر کو آواز دی:

”پیارے دروازہ کھولو۔ میں تمہاری بیوی ہوں۔ میں تمہاری بیوی ہوں۔ میں تم سے شادی کرنے آئی ہوں“۔

باہر کھڑے پہریدار نے جو یہ آواز سنی تو جلدی سے یہ سوچ کر دروازہ کھول دیا کہ کہیں سچ مچ اس کی بیوی تو اندر قید نہیں کر دی گئی۔ اس وقت وہ بالکل آواز سن کر پاگل ہو گیا تھا۔ اس نے جوں ہی دروازہ کھولا۔

ماریا چپکے سے باہر کھسک گئی۔ پہریدار نے اندر جھانک کر اچھی طرح دیکھا اور راج کنور سے ڈانٹ کر پوچھا:

”کیوں بے کون عورت یہاں بول رہی تھی؟“۔

راج کنور نے کہا:

”میں نے تو کسی عورت کی آواز نہیں سنی۔ مجھے کیا معلوم اندر کون بول رہی تھی۔ یہاں تو سوائے میرے اور کوئی نہیں ہے“۔

پہرے دار نے ادھر ادھر جھانک کر دوبارہ دیکھا۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ حیران سا ہو کر اس نے دروازہ بند کر کے تالا ڈال دیا۔

راج کنور کے دل میں خوشی کی نئی لہر دوڑ گئی تھی۔ جب سے اسے یہ معلوم ہوا تھا کہ اس کی بیوی شکنتلا زندہ ہے اور شہر کے باہر کسی جگہ چھپی ہوئی ہے۔ پہلے اسے یقین نہ آیا پھر اس نے سوچا کہ آخر ایک غائب عورت کو اس سے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ ضرور سچ بول رہی ہے۔ وہ اسے یہاں سے نکلوانے اپنے بھائی کے ساتھ ضرور واپس آئے گی۔

ماریا نے شاہی مہمان خانے میں عنبر کو جاتے ہی سارا قصہ سنا دیا کہ راج کنور قید میں پڑا ہے اور اسے سب کچھ بتا دیا گیا ہے۔ عنبر نے

کہا:

”شاباش‘ مجھے خوشی ہوئی کہ ہم اپنے کام کے پہلے حصے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ ہم نے پہلی منزل کو مکمل کر لیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ راج کنور اور اس کے بچے کو کیسے نکالا جائے۔ میں چاہتا ہوں کہ ان دونوں کو یہاں سے نکال کر شہر سے باہر ناگ کے پاس پہنچا دیا جائے۔ پھر ان لوگوں کو وہاں سے اپنے جہاز میں بھیج دیا جائے۔ اس کے بعد ہم سیناپتی سے نمٹ لیں گے۔ تمہارا کیا خیال ہے ماریا؟“۔

ماریا نے کہا:

”میرا خیال بھی یہی ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ آج رات راج کنور اور اس کے بچے کو قید سے باہر جنگل میں پہنچا دیا جائے“۔

”مگر یہ سب کچھ کیسے ہو گا۔ نیچے بھی پہرہ لگا ہے۔ شہر کے دروازوں پر بھی سپاہیوں کا زبردست پہرہ ہے۔ آخر ان لوگوں کو

یہاں سے کیسے نکالا جائے گا؟''۔

ماریا بولی:

''اس کے لیے ہم سلامبو کی لاش سے مدد لے سکتے ہیں''۔

عنبر نے کہا:

''میں سلامبو کی لاش سے اتنا چھوٹا کام نہیں لینا چاہتا۔ میں راج کنور کا تخت واپس لینے میں سلامبو سے مدد لوں گا۔ راج کنور کو یہاں سے باہر میں خود نکالنا چاہتا ہوں''۔

''تو پھر ہم ناگ کی مدد لے سکتے ہیں۔ وہ سانپ بن کر راج کنور کی حفاظت کر سکتا ہے اور میرے ساتھ دشمنوں کو ہلاک کرتا اسے یہاں سے نکال سکتا ہے''۔

آخر یہ فیصلہ ہوا کہ ناگ کو بلایا جائے اور شکنتلا کو وہاں سے جہاز پر خزانے والے اژدہا کے پاس چھوڑ دیا جائے۔ اس کام کے لیے

ماریا روانہ ہو گئی۔ شہر سے باہر جا کر اس نے شکنتلا کو راج کنور کی خیریت کی اطلاع دی اور ان دونوں کو لے کر جہاز کی طرف چل دی۔

ماں کا لال

ناگ اور ماریا شکنتلا کو جہاز پر اژدہا کے حوالے کرتے ہوئے ناگ نے کہا:

"اے اژدہا، تمہارا فرض ہے کہ تم نے خزانے کے ساتھ ساتھ میری بہن شکنتلا کی بھی حفاظت کرو۔ ہم ایک ضروری کام سے جا رہے ہیں۔ اس جہاز پر تمہیں خزانے کے ساتھ شکنتلا کی بھی رکھوالی کرنی ہوگی"۔

اژدہا نے سر ہلا کر ناگ سے کہا:

"اے شیش ناگ، میں آپ کا خادم ہوں۔ آپ بے فکر ہو کر جائیے۔ جب آپ واپس آئیں گے تو شکنتلا اور خزانہ۔۔۔ آپ کی دونوں امانتیں ویسی کی ویسی ہوں گی"۔

ناگ نے شکنتلا سے بھی یہی کہا کہ وہ گھبرائے نہیں اور اطمینان سے وہاں بیٹھی رہے اسے کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچے گی۔ اژدہا اس کی ہر طرح سے حفاظت کر سکتا ہے۔

وہ راج کنور کو لے کر جلد واپس آ جائیں گے۔ شکنتلا کی آنکھوں میں آنسو تھے اور وہ کہہ رہی تھی:

"خدا کرے کہ آپ لوگ کامیاب ہوں اور میں جلد اپنے خاوند اور پیارے بچے کی شکل دیکھ سکوں"۔

ماریا اور ناگ جہاز میں سے نکل کر شہر کی طرف آ گئے۔ شہر کے دروازے کے باہر جھاڑیوں کے جھنڈ میں پہنچ کر ماریا نے ناگ سے

کہا کہ وہ اپنا روپ بدل لے، کیوں کہ شہر کے دروازے پر پہرہ ہے اور اس سے پوچھ گچھ ہوگی۔

ناگ نے کہا کہ اس نے اگر سانپ کا روپ اختیار کیا تو ڈیوڑھی میں سے گزرتے ہوئے سپاہیوں کی نظر اس پر پڑ سکتی ہے۔اس لیے وہ سانپ کی بجائے ایک فاختہ کی شکل اختیار کرے گا۔ ناگ نے آنکھیں بند کر کے زور سے سانس لیا۔اور وہ دوسرے لمحے انسان کی بجائے ایک بادامی رنگ کی فاختہ میں تبدیل ہو چکا تھا۔ ماریا اور وہ شہر کے دروازے کی طرف بڑھے۔ ماریا دروازے میں سے آسانی سے گزر گئی۔

ناگ بھی فاختہ کی شکل میں اوپر اڑتا ہوا شہر کے اندر آ گیا۔اب وہ شاہی راج محل کی طرف جا رہے تھے۔فاختہ نے ماریا کے قدموں کے نشانوں پر نگاہ رکھی ہوئی تھی۔فاختہ ماریا کے اوپر ساتھ ساتھ اڑی چلی جا رہی تھی۔

ماریا راج محل میں داخل ہو گئی۔فاختہ بھی اس کے ساتھ تھی۔ ماریا سیدھی شاہی مہمان خانے میں عنبر کے پاس آ گئی۔عنبر دوپہر کے کھانے کے بعد ابھی بستر پر لیٹا ہی تھا کہ ماریا نے آ کر کہا:

''میں ناگ کو لے آئی ہوں عنبر بھائی''۔

عنبر نے کہا:

''بہت اچھا کیا۔کہاں ہے وہ؟''۔

اتنے میں ایک فاختہ پھڑ پھڑ کرتی کمرے میں آ کر میز پر بیٹھ گئی۔عنبر نے مسکرا کر کہا:

''ناگ بھائی' اب اپنی اصلی حالت میں آ جاؤ تاکہ تم سے کچھ مشورہ کیا جا سکے''۔

فاختہ پلنگ پر آئی اور آتے ہی وہ پھر سے ناگ بن گیا۔ ناگ

نے عنبر سے کہا:

"پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم راج کنور کو تہہ خانے کی کوٹھڑی سے کس وقت باہر نکالیں گے اور کس طرح سے باہر نکالیں گے؟"۔

عنبر بولا:

"یہی تو غور کرنے والی بات ہے۔ ماریا' تمہارا کیا خیال ہے؟"۔

ماریا نے کہا:

"میرے خیال میں ہمیں آدھی رات کو کال کوٹھڑی پر حملہ کرنا ہو گا۔ میں اور ناگ نیچے سرنگ میں جا کر پہرے داروں کو قابو میں کریں گے۔ پھر راج کنور اور اس کے بچے کو لے کر اوپر آ جائیں گے۔ اس وقت محل کے باہر تین گھوڑے بالکل تیار ہونے چاہئیں تا کہ ہم آتے ہی ان پر سوار ہو کر راج کنور اور اس کے بچے کو جہاز پر

پہنچا دیں"۔

عنبر نے کہا:

"گھوڑوں کو تیار رکھنے کا کام میں کر لوں گا۔ تم خدا کا نام لے کر آج رات ہی کال کوٹھڑی پر ہلہ بول دو۔ مگر تمہیں یہ کام بڑی ہوشیاری سے کرنا ہو گا۔ کیونکہ راج کنور کے باہر بڑا سخت پہرہ لگا ہوتا ہے۔ سیناپتی اسے کسی صورت ہاتھ سے نہیں کھونا چاہتا"۔

ناگ نے کہا:

"عنبر بھائی تم فکر نہ کرو۔ سب کام خدا کی مہربانی سے اس طرح سے ہو گا کہ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہو گی اور ہم اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہو جائیں گے۔ صرف تمہیں شہر سے باہر گھوڑوں پر تیار رہنا ہو گا"۔

عنبر نے کہا:

"فکر نہ کرو، میں گھوڑے لے کر باغ میں بالکل تیار کھڑا ہوں گا۔"

لیکن شہر کے دروازے سے تم لوگ کس طرح نکلو گے؟"۔

ماریا بولی:

"میرا خیال ہے کہ اس کے لیے بھی ہمارا ساتھ دینا ہوگا"۔

عنبر کہنے لگا:

"ٹھیک ہے، میں تیار ہوں۔ میرے خیال میں ناگ اگر اس دفعہ سانپ کی بجائے شیر کی شکل میں سامنے آ جائے تو سپاہیوں میں بھگدڑ مچ جائے گی اور ہمیں بھاگنے کا موقع مل جائے گا"۔

عنبر کے اس خیال پر ماریا نے کہا:

"لیکن عنبر بھائی اس طرف سے ہر طرف شور مچ جائے گا اور

سپاہی ہمارا تعاقب شروع کر دیں گے۔ اگر میں انہیں نظر نہیں آؤں گا
تو راج کنور اور ناگ گھوڑوں پر سوار تو سپاہیوں کو ضرور دکھائی دیں
گے۔ وہ ضرور ہمارا پیچھا کریں گے اور جہاز پر حملہ کر دیں گے۔ پھر
ہمارے لیے مشکل ہو جائے گی۔ میں چاہتی ہوں کہ سانپ بھی مر
جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ ہم راج کنور کو لے کر اس طرح سے
یہاں سے نکلیں کہ اس وقت کسی کو خبر نہ ہو۔ بعد میں چاہے شور مچ
جائے"۔

عنبر نے کہا:

"تمہارا خیال بھی اچھا ہے، تو پھر میں شہر کے دروازے پر تمہارا
انتظار کروں گا۔ اگر سپاہیوں سے مڈبھیڑ ہو گئی تو ہم بڑی تیزی اور
خاموشی سے ان سب کو موت کے گھاٹ اتار دیں گے اور راج کنور کو
لے کر فرار ہو جائیں گے"۔

ناگ بولا:

"اب ہمیں اسی پر عمل کرنا ہوگا"۔

شاہی مہمان خانے میں یہ لوگ آرام سے بیٹھ گئے اور آدھی
رات کا انتظار کرنے لگے۔ عنبر نے کھانا بھی ان کے ساتھ مل کر
کھایا۔۔۔ کھانے سے فارغ ہو کر وہ کچھ دیر باتیں کرتے رہے۔
باتیں کرتے کرتے رات آدھی بیت گئی۔ اب ماریا اور ناگ اٹھے اور
عنبر سے بولے:

"ہم جا رہے ہیں عنبر بھائی، آپ باغ میں گھوڑوں کے پاس جا
کر کھڑے ہو جائیں اور ہمارا انتظار کریں"۔

عنبر بولا:

"بہت اچھا، میں شہر کے دروازے کے باہر ہی ہوں گا۔ اگر
ڈیوڑھی میں گڑبڑ ہوئی تو مدد کے لیے پہنچ جاؤں گا"۔

"ٹھیک ہے، خدا ہمارا نگہبان ہو"۔

یہ کہہ کر ماریا اور ناگ سرنگ کی طرف نکل گئے اور عنبر شاہی مہمان خانے سے باہر آ کر گھوڑے پر سوار ہوا اور شہر کے دروازے پر آ گیا۔ اس نے دروازے پر آ کر دیکھا کہ وہاں صرف چھ سپاہی رات کے پہرے پر تھے جن میں سے دو سو رہے تھے۔ صرف چار سپاہی جاگ رہے تھے۔ عنبر گھوڑے پر باہر جانے لگا تو سپاہیوں نے پوچھا:

"حکیم صاحب' آدھی رات کو کہاں کا ارادہ ہے؟"۔

سپاہیوں کو معلوم ہو چکا تھا کہ عنبر ایک حکیم ہے اور سیناپتی نے اسے خاص طور پر شاہی مہمان خانے میں ٹھہرایا ہوا ہے۔ عنبر نے کہا:

"کچھ بوٹیاں ایسی ہیں جو صرف رات کو نکلتی ہیں۔ انہیں اکٹھی کرنے جنگل میں جا رہا ہوں"۔

عنبر گھوڑے پر سوار شہر کے دروازے سے نکل کر باغ میں آ گیا۔

یہاں اس نے درختوں کے ایک گھنے جھنڈ کے نیچے چار تیز رفتار گھوڑے پہلے ہی کھڑے کر رکھے تھے۔ گھوڑے پر سے اتر کر اس نے اپنا گھوڑا بھی وہاں درخت کے ساتھ باندھا اور چپکے سے واپس شہر کے دروازے کے عین سامنے ایک جھاڑی میں چھپ کر بیٹھ گیا اور ماریا ناگ کی راہ دیکھنے لگا۔

ادھر ماریا اور ناگ محل کی سیڑھیوں میں سے نکل کر نیچے سرنگ میں آ گئے تھے۔ ماریا غائب تھی۔ کسی کو دکھائی نہیں دے رہی تھی اور ناگ سانپ کی شکل میں اس کے ساتھ ساتھ دیوار پر رینگتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ سرنگ کا ایک موڑ گھومنے لگے تو سامنے دو پہرے دار تلواریں سنبھالے آرام سے بیٹھے پہرہ دے رہے تھے۔ ماریا وہیں رک گئی۔ سانپ بھی اس کے ساتھ ہی دیوار پر رینگتے رینگتے رک گیا۔ ماریا نے سرگوشی میں کہا:

"سامنے دو چوکیدار سپاہی تلواریں لگائے پہرہ دے رہے ہیں۔تم جا کر ان کی خبر لو ناگ، میں بھی تمہارے ساتھ ہوں"۔

"بہت اچھا"۔

سانپ اتنا کہہ کر دیوار پر سے ہو کر چوکیدار سپاہیوں کے سر کے اوپر آ گیا۔ ایک سپاہی اس کے بالکل نیچے کھڑا تھا اور دوسرا سامنے دیوار کے ساتھ لگا اونگھ رہا تھا۔ ماریا اونگھنے والے سپاہی کے پاس پہنچ چکی تھی۔

سانپ نے ماریا کی موجودگی کو محسوس کر لیا تھا۔ سانپ نے ہلکی سی سیٹی بجا کر ماریا کو خبردار کیا کہ وہ حملہ کرنے ہی والا ہے۔ ماریا ہوشیار ہو گئی۔ دیوار والا سپاہی کچھ چوکنا سا ہوا کہ یہ سیٹی کی آواز کہاں سے آئی ہے۔ اس نے آنکھ اوپر اٹھا کر دیکھا ہی تھا کہ سانپ نے اچھل کر اس کی گردن پر حملہ کر دیا۔

سپاہی کی ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ دوسرا سپاہی بیدار ہو گیا۔ لیکن اس وقت ماریا نے اپنا کام کر دیا تھا۔ اس نے زور سے ایک پتھر سپاہی کے سر پر دے مارا۔ سپاہی چکرا کر زمین پر گر پڑا۔ ناگ والا سپاہی بھی زہر کے اثر سے بے ہوش ہو کر دھڑام سے گرا اور گرتے ہی مر گیا۔ ماریا نے ناگ کو ساتھ لیا اور آگے کال کوٹھڑی کی طرف چل پڑی۔

سرنگ کے کچھ موڑ گھومنے کے بعد اب سامنے وہ کوٹھڑی تھی جس کے دروازے کے باہر دو سپاہی بڑے چوکس ہو کر پہرہ دے رہے تھے۔ ماریا نے ناگ کے قریب ہو کر کہا:

"یہی وہ کوٹھڑی ہے ناگ بھائی جس کے اندر راج کنور اور اس کا بچہ قید ہے۔ اس بار بھی تم دائیں طرف کے سپاہی کو سنبھالو اور میں سامنے والے سپاہی کی خبر لیتی ہوں"۔

ماریا اور ناگ آگے بڑھے۔ دونوں سپاہی کسی قسم کے خطرے

سے بے نیاز بڑے سکون سے بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔

دیوار میں جو تیل کا چراغ جل رہا تھا اس کی روشنی میں سپاہی کو دیوار کے اوپر رینگتا سانپ دکھائی نہ دیا۔

اوپر دیوار کی طرف سے سانپ آگے بڑھ رہا تھا اور نیچے فرش پر ماریا دبے پاؤں آگے سرک رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں پہلے والے سپاہی سے چھینی ہوئی تلوار تھی۔ اچانک ایک سپاہی کی نظر سانپ پر پڑ گئی۔

"سانپ۔۔۔سانپ۔۔۔"

وہ چلاتا ہوا بھاگنے ہی لگا تھا کہ ماریا کی تلوار کے ایک ہی وار نے اس کا کام تمام کر دیا۔ دوسرا سپاہی ششدر ہو کر وہیں کھڑے کا کھڑا رہ گیا کہ اس کے ساتھی کو کون سی غیبی طاقت نے تلوار مار کر ہلاک کر دیا، کیونکہ وہاں کوئی بھی آدمی نظر نہیں آ رہا تھا۔ ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا

کہ ماریا نے دوسری تلوار مار کر دوسرے سپاہی کا بھی خاتمہ کر دیا۔

دونوں بڑی خاموشی سے موت کے گھاٹ اتر گئے۔

ناگ نے کہا:

"تم نے مجھے موقع ہی نہیں دیا ماریا"۔

ماریا بولی:

"ابھی بہت مواقع آئیں گے۔ اب جلدی سے اندر چلو"۔

ماریا نے کوٹھڑی کا دروازہ دھڑاک سے کھول دیا۔ بچہ گھاس پر گہری نیند سو رہا تھا۔ راج کنور جاگ رہا تھا۔ اس نے جو دروازے کو ایک دم چوپٹ کھلتے دیکھا تو حیرانی کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔

"کون ہے؟"۔

ماریا نے کہا۔

میں ہو راج کنور۔ ماریا۔۔۔ میرے ساتھ میرا بھائی ناگ بھی سانپ کے روپ میں ہے۔ شکنتلا آپ کا انتظار کر رہی ہے۔ ہم نے تمہارے یہاں سے بھاگنے کے سارے انتظامات مکمل کر لیے ہیں۔ شہر سے باہر باغ میں تیز رفتار گھوڑے کھڑے ہیں جن پر سوار ہو کر ہم شکنتلا کے پاس پہنچ جائیں گے۔

اب آپ جلدی سے ہمارے ساتھ باہر نکل چلیں۔ بچے کو میں اٹھا لوں گی۔ کیوں کہ میرے اٹھا لینے سے بچہ کسی کو نظر نہیں آئے گا"۔

راج کنور نے کہا:

"آپ لوگ بہت بڑا خطرہ مول لے رہے ہیں۔ اگر سیناپتی کے کسی سپاہی کو خبر ہو گئی تو وہ آپ کو اور ساتھ مجھے بھی زندہ نہیں چھوڑیں

گے"۔

ماریا نے کہا:

"راج کنور، آپ اتنے پریشان نہ ہوں۔ سپاہی نہ ہمیں کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ آپ کو گرفتار کر سکتے ہیں۔ ہم نے ایسے انتظامات کیے ہیں کہ آپ بڑی آسانی سے یہاں سے نکل چلیں گے، اب باتوں میں وقت ضائع نہ کریں اور جلدی سے جلدی یہاں سے نکل چلیں۔ وقت بڑا قیمتی ہے۔ ابھی ہمیں شہر کے دروازے میں سے بھی گزرنا ہے"۔

راج کنور نے پوچھا:

"شہر کے دروازے میں سے کس طرح گزریں گے؟ وہاں تو سپاہیوں کا زبردست پہرہ ہوگا اور سپاہی مجھے فوراً پہچان لیں گے"۔

ماریا بولی:

"اس کا بندوبست بھی ہم نے کر لیا ہے۔ آپ گھبرائیں نہیں۔ اب جلدی سے یہاں سے نکل چلیں"۔

ماریا نے بچے کو گود میں اٹھا لیا۔ بچہ گود میں اٹھاتے ہی غائب ہو گیا۔ راج کنور ماریا کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ ماریا نے اسے کہا تھا کہ وہ سانپ کی طرف نگاہ رکھے۔ کیونکہ ماریا کو تو وہ دیکھ نہیں سکتا تھا۔ یہ لوگ سرنگ میں سے نکل کر سیڑھیوں پر آ گئے۔

یہاں کے پہریدار بھی پہلے ہی سے ہلاک کر دیے گئے تھے۔ اب وہ محل کے صحن میں تھے۔ مصیبت یہ تھی کہ صرف راج کنور ہی دکھائی دے رہا تھا۔ ناگ، ماریا اور بچہ تینوں غائب تھے۔ مگر ماریا راج کنور کے بالکل ساتھ ساتھ ہو کر چل رہی تھی اور اسے کہتی جاتی تھی کہ اس طرف چلو، اب اس طرف ہو جاؤ۔

راج کنور کو محل کے سارے راستوں کا علم تھا۔ وہ محل میں سے نکل

کر پچھلی طرف سے ہو کر شہر کے دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔

ماریا اور ناگ اس کے ساتھ ساتھ تھے۔

ماریا کو یہ ڈر تھا کہ کہیں بچہ رونا نہ شروع کر دے۔ ایسی صورت میں مشکل پیدا ہو سکتی تھی۔ لیکن خدا کی مہربانی رہی۔ وہ شہر سے باہر نکلنے والے دروازے پر آ گئے اور بچہ سویا رہا۔ وہ ماریا کی گود میں تھا۔

دروازے کی ڈیوڑھی میں مشعل جل رہی تھی۔ ماریا کا خیال تھا کہ ان پہرے داروں کو تلواروں سے ہلاک کر دیا جائے، لیکن راج کنور نے ایسا کرنے سے منع کیا اور کہا:

"مجھے ان سے بات کر لینے دو۔ وہ ضرور میرے وفادار ہوں گے۔ میں انہیں مارنا نہیں چاہتا"۔

ماریا نے کہا:

"راج کنور، کہیں ایسا نہ کہ لینے کے دینے پڑ جائیں"۔

راج کنور بولا:

"نہیں، یہ لوگ مجھ سے محبت کرتے تھے۔ میں ان سے بات کروں گا"۔

اور راج کنور اچانک ان سپاہیوں کے سامنے آ گیا۔ سپاہیوں نے راج کنور کو اپنے سامنے دیکھا تو حیرت سے ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

راج کمار نے کہا:

"میرے بھائیو، حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں جیل سے نکل آیا ہوں۔ اب میں آزاد ہوں۔ میں سیناپتی سے انتقام لوں گا اور اپنا تخت واپس لوں گا۔ میں چندر گپت راجہ سے مدد لینے جا رہا ہوں۔ بہت جلد فوج لے کر آؤں گا اور اپنی حکومت واپس لے کر سیناپتی کو اس کے کیے کی سزا دوں گا"۔

سپاہیوں پر اس تقریر کا بڑا اثر ہوا۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ وہ لوگ راج کنور سے محبت کرتے ہیں۔ سیناپتی کی اپنی فوج اس کے ساتھ تھی۔ باقی محل کے سپاہی اور پہرے دار راج کنور کو پسند کرتے تھے۔

عنبر جو کہ چھپ کر سارا تماشہ دیکھ رہا تھا۔ اب وہ بھی ڈیوڑھی میں آ گیا۔ اس نے بھی سپاہیوں کے سامنے اس قسم کی تقریر کی کہ سیناپتی نے ظلم کیا ہے۔ اصل راجہ کنور ہے اور تخت راج کنور کو ہی ملے گا۔

سپاہی ادب سے جھک گئے اور راج کنور، ماریا، ناگ اور عنبر کے ساتھ شہر کے دروازے میں سے نکل کر باہر باغ میں آ گیا۔ ہلکی ہلکی چاندنی کھلی ہوئی تھی۔ درختوں کے نیچے گھوڑے تیار کھڑے تھے۔

یہ لوگ گھوڑوں پر سوار ہوئے اور انہیں ایڑ لگائی۔ گھوڑے ہوا سے باتیں کرنے لگے۔ تھوڑی دیر میں وہ جہاز پر پہنچ گئے۔ راج کنور نے شگفتا کو اور شگفتا نے راج کنور کو دیکھا تو خوشی سے نہال ہو گئے۔

شگفتا اپنے بچے کو سینے سے لگا کر دیر تک پیار کرتی رہی۔ یہ ماں بچے کے ملاپ کی بڑی مقدس گھڑی تھی۔ بچہ ماں کے سینے سے لگ کر ایک دم سکون میں آ گیا تھا۔

تخت کی واپسی

جہاز پر ان لوگوں نے مل کر غور کرنا شروع کر دیا کہ راج کنور کا تخت کیوں کر واپس لیا جائے؟ یہ ایک مشکل کام بھی تھا اور آسان بھی تھا۔ ریاست کے لوگ راج کنور کے ساتھ تھے۔ صرف فوج سیناپتی کے ساتھ تھی اور فوج کا بڑا اثر تھا۔ فوج بڑی طاقتور تھی اس کے پاس بڑا خوفناک اسلحہ تھا۔ عنبر نے سلامبو سے مدد لینے کا فیصلہ کر لیا۔

ادھر دن چڑھا تو سارے محل میں شور مچ گیا کہ راج کنور اور اس کا بچہ جیل سے بھاگ گئے ہیں۔ سیناپتی آگ بگولا ہو گیا۔ اس نے عنبر کو

بلوا بھیجا معلوم ہوا کہ عنبر بھی غائب ہو گیا ہے۔ سیناپتی تلوار کھینچ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے اعلان کر دیا۔

"شام ہونے سے پہلے پہلے راج کنور کو محل میں نہ لایا گیا تو وہ ساری رعایا کا قتل عام کر دے گا"۔

سیناپتی نے شہر کے دروازے پر پہرے داروں کو پھانسی پر چڑھا دیا۔ ساری ریاست میں جاسوس دوڑا دیے گئے۔ کسی نے آ کر سیناپتی کو خبر دی کہ دریا میں ایک بادبانی جہاز کھڑا ہے۔ سیناپتی نے فوجی جرنیلوں کو ساتھ لیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر خود دریا کے کنارے پہنچ گیا۔

سامنے جہاز دریا میں کھڑا تھا۔ سیناپتی نے فوجیوں کو حکم دیا کہ جہاز پر قبضہ کر لیا جائے اور معلوم کیا جائے کہ کہیں راج کنور اس میں تم نہیں چھپا ہے؟ فوجی آگے بڑھے۔ انہوں نے جہاز پر رسیوں کی

سیڑھیاں پھینکی ہی تھیں کہ عنبر اور ناگ نے سامنے آ کر سیڑھیاں کاٹ
دیں۔ سیناپتی نے عنبر کو پہچان لیا اس نے کہا:

''اے عنبر! اگر تو نے میرے دشمن کو پناہ دے رکھی ہے تو میں تجھے
خبردار کرتا ہوں کہ اسے میرے حوالے کر دے۔ نہیں تو میں اس جہاز
کو آگ لگا دوں گا اور تم سب اس میں جل کر راکھ ہو جاؤ گے''۔

عنبر نے کہا:

''سن اے نمک حرام سیناپتی' راج کنور میرے پاس اسی جہاز میں
ہے۔ اس کے ساتھ اس کا بچہ اور بیوی شگفتہ بھی ہے۔ میں اس کو
تمہارے حوالے نہیں کروں گا۔ بلکہ اسے تم سے چھین کر حکومت واپس
دلاؤں گا۔ کیونکہ وہی اس ملک کا راجہ ہے۔ تم غدار ہو۔ اگر تم اپنی
زندگی چاہتے ہو تو ہتھیار ڈال کر راج کنور کی اطاعت قبول کر لو۔ نہیں
تو موت کے لیے تیار ہو جاؤ''۔

یہ سن کر سیناپتی کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ چیخ کو بولا:

اے غدار عنبر' تو نے مجھ سے غداری کی ہے اور اب بغاوت بھی کر
رہا ہے۔

یاد رکھو! اگر تم نے دوپہر تک راج کنور کو میرے حوالے نہ کیا تو میں
جہاز کو آگ لگا دوں گا اور ان سب کی موت کی ذمہ داری تم پر ہو گی۔

عنبر نے کہا:

سیناپتی، میں خود دوپہر کو تمہارے شہر پر حملہ کرنے آ رہا ہوں۔
میں تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ اپنے شہر کو بچا سکتے ہو تو بچا لو۔ ابھی وقت
ہے۔

نہیں تو تمہارے محل کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے گی اور
تمہارے غداروں میں سے ایک کو بھی زندہ نہیں چھوڑا جائے گا۔

سیناپتی نے زور سے تیر چلایا۔ تیر سیدھا عنبر کے سینے میں آ کر

لگا۔ سیناپتی نے قہقہہ لگا کر کہا:

''غدار کی یہی سزا ہے۔ اب بتاؤ کیا کہتے ہو؟''۔

سیناپتی اور اس کے پاس کھڑے جرنیلوں کا خیال تھا کہ عنبر تیر کھانے کے بعد اوندھے منہ دریا میں گر پڑے گا۔ لیکن وہ اپنی جگہ پر کھڑا رہا اور سینے میں سے تیر نکال کر اسے دریا میں پھینکتے ہوئے بولا:

''مکار سیناپتی' تیری موت لکھی جا چکی ہے۔ میں تجھ سے راج کنور کی سلطنت واپس لینے بہت جلد آ رہا ہوں''۔

سیناپتی جرنیلوں کے ساتھ وہاں سے نکل آیا اور محل میں آ کر اس نے وزیروں اور فوجیوں سے مشورہ کیا۔ ان سب کا خیال تھا کہ یہ عنبر کوئی جادوگر ہے۔ سیناپتی نے کہا:

''میرے پاس اس سے بھی بڑے بڑے جادوگر ہیں۔ میں اس کے جہاز کو برباد کر کے راج کنور کی لاش شہر کے سب سے اونچے

دروازے میں لٹکا دوں گا''۔

ایک جرنیل نے کہا:

"ٹھیک ہے۔فوج کو حکم دیا جائے کہ وہ جہاز پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لے اور پھر رات کنور کو گرفتار کر کے جہاز کو عنبر سمیت آگ لگا دے"۔

اسی وقت جنگ کا اعلان کروا دیا گیا۔فوج نے تیر کمانوں اور تلواروں اور آگ لگانے والے تیروں کے ساتھ گھوڑوں اور رتھوں پر سوار ہو کر دریا کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔دوپہر کا وقت تھا۔دن خوب روشن تھا۔راج کنور نے جہاز کے عرشے پر سے دور فوج کو

بڑھتے دیکھا تو نیچے جا کر عنبر سے کہا:

"عنبر، سیناپتی کی فوج بڑی زبردست طاقت کے ساتھ حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھ رہی ہے۔اگر تم کچھ کر سکتے ہو تو یہی وقت ہے۔نہیں تو میں ان کے سامنے جا کر بہادری سے لڑتے ہوئے مر جاؤں گا، مگر اپنے جیتے جی شکنتلا اور بچے پر کوئی آنچ نہیں دوں گا"۔

عنبر، ماریا، ناگ اور شکنتلا نے اوپر جا کر سیناپتی کی فوج کو دیکھا۔ سچ مچ بہت بڑی فوج آگے بڑھ رہی تھی؛ گویا وہ کسی قلعے پر حملہ کرنے آ رہی تھی۔شکنتلا بھی گھبرا گئی۔عنبر نے کہا:

"تم لوگ کوئی فکر مت کرو۔میں بھی ان کی ایسی خبر لوں گا کہ یہ سب حیران پریشان ہو کر رہ جائیں گے"۔

عنبر نے شکنتلا، ماریا، ناگ اور راج کنور کو نیچے کیبن میں بھجوایا۔ یہ لوگ کیبن کے گول سوراخوں سے لگ کر سیناپتی کی فوج کو جہاز کے

سامنے صفیں باندھتے دیکھنے لگے۔ عنبر عرشے پر ایک طرف کھڑا ہو
گیا۔ اس نے آنکھیں بند کیں اور سلامبو کو یاد کر کے کہا:
''سلامبو، سلامبو، اس وقت مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔
میری مدد کو آؤ۔ میں تمہاری مدد کا انتظار کر رہا ہوں''۔
اچانک ایک ہلکا سا دھماکا ہوا اور سلامبو کی لاش عنبر کے سامنے
کھڑی تھی۔ اس کے دانتوں سے خون بہہ رہا تھا اور چہرے پر
بھیانک موت کی مسکراہٹ تھی۔ اس نے پوچھا:
''عنبر، تم نے بڑے دنوں بعد مجھے یاد کیا؟ کیا بات ہے؟ تم کس
مصیبت میں پھنس گئے ہو۔ یہ باہر فوج کس کی کھڑی ہے؟''۔
عنبر نے شروع سے آخر تک ساری کہانی سلامبو کو کھول کر بیان کر
دی اور کہا کہ وہ راج کنور کو اس کا حق واپس دلانا چاہتا ہے جب کہ سینا
پتی راج کنور، اس کی بیوی اور بچے کو قتل کرنے آیا ہے۔ سلامبو کی لاش

ہنس پڑی۔
''اس غدار نمک حرام کی یہ جرات، کوئی بات نہیں۔ ابھی دیکھو
اسے غداری اور نمک حرامی کی کیسی سزا دیتی ہوں''۔
یہ کہہ کر سلامبو کی لاش غائب ہو گئی۔ عنبر عرشے کے ساتھ ایک جگہ
کھڑا ہو گیا اور نیچے دیکھ کر بولا:
''اے سیناپتی، میں آخری بار تمہیں کہہ رہا ہوں کہ اب بھی وقت
ہے اپنے ظلم کی معافی مانگ اور راج کنور کو اس کا تخت اس کے حوالے
کر دے''۔
سیناپتی نے گرج کر کہا:
''بکواس بند کر اے معمولی انسان، تیری اتنی جرات کیسی ہوئی کہ
تو ایک ریاست کے راجہ سے یوں بات کرے۔ تو ایک شعبدہ باز
ہے۔ ایک فریبی ہے۔ مگر یاد رکھو تیرا جادو اور شعبدہ بازی میرے

جادوگروں کے آگے نہ چل سکے گی"۔

اس کے بعد سیناپتی نے جادوگروں کو حکم دیا کہ جادو کا وار کرو۔

چار جادوگر آگے بڑھے۔ انہوں نے زمین پر سے مٹھی بھر راکھ اٹھائی۔ اس پر کچھ پڑھا اور زور سے جہاز کی طرف پھینک دی۔ راکھ نے جہاز کے اوپر آ کر بادل سے تان لیا۔ پھر بادل میں سے آگ کے شعلے جہاز پر برسنے لگے۔ سلامبو کی لاش ہوا میں موجود تھی اور مسکرا رہی تھی۔ اس نے اشارہ کیا۔

آگ برسانے والا بادل ایک دم پھٹ گیا۔ آگ غائب ہوگئی اور بادل ہوا بن کر اڑ گیا۔ راجہ کے جادوگروں نے دوسرا وار کیا۔ انہوں نے اس بار جو زمین پر سے مٹی اٹھا کر جہاز کی طرف پھینکی تو سارے جہاز پر ننھے ننھے ہزاروں سانپ رینگنے لگے۔

سلامبو کی لاش نے ہاتھ اشارہ کیا۔ ایک بہت بڑا اژدہا فضا میں

نمودار ہوا۔ جس نے سانس اندر کو کھینچ کر سارے کے سارے چھوٹے سانپوں کو نگل لیا اور غائب ہوگیا۔

جادوگروں نے اس دفعہ تیسری بار حملہ کیا تو خود بھی جہاز کے پاس آگئے۔

انہوں نے دریا میں سے چلو بھر پانی لیا اور جہاز کی طرف پھینکا۔ ایک زبردست طوفان دریا میں پیدا ہوگیا۔ جہاز غرق ہونے والا تھا کہ سلامبو کی لاش نے مسکراتے ہوئے آگے بڑھ کر جہاز کو تھام لیا۔ جہاز اپنی جگہ پر کھڑا ہوگیا۔

سلامبو نے ہاتھ آگے بڑھا کر چاروں جادوگروں کو ہوا میں اوپر اٹھا لیا اور پھر پھونک ماری۔ چاروں جادوگروں کو آگ لگ گئی اور وہ دیکھتے دیکھتے ہواسی چیخیں مارتے جل کر راکھ ہو کر بکھر گئے۔

سیناپتی اپنے جرنیلوں کے ساتھ یہ سارا تماشہ دیکھ رہا تھا۔ جب

اس نے دیکھا کہ اس کے جادوگر مات کھا گئے ہیں تو اس نے فوج کو حملے کا حکم دیا۔

فوج نے جہاز پر آگ برسانے والے تیروں کی بارش کر دی۔ مگر اب ہوا یہ کہ جو تیر جہاز کی طرف جاتا وہ جلتا ہوا جہاز سے ٹکرا کر واپس فوج میں آ کر سپاہیوں پر آن گرتا۔

سپاہیوں کے رتھوں میں اپنے ہی تیروں سے آگ بھڑک اٹھی۔

سپاہیوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ سیناپتی نے ان کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہا:

"بہادر سپاہیو! یہ محض جادو ہے۔ تم بہادر سورما ہو۔ آگے بڑھ کر حملہ کرو۔ جادوگر تمہارے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکتا"۔

سپاہیوں کا کچھ حوصلہ بڑھا اور پھر حملہ کرنے لگے مگر سلامبو کی لاش
پوری طرح میدان میں آ چکی تھی۔ اس نے پھونک ماری۔ ساری
فوج کے اوپر سیاہ رنگ کا ایک بادل چھا گیا۔ پھر بادلوں میں گرج پیدا
ہوئی اور کھولتے ہوئے گرم پانی کی بارش شروع ہوگئی۔

اب تو ساری فوج میں قیامت مچ گئی۔ سپاہی گرم کھولتے ہوئے
پانی کی بوندوں پر تڑپنے اور چیخنے لگے۔ انہوں نے ہتھیار پھینک کر
بھاگنا شروع کر دیا۔ مگر وہ جدھر جاتے گرم بارش ان کے ساتھ ساتھ
جاتی۔ آخر وہ ایک ایک کر کے دریا میں چھلانگیں لگانے لگے۔ ساری
کی ساری فوج نے گرم بارش سے بچنے کے لیے دریا میں چھلانگیں لگا
دیں اور دیکھتے دیکھتے دریا میں غرق ہوگئی۔

سیناپتی اور جرنیل سائبان کے نیچے تھے۔
ان کے چہرے خوف سے زرد ہو گئے تھے۔ وہ بھاگ کھڑے

ہوئے۔ مگر سلامبو کی لاش بھلا انہیں کب جانے دیتی تھی۔ وہ تو ان
کے خون کی پیاسی تھی۔ اس نے ہوا میں چھلانگ لگا کر اوپر سے سیناپتی
اور جرنیلوں پر حملہ کر دیا وہ زمین پر گر پڑے۔

انہوں نے زمین پر پڑے پڑے ایک لمبے سرخ دانتوں والی بلا کو
اپنی طرف بڑھتے دیکھا۔ ان کی چیخیں نکل گئیں۔ مگر سلامبو نے اپنے
دانت ان کی گردنوں میں پیوست کر دیے تھے اور ان کا خون پینا
شروع کر دیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد سیناپتی کی لاش جرنیلوں کی لاش کے
پاس ہی زمین پر پڑی تھی۔ فوج دریا میں غرق ہو چکی تھی۔

سلامبو کی لاش عنبر کے پاس عرشے پر آ کر بولی:

”عنبر بھائی، اب مجھے اجازت ہے کہ چلی جاؤں۔ میں نے
تمہاری جتنی مدد کرنی تھی کر دی ہے۔ اب پھر جب کبھی بلاؤ گے تو پھر
مدد کرنے آ جاؤں گی“۔

عنبر نے کہا:

”سلامیو بہن! میں تمہارا بے حد شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اب تم جا سکتی ہو“۔

سلامیو کی لاش غائب ہو گئی۔

اس کے غائب ہوتے ہی راج کنور، ماریا، ناگ وغیرہ بھی اوپر عرشے پر آ گئے۔ راج کنور کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ ساری کی ساری باغی فوج کو اکیلے شخص نے ہلاک کر دیا ہے۔ اس نے حیرانی سے کہا:

”عنبر بھائی، آج اگر تم ہماری مدد نہ کرتے تو ہماری زندگی کے چراغ گل ہو چکے تھے“۔

عنبر نے کہا:

”یہ تو میرا فرض تھا راج کنور جی! شکنتلا بہن سے میں نے وعدہ کیا تھا کہ اسے اس کے ملک میں پہنچا کر دم لوں گا۔ اب میں اس کے

سامنے سرخرو ہوں۔ دشمن کا خاتمہ کر دیا گیا ہے۔ آپ کا ملک آپ کو واپس مل گیا ہے۔ چلیے ایک نیک دل فاتح راجہ کے روپ میں اپنے شہر میں داخل ہوں“۔

عنبر نے شکنتلا، ماریا، ناگ اور راج کنور کو ساتھ لیا اور ایک رتھ پر سوار ہو کر شہر کی طرف آ گئے۔ شہر میں یہ خبر پہلے ہی پہنچ گئی تھی کہ راج کنور نے غدار سیناپتی کی فوج کو شکست دے دی ہے اور اب ایک راجہ کی حیثیت سے شہر میں داخل ہو رہا ہے۔ لوگ گھروں سے باہر نکل آئے تھے۔ عورتیں ہاتھوں میں پھولوں کے ہار لیے چھتوں پر کھڑی تھیں۔

شہر کے دروازے پر بڑے بڑے امیر اور وزیر پھولوں کے ہار لیے کھڑے تھے۔ جوں ہی راج کنور اور شکنتلا کی سواری شہر کے دروازے پر پہنچی۔ انہوں نے زندہ باد کے نعرے لگا کر ان کا خیر مقدم

کیا۔ راج کنور راج محل میں آ گیا۔ محل میں آ کر راج کنور نے دربار
لگایا اور عنبر کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بولا:

میرے درباریو' میرے وزیرو' اور مخلص ساتھیو' ایک بات تم سب
کے سامنے کھول کر بیان کر دینا چاہتا ہوں کہ آج کی اس فتح کا سہرا
میرے دوست عنبر کے سر ہے۔ اگر یہ اور اس کا ساتھی ناگ میری مدد
نہ کرتے تو آج ہمیں یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ میں آپ لوگوں کو
کھول کر بیان نہیں کر سکتا کہ انہوں نے میری کس طرح سے مدد کی
ہے۔

بس آپ یہ سمجھ لیں کہ یہ دیوتا بن کر ہماری مدد کو آئے تھے۔ انہوں
نے ہی راج کماری شکنتلا کو تلاش کیا۔ انہوں نے سیناپتی کی جیل سے
مجھے اور راج کمار کو آزاد کرایا اور انہوں نے ہی اپنی بہادری اور
ہوشیاری سے سیناپتی کی غدار فوج کو شکست دی۔

سارا دربار عنبر، ناگ زندہ باد کے نعروں سے گونج اٹھا۔

راج کنور نے عنبر سے درخواست کی کہ وہ راج دربار کا بڑا وزیر
بن کر ان کے پاس ہی رہ جائے۔

عنبر نے کہا:

''راج کنور، تمہیں ابھی ایک بات کا علم نہیں ہے کہ میں کسی ایک
جگہ بیٹھنے کے لیے پیدا نہیں ہوا۔ میری ساری زندگی شروع ہی سے
سفر میں گزری ہے اور میں قیامت تک شاید سفر ہی کرتا رہوں گا۔ ماریا
اور ناگ بھی میرے ساتھ ہی رہیں گے۔ شاید ہمارا انجام بھی کسی جگہ
سفر میں ہی ہو گا۔ اگر میں ٹھہر سکتا تو ضرور ٹھہر جاتا۔ لیکن میں مجبور
ہوں''۔

شکنتلا نے بھی عنبر، ناگ اور ماریا کو بہت مجبور کیا کہ وہ باقی زندگی
ان کے شہر میں ہی بسر کریں۔

اس پر ناگ نے کہا:

"شکنتلا بہن، کسی کو خبر نہیں ہے کہ ہماری باقی زندگی کتنی ہے اور کس جگہ اچانک ختم ہو جائے گی۔ اس لیے ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دیا جائے"۔

آخر ایک روز عنبر، ناگ اور ماریا اپنے جہاز پر سوار ہو گئے۔ راج کنور شکنتلا اور وزیر انہیں رخصت کرنے جہاز تک آئے۔ عنبر نے جہاز کا آدھا خزانہ اپنی منہ بولی بہن شکنتلا کو تحفے کے طور پر دے دیا۔

پھر وہ ایک دوسرے کے ساتھ ہاتھ ملا کر رخصت ہو گئے۔ عنبر نے اپنے جہاز کے بادبان کھول دیے۔ لنگر اٹھوا دیا گیا اور جہاز نے دریا میں سے نکل کر سیاہ پانیوں کے سمندر میں سفر کرنا شروع کر دیا۔

وہ ہندوستان کے ساحل کے ساتھ ساتھ جنوب کی طرف سفر کر رہے تھے۔ عنبر کا ارادہ تھا کہ وہ ہندوستان کے مغربی ساحل کی طرف

جا کر اتریں۔ اس ساحل کی بھی سیر کریں اور اگر ہو سکے تو چندر گپت سے ملاقات کریں جو اس وقت ہندوستان کا راجہ تھا اور اس کے خلاف سازشیں ہو رہی تھیں۔

لال رومال اور ڈاکو

بادبانی جہاز تین دن تک سفر کرتا رہا۔

چوتھے روز ان کا جہاز سری لنکا کے جزیرے کے قریب ہو کر گزرا۔ اس زمانے میں لنکا میں ایک ایسے راجہ کی حکومت تھی جو بڑا نیک اور رحم دل تھا۔ رعایا بڑی خوش حال تھی۔ عنبر نے جہاز کو ساحل کے ساتھ لگا دیا۔

راجہ کے آدمی عنبر کو راجہ کے پاس لے گئے۔ عنبر اور ناگ نے تھال میں ہیرے جواہرات کے تحفے رکھ کر راجہ کو پیش کیے۔ ماریا جہاز پر ہی

رہی۔ راجہ نے عنبر اور ناگ کی بڑی آؤ بھگت کی۔ عنبر نے راجہ کو بتایا کہ وہ ہیرے جواہرات کے بیوپاری ہیں اور ملک ملک اپنے جہاز میں گھوم پھر کر تجارت کر رہے ہیں۔

راجہ نے ان کی زبردست دعوت کی۔ ایک ہفتہ عنبر اور ناگ راجہ کے مہمان رہے۔ ساتویں روز وہ جانے لگے تو راجہ انہیں خود چھوڑنے ساحل تک آیا۔ عنبر اور ناگ راجہ سے گلے مل کر جہاز میں سوار ہو گئے۔ جہاز کا لنگر اٹھا دیا گیا۔ بادبان کھول دیے گئے اور جہاز کا سفر شروع ہو گیا۔

اب یہ لوگ جس سمندر میں سفر کر رہے تھے اس کے پانی کا رنگ گہرا نیلا تھا۔ سیاہ پانی وہ بہت پیچھے چھوڑ آئے تھے۔ نیلے سمندر میں وہ ہندوستان کے مغربی گھاٹ کے ساتھ ساتھ سفر کر رہے تھے۔ ساحل ان کی نظروں سے دور تھا۔

جہاز کے عرشے پر کھڑے ہو کر انہیں ساحل نظر نہیں آ رہا تھا۔ مگر قطب نما اور نقشہ انہیں بتا رہا تھا کہ وہ ساحل سے دور نہیں ہیں۔ سری لنکا کے راجہ نے انہیں خبر دار کیا تھا کہ ہندوستان کے مغربی گھاٹ کے ساتھ ساتھ اکثر سمندری ڈاکو پھرتے رہتے ہیں جو اکثر مسافر جہازوں کو لوٹ لیا کرتے ہیں، لیکن عنبر نے کوئی توجہ نہ دی اور کہا تھا کہ دیکھا جائے گا۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک تو وہ کسی جگہ رک نہیں سکتے تھے۔ دوسرے اگر سمندر میں ڈاکو پھرتے رہتے ہیں تو وہ ان سے ڈر کر سری لنکا کے جزیرے میں آخر کب تک پڑے رہتے؟ ایک نہ ایک دن تو انہیں وہاں سے کوچ کرنا ہی تھا۔

یہ وہی سمندر تھا جہاں سے تجارتی جہاز مشرق میں شمالی اور جنوبی افریقہ کی طرف جایا کرتے ہیں۔ عنبر کو اپنا وطن یاد آ گیا۔ لیکن اتنی دیر

تک دوسرے ملکوں میں سیر و سیاحت کرنے کے بعد وہ اپنے وطن کو بھول گیا تھا اور پھر اسے وطن سے نکلے کم از کم اڑھائی ہزار سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔

ان کا جہاز بحیرہ عرب کے نیلے پانیوں میں آگے ہی آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ لنکا سے چلے ہوئے انہیں پندرہ روز گزر گئے تھے۔ ایک رات وہ سو کر اٹھے تو انہیں دور سمندر میں کسی جہاز کے گہرے رنگ کے بادبان دکھائی دیے۔

عنبر عرشے پر کھڑا تھا۔ ناگ اور ماریا باورچی خانے میں قہوہ تیار کر رہے تھے۔ عنبر نے مغرب کی طرف سے آتے ہوئے جہاز کو دیکھا تو ناگ کو آواز دے کر اوپر بلا لیا۔ ماریا بھی اوپر آ گئی۔ عنبر نے انہیں دور جہاز کے بادبان دکھائے۔ یہ بادبان گہرے رنگ کے تھے۔ جب کہ تجارتی جہازوں کے بادبان اس رنگ کے نہیں ہوا کرتے۔

ناگ نے کہا:

"کیا خیال ہے؟ یہ جہاز تو مجھے کوئی سمندری ڈاکوؤں کا جہاز لگتا ہے"۔

عنبر نے غور سے جہاز کو دیکھا جو اب قریب سے قریب ہو رہا تھا۔

"ہوسکتا ہے۔تمہارا خیال درست ہو"۔

ماریا نے آہ بھر کر کہا:

"خدا جانے یہ سمندری ڈاکوؤں کے جہاز ہمارا کب پیچھا چھوڑیں گے؟میں تو ان سے لڑائی کرتے کرتے تنگ آ گئی ہوں"۔

عنبر نے مسکرا کر کہا:

"ان لوگوں کا سمندری خزانہ بھی تو ہم نے اپنے قبضے میں کر رکھا ہے"۔

وہ عرشے پر کھڑے باتیں کرتے رہے۔ناگ قہوہ اوپر ہی لے

آیا۔وہ تخت پر بیٹھ کر قہوہ پیتے رہے۔باتیں کرتے رہے اور جہاز کو غور سے دیکھتے رہے جو اب قریب آ گیا تھا۔دور سے ہی عنبر اور ناگ نے اس جہاز پر لہراتا ہوا بحری ڈاکوؤں کا جھنڈا دیکھ لیا۔

"عنبر یہ سمندری ڈاکوؤں کا جہاز ہے"۔

عنبر نے کہا:

"ٹھیک ہے۔ان لوگوں کو آنے دو۔یہ بھی کیا یاد کریں گے کہ کسی مسافر جہاز سے پالا پڑا تھا"۔

ماریا نے کہا:

"ہمیں اپنا بندوبست پہلے سے ہی کر لینا چاہیے۔کیبن والے خزانے کو اچھی طرح سے چھپا دینا چاہیے۔ہو سکتا ہے یہ لوگ ہمارے جہاز کو آگ لگانے کی کوشش کریں"۔

عنبر بولا:

"ناگ میاں، اس بار تم ایک کام کرو۔ جہاز جب قریب آ جائے تو انہیں ذرا اپنی کرامت تو دکھاؤ۔ میں اور ماریا اس جنگ میں آرام کرنا چاہتے ہیں۔ یہ جنگ صرف تمہاری جنگ ہوگی"۔

ناگ نے ہنس کر کہا:

"بہت بہتر بھائی جان، اگر آپ کی رائے یہی ہے تو میں حاضر ہوں۔ انہیں ایسی کرامت دکھاؤں گا کہ ساری عمر یاد کریں گے"۔

وہ عرشے پر بیٹھے بحری ڈاکوؤں کے جہاز کو قریب آتا دیکھتے رہے۔ جہاز اب اتنا قریب آ گیا تھا کہ اس کے عرشے پر کھڑے بحری ڈاکو صاف نظر آ رہے تھے۔ وہ لوگ بھی بڑے تعجب سے عنبر کے جہاز کو دیکھ رہے تھے۔ جس پر صرف دو آدمی یعنی عنبر اور ناگ ہی کھڑے تھے۔ ماریا تو انہیں نظر آ ہی نہیں سکتی تھی۔ عنبر نے کہا:

"یہ لال رومالوں والے سمندری ڈاکو ہیں۔ یہ سمندری ڈاکوؤں کی سب سے خوفناک قسم ہے۔ شاید تمہیں معلوم نہیں کہ یہ لوگ بے حد بے رحم ہوتے ہیں اور ایک پل میں قتل کر دیتے ہیں"۔

ماریا نے کہا:

"یہ تو اب ناگ بھائی ہی ان سے سمجھیں گے۔ ہم تو آرام کر رہے ہیں"۔

جہاز قریب آ کر رک گیا۔ بحری ڈاکوؤں نے عنبر اور ناگ کو دیکھ کر دور سے آواز لگائی۔

تم ہمارے غلام ہو۔ ہم نے تمہارے جہاز پر قبضہ کر لیا ہے۔ اگر تم نے مقابلہ کرنے کی کوشش کی تو تمہارے جہاز کو آگ لگا کر تمہیں قتل کر دیا جائے گا۔ اس لیے تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ ہتھیار پھینک دو۔

جہاز کے سارے عملے سے کہو کہ اوپر آ کر ایک قطار میں کھڑا ہو جائے۔

عنبر نے بلند آواز میں کہا:

"جہاز پر سوائے ہم دو بھائیوں کے اور کوئی نہیں ہے"۔

بحری ڈاکو چلایا:

"بک بک بند کرو۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اتنے بڑے جہاز کو صرف دو آدمی چلا رہے ہوں"۔

عنبر نے کہا:

"تم خود آ کر دیکھ لو"۔

ساتھ ہی عنبر نے ماریا سے کہا کہ وہ پیچھے ہٹ کر کھڑی ہو جائے۔ بحری ڈاکو رسوں کی مدد سے جھول جھول کر جہاز کے اوپر چھلانگیں لگا کر آ گئے۔ انہوں نے تلواریں سونت کر ناگ اور عنبر کو ایک طرف کر

لیا۔ جہاز کے کپتان نے اپنی خونخوار آنکھوں سے جہاز کو بڑے غور سے دیکھا اور عنبر سے کہا:

”یہ جہاز تو کسی بحری ڈاکو کا جہاز ہے۔ تم نے اسے کہاں سے حاصل کیا؟“۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔:

”ہم نے ایک بحری ڈاکو اور اس کے سارے ڈاکوؤں کو ہلاک کرنے کے بعد اس کے جہاز پر قبضہ کر لیا تھا۔ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارا بھی یہی انجام نہ ہو تو خاموشی سے یہاں سے واپس چلے جاؤ“۔

بحری ڈاکو کپتان نے زور سے تلوار عرشے کے جنگلے پر مار کر کہا:

”بکواس بند کرو۔ تمہاری موت تمہیں یہاں لے آئی ہے۔ بتاؤ یہ کس بحری ڈاکو کا جہاز ہے۔ اور اس کا خزانہ کہاں ہے؟“۔

ناگ نے کہا۔

”تمہیں ہم بتا چکے ہیں کہ اس جہاز کے ڈاکو کو ہم نے مقابلہ کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ اب ہم اس جہاز کے مالک ہیں“۔

ڈاکو کپتان نے چیخ کر پوچھا:

”تمہارا خزانہ کہاں ہے؟ اگر جواب نہ دیا تو گردن مار دوں گا“۔

عنبر نے کہا:

”خزانہ اسی جہاز میں ہے۔ مگر تمہیں اس خزانے تک جانے کی ہرگز ہرگز اجازت نہیں ہے۔ یہ خزانہ کسی کی امانت ہے“۔

بحری ڈاکو نے گرج کر کہا:

”دیکھوں گا مجھے کون روکتا ہے۔۔۔؟ ساتھیو جہاز کی اینٹ سے اینٹ بجا دو“۔

سارے ڈاکو جہاز پر ٹوٹ پڑے۔ انہوں نے عنبر پر بھی تلواروں سے حملہ کر دیا۔ عنبر نے تلوار کھینچ لی اور مقابلہ شروع ہو گیا۔ عنبر نے

ناگ سے کہا:

"ناگ اپنا کام شروع کر دو۔ ماریا سے کہو کہ وہ کہیں چھپ جائے"۔

ماریا نے کہا:

"میں چھپ نہیں سکتی۔ میں بھی اپنا کام کروں گی"۔

ایک عورت کی آواز سن کر ڈاکوؤں نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر لڑائی میں مصروف ہو گئے۔ ماریا نے دیکھتے دیکھتے دو تین ڈاکوؤں کے سروں پر پیچھے سے تلوار مار کر زخمی کر کے پھینک دیا۔

ناگ لپک کر بادبانوں کے مستول کے پیچھے ہو گیا۔ یہاں پہنچ کر اس نے دونوں ہاتھ فضا میں بلند کر کے انہیں ڈاکوؤں پر چھڑک دیا۔ اس کے ہاتھوں کے جھٹکتے ہی بے شمار زہریلے سانپوں کے گچھے بحری ڈاکوؤں پر ٹوٹ پڑے۔

وہاں ایک کہرام مچ گیا۔ زہریلے سانپوں نے بحری ڈاکوؤں کو ڈسنا شروع کر دیا۔ ڈاکوؤں نے اپنے جہاز میں چھلانگیں لگانا شروع کر دیں۔ کچھ سمندر میں کود پڑے جو باقی رہ گئے انہوں نے سانپوں کو کچلنا شروع کر دیا۔

اتنے میں ناگ نے زور سے سانس اندر کو کھینچا اور جب باہر پھینکا تو اس جگہ مستول کے پاس ایک خوفناک چہرے والا شیر کھڑا دھاڑ رہا تھا۔ شیر کی گرج سن کر ڈاکوؤں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ وہ دہشت زدہ ہو کر رہ گئے۔ کہ آخر اس سمندری جہاز پر شیر کہاں سے آ گیا؟

ڈاکوؤں کے کپتان نے کہا:

"اس شیر کو کاٹ کر رکھ دو"۔

ڈاکو آگے بڑھے مگر شیر نے پنجے مار کر دو ڈاکوؤں کی گردنیں اڑا دیں۔ اس کے بعد ناگ نے زور سے پھنکار ماری اور وہ ہاتھی بن

گیا۔ ہاتھی بھی ایک پاگل ہاتھی، جس نے دیکھتے ہی دیکھتے تین چار
ڈاکوؤں کو سونڈ پر اٹھا کر چیر کر رکھ دیا۔

ڈاکوؤں کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں
سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے یہ کیسے ہو گیا کہ ابھی شیر تھا اور ابھی
وہاں ایک ہاتھی آ گیا۔ عنبر نے اس دوران میں کتنے ہی ڈاکو ہلاک کر
دیے تھے۔ اس پر کئی بار تلواروں کا حملہ ہوا تھا مگر اسے کچھ نہ ہوا۔
سمندری کپتان چکر میں آ گیا۔ اس نے ہتھیار پھینک دیے۔
اس کے آدھے سے زیادہ ڈاکو ہلاک ہو گئے تھے۔ صرف چند ایک
ڈاکو باقی رہ گئے تھے جو زخموں سے چور چور تھے۔ دوسری طرف عنبر پر
کوئی اثر نہ ہوا تھا۔ وہ اسی طرح زندہ سلامت لڑ رہا تھا۔ ناگ نے

پھنکار ماری اور دوبارہ انسانی شکل میں سامنے آ گیا۔

بحری ڈاکوؤں کا کپتان اسے پھٹی ہوئی آنکھوں سے تکنے لگا۔

"یہ۔۔۔یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔ مجھے یقین نہیں آ رہا"۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

تمہیں یقین نہیں آئے گا مگر تمہیں یقین کرنا ہی پڑے گا۔اس لیے کہ تم نے جو کچھ دیکھا ہے وہ حقیقت میں بالکل سچ تھا۔وہ کوئی خواب نہیں تھا۔

میں نے تمہیں پہلے ہی کہا تھا کہ اگر جان کی امان چاہتے ہو اور اپنے ساتھیوں کی جان تمہیں عزیز ہے تو یہاں سے واپس چلے جاؤ مگر تم نہیں مانے۔آخر تم نے اپنا انجام دیکھ لیا۔اب بولو کیا چاہتے ہو؟

"تمہیں خزانہ چاہیے یا اپنی زندگی اور جہاز کی سلامتی؟"۔

ڈاکو کپتان نے سر جھکا کر کہا:

"تم جیتے میں ہار گیا۔ میں ایک بہادر کپتان کی طرح اپنی ہار کو تسلیم کر لیا۔میری ساری زندگی سمندروں میں ڈاکے ڈالتے گزر گئی ہے،مگر میں نے آج تک یہ تماشہ نہیں دیکھا جو تم لوگوں نے مجھے دکھایا ہے۔کیا یہ جادو تھا؟"۔

ناگ نے کہا:

"چاہے تم اسے جو کچھ سمجھ لو۔لیکن تم نے جو کچھ دیکھا وہ ایک بار پھر دکھایا جا سکتا ہے"۔

نہیں نہیں میں پہلے ہی اپنے بے شمار ساتھیوں سے ہاتھ دھو چکا ہوں۔ میں اپنی ہار کو تسلیم کرتا ہوں اور تمہارا جہاز اور خزانہ تمہارے حوالے کرکے یہاں سے جاتا ہوں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ تم نے ضرور یہ جہاز ڈاکوؤں کو شکست دے کر حاصل کیا ہوگا۔اس حساب سے تو تم میرے جہاز پر بھی قبضہ

کر سکتے ہو۔

میں ایک بہادر ڈاکو ہوں اور بہادر ڈاکو اپنی کمزوری کو فوراً مان جاتے ہیں۔تم لوگ کہو تمھیں کس چیز کی ضرورت ہے؟ میں وہ فوراً حاضر کر دوں گا۔

عنبر نے کہا:

”ہمیں کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ جو کچھ ہمیں چاہیے‘ وہ ہمارے پاس موجود ہے۔ بلکہ ہمارے پاس وہ بھی ہے جس کی ہمیں ضرورت نہیں ہے۔ہاں اگر تمہارے پاس ہندوستان ملک کے کوئی قیدی ہیں تو وہ ہمارے حوالے کر دو۔کیوں کہ ہم اسی ملک میں جا رہے ہیں“۔

کپتان نے کہا۔

”میرے پاس ہندوستان کے کوئی قیدی نہیں۔ہم لال رومال والے سمندری ڈاکو ہیں۔ہم کسی کو قیدی نہیں بناتے۔ہم اسے قتل کر

دیا کرتے ہیں۔کیا ہمیں اجازت ہے کہ ہم اب یہاں سے روانہ ہو جائیں؟“۔

عنبر نے کہا:

”ہاں‘تمہیں اجازت ہے“۔

کپتان بولا:

”تم لوگوں نے میرا بہت زیادہ نقصان کیا ہے۔میرے بہترین اور دلیر ترین ساتھی موت کے گھاٹ اتار دیے ہیں۔لیکن میں تمہارا مقابلہ نہیں کر سکتا۔دکھ اسی بات کا ہے کہ میں تمہارا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ لیکن خیر‘ان ساتھیوں کی موت کا بدلہ میں کسی دوسرے دشمن سے لے لوں گا“۔

یہ کہہ کر کپتان نے اپنے بچے کھچے ڈاکو ساتھیوں کو ساتھ لیا اور اپنے جہاز پر چلا گیا۔عنبر، ناگ اور ماریا جہاز کے عرشے پر سے اسے

دیکھتے رہے۔ ڈاکو زخمی تھے اور اپنے جہاز کے عرشے پر لیٹے کراہ
رہے تھے۔ کپتان نے حکم دیا۔

"لنگر کھول دیا جائے"۔

جہاز کا لنگر اٹھا دیا گیا۔ بادبان کھول دیے گئے اور وہ آہستہ
آہستہ نظروں سے اوجھل ہونا شروع ہو گیا۔ بحری ڈاکوؤں کے جہاز
کے دور ہوتے ہی عنبر اور ناگ نے پانی کی بالٹیاں بھر بھر کر عرشے کے
فرش پر ڈالیں اور اسے دھونا شروع کر دیا۔

شام تک سارا جہاز صاف ستھرا ہو گیا۔ وہ تینوں عرشے پر بیٹھ
گئے۔ شام کا کھانا انہوں نے عرشے پر ہی کھایا۔ وہ بحری ڈاکوؤں کے
بارے میں گفتگو کر رہے تھے اور سورج مغرب میں ڈوب رہا تھا۔
شام ہو گئی۔ پھر رات کا اندھیرا چاروں طرف پھیل گیا۔
انہوں نے جہاز میں تیل کے چراغ روشن کر دیے۔ وہ اپنے

اپنے کیبن میں جا کر سو گئے۔ جب وہ سو کر اٹھے تو کافی دن چڑھ آیا
تھا۔ وہ جہاز کے عرشے پر آئے تو انہوں نے آسمان پر مرغابیوں کی
قطار کو اڑتے دیکھا۔ یہ اس بات کی نشانی تھی کہ زمین آ گئی ہے۔
انہوں نے مشرق کی طرف دیکھا تو وہ ہندوستان کے مغربی گھاٹ
کے قریب پہنچ رہے تھے۔

ساحل پر درختوں کے جھنڈ سورج کی دھوپ میں چمک رہے
تھے۔ قطب نما اور چرخی کے زاویے کے مطابق وہ مالا بار کے ساحل پر
تھے۔ انہوں نے جہاز کو ساحل کی طرف لانا شروع کر دیا۔ دوپہر تک
وہ جہاز کو کنارے کے ساتھ لگا چکے تھے۔

اب ان کے سامنے ایک بہت وسیع ملک تھا۔ یہ کوئی چھوٹا
سا جزیرہ نہیں تھا کہ جہاں سے گھوم پھر کر وہ ایک بار پھر اپنے جہاز پر
واپس آ جاتے۔ یہ ایک اتنا بڑا ملک تھا کہ اس کے ایک جانب بحیرہ

روم تھا تو شمال میں ہمالیہ کے برف پوش پہاڑوں کا سلسلہ دور تک پھیلتا چلا گیا تھا۔

عنبر، ناگ اور ماریا آپس میں مشورہ کرنے لگے۔

ماریا نے کہا:

''اگر ہم نے سارے ملک ہندوستان کی سیاحت کرنی ہے تو ضروری ہوگا کہ اس جہاز میں سے خزانہ نکال کر کسی جگہ زمین میں دفن کر دیا جائے اور جہاز کے اندر کسی اژدہا کو رکھوالی کے لیے مقرر کر دیا جائے''۔

ناگ بولا:

''یہ کام تو بڑی آسانی سے ہوسکتا ہے''۔

عنبر نے کہا:

''ہمیں ایسا ہی کرنا چاہیے، کیونکہ جہاز کو ہم اپنے ساتھ لیے لیے

نہیں پھر سکتے۔ یہاں سے ہمیں پاٹلی پتر میں چندر گپت کی راجدھانی میں جانا ہے''۔

انہوں نے جہاز کو ایک کھاڑی کے اندر دھکیل کر درختوں اور اونچی اونچی گھنی جھاڑیوں میں لا کر چھپا دیا۔ پھر زمین میں ایک گہرا گڑھا کھودا۔ پھر خزانے کے دونوں صندوق لا کر زمین کے اندر دفن کر کے اوپر مٹی ڈال دی اور مٹی کے اوپر گھاس بکھیر دی۔

اس کے بعد عنبر نے چمڑے پر خزانے کا ایک نقشہ تیار کیا تا کہ اگر وہ دیر بعد واپس آئیں تو خزانے کی جگہ بھول نہ جائیں۔ خزانے کا نقشہ عنبر نے اپنی کمر کے گرد باندھ لیا۔

کچھ اشرفیاں اور قیمتی جواہرات ایک پوٹلی میں باندھ کر انہوں نے اپنے ساتھ رکھ لیے۔ اور خدا کا نام لے کر جنگل میں چندر گپت کی راجدھانی پاٹلی پتر کی طرف سفر شروع کر دیا۔

☆ ناگ، عنبر اور ماریا کن حالات میں پاتلی پتر پہنچے؟

☆ راستے میں انہیں کن کن مشکلوں کا سامنا کرنا پڑا؟

☆ کیا چندر گپت کو وہ سازشوں سے بچا سکے؟

☆ ان سب کا جواب اس ناول کی اگلی یعنی 41 ویں قسط

''خونی آنکھیں'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

خونی آنکھیں
امبر ناگ ماریا
(قسط نمبر 41)
princeofdhamp@urdufanz.com
اے حمید

خونی آنکھیں

خونی آنکھیں

(قسط نمبر 41)

اے حمید

فہرست

عنبر ناگ اور ماریا دجلہ کے کنارے ریت میں خزانہ چھپا کر بغداد سے باہر ایک غیر آباد خانقاہ میں آ گئے ہیں یہاں خلیفہ بغداد کے حامی نوجوان جمع ہو کر اٹیلا کی ظالمانہ حکومت کے خلاف سازش کر رہے ہیں دونوں کو باغی نوجوان پکڑ لیتے ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ وہ اٹیلا کے دشمن ہیں۔ دونوں باغیوں کے ساتھ مل کر اٹیلا کے محل میں داخل ہوتے ہیں۔ اٹیلا کو زہر

دے دیا جاتا ہے۔عنبر اور ناگ شاہی خاندان کو لے کر راتوں
رات بغداد سے فرار ہوتے ہیں۔ ماریا جہاز پر اکیلی پہرہ دے
رہی ہے کہ سپاہی حملہ کر دیتے ہیں۔

زوناش جادوگر

تینوں بہن بھائی گھنے جنگلوں میں سے گزر رہے تھے۔اس
قسم کے خطرناک اور جنگلی درندوں سے بھرے ہوئے جنگلوں
میں وہ اس سے پہلے بھی سفر کر چکے تھے۔آج سے دو ہزار سال
پہلے کے ہندوستان کے جنگل بہت گنجان تھے۔ان میں بڑے
بڑے آدم خور قسم کے شیر اور ہاتھی رہتے تھے۔
شہر بہت کم تھے اور بڑی دور دور آباد تھے۔شہروں کو جانے

والے راستے ان جنگلوں میں سے ہو کر گذرتے تھے۔ یہ راستے
کچے تھے۔ یہاں کئی کئی دنوں تک سفر کرتے چلے جائیں
تو آپ کو کوئی شہر راستے میں نہیں ملے گا۔

ان راستوں پر لوگ قافلے بنا کر سفر کرتے تھے۔ راستے
میں کہیں کہیں پڑاؤ ڈال کر آرام کرتے اور پھر سفر پر چل
پڑتے۔ سفر میں کوئی سرائے محل آ جاتی تو وہاں کھانے پینے کو
کچھ مل جاتا۔

مسافر کھانے پینے کا سامان اپنے ساتھ لے کر چلتے تھے۔
آج کے زمانے میں تو سفر کرنا بڑا آسان ہے لیکن آج سے دو
ہزار سال پہلے سفر کرنا بڑا مشکل تھا۔ اکیلا آدمی تو سفر کر ہی نہیں
سکتا تھا۔

عنبر ماریا اور ناگ اکیلے ہی سفر کر رہے تھے۔ اس کی ایک
وجہ تو یہ تھی کہ ان کے اندر پراسرار غیبی طاقتیں تھیں کہ وہ بڑے
سے بڑے شیر، ہاتھی اور ڈاکو کا مقابلہ کر سکتے تھے۔ دوسری وجہ
یہ تھی کہ انہیں کچھ معلوم نہیں تھا کہ قافلہ کہاں سے گزرتا ہے۔
ہو سکتا تھا کہ انہیں معلوم ہو جاتا تو وہ کسی قافلے کے ساتھ شامل
ہو جاتے۔

اتنی انہیں ضرور خبر تھی کہ چندر گپت کی راجدھانی پاٹلی پتر
تک کا سفر ایک لمبا سفر ہے اور یہ کہ وہ ٹھیک راستے پر جا رہے
ہیں۔ سفر کرتے کرتے انہیں دس بارہ دن گزر گئے تھے۔
انہوں نے کئی دریا پار کیے۔ کئی جنگلوں میں سے گزرے۔
راستے میں کہیں کہیں کوئی جنگلی لوگوں کی آبادی بھی ملی جہاں

سے انہوں نے کھانے پینے کی چیزیں حاصل کیں اور پھر سفر شروع کر دیا۔

پندرہ دنوں کے سفر کے بعد وہ ایک ایسے دریا پر پہنچے جو دو پہاڑوں کے بیچ میں سے ہو کر بہہ رہا تھا۔ اب وہ بہت تھک گئے تھے۔ انہوں نے اس دریا کے کنارے پڑاؤ ڈالنے کا فیصلہ کر لیا۔ اپنے گھوڑے انہوں نے درختوں کے درمیان باندھ دیے اور آگ جلا کر دریا کے کنارے بیٹھ گئے۔

یہ گھوڑے انہوں نے اشرفیاں دے کر ایک آبادی کے لوگوں سے حاصل کیے تھے۔ ان جنگلوں میں گھوڑوں کے بغیر سفر کرنا بہت مشکل تھا۔ خاص طور پر ماریا تو بالکل ہی پیدل سفر نہیں کر سکتی تھی۔

انہوں نے اس جگہ جھولے میں سے ہرن کا گوشت نکال کر بھونا اور پیٹ بھر کر کھایا۔ ماریا کو نیند آ رہی تھی۔ وہ ٹھنڈی چھاؤں میں سو گئی۔

موسم گرمی کا تھا۔ دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ چھاؤں میں ٹھنڈک تھی اور خوشگوار ہوا چل رہی تھی۔ ناگ نے عنبر سے کہا:

"عنبر بھائی! ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ سفر کرتے، زندگی بسر کرتے ایک لمبا عرصہ گزر گیا ہے۔ وقت کا اثر مجھ پر بھی نہیں ہوا اور تم پر بھی نہیں ہو سکتا لیکن میرا خیال ہے کہ ماریا پر ضرور ہو گا، لیکن چونکہ وہ غائب رہتی ہے، اس لیے ہمیں اندازہ نہیں ہو سکتا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ بوڑھی ہو چکی ہو گی"۔

عنبر نے کہا: "ناگ! اگر ماریا بوڑھی ہو چکی ہوتی تو اس کی

آواز بھی بوڑھی ہوگئی ہوتی اور پھر وہ اس طرح ہمارے ساتھ
سفر بھی نہ کرسکتی۔وہ ضرور تھک ہار کر کب کا ہمارا ساتھ چھوڑ چکی
ہوتی''۔

ناگ نے پوچھا۔''تو پھر تمہارا خیال کیا ہے؟ماریا پر عمر کا
اثر نہیں ہورہا؟''۔

عنبر نے کہا:۔''ماریا ایک عام عورت ہے۔اس پر عمر کا اثر
ضرور ہورہا ہوگا،لیکن میرا خیال ہے کہ جب تک وہ غائب
ہے،وہ بوڑھی نہیں ہوسکتی لیکن جونہی اس پر سے جادو کا اثر ٹوٹا،
وہ ہمیں اتنی بوڑھی دکھائی دے گی کہ ہم اسے پہچان بھی نہیں
سکیں گے''۔

ناگ بولا:۔''یہ تو بڑی دردناک بات ہوگی کہ ایک روز ہم

اپنی بہن ماریا کو اتنا بوڑھا دیکھیں کہ ہم اسے پہچان بھی نہ
سکیں''۔

عنبر نے کہا۔''یہ تو ایک نہ ایک دن ہو کر رہے گا۔ناگ
بھائی۔ماریا ایک عام عورت ہے۔ہم اسے بوڑھا ہونے سے
نہیں روک سکتے۔ابھی تو خود ماریا کو بھی یہ احساس نہیں ہے کہ
جس روز اس پر سے افراسیاب کے جادو کا اثر ٹوٹا وہ اچانک
اتنی بوڑھی ہو جائے گی کہ شاید تھوڑی دیر زندہ رہنے کے بعد مر
جائے''۔

ناگ اداس ہوگیا۔عنبر نے کہا۔

یہ تو ہر دنیا دار انسان کے ساتھ ایک نہ ایک دن ہوگا،جس
روز مجھ پر دعا کا اثر ختم ہوا میں بھی ایک دم بوڑھا ہو کر مر جاؤں

گا۔ ہاں تمہارے بارے میں، میں کچھ نہیں کہہ سکتا، کیونکہ تم انسان نہیں بلکہ ایک سانپ ہو اور سانپ بھی وہ ہو جو ایک ہزار برس تک زندہ رہ چکا ہے۔

میرا خیال ہے تم ابھی اور دو ہزار سال تک اسی طرح زندہ رہ سکتے ہو۔ لیکن ماریا کو اس قسم کی کوئی بات نہ بتانا، نہیں تو وہ پریشان ہو جائے گی۔

ناگ نے کہا۔ "میں ایسی بات اسے ہرگز نہیں بتا سکتا۔ تم بے فکر رہو"۔

تھوڑی دیر وہ اس قسم کی باتیں کرتے رہے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ عنبر کو بھی نیند آ گئی۔ کچھ دیر بعد ناگ بھی اونگھنے لگ۔ اب وہ تینوں سوئے ہوئے تھے۔ آگ بجھ گئی تھی۔

اچانک ماریا کی آنکھ کھل گئی۔

اسے پیاس لگ رہی تھی۔ اس نے دیکھا کہ عنبر اور ناگ گہری نیند سو رہے ہیں۔ وہ اٹھ کر دریا کے کنارے پانی پینے چلی گئی۔ دریا کا پانی بڑا میٹھا اور ٹھنڈا تھا۔ وہ جھاڑیوں کی اوٹ میں ہو کر نہانے لگی۔

نہانے کے بعد اس نے کپڑے پہنے اور اپنے بالوں میں انگلیاں پھیر رہی تھی کہ اچانک کسی نے پیچھے سے آ کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

ماریا نے تلملا کر پیچھے دیکھا۔ ایک بھاری بھرکم، موٹا سا جنگلی آدمی کھڑا اسے دبوچ رہا تھا۔ پہلے تو وہ سوچ کر حیران ہوئی کہ اس شخص نے اسے دیکھ کیسے لیا، کیونکہ وہ تو غائب تھی

اور کسی کو دکھائی نہیں دے سکتی تھی۔

یہ آدمی اس علاقے کا ایک بہت بڑا جادوگر زوناش تھا جس نے جادو کے زور سے غائب ماریا کو دریا کے کنارے بال سکھاتے دیکھ لیا تھا۔ ماریا نے چیخ مار کر عنبر اور ناگ کو جگانے کی کوشش کی مگر زوناش جادوگر کی گرفت اتنی سخت تھی کہ اس کا منہ ذرا سا بھی نہ کھل سکا۔

یہ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ ماریا میں صرف اتنی ہی طاقت تھی کہ وہ کسی کو نظر نہیں آتی تھی۔ اگر کوئی شخص اسے قابو کر لیتا تو پھر وہ سوائے ایک کمزور عورت کے اور کچھ بھی نہیں تھی۔ یہی حال اب اس کا ہوا۔

زوناش جادوگر نے اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس کر اس کا

منہ بند کر دیا اور کندھے پر اٹھا کر جنگل میں لے گیا۔ ماریا نے بہتیرے ہاتھ پاؤں مارے مگر وہ اپنے آپ کو زوناش جادوگر کی گرفت سے آزاد نہ کرا سکی۔

جنگل میں زوناش جادوگر کا گھوڑا کھڑا تھا۔ اس نے ماریا کو گھوڑے پر ڈال کر اس کے ہاتھ پاؤں رسی سے باندھ دیئے اور اسے لے کر گھوڑا دوڑاتے دریا کنارے کے گھنے درختوں میں غائب ہو گیا۔

عنبر اور ناگ کی آنکھ کھلی تو انہوں نے دیکھا کہ ماریا اپنی جگہ پر نہیں تھی۔ عنبر نے ناگ کی طرف اور ناگ نے عنبر کی طرف دیکھا۔ ناگ نے پوچھا۔

"ماریا کہاں چلی گئی عنبر بھائی؟"۔

عنبر نے کہا۔

''میرا خیال دریا پر گئی ہوگی''۔

دونوں اٹھ کر دریا کنارے آ گئے ۔ ماریا یہاں بھی نہیں تھی ۔انہوں نے ماریا کو آوازیں دینا شروع کر دیں، لیکن وہاں ماریا ہوتی تو انہیں جواب دیتی۔ ماریا تو وہاں تھی ہی نہیں۔

اسے تو جادوگر جنگل میں گھوڑے پر اغوا کیے بھگائے لیے جا رہا تھا۔عنبر اور ناگ پریشان ہو گئے کہ ان کی بہن کہاں چلی گئی؟ اگر وہ دریا میں بھی گرتی تو چیخ کر انہیں آواز دے سکتی تھی۔

انہوں نے ماریا کی کسی چیخ کی آواز بھی نہیں سنی تھی۔کوئی

شخص اسے اغوا بھی نہیں کر سکتا تھا، کیونکہ وہ کسی کو دکھائی ہی نہیں دیتی تھی۔کوئی جنگلی درندہ بھی اس پر حملہ نہیں کر سکتا تھا کیونکہ وہ جنگلی درندے کو بھی نظر نہیں آ سکتی تھی۔عنبر نے کہا۔

''اگر اس پر کوئی شیر یا ہاتھی حملہ کرتا تو شیر کی دھاڑ سے ان کی آنکھ کھل سکتی تھی۔یا کم از کم ماریا ہی شور مچا کر ہمیں جگا سکتی تھی۔ایسا بھی نہیں ہوا۔ہم نے نہ تو کسی شیر کے دھاڑنے کی آواز سنی اور نہ ماریا کے شور کی آواز۔آخر وہ گئی تو کہاں گئی؟''۔

دونوں بھائی پریشان ہو کر جنگل میں ادھر ادھر ماریا کو تلاش کرنے لگے۔وہ ماریا کو بار بار آوازیں دے رہے تھے۔ان کی آوازوں کے شور سے درختوں پر بیٹھے ہوئے پرندے اڑ کر

بھاگ گئے۔

وہ دریا کنارے آ گئے۔ ایک جگہ انہوں نے گھوڑے کے سموں کے نشان دیکھے۔ وہ ان نشانوں کو غور سے تکنے لگے۔ وہ اپنے اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور انہوں نے گھوڑے کے سموں کے نشانوں کا پیچھا کرنا شروع کر دیا۔

نشان جنگل میں داخل ہو گئے تھے۔ وہ بھی جنگل میں داخل ہو گئے۔ کافی دور جا کر گھوڑوں کے پاؤں کے نشان ایک طرف مڑ گئے۔ عنبر اور ناگ بھی اسی طرف کو گھوم گئے۔ اب سامنے دریا آ گیا۔ نشان اسی طرف جا رہے تھے۔ کنارے پر جا کر نشان میں اتر گئے تھے۔ عنبر نے کہا۔

"مجھے یقین ہے، کسی نے ماریا کو اغوا کر کے گھوڑے پر

بٹھایا ہے۔ اور وہ اسے لے کر دریا پار کر گیا ہے"۔

ناگ بولا۔ "مگر عنبر بھائی! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ایک عام آدمی ماریا کو کس طرح دیکھ سکتا ہے؟"۔

عنبر نے کہا۔ "یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ماریا کو اغوا کرنے والا کوئی عام انسان نہیں ہے۔ وہ ضرور کوئی بہت بڑا جادوگر ہے۔ ایک جادوگر ہی ماریا کو غائب حالت میں بھی دیکھ سکتا ہے۔ عام آدمی اسے کبھی نہیں دیکھ سکتا اور نہ اسے اغوا کر سکتا ہے"۔

"مگر یہاں جادوگر کہاں سے آ گیا؟" ناگ نے پوچھا۔

عنبر بولا۔ "ناگ بھائی! یہ ہندوستان ہے اور یہاں بہت بڑے بڑے جادوگر رہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے، کوئی زبردست

جادوگر ادھر سے گزر رہا ہو اور اس کی نظر ماریا پر پڑ گئی۔ اس نے ماریا کا منہ بند کر کے اسے اٹھایا اور گھوڑے پر ڈال کر لے گیا"۔

ناگ نے کہا۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں گھوڑے کے نشانوں کے ساتھ ساتھ دریا پار کرنا ہوگا۔ لیکن یہ کہاں سے ثابت ہوتا ہے کہ جس گھوڑے کے قدموں کے نشانوں کا ہم پیچھا کر رہے ہیں، اس گھوڑے پر ماریا کو اغوا کیا گیا؟"۔

عنبر نے کہا۔

"اگر ہم یہ فرض نہیں کریں گے تو ماریا کو کبھی تلاش نہیں کر سکیں گے۔ ہمیں اس گھوڑے کے نشانوں کے ساتھ ساتھ چلنا

ہوگا۔ میرا دل کہہ رہا ہے کہ ماریا کو اس راستے سے لے جایا گیا ہے"۔

"تو پھر چلو۔ دریا پار کرتے ہیں"۔

دونوں بھائیوں نے خدا کا نام لے کر دریا میں گھوڑے ڈال دیئے۔ پہاڑی علاقہ ہونے کی وجہ سے دریا کا بہاؤ تیز تھا۔ دریا گہرا بھی تھا۔ بیچ میں بڑے بڑے پتھر پڑے تھے جو چٹانوں جتنے تھے۔

گھوڑوں نے دریا میں اترتے ہی تیرنا شروع کر دیا۔ گھوڑے عنبر اور ناگ کو دریا میں سے نکال کر پار لے گئے۔ دریا پار جا کر انہوں نے زمین دیکھی تو وہاں گھوڑے کے قدموں کے نشان غائب تھے۔

"اب کیا کریں؟ کدھر جائیں؟ گھوڑے کے قدموں کے نشان تو یہاں کہیں بھی دکھائی نہیں دے رہے عنبر بھائی!"۔

عنبر نے زمین کو غور سے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"یہ جگہ پتھریلی ہے۔ یہاں گھوڑے کے قدموں کے نشان نہیں پڑ سکتے۔ بہر حال ہمیں فرض کرنا ہی ہوگا کہ ماریا کو اسی راستے سے لے جایا گیا ہے۔ آؤ ہم آگے بڑھتے ہیں"۔

عنبر اور ناگ آگے چل پڑے۔

ان دونوں بھائیوں کو اس جگہ چھوڑ کر ہم ماریا کی طرف جاتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہ کس حال میں ہے۔ زوناش جادوگر ماریا کو گھوڑے پر بھگا کر لیے جا رہا تھا۔ وہ بڑا ہوشیار جادوگر تھا۔

اسے خیال تھا کہ ماریا کا پیچھا کرنے کوئی نہ کوئی ضرور آئے گا۔ چنانچہ اس نے دریا پار کرتے ہی گھوڑے کا رخ پانی میں کنارے کنارے جنوب کی طرف کر دیا اور کافی آگے جا کر پتھریلی زمین پر باہر نکل آیا۔ یہاں اس نے گھوڑے کو چھوڑ دیا اور کنارے پر رکھی ہوئی ایک چھوٹی سی کشتی میں سوار ہو گیا۔

کشتی دریا میں چلتے چلتے کافی فاصلے پر ایک چٹان کے پیچھے گھوم کر دوسرے کنارے پر جا لگی۔ زوناش جادوگر نے کشتی کو ایک جگہ جھاڑیوں میں چھپا دیا اور کنارے پر آ کر پہاڑی کے ساتھ ساتھ ماریا کو کندھے پر اٹھائے پیدل ہی چلنا شروع کر دیا۔

پہاڑی راستہ ایک جگہ ٹیلے کے اندر گھوم گیا۔ یہاں ایک

چھوٹا سا درہ ٹیلے کے اندر کی جانب مڑتا تھا۔ زوناش جادوگر ادھر کو مڑ گیا۔ ذرا آگے جا کر ٹیلے می بڑے بڑے پتھروں کے درمیان ایک جگہ گھنی جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ جادوگر ان جھاڑیوں میں داخل ہو گیا۔

ان جھاڑیوں کے اندر ایک پتھریلا تنگ سا راستہ غار کی طرح ٹیلے کے اندر چلا گیا تھا۔ جادوگر غار کے اندر آ گیا۔ ماریا کا منہ کپڑے سے بند تھا مگر اس کی آنکھیں کھلی تھیں اور وہ سارے راستے کو غور سے دیکھتی چلی جا رہی تھی۔

زوناش جادوگر نے یہ سوچا ہی نہیں تھا کہ ماریا کی آنکھوں پر بھی پٹی باندھ دے تاکہ وہ کہیں بھاگ نہ جائے۔ اسے اپنی طاقت پر بڑا بھروسہ تھا، اسے یقین تھا کہ اس کے قبضے میں آیا

ہوا شکار کبھی کہیں بھاگ کر نہیں جا سکتا۔

غار آگے جا کر دائیں جانب کو گھوم گیا۔ یہاں اندھیرا تھا۔ اندھیرے میں کچھ دیر چلنے کے بعد جادوگر نے ایک دیوار پر زور سے ہاتھ مارا۔ پتھر کی دیوار اپنی جگہ سے شق ہو گئی۔ جادوگر اندر چلا گیا۔

ماریا نے دیکھا کہ وہاں دیوار کے ساتھ ایک مشعل جل رہی تھی۔ جادوگر نے ہاتھ مارا تو پتھر کی دیوار پھر اپنی جگہ پر واپس آ گئی۔

جادوگر نے ماریا کے پاؤں میں لوہے کی زنجیر ڈال کر اسے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا۔ قریب ہی گھاس پھوس کا بستر بچھا ہوا تھا۔ جادوگر نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"اے غیبی عورت! اب تو اپنی باقی ساری عمر اسی جگہ بسر کرے گی۔ یہاں سے نکل کر تو اب کہیں نہیں جا سکے گی"۔

جادوگر زوناش نے ماریا کے منہ سے کپڑا نکال دیا۔ ماریا نے گہرا سانس لیا اور ہاتھوں سے اپنے جبڑے سہلانے لگی۔

زوناش جادوگر نے ایک پیالے بکری کا گرم گرم دودھ پتیلی میں سے نکال کر ماریا کو پیش کیا اور کہا۔

"اسے پی جاؤ۔ یہ تمہیں طاقت دے گا اور خبردار مجھ سے یہ مت کہنا کہ میں تمہیں آزاد کردوں۔ کیونکہ سالہا سال کی محنت اور ریاضت کے بعد تو مجھے ملی ہے۔ تم نے کبھی بھی یہاں سے فرار ہونے کی کوشش کی تو میں جادو کے زور سے تمہیں جلا کر بھسم کردوں گا"۔

ماریا نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے گرم گرم دودھ کا پیالہ لے کر چپ چاپ پینا شروع کر دیا۔ اسے معلوم تھا کہ جادوگر اسے دیکھ رہا ہے۔

اس زوناش جادوگر کے لیے وہ غائب نہیں تھی۔ اسے کوئی درندہ، انسان اور پرندہ نہیں دیکھ سکتا تھا مگر زوناش جادوگر نے اسے دیکھ لیا تھا وہ اب بھی اسے دیکھ رہا تھا۔ اس قسم کا جادوگر ماریا کو زندگی میں پہلی مرتبہ ملا تھا۔

عنبر اور ناگ کا خیال کر کے وہ پریشان اور اداس ضرور ہو گئی تھی مگر وہ بے بس تھی۔ کچھ بھی نہیں کر سکتی تی۔ راستے میں وہ کوئی نشان بھی نہیں پھینک کر آئی تھی کہ عنبر اور ناگ اسے تلاش کرتے کرتے اس تک پہنچ جاتے۔

اس نے دودھ پیتے پیتے اردگرد دیکھا، یہ غار کی ایک کھلی کوٹھڑی سی تھی۔ چھت اونچی تھی اور چھت کے پتھروں میں چمگادڑیں الٹی لٹک رہی تھیں۔ قریب ہی چولہے میں آگ جل رہی تھی۔

دیواروں کے ساتھ انسانوں کی بے شمار کھوپڑیاں لٹک رہی تھیں۔ آگ کے پاس شیر کا ایک سر رکھا تھا جس میں لکڑی کی میخ ٹھکی ہوئی تھی۔ ماریا نے جادوگر سے کہا۔

"یہ میں جان چکی ہوں کہ تم کوئی جادوگر ہو، مگر یہ بتاؤ کہ تم مجھے کس لیے اٹھا کر یہاں لے آئے ہو"۔

ڈراؤنا غار

زوناش جادوگر نے ماریا کی طرف دیکھ کر مکروہ قہقہہ لگایا۔

"یہ پوچھ کر تمہیں کچھ حاصل نہ ہوگا، کیونکہ جو کام میں نے کرنا ہے، وہ میں ضرور کروں گا۔ اس کے لیے ہی میں تمہیں اٹھا کر یہاں لایا ہوں۔ مجھے امید نہیں تھی کہ میرا کام اتنی جلدی بن جائے گا۔ یہ تو میری خوش قسمتی ہے کہ غار سے نکلتے ہی مجھے تم مل گئیں۔ تم تو میرے لیے سونے کی چڑیا سے بھی زیادہ قیمتی

ہو‘‘۔

ماریا نے کہا۔

’’وہ تو ٹھیک ہے مگر تم میرے ساتھ کیا سلوک کرو گے؟
میں تمہارے سامنے بے بس ہوں۔ میں اس وقت تمہاری قید
میں ہوں۔ چاہوں بھی تو تمہاری قید سے نکل کر آزاد نہیں
ہوسکتی، لیکن کم ازکم مجھے اتنا تو بتا دو کہ تم مجھ سے کیا کام لینا
چاہتے ہو؟‘‘۔

زوناش جادوگر نے زمین پر زور سے پاؤں مار کر کہا۔

’’تم یہ پوچھنے والی کون ہو؟ کیا میں نے تم سے یہ پوچھا
ہے کہ تم کون ہو؟ کہاں سے آئی ہو؟ کہاں جارہی تھیں؟ اور تم
پر یہ جادو کس نے کر دیا کہ کسی کو دکھائی ہی نہیں دیتی ہو؟ میں

نے تم سے یہ بھی نہیں پوچھا کہ تمہارے ساتھ جو لوگ سفر کر
رہے تھے، وہ کون ہیں۔ پھر تم مجھ سے کرید کرید کر سوال کیوں
پوچھ رہی ہو؟۔

ایک بات میں نے بالکل صاف صاف تمہیں کہہ دی ہے
کہ جو کچھ میں تمہارے ساتھ کرنے والا ہوں اسے تم روک
نہیں سکو گی۔ کیونکہ تم بے بس ہو اور میرے جادو کے چنگل
سے بچ کر یہاں سے نہ جاسکو گی۔

اس غار پر میری حکومت ہے، اس غار میں صرف میرا حکم
چلتا ہے۔ بس تم آرام سے یہاں پڑی رہو۔ تمہیں کھانے کو
دنیا کی ہر نعمت یہاں ملے گی۔ تم جو مانگو گی، تمہیں پہنچا دیا جائے
گا۔ لیکن خبردار۔ ایک بات کا خاص طور پر خیال رکھنا کہ یہاں

سے بھاگ نکلنے کا خیال کبھی اپنے دل میں نہ لانا، کیونکہ تم دنیا
کا ہر کام کرسکتی ہو مگر یہاں سے بھاگ نہیں سکتیں“۔

ماریا نے دودھ پی کر پیالہ زمین پر رکھ دیا۔ زوناش جادوگر
نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”اب میں ایک ضروری کام کے لیے جنگل میں جا رہا
ہوں۔ تم آرام کرو میں اپنا کام چار روز کے بعد شروع کروں
گا۔ جبکہ چاند آسمان کے بیچ میں آکر چمک رہا ہوگا“۔

اتنا کہہ کر جادوگر زوناش نے آگے بڑھ کر دیوار پر زور
سے ہاتھ مارا۔ دیوار شق ہوئی۔ جادوگر باہر نکل گیا۔ باہر جاتے
ہی اس نے دیوار پھر سے اپنی جگہ پر لا کر بند کر دی۔ اب ماریا
اس پراسرار جادو کے کمرے میں اکیلی رہ گئی۔

اس نے اب ادھر ادھر دیکھ کر ایک ایک شے پر غور کرنا
شروع کر دیا۔ عنبر اور ناگ سے تو وہ جدا ہو چکی تھی۔ اب قسمت
ہی انہیں ایک دوسرے سے ملا سکتی تھی۔ اس سے پہلے بھی اس
پر اس قسم کی مصیبتیں آتی رہی تھیں۔

وہ ان مصیبتوں اور پریشانیوں کی عادی ہو چکی تھی۔ اسے
اچھی طرح معلوم تھا کہ عنبر اور ناگ اسے تلاش کر رہے ہوں
گے۔ وہ کچھ روز اسے تلاش کریں گے اور پھر یہ سوچ کر پائلی
پتر کے شہر کی طرف روانہ ہو جائیں گے کہ ماریا جہاں کہیں بھی
ہوگی وہاں سے نکل کر ایک نہ ایک روز پائلی پتر پہنچ جائے گی۔

عنبر اور ناگ اپنی طرف سے اس لیے مطمئن ہو جاتے تھے
کہ ماریا کسی کو دکھائی نہیں دیتی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ وہ ہر

مصیبت کا اکیلی مقابلہ کر سکتی ہے مگر انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ اس بار وہ ایک ایسے ظالم جادوگر کے قبضے میں آ چکی ہے جس نے اسے دیکھ لیا ہے۔

ایسے جادوگر سے بچ کر نکلنا بہت مشکل کام تھا لیکن وہ نا امید نہیں تھی۔ نا امید ہونا اس نے کبھی سیکھا ہی نہیں تھا۔ زندگی میں اس پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹتے ہی رہے تھے۔ اور وہ ان مصیبتوں کا مردانہ وار مقابلہ کر کے ان کو شکست دیتی آئی تھی۔

ماریا کے پاس پر اسرار طاقت بھی تھی اور وہ یہی طاقت تھی کہ وہ کسی بھی شخص کو سوائے جادوگر کے نظر نہیں آ سکتی تھی، لیکن جس شخص نے اسے دیکھ لیا تھا وہ خود ایک زبردست پر اسرار طاقت کا انسان تھا۔ یعنی بہت خوفناک قسم کا جادوگر تھا۔

اس سے بچ نکلنا مشکل کام تھا۔ پھر بھی ماریا کا حوصلہ بلند تھا۔ اس کا دماغ ٹھیک کام کر رہا تھا اور اس نے وہاں سے بھاگنے کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا تھا۔

جادوگر کا کمرہ الم غلم چیزوں سے بھرا ہوا تھا۔ مشعل کی روشنی میں دیواروں کے ساتھ لٹکی ہوئی کھوپڑیوں کے سائے بڑے بھیانک لگ رہے تھے۔ کمرے میں پڑے پڑے ماریا کو کافی دیر ہو گئی۔

یہاں وقت کا احساس ہی نہیں ہو رہا تھا۔ کیونکہ اندر باہر کی روشنی نہیں آ رہی تھی۔ صرف مشعل کی روشنی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ ماریا پیچھے ہٹ کر ستون کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھی رہی۔ پھر وہ اونگھنے لگی۔ اسے نیند آ گئی اور وہ سو گئی۔ جب اس

کی آنکھ کھلی تو اسے بھوک محسوس ہوئی۔ پہلے تو جادوگر وہاں
موجود تھا اور اس نے ماریا کو گرم دودھ کا پیالہ دے دیا تھا۔ اب
وہ بھی وہاں پر نہیں تھا۔

ماریا کو بھوک نے بھی تنگ کرنا شروع کر دیا تھا۔ سوال یہ
تھا کہ اب کون اسے دودھ وغیرہ پلا سکتا تھا۔ وہ خود اٹھ کر کہیں
سے دودھ وغیرہ حاصل نہیں کر سکتی تھی۔

ابھی وہ غور ہی کر رہی تھی کہ پیچھے کی جانب سے غار کا ایک
پتھر اپنی جگہ سے ہٹا اور ایک بوڑھی عورت اندر داخل ہوئی۔
اس عورت کے سارے بال سفید تھے مگر چہرہ اور جسم اتنا بوڑھا
نہیں تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک تھالی تھی۔ اس عورت نے
آواز دے کر پوچھا۔

”غیبی عورت تم کہاں ہو؟ آواز دو تا کہ میں اس آواز سے
تمہارے پاس کھانا لے کر آ سکوں؟“۔

ماریا نے کہا۔

”میں ستون کے ساتھ بستر پر پڑی ہوں۔ تم یہاں آ سکتی
ہو“۔

بوڑھی عورت نے ستون کے پاس آ کر کھانے کی تھالی
تھالی کے بستر پر رکھ دی۔ وہ واپس جانے لگی تو ماریا نے کہا۔

”سنو ماں جی!“۔

بوڑھی عورت نے پلٹ کر ماریا کی طرف دیکھا۔

”آج ایک مدت کے بعد کسی لڑکی نے مجھے ماں کہہ کر
پکارا ہے، مجھے اپنی بیٹی پاربتی یاد آ گئی ہے“۔

بوڑھی عورت کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ماریا نے سوچا
کہ اس عورت کی ہمدردی حاصل کر کے اس سے کام لینا
چاہیے۔ اس نے فوراً کہا۔

”ماں جی! مجھے بھی تم اپنی بیٹی ہی سمجھو۔ میں بھی تمہاری بیٹی
پار بتی ہوں“۔

بوڑھی عورت نے سر ہلا کر اداس لہجے میں کہا۔

”نہیں۔ تم میری بیٹی نہیں ہو۔ میری بیٹی تو میری آنکھوں
کے سامنے مر گئی تھی۔ مر گئی تھی۔ اسے مار دیا گیا تھا۔ میری
آنکھوں کے سامنے اس کا گلا گھونٹ دیا گیا تھا۔ اس کا خون پی
لیا گیا تھا“۔

اور پھر بوڑھی عورت روتے ہوئے جدھر سے آئی تھی ادھر

ہی کو بھاگ گئی۔ اس کے جاتے ہی ماریا سوچنے لگی کہ اس
عورت کے ساتھ کس نے یہ ظلم کیا ہے کہ اس کی بیٹی کو ہلاک کر
کے اس کا خون پی گیا۔

ظاہر ہے۔ جادوگر زوناش کے سوا یہ کام اور کوئی نہیں کر سکتا
تھا۔ بوڑھی عورت جادوگر سے ڈرتی تھی وہ اس کا نام نہیں لے
سکتی تھی۔

ماریا کھانا کھانے لگی۔ کھانے میں گندم کی روٹی اور خرگوش
کا بھنا ہوا گوشت تھا۔ ماریا نے بڑے مزے سے سارا کھانا
کھایا۔ اس نے ہر قسم کا غم فکر دل سے نکال دیا تھا اور اب
بڑے سکون کے ساتھ وہاں سے بھاگنے کی ترکیبوں پر غور کرنا
شروع کر دیا تھا، کیونکہ وہ خوب اچھی طرح سے جانتی تھی کہ

انسان پریشان ہوکر کچھ نہیں سوچ سکتا۔

انسان کے لیے یہی بہتر ہے کہ اگر اس پر کوئی مصیبت آئے تو وہ بڑے ٹھنڈے دل کے ساتھ اس مصیبت میں سے نکلنے کی ترکیب پر غور کرنا شروع کردے۔ کھانا کھانے کے بعد ماریا بستر پر لیٹی غور کرتی رہی۔ پھر اسے نیند آ گئی۔

یہ رات کا وقت تھا۔

جنگل میں بھی رات پڑ گئی تھی۔ جادوگر زوناش خدا جانے کہاں گم ہوگیا تھا۔ عنبر اور ناگ ماریا کو تلاش کرتے کرتے پاگل ہوکر جنگل میں ایک جگہ تھک ہار کر بیٹھ گئے تھے وہ جادوگر زوناش کی غار تک کبھی بھی نہیں پہنچ سکتے تھے کیونکہ وہ بڑی پر اسرار اور خفیہ جگہ پر تھی۔

سارا دن وہ ماریا کو تلاش کرتے پھرے تھے۔ گھوڑے کے قدموں کے نشان بھی غائب ہوگئے تھے۔ رات کو وہ جنگل میں ایک جگہ درختوں تلے آگ جلا کر بیٹھ گئے۔ عنبر نے کہا۔

"خدا جانے ماریا کے ساتھ کیا گزری ہے، بے چاری اس وقت کہاں ہوگی۔ کم از کم اس جنگل میں تو وہ کسی جگہ پر بھی نہیں ہے"۔

ناگ نے کہا۔

عنبر بھائی! ماریا آسانی سے کسی کے قابو میں نہیں آ سکتی۔ اگر کسی نے جادو کے زور سے اس پر قابو پایا ہے، تو ماریا اس کے قابو سے ایک نہ ایک دن نکل کر ضرور ہمارے پاس واپس آ جائے گی۔

پہلے بھی وہ بڑی بڑی مصیبتوں سے نکل کر ہمارے پاس پہنچ گئی تھی۔ اب بھی پہنچ جائے گی، کیونکہ اب ہم اسے جنگل میں ساری زندگی تلاش نہیں کر سکتے۔ جہاں جہاں اسے ڈھونڈھا جا سکتا تھا، ہم نے اسے ڈھونڈ لیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اب ہمیں ماریا کی تلاش چھوڑ کر آگے پائلی پتر کے شہر کی طرف سفر شروع کر دینا چاہیے۔ ماریا کو معلوم ہے کہ ہم پائلی پتر کی طرف ہی جا رہے ہیں، وہ ایک نہ ایک دن وہاں پہنچ جائے گی۔

”عنبر بھائی! تم مجھ سے زیادہ عقل مند ہو۔ مجھ سے زیادہ بہتر سوچ سکتے ہو۔ اگر تمہارا یہی خیال ہے تو ٹھیک ہے۔ اب تو ہم پائلی پتر کے سوا اور کہیں نہیں جا سکتے۔ اس لیے کہ ماریا

جہاں کہیں بھی ہوگی، وہاں سے فرار ہو کر سیدھی پائلی پتر پہنچنے کی کوشش کرے گی“۔

دونوں بھائیوں نے یہی فیصلہ کیا کہ انہیں ماریا کو اس کے حال پر چھوڑ کر پائلی پتر کی سمت روانہ ہو جانا چاہیے۔ وہ اس کے سوا اور کچھ کر بھی نہیں سکتے تھے۔ ان کے پاس یہی ایک راستہ تھا۔

وہ رات انہوں نے جنگل میں کچھ جاگ کر اور کچھ سو کر گزار دی۔ صبح اٹھ کر انہوں نے اپنا مختصر سا سامان باندھا اور گھوڑوں پر سوار ہو کر پائلی پتر کی طرف چل پڑے۔

دوسری طرف ماریا نے بھی زوناش جادوگر کے اندھیرے غار میں رات گزار دی۔ صبح وہ سو کر اٹھی تو اس نے دیکھا کہ غار

کی چھت میں ایک چھوٹا سا سوراخ تھا۔جس میں سے صبح کی ہلکی ہلکی روشنی اندر آ رہی تھی۔

اس روشنی میں ماریا نے ایک بار پھر بڑے غور سے کوٹھڑی میں ادھر ادھر دیکھا۔ دیواروں پر انسانوں کی کھوپڑیاں اسی طرح لٹک رہی تھیں۔ وہی عورت اس کے لیے قہوہ اور دودھ لے کر اندر آئی۔

ماریا نے اس سے باتیں کرنے کی کوشش کی مگر وہ عورت ڈری ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ صاف پتا چل رہا تھا کہ اسے اپنی جان کا خطرہ ہے اور ماریا کے ساتھ گھل مل کر باتیں کرتے ہوئے گھبرا رہی ہے۔ ماریا نے اسے جاتے ہوئے دیکھ کر کہا۔

"ماتا جی! کیا آپ مجھ سے بات نہیں کریں گی؟ کیا آپ

مجھے نہیں بتائیں گی کہ آپ کی بیٹی پاربتی کو کس نے مار ڈالا؟"۔

بوڑھی عورت نے پلٹ کر ماریا کو دیکھا اور کہا۔

"نہیں نہیں۔ ایسی بات پھر زبان پر نہ لانا۔ کبھی نہ زبان پر لانا۔ میری پاربتی بھگوان کے پاس چلی گئی ہے۔ وہ واپس نہیں آئے گی۔ اب تم بھی بھگوان کے پاس جا رہی ہو۔ تم بھی جا رہی ہو"۔

یہ کہہ کر بوڑھی عورت ڈرتی ہوئی کوٹھڑی کے پچھلے دروازے سے باہر نکل گئی۔ ماریا بڑی پریشان ہوئی۔ اس قید میں یہی ایک سہارا جس کے ساتھ مل کر ماریا وہاں سے باہر نکل سکتی تھی۔ اس کے سوا اور کوئی شخص ماریا کے کام نہیں آ سکتا تھا۔

وہ چپ چاپ گھاس کے بستر پر بیٹھ کر ناشتہ کرنے لگی۔ ناشتے کے بعد وہ غور کرنے لگی کہ اگر یہ بوڑھی عورت اس کی مدد کرنے پر راضی نہ ہوئی تو پھر وہ وہاں سے کیسے بھاگ سکے گی؟ بوڑھی عورت کی اس بات نے اسے اور زیادہ پریشان کر دیا تھا اب وہ بھی بھگوان کے پاس جا رہی ہے؟ تو کیا جادوگر زوناش اسے قتل کرنے کے لیے وہاں لایا تھا؟۔

ماریا کو اتنا ضرور معلوم ہو گیا تھا کہ جادوگر نے اسے ایک خاص مطلب کے لیے اغوا کیا ہے، وہ اس سے کوئی خاص کام لینا چاہتا ہے۔ وہ کام کیا ہے؟ یہ اسے معلوم نہیں تھا۔ وہ یہ بات بھی بوڑھی عورت سے پوچھنا چاہتی تھی۔ لیکن بوڑھی عورت ماریا سے بات کرتے ہوئے سخت گھبرا رہی تھی۔

ایسے لگتا تھا کہ اسے اپنی جان کا خطرہ ہے۔ ماریا بستر پر لیٹ گئی اور عنبر اور ناگ کے بارے میں سوچنے لگی۔ اس کے دونوں بھائی اگر اس کے پاس ہوتے تو وہ کب کی جادوگر کی قید سے آزاد ہو چکی ہوتی۔ وہ لوگ سو کر اٹھے ہوں گے تو ماریا کو غائب پا کر بے حد پریشان ہوئے ہوں گے۔

شام کو جادوگر زوناش اچانک اندر آ گیا۔

اس نے گلے میں انسانی کھوپڑیوں کا ہار ڈال رکھا تھا اور اس کے ہاتھ میں کسی جانور کے بازو کی ہڈی تھی۔ وہ بڑا خوفناک لگ رہا تھا۔ اس نے ماریا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر قہقہہ لگایا اور کہا۔

”ماریا! آج کی رات تمہاری آخری رات ہے۔ تجھے جس

قدر سوچنا اور دعائیں مانگنی ہیں، مانگ لے۔ آج کے بعد تم
اس دنیا میں زندہ نہ ہوگی“۔
ماریا نے بھڑک کر پوچھا۔
”آخر تو مجھے کیوں ہلاک کر رہا ہے؟ میں نے تیرا کیا بگاڑا
ہے؟“۔
جادوگر نے ہڈی ماریا کے سر کے اوپر گھماتے ہوئے کہا۔
”تو نے میرا کچھ نہیں بگاڑا۔ تو میرا کچھ بگاڑ بھی نہیں سکتی
مگر تو میرا اسنوار بہت کچھ سکتی ہے جو کام دنیا کی کوئی عورت،
کوئی مرد نہیں کرسکتی وہ تم کر سکتی ہو اور کروگی۔ تم اگر نہ بھی چاہو
تو میں وہ کام تم سے لے کر رہوں گا“۔
ماریا نے کہا۔

”تم مجھ سے کیا کام لینا چاہتے ہو؟“۔
جادوگر زوناش نے مرے ہوئے بلوں کی راکھ نسوار کی
طرح سونگھ کر کہا۔
سنو! میں ایک ایسی زندگی کی تلاش میں ہوں جس کو کبھی
موت نہیں ہے۔ میں جادوگر ہوں، مگر مجھ میں اتنی طاقت نہیں
ہے کہ میں اس زندگی کو لمبا کرسکوں۔ میں اپنی مرضی کے
مطابق زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکتا۔
میں موت کے ساتھ مقابلہ نہیں کرسکتا۔ جادوگری کی پرانی
کتاب میں لکھا ہے کہ اگر کوئی جادوگر دو برس تک دریا میں
آدھی رات کو ایک ٹانگ پر کھڑا ہو کر منتر پڑھے اور پھر دو برس
گزر جانے کے بعد اگر وہ کسی ایسے انسان کی جی بھر کر خون

پیے جو نظر نہ آ رہا ہو تو پھر اس میں اتنی طاقت پیدا ہو جائے گی
کہ وہ جتنی دیر تک چاہے جوان اور زندہ رہ سکے۔

میں نے دو برس تک دریا میں ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر
راتوں کو وظیفہ کیا ہے۔ میری خوش قسمتی ہے کہ مجھے تم اتنی جلدی
نظر آ گئیں۔ اب میں تمہارے جسم کا سارا خون پی جاؤں گا
اور پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جوان اور زندہ ہو جاؤں گا حساب
کے مطابق کل کی رات اس کام کے لیے بڑی اچھی ہے، کیونکہ
کل چاند گرہن میں ہو گا۔ کل رات میں تیری گردن کاٹ کر
تیرے بدن کا سارا خون پی جاؤں گا۔ ہاہاہا۔

جادوگر زوناش قہقہے مارتا ہوا وہاں سے باہر نکل گیا۔

ایک بار تو ماریا کے بدن میں کپکپی سی دوڑ گئی۔ کم بخت یہ

خبیث جادوگر تو سچ مچ اسے ہلاک کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔

اب کیا کیا جائے؟ ماریا غائب ضرور ہو سکتی تھی لیکن اگر کوئی اس
کی گردن کاٹے تو وہ بچ نہیں سکتی تھی۔

عنبر کی طرح اس کے اندر اتنی طاقت نہیں تھی کہ موت اس
پر اثر نہ کر سکے۔ اس کا دماغ تیزی سے کام کرنے لگا۔ اسے ہر
حالت میں آج رات یا کل صبح منہ اندھیرے یہاں سے فرار
ہو جانا چاہیے۔

اس کے لیے بوڑھی عورت ہی اس کی مدد کر سکتی تھی، مگر وہ
تو بات کرتے گھبرا رہی تھی۔ کوئی بات نہیں۔ میں اس کا دل
جیت کر رہوں گی۔ ماریا نے دل میں فیصلہ کر لیا۔

وہ بوڑھی عورت کا انتظار کرنے لگی۔

موت کا طوطا

بوڑھی عورت رات کا کھانا لے کر آ گئی۔

ماریا نے سوچ رکھا تھا کہ آج رات وہ بوڑھی عورت کی ہمدردی حاصل کر کے رہے گی۔ بوڑھی عورت نے کھانا ماریا کے قریب ہی اندازے سے رکھ دیا۔

کھانا ذرا دور تھا، کیونکہ بوڑھی عورت کو ماریا نظر نہیں آ رہی تھی۔ ماریا نے اسے کہا کہ اس نے کھانا بہت دور رکھ دیا

ہے۔ اسے قریب کر کے رکھے۔ عورت کھانے کا تھال لے کر اس کے قریب آ گئی۔ جونہی وہ اس کے قریب آئی، ماریا نے اس کا ہاتھ چوم لیا اور بڑی محبت سے کہا۔

”میں تمہاری پاربتی کی روح ہوں ماتا جی، مجھے پہچانو میں دوسرے جنم میں اس دنیا میں آئی ہوں۔ میں کوئی غیر عورت نہیں ہوں۔ میں تمہاری لڑکی ہوں۔ کیا تم اپنی بیٹی پاربتی کی مدد نہیں کرو گی؟“۔

بوڑھی عورت ایک دم زرد رنگ کی ہو گئی۔ ماریا نے کہا۔

میں جنت کے ایک باغ میں بڑے آرام سے سو رہی تھی کہ تمہاری بیٹی پاربتی کی روح نے میرے پاس آ کر کہا کہ وہ میرے جسم میں داخل ہو کر دنیا میں جا کر اپنی ماں سے ملنا چاہتی

ہے۔

اس نے یہ بات اتنے دردناک انداز میں کی کہ میں تیار ہو گئی۔ پھر تمہاری بیٹی کی بے قرار روح میرے جسم کے اندر داخل ہوگئی۔ میں نے اپنی روح کو جنت کے باغ میں ہی چھوڑ دیا اور پاربتی کی روح بن کر اس جنگل میں تمہاری تلاش میں پھر رہی تھی کہ اچانک یہ خبیث جادوگر مجھے اغوا کر کے لے آیا۔

ماتا جی! اپنی بیٹی پاربتی کو اس ظالم شخص کے ظلم سے بچائیں۔ اگر آپ نے میری مدد نہ کی تو یہ ظالم شخص آپ کی پاربتی کو ایک بار پھر ہلاک کر دے گا۔ اس نے پہلے بھی مجھے ہلاک کیا تھا۔ اس نے میری گردن کاٹی تھی اور خون پیا تھا۔

میں آزاد ہو کر اس ظالم سے اپنی پہلی موت کا بدلہ لینا چاہتی ہوں۔ میری مدد کریں۔ بھگوان کے لیے میری مدد کریں۔

اس تقریر کا بوڑھی عورت پر بڑا اثر ہوا۔ وہ ایک جاہل بوڑھی عورت تھی۔ اس نے ایک پل کے لیے بڑی محبت سے ماریا کی طرف دیکھا اور اس کے سر کے بالوں کو پیار کر کہا۔

”شاید تم ٹھیک کہتی ہو۔ شاید تم ہی میری بیٹی کی روح ہو۔ تمہاری شکل تو کچھ کچھ میری بیٹی سے ملتی جلتی ہے۔ جب سے تم نے خود کو میری بیٹی بتایا ہے، میرے اندر جادوگر سے بدلہ لینے کی آگ بھڑک اٹھتی ہے“۔

ماریا نے جلدی سے کہا۔

”پھر تم اس سے میری موت کا بدلہ کیوں نہیں لیتیں ماتا

جی؟"۔ وہ تو مجھے ایک بار پھر قتل کر کے میرا خون پینے کی
تیاریاں کر رہا ہے۔ کیا تم اپنی بیٹی کی مدد نہیں کرو گی"۔

بوڑھی عورت نے خوف زدہ سا ہو کر کہا۔

"پاربتی بیٹی! جادوگر زوناش سے بدلہ لینا کوئی آسان کام
نہیں ہے"۔

"کیوں ماتا جی؟"

"اس لیے بیٹی کہ جادوگر زوناش کی جان اس کے اپنے
جسم میں نہیں ہے اس کی جان ایک ایسے طوطے میں ہے جو اس
پہاڑ کے سب سے نچلے غار کے ایک کنوئیں میں پنجرے میں
بند لٹک رہا ہے اور جو کوئی بھی اس کے پاس جاتا ہے وہ اس کی
شکل دیکھ کر زور زور سے چلاتا ہے جس کی آواز سن کر کنوئیں کا

اژدھا پھنکارتا ہوا باہر نکل آتا ہے اور اس شخص کو ڈس کر مار ڈالتا
ہے۔ پھر بھلا ہم اس ظالم شخص سے کس طرح بدلا لے سکتے
ہیں؟"۔

ماریا نے کہا۔

"ماتا! شاید تم بھول گئی ہو کہ میں طوطے کو نظر نہیں آؤں
گی۔ اس طرح میں اسے بڑی آسانی سے گردن مروڑ کر
ہلاک کر سکتی ہوں"۔

بوڑھی عورت نے چونک کر ماریا کی طرف دیکھا۔

"ارے ہاں پاربتی بیٹی! میں نے اس پر تو دھیان ہی نہیں
دیا تھا۔ تم تو کسی کو نظر نہیں آتیں۔ تم تو غائب ہو۔ اگر تم طوطے
کے پاس جاؤ گی تو وہ تمہیں دیکھ کر شور نہیں مچائے گا۔ تم بڑی

آسانی سے طوطے کی گردن مروڑ سکتی ہو"۔

ماریا نے کہا۔

"یہی تو میں بھی کہہ رہی ہوں ماتا جی! اب آپ مجھے بتائیں کہ آپ میری مدد کرنے کو تیار ہیں؟ کیا آپ اپنی بیٹی کی جان نہیں بچائیں گی؟"۔

"ضرور تمہاری جان بچاؤں گی۔ ضرور تمہاری جان بچاؤں گی۔ اس ظالم جادوگر نے میری بچی کو قتل کیا ہے۔ میں دوسری بار اپنی بچی کے ساتھ یہ ظلم نہیں ہونے دوں گی۔ میں تمہاری ضرور مدد کروں گی"۔

ماریا نے کہا۔

"تو پھر ماتا جی! تم سب سے پہلا کام یہ کرو کہ میرے

پاؤں میں بندھی ہوئی زنجیر کو توڑنے میں میری مدد کرو۔ پھر مجھے یہ بتاؤ کہ وہ تہہ خانہ، وہ غار کہاں ہے جس کے اندر لٹکتے ہوئے طوطے کا پنجرہ ہے"۔

میں ابھی تمہارے پاؤں کی زنجیر توڑے دیتی ہوں"۔

ماریا نے پوچھا۔

"جادوگر آج رات کہاں پر ہوگا؟"۔

"بوڑھی عورت نے کہا"۔

"وہ اس غار سے دور دریا کی چٹان پر ساری رات دیوتاؤں کی پوجا پاٹھ کرے گا۔ فکر نہ کرو۔ وہ آج رات یہاں نہیں آئے گا"۔

"تو پھر جلدی سے کوئی چیز لا کر میرے پاؤں کی زنجیر کاٹ

دو"۔

"ابھی لاتی ہوں"۔

بوڑھی عورت کوئی کلہاڑی لانے چلی گئی۔ ماریا نے خدا کا شکرادا کیا کہ بوڑھی عورت پر اس نے اثر ڈال کر اپنی مدد کے لیے راضی کرلیا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد بوڑھی عورت واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں بڑی تیز قسم کی کلہاری پکڑی ہوئی تھی۔

"یہ لو بیٹی! اس کے سوا یہاں اور کوئی شے نہیں ہے۔ جس سے یہ زنجیر کٹ سکے"

"یہ ٹھیک رہے گی ماتا جی! اسے میرے ہاتھ میں دے دو"۔

بوڑھی عورت نے کلہاری ماریا کو پکڑا دی۔ ماریا نے

اپنا پاؤں پھیلا دیا۔ کلہاڑی دونوں ہاتھوں میں تھام کر پوری طاقت سے زنجیر پر ماری۔

کھٹاک کی آواز پیدا ہوئی۔ کتنی ہی بار کلہاڑی چلانے سے پاؤں کی زنجیر کٹ کر دور جا گری۔ ماریا اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ اب وہ آزاد تھی۔ اس نے بوڑھی عورت سے کہا۔

"ماتا جی! اب مجھے یہ بتاؤ کہ نیچے غار کو کونسا راستہ جاتا ہے؟ اور کیا یہاں کوئی دوسرا پہرے دار تو نہیں ہے؟"۔

"بوڑھی عورت نے کہا۔

"ایک حبشی غلام پہرے دار ہے۔ مگر شاید وہ سو رہا ہے۔ آؤ میں تمہیں نیچے کنوئیں والے غار میں لیے چلتی ہوں۔ آؤ بیٹی۔ میرے ساتھ آؤ!"۔

بوڑھی عورت آگے آگے چل پڑی اور ماریا اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔ ابھی انہوں نے ایک قدم ہی اٹھایا تھا کہ اچانک کوٹھڑی میں حبشی نمودار ہوا۔ اس نے جو ستون کے ساتھ زنجیر کو ٹوٹا ہوا دیکھا تو گرج کر بولا۔

''او بوڑھی کھوسٹ عورت! میرے آقا کا قیدی کہاں ہے؟ کیا تو نے اسے بھگا دیا؟''

بوڑھی عورت لرز گئی۔

''نہیں۔نہیں۔ میں نے اسے بھگایا نہیں؟''۔

حبشی غلام نے آگے بڑھ کر بوڑھی عورت کی گردن پکڑ کر کہا۔

''مکار عورت! یہ سب تیری کارستانی ہے۔ وہ عورت

یہاں سے فرار ہو گئی ہے۔اس کی زنجیر ٹوٹی ہوئی ہے، میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ میں تمہیں گردن سے باندھ کر اس جگہ قید کروں گا اور جب کل میرا آقا آئے گا تو وہ تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ کل رات میرے آقا نے اس قیدی عورت کا خون پینا تھا؟''۔

بوڑھی عورت کا خون خشک ہو گیا۔وہ کانپنے لگی۔ ماریا الگ ہو کر کھڑی ہو گئی تھی۔ بوڑھی عورت نے چیخ مار کر کہا۔

''بیٹی پاربتی! میری مدد کرو''۔

حبشی نے چونک کر کہا۔

''اب تو اپنی بیٹی کی روح کو بلا رہی ہے! یاد رکھ تمہاری بیٹی پاربتی کی روح تمہاری مدد کو کبھی نہیں آئے گی۔ اب تیری

موت کا وقت آ گیا ہے۔ دیوتا مجھ پر مہربان تھے کہ میں نے
تمہیں پکڑ لیا۔ نہیں تو جادوگر آقا مجھ پر شک کرتا اور مجھے جان
سے ہاتھ دھونا پڑتا۔"

ماریا نے بوڑھی عورت کی جان ہر حالت میں بچانی تھی۔
اس کی زندگی کے ساتھ ہی ماریا کی بھی زندگی تھی۔ اس کی مدد
کے بغیر ماریا اس غار کی بھول بھلیاں سے باہر نہیں نکل سکتی
تھی۔

ماریا نے قریب پڑا ہوا کلہاڑا اچکے سے اٹھا لیا۔ کلہاڑا ماریا
کے ہاتھ میں آتے ہی غائب ہو گیا۔ حبشی کو بالکل پتا نہ چل سکا
کہ ماریا اسی کوٹھڑی میں کلہاڑا لیے اس کے پیچھے کھڑی ہے۔
حبشی عورت کو گھسیٹتا ہوا ستون کے پاس لے گیا تا کہ وہاں

اسے زنجیر کے ساتھ باندھ کر قید کر لے۔ جونہی وہ ستون کے
پاس جا کر زنجیر اٹھانے کے لیے زمین پر جھکا، ماریا نے پوری
طاقت سے کلہاڑا اس کے سر پر دے مارا۔ حبشی بڑا طاقتور تھا۔
وہ چکرایا۔ مگر کھڑا ہو گیا اور تلوار نکال کر ہوا میں چلانے لگا۔
ماریا پیچھے ہٹ گئی۔ حبشی نے بوڑھی عورت پر وار کیا۔ وہ عورت
کو ختم کر دینا چاہتا تھا۔

اگر وہ عورت زمین پر نہ بیٹھ جاتی تو تلوار سے اس کا سر قلم
ہو گیا ہوتا۔ ماریا نے اب وقت ضائع کرنا گوارا نہ کیا۔ اس نے
کلہاڑی والا ہاتھ تیزی سے اٹھایا اور حبشی کے سر پر دوسرا کر
دیا۔

دوسرا وار بڑا کاری لگا۔ حبشی کی کھوپڑی کے دو ٹکڑے

ہو گئے۔ وہ چکر کھا کر زمین پر دھڑام سے گر پڑا۔ خون کا فوارہ
بہنے لگا۔ ماریا نے کہا۔
"ماتا جی! یہاں سے جلدی سے چلو۔ ہمیں ابھی نیچے غار
میں جا کر جادوگر کے طوطے کو بھی ہلاک کرنا ہے"۔
بوڑھی عورت آگے آگے چل پڑی۔
ماریا اس کے پیچھے چل رہی تھی۔ وہ اسے ایک تنگ سی
کوٹھڑی میں سے لے کر سیڑھیاں اترنے لگی۔
یہ سیڑھیاں بھی اندھیری تھیں بوڑھی عورت نے ماریا کا
ہاتھ تھام لیا۔ سیڑھیوں کی چھت سے پانی ٹپک رہا تھا۔
ماریا نے پوچھا۔
"ابھی ہمیں کہاں جانا ہوگا؟"۔

"بس ایک سیڑھی اور اترنی ہوگی"۔
دوسری سیڑھی پہلی سیڑھی سے زیادہ تنگ اور زیادہ اندھیری
تھی۔ ماریا دیوار کا سہارا لے کر نیچے اتری۔ آخری سیڑھی کے
بعد ایک دالان آ گیا جس کی چھت نیچی تھی۔ پتھروں کے
قدرتی ستون بنے ہوئے تھے۔ اس دالان میں آ کر بوڑھی
عورت نے ماریا کا ہاتھ تھام لیا اور کان کے قریب آ کر سرگوشی
میں کہا۔
"بیٹی! اب اس کے آگے میں نہیں جا سکتی۔ آگے وہ کنواں
ہے جس کے اندر پنجرے میں وہ طوطا لٹک رہا ہے جس کے
اندر جادوگر زوناش کی جان ہے۔ اگر میں آگے گئی تو طوطا مجھے
دیکھ کر شور مچا دے گا۔ اور اژدہا نکل کر ہم دونوں کو ڈس کر

ہلاک کر دے گا"۔

ماریا نے سرگوشی میں پوچھا۔

"کیا کنوئیں کے اندر اترنے کی کوئی سیڑھی ہے؟"۔

بوڑھی عورت نے کہا۔

ہاں۔ اس کے اندر ایک سیڑھی جاتی ہے۔ اس سیڑھی پر سے اتر کر جادوگر اس طوطے کو کبھی کبھی بادام کھلایا کرتا ہے"۔ تم بائیں جانب سے کنوئیں کے منڈیر پر جانا۔

وہاں سے تمہیں ایک سیڑھی نیچے اترتی ملے گی۔ نیچے وہ پنجرہ ہو گا۔ بس۔ اب میں زیادہ باتیں نہیں کروں گی۔ اگر طوطے نے ہماری آواز سن لی تو قیامت آ جائے گی۔ اب تم جاؤ۔

ماریا نے بوڑھی عورت کو اسی جگہ سیڑھی میں چھوڑا اور خود کنوئیں کی طرف دبے دبے قدم اٹھاتی ہوئی بڑھی۔ اسے معلوم تھا کہ اگر اس سے ذرا سی بھی غلطی ہو گئی تو سارے کیے کرائے پر پانی پھر جائے گا۔

پھر وہ تو جادوگر سے بھی اپنا آپ نہیں چھپا سکے گی۔ وہ تو اسے ضرور جان سے مار دے گا۔ یہ بڑا خطرناک وقت تھا۔ وہ موت کے سفر پر جا رہی تھی۔ اگر ذرا سا پاؤں پھسلا تو وہ دھڑام سے موت کے کنوئیں میں گر پڑے گی۔

ماریا چلتے چلتے کنوئیں کے پاس آ گئی۔ اس نے نیچے دیکھا۔ ایک سیڑھی کنوئیں کے اندر جا رہی تھی۔ ماریا کنوئیں

کہ سامنے زنجیر کے ساتھ پنجرے میں ایک بڑا سا طوطا لٹک رہا ہے۔وہ خوشی سے گردن ہلا رہا تھا۔ یہی وہ طوطا تھا جس میں زوناش کی جان تھی۔

طوطے نے ماریا کو نہیں دیکھا تھا، کیونکہ ماریا اسے نظر نہیں آ رہی تھی۔ ماریا نے غور سے دیکھا کہ پنجرے کی ایک کھڑکی کھلی تھی۔ ماریا نے ہاتھ پنجرے کی طرف بڑھایا۔ وہ ڈر کر وہیں رک گئی۔اسے خطرہ تھا کہ اگر کہیں اس کا ہاتھ غلط پڑ گیا۔ اور طوطے کو شبہ ہو گیا کہ کوئی اسے پکڑنے کی کوشش کر رہا ہے تو وہ ایکدم شور مچا دے گا اور اژدہا یہیں کہیں سے نکل کر اسے اور بوڑھی عورت کو ہلاک کر دے گا۔ وہ سوچ سمجھ کر ہاتھ بڑھا رہی تھی۔

ماریا نے چپکے سے اپنا ہاتھ پنجرے کے اندر ڈال دیا۔ وہ ایک دم سے طوطے کی گردن دبوچ لینا چاہتی تھی تاکہ وہ پیدا نہ کر سکے۔

طوطا بڑے مزے سے بادام کھاتے ہوئے اپنی گردم گھما رہا تھا۔ ماریا نے آنکھیں بند کر لیں اور خدا کو یاد کیا پھر اس نے آنکھیں بند کر لیں اور خدا کو یاد کیا پھر اس نے ہاتھ آگے بڑھایا۔ طوطے نے چیخ مارنی چاہی مگر ماریا نے اسے پنجرے میں سے کھینچ کر اس کی گردن دونوں ہاتھوں میں دبالی۔

ادھر جادوگر زوناش دریا میں چٹان پر بیٹھا جادو کے منتر پڑھ رہا تھا کہ اچانک کسی نے اس کی گردن بڑے زور سے دبوچ لی اور اسے دبانا شروع کر دیا۔ وہ تڑپ کر چٹان سے گر

پڑا۔

اس نے اپنے دونوں ہاتھ گردن پر کر لیے۔ وہ سمجھ گیا کہ کوئی دشمن طوطے کے پاس پہنچ کر اس کی گردن دبا رہا ہے۔ اگر جادوگر کی تھوڑی سی بھی آواز نکل سکتی تو وہ کوئی نہ کوئی جادو کا منتر پڑھ کر پھونکتا اور آزاد ہو جاتا۔ وہ جادو کا منتر پڑھ کر پھونکتا اور آزاد ہو جاتا۔

وہ جادو کر سکتا تھا، لیکن اس وقت تو اس کی گردن کے گرد کسی نے اپنے ہاتھوں کا شکنجہ ڈال رکھا تھا۔ اس کا سانس رکنے لگا تھا۔ جادوگر تڑپنے لگا۔ اس کی ایک چیخ تک نہیں نکل رہی تھی۔

ماریا نے پوری طاقت سے طوطے کی گردن مڑور ڈالی۔ طوطے کی گردن کٹ کر ماریا کے ہاتھ میں آ گئی۔ ادھر

دریا کی چٹان پر جادوگر کی گردن بھی ٹوٹ کر الگ ہو گئی اور دریا میں جا گری۔

جادوگر کے مرتے ہی اور طوطے کی گردن الگ ہوتے ہی دالان والے کنوئیں میں چیخوں کی آواز بلند ہوئی۔ ایک اژدہا اپنے غار میں سے تڑپتا ہوا باہر نکلا اور کنوئیں کے پاس آ کر تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ بوڑھی عورت سمجھ گئی کہ طوطے کی گردن مروڑنے میں کامیاب ہو گئی۔ اس نے آگے کر ماریا کو آواز دی۔

”بیٹی پاریتی! تو نے آج میرا دل ٹھنڈا کر دیا۔ تو نے میری بیٹی کا بدلہ لے لیا۔ شاباش! باہر آ جاؤ۔ میدان صاف ہے۔ جادوگر مر چکا ہے۔ اس کا جادو ختم ہو چکا ہے۔“

شکار بھاگ گیا

ماریا کنوئیں میں سے نکل کر باہر آ گئی۔

بوڑھی عورت نے اسے گلے لگالیا۔ ماریا بہت خوش تھی کہ اس کی ہمت نے ایک بدکردار اور ظالم جادوگر کو موت کی نیند سلا دیا۔ اگر وہ بہادری سے کام نہ لیتی تو نہ صرف اس کی جان جاتی، بلکہ کوئی پتا نہیں کہ ظالم جادوگر کتنے اور انسانوں کی جان لیتا، کیونکہ پھر تو اس کو خدا جانے کتنی دیر تک زندہ رہنا تھا۔ ماریا

نے بوڑھی عورت کا شکریہ ادا کیا کہ اس کی دلیری اور مدد کرنے سے سارا کام ٹھیک ہو گیا۔

بوڑھی عورت بولی۔

"بیٹی پاربتی! اب تو ہمیشہ کے لیے میرے پاس رہ جانا۔ میں تمہاری بڑی خدمت کروں گی"۔

ماریا نے کہا۔

"کاش میں ساری عمر تمہارے پاس گزار سکتی ماتا جی۔ لیکن میں ایسا نہیں کر سکتی"۔ میرے دو بھائی مجھ سے بچھڑ گئے ہیں۔ میں ان کی تلاش میں ہوں۔ مجھے ابھی ان کو جا کر ڈھونڈنا ہے۔ خدا جانے وہ بے ارے کس حال میں ہوں گے"۔

بوڑھی عورت ماریا کو لے کر واپس اوپر کی غار والی کوٹھڑی میں آ گئی۔ کوٹھڑی میں واپس آ کر ماریا نے گرم دودھ کا ایک پیالہ پیا اور دیوار کی طرف دیکھ کر بولی۔

”اس دیوار میں وہ راستہ کدھر ہے جو ہاتھ مارنے سے کھل جاتا ہے!“

بوڑھی عورت نے کہا۔

”بیٹی! اب یہاں کوئی دروازہ نہیں کھلے گا“۔

ماریا نے تشویش کے ساتھ کہا۔

”تو کیا میں اس غار کے اندر ہی قید ہو جاؤں گی؟“۔

بوڑھی عورت نے ہنس کر کہا۔

”نہیں بیٹی! بلکہ اب اس دیوار کے آگے جا کر غار کا اصلی

دروازہ کھل چکا ہے جسے جادوگر نے بند کر دیا تھا۔ تم اگر چاہو تو اس دروازے سے باہر جا سکتی ہو“۔

ماریا کو تسلی ہو گئی۔ پھر اس نے بوڑھی عورت سے کہا۔

”ماتا جی! تھوڑی دیر میں صبح ہونے والی ہو گی۔ میں چاہتی ہوں کہ اب یہاں سے چلی جاؤں۔ کیا تم میرے لیے کہیں سے گھوڑے کا بندوبست کر سکتی ہو؟“۔

بوڑھی عورت بولی۔ ”بیٹی! میں تمہارے لیے گھوڑے کا بندوبست کہیں سے بھی نہیں کر سکتی۔ اگر یہ میرے اختیار میں ہوتا تو ایسا ضرور کر لیتی“۔

”خیر کوئی بات نہیں۔ میں کچھ نہ کچھ انتظام کر لوں گی۔ اچھا یہ بتاؤ کہ یہاں سے پاٹلی پتر کے شہر کو راستہ کدھر اور کہاں سے

جاتا ہے؟"۔

بوڑھی عورت نے کہا۔

"بیٹی! پاٹلی پتر کا شہر یہاں سے کافی دور ہے۔ وہاں چندر گپت کے بیٹے بسمراٹ کی حکومت ہے۔ یہاں سے دریا پار کر کے ساتھ ساتھ اوپر کو سفر کرنا ہوگا۔ ایک دن اور ایک رات کے سفر کے بعد تم کو ایک پہاڑی درہ ملے گا۔ اس درے میں سے گذر کر تم ایک جنگل میں داخل ہو جاؤ گی۔ وہاں سے نکل کر تمہیں میدان ملیں گے۔ ان میدان کے پار ایک اور دریا آئے گا۔ پاٹلی پتر کا شہر اسی دریا کے دوسرے کنارے پر آباد ہے۔"

ماریا نے کہا۔

"بہت اچھا ماتا جی! اب مجھے اجازت دیں۔ میں جا رہی ہوں"۔ "مگر بیٹی ذرا ٹھہرو میں تمہیں کچھ پھل اور خشک مچھلی ساتھ کر دیتی ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ تمہیں راستے میں کھانے کو پھل اور مچھلی نہ مل سکے"۔

"شکریہ ماتا جی"۔

بوڑھی عورت اٹھ کر وہاں سے چلی گئی۔ واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں ایک پوٹلی تھی۔

"ماتا جی! کیا تم اس جگہ باقی زندگی بسر کرو گی۔ یا تم بھی کسی دوسری جگہ جانے کا ارادہ رکھتی ہو۔ اگر تم بھی یہاں سے جانا چاہتی ہو تو میرے ساتھ چلو۔ میں تمہیں گھر پہنچا دوں گی"۔

بوڑھی عورت نے آہ بھر کر کہا۔

”بیٹی! اب میری باقی زندگی اسی غار میں بسر ہوگی۔ میری بیٹی کا اسی غار میں خون ہوا ہے۔ اس کی روح اسی جگہ مجھ سے ملنے آیا کرے گی۔ تم جا رہی ہو۔ کاش تم پاربتی بن کر میرے پاس رہ جاتیں، لیکن تم ایسا نہیں کر سکتی۔ تم جا رہی ہو۔ اگر میں بھی چلی گئی تو پاربتی کی روح یہاں آئے گی اور مجھے نہ پا کر نا امید ہوگی۔ اس لیے میرا یہاں رہنا بہت ضروری ہے۔ اب میری باقی زندگی اسی جگہ بسر ہوگی“۔

ماریا نے بوڑھی عورت کو گلے لگایا اور اس کا ہاتھ چوم کر وہاں سے رخصت ہوگئی۔ غار میں سے باہر نکل کر ماریا نے دیکھا کہ وہ دریا کنارے آ گئی ہے۔ بوڑھی عورت نے اسے

بتایا تھا کہ اسے دریا کنارے ہی سفر کرنا ہوگا۔

دریا کے کنارے کنارے ایک رات اور ایک دن کے سفر کے بعد ایک درہ اسے ملے گا۔ اس درے میں سے گزر کر اسے ایک جنگل میں داخل ہونا تھا۔ اس جنگل کے بعد میدانوں کا سلسلہ شروع ہو کر ایک دریا پر جا کر ختم ہوتا تھا۔ اس دریا کے دوسرے کنارے پر پاٹلی پتر کا شہر آباد تھا۔

ماریا نے دریا کے کنارے کنارے اوپر کی طرف چلنا شروع کر دیا۔

دریا کے کنارے پر بیشمار جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ ماریا کو پیدل چلنے میں کافی تکلیف ہو رہی تھی۔ اگر اس کے پاس گھوڑا ہوتا تو سفر کرنے میں اسے بڑی آسانی ہوتی۔ مگر گھوڑا اس کے

پاس نہیں تھا۔

اسے پیدل ہی چلنا تھا۔کم ازکم اس وقت تک جب تک کہ کہیں سے وہ گھوڑا حاصل نہیں کر لیتی۔وہ چلتی چلی گئی۔دوپہر تک وہ سفر کرتی رہی۔دریا پیچھے کو بہہ رہا تھااور ماریا آگے کو جا رہی تھی۔دریا کا پانی بڑے سکون کے ساتھ بہہ رہا تھا۔

اسے چلتے چلتے تھکاوٹ سے بھوک محسوس ہونے لگی۔وہ ایک جگہ بیٹھ گئی۔اس نے گلے میں سے پوٹلی کھول کر اس میں سے خشک پھل اور مچھلی نکالی اور کھانے لگی۔

کھانا کھا کر اس نے پانی پیا اور آرام کرنے کے لیے لیٹ گئی۔صبح سے چلتے چلتے وہ بہت تھک گئی تھی۔اسے نیند آ گئی اور وہ سو گئی۔ابھی اسے سوتے سوتے تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ

آہٹ سے اس کی آنکھ کھل گئی۔کیا دیکھتی ہے کہ تین چار گھوڑ سوار اس کے قریب سے گذر رہے ہیں۔

ماریا اٹھ کر درخت کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی۔وہ بڑے غور سے ان لوگوں کو تکنے لگی۔ان کی شکلیں اور لباس ایک ہی طرح کے تھے۔سروں پر پگڑیاں رکھیں تھیں۔کمر کے ساتھ تلواریں لٹک رہی تھیں۔

ان کے رنگ سیاہ اور مونچھیں لمبی لمبی تھیں۔شکلوں سے وہ کوئی خوفناک ڈاکو لگ رہے تھے۔ماریا کا خیال تھا کہ وہ گھوڑوں پر سوار وہاں سے آگے نکل جائیں گے مگر انہوں نے ایسا نہ کیا۔وہ رک گئے۔انہوں نے گھوڑوں کو روک دیا۔وہ گھوڑوں سے اتر پڑے اور گھوڑوں کو ایک جگہ درختوں کے

جھنڈ میں باندھ دیا۔ پھر انہوں نے آگ جلائی اور بیٹھ کر جھولوں میں سے گوشت نکال کر اسے بھون کر کھانے لگے۔

وہ باتیں بھی کر رہے تھے۔ایک ڈاکو بولا۔

''ابھی تک وہ لوگ پہنچے نہیں۔ انہیں اب تک پہنچ جانا چاہیے تھا''۔

دوسرا کہنے لگا۔

''بس آتے ہی ہوں گے۔وقت تو ہو چکا ہے''۔

ماریا نے سوچا کہ شاید یہ لوگ اور ڈاکوؤں کی راہ دیکھ رہے ہیں۔وہ آگے جانا چاہتی تھی لیکن گھوڑوں کو دیکھ کر اس نے اپنا ارادہ بدل لیا۔وہ وہاں سے ایک گھوڑا حاصل کرنا چاہتی تھی۔ تا کہ آگے کا سفر وہ گھوڑے پر سوار ہو کر کرے۔

آخر یہ بھی تو ڈاکو تھے اور ڈاکوؤں کا گھوڑا لے لینا کوئی بری بات نہیں تھی ماریا سوچ ہی رہی تھی کہ گھوڑا کھول کر اس پر سوار ہو کر گھوڑے کو اپنے ساتھ غائب کر کے وہاں سے نکل جائے تو اچانک اسے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں سنائی دیں۔

ڈاکو اور دیکھنے لگے جدھر سے گھوڑوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔درختوں کے پیچھے سے چار گھوڑ سوار باہر نکلے۔انہوں نے دو گٹھڑیاں سی آگے ڈالی ہوئی تھیں۔ چاروں گھوڑ سوار ڈاکوؤں کے پاس آ کر رک گئے۔انہوں نے ایک دوسرے کو مسکرا کر دیکھا۔ہاتھ ملائے۔آنے والا ڈاکو بولا۔

''بڑی مشکل سے ان ماں بیٹی کو اٹھا کر لائے ہیں۔کم بخت گھر کے باہر تلواریں لیے لوگ پہرہ دے رہے تھے''۔

”شاباش! مجھے تم سے یہی امید تھی“۔ ان دونوں کو گٹھڑیوں میں سے نکال کر یہاں لے آؤ۔ کہیں کم بخت دم گھٹنے سے ہی نہ مر جائیں۔ ابھی تو ان کے جا کر پورے پورے دام وصول کرنے ہیں“۔

ڈاکوؤں نے گھوڑوں کے اوپر لدی ہوئی دونوں گٹھڑیاں اتار کر زمین پر ڈال دیں اور انہیں کھول دیا۔ ان میں سے دو عورتیں برآمد ہوئیں۔ ایک لڑکی تھی اور دوسری عورت تھی۔ ایک بیٹی تھی، دوسری ماں تھی۔ دونوں بے چاری سہمی ہوئی تھیں۔ ان کے رنگ فق تھے۔ زرد تھے۔ خوف سے ان کی جان نکل رہی تھی۔

ماریا کے لیے اب ایک نیا سوال پیدا ہو گیا تھا کہ وہ گھوڑا

لے کر وہاں سے بھاگ جائے یا اسی جگہ بیٹھ کر ان ماں بیٹی کی مدد کرے۔ اتنے میں عورت نے ایک ڈاکو کے پاؤں پر گرتے ہوئے رو رو کر کہا۔

”بھگوان کے لیے میری بیٹی پر رحم کرو مجھے لے جا کر بازار میں فروخت کر دو مگر میری بیٹی کو جانے دو۔ اسے کچھ نہ کہو۔ وہ ابھی چھوٹی سی معصوم بچی ہے۔ اس کی زندگی برباد نہ کرو“۔

ڈاکو نے زور سے عورت کے منہ پر طمانچہ مار کر کہا۔

”بک بک بند کر کمینی عورت! ہم ڈاکو ہیں۔ ہمارا کام ہی یہی ہے۔ اگر ہم تمہیں اور تمہاری بیٹی کو فروخت نہیں کریں گے تو کھائیں گے کہاں سے؟“۔

پھر اس ڈاکو نے کہا۔

"ان دونوں عورتوں کے ہاتھ باندھ دو"۔

ڈاکوؤں نے فوراً ان کے ہاتھ باندھ ڈالے۔ وہ سارے خوشی خوشی ہنسنے لگے، کھانے پینے اور قہقہے لگانے لگے۔ دونوں ماں بیٹی سہمی ہوئی ایک طرف بیٹھی تھیں۔ ماریا کو ان پر بڑا ترس آیا۔

اس نے اسی وقت دل میں فیصلہ کر لیا کہ وہ چاہے کچھ ہو جائے، ان عورتوں کو ڈاکوؤں کے چنگل سے چھڑا کر دم لے گی۔

اب وہ سوچنے لگی کہ دونوں ماں بیٹی کو کس طرح وہاں سے بچا کر بھگایا جائے؟ یہ کام مشکل بھی تھا اور آسان بھی تھا۔ آسان اس لیے تھا کہ ڈاکو زیادہ تھے۔ اس کام کے لیے عقل

مندی کی بھی ضرورت تھی۔

دوسری طرف یہ بھی خیال تھا کہ ڈاکو وہاں زیادہ دیر نہیں ٹھہریں گے اور وہ کھانا کھا کر وہاں سے چل دیں گے۔ ماریا ابھی غور ہی کر رہی تھی کہ ڈاکوؤں کے سردار نے کہا۔

"یہ جگہ بڑی اچھی ہے۔ شاید آگے اس قسم کی آرام وہ جگہ نہ ملے۔ اس لیے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ رات اسی جگہ گذاری جائے گی"۔

"بہت خوب بہت خوب سردار"۔

ڈاکو سردار کے اس فیصلے سے خوش ہو گئے۔ انہوں نے گھوڑوں پر سے بستر اتار کر دریا کے کنارے گھاس پر بچھا دیئے اور بڑے آرام سے لیٹ کر گپیں ہانکنے لگے۔ سردار نے

ایک ڈاکو سے کہا۔

"ان عورتوں کو بھی اس درخت کے نیچے بستر لگا دو لیکن ہاں۔ان دونوں کے پاؤں ایک دوسری کے پاؤں کے ساتھ باندھ ڈالو۔

ایسا ہی کیا گیا۔ماں بیٹی کا بستر درخت کے نیچے ذرا پرے ہٹا کر لگا دیا گیا۔ان کے ایک ایک پاؤں میں رسی ڈال کر دوسری کے پاؤں کے ساتھ باندھ دیا گیا۔ماریا نے اطمینان کا سانس لیا۔

وہ یہی چاہتی تھی کہ یہ لوگ اسی مقام پر رات بسر کریں تاکہ اسے ماں بیٹی کو وہاں سے بھگانے کا موقع مل جائے۔ماریا بھی درخت کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔شام ہو

گئی۔ اندھیرا ہر طرف پھیلنے لگا۔ ڈاکوؤں نے آگ کا الاؤ روشن کر دیا اس کی روشنی میں ماریا دور درخت کے نیچے لیٹی ہوئی ماں بیٹی کو صاف دیکھ رہی تھی۔

ماریا نے پوٹلی میں سے کچھ بھنی ہوئی مچھلی اور پھل نکال کر کھایا۔دریا کنارے جا کر دریا کا پانی پیا اور درخت کے نیچے آ کر لیٹ گئی۔ وہ رات گہری ہونے کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ ڈاکو سو جائیں تو وہ ان دونوں عورتوں کے پاس جا کر انہیں وہاں سے بھگا کر لے جائے۔

ڈاکو کچھ دیر کھانا کھانے کے بعد گانے وغیرہ گاتے اور آپس میں ہنسی مذاق کرتے رہے۔پھر ایک ایک کر کے وہ نیند کی آغوش میں جانے لگے۔

جب سارے ڈاکو سو گئے تو ماریا اپنی جگہ سے اٹھی اور دبے پاؤں چلتی اس درخت کے نیچے آ گئی، جہاں دونوں ماں بیٹی لیٹی سونے کی کوشش کر رہی تھیں۔ ان کے قریب ہی ڈاکو گہری نیند سو رہے تھے۔

ماریا کے لیے سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ جونہی اس نے عورتوں کے ساتھ بات کرنی تھی انہوں نے ڈر جانا تھا، کیونکہ ماریا کی آواز آتی تھی اس کی شکل انہیں نظر نہیں آتی تھی۔ چاہے کچھ بھی ہو ماریا نے ان سے بات کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

ماریا چپکے سے لڑکی کی ماں کے قریب جھک کر آہستہ سے بولی۔

”سنو! میں دیوی ہوں آسمان سے دیوتاؤں نے مجھے تمہاری مدد کے لیے بھیجا ہے۔ آواز مت نکالنا۔ جو میں کہوں اس پر عمل کرنا“۔

اس عورت نے جو اپنے کانوں میں کسی دوسری عورت کی آواز سنی تو پہلے تو وہ دنگ رہ گئی۔ پتھر کی موت بنی رہی، مگر ماریا نے اسے پریشان ہونے کا زیادہ موقع نہ دیا اور ساتھ ہی کہا۔

”میں تمہیں ان ڈاکوؤں کی قید سے آزاد کرا دوں گی۔ تم اسی طرح خاموشی سے اپنی جگہ پر لیٹی رہو، جب میں کہوں تو یہاں سے اٹھنا۔ نہیں تو اسی جگہ لیٹے رہنا“۔

ماں بیٹی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ آواز کس کی ہے اور ان کے ساتھ یہ کیا ہو رہا ہے؟ یہ کوئی مذاق تو نہیں کر رہا؟ مگر

غائب ہو کر کوئی کیسے مذاق کر سکتا تھا۔ انہیں یقین ہو گیا کہ یہ ضرور دیوتا کی طرف سے بھیجی گئی دیوی ہے جوان کی مدد کو آئی ہے۔ وہ دونوں مطمئن ہو کر خاموش ہو گئیں۔

ماریا نے آگے بڑھ کر آہستہ آہستہ ان دونوں کے پاؤں سے رسی کھول دی۔ رسی کھولنے کے بعد ماریا نے عورت کے کان میں کہا۔

”یہاں سے دس قدم کے فاصلے پر پیچھے درختوں میں میں نے تمہارے لیے گھوڑا تیار رکھا ہے۔ تم دونوں کو میرے گھوڑے پر سوار ہو کر یہاں سے بھاگنا ہو گا۔ اس طرح تم کسی کو دکھائی نہیں دو گی۔ اب یہاں سے چوری چوری کسی طرح چھپ کر ڈاکوؤں کی آنکھیں بچا کر اس گھوڑے پہنچنا تمہارا

کام ہے۔ یہ کام میں خود نہیں کر سکتی۔ میرا خیال ہے تم میری بات کو اچھی طرح سمجھ گئی ہو گی؟“

عورت نے سر ہلا کر بتایا کہ وہ سب کچھ سمجھ گئی ہے۔ ماریا نے جاتے ہوئے کہا۔

”میں جا رہی ہوں اور یہاں سے پیچھے درختوں میں تمہارا انتظار کروں گی۔ گھوڑا میرے پاس ہو گا“۔

ماریا وہاں سے اٹھ کر آہستہ آہستہ چلتی پیچھے آ گئی۔ پیچھے گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ ماریا نے ایک گھوڑے کی گردن پر ہاتھ رکھ کر اسے پیار سے تھپتھپایا تا کہ وہ شور نہ مچائے اور کہیں بدک نہ جائے۔

پھر اس نے آہستہ سے اس کی رسی کھول دی اور باگ ہاتھ

میں تھام کر گھوڑے کو قدم قدم چلاتی درختوں میں اس جگہ آ گئی
جہاں اس نے دونوں ماں بیٹی کو بلا رکھا تھا۔

ادھر دونوں میں بیٹی لیٹی سوچ رہی تھیں کہ اب وہاں سے
کب کھسکا جائے۔ سارے ڈاکو گہری نیند سو رہے تھے۔
قریب ہی جو ڈاکو پہرہ دے رہا تھا، وہ بھی خراٹے لے رہا تھا۔
ماں نے بیٹی کے کان میں کہا۔

”چلو بھاگ چلیں۔ اب وقت ہے“۔

”اور اس کے ساتھ ہی دونوں ماں بیٹی چپکے سے دبے
پاؤں وہاں سے اٹھیں اور کھسک کر گھٹنوں کے بل جنگل کی
طرف چلنے لگیں۔ سامنے وہ درختوں کا جھنڈ تھا جہاں آسمانی
دیوی گھوڑا لیے اس کا انتظار کر رہی تھی، لیکن ماں کی بدقسمتی کہ

ٹھیک اسی وقت بیٹی کو چھینک آ گئی۔ چھینک کی آواز پر
پہرے دار ڈاکو اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے جو دیکھا کہ عورتیں
غائب ہیں تو شور مچا دیا۔

”شکار بھاگ گیا۔ جاگو!“۔

آسمانی دیوی

شور کی آواز سنتے ہی سارے ڈاکو جاگ پڑے۔

وہ تلواریں تان کر اس طرف بھاگے جدھر پہرے دار نے اشارہ کیا تھا۔ دونوں ماں بیٹی جنگل میں اس جھنڈ کے پاس پہنچ چکی تھیں جہاں ماریا گھوڑا لیے ان کا انتظار کر رہی تھی۔ ماریا نے جب دیکھا کہ بھانڈا پھوٹ گیا ہے تو وہ بھی مقابلے کے لیے چوکس ہو گئی۔

اس نے سوچا کہ کسی طرح اگر دونوں عورتیں اس کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو جائیں تو وہ غائب ہو جائیں گی اور ڈاکو ساری زندگی اگر انہیں تلاش کرتے رہیں تو تلاش نہ کر سکیں گے۔ مصیبت یہ تھی کہ وہ گھوڑے سے فاصلے پر ہی تھیں کہ ڈاکو ان کے سر پر پہنچ گئے۔ سردار نے انہیں للکارا۔

”خبردار رک جاؤ۔ ایک قدم بھی اٹھایا تو نیزہ مار کر کام تمام کر دوں گا“۔

عورتوں کو چاہیے تھا کہ وہ بھاگتی رہیں اور آگے بڑھ کر گھوڑے پر سوار ہو جائیں، مگر انہوں نے یہ غلطی کی کہ سردار کی آواز پر وہیں کھڑی کی کھڑی رہ گئیں۔ سردار نے آگے بڑھ کر دونوں عورتوں کو گرفتار کر لیا۔

وہ دونوں کو رسیوں میں جکڑ کر گھسیٹتا ہوا اسی درخت کے نیچے لے آیا جہاں سے وہ رسی کھول کر بھاگی تھیں۔ سردار نے ماں بیٹی کو دھکا دے کر زمین پر گرا دیا اور ایک ایک لات مار کر بولا۔

"بدبختو! تم نے رسی کیسے کھول لی؟ اب اگر تم نے بھاگنے کی کوشش کی تو میں اپنی تلوار سے تم دونوں کی گردنیں تن سے جدا کر دوں گا"۔

عورتیں سہم کر درخت کے نیچے بیٹھ گئیں۔ سردار نے پہرے دار سے کہا۔

"تم اگر جارہے ہوتے تو یہ عورتیں کبھی یہاں سے فرار نہ ہوتیں، اس میں تمہاری غلطی بھی تھی۔ اس بار میں تمہیں معاف

کرتا ہوں، کیونکہ تم ایک پرانے اور تجربہ کار ڈاکو ہو لیکن اگر پھر کبھی تم سے ایسی حرکت ہوئی تو میں تمہیں کچا چبا جاؤں گا"۔

پہرے دار نے سر جھکا کر کہا۔

"سردار! آئندہ ایسا کبھی نہیں ہوگا"۔

رات آدھی سے زیادہ گذر چکی تھی۔ سردار جاگ رہا تھا اور آگ کے پاس بیٹھا قہوہ پیتے ہوئے اپنے ساتھی ڈاکو سے باتیں کر رہا تھا۔ باقی کچھ ڈاکو سو گئے تھے اور کچھ دوبارہ سونے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ پہریدار جاگ کر دونوں ماں بیٹی کی چوکیدار کر رہا تھا۔ دونوں عورتیں خوف زدہ اور نا امید ہو کر بیٹھی تھیں۔ ماریا گھوڑے کے پاس کھڑی سوچ رہی تھی کہ اب کیا کرنا چاہیے۔

اب سوائے اس کے اور کوئی راستہ نہ تھا کہ حملہ کر کے ڈاکوؤں کو ٹھکانے لگایا جائے اور عورتوں کو ان کے ظلم سے نجات دلائی جائے، لیکن اس میں ماریا کی اپنی جان کو خطرہ بھی تھا، مگر ماریا نے ماں بیٹی سے وعدہ کر لیا تھا کہ وہ ان کی ضرور مدد کرے گی۔

پھر اسے یہ بھی خیال تھا کہ ماں بیٹی ماریا کو آسمانی دیوی سمجھ رہی ہیں۔ وہ کیا کہیں گی کہ آسمانی دیوی میں اتنی بھی طاقت نہیں کہ ان کو ڈاکوؤں کی مصیبت سے نجات دلا سکے؟

ماریا اپنی جگہ سے آگے بڑھی۔ اس نے سوئے ہوئے ڈاکوؤں کے پاس آ کر ایک ڈاکو کی تلوار نیام سے نکال لی۔ تلوار نکلتے ہی ماریا کے ہاتھ میں غائب ہو گئی۔ وہ دبے پاؤں

چلتی ڈاکوؤں کے سردار کے قریب آ گئی۔ ماریا سب سے پہلے سردار کو ختم کرنا چاہتی تھی، کیونکہ وہی فساد کی جڑ تھا۔ سردار اس وقت پیالہ منہ سے لگائے قہوہ پی رہا تھا۔ وہ اپنے ساتھی سے باتیں بھی کرتا جا رہا تھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ موت کا سایہ اس کے سر پر پہنچ چکا ہے۔

ماریا قریب آ کھڑی ہونے ہی لگی تھی کہ اس کا پاؤں ایک پتھر پر سے پھسل گیا۔ وہ گری نہیں، مگر پتھر لڑھک گیا۔ سردار نے چونک کر دیکھا۔

''کون ہے؟'' اس نے پکارا۔

''کوئی بھی نہیں'' اس کے ساتھی نے کہا۔

''تو پھر یہ پتھر اپنے آپ کیسے پھسل گیا؟'' سردار نے

حیرانی سے کہا۔

اس کا ساتھی بولا۔

''معلوم نہیں۔ ایسا کیوں ہوا، مگر پتھر اپنی جگہ سے پھسلتے
میں نے بھی دیکھا ہے''۔

سردار نے کہا۔

''ضرور یہاں کوئی موجود ہے''۔

ساتھی نے ہنس کر کہا۔

''یہ بھلا کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی یہاں موجود ہو اور ہمیں
دکھائی نہ دے رہا ہو یہ تمہارا وہم ہے۔ پتھر اپنے آپ پھسل گیا
ہو گا۔ ایسا کبھی کبھی ہو جایا کرتا ہے''۔

سردار خاموش ہو گیا۔ لیکن اس کا دل مطمئن نہیں تھا۔ اس کا

دل گواہی دے رہا تھا کہ دال میں کچھ کالا کالا ضرور ہے۔
بہر حال وہ دوبارہ چپکے سے قہوہ پینے اور باتیں کرنے لگا۔

''میں چاہتا ہوں کہ ان دونوں عورتوں کو مرہٹہ سردار کے
ہاتھ فروخت کریں، وہ ہمیں کافی دولت دے گا۔ بیٹی کی قسمت
تو بہت زیادہ وصول کریں گے۔ تمہارا کیا خیال ہے؟''۔

''میرا خیال ہے مرہٹہ سردار کی بجائے اگر ہم ریاست کے
راجہ کے پاس ان دونوں کو لے جائیں تو وہاں سے ہمیں بہت
انعام و اکرام مل سکتا ہے''۔

سردار بولا۔

''وہ تو ٹھیک ہے مگر یہ کم بخت عورتیں واویلا مچا کر ہمیں الٹا
گرفتار بھی کرا سکتی ہیں۔ بس یہ ایک خطرہ اس میں ہے۔ ورنہ

مجھے ریاست کے راجہ کے پاس جانے میں کوئی اعتراض نہیں‘‘۔

اس کے ساتھی نے کہا۔

’’چلو ٹھیک ہے۔ مرہٹہ سردار ہی سہی۔ بہر حال کل شام تک ہمیں ان کی ماں بیٹی کو کہیں نہ کہیں ٹھکانے لگا دینا چاہیے تا کہ ہم دوسری جگہ ڈاکا ڈالنے کے قابل ہو سکیں۔ ان کی نگرانی کرتے ہوئے ہم آرام سے ڈاکا نہیں ڈال سکتے‘‘۔

سردار نے ہنس کر کہا۔

’’فکر نہ کرو۔ کل شام ہونے سے پہلے پہلے ان کا سودا ہو چکا ہوگا‘‘۔

اچانک تلوار کا ایک بھرپور وار سردار کی گردن پر لگا اور اس

کی گردن آدھی کٹ کر بائیں جانب کندھے پر لٹک گئی۔ سردار کے منہ سے ایک دردبھری آواز نکلی اور وہ خون میں لت پت لڑکھڑا کر گر پڑا۔ اس کا ساتھی ہڑبڑا کر اٹھا اور شور مچانے ہی والا تھا کہ تلوار کے دوسرے وار نے اس کی گردن تن سے جدا کر کے رکھ دی۔

ماریا کی تلوار نے یہ سارا کام اتنی جلدی اور خاموشی سے کر دیا کہ کسی کو کانوں کان خبر تک نہ ہوئی۔ اسے خود یقین نہیں تھا کہ وہ سردار اور اس کے ساتھی کو اتنی خاموشی سے اور اتنی جلدی سے ختم کر کے رکھ دے گی۔ باقی ڈاکو سوئے رہے۔ دونوں مر گئے۔ ماریا اس کام سے فارغ ہو کر درختوں اور جھاڑیوں کے پیچھے سے ہوتی ہوئی وہاں آ گئی جہاں ایک

پہرے دار ڈاکو بڑی ہوشیاری سے پہرہ دے رہا تھا۔ اسے اپنے سردار اور سردار کے دوست ڈاکو کی موت کی بالکل خبر نہیں تھی۔

وہ اپنی موت سے بھی بے خبر کھڑا پہرہ دے رہا تھا۔ ماریا نے پیچھے سے آ کر تلوار کا وار کرنا چاہا تو اس کا پاؤں ایک جھاڑی میں الجھ گیا۔ وہ زمین پر گر پڑی۔ پہرے دار نے کسی کے جھاڑیوں میں گرنے کی آواز سنی تو وہ لپک کر تلوار کھینچ کر اس طرف بڑھا۔

”کون ہے؟“ خبردار جو قدم آگے بڑھایا۔

اس کی آواز سن کر دوسرے ڈاکو بھی جاگ پڑے۔

”کیا ہوا؟ کون ہے یہاں؟“۔

پہرے دار نے کہا۔

”کوئی نہیں۔ ایسا لگا تھا جیسے کسی نے جھاڑیوں میں چھلانگ لگائی ہے۔ مگر میرا وہم تھا۔ یہاں کوئی نہیں ہے۔

اچانک ایک ڈاکو کی چیخ بلند ہوئی۔

”ارے! کسی نے سردار اور ساتھی کو قتل کر دیا“۔

اس چیخ کا بلند ہونا تھا کہ ہر طرف ایک شور مچ گیا۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آدھی رات کو جنگل میں آ کر کس نے ان کے سردار کو قتل کر دیا سارے ڈاکو تلواریں نکال کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک بولا۔

”قاتل اسی جنگل میں ہوگا۔ اسے تلاش کر کے قتل کر دیا جائے“۔

دوسرا بولا۔

''یہ کوئی ہمارا دشمن ہے جس نے چھپ کر وار کیا اور بھاگ گیا ہے۔اس کی یہ جرات کہ ہمارے سردار کو ہلاک کر دے! ساتھیو!اس جنگل میں آگ لگا دو لیکن اپنے سردار کے قاتل کو زندہ نہیں چھوڑنا ہوگا''۔

وہ قیدی عورتوں کے قریب آ کر رک گئے۔

''کیا یہ کوئی تمہارا آدمی تھا جس نے ہمارے سردار کو قتل کر دیا؟''۔

عورت نے کہا۔

''بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟تم لوگ ہمیں اٹھا کر جنگل میں لے آئے ہو۔یہاں ہماری مدد کو کون آ سکتا ہے۔ہم تو تمہاری

قید میں ہیں۔ہم تو کسی کو بلا بھی نہیں سکتیں''۔

ڈاکو سوچ میں پڑ گئے کہ یہاں کون دشمن ہو سکتا ہے۔ماریا نے اب عام حملہ کر دیا۔وہ جھاڑیوں سے باہر نکل کر ڈاکوؤں کے پیچھے آئی اور اس نے دیکھتے دیکھتے چار ڈاکوؤں کو شدید زخمی کر دیا۔

وہ گر پڑے اور کراہنے لگے۔دوسرے ڈاکو حیرانی سے ادھر ادھر تکنے لگے کہ یہ ان کا کون خفیہ دشمن ہے جو حملہ کرتا ہے مگر دکھائی نہیں دیتا۔ماریا بھاگ کر، لپک لپک کر حملے کر رہی تھی۔ڈاکو زخمی ہو ہو کر گر رہے تھے مگر کچھ نہیں کر سکتے تھے۔وہ بوکھلا گئے تھے۔ان کے چہروں پر وحشت تھی۔

ماریا نے آدھے ڈاکوؤں کو ڈھیر کر دیا تو باقی ڈاکو گھوڑوں

پر بیٹھ کر فرار ہونے لگے۔ تھوڑی دیر بعد میدان صاف تھا۔ ماریا عورتوں کے پاس آ کر کھڑی ہوگئی اور بولی۔

''میدان صاف ہوگیا۔ اب تم دونوں آزاد ہو۔ میں نے اپنا وعدہ پورا کیا''۔

اور ماریا نے جھک کر دونوں عورتوں کے پاؤں سے رسیاں کھول دیں۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ٹھیک اس وقت ایک زخمی ڈاکو نے جب عورتوں کی رسیاں کھلتے، انہیں اٹھتے اور کسی غیبی عورت سے باتیں کرتے سنا تو اس نے زمین پر لیٹے لیٹے ہاتھ بڑھا کر تلوار کا وار کیا۔

تلوار عورت کے پہلو میں ایک پتھر پر لگی۔ پتھر ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ ماریا نے ڈاکو کو بھی ختم کر دیا۔ پھر اس نے کہا۔

''ڈاکو بھاگ چکے ہیں۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ وہ کچھ گھوڑے یہاں چھوڑ گئے۔ آؤ میرے ساتھ''۔

ماریا دونوں عورتوں کو ساتھ لے جا کر گھوڑوں کے پاس لے گئی اور کہنے لگی۔

''کیا تم لوگ اس جنگل سے نکل کر اکیلی اپنے گھر کو چلی جاؤ گی؟''۔

عورت نے کہا۔

''اے آسمانی دیوی! ہمارے لیے اکیلے اس جنگل میں سے گزر کر اپنے گھر جانا بڑا خطرناک ہے۔ کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ تم ہم دونوں کو دریا پار ہماری بستی کے باہر تک چھوڑ آؤ؟''۔

''کیوں نہیں؟ میں ایسا کر سکتی ہوں''۔

اور ماریا نے ان دونوں کو الگ الگ گھوڑوں پر بٹھایا۔ پھر خود بھی گھوڑے پر جا بیٹھی اور انہیں ایڑ لگا کر جنگل سے باہر آ کر دریا کنارے بہاؤ کی طرف چلنے لگی۔ جنگل میں اندھیرا کم ہو رہا تھا۔

آسمان پہ صبح کی ہلکی ہلکی سفید روشنی پھیلنے لگی تھی۔ پرندے درختوں میں چہچہانے لگے تھے۔ دریا کا پانی بڑی خاموشی سے بہہ رہا تھا۔ ماریا نے پوچھا۔

"تم لوگوں کا گھر کہاں ہے؟ تم کیا کرتی تھیں؟"

ماں بولی۔

"اے آسمانی دیوی! تمہیں ہم کیا بتا سکتی ہیں بھلا۔ تمہیں تو خود سب کچھ معلوم ہے۔ میں ایک بیوہ ہوں۔ تھوڑی سی زمین

ہے۔ اس پر گزر بسر کرتی ہوں۔ یہ میری اکلوتی بیٹی ہے۔ اگر تم ہماری مدد نہ کرتیں تو یہ ڈاکو ہماری زندگی کا سودا کر چکے تھے۔ ہم تمہارا بے حد شکریہ ادا کرتے ہیں کہ تم نے ہماری جان ڈاکوؤں کے شکنجے سے آزاد کروائی"۔

ماریا نے کہا۔

"بہن! میں نے تو اپنا فرض ادا کیا ہے۔ میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ تمہاری جان ان ڈاکوؤں سے ضرور بچاؤں گی۔ خدا کا شکر ہے کہ اپنے نیک مقصد میں کامیاب ہو گئی۔ اب تمہیں چاہیے کہ تم آرام سے اپنے گھر میں جا کر رہو۔ اپنی بیٹی کی حفاظت کرو۔ بغیر اجازت اور اکیلی اسے اپنے گھر سے باہر نہ نکلنے دو۔ جہاں جاؤ اسے ساتھ لے کر جاؤ"۔

عورت نے کہا۔

"شکریہ بہن! میں تمہاری ہر نصیحت پر عمل کروں گی۔ اگر آج سے پہلے بھی اس نصیحت پر عمل کرتی تو آج ہمیں یہ دن دیکھنا نہ پڑتا کہ گھر سے دور جنگل میں پڑی ہوں، تم ہمیں نہ ملتیں تو ہماری زندگی برباد ہوگئی تھی"۔

ماریا انہیں ساتھ لے کر دریا کے ایک ایسے پل پر آ گئی جو بانسوں کو جوڑ کر بنایا گیا تھا۔ اس پل پر سے گزرتے ہوئے ماریا نے محسوس کیا کہ پل ہل رہا ہے۔ اس نے عورت سے کہا۔

"یہ پل ہل کیوں رہا ہے؟"۔

عورت نے کہا۔

"یہ پل ہوا میں ہمیشہ ہلتا رہتا ہے"۔

لیکن ایسا نہیں تھا۔ یہ صرف ہوا نہیں تھی بلکہ زلزلہ تھا۔ زلزلہ آ رہا تھا۔ ماریا نے کہا۔

"یہ تو زلزلہ معلوم ہوتا ہے"۔

دونوں عورتیں پل سے چمٹ کر کھڑی ہوگئیں۔ پل دائیں سے بائیں جھول رہا تھا۔ عورتیں کی چیخیں نکل گئیں۔ ماریا نے ڈانٹ کر کہا۔

"خبردار رونا نہیں۔ ہمت سے کام لو۔ بھونچال آیا ہی کرتے ہیں۔ زمین اور پہاڑ اپنی شکل بدل رہے ہیں۔ پل کی رسیوں کے ساتھ چمٹے رہو"۔

تھوڑی دیر بعد زلزلہ ختم ہوگیا۔

دونوں عورتوں کی جان میں جان آئی۔ یہ لوگ دریا پار کر

گئے۔ دریا کے پار دوپہر کے وقت وہ ایک ایسی بستی میں پہنچے، جہاں بڑی رونق تھی۔ عورت نے کہا۔

"اے آسمانی دیوی! یہی وہ بستی ہے، جہاں ہم دونوں ماں بیٹی ایک مکان میں رہ رہی ہیں"۔

ماریا نے کہا۔

"کیا اب تم آرام سے اپنے گھر چلی جاؤ گی؟"

"ہاں۔ چلی جائیں گی۔ مگر کیا تم ہمارے گھر تشریف نہیں لاؤ گی؟"۔

"نہیں بہن! میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے۔ میں نے تم دونوں کو موت کے منہ سے نکال کر یہاں پہنچا دیا۔ میں نے تم سے کیا ہوا اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ اب مجھے اجازت دو۔ میں نے

ابھی اپنے دونوں بھائیوں کو بھی تلاش کرنا ہے"۔

ماریا ان دونوں عورتوں سے اجازت لے کر جانے لگی تو اس نے پوچھا۔

"میں یہاں سے پائلی پتر کی طرف جاؤں گی۔ کیا یہ دریا پائلی پتر کی طرف سے آرہا ہے"۔

عورت نے کہا۔

"اے آسمانی دیوی! یہ دریا پائلی پتر سے نہیں آرہا۔ اس دریا کے ساتھ ساتھ سفر کرتے ہوئے بائیں طرف آپ کو ایک درہ ملے گا۔ پہاڑوں کے درمیان میں سے گزر کر آپ ایک وادی میں جائیں گی۔ وہاں آپ کو ایک دریا ملے گا۔ بس اسی دریا کی دوسری جانب پائلی پتر کا شہر آباد ہے"۔

"خدا حافظ"۔

ماریا گھوڑے پر سوار دریا کے ساتھ پاٹلی پتر کی طرف روانہ ہوگئی۔ بہت آگے جا کر اس نے دریا کو ایک پل پر سے عبور کیا اور ایک جنگل میں داخل ہوگئی جو پہاڑوں کے گہرے درے پر ختم ہوتا تھا۔ جنگل زیادہ گھنا تھا اور دن میں بھی اس کے درختوں کی چھاؤں میں اندھیرا چھایا ہوا تھا۔

خونی آنکھیں

ماریا کو ہم جنگل میں چھوڑتے ہیں۔

اب ہم ژاناگ اور عنبر کی طرف آتے ہیں کہ وہ کس حال میں ہیں۔ وہ ماریا کو اس کے حال پر چھوڑ کر پاٹلی پتر کی طرف بڑھ رہے تھے۔ وہ گھوڑوں پر سوار تھے اور دریا پار کر کے ایک پہاڑی درے میں سے گزر کر جنگل میں داخل ہوگئے تھے۔ آج سے ڈھائی ہزار برس پہلے کا یہ جنگل خونخوار وحشی درندوں

سے بھرا ہوا تھا۔

لیکن وہ ایک ایسے کچے راستے پر سفر کر رہے تھے، جہاں سے اکثر قافلے گزرا کرتے تھے۔ یہ چھوٹا سا پگڈنڈی قسم کا راستہ تھا جو درختوں کے بیچوں بیچ جا رہا تھا۔ اس کے دونوں جانب گھنی جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں اور اوپر درختوں کے گھنے سائے تھے۔

ان درختوں میں گھپ اندھیرا تھا۔ دن کے وقت بھی اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ اگرچہ دونوں بھائیوں کو راستہ صاف نظر آ رہا تھا۔ وہ دونوں ماریا کے بارے میں باتیں کرتے گھوڑوں پر سوار چلے جا رہے تھے۔ وہ ماریا کی طرف سے اس لیے بے فکر تھے کہ ماریا کسی کو نظر نہیں آتی تھی۔ وہ اپنا بچاؤ کر سکتی تھی۔ ہاں

وہ کسی بڑی مصیبت میں نہ پھنس گئی ہو۔ پھر بھی ناگ نے کہا۔

"ماریا ہر قسم کی مصیبت سے نکل آنے کی جرات رکھتی ہے۔ وہ پاکلی پتر ضرور پہنچ جائے گی"۔

عنبر کہنے لگا۔

"مگر بڑی حیرانی کی بات ہے کہ وہ چلی کہاں گئی؟ آخر اس کو کس نے پکڑ کر قابو کر لیا؟ وہ کسی کو نظر ہی نہیں آ سکتی تھی۔ ظاہر ہے، اسے کسی ایسے شخص نے قابو کیا ہوگا جو اسے دیکھ سکتا ہوگا اور یہ کوئی بڑا جادوگر ہی ہو سکتا ہے"۔

"کچھ بھی ہو ماریا اس جادوگر کو بھی ناکوں چنے چبوا دے گی۔ وہ ضرور اس کے چنگل سے نکل کر ہمارے پاس پاکلی پتر پہنچ جائے گی۔ مجھے یقین ہے"۔

عنبر بولا۔

"دل میرا ابھی یہی گواہی دیتا ہے۔ وہ بڑی بڑی مصیبتوں کا اکیلی مقابلہ کر کے ہمارے پاس پہنچ گئی تھی۔ یہ تو کوئی بات ہی نہیں"۔ ناگ نے کہا۔

"دوپہر بڑی گرم ہے۔ مجھے تو بھوک لگ رہی ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہیں کسی جگہ بیٹھ کر کھانا کھا لیا جائے۔ شاید گھوڑوں کو بھی پیاس لگی ہے"۔

"پانی کہیں مل جائے تو وہاں ٹھہر جاتے ہیں"۔

جنگل میں گرمی کی وجہ سے حبس ہو رہا ہے۔ ارد گرد پانی کہیں نہیں تھا۔ آخر وہ درختوں کے جھنڈ میں سے نکل کر باہر آئے تو سامنے ایک چشمہ بہہ رہا تھا۔ اس چشمے کا پانی بڑا

شفاف اور صاف ستھرا تھا۔ عنبر نے کہا۔

"اسی جگہ رک جاتے ہیں۔ اتنا اچھا پانی شاید آگے نہ ملے"۔

دونوں بھائی گھوڑوں سے نیچے اتر پڑے۔ انہوں نے سب سے پہلے گھوڑوں کو جی بھر کر پانی پلایا۔ پھر انہیں گھاس میں چرنے کے لیے کھلا چھوڑ دیا۔ گھوڑے بڑے آرام سے گردنیں لمبی کر کے گھاس چرنے لگے۔

عنبر نے تھیلے میں سے خشک مچھلی کا گوشت اور جوار کی روٹیاں نکال کر سامنے رکھ دیں۔ کھانا کھانے کے بعد انہوں نے چشمے کا ٹھنڈا پانی جی بھر کر پیا اور تھوڑی دیر آرام کرنے کے لیے لیٹ گئے۔

ناگ نے کہا۔

’’بھائی سنا ہے کہ یہاں جادو بہت ہوتا ہے؟‘‘۔

عنبر بولا۔

’’ہاں ناگ بھائی۔ ہندوستان اور افریقہ۔ یہ دونوں ملک جادوگری کے لیے بہت مشہور ہیں، لیکن میرا خیال ہے کہ آج سے چار ہزار برس پہلے ہمارے ملک مصر میں جو جادو ہوتا تھا، وہ اس ملک میں کہیں دیکھنے میں نہیں آیا۔ پرانے مصر میں جادوگر جادو کے زور سے کھڑے کھڑے درخت کو ہوا میں اچھال دیتے تھے۔ میری آنکھوں کے سامنے ایک جادوگر نے ایسا جادو کیا کہ دریائے نیل کا پانی آگ کے شعلوں سے سرخ ہوگیا۔‘‘

ناگ حیرانی سے بولا ’’کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟‘‘۔

’’تو اور کیا جھوٹ بول رہا ہوں۔ مجھے جھوٹ بولنے کی بھلا کیا ضرورت ہے۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے یہ تماشا دیکھا ہے۔ میں بہت بڑی مثال تمہارے سامنے موجود ہوں۔ اب مجھ پر بھی تو کسی مصری کاہن نے جادو ہی کیا ہے جو میں مر نہیں سکتا۔ جس روز جادو کا اثر ختم ہو جائے گا، میں مر جاؤں گا‘‘۔

ناگ نے کہا۔

’’ماریا پر کس نے جادو کیا ہے عنبر بھائی جو وہ غائب ہوگئی ہے‘‘۔

عنبر نے کہا۔

"اس پر بھی کسی مصری جادوگر نے جادو کیا تھا۔ یہ جادو مس ی نے اور کسی ملک میں نہیں دیکھا۔ چین اور جاپان میں بھی اتنے زبردست جادوگر نہیں ہیں"۔

ابھی وہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ انہیں پاؤں کی آہٹ سنائی دی جیسے کوئی پتوں پر چل رہا ہو۔ عنبر نے ناگ کی طرف دیکھ کر سرگوشی میں کہا۔

"شی! کوئی آرہا ہے"۔

وہ دونوں چوکنے ہو کر جھاڑیوں کے پیچھے ہو گئے۔ ان کے گھوڑے ذرا دور کھڑے گھاس چر رہے تھے۔ پاؤں کی آہٹ رک گئی۔ وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

"کون ہو سکتا ہے یہ؟"۔

"ضرور یا تو کوئی مسافر ہوگا اور یا پھر جنگلی درندہ ہوگا"۔

"اور ڈاکو بھی ہو سکتا ہے"۔

"نہیں۔ ڈاکو ان جنگلوں میں کبھی اکیلے سفر نہیں کیا کرتے۔ شی آواز پھر آرہی ہے"۔

دونوں خاموش ہو گئے اور غور سے پاؤں کی آواز کو سننے لگے۔ آواز اب قریب آرہی تھی۔ جنگل میں بڑی گہری خاموشی تھی۔ صرف کبھی کبھی کسی درخت پر کوئی جانور چپھا کراڑ جاتا تھا۔

گرمی اور حبس بہت کم ہو گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد کیا دیکھتے ہیں کہ دو آدمی جھاڑیوں میں سے نکل کر آگئے۔ انہوں نے ابھی تک عنبر اور ناگ کو نہیں دیکھا تھا۔ وہ گھوڑوں کو گھاس پر

چرتا دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ ایک نے کہا۔

”یار! یہ تو بھگوان نے ہماری دعا سن لی اور ہمارے لیے اس اجاڑ جنگل میں تازہ پلے پلائے دو گھوڑے بھیج دیئے“۔

دوسرا بولا۔

”ہاں یار! یہ تو تم ٹھیک کہہ رہے ہو، لیکن ہمیں بڑا ہوشیار رہنا ہوگا کیونکہ ہو سکتا ہے، ان گھوڑوں کے مالک یہیں کہیں پھر رہے ہوں“۔

”چھوڑو یار! تم بڑے کمزور دل ہو۔ بھگوان کی قسم اگر ان گھوڑوں کے مالک آ بھی جائیں تو میں ان کو ایسا مزا چکھاؤں گا کہ ساری عمر یاد کریں گے۔ بس ان دونوں کو بھی گھوڑا بنا دوں گا اور پھر ان کی گردنوں میں رسی ڈال کر جانوروں کی

طرح ساتھ ساتھ رکھوں گا“۔

عنبر اور ناگ کو بڑا غصہ آیا مگر وہ خاموش رہے۔ وہ یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ یہ دونوں اب کیا کرتے ہیں۔ یہ بات صاف ظاہر ہو گئی تھی کہ وہ دونوں ڈاکو ہیں اور لوٹ مار کر گزر بسر کرتے ہیں اور اس وقت انہیں گھوڑوں کی سخت ضرورت تھی۔

عنبر نے ناگ کے کان میں کہا۔

”خبردار رہنا۔ کہیں یہ گھوڑے لے کر رفو چکر نہ ہو جائیں“۔

ناگ بولا۔

”جو حکم کرو گے اسی پر عمل کروں گا“۔

”ابھی انتظار کرو“۔

وہ دونوں ڈاکو اب گھوڑوں کے پاس جا کر کھڑے ہو گئے۔گھوڑوں نے اپنے سامنے دو اجنبیوں کو دیکھا تو ذرا ہنہنائے۔ڈاکوؤں نے ان کی گردنوں پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیئے۔گھوڑے خاموش ہو گئے۔ناگ نے عنبر کے کان میں آہستہ سے کہا۔

”بھائی! اب تو وہ گھوڑوں کو چرا کر لے جانے والے ہیں۔اب کیا حکم ہے؟“۔

عنبر نے کہا۔

”چلو۔نکل کر سامنے آجاتے ہیں“۔

دونوں بھائی جھاڑیوں میں سے نکل کر ڈاکوؤں کے سامنے آگئے۔ڈاکوؤں نے جو اپنے سامنے دو دبلے پتلے سے

نوجوان کو دیکھا تو ایکدم تلواریں کھینچ لیں۔ایک ڈاکو نے قہقہہ لگا کر پوچھا۔

”کون ہو تم دونوں؟“۔

عنبر نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

”سرکار! ہم مسافر ہیں۔ایک شہر سے دوسرے شہر کو جا رہے ہیں۔ذرا دیر کو یہاں آرام کرنے رکے تھے۔اگر اجازت ہو تو اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر آگے چلے جائیں؟“۔

دوسرے ڈاکو نے زور سے قہقہہ لگا کر کہا۔

”کم بختو! ہم تمہیں کیسے اجازت دے سکتے ہیں کہ تم یہ گھوڑے اپنے ساتھ لے جاؤ؟ ہمیں ان گھوڑوں ہی کی تلاش تھی۔ہمیں گھوڑے مل گئے ہیں۔اب یہ گھوڑے ہمارے

ہیں۔تم یہاں سے دفع ہو جاؤ“۔

ناگ نے منت کرتے ہوئے کہا۔

”سرکار! ہم لوگ بڑے غریب ہیں۔ ہماری زندگی بھر کا سرمایہ یہ گھوڑے ہیں۔ اگر یہ گھوڑے ہم سے چھین لیے گئے تو ہم بے بس ہو جائیں گے۔ ہم آگے کوئی سفر نہ کر سکیں گے۔ اور اگر ہم نے سفر نہ جاری رکھا تو ہم بے بس ہو جائیں گے“۔

پہلے ڈاکو نے گرج کر کہا۔

”بکواس بن کرو۔ ہمیں تمہاری بے بسی سے کوئی واسطہ نہیں۔ سنو! ہم اس علاقے کے بہت بڑے ڈاکو رامو کے ساتھی ہیں۔ ہمارے گھوڑے دریا میں ڈوب کر مر گئے ہیں۔ ہم کو گھوڑوں کی تلاش تھی۔ تمہارے لیے یہی اچھا ہے کہ چپ

چاپ یہاں سے دوڑ جاؤ اور گھوڑے ہمارے حوالے کردو“۔

عنبر نے پوچھا۔ ”اور اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو پھر؟“۔

دوسرا ڈاکو زمین پر لات مار کر بولا۔

”تم میں یہ جرات کہ تم ہمارا حکم نہ مانو؟ ایسا تم خواب میں بھی نہ سوچنا۔ اگر تم نے انکار کیا تو پل کے اندر اندر تم دونوں کی لاشیں یہاں تڑپ رہی ہوں گی“۔

پھر عنبر نے ڈاکوؤں کی طرف دیکھ کر کہا۔

”اگر تم لوگوں کو اپنی جان پیاری ہے تو ہمیں پریشان نہ کرو۔ ہمیں اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر یہاں سے نکل جانے دو، کیونکہ تم ہمیں کچھ نہ کہہ سکو گے اور ہم تم دونوں کو ابھی موت کے گھاٹ اتار دیں گے“۔

عنبر کے منہ سے یہ لفظ نکلے ہی تھے کہ ایک ڈاکو نے تلوار کا
طاقتور ہاتھ عنبر کے بازو پر مارا۔ کسی ہاتھی کی ٹانگ پر اگر یہ
طاقتور تلوار کا ہاتھ پڑتا تو وہ بھی کٹ کر گر پڑتی مگر عنبر کے بازو کو
کچھ بھی نہ ہوا۔ وہ اسی طرح اس کے جسم کے ساتھ لگا رہا۔ ڈاکو
حیرت میں ڈوب گیا۔

اس نے سوچا کہ عنبر نے ضرور اپنے بازوؤں پر لوہے کا پترا
چڑھا رکھا ہے۔ اس نے دوسرا وار ٹانگوں پر کیا تو پھر اس پر کوئی
اثر نہ ہوا۔

ڈاکو بڑا پریشان ہوا۔ اس اثناء میں عنبر نے ناگ سے کہا۔

ناگ بھائی! لو ان لوگوں پر اب تم حملہ کرو"۔

ناگ جھاڑیوں کی اوٹ میں ہو گیا۔ اور ایک خوفناک قسم کا

شیر بن کر گرجتا، دھاڑتا ہوا جھاڑیوں سے باہر آ گیا۔ شیر کی
دھاڑ سن کر درختوں کے سارے پرندے شور مچاتے اتر گئے۔
ڈاکوؤں نے جو شیر کو سامنے دیکھا تو ان کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔
چہروں پر ہوائیاں اڑنا شروع ہو گئیں۔

رنگ زرد ہو گیا۔ شیر نے آگے بڑھ کر ایک ڈاکو پر زور سے
پنجہ مارا۔ وہ ڈاکو شیر کا طاقتور پنجہ کھا کر زمین پر گر پڑا۔ اس کا
ایک طرف کا جبڑا پودے کا پورا اڑ گیا تھا۔ ساتھ ہی ایک آنکھ
اور آدھی کھوپڑی بھی اڑ گئی تھی۔

دوسرے ڈاکو نے زمین پر گر کر سجدہ کر دیا۔

عنبر نے ناگ سے کہا۔

"اس پر رحم کرو ناگ! اس کو چھوڑ دو"۔

شیر جھاڑیوں میں واپس چلا گیا۔ یہاں ناگ پھر سے انسان کی شکل اختیار کر کے واپس آ گیا۔ ڈاکو کے اب ہوش ٹھکانے آ چکے تھے۔ عنبر نے اس سے پوچھا۔

”کیوں بھئی! اب بھی ہمارا گھوڑا چرا کر لے جاؤ گے!“

ڈاکو نے گڑگڑا کر کہا۔

”حضور آپ مائی باپ ہیں۔ ہم غلام ہیں آپ کے۔ مجھے معاف کر دو۔ میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں۔ مجھے معاف کر دو۔ مجھ سے بھول ہو گئی“۔

ناگ نے پوچھا۔

”یہ رامو ڈاکو کہاں ہوتا ہے؟“۔

ڈاکو بولا۔

”سرکار وہ اس جنگل کے پار ایک پرانے قلعے کے کھنڈر میں رہتا ہے۔ وہ ہمارا سردار ہے۔“

”کیا وہ اچھا آدمی ہے؟“

ڈاکو بولا۔

”حضور کیا عرض کروں۔ رامو ڈاکو بڑا ظالم شخص ہے۔ کسی پر رحم نہیں کرتا۔ اگر ہم ذرا اس کا حکم نہ مانیں تو کھڑے کی کھال نوچ لیتا ہے“۔

ناگ نے کہا۔

”اچھا اب تم اٹھو اور اپنا راستہ لو۔ ہاں یہ بتاؤ کہ پائلی پتر کو یہی راستہ جاتا ہے ناں؟“۔

”ہاں سرکار! یہی کچا راستہ اس جنگل سے ہو کر پائلی پتر کو

جاتا ہے مگر سرکار! پاگلی پتر تو یہاں سے بہت دور ہے"۔

"ٹھیک ہے ہم چلے جائیں گے۔ اب تم یہاں سے بھاگ جاؤ"۔

ڈاکو نے ہاتھ جوڑ کر سلام کیا اور وہاں سے بھاگ گیا۔ کچھ دیر آرام کرنے کے بعد ناگ اور عنبر بھی وہاں سے گھوڑوں پر سوار ہو کر آگے چل پڑے۔ شام تک وہ سفر کرتے رہے۔ جب اندھیرے میں راستہ تلاش کرنا مشکل ہو گیا تو عنبر نے کہا۔

"میرا خیال ہے ہمیں یہاں رات بھر کے لیے رک جانا چاہیے۔ اب اندھیرا زیادہ گہرا ہو گیا ہے"۔

ناگ بولا۔

"جیسے تمہاری مرضی بھائی!"

انہوں نے گھوڑوں کو درخت کے ساتھ باندھا اور کمبل زمین پر بچھا دیے۔ پھر انہوں نے جنگلی درختوں سے بچنے کے لیے آگ روشن کر لی۔

آگ کی وجہ سے درخت پر بیٹھے ہوئے سارے پرندے وہاں سے پھڑ پھڑ کرتے اڑ گئے۔ آدھی رات تک وہ باتیں کرتے رہے۔ پھر انہیں نیند آ گئی اور وہ سو گئے۔

ناگ گہری نیند سو گیا تھا مگر عنبر ابھی جاگ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ماریا خدا جانے کہاں ہو گی۔ کس حال میں ہو گی۔ اس کو یوں چھوڑ کر نہیں آنا چاہیے۔ انہیں اس کی تلاش کرنی چاہیے۔ نہ جانے بیچاری کسی بہت بڑی مصیبت میں ہی

گرفتار نہ ہوگئی ہو۔

لیکن پھر اس نے سوچا۔ انہوں نے تو اپنی طرف سے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ وہ تو دور دور تک جنگل میں اسے تلاش کرتے رہے تھے۔ انہوں نے جنگل کا کونہ کونہ چھان مارا تھا۔ اگر ماریا وہاں ہوتی تو انہیں ضرور مل جاتی۔ وہ ضرور کہیں دور نکل گئی ہے اور پائلی پترا اپنے آپ پہنچ جائے گی۔ پھر عنبر کو بھی سوچتے سوچتے نیند آ گئی۔

رات جنگل کی پراسرار اندھیری رات آہستہ آہستہ گزر رہی تھی۔ درختوں پر گہری خاموشی چھائی تھی۔ کسی وقت دور جھنڈوں سے کسی الو کے بولنے کی آواز آ جاتی تھی۔ آسمان پر ستارے چمک رہے تھے۔

اس گہری ڈراؤنی خاموش رات میں اچانک جھاڑیوں میں سے ایک ریچھ نکل کر باہر آ گیا۔ یہ کالا اور بہت اونچا لمبا ریچھ تھا۔ آگ بجھ چکی تھی۔ ریچھ نے قریب آ کر عنبر اور ناگ کو تھوتھنی سے سونگھنا شروع کر دیا۔

وہ دونوں بڑی گہری نیند سو رہے تھے اور ہلکے ہلکے خراٹے بھی لے رہے تھے۔

ریچھ نے ان کے گرد چکر لگانے شروع کر دیئے۔ پھر وہ عنبر کے پاس آ کر رک گیا۔ تھوتھنی جھکا کر عنبر کے سر کو سونگھا اور بڑے زور سے غصے میں آ کر عنبر کے سر پر اپنا مار دیا۔ عنبر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ کیا دیکھتا ہے کہ اندھیرے میں ریچھ کی خونی آنکھیں انگاروں کی طرح دہک رہی ہیں۔

رامو ڈاکو

عنبر مسکرا دیا۔

وہ سمجھ گیا کہ ریچھ نے اس پر حملہ کیا ہے۔ ریچھ نے دوسری بار حملہ کر کے اپنے پنجوں کے تیز ناخنوں سے عنبر کا پیٹ چاک کرنے کی کوشش کی مگر عنبر کے جسم پر ریچھ کے ناخنوں کا ذرا بھی اثر نہ ہوا۔

جیسے اس کا جسم پتھر کا بنا ہوا تھا۔ ریچھ زور سے گرجا۔ ناگ

کی بھی آنکھ کھل گئی۔ ناگ خوف سے پرے ہٹ گیا۔ عنبر نے کہا۔

"ناگ بھائی! اس سے بچنا۔ یہ تمہیں زخمی کر سکتا ہے۔ میں اس سے خود ہی نمٹ لوں گا"۔

ناگ تے عنبر کی طرف اپنا خنجر پھینک دیا۔ اب عنبر اور ریچھ گتھم گتھا ہو گئے۔ ریچھ بڑھ چڑھ کر حملے کر رہا تھا لیکن اس کے کسی حملے کا اثر نہیں ہو رہا تھا' دوسری طرف عنبر نے ریچھ پر خنجر چلانے شروع کر دیئے تھے۔ اور ریچھ کے جسم سے تیزی سے خون بہنے لگا تھا۔

ریچھ سخت زخمی ہو گیا تھا۔ اس نے غرا غرا کر سارے جنگل سر پر اٹھا لیا تھا۔ اسے اس بات پر بھی طیش آ رہا تھا کہ اس کا ہر

تم کو ضرور شدید زخمی کر دیتا''۔

ناگ نے کہا۔

''کم بخت آدھی رات کو حملے کرنے جانے کہاں سے آ گیا تھا''۔

''بھائی یہ جانور آدھی رات کو ہی جنگل میں اپنے شکار کی تلاش میں نکلتے ہیں اور یہ تو کوئی آدم خور ریچھ معلوم ہوتا ہے، ورنہ ریچھ عام طور پر کبھی سوئے ہوئے انسان پر حملہ نہیں کرتا''۔

پھر عنبر نے آسمان کی طرف دیکھا۔ درختوں کی گھنی شاخوں میں سے صبح کی ہلکی ہلکی روشنی آنے لگی تھی۔ اس نے ناگ سے کہا۔

تم کو ضرور شدید زخمی کر دیتا''۔

ناگ نے کہا۔

''کم بخت آدھی رات کو حملے کرنے جانے کہاں سے آ گیا تھا''۔

''بھائی یہ جانور آدھی رات کو ہی جنگل میں اپنے شکار کی تلاش میں نکلتے ہیں اور یہ تو کوئی آدم خور ریچھ معلوم ہوتا ہے، ورنہ ریچھ عام طور پر کبھی سوئے ہوئے انسان پر حملہ نہیں کرتا''۔

پھر عنبر نے آسمان کی طرف دیکھا۔ درختوں کی گھنی شاخوں میں سے صبح کی ہلکی ہلکی روشنی آنے لگی تھی۔ اس نے ناگ سے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ اب ہمیں سفر پر روانہ ہو جانا چاہیے۔
کوئی دم میں صبح ہونے ہی والی ہے"۔

انہوں نے اٹھ کر بستر باندھ کر گھوڑوں پر رکھے اور ان پر
سوار ہو کر اپنے سفر پر چل پڑے۔ اب ہم ان دونوں
بھائیوں ک واسی جگہ سفر میں چھوڑتے ہیں اور واپس ماریا کی
طرف آتے ہیں کہ وہ کس حال میں ہے؟

جیسا کہ پہلے ہم آپ کو بیان کر چکے ہیں کہ ماریا بھی
گھوڑے پر سوار جنگل میں اکیلی پاٹلی پتر کی طرف سفر کر رہی
تھی۔ وہ سفر کرتی کرتی ایک دریا پر پہنچی۔ دریا کو پار کرنے کے
بعد وہ دوسرے کنارے کے جنگل میں داخل ہو گئی۔

اب اس ڈاکو کا حال بھی سنو جس کے ساتھی کو عنبر نے ہلاک

کر دیا تھا۔ وہ جنگل میں جان بچا کر بھاگتا ہوا دریا پار کے
پرانے قلعے میں آ گیا۔ یہ جگہ ظالم راموڈاکو کا خفیہ ٹھکانہ ہے۔
جس ڈاکو کو عنبر اور ناگ نے قتل کیا تھا وہ راموڈاکو کا بھائی تھا۔
یہ بات عنبر اور ناگ کو معلوم نہیں تھی۔

ڈاکو نے بھی ان کو نہیں بتایا تھا۔ وہ سیدھا راموڈاکو کی غار
میں جا پہنچا۔ راموڈاکو اس وقت اپنے ساتھیوں کے پاس
زمین پر بیٹھا ایک چھوٹی سی ریاست میں ڈاکا ڈالنے کی سازش
کر رہا تھا۔

ڈاکو نے اندر جاتے ہی زمین پر گر کر سجدہ کیا اور دہائی دی۔
"سرکار! جنگل میں دو آدمیوں نے آپ کے بھائی کو قتل کر
دیا ہے"۔

رامو یہ سن کر غصے میں آگ بگولا ہو گیا۔

"کون ہے وہ شخص جس کو اتنی جرات ہوئی کہ میرے بھائی کو قتل کر دے؟"۔

ڈاکو نے کہا۔

"حضور! وہ دو آدمی تھے۔ انہوں نے مجھے بھی درخت کے ساتھ باندھ ڈالا تھا۔ وہ مجھے بھی قتل کرنے والے تھے کہ میں بڑی مشکل سے اپنی جان بچا کر نہ بھاگ سکا۔ وہ ان ظالموں کے ہتھے چڑھ گیا"۔

رامو ڈاکو نے گرجدار آواز میں کہا۔

چلو میرے ساتھ میں اپنے بھائی کا انتقام لوں گا"۔

رامو ڈاکو نے اس ڈاکو کو بھی دوسرے ڈاکوؤں کے ساتھ لیا

اور گھوڑوں پر سوار ہو کر جنگل میں عنبر اور ناگ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔

اس وقت عنبر اور ناگ دریا پار کر کے ایک چٹانوں کی وادی میں داخل ہو چکے تھے۔ یہاں بڑی بڑی سیاہ چٹانیں زمین سے سر نکالے کھڑی تھیں۔ ان کے آس پاس خشک جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔

رامو ڈاکو اپنے چار پانچ ساتھیوں کے ہمراہ گھوڑے پر سوار مار و مار کرتا عنبر اور ناگ کا پیچھا کر رہا تھا۔ اسے یہ تو معلوم ہو چکا تھا کہ دونوں مسافر پاٹلی پتر شہر کو جانے والی سڑک پر سفر کر رہے ہیں۔ پھر وہ ڈاکو بھی ساتھ تھا جو رامو کے بھائی کے قاتلوں یعنی عنبر اور ناگ کو پہچان سکتا تھا۔ راستے میں رات ہو

گئی۔ راموڈا کو نے کہا۔

''ہم اس جگہ رات قیام کریں گے اور صبح قاتلوں کی تلاش میں نکلیں گے''

سارے ڈاکو اسی جگہ رک گئے۔

دوسری طرف سے ماریا بھی اسی سڑک یعنی پائلی پتر کو جانے والے راستے پر سفر کرتی چلی آ رہی تھی۔ وہ جلد سے جلد پائلی پتر پہنچنا چاہتی تھی۔ جس کی وجہ سے وہ راتوں کو بھی سفر کر رہی تھی۔

دن میں کسی وقت وہ کسی جگہ ذرا سا آرام کر لیتی اور گھوڑے کو دانہ پانی کھلانے کے بعد پرانے سفر پر چل پڑتی۔ وہ جنگل میں آدھی رات کو چلی آ رہی تھی کہ اس نے دور سے

درختوں کے نیچے سے آگ روشن دیکھی۔

''اس جگہ جنگل میں آگ کس نے روشن کر رکھی ہے''۔

وہ سوچنے لگی۔ شاید کوئی قافلہ اترا ہوا ہے۔ یہ خیال کر کے وہ آگ کے الاؤ کی طرف آ گئی۔ قریب آ کر اس نے دیکھا کہ آگ درختوں کے نیچے جل رہی ہے آگ کے اردگرد کچھ لوگ بیٹھے ہیں ہیں جن کی شکلیں ڈاکوؤں جیسی ہیں۔

ہر ایک ڈاکو کی کمر کے ساتھ تلوار لٹک رہی ہے۔ دو چار ڈاکو گھاس پر سو رہے ہیں۔ ایک ڈاکو کی شکل بڑی خوفناک ہے۔

ماریا نے سوچا کہ یہ ضرور ان کا سردار ہو گا۔ یہ لوگ باتیں کر رہے تھے۔ ماریا قریب جا کر ان کی باتیں غور سے سننے لگی۔ سردار یعنی راموڈا کو کہہ رہا تھا۔

”میں اپنے بھائی کے خون کا بدلہ ضرور لوں گا میں اس کی موت کو کبھی نہیں بھول سکتا۔ اگر مجھے میرے بھائی کے قاتل نہ ملے تو میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا“۔

وہ ڈاکو بولا۔

”سرکار! میں بے قصور ہوں“۔

رامو ڈاکو چلایا۔

”تم نے ان لوگوں کا مقابلہ کیوں نہیں کیا؟“۔

ڈاکو بولا۔

”سرکار! وہ دونوں کوئی بہت بڑی طاقت والے نظر آ رہے تھے۔ وہ تو کوئی دیوتا لوگ معلوم ہو رہے تھے۔ ہمارے وار کا ان پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا“۔

اس بات پر ماریا کا ماتھا ٹھنکا۔ یہ ڈاکو لوگ تو عنبر اور ناگ کے بارے میں باتیں کر رہے تھے، کیونکہ وہی دونوں ایسے شخص تھے جن پر کسی کے وار کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا اور جو دیوتا معلوم ہوتے تھے، کیونکہ ان میں پراسرار طاقتیں تھیں۔ ایسی طاقتیں جو عام انسانوں میں نہیں ہوتیں۔ ماریا بڑی دلچسپی اور غور سے ان کی باتیں سننے لگی۔

رامو کہہ رہا تھا۔

”جب اس شخص نے میرے بھائی پر حملہ کیا تو تم نے اس کی گردن کیوں نہیں اڑائی تھی؟“۔

ڈاکو ہاتھ جوڑ کر بولا۔

”حضور! وہ تو کوئی دیوتا لگ رہا تھا۔ اس کے جسم سے

آگ کے شعلے نکل رہے تھے"۔

راموڈاکو نے گرج کر کہا۔

"بکواس بند کرو۔ میں دیکھ لوں گا، وہ کہاں کا دیوتا ہے اور کہاں کا طاقتور ہے۔ ایک ہی جھٹکے میں اسے موت کی نیند نہ سلا دیا تو راموڈاکو نام نہیں ہے۔ کیا وہ نہیں جانتا تھا کہ تم راموڈاکو کے آدمی ہو جس کے نام سے اس ریاست کا بچہ بچہ ڈرتا ہے؟"۔

ڈاکو نے کہا۔

"سرکار! میں نے اسے کہا تھا۔ مگر وہ کہنے لگا کہ میں نہیں جانتا راموڈاکو کون ہے"۔

راموبھڑک اٹھا۔

"اس کی یہ مجال! اس کی یہ ہمت؟ کوئی بات نہیں۔ میں اسے ایسا سبق سکھاؤں گا کہ اس کی آنے والی نسلیں بھی راموڈاکو کے نام کو نہ بھلا سکیں گی۔"

ماریا نے فیصلہ کر لیا کہ ان ڈاکوؤں کے ساتھ چلنا چاہیے، کیونکہ یہ لوگ عنبر اور ناگ کی تلاش میں جا رہے تھے۔ عنبر اور ناگ سے ان کا ایک آدمی ہلاک ہو گیا تھا اور یہ اس کا بدلہ لینا چاہتے تھے۔

ڈاکو بھی سونے کی تیاریاں کرنے لگے۔ ماریا نے بھی دور جا کر گھوڑے کو ایک درخت کے ساتھ باندھا اور زمین پر کمبل بچھا کر سو گئی۔

ساری رات ماریا کو کوئی ہوش نہ رہا۔ وہ بے حد تھکی ہوئی

تھی۔ایک پوری رات اس نے سفر میں بالکل آرام نہیں کیا تھا جونہی اس کی آنکھ لگی تو جا کر اس وقت کھلی جب سورج آسمان کے درمیان میں آچکا تھا۔

یعنی آدھا دن گزر چکا تھا۔ ماریا ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔اس نے جلدی سے اس طرف دیکھا جدھر ڈاکو سو رہے تھے مگر وہاں تو اب سوائے بجھی ہوئی آگ کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔

ڈاکو صبح صبح ہی عنبر اور ناگ کی تلاش میں وہاں سے روانہ ہو چکے تھے۔ماریا کو بڑا افسوس ہوا کہ محض اس کی سستی کی وجہ سے وہ ڈاکوؤں سے پیچھے رہ گئی، لیکن اس نے ہمت نہ ہاری اور وہ اٹھ کر گھوڑے پر سوار ہوئی اور اسے لے کر پائلی پتر جانے والی سڑک پر ڈاکوؤں کے پیچھے چل پڑی۔

ناگ اور عنبر آگے آگے جا رہے تھے۔ان کے پیچھے پیچھے راموڈاکوان کا تعاقب کر رہا تھا۔ان کے پیچھے ماریا گھوڑے پر سوار چلی آرہی تھی۔

ان کے درمیان کافی فاصلہ تھا مگر سڑک دونوں کی ایک ہی تھی۔صرف ڈاکو تیزی سے سفر کر رہے تھے۔ان کے اور عنبر ناگ کے درمیان فاصلہ کم ہوتا جا رہا تھا۔رات پھر سر پر آگئی تھی۔عنبر اور ناگ چلتے چلتے ایک اور دریا کے کنارے پہنچ گئے۔

یہ دریا جنگل کے پہاڑی علاقے میں بہہ رہا تھا۔یہ زیادہ چوڑا دریا نہیں تھا مگر اس میں پانی بڑی تیزی سے بہہ رہا تھا۔ اس کے کنارے پتھریلے تھے اور اونچے تھے۔ناگ نے نیچے

جھانک کر کہا۔

''اس دریا کا پانی سیاہ معلوم ہوتا ہے''۔

عنبر نے کہا۔

''بھائی شام کے وقت سارے دریاؤں کے پانی ایسے ہی لگتے ہیں، ویسے یہ دریا خوفناک ضرور ہے، اگر اس میں آدمی گر جائے تو ایک پل میں پانی اسے بہا کر سمندر کی طرف لے جائے''۔

ناگ بولا۔

''یہ تو بالکل ٹھیک ہے مگر میرا خیال ہے کہ ہمیں دریا کے کنارے، ایسی جگہ رات بسر کرنی چاہیے۔ اس سے اچھی جگہ میرے خیال میں ہمیں آگے نہیں ملے گی''۔

''تو پھر اترو گھوڑوں سے اور بچھاؤ اپنے بستر''۔

دونوں گھوڑوں پر سے نیچے اتر آئے۔ انہوں نے آگ جلا کر زمین پر کمبل بچھا دیئے۔ عنبر نے تھیلے میں سے خشک مچھلی نکال کر اسے گرم کیا اور نمک لگا کر خود بھی کھائی اور ناگ کو بھی پیش کیا۔ ناگ مچھلی کھاتے کھاتے ہنس پڑا۔ بولا۔

''عنبر بھائی! آج مچھلی کھاتے کھاتے مجھے بارہ روز ہو گئے ہیں۔ کم بخت کہیں سے مرغ یا بطخ کا گوشت کھانا نصیب نہیں ہوا''۔

عنبر نے کہا۔

''بھائی اس میں کونسی مشکل بات تھی۔ تم پہلے کہتے۔ ہم جنگل میں ذرا اندر جا کر جنگلی ہرن کا شکار کر لاتے''۔

"چلو کل سہی۔کل ضرور ہرن کا شکار کھائیں گے"۔

ابھی وہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ فضا میں ایک قہقہہ گونجا۔

"ہاہاہا۔ بدنصیب انسانو! اب تم ہرن کا شکار کبھی نہ کر سکو گے۔ ہرن سے پہلے تو میرے شکار ہو چکے ہو۔ میں تمہیں اسی جگہ،اسی وقت ہرن کی طرح ذبح کر دوں گا"۔

عنبر اور ناگ نے چونک کر دیکھا۔سامنے راموڈاکو اپنے خونخوار ساتھیوں کے ہمراہ کھڑا ان دونوں کو خونی آنکھوں سے گھور رہا تھا۔عنبر نے کہا۔

"ہم سے تمہاری کوئی دشمنی نہیں ہے۔ پھر تم ایسی باتیں ہمارے ساتھ کیوں کر رہے ہو؟"۔

راموڈاکو نے چیخ کر کہا۔

"تم کہتے ہو کہ میرے ساتھ تمہاری کوئی دشمنی نہیں ہے؟ تم۔ جو میرے بھائی کالو کے قاتل ہو جس نے جنگل میں میرے بھائی کو شیر سے ہلاک کروا دیا۔خبردار! یہاں سے ایک قدم ہلنے کی کوشش نہ کرنا۔نہیں تو میں وقت سے پہلے تمہارا کام تمام کر دوں گا"۔

راموڈاکو نے اسی ڈاکو کو سامنے کر کے کہا۔

"پہچانو! کیا یہ وہی قاتل نہیں ہیں؟"

ڈاکو نے کہا۔

"وہی ہیں حضور! انہوں نے اپنے پالتو شیر کو حکم دے کر بے چارے کالو کو مروا دیا تھا"۔

اب عنبر سمجھ گیا کہ یہ معاملہ کیا ہے۔پھر بھی وہ لڑائی نہیں کرنا

چاہتا تھا۔اس نے راموکی طرف دیکھ کر کہا۔

''تم میری بات کو غور سے سنو۔تمہارا بھائی اور یہ آدمی رات کو ہمارے گھوڑے چرانے آئے تھے کہ جھاڑیوں میں سے شیر نکل آیا اور تمہاری بھائی کو ہڑپ کر گیا۔اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں ہے۔ہم سے تمہاری دشمنی بیکار ہے''۔

راموڈاکو چلایا۔

''میں سب جانتا ہوں۔وہ شیر تمہارا ہی یہ ساتھی تھا۔جس نے شیر کی کھال پہن کر میرے بھائی پر حملہ کر دیا تھا۔تم لوگ اب میرے انتقام کی آگ سے نہ بچ سکو گے۔میں تم سے اپنے بھائی کے خون کا بدلہ لوں گا''۔

پھر راموڈاکو نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

''ان دونوں کو زنجیروں میں جکڑ دو''۔

اس سے پہلے کہ عنبر اور ناگ اپنا بچاؤ کر سکتے ،سارے کے سارے ڈاکو ان پر ٹوٹ پڑے اور دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے عنبر اور ناگ کے ہاتھ پاؤں زنجیروں سے جکڑ کر رکھ دیے۔ ناگ حملہ کرنے کا خیال کر ہی رہا تھا کہ عنبر نے اشارے سے اسے منع کر دیا، کیونکہ ڈاکوؤں کی تعداد زیادہ تھی۔

اسے معلوم تھا کہ اگر ناگ نے سانپ یا شیر کا روپ بدلا تو ایک دو ڈاکو تو ضرور مر جائیں گے لیکن پھر ناگ کو بھی وہ سارے کے سارے مل کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے۔عنبر تو موت سے اپنا دامن بچا سکتا تھا لیکن ناگ ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ زیادہ لوگوں میں اس کی جان ہمیشہ خطرے میں پڑ سکتی

تھی۔ اس سے پہلے وہ ایک بار زیادہ لوگوں میں پھنس کر ٹکڑے
ٹکڑے ہو چکا تھا اور بے چارہ عنبر ایک برس تک ان ٹکڑوں کو
مکڑی کے بکس میں ڈال کر پھرتا رہا تھا۔

ناگ نے عنبر کا اشارہ پا کر حملہ کرنے کا خیال چھوڑ دیا۔ عنبر
بھی مقابلہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ایسی صورت میں پھر وہی بات
تھی کہ ناگ کی زندگی خطرے میں پڑ سکتی تھی۔

اس نے سوچا کہ وقت کا انتظار کرنا چاہیے ڈاکوؤں کے
ساتھ گرفتار ہو کر چلے چلنا چاہیے۔ ہاں اگر انہوں نے اسی جگہ
اس وقت ان دونوں کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو پھر عنبر ان پر حملہ
کر دے گا۔ یہ بات عنبر نے دل میں طے کر رکھی تھی۔

مگر رامو ڈاکو نے ایسا نہ کیا۔ اس نے اپنے بھائی کے

قاتلوں کو اپنے ڈیرے پر لے جا کر اذیتیں دے دے کر ہلاک
کرنے کا فیصلہ کیا اور دونوں کو زنجیروں میں جکڑ کر گھوڑوں پر
ڈال دیا۔

پھر وہ انہیں لے کر واپس اپنے پرانے قلعے کی خفیہ کمین گاہ
کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ بھی ایک اتفاق تھا کہ جس سڑک پر
یہ ڈاکو لوگ عنبر اور ناگ کو گرفتار کر کے لے جا رہے تھے اسی
سڑک پر ماریا ان کی تلاش میں چلی آ رہی تھی لیکن ڈاکوؤں کے
گھوڑے زیادہ تیز رفتار تھے۔ وہ کچھ دیر پہلے اپنے قلعے کی
طرف جنگل میں گھوم گئے۔ جب ماریا وہاں سے گزرنے لگی تو
ڈاکو وہاں سے موڑ گھوم چکے تھے۔

پراسرار قلعہ

ماریا جنگل میں آگے نکل آئی۔

اچانک ایک جگہ رک کر اس نے دیکھا کہ کچے راستے پر ڈاکوؤں کے گھوڑوں کے نشان نہیں ہیں۔ اسے محسوس ہوا کہ یا تو وہ راستہ بھول گئی ہے اور یا ڈاکو اسے جل دے کر کسی دوسری طرف کو نکل گئے ہیں۔ اس لیے اس نے گھوڑے کو واپس موڑ دیا۔

وہ اس جگہ پر آ گئی جہاں سے ڈاکوؤں کے گھوڑوں کے نشان بائیں جانب ایک گھاٹی کی طرف مڑ گئے تھے۔ ماریا بھی ان نشانوں کے ساتھ ساتھ گھاٹی کے اندر داخل ہو گئی۔ یہ گھاٹی ایک تنگ درے کی شکل میں دائیں بائیں گھومتی چلی گئی تھی۔

ماریا گھوڑے کو قدم قدم چلاتی آگے بڑھ رہی تھی۔

اس نے جھک کر زمین پر دیکھا۔ گھوڑوں کے نشان برابر آگے بڑھ رہے تھے۔ ماریا کا حوصلہ بڑھ گیا، وہ ٹھیک راستے پر جا رہی تھی۔ یہاں سیاہ چٹانیں چاروں طرف پھیلی ہوئی تھیں۔ زمین پتھریلی شروع ہو گئی تھی اور کانٹے دار جھاڑیوں نے آگے بڑھ کر راستے کو مشکل بنا دیا تھا۔

ماریا کا گھوڑا آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ اب شام ہونے لگی

تھی۔ دن ڈوب رہا تھا۔ سیاہ چٹانوں پر سورج کی روشنی مدھم ہونے لگی تھی۔ درختوں کے سایوں میں اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ ماریا کے لیے اب گھوڑوں کے قدموں کے نشان تلاش کرنا مشکل ہو گیا تھا، کیونکہ ایک تو زمین پتھریلی تھی جس پر گھوڑوں کے سموں کے نشان نہیں پڑتے تھے۔ دوسرے اندھیرا بڑھ رہا تھا۔

ماریا گھوڑے سے اتر پڑی۔ اس نے جھک کر زمین پر دیکھا۔ گھوڑوں کے نشان کہیں بھی نہیں تھے۔ وہ کچھ پریشان سی ہو گئی۔ وہ سیاہ چٹانوں اور چھتری نما گھنے درختوں میں گھری ہوئی تھی۔ سوچنے لگی کہ اب کیا کرے؟ آگے بڑھے تو کس طرف کو بڑھے؟ اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو کیا وہ اسی جنگل

میں رات بسر کرے؟ رات بسر کرنے کا مطلب یہ تھا کہ ڈاکو بہت آگے نکل جائیں گے، جبکہ ماریا چاہتی تھی کہ وہ جلدی سے جلدی ان کا پیچھا کر کے عنبر اور ناگ کے پاس پہنچ جائے۔ اس لیے کہ یہ ڈاکو عنبر اور ناگ کی طرف ہی جا رہے تھے۔

آخر اس نے آگے بڑھنے کا فیصلہ کیا۔ ظاہر ہے ڈاکو اسی جنگل میں داخل ہوئے تھے۔ وہ کہیں اور نہیں جا سکتے تھے۔

ماریا نے گھوڑے کی باگ ہاتھ میں تھامی اور قدم قدم چلنے لگی۔ زمین پر گھوڑوں کے نشان کہیں دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

اب اندھیرا بڑھ گیا تھا۔ ماریا چٹانوں کے پاس آکر ٹھہر گئی۔ اس کے لیے راستہ تلاش کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ وہ ضرور

آگے بڑھتی اگر اسے ڈاکوؤں کا ذرا سا بھی سراغ مل جاتا۔

اس نے گھوڑے کو ایک درخت سے باندھا اور پتھروں پر بیٹھ کر سوچنے لگی کہ اب کیا کرے۔

"میرا خیال ہے کہ یہاں رات بسر کرنے کے بعد صبح کو ڈاکوؤں کی تلاش کی جائے"۔

چنانچہ ماریا نے زمین پر کمبل بچھایا اور لیٹ گئی۔

اب ذرا عنبر اور ناگ کی طرف چلتے ہیں۔ ڈاکوؤں نے ان دونوں بھائیوں کو زنجیروں میں جکڑ کر گھوڑے پر ڈال رکھا تھا۔ اور اسے اپنی قلعے والی غار کی طرف لیے جا رہے تھے۔ شام ہونے سے پہلے وہ جنگل میں چھتری نما درختوں اور سیاہ چٹانوں میں گھرے ہوئے ایک پرانے قلعے کے کھنڈر میں پہنچ

گئے۔

اس کھنڈر میں ایک غار تھا۔ اس غار کے اندر ڈاکوؤں نے اپنا خفیہ ٹھکانہ بنا رکھا تھا۔ جہاں وہ لوٹ مار کے بعد آ کر چھپ جاتے تھے۔ غار کے اندر آ کر ڈاکوؤں نے عنبر اور ناگ کو گھوڑوں پر سے اتار کر ایک پتھر کے ستون کے ساتھ باندھ دیا۔

"یہاں سے تم کبھی فرار نہ ہو سکو گے۔ سنا تم نے!" اس کی کوشش بھی نہ کرنا۔ تمہاری قسمت میں اب سوائے موت کے اور کچھ نہیں ہے۔

عنبر اور ناگ نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور خاموش رہے۔ وہ قریب قریب ایک ہی ستون کے ساتھ لوہے کی

زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ غار میں اندھیرا تھا۔ ڈاکوؤں نے مشعل جلا دی۔ مشعل کی روشنی ہوگئی۔ اس روشنی میں عنبر اور ناگ نے دیکھا کہ غار میں اندر کی طرف بھی راستہ جاتا تھا۔ ڈاکو اس طرف چلے گئے تھے۔ صرف ایک ڈاکو تلوار لیے پرے بیٹھا پہرہ دے رہا تھا۔

سردار بھی اندر چلا گیا تھا جہاں لوٹ کا مال جمع کر رکھا تھا۔ رات کو عنبر اور ناگ کو کھانا دیا گیا تو سردار خود وہاں آیا۔ اس نے دونوں بھائیوں سے کہا۔

''یقین کرو، یہ تم لوگوں کا آخری کھانا ہوگا۔ صبح منہ اندھیرے سورج نکلنے سے پہلے تم دونوں کی کھال کھینچ دی جائے گی۔ تم دونوں نے مل کر میرے پیارے بھائی کا خون کیا

ہے۔ میں تم سے اپنے بھائی کے خون کا بدلہ لوں گا''۔

عنبر نے کہا۔

''تمہارے بھائی نے بھی کئی لوگوں کا خون کیا ہے۔ تم یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ ہم نے تمہارے بھائی سے اپنے بے گناہ بھائیوں کے خون کا بدلہ لیا ہے''۔

سردار نے قہقہہ مار کر کہا۔

''تم بھولتے ہو کہ ہم ڈاکو ہیں۔ ہمارا کام ہی لوگوں کو لوٹنا اور قتل کرنا ہے۔ ہم دوسروں سے اپنے خون کا بدلہ لے سکتے ہیں۔ دوسرا ہم سے بدلہ نہیں لے سکتا۔ یہ تو ہمارا کاروبار ہے''۔

ناگ بولا۔

"تمہارا کاروبار خونی ہے۔ خدا کے سامنے تم بھی خونی ہو۔ تم سے بھی تمہارے مظالم کا پورا پورا حساب لیا جائے گا۔"

سردار نے ناگ کے سر پر زور سے طمانچہ مار کر کہا۔

"اگر تم نے زیادہ بکواس کی تو میں ابھی تمہاری زبان کھینچ لوں گا۔ میں نے تمہیں اس لیے گرفتار نہیں کیا کہ تم سے بحث کروں بلکہ اس لیے گرفتار کیا ہے کہ اپنے بھائی کے خون کا انتقام لوں"۔

عنبر اور ناگ نے تھوڑا سا دودھ پیا۔ سردار نے نوکر ڈاکو سے کہا۔

"ان لوگوں کے دونوں ہاتھ دوبارہ زنجیروں میں جکڑ دو"۔ نوکر نے عنبر اور ناگ کے دونوں ہاتھ جکڑ دیئے۔ سردار

نے پوچھا۔

"اب وہ تمہارا شیر کہاں ہے جس کو تم نے بلایا تھا؟ آواز دو اس کو کہ یہاں آ کر تمہاری مدد کرے"۔

ناگ نے مسکرا کر کہا۔

"سردار! ایسا نہ کہو۔ اگر شیر آ گیا تو تم میں سے ایک بھی زندہ نہیں بچ سکے گا"۔

سردار نے بھڑک کر کہا۔

"دیکھ لوں گا تمہیں اور تمہارے شیر کو۔ کل صبح تمہاری لاشیں غار کے باہر پڑی ہوں گی اور تمہاری کھال میں بھس بھر گیا ہو گا۔ تمہیں دنیا کی کوئی طاقت میرے انتقام سے نہیں بچا سکتی۔ موت تمہارا مقدر بن چکی ہے"۔

عنبر نے کہا۔

سردار! میں ایک بار پھر تم سے درخواست کروں گا کہ ہمیں چھوڑ دیا جائے، کیونکہ ہم بے گناہ ہیں۔ اگر تمہارے بھائی ہمارے گھوڑے چرانے کے لئے آگے نہ بڑھتا تو ہم اسے کوئی نقصان نہ پہنچاتے، لیکن اس نے ہم پر حملہ کیا تھا۔ وہ ہمیں قتل کر دینا چاہتا تھا۔

اگر ہم اسے قتل نہ کرتے تو وہ ہمیں قتل کر دیتا۔ پھر شیر پر ہمارا اختیار نہیں تھا۔ شیر تو جنگل میں سے نکل کر ادھر آ گیا تھا۔

سردار بولا۔

’’ٹھیک ہے۔ اب تم بھی مان گئے ہو کہ قتل تم نے کیا ہے اور شیر کی کھال میں تمہارا ساتھی تھا جس نے شیر کی کھال اوڑھ

کر میرے بھائی کو خنجر مار کر ہلاک کر دیا تھا۔ اب میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔ کبھی معاف نہیں کروں گا۔ کبھی نہیں چھوڑوں گا۔ میں جا رہا ہوں۔ صبح سورج نکلنے سے پہلے خنجر اور چھری لے کر آؤں گا اور سب لوگوں کے سامنے تمہارے جسم کی ساری کھال اتار کر تمہاری لاشیں گدھوں کے لیے باہر پھینک دوں گا‘‘۔

یہ کہہ کر سردار چلا گیا۔

عنبر نے ناگ کی طرف اور ناگ نے عنبر کی طرف دیکھا۔

تھوڑے فاصلے پر دیوار کے ساتھ لگے وہ ڈاکو ننگی تلواریں لیے پہرہ دے رہے تھے۔ عنبر نے ناگ سے کہا۔

’’ناگ! یہ سردار مانتا ہی نہیں۔ سیدھی انگلی سے گھی نہیں

نکلے گا۔ اسے کچھ نہ کچھ دکھانا ہی پڑے گا۔ اس کے ساتھ
مقابلہ کرنا ہی پڑے گا“۔

ناگ نے کہا۔

سوال یہ ہے کہ اتنے سارے ڈاکوؤں کا ہم کس طرح
مقابلہ کریں گے۔ کہیں یہ لوگ مجھ پر قابو حاصل نہ کرلیں اور
مجھے قتل نہ کردیں۔ دوسری بار اگر میرے ٹکڑے کیے گئے تو میں
زندہ نہ رہ سکوں گا۔

میرے لیے دوبارہ زندگی حاصل کرنا مشکل ہو جائے گا،
کیونکہ جیسا کہ تم جانتے ہو اس سے پہلے میں مرکر زندہ ہو چکا
ہوں۔

عنبر نے کہا۔

”ہمیں بڑی ہوشیاری اور مکاری سے کام لینا ہوگا۔ نہیں تو
کل صبح یہ کم از کم تمہیں ضرور ہلاک کردیں گے“۔

ناگ نے کہا۔

”اگر میں کوئی دوسرا روپ بدل کر یہاں سے نکل بھی
جاؤں تو یہ لوگ میرا تعاقب کریں گے۔ کیونکہ تعداد میں یہ
لوگ بہت ہیں۔ ان سے بچ کر نکلنے کے لیے بڑی عقلمندی کی
ضرورت ہے“۔

عنبر بولا۔

”یہی تو میں بھی کہہ رہا ہوں۔ میرا خیال ہے، سب سے
بہتر طریقہ یہ ہے کہ ہم آدھی رات کے بعد، پچھلے پہر جب
سارے ڈاکو گہری نیند سو رہے ہوں گے، ہم یہاں سے بھاگ

جائیں۔ان دو پہرے داروں کو تم سنبھال لو گے"۔

ناگ نے کہا۔

"کیوں نہیں۔ یہ دونوں تو میرے قابو میں آ جائیں گے"۔

عنبر نے کہا۔

"تو پھر ٹھیک ہے۔ہمیں رات گہری ہونے اور ڈاکوؤں کے سو جانے کا انتظار کرنا چاہیے"۔

غار میں عنبر اور ناگ ڈاکوؤں کے سو جانے کا انتظار کر رہے تھے۔ اور ادھر ماریا جنگل میں پتھروں پر لیٹی بے چین ہو رہی تھی۔ اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ اس نے سوچا کہ اس طرح سونے سے کچھ نہیں ہو گا۔

بہتر یہی ہے کہ چل کر ڈاکوؤں کی کمین گاہ یعنی غار کو تلاش کیا جائے وہ لوگ ضرور یہیں کہیں چھپے ہوئے ہوں گے۔ ماریا نے کمبل لپیٹ کر گھوڑے پر ڈالا اور چل پڑی۔

اس رات چاند آسمان پر نکل آیا۔

چاند نکلتے ہی چاروں طرف ہلکی ہلکی روشنی سی پھیلی اور ہر شے نظر آنے لگی۔اب ماریا کو چلنے اور راستہ تلاش کرنے میں آسانی ہو رہی تھی۔ وہ چٹانوں میں سے نکل کر ایک ندی کے کنارے آ گئی۔

یہاں اس نے گھوڑے کو پانی پلایا۔خود بھی پانی پیا اور ندی میں سے گزر کر آگے آئی تو اچانک اس کی نظر درختوں میں سے ایک پرانے قلعے کے کھنڈر پر پڑی۔ یہی وہ کھنڈر تھا جہاں

عنبر اور ناگ قید تھے۔ ماریا اس کھنڈر کی طرف بڑھنے لگی۔

اس کا خیال تھا کہ ہوسکتا ہے، ڈاکو اسی جگہ چھپے ہوں کیونکہ اس زمانے میں ڈاکو ایسی ہی غیر آباد جگہوں کو اپنا ٹھکانہ بنایا کرتے تھے۔ وہ درختوں کے جھنڈوں میں سے گزرتی پرانے قلعے کے کھنڈر پر پڑی۔ یہی وہ کھنڈر تھا جہاں عنبر اور ناگ قید تھے۔ ماریا اس کھنڈر کی طرف بڑھنے لگی۔

اس کا خیال تھا کہ ہوسکتا ہے، ڈاکو اسی جگہ چھپے ہوں کیونکہ اس زمانے میں ڈاکو ایسی ہی غیر آباد جگہوں کو اپنا ٹھکانہ بنایا کرتے تھے۔ وہ درختوں کے جھنڈوں میں سے گزرتی پرانے قلعے کے ٹوٹے پھوٹے گرے ہوئے دروازے پر آ کر کھڑی ہوگئی۔

وہ گھوڑے پر سوار تھی اور اس وجہ سے کسی کو دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ اس نے اچانک دو آدمیوں کی باتیں کرنے کی آواز سنی۔ وہ ایک طرف ہٹ گئی۔ آواز اس کے قریب آئی تو دو ڈاکو درختوں سے باہر نکلے۔

یہ دونوں ڈاکو غار کے دروازے پر رات کا پہرہ دے رہے تھے۔ وہ ہنس ہنس کر باتیں بھی کر رہے تھے۔ ماریا کے قریب سے گزرتے ہوئے ایک ڈاکو نے دوسرے سے کہا۔

"یار جابر ابھی بڑا ضدی ہے۔ ان لوگوں کا قتل نہیں کرنا چاہیے۔ کالو نے بتایا تھا کہ ان دونوں کے پاس بڑی طاقت ہے اور یہ لوگ شیر بن جاتے ہیں۔"

دوسرا ڈاکو ہنس کر کہنے لگا۔

"یار! کالو کے ساتھ معلوم ہوتا ہے تمہارا بھی دماغ خراب ہو گیا ہے۔ ارے عقل کے اندھے بھلا کوئی انسان شیر بن سکتا ہے؟ یہ تو کالو کے دماغ کا فتور تھا۔ جس شیر نے سردار کے بھائی کو ہڑپ کیا وہ جنگل کا اصلی شیر تھا۔ اس جنگل میں تو اکثر شیر آدمیوں کو ہڑپ کرتے ہی رہتے ہیں"۔

پہلا ڈاکو کہنے لگا۔

"یار! مجھے یقین نہیں آتا"۔

"کیا یقین نہیں آتا؟"۔

"یہی کہ وہ شیر اصلی تھا۔ میں تو کہتا ہوں کہ سردار کو چاہیے کہ اپنے بھائی کے خون کا بدلہ ان لوگوں سے لے۔ انہوں نے اس کے بھائی کو نہیں مارا۔ اگر اصلی شیر نے اسے ہڑپ کیا ہے

تو پھر ان سے بدلہ لینے کی کیا ضرورت ہے؟ میں سچ کہتا ہوں، تم دیکھ لینا؟ ہم پر کوئی نہ کوئی مصیبت ضرور آ جائے گی"۔

دوسرے ڈاکو نے کہا۔

"تم بزدل ہو جو ایسی باتیں کرتے ہو۔ تمہیں راموڈاکو کی طرح بہادر بننا چاہیے۔ آج صبح تم دیکھ لینا۔ ان دونوں کی کھال کھینچ دی جائے گی اور کچھ بھی نہیں ہوگا"۔

دونوں ڈاکو باتیں کرتے ہوئے آگے نکل گئے۔ ماریا کا ماتھا ٹھنکا۔ وہ سمجھ گئی۔ عنبر اور ناگ اسی غار میں کسی جگہ قید ہیں اور راموڈاکو ان دونوں کو آج صبح قتل کرنے والا ہے مگر وہ بڑی حیران تھی کہ عنبر اور ناگ نے ڈاکوؤں کی قید سے فرار ہونے کی کوشش کیوں نہیں کی؟ اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ ان لوگوں و

کوانہوں نے زنجیروں میں کچھ اس طرح سے جکڑ رکھا ہوگا کہ وہ بے بس ہو گئے ہوں گے۔ کم از کم ناگ ضرور بے بس ہوگا اور ناگ کی وجہ سے عنبر بھی کچھ نہیں کر رہا ہوگا۔

بہر حال مجھے ان کی مدد کرنی ہوگی۔

یہ سوچ کر ماریا نے اپنا کام شروع کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ گھوڑے پر سے اتر کر درخت کے پیچھے ہو کر کھڑی ہوگئی۔

دونوں پہرے دار ڈاکو، پہرہ دیتے ہوئے جب آگے سے گھوم کر واپس آئے تو درخت کے پاس کھڑے گھوڑے پر ان کی نظر پڑی۔

وہ بڑے حیران ہوئے کہ یہ گھوڑا کہاں سے آ گیا۔ وہ جلدی سے گھوڑے کے پاس کہاں سے آ گیا۔ وہ جلدی سے

گھوڑے کے پاس آ کر اسے تعجب سے تکنے لگے۔

"یہ گھوڑا کہاں سے آ گیا؟ ابھی ابھی جب ہم یہاں سے گزرے تھے تو یہاں گھوڑا کہیں نہیں تھا۔ پھر یہ اچانک کہاں سے آ گیا؟"۔

دوسرے نے کہا۔

"میرا خیال ہے ضرور کسی دوسرے ڈاکو کا کوئی آدمی خبر لے کر سردار کے پاس آیا ہے، مگر آج تک جو آدمی بھی کوئی خبر لے آیا ہے اس نے کبھی یہاں پر گھوڑے کو کھڑا نہیں کیا"۔

پہلا بولا۔

"وہ ہمیشہ یہاں آ کر آواز دیتا ہے۔ ہم اس کی آواز کا جواب دیتے ہیں اور پھر وہ ہم سے اجازت لے کر اندر جاتا

ہے مگر یہ کون سوار ہے کہ گھوڑا یہاں کھڑا کر کے ہم سے اجازت لیے بغیر اندر چلا گیا ہے؟“۔

دوسرے نے کہا۔

”تم یہاں کھڑے رہو۔ میں اندر چل کر خبر کرتا ہوں“۔

”ٹھیک ہے۔ میں یہاں انتظار کروں گا۔ جلدی سے جاؤ اور اندر والے پہرے داروں سے یہ معلوم کرو کہ کوئی آدمی اندر گیا ہے؟“۔

پہلا ڈاکو باہر گھوڑے کے پاس ہی کھڑا رہا۔ دوسرا ڈاکو اندر چلا گیا۔ اس کے اندر جاتے ہی پہلے ڈاکو نے گھوڑے کی گردن پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

”کیوں بھئی گھوڑے! ذرا یہ تو بتاؤ کہ تم پر کون سوار ہو کر

یہاں آیا ہے؟“۔

ماریا اس کی ساری گفتگو سن رہی تھی۔ ڈاکو گھوڑے سے باتیں کر رہا تھا۔ ماریا کے لیے وقت ضائع کرنا بڑا نقصان دہ تھا۔ اس نے گھوڑے کے چہرے پر ہاتھ پھیرا تو گھوڑا زور سے ہنہنایا۔ ڈاکو نے کہا۔

”ارے ڈرتے کیوں ہو! بتا کیوں نہیں دیتے کہ تمہارا سوار کون ہے اور تم اسے کہاں سے لے کر آئے ہو؟“۔

ماریا اب ڈاکو کے بالکل پیچھے آ گئی تھی۔ اس نے بڑے آرام سے ڈاکو کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھ کر کہا۔

”میں آئی ہوں اس گھوڑے پر سوار ہو کر۔ میں اس جنگل کی چڑیل ہوں“۔

ڈاکو کا رنگ فق ہو گیا۔ کندھے پر اس نے ہاتھوں کو محسوس کیا۔ اور آواز بھی سنی۔ اس کی ٹانگیں تھر تھر کانپنے لگیں۔ ماریا نے اس کے کان میں آواز بدل کر کہا۔

"میں تم سب ڈاکوؤں کو کچا چبانے کے لیے آئی ہوں۔ یہ بتاؤ کہ جن دو قیدیوں کو سردار پکڑ کر لایا ہے۔ وہ کہاں ہیں؟"۔

ڈاکو کی زبان خوف سے بند ہو گئی تھی۔ اس کی زبان سے ایک لفظ بھی ادا نہیں ہو رہا تھا۔ ماریا نے اس کے کندھے کو جھنجھوڑ کر کہا۔

"بولو! کہاں ہیں وہ لوگ؟"۔

ڈاکو پر زیادہ خوف طاری ہو گیا۔ اس کی ہمت جواب دے گئی اور وہ ایک دم سے بے ہوش ہو کر کٹے ہوئے درخت کی

طرح زمین پر گر پڑا۔ ماریا نے اس کے منہ میں کپڑا ٹھونسا اور اسے گھسیٹ کر پیچھے لے جا کر گھنی جھاڑیوں میں چھپا دیا۔ اب وہ دوسرے ڈاکو کے غار سے باہر آنے کا انتظار کرنے لگی۔

وہ گھوڑے پر سوار ہو گئی تا کہ دوسرے ڈاکو کو گھوڑا دکھائی نہ دے۔ وہ اسی جگہ پر کھڑی رہی۔ تھوڑی دیر بعد دوسرا ڈاکو باہر آ گیا۔ وہ اکیلا تھا۔ شاید وہ یہ معلوم کر کے آ رہا تھا کہ اندر کوئی غیر آدمی یا مہمان نہیں گیا۔

ڈاکو اس جگہ آ گیا جہاں وہ اپنے ساتھی پہرے دار کو چھوڑ کر گیا تھا۔ اس جگہ آ کر ڈاکو نے بڑے غور سے ادھر ادھر دیکھا اور اپنے ساتھی کو تلاش کیا مگر وہ اسے کہیں بھی دکھائی نہ دیا۔

اس نے اسے آوازیں بھی دیں مگر وہ وہاں ہوتا تو اسے ملتا۔ وہ تو بے ہوش ہو کر جھاڑیوں کے اندر پڑا تھا۔

اس نے اپنے ساتھی کی تلاش شروع کر دی۔ اب ماریا گھوڑے سے نیچے اتر آئی اس نے گھوڑے کو جھاڑیوں کی اوٹ میں کر لیا اور ڈاکو کے پیچھے آ کر اس نے ایک پتھر اٹھا کر آہستہ سے ڈاکو کے آگے پھینکا۔

ڈاکو نے تڑپ کر پیچھے دیکھا اور کہا۔

”یار! کیوں تنگ کر رہے ہو؟ سامنے کیوں نہیں آتے؟ میں معلوم کر آیا ہوں۔ اندر کوئی نہیں آیا۔ پھر یہ گھوڑا کس کا تھا؟ ارے اب تو وہ گھوڑا بھی کہیں نہیں ہے۔ یار! اب سامنے آ جاؤ۔ بس بہت ہو گئی ہے“۔

ماریا اس کے بہت قریب آ گئی ہے۔ قریب آ کر اس نے کہا۔

”سنو! میں اس جنگل کی بدروح ہوں۔ چڑیل ہوں۔ تم مجھ سے بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتے“۔

ابھی ماریا باتیں ہی کر رہی تھی کہ ڈاکو جہاں کھڑا تھا۔ وہیں کھڑا رہا۔ وہ خوف سے سفید ہو گیا۔ ماریا نے پوچھا۔

”مجھے بتاؤ وہ دو قیدی کہاں ہیں جنہیں تمہارا سردار پکڑ کر اپنے ساتھ لایا ہے؟“

ڈاکو کے دانت خوف سے بجنے لگے۔ اس نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

”ارے چڑیل! دونوں قیدی اندر ہیں“۔

ماریا نے آواز بگاڑ کر کہا۔

"سردار انہیں قتل کرنا چاہتا ہے؟"۔

"ہاں چڑیل! وہ صبح انہیں ہلاک کر دے گا"۔

ماریا نے زمین پر سے پتھر اٹھا کر زور سے ڈاکو کے سر پر مارا۔ وہ چکرا کر زمین پر گر پڑا اور گرتے ہی بے ہوش ہو گیا۔ ماریا نے اس کے منہ میں بھی کپڑا ٹھونسا اور اسے گھسیٹ کر جھاڑی میں چھپا دیا۔

اب وہ غار کے دروازے میں اندر داخل ہو سکتی تھی، لیکن گھوڑے کو ساتھ نہیں لے جا سکتی تھی اس نے گھوڑے کو ایک جگہ چھپا کر درخت سے باندھا اور خود غار کے دروازے کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ غار کا دروازہ جگہ جگہ سے ٹوٹا ہوا

تھا۔

صاف پتا چل رہا تھا کہ یہ کسی پرانے بادشاہ کا قلعہ ہے۔ جواب وقت کے ساتھ ساتھ رہتے ہوئے کھنڈر بن چکا ہے

ماریا پرانے قلعے کے اندر داخل ہو گئی۔

ڈاکو کی توبہ

قلعے کے دروازے میں پتھر بکھرے ہوئے تھے۔

ماریا اندھیرے میں اس خیال سے آگے بڑھتی گئی کہ شاید کہیں سے روشنی کی کوئی کرن نظر آ جائے اور اسے ڈاکوؤں کے غار کے اندر جانے کا راستہ مل جائے۔ وہ آگے بڑھی تو اس نے دیکھا ایک جگہ غار کا دروازہ سا بنا ہوا ہے۔ بڑے بڑے پتھروں کے ساتھ ٹیک لگا کر، دروازے کے منہ پر دو ڈاکو بیٹھے

پہرہ دے رہے ہیں۔ ماریا قریب جا کر کھڑی ہو گئی۔ پہرے داروں نے جب پتھروں پر کسی کے قدموں کی ہلکی سی آواز سنائی دی تو چوکنے ہو گئے۔

"تم نے آواز سنی؟"۔

"ہاں سنی! مگر یہاں تو کوئی نہیں ہے؟"۔

پہرے دار نے دیوار میں سے جلتی ہوئی مشعل نکال کر آس پاس اچھی طرح دیکھا مگر سچ مچ وہاں کوئی نہیں تھا۔ ماریا پاس ہی چپ چاپ کھڑی تھی لیکن پہریدار اسے دیکھ نہیں سکتے تھے۔

ماریا اندر جانے کا کوئی بہانہ تلاش کر رہی تھی۔ وہ سوچنے لگی کہ ان پہرہ داروں کو جل دے کر کس طرح سے اندر جائے؟

پہرے داروں میں سے ایک نے کہا۔

"میں نے سردار اور دوسرے ساتھیوں کی آنکھ بچا کر زیتون کے تیل کا ایک مرتبان چھپا کر رکھا ہوا ہے، اگر تم مجھے دو اشرفیاں دو تو میں تمہیں آدھا مرتبان دے دوں گا"۔

دوسرا بولا۔

"وہ اشرفیاں تو میرے پاس نہیں ہیں۔ کم بخت سردار ڈاکا مارنے جاتا ہے تو ہمیں یہاں پہرے پر بٹھا جاتا ہے۔ کہیں سے مال نہیں ملتا۔ تم اگر پسند کرو تو میں تمہیں ہرن کی ایک کھال دے سکتا ہوں"۔

پہلے پہرے دار نے کہا۔

"تم جھوٹ بولتے ہو۔ تمہارے پاس کھال نہیں ہے"۔

"تم اگر کہو تو میں ابھی تمہیں لا کر دکھائے دیتا ہوں"۔

"ہاں جاؤ ہرن کی کھال لا کر دکھا دو۔ میں آدھا تیل ابھی نہیں دے دوں گا"۔

دوسرا پہرے دار وہاں سے اٹھ کر غار کے اندر ہرن کی کھال لینے چلا گیا۔ آدھا میدان صاف ہو گیا تھا۔ ماریا کے لیے وقت بڑا کم تھا۔ رات گزر رہی تھی۔ اسے جو کچھ کرنا تھا ابھی ابھی کر لینا چاہیے تھا۔ وہ آگے بڑھی اور گھوڑے پر سے نیچے اتر آئی۔

اس کے گھوڑے پر سے نیچے اترتے ہی گھوڑا ظاہر ہو گیا۔

پہرے دار نے جو اچانک اپنے سامنے گھوڑے کو دیکھا تو بار بار آنکھیں جھپکانے لگا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ سامنے

گھوڑا کھڑا ہے، کیونکہ ایک پل پہلے وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔

پھیرے دار اٹھ کر گھوڑے کے پاس آیا تو ماریا نے زور سے اس کے سر پر ایک پتھر مارا۔ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ ماریا جلدی سے گھوڑے کو واپس اسی جگہ لے گئی جہاں اس نے اسے باندھ رکھا تھا۔

گھوڑے کو دوبارہ باندھ کر ماریا تیزی سے غار کے دروازے پر آئی اور اندر داخل ہو گئی۔ اندر گہرا اندھیرا تھا۔ دوسرا پھیرے دار ہرن کی کھال لے کر ابھی نہیں آیا تھا۔

ماریا چپکے سے دیوار کے ساتھ ساتھ ہو کر آگے بڑھنے لگی۔ ایک موڑ گھومنے کے بعد اسے دور روشنی نظر آئی۔ یہ ایک مشعل کی روشنی تھی جو ایک دیوار کی طاق میں لگی جل رہی تھی۔

اسے سامنے سے پھیرے دار ہرن کی کھال پکڑے آتا دکھائی دیا۔ ماریا نے اسے کچھ نہ کہا۔ وہ اسکے قریب سے ہو کر گذر گیا۔ ماریا آگے نکل گئی۔

باہر جا کر پھیرے دار نے جب اپنے ساتھی کو بے ہوش دیکھا تو بڑا حیران ہوا۔ جلدی سے اس کے منہ پر پانی کا چھینٹا مارا۔ اسے ہوش آیا تو پوچھنے لگا۔

’’تم بے ہوش کیسے ہو گئے؟‘‘

دوسرا پھیرے دار بولا۔

’’وہ۔ وہ گھوڑا۔ وہ گھوڑا کہاں ہے؟‘‘۔

’’کونسا گھوڑا؟‘‘۔

’’ابھی ابھی یہاں ایک گھوڑا کھڑا تھا۔ گھوڑا کھڑا نہیں تھا

مگر اچانک ایک گھوڑا آ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر کسی نے میرے سر پر کچھ مارا اور۔ اور میں بے ہوش ہو گیا''۔

''کیسی پاگلوں کی سی باتیں کر رہے ہو۔ بھلا یہاں گھوڑا کہاں سے آ گیا اور پھر اگر آیا تو چلا کہاں گیا! ضرور تم نے کوئی جاتے میں خواب دیکھا ہے''۔

''نہیں نہیں۔ میں سچ کہہ رہا ہوں۔ میں تے خواب نہیں دیکھا۔ گھوڑا ابھی ابھی یہاں تھا''۔

''چلو یار اٹھو! آؤ چل کر پہرہ دیتے ہیں یہ دیکھو میں تمہارے لیے ہرن کی کھال لے کر آیا ہوں''۔

دونوں پہرے دار دروازے پر آ کر پہرہ دینے لگے۔

دوسرے پہرے دار کے ابھی ہوش ٹھکانے نہیں ہوئے تھے۔

وہ ہکا بکا سا تھا۔

ماریا اندر غار میں ایک کوٹھڑی کے باہر کھڑی تھی۔ اندر سے اسے باتیں کرنے کی آوازیں سنائی دے رہی ہے۔ یہ کوٹھڑی ڈاکوؤں کے سردار کی کوٹھڑی تھی۔ ڈاکوؤں کا سردار راموا اپنے ساتھی کے ساتھ باتیں کر رہا تھا۔ ماریا ان کی باتیں سننے لگی۔

سردار کہہ رہا تھا۔

''ابھی تھوڑی دیر میں چل کر ان دونوں قاتلوں کو قتل کر دیا جائے گا اور پھر ہم ریاست میں ڈاکا ڈالنے جائیں گے۔ دن جنگل میں بسر ہو گا۔ ڈاکا رات کو ڈالیں گے''۔

ساتھی سردار نے کہا۔

''سردار! میرا خیال ہے کہ ان دونوں کو چھوڑ دیا جائے''۔

سردار نے طیش میں کہا۔

”یہ تم کہہ رہے ہو؟ کیا تمہیں میرے بھائی سے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ ان دونوں نے میرے بھائی کو قتل کیا ہے؟“۔

ساتھی نے کہا۔

”سردار! میں تمہارے بھائی سے ہمدردی رکھتا ہوں مگر میں بڑے ادب سے کہوں گا کہ تمہارے بھائی کو شیر نے ہلاک کیا ہے۔ ان لوگوں کا کوئی قصور نہیں ہے“۔

”یہ بکواس ہے۔ انہوں نے شیر کی کھال پہن کر میرے بھائی کو خنجر سے ہلاک کیا ہے“۔

”تم سردار ہو۔ تم جو حکم دو گے ہم اس پر عمل کریں گے لیکن

میرا دل کہتا ہے اگر ہم نے ان دونوں کو ہلاک کر دیا تو ہم پر ضرور کوئی مصیبت نازل ہو جائے گی“۔

سردار نے اونچی آواز میں کہا۔

”تم ایک بہادر ڈاکو ہو کر ایسی باتیں کر رہے ہو؟ تمہیں تو چاہیے کہ تم خود ان دونوں کو قتل کرو۔ بہر حال میں ان کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا“۔

دروازہ کھلا اور سردار باہر نکل کر دوسری کوٹھڑی میں چلا گیا۔ ماریا ایک طرف ہٹ گئی۔ اس کے جاتے ہی ماریا سردار کی کوٹھڑی کے اندر چلی گئی۔ کوٹھڑی میں ایک آدمی جس کا رنگ سیاہ اور آنکھیں سانپ کی طرح سرخ تھیں ایک پتھر کے پاس بیٹھا چھرا تیز کر رہا تھا۔ سردار اسے کہہ رہا تھا۔

"چھری کو اس طرح تیز کرنا کہ میرے بھائی کے قاتلوں کی کھال تیزی سے اترنا شروع ہو جائے"۔

جلاد نے کہا۔

سردار!" فکر نہ کرو۔ تمہارے حکم سے اب تک کتنے ہی لوگوں کی کھال کھینچ چکا ہوں۔ تم دیکھو گے کہ میں ان کمینوں کی کھال کس صفائی سے کھینچتا ہوں"۔

"بس یہی میں چاہتا ہوں۔ شاباش! میں تمہیں انعام سے مالا مال کر دوں گا۔ تم چھری تیز کرو۔ میں چل کر قاتلوں کو تیار کرتا ہوں"۔

سردار کوٹھڑی سے نکل کر باہر گیا تو ماریا جلاد کے قریب جا کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے کمر میں سے خنجر نکال کر ہاتھ میں پکڑ

لیا اور کہا

"تم آج تک نہ جانے کتنے بے گناہوں کو قتل کر چکے ہو۔ کیا تمہیں اپنی موت یاد نہیں ہے؟"۔

جلاد نے چونک کر پیچھے دیکھا۔ پیچھے کوئی نہیں تھا۔ جلاد چھری پھینک کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے کوٹھڑی کے چاروں طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا، مگر وہاں اسے کچھ بھی نظر نہ آیا۔ وہ کانپتے ہونٹوں سے بولا۔

"کون۔ کون ہے۔ کون ہے؟"

ماریا نے آواز بدل کر کہا۔

"میں ہوں۔ تمہاری موت"۔

اس کے ساتھ ہی ماریا نے کوٹھڑی کا دروازہ بند کر کے اندر

سے کنڈی چڑھا دی۔ جلاد باہر کو بھاگا۔ ابھی وہ دروازہ کھول
ہی رہا تھا کہ ماریا نے خنجر اس کی پشت میں گھونپ دیا۔ جلا
تڑپ کر پیچھے گھوما۔ ماریا پرے ہٹ گئی۔ اس نے دوسرا وار
جلاد کے سینے پر کیا اور خنجر کھینچ لیا۔

جلاد کے سینے سے خون کا فوارہ نکل پڑا۔ وہ چکرا کر گرا۔
اس نے ایک زبردست چیخ ماری اور دم توڑ گیا۔

ماریا نے جلدی سے کنڈی کھول دی۔ وہ باہر نکلی ہی تھی کہ
اس کی چیخ کی آواز سن کر ڈاکوؤں کا سردار لپک کر اس کی
کوٹھڑی میں داخل ہوا۔ ماریا وہاں سے اس طرف آ گئی جہاں
ایک ستون کے ساتھ اس نے عنبر اور ناگ کو دیکھا کہ زنجیروں
میں جکڑے پڑے ہیں وہ ایک دوسرے سے ہنس ہنس کر

باتیں کر رہے ہیں ماریا نے پاس جا کر کہا۔

''عنبر بھائی!''

''ارے ماریا بہن تم!''

''ہاں بھائی! خدا کا شکر ہے کہ تم اور ناگ بھائی سے
ملاقات ہو گئی''۔

ناگ نے کہا۔

''ہم ایک مصیبت میں پھنس گئے ہیں مگر فکر نہ کرو۔ اب ہم
نے حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے''۔

ماریا بولی۔

''مجھے سب کچھ معلوم ہو گیا ہے۔ میں نے جلاد کو قتل کر دیا
ہے۔ ڈاکوؤں کا سردار اس کی کوٹھڑی میں گیا ہے''۔

"شاباش! یہ تم نے اچھا کیا۔ جلاد بڑا ظالم شخص تھا۔ اس نے کئی لوگوں کو قتل کیا تھا۔ اب تم ایک طرف دیوار کے پاس لگ کر بیٹھ جاؤ۔ تم آرام کرو اور اب ہمارا کام دیکھو کہ ہم ان لوگوں کو کیسا تگنی کا ناچ نچواتے ہیں"۔

ماریا نے کہا۔

"میں آرام سے نہیں بیٹھ سکتی۔ میں بھی تمہارے ساتھ ان لوگوں کا مقابلہ کروں گی"۔

"خیر یہ تمہاری مرضی ہے۔ مگر تم کہاں پھنس گئی تھیں"۔

ماریا نے کہا۔

"خدا جھوٹ نہ بلوائے۔ میں ایک بڑے خطرناک قسم کے جادوگر کے ہتھے چڑھ گئی تھی جس نے مجھے دیکھ لیا تھا۔ خدا کا

شکر ہے کہ اس کی قید سے فرار ہو کر بھاگی۔ تم دونوں کا ایک جگہ سے سراغ ملا اور تلاش کرتی کرتی اس جگہ پہنچ گئی"۔

وہ ابھی باتیں ہی کر رہے تھے کہ غار میں شور مچ گیا کہ جلاد کو کسی نے قتل کر دیا ہے۔ سارے ڈاکو جمع ہو گئے۔ سردار عنبر اور ناگ کے پاس آ کر بولا۔

"کسی سازشی نے میرے سب سے بہترین دوست جلاد کو ہلاک کر دیا ہے۔ مگر میں تمہارے لیے ایک اور جلاد لے کر آیا ہوں۔ میں تمہیں چھوڑوں گا نہیں۔ چلو۔ تیار ہو جاؤ موت کے لیے"۔

سردار نے دوسرے جلاد کو آواز دی۔ ایک اور سیاہ بدن موٹا سا جلاد ہاتھ میں تلوار لیے سامنے آ گیا۔ سردار نے کہا۔

"ان لوگوں نے میرے بھائی کو قتل کیا ہے، آگے بڑھ کر ان سے میرے بھائی کے خون کا بدلہ لو اور میرے سینے میں ٹھنڈک کرو"۔

جلاد نے سر جھکایا اور تلوار لے کر عنبر اور ناگ کی طرف بڑھا۔ عنبر نے ناگ سے کہا۔

"ناگ! اب تم اپنی جان بچاؤ۔ پیچھے جا کر ماریا کے پاس کھڑے ہو جانا اور اگر کسی طرح ہم ایک دوسرے سے بچھڑ گئے تو باہر جنگل کی ندی پر میرا انتظار کرنا"۔

سردار نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"یہ کیا بکواس کر رہے ہو؟ تم یہاں سے کیسے بچ کر جا سکو گے؟"۔

"جلاد! حملہ کرو"۔

جلاد حملے کے لیے آگے بڑھا۔ ناگ نے سانس زور سے اوپر کھینچا اور وہ ایکدم غائب ہو کر سانپ بن گیا۔ سانپ بنتے ہی اس نے جلاد کی پنڈلی پر ڈسا اور پلک جھپکتے ہی پیچھے اس کی طرف چلا گیا جہاں ماریا کھڑی تھی۔

ماریا نے سانپ کو آتے دیکھا تو لپک کر اسے گود میں اٹھا کر گلے میں ڈال لیا۔ ماریا کے گلے میں آتے ہی سانپ بھی اس کے ساتھ غائب ہو گیا۔

جلاد کے جسم پر زہر نے داخل ہو کر طوفان مچا دیا وہ لرزنے لگا۔ اس کی آنکھیں باہر کو ابل آئیں۔ گلا بند ہونے لگا۔ رگیں خشک ہو گئیں۔ ناک اور کان سے خون جاری ہو گیا۔ سرار نے

اسے سنبھالا مگر وہ گر پڑا اور گرتے ہی ٹھنڈا ہو گیا۔ ڈاکو آگے بڑھے۔

"سردار! یہاں سانپ تھا۔ وہ آدمی غائب ہو گیا۔ قاتل غائب ہو گیا۔ قیدی غائب ہو گیا"۔

"وہ غائب ہو کر سانپ بن گیا۔ سانپ بن گیا"۔

ڈاکوؤں میں شور مچ گیا۔ سردار نے چیخ کر کہا۔

"بزدلو! خبردار اگر کسی نے آواز نکالی۔ میں خود اس قاتل کو ہلاک کروں گا۔ دیکھتا ہوں میرا کوئی کیا بگاڑتا ہے"۔

سردار نے جلاد کے ہاتھ سے تلوار لے کر عنبر کے سر پر ماری۔ تلوار عنبر کے سر سے ٹکرا کر دو ٹکڑے ہو کر گر پڑی۔ سردار بھونچکا ہو کر رہ گیا۔ اس نے دوبارہ حملہ کیا۔ دوسری بار بھی تلوار

عنبر کے سر سے ٹکرا کر ٹوٹ گئی۔ اب ناگ نے ماریا کے گلے سے اتر کر رینگنا شروع کر دیا۔ پھر زمین پر سے چھلانگ لگا کر اس کی گردن کو جکڑ کر اپنا پھن سردار کے منہ کے آگے کر کے جھومنا شروع کر دیا۔

سردار کی تو جان ہی نکل گئی۔ دوسرے ڈاکو پہلے ہی ڈرے ہوئے تھے۔ ایک سردار کا ساتھی آگے بڑھا سانپ کو مارے کہ سانپ نے اپنا منہ سردار کے ہونٹوں کے بالکل قریب کر دیا۔ سردار کی چیخ نکل گئی۔ عنبر نے کہا۔

"اگر کسی سانپ کو ہاتھ لگایا تو سانپ سردار کو ڈس کر مار ڈالے گا"۔

"وہیں رکے رہو۔ کوئی آگے نہ بڑھے"۔

ڈاکو اپنی اپنی جگہ پر کھڑے رہے۔ عنبر نے زنجیریں توڑ
ڈالیں اور آزاد ہو کر آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔
"کہو! اب تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں؟"۔
سردار نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔
"مجھے۔ مجھے معاف کر دو۔ معاف کر دو۔ میں پھر کبھی ایسا
نہیں کروں گا"۔
ماریا بھی قریب آ گئی۔ اس نے کہا۔
"عنبر! یہ پھر ڈاکے مارے گا اور لوگوں کو قتل کرتا پھرے گا۔
اس کا اعتبار نہ کرنا۔ اسے قتل کر دو۔ سانپ اسے مار ڈالو"۔
سردار نے ہاتھ باندھ کر کہا۔
"میں کالی ماتا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آج سے اپنی بری

زندگی سے توبہ کرتا ہوں۔ اب میں کبھی برے کام نہیں کروں
گا۔ مجھے معاف کر دو۔ میں اب کسی کو قتل نہیں کروں گا۔ کسی کا
گھر نہیں لوٹوں گا"۔
عنبر نے کہا۔
"ناگ تمہارا کیا خیال ہے؟"۔
ناگ نے کہا۔
"اسے معاف کر دیتے ہیں عنبر! شاید اب یہ انسانوں کے
لیے بھلائی کا کام کرے"۔
عنبر نے سردار سے کہا۔
"اگر تم قسم کھاتے ہو کہ آج سے پھر کبھی لوگوں پر ظلم نہیں
کرو گے۔ بلکہ ان کی بھلائی کے لیے کام کرو گے تو میں تمہاری

جان بخشی کر دوں گا"۔

سردار نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

بھائی!" میں نے کالی ماتا کی قسم کھائی ہے۔ ہم لوگ جب کالی ماتا کی قسم کھاتے ہیں تو پھر اس کو ہمیشہ پورا کرتے ہیں"۔

"میں اب نیک بن جاؤں گا۔ میں ساری دولت غریبوں میں لٹا دوں گا۔ جن کا مال لوٹا ہوا ہے، ان کو واپس کر دوں گا۔ آئندہ سے کبھی ڈاکے نہیں ڈالوں گا۔ کبھی کسی کے خون سے اپنے ہاتھ نہیں رنگوں گے۔ مجھے معاف کر دو"۔

عنبر نے ماریا سے کہا۔

"ماریا بہن! اسے ایک موقع نیک بننے کا دے دینا چاہیے۔ اگر اس نے پھر اپنی ظالمانہ زندگی شروع کر دی تو پھر

ہم اسے خود آ کر قتل کریں گے"۔

ماریا نے کہا۔

"جیسے تمہاری مرضی"۔

عنبر نے اشارہ کیا۔ سانپ سردار کی گردن سے اتر کر نیچے آ گیا۔ اس نے سانس زور سے کھینچا اور پھر سے انسان کی شکل میں واپس آ گیا۔

یہ شرارت دیکھ کر سارے کے سارے ڈاکو سجدے میں پڑ گئے۔ انہوں نے اپنی ساری زندگی میں اس قسم کی جادو گری نہیں دیکھی تھی۔ انہیں یقین ہو گیا تھا کہ یہ لوگ آسمان کے دیوتا ہیں۔ انسان نہیں ہیں۔

سرخ اژدہا

رامو ڈاکو نے عنبر ناگ کی زبردست دعوت کی۔

وہ اب سیدھی راہ پر آ گیا تھا۔ وہ عنبر اور ناگ کی پوجا کرنے لگا تھا۔ سارے ہی ڈاکو ان کے پجاری بن گئے تھے۔

رامو ڈاکو کو ابھی تک یہ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کونسی عورت ہے جو غائب ہے اور جس کے ساتھ عنبر اور ناگ چوری چھپے باتیں کرتے رہتے ہیں۔

رامو ڈاکو کی پہلے تو جرات نہ ہوئی مگر پھر اس نے دعوت میں پوچھ ہی لیا کہ وہ عورت کون ہے جس کی وہ آواز تو سنتے ہیں مگر شکل دکھائی نہیں دیتی؟

عنبر نے کہا۔

"رامو! اب تم نے یہ سوال کر دیا ہے آئندہ اس قسم کی بات زبان پر کبھی نہ لانا۔ یہ آسمان کی ایک دیوی ہے۔ یہ ایک بھید ہے۔ اس بھید کو تم نہیں سمجھ سکتے۔ اس بھید کو سوائے ہمارے اور کوئی نہیں سمجھ سکتا"۔

رامو ڈاکو نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

"سرکار! میری توبہ جو آئندہ کبھی یہ لفظ بھی زبان پر لاؤں۔ آپ سب آسمان کے دیوتا ہیں اور دیوتاؤں کی باتیں

دیوتا ہی جان سکتے ہیں۔ہم آدمی نہیں جان سکتے"۔

عنبر ناگ اور ماریا چار روز تک راموڈاکو کے مہمان رہے۔

پانچویں روز وہ اس سے اجازت لے کر پاٹلی پتر کی طرف روانہ ہو گئے۔ پاٹلی پتر کا سفر اب بہت تھوڑا رہ گیا تھا۔رامو ڈاکو کی زبانی عنبر کو معلوم ہوا کہ چندر گپت کا بیٹا سمراٹ اب پاٹلی پتر کے تخت پر بیٹھا ہے۔

سمراٹ نے اپنے مکار اور ظالم وزیر چانکیہ کی ہدایت پر بدھ مذہب کے ماننے والوں پر ظلم ڈھانے شروع کر دیئے ہیں۔ چانکیہ خود بھی برہمن ہے اور بدھ مت برہمنوں کے خلاف ہے۔سمراٹ کا باپ چندر گپت ایک نیک دل راجہ تھا۔ اس نے بدھ مت کے ماننے والوں کے ساتھ بڑا نیکی کا سلوک

کیا تھا مگر چانکیہ نے چندر گپت کے بعد اس کے بیٹے سمراٹ کو اپنے قبضے میں کر لیا۔

عنبر نے ناگ سے کہا۔

"ناگ! شاید تمہیں یاد ہو گا، ہم ایک بار جنگل میں بدھ مت کے ایک بہت نیک دل درویش سے ملے تھے۔جس نے ہمیں تبت تک پہنچایا تھا"۔

ناگ نے کہا۔

"ہاں عنبر بھائی! مجھے یاد ہے۔یہ آج سے بہت برس پہلے کی بات ہے"۔

ماریا بولی۔

"ہاں۔بدھ مت کے ماننے والے بڑے نرم دل اور محبت

کرنے والے لوگ ہیں۔ یہ تو کسی کیڑے مکوڑے کو بھی تکلیف
دینا اپنے مذہب کے خلاف سمجھتے ہیں۔ پھر چانکیہ برہمن ان
کے خلاف کیوں ہو گیا ہے؟"۔

عنبر نے کہا۔

"اس لیے کہ بدھ مت میں یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ سب
انسان برابر ہیں۔ شودر اور برہمن میں کوئی فرق نہیں۔ یہ بڑی
خطرناک بات ہے۔ برہمنوں کی حکومت اس طرح خطرے
میں پڑ جاتی ہے۔ برہمن تو شودروں سے نفرت کرتے ہیں۔
اگر کوئی شودر ان کے قریب سے گزر جائے تو وہ جا کر نہاتے
ہیں"۔

ناگ نے کہا۔

"یہ تو انسانیت کے خلاف بات ہے"۔

"ہاں! اسی لیے میں چونکہ برہمن کے خلاف ہوں اور
چاہتا ہوں کہ پاٹلی پتر جا کر بدھ لوگوں کو چانکیہ کے ظلم و ستم
سے نجات دلاؤں"۔

"ہمیں ایسا ضرور کرنا چاہیے"۔ ماریا نے کہا۔ "مجھے بھی یاد
ہے تبت میں بدھ مت کے درویشوں نے ہماری دل کھول کر
مدد کی تھی۔ وہ تو سوائے محبت کے اور کچھ نہیں جانتے۔ ان کے
بھکشو لوگوں کے گھروں پر جا کر ان کی خدمت کرتے ہیں اور
جو روکھی سوکھی مل جائے اسے لے کر واپس آ جاتے ہیں۔ کوئی
انہیں کھانا دے تو شکریہ ادا کرتے ہیں۔ کوئی انہیں برا بھلا کہے
تو کچھ نہیں کہتے۔ پھر ایسے اچھے لوگوں سے دشمنی کرنا کہاں کا

انصاف ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"یہی تو میں تمہیں پہلے بتا چکا ہوں ماریا کہ جو یہ برہمن لوگ ہیں، انہوں نے اس ملک میں لوگوں کو یقین دلا رکھا ہے کہ وہ سب سے اونچی نسل کے لوگ ہیں اور باقی سب لوگ ان سے نیچے ہیں اور انہیں بھگوان نے صرف ان کی خدمت کے لیے پیدا کیا ہے"۔

"یہ تو غلط بات ہے"۔ ناگ نے کہا۔

اسی طرح باتیں کرتے عنبر ناگ اور ماریا اپنے گھوڑوں پر سوار پاٹلی پتر کو جانے والی سڑک پر چلے جا رہے تھے۔ یہ ایک چھوٹی سی کچی سڑک تھی جو جنگل میں سے گزر رہی تھی۔ شام کو

یہ لوگ جنگل سے باہر نکل آئے۔

اب ان کے سامنے ایک وادی تھی۔ وادی دو پہاڑوں کے درمیان میں پھیلی ہوئی تھی۔ پہاڑ کافی فاصلے پر تھے۔ موسم گرم تھا۔ فضا میں گرمی تھی۔ صرف درختوں کی چھاؤں میں ٹھنڈک تھی۔ عنبر نے کہا۔

"یہ وادی ہمارے سفر کی آخری وادی ہے، اس وادی کے آخر میں ایک دریا ہے۔ اس دریا کے پار ہمیں پاٹلی پتر کے شہر کی دیوار نظر آئے گی"۔

"خدا کرے کہ ایسا ہی ہو"۔ ماریا بولی۔ "ہم پہلے ہی بہت سفر کر چکے ہیں۔ اب تو دل چاہتا ہے کہ اس شہر میں اگر حالات اچھے ہوئے تو ایک آدھ سال رہ کر آرام کیا جائے"۔

ناگ نے مسکرا کر کہا۔

"گھبراؤ نہیں ماریا بہن! حالات یہاں بھی اچھے نہیں ہوں گے"۔

"وہ تو سن رہی ہوں"۔

ماریا نے عنبر کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ہم نے ایک غلطی کی عنبر بھائی جو سمندر کنارے خزانے کے صندوق زمین میں دفن کر کے وہاں کوئی پہرے دار مقرر نہیں کیا"۔

عنبر بولا۔

"پہرے دار کہاں سے بٹھاتے؟"۔

ماریا نے کہا۔

"ہم ناگ سے کہہ کر سانپ یا اژدہا کی خدمت حاصل کر سکتے تھے"۔

"ہاں۔ ایسا ہم ضرور کر سکتے تھے۔ کیوں ناگ بھائی؟"۔

"کیوں نہیں۔ آپ لوگ اگر وہاں مجھے کہتے تو میں کسی بھی زہریلے اژدہا کو وہاں پہرے پر بٹھا سکتا تھا"۔

ماریا نے پوچھا۔

"کیا اب ایسا نہیں ہو سکتا؟ میرا مطلب ہے کیا اب تم ایسا نہیں کر سکتے کہ یہاں سے کسی سانپ کو حکم دو کہ وہاں جا کر خزانے پر پہرہ دے، کیونکہ یہ ملک تو ٹھگوں، ڈاکوؤں سے بھرا پڑا ہے۔ جو زمین کا سینہ چیر کر دولت باہر نکال لیتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی ہمارا خزانہ بھی چرا کر لے جائے"۔

عنبر نے کہا۔

"ماریا بہن! اگر کوئی خزانہ لے جائے گا تو کیا فرق پڑے گا۔ بے شک لے جائے۔ ہمیں دولت کی ضرورت نہیں ہے"۔

ماریا بولی۔

"وہ تو ٹھیک ہے مگر ہمارا خزانہ ہمیں بڑی تکلیفیں اٹھانے کے بعد حاصل ہوا ہے۔ ہم یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ یہ خزانہ ڈاکو اور ٹھگ لوگ اڑا کر لے جائیں۔ اگر ہمیں اس کی ضرورت نہیں تو ہم اسے یہاں غریبوں میں بانٹ سکتے ہیں"۔

ناگ بولا۔

"ماریا ٹھیک کہتی ہے عنبر! ہمیں اپنے خزانے کی حفاظت

کرنی چاہیے۔ ہم نے بڑی جان جوکھوں کے بعد یہ خزانہ تلاش کیا ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"تو پھر تم ہی اس کی حفاظت کا کچھ بندوبست کرو۔ ویسے میرا خیال ہے کہ اس جگہ دبا ہوا خزانہ محفوظ ہی رہے گا۔ نقشہ تو ہمارے پاس ہے۔ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہو سکتی"۔

ماریا نے کہا۔

"نہیں نہیں ناگ بھائی۔ اگر تم کسی اژدہا کو وہاں پہرے کے لیے بھیج سکتے ہو تو ابھی بھیج دو"۔

"بہت اچھا۔ میں کوشش کر کے بلاتا ہوں کسی کو"۔

عنبر نے ناگ کو اجازت دے دی۔ ناگ گھوڑے پر سے

اتر کر ایک جگہ بیٹھ گیا۔ عنبر اور ماریا بھی اس کے قریب ہی گھوڑوں سے اتر کر بیٹھ گئے۔ ناگ نے آگ جلالی۔ جب آگ خوب جل اٹھی تو اس نے جیب سے ایک سفوف نکال کر آگ میں ڈال دیا۔

دھواں سا اٹھا۔ ناگ نے آنکھیں بند کر کے منتر پڑھنے شروع کر دیے۔ کچھ دیر وہ منتر پڑھتا رہا۔ پھر اس نے ایک ہاتھ ہوا میں بلند کر کے کہا۔

"اے ناگ پھن! اے ناگ پھن! تو جہاں بھی ہے، میری آواز سن اور میرے پاس جلدی سے پہنچ جا! اے ناگ پھن! اے ناگ پھن!"۔

ناگ خاموش ہو گیا۔ اچانک جنگل میں ایک سسکاری

سنائی دی۔ آگ کی روشنی میں انہوں نے دیکھا کہ ندی کنارے جھاڑیوں میں سے نکل کر ایک سرخ رنگ کا اژدہا اپنا بڑا سا پھن پھیلائے ان کی طرف چلا آ رہا ہے۔ ناگ کے قریب آ کر ناگ پھن اژدہا نے اپنا سر جھکا دیا اور دو چار بار سیٹی بجائی۔ زبان نکال کر سسکاریں بھریں۔ وہ اپنی زبان میں ناگ سے پوچھ رہا تھا۔

"اے ناگ دیوتا۔ اے شیش ناگ! اے سانپوں کے بادشاہ! کیا حکم ہے؟ اس غلام کو کس خدمت کے لیے یاد کیا ہے؟ آپ حکم کریں۔ میں ہر خدمت کے لیے تیار ہوں"۔

ناگ نے کہا۔

"سرخ ناگ پھن! یہاں سے ایک مہینے کے سفر پر اس

ملک ہندوستان کے مغربی ساحل پر ہمارا ایک بادبانی جہاز
کھاڑی میں درختوں اور جھاڑیوں کی اوٹ میں کھڑا ہے، اس
سے ذرا فاصلے پر ہمارا ایک قیمتی خزانہ دفن ہے۔ میں تمہیں حکم
دیتا ہوں کہ اس جگہ پہنچ کر ہمارے خزانے کی اس وقت تک
حفاظت کرو جب کہ ہم واپس نہیں آ جائے۔ کیا تم سمجھ گئے
ہو؟"۔

سرخ ناگ۔۔۔نے سر جھکا کر کہا۔

"سمجھ گیا ہوں ناگ دیوتا"۔

ناگ نے کہا۔

"خزانے کا نقشہ ہم نے خزانے کی ڈھیری پر بیٹھ کر
بتایا تھا۔ تم اسے سونگھ لو۔ یہ مٹی کی بو تمہیں خزانے تک پہنچا دے

گی"۔

سرخ ناگ بولا۔ "بہت بہتر اے شیش ناگ!"

اژدہا کو نقشے کا چمڑا سونگھا دیا گیا۔ نقشے کو سونگھتے ہی اژدہا
اپنے لمبے سفر پر روانہ ہو گیا۔ ناگ نے ماریا اور عنبر سے کہا کہ
اب وہ مطمئن رہیں کہ ان کا خزانہ محفوظ رہے گا؟ انہوں نے کہا
کہ ہاں اب وہ بالکل مطمئن ہیں۔ ماریا نے اندیشہ ظاہر کیا کہ
شاید سانپ کہیں۔۔۔رستہ نہ بھول جائے۔

ناگ نے مسکرا کر کہا۔ "ہم راستہ بھٹک سکتے ہیں مگر سانپ
کبھی راستہ نہیں بھول سکتے۔ وہ مٹی کی بو سونگھتے اپنی منزل پر
ٹھیک پہنچ جاتے ہیں۔" وہ رات انہوں نے وہیں بسر کی اور صبح
پاٹلی پتر کو روانہ ہو گئے۔

☆ کیا سانپ اپنی منزل پر پہنچ گیا؟

☆ کیا ماریا اور عنبر کا خزانہ محفوظ رہا؟

☆ یہ سب کچھ جاننے کے لیے آپ اس ناول کی اگلی قسط نمبر 42 ''سازش کا جال'' میں پڑھیے۔

سازش کا جال
امبر ناگ ماریا
(قسط نمبر 42)
اے حمید

فہرست

عنبر اور ناگ ڈاکوؤں کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں۔ یہاں ایک ڈرامائی انداز میں ماریا پہنچ جاتی ہے۔ وہ سب کو دیکھتی ہے مگر اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ وہ عنبر اور ناگ کو ڈاکوؤں سے بچاتی ہے۔ تینوں پاٹلی پتر پہنچتے ہیں۔ یہاں وہ سانپ کے مندر میں ٹھہرتے ہیں۔ پجاری سے مقابلہ ہوتا ہے۔ ناگ کے آگے مندر کا سب سے بڑا سانپ سر جھکا دیتا ہے۔ کیونکہ ناگ خود ایک سانپ ہے جو سو سال زندہ رہنے کے بعد آدمی کی شکل میں آ گیا ہے۔

پاٹلی پتر

سرخ اژدہا خزانے کی حفاظت کے لیے روانہ کر دیا گیا تھا۔

سورج ابھی نکلا ہی تھا کہ عنبر، ناگ اور ماریا اٹھ کھڑے ہوئے۔انہوں نے دریا پار کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔
دریا وہاں سے تھوڑے ہی فاصلے پر تھا۔ دریا پار دور راجہ سمراٹ کے شہر پاٹلی پتر کی دیوار دھندلی نظر آ رہی تھی۔

گھوڑے دانہ دنکا کھا کر اور پانی پی کر تیار ہو گئے تھے۔
تینوں بہن بھائی گھوڑوں پر سوار ہوئے اور دریا کی طرف روانہ ہو گئے۔یہاں جنگل ختم ہو چکے تھے اور دریا کنارے کی ذرخیز زمینوں پر کھیتیاں شروع ہو گئی تھیں۔

ان کھیتوں میں دھان اور گندم اگی ہوئی تھی۔ چلتے چلتے دن چڑھ آیا۔ دھوپ خوب پھیل گئی اور گرمی ہولے ہولے بڑھنی شروع ہو گئی۔ وہ درختوں کی گھنی چھاؤں میں سے ہو کر گزر رہے تھے۔

دریا کنارے پہنچ کر انہیں دور ایک پل دکھائی دیا جس پر سے لوگ دریا پار کر رہے تھے۔وہ پل کی طرف ہو گئے۔ یہ پل

بھی ملک ہندوستان کے دوسرے پلوں کی طرح لکڑی کا تھا۔ یہاں سے لوگ گدھوں پر سوار، پیدل اور بیل گاڑیوں پر سوار ہو کر گزر رہے تھے۔

ان کے سر منڈے ہوئے تھے۔ سپاہی انہیں زنجیروں میں جکڑے کھینچے ہوئے لیے جا رہے تھے۔ ناگ نے ایک آدمی سے ان کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ یہ فقیر لوگ مہاتما بدھ کے ماننے والے ہیں اور راجہ سمراٹ کے حکم سے انہیں قید خانے میں ڈالنے کے لیے لے جایا جا رہا ہے۔ ناگ نے عنبر سے کہا۔

”جو سنا تھا یہاں وہی ہو رہا ہے۔ راجہ سمراٹ اپنے ظالم وزیر چانکیہ کے اثر میں آ کر ان بے چارے بدھ فقیروں پر ظلم

ڈھا رہا ہے“۔

عنبر نے کہا۔ ”یہ بہت بڑی بے انصافی ہے لیکن ہمیں ان کے معاملے میں زیادہ دخل نہیں دینا چاہیے۔ اس لیے کہ ہم یہاں سیر و سیاحت کے لیے آئے ہیں“۔

ماریا بولی۔ ”مگر عنبر بھائی! ہمارا یہ بھی فرض ہے کہ ظالم کے پنجے سے مظلوموں کو بچایا جائے۔ اگر ہم ایسا نہیں کریں گے تو ہم بھی ظالم کے ساتھی کہلائیں گے۔ سمراٹ راجہ کی آنکھوں پر مکار وزیر چانکیہ نے پٹی باندھ رکھی ہے۔ وہ بدھ کے فقیروں پر ظلم توڑ رہا ہے۔ یہ لوگ کسی کو دکھ نہیں دیتے۔ ان کو بچانا ہمارا فرض ہے“۔

عنبر نے کہا۔ ”میں تمہاری بات کو اچھی طرح سمجھتا ہوں

ماریا بہن! وقت آنے پر ہم ان لوگوں کی ضرور مدد کریں گے۔ پہلے ہم شہر میں داخل ہو کر ذرا حالات کو اچھی طرح جانچ تو لیں"۔

پل کے پار جا کر تینوں بہن بھائی ایک پکی پتھروں سے بنی ہوئی سڑک پر ہو لیے جو گھنے درختوں کی چھاؤں میں شہر پاٹلی پتر کے بڑے دروازے کی طرف چلی گئی تھی۔ راستے میں انہوں نے دیکھا کہ لوگ تختوں پر بیٹھے خربوزے اور آم بیچ رہے ہیں۔

کچے مکانوں کے صحن میں عورتیں چکی پیس رہی ہیں۔ بچے گندے تالابوں میں نہا رہے ہیں اور شور مچا رہے ہیں۔ ایک مندر میں عورتیں اور مرد پوجا پاٹھ کر رہے تھے۔ برہمن پجاری

اچھوت لوگوں سے بچ بچ کر گزر کر رہے تھے۔ ان مندروں میں کسی نیچ ذات کے اچھوت یا چمار کو جانے کی اجازت نہیں تھی۔

چلتے چلتے وہ شہر کے دروازے کے پاس پہنچ گئے۔ شہر کے اندر جانے پر بڑی سختی تھی۔ اس لیے کہ راجہ سمراٹ اور وزیر چانکیہ کو ڈر تھا کہ کہیں مہاتما بدھ کے ماننے والے فقیر ان کے خلاف کوئی سازش نہ کریں۔

شہر میں داخل ہونے والوں کی خوب اچھی طرح سے جانچ پڑتال کی جاتی تھی کہ کہیں وہ برہمن کے بھیس میں بدھ کے ماننے والے فقیر تو نہیں ہیں؟ سمراٹ کے سپاہی بڑے بدمزاج اور سنگدل تھے۔

وہ بڑے کرخت لہجے میں بات کرتے تھے اور مسافروں کے ساتھ ان کا سلوک اچھا نہیں تھا۔ خاص طور پر نئے نئے مسافروں کے ساتھ تو وہ بڑی بدتمیزی سے پیش آتے تھے۔ عنبر اور ناگ نے دیکھا کہ ملک افریقہ کچھ لوگوں کو سپاہیوں نے ایک طرف بٹھا رکھا تھا۔

عنبر نے کہا۔ ''یہاں تو مسافروں کے ساتھ بڑی سختی ہو رہی ہے''۔

انہوں نے آپس کے صلاح مشورے کے بعد فیصلہ کیا کہ وہ گھوڑوں کو باہر ہی کسی کے پاس بیچ ڈالیں اور سانپ پکڑنے والے سپیروں کے بھیس میں شہر کے اندر داخل ہوں کیونکہ اس ملک میں سانپ کی پوجا بھی ہوتی تھی اور سپیروں کو عزت کی

نظر سے دیکھا جاتا تھا۔

ماریا نے بھی اس خیال کو پسند کیا۔ چنانچہ وہ تینوں گھوڑوں سے اتر پڑے۔ ماریا تو کسی کو نظر نہیں آتی تھی۔ وہ بڑی آسانی سے ان کے ساتھ ہی شہر میں داخل ہو سکتی تھی۔ شہر کی فصیل یعنی دیوار کے باہر ایک جگہ گھوڑوں اور بیلوں کی خرید و فروخت ہو رہی تھی۔ عنبر اور ناگ نے وہاں جا کر اپنے تینوں گھوڑے بیچ دیئے اور سپیروں کا بھیس بدل کر ماریا سے کہا۔

''ماریا بہن! اب ہم سپیرے بن گئے ہیں۔ ہم شہر کے دروازے میں سے گزرنے کی کوشش کریں گے۔ ہمیں پوری امید ہے کہ ہم شہر میں داخل ہو جائیں گے۔ تم ہمارے ساتھ ساتھ رہنا''۔

عنبر اور ناگ شہر کے دروازے پر آ گئے۔ انہیں سپیروں
کے بھیس میں دیکھ کر سپاہیوں نے انہیں بھی روک دیا۔ کوتوال
نے دونوں بھائیوں کو قریب آ کر گھور کر دیکھا اور کہا" تم لوگ
کون؟"۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔"حضور! کیا ہمارے لباس سے پتہ
نہیں چل رہا کہ ہم کون ہیں؟"۔

"لباس سے تو تم سانپ پکڑنے والے سپیرے لگتے ہو"۔

عنبر بولا۔" سرکار نے بالکل ٹھیک پہچانا۔ ہم دونوں
سپیرے ہیں۔ ہم سانپ پکڑتے بھی ہیں اور سانپ کے
کاٹے کا علاج بھی کرتے ہیں۔ یہ شخص ناگ ہے۔ میں اس کا
شاگرد ہوں۔ یہ میرا استاد ہے"۔

کوتوال نے کہا۔" کیا اس کا نام بھی ناگ ہے"۔

"جی ہاں سرکار! اس کا نام ناگ ہے"۔

سپاہی ہنس پڑے۔ کوتوال نے بھی ہنس کر کہا۔

"بہت خوب۔ یعنی تمہارے استاد نے اپنا نام بھی سانپ
ہی رکھا ہوا ہے۔ پھر تو تم ضرور سپیرے ہو۔ لیکن یہ بتاؤ تم
کہاں سے آ رہے ہو؟"۔

ناگ بولا۔"سرکار! ہم تو جنگل جنگل، شہر شہر گھومتے
پھرتے رہتے ہیں۔ کہیں سانپوں کی تلاش میں اور کہیں سانپ
کے زہر کا علاج کرنے کے لیے۔ ہمیں بھی سانپ کی طرح
ایک جگہ چین نہیں ہے"۔

کوتوال نے گھورتے ہوئے پوچھا۔" تم پاٹلی پتر کے شہر

"میں کیا کرنے آئے ہو؟"۔

عنبر نے کہا۔"سرکار! میرے استاد نے آپ کو ابھی ابھی بتایا ہے کہ ہم سانپوں کی تلاش میں شہر شہر پھرتے ہیں، پاٹلی پتر میں بھی ہم سانپ پکڑنے اور سانپ کے کاٹے کا علاج کرنے آئے ہیں"۔

کوتوال نے کہا۔"لیکن اس کے لیے تمہیں ایک امتحان دینا ہوگا"۔

ناگ ذرا سا گھبرا گیا۔ بولا۔

"کیسا امتحان سرکار؟"۔

کوتوال نے کہا۔ ہمارے پاس سچے اور جھوٹے سپیروں کو پرکھنے کے لیے ایک بے حد زہریلا سانپ موجود ہے۔ یہ

سانپ ایک مرتبان میں بند ہے۔ اور انسان کا جانی دشمن ہے۔ وہ اس سے پہلے کئی انسانوں کو اپنے زہر سے ہلاک کر چکا ہے۔

ہمیں یہ ثابت کرنے کے لیے کہ تم سچے سپیرے ہو اس مرتبان کے اندر اپنا ہاتھ ڈال کر سانپ کو باہر نکالنا ہوگا۔ اگر تم نے سانپ کو باہر نکال لیا اور سانپ نے تمہیں نہ ڈسا تو ہم سمجھ جائیں گے کہ تم ہی اصلی سپیرے ہو۔ پھر تم دونوں کو شہر کے اندر داخل ہونے کی اجازت مل جائے گی۔

ناگ اس امتحان کا سن کر بڑا خوش ہوا۔ وہ تو سمجھ رہا تھا کہ یہ سر پھرا بد مزاج کوتوال اس کو کسی قسم کے امتحان میں ڈال دے گا۔ لیکن سانپ کو پکڑنا تو اس کے بائیں ہاتھ کا کام تھا۔

بلکہ اگر وہ چاہے تو سانپ مرتبان میں سے اپنے آپ نکل کر باہر آ سکتا ہے۔اس نے عنبر کی طرف غور سے دیکھا جیسے پوچھ رہا ہو کہ فکر نہ کرو بھائی۔ ماریا بھی قریب ہی کھڑی تھی۔اس نے ناگ کے کان میں کہا۔

"مبارک ہو بھائی۔ سستے چھوٹ گئے۔اب مزا اسی میں ہے کہ سانپ اپنے آپ مرتبان میں سے نکل کر تمہارے قدموں میں آ کر لپٹ جائے۔تمہارے پاؤں پر آ کر اپنا سر رکھ دے۔"

ناگ نے سرگوشی میں کہا۔"ایسا ہی ہو گا بہن!" پھر اس نے کوتوال سے کہا۔

"سرکار! مجھے یہ شرط منظور ہے۔آپ سانپ کے مرتبان کو

لائیں"۔

ایک سپاہی نے کہا۔"برخوردار! کیوں اپنی جوانی کے گرد لٹھ لیکر پھر رہے ہو۔ابھی تم نوجوان ہو۔تمہیں دنیا میں بہت کچھ دیکھنا اور کھانا پینا ہے۔اب بھی وقت ہے۔اس خیال سے باز آؤ اور اپنے شاگرد کو لے کر واپس چلے جاؤ۔"

ناگ بولا۔"جناب! آپ مرتبان لائیں۔میں واپس نہیں جاؤں گا۔میں آپ پر ثابت کر دوں گا کہ میں اصلی سپیرا ہوں نقلی دھوکے باز نہیں ہوں"۔

کوتوال نے کہا۔"مجھے تم پر ترس آتا ہے نوجوان! تم ابھی تجربہ کار سپیرے نہیں ہو۔یہ سانپ بے حد زہریلا ہے اور اس سے پہلے چار اناڑی سپیروں کو مار چکا ہے۔تمہاری بھلائی اسی

میں ہے کہ شہر کے اندر جانے کا خیال ترک کر کے یہاں سے
واپس کسی اور شہر میں چلے جاؤ"۔

ناگ نے کہا۔" جناب عالی آپ سانپ کو لائیں۔ اگر وہ
میرا حکم سنتے ہی مرتبان سے اپنے آپ باہر نہ جائے تو ناگ
نام نہیں"۔

کوتوال بولا۔"تمہیں مرتبان کے اندر ہاتھ ڈال کر سانپ
کو باہر نکالنا ہوگا۔ ہماری شرط یہی ہے"۔

ناگ بولا۔" کوئی بات نہیں۔ ہمیں آپ کی یہی شرط منظور
ہے۔ مرتبان لائیے۔ میں اسکے اندر ہاتھ ڈال کر سانپ کو باہر
نکال لوں گا"۔

"سانپ لایا جائے"۔ کوتوال نے اعلان کر دیا۔

عنبر اور ناگ ایک طرف ہو کر تخت پوش پر بیٹھ گئے۔ ماریا
بھی ان کے پیچھے کھڑی ہو گئی۔ کوتوال کے حکم پر سپاہی اندر
کوٹھڑی میں سے سبز رنگ کا ایک مرتبان اٹھا لائے، جس کے
تنگ منہ پر کپڑا لپیٹا ہوا تھا۔ انہوں نے مرتبان ناگ کے
سامنے لا کر رکھ دیا۔ کوتوال نے کہا۔

"اگر تم سچے سپیرے ہو اور شہر پاٹلی پتر میں داخل ہونا
چاہتے ہو تو اس مرتبان میں اپنا دایاں ہاتھ ڈال کر سانپ کو باہر
نکال کر دکھاؤ"۔

ناگ نے ہنس کر کہا۔

"ابھی لیں سرکار! ہم سپیروں کے لیے یہ کوئی مشکل کام
نہیں ہے۔ ہمارے باپ دادا یہی کام کرتے چلے آئے

ہیں"۔

ناگ نے مرتبان کا منہ کھولنا شروع کر دیا۔ سارے پہرے کے سپاہی بڑی دلچسپی کے ساتھ عنبر اور ناگ اور کوتوال کے گرد گھیرا ڈال کر کھڑے ہو گئے۔

ان میں سے بہت سوں کو یقین تھا کہ یہ نوجوان قسم کا اناڑی سپیرا مرتبان میں ہاتھ ڈالتے ہی زہریلے سانپ کے زہر سے مارا جائے گا۔ یہی یقین کوتوال کو بھی تھا۔ اگر کسی کو ناگ کی کامیابی کا سو فیصد یقین تھا تو وہ عنبر اور ماریا ہی تھے۔ عنبر اپنے بھائی ناگ کے قریب ہی بیٹھا بڑے شوق سے ناگ کی حرکتوں کو دیکھ رہا تھا۔

ناگ نے مرتبان کے منہ پر سے رسی کھولنی شروع کر دی ا۔

رسی کے کھولنے کے بعد اس نے مرتبان کے منہ پر سے کپڑا تھوڑا سا ہٹایا اور جلدی سے اس کے اندر اپنا بایاں ہاتھ ڈال دیا۔

سارے سپاہی چپ سے ہو گئے۔ ان کے خیال میں سانپ نے ناگ کے ہاتھ کو ڈس لیا تھا اور اب وہ سانپ کے زہر کے اثر سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنے والا تھا۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ بلکہ اس کے الٹ ہوا۔

ناگ نے زہریلے سانپ کو اپنی انگلیوں سے پکڑ کر باہر نکالا اور زمین پر رکھ دیا۔ سانپ اس طرح سمٹ کر اکٹھا ہو گیا تھا جیسے اس کے اندر جان ہی نہ رہی ہو۔ وہ زمین پر نیم مردہ ہو کر پڑا تھا۔

سانپ کو اصل میں پتہ چل گیا تھا کہ سانپوں کا دیوتا، ناگ
دیوتا ایک انسان کے بھیس میں اس کے سامنے موجود ہے۔
چنانچہ اس پر ناگ کی دہشت چھا گئی تھی۔ سب کے دیکھتے
دیکھتے سانپ زمین پر رینگتا ہوا آگے بڑھا اور ناگ کے
پاؤں پر اس نے اپنا سر رکھ دیا۔ سر کا رکھنا تھا کہ سارے سپاہی
تالیاں بجانے لگے۔ کوتوال نے کہا۔

”سپیرے! بس بس ہمیں یقین ہوگیا کہ تم سچ مچ کے
سپیرے ہو۔ تم سچے ہو۔ اب تم اپنے شاگرد کے ساتھ شہر کے
اندر جا سکتے ہو۔“

ناگ کہنے لگا۔

”جناب عالی! اگر آپ کسی بڑے سے بڑے اژدہا کو بھی

میرے سامنے لے آئیں تو وہ بھی مجھ سے ڈر کر اپنا سر میرے
پاؤں پر رکھ دے“۔

کوتوال بولا۔

”ٹھیک ہے۔ اب زیادہ باتیں نہ بناؤ۔ ہاں ایک اور بات
بتاؤ۔ کیا تمہارا تعلق گوتم بدھ کے ماننے والے فقیروں سے تو
نہیں ہے؟“۔

ناگ نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

”ہرگز نہیں حضور ہرگز نہیں۔ ہم تو سپیرے لوگ ہیں اور
ناگ دیوتا کی پوجا پاٹھ کرتے ہیں۔ ہمارا سب سے بڑا دیوتا
ناگ ہے۔ ہم کسی دوسرے کی پوجا نہیں کرتے“۔

کوتوال نے کہا۔

"اور تمہارا یہ شاگرد؟"۔

ناگ نے کہا۔

"میرا شاگرد بھی سپیرا ہے اور ناگ دیوتا کی پوجا کرتا ہے۔" کوتوال نے عنبر کو غور سے دیکھا اور بولا۔

"مگر مجھے تو اس کی آنکھوں میں ایک بڑی عجیب قسم کی پراسرار چمک سی نظر آتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ یہ ضرور بدھ مت کے ماننے والوں میں سے ہے۔ اس قسم کی چمک گوتم بدھ کے فقیریوں کی آنکھوں میں ہی ہوتی ہے۔"

عنبر نے جھٹ سے کانوں پر ہاتھ رکھ کر ناگ کی طرح کہا۔

"ہرگز نہیں حضور ہرگز نہیں۔ توبہ کیجئے جو میں نے کبھی بدھ مت کا نام بھی لیا ہو۔ سرکار! میں بھی اپنے استاد کی طرح ناگ

دیوتا کی پوجا کرتا ہوں"۔

اس پر ماریا جو پاس ہی کھڑی تھی ہنس پڑی۔ اتفاق سے اس کی ہنسی کی آواز کوتوال نے سن لی۔ وہ حیرانی سے چونک کر بولا۔

"یہ عورت کی ہنسی کی آواز کہاں سے آ گئی؟"۔

ناگ نے جھوٹ موٹ حیرانی سے کہا۔

"سرکار! یہاں عورت تو کہیں بھی نہیں ہے۔ پھر ہنسی کی آواز بھلا کہاں سے آ سکتی ہے؟"۔

کوتوال کے ساتھ سپاہی بھی کچھ حیران سے رہ گئے۔ کیونکہ ماریا کے ہنسنے کی آواز انہوں نے بھی سنی تھی۔ مگر یہ بھی سچ تھا کہ وہاں انہیں کوئی بھی عورت دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

مجبور ہو کر انہیں ناگ کی بات ماننی پڑی کہ انہیں دھوکہ ہوا ہے۔ کیونکہ اس میں بھی کوئی شک نہیں تھا کہ وہاں کوئی بھی عورت نہیں تھی۔ کوتوال نے سوچا کہ یہ اس کے کانوں کو دھوکہ ہوا ہے۔ اس نے ناگ سے کہا۔

"چلو اٹھو۔ تم شہر میں جا سکتے ہو"۔

ناگ اور عنبر اور ماریا نے خدا کا شکر ادا کیا کہ آخر وہ امتحان میں کامیاب ہو گئے اور آئی ہوئی بلا ٹل گئی۔ کیونکہ وہاں پر مسافروں پر بڑی سختی ہو رہی تھی۔ ان کے سامنے کتنے ہی مسافروں کو کوتوال نے واپس کر دیا تھا۔ اور انہیں شہر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی تھی۔

ناگ اور عنبر نے جھک کر بڑے ادب سے کوتوال کو سلام کیا

اور دروازے کی ڈیوڑھی میں سے گذر کر پاٹلی پتر کے شہر میں داخل ہو گئے۔ ماریا بھی ان دونوں کے ساتھ ساتھ تھی۔ ماریا نے عنبر کے کان میں کہا کہ خدا کا شکر ہے مصیبت کٹ گئی۔ اس پر ناگ نے کہا۔

"تم نے ہنس کر ہمیں پھنسا دیا تھا"۔

ماریا اس بات پہ بات پر بھی ہنس دی۔ لیکن خدا کا شکر تھا کہ اس وقت وہاں ماریا کی ہنسی کی آواز سننے والا کوئی نہیں تھا۔

خطرناک سپیرے

تینوں بہن بھائی پاٹلی پتر کے شہر میں داخل ہو چکے تھے۔

وہ شہر کی سڑکوں پر پھر رہے تھے۔ یہ شہر خوبصورت تھا۔ اس کی سڑکیں پکی اینٹوں کی تھیں۔ سڑکوں پر سایہ دار درختوں کے جھنڈ جگہ جگہ پر تھے۔

دکانوں پر کھانے پینے اور دوسری چیزوں کے انبار لگے تھے۔ لوگ چیزیں خرید رہے تھے۔ شہر کے لوگ خوشحال معلوم

ہوتے تھے۔ شہر میں انہیں کوئی فقیر بھیک مانگتا نظر نہ آیا۔ گوتم بدھ کے ماننے والے فقیر بھی کہیں دکھائی نہیں دیتے تھے۔ ان کے بارے میں انہیں یقین تھا کہ یہ بیچارے تو سارے کے سارے مار دیے گئے ہیں اور یا قید کی کال کوٹھڑیوں میں پڑے ہیں۔

شہر پر راجہ سمراٹ کی حکومت تھی۔ راجہ سمراٹ پر اس کے مکار وزیر چانکیہ کا اثر تھا۔ حکومت اصل میں چانکیہ ہی چلا رہا تھا۔ سمراٹ کے باپ چندر گپت کے زمانے میں گوتم بدھ کے فقیروں کو بڑی آزادی حاصل تھی۔

اس زمانے میں اچھوت بھی برہمنوں کے مندروں میں جا سکتے تھے۔ وہ اپنے بھگوان بدھ کی کھلے بندوں عبادت کر سکتے

تھے۔لیکن اس کے مرنے کے بعد چانکیہ نے اس کے بیٹے
سمراٹ کو اپنے قبضے میں کرلیا اور بدھ کے فقیروں پر ظلم ڈھانے
شروع کر دیا۔ان کے شہر میں بنے ہوئے سارے مندر توڑ
دیئے۔گوتم بدھ کے بتوں کو گرا دیا۔

ایک چوک میں سے گذرتے ہوئے عنبر اور ناگ نے گوتم
بدھ کے ٹوٹے ہوئے مندر کو دیکھا۔یہ مندر توڑ پھوڑ دیا گیا
تھا۔ اسے بڑا افسوس ہوا۔ پھر انہوں نے نیچی ذات یعنی
اچھوت لوگوں کو دیکھا کہ سڑک کے کنارے نالیاں صاف کر
رہے ہیں۔

ان کی بستی شہر سے باہر تھی۔انہیں اتنی اجازت نہیں تھی کہ وہ
اونچی ذات کے برہمنوں کے گلی محلوں میں داخل ہوسکیں۔وہ

ان کے مندروں کے قریب سے بھی نہیں گذر سکتے تھے۔ ماریا
نے کہا۔

"اب ہم کب تک اس شہر کی گلیوں اور بازاروں کی سیر
کرتے رہیں گے؟ مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ہمیں کسی سرائے
میں اپنا ٹھکانہ بنانا چاہیے تاکہ کہیں سر چھپانے کو جگہ مل سکے"۔

عنبر بولا۔

"میں خود کسی ایسی جگہ کی تلاش میں ہوں جہاں ہم لوگ رہ
سکیں۔ میرا خیال ہے یہاں کہیں نہ کہیں کوئی سرائے ضرور
ہونی چاہیے"۔

ناگ نے کہا۔

"سرائے شاید ہمیں بازار میں مل جائے۔ کیونکہ یہ شہر کا

سب سے بڑا بازار ہے"۔

عنبر بولا۔

"میرا خیال ہے کہ ہمیں کسی سے پوچھنا چاہیے کہ سرائے
کہاں پر ہے؟"۔

"مگر ہم سپیروں کے بھیس میں ہیں"۔

"تو کیا سپیرے سرائے میں نہیں رہ سکتے؟"۔

اتنے میں ایک ادھیڑ عمر کا آدمی ان کے قریب سے گذرا۔
ناگ نے اسے کہا۔

"کیوں جناب! ہمیں یہ بتائیے یہاں کوئی سرائے مل
جائے گی؟ ہم پردیسی ہیں اور رات گذارنے کے لیے کوئی جگہ
ڈھونڈ رہے ہیں"۔

اس آدمی نے کہا۔

"بھائی تم تو سپیرے ہو۔ تم تو رات ان درختوں کے نیچے
سو کر بھی بسر کر سکتے ہو۔ تمہیں سرائے کی کیا ضرورت ہے؟"۔

عنبر نے کہا۔

"یہ تو ٹھیک ہے جناب لیکن ہم باہر سڑک پر رات بسر کرنا
نہیں چاہتے۔ اصل میں ہمیں رات کو چھت کے نیچے منتر
پڑھنے ہوتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم کسی سرائے میں
جا کر اتریں"۔

وہ آدمی ذرا سا ہنسا اور کہنے لگا۔

"واہ بھئی واہ! پاٹلی پتر میں تمہارے جیسے سپیرے ہم نے
کبھی نہیں دیکھے۔ میاں تم اگر سپیرے ہو تو تمہیں کسی سرائے

تھا۔ایک سادھو نے انہیں بتایا کہ شہر سے باہر فصیل کی دیوار
کے ساتھ ٹیلے پر دریا کنارے ناگ کا سب سے بڑا مندر
ہے۔تینوں اس بڑے مندر کے باہر آ گئے۔مندر سچ مچ بہت
اونچا اور شاندار تھا۔ڈیوڑھی میں سادھو لوگ بیٹھے باتیں کر
رہے تھے۔عنبر اور ناگ ڈیوڑھی میں آ گئے۔یہاں ایک
پجاری نے آگے بڑھ کر ان سے پوچھا۔

”تم لوگ کہاں سے آئے ہو؟“۔

ناگ نے کہا۔

”ہم استاد اور شاگرد ہیں۔ہم ملک افریقہ سے آئے
ہیں۔اور ناگ مندر میں کچھ روز ٹھہر کر اس شہر کی سیر کرنا چاہتے
ہیں“۔

34
سازش کا جال

تھا۔ایک سادھو نے انہیں بتایا کہ شہر سے باہر فصیل کی دیوار
کے ساتھ ٹیلے پر دریا کنارے ناگ کا سب سے بڑا مندر
ہے۔تینوں اس بڑے مندر کے باہر آ گئے۔مندر سچ مچ بہت
اونچا اور شاندار تھا۔ڈیوڑھی میں سادھو لوگ بیٹھے باتیں کر
رہے تھے۔عنبر اور ناگ ڈیوڑھی میں آ گئے۔یہاں ایک
پجاری نے آگے بڑھ کر ان سے پوچھا۔

”تم لوگ کہاں سے آئے ہو؟“۔

ناگ نے کہا۔

”ہم استاد اور شاگرد ہیں۔ہم ملک افریقہ سے آئے
ہیں۔اور ناگ مندر میں کچھ روز ٹھہر کر اس شہر کی سیر کرنا چاہتے
ہیں“۔

پجاری نے کہا۔

"جب تک بڑا پجاری اجازت نہیں دیتا تم لوگ مندر میں نہیں رہ سکتے۔ تم اسی جگہ ٹھہرو میں بڑے پجاری سے پوچھ کر آتا ہوں"۔

ناگ نے کہا۔

"ہم تمہارے ساتھ چلتے ہیں۔ ہم خود بڑے پجاری سے بات کریں گے"۔

پجاری بولا۔

"نہیں۔ اس کی نہیں اجازت نہیں مل سکتی۔ بڑے پجاری سے ایک عام اور معمولی سپیرے کا ملنا بہت مشکل ہے۔ تم دونوں کو اسی جگہ ٹھہرنا ہوگا"۔

اور وہ عنبر اور ناگ کو اسی جگہ چھوڑ کر اندر بڑے پجاری کے پاس چلا گیا۔ بڑا پجاری ناگ دیوتا کے بت کے سامنے بیٹھا پوجا کرنے والوں سے روپے پیسے اور تحفے مٹھائیاں وغیرہ لے رہا تھا۔

اس کے پاس ہی پیسوں اور مٹھائیوں کا ڈھیر لگا تھا۔ بڑے پجاری کی توند نکلی ہوئی تھی۔ وہ بار بار اپنے پیٹ پہ ہاتھ پھیر رہا تھا۔ چھوٹے پجاری نے قریب جا کر کہا۔

"سرکار! دو سپیرے ملک افریقہ سے آئے ہیں اور یہاں کچھ روز ٹھہرنے کی اجازت چاہتے ہیں۔ اگر آپ کا حکم ہو تو انہیں اجازت دے دی جائے"۔

بڑے پجاری نے غصے میں کہا۔

"یہ مندر ہر آوارہ گرد غریب سپیرے کے لیے نہیں ہے۔
ہاں اگر وہ ناگ دیوتا کے حضور روپیہ پیسہ آ کر چڑھائیں
تو انہیں اجازت مل سکتی ہے"۔

"بہت بہتر حضور! میں ابھی انہیں جا کر بتاتا ہوں"۔

چھوٹا پجاری واپس عنبر اور ناگ کے پاس آ گیا۔ اس نے
ساری بات انہیں بیان کر دی۔

ناگ بولا۔

"ہمارے پاس پچاس سونے کی اشرفیاں ہیں۔ ہم یہ
اشرفیاں ناگ دیوتا کے حضور پیش کر سکتے ہیں"۔

"تو پھر آؤ میرے ساتھ۔ تمہیں یہاں رہنے کی اجازت
مل جائے گی"۔

چھوٹا پجاری عنبر اور ناگ کو لے کر بڑے پجاری کے پاس
ناگ دیوتا کے سامنے آ گیا۔ ماریا بھی ان کے ساتھ ساتھ چل
رہی تھی۔ عنبر نے دیکھا کہ ایک موٹا پجاری آلتی پالتی مارے
روپے پیسے کے ڈھیر کے پاس آنکھیں بند کیے بیٹھا ہے۔
ساتھ ہی سانپ کا ایک بہت بڑا پتھر کا بت ہے۔ اس سانپ
کی کتنی ہی گردنیں اور چہرے تھے۔ یہ ناگ دیوتا کا سب سے
بڑا بت تھا۔ ناگ نے بت کو غور سے دیکھا۔ پجاری نے
آنکھیں کھول دیں۔ ناگ بولا۔

"سرکار! ہم ناگ دیوتا کے حضور پچاس سونے کی
اشرفیوں کا نذرانہ پیش کرنے آئے ہیں۔ ہم بڑے غریب
سپیرے ہیں۔ ہماری ساری زندگی کی یہی کمائی ہے"۔

پجاری بولا۔

"مجھے خوشی ہوئی یہ سن کر کہ تمہارے پاس سونے کی اشرفیاں ہیں۔ضرور ناگ دیوتا کو بھی بے حد خوشی ہوئی ہوگی۔ لاؤ۔کہاں ہیں اشرفیاں"۔

عنبر نے تھیلے میں سے سونے کی پچاس اشرفیاں نکال کر پجاری کے آگے رکھ دیں۔سونے کی اشرفیاں دیکھ کر پجاری کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ یہ بڑا لالچی اور کنجوس پجاری تھا۔ جتنا روپیہ چڑھایا جاتا اس میں سے آدھا خود ہی ہڑپ کر جاتا تھا۔اس نے خوش ہو کر اشرفیاں اٹھا کر اپنے تھیلے میں رکھ لیں اور کہا۔

"ناگ دیوتا تمہاری فریادیں پوری کرے گا"۔

عنبر نے کہا۔

"جناب پجاری صاحب!اس وقت تو ہماری ایک ہی مراد ہے کہ ہمیں اس مندر کے کسی کونے میں رہنے کے لیے جگہ مل جائے۔"

برائے مہربانی ہماری یہ مراد تو پوری کر دیجئے۔

"کیوں نہیں کیوں نہیں"۔موٹے پجاری نے چھوٹے پجاری سے کہا۔

"دیکھو!مندر کی سب سے پچھلی کوٹھڑی ان لوگوں کو رہنے کے لیے دے دو"۔چھوٹے پجاری نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

"جو حکم مہاراج!مگر وہاں تو گودام ہے سرکار"۔

"گودام ایک طرف کر دو"۔

"جو حکم مہاراج!"۔

چھوٹا پجاری عنبر اور ناگ کو لے کر پچھلی کوٹھڑی میں آ گیا۔ یہاں آٹے کے چاول کے بورے پڑے تھے۔ چھوٹے پجاری نے سارے بورے ایک طرف کونے میں رکھوا دیے۔ عنبر اور ناگ نے زمین پر دریاں اور صفیں بچھوا لیں اور بیٹھ گئے۔ ماریا بھی ان کے قریب ہی زمین پر بیٹھ گئی۔ اس نے کہا۔

"مجھے تو سخت بھوک لگ رہی ہے"۔

ناگ نے چھوٹے پجاری سے کہا۔

"کیوں بھائی؟ کیا اس وقت یہاں کچھ کھانے کو مل جائے گا؟"۔

چھوٹے پجاری نے کہا۔

"اگر آپ مجھے ایک اشرفی دے دیں تو میں آپ کو ابلے ہوئے چاول اور سرسوں کا ساگ لا کر دے سکتا ہوں"۔

عنبر نے ایک اشرفی دے کر کہا۔

"یہ لو ایک اشرفی بھائی اور جلدی سے کھانے کو لے کر جاؤ۔ ہمیں بہت بھوک لگ رہی ہے"۔

"ابھی لایا جناب"۔

چھوٹا پجاری اشرفی لے کر خوشی خوشی کوٹھڑی سے باہر چلا گیا۔ ایک اشرفی سے چاولوں کی پوری ایک بوری خریدی جا سکتی تھی۔ لیکن چھوٹا پجاری ایک تھالی چاول لے کر واپس آ گیا۔ عنبر نے کہا۔

"شکریہ بھائی!"

چھوٹے پجاری نے کہا۔

"یہاں چاول بہت مہنگے ہیں۔ بہرحال اگر کم ہوئے تو میں اور بھی لاکر دے سکتا ہوں۔ تم لوگ یہ پہلے کھالو۔"

چھوٹا پجاری چلا گیا۔ عنبر، ناگ اور ماریا نے مل کر چاول ساگ کھایا اور آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ اس شہر کے بدھ لوگوں کو وزیر چانکیہ کے ظلم و ستم سے کیوں کر نجات دلائی جائے۔

ادھر یہ صلاح مشورے ہو رہے تھے اور دوسری طرف چھوٹے پجاری کو شام کے وقت پوجا سے فارغ ہو کر بڑے موٹے پجاری نے طلب کیا۔ اس نے اپنی کوٹھڑی میں بلا کر

چھوٹے پجاری سے پوچھا۔

"وشال! یہ دونوں سپیرے لوگ کون ہیں؟ تمہارا کیا اندازہ ہے؟ کیا ان کے پاس بہت دولت ہے؟ ضرور ان کے پاس بہت زیادہ دولت ہوگی۔ کیونکہ ایک معمولی سپیرے کے پاس اتنی قیمتی اشرفیاں نہیں نکل سکتیں۔ تمہارے ان سپیروں کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

وشال بولا۔

مہاراج!" مجھے تو یہ لوگ کوئی بڑے خطرناک جاسوس لگتے ہیں۔ ان کی حرکتیں بڑی پراسرار ہیں آج شام ہی وہ کھانا کھانے لگے تو انہوں نے زور دے کر مجھے باہر نکال دیا تھا۔ پھر وہ کبھی کبھی کسی تیسرے آدمی سے بھی بات کرتے ہیں

حالانکہ وہاں تیسرا آدمی کوئی نہیں ہوتا"۔

موٹا پجاری سوچ میں پڑ گیا۔

"ہوں۔ یہ بات ہے۔ میرا تو خیال ہے کہ یہ لوگ پپیروں کے بھیس میں ضرور کوئی خطرناک قاتل اور ڈاکو ہیں۔ یہ پاٹلی پتر میں ضرور کسی مار پر آئے ہیں"۔

"آپ کا خیال سچ ہے حضور! ضرور یہ ڈاکو ہیں۔ اگر ڈاکو نہیں تو جادو یا خطرناک جاسوس ضرور ہیں"۔

موٹا پجاری کہنے لگے۔

"ضرور ان کے پاس سونے کی بہت سی اشرفیاں ہوں گی۔ تم نے ان کا تھیلا دیکھا تھا؟"۔

وشال نے کہا۔

"مہاراج! ایک تھیلا ان کے پاس ضرور ہے۔ میرا خیال ہے کہ بھگوان جھوٹ نہ بلوائے اس تھیلے میں سوائے اشرفیوں کے اور کچھ نہیں"۔

موٹے پجاری نے مسکرا دیا۔

"وشال! وہ تھیلا آج رات ان کے پاس سے نکل کر میرے پاس آنا چاہیے"۔

"مگر مہاراج"۔

"اگر مگر بند کرو۔ اگر تم چاہتے ہو کہ میں بڑا پجاری بنانے میں تمہاری مدد کروں تو پھر تمہیں بھی میرے لیے ایک کام کرنا ہوگا۔ تم ان لوگوں کی کوٹھڑی میں جا کر اشرفیوں کا تھیلا چرا لاؤ اور لا کر مجھے دے دو۔ پھر میں راجہ اور وزیر چانکیہ سے سفارش

کروں گا کہ تمہیں اس مندر کا بڑا پجاری بنا دیا جائے۔یعنی میرے بعد تمہیں بڑا پجاری بنایا جائے اور یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ اس بارے میں وہ لوگ میری بات مانتے ہیں۔بولو کیا تم تیار ہو؟"۔

وشال نے کہا۔

"مہاراج! آپ کا کہا بہت ہو گا۔اگر آپ نے چانکیہ سے میرے بارے میں کہہ دیا تو میری زندگی سنور جائے گی۔اس لیے میں آج سے آپ کا غلام ہوں۔آپ جو کہیں گے میں اس پر اسی وقت عمل شروع کر دوں گا۔آپ حکم کریں"۔

موٹے پجاری نے کہا۔

"تمہیں آج ہی رات سپیروں کی کوٹھڑی میں جا کر ان کی

ساری اشرفیاں چرا کر میرے پاس لانی ہوں گی"۔

"آپ کا حکم سر آنکھوں پر سرکار! میں آج رات یہ کام ضرور کروں گا"۔

"شاباش! اب تم جا سکتے ہو"۔

وشال چلا گیا اور رات ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

موٹا پجاری بڑا خوش تھا کہ اس نے وشال کو اپنے پیچھے لگا لیا۔اسے پورا یقین تھا کہ وہ سپیروں کی ساری اشرفیاں چرا کر اسے لا دے گا۔سپیرے ضرور کوئی ڈاکو تھے جو ریاست میں کسی جگہ ڈاکہ مار کر مال و دولت لوٹ کر یہاں آئے تھے اور یہاں بھی کسی جگہ ڈاکہ ڈالنے کی نیت سے آئے تھے۔

پجاری بہت جلد پوجا پاٹ سے فارغ ہو کر اپنی کوٹھڑی کی

طرف چل پڑا۔راستے میں وشال سے اس کی ملاقات ہوگئی۔

پجاری نے وشال سے کہا۔

"میں آج رات تمہارا اور سونے کی اشرفیوں کے تھیلے کا انتظار کروں گا۔بھولنا نہیں۔سمجھے؟"۔

وشال نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

"کبھی نہیں بھول سکتا مہاراج! چاہے میری جان چلی جائے"۔

"شاباش! جیتے رہو"۔

پجاری اپنے کمرے میں آ کر تخت پر لیٹ گیا اور اپنے گلے میں پڑے ہوئے موتیوں کے ہار سے کھیلنے لگا۔دوسری رات گذر رہی تھی اور عنبر، ناگ ، ماریا، کھانا کھانے کے بعد

زمین پر بچھی ہوئی دری پر لیٹے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔

انہوں نے آپس میں بس یہی فیصلہ کیا تھا کہ عنبر جا کر چانکیہ سے بات کرے اور اسے بتائے کہ بدھ کے فقیروں کے ساتھ ظلم کرنا چھوڑ دے۔ناگ نے کہا کہ اس طرح اس پر اثر نہیں ہوگا۔

"پھر تمہارے خیال میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"

ناگ نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ عنبر بھائی کو بدھ فقیر بن کر چانکیہ کے سامنے جا کر سچ کا اعلان کر دینا چاہیے۔پھر جب وہ عنبر کو قتل کروائے تو یہ اپنی کرامت سے اسے پر اثر ڈالے اور یوں سارے بدھ فقیروں کو نجات دلا دے"۔

عنبر نے کہا۔

"اگر تم لوگوں کا یہی خیال ہے تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے بھلا۔ میں اس کے لیے تیار ہوں۔ لیکن اس کا طریقہ یہ ہو گا کہ میں شہر میں بدھ مت کا کھلم کھلا پرچار کروں گا۔ سپاہی مجھے پکڑ کر لے جائیں گے تو میں چانکیہ کے خلاف اعلان جنگ کروں گا۔ پھر جو ہو گا وہ دیکھا جائے گا"۔

ماریا بولی۔

"یہ ترکیب بہت اچھی ہے۔ اور مجھے بھی پسند ہے"۔

اس طرح باتیں کرتے ہوئے وہ لوگ سو گئے۔

چور دروازہ

عنبر ناگ اور ماریا گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔

دشال پجاری اسی موقع کی تلاش میں تھا۔ وہ دبے پاؤں اپنی کوٹھڑی سے نکلا اور سب سے پچھلی کوٹھڑی کی طرف چل پڑا۔ وہ عنبر اور ناگ کی کوٹھڑی میں چوری کرنے کی نیت سے جا رہا تھا۔

ان لوگوں کے پاس تھیلے میں ڈھیر ساری سونے کی

اشرفیاں اور کچھ ہیرے موتی موجود تھے۔ انہوں نے تھیلہ ماریا کے پاس رکھا ہوا تھا کہ وہ کسی کو دکھائی نہ دے۔ کیونکہ ماریا جس شے کو اپنے ہاتھ میں لیتی تھی وہ نظروں سے غائب ہو جاتی تھی۔

ماریا نے اس تھیلے کو اپنے پاس ہی سرہانے کے نیچے رکھا ہوا تھا۔ اب حالت یہ تھی کہ اگر تو ماریا کا سر سرہانے کے اوپر ہے تو سرہانہ بھی غائب ہے اور اس کے ساتھ تھیلہ بھی غائب ہے۔ لیکن اگر اس کا سر سرہانے سے کھسک گیا ہے تو سرہانہ بھی دکھائی دینے لگا ہے اور سرہانے کے ساتھ تھیلہ بھی نظر آ سکتا تھا۔

یہ لوگ بڑی گہری نیند سو رہے تھے۔ کونے میں طاق میں

ایک مٹی کا ننھا سا چراغ جل رہا تھا۔ دروازہ اندر سے بند تھا مگر اس مندر میں ہر کوٹھڑی کے اندر ایک چھپا ہوا دروازہ بھی رکھا گیا تھا جس کا علم صرف پجاریوں کو تھا اور کسی شخص کو اس کا علم نہیں تھا۔

وشال اس چور دروازے سے کوٹھڑی کے اندر داخل ہو گیا۔ یہ چور دروازہ آٹے دال کی بوریوں کے پیچھے سے نکلتا تھا۔ کوٹھڑی میں آ کر وشال نے چاروں طرف بڑے غور سے دیکھا۔ عنبر اور ناگ دونوں دری پر گہری نیند سو رہے تھے۔ کوٹھڑی میں ان کے خراٹوں کی ہلکی ہلکی آواز گونج رہی تھی۔ اب اس نے اشرفیوں سے بھرے ہوئے تھیلے کی تلاش شروع کر دی۔

وہ دبے پاؤں چلتا عنبر اور ناگ کے قریب آ گیا۔ اس نے
جھک کر دیکھا۔ تھیلہ کہیں بھی نہیں تھا۔ وہ پریشان سا ہو گیا۔
آخر تھیلہ کہاں گیا؟ کوٹھڑی میں کوئی زیادہ سامان نہیں تھا۔ یہ
دونوں دری پر الگ الگ لیٹے ہوئے تھے۔

کونے میں بوریاں رکھی تھیں۔ پھر تھیلہ کہاں چلا گیا؟
وشال نے کمرے میں جھک کر تھیلے کی تلاش شروع کر دی۔
اب وہ کمرے میں جس طرف جا رہا تھا وہاں ماریا دری پر دیوار
کے ساتھ ہوئی تھی۔ اسے کوئی خبر نہیں تھی کہ جس دری کو وہ خالی
سمجھ رہا ہے وہاں ایک عورت ماریا لیٹی ہوئی ہے۔

وہ بڑے آرام سے پھونک پھونک کر قدم رکھتا آگے بڑھ
رہا تھا۔ کہ اچانک اس کا پاؤں سوئی ماریا سے ٹکرا گیا۔ ماریا بھی

ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی اور وشال بھی گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا کہ اس کا
پیر کس چیز سے ٹکرایا ہے وہاں تو کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس
کو ماریا نہیں دکھائی دے رہی تھی مگر ماریا نے دیئے کی ہلکی
روشنی میں اسے صاف دیکھ لیا تھا۔

ساتھ ہی وشال نے ماریا کا سرہانہ بھی دیکھ لیا۔ وہ بڑا
حیران ہوا کہ ابھی تو یہاں کوئی سرہانہ نہیں تھا۔ پھر یہ اچانک
سرہانہ کہاں سے آ گیا؟ وہ سرہانے کی طرف آگے بڑھا۔
ماریا سمجھ گئی کہ یہ شخص چوری کی نیت سے وہاں آیا ہے لیکن
دروازہ اندر سے بند تھا۔

ماریا چکر کھا گئی کہ یہ شخص اندر کیسے آ گیا؟ وشال سرہانے
کی طرف بڑھا۔ اس نے سرہانے کو الٹ دیا۔ نیچے اشرفیوں

سے بھرا ہوا تھیلا پڑا تھا۔ وشال نے لپک کر تھیلے کو کھولا تو اندر
اشرفیاں اور ہیرے جواہرات چمک رہے تھے۔ اس کی
آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

ماریا دیوار کے ساتھ لگی وشال کی طرف دیکھ کر دل ہی دل
میں ہنس رہی تھی کہ کم بخت کس طرح سے خوش ہو رہا ہے۔

وشال نے جلدی سے تھیلا بغل میں دبایا اور بوریوں کے پیچھے
آ گیا۔ ماریا نے اسے اس لیے کچھ نہ کہا کہ وہ جائے گا کہاں؟
دروازہ تو دوسری طرف تھا۔ اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ بوریوں
کے پیچھے بھی ایک چور دروازہ ہے۔

جب وشال کو بوریوں کے پیچھے دیر ہو گئی تو وہ اٹھ کر وہاں
گئی۔ کیا دیکھتی ہے کہ وہاں وشال کوئی نہیں ہے۔ اس کی جگہ

ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ یہ چور دروازہ کس لیے رکھا گیا
ہے؟"

عنبر نے کہا۔

"اس قسم کے دروازے ان مندروں میں ضرور رکھے
جاتے ہیں"۔

انہوں نے اٹھ کر دروازے کو اچھی طرح سے دیکھا۔ چور
دروازہ چھوٹا سا تھا جس میں سے سر جھکا کر ہی آدمی دوسری
طرف جا سکتا تھا۔ یہ دروازہ دوسری طرف سے بند کر دیا گیا
تھا۔ انہوں نے زور لگایا۔ دروازے کا پٹ اپنی جگہ سے بالکل
نہ ہلا۔

عنبر نے کہا۔

ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ یہ چور دروازہ کس لیے رکھا گیا ہے؟"۔

عنبر نے کہا۔

"اس قسم کے دروازے ان مندروں میں ضرور رکھے جاتے ہیں"۔

انہوں نے اٹھ کر دروازے کو اچھی طرح سے دیکھا۔ چور دروازہ چھوٹا سا تھا جس میں سے سر جھکا کر ہی آدمی دوسری طرف جا سکتا تھا۔ یہ دروازہ دوسری طرف سے بند کر دیا گیا تھا۔ انہوں نے زور لگایا۔ دروازے کا پٹ اپنی جگہ سے بالکل نہ ہلا۔

عنبر نے کہا۔

"صبح اٹھ کر اشرفیوں کا تھیلا واپس لیا جائے گا"۔

ناگ نے کہا۔

"وشال مکر جائے گا۔ وہ کبھی ہمیں تھیلا واپس نہیں کرے گا"۔

ماریا ہنس کر بولی۔

"یہ کام میں خود کروں گی۔ تم لوگ بے فکر نہ ہو۔ بس ذرا صبح ہو جانے دو"۔

عنبر نے کہا۔

"اسے یہ دیکھ کر حیرانی تو بہت ہوئی ہوگی کہ یہ کون سویا ہوا ہے؟"۔

ماریا بولی۔

"مگر اس نے تو مجھے دیکھا بھی نہیں۔ بس میرا سرہانہ دیکھ کر ہی حیران ہوا۔ پھر جب نیچے سے اشرفیوں کا تھیلا نکل آیا تو اس نے اسے اٹھا کر بھاگنے کی کی۔ اب صبح جا کر ذرا اس کی خبر لیتی ہوں"۔

ناگ نے کہا۔

"وشال اپنے طور پر کبھی اتنی جرات نہیں کرسکتا۔ میرا خیال ہے اس نے ضرور کسی کے کہنے پر چوری کی ہے"۔ عنبر نے کہا۔

"کیوں نہیں ایسا کرسکتا وہ؟ ہوسکتا ہے اس نے خود ہی چوری کی ہو۔ آخر اسے یہ تو پتہ چل ہی گیا تھا کہ ہمارے پاس اشرفیاں ہیں۔ انسان کی نیت بدلتے دیر لگا کرتی"۔

ناگ بولا۔

"بہر حال دن چڑھ جائے تو تھیلا واپس لیا جائے"۔

وہ صبح ہونے کا انتظار کرنے لگے۔

آخر دن نکل آیا۔ مندر میں ہر طرف روشنی پھیل گئی۔ عنبر اور ناگ کوٹھڑی میں ہی رہے۔ ماریا وشال کی تلاش میں کوٹھڑی سے باہر آ گئی۔ اس نے دونوں سے یہی کہا تھا کہ جب تک وہ وشال سے تھیلا لے کر واپس نہ آئے۔ وہ کوٹھڑی میں ہی رہیں اور کہیں نہ جائیں۔

اشرفیاں نہ ہونے کی صورت میں وہ کہیں جا بھی نہیں سکتے تھے۔ روپے پیسے کے بغیر تو ان کے لیے اس شہر میں رہنا بڑا مشکل تھا۔ ماریا دونوں بھائیوں کو کوٹھڑی میں چھوڑ کر باہر آ گئی۔

مندر کے صحن میں پجاریوں کی بڑی رونق تھی۔ لوگ پوجا کرنے چلے آ رہے تھے۔ ناگ دیوتا کے بت کے آگے سنکھ بج رہے تھے۔ پجاری منتر پڑھ رہے تھے۔ خوشبوئیں اڑ رہی تھیں۔

عورتیں بھی تھالیوں میں مٹھائیاں اور دودھ کے کٹورے رکھے پوجا کرنے مندر میں چلی آ رہی تھیں۔ ماریا وشال کو تلاش کر رہی تھی۔ وہ اسے کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ اسے یہ بھی خبر نہیں تھی کہ وشال کی کوٹھڑی کس جگہ پر ہے۔ ادھر ادھر سے گھوم گھام کر ماریا ناگ دیوتا والے ہال کمرے میں آ گئی۔

اس کا خیال تھا کہ وشال اگر کہیں بھی نہیں ہوا تو بڑے پجاری کے پاس ضرور ہو گا۔ لیکن وہ یہاں بھی نہیں تھا۔ ماریا

ایک ستون کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی اور ہر پجاری کو بڑے غور سے دیکھنے لگی۔

آخر اسے وشال نظر آ ہی گیا۔ وہ ناگ دیوتا کے بت والے دروازے کی طرف سے اندر آیا اور بڑے پجاری کے پاس آ کر جھک کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے ہاتھ میں دودھ کا کٹورا تھا۔ بڑے پجاری نے کٹورے میں سے تھوڑا سا دودھ پیا اور واپس کر دیا۔

وشال دودھ کا کٹورا تھالی میں رکھ کر جدھر سے آیا تھا ادھر کو ہی چل دیا۔ ماریا بڑی تیزی سے آگے بڑھی مگر مصیبت یہ تھی کہ وہاں کافی پجاری تھے۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کا جسم کسی دوسرے جسم سے ٹکرا جائے کیونکہ اس طرح سے وہاں

گھبراہٹ پیدا ہو سکتی تھی اور پجاری اسے پکڑ بھی سکتے تھے کہ یہ
کون سی عورت ہے جو نظر نہیں آتی مگر ان کے بیچ میں سے گذر
رہی ہے۔ وہ بڑی احتیاط سے چلتی ہوئی آگے بڑھ رہی ہے۔

چلتے چلتے وہ بڑے موٹے پجاری کے پاس آ گئی۔

ناگ دیوتا والا دروازہ اس کے پہلو میں ہی تھا۔ اسی
دروازے میں سے وشال گذر کر دوسری طرف چلا گیا تھا۔
موٹے پجاری کے پاس اس وقت ایک عورت جھکی کھڑی اس
کے قدموں پر مٹھائیاں رکھ رہی تھی۔ اچانک ماریا اس سے ٹکرا
گئی۔ عورت آگے کو پجاری کے اوپر گر پڑی۔ پجاری نے چیخ
کر کہا۔

"بدتمیز عورت! تجھے پوجا کرنے کی بھی تمیز نہیں؟"۔

عورت گھبرا گئی۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا کہ اسے پیچھے
سے کسی نے دھکا دیا ہے مگر وہاں اسے کوئی نظر نہ آیا۔ اس نے
پجاری سے کہا۔

"مہاراج! معاف کر دیں۔ مجھے پیچھے سے کسی نے دھکا
دیا تھا"۔

"کم بخت عورت! تمہارے پیچھے تو کوئی بھی نہیں ہے۔ پھر
تمہیں دھکا کس نے دے دیا؟"۔

عورت پریشان سی ہو کر وہاں سے چلی گئی۔

موٹا پجاری آنکھیں بند کر کے منتر پڑھنے لگا۔ ماریا کو
شرارت سوجھی جاتے جاتے اس نے فرش پر سے ایک مٹی کا
خالی کٹورا اٹھایا اور قریب جا کر موٹے پجاری کے سر پر زور

ہو رہا تھا جیسے وہ کسی سرنگ میں سے گذر رہی ہے۔ آگے جا کر ایک کوٹھڑی کا دروازہ آ گیا جس کے اندر سے وشال کے باتیں کرنے کی آواز آ رہی تھی۔ وہ کان دروازے کے ساتھ لگا کر سننے لگی۔ وشال کسی عورت سے بات کر رہا تھا۔

"اگر تم نے میرا کہا نہ مانا تو میں بڑے پجاری سے کہہ کر تمہیں راجہ کے قید خانے میں ڈلوا دوں گا جہاں سے تم ساری زندگی باہر نہ نکل سکو گی اور کبھی اپنے بال بچوں کی شکل نہ دیکھ سکو گی"۔

عورت روتی ہوئی کہنے لگی۔

"بھگوان کے لیے مجھ پر اور میرے بچوں پر ترس کھاؤ۔ میں ایک غریب بیوہ عورت ہوں۔ مجھے کسی سوداگر کے ہاتھ

ہو رہا تھا جیسے وہ کسی سرنگ میں سے گذر رہی ہے۔ آگے جا کر ایک کوٹھڑی کا دروازہ آ گیا جس کے اندر سے وشال کے باتیں کرنے کی آواز آ رہی تھی۔ وہ کان دروازے کے ساتھ لگا کر سننے لگی۔ وشال کسی عورت سے بات کر رہا تھا۔

"اگر تم نے میرا کہا نہ مانا تو میں بڑے پجاری سے کہہ کر تمہیں راجہ کے قید خانے میں ڈلوا دوں گا جہاں سے تم ساری زندگی باہر نہ نکل سکو گی اور کبھی اپنے بال بچوں کی شکل نہ دیکھ سکو گی"۔

عورت روتی ہوئی کہنے لگی۔

"بھگوان کے لیے مجھ پر اور میرے بچوں پر ترس کھاؤ۔ میں ایک غریب بیوہ عورت ہوں۔ مجھے کسی سوداگر کے ہاتھ

فروخت کر کے تمہیں کیا مل جائے گا؟"۔

وشال نے کہا۔

"مجھے ایک ہزار سونے کی اشرفیاں ملیں گی۔اور کیا تم سمجھتی ہو کہ یہ کوئی چھوٹی رقم ہے؟ بس تم چپ چاپ ہاں کہہ دو اور اپنی مرضی سے سوداگر کے پاس چلی جاؤ۔ اسے کہہ دو کہ تم اپنی مرضی سے فروخت ہو کر آئی ہو۔اس طرح سے مجھے زیادہ رقم مل جائے گی"۔

"کبھی نہیں۔کبھی نہیں۔میں ایسا کبھی نہیں کہوں گی"۔

ایک زور دار طمانچے کی آواز آئی۔ساتھ ہی عورت کی چیخ سنائی دی۔وشال نے اس عورت کے منہ پر طمانچہ مارا تھا۔پھر دروازہ کھلا اور وشال باہر نکل آیا۔

ماریا نے اسے تو جانے دیا کیونکہ اس کا خیال تھا کہ وہ اس کو دوبارہ تلاش کر لے گی۔ وہ کوٹھڑی کے اندر داخل ہو گئی۔ باہر سے جو تالا وشال لگا کر گیا تھا ماریا کے لیے اسے کھولنا مشکل کام نہیں تھا۔

کوٹھڑی میں جا کر ماریا نے دیکھا کہ ایک دیا طاق میں جل رہا تھا اور دیوار کے ساتھ لکڑی کے پرانے سے تخت پر ایک بہت ہی خوبصورت عورت بال کھولے بیٹھی رو رہی تھی۔

ماریا نے عرصے بعد ایک خوبصورت عورت کو دیکھا تھا۔ وہ تو اسے کھڑی دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔ پھر اس نے آگے بڑھ کر عورت کے سر پر ہاتھ رکھا۔عورت بھڑک کر پرے ہٹ گئی۔

"کون ہے؟ کون ہے؟"۔

ماریا نے کہا۔

"بہن گھبراؤ نہیں۔ میں آسمانوں سے تمہاری فریاد سن کر تمہاری مدد کرنے نیچے آئی ہوں۔ مجھ سے ڈرو نہیں۔ میں ایک آسمانی دیوی ہوں۔ میں صرف تمہاری فریاد سن کر آئی ہوں اور تمہاری ہمدرد ہوں۔ مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

عورت نے کہا۔

"لیکن تم۔۔۔تم مجھے نظر نہیں آ رہی؟"۔

ماریا بولی۔

"تم مجھے نہیں دیکھ سکتیں۔ لیکن میں تمہارے بالکل قریب کھڑی ہوں۔ تم اگر چاہو تو میرا ہاتھ محسوس کر سکتی ہو"۔

یہ کہہ کر ماریا نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا کر عورت کا ہاتھ تھام

لیا۔

اس سے اس مظلوم عورت کو بہت تسلی ہوئی کہ ایک آسمانی عورت اس کی مدد کرنے آ گئی ہے اور اس کے ساتھ ہی کھڑی ہے۔ ماریا نے اس سے پوچھا کہ وہ کون ہے اور یہ بد بخت وشال اسے کہاں سے پکڑ کر لایا ہے۔ عورت نے کہا۔

میرا نام شانتی ہے۔ میں ایک بیوہ عورت ہوں۔ میں اپنے بچوں کے ساتھ دریا کنارے گاؤں میں رہتی تھی۔ میری بدقسمتی کہ میں ایک روز یہاں ناگ دیوتا کی پوجا کرنے آئی تو اس پجاری نے مجھے پکڑ کر قید کر لیا۔

بڑا پجاری بھی اس کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ یہ دونوں مجھے ایک سوداگر کی لونڈی بنا کر فروخت کر دینا چاہتے ہیں۔

میرے بچے گھر پر میری نوکرانی کے پاس مجھے یاد کر کے روتے ہوں گے۔ کاش میں ان ظالموں کے چنگل سے بچ کر اپنے گھر جاسکتی"۔

ماریا نے کہا۔

"شانتی بہن! فکر نہ کرو۔ میں تمہیں یہاں سے نکالنے کے لیے ہی آئی ہوں۔ میں تمہیں اسی وقت یہاں سے نکال کر لے جاتی۔ لیکن ابھی باہر بڑا پجاری اور دوسرے لوگ بیٹھے ہیں۔ تم اطمینان رکھو۔ میں آج رات کو آؤں گی اور تمہیں یہاں سے نکال کر تمہارے گھر پہنچا دوں گی"۔

شانتی نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"بھگوان تمہارا بھلا کرے۔ اے آسمانی دیوی! میں

تمہاری راہ دیکھوں گی"۔

"فکر نہ کرو۔ میں ضرور آؤں گی"۔

یہ کہہ کر ماریا وہاں سے باہر چلی گئی۔ باہر آ کر اس نے کوٹھڑی کا دروازہ بند کر دیا۔ وہ سرنگ کے دروازے میں سے باہر نکل گئی۔ باہر وشال ابھی تک موٹے پجاری کے پاس جھک کر اس سے باتیں کر رہا تھا۔ ماریا اس کی باتیں سننے لگی۔ وشال کہہ رہا تھا۔

"شانتی تیار نہیں ہو رہی لیکن ہمیں اس کی ہاں یا ناں کی پرواہ کیے بغیر اسے سوداگر کے ہاتھ بیچ کر اپنی رقم کھری کرنی چاہیے۔ آخر ہم کب تک اس کی ہاں یا ناں کا انتظار کرتے رہیں گے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟"۔

"بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو تم۔ آج رات سوداگر کے پاس اسے لے جاؤ۔ اسے کوٹھڑی سے نکالو اور سوداگر کے ہاتھ بیچ کر رقم لے کر میرے پاس آ جاؤ"۔

"بہت بہتر مہاراج"۔

وشال وہاں سے چل دیا۔ ماریا بھی اس کے ساتھ پیچھے پیچھے چل پڑی۔ اس نے شانتی کو رات کے پہلے پہر اندھیرا ہوتے ہی نکال لے جانے کا فیصلہ کر لیا۔ وشال مندر کے صحن میں سے گزر کر ایک کوٹھڑی کا دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔ کم بخت نے اندر جاتے ہی دروازہ بند کر دیا اور اندر سے کنڈی لگا لی۔ ماریا نے دروازے پر دستک دی۔ وشال نے دروازہ کھولا اور باہر جھانک کر دیکھا۔

"کون ہے؟"۔

ماریا ادھ کھلے دروازے سے اندر داخل ہو گئی۔ وشال کو کانوں کان خبر نہ ہوئی کہ ماریا اس کی کوٹھڑی میں آ چکی ہے۔ وہ دروازہ اندر سے بند کر کے تخت پر بیٹھ گیا اور مرتبان میں سے خشک میوے نکال کر تھالی میں ڈالنے لگا۔

غار میں چیخ

ماریا خاموش کھڑی وشال کو دیکھتی رہی۔

وہ خشک میوے بڑے مزے سے کھا رہا تھا۔ ماریا یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ اس نے چرائی ہوئی دولت کہاں چھپا رکھی ہے۔ وہ کوٹھڑی میں گھوم پھر کر تلاشی لینے لگی۔ ایک مرتبان میں جھانکتے ہوئے لکڑی کی ڈوئی نیچے گر پڑی۔

وشال نے چونک کر مرتبان کی طرف دیکھا۔ اسے وہاں

کوئی بھی نظر نہ آیا۔ ڈوئی فرش پر گری پڑی تھی وہ اٹھ کر مرتبان کے پاس آیا۔ ماریا پرے ہٹ گئی۔ اس نے ڈوئی کو اٹھا کر بڑے غور سے دیکھا اور پھر مرتبان پر رکھ دیا۔ ماریا نے ایک تخت پوش کے نیچے جھانک کر دیکھا۔ اشرفیوں کا تھیلا وہاں بھی نہیں تھا۔

اتنے میں وشال خود ہی اٹھ کر کونے میں رکھی ہوئی لکڑیوں کے ڈنڈوں کے پاس آیا۔ ایک ایک کر کے اس نے لکڑیاں پرے ہٹائیں اور نیچے سے ایک تھیلا نکال لیا۔ اسی تھیلے میں اشرفیاں تھیں۔ ماریا غور سے دیکھنے لگی۔ وشال نے تھیلے میں سے اشرفیاں دری پر پھیلائیں اور انہیں بڑے شوق سے تکنے۔ وہ ایک ایک سونے کی اشرفی کو اٹھا کر چومتا اور خوش

ہوتا۔ اس وقت وہ ایک ایسا کنجوس آدمی لگ رہا تھا جس نے دولت کبھی نہ دیکھی ہو۔

ماریا اب اس انتظار میں تھی کہ وشال دوبارہ اشرفیاں تھیلے میں بھر کر واپس لکڑیوں میں رکھے اور وہاں سے اٹھا لے۔

وشال کچھ دیر اشرفیوں سے کھیلتا رہا۔ پھر اس نے ساری اشرفیاں تھیلے میں بند کیں اور تھیلے کو لکڑیوں کے پیچھے رکھ دیا۔ تھیلا چھپا کر وہ دروازے کے پاس آیا۔ اسے کھولا اور باہر نکل گیا۔

مصیبت یہ ہوئی کہ کم بخت جاتے ہوئے باہر سے کنڈی چڑھاتا گیا۔ بہرحال ماریا نے اشرفیوں کا تھیلا اٹھایا اور دروازے کے پاس آ کر کھڑی ہوگئی۔ اب وہ یہ سوچ رہی تھی

کہ باہر کیسے نکلا جائے۔

اس کا ایک ہی طریقہ تھا کہ وہ اندر سے دروازے کو زور زور سے کھٹکھٹائے۔ باہر سے آواز سن کر کوئی دروازہ کھولے اور وہ باہر نکل جائے۔

ماریا نے دروازے کو کھٹکھٹانا شروع کر دیا۔ وشال اس وقت وہاں سے نکل گیا تھا۔ ماریا دروازہ کھٹکھٹاتی رہی۔ کچھ دیر بعد کچھ پجاری دروازے کے قریب سے گذرے تو انہوں نے اندر سے دروازے پر دستکیں دینے کی آواز سنی۔ وہ بڑے حیران ہوئے کہ دروازہ باہر سے بند ہے پھر اندر سے دستک کون دے رہا ہے۔ ایک پجاری نے کہا کہ ہوسکتا ہے۔ وشال اندر رہ گیا ہو اور کسی نے غلطی سے باہر سے کنڈی چڑھا دی

ہو۔اس خیال کے ساتھ ہی انہوں نے دروازہ کھول دیا۔

دروازے کے کھلتے ہی ماریا لپک کر باہر نکل آئی۔

پجاری اندر جھانک کر تکنے لگے مگر اندر کوئی بھی نہیں تھا۔

کوٹھڑی بالکل خالی تھی۔وہ بڑے حیران ہوئے کہ اگر اندر کوئی نہیں تھا تو پھر دستک کون دے رہا تھا۔بہر حال وہ تعجب کرتے رہے اور ماریا اشرفیوں سے بھری ہوئی تھیلی لے کر عنبر اور ناگ کے پاس کوٹھڑی میں آ گئی۔

"یہ لو بھائی عنبر اپنی اشریاں"۔

ناگ بولا۔

"بھئی واہ! تم نے تو کمال کر دیا۔یہ کہاں سے ملیں؟"۔

"بس وشال کی کوٹھڑی سے۔اس نے اندر تھیلا چھپا رکھا

تھا"۔

"شاباش! تم بہت بہادر لڑکی ہو"۔

ماریا نے کہا۔

"اب ایک اور لڑکی کو مصیبت سے نجات دلانی ہے"۔

عنبر نے پوچھا۔

"وہ کون لڑکی ہے ماریا بہن؟"۔

ماریا بولی۔

"شانتی اس لڑکی کا نام ہے۔کمینہ موٹا پجاری وشال کے ساتھ مل کر اس لڑکی کو کسی سوداگر کے ہاتھ آج رات کے پہلے پہر فروخت کرنا چاہتا ہے۔ان لوگوں نے شانتی کو ایک قریبی گاؤں سے اغوا کیا ہے"۔

عنبر بولا۔

"یہ تو بڑی بری بات تم نے سنائی۔ شانتی کی تو ہمیں ضرور مدد کرنی چاہیے۔ میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں"۔

ماریا نے کہا۔

"نہیں عنبر بھائی! میرا خیال ہے تمہارے جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ کام میں اکیلی بھی کر سکتی ہوں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ ناگ بھائی میرے ساتھ چلے تو میرا کام ذرا آسان ہو جائے گا"۔

ناگ نے کہا۔

"میں تیار ہوں ماریا بہن۔ بولو کس وقت چلنا ہے؟"۔

"شام ہونے کے بعد"۔

"اس وقت تو مندر میں کافی لوگ جمع ہوں گے"۔ عنبر نے کہا۔

ماریا بولی۔

"فکر نہ کرو عنبر بھائی! ہم کسی نہ کسی طرح شانتی کو قید کوٹھڑی سے نکال کر یہاں لے آئیں گے"۔

ناگ بولا۔

"اگر ہم شانتی کو یہاں لے آئے تو ہو سکتا ہے۔ بھانڈا پھوٹ جائے۔ کیونکہ پجاری وشال سارے مندر کی تلاشی ضرور لے گا۔ اگر شانتی انہیں ہماری کوٹھڑی سے مل گئی تو ایک تو وہ شانتی کو پکڑ کر لے جائیں گے۔ دوسرے ہمیں بھی مندر سے نکال دیا جائے گا"۔

عنبر نے کہا۔

"تو پھر ہم شانتی کو اور کہاں چھپا سکتے ہیں؟ ہمارے لیے
تو یہی ایک جگہ ہے۔ میرا خیال ہے تم لوگ کسی طرح اسے
یہاں لے آؤ۔ ہم اسے چھپا لیں گے"۔

ماریا نے کہا۔

"اس کے چھپانے کا بندوبست میں خود کر لوں گی۔ میں
زمین پر بیٹھ کر اسے اپنی گود میں بٹھا لوں گی۔ پھر اسے کوئی نہیں
دیکھ سکے گا۔ جب تک وہ میری گود میں بیٹھی رہے گی غائب
رہے گی"۔

ناگ نے اچھل کر کہا۔

"بالکل ٹھیک ہے۔ یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ بس ہم ابھی

جا کر اسے قید کوٹھڑی سے نکال کر لے آتے ہیں"۔

ماریا نے کہا۔

"آؤ ناگ بھائی میرے ساتھ"۔

ماریا ناگ کو ساتھ لے کر ناگ دیوتا کے بڑے بت کی
طرف چل پڑی۔

ادھر وشال جب واپس اپنی کوٹھڑی میں آیا تو تھیلے کو غائب
پا کر پریشان ہو گیا۔

اس نے کمرے کا ایک ایک کونہ چھان مارا مگر اشرفیوں کا
تھیلا اسے کہیں بھی نہیں ملا۔ وہ بڑے غصے میں آ گیا۔ اس نے
پجاریوں کو بلا کر پوچھا کہ اس کی کوٹھڑی میں کون داخل ہوا تھا؟

ایک پجاری نے کہا۔

مہاراج! ہم آپ کی کوٹھڑی کے قریب سے گزر رہے تھے
کہ ہمیں اندر سے کسی کے دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز آئی۔ ہم
پہلے تو بڑے حیران ہوئے کہ اندر کون ہو سکتا ہے۔ پھر ہم نے
آواز دے کر بھی پوچھا کہ اندر کون ہے۔ مگر اندر سے کسی نے
جواب نہیں دیا۔

ہم نے دروازہ کھول دیا۔ لیکن اندر سے کوئی بھی نہ نکلا۔ ہم
بڑے حیران ہوئے اور دروازہ دوبارہ بند کر دیا۔ اس کے علاوہ
ہمیں کوئی خبر نہیں کہ آپ کا تھیلا کہاں رکھا تھا۔

پجاری وشال نے کڑک کر کہا۔

"تم سب الو کے پٹھے ہو۔ گدھے ہو۔ احمق ہو۔ بھلا یہ
کیسے ہو سکتا ہے کہ اندر کوئی دستک دے اور پھر غائب ہو

جائے؟"۔

"کیا وہ کوئی بھوت ہے؟"۔

ایک پجاری نے کہا۔

"مہاراج! یقین کریں وہ ضرور کوئی بھوت ہوگا۔ جس نے
آپ کی اشرفیاں چوری کی ہیں۔ ہم کبھی ایسا کام کرنے کی
جرات نہیں کر سکتے"۔

وشال نے طیش میں آ کر کہا۔

"دفع ہو جاؤ میری آنکھوں کے سامنے سے۔ نہیں تو میں
سب کو سولی پر لٹکا دوں گا"۔

سارے پجاری دم دبا کر بھاگ گئے۔ کیونکہ انہیں معلوم
تھا کہ وشال موٹے پجاری کے بہت منہ لگا ہوا ہے اور بڑے

موٹے پجاری کو وزیر چانکیہ کی حمایت حاصل ہے۔ اگر وہ ایک ایک پجاری کو سچ مچ پھانسی پر چڑھا دے تو اسے کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔

وشال وہاں سے سیدھا بڑے موٹے پجاری کے پاس آ گیا۔ اس نے اسے ساری کہانی سنائی۔ موٹے پجاری نے گرم ہو کر کہا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کس میں اتنی ہمت ہے کہ ہم لوگوں کی کوٹھڑی سے اشرفیاں چوری کرے؟"۔

وشال نے کہا۔

"مگر ایسا ہوا ہے۔ اشرفیاں میری کوٹھڑی سے چوری ہو گئیں ہیں"۔

موٹے پجاری نے کہا۔

"یہ کام کسی اپنے آدمی کا ہے۔ غیر آدمی کی جرات نہیں ہو سکتی کہ وہ ہماری کوٹھڑی میں داخل ہو"۔

وشال بولا۔

"مگر سنا ہے کہ کوئی بھوت مندر میں گھوم پھر رہا ہے۔ ہو سکتا ہے یہ کام اسی کا ہو"۔

"تم بھی بھوتوں پر اعتبار کرنے لگے؟ ارے میاں یہ کام کسی بھوت کا نہیں بلکہ کسی آدمی کا ہے۔ جو ہمارا تمہارا دشمن ہے اور جسے روپے پیسے کا لالچ ہے۔ اب ہمیں صرف یہ معلوم کرنا ہے کہ چور کون ہے؟"۔

وشال نے کہا۔

"اچھا یہ کام تو ہم بعد میں بھی کر لیں گے۔ پہلے شانتی کو یہاں سے نکال کر سوداگر کے پاس پہنچانے کا تو انتظام کریں"۔

موٹا پجاری بولا۔

"یہ کام رات کو بھی ہو سکتا ہے"۔

"نہیں بھائی! یہ کام ہمیں شام ہونے کے فوراً بعد کر لینا ہو گا۔تا کہ رات ہونے تک ہم شانتی کی رقم کھری کر والیں"۔

"تو پھر ٹھیک ہے۔تم جا کر شانتی کو یہاں لے آؤ۔ میں اتنی دیر میں تیار ہو کر یہاں موجود ہوں گا اور پھر ہم دونوں اسے لے کر شہر میں جادوگر کے پاس چلے جائیں گے"۔

"بہت اچھا۔تم اسی جگہ ٹھہرو۔ میں تہہ خانے میں جا کر

شانتی کو لے آتا ہوں"۔

موٹے پجاری نے کہا۔

"مگر اسے بے ہوش کر کے آنا"۔

"بے ہوش کر کے ہی لاؤں گا بھائی۔ ہوش میں تو وہ یہاں شور مچا دے گی۔ میں یہ خطرہ کیسے مول لے سکتا ہوں۔ بے ہوش کرنے والی دوائی میری جیب میں موجود ہے۔" اچھا خدا حافظ!"۔

"خدا حافظ!"

موٹا پجاری دوبارہ پوجا کرنے لگا اور روشال وہاں سے اٹھ کر سیدھا ناگ دیوتا کے بڑے بت والے دروازے کی طرف چل پڑا۔ٹھیک اس وقت ماریا اور ناگ دروازے میں سے

گذر کر تہہ خانے کی سرنگ میں پہنچ چکے تھے۔انہوں نے دیکھا کہ وشال سرنگ کے اندر داخل ہو رہا تھا۔ ماریا نے کہا۔

''وہ آ رہا ہے۔ناگ! تم اپنی جون بدل لو''۔

''ٹھیک ہے''۔

ناگ نے ایک طرف ہٹ کر زور سے سانس اندر کو کھینچا۔ جب سانس اس نے باہر کو چھوڑا تو وہ سانپ کی شکل اختیار کر چکا تھا۔ سرنگ میں ہلکا ہلکا اندھیرا تھا۔ دیوار میں جلتی ہوئی مشعل کی روشنی بہت ہلکی تھی۔ سانپ رینگتا ہوا دیوار پر چڑھ گیا۔ ماریا نے سرگوشی سے کہا۔

''تم سانپ بن کر مجھے دیکھ سکتے ہو۔اس لیے تم میرے پیچھے پیچھے، میرے ساتھ ساتھ رہنا۔ وہ سامنے دروازہ ہے۔تم

بھی میرے ساتھ ہی اندر آ جانا۔ وقت بہت تھوڑا ہے۔ وشال چلا آ رہا ہے''۔

ناگ بولا۔

''ماریا ٹھیک ہے۔میں سمجھ گیا ہوں۔تم اندر چلو''۔

ماریا تیزی سے کوٹھڑی کے دروازے پر آ گئی۔اس نے آہستہ سے دروازے پر دستک دی۔ شانتی دستک کی آواز سے سمجھ گئی کہ آسمانی دیوی آئی ہے۔اس نے لپک کر دروازہ کھول دیا۔ ماریا اور سانپ جلدی سے اندر داخل ہو گئے۔ اندر آتے ہی شانتی نے دروازہ بند کر دیا۔

ماریا نے کہا۔

''شانتی! وشال آ رہا ہے۔وہ تمہیں یہاں سے سوداگر کے

پاس لے جانے آ رہا ہے"۔

اچانک شانتی نے چیخ ماری۔

"کیا ہوا؟"۔ ماریا نے پوچھا۔

"سانپ! سانپ!"

ماریا نے ہنس کر کہا۔

"گھبراؤ نہیں۔ یہ سانپ میرا بھائی ناگ ہے۔ یہ تمہیں کچھ نہیں کہے گا بلکہ یہ تمہاری مدد کرنے میرے ساتھ آیا ہے۔ اب تم جلدی سے ہمارے ساتھ باہر نکل چلو"۔

شانتی نے کہا۔

"لیکن آسمانی دیوی! میں اگر تمہارے ساتھ باہر آ گئی تو لوگ مجھے دیکھ لیں گے۔ وشال مجھے دیکھ لے گا"۔

ابھی وہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ دروازے پر وشال نے دستک دی۔

"وہ کم بخت آ گیا"۔ شانتی ایک طرف ہو کر سہم گئی۔

ماریا نے کہا۔

"گھبراؤ نہیں شانتی! ابھی سب ٹھیک ہو جائے گا"۔

"دروازہ کھولو نہیں تو میں توڑ دوں گا"۔

باہر سے وشال نے آواز لگائی۔

"اب کیا کریں آسمانی دیوی؟ یہ تو سچ مچ دروازہ توڑ دے گا"۔

"دروازہ کھول دو شانتی! اس بد بخت پجاری کو اندر آنے دو۔ میں دیکھوں گی کہ وہ تمہیں کس طرح ظلم کر کے یہاں سے

اغوا کرتا ہے۔کھول دو دروازہ"۔

شانتی نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔وشال نے اندر آتے ہی دروازے پر کنڈی چڑھا دی اور پوچھا۔

"یہ تم اندر کس کے ساتھ باتیں کر رہی تھیں؟"۔

شانتی نے کہا۔

"میں بدقسمت یہاں کس کے ساتھ باتیں کر سکتی ہوں۔ یہاں سوائے میرے کوئی بھی نہیں ہے۔تم خود دیکھ سکتے ہو۔تم باہر سے دروازہ بند کر کے جاتے ہو"۔

وشال نے کہا۔

"کمینی عورت! باہر سے دروازے کی کنڈی کھلی تھی۔اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ کسی نے باہر سے دروازہ کھولا اور وہ

اندر آیا"۔

شانتی نے کہا۔

"اگر کوئی اندر ہوتا تو تمہیں نظر نہ آتا۔تم خود دیکھ رہے ہو کہ کوٹھڑی بالکل خالی ہے۔پھر تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ یہاں کوئی غیر شخص موجود ہے"۔

وشال نے کوٹھڑی میں چاروں طرف دیکھا۔اس وقت ماریا اس کے بالکل سامنے دیوار کے پاس کھڑی تھی اور ناگ سانپ کی شکل میں دیوار کے پتھروں میں چھپا ہوا تھا۔

وشال نے بڑے غور سے کوٹھڑی میں سارے دیکھا۔واقعی وہاں کوئی نہیں تھا۔وہ حیران ہوا کہ دروازہ باہر سے کس نے کھولا تھا؟ پھر اس نے سوچا کہ ہو سکتا ہے۔کسی نے چلتے چلتے

یونہی کنڈی کھول دی ہو۔ بہر حال وہ ایسی باتیں سوچنے کا وقت نہیں تھا۔ وہ تو شانتی کو وہاں سے نکالنے کے لیے آیا تھا۔ اب تو شانتی کو ہمیشہ کے لیے وہاں سے چلے جانا تھا۔

وشال نے حکم دیتے ہوئے کہا۔

''چلو اٹھو! میں تمہیں لینے آیا ہوں''۔

''میں نہیں جاؤں گی''۔

''بک بک بند کرو۔ تمہیں میرے ساتھ چلنا ہو گا۔ یاد رکھ اگر تو میرے ساتھ نہ گئی تو تمہیں اس کوٹھڑی میں قتل کر کے دفن کر دیا جائے گا''۔

شانتی کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

پجاری کا خون

وشال نے شانتی کی چیخ سن کر کہا۔

''چاہے جتنا چیخو چلاؤ۔ یہاں تمہاری آواز سننے والا کوئی نہیں ہے''۔

شانتی نے کہا۔

''میرا خدا میری آواز سن رہا ہے۔ وہ ضرور میری مدد کرے گا۔ اور مجھے تم جیسے وحشی ظالم سے بچائے گا''۔

وشال نے غصے میں آ کر شانتی کے منہ پر زور سے تھپڑ مار دیا۔وہ بے چاری لڑکھڑا کر گر پڑی۔وشال نے اسے لاتوں اور گھونسوں سے مارنا شروع کر دیا۔شانتی کی چیخیں نکل رہی تھیں اور وشال وحشیوں کی طرح اسے پیٹ رہا تھا۔شانتی نے فریاد کرتے ہوئے کہا۔

”آسمانی دیوی! میری مدد کر“۔

ماریا سے اب شانتی کی حالت برداشت نہ ہو سکی۔اس نے سانپ کو اشارہ کیا۔سانپ دیوار پر سے رینگ کر نیچے اتر آیا۔

وشال نے قہقہہ مار کر کہا۔

”کون ہے تمہاری آسمانی دیوی؟ اسے بھی کہو کہ یہاں آئے اور تمہاری مدد کر کے دیکھ لے“۔

سانپ اس وقت وشال کے قریب پہنچ گیا۔سانپ نے زور سے پھنکار ماری اور اپنا پھن پھیلا کر وشال کی آنکھوں کے آگے کھڑا ہو کر زور زور سے جھومنے اور اپنی لال زبان باہر نکالنے لگا۔وشال ایک دم ٹھٹھک گیا۔اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ سانپ بھی اس کوٹھڑی میں آ سکتا ہے۔ماریا نے قریب جا کر کہا۔

”اے بدبخت ظالم پجاری! میں آسمانی دیوی ہوں اور سانپ کے روپ میں تجھے تمہارے ظلم کا مزا چکھانے آئی ہوں۔تم نے اس بے بس اور مجبور عورت پر بہت ظلم کیا ہے اور اب تم اسے یہاں سے فروخت کرنے کے لیے لے جا رہے ہو۔مگر یاد رکھو تم ایسا نہیں کر سکو گے۔تمہارا آخری وقت آن

پہنچا ہے"۔

وشال گھبرا گیا لیکن سانپ اس نے مندر میں بڑے دیکھے تھے۔اس نے لپک کر ناگ کی گردن پکڑ لی۔یہ پہلا موقع تھا کہ ناگ بھی کسی کے قابو آیا تھا۔ناگ نے بہت ہاتھ پاؤں مارے مگر وشال کی گرفت سے وہ نہ نکل سکا۔

ناگ کا سانس گھٹنے لگا۔ماریا نے یہ حالت دیکھی تو جلدی سے اس نے کونے میں پڑا ہوا مٹی کا پیالہ اٹھایا اور وشال کے سر پر دے مارا۔

وشال لڑکھڑا کر گرا اور ناگ اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔

ماریا نے چیخ کر کہا۔

"ناگ!اس کو زندہ مت چھوڑنا۔یہ تمہاری جان کا دشمن

ہے۔اسے ختم کر دو"۔

ناگ سخت غصے میں تھا۔اس نے اچھل کر وشال کی گردن میں کان کے پاس ڈس دیا۔وشال نے سانپ کو ایک بار پھر پکڑنے کی کوشش کی مگر سانپ کا زہر اپنا کام کر چکا تھا۔

وشال کی آنکھیں زہر کے اثر سے پتھرانا شروع ہو گئیں۔

اس کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ گئے۔ماریا نے کہا۔

"ظلم کا انجام تم نے دیکھ لیا۔وشال؟اب بول کی الو اپنے کیے پر پچھتا نہیں رہا؟"۔

وشال نے کچھ کہنا چاہا مگر اس کی زبان نے اس کا ساتھ نہ دیا۔اس کا ہاتھ ذرا سا اٹھا اور پھر گر پڑا۔وہ مر چکا تھا۔ماریا نے شانتی سے کہا۔

”شانتی بہن! موذی دشمن ہلاک ہو چکا ہے۔ اب تم
ہمارے ساتھ یہاں سے نکل چل“۔
شانتی نے کہا۔

”آسمانی دیوی! اگر میں آپ کے ساتھ باہر گئی تو لوگ
مجھے دیکھ لیں گے۔ پجاری سارے موٹے پجاری کے ساتھ
ملے ہوئے ہیں۔ وہ اسی وقت مجھے پکڑ لیں گے اور مجھے وشال
کے قتل کے جرم میں پھانسی پر چڑھا دیں گے“۔

ناگ اب انسان کی شکل میں آ گیا تھا۔ شانتی نے ایک
نوجوان کو سانپ سے انسان بنتے دیکھا تو ڈر کر پرے ہٹ
گئی۔ ماریا نے کہا۔

”گھبراؤ نہیں شانتی! یہ میرا بھائی ناگ ہے۔ اس میں اتنی

طاقت آ گئی ہے کہ یہ جس شکل میں چاہے ظاہر ہو سکتا ہے۔ یہ
تمہارا بھی بھائی ہے اور میرے ساتھ تمہاری مدد کے لیے آیا
تھا“۔

شانتی نے ہاتھ جوڑ کر ناگ کو سلام کیا اور کہا۔

”ناگ بھائی! میں آسمانی دیوی کے ساتھ ساتھ تمہارا بھی
بہت بہت شکریہ ادا کرتی ہوں۔ لیکن وشال کی موت کا الزام
ظاہر ہے مجھ پر ہی لگایا جائے گا۔ اگر میں پکڑی گئی تو موٹا
پجاری مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ اس لیے تم ہی بتاؤ کہ ہمیں
کیا کرنا چاہیے“۔

ماریا نے کہا۔

”ناگ بھائی! تمہاری کیا رائے ہے؟ ہمیں شانتی کو لے کر

یہاں سے کیسے نکلنا چاہیے؟"۔

ناگ نے کہا۔

"بڑی آسان ترکیب ہے۔ اگر تم اس پر عمل کر سکو"۔

"وہ کونسی ترکیب ہے ناگ بھائی؟ مجھے بھی تو بتاؤ"۔

ناگ بولا۔

"ہم شانتی بہن کو وشال پجاری کا لباس پہنا کر یہاں سے باہر لے جائیں گے۔ یہ کپڑے سے پجاریوں کی طرح سر ڈھانپ لے گی۔ کسی کو شک نہیں پڑے گا"۔

ماریا نے کہا۔

"ترکیب بڑی اچھی ہے۔ شانتی! جلدی سے وشال کے کپڑے پہن لو۔ جلدی کرو۔ وقت بہت کم ہے۔ کم بخت ایسا

نہ ہو کہ بڑا پجاری ادھر آ جائے"۔

شانتی نے اسی وقت پجاری وشال کے کپڑے پہن لیے۔ سر پر اس نے کپڑا ڈال دیا۔ سیاہ رنگ کے لمبے چغے میں وہ بالکل پجاری لگ رہی تھی۔ ماریا نے کہا۔

"ناگ بھائی! تم سانپ کا روپ بدل لو اور یہاں سے نکل چلو۔ شانتی بہن! تم گھبرانا بالکل نہیں۔ ہم تمہیں نظر نہیں آئیں گے مگر فکر مت کرنا۔ ہم تمہارے ساتھ ساتھ چل رہے ہوں گے"۔

"بہت اچھا آسمانی دیوی!"

شانتی وشال پجاری کے لباس میں کوٹھڑی سے باہر نکل آئی۔ ناگ سانپ کی شکل میں دیوار کے ساتھ رینگنے لگا۔ ماریا

شانتی کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی۔ سرنگ میں سے نکل کر سیڑھیاں چڑھنے ہی والے تھے کہ اوپر سے اچانک موٹا پجاری نمودار ہوا۔

ماریا بھی گھبرا گئی۔ شانتی رک گئی۔ ماریا بھی رک گئی۔ سانپ بھی ٹھہر گیا۔ موٹے پجاری نے دیکھا کہ وشال چلا آ رہا ہے۔ وہاں روشنی کم تھی وہ پہچان نہ سکا۔ کہ وشال کے لباس میں وہ شانتی ہے۔ اس نے کہا۔

"کیا ہوا وشال؟ تم اکیلے کیوں آ رہے ہو؟ شانتی کہاں ہے؟ وشال نے کوئی جواب نہ دیا۔ موٹا پجاری نیچے اتر آیا۔ وہ شانتی کے قریب آ کر بولا۔

"تم چپ کیوں ہو وشال؟"۔

پھر اس نے شانتی کا چہرہ اوپر اٹھایا تو اسے دیکھ کر دنگ رہ گیا۔

"تم"۔

ابھی یہ لفظ اس کے منہ میں ہی تھا کہ ماریا نے اس کی موٹی گردن پر اس زور سے مکا مارا کہ وہ لڑکھڑا کر گر پڑا۔ ماریا نے کہا۔

"شانتی جلدی سے باہر نکل چلو"۔

شانتی لپک کر دروازے سے باہر آ گئی۔ ساتھ ہی ماریا اور ناگ بھی باہر نکل آئے۔

موٹے پجاری نے شور مچا دیا۔

"چور۔ چور۔ چور۔ پکڑو انہیں۔ پکڑو انہیں"۔

مگر وہ تینوں سیڑھیوں والے سرنگ کے دروازے سے باہر آ چکے تھے۔ باہر آتے ہی شانتی نے زور سے دروازہ بند کر کے کنڈی لگا دی۔

”شانتی! بھاگو یہاں سے سامنے والے دروازے کی طرف“۔

ماریا اور شانتی سامنے والے دروازے کی طرف بھاگے۔ سانپ بھی ان کے ساتھ ساتھ تھا۔ صحن میں کوئی نہیں تھا۔ دروازے میں سے گذر کر وہ برآمدے میں گئے۔

ماریا نے کہا۔

”یہاں سے آخری کوٹھڑی کی طرف چلو۔ آخری کوٹھڑی میں ہی ہم رہتے ہیں۔ ہمیں وہیں جانا ہے۔ ہمارا بھائی عنبر

تمہارا انتظار کر رہا ہے۔ بھاگو۔ جلدی کرو۔ کچھ لوگ بھاگے آ رہے ہیں“۔

برآمدے میں اندھیرا تھا۔ دور ایک مشعل جل رہی تھی۔

شانتی آخری کوٹھڑی کی طرف بھاگی۔ ماریا اور سانپ بھی اس کے ساتھ بھاگ رہے تھے۔ وہ عنبر کی کوٹھڑی کے باہر رک گئے۔

ماریا نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ عنبر نے جلدی سے دروازہ کھول دیا۔ ماریا، شانتی اور ناگ اندر داخل ہو گئے۔ عنبر نے جلدی سے دروازہ بند کر کے کنڈلی لگالی۔

”اُفوہ! خدا کا شکر ہے کہ شانتی بچ کر آ گئی“۔

ماریا نے اطمینان کا سانس لیا۔ عنبر نے پوچھا۔

"کیا ہوا؟"۔

"کم بخت موٹا پجاری عین وقت پر سامنے آ گیا۔ اگر میں
اس کی گردن پر مکا مار کر نہ گراتی تو شانتی کو وہ دوبارہ پکڑ لیتا۔"

ناگ دوبارہ انسانی شکل میں آ چکا تھا۔ اس نے کہا۔

"اگر وہ شانتی کو پکڑتا تو میں اسے بھی وشال کی طرح ڈس
کر ہلاک کر دیتا"۔

"تو کیا وشال کو ہلاک کر دیا؟" عنبر نے پوچھا۔

ماریا نے کہا۔

"ہاں عنبر بھائی! اس نے ناگ ہو ہلاک کرنے کی کوشش
کی تھی۔ کم بخت نے ناگ بھائی کو گردن سے دبوچ لیا تھا۔
اگر میں اس کے سر پر پتھر نہ مارتی تو اس وقت ناگ مر چکا

ہوتا"۔

ناگ گردن سہلاتے ہوئے بولا۔

"ہاں بھائی! میری گردن ابھی تک درد کر رہی ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"یہ تو تم نے بالکل ٹھیک کیا۔ وشال ایک ظالم شخص تھا۔
اس کی گردن پر نہ جانے کتنے بے گناہ عورتوں کا خون تھا۔ اچھا
ہوا جو اس دنیا سے ایک برا اور ظالم آدمی اٹھ گیا۔ یہ بتاؤ کہ
موٹے پجاری کو پتہ چل گیا تھا کہ شانتی وشال کے بھیس میں
بھاگ گئی ہے؟"۔

ماریا نے کہا۔

"وہی تو ہمیں راستے میں ملا تھا۔ اسے تو ضرور پتہ چل گیا

ہے اور اب تک تو اسے یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ اس کا ساتھی وشال مر چکا ہے۔ کیونکہ کوٹھڑی میں جا کر اس نے وشال کی لاش دیکھ لی ہو گی''۔

ناگ نے کہا۔

''شانتی بہن! تم جلدی سے دوسرے کپڑے پہن لو۔ وشال کے کپڑے اتار کر پھینک دو''۔

''بہت اچھا بھائی''۔

شانتی نے پجاری کا سیاہ چغہ اتار کر تخت پوش کے نیچے چھپا دیا اور ماریا کے کپڑے تھیلے میں سے نکال کر پہن لیے۔ عنبر نے کہا۔

اس مندر میں ایک ہی وقت میں تین وارداتیں ہوئی ہیں۔

پہلی واردات یہ ہوئی ہے کہ وشال کی کوٹھڑی سے اشرفیوں کی تھیلی چرا لی گئی ہے۔ دوسری واردات یہ ہوئی ہے کہ وشال کو ہلاک کر دیا گیا ہے اور تیسری وارات یہ ہوئی ہے کہ شانتی بھاگ گئی ہے۔

ظاہر ہے بڑا پجاری اب سارے مندر کی تلاشی لے گا۔ وہ آرام سے نہیں بیٹھے گا۔ اس نے اپنی آنکھوں کے سامنے شانتی کو وشال کے لباس میں بھاگتے دیکھا ہے۔ وہ اب تک مندر کے سارے دروازے بند کر کے وہاں پہرہ بٹھا چکا ہو گا تا کہ اندر سے کوئی بھی شخص نکل کر باہر نہ جا سکے''۔

ناگ نے کہا۔

''تمہارا خیال بالکل صحیح ہے عنبر بھائی! بڑے پجاری نے

یقیناً ایسا ہی کیا ہو گا۔ بلکہ وہ اب سارے مندر کی اور مندر کی ساری کوٹھڑیوں کی ایک ایک کر کے تلاشی لے گا۔ اسے وزیراعظم پاٹلی پتر کی زبردست حمایت حاصل ہے۔ وہ بے دھڑلے ہو کر مندر کی تلاشی لے گا۔ کوئی اسے کچھ نہ کہہ سکے گا"۔

ماریا بولی۔

اس کا مطلب یہ ہوا ہے کہ ہمیں شانتی کو کسی ایسی جگہ چھپانا ہو گا جہاں سے کوئی اس کی ایک جھلک نہ دیکھ سکے۔ اور اس کے لیے یہی ایک بہترین طریقہ ہے کہ جب کوئی اس کوٹھڑی کی تلاشی لینے آئے تو میں شانتی کو گودی میں لے کر بیٹھ جاؤں۔

اس طرح سے شانتی میرے ساتھ ہی غائب ہو جائے گی۔ کیونکہ جو شے میرے ہاتھ میں آ جاتی ہے یا میری گود میں آ جاتی ہے وہ بھی میرے ساتھ ہی غائب ہو جاتی ہے۔

عنبر نے کہا۔

یہ تو ٹھیک ہے ماریا بہن! لیکن تم چھوٹی سی کوٹھڑی میں اگر شانتی کو گود میں لے کر بیٹھ گئیں تو ہو سکتا ہے تلاشی لینے والوں میں سے کوئی تمہارے ساتھ ٹکرا جائے۔

اگر ایسا ہو گیا تو پھر بڑی مصیبت آ جائے گی۔ شانتی پکڑی جائے گی اور اس کے ساتھ ہی یہ لوگ ہمیں بھی گرفتار کر لیں گے۔

"اگرچہ وہ مجھے مار نہیں سکیں گے مگر ہمارے لیے ایک

پریشانی ضرور کھڑی کر دیں گے‘‘۔

ماریا نے پوچھا۔

’’تو پھر اس کے سوا ہم اور کر بھی کیا سکتے ہیں؟‘‘۔

ناگ نے کہا۔

’’میرا خیال ہے کہ ماریا کی ترکیب بہت اچھی ہے۔ اگر کوئی تلاشی لینے والا اس سے ٹکرا بھی گیا تو ہم اس کو سنبھال لیں گے دیکھا جائے گا‘‘۔

عنبر نے کہا۔

’’اگر تم لوگوں کی یہی رائے ہے تو پھر مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ ٹھیک ہے۔ اب ہمیں آرام سے کوٹھڑی میں بیٹھ کر تلاشی لینے والوں کا انتظار کرنا چاہیے‘‘۔

ماریا بولی۔

’’مگر مجھے تو بھوک لگی ہے۔ شانتی کو بھی ضرور بھوک لگ رہی ہو گی۔ کیوں شانتی بہن؟‘‘۔

شانتی نے کہا۔

’’اے آسمانی دیوی! میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ ایک آسمانی دیوی ہو کر بھی آپ کو عام انسانوں کی طرح بھوک پیاس کیوں لگتی ہے؟ کیا آپ مجھے سچ سچ نہیں بتائیں گی کہ یہ اصل معاملہ کیا ہے۔ آپ کون ہیں اور کس طرح سے غائب ہو گئی ہیں؟‘‘۔

ماریا نے ہنس کر کہا۔

’’بہن۔ یہ وقت ایسی باتیں پوچھنے کا نہیں ہے۔ یہ باتیں

پھر کبھی فرصت کے وقت ہوں گی۔ اس وقت میں تمہیں صرف
اتنا ہی بتاؤں گی کہ میں کوئی آسمانی دیوی نہیں ہوں۔ تمہاری
طرح سے ایک عام عورت ہوں اور مجھے بھی عام انسانوں کی
طرح سے بھوک لگتی ہے۔ پیاس لگتی ہے۔ عنبر بھائی کچھ کھانے
پینے کو مل جائے گا؟"۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"کیوں نہیں ماریا بہن!"۔

اور پھر اس نے تھیلے میں سے خشک مچھلی کا بھنا ہوا گوشت
اور کچھ بادام نکال کر سامنے رکھ دیئے۔ ماریا اور شانتی نے مل
کر کھانا شروع کر دیا۔ شانتی نے کہا۔

"عنبر اور ناگ بھائی! تم بھی تو ہمارے ساتھ کھاؤ۔ کیا تم کو

بھوک نہیں ہے؟"۔

عنبر نے کہا۔

"بہن! ہم اگر چاہیں تو ہمیں بھوک لگ سکتی ہے۔ اگر ہم
نہ چاہیں تو ہمیں بھوک پیاس نہیں لگ سکتی"۔

شانتی حیرت سے ان دونوں کا منہ تکتی رہ گئی۔ پھر اس نے
ماریا کے ساتھ مل کر کھایا۔ پانی پیا اور ایک طرف بیٹھ کر آپس
میں باتیں شروع کر دیں۔

انہیں یقین تھا کہ ابھی مندر کے پجاری دروازہ کھٹکھٹائیں
گے اور تلاشی لینے کے کوٹھڑی کے اندر آ جائیں گے۔

شانتی کا دل دھڑک رہا تھا۔

بلا ٹل گئی

اب ہم واپس بڑے پجاری کے پاس آتے ہیں۔

ماریا کے مکے سے گرنے کے بعد موٹا پجاری اپنا چغہ سنبھالتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہو گیا؟ اس کا شور سن کر کچھ پجاری بھاگتے ہوئے اس کی طرف آئے۔ بڑے پجاری نے کہا۔

''اسے پکڑو۔ مندر کی ایک لونڈی وشال کے لباس میں

بھاگ گئی ہے''۔

پجاری باہر کی طرف بھاگے۔ موٹے پجاری نے چلا کر کہا۔

''مندر کے سارے دروازے بند کر دیے جائیں گے۔ پہرہ بٹھا دو۔ کوئی بھی نکل کر باہر نہ جانے پائے''۔

اسی وقت مندر کے چاروں دروازے بند کر دیے گئے۔ دروازوں پر تلواریں اور نیزے لے کر سپاہی بیٹھ گئے۔ بڑا پجاری سرنگ میں بھاگتا ہوا اپنے ساتھیوں کے ہمراہ شانتی کی کوٹھڑی میں پہنچا۔

وہاں وشال کی لاش پڑی تھی۔ اپنے ساتھی کی لاش دیکھ کر بڑا پجاری سکتے میں آ گیا۔ پھر اس نے روتے ہوئے کہا۔

میرے بھائی!" تجھے جس شخص نے قتل کیا ہے۔ دیوتاؤں کی قسم میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ آہ! لونڈی شانتی اسے مار کر اس کا لباس پہن کر فرار ہو گئی۔ اس نے میری گردن پر اس زور سے مکا مارا کہ میں چکرا کر گر پڑا تھا۔ میں اب اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ وہ جہاں کہیں بھی ہو گی۔ میرے آدمی اسے پکڑ کر زندہ میرے سامنے لے آئیں گے"۔

پھر اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

"شانتی ابھی تک مندر میں ہی ہو گی۔ وہ یہاں سے بھاگ کر کہیں باہر نہیں جا سکے گی۔ مندر کے کونے کونے کی تلاشی لی جائے۔ ساری کوٹھڑی کی تلاشی لی جائے۔ شانتی جہاں کہیں بھی ہو اسے تلاش کر کے میرے سامنے پیش کرو۔

میں اسے خود قتل کروں گا"۔

"جو حکم مہاراج!"۔

مندر کی تلاشی شروع ہو گئی۔

رات ہو گئی تھی۔ بڑے پجاری کے حکم سے سارے مندر کی شمعیں روشن کر دی گئیں۔ تاکہ روشنی میں اگر شانتی کہیں بھاگنے کی کوشش کر رہی ہو تو نظر آ جائے۔ بڑے پجاری نے اپنے خاص آدمیوں کو ساتھ لیا اور مندر کی کوٹھڑیوں کی تلاشی لینی شروع کر دی۔ ایک پجاری نے کہا۔

"مہاراج! آپ نے ایک بات پر غور کیا۔ وشال جی کو سانپ نے کاٹا تھا"۔

پجاری چیخ کر بولا۔

ہاں مجھے معلوم ہے۔ یہ سانپ شانتی کو کسی نے بھیجا ہوگا۔
سانپ ان کوٹھڑیوں میں نہیں جاتے۔ ضرور شانتی کے ساتھ
کوئی اور ملا ہوا ہے۔ ابھی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہو
جائے گا۔

شانتی پرندہ بن کر یہاں اڑ نہیں سکتی۔ وہ مندر سے باہر بھی
نہیں گئی۔ ابھی تک مندر میں ہی ہوگی۔ میرے آدمی اسے
ڈھونڈ نکالیں گے۔ وہ میرے انتقام کی آگ سے بچ کر کہیں
نہیں جاسکتی۔

کوٹھڑیوں کی تلاشی شروع ہوگئی۔

بڑا پجاری خود اپنی نگرانی میں تلاشی لے رہا تھا۔ وہ ہر کوٹھڑی
میں خود سب سے پہلے داخل ہوتا۔ ایک ایک چیز کو الٹ پلٹ

کر دیکھتا۔ تخت پوشوں کے نیچے جھانکتا۔

الماریوں کو کھلواتا۔ بڑے بڑے مرتبانوں میں جھک کر
گھورتا۔ دوسری طرف مندر کی آخری کوٹھڑی میں عنبر ناگ اور
ماریا اور شانتی خاموش بیٹھے تھے۔ ماریا نے کہا۔

"میں ذرا باہر جا کر پتہ چلاتی ہوں کہ تلاشی کس طریقے
سے کی جا رہی ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"ہاں ضرور معلوم کرو"۔

ماریا چپکے سے کوٹھڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

بڑا پجاری اس وقت چوتھی کوٹھڑی کی تلاشی لے رہا تھا۔

ماریا بھی اس کوٹھڑی میں جا کر دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی

ہوگئی۔ بڑا پجاری خود ایک ایک چیز کی تلاشی لے رہا تھا۔ اس نے اپنے ساتھی سے کہا۔

"وہ بچ کر کہیں نہیں جا سکتی۔ اس نے مندر کے بڑے لائق پجاری کو قتل کیا ہے۔ اس کو قتل کے جرم میں پھانسی دے دی جائے گی"۔

ساتھی نے کہا۔

"مہاراج! اگر شانتی مندر سے بھاگ گئی تو بڑا ظلم ہوگا"۔

پجاری نے غرا کر کہا۔

"بکواس بند کرو۔ وہ پاٹلی پتر کے جس کونے میں بھی ہوگی میں اسے وہیں سے تلاش کر کے چھوڑوں گا۔ میں نے شری چانکیہ کو ایک آدمی کے ہاتھ پیغام بھجوا دیا ہے کہ ہمارے مندر

کے ایک اہم پجاری کو ہلاک کر دیا گیا ہے اور ہم قاتل کو تلاش کر رہے ہیں۔ اس لیے پاٹلی پتر کے شہر کے دروازوں پر کڑا پہرہ بٹھا دیا جائے گا وہ اس شہر سے بھاگ نہ سکے گی"۔

دوسرے پجاری نے کہا۔

"مہاراج! آپ کے ہوتے ہوئے شانتی یہاں سے فرار نہیں ہو سکتی۔ وہ اسی مندر میں کہیں چھپی بیٹھی ہوگی"۔

پجاری بولا۔

"وہ جہاں کہیں بھی ہوگی۔ میں اسے ڈھونڈ نکالوں گا"۔

ماریا یہ سن کر چپکے سے باہر نکل آئی۔ اپنی کوٹھڑی میں آ کر اس نے اندر سے دروازہ بند کر دیا اور عنبر سے بولی۔

"تلاشی خود موٹا پجاری لے رہا ہے۔ ظالم نے مندر کے

سارے دروازے بند کروا دیے ہیں۔اس نے وزیر چانکیہ کو
بھی پیغام بھجوا دیا کہ شانتی مندر کے بڑے پجاری کو ہلاک کر
کے بھاگنے کی کوشش کر رہی ہے۔شہر کے دروازوں پر بھی پہرہ
سخت کر دیا گیا ہے۔''

شانتی گھبرا کر بولی۔

''ہائے بھگوان اب کیا ہوگا؟''

عنبر نے اسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔

''شانتی بہن! خدا ہمارے ساتھ ہے۔تم نے کسی کو قتل نہیں
کیا۔تم بے گناہ ہو۔تمہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ جب تک ہم
زندہ ہیں تمہاری طرف کوئی ہاتھ نہیں بڑھا سکتا۔تمہارا کوئی بال
تک بیکا نہیں کر سکتا۔تم بے فکر ہو کر یہاں بیٹھی رہو۔''

شانتی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ کہنے لگی۔

''مجھے اپنے بچے یاد آ رہے ہیں۔اگر انہوں نے مجھے پکڑ
لیا تو یہ مجھے تکلیفیں دے دے کر ہلاک کر دیں گے۔پھر میرے
بچوں کا کیا بنے گا؟''۔

ماریا نے شانتی کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''شانتی! تم ناامی کیوں ہوتی ہو۔تمہیں ایک بار کہہ دیا گیا
ہے کہ کوئی تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا۔تم میری
گود میں غائب ہو کر بیٹھی ہوگی۔ پھر تم پریشان کیوں ہوتی
ہو؟''۔

شانتی نے کہا۔

''لیکن۔۔۔لیکن ماریا بہن اگر کسی کا پاؤں یا ہاتھ تم سے

ٹکرا گیا تو سارا بھانڈا پھوٹ جائے گا۔ وہ تمہیں تو کچھ نہ کہہ
سکیں گے لیکن مجھے ضرور پکڑ کر لے جائیں گے“۔
ناگ بولا۔
شانتی بہن! ”تم بہت گھبرا رہی ہو۔ معلوم ہوتا ہے تمہیں
اپنے خدا پر ذرا بھروسہ نہیں۔ تمہیں ایک بار کہہ جو دیا ہے کہ تم کو
ذرا بھی آنچ نہیں آئے گی۔ پھر تم کیوں گھبرا رہی ہو؟“ شانتی
نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔
”میں مر گئی تو میرے بچے خاک میں مل جائیں گے۔
انہیں کوئی نہ پوچھے گا۔ مجھے ان کا خیال آ رہا ہے“۔
اس پر عنبر نے کہا۔
”شانتی بہن! میں تمہیں وعدہ دیتا ہوں کہ تمہیں کچھ نہیں

ہوگا۔ اگر کسی نے تم پر ہاتھ اٹھایا تو ہم اس کا سر قلم کر دیں گے۔
تمہارے لیے اگر ہمیں مندر کے سارے پجاریوں کو بھی قتل
کرنا پڑا تو ایسا کرنے سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ بس اب
تم مطمئن ہو کر بیٹھو“۔
شانتی کو اطمینان نہیں ہو رہا تھا۔ اسے ابھی تک معلوم نہیں
تھا کہ عنبر کے پاس کتنی بڑی طاقت ہے۔ اسے یہ بھی معلوم نہیں
تھا کہ عنبر کو دنیا کی کوئی طاقت ہلاک نہیں کر سکتی۔ وہ تو اسے ایک
عام انسان سمجھے ہوئے تھے۔ اسے کیا خبر کہ وہ کن لوگوں سے
باتیں کر رہی ہے!۔
عنبر نے ماریا سے کہا۔
”ماریا! ذرا باہر جا کر خبر تو لاؤ کہ تلاشی کونسی کوٹھڑی تک پہنچی

ہے۔تا کہ ہم ہوشیار ہو جائیں''۔

''بہت اچھا بھائی''۔

یہ کہہ کر ماریا کوٹھری سے باہر نکل گئی۔تلاشی لینے والے اس کی کوٹھڑی کے قریب پہنچنے ہی والے تھے۔ ماریا جلدی سے واپس آ گئی۔

''بھائی عنبر! وہ لوگ یہاں سے تیسری کوٹھڑی کی تلاشی لے رہے ہیں''۔

شانتی کا دل زور زور سے دھڑ کنے لگا۔عنبر نے کہا۔

''کوئی بات نہیں انہیں آنے دو۔ ماریا! تم ایسا کرنا کہ اشرفیوں کی تھیلی بھی شانتی کے ساتھ ہی گود میں لے کر بیٹھنا تا کہ وہ بھی غائب ہو جائے کیونکہ اگر وہ باہر رہی تو بڑا

پجاری سمجھ جائے گا کہ ہو سکتا ہے یہ شرارت ہماری ہی ہو''۔

''ایسا ہی کروں گی عنبر بھائی''۔

ناگ نے تنگ آ کر کہا۔

''عنبر بھائی اگر آپ مجھے حکم دیں تو میں ان لوگوں کے اندر آتے ہی انہیں ایک ایک کر کے ہلاک کر دوں''۔

عنبر بولا۔

نہیں نہیں ناگ بھائی! ایسا نہیں کرنا۔ہمیں ایسا نہیں کرنا۔ ہم کسی بے گناہ کو مارنا نہیں چاہتے۔ہم صبر اور عقل سے کام لیں گے اور شانتی کو سکون کے ساتھ یہاں سے نکال کر لے جائیں گے۔

اگر وشال تمہاری گردن دبانے اور تمہیں ہلاک کرنے کی

کوشش نہ کرتا تو ہم اس کا بھی خون نہ بہاتے۔ ہمیں صبر اور
دانشمندی سے کام لینا ہوگا۔ جیسے میں کہتا ہوں تم لوگوں کو ویسے
ہی کرنا ہوگا۔

ابھی وہ باتیں کر رہے تھے کہ کوٹھڑی کے باہر پجاریوں کی
باتیں کرنے کی آواز سنائی دیں۔ عنبر ہونٹوں پر انگلی رکھ کر کہا۔

"وہ آ گئے ہیں۔ ماریا۔ جلدی سے اپنا کام کرو"۔

ماریا جلدی سے کوٹھڑی کے ایک خالی کونے میں دری پر جا
کر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی۔ اس نے اشرفیوں کی تھیلی گود میں
رکھ لی اور شانتی کو آواز دے کر کہا۔

"شانتی بہن جلدی سے آ جاؤ"۔

شانتی لپک کر ماریا کی گود میں جا کر بیٹھ گئی۔ ماریا کی گود

میں بیٹھتے ہی وہ ماریا کے ساتھ ہی غائب ہوگئی۔ اب کونا
ظاہری طور پر دیکھنے میں بالکل خالی تھا لیکن اگر کوئی وہاں جا کر
ہاتھوں سے ٹٹولتا تو وہاں ماریا، گود میں اشرفیوں کی تھیلی اور
زندہ شانتی کو لے کر بیٹھی ہوئی تھی۔ دروازے پر کسی نے زور
سے دستک دی۔ ساتھ ہی بڑے پجاری کی آواز آئی۔

"دروازہ کھولو! ہم تلاشی لینے آئے ہیں"۔

عنبر نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ بڑا پجاری غصے کی
حالت میں کھڑا تھا۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ اسے وشال کے
ہلاک ہونے اور شانتی کے فرار ہونے کا گہرا صدمہ ہے۔ اس
کے ساتھ ساتھ چھ سات پجاری بھی تھے۔ عنبر کے ساتھ ناگ
بھی دروازے کے پاس آ گیا۔ عنبر نے انجان بن کر پوچھا۔

"مہاراج! خیریت تو ہے۔ آپ کس لیے تلاشی لے رہے ہیں؟"۔

بڑا پجاری بولا۔

"ایک لونڈی شانتی نے ہمارے پجاری وشال کا خون کر دیا ہے۔ وہ مندر میں کسی جگہ چھپی ہوئی ہے۔ ہم سب کوٹھڑیوں کی تلاشی لے رہے ہیں"۔

ناگ ہاتھ باندھ کر بولا۔

"مہاراج! آپ مالک ہیں۔ ضرور تلاشی لے لیں۔ ہماری کوٹھڑی حاضر ہے"۔

بڑا پجاری دوسرے لوگوں کے ساتھ اندر گیا۔ انہوں نے تلاشی لینی شروع کر دی۔ اب عنبر اور ناگ کو سب سے زیادہ

یہی فکر تھا کہ کہیں یہ لوگ تلاشی لیتے لیتے کونے میں نہ چلے جائیں۔ کیونکہ اگر وہ کونے میں جاتے تو ضرور زمین پر بیٹھی ہوئی ماریا اور شانتی سے ٹکرا جاتے۔ اور پھر سارا بھانڈا پھوٹ جاتا۔ عنبر اور ناگ بڑے پجاری کے ساتھ ساتھ چل پھر کر ایک ایک شے کی تلاشی لے رہے تھے۔ عنبر نے کہا۔

"مہاراج! ہماری اشرفیوں کی تھیلی بھی کوئی چور یہاں سے چرا کر لے گیا ہے ہم نے اس کی بھی آپ سے شکایت نہیں کی"۔

بڑا پجاری بولا۔

"یہ کام بھی اسی لونڈی شانتی کا ہوگا۔ فکر نہ کرو۔ وہ ہمیں مل گئی تو تمہاری چوری بھی برآمد کرالی جائے گی"۔

بڑا پجاری اور اس کے ساتھی الماریوں کو کھول کھول کر دیکھ
رہے تھے۔ انہوں نے کونے میں رکھے ہوئے سارے کے
سارے مرتبانوں کا منہ کھول کر اس کے اندر جھانک کر اور ڈنڈا
پھیر کر دیکھا۔

مرتبان سارے کے سارے خالی تھے۔ پھر وہ تخت پوشوں
کے نیچے جھانکنے لگے۔ اب وہ لوگ اس جگہ کے بہت قریب آ
گئے تھے جہاں ماریا، شانتی کو گود میں لیے بیٹھی تھی۔ عنبر نے
ناگ کی طرف اور ناگ نے عنبر کی طرف دیکھا۔

"بھائی! خدا سے دعا کرو"۔

"شی۔۔۔"

عنبر نے کوئی جواب نہ دیا۔ بڑا پجاری کونے میں ماریا کے

بالکل قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ اور دوسرے پجاریوں کو تلاشی
لیتے دیکھنے لگا۔۔ عنبر نے کہا۔۔۔ "اب تو اس کوٹھڑی میں کوئی
بھی ایسی شے نہیں رہی جس کو آپ نے کھول کر اور ٹھونک بجا
کر نہ دیکھ لیا ہو"۔

"خاموش" بڑا پجاری گرجا۔ تم کون ہوتے ہو ہمیں یہ
بتانے والے۔ یہ مندر ہے۔ یہ ہماری کوٹھڑیاں ہیں۔ ہم جب
تک اور جتنی دیر تک چاہیں ان کی تلاشی لے سکتے ہیں کیا تمہیں
معلوم نہیں کہ ہمارا سب سے پیارا پجاری ہلاک کر دیا گیا
ہے۔

کیا تمہیں معلوم نہیں کہ قاتل ایک عورت لونڈی شانتی ہے
جو اس مندر میں کسی جگہ چھپی ہوئی ہے؟ جب تک ہماری تسلی

نہیں ہوتی ہم تلاشی جاری رکھیں گے"۔

ناگ نے کہا۔

"آپ مالک ہیں مہاراج"۔

ادھر ماریا بھی شانتی کو گود میں لیے پریشان بیٹھی تھی۔شانتی کا بہت برا حال تھا۔ظالم پجاری۔۔۔اس کی جان کا دشمن بڑا پجاری اس کے بالکل قریب کھڑا تھا۔شانتی کو اس کے سانس کی آواز بالکل صاف سنائی دے رہی تھی۔شانتی کا سہما ہوا دل بری طرح سے دھڑک رہا تھا۔آخر مصیبت ٹلنے کا وقت آ گیا۔ جب بڑے پجاری کو تسلی ہوگئی کہ اب کوٹھڑی میں کوئی ایسی شے باقی نہیں رہی جس کی تلاشی نہ لی جا چکی ہو تو اس نے اپنے آدمیوں سے کہا۔

"واپس چلو۔اب ہم مندر کے بڑے دروازے پر چلیں گے ہوسکتا ہے پہرے داروں نے وہاں فرار ہوتی ہوئی شانتی کو وہاں پکڑ لیا ہو"۔

سارے پجاری بڑے پجاری کے ساتھ وہاں سے باہر چلے گئے۔ان کے جاتے ہیں عنبر اور ناگ نے سکھ کا سانس لیا۔ماریا تھک گئی تھی۔اس نے جلدی سے شانتی کو گود میں سے اتار دیا۔ماریا نے کہا۔

"خدا کا شکر ہے بلا ٹل گئی"۔

پجاری سے مقابلہ

ایک بلا ٹل گئی تھی۔لیکن ایک بلا ابھی باقی تھی۔

ابھی شانتی کو مندر میں سے نکال کر اس کے بچوں کے پاس گھر پہنچانا باقی تھا۔یہ مشکل کام بھی تھا اور آسان کام بھی تھا۔ مشکل اس لیے تھا کہ مندر کے دروازے بند تھے اور وہاں بڑا سخت پہرہ لگا ہوا تھا۔

آسان یوں تھا کہ اگر دروازے کھل جائیں تو کسی نہ کسی

طرح عنبر اور ماریا مل کر شانتی کو اس کے گھر پہنچا سکتے تھے۔مصیبت یہ تھی کہ اگر یہ لوگ شانتی کو گھر بھی پہنچا دیں تو پجاری اسے دوبارہ اغوا کروا سکتا تھا۔

اس کی بہت چلتی تھی۔کیونکہ وزیر چانکیہ اس کا اپنا آدمی تھا۔اور راجہ سمراٹ وزیر چانکیہ کے زیر اثر تھا۔

اس کی ایک ہی صورت تھی کہ کسی طرح پجاری کو عنبر اور ناگ کی طاقت کا احساس دلایا جائے۔اس کے بعد پجاری شانتی کو دوسری بار اغوا کرانے کی جرات نہیں کر سکتا تھا۔ناگ کا خیال تھا کہ اپنی طاقت سے پجاری کو شکست دیئے بغیر شانتی کو اس کے گھر پہنچانا فضول ہے۔

پجاری کو جونہی معلوم ہوگا کہ شانتی اپنے گھر پہنچ گئی ہے وہ

اسے پھر پکڑ کر مندر میں لے آئے گا اور کوئی اسے کچھ نہ کہہ سکے گا۔ ماریا نے پجاری کے جانے کے بعد دروازہ بند کر دیا اور عنبر سے کہا۔

”عنبر بھائی! شانتی کو آج ہی آدھی رات کے بعد کسی وقت اس کے گھر پہنچا دینا چاہیے“۔

ناگ بولا۔

”اس کا کیا فائدہ ہوگا۔ جونہی پجاری کو پتہ چلے گا کہ شانتی گھر پہنچ گئی ہے۔ وہ اسے دوبارہ اغوا کروا کر لے آئے گا“۔

شانتی نے کہا۔

”ہاں بھائی! وہ بڑا ظالم آدمی ہے۔ وہ مجھے ضرور پکڑ کر لے جائے گا۔ مجھے تو یہاں میرے بچے لادو۔ میں ساری عمر تم

لوگوں کے پاس ہی بسر کروں گا“۔

ناگ نے کہا۔

”یہ بھی نہیں ہو سکتا بہن۔ ہم سیلانی لوگ ہیں۔ آج یہاں ہیں تو کل وہاں ہیں۔ ہمارا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ تمہیں اپنے گھر ہی جانا چاہیے“۔

شانتی سہم کر بولی۔

”وہ مجھے پھر پکڑ کر لے جائیں گے“۔

عنبر نے کہا۔

”اس کی ایک ہی صورت ہے کہ پجاری پر اپنی طاقت ظاہر کر دی جائے۔ ایسی صورت میں وہ ہمارا مطیع ہو جائے گا۔ یا کم از کم اتنی جرات نہیں کرے گا کہ شانتی کو اغوا کرا سکے“۔

شانتی نے پوچھا۔

”بھائی تمہاری طاقت سے بھی کچھ نہیں بنے گا۔ یہ سنگدل پجاری مجھے نہیں چھوڑے گا“۔

ناگ نے مسکرا کر کہا۔

”شانتی! تمہیں معلوم ہی نہیں کہ عنبر میں کونسی طاقت ہے۔ اگر تم اس طاقت کی اپنی آنکھوں سے دیکھ لو تو پھر تم بھی آرام اور سکون سے اپنے گھر واپس چلی جاؤ“۔

”اگر ایسی بات ہے بھائی تو پھر اپنی طاقت سے پجاری کو ہار دے دو۔ میں اپنے بچوں کے واپس جانا چاہتی ہوں“۔

شانتی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ عنبر نے گہرا سانس بھر کر کہا۔

”ٹھیک ہے ہم اپنی طاقت پجاری پر ظاہر کر دیں گے۔ مگر اس کے لیے ہمیں وقت کا انتظار کرنا ہو گا“۔

ناگ نے کہا۔

”عنبر بھائی! وقت کا انتظار ہم آخر کب تک کرتے رہیں گے۔ ہمیں بات کھول کر پجاری سے بیان کر دینی چاہیے۔ ہمیں کھل کر اس کے مقابلے پر آ جانا چاہیے“۔

عنبر نے پوچھا۔

”وہ کیسے ہو؟“

ناگ نے کہا۔

”وہ ایسے کہ تم جا کر پجاری سے کہہ دو کہ شانتی تمہارے پاس ہے اور تم اسے اس کے حوالے نہیں کرو گے۔ وہ تمہیں

گرفتار کر لے گا۔ وہ تمہیں مارنے کی کوشش کرے گا۔ تم مر نہیں
سکو گے۔ اپنی اس طاقت کو ظاہر کرنے سے تم پجاری پر قابو
حاصل کر لو گے اور پھر اس سے من مانی منوا سکو گے“۔
ماریا نے کہا۔
”میرا خیال ہے ہمیں کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرنا ہوگا۔
اس طرح اس سے بات لمبی ہو جائے گی۔ کیونکہ ہو سکتا ہے۔
پجاری عنبر کو قید میں ڈال دے اور قتل کی نوبت ہی آئے“۔
ناگ نے کہا۔
”دوسری ترکیب کونسی ہو سکتی ہے؟“۔
عنبر نے کہا۔
”دوسری ترکیب یہ ہو سکتی ہے کہ ماریا میرے ساتھ

پجاری کے پاس جائے گی۔ بس اس کے بعد جو ہوگا دیکھا
جائے گا۔ آؤ ماریا“۔
عنبر ماریا کو لے کر کوٹھڑی سے باہر نکل گیا۔ کوٹھڑی میں
ناگ اور شانتی رہ گئے۔ رات آدھی سے زیادہ گذر چکی تھی۔
ماریا نے کہا۔
”میرا خیال ہے۔ پجاری بڑے دروازے پر گیا ہوگا۔
اس وقت ہمیں اس سے بات نہیں کرنی چاہیے۔ ہمیں انتظار
کرنا چاہیے کہ پجاری اپنی کوٹھڑی میں واپس آ جائے“۔
عنبر بولا۔
”ٹھیک ہے۔ ہم اس کے واپس آنے کا انتظار
کریں گے“۔ دونوں واپس کوٹھڑی میں آ گئے۔

ادھر پجاری مندر کے بڑے دروازے پر پہرہ داروں سے بات چیت کر رہا تھا کہ انہوں نے شانتی کو کسی مرد کے بھیس میں مندر سے باہر نکلتے تو نہیں دیکھا؟ انہوں نے بتایا کہ جب سے دروازہ بند کیا ہے کوئی شخص بھی مندر سے باہر نہیں گی۔ پجاری نے کہا۔

"دروازے میرے دوسرے حکم تک بند رکھیں جائیں۔ جب تک میں نہ کہوں دروازے بالکل نہ کھولے جائیں"۔

"جو حکم مہاراج"۔

پجاری یہ کہہ کر واپس اپنی کوٹھڑی کی طرف مڑا۔ کوٹھڑی میں آ کر اس نے دوسرے تمام لوگوں کو یہ کہہ کر واپس بھیج دیا کہ مندر کے کونے کونے پر پہرہ بٹھا دیا جائے۔ کیونکہ شانتی

ابھی تک مندر سے باہر نہیں گئی۔ دوسرے پجاری چلے گئے۔ کوٹھڑی میں پجاری اکیلا رہ گیا۔

اب عنبر اور ناگ نے یہ ترکیب سوچی کہ اس کام پر ناگ کو روانہ کیا جائے۔ کیونکہ وہ ناگ دیوتا ہے اور پجاری ناگ دیوتا سے بہت ڈرتا ہے۔ عنبر نے ناگ سے پوچھا۔

"یہ بتاؤ کہ سانپوں کے بادشاہ ہونے کی حیثیت سے تم اس مندر میں کیا کچھ کر سکتے ہو؟"۔

ناگ نے کہا۔

"میں یہ کر سکتا ہوں کہ اس مندر میں جتنے بھی سانپ ہیں۔ ان کو اپنے پاس بلا کر ان سے جو چاہوں کام لے سکتا ہوں"۔

عنبر نے کہا۔

"بس پھر ہمیں اس سے زیادہ اور کیا چاہیے؟"۔

ماریا بولی۔

"اس طرح سے ہم پجاری پر اس کے مذہب کا اثر ڈالیں گے۔ مذہب کے اثر میں آ کر وہ ساری زندگی پھر شانتی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا"۔

ناگ بولا۔

"اگر تم لوگوں کا یہی ارادہ ہے کہ میں مندر کے سارے سانپوں کو ایک جگہ جمع کر لوں تو وہ تو میں ابھی کر سکتا ہوں۔ میں ابھی سانپ بن کر اپنے جسم سے ایک ایسی بو چھوڑوں گا جس سے مندر کے سارے سانپوں کا پتہ چل جائے گا کہ سانپوں کا

بادشاہ کہاں پر ہے وہ بھاگ بھاگ کر میرے پاس آ جائیں گے اور پھر میں انہیں جو کہوں گا وہ وہی کریں گے"۔

عنبر بولا۔

"ٹھیک ہے۔ صبح ہوتے ہی تمہیں اپنے کام پر نکل جانا ہو گا"۔

ناگ نے پوچھا۔

"مگر میرا کام کیا ہو گا؟"۔

عنبر نے کہا۔

"یہ میں تمہیں صبح بتاؤں گا"۔

اس کے بعد وہ لوگ سو گئے۔

عنبر کی صبح سویرے آنکھ کھل گئی۔ اس نے ماریا اور ناگ کو

ناگ دیوتا کے بت کو بڑے غور سے دیکھا۔ یہ سات منہ والا بڑا سانپ تھا جس کی سات گردنوں میں ہیرے جواہرات کی مالائیں پڑی تھیں۔ موٹا پجاری دوسرے لوگوں کے ساتھ بڑی توجہ سے پوجا کرنے میں مگن تھا۔ ناگ آگے کھسکتا ہوا ناگ دیوتا کے قریب آ گیا۔

ناگ نے سوچا کہ اگر اس نے سانپ بن کر بو چھوڑی تو موٹے پجاری کو پتہ نہ چل سکے گا کہ یہ سانپ یہاں پر کیوں جمع ہوئے ہیں کیونکہ سانپ بن کر وہ پجاری سے کوئی بات نہیں کر سکے گا۔

اس لیے بہتر یہی ہے کہ وہ انسان کی شکل میں ہی ناگ کی بو اڑائے اور پھر پجاری سے سودا کر سکے۔ اس بات تک اول میں

ناگ دیوتا کے بت کو بڑے غور سے دیکھا۔ یہ سات منہ والا بڑا سانپ تھا جس کی سات گردنوں میں ہیرے جواہرات کی مالائیں پڑی تھیں۔ موٹا پجاری دوسرے لوگوں کے ساتھ بڑی توجہ سے پوجا کرنے میں مگن تھا۔ ناگ آگے کھسکتا ہوا ناگ دیوتا کے قریب آ گیا۔

ناگ نے سوچا کہ اگر اس نے سانپ بن کر بو چھوڑی تو موٹے پجاری کو پتہ نہ چل سکے گا کہ یہ سانپ یہاں پر کیوں جمع ہوئے ہیں کیونکہ سانپ بن کر وہ پجاری سے کوئی بات نہیں کر سکے گا۔

اس لیے بہتر یہی ہے کہ وہ انسان کی شکل میں ہی ناگ کی بو اڑائے اور پھر پجاری سے سودا کر سکے۔ اس بات تک اول میں

پکا فیصلہ کرنے کے بعد ناگ ستون کی آڑ سے نکل کر پجاری
کے قریب بلکہ ذرا سامنے آ گیا۔

موٹا پجاری پیتل کی تھالی ناگ دیوتا کے بت کے آگے گھما
رہا تھا۔ کھڑتالوں اور ڈھول ڈھمکوں سے وہاں ایک شور مچا ہوا
تھا۔ ناگ شور ختم ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد
پوجا پاٹھ ختم ہو گئی۔ ڈھول بجنا بند ہو گئے۔

کھڑتالوں کا شور رک گیا۔ پجاری اب اپنے استھان پر
آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ اور لوگوں میں پرشاد تقسیم کرنے لگا۔
لوگ اس کے قریب آ کر سونے کی اشرفی دیتے اور پرشاد کی
مٹھائی لے کر وہاں سے آگے نکل جاتے۔

ایک ایک کر کے سارے لوگ وہاں سے چلے گئے۔ اب

وہاں صرف ناگ اور چھ سات پجاری رہ گئے۔ موٹے پجاری
نے دیکھا کہ ایک نوجوان ستون کے پاس ابھی تک کھڑا ہے۔
اس نے ناگ کی طرف گھور کر دیکھا اور اشارے سے اپنے پاس
بلایا۔

ناگ موٹے پجاری کے قریب آ گیا۔ پجاری نے کڑک
دار آواز میں پوچھا۔

”نوجوان لڑکے! تم کس لیے یہاں کھڑے ہو! پرشاد لے
کر واپس کیوں نہیں جاتے؟ کیا تمہارے پاس نذر چڑھانے
کو ایک بھی اشرفی نہیں ہے؟“۔

ناگ نے مسکرا کر کہا۔

”پجاری جی! اشرفیاں تو میرے پاس بہت ہیں“۔

پجاری نے آنکھیں جھپکا کر کہا۔

"تو پھر تم اشرفی دے کر پرشاد کیوں نہیں لیتے؟"

"تم کس چیز کا انتظار کر رہے ہو؟"۔

ناگ نے کہا۔

"پجاری جی! میں اس بات کا انتظار کر رہا ہوں کہ یہ سارے پجاری جائیں تو میں آپ سے ساری اشرفیاں لے کر اپنی پوجا کرواؤں"۔

"کیا کیا؟"۔

پجاری اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ دوسرے پجاری بھی حیران رہ گئے ناگ نے ایک ایسی بات کہہ دی تھی جو بہت بڑی گستاخی تھی جس کا کوئی شخص تصور نہیں کر سکتا تھا۔ یہ کہنا کہ پجاری

میری پوجا کرے اس زمانے کے مطابق ایک بہت بڑا گناہ تھا۔ پجاری نے آگے بڑھ کر ناگ کا ہاتھ پکڑ کر اسے زور سے جھٹکا دیا اور کہا۔

"بدتمیز! گستاخ! تمہیں یہ جرات کیسے ہوئی"۔

دوسرے پجاری بھی آگے بڑھے اور انہوں نے ناگ کو مارنے کی کوشش کی تو پجاری نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"نہیں! ٹھہرو۔ ابھی اسے کچھ نہ کہو۔ شاید یہ نوجوان پاگل ہو گیا ہے۔ ہمیں پاگل لوگوں سے ہمدردی ہے"۔

"کیوں نوجوان! کیا تو پاگل ہے؟"۔

ناگ نے کہا۔

"نہیں پجاری جی! میں پاگل نہیں ہوں۔ میں بالکل ٹھیک

اس کے ساتھ ہی پجاری نے ناگ کے منہ پر زور سے تھپڑ مار دیا۔ ناگ تلملا کر رہ گیا۔ وہ اسی وقت اسے ڈس کر ہلاک کر سکتا تھا۔ مگر اس نے بڑی ہمت اور صبر سے کام لیا۔ موٹا پجاری ناگ کے قریب آ کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔

"تم ضرور کوئی پاگل ہو۔ جو تم کہہ رہے ہو وہ ایک پاگل ہی کہہ سکتا ہے۔ جاؤ میں تمہاری جان بخشی کرتا ہوں۔ کیونکہ ہمارے دھرم میں پاگل کو معاف کر دیا جاتا ہے"۔

ناگ نے بڑے سکون سے کہا۔

"پجاری جی! میں صرف دیوتا ہی نہیں ہوں بلکہ اس مندر کا مالک ہوں اور آپ کو یہ بتانے آیا ہوں کہ شانتی میرے پاس

164
سازش کا جال

اس کے ساتھ ہی پجاری نے ناگ کے منہ پر زور سے تھپڑ مار دیا۔ ناگ تلملا کر رہ گیا۔ وہ اسی وقت اسے ڈس کر ہلاک کر سکتا تھا۔ مگر اس نے بڑی ہمت اور صبر سے کام لیا۔ موٹا پجاری ناگ کے قریب آ کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔

"تم ضرور کوئی پاگل ہو۔ جو تم کہہ رہے ہو وہ ایک پاگل ہی کہہ سکتا ہے۔ جاؤ میں تمہاری جان بخشی کرتا ہوں۔ کیونکہ ہمارے دھرم میں پاگل کو معاف کر دیا جاتا ہے"۔

ناگ نے بڑے سکون سے کہا۔

"پجاری جی! میں صرف دیوتا ہی نہیں ہوں بلکہ اس مندر کا مالک ہوں اور آپ کو یہ بتانے آیا ہوں کہ شانتی میرے پاس

ہے“۔

پجاری پر جیسے بجلی گری۔

”کیا کہا؟ شانتی تمہارے پاس ہے؟“۔

”ہاں پجاری جی! شانتی میرے پاس ہے۔ میں ہی اسے یہاں سے نکال کر لے گیا تھا۔ میں نے ہی آپ کے چھوٹے پجاری وشال کو ڈس کر ہلاک کیا تھا“۔

”کیا بک رہے ہو تم؟“

میں ٹھیک کہہ رہا ہوں جناب! جب وشال کوٹھڑی میں شانتی کو لینے آیا تھا تو میں پہلے ہی سے وہاں موجود تھا۔ میں نے اس کو ڈس دیا۔ وہ مر گیا۔ پھر میں نے شانتی کو وشال کے کپڑے پہنائے اور اسے ساتھ لے کر سرنگ میں سے

گذرنے لگا تو مجھے آپ مل گئے۔ پھر میں نے آپ کی گردن پر مکا مار کر آپ کو گرا دیا۔ اب بھی آپ کو مجھ پر یقین نہیں آ رہا؟“۔

پجاری نے گرجدار آواز میں کہا۔

”تم کیسے کسی دوسرے انسان کو ڈس سکتے ہو تم تو انسان ہو“۔

ناگ نے کہا۔

”میں سانپ ہوں۔ انسان نہیں ہوں۔ میں ناگ دیوتا ہوں۔ آپ کو میری پوجا کرنی چاہیے“۔

”بک بک بند کرو گستاخ نہیں تو ابھی تمہاری گردن قلم کروا دوں گا“۔

ناگ ہنس کر بولا۔

''پجاری جی! تھوڑی دیر بعد آپ خود ہی مجھے سجدہ کریں گے اور میری آرتی اتاریں گے۔ اس لیے بہتر ہے کہ پہلے ہی مجھے ناگ دیوتا مان لیں۔ اس میں آپ ہی کا فائدہ ہے''۔

پجاری بولا۔

''کم بخت تو واقعی کوئی پاگل ہے۔ سچ بتا شانتی کہاں ہے۔ تو نے اسے کہاں رکھا ہوا ہے؟''۔

''اسی مندر میں''۔

''کیا کہا اسی مندر میں؟'' پجاری چیخ کر بولا۔

سفید سانپ

''ہاں گورو جی اسی مندر میں''۔

ناگ نے بڑے سکون سے کہا اور پھر ایک ہاتھ اوپر ناگ دیوتا کے بت کی طرف لے جا کر بولا۔

''اگر آپ کہیں تو میں یہ جو موتیوں کی مالائیں ناگ دیوتا کی گردنوں میں جھول رہی ہیں ان میں سے ایک شانتی کے لیے لے لوں''۔

پجاری لرز گیا۔

"بد بخت! تیری موت تیرے سر پر آ گئی ہے"۔

دوسری پجاری آگے بڑھ کر بولے۔

"مہاراج! آپ حکم کریں۔ ہم ابھی اس گستاخ کی گردن اڑا کر اس کا خون ناگ دیوتا کے آگے نذر کرتے ہیں"۔

پجاری بولا۔

"نہیں! ذرا ٹھہرو۔ ہم اس گستاخ نوجوان کا امتحان لیں گے۔ کیوں نوجوان! تو امتحان دینے کے لیے تیار ہے؟"۔

ناگ بولا۔ "ہاں! میں تیار ہوں"۔

پجاری نے کہا۔

"تو پھر اوپر جا کر ناگ دیوتا کی گردن سے موتیوں کی مالا

اتار کر دکھاؤ"۔

پجاری کو یقین تھا کہ جونہی ناگ اوپر چڑھنے کی کوشش کرے گا۔ وہاں پتھروں میں چھپے زہریلے سانپ اسے ڈس کر ہلاک کر دیں گے۔ اس لیے وہ بہت مطمئن تھا۔ ناگ نے کہا۔

"یہ کام اگر میں خود کرنے کی بجائے کسی سانپ سے کرواؤں تو آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہو گا؟"۔

"سانپ سے؟ کیا مطلب ہے تمہارا؟"۔

"میرا مطلب ہے کہ میں آپ کے مندر کے ہی ایک سانپ کو حکم دوں گا کہ ناگ دیوتا کی گردن سے مجھے موتیوں کی ساری مالائیں اتار کر لا دے اور وہ لا دے گا"۔

”بکواس کر رہے ہو کفر بک رہے ہو۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا“۔

”اگر میں ایسا کر دوں تو؟“۔

”تم پاگل ہو گئے ہو“۔

”آپ امتحان لے کر دیکھ لیں“۔

”تو پھر یہ کام کر کے دکھاؤ۔ اور سنو۔ اگر تم ایسا نہ کر سکے تو میں تمہیں زندہ آگ میں ڈال کر بھسم کر دوں گا“۔

ناگ نے کہا۔

”اور اگر میں نے یہ کام کر دیا تو پھر آپ کے ساتھ جو چاہے سلوک کروں گا۔ کیا آپ کو منظور ہے؟“۔

پجاری نے کہہ دیا۔

”ہاں منظور ہے“۔

موٹے پجاری کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ناگ ایسا کر سکے گا۔ وہ تو اسے پاگل نوجوان سمجھ رہا تھا۔ اسی لیے اس نے اس کی شرط جھٹ منظور کر لی تھی۔

پجاری کی اجازت پا کر ناگ نے ایک گہرا سانس لے کر آنکھیں بند کر لیں۔ آنکھیں بند کر کے وہ منتر پڑھنے لگا۔ پجاریوں کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ کیونکہ وہ منہ ہی منہ میں منتر پڑھ رہا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد ناگ نے آنکھیں کھول دیں۔ اس کی آنکھیں سانپ کی آنکھوں کی طرح سرخ ہو رہی تھیں۔ پجاریوں نے ناگ کی سرخ آنکھیں دیکھیں تو ذرا حیران سے

ہوئے مگر پھر انہوں نے زیادہ خیال نہ کیا۔

اب ناگ کے جسم سے سانپ کی خاص بو نکل رہی تھی۔
اس بو نے مندر میں پھیلتے ہی سارے سانپوں میں ایک ہل
چل سی مچادی سارے سانپ اپنی اپنی جگہوں پر گھبرا گئے۔وہ
سمجھ گئے کہ ناگ دیوتا مندر میں آ گیا ہے وہ جہاں جہاں بھی
چھپے بیٹھے تھے وہاں سے نکل کر ناگ کی طرف بڑھنے لگے۔
ناگ دیوتا کے بت کے اندر بھی جتنے سانپ تھے۔سارے
کے سارے پتھروں کے پیچھے سے نکل کر ناگ کی طرف چل
پڑے۔

پہلے تو پجاری مذاق ہی خیال کرتا رہا۔مگر پھر کیا دیکھتا ہے
کہ مندر کے سارے سانپ فرش اور دیواروں پر سے رینگتے

ہوئے اس کی طرف بڑھتے چلے آرہے ہیں۔سارے پجاری
دن رہ گئے۔وہ پیچھے ہٹ کر چبوترے پر چڑھ گئے۔کیونکہ ان
سانپوں میں ایسے ایسے خطرناک زہریلے سانپ بھی تھے جن
کے پاس پجاری کبھی نہیں گئے تھے۔

ناگ آنکھیں بند کیے چپ چاپ کھڑا تھا۔اس کے اردگرد
سانپوں نے آ کر چکر لگانے شروع کر دیئے۔سات آٹھ چکر
لگانے کے بعد سارے سانپ ناگ کے پاؤں کے پاس آ کر
جمع ہو گئے۔

پھر ایک ایک سانپ آگے بڑھتا اور ناگ کے پاؤں کو چوم
کر پاس ہی گردن جھکا کر بیٹھ جاتا۔باری باری سارے
سانپوں نے ناگ کے پاؤں چومے۔تھوڑی دیر بعد سارے

سانپ گردنیں جھکائے ناگ کے پاؤں کے قریب بیٹھے تھے۔

یہ سارا منظر دیکھ کر موٹے پجاری اور دوسرے پجاریوں کی جان ہی نکل گئی تھی۔ وہ دم بخود تھے۔ اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے کبھی سانپوں کو سر جھکائے بیٹھے اور کبھی ناگ کو آنکھیں بند کیے دیکھ رہے تھے۔

اب ناگ نے آنکھیں کھولیں اور سانپوں کو ایک طرف انگلی اٹھا کر کہا۔

"مہاناگ کہاں ہے؟ سامنے آئے"۔

سانپوں میں سے ایک سفید سر والا سانپ نکل کر ناگ کے سامنے آ گیا۔ ناگ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"مہاناگ! اس بت کے اوپر جاؤ اور اس کی گردن میں جو موتیوں کی مالائیں پڑی ہیں ان میں سب سے خوبصورت اور قیمتی مالا اتار کر لے آؤ"۔

سفید سانپ نے ادب سے سر جھکایا اور پھر بت کے اوپر رینگتا ہوا چڑھ گیا۔ سارے پجاری پھٹی ہوئی آنکھوں سے سانپ کو بہت پر چڑھتا دیکھ رہے تھے۔ اوپر جا کر سفید سانپ نے بڑے بت کی گردن میں سے ایک نیلے رنگ کے موتیوں کی مالا منہ میں تھامی اور اسے لے کر واپس اترنے لگا۔ یہ منظر ایسا تھا کہ جس نے سارے پجاریوں کے رنگ زرد کر دیئے۔ وہ خوف سے تھر تھر کانپ رہے تھے۔

سفید سانپ نے نیچے آ کر نیلے موتیوں کی مالا ناگ کے

ہاتھوں میں دے دی۔ ناگ نے مالا اپنے گلے میں ڈال لی اور
پھر موٹے پجاری کی طرف دیکھ کر بولا۔

"کیوں پجاری! کیا اب تمہیں یقین آ گیا ہے کہ میں
ناگ دیوتا ہوں؟"۔

موٹے پجاری نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

"مہاراج! میں یقین کرتا ہوں۔ میں یقین کرتا ہوں"۔

ناگ نے کہا۔

"اور دوسرے پجاریوں کا کیا خیال ہے؟"۔

سارے پجاری ایک زبان ہو کر بولے۔

"آپ دیوتا ہیں۔ ہم آپ کے غلام ہیں"۔

ناگ نے موٹے پجاری کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا۔

"پجاری! تھالی لے کر ہماری آرتی اتارو"۔

"جو حکم سرکار"۔

یہ کہہ کر پجاری کانپتا ہوا چبوترے پر سے اترا اور تھالی ہاتھ
میں لے کر ناگ کے چہرے کے گرد گھمانے لگا۔ آرتی
اتارنے کے بعد وہ ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ ناگ نے کہا۔

"کیا اب تم شرط کے مطابق اس سزا کے لیے تیار ہو جو
میں تمہارے لیے مقرر کروں؟"۔

پجاری زمین پر گر پڑا اور ناگ کے پاؤں پکڑ کر بولا۔

"معاف کر دیں مہاراج! مجھے معاف کر دیں"۔

ناگ بولا۔

"مگر تم تو ہمیں پاگل کہہ رہے تھے۔ اب ہم مہاراج کیسے

بن گئے"۔

پجاری گڑگڑایا۔

"مہاراج! میری آنکھوں پر جہالت کی پٹی بندھی تھی۔
میں اندھا تھا۔ مجھ سے بھول ہوگئی"۔

ناگ نے کہا۔

"اگر تم کہو تو ہم تمہارے اسی بت کو بھی حکم دیں کہ وہ ہمیں آ
کر سجدہ کرے؟ مجھے قسم ہے کہ میرے حکم پر یہ بت بھی جھک کر
مجھے سجدہ کرے گا"۔

پجاری بولا۔

"آپ مالک ہیں مہاراج! آپ جو حکم کریں گے ایسا ہی
ہوگا۔ آپ اصل ناگ دیوتا ہوں۔ بھول ہم سے ہوئی ہے۔

ہمیں معاف کردیں"۔

ناگ نے کہا۔

"اور کیا اب بھی تم شانتی کو ہم سے حاصل کرنے کی کوشش
کروگے"۔

"ہرگز نہیں حضور! ہرگز نہیں! شانتی میری بیٹی ہے۔ آج
سے شانتی میری بہن ہے۔ میں شانتی دیوی کی پوجا کروں گا۔
میں اس کی پوجا کروں گا"۔

ناگ بولا۔

"لیکن تم نے ہمارے منہ پر تھپڑ مارا تھا۔ ہم تم سے اس کا
بدلہ ضرور لیں گے"۔

پجاری رونے لگا۔

"معاف کر دیں۔ معاف کر دیں۔ مجھے معاف کر دیں۔ سرکار! میں آپ کا غلام ہوں۔ مجھ سے بدلہ نہ لیں۔ میں اس قابل نہیں ہوں"۔

"مگر تم تو ہماری گردن اڑانے کی سوچ رہے تھے۔ تم نے تو کہا تھا کہ تم ہمیں آگ میں جلا کر بھسم کر دو گے۔ کیا بات ہے۔ اب تم ہمارے سامنے ہاتھ باندھ کر کیوں گڑگڑانے لگے؟"۔

پجاری بولا۔

"مہاراج! مجھ سے بہت بھاری غلطی ہو گئی۔ مجھے معاف کر دیں۔ میں آپ کے پاؤں پڑتا ہوں۔ مجھے معاف کر دیں۔ میں ساری زندگی آپ کا غلام بن کر رہوں گا"۔

ناگ نے کہا۔

"میں کچھ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ تم نے میرے منہ پر تھپڑ مارا تھا۔ اس کا بدلہ میں نہیں لوں گا۔ یہ سانپ تم سے بدلہ لیں گے۔ کیونکہ انہوں نے تم کو میرے منہ پر تھپڑ مارتے دیکھ لیا ہے۔ یہ کبھی گوارا نہیں کر سکتے کہ کوئی پجاری ان کے دیوتا کے منہ پر تھپڑ مارے۔ اس کی بے عزتی کرے۔ یہ تم سے بدلہ ضرور لیں گے۔ میں انہیں کچھ نہیں کہہ سکتا"۔

اب تو پجاری کی جان نکل گئی۔ اس نے ہاتھ باندھ لیے اور آنکھوں سے آنسو بہاتے ہوئے ناگ کے قدموں پر گر پڑا۔ باقی پجاری بھی ہاتھ باندھ کر ناگ کے سامنے گھٹنوں پر جھک گئے اور منتر پڑھنے لگے۔ بڑے پجاری نے ناگ کے

قدم چوم کر کہا۔

”میری جان بخشی کر دیں حضور! مجھ پر رحم کریں۔ مجھ پر ترس کھائیں۔ میں آپ کا داس ہوں۔ میں آپ کا ادنیٰ غلام ہوں۔ مجھ سے بڑی بھول ہو گئی۔ میں آپ کا نوکر ہوں۔ نوکروں سے بھول ہو ہی جایا کرتی ہے۔ مجھے معاف کر دیں۔ میری جان بخش دیں“۔

ناگ نے کہا۔

”میں نے تمہاری جان بخشی کر دی ہے۔ لیکن میرے غلام، یہ میرے سانپ تمہیں معاف نہیں کر سکتے۔ یہ تم سے اپنے دیوتا کا بدلہ ضرور لیں گے“۔

پجاری نے چیخ مار کر کہا۔

”لیکن سرکار! یہ مجھے ہلاک کریں گے۔ یہ بڑے خطرناک سانپ ہیں۔ یہ بڑے زہریلے سانپ ہیں“۔

ناگ نے ہنس کر کہا۔

”بد بخت پجاری! تمہیں یاد ہے۔ تم نے کتنے بے گناہ انسانوں کو ان خطرناک سانپوں سے ہی ڈسوا کر ہلاک کرا دیا ہے؟ اب تو کیوں گھبرا رہا ہے؟ ظلم کرنے والے کا انجام ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔ جو دوسروں پر ظلم کرتا ہے۔ اس کو کبھی معاف نہیں کیا جا سکتا۔ جو دوسروں کے لیے کنواں کھودتا ہے ایک دن وہ خود اس کنوئیں میں گر پڑتا ہے۔ ہاں! میں تم سے اتنا ضرور وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں جان سے نہیں ماروں گا“۔

ناگ کے قدموں سے پجاری لپٹ کر بولا۔

"جان بخش دیں۔معاف کردیں"۔
آخر ناگ کے دل میں رحم آگیا۔اس نے کہا۔
"ظالم انسان! اٹھو! میں سفید سانپ سے پوچھ کر بتاؤں
گا۔اگر اس نے تمہیں معاف کردیا تو میں بھی معاف کردوں گا
میں اس سے تمہارے سامنے پوچھتا ہوں"۔
ناگ نے سفید سانپ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔
"اے سفید سانپ! اے مہاناگ! اس بد بخت پجاری
نے تمہارے ناگ دیوتا کی توہین کی ہے مگر یہ شخص اب اپنے
کیے پر پچھتا رہا ہے۔میں اسے جان سے مارنا چاہتا تھا۔لیکن
اس نے رو رو کر اپنے گناہ کی معافی مانگی ہے۔میرا دل پسیج گیا
ہے۔کیا تو بھی اسے معاف کرتا ہے؟"۔

سفید سانپ نے منہ پھیر کر پجاری کی طرف دیکھا۔اس
کی لال لال آنکھیں اور بار بار نکلتی ہوئی سرخ زبان دیکھ کر
پجاری کا خون خشک ہوگیا۔اس نے خوف کے مارے آنکھیں
بند کرلیں۔سفید سانپ رینگتا ہوا ناگ کے پاس آیا اور سسکار
کی آواز میں کچھ کہا۔ناگ نے جواب دیا۔
"میں نے تو اس بد بخت کو معاف کردیا ہے"۔
اس کے بعد سفید سانپ نے ہلکی سی سسکار بھری اور واپس
اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گیا۔اور گردن جھکا دی۔ناگ نے
آنکھیں پجاری کی طرف کر کے کہا۔
"تم خوش نصیب ہو موٹے پجاری! مہاناگ نے تمہاری
گستاخی کو معاف کردیا ہے۔صرف اس لیے کہ میں نے تمہیں

معاف کر دیا ہے"۔

موٹا پجاری اچھل کر ناگ کے پاؤں چوم کر بولا۔

"جے ہو مہاراج! جے ہو مہاراج!"

ناگ نے کہا۔

"لیکن اس کے عوض تم پر ایک جرمانہ لگایا جائے گا۔ وہ جرمانہ تمہیں ہر حالت میں پورا کرنا ہوگا"۔

پجاری گڑگڑایا۔

"میں ہر جرمانہ ادا کرنے کو تیار ہوں حضور! میں تیار ہوں"۔

"حضور! آپ حکم کریں"۔

ناگ نے کہا۔

"پہلی بات تو یہ ہے کہ تمہیں گناہوں سے توبہ کرنی ہوگی۔ تمہیں عہد کرنا ہوگا کہ آئندہ سے تم کسی انسان پر ظلم نہیں کرو گے۔ تم کسی عورت کو لونڈی بنا کر نہیں فروخت کرو گے"۔

"مہاراج! میں دل و جان سے وعدہ کرتا ہوں کہ اب کبھی کسی پر ظلم نہیں کروں گا۔ کبھی کسی عورت کو لونڈی بنا کر فروخت نہیں کروں گا"۔

"اگر تم نے ایسا کیا تو اس مندر کے یہ سارے سانپ باری باری آکر تجھے ڈسیں گے اور تم ہلاک کر دیئے جاؤ گے"۔

"مہاراج! آپ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آئندہ سے ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ کبھی نہیں ہوگا"۔

ناگ نے کہا۔

”اور ایک اور جرمانہ تمہیں ادا کرنا ہوگا“۔

”حکم مہاراج“۔

”تمہیں اپنی ساری دولت۔ جمع کی ہوئی ساری سونے کی اشرفیاں شانتی کو دے دینی ہوں گی تاکہ وہ بیوہ عورت اپنی ساری زندگی خوشحالی سے بسر کر سکے“۔

پجاری کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ اس نے کانپتے ہوئے کہا۔

”مگر مہاراج! میں۔۔۔ میں۔۔۔“

”تو پھر سانپ سے ڈسوانے کے لیے تیار ہو جاؤ“۔

پجاری نے کانپ کر کہا۔

”منظور ہے مہاراج! منظور ہے۔ مجھے یہ جرمانہ منظور ہے۔ میں اپنی ساری دولت ابھی اسی وقت شانتی دیوی کے

قدموں پر لا کر ڈھیر کر دوں گا“۔

”تو پھر چلو میرے ساتھ“۔

”کہاں حضور؟“۔

”اپنی کوٹھڑی میں۔۔۔ جہاں سے تم اپنی ساری سونے کی اشرفیاں سمیٹ کر اپنے تھیلے میں ڈالو۔ پھر اپنے سر پر وہ تھیلا اٹھا کر میرے ساتھ اس کوٹھڑی میں چلو جہاں شانتی دیوی تمہارا انتظار کر رہی ہے۔ تمہاری دولت کا انتظار کر رہی ہے“۔

”میں۔ میں۔ میں تیار ہوں سرکار۔ مگر سرکار!“

اس طرح سے میری بڑی بے عزتی ہوگی۔

”خاموش! تم نے بھی لوگوں کی بڑی بے عزتی کی ہے۔ اب تم سے کوئی رعایت نہیں برتی جا سکتی۔ اگر سیدھی طرح سے

میرے ساتھ نہیں چلتے تو ابھی سفید سانپ کو حکم دیتا ہوں کہ وہ تمہیں ڈس کر ہلاک کر دے"۔

"چلتا ہوں! حضور! چلتا ہوں! چلئے"۔

"چلو"۔

ناگ نے سانپوں کو حکم دیا۔

"تم سب اپنی اپنی جگہوں پر واپس چلے جاؤ اور یاد رکھو۔ اگر اس پجاری نے اپنے بھلا کر لوگوں پر ظلم کرنے شروع کر دیئے تو تمہارا فرض ہے کہ باری باری آ کر اسے ڈسنا اور اسے ہلاک کر دینا۔ اب تم لوگ جاؤ"۔

سارے سانپوں نے گردنیں اٹھا کر دوبارہ جھکائیں جیسے کہہ رہے ہوں ہم آپ کو حکم کو یاد رکھیں گے اور اگر پجاری نے

اپنا وعدہ بھلا دیا تو اس کے ساتھ وہی سلوک کریں گے جس کا آپ نے حکم دیا ہے۔

اس کے بعد سارے سانپ ایک ایک کر کے واپس اپنے بلوں میں چلے گئے۔ ناگ نے دوسرے پجاریوں کو بھی اپنی اپنی کوٹھڑیوں میں جانے کا حکم دیا اور موٹے پجاری کو لے کر اس کی کوٹھڑی کی طرف چل پڑا۔

تاکہ سونے کی اشرفیاں لے کر شانتی کو دی جائیں۔

پراسرار نجومی

عنبر، شانتی اور ماریا کوٹھڑی میں اکیلے تھے۔

وہ بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی عنبر نے کہا۔

"میرا خیال ہے ناگ آ گیا ہے"۔

عنبر نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ انہوں نے دیکھا کہ ان کے سامنے پجاری۔۔۔ سنگدل موٹا پجاری سر پر اشرفیوں سے بھرا

ہوا تھیلا رکھے کھڑا تھا۔ اس کے ساتھ ناگ تھا۔ وہ کوٹھڑی کے اندر آ گئے۔ عنبر نے دروازہ بند کر دیا۔ ناگ نے کہا۔

"عنبر! پجاری نے اپنے گناہوں سے توبہ کر لی ہے۔ یہ ساری دولت شانتی کے قدموں پر نچھاور کرنے کے لیے لایا ہے"۔

عنبر بولا۔ "بہت خوب! تو گویا پجاری کی عقل اب ٹھکانے آ گئی ہے"۔

"ہاں۔ اس نے توبہ کر لی ہے۔ اس نے وعدہ کر لیا ہے کہ اب یہ کسی انسان پر ظلم نہیں کرے گا۔ کسی کو دکھ نہیں دے گا"۔

پھر ناگ پجاری سے کہا۔

"شانتی سے اپنی زیادتیوں اور ظلم کی معافی مانگو"۔

موٹے پجاری نے اشرفیوں کا تھیلا سر پر سے اتار کر شانتی
کے قدموں پر رکھتے ہوئے کہا۔

"شانتی دیوی! مجھے معاف کر دو۔ میں شرمندہ ہوں۔ اور تم
سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتا ہوں۔ یہ اشرفیاں قبول کرو۔
میں انہیں تمہارے قدموں میں نذر کرنے کے لیے لایا
ہوں"۔

شانتی بے حد حیران تھی کہ یہ ایک دم سے کیسی کایا پلٹ ہو
گئی۔ کہاں تو یہ پتھر دل ظالم پجاری اسے زنجیروں میں مارا کرتا
تھا اور کہاں یہ کہ اب اس کے پاؤں پر پڑ کر اس سے معافی
مانگ رہا ہے۔ اس نے کہا۔

"میں کیا کہہ سکتی ہوں مہاراج"۔

ناگ نے جھٹ کہا۔

"شانتی بہن! یہ مہاراج نہیں ہے۔ یہ اب ہمارا اور تمہارا
نوکر ہے۔ اس کو اگر معاف کرنا چاہتی ہو تو معاف کر دو۔ نہیں تو
مجھے حکم دو کہ میں اس کو زہریلے سانپوں کے حوالے کر دوں"۔

اس پر پجاری نے تڑپ کر کہا۔

"شانتی دیوی ایسا نہ کرنا۔ میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتا
ہوں، میں تمہارے پاؤں پڑتا ہوں۔ مجھے معاف کر دو۔ مجھے
معاف کر دو۔ تم آج سے میری بیٹی ہو۔ میری بیٹی ہو"۔

عنبر نے کہا۔

"ہاں شانتی بہن! اسے معاف کر دو۔ اپنے گناہ کی اسے
بہت سزا مل چکی ہے"۔

شانتی نے کہا۔

"اچھا! میں تمہیں معاف کرتی ہوں"۔

پجاری نے کہا۔

"یہ اشرفیاں قبول کرو دیوی جی"۔

"میں یہ اشرفیاں قبول کرتی ہوں"۔

پجاری نے ہاتھ جوڑ کر سلام کیا۔ ناگ نے کہا۔

"اب تم جا سکتے ہو"۔

پجاری کے لیے اشرفیاں دینا اس کی زندگی کا سب سے بڑا صدمہ تھا۔ اسے اپنی بے عزتی کا اتنا رنج نہیں تھا جتنا صدمہ اس بات کا تھا کہ اسے اس کی ساری دولت، ساری جمع پونجی سے محروم کر دیا گیا تھا۔

اس کے دل میں اب یہ بات پیدا ہو رہی تھی کہ وہ معلوم کرے کہ یہ لوگ اصل میں کون ہیں جو پیروں کے بھیس میں مندر آئے اور ان میں سے ایک ناگ دیوتا بن بیٹھا۔

اس نے التجا کرتے ہوئے کہا۔

"مہاراج! آپ لوگ اگر چاہیں تو اسی مندر میں ساری زندگی گذار سکتے ہیں۔ مگر ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ آپ اگر ناگ دیوتا تھے تو آپ کو کیا ضرورت پڑی تھی۔ کہ آپ پیروں کے بھیس میں یہاں آئیں؟"۔

ناگ مسکرا کر بولا۔

"اس لیے کہ ہم اس شکل میں تمہارے مندر میں آ کر تمہاری کارگذاری دیکھنا چاہتے تھے۔ ہم یہ معلوم کرنا چاہتے

تھے کہ تم لوگوں کے ساتھ محبت سے پیش آ رہے ہو یا ان کے ساتھ زیادتی کر رہے ہو''۔

عنبر نے کہا۔

''مگر تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟''

عنبر پجاری کے دل کی گہرائی میں پہنچ کر سمجھ گیا تھا کہ وہ کیا پوچھنا چاہتا ہے اور کیوں پوچھنا چاہتا ہے۔ اسے پجاری کے سوال میں ایک مکاری اور سازش کی بو محسوس ہو رہی تھی۔ اس کے جواب پر پجاری بولا۔

''مہاراج! آپ اس مندر کے مالک ہیں۔ مجھ سے جو بھول ہوتی رہی ہے اس پر شرمندہ ہوں۔ میں نے توبہ کر لی ہے۔ اب آپ کو کبھی شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔ پھر بھی یہ

مندر آپ کا ہے۔ آپ جب تک اور جس وقت تک چاہیں یہاں رہ سکتے ہیں۔ مجھے اور میرے دوسرے پجاریوں کو آپ کے یہاں رہنے سے خوشی ہوگی''۔

ناگ نے کہا:

''تمہیں جتنی خوشی ہوگی وہ مجھے اچھی طرح معلوم ہے''۔

''ہاں اب تم جا سکتے ہو''۔

''جو حکم مہاراج!''

پجاری سلام کر کے باہر نکل گیا۔ اس دوران ماریا کچھ نہیں بولی تھی۔ اس لیے کہ کہیں پجاری اس کے راز سے بھی واقف نہ ہو جائے۔ اس کے جاتے ہی ماریا نے کہا۔

''مجھے یہ شخص بڑا خطرناک معلوم ہو رہا ہے۔ اس کے انداز

میں بڑی خطرناک سازش تھی۔ یہ شخص ضرور ہمیں نقصان
پہنچانے کی کوشش کرے گا“۔
عنبر نے کہا۔
”ہمیں اس سے خبردار رہنا ہوگا“۔
شانتی بولی۔
”ہوسکتا ہے یہ مجھ سے بدلہ لینے کی کوشش کرے“۔
ناگ نے پھر ساری بات ان لوگوں کو سمجھادی کہ کس طرح
مندرے سارے سانپوں کے سامنے اس نے قسم کھائی تھی کہ
اگر پجاری نے شانتی سے بدلہ لینے یا اس کو نقصان پہنچانے کی
کوشش کی تو سانپ اسے باری باری ڈس کر ہلاک کر دیں
گے۔ اس نے شانتی سے کہا۔

”شانتی تم بالکل مت گھبراؤ۔ پجاری تمہیں اب کوئی
نقصان نہیں پہنچائے گا۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ وہ ہم سے بدلہ
لینے کی کوشش کرے۔ ہمارے خلاف کوئی سازش کھڑی
کرے۔ مگر وہ تمہیں کچھ نہیں کہے گا۔ تم بے فکر رہو“۔
ماریا نے کہا۔
”میرا خیال ہے ہمیں شانتی کو جلدی سے جلدی اس کے گھر
پہنچا دینا چاہیے“۔
”ہاں شانتی بہن! تم اپنے گھر جا کر اپنے بچوں سے ملو اور
ان اشرفیوں سے نئی زمین خرید کر اپنا الگ مکان بناؤ اور سکون
کے ساتھ زندگی بسر کرو“۔
شانتی نے کہا۔

"مجھے پھر بھی ڈر لگتا ہے۔ مجھے اس شہر میں رہتے ہوئے
ہمیشہ پجاری سے ڈر رہے گا"۔
عنبر نے کہا۔
"پھر تمہارے ڈر کا کیا علاج ہو سکتا ہے شانتی؟"۔
شانتی نے کہا۔
"یہاں سے چھ رات اور چھ دن کے فاصلے پر میری
ایک ماسی کا گھر ہے وہ دوسرے شہر میں رہتی ہے۔ میرا خیال
ہے کہ میں یہ اشرفیاں اور بچوں کو لے کر اس شہر میں اسی کے
پاس چلی جاؤں اور وہیں زمین خرید کر اپنا مکان بناؤں۔ اور
باقی ساری زندگی اسی شہر میں بسر کرو۔ وہاں میں بڑی آزادی
کے ساتھ خوش زندگی گذار سکوں گی"۔

ماریا نے کہا۔
"اگر تم اسی طرح خوش ہو تو بڑی اچھی بات ہے۔ ہم تمہیں
اسی شہر میں چھوڑ آئیں گے"۔
شانتی بولی۔
"آپ لوگوں کو تکلیف کرنے کی کیا ضرورت ہے بہن؟
یہاں سے ہر چار پانچ روز کے بعد ایک قافلہ اس شہر کو جاتا
ہے۔ اس قافلے میں عورتیں بچے اور بوڑھے بھی سفر کرتے
ہیں۔ میں اس قافلے کے ساتھ سفر کر کے اپنے گھر پہنچ جاؤں
گی"۔
عنبر نے کہا۔
"اگر تم سمجھتی ہو کہ تم محفوظ رہو گی اور راستے میں قافلے کے

لٹنے کا کوئی خطرہ نہیں ہوگا تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن اگر
کوئی خطرہ محسوس ہوتا ہے تو ہم بڑی خوشی سے تمہیں تمہاری
ماسی کے شہر چھوڑ آئیں گے۔ ہم میں سے کوئی ایک تمہارے
ساتھ جاسکتا ہے''۔

شانتی نے کہا۔

نہیں عنبر بھائی! اس کی ضرورت نہیں ہے یہاں سے
جو قافلے جاتے ہیں وہ بڑی حفاظت سے منزل پر پہنچ جاتے
ہیں۔ میں اس سے پہلے کئی بار اس قافلے میں سفر کر چکی ہوں۔
یہ بہت بڑا قافلہ ہوتا ہے۔

اس پر کبھی ڈاکہ نہیں پڑا۔ اگر ایسا ہو بھی جائے تو قافلے
کے ساتھ تلواریں اور تیر کمان والے سپاہیوں کا ایک دستہ سفر کر

رہا ہوتا ہے۔

''جیسے تمہاری مرضی۔ چلو اب تمہیں شہر سے باہر والے
گھر تمہارے بچوں کے پاس چھوڑ آتے ہیں''۔

عنبر نے کہا۔

''ناگ! تم ہی شانتی کو ساتھ لے کر اسے اس کے گھر چھوڑ
آؤ کیونکہ اب تم اس مندر کے ناگ دیوتا ہو۔ یہاں کے
سارے لوگ تمہاری شکل سے ڈرتے ہیں''۔

''ٹھیک ہے۔ آؤ شانتی دیوی''۔

ناگ نے شانتی کو ساتھ لیا اور مندر کے بڑے دروازے کی
طرف آ گیا۔ دروازے پر موجود پجاریوں نے ناگ کو دیکھتے
ہی سر جھکا دیئے اور ادب سے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے۔

ناگ خود ایک گھوڑے پر سوار ہو گیا اور دوسرے گھوڑے پر
شانتی کو بٹھا کر اس کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔
اس کے جانے کے بعد عنبر اور ماریا نے کوٹھڑی میں چادر
بچھا کر کھانا لگا دیا۔ ماریا نے عنبر سے کہا۔
''عنبر بھائی! میں تو بھنی ہوئی مچھلی کھا کھا کر تنگ آ گئی
ہوں۔ آج تو ہرن کا گوشت کھانے کو دل چاہتا ہے''۔
عنبر نے کہا۔
''ابھی ہرن کا گوشت کھلائے دیتا ہوں''۔
عنبر نے اسی وقت بڑے پجاری کو حاضر کروایا اور اسے کہا
کہ جہاں کہیں سے بھی ہو سکے ہرن کا بھنا ہوا گوشت لایا
جائے۔ پجاری نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

''سرکار! ابھی پیش کیے دیتا ہوں''۔
پجاری بھاگ کر پجاریوں کے پاس آیا اور ایک ایک سے
پوچھا کہ کیا کسی کے ہاں ہرن کا گوشت پک رہا ہے؟ اس کی
خوش قسمتی تھی کہ ایک پجاری نے اس روز ہرن کا گوشت پکوایا
تھا۔ اس نے کہا۔
''مہاراج میرے گھر میں ہرن کا گوشت پک رہا ہے''۔
''تو پھر جلدی سے پیش کرو۔ دیکھتے کیا ہو''۔
ہرن کے بھنے ہوئے گوشت کا تھال لے کر بڑا پجاری عنبر
کی کوٹھڑی میں آ گیا اور بڑے ادب سے تھال پیش کرتے
ہوئے بولا۔
''آپ کی پسند کا گوشت حاضر ہے حضور!''

"شاباش پجاری۔ہمیں تم سے یہی امید تھی۔اب تم جا سکتے ہو۔"

پجاری سر جھکا کر باہر نکل گیا۔

عنبر اور ماریا بڑے مزے سے ہرن کا بھنا ہوا گوشت کھانے لگے اور پجاری نے اپنے خاص چیلے کو اپنی کوٹھڑی میں بلا کر اس سے صلاح مشورہ شروع کر دیا کہ یہ لوگ کون ہیں اور ان میں سے کس طرح اشرفیوں کے ڈاکے اور بے عزتی کا بدلہ لیا جا سکتا ہے۔

موئے پجاری نے دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ ناگ اور عنبر سے اپنی اشرفیاں بھی واپس لے گا۔اور انہیں زندہ بھی نہیں چھوڑے گا لیکن وہ ڈرتا بھی تھا کہ کہیں ناگ دیوتا اسے ہلاک

نہ کر دے۔

چیلے نے اسے مشورہ دیا کہ مندر کے بڑے نجومی سے مشورہ کیا جائے پجاری کو یہ مشورہ پسند آیا۔اس نے اسی وقت مندر کے بوڑھے نجومی کو طلب کیا اور اس سے پوچھا کہ نجوم کی مدد سے یہ بتاؤ کہ یہ لوگ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں۔

سازش کا جال

بوڑھے نجومی نے اسی وقت ستاروں کا نقشہ بنایا۔

وہ دیر تک ستاروں کے نقشے کو غور سے گھورتا رہا۔ پھر وہ اپنے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا۔ پجاری نے اس سے پوچھا کہ نجوم کا نقشہ کیا کہتا ہے؟ بوڑھے نجومی نے آنکھیں اٹھا کر کہا۔

''مہاراج میرا حساب مجھے بتاتا ہے کہ یہ شخص ناگ سچ مچ

ایک سانپ ہے۔ وہ انسان نہیں ہے بلکہ ایک ہزار برس تک سانپ رہنے کے بعد اب میں اتنی طاقت آ گئی ہے کہ جس شکل میں چاہے ظاہر ہو جائے''۔

پجاری نے پوچھا۔

''کیا وہ ناگ دیوتا بھی ہے؟''۔

''ہاں مہاراج وہ ناگ دیوتا بن چکا ہے۔ سارے سانپ اس کی خدمت کرتے ہیں۔ اس کا حکم مانتے ہیں۔ وہ انہیں جو کہے اسے مانتے ہیں''۔

پجاری نے کہا۔

''کیا وہ مر نہیں سکتا؟''۔

نجومی بولا۔

"کیوں نہیں مہاراج! وہ مر سکتا ہے لیکن اگر اس کی لاش چھ ماہ تک ایک ہی جگہ پڑی رہے تو پھر سے زندہ ہو جائے گا"۔

پجاری نے کہا۔

"اور اگر اسے آگ میں ڈال دیا جائے تو پھر؟"۔

"پھر وہ جل کر مر جائے گا۔ آگ اسے جلا کر راکھ کر دے گی۔ آگ میں جلنے کے بعد وہ پھر زندہ نہیں ہو سکتا"۔

پجاری نے خوش ہو کر کہا۔

"اس کے ساتھی عنبر کے بارے میں تمہارا ستاروں کا حساب کیا کہتا ہے نجومی! کچھ اس کے بارے میں بھی بتاؤ"۔

نجومی دیر تک نقشے کو دیکھتا رہا۔ پھر کہنے لگا۔

"مہاراج! اس شخص عنبر کے بارے میں ستاروں کا نقشہ ایک ایسی بات بتا رہا ہے کہ مجھے خود یقین نہیں آ رہا۔

"کیا مطلب؟"۔

"مطلب یہ ہے کہ ستارے کہتے ہیں کہ یہ شخص عنبر ایک بہت پراسرار آدمی ہے یہ شخص اڑھائی ہزار برس سے زندہ چلا آ رہا ہے۔ یہ آج سے اڑھائی ہزار برس پہلے مصر کے ایک فرعون کے محل میں پیدا ہوا تھا۔ جب سے لے کر آج تک یہ زندہ ہے۔ اس پر موت حرام ہو چکی ہے۔ یہ مر نہیں سکتا"۔

پجاری نے حیران ہو کر کہا۔

"تم کیا کہہ رہے ہو نجومی؟"۔

"میں وہی کہہ رہا ہوں مہاراج جو ستاروں کا حساب کہہ رہا

ہے۔ یہ شخص جس کا نام عنبر ہے بڑا طاقت ور آدمی ہے۔ یہ مر نہیں سکتا"۔

"اگر اس کو آگ میں ڈال دیں تو پھر بھی نہیں مرے گا؟"۔

نجومی نے کہا۔

"نہیں مہاراج! اس پر آگ بھی اثر نہیں کرے گی"۔

"یہ تو بڑی پریشان کرنے والی بات تم نے سنا دی۔ کیا اس شخص کو کسی طرح سے بھی شکست نہیں دی جا سکتی؟"۔

"بالکل نہیں۔ اس کے ستارے اتنے طاقتور ہیں کہ دنیا کی کوئی طاقت اس کو شکست نہیں دے سکتی۔ میرا حساب کبھی

جھوٹ نہیں کہتا۔ اس شخص پر دیوتاؤں کا سایہ ہے"۔

پھر بوڑھا نجومی سر کھجاتے ہوئے کہنے لگا۔

"میں ان دونوں کے ارد گرد ایک عجیب سائے کو حرکت کرتا دیکھ رہا ہوں"۔

پجاری نے پوچھا۔

"کیسا سایہ؟"۔

"یہ ایک سایہ ہے جو مجھے نظر نہیں آ رہا لیکن یہ کسی زندہ انسان کا سایہ ہے۔ یہ زندہ انسان کسی کو بھی دکھائی نہیں دے سکتا۔ اس کا سایہ صرف مجھے دکھائی دے رہا ہے"۔

"یہ تو بڑی عجیب بات ہوئی ہے کہ انسان کا سایہ تمہیں نظر آ رہا ہے اور انسان دکھائی نہیں دیتا"۔

"ہاں مہاراج! میں سچ کہہ رہا ہوں۔ یہاں صرف ایک سایہ ہے۔ انسان کہیں نہیں ہے مگر انسان ان دونوں کے ساتھ چل رہا ہے۔ ستارے بتا رہے ہیں کہ یہ انسان بھی کئی سو سالوں سے عنبر اور ناگ کے ساتھ ساتھ سفر کر رہا ہے"۔ پجاری نے کہا۔

"کیا اس انسان پر بھی قابو حاصل نہیں کیا جاسکتا"۔

نجومی بولا۔

"جو انسان کسی کو دکھائی ہی نہیں دے اسے پر کوئی کیسے قابو حاصل کرسکتا ہے"۔

پجاری اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ پھر اس نے نجومی کو کچھ اشرفیاں دے کر کہا۔

"تم جاسکتے ہو"۔

نجومی چلا گیا۔ پجاری نے اسی وقت اپنے چیلے کو بلایا اور اسے ساری بات سنا دی۔ پھر وہ آپس میں صلاح مشورے کرنے لگے۔ پجاری نے کہا کہ وہ آج ہی وزیر چانکیہ سے جا کر ملے گا اور اسے بتائے کہ اس طرح سے دو عجیب وغریب نوجوان اس کے مندر میں آئے ہوئے ہیں۔ چیلے نے کہا۔

"مہاراج! آپ اگر حکم دیں تو ہم ناگ اور عنبر کی کوٹھڑی میں آگ لگا کر انہیں زندہ بھسم کر دیتے ہیں"۔

پجاری نے کہا۔

"ابھی نہیں۔ پہلے مجھے چانکیہ سے مشورہ کر لینے دو"۔

"جیسے آپ کی مرضی"۔

اسی شام پجاری شاہی محل کے باہر والی جھونپڑی میں وزیر
چانکیہ سے ملنے گیا۔ چانکیہ اگرچہ وزیر تھا مگر وہ شاہی محل میں
نہیں رہتا تھا۔ اس نے رہنے کے لیے محل سے باہر ایک
جھونپڑی بنا رکھی تھی۔

پجاری نے ایک غلام کے ہاتھ جھونپڑی میں پیغام بھجوایا۔
چانکیہ نے پجاری کو اندر بلا لیا۔ اندر جا کر پجاری نے جھک کر
سلام کیا۔ چانکیہ کا سر منڈا ہوا تھا۔ اور سر کے بیچ میں بالوں کی
ایک بودی تھی۔ اس نے لکڑی کی کھڑائیں پہن رکھی تھیں۔ اس
کے چہرے پر بڑی چالاکی اور مکاری تھی۔

چانکیہ نے تمام لوگوں کو باہر بھجوایا اور پجاری سے کہا۔

”کہو پجاری! تم شام کو کیسے آ گئے؟“۔

پجاری نے کہا۔

”حضور! ہمارے شہر میں دو ایسے نوجوان ہیں جو بڑے پر
اسرار ہیں۔ ایک ناگ ہے۔ دوسرا عنبر ہے۔ ناگ جو ہے وہ
سانپوں کا دیوتا ہے۔ عنبر جو ہے وہ ڈھائی ہزار برس سے زندہ
چلا آ رہا ہے“۔

چانکیہ نے تعجب سے پوچھا۔

”یہ تم کیا کہہ رہے ہو پجاری؟“۔

پجاری بولا۔

”مہاراج! میں بالکل سچ عرض کر رہا ہوں۔ ناگ کو میں
نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ان کے اشارے سے مندر کے
سارے سانپ بلوں میں سے نکل کر اس کی خدمت میں آ گئے

اور پھر ایک سانپ نے ناگ دیوتا کی گردن سے موتیوں کی مالا
لا کر اسے دے دی"۔

چانکیہ اور زیادہ حیران ہوا۔

"کیا یہ سچ ہے؟"۔

"بالکل سچ ہے سرکار! انہوں نے مجھے میری ساری سونے
کی اشرفیوں سے محروم کر دیا ہے۔ وہ میری ساری اشرفیاں اڑا
کر لے گئے ہیں اور انہوں نے اس لڑکی شانتی کو بھی آزاد کرا
دیا ہے جس کو میں نے آپ کے حکم سے قید کیا تھا اور سوداگر
کے پاس فروخت کرتا تھا"۔

چانکیہ غصہ میں آ کر بولا۔

"بس بس! ان لوگوں کی یہ ہمت کہ میرے مقابلے پر

آئیں! میں ان سے انتقام لوں گا۔ میں اس ملک کا وزیر
چانکیہ ہوں کیا انہیں میرے انتقام کی خبر نہیں ہے؟"۔

پجاری نے کہا۔

"مہاراج! ایک نوجوان عنبر کے بارے میں نجومی نے بتایا
ہے کہ وہ مر نہیں سکتا۔ وہ اڑھائی ہزار برس سے زندہ آ رہا
ہے۔ اور ان دونوں کے ارد گرد کوئی پر اسرار سا سایہ منڈلاتا
رہتا ہے۔ یہ بھی کوئی انسان ہے جو کسی کو دکھائی نہیں دیتا"۔

چانکیہ گہری سوچ میں پڑ گیا۔ پجاری نے نجومی کی ساری
باتیں کھول کر بیان کر دیں۔

چانکیہ نے پوچھا۔

"کیا یہ دونوں نوجوان اس وقت مندر میں رہ رہے

ہیں؟"۔

"ہاں مہاراج! دونوں مندر میں رہ رہے ہیں"۔

"تم ان لوگوں کو ابھی مندر سے جانے نہیں دو۔ میں ان سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ کیا تم کسی طرح انہیں میرے پاس لا سکتے ہو؟"۔

"کیوں نہیں مہاراج؟"۔

"تو پھر تم انہیں لے کر میری جھونپڑی میں آؤ۔ میں اس سے بڑے کام لینا چاہتا ہوں"۔

"لیکن حضور ناگ نے مندر کے ناگ دیوتا کے گلے سے موتیوں کا ہار اتارا ہے۔ اس نے ہمارے دیوتا کی بے عزتی کی ہے"۔

چانکیہ نے غضب ناک ہو کر کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں سب جانتا ہوں۔ جس طرح میں کہتا ہوں تم اسی طرح کرو۔ عنبر اور ناگ کو میرے پاس لاؤ"۔

"جو حکم مہاراج"۔

پجاری نے ہاتھ جوڑ کر سلام کیا اور باہر نکل آیا۔

مندر میں آ کر اس نے اپنے چیلے سے بات کی اور کہا کہ چانکیہ عنبر اور ناگ کو بلا کر ان سے کوئی کام لینا چاہتا ہے۔ چیلے نے کہا۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ ناگ سے اپنی بے عزتی اور اشرفیوں کے نقصان کا بدلہ نہیں لے سکتے؟ اس شخص نے آپ کو سارے پجاریوں کے سامنے ذلیل کیا ہے۔ آپ کو مجبور کیا

ہے کہ آپ اس کے پاؤں پر گر کر اس کے پاؤں چومیں اور اس
سے اپنی زندگی کی بھیک مانگیں۔ آپ نے اگر بدلہ نہ لیا تو سارا
مندر آپ کے خلاف ہو جائے گا“۔

پجاری کو بھی غصہ تھا۔ اس نے کہا۔

”میں ناگ سے اپنی بے عزتی اور ذلت و رسوائی کا بدلہ
ضرور لوں گا“۔

چیلہ بولا۔

”لیکن انہیں تو شری چانکیہ نے بلا بھیجا ہے“۔

”میں اس سے پہلے ہی ناگ کو ٹھکانے لگا دوں گا۔ بعد
میں کہہ دوں گا کہ ناگ کی کوٹھڑی میں آگ لگ گئی تھی جس
میں جل کر وہ ہلاک ہو گیا“۔

چیلے نے کہا۔

”ٹھیک ہے مہاراج! آپ کو ایسا ہی کرنا چاہیے۔ آپ کو
بدلہ ضرور لینا چاہیے۔ اس نے آپ کو کہیں کا بھی نہیں
چھوڑا“۔

پجاری مندر میں آ گیا۔ رات گئے تک وہ عبادت میں
مصروف رہا۔ پھر وہ سو گیا۔ دوسری طرف عنبر اور ناگ شانتی کو
اس کے گھر میں چھوڑ کر واپس آ گئے تھے۔ انہوں نے ایک
قافلے والے سے مل کر یہ بھی انتظام کر دیا تھا کہ شانتی اور اس
کے بچوں اور ساری دولت کو قافلے کا سردار اپنی ذمہ داری میں
اس کی ماسی کے گھر پہنچا دے گا۔ اب وہ پوری طرح سے
اطمینان سے تھے۔ رات کو وہ سو گئے۔

صبح پجاری نے چیلے سے مل کر عنبر اور ناگ کی کوٹھڑی میں آگ لگوادی۔اس کا خیال تھا کہ ناگ اس آگ میں جل کر بھسم ہو جائے گا۔لیکن ناگ اس وقت وہاں کوٹھڑی میں نہیں تھا۔بلکہ باہر کھیتوں میں کام کر رہا تھا۔

یہ ترکیب بھی ناکام ہو گئی۔اگرچہ پجاری کو اس ناکامی کا بڑا صدمہ ہوا۔لیکن وہ صبر کر کے رہ گیا۔اس نے دل میں فیصلہ کرلیا کہ دوسری بار وہ ناگ کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔

اب اس نے سوچا کہ ان لوگوں کو چانکیہ سے ملا دینا چاہیے۔چنانچہ پجاری عنبر اور ناگ کوٹھڑی میں آیا اور سلام کر کے بڑی کھسیانی سی ہنسی ہنس کر بولا۔

”حضور! آپ لوگوں کی خوش قسمتی ہے کہ مہاراج سمراٹ

کے خاص وزیر مہاراج شری چانکیہ نے آپ کی شہرت سن کر آپ سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا ہے“۔

عنبر اور ناگ یہی چاہتے تھے کہ کسی طرح وہ چانکیہ سے مل کر اس پر اپنا اثر ڈال سکیں اور یوں مہاتما بدھ کے ماننے والوں پر جو ظلم ہو رہا ہے اس روک سکیں۔جب پجاری نے خود ہی کہا کہ چانکیہ ان سے ملنا چاہتا ہے تو وہ بڑے خوش ہوئے۔

عنبر نے کہا۔

”ہم چانکیہ سے ضرور ملیں گے۔یہ ہماری ذرہ نوازی ہے کہ انہوں نے خود ہم سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا ہے“۔

پجاری نے کہا۔

”تو پھر آج شام کو ہی چل کر شری چانکیہ سے ملاقات کر

لیں تو اچھا ہو گا۔ کیونکہ اچھے کام میں کبھی دیر نہیں کرنی چاہیے۔"

"ہم تیار ہیں"۔

پجاری نے کہا۔

"بہت خوب! میں شام کے کھانے کے بعد یہاں آ جاؤں گا۔ پھر آپ لوگ میرے ساتھ چلیں گے۔ خدا حافظ"۔

یہ کہہ کر پجاری چلا گیا۔ عنبر نے ناگ سے کہا۔

"خدا کا شکر ہے کہ جس بات کے لیے ہم بہانے تلاش کر رہے تھے وہ اپنے آپ ہی حل ہو گئی۔ ہم آج شام کے بعد چانکیہ سے ملیں گے"۔

ماریا نے کہا۔

"سنا ہے وہ بڑا چالاک اور عیار وزیر اعظم ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"میں تمہارے سامنے ایسے ملوں گا جس طرح کہ ایک شاگرد اپنے استاد کو ملتا ہے۔ اس کے ساتھ بیٹھے بن کر ہی ہم اپنا کام نکال سکتے ہیں۔ ہمیں مہاتما بدھ کے سارے چیلوں کو اس شاہی محل کی جیلوں سے رہا کروانا ہو گا۔ میں نے یہ عہد کر رکھا ہے"۔

ناگ نے کہا۔

"پجاری نے ضرور چانکیہ کو ہمارے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہو گا۔ وہ بڑا چالاک آدمی ہے۔ وہ ضرور ہمیں اپنے دشمنوں کے خلاف استعمال کرنا چاہتا ہو گا"۔

لیں تو اچھا ہو گا۔ کیونکہ اچھے کام میں کبھی دیر نہیں کرنی چاہیے۔"

"ہم تیار ہیں"۔

پجاری نے کہا۔

"بہت خوب! میں شام کے کھانے کے بعد یہاں آ جاؤں گا۔ پھر آپ لوگ میرے ساتھ چلیں گے۔ خدا حافظ"۔

یہ کہہ کر پجاری چلا گیا۔ عنبر نے ناگ سے کہا۔

"خدا کا شکر ہے کہ جس بات کے لیے ہم بہانے تلاش کر رہے تھے وہ اپنے آپ ہی حل ہو گئی۔ ہم آج شام کے بعد چانکیہ سے ملیں گے"۔

ماریا نے کہا۔

سازش کا جال

"سنا ہے وہ بڑا چالاک اور عیار وزیر اعظم ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"میں تمہارے سامنے ایسے ملوں گا جس طرح کہ ایک شاگرد اپنے استاد کو ملتا ہے۔ اس کے ساتھ بیٹھے بن کر ہی ہم اپنا کام نکال سکتے ہیں۔ ہمیں مہاتما بدھ کے سارے چیلوں کو اس شاہی محل کی جیلوں سے رہا کروانا ہو گا۔ میں نے یہ عہد کر رکھا ہے"۔

ناگ نے کہا۔

"پجاری نے ضرور چانکیہ کو ہمارے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہو گا۔ وہ بڑا چالاک آدمی ہے۔ وہ ضرور ہمیں اپنے دشمنوں کے خلاف استعمال کرنا چاہتا ہو گا"۔

عنبر بولا۔

”اگر پجاری نے سب کچھ بتا دیا ہوگا تو پھر کیا ہوا۔ ہم چانکیہ سے بھی ہوشیار ہیں۔ اس نے تو صرف ساٹھ برس کی زندگی دیکھی ہے لیکن ہم نے ڈھائی ہزار برس کا زمانہ دیکھا ہے“۔

ناگ نے کہا۔

”یہ پجاری ہم سے بدلہ لینے کی فکر میں ہے۔ آگ بھی اسی نے لگوائی تھی۔ یہ کم از کم مجھے ضرور ہلاک کرنا چاہتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس نے کسی جادوگر یا کسی نجومی سے یہ معلوم کروا لیا ہے کہ ناگ صرف آگ میں جل کر ہی ختم ہوسکتا ہے۔ ویسے کبھی نہیں مرسکتا۔ اگر مرے گا تو پھر سے زندہ ہو

جائے گا“۔

عنبر بولا۔

”تم گھبراؤ نہیں ناگ بھائی! ہم ایک نیک مقصد لے کر اس شہر میں آئے ہیں۔ اگر کسی نے ہم سے چالاکی اور مکاری سے کام لیا تو ہم اس کے ساتھ دوگنی چالاکی اور مکاری سے کام لیں گے“۔

شام کو پجاری آ گیا۔

عنبر اور ناگ اس کے ساتھ چانکیہ سے ملنے چل پڑے۔ ماریا بھی ان کے ساتھ ہی گئی۔ چانکیہ اپنی جھونپڑی کے باہر باغ میں ہرن کی کھال بچھا کر بیٹھا۔ عنبر اور ناگ کی راہ دیکھ رہا تھا۔

پاس ہی درختوں پر شمعیں روشن تھیں جن کی روشنی میں باغ کی ہر شے صاف دکھائی دے رہی تھی۔

چانکیہ نے بڑی گہری نظروں سے عنبر اور ناگ کو دیکھا۔ یہ نظریں دل میں اتر جانے والی تھیں۔

ناگ نے عنبر سے کہا۔

"آدمی بڑا چالاک لگتا ہے"۔

"شی! وہ ہم سے باتیں کرنے والا ہے"۔

چانکیہ نے پجاری کو رخصت کر دیا اور ناگ اور عنبر کے ساتھ ہاتھ ملا کر بولا۔

مجھے خوشی ہوئی ہے کہ تم میری جھونپڑی میں مجھ سے ملنے آئے ہو۔

پجاری نے تمہاری بڑی تعریف کی تھی۔ میں نے سوچا کہ کیوں نہ تم سے ملاقات کر لی جائے۔

عنبر نے محسوس کیا کہ چانکیہ کی آنکھوں میں شیطانی چمک تھی۔

☆ کیا چانکیہ نے ناگ اور عنبر سے کام لیا؟

☆ کیا پجاری ناگ کو ہلاک کر سکا؟

☆ شیش ناگ خزانے تک پہنچ سکا؟

☆ اس کا جواب آپ کو اس ناول کی اگلی یعنی

43 ویں قسط میں ملے گا

جہاز کا اغوا

(قسط نمبر 43)

اے حمید

فہرست

پیارے بچو!

پہلے حصے میں آپ نے پڑھا کہ کس طرح عنبر، ناگ اور
نظر نہ آنے والی ماریا نے خطرناک جادوگر زوناش کو شکست
دی۔ لیکن وہ ماریا کو اٹھا کر لے گیا آخر ماریا اسے ہلاک
کرنے میں کامیاب ہوگئی۔
اس نے طوطے کی گردن مروڑ دی جس میں جادوگر کی
جان تھی۔ ناگ کی ملاقات سرخ پھنی اژدہا سے ہوئی جس
نے ناگ کو انسان کے روپ میں بھی پہچان لیا کہ یہ شہزادہ

سانپ ہے اور اس کے آگے گردن جھکا دی۔

ناگ نے اژدہا کو حکم دیا کہ وہ صحرا میں ان کے خزانے کی حفاظت کرے اور خود وہ تینوں جہاز لے کر ایک دریا میں داخل ہوتے ہیں جس کے دوسرے کنارے پر پاٹلی پتر کا شہر آباد ہے۔ عنبر ناگ اور ماریا اس پر اسرار شہر کے ایک مندر میں اترتے ہیں۔

وزیر چانکیہ نے ظلم کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ پجاری ان کے خلاف سازش کرتا ہے۔ مگر پجاری مارا جاتا ہے۔ عنبر راجہ کی بیٹی کی جان بچاتا ہے۔ دوسری طرف سے ہولکر ڈاکو کے ساتھی اژدہا کو ہلاک کر کے خزانے کو قبضہ میں کر لیتے ہیں اور جہاز کو اغوا کر کے واپس گوا کی سمندری کھاڑی میں چلے آتے ہیں۔ عنبر ناگ اور ماریا ایک کشتی میں سوار ہو کر اپنے جہاز اور

خزانے کی تلاش میں ڈاکو ہولکر کی کمین گاہ کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔ یہاں ایک گھنے جنگل میں ان کی ملاقات ایک پر اسرار طاقت ور دیوی سے ہوتی ہے۔ اب آپ خود پڑھیں۔

بھید کھل گیا

چانکیہ بڑی چکنی چپڑی باتیں کرتا رہا۔

اس نے عنبر اور ناگ سے بہت سی باتیں کیں۔ ماریا
جھونپڑی میں قریب ہی کھڑی ان کی ساری باتیں سن رہی
تھی۔ چانکیہ نے رات کو ان کی کھانے کی دعوت بھی کر دی۔
کھانا بڑا اچھی قسم کا تھا۔ ہر قسم کے پرندے کا گوشت اور
مٹھائیاں دستر خوان پر موجود تھیں۔ کھانے سے فارغ ہو کر
چانکیہ نے ناگ سے کہا۔

"ناگ کل تم اکیلے آنا۔ مجھے تم سے ایک ضروری کام
ہے۔"

ناگ نے کہا۔ "بہت بہتر مہاراج! میں ضرور آؤں گا"۔

آدھی رات تک کوٹھڑی میں عنبر اور ناگ یہ سوچتے رہے
کہ چانکیہ اس سے اکیلے میں کیا بات کرنی چاہتا ہے۔ ماریا کا
خیال تھا کہ وہ کوئی خطرناک سازش کا جال پھیلا رہا ہے۔
ناگ کو اس جال میں نہیں آنا چاہیے۔ عنبر کا خیال تھا کہ چانکیہ
ناگ کی طاقت کو اپنے لیے استعمال کرنا چاہتا ہے۔ ناگ نے
کہا۔

"کل سب کو معلوم ہو جائے گا"۔

دوسرے روز ناگ اکیلا ہی چانکیہ کی جھونپڑی میں پہنچ
گیا۔

چانکیہ نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی۔ اسے میٹھا اور ٹھنڈا دودھ پلایا۔ پھر باغ میں ٹہلتے ہوئے اس سے باتیں کرنے لگا۔ اچانک اس نے ناگ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"میں نے سنا ہے کہ تم انسان نہیں سانپ ہو۔ کیا یہ سچ ہے بیٹا؟"۔

ناگ کو خوب معلوم تھا کہ پجاری نے چانکیہ کو اس کے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے۔ اب اس راز کو چھپانے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس نے کہا:

"ہاں مہاراج! میں ایک سانپ ہوں۔ جیسا کہ آپ کو پجاری نے بتایا ہوگا۔ میں سانپ ہوں۔ میں ایک ہزار برس تک زندہ رہنے کے بعد اب جس شکل میں چاہوں بدل سکتا ہوں"۔

چانکیہ بڑے غور سے ناگ کو دیکھنے لگا۔

"تم سے مل کر بڑی خوشی ہوئی ناگ بیٹا! میری زندگی کی سب سے بڑی حسرت تھی کہ میں زندگی میں کبھی ایسے سانپ سے ملوں جو ایک ہزار برس تک زندہ رہا ہو۔ بھگوان کا شکر ہے کہ تم مجھے مل گئے۔ میں اپنے آپ کو آج خوش نصیب سمجھ رہا ہوں"۔

ناگ خاموش رہا۔ چانکیہ بولا:

"یہ کتنی عجیب بات ہے کہ میرے ساتھ سانپوں کا بادشاہ چلا جا رہا ہے۔ پجاری نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ مندر کے سارے سانپ تیرے ایک اشارے پر اپنے اپنے بلوں سے نکل کر تمہارے سامنے آ گئے"۔

ناگ نے کہا:

"اس لیے مہاراج کہ میں ان کا بادشاہ ہوں۔ یہ رتبہ ان
میں سے صرف مجھے ہی حاصل ہے کہ میں ایک ہزار برس
مسلسل زندہ رہا ہوں"۔

چانکیہ بولا۔۔۔"ناگ بیٹا! تم ایک بڑے انسان ہو۔ تم
ایک دیوتا ہو۔ تم پر بھگوان نے بڑا اکرم کیا ہے۔ تمہیں ایک
ایسی طاقت دی ہے جو کسی کو نہیں ملی۔ تمہیں اس طاقت کی
حفاظت کرنی چاہیے"۔

ناگ بولا۔۔۔"آپ سچ کہہ رہے ہیں مہاراج"۔

"پجاری نے تمہاری بڑی تعریف کی تھی۔ اس لیے میں
نے تمہیں سب سے الگ اکیلے میں بلوایا ہے۔ دوسری بات
یہ ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ تم اتنی قابلیت کے ساتھ دربدر
مارے مارے نہ پھرو۔ تمہیں کسی ملک کے تخت پر بیٹھنا

چاہیے تم اسی لائق ہو کہ تم کسی ملک کے شہزادے ہوتے۔ کیا
خیال ہے تمہارا؟"۔

ناگ نے کہا۔۔۔"مہاراج! میں ناگ دیوتا ضرور
ہوں۔ مگر اس قابل نہیں ہوں کہ میں کسی راج گدی پر
بیٹھوں"۔

چانکیہ بولا۔۔۔"یہ تمہارا وہم ہے۔ تم بہت قابل ہو۔
تمہیں ضرور کسی راج گدی پر بیٹھنا چاہیے۔ سنو! پاٹلی پتر کی
راج گدی سمراٹ کے بعد خالی ہو جائے گی۔ میں چاہتا ہوں
کہ اس گدی پر کوئی دیوتا انسان بیٹھے اور تم ہی ایک ایسے
انسان ہو جو دیوتا بھی ہو"۔

"نہیں مہاراج! میں راج گدی پر نہیں بیٹھ سکتا۔ میرا کام
ملک ملک کی سیر کرنا اور انسانوں کی بھلائی کے لیے کام کرنا

ہے۔ میں تخت پر نہیں بیٹھ سکتا"۔

چانکیہ نے گھور کر ناگ کو دیکھا اور کہا۔

"تمہیں انکار نہیں کرنا ہوگا۔ میں نے کبھی انکار کا لفظ کسی سے نہیں سنا۔ میں نے آج تک جس کام کا فیصلہ کیا اسے کر کے ہی رہا ہوں۔ تمہیں سمراٹ کے بعد راج گدی کو سنبھالنا ہوگا"۔

"نہیں مہاراج یہ کام میرے بس کا نہیں ہے"۔

"تم ابھی بچے ہو۔ جب بڑے ہوگے تو میرے کہے کی قدر معلوم ہوگی۔ میں تمہیں شاہی دربار میں خاص وزیر لگا دوں گا سمراٹ سے میں نے بات کر لی ہے۔ وہ بھی تمہیں بہت پسند کرتا ہے۔ اس نے کہہ دیا ہے کہ ناگ کو دربار کا خاص وزیر مقرر کر دیا جائے۔ اب تمہیں انکار نہیں کرنا

چاہیے"۔

اس پر ناگ نے کہا:

"مہاراج اگر آپ بہت زور دیتے ہیں تو پھر میری ایک شرط ہے"۔

"کونسی شرط؟ بولو! ہم تمہاری ہر شرط مان لیں گے"۔

چانکیہ کے کہنے پر ناگ بولا۔

"میری صرف ایک ہی شرط ہے کہ پاٹلی پتر کی قید کوٹھڑیوں میں بدھ مت کے ماننے والوں کو رہا کر دیا جائے اور شہر میں بدھ مت کے فقیروں کو مذہبی عبادت کی آزادی دے دی جائے"۔

"خاموش!"

چانکیہ ایکدم طیش میں آ کر بولا۔

"تم جانتے ہو کہ کیا کہہ رہے ہو؟ تم ہماری بادشاہی کی بنیاد اکھاڑنا چاہتے ہو۔ بدھ مت ہمارا دشمن مذہب ہے۔ بدھ مت کے ماننے والے ہمارے دشمن ہیں۔ وہ ہمارے اور ہم ان کے خون کے پیاسے ہیں۔ ہم انہیں کبھی زندہ نہیں دیکھنا چاہتے"۔

ناگ بولا: "مہاراج! بدھ مت کو ماننے والے آپ کے خون کے پیاسے نہیں ہیں بلکہ آپ ان کے خون کے پیاسے ہیں۔ وہ تو بے ضرر انسان ہیں۔ وہ تو سب سے محبت کرتے ہیں۔ آپ ان سے ڈرتے ہیں اور اس لیے ڈرتے ہیں کہ بدھ مت آپ کے غیر انسانی برہمنی اصولوں کے خلاف جنگ کا اعلان کرتا ہے"۔

اے گستاخ نوجوان! اگر تیری جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو میں

ابھی اس کی گردن قلم کروا دیتا۔ تم میرے مہمان ہی نہیں بلکہ ہم نے خود تمہیں اپنے ہاں کھانے پر بلوایا ہے۔ اس لیے تمہیں کچھ نہیں کہتا۔

لیکن آئندہ اگر تم نے ایسی بات منہ سے نکالی تو میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔ یہ مت بھولو کہ تم اگر ناگ دیوتا ہو تو میں بھی چانکیہ ہوں۔ مجھے معلوم ہے تمہیں کس طرح ہلاک کیا جا سکتا ہے اور تم میرے شہر میں ہو۔ میں جب اور جس وقت چاہوں تمہیں مروا سکتا ہوں۔

ناگ نے کہا: "اگر آپ میری اس شرط کو نہیں مانتے تو پھر میں بھی آپ کی بات نہیں مان سکتا۔ میں جا رہا ہوں"۔

ناگ جھونپڑی سے نکل کر چلا گیا۔

چانکیہ دانت پیتا اسے دیکھتا رہ گیا۔ وہ اب ناگ کو اپنا

اور پاٹلی پتر کی بادشاہی کا دشمن سمجھنے لگا تھا۔ ناگ نے چانکیہ کی بات ماننے سے انکار کر کے چانکیہ کی دشمنی مول لے لی تھی جو بڑی خطرناک تھی۔

ناگ واپس عنبر اور ماریا کے پاس آ گیا۔ اس نے دونوں کو ساری بات بیان کر دی۔ عنبر نے کہا:

"چانکیہ ایک خطرناک سازشی آدمی ہے۔ اسے اگر ناگ کی طاقت کا پتہ چل گیا ہے تو اسے یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ ناگ کو جلتی آگ میں ڈال کر ہمیشہ کے لیے ختم کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے ہمیں اب بڑی ہوشیاری سے کام کرنا ہو گا۔ ہماری بدھ مت کے فقیروں سے دوستی چانکیہ کے آگے کھل کر سامنے آ گئی ہے۔ چانکیہ ہمیں ختم کرنے کی ہر ممکن کوشش کرے گا۔"

ماریا نے کہا۔ "وہ عنبر کو اور مجھے کیسے ختم کر سکتا ہے؟"۔

عنبر نے کہا۔۔۔ "میرا خیال ہے کہ چانکیہ مجھے زنجیروں میں جکڑنے اور ناگ کو آگ میں جلانے کی کوشش کرے گا۔ اس طرح سے وہ ہم دونوں کو قید رکھ سکتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ میں اس کے خلاف اکیلا جنگ کر سکتا ہوں"۔

ناگ نے کہا۔۔۔ "سب سے زیادہ خطرہ مجھے اور ماریا کو ہے"۔

ماریا نے کہا۔۔۔ "مجھے تو وہ دیکھ ہی نہیں سکتے"۔

ناگ بولا۔۔ "ٹھیک ہے۔ مگر جہاں تک میرا خیال ہے پجاری کو کسی نے ضرور بتا دیا ہو گا کہ ہمارے ساتھ ایک غیبی انسان بھی ہے۔ چانکیہ کی باتوں سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ وہ ماریا کے وجود سے غافل نہیں ہے"۔

عنبر بولا۔۔۔اس قسم کے حالات ہمیں پہلے کبھی پیش
نہیں آئے۔ یہ پہلے دشمن ملے ہیں جو ہماری طاقت کو جان
گئے ہیں اور ہمارے خلاف سازش بھی کر رہے ہیں۔ بہر حال
ہمیں چوکنا رہنا ہوگا۔

سب سے زیادہ خطرہ اس بات کا ہے کہ ہماری جھونپڑی
کو دوبارہ آگ لگانے کی کوشش کی جائے گی اور ہو سکتا ہے
کہ اس دفعہ آگ زیادہ بھڑکے۔

ناگ بولا۔۔۔"تو پھر ہمیں اس مندر کو چھوڑ دینا
چاہیے۔ کیا خیال ہے؟"۔

ماریا نے کہا۔۔۔"ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے۔
اس سے پہلے کہ ہم کسی گھناؤنی سازش کا شکار ہو جائیں ہمیں
یہاں سے بوریا بستر لپیٹ کر کسی گمنام سرائے میں جا کر

ڈیرے جمالینے چاہئیں۔"

عنبر نے کہا۔۔۔"ماریا کا یہ خیال مجھے پسند آیا۔ ہمیں
یہاں سے نکل چلنا ہوگا"۔

ناگ بولا۔۔۔"مگر ہم جہاں بھی جائیں گے چانکیہ کے
جاسوس ہمارا پیچھا کریں گے وہ ہم سے غافل نہیں رہیں
گے۔ وہ بڑے مکار و ہوشیار شخص ہیں"۔

ماریا بولی۔۔۔"ہم اگر شانتی کے گھر میں جا کر ٹک
جائیں تو کیا خیال ہے؟ وہ کل صبح قافلے کے ساتھ روانہ
ہو رہی ہے۔

عنبر نے کہا۔۔۔"بالکل ٹھیک بات ہے۔ ہم شانتی کے
خالی گھر کو اپنا ٹھکانہ بنائیں گے۔ وہاں کوئی نہیں آئے گا"۔

ناگ نے کہا۔۔۔"تو پھر ہمیں آج پچھلے پہر ہی مندر

سے نکل جانا چاہیے“۔

اور ایسا ہی ہوا۔ رات کے پچھلے پہر ناگ، عنبر اور ماریا کوٹھڑی سے نکل کر مندر کے بڑے دروازے کی طرف آ گئے۔ بڑے دروازے پر سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ چانکیہ کے کہنے پر مندر پر پہرہ سخت کر دیا گیا تھا۔ مگر ناگ کی شکل دیکھ کر سارے پہرے دار ایک طرف ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔ کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ اگر انہوں نے راستہ نہ دیا تو ناگ دیوتا ان پر زہریلے سانپ چھوڑ دے گا۔

مندر سے باہر آ کر انہوں نے گھوڑے دوڑانے شروع کر دیئے۔ وہ شانتی کے گھر کی طرف جا رہے تھے۔ شانتی کا گھر وہاں سے تھوڑے ہی فاصلے پر تھا۔ ابھی دن کا اجالا نہیں پھیلا تھا کہ وہ شانتی کے گھر پہنچ گئے۔

شانتی اس وقت اپنے چچا کے ساتھ مل کر وہاں سے قافلے کے ساتھ سفر کرنے کی تیاریاں کر رہی تھی۔ عنبر اور ناگ کو دیکھ کر اس نے حیرت سے پوچھا۔

”عنبر بھائی آپ کیسے آ گئے؟“۔

عنبر نے شانتی کو کچھ نہ بتایا۔ صرف اتنا کہا:

”شانتی دیوی! مندر میں رہ رہ کر ہم تنگ آ گئے ہیں۔ تم قافلے کیساتھ گھر چھوڑ کر جا رہی ہو۔ ہم تمہارے خالی مکان کو اپنا ٹھکانہ بنائیں گے“۔

شانتی کے چچا نے کہا۔

”بچو! یہ گھر تمہارا اپنا گھر ہے۔ تم ساری زندگی اس گھر میں رہ سکتے ہو۔ تم لوگوں کے مجھ پر اتنے احسانات ہیں کہ ہمارا سارا خاندان اگر مل کر ساری زندگی تم لوگوں کی خدمت

کرے تو پھر بھی احسانوں کا بدلہ نہیں چکایا جا سکتا"۔

عنبر نے کہا۔۔۔"ایسی کوئی بات نہیں ہے چچا۔ بس ہم کچھ دیر اس مکان میں رہیں گے۔ پھر کسی دوسرے ملک کو کوچ کر جائیں گے"۔

شانتی نے کہا۔۔۔"یہ میری خوش قسمتی ہوگی"۔

عنبر اور ناگ نے شانتی کا سامان باندھنے میں اس کی مدد کی۔ صبح ہونے سے پہلے قافلہ چلنے والا تھا۔ ناگ شانتی کو خود کارواں سرائے چھوڑ کر آیا۔ جب قافلہ روانہ ہو گیا تو واپس گھر آ گیا۔ اس نے عنبر اور ماریا کو بتایا کہ شانتی قافلے کے ساتھ روانہ ہو گئی ہے۔

ماریا نے کہا۔۔۔"خدا کا شکر ہے کہ شانتی اب اپنے اصلی گھر پہنچ جائے گی اور ہم اس کے گھر ڈیرا جمائیں گے"۔

ناگ بولا۔۔۔"ویسے یہاں ہمیں بڑا چوکس ہو کر رہنا ہوگا۔ کیونکہ آج کسی وقت چانکیہ کو پتہ چل جائے گا کہ ہم شانتی کے گھر میں آ کر رہنے لگے ہیں"۔

عنبر نے کہا۔۔۔"اس کی ہمیں پرواہ نہیں۔ ہمیں اس شہر کے مظلوم لوگوں کی بھلائی کے لیے ایک علیحدہ اور پر سکون جگہ چاہیے سو وہ ہمیں مل گئی ہے۔ اگر چانکیہ نے ہمارے ساتھ زیادتی کرنے کی کوشش کی تو ہم اینٹ کا جواب پتھر سے دیں گے"۔

شانتی کا گھر چھوٹا سا تھا۔ دو کچے کمرے تھے۔ سامنے ایک آنگن تھا۔ جس میں ناریل اور آم کے درخت اگے ہوئے تھے۔ ایک کمرہ ماریا کو دے دیا گیا۔

دوسرے کمرے میں عنبر اور ناگ نے بستر لگا دیا۔ دن

چڑھ گیا تھا۔ عنبر بازار سے جا کر کچھ کھانے پینے کو لے آیا۔

انہوں نے مل کر ناشتہ کیا اور رات بھر کے جاگے ہونے کی وجہ سے اپنے اپنے کمروں میں جا کر آرام کرنے کے لیے لیٹ گئے۔

دن نکلتے ہی پجاری کو اطلاع ملی کہ ناگ اور عنبر کوٹھڑی چھوڑ کر کسی نامعلوم مقام کی طرف چلے گئے ہیں۔ وہ بھاگا بھاگا کوٹھڑی میں آیا۔ وہ خالی تھی۔ اس نے فوراً مندر کے دروازے پر جا کر پہرے داروں سے پوچھا کہ انہوں نے عنبر اور ناگ کو کیوں جانے دیا۔ پہرے داروں نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"مہاراج! وہ ناگ دیوتا ہے۔ ہم اسے کیونکر روک سکتے تھے؟"۔

پجاری نے ڈانٹ کر کہا:

"خاموش بدتمیزو! تم کون ہو اس سانپ کے بچے کو ناگ دیوتا کہنے والے! میں جانتوں اور ناگ دیوتا جانے۔ جب تمہیں حکم دیا گیا ہے کہ میری اجازت کے بغیر کسی کو اندر نہ آنے دیا جائے اور کسی کو باہر نہ جانے دیا جائے تو پھر تمہیں کیسے جرات ہوئی کہ تم دو آدمیوں کو میری مرضی اور اجازت کے بغیر مندر سے باہر جانے دو"۔

پہرے دار ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے۔

"مہاراج غلطی ہو گئی۔ معاف کر دیں"۔

اب ہو بھی کیا سکتا ہے۔ تیر کمان سے نکل چکا ہے۔

پجاری اپنے چیلے کو لے کر واپس آ گیا۔ اس نے اسی وقت گھوڑا منگوایا اور اس پر سوار ہو کر سیدھا چانکیہ کے پاس پہنچا۔

جا کر سلام کی اور عرض کیا کہ عنبر اور ناگ مندر سے بھاگ گئے ہیں۔

چانکیہ نے غصے میں پوچھا۔

"کہاں بھاگ گئے ہیں؟ تمہیں وہاں کس لیے بٹھا رکھا ہے؟ تم نے انہیں کیوں جانے دیا؟"۔

"مہاراج! وہ آدھی رات کے بعد بھاگ گئے۔ پہرے داروں نے انہیں ناگ دیوتا سمجھ کر انہیں جانے دیا۔ اب کیا ہوسکتا ہے۔ مہاراج!"۔

"ہوں۔ بڑی غلطی ہوگئی ہم سے۔ لیکن کوئی بات نہیں۔ وہ ہم سے بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتے۔ اپنے سارے جاسوسوں کو خبردار کر دو۔ انہیں عنبر اور ناگ کے پیچھے لگا دو۔ حکم دو انہیں کہ ہمارے قیدی جہاں کہیں بھی ہوں انہیں پکڑ کر

لایا جائے یا ہمیں آ کر اطلاع کی جائے کہ وہ کس جگہ پر ہیں"۔

"جو حکم مہاراج!"

پجاری چانکیہ کو سلام کر کے واپس مندر میں آ گیا۔

جاسوس قاتل

مندر میں آ کر پجاری نے اپنے چیلے سے مشورہ کیا۔

آخر وہ پاٹلی پتر شہر میں کہاں جا سکتے ہیں؟ وہ اس شہر میں اجنبی ہیں۔ وہ کسی بھی شخص کے گھر میں نہیں جا سکتے۔ زیادہ سے زیادہ وہ کسی سرائے میں ہی جا کر ٹھہر سکتے ہیں۔

"گرو جی! عنبر اور ناگ جہاں تک میرا خیال ہے کسی سرائے میں نہیں اتریں گے۔ کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ سرائے میں انہیں تلاش کر لیا جائے گا"۔

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ پھر وہ کہاں گئے ہوں گے"۔

"وہ ضرور کسی ویران جگہ پر چھپ گئے ہوں گے۔ ناگ دیوتا سانپوں سے بھی مدد لے سکتا ہے۔ کیونکہ سانپوں کو ایسی غاروں کا علم ہوتا ہے جہاں خزانے دفن ہوتے ہیں"۔

پجاری نے کہا:

"تم بیکار باتیں نہ کیا کرو۔ پاٹلی پتر شہر میں کسی جگہ خزانہ دفن نہیں ہے۔ جہاں جہاں خزانے دفن تھے ہم نکال چکے ہیں۔ وہ ضرور کسی سرائے میں اتریں ہوں گے۔ فوراً جاسوسوں کو بھیج کر ساری سراؤں کو کھنگال ڈالیں"۔

پھر اچانک کچھ سوچ کر بولا۔۔۔ "کہیں وہ شانتی کے گھر میں نہ جا کر چھپ گئے ہوں؟"۔

چیلے نے خوش ہو کر کہا۔

"مہاراج! آپ کی عقل پر میں نچھاور ہو جاؤں۔ کیسا
خیال سوجھا ہے آپ کو۔ شانتی اس شہر کو چھوڑ کر چلی گئی ہے۔
وہ ضرور اس کے خالی مکان میں ہوں گے۔"

پجاری نے دانت پیستے ہوئے کہا:

وہ بد بخت میری ساری اشرفیاں لے کر یہاں سے
بھاگ گئی ہے۔ اور میں کچھ نہیں کر سکا۔ خیر کوئی بات نہیں میں
اس کا بدلہ عنبر اور ناگ سے لوں گا۔ میں ان دونوں کو جلتی
آگ میں پھینک دوں گا۔ مندر میں جو میلہ ہوگا اس میں
آگ کا کنواں جلے گا۔

میں اس کنوئیں میں ناگ کو دھکا دے دوں گا۔ دیکھتا
ہوں اسے پھر کون بچاتا ہے۔

چیلہ بولا۔۔۔"آپ کا خیال بالکل درست ہے۔

مہاراج! مندر کی آگ سے ناگ کو کوئی نہیں بچا سکے گا۔ ہم
اسے اتنی مہلت ہی نہیں دیں گے کہ وہ اپنے سانپوں کو بلا
سکے"۔

پجاری نے کہا۔۔۔"وہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن اب سب
سے ضروری بات یہ ہے کہ تم شانتی کے گھر جاؤ اور جا کر دیکھو
کہ عنبر اور ناگ اسی جگہ چھپے ہوئے ہیں"۔

چیلے نے سر جھکا کر کہا۔۔۔"بہت بہتر حضور۔ میں ابھی
فقیر کے بھیس میں وہاں جاتا ہوں"۔

پجاری بولا۔۔۔"سنو! اگر تم اس کمرے کو آگ لگا سکو
جس میں ناگ رہ رہا ہے تو فوراً آگ لگا دینا۔ خبردار سستی
مت کرنا۔ دشمن کا جہاں موقع ملے سر کچل دینا چاہیے"۔

"ایسا ہی ہوگا مہاراج!"

چیلے نے اسی وقت اپنی کوٹھڑی میں جا کر فقیر بابا کا بھیس
بدلا۔ ہاتھ میں بھیک مانگنے والا پیالہ پکڑا اور منہ سر لپیٹ کر
مندر سے باہر نکل گیا۔

شانتی کے گھر کے راستے کو وہ خوب جانتا تھا۔ وہ گلیوں
اور بازاروں میں سے نکل کر اس بڑی سڑک پر آ گیا جو شہر
سے دور کچی بستی کو جاتی تھی۔ اس کچی بستی کے کنارے پر
سب سے الگ شانتی کا مکان تھا۔

چیلہ اپنے گورو کے ساتھ اسی مکان میں سے شانتی کو
ایک رات اغوا کر کے لے آیا تھا۔ چیلے نے بستی میں داخل ہو
تے ہی ہر ایک کے گھر کے آگے جا کر بھیک مانگنی شروع کر
دی۔ بھیک مانگتے مانگتے وہ شانتی کے مکان پر بھی آ گیا۔

اس نے دیکھا کہ شانتی کا دروازہ اندر سے بند ہے۔ وہ

سمجھ گیا کہ دشمن اسی جگہ پر ہے۔ اس وقت شام ہو رہی تھی۔
سورج غروب ہو رہا تھا۔ دھوپ کا رنگ پھیکا پڑ چکا تھا۔ عنبر
اور ناگ بازار کچھ کھانے پینے کا سامان خریدنے گئے ہوئے
تھے۔

چیلے نے شانتی کے دروازے کے باہر کھڑے ہو کر صدا
لگائی۔

"رب کے نام پر بھیک مل جائے بابا"۔

اندر سے کسی نے آواز نہ دی۔ کچھ دیر آوازیں لگانے
کے بعد چیلے نے دروازے کو کھٹکھٹانا شروع کر دیا۔ اندر صرف
ماریا اپنے کمرے میں لیٹی آرام کر رہی تھی۔

اس نے فقیر کی آواز سن لی۔ اس نے سوچا کہ وہ اپنے
آپ چھ سات بار آواز لگا کر چلا جائے گا۔ مگر اس نے تو اب

دروازے کو زور زور سے بجانا شروع کر دیا۔ اندر ماریا کو بڑا
غصہ آیا کہ یہ کم بخت کس قدر ضدی بھکاری ہے۔ اب وہ اس
کے سامنے آ کر اسے یہ بھی نہیں کہہ سکتی تھی کہ بابا معاف
کرو۔

چیلا بار بار دروازے کو کھٹکھٹائے جا رہا تھا۔ وہ بھی سچا
تھا۔ وہ ہر حالت میں معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اندر کون رہتا
ہے۔ یہ معلوم کیے بغیر وہ بھی وہاں سے نہیں ہل سکتا تھا۔ ماریا
چڑ گئی۔ وہ اٹھی اور کوٹھڑی میں سے نکل کر صحن عبور کر کے
دروزے کے پاس آ کر بولی۔

"کون دروازہ توڑ رہا ہے؟"۔

چیلے نے بھکاری کی آواز بنا کر کہا۔

"بہن جی بھکاری ہوں۔ کل سے بھوکا ہوں۔ کچھ

کھانے کو دے دو۔ تمہیں دعائیں دوں گا۔ بڑی بھوک لگی
ہے"۔

ماریا کے دل میں رحم آ گیا۔ دوپہر کا کچھ پنیر اور باسی
روٹی بچی ہوئی پڑی تھی۔ اس نے سوچا کہ بھکاری کو دے
دوں۔ بیچارے کا پیٹ بھر جائے گا۔ کہنے لگی۔

"ٹھہرو بابا۔ ابھی تمہارے لیے کچھ کھانے کو لاتی
ہوں"۔

"رب بھلا کرے بہن"۔

چیلے نے دروازے کے سوراخ میں سے اندر جھانک کر
دیکھا اسے وہاں کچھ بھی نظر نہ آیا۔ کوئی عورت وہاں
نہیں کھڑی تھی۔ بڑا حیران ہوا۔ ماریا اندر چلی گئی۔ وہاں
سے ایک پتے میں پنیر اور روٹی لپیٹ کر لائی اور بولی!

"بابا۔ یہ لو روٹی اور پنیر"۔

"لاؤ بہن"۔

ماریا نے روٹی تھوڑا سا دروازہ کھول کر باہر کر دی۔ چیلے نے دیکھا کہ جس ہاتھ نے روٹی پکڑ رکھی تھی، وہ کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔

ماریا نے جلدی سے روٹی فقیر کی جھولی میں ڈال کر دروازہ بند کر دیا۔ چیلا اپنی جگہ پر بت بنا کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔ اس نے زندگی میں کبھی ایسا منظر نہیں دیکھا تھا کہ جس میں روٹی پکڑی ہوئی ہو وہ نظر نہ آ رہا ہو۔

پھر اس نے سوراخ سے اندر جھانک کر دیکھا۔ ماریا کو شک ہوا کہ یہ کیسا بھکاری ہے کہ کھانا لینے کے بعد تاک جھانک بھی کر رہا ہے۔ اس نے ایک چال چلی اور دروازے

کی کنڈی کھول دی۔

کنڈی کھول کر وہ خود الگ ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔

چیلے نے کچھ دیر وہاں رک کر دوبارہ اندر جھانک کر دیکھا۔ صحن خالی تھا۔ پھر اس نے دروازے کو دھکا دیا۔ دروازہ کھل گیا۔ چیلا اندر آ گیا۔ وہ صحن کی دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا اس کوٹھڑی کے پاس آ گیا جہاں ماریا رہتی تھی۔ یہ مکان چیلے نے پہلے بھی دیکھ رکھا تھا۔

ماریا بھی اس کے ساتھ ساتھ اس کا جائزہ لے رہی تھی کہ یہ بھکاری کر کیا رہا ہے۔ وہ اتنا ضرور سمجھ گئی تھی کہ یہ کوئی پجاری کا جاسوس ہے۔ اس نے سوچا کہ اس جاسوس کو مزہ چکھانا چاہیے۔

چیلا چپکے سے ماریا کی کوٹھڑی میں داخل ہو گیا۔ اپنے

خیال میں وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ کوٹھڑی خالی ہے اور جس عورت نے اسے روٹی دی تھی وہ دوسری کوٹھڑی میں چلی گئی ہے۔

ماریا کی کوٹھڑی میں آ کر اس نے اندر سے دروازہ بند کر لیا اور تلاشی لینی شروع کر دی۔

اس کا خیال تھا کہ وہاں کوئی نہیں ہے۔ جبکہ ماریا اس کے قریب کھڑی تھی۔ وہ چیزوں کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا۔ وہاں زیادہ سامان تھا ہی نہیں۔ پرانی لکڑی کے خالی صندوق اور مٹی کے بڑے بڑے دو مٹکے تھے جو اناج سے خالی تھے۔ ماریا چپکے سے دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

دروازہ کھلنے کی آواز سن کر چیلے نے پلٹ کر دروازے کی طرف دیکھا اپنے آپ کھل کر بند ہو گیا۔ چیلا اس کی طرف لپکا۔ ماریا نے باہر سے دروازے کو تالا لگا دیا۔ چیلا بولا:

"کون ہے؟ باہر کون ہے؟"۔

ماریا نے کہا۔

"وہی جس نے تمہیں کھانے کو روٹی دی تھی"۔

"مگر تم کہاں ہو؟ تم نظر نہیں آ رہیں؟"۔

"یہ تمہیں پھر کبھی معلوم ہو گا۔ پہلے یہ بتاؤ کہ تم کون ہو اور یہاں کیا لینے آئے تھے؟"۔

"میں بھکاری ہوں"۔

"بھکاری تھے تو چوروں کی طرح گھر میں کیوں داخل ہوئے؟"۔

"غلطی ہو گئی بی بی! معاف کر دو"۔

"تم جاسوس ہو۔ پجاری کے جاسوس ہو۔ سچ نہیں بتاؤ گے تو تمہیں اس کوٹھڑی میں ختم کر دیا جائے گا"۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں بی بی! میں ایک بھکاری ہوں"۔

"بکواس کرتے ہو۔ جھوٹ بولتے ہو۔ اچھا تم اندر بند رہو میرے بھائی آ جائیں۔ پھر تم سے بات ہوگی"۔

یہ کہہ کر ماریا دوسری کوٹھڑی میں چلی گئی۔ چیلا واقعی مصیبت میں پھنس گیا تھا۔ اس کا بھانڈا پھوٹ گیا تھا۔ اور وہ کیا کر سکتا تھا۔ باہر جانے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ دروازہ بڑی مضبوط لکڑی کا تھا۔

اس نے دھکے مار کر دروازے کو توڑنے کی کوشش کی مگر دروازہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ اتنی دیر میں عنبر اور ناگ بازار سے کھانا لے کر واپس آ گئے۔ ماریا نے آتے ہی انہیں بتایا کہ ایک جاسوس کو اس نے قید کر رکھا ہے۔

"کونسا جاسوس؟"۔ ناگ نے پوچھا۔

"سوائے پجاری اور چانکیہ کے جاسوس کے اور کون ہو سکتا ہے"۔

عنبر بولا "کہاں ہے جاسوس؟"۔

"میری کوٹھڑی میں"۔

"وہ تینوں ماریا کی کوٹھڑی کی طرف آ گئے۔ انہوں نے تالا کھولا اور جلدی سے اندر داخل ہو کر دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ اندر سے دوبارہ تالہ لگا دیا۔ اب جو دیکھتے ہیں تو سامنے ایک بھکاری دیوار کے ساتھ لگا بیٹھا ہے۔

"کون ہو تم؟"۔

"حضور میں ایک بھکاری ہوں۔ بھوک لگی تھی۔ یہاں آ گیا۔ بی بی نے مجھے اندر قید کر دیا۔ میں چور نہیں ہوں سرکار۔ میں جاسوس بھی نہیں ہوں"۔

عنبر اور ناگ کو آواز جانی پہچانی لگی۔ عنبر نے آگے بڑھ کر
چیلے کی بناوٹی ڈاڑھی نوچ لی۔ اب ان کے سامنے موٹے
پجاری کا چیلا کھڑا تھا۔ عنبر نے کہا۔

"تو تم پجاری کے چیلے ہو اور چانکیہ کی جاسوسی کرنے
آئے ہو۔ بولو اب تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟"۔

چیلا ڈر گیا۔ ناگ دیوتا کا اسے بھی خوف تھا۔ ہاتھ
باندھ کر بولا:

"سرکار مجھ سے غلطی ہوگئی۔ مجھے معاف کردیں"۔

ناگ بولا۔۔۔"اگر ہم تمہیں معاف کر کے چھوڑ دیں تو
تم جا کر پجاری کو بتا دو گے کہ عنبر اور ناگ شانتی کے گھر میں
چھپے ہیں"۔

چیلے نے قسم کھا کر کہا "حضور! مجھ سے چاہے جس کی قسم

لے لیں میں ہرگز ہرگز پجاری کو نہیں بتاؤں گا کہ تم لوگ اس
گھر میں رہتے ہو"۔

عنبر بولا۔۔۔"تمہارا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ تم ضرور بتا
دو گے"۔

"نہیں حضور! میں کبھی نہیں بتاؤں گا"۔

"اس کا ثبوت کیا ہے؟"۔

"چاہے جو قسم مجھ سے لے لیں سرکار"۔

ناگ نے کہا۔۔۔"سنو! اگر تم نے پجاری کو جا کر بتایا
کہ ہم اس مکان میں چھپے ہوئے ہیں تو یاد رکھو مندر کے
سارے سانپ باری باری آ کر تمہیں ڈس دیں گے"۔

چیلا چیخ کر بولا۔۔۔"سرکار! میں کبھی نہیں بتاؤں گا۔
کبھی نہیں بتاؤں گا"۔

ناگ نے عنبر سے پوچھا۔۔۔"عنبر بھائی! تمہارا کیا خیال ہے اس احمق جاسوس کو رہا کر دیا جائے"۔

عنبر بولا۔۔۔"ناگ بھائی! اگر تمہیں یقین ہے کہ یہ جا کر نہیں بتائے گا تو اسے رہا کر دو۔ نہیں تو اسے اسی مکان میں قید رکھو"۔

ماریا نے ناگ کے کان میں کہا۔۔۔"ناگ اس پر بھروسہ نہ کرو۔ یہ دشمن ہے۔ یہ ضرور جا کر بتا دے گا۔ اسے اسی جگہ قید کر دو"۔

ناگ نے سوچا کہ اس بدبخت کو وہ کہاں قید رکھے گا۔ شانتی کے گھر میں صرف دو کوٹھڑیاں تھیں۔ اس نے چیلے سے کہا:

"سنو! میں تمہیں آزاد کرتا ہوں۔ لیکن اگر تم نے پجاری

کے پاس جا کر زبان کھولی تو مندر کے سانپوں کو میں حکم دوں گا کہ وہ تمہیں ڈس کر ہلاک کر دیں۔ جاؤ۔ اب بھاگ جاؤ"۔

چیلے نے ہاتھ جوڑ کر ناگ کو سلام کیا اور کوٹھڑی سے نکل کر صحن میں بھاگتا ہوا باہر چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی ماریا نے ناگ سے کہا۔

"بھائی اس شخص کو چھوڑنا نہیں چاہیے تھا۔ یہ ہمارا دشمن تھا۔ یہ ضرور پجاری کے پاس جا کر ہماری مخبری کرے گا"۔

ناگ نے کہا۔۔۔"ماریا! فکر نہ کرو۔ یہ شخص جانتا ہے کہ میں ناگ دیوتا ہوں اور مندر کے سارے سانپ میرا حکم مانتے ہیں۔ یہ بڑے کمزور عقیدے کا آدمی ہے۔ یہ کبھی جرأت نہیں کرے گا کہ میرے خلاف پجاری کے آگے ایک

لفظ بھی نکالے"۔

عنبر بولا۔۔۔"میرا اپنا بھی یہی خیال ہے۔ آؤ اب کھانا کھائیں۔ ماریا کو بھوک لگ رہی ہو گی"۔

تینوں بہن بھائی کھانا کھانے بیٹھ گئے۔

چیلا وہاں سے بھاگ کر سیدھا مندر میں پہنچا۔ پجاری اس کا انتظار کر رہا تھا۔ چیلے کو دیکھتے ہی اس نے پوچھا۔

"بولو۔ کیا خبر لائے؟ شانتی کے گھر میں کون ہے؟"۔

چیلے نے سہمے ہوئے کہا۔۔۔"مہاراج! وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ شانتی کا مکان خالی تھا"۔

مکار پجاری سمجھ گیا کہ چیلا اس سے کچھ چھپا رہا ہے۔ پجاری نے چیلے کو مارنا شروع کر دیا۔ چیلے نے چلانا شروع کر دیا۔ پجاری نے کہا!

"اگر تم نے سچ نہ بتایا تو میں تمہیں مار مار کر ختم کر دوں گا"۔

چیلے نے ہاتھ باندھ کر کہا۔۔۔"مہاراج! اگر میں نے آپ کو سچ بتا دیا تو مندر کے سارے سانپ باری باری ڈس کر مجھے ہلاک کر دیں گے"۔

"اب تمہیں کچھ بتانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں سمجھ گیا کہ شانتی کے گھر میں ناگ نے ڈیرہ جمایا ہے۔ اب تم جا سکتے ہو"۔

پجاری کو معلوم ہو گیا تھا کہ ناگ اور عنبر شانتی کے گھر میں ہیں۔ وہ وہاں سے سیدھا چانکیہ کی جھونپڑی میں پہنچا اور جا کر اسے بتایا کہ جاسوس نے خبر دی ہے ناگ اور عنبر شانتی دیوی کے خالی گھر میں اترے ہوئے ہیں۔ چانکیہ کے

چہرے پر شیطانی مسکراہٹ آئے۔

اس نے پجاری سے کہا۔

"اب تم جاؤ۔ باقی سارا کام میں خود کرلوں گا"۔

پجاری جھک کر سلام کر کے چلا گیا۔ چانکیہ نے اپنے دو خاص جاسوس بلائے اور انہیں حکم دیا کہ وہ آدھی رات کو شانتی کے گھر میں جائیں۔

کوٹھڑیوں کے دروازوں کو باہر سے بند کر کے دروازوں پر رال چھڑک کر آگ لگا دیں۔

"یاد رکھو۔ دروازے اس طرح بند کرنا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ آگ بڑی تیزی سے لگانا۔ کوٹھڑی کی نالی بھی اینٹوں سے بند کردینا"۔

جاسوس قاتل سر جھکا کر باہر نکل گئے۔

خطرناک زہر

جاسوسوں نے شانتی کے مکان کے گرد ڈیرا ڈال دیا۔

وہ مکان سے ذرا دور ایک گھنے درخت کے پاس پرانے کھنڈر میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ اور آگ لگانے کے لیے کسی مناسب وقت کا انتظار کرنے لگے۔ دن چڑھ آیا تھا۔ کیونکہ مکار وزیر نہ صرف بیکل لوگوں پر بے پناہ ظلم کر رہا تھا بلکہ چندر گپت سمراٹ کی اولاد کو بھی ان کی راج گدی سے محروم کرنے کی سازش کر رہا تھا۔

وہ ناگ کو اسی لیے گدی پر بٹھانا چاہتا تھا تاکہ حکومت اس کے ہاتھ میں رہے۔ یہ بہت بڑی ناانصافی تھی جسے ناگ کبھی قبول نہیں کرسکتا تھا۔ جو شے اس کی نہیں تھی اسے وہ بھلا کیسے لے سکتا تھا؟ عنبر نے کہا:

"اس وزیر سے سمراٹ کو ضرور چھٹکارا حاصل کرنا ہوگا۔ نہیں تو یہ سمراٹ خاندان کی حکومت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کردے گا"۔

ناگ نے کہا۔۔۔"میرا خیال ہے کہ ہمیں مہاراج سمارٹ سے ملنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ہمارا فرض ہے کہ سمارٹ کو سب کچھ کھول کر بیان کردیں۔ کیونکہ صرف یہی ایک صورت رہ گئی ہے کہ ہم پاٹلی پتر کے بدھ فقیروں کو ظلم سے نجات دلاسکیں"۔

50 جہاز کا اغوا

عنبر بولا۔۔۔"سمراٹ سے ملنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ ایک تو وہ راج محل سے کبھی باہر نہیں نکلتا۔ اور پھر راج محل پر بڑا زبردست پہرہ ہے"۔

"خیر عنبر بھائی پہرہ داروں کی تو نظر بچا کر اندر جایا جاسکتا ہے"۔

تو پھر چلو۔ میں تیار ہوں۔ لیکن تمہیں یہ بھی خیال رکھنا ہو گا کہ سمراٹ بدھ فقیروں کے خلاف ہے۔ اسے ہمیں اپنا ہم خیال بنانا ہوگا اور ہم خیال بنانے کا سب سے بہترین طریقہ یہ ہے کہ اسے اپنی طاقت کا احساس دلایا جائے۔

اس پر یہ ثابت کیا جائے کہ ہم بہت طاقتور ہیں اور اگر چاہیں تو اس کی سلطنت پر بھی قبضہ کرسکتے ہیں اس لیے وہ چانکیہ کے کہنے پر لوگوں پر ظلم کرنا چھوڑ دے۔ بس پھر اس

کے بعد وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہمارا ہم خیال بن جائے گا۔

عنبر ہنسنے لگا۔۔۔ بھائی ناگ تم نے باتیں تو سولہ آنے کی کھری کی ہیں۔ چلو جس طرح تم کہتے ہو اسی طرح کر لیتے ہیں۔ لیکن ایک اور بات ہے کہ پجاری کے جاسوس نے جا کر ضرور اطلاع کر دی ہوگی۔

وہ بڑا خبیث آدمی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم بھی اپنے سانپوں کو کہہ کر اسے نہیں مرواؤ گے۔ مگر ہمیں اس گھر کی بھی حفاظت کرنی ہے۔ یہ شانتی کی ماں باپ کا پرانا گھر ہے۔ پھر ماریا یہاں رہتی ہے۔ اگر کسی نے باہر سے دروازہ بند کر کے آگ لگا دی تو ماریا میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ وہ باہر نکل سکے۔ وہ غائب ضرور ہو سکتی ہے مگر دروازہ نہیں توڑ سکتی۔

ناگ نے پوچھا۔۔۔ ”تو پھر کیا کیا جائے؟ پجاری کا

چیلا تو جا چکا ہے۔ اس نے تو پجاری کو جا کر ہمارے گھر کے بارے میں اطلاع کر دی ہوگی۔ ٹھیک ہے۔ ہم بندوبست کر لیں گے۔“

عنبر نے کہا۔۔۔ ”میرا خیال ہے ہمیں ماریا کو اکیلے چھوڑ کر نہیں جانا ہوگا۔ یا پھر اسے کہہ دیں گے کہ اپنا خیال رکھا کرے۔ کوئی شخص بھی اگر باہر سے اندر آئے تو اسے اندر آنے دے کیونکہ آگ لگانے جو بھی آئے گا وہ صحن کی دیوار پھلانگ کر ہی اندر آئے گا۔“

اتنے میں دروازہ کھلا اور ماریا اندر آ گئی۔ عنبر نے ہنس کر کہا۔

”ماریا بہن! ہم تمہاری ہی باتیں کر رہے تھے۔“

ماریا بولی۔۔۔ ”میں نے یہ باتیں سن لی ہیں۔ ساتھ والی

کوٹھڑی میں تمہاری ساری آوازیں آرہی تھیں۔ میں مانتی
ہوں کہ تم لوگوں کو میری بہت فکر ہے۔ مگر بھائیوں میں اکیلی
یہاں قید نہیں رہ سکتی۔ اور پھر اکیلی یہاں قید ہو کر نہیں رہ
سکتی۔ اور پھر مجھ کو کیا پتہ چل سکتا ہے کہ دشمن کدھر سے حملہ
کرنے والا ہے"۔

ناگ نے کہا۔۔۔"اچھا! میں ایک ترکیب کرسکتا ہوں۔
میں مندر سے ایک ایسا خطرناک سانپ منگوا کر یہاں
پہرے پر بٹھا دیتا ہوں۔ جس کا کاٹا پانی نہیں مانگتا۔ کیا اس
پر تم راضی ہو؟"۔

ماریا نے کہا۔۔۔"کہیں وہ کم بخت مجھے ہی نہ کاٹ
دے"۔

ہاہاہا۔۔۔ایسا کبھی نہیں ہوسکتا بہن ماریا۔ ایسا کبھی نہیں

ہوسکتا۔ وہ سانپ تمہیں کبھی کچھ نہیں کہے گا۔ وہ جس طرح
میرا غلام ہوگا اسی طرح تمہارا بھی غلام ہوگا۔

عنبر نے کہا۔۔۔"یہ ترکیب بڑی اچھی ہے۔ تم آج ہی
مندر سے ایسا خطرناک پہرے دار منگوا کر اسے پہرے پر
بٹھا دو۔ پھر ہمیں کسی کا ڈر نہیں ہوگا۔ مگر سانپ کو بھی تو مارا جا
سکتا ہے"۔

ناگ بولا۔۔۔"ہاں اسے مارا ضرور جا سکتا ہے۔ مگر
اسے سمجھا دیا جائے گا کہ اپنا بھی خیال رکھے۔ اگرچہ مندر
کے سانپ اتنے ہوشیار نہیں ہوتے مگر پھر بھی میں اسے اچھی
طرح سمجھا دوں گا"۔

اسی وقت ناگ نے آنکھیں بند کر کے منتر پڑھنے شروع
کر دیے۔ کچھ دیر منتر پڑھنے کے بعد اس نے مندر کی طرف

منہ کر کے زور سے پھونک ماری اور آگے ہاتھ بڑھا کر یوں بلایا جیسے کسی کو اپنی طرف بلا رہا ہو۔

ادھر مندر میں ناگ دیوتا کے بت کے ایک بل میں دبک کر بیٹھے ہوئے ایک خطرناک سانپ نے جھرجھری سی لی اور بل میں سے نکل کر باہر رینگنا شروع کر دیا۔ سانپ پچھلی طرف سے ہو کر مندر سے باہر نکل آیا۔ وہ ویران علاقے سے ہو کر شانتی کے گھر کی طرف چل پڑا۔

ناگ ابھی تک منتر پڑھ رہا تھا۔ پھر اچانک صحن کی دیوار سے ہو کر مندر کا سیاہ کالا خطرناک زہریلا سانپ، ناگ کی کوٹھڑی میں آ کر کنڈلی مار کر سامنے بیٹھ گیا۔

ناگ نے اسے خاص آواز میں ماریا کی حفاظت اور مکان کے پہرے کے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔ ناگ نے

سر جھکا دیا۔ گویا وہ سب کچھ سمجھ گیا ہے اور مکان و ماریا کے دل و جان سے حفاظت کرے گا۔

ناگ نے کہا۔۔۔ ”تمہیں مکان کے اندر چکر لگا کر پہرہ دیتا ہو گا۔ کیونکہ دشمن ہمارے گھر کے ارد گرد منڈلا رہا ہے“۔

سانپ نے اپنی آواز میں کہا۔ ”ایسا ہی ہو گا مالک! میں اپنی جان قربان کر دوں گا مگر اس گھر پر اور ماریا پر آنچ نہیں آنے دوں گا“۔

ناگ نے کہا۔۔۔ ”شاباش! مجھے تم سے یہی امید تھی۔ اب تم جا کر صحن میں پہرہ دو“۔

سانپ سر جھکانے کے بعد باہر نکل گیا۔ ناگ نے کہا۔

”عنبر بھائی! ہمیں اب راج محل میں پہنچ کر راجہ سمراٹ سے ملنے کی کوشش کرنی چاہیے“۔

عنبر بولا۔۔۔"میرے خیال میں راجہ سے ملنا فضول ہے"۔

"پھر کیا کیا جائے؟ کچھ تجویز بتاؤ"۔

"میرا تو خیال ہے کہ میں گوتم بدھ کے ایک فقیر کا بھیس بدل کر سامنے آتا ہوں۔ چانکیہ کے سپاہی مجھے پکڑ کر لے جائیں گے۔ وہاں میں اپنی کرامت دکھاؤں گا اور اس طرح سے سارے فقیروں کو آزاد کروا دوں گا"۔

ماریا نے کہا۔"یہ ترکیب سب سے اچھی ہے۔ ناگ بھائی! کیونکہ راجہ سمراٹ کو آپ اس وقت تک اپنا ہم خیال نہیں بنا سکتے جب تک کہ اسے اپنی طاقت کا کوئی ثبوت نہیں دیں گے"۔

عنبر نے ناگ سے پوچھا۔۔۔"کیوں بھائی! تمہارا کیا

خیال ہے؟"۔

ناگ نے کہا۔"اگر تم لوگوں کا بھی یہی خیال ہے تو پھر میں بھی تم لوگوں کے ساتھ ہوں۔ ٹھیک ہے تم بدھ فقیر کا بھیس بدل کر بازار میں آ کر بدھ مت کا پرچار شروع کر دو۔ یہ لوگ تمہیں پکڑ کر چانکیہ کے سامنے لے جائیں گے۔ پھر جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ میں اور ماریا بھی تمہارے ساتھ ہوں گے۔ وہاں ہم سے جو کچھ تمہاری مدد ہو سکے گی ضرور کریں گے"۔

"چلو ایک بات کا فیصلہ ہو گیا۔ اب میں بدھ فقیر کا بھیس بدلتا ہوں"۔

عنبر نے دوسری کوٹھڑی میں جا کر بدھ مت کے ماننے والے فقیر کا بھیس بدلنا شروع کر دیا۔ اس نے اپنے آپ کو زرد رنگ کی چادر میں لپیٹا۔ سر کے بال مونڈ ڈالے اور گلے

میں سیاہ رنگ کا کشکول لٹکا کر پاؤں میں لکڑی کی کھڑائیں
پہن لیں۔ جب وہ باہر نکلا تو ناگ اور ماریا حیران ہو کر
بولے۔

''عنبر بھائی! ہم نے تو تمہیں بالکل ہی نہیں پہچانا۔ تم تو
سچ مچ کے بدھی بھکشو لگ رہے ہو۔''

عنبر نے بدھ فقیروں کی طرح سر جھکا کر کہا۔

''شکریہ! شکریہ!''

ناگ بولا۔۔۔''اب ایسا ہوگا کہ عنبر بھائی یہاں سے نکل
کر بدھ مت کا پرچار کرتا شہر کے سب سے بڑے چوک میں
جا کر تقریر کرنی شروع کر دے گا۔ ہم یعنی میں اور
ماریا۔۔۔ یہاں سے سیدھے شہر کے بڑے چوک میں پہنچ
جائیں گے اور عنبر کا انتظار کریں گے۔ مگر میں بھی اپنا حلیہ ذرا

بدل لوں گا تاکہ کوئی مندر کا آدمی مجھے پہچان نہ سکے۔ اس
کے لیے میں سر پر پگڑی باندھ کر اپنا آدھا چہرہ بنارس کے
لوگوں کی طرح چھپا لوں گا۔''

ماریا بولی۔۔۔''ٹھیک ہے۔ میں تمہارے ساتھ
ہوں گی۔''

عنبر نے کہا۔۔۔''لیکن تمہیں لوگوں کے ہجوم سے بچ کر
رہنا ایسا نہ ہو کہ تم ہی پکڑی جاؤ اور ہمیں لینے کے دینے پڑ
جائیں۔''

ماریا نے کہا۔۔۔''نہیں بھائی! میں کوئی بچہ نہیں ہوں۔
سب کچھ معلوم ہے۔ میں اور ناگ بھائی کسی ایسی جگہ کھڑے
ہوں جہاں زیادہ لوگ نہیں ہوں گے۔''

عنبر بولا۔۔۔''بس پھر ٹھیک ہے۔ اب میرا خیال ہے ہم

لوگوں کو یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ مگر ایک بات ہے"۔

"وہ کیا؟" ماریا نے پوچھا۔ تاگ بھی عنبر کی طرف تکنے لگا۔

عنبر نے کہا۔۔ "ہمیں اب یہ بات کسی وقت بھی نہیں بھولنی چاہیے کہ ہمارے مکان کی نگرانی کی جا رہی ہے۔ جاسوس ہر وقت مکان کے باہر موجود ہیں اور ہماری چھوٹی سے چھوٹی حرکت کو بھی غور سے دیکھ رہے ہیں۔ اس لیے ہمیں بڑے دروازوں میں سے نہیں گزرنا چاہیے"۔

"پھر ہم کہاں جائیں؟"۔

"ہمیں صحن کی پچھلی دیوار باری باری پھاند کر یہاں سے نکلنا چاہیے۔ تاکہ چانکیہ کے جاسوس ہمارا پیچھا نہ کر سکیں"۔

ماریا بولی۔۔۔ "ٹھیک ہے ہمیں ایسا ہی کرنا چاہیے"۔

تینوں بہن بھائی کوٹھڑی سے باہر آ گئے۔ انہوں نے کوٹھڑی پر تالا ڈالا۔ پھر آنگن کی پچھلی طرف ئے۔ یہاں سے باری باری دیوار پر چڑھ کر دوسری طرف میدان میں چھلانگیں لگائیں اور درختوں میں بھاگ کر گم ہو گئے۔

چانکیہ کے جاسوس مکان کے سامنے کی طرف چھپ کر بیٹھے تھے انہیں خبر ہی نہ ہوئی کہ جن لوگوں کی رکھوالی پر وہ بیٹھے ہیں وہ دوسری طرف سے صحن کی دیوار کود کر بھاگ گئے ہیں۔ دونوں جاسوس ایک پرانے کھنڈر کی ٹوٹی ہوئی دیوار کے پاس بیٹھے سوراخ میں سے شانتی کے گھر کے دروازے کو تک رہے تھے جو بند تھا۔ دوپہر ہو گئی تو ایک جاسوس نے کہا۔

"یار ہم اس طرح کب تک بیٹھے رہیں گے؟ ہمیں باہر

نکل کر اپنا کام کرنا چاہیے۔ دشمن مکان کے اندر ہی ہے۔ ہمیں کوٹھڑیوں کو بند کر کے آگ لگا دینی چاہیے۔ سامان تو ہمارے پاس موجود ہی ہے۔ بس دیوار پھاند کر کسی طرح چھپ کر اندر جانے کی ضرورت ہے۔"

دوسرے جاسوس نے کہا۔ "ہاں یار! یہاں بیٹھ بیٹھ کر میں بھی تنگ آ گیا ہوں"۔

"تو پھر چلو دیوار پھاند کر مکان کے اندر جاتے ہیں"۔

یہ طے کر کے دونوں جاسوسوں نے رال کے تیل والی کپی، روئی اور آگ لگانے والے پتھر جیب میں رکھے اور بائیں طرف سے رینگتے ہوئے کھنڈر سے باہر نکل آئے۔

اب وہ شانتی کے گھر کی پچھلی دیوار کی طرف بڑھ رہے تھے۔ یہی وہ جگہ تھی جہاں سے عنبر اور ناگ وغیرہ تھوڑی دیر ہوئی

بھاگے تھے۔ دونوں جاسوس میدان کی جھاڑیوں میں رینگ رینگ کر آگے بڑھ رہے تھے۔

مکان کی دیوار کے پاس آ کر وہ رک گئے انہوں نے گردنیں اٹھا کر ادھر ادھر دیکھا۔ وہاں دور دور تک کسی کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ وہ بے فکر ہو کر اٹھے اور دیوار کے اوپر چڑھ گئے۔

اب انہیں سب سے زیادہ احتیاط اندر کے رہنے والوں سے کرنی تھی کہ کہیں ان کو معلوم نہ ہو جائے کہ چور اندر گھس آئے ہیں۔ جاسوس، عنبر ناگ وغیرہ کی بے خبری میں انہیں آگ میں بھسم کر دینا چاہتے تھے۔

ان بے وقوفوں کو معلوم ہی نہیں تھا کہ اندر سوائے ایک خطرناک پہرے دار سانپ کے اور کوئی نہیں ہے۔ اور

سانپ ہوشیار ہو چکا تھا۔اس کی چھٹی حس نے اسے بتا دیا تھا
کہ دال میں کچھ کالا ہے۔اور دشمن مکان پر حملہ کرنے کے
لیے آگے بڑھ رہا ہے۔

دونوں جاسوس صحن کی دیواریں آہستہ سے کود کر مکان کی
چار دیواری کے اندر آ گئے۔اب وہ جھک جھک کر دبے
پاؤں کوٹھڑیوں کی طرف بڑھنے لگے۔سب سے پہلے
انہوں نے کوٹھڑیوں کی باہر نکلنے والی نالیوں کو بند کر دیا۔اس
کام سے فارغ ہو کر انہوں نے دروازوں پر رال کا تیل
چھڑکنا شروع کر دیا۔اس وقت تک پہریدار سانپ خبردار ہو
گیا تھا۔

وہ صحن کی عقبی دیوار کی طرف سے رینگتا ہوا کوٹھڑیوں
کے دروازوں کی طرف آ گیا۔یہاں آ کر اس نے دیکھا کہ

دو جاسوس دروازوں کو آگ لگانے کی کوشش کر رہے ہیں۔
یہی وہ دشمن تھے جس کے لیے ناگ دیوتا نے اس کی ڈیوٹی
لگائی تھی۔سانپ کی آنکھوں میں یہ دیکھ کر خون اتر آیا کہ
دشمن اس کے دیوتا کے مکان کو آگ لگانے کی کوشش کر رہا
ہے۔

وہ آگے بڑھا۔دونوں جاسوس زمین پر جھکے ہوئے بیٹھے
تھے۔اور پتھروں کو رگڑ رگڑ کر آگ پیدا کرنے کی کوشش میں
تھے۔اچانک سانپ ان کے پیچھے نمودار ہو گیا۔پھر ایک
جاسوس نے بیٹھے بیٹھے ایک ہلکی سی چیخ ماری اور پیچھے گھوم گیا۔
زہر اس قدر خطرناک تھا جاسوس پیچھے گھومتے ہی گرا اور دم توڑ
گیا۔

دوسرا جاسوس سمجھ نہ سکا کہ یہ کیا ہو گیا ہے۔وہ اٹھ کر

بھاگنے ہی والا تھا کہ سانپ نے اس کے پاؤں پر بھی ڈس لیا
زہر ایک تیر کی طرح جاسوس کے سارے جسم میں پھیل گیا۔
وہ پتھر سا بن گیا۔ اس کی آنکھیں سانپ کو دیکھ کر پھٹی کی پھٹی
رہ گئیں اور وہ دھڑام سے زمین پر گرا اور دم توڑ گیا۔ دونوں
جاسوس اپنے انجام کو پہنچ گئے تھے۔

سمراٹ کے محل میں

دونوں جاسوسوں کو ہلاک کرنے کے بعد سانپ واپس
اپنی جگہ پر آ گیا۔
عنبر، ناگ اور ماریا کھلے میدان کی جھاڑیوں میں آ گئے۔
یہاں پہنچ کر عنبر نے ناگ سے کہا:
"تم اگر اپنی شکل میں میرے ساتھ گئے تو مندر کے
پجاری تمہیں پہچان لیں گے۔ اس لیے بہتر ہے کہ تم بھی اپنی
شکل بدل لو۔"

ناگ نے کہا۔ ''میں کونسی شکل اختیار کروں؟''۔

ماریا بولی۔ ''ظاہر ہے تم سانپ کی شکل میں ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے۔ لوگ تمہیں سانپ سمجھ کر مارنے کو دوڑیں گے''۔

ناگ نے پوچھا: ''پھر میں کونسا روپ بدلوں؟ یہ بھی تو بتاؤ''۔

عنبر نے کہا ''میرا خیال ہے تم کسی پرندے کا روپ بدل لو۔ اس طرح تم ہمارے ساتھ ساتھ بھی رہو گے۔ اور کوئی تمہیں پہچان بھی نہیں سکے گا''۔

ناگ نے کہا۔ ''اچھا تو میں طوطے کی شکل میں آ جاتا ہوں۔ طوطا رہنا میرے لیے آسان ہے۔ اور اس شہر میں طوطے کو اچھا سمجھا جاتا ہے۔ کوئی مجھے پکڑنے کے لیے بھی

نہیں آئے گا''۔

ناگ نے جھاڑیوں کی اوٹ میں جا کر ایک گہرا سانس لیا اور دوسرے ہی لمحے وہ طوطے کی شکل میں اڑتا ہوا عنبر کے کندھے پر آ کر بیٹھ گیا۔

''کیوں بھائی عنبر! میں طوطا کیسا لگ رہا ہوں؟''۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔ ''بہت خوبصورت!''

ماریا نے شرارت سے کہا۔ ''میرا تو جی چاہتا ہے کہ تمہیں پنجرے میں بند کر کے رکھ لوں۔ کیونکہ اتنی اچھی اور صاف باتیں کرنے والا طوطا ہمیں بھلا کہاں ملے گا''۔

طوطے نے کہا ''تم بے شک مجھے پنجرے میں قید کر لو ماریا بہن۔ میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا''۔

عنبر اور ماریا زور سے ہنس پڑے۔ طوطا بھی ہنس دیا۔

"میرا خیال ہے اب ہمیں اپنا ٹانک شروع کر دینا چاہیے۔ ناگ! میں تمہیں طوطے کی شکل میں اپنے کندھوں پر ہی رکھوں گا۔ کیا خیال ہے؟"۔

عنبر کی اس تجویز پر ناگ نے کہا!

"ٹھیک ہے۔ میں تمہارے کندھوں پر ہی رہوں گا۔ کیونکہ میرا خیال ہے اس میں کوئی خاص خطرے کی بات نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی خطرہ محسوس ہوا تو میں فوراً اڑ جاؤں گا"۔

ماریا نے کہا۔" ناگ بھائی! تم طوطا تو بن گئے ہو مگر تمہاری باتیں صرف ہم لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اگر تمہاری مردانہ آواز دوسرے لوگ بھی سمجھ سکتے تو بڑا مزا آتا۔ لوگ بہت متاثر ہوتے یہ دیکھ کر کہ ایک طوطا مردانہ آواز میں باتیں کر رہا ہے"۔

ناگ بولا۔"ہاں بہن! یہی مجبوری ہے"۔

عنبر نے کہا۔"اب ہمیں خدا کا نام لے کر شہر کی طرف بڑھنا چاہیے"۔

"درست ہے"۔

تینوں شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔ عنبر بدھ فقیر کے بھیس میں ناگ اس کے کندھے پر طوطا بن کر بیٹھے ہوئے اور ماریا غائب ہو کر ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ میدان سے نکل کر وہ شہر کے پہلے محلے میں آ گئے۔

یہاں بڑی چہل پہل تھی اور مکانوں کے باہر عورتیں چرخے کات رہی تھیں۔ مرد دکانوں پر خرید و فروخت کر رہے تھے۔ عنبر کا سر منڈا ہوا تھا۔ جسم کے گرد بدھ فقیروں کا زرد کپڑا لپٹا ہوا تھا۔ کندھے پر طوطا بیٹھا تھا اور ہاتھ میں کشکول تھا۔

وہ بدھ فقیروں کی طرح ہر گھر کے آگے کشکول پھیلا کر
کھڑا ہو جاتا اور بھیک مانگتا نہیں تھا۔ بس ایک پل کھڑا رہتا۔
کوئی کچھ دے دیتا تو ٹھیک ہے نہیں تو وہ آگے چل پڑا۔
اچانک لوگوں نے ایک بدھ فقیر کو بازار میں دیکھا تو ایک
ہلچل سی مچ گئی۔ کیونکہ بدھ فقیر کے روپ میں نکلنا اپنی موت
کو آواز دینے کے برابر تھا۔

جو لوگ بدھ کو مانتے تھے انہوں نے آگے بڑھ کر عنبر کے
ہاتھ چوم لیے کہ یہ فقیر اتنی بہادری اور دلیری کے ساتھ نکل
کھڑا ہوا ہے۔

ہر طرف ایک شور مچ گیا کہ ایک بدھ فقیر بازار میں کھلے
بندوں نکل کر بدھ مت کا پرچار کر رہا ہے۔ عنبر نے چوک میں
کھڑے ہو کر کہنا شروع کر دیا۔

"لوگو! میں گوتم بدھ کا ماننے والا ہوں۔ ہمیشہ سچ بولو۔
چوری مت کرو۔ کسی کو برا مت کہو۔ جھوٹ نہ بولو۔ کسی کی
امانت میں خیانت نہ کرو۔ کسی کا دل نہ دکھاؤ۔ اچھی باتیں
دل میں رکھو۔ بری باتوں کو نکال دو۔ اچھی باتیں سکھ دیتی
ہیں۔ بری باتیں دکھ دیتی ہیں"۔

بدھ مت کے ماننے والوں نے نعرے لگانے شروع کر
دیئے۔ مگر اندر سے وہ بے حد ڈر رہے تھے۔ کیونکہ اس شہر
میں بدھ مت کا نام لینے والے کی گردن اڑا دی جاتی تھی۔
راجہ کے سپاہیوں کو بھی پتہ چل گیا۔

وہ بھاگے بھاگے چوک میں آئے۔ عنبر زرد چادر میں
لپٹا، کاندھے پر طوطا بٹھائے، ایک ہاتھ اٹھا کر وعظ کر رہا تھا۔
ایک سپاہی نے آگے بڑھ کر عنبر کو گھونسہ مارنا چاہا۔ ماریا نے

اپنا پاؤں اس کے آگے کر دیا۔ سپاہی منہ کے بل گرا اور کپڑے جھاڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"کس بدبخت نے مجھے گرایا؟"۔

مگر وہاں کون تھا جو اسے جواب دیتا۔ لوگ ڈر کے مارے دور دور بھاگ گئے تھے۔ سپاہیوں نے عنبر کو گھیرے میں لے لیا۔ کپتان نے کہا۔

"کیا تمہیں معلوم نہیں کہ گوتم بدھ کے خیالات کا پرچار کرنے والے کو اس ملک میں قتل کرا دیا جاتا ہے"۔

عنبر نے کہا۔ "اچھے بھائی! ہم فقیر لوگ ہیں۔ ہمارے لیے زندگی اور موت ایک برابر ہے۔ ہمیں کیوں ڈراتے ہو؟ کسی اور کو جا کر ڈراؤ ہم تو پہلے ہی اپنی جان ہتھیلی پر ڈال کر نکلے ہیں"۔

کپتان نے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے سیدھی انگلی سے گھی نہیں نکلے گا۔ تمہیں گھسیٹ کر ہی راجہ کے محل میں لے جانا ہو گا"۔

اس کے ساتھ ہی کپتان نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ عنبر کو زنجیروں میں جکڑ کر گھوڑے کے پیچھے باندھ کر محل تک گھسیٹتے ہوئے لے جایا جائے۔ ماریا پرے کھڑی یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔

ناگ بھی طوطا بنا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ سپاہیوں نے آگے بڑھ کر عنبر کو زنجیروں میں جکڑ کر گھوڑے کے ساتھ باندھ دیا۔ کپتان خود اس گھوڑے پر سوار ہو گیا اور اس نے گھوڑے کو ایڑھ لگا دی۔

گھوڑا چل پڑا۔ وہ تیز چل رہا تھا۔ گھوڑے کے دلکی چال

چلتے ہی عنبر زمین پر گر پڑا اور سڑک پر گھوڑے کے پیچھے پیچھے گھسٹنے لگا۔

یہ بڑا دل پر اثر کرنے والا منظر تھا۔ ماریا اور ناگ سے عنبر کی یہ حالت نہ دیکھی گئی۔ اگرچہ انہیں معلوم تھا کہ عنبر کو نہ تو کوئی چوٹ لگ رہی ہوگی اور نہ ہی اسے تکلیف ہو رہی ہو گی۔ طوطا عنبر کے کندھے سے اڑ گیا تھا اور اب اس کے سر کے اوپر منڈلاتا ہوا ساتھ ساتھ اڑتا جا رہا تھا۔

ماریا نے سوچا کہ کچھ نہ کچھ ضرور کرنا چاہیے تاکہ یہ سنگدل لوگ کم از کم اس بری طرح تو عنبر کو گھسیٹتے ہوئے نہ لے جائیں۔

عنبر سے ہمدردی کرنے والے لوگ بھی وہاں سے بھاگ گئے تھے اور دور کھڑے آنسو بہا رہے تھے کہ بے

چارے نوجوان بدھ فقیر کے ساتھ بے حد ظلم ہو رہا ہے۔ لیکن وہ اس کی مدد نہیں کرتے تھے۔

ماریا نے آگے بڑھ کر ایک سپاہی کی ٹانگ کھینچ کر اسے گھوڑے سے نیچے گرا دیا۔ وہ گھوڑا حاصل کرنا چاہتی تھی کیونکہ سارے سپاہی گھوڑوں پر تھے اور وہ پیدل ساتھ ساتھ نہیں چل سکتی تھی۔

اس کے ٹانگ کھینچتے ہی سپاہی زمین پر گرا۔ گھوڑے پرے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ سپاہی ابھی زمین پر سے اٹھ ہی رہا تھا کہ کیا دیکھتا ہے اس کا گھوڑا کھڑے کھڑے غائب ہو گیا ہے۔ وہ بار بار آنکھیں ملنے لگا۔

ماریا اس کے گھوڑے پر سوار ہو چکی تھی۔ اور اس کے سوار ہوتے ہی گھوڑا بھی اس کے ساتھ غائب ہو گیا تھا۔ سپاہی

وہیں ادھر ادھر گھوڑے کو دیکھنے لگے۔ اس نے سمجھا کہ شاید گھوڑا کہیں بھاگ گیا ہے۔

لیکن گھوڑا بھاگ کر کہاں جا سکتا تھا۔ بہر حال وہ کچھ نہ سمجھ سکا کہ گھوڑا کہاں گیا ہے۔ وہ زمین پر سے اٹھا۔ اس نے ایک دوسرے سپاہی کو آواز دے کر پکارا اور اس کے گھوڑے پر بیٹھ کر ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

ماریا اب گھوڑے پر سوار ہو چکی تھی۔ وہ گھوڑے کو بھگا کر کپتان کے گھوڑے کے پاس لے آئی۔ کپتان بڑے مزے سے زرہ بکتر پہنے گھوڑے پر سوار بڑے غرور کے ساتھ سینہ پھلائے جا رہا تھا۔ بے چارہ عنبر سڑک پر گھسٹتا ہوا چل رہا تھا۔ ماریا کو کپتان پر سخت غصہ آیا کہ اس نے اس کے بھائی کی کیا حالت بنا رکھی ہے۔ وہ گھوڑے کو بڑھا کر کپتان کے

گھوڑے کے برابر آ گئی۔

کپتان کو بالکل محسوس نہ ہوا کہ ماریا اس کے برابر گھوڑے پر چل رہی ہے۔ کیونکہ اس کے آگے پیچھے دوسرے سپاہی بھی گھوڑوں پر سوار چلے جا رہے تھے۔ ماریا نے قریب آ کر کپتان کا نیزہ جھپٹا مار کر کھینچا اور پھر نیزے سے اسے جھٹکا دیا کہ وہ گھوڑے سے زمین پر گر پڑا۔ سپاہی لپک کر اس کی طرف بھاگے۔ ماریا پرے ہٹ گئی۔

سپاہیوں نے کپتان کو اٹھایا۔ کپتان گرج کر بولا۔

"یہ مجھے دھکا کس نے دیا؟ میرا نیزہ کہاں ہے؟"۔

عنبر ہنس رہا تھا۔ اوپر اڑتا ہوا طوطا بھی ہنس رہا تھا۔ ماریا بھی مسکرا رہی تھی۔ سپاہی بڑے حیران تھے کہ کپتان کا نیزہ کھینچ کر اسے کس نے دھکا دیا۔ سپاہیوں نے کہا کہ انہیں کوئی

خبر نہیں وہ اس کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ ایک سپاہی نے کہا۔

"حضور! میرا گھوڑا بھی غائب ہے۔ کسی نے مجھے بھی دھکا دے کر گھوڑے سے گرادیا تھا"۔

کپتان بولا۔

"میرا نیزہ کہاں ہے؟"۔

نیزہ ماریا کے پاس تھا جو اس کے ساتھ ہی غائب ہو چکا تھا۔ سپاہیوں نے ادھر ادھر دیکھا۔ نیزہ کہیں بھی نہیں تھا۔ کپتان دوبارہ گھوڑے پر سوار ہو گیا اور عنبر کو غصے میں زیادہ دور سے گھسیٹتے ہوئے چلنے لگا۔

اب دوسرے سپاہی بھی کپتان کے ساتھ ساتھ گھوڑے جوڑے چل رہے تھے۔ عنبر پیچھے گھسیٹتا چلا آ رہا تھا۔ اوپر طوطا

اڑتا چلا جا رہا تھا۔ طوطے نے سوچا کہ اسے کچھ نہ کچھ کرنا چاہیے۔

صرف ایک خیال اسے تھا کہ کہیں کوئی سپاہی اس کی طرف تیر نہ مار دے۔ تیر لگنے کی صورت میں وہ ہلاک ہو سکتا تھا۔ ماریا ذرا پرے گھوڑے پر سوار چل رہی تھی۔ اب وہ مختلف بازاروں میں سے گزر رہے تھے۔ انہیں دیکھ کر لوگ بھاگ کر راستے سے ہٹ جاتے تھے۔ راستے میں ایک اجڑا ہوا بدھ مندر آیا۔

ماریا بھاگ کر اس مندر کے باہر کھڑی ہو گئی۔ اس نے زمین پر سے ایک پتھر اٹھا لیا۔ جب کپتان اس کے قریب سے گزرا ماریا نے زور سے پتھر اس پر دے مارا۔ پتھر کپتان کے سینے پر لگا۔ وہ رک گیا۔

"سپاہیو! یہ پتھر جس نے بھی مارا ہے اسے پکڑ کر سامنے لاؤ"۔

سپاہیوں نے اجڑے ہوئے مندر کی تلاشی لینی شروع کر دی مگر وہاں تو کوئی بھی نہیں تھا۔ سپاہی تلاشی لے رہے تھے اور مایا ایک بار پھر گھوڑے کو قدم قدم چلاتی کپتان کے پاس آ گئی۔

قریب آ کر اس نے نیزہ تان کر کپتان کو ایک ایسا زور دار جھٹکا دیا کہ وہ الٹ کر دوسری طرف جا گرا۔ وہ ہڑبڑا کر سخت غصے میں سپاہیوں کو برا بھلا کہتا اٹھا۔

"یہ کون گستاخ ہے؟ کس کی موت اسے بلا رہی ہے؟"۔ سپاہیوں نے کہا۔

"حضور! ہم تو بہت دور کھڑے ہیں آپ سے"۔

کپتان گرجا "پھر یہ حرکت کس بدتمیز کی ہے؟ میں تم سب کی گردنیں اڑا دوں گا"۔

اب عنبر نے کھڑے ہو کر کہا۔

"سن اے کپتان! بدھ میری مدد کر رہا ہے۔ تم نے اور تمہارے وزیر چانکیہ نے مل کر ہم فقیروں پر بہت ظلم ڈھایا ہے۔ اب ظلم کی حد ہو چکی ہے۔ اگر تم نے مجھے نہ چھوڑا تو تمہیں اسی جگہ ہلاک کر دیا جائے گا"۔

کپتان کو بڑا غصہ آیا۔ اس نے آگے بڑھ کر عنبر کے سر پر زور کا مکا مارا۔ عنبر زمین پر گر پڑا۔

"بدبخت بدھی فقیر! تیری یہ جرات کہ مجھ سے ایسی باتیں کرے؟ مجھ کو قتل کی دھمکی دے؟ تمہیں ابھی قلعے میں لے جا کر میں خود جلتی ہوئی آگ اور کھولتے ہوئے تیل میں

ڈالوں گا"۔

عنبر نے کہا۔

"اے بدنصیب کپتان! تیری زندگی کا وقت پورا ہو گیا ہے۔ میں تمہیں آخری موقع دیتا ہوں۔ اگر تو نے مجھے آزاد نہ کیا تو تو ہلاک کر دیا جائے گا۔ تجھ پر پہلے ہی بہت سے بے گناہوں کا خون ہے۔ تو نے بدھ فقیروں کو بے دردی سے قتل کیا ہے"۔

کپتان کا پارہ ایکدم چڑھ گیا۔ اس نے چیخ کر کہا۔

"اس بدلگام کو اسی جگہ قتل کر دو"۔

کپتان کا حکم پاتے ہی دو سپاہی عنبر پر ٹوٹ پڑے۔ انہوں نے دونوں نیزے عنبر کے سینے سے پار کر دیئے۔ ان کا خیال تھا کہ عنبر تڑپ کر گرے گا۔ خون کی ندیاں بہیں گی اور

پھر وہ مر جائے گا۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ وہ پہلے بھی حیران تھے کہ اتنی دور تک سڑک پر گھسٹتے آنے کے باوجود عنبر کے جسم پر خراش تک بھی نہ آئی تھی اور نہ کہیں سے خون کا ایک قطرہ بہا تھا۔ اب جب دو نیزے عنبر کے سینے سے پار ہو گئے تو پھر بھی کچھ نہ ہوا۔ نہ اس کے جسم سے خون کا کوئی قطرہ نکلا اور نہ وہ تڑپ کر زمین پر گرا۔

عنبر اسی طرح سڑک پر زنجیروں میں جکڑا کھڑا رہا۔ پھر اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے جسم میں گڑے ہوئے نیزے نکال کر باہر پھینک دیئے اور کپتان سے کہا۔

"اے اندھے کپتان! اب بھی وقت ہے۔ باز آ جا اور بدھ فقیروں پر ظلم کرنا چھوڑ کر توبہ کر لے۔ نہیں تو پھر تجھے موت کے پھندے سے کوئی نہ بچا سکے گا"۔

کپتان نے اپنی تلوار نکالی اور عنبر پر حملہ کر دیا۔ وہ تلوار عنبر کے جسم پر آندھی کی طرح چلانے لگا۔ مگر عنبر اپنی جگہ پر کھڑا مسکراتا رہا۔ اب ماریا سے نہ دیکھا گیا۔ وہ گھوڑا دوڑاتی آگے بڑھی۔

اس نے نیزہ آگے کیا اور گھوڑا دوڑاتے ہوئے کپتان کے قریب سے گزر کر نیزہ کپتان کے سینے میں پرو دیا۔ کپتان کے منہ سے ایک چیخ نکلی اور وہ زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔

اس کے جسم سے خون کے فوارے نکل رہے تھے۔ وہ تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا۔ سپاہی پریشان ہو گیا کہ اسے کس نے ہلاک کیا تھا؟ وہاں سوائے عنبر کے اور کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

وہ عنبر پر ٹوٹ پڑے۔ اب عنبر نے بھی ہاتھ میں تلوار پکڑ

لی اور اینٹ کا جواب پتھر سے دینے لگا۔ اس نے دیکھتے ہی دیکھتے کتنے ہی سپاہیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ لوگ اس کی بہادری سے خوش ہو کر نعرے لگانے لگی۔ باقی سپاہی وہاں سے بھاگ گئے۔

ماریا گھوڑے پر سوار عنبر کے پاس آ گئی۔ ناگ بھی طوطے کی شکل میں عنبر کے کندھے پر آن بیٹھا۔ عنبر نے کہا:

"اب پھر ہمیں راج محل کی طرف جانا ہوگا۔ اصل میں ہم سے غلطی ہو گئی۔ یہ سب کچھ ہمیں راج محل میں جا کر کرنا چاہیے تھا۔"

ماریا نے کہا۔ "مجھ سے تمہاری حالت نہیں دیکھی گئی بھائی۔ بس مجھے غصہ آ گیا"۔

ناگ نے کہا۔ "مجھے خود بڑا غصہ آ رہا تھا۔ میرا بس نہیں

چل رہا تھا۔"

عنبر نے کہا۔"خیر کوئی بات نہیں۔اب ہم خود راج محل کی طرف چلیں گے۔ویسے اس واقعے کی خبر تو سپاہی محل میں جا کر ہی دیں گے۔"

لوگوں نے جو بدھ کو دل میں پیار کرتے تھے عنبر سے عقیدت کا اظہار شروع کر دیا۔عنبر نے انہیں کہا کہ وہ صبر سے کام لیں۔فتح آخر نیکی کی ہوتی ہے۔ایک وقت آئے گا جب محبت اور نیکی کی فتح ہو گی اور نفرت اور ظلم شکست کھا کر منہ کے بل گر پڑے گا۔عنبر نے طوطا کندھے پر بٹھائے شاہی محل کی طرف چلنا شروع کر دیا۔وہ بار بار یہی نعرہ لگا رہا تھا۔

"بدھ مت کے فقیروں کو رہا کرو۔ظلم بند کرو۔فقیروں کا قتل بند کرو۔"

جہاز کا اغوا

کتنے ہی بدھ فقیر بھی گھروں سے نکل کر اس کے ساتھ ہو گئے تھے۔

یہ جلوس شاہی محل کے باہر جا کر رک گیا۔سپاہیوں نے راجہ اور چانکیہ کو جا کر خبر کر دی تھی کہ بدھ کا ایک ایسا فقیر آ گیا ہے جو بہت بڑا جادوگر ہے۔

جو بہت بڑا جادوگر ہے۔جو کرامتیں دکھاتا ہے۔جس کے بدن سے خون نہیں بہتا اور جسم پر تیر، تلوار، نیزہ اثر نہیں کرتا۔راجہ یہ سن کر محل کی بالکونی میں آ گیا۔نیچے لوگوں کا ہجوم تھا اور عنبر ان کے آگے کھڑا تھا۔راجہ نے عنبر کو محل میں بلا لیا۔

سمندر کو واپسی

راجہ نے چانکیہ کو بھی بلوا بھیجا تھا۔

عنبر راجہ سمراٹ کے سامنے پیش ہوا تو راجہ کے پاس چانکیہ بھی موجود تھا۔ چانکیہ نے پہلی ہی نظر میں عنبر کو پہچان لیا۔ اس نے عنبر سے کہا کہ وہ بدھ کا فقیر کب سے ہو گیا ہے؟ عنبر نے کہا کہ جب سے اس نے بدھ کے فقیروں پر ظلم کی انتہا کر دی ہے۔ وہ بھی فقیر بن گیا ہے۔ راجہ نے پوچھا:

''تم کون ہو نوجوان؟''۔

عنبر نے کہا۔

''میں بدھ کا فقیر ہوں راجہ۔ میں ان کو تمہارے وزیر کے ظلم و ستم سے نجات دلانے آیا ہوں''۔

راجہ نے کہا۔

''لیکن بدھ کے ماننے والے ہمارے دشمن ہیں۔ ہم اونچی ذات کے لوگ ہیں اور بدھ مت والے کہتے ہیں کہ ہم میں اور اچھوت میں کوئی فرق نہیں۔ پھر ہم اپنے دشمنوں کو کیسے برداشت کر سکتے ہیں؟''۔

عنبر نے کہا۔

''اے راجہ! اونچ نیچ کوئی شے نہیں۔ اس دنیا میں ہر انسان برابر ہے۔ تمہیں اور تمہارے وزیر چانکیہ کو کوئی حق نہیں کہ وہ بدھ مت کے ماننے والوں کو قتل کرتے پھرو''۔

چانکیہ نے کہا۔

"اے راجہ یہ شخص پاگل ہے۔ میں اسے جانتا ہوں۔ یہ کبھی سپاہی بن جاتا ہے۔ کبھی اچھوت بن جاتا ہے۔ اب یہ فقیر بن کر سامنے آ گیا ہے۔ سپاہیو! اسے قلعے میں لے چلو"۔

سپاہی عنبر کو کھینچتے ہوئے قلعے میں لے گئے۔ ماریا اور ناگ بھی اس کے ساتھ ہی گئے۔ سپاہیوں نے عنبر کو ایک تہہ خانے میں بند کر دیا۔ جب وہ اکیلے رہ گئے تو ماریا نے کہا۔

"اب کیا کریں؟"۔

عنبر نے کہا:

"اب ہمیں اپنی اپنی طاقت دکھانی ہوگی۔ ہم راجہ کے محل میں آ گئے ہیں۔ ہم یہی چاہتے تھے۔ اب ہم اپنی کرامت

دکھائیں گے۔ اور راجہ پر ثابت کریں گے کہ ظلم کرنے والا کا انجام اچھا نہیں ہوتا"۔

ناگ نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ چانکیہ تمہیں پہچان گیا ہے اور وہ تمہیں کسی نہ کسی طریقے سے ہلاک کرنے کی پوری کوشش کرے گا"۔

عنبر بولا۔۔۔" چانکیہ نے اگر ایسی کوشش کی تو وہ خود ہلاک ہو جائے گا۔ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اس شہر میں بے گناہ لوگوں کا بڑا خون بہا ہے۔ اب میں اس کی اجازت نہیں دوں گا"۔

ادھر راجہ سمراٹ نے جب چانکیہ سے کہا کہ عنبر اسے ایک نیک نوجوان لگتا ہے تو چانکیہ نے جھٹ اس کی برائی شروع

کر دی۔

"مہاراج! آپ بڑے بھولے ہیں۔ یہ عنبر تو جوان بڑا مکار اور عیار جادو گر ہے۔ پورا بہروپیہ ہے۔ کبھی کوئی بھیس بدل لیتا ہے۔ اور کبھی کوئی بھیس بدل لیتا ہے۔ اب یہ بدھ مت کے فقیروں کا بھیس بدل کر سامنے آیا ہے"۔

راجہ نے کہا۔ "مگر سپاہی کہہ رہے تھے کہ اس پر تلوار کا اثر نہیں ہوتا۔ اس کے بدن سے خون بھی نہیں نکلتا۔ ضرور یہ کوئی پہنچا ہوا بزرگ ہے۔ میرا خیال ہے کہ اسے اپنے شہر سے دیس نکالا دے دینا چاہیے"۔

چانکیہ جھٹ بولا۔

"مگر مہاراج! وہ اس شہر سے جانے پر تیار نہیں ہے۔ وہ تو یہ کہتا ہے کہ وہ سارے کے سارے بدھ فقیروں کو آزادی

دلائے گا۔ ان کے مندروں میں آزادی سے عبادت کرے گا۔ اور شہر میں رہ کر بدھ مت کا پرچار کرے گا۔ مہاراج! آپ خود ہی سوچیں اگر اس نے بدھ مت کا پرچار شروع کر دیا تو ہماری حکومت ڈول جائے گی۔ پھر برہمن اور اچھوت ایک برابر ہو جائیں گے۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کیا آپ اسے گوارا کر لیں گے؟"۔

"نہیں۔ کبھی نہیں"۔ راجہ نے کہا۔ "پھر اس شخص کا کیا علاج کیا جائے۔ اس کا منہ بھی بند ہو جائے اور ہم پر کوئی آفت بھی نہ آئے"۔

چانکیہ نے مکاری سے مسکرا کر کہا۔

"آپ بے فکر رہیں مہاراج! میں سارا بندوبست کر لوں گا سانپ بھی مر جائے گا اور لاٹھی بھی نہیں ٹوٹے گی"۔

راجہ خاموش ہو گیا۔ اسے اپنے ہوشیار وزیر پر بڑا بھروسہ
تھا۔ مگر دل میں وہ کچھ پریشان تھا۔ عنبر کی باتوں نے اس پر اثر
کیا تھا۔

وہ پہلے ہی بدھ مت کے فقیروں پر ظلم کرتے کرتے تنگ
آ گیا تھا۔ اس نے اس ظلم کو کبھی پسند نہیں کیا تھا۔ مگر وہ وزیر
چانکیہ کے ہاتھوں پر مجبور تھا۔ اسی سوچ میں گم وہ اپنے محل
میں آ گیا۔

محل میں آ کر اسے معلوم ہوا کہ اس کی اکلوتی بچی راج
کماری اچانک بیمار ہو گئی۔ راجہ اور زیادہ پریشان ہو گیا۔ اس
نے اسی وقت شاہی حکیم کو بلوایا۔

حکیم نے راجکماری کا علاج شروع کر دیا۔ راج کماری کا
بدن بخار میں پھنک رہا تھا۔ سارے محل کے حکیم اکٹھے

ہو گئے۔

ادھر چانکیہ سیدھا قلعے کے تہہ خانے میں پہنچا اور اس نے
عنبر کی کوٹھڑی میں جا کر اسے کہا۔

"سنو عنبر! میں تمہیں آخری موقع دے رہا ہوں۔ میری
بات اب بھی مان جاؤ اور میرے ساتھ مل کر اس ملک پر
حکومت کرو۔ اگر تم نے انکار کیا تو پھر تمہارا انجام بڑا بھیانک
ہوگا"۔

عنبر نے کہا۔

"مکار وزیر! تو اپنی چکنی چپڑی باتوں سے مجھ پر اثر نہیں
ڈال سکتا۔ میں تیری باتوں میں نہیں آؤں گا۔ میں ظلم کے
خلاف بغاوت بلند کر رہا ہوں۔ میں ظلم کی حمایت میں سودا
نہیں کروں گا"۔

"ٹھیک ہے۔ اپنے انجام کے لیے تیار ہو جاؤ"۔

چانکیہ چلا گیا۔ اس نے جاتے ہی جلادوں کو حکم دیا۔

"عنبر کو کھولتے ہوئے تیل کے کڑاؤ میں ڈال دیا جائے"۔

جلاد اسی وقت عنبر کو زنجیروں میں جکڑ کر لے آئے۔ تہ خانے میں ایک طرف جلتی ہوئی آگ پر بڑا سا کڑاہ رکھا تھا جس میں تیل کھول رہا تھا۔

چانکیہ ایک طرف اپنے چیلوں کے ساتھ کھڑا تھا۔ موٹا پجاری بھی اس جگہ موجود تھا۔ چانکیہ نے عنبر سے آخری بار کہا کہ وہ اس کی بات مان جائے۔ عنبر نے صاف انکار کر دیا۔ ماریا اور ناگ نے عنبر کے کان کے پاس آ کر کہا۔

"اگر تم کہو تو ہم یہی کھولتا ہوا تیل ان لوگوں پر الٹ

دیں؟"۔ عنبر نے کہا۔

"نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ سارا کام اپنے آپ ہو جائے گا۔ ہم کسی کا یونہی خون نہیں بہائیں گے"۔

چانکیہ نے کہا "اے بدبخت نوجوان! تم کس سے باتیں کر رہے ہو؟"۔

عنبر نے کہا۔ "جس کو تم نہیں دیکھ سکتے"۔

پجاری نے کہا "مہاراج! انتظار کس بات کا ہے۔ اس گستاخ کو کھولتے تیل میں ڈال دیں تاکہ اس کی زبان بند ہو"۔

چانکیہ نے جلادوں سے کہا "اس کو ابلتے تیل کے کڑاؤ میں ڈال دو"۔

جلادوں نے آگے بڑھ کر عنبر کو اپنے ہاتھ پر اٹھا لیا۔ پھر

اسے زنجیر کے ساتھ لٹکا کر اوپر سے نیچے کھولتے تیل کے کڑاؤ میں اتارنا شروع کر دیا۔ وہاں کھڑے سب لوگوں کو یقین تھا کہ جونہی عنبر تیل کے کڑاؤ میں اترے گا وہ پکوڑے کی طرح تل جائے گا۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ عنبر کو ابلتے تیل میں ڈال دیا گیا۔

جلادوں نے منہ دوسری طرف کر لیا۔

وہ ایک انسان کو تیل میں تڑ تڑ کرتے تلا جاتا ہوا نہیں دیکھ سکتے تھے۔ موٹے پجاری نے بھی منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ چانکیہ اسے دیکھتا رہا۔ چانکیہ نے دیکھا کہ عنبر ابلتے ہوئے تیل کے کڑاؤ میں یوں مزے سے بیٹھا ہے جیسے آدمی نہانے کے لیے ٹب میں بیٹھ جاتا ہے۔ وہ دہشت زدہ سا ہو گیا۔ پھر اس نے سوچا کہ یہ شخص دیوتا نہیں بلکہ بہت بڑا جادو گر ہے۔ اس کے جادو کو توڑنا چاہیے۔ اس نے جلادوں سے

کہا۔

"اس جادوگر پر تیروں کی بارش کر دو۔"

جلادوں نے عنبر پر تیر برسانے شروع کر دیے۔ سارے کے سارے تیر عنبر سے ٹکرا کر واپس گر جاتے۔ جلادوں کے ہاتھ کانپنے لگے۔ ان کے سارے تیر ختم ہو گئے۔ عنبر نے کہا۔

"تم لوگ مجھے شکست نہ دے سکو گے۔ اب اپنی موت کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

عنبر نے دونوں ہاتھوں سے کھولتے ہوئے تیل کا چلو بھر کر جلادوں پر پھینک دیا۔ وہ جل بھن کر چیختے چلاتے زمین پر گرے اور گر کر تڑپنے لگے۔ پجاری اور چانکیہ وہاں سے بھاگ گئے۔

عنبر کڑاؤ میں سے باہر نکل آیا۔ ماریا اور ناگ اس کے

ساتھ ساتھ تھے۔ اس نے بھاگتے ہوئے چانکیہ اور پ
جاری کو پیچھے سے پکڑ لیا۔ پجاری ہاتھ جوڑ کر اس کے
قدموں پر گر پڑا۔ چانکیہ نے مسکرا کر کہا

"نوجوان تم جیت گئے میں ہار گیا"۔

"اب سارے مظلوم فقیروں کو آزاد کرو گے یا نہیں؟"۔

"ہاں! اگر راجہ نے حکم دیا"۔

اس وقت ایک سپاہی نے آ کر خبر دی کہ راجہ کی اکلوتی راج
کماری مر گئی ہے۔ وہاں ایک کہرام سا مچ گیا۔ سب راج محل
کی طرف بھاگے۔ عنبر بھی ماریا اور ناگ کے ساتھ شاہی محل
میں آ گیا۔

شاہی محل میں مردنی چھائی ہوئی تھی۔ راج کماری کی لاش
مسہری پر رکھی تھی۔ راجہ رو رہا تھا۔ حکیم اور درباری بھی رو

رہے تھے۔ عنبر نے جاتے ہی راج کماری پر جھک کر غور
سے دیکھا اور راجہ سے کہا۔

"اے راجہ! تمہاری راج کماری ابھی زندہ ہے"۔

راجہ نے خوش ہو کر حیرانی سے عنبر کی طرف دیکھا۔

"تم۔۔۔ تم کیا کہہ رہے ہو بھائی! دربار کے سارے
حکیم کہہ چکے ہیں کہ راج کماری مر چکی ہے۔ پھر تم کیسے کہتے
ہو کہ وہ زندہ ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"انہوں نے اپنے حساب سے اسے مارا ہے۔ میں اپنے
حساب سے اسے زندہ کروں گا۔ آپ ایسا کریں کہ کہیں سے
بیر بہوٹی کے سرخ پھل اور کڑوے نیم کی تازہ جڑیں لا
دیں"۔

راجہ کے حکم سے یہ دونوں چیزیں وہاں لا کر رکھ دی
گئیں۔ عنبر نے اب راج کماری کا علاج شروع کر دیا۔
یہاں بھی وہی معاملہ تھا کہ راج کماری پر سکتے کی حالت تھی
جسے ان پڑھ اور نیم حکیموں نے یہ کہہ دیا کہ راج کماری مر چکی
ہے۔

کوئی آدھ گھنٹے کی محنت کے بعد راج کماری نے
آنکھیں کھول یں۔ اس کی آنکھوں کا کھلنا تھا کہ راجہ خوشی
سے پاگل ہو کر اپنی بچی سے لپٹ گیا۔ سارے محل میں خوشی
کی لہر دوڑ گئی۔

عنبر رات گئے تک راج کماری کا علاج کرتا رہا۔ صبح
ہونے تک وہ بالکل بھلی چنگی ہو چکی تھی۔ وہ ہنس ہنس کر اپنے
راجہ باپ سے باتیں کر رہی تھی۔ راجہ نے کہا:

"بیٹی! یہ تمہارا بھائی ہے جس نے تمہیں علاج کر کے پھر
سے زندہ کر دیا ہے۔ نہیں تو ہمیں تو یقین ہو چکا تھا کہ تم اب
کبھی ہمارے درمیان آ کر باتیں نہیں کرو گی"۔

راج کماری نے عنبر سے کہا۔ "تمہارا بہت بہت شکریہ
بھائی ہم تمہیں منہ مانگا انعام دیں گے"۔

عنبر نے کہا۔ "اس کی ضرورت نہیں ہے راج کماری جی!
آپ اچھی ہو گئیں آپ کے والد خوش ہو گئے۔ سارا دربار
خوش ہو گیا بس یہی بہت ہے"۔

راجہ نے کہا۔ "نہیں عنبر! ہم تمہاری خواہش کو پورا کریں
گے۔ ہم سب کو معلوم ہو گیا ہے کہ تم نے کس مقصد کے لیے
فقیروں کا بھیس بدلا تھا۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ تمہیں
کوئی مار نہیں سکتا۔ ہمارے وزیر کا ہر حملہ تم نے پسپا کر دیا ہے

اس لیے ہم تمہیں، تمہارے ساتھ بدھ مت کے تمام فقیروں
کو آزاد کرتے ہیں۔ ہم انہیں اجازت دیتے ہیں کہ وہ شہر
کے اپنے مندر میں اپنے مذہب کا بے شک پرچار کریں۔
انہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا"۔

عنبر نے کہا۔ "آپ کا شکریہ راجہ صاحب۔ آپ نے یہ
حکم دے کر اپنے سارے گناہوں کا بدلہ چکا دیا ہے۔ مگر آپ
کا وزیر چانکیہ آپ کے اس فیصلے کو کبھی پسند نہیں کرے گا"۔

راجہ سمراٹ نے کہا۔ ہمیں اب چانکیہ کی بھی پرواہ نہیں
ہے۔ بھگوان نے ہماری بچی کو اچھا کر دیا ہے۔ ہم بھگوان کی
خاطر ہر طرح کی قربانی کریں گے۔ ہم نے بہت ظلم کیے
ہیں۔

یہ سب ظلم ہم نے وزیر کے کہنے پر کیے ہیں۔ ہم اپنے ظلم

کی توبہ کرتے ہیں۔ ہم توبہ کرتے ہیں اور مظلوموں سے
معافی مانگتے ہیں۔ ہمیں وزیر کی پرواہ نہیں ہے۔

"عنبر نے کہا۔ "مہاراج! آج آپ نے ایک بہت بڑا
کام کیا ہے۔ لوگ آپ کو دعائیں دیں گے"۔

راجہ کے حکم سے شہر کی ساری بدھ عبادت گاہوں میں
عبادت کھول دی گئی۔ قلعے میں قید سارے بدھ فقیروں کو
آزاد کر دیا گیا۔ ان لوگوں نے بے حد خوشی منائی اور عنبر کو ایک
پالکی میں بٹھا کر سارے شہر میں اس کا جلوس نکالا گیا۔

انہوں نے عنبر کو بدھ مت کا اوتار یعنی دیوتا سمجھ کر اس کی
پوجا شروع کر دی۔ عنبر کو زرق برق لباس پہنا کر بہت بڑی
عبادت گاہ میں بٹھا دیا گیا۔ لوگ اس کے پاس آ کر منتیں
مانگتے۔

عنبر نے انہیں بہت روکا مگر بھلا وہ کب ماننے والے تھے انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ کھولتے ہوئے تیل نے اسے جلانے سے انکار کر دیا تھا۔

پھر اس نے بدھ مت کو آزاد کرایا تھا بدھ فقیروں کی جان بخشی کرائی تھی۔ وہ عنبر کو دیوتا نہ سمجھتے تو اور کیا سمجھتے؟ دوسری طرف چانکیہ وزیر کی حالت بہت خراب تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اب کیا کرے؟ راجہ سمراٹ نے چانکیہ سے مشورہ لینا چھوڑ دیا تھا۔ موٹا پجاری بھی عنبر کے آگے ہاتھ جوڑ کر دوزانو ہو کر بیٹھتا تھا۔

عنبر، ناگ اور ماریا۔۔۔ شانتی کے گھر سے بدھ مندر میں آ گئے تھے۔ وہاں سے سانپ کو بھی واپس ناگ مندر میں بھیج دیا گیا تھا۔ جاسوسوں کی لاشوں کو دریا میں بہا دیا گیا تھا۔

عنبر جس کام کا ارادہ کر کے پاٹلی پتر کے شہر میں داخل ہوا تھا، وہ اس نے پورا کر دیا تھا۔ اب اس کی طبیعت وہاں اداس اداس سی رہنے لگی۔ اس نے ماریا اور ناگ سے مشورہ کیا کہ انہیں اب وہاں سے کسی دوسرے شہر کی طرف نکل جانا چاہیے۔

عنبر نے راجہ سے بات کی کہ وہ کسی صورت عنبر کو الگ کرنے پر تیار نہ تھا۔ عنبر کے پرستار بھی اسے وہاں سے چھوڑنے پر راضی نہ تھے۔ لیکن عنبر اب وہاں نہیں رہنا چاہتا تھا۔ اس نے اپنا کام مکمل کر لیا تھا۔

اب وہ کسی دوسرے شہر، کسی دوسرے ملک کی سیاحت کرنا چاہتا تھا۔ خاص طور پر وہ عرب علاقوں کی سیاحت کرنا چاہتا تھا۔

کیونکہ یہ علاقے مسلمانوں کے زیر اثر تھے۔ اور بڑی ترقی کر رہے تھے۔ عنبر مسلمانوں سے جا کر ملنا چاہتا تھا اور دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ کس قسم کے لوگ ہیں جنہوں نے آدھی سے زیادہ دنیا پر اپنا اثر ڈال رکھا ہے۔ اور حکومت کر رہے ہیں۔

آخر ایک رات عنبر ناگ اور ماریا چھپ کر پاٹلی پتر کے شہر سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ یہی ایک راستہ رہ گیا تھا جس پر چل کر وہ بدھ مندر اور راج محل سے نکل سکتے تھے۔ نہیں تو کوئی بھی انہیں وہاں سے جانے نہیں دے رہا تھا۔

آدھی رات کو وہ شہر کے دروازے سے نکل کر گھوڑوں پر سوار ہوئے اور گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے واپس ملک

ہندوستان کے مغربی ساحل کی طرف چل پڑے جہاں انہوں نے خزانہ اور اپنا بحری جہاز چھپا رکھا تھا۔

ہولکر ڈاکو

تین بہن بھائیوں کو ہم اسی جگہ سفر میں چھوڑتے ہیں۔

اب ہم اس جگہ پہنچتے ہیں جہاں عنبر اور ناگ نے ہندوستان کے مغربی ساحل پر اپنا بحری جہاز اوز مین کے اندر خزانہ چھپا رکھا تھا۔

آپ کو یاد ہو گا کہ ناگ نے ایک سانپ شیش ناگ کو خزانے کی حفاظت کے لیے روانہ کیا تھا۔ وہ سانپ اپنے ناگ دیوتا کے حکم کے مطابق چل تو پڑا مگر اسے یہ معلوم نہیں

تھا کہ راستہ کتنا دشوار گزار ہے۔ راستے میں دریا بھی آتے تھے اور دلدلی میدان بھی۔

شیش ناگ ایک بڑا سانپ تھا۔ اسے لوگوں کی نظروں سے بھی چھپنا تھا۔ اور دریاؤں کو بھی پار کرنا تھا۔ دو دن اور دو راتیں وہ وادی اور پہاڑوں میں سفر کرتا رہا۔ تیسرے روز وہ ایک دریا پر پہنچا۔

دریا کے ساحل کے ساتھ ساتھ چلتے اسے ایک جگہ لکڑی کا پل مل گیا۔ سانپ اس پل پر سے دریا عبور کر گیا۔ آگے پھر گھنا جنگل تھا۔ سانپ نے جنگل میں اپنا سفر شروع کر دیا یہ جنگل بڑا گہرا تھا۔

یہاں راستے میں دلدلی میدان بھی آتے تھے۔ انسان دلدلی میدان میں دھوکہ کھا سکتا ہے مگر سانپ دھوکہ نہیں کھا

سکتے۔ کیونکہ ان کی چھٹی حس انہیں خبردار کر دیتی ہے کہ سامنے
کوئی دلدل ہے۔ سانپ دلدلی میدانوں سے بچ کر نکل گیا
تھا۔

مگر چھ روز کے سفر کے بعد سامنے پھر ایک دریا آ گیا۔
یہ دریا جنگل کے عین بیچ میں سے گزر رہا تھا اور یہاں علاقہ
پتھریلا تھا۔ یہاں کوئی پل نہیں تھا۔ سانپ بڑا پریشان ہو
گیا۔

اس نے ساحل کے ساتھ ساتھ رینگنا شروع کر دیا۔ اس
خیال سے کہ شاید آگے چل کر کوئی پل مل جائے مگر پل کہیں
بھی نہیں تھا۔ سانپ کافی دور تک نکل گیا تھا۔

ایک جگہ دریا کنارے اس نے جھاڑیوں کے پیچھے سے
دھواں اٹھتے دیکھا۔ وہ رک گیا کیونکہ اس طرف سے اسے

116 جہاز کا اغوا

گوشت کے بھنے جانے کی بو آ رہی تھی۔ وہ سمجھ گیا کہ یہاں
کوئی جنگلی قبیلہ آباد ہے جو جانوروں کا گوشت بڑے شوق
سے کھاتا ہے۔ اسے یہ خبر نہیں تھی کہ یہ قبیلہ جانوروں کے
علاوہ سانپوں کا گوشت بھی بڑے شوق سے کھاتا ہے۔

سانپ نے سوچا کہ واپس چلنا چاہیے۔ اس خیال سے وہ
واپس مڑا ہی تھا کہ اچانک سامنے سے چھ سات آدمیوں نے
اسے گھیر لیا۔ سانپ ایک دم ہوشیار ہو گیا۔

جنگلی تیر کمان اور نیزے تانے سانپ کے اردگرد
کھڑے تھے۔ وہ سانپ کو ہلاک کرنا چاہتے تھے۔ سانپ
نے اپنا پھن پھیلا کر زور زور سے شوکریں مارنی شروع کر
دیں۔ اس خیال سے کہ شاید یہ جنگلی لوگ اس کی شوکروں
سے ڈر کر بھاگ جائیں۔

لیکن وہ لوگ بھی جنگلی تھے۔ خوف کا وہ نام ونشان بھی
نہیں جانتے تھے۔ انہوں نے سانپ کے گرد اپنا حلقہ تنگ کر
نا شروع کر دیا۔ سانپ گھبرا گیا۔ اس نے ایک جنگلی کے
آگے بڑھ کر ڈس دیا۔

جنگلی نے فوراً خنجر مار کر اس جگہ زخم لگایا اور زہر باہر نکال
کر رسی باندھ دی۔ دوسرے جنگلی نے تیر چلایا۔ تیر سانپ
کے قریب سن سے نکل کر زمین میں گڑ گیا۔ سانپ جلدی سے
پرے ہٹ گیا۔

جنگلیوں نے سانپ پر تیروں کی بارش کر دی۔ ایک تیر
سانپ کے سر پر لگا اور وہ اچھل کر زمین پر گر پڑا۔ اب کتنے
ہی تیر سانپ کے جسم میں کھب گئے۔ سانپ آخری سانس
لینے لگا۔ اسے ناگ اور اس کے خزانے کا ہلکا سا خیال ہے۔

اور پھر سانپ مر گیا۔

جنگلی اس سانپ کو اٹھا کر لے گئے اور انہوں نے اسے
بھون کر بڑے مزے سے اس کی دعوت اڑائی۔ یہ اس
سانپ کا انجام ہوا تھا جس کو ناگ نے اپنے خزانے کا پہرے
دار بنا کر بھیجا تھا۔

شاید اس نے یہ سب سے بڑی غلطی کی تھی کہ سانپ کو
سانپ کی شکل میں ہی روانہ کیا تھا۔ نہیں تو ناگ یہ بھی کر سکتا
تھا کہ شیش ناگ کو کسی پرندے کے روپ میں بھیجتا جو خزانے
کے پاس جا کر پھر سے سانپ بن جاتا۔ لیکن اب کیا ہو سکتا
تھا۔ اب تیر کمان سے نکل چکا تھا اور سانپ دم توڑ گیا تھا۔

عنبر اور ناگ کو کوئی خبر نہیں تھی کہ سانپ ہلاک ہو گیا ہے
اور جنگلی لوگ اسے مزے سے کھا پی چکے تھے۔ وہ بے

چارے پاٹلی پتر میں اپنی پریشانیوں میں پھنسے ہوئے تھے۔ انہیں سر کھجانے کی فرصت نہیں تھی۔

اب ہم یہاں سے سمندر کے مغربی ساحل پر اس جگہ جاتے ہیں جہاں عنبر اور ناگ ایک کھاڑی میں اپنے بحری بادبانی جہاز کو چھوڑ کر قریب ہی زمین میں خزانہ دفن کر گئے تھے۔

اس خزانے کا ایک نقشہ چمڑے کے ٹکڑے پر بنا کر وہ لوگ اپنے ساتھ لیتے گئے تھے۔ بادبانی جہاز کو کھاڑی کے اندر لا کر درختوں اور گھنی بیلوں کی شاخوں میں چھپایا گیا تھا۔ جہاز بالکل خالی تھا۔ اس کا لنگر سمندر کے اندر پتھروں میں گڑا ہوا تھا۔

کرنا خدا کا کیا ہوا کہ ایک رات ادھر سے کچھ ڈاکوؤں کا

120 جہاز کا اغوا

گذر ہوا۔ وہ کسی جگہ ڈاکہ مار کر واپس آ رہے تھے۔ راستے میں انہیں رات ہو گئی۔ انہوں نے آرام کرنے کے لیے جنگل میں ڈیرے ڈال لیے۔

یہ ڈاکوؤں کا ایک بڑا ہی خطرناک گروہ تھا جو بڑی آسانی اور بے دردی کے ساتھ عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو قتل کر دیا کرتا تھا۔ اس گروہ کا سردار ایک مرہٹہ سردار ہولکر تھا۔

ہولکر بڑا وحشی اور سنگدل ڈاکو تھا۔ وہ کئی انسانوں کا خون کر چکا تھا اس نے کئی ریاستوں کے لوگوں کو لوٹا اور قتل کیا تھا۔

سردار ہولکر اپنے دس بارہ ڈاکو جو تھکے ہوئے تھے کھانا کھانے کے بعد سو گئے اور کچھ سونے کی تیاریاں کرنے لگے۔

سردار ہولکر اپنے شاگرد کے پاس بیٹھا کسی اگلے ڈاکے
کے بارے میں باتیں کر رہا تھا۔ رات آدھی گذر رہی تھی۔
اچانک سردار ہولکر کو ہرن کی موہومی ہوئی آواز سنائی دی۔
اسے نیند نہیں آرہی تھی۔ اس نے شاگرد سے کہا۔
ہرن کی آواز ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ہرن رات کو
راستے سے بھٹک کر ادھر آ گیا ہے۔ کیوں نہ اسے شکار کیا
جائے۔

شاگرد بولا۔ ”ضرور ضرور۔ صبح ہرن کا گوشت اڑائیں
گے“۔

دونوں تیر کمان لے کر جدھر سے ہرن کی آواز آئی تھی
ادھر کو جنگل میں چل پڑے۔ چاندنی رات تھی۔ جنگل میں ہر
طرف ہلکی ہلکی روشنی ہو رہی تھی۔ وہ دونوں جھاڑیوں میں

چھپ چھپ کر آگے بڑھنے لگے۔ ایک جگہ انہیں ہرن کے
دوڑنے کی آواز سنائی دی۔ وہ اس طرف کو بھاگے۔

اتفاق سے وہ ہرن کا پیچھا کرتے اس طرف آ گئے جہاں
سے سمندر ایک کھاڑی کی شکل میں جنگل میں آ گیا تھا۔
یہاں بڑے گھنے، اونچے لمبے درختوں کے جھنڈ تھے۔ اسی
جگہ درختوں کے عقب میں عنبر اور ناگ کا بادبانی جہاز کھڑا
تھا۔

دونوں ڈاکو ہرن کو تلاش کرتے جھاڑیوں میں سے نکل کر
کھاڑی کے پاس آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ سامنے بادبانی
جہاز کھڑا ہے۔

وہ تو جہاز کو دیکھتے دیکھتے رہ گئے۔ انہیں کبھی بھی یہ خیال
نہیں ہو سکتا تھا کہ اس جگہ بھی کوئی جہاز کھڑا ہوگا۔ کیونکہ وہ

کوئی بندرگاہ نہیں تھی۔ وہاں کبھی کوئی جہاز نہیں آیا تھا۔
یہ راستہ سارا ان کا جانا پہچانا تھا۔ سردار ہولکر نے اپنے
شاگرد کی طرف اور شاگرد نے استاد کی طرف دیکھا۔
"یہ کیا؟ یہاں جہاز کہاں سے آ گیا؟"۔ شاگرد نے
پوچھا۔
سردار بولا۔ "یہی میں دیکھ کر حیران ہو رہا ہوں"۔
شاگرد بولا۔ "معلوم ہوتا ہے کسی نے اس طرف جہاز کو لا
کر چھپا کر کھڑا کر دیا ہے۔ جہاز کے بادبان بھی لپیٹے ہوئے
ہیں"۔
سردار بولا۔ "چل کر پتہ کرنا چاہیے کہ یہ قصہ کیا ہے"۔
دونوں ڈاکو جھاڑیوں میں سے ہو کر کھاڑی کے کنارے
چلتے اس جگہ آ گئے جہاں جہاز کھڑا تھا۔ جہاز پر اوپر جانے

کے لیے جو سیڑھی تھی وہ جہاز کے عرشے پر پھینک دی گئی تھی۔
سردار ہولکر بولا۔
"ہمیں کسی نہ کسی طرح اس جہاز پر چڑھ کر معلوم کرنا ہوگا
کہ یہ جہاز کس کا ہے؟ ہو سکتا ہے اس میں دولت چھپی ہوئی
ہو"۔
انہوں نے سمندر میں چھلانگیں لگا دیں۔ تیرتے تیرتے
وہ اس جگہ آ گئے جہاں پانی میں لنگر پھینکا ہوا تھا۔ وہ لنگر کے
سنگل یعنی زنجیر کے ساتھ لٹک کر جہاز کے اوپر چڑھ گئے۔
چاندنی میں جہاز کا عرشہ بالکل خالی تھا۔
ڈاکو عرشے پر آ گئے۔ انہوں نے چل پھر کر بڑی احتیاط
سے دیکھا کہ عرشے پر کوئی انسان نہیں تھا۔ نیچے کو جانے والا
راستہ بند تھا۔ دروازے پر لکڑی کی کھپچیاں لگا کر اسے بند کر

دیا گیا تھا۔

سردار ہولکر اور اس کے شاگرد نے مل کر دروازے کی
لکڑیاں اکھاڑ کر پھینک دیں۔ دروازہ کھل گیا۔ نیچے
سیڑھیاں جارہی تھیں۔ سردار نے کہا۔

''خاموشی سے نیچے چلنا۔ ہوسکتا ہے کوئی نیچے چھپ کر
بیٹھا ہو''۔

وہ سیڑھیاں اترتے گئے۔ نیچے جہاز کے کیبن میں آ
گئے۔ یہ دو کیبن تھے۔ جن میں سے ایک کیبن میں سمندری
راستوں کا چڑے کا نقشہ میز پر پھیلا ہوا تھا اور دوسرے کیبن
میں تخت پر سونے کے لیے بستر بچھا ہوا تھا۔

صاف لگ رہا تھا کہ اس بستر پر عرصے سے کوئی نہیں
سویا۔ نقشے پر بھی گرد پڑی ہوئی تھی۔ اب وہ جہاز پر باورچی

خانے میں آگئے۔ باروچی خانے میں کھانے پینے کا سارا
سامان پڑا تھا۔ وہ بڑے حیران ہورہے تھے کہ اس جہاز کے
جہازی کہاں چلے گئے؟ شاگرد نے کہا۔

''سردار لپٹے ہوئے بادبانوں کو دیکھ کر صاف معلوم ہوتا
ہے کہ یہ لوگ خود جہاز کو یہاں کھڑا کر کے کسی کام سے چلے
گئے ہیں''۔

سردار بولا۔ ''وہ تو میں بھی دیکھ رہا ہوں۔ لیکن سوال یہ
ہے کہ یہ کون لوگ ہیں اور کہاں سے آئے ہیں، کہاں گئے
ہیں؟''۔

شاگرد نے کہا ''ہمیں اس کی پوری تلاشی لینی چاہیے۔
شاید کچھ سراغ مل سکے''۔

وہ جہاز کی تلاشی لینے لگے۔ ایک جگہ انہیں جہاز کا وہ

کیبن نظر آیا جس کے اندر کبھی ہیرے جواہرات والا صندوق پڑا ہوا تھا۔

جہاں سے عنبر اور ناگ نے خزانہ اٹھا کر باہر جنگل میں ایک جگہ دفن کر دیا تھا۔ ڈاکو اس کیبن میں آ کر ایک ایک چیز کو غور سے دیکھنے لگے۔ اچانک شاگرد کو زمین پر گرا ہوا قیمتی موتیوں کا ہار نظر آیا۔

"استاد! یہ دیکھو۔ بڑا قیمتی ہار ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بحری ڈاکوؤں کا جہاز ہے اور یہ لوگ یہاں سے خزانہ اٹھا کر جنگل میں کسی جگہ دفن کرنے لے گئے ہیں۔"

سردار ہولکر نے کہا۔ "تم ٹھیک کہتے ہو۔ اس جہاز پر نشان بھی بحری ڈاکوؤں کے بنے ہوئے ہیں۔ اگر یہ بات ہے تو ہمارا مقابلہ بڑے خونی ڈاکوؤں سے ہوگا۔ لیکن ہم

مقابلہ کریں گے۔ ذرا یہ ہار تو دکھانا۔"

شاگرد کے ہاتھوں سے ہار لے کر سردار نے غور سے دیکھا اور کہا۔

"یہ ہار کسی ملک کی شاہزادی کا معلوم ہوتا ہے۔ ضرور یہ ڈاکوؤں کا جہاز ہے۔"

شاگرد نے کہا۔ "استاد میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی ہے۔"

"وہ کیا ترکیب ہے؟"۔ سردار نے پوچھا۔

"ترکیب یہ ہے کہ ہمیں ابھی تمام ڈاکوؤں کے ساتھ اس جہاز پر قبضہ کر لینا چاہیے۔ مورچے سنبھال لینے چاہئیں۔ جب ڈاکو آئیں تو ہم انہیں بڑی آسانی سے تیروں کی بارش کر کے بھگا سکتے ہیں۔ جہاز سے باہر ہونے کی وجہ سے وہ

ہمارا مقابلہ نہیں کر سکیں گے"۔

سردار نے کہا۔"ترکیب تو بڑی اچھی ہے لیکن ہم اس جہاز کو یہاں سے لے کر بھاگ کیوں نہ جائیں۔ میں بحری ڈاکوؤں میں زندگی بسر کر چکا ہوں۔ مجھے جہاز چلانا آتا ہے"۔

شاگرد نے کہا۔"لیکن اس طرح ہم اس خزانے سے محروم ہو جائیں گے۔ جو بحری ڈاکو یہاں سے لے گئے ہیں"۔

مگر ڈاکو آ بھی گئے تو ہم خزانہ کہاں سے حاصل کر سکیں گے۔ اس طرح کم از کم ہم جہاز کے مالک ضرور بن جائیں گے۔ ہم پھر سمندروں میں بحری ڈاکو بن کر ڈاکے ڈالا کریں گے۔

یا اگر ضرورت محسوس ہوئی تو کسی بندرگاہ پر جا کر اس جہاز کو لاکھوں اشرفیاں لے کر فروخت کر دیں گے۔

"بات یہ بھی معقول ہے۔ تو پھر استاد! ہمیں ابھی چل کر سارے ساتھیوں کو اس جہاز پر لے آنا چاہیے"۔

"ہاں چلو میرے ساتھ۔ ہم انہیں لے کر آتے ہیں"۔

دونوں ڈاکو جہاز پر سے اتر کر واپس جنگل میں اس جگہ آ گئے جہاں ان کے ساتھی ڈیرا ڈالے ہوئے تھے۔ سردار ہولکر نے سارے ڈاکوؤں کو جگا کر کہا کہ کھاڑی میں ایک جہاز پر قبضہ کر لیا گیا ہے۔

"سب ڈاکو میرے ساتھ پہنچو"۔

سارے ڈاکو ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے اور ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے کہ سردار نے بحری جہاز پر کیسے قبضہ کر لیا۔ سردار نے

کہا۔

"آج ہم سے زمین پر ہی نہیں بلکہ سمندروں میں بھی ڈاکہ ڈالا کریں گے اور خوب دولت کمائیں گے۔ کالی ماتا نے ہمیں یہ جہاز اپنی خاص مہربانی سے دیا ہے۔ سب لوگ میرے ساتھ چلو"۔

سارے کے سارے ڈاکو اٹھ کر سردار کے ساتھ چل پڑے۔ سردار انہیں لے کر جہاز کے پاس آ گیا۔ ڈاکوؤں نے کھاڑی میں ایک بادبانی جہاز کو کھڑے دیکھا تو خوشی سے پاگل ہو کر ایک دوسرے کے ہاتھ دبانے لگے۔

سردار کے حکم پر سارے کے سارے ڈاکو ایک ایک کر کے جہاز کے اوپر چڑھ گئے۔ سردار نے حکم دیا۔

"جہاز کے بادبان کھول دیے جائیں"۔

شاگرد بولا۔

نہیں نہیں استا! ابھی ہمیں ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ ہو سکتا ہے کہ ڈاکو خزانہ لے کر واپس جہاز پر آ رہے ہوں۔ ہو سکتا ہے وہ خزانہ دفن کرنے کی بجائے خزانہ کسی جگہ سے اکھاڑ کر واپس لا رہے ہوں۔ اس لیے ہمیں یہاں رہ کر ان کا انتظار کرنا چاہیے۔

ہم ایک قلعے میں بند ہوں گے۔ ڈاکو ہمارا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ ہم بڑی جلدی سے ان پر قابو پا لیں گے۔ اور پھر خزانہ ہمارے ہاتھ آ جائے گا۔

سردار کی عقل میں شاگرد کی یہ بات آ گئی۔ اس نے کہا۔

"بہت خوب! تمہاری بات ہمیں پسند آئی۔ ہم کچھ عرصہ یہاں جہاز پر رہ کر ڈاکوؤں کی واپسی کا انتظار کریں گے۔

لیکن ہم اپنے جاسوس چھوڑ دیں گے جو جنگل میں جا کر ہمیں
خبر لا کر دیں گے کہ بحری ڈاکو کہاں ہیں"۔

"وہ ضرور اسی جنگل میں کہیں ہوں گے۔ یہ کام ہمارے
جاسوس بڑے آسانی سے کر دیں گے"۔

سردار ہولکر ڈاکو نے اپنے گروہ کے ڈاکوؤں کے ساتھ
عنبر کے جہاز پر قبضہ کر لیا۔ انہوں نے عرشے پر سونے کے
لیے بستر لگا دیے اور باقی رات جہاز کے عرشے پر ہی بسر
کی۔ صبح ہوتے ہی سردار ہولکر نے اپنے ایک خاص جاسوس کو
یہ تاکید کر کے جنگل میں روانہ کر دیا کہ وہ جا کر معلوم کرے کہ
اس جہاز کے ڈاکو کس جگہ خزانہ دفن کر رہے ہیں یا اکھاڑ رہے
ہیں۔

خزانے پر قبضہ

جاسوس جنگل میں نکل کھڑا ہوا۔

اس نے دوپہر تک اردگرد کے جنگل کا سارا علاقہ چھان
مارا مگر اسے بحری ڈاکوؤں کا کہیں سراغ نہ ملا۔ جہاں اسے
ذرا سی آہٹ سنا دیتی، وہ جھٹ جھاڑیوں کی اوٹ میں ہو کر
کان لگا دیتا۔ مگر وہ یا تو کوئی لکڑ بگڑ ہوتا اور یا جنگلی نیل گائے
بھاگ رہی ہوتی۔ جاسوس تھک گیا اور واپس چل پڑا۔

وہ جہاز کے قریب آیا تو اس قدر تھک گیا کہ ایک جگہ

درخت کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔جس درخت کے نیچے وہ بیٹھا تھا اسی درخت کے نیچے عنبر اور ناگ نے خزانہ دفن کر رکھا تھا۔

جاسوس درخت کی چھاؤں میں لیٹا آرام کر رہا تھا کہ اچانک اس کی نظر جھاڑیوں کے نیچے پڑی۔ یہاں ایک جگہ سے گھاس کھدی ہوئی تھی۔معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے گھاس اکھیڑ کر پھر سے اوپر مٹی اور جھاڑیوں کی ٹہنیاں ڈال دی ہیں۔

کیونکہ اوپر ڈالی ہوئی جھاڑیاں سوکھ گئی تھیں جبکہ ارد گرد کی جھاڑیاں ہری بھری تھیں۔ جاسوس بھی ڈاکو تھا۔اس کا ماتھا ٹھنکا کہ یہ معاملہ کیا ہے۔ دیکھنا چاہیے کہ یہاں کسی نے کوئی لاش تو دفن نہیں کر رکھی؟ یا یہاں کوئی ڈاکوؤں کی خفیہ سرنگ تو نہیں ہے؟۔

جاسوس نے ہاتھوں سے جھاڑیاں ادھر ادھر ہٹائیں تو نیچے پتھر ایک دوسرے کے ساتھ جوڑے ہوئے تھے۔ جاسوس کا شوق اور بڑھ گیا۔اس نے پتھروں کو ہٹانا شروع کر دیا۔

پتھر ہٹے تو نیچے زمین نرم تھی۔اس نے مٹی اکھاڑنی شروع کر دی۔ اب نیچے ایک گڑھا سا پیدا ہو گیا۔جاسوس نے پوری تندہی سے گڑھے کو کھودنا شروع کر دیا۔اب نیچے ایک صندوق تھا۔جاسوس دھک سے ہو کر رہ گیا۔ کیونکہ صندوق کی شکل ان صندوق جیسی تھی جن میں خزانے دفن ہوتے ہیں۔جاسوس نے کانپتے ہاتھوں سے صندوق کھول دیا۔

سامنے اشرفیاں اور ہیرے جواہرات کا چھوٹا سا ڈھیر لگا تھا۔جاسوس کی آنکھیں چکاچوند ہو گئیں۔اس نے زندگی میں

کبھی اتنی دولت نہیں دیکھی تھی۔ وہ اشرفیوں اور ہیرے جواہرات کو ہاتھوں میں لے لے کر دیکھنے اور مسکرانے لگا۔

کیا وہ سارا خزانہ سردار کے حوالے کر دے گا۔ جاسوس نے سوچا کہ اگر اس نے یہ خزانہ سردار کے حوالے کر دیا تو اسے اس میں سے ایک اشرفی بھی نہیں ملے گی۔ اتنی دولت وہ ساری زندگی بھی ڈاکے مارتا رہے تو اتنی دولت پیدا نہیں کر سکتا۔

"تو کیا وہ دولت لے کر بھاگ جائے؟"۔

یہ خیال بجلی کی طرح جاسوس کے دماغ میں چمکا۔ ہاں اسے یہ دولت سردار ہولکر سے چھپانی چاہیے۔ سردار ہولکر کو کانوں کان خبر نہیں کرنی چاہیے۔ وہ خود اس خزانے کا مالک ہے۔

اس نے اپنی عقل سے اس دولت کا سراغ لگایا ہے۔ سردار ہولکر کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس کی تلاش کی ہوئی دولت پر قبضہ جما لے۔ کالی ماتا نے اس پر خاص مہربانی کر کے اسے یہ خزانہ دیا ہے۔ اس خزانے پر صرف اسی کا حق ہے۔

جاسوس نے دل ہی دل میں پکا فیصلہ کر لیا کہ وہ خزانے کے بارے میں کسی سے کوئی بات نہیں کرے گا۔ اس نے جلدی جلدی مٹی اور پتھر ڈال کر خزانے کو پھر سے چھپا دیا اور اوپر دوبارہ جھاڑیاں اور گھاس ڈال دی۔

اب وہ سوچنے لگا کہ یہ خزانہ یہاں کس نے دبایا ہوا ہے۔ کافی سوچ بچار کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ خزانہ ان بحری ڈاکوؤں کا ہے جن کا جہاز ہے۔ یہ سمندری ڈاکوؤں

خزانے کو اس جگہ دفن کر کے کہیں چلے گئے ہیں۔
وہ ضرور واپس آئیں گے۔ اور یہاں سے خزانہ نکال کر
واپس جہاز میں سوار ہو کر یہاں سے چلے جائیں گے۔
لیکن سردار ہولکر کے آدمی انہیں تیروں کی بارش کر کے
ہلاک کر دیں گے۔ اگر خزانہ ڈاکوؤں کے پاس ہوا تو سردار
ہولکر خزانے پر قبضہ کر لے گا۔ اگر جاسوس نے یہاں سے
خزانہ نہ نکالا تو وہ ایک روز میں سمندری ڈاکو وہاں آ کر خزانہ
نکال کر لے جائیں گے۔
پھر وہ بھی ہاتھ ملتا رہ جائے گا۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ
یہاں سے خزانے کو نکال کر کسی ایسی جگہ دفن کر دیا جائے
جہاں سوائے جاسوس کے اور کسی کو خبر نہ ہو۔
جاسوس خزانے کو اکھاڑ کر نکالنے کے لیے آگے بڑھا ہی

تھا کہ اسے سامنے سے سردار ہولکر آتا دکھائی دیا۔ جاسوس
ایکدم سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔
سردار نے قریب آ کر پوچھا۔
"کیوں بھئی سمندری ڈاکوؤں کا کوئی سراغ ملا؟"۔
جاسوس نے جلدی سے کہا۔
"نہیں سردار! یہاں اردگرد کوئی بھی انسان نہیں ہے۔
صرف ہرن، لگڑ بگڑ اور نیل گائے ہیں"۔
سردار بولا۔ "اس کا مطلب یہ ہوا ہے کہ سمندری ڈاکو
یہاں سے کہیں دور نکل گئے ہیں۔ خیر کوئی بات نہیں۔ ہم ان
کا انتظار کریں گے"۔
"ہاں سردار! ہمیں ان کا انتظار کرنا ہی چاہیے۔ کیونکہ
ہوسکتا ہے وہ اپنے ساتھ بہت سی مال و دولت لا رہے

ہوں"۔

سردار ہولکر نے زمین کی طرف دیکھ کر کہا۔

"یہاں سے زمین کس نے کھودی ہے؟ تازہ مٹی ان جھاڑیوں پر پڑی ہوئی ہے"۔

جاسوس گھبرا گیا۔ پھر جھٹ سنبھل کر بولا۔

"یہ۔۔۔یہ۔۔۔کوئی نہیں سردار۔۔۔ یہ میں نے یہاں سے مٹی اکھاڑی تھی۔ ایسے لگا تھا جیسے یہاں زمین کے اندر کھمبیاں اگی ہیں۔ آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ مجھے کھمبیوں کا شوربہ بہت پسند ہے"۔

سردار بولا۔"او ہو تو پھر کھمبیاں ملیں ہیں کہ نہیں؟"۔

"تو پھر چلو واپس جہاز پر۔۔۔ یہاں بیٹھے وقت کیوں ضائع کر رہے ہو"۔

"چلو سردار"۔

جاسوس سردار کے ساتھ واپس جہاز پر آ گیا۔ شام کو جاسوس عرشے پر ایک طرف ہٹ کر اپنے خنجر کو تیز کرنے کے بہانے خاموشی سے بیٹھ گیا۔

وہ سوچنے لگا کہ اب کیا کیا جائے؟ کیا وہ اکیلا اتنا بڑا خزانہ ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جا کر دفن کر سکے گا؟ کیا اسے کسی ساتھی کو شامل کر لینا چاہیے۔ اگر کوئی ساتھی اس کے راز میں شریک ہو جائے تو اسے بڑی آسانی ہوگی، وہ بڑے آرام سے خزانے کو کسی خفیہ جگہ نکال کر چھپا سکے گا۔

لیکن اس صورت میں ساتھی ڈاکو کو خزانے کا آدھا حصہ بھی دینا پڑے گا۔ نہیں نہیں۔ وہ کسی کو اپنے راز میں شریک نہیں کرے گا۔ اسے اکیلے کو خزانہ ملا ہے اور وہ اکیلا ہی

خزانے کا مالک ہوگا۔

اب سب سے بڑا سوال یہ تھا کہ خزانے کو کب اور کہاں دفن کیا جائے۔ جاسوس کو یہ پریشانی بھی لگی ہوئی تھی۔ کہ کہیں بحری ڈاکو اگر جلد واپس آگئے تو وہ زمین میں سے خزانہ نکال لیں گے اور پھر خدا جانے سردار ہولکر سے شکست کھانے کے بعد خزانہ لے کر کس طرف کو بھاگ جائیں۔ اور اگر انہوں نے سردار ہولکر کو شکست دے کر جہاز پر دوبارہ قبضہ بھی کرلیا تو پھر بھی خزانہ اسے نہ مل سکے گا۔

طے یہ ہوا کہ خزانے کو جلد از جلد وہاں سے نکال دینا چاہیے۔ جاسوس نے اس کام کے لیے رات کا وقت چنا۔ آدھی رات وہ دبے پاؤں جہاز میں سے نکل کر جنگل میں جائے گا اور خزانے کو زمین میں سے نکال کر اسی جنگل میں کسی

دوسری جگہ دفن کرے گا۔

وہ یہ کام جلد سے جلد کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ سمندری ڈاکو کا کوئی بھروسہ نہیں تھا کہ وہ کب اچانک نمودار ہوجائیں اور اپنے خزانے پر قبضہ کرڈالیں۔

جاسوس نے فیصلہ کرلیا کہ چاہے کچھ ہوجائے وہ آدھی رات کو یہ کام کردے گا۔ چنانچہ رات جب آدھی سے زیادہ گزر گئی تو جاسوس عرشے پر لیٹے لیٹے چپکے سے اٹھا۔ سارے ڈاکو ادھر ادھر بے سدھ ہوکر سو رہے تھے۔ جاسوس دبے پاؤں چلتا اس جگہ آ گیا جہاں سے لنگر کی زنجیر نیچے سمندر میں چلی گئی تھی۔

اس نے ایک خنجر اپنے ساتھ شام ہی سے رکھ چھوڑا تھا۔

اس نے ایک بار پھر جہاز کے عرشے پر چاروں طرف نظر

دوڑائی۔ ہر کوئی مزے سے سو رہا تھا۔ دن بھر کی بھاگ دوڑ
اور جہاز کی صفائی کے بعد کسی کو ہوش نہیں تھی۔ جاسوس دوسری
طرف زنجیر کے ساتھ لٹک گیا اور اس نے آہستہ آہستہ نیچے
اترنا شروع کر دیا۔

وہ پانی میں ایکدم چھلانگ نہیں لگانا چاہتا تھا کیونکہ اس
طرح آواز پیدا ہونے اور عرشے پر لیٹے ڈاکوؤں کے جاگ
پڑنے کا خطرہ تھا۔

نیچے آ کر وہ بڑے آرام سے سمندر کے پانی میں اتر گیا۔
کھاڑی کا پانی رات کے اندھیرے میں بڑا پرسکون تھا۔
آدھی رات کے بعد چاند کو طلوع ہونا تھا۔ وہ تیرتے تیرتے
کنارے پر آ گیا۔

کنارے پر نکلتے ہی وہ جھک جھک کر جھاڑیوں میں

چلتا، چھپتا چھپاتا خزانے کے درخت کے پاس آ گیا۔ اس
نے جلدی جلدی خزانے کو اکھاڑنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر
بعد خزانے کا صندوق وہ باہر نکال لایا۔

اس نے صندوق کو کندھے پر اٹھایا اور ایک طرف کو چل
پڑا۔ کچھ دور جا کر اس نے درختوں کے جھنڈ کے نیچے ایک
چھوٹی سی چٹان دیکھی جو زمین میں سے باہر کو نکلی ہوئی تھی۔

جاسوس نے اس چٹان کے نیچے سے مٹی کھودنی شروع کر
دی۔ یہاں ایک گڑھا سا بن گیا۔ جاسوس نے اس گڑھے
میں خزانے کے صندوق کو رکھا اور جلدی جلدی اس کے اوپر
مٹی ڈالنے لگا۔ ابھی گڑھا آدھا ہی بھرا تھا کہ اچانک کسی نے
پیچھے سے آ کر جاسوس کی گردن پر خنجر کی نوک رکھ دی اور کہا۔

"یہ کیا کر رہے ہو؟"۔

جاسوس نے پلٹ دیکھا۔ اس کا ایک ساتھی ڈاکو نارنگ اس کے پیچھے کھڑا اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ اس نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

" کچھ نہیں۔ میں۔ ذرا۔ میں یہاں کھمبیاں تلاش کر رہا تھا"۔ نارنگ نے ہنس کر کہا۔

تم میری آنکھوں میں مٹی نہیں ڈال سکتے۔ میں پیچھے سے تمہارے ساتھ ساتھ آ رہا ہوں۔ تم نے اس گڑھے میں ایک ایسا صندوق دفن کیا ہے جس میں زر و جواہرات ہیں اور جسے تم نے پیچھے ایک جگہ سے اکھاڑا ہے۔

بولو اب تم کیا چاہتے ہو میرے ہاتھ میں خنجر ہے جس کی نوک تمہاری گردن پر ہے۔ اگر میں چاہوں تو بڑی آسانی سے تمہیں قتل کر کے اس خزانے پر قبضہ جما سکتا ہوں۔

مگر میں ایسا نہیں کروں گا۔ آج سے ہم دونوں اس خزانے میں برابر کے حصے دار ہوں گے۔ ہم مل کر اسے استعمال کریں گے۔

جاسوس نے جھٹ کہا۔

" مجھے منظور ہے نارنگ! مجھے منظور ہے۔ ہم دونوں اس خزانے کو برابر بانٹ لیں گے"۔

نارنگ نے خنجر کمر میں لگا لیا۔ کہنے لگا۔

" اس جگہ ہمیں کوئی خاص نشان لگانا ہوگا اور ایک خاص مدت کے اندر اندر خزانے کو یہاں سے نکال کر کسی دوسری جگہ دفن کرنا ہوگا"۔

" وہ کیوں؟"۔ جاسوس نے پوچھا۔

" وہ اس لیے کہ اگر کچھ دیر تک زمین کے اندر دفن کیے

ہوئے خزانے کی خبر نہ لی جائے تو وہ زمین کے اندر چلنا شروع کر دیتا ہے پھر جس جگہ تم نے دولت دفن کی ہوگی۔ وہاں وہ تمہیں نہیں ملے گی"۔

جاسوس بولا۔"یار یہ تو تم نے مجھے ایک نئی بات بتادی۔ اچھا اب ہم اس خزانے کی خبر رکھیں گے"۔

نارنگ نے کہا۔ یہ بہت زیادہ دولت ہے۔ یہ ضرور بحری ڈاکوؤں کا لوٹا ہوا خزانہ ہے۔ تم نے اچھا کیا جو اسے پہلی جگہ سے اکھاڑ کر یہاں لا کر دفن کر دیا۔ کیونکہ سمندری ڈاکو اسے لینے ضرور آئیں گے۔

اب وہ اسے حاصل نہ کر سکیں گے۔ لیکن ہمیں اپنے سردار ہولکر سے بھی اس خزانے کو بچانا ہوگا۔

جاسوس بولا۔"کیوں نہیں اسی لیے تو میں نے خزانہ

یہاں لا کر دبا دیا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ سردار ہولکر اور دوسرے ڈاکوؤں کو اس خزانے کا ذرا سا بھی علم ہو۔ کیونکہ اگر سردار کو پتہ چل گیا تو ہمارے ہاتھ ایک اشرفی بھی نہیں آئے گی۔ سردار بڑا لالچی ہے وہ ہمیں کچھ بھی نہیں دے گا اور سارے کا سارا خزانہ خود ڈکار لے گا"۔

نارنگ بولا۔"میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ کسی کو خزانے کی کانوں کان خبر نہ ہو۔ لیکن اگر سردار ہولکر نے کل یا پرسوں یہاں سے کوچ کر دیا تو پھر ہم کیا کریں گے؟ اس کے بارے میں بھی ہمیں غور کرنا ہوگا"۔

جاسوس نے کہا۔"ظاہر ہے سردار ہولکر یہاں سے بادبانی جہاز پر سمندر کے راستے گوا جائے گا۔ گوا کی پرانی بندر گاہ یہاں سے دو دن کے سفر پر ہے۔ اگر ہم وہاں ساتھ چلے

بھی گئے تو وہاں سے واپس آ کر بھی اس خزانے کی دیکھ بھال
کر سکتے ہیں"۔

نارنگ نے ہنس کر کہا۔"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے
شاید۔ پاگل آدمی۔ گوا کی بندرگاہ سے تمہارا باپ تمہیں مہینے
میں تین چار بار جہاز میں بٹھا کر یہاں لایا کرے گا۔ گوا کی
بندرگاہ کوئی بندرگاہ نہیں ہے۔ یونہی ایک ساحل سا بن گیا ہے
جہاں کشتیاں کھڑی رہتی ہیں۔ کبھی کبھی کوئی تجارتی جہاز
تھوڑی دیر رک کر آگے نکل جاتا ہے۔ وہاں سے ہم کیسے
یہاں آیا کریں گے؟"۔

جاسوس نے کہا۔"تو پھر ہمیں ایسا کرنا ہوگا کہ کسی روز
کشتی میں بیٹھ کر آئیں گے اور یہاں سے خزانہ لاد کر واپس
چلے جائیں گے۔ اور پھر کسی خاص جگہ پر اسے دفن کر دیں

گے۔ جہاں یہ ہمیشہ ہماری آنکھوں کے سامنے رہے گا"۔

نارنگ کچھ سوچ کر بولا۔

ہاں ایسا البتہ ہو سکتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ سردار زیادہ
دن ڈاکوؤں کا انتظار نہیں کرے گا۔ اسے ڈاکوؤں کے
خزانے کا لالچ ضرور ہے لیکن وہ سمندری ڈاکوؤں سے مقابلہ
کرتے ہوئے گھبراتا بھی ہے۔ اسے خیال ہے کہ وہ دو ایک
دن میں جہاز لے کر یہاں سے گوا کی طرف کوچ کر جائے
گا۔

جاسوس نے کہا۔ یہ بھی اچھا ہے ہم اس کے ساتھ ہی
یہاں سے چلے چلیں گے۔ اور پھر دو دن بعد کسی بہانے ایک
کشتی میں سوار ہو کر یہاں آئیں گے اور خزانہ ڈال کر واپس
گوا لے جائیں گے۔

وہاں ہم اس خزانے کو سادھو کی پہاڑی میں دفن کر دیں گے۔ یہ جگہ گوا کے ساحل کے قریب بھی ہے اور گمنام بھی ہے۔ وہاں کوئی آبادی نہیں ہے۔ سردار ہولکر کا ٹھکانا بھی وہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔

نارنگ بولا۔ ایک بات کا ہمیں خاص طور پر خیال رکھنا ہو گا کہ اگر کسی طرح سے سردار کو ہمارے خزانے کا پتہ چل گیا تو وہ نہ صرف خزانے پر قبضہ کر لے گا بلکہ ہم دونوں کو قتل بھی کر دے گا۔

اس لیے یہ ضروری ہے کہ ہم خزانے کو لے کر کسی ایسے شہر کی طرف نکل جائیں جو گوا سے بہت دور ہے۔ وہاں جا کر ہم دولت کو آدھا آدھا بانٹ لیں اور کوئی سوداگری کا کام شروع کر دیں اور اپنا محل بنوا کر باقی زندگی سکھ چین سے بسر

کریں۔ ڈاکے ڈال ڈال کر میں بھی تنگ آ گیا ہوں۔

"ایسا ہی ہو گا نارنگ بھائی! میں خود اس زندگی سے تنگ آ گیا ہوں۔ اب واپس چلتے ہیں دن چڑھنے والا ہے، کہیں سردار کو شک نہ ہو جائے"۔

دونوں ڈاکو خزانے کو اچھی طرح زمین میں دبا کر اوپر ایک جھاڑی کی نشانی لگا کر واپس جہاز کی طرف چل پڑے۔ کھاڑی کے پانی میں اتر کر وہ آہستہ آہستہ تیرتے ہوئے لنگر تک پہنچے پھر زنجیر کے سہارے لٹک کر اوپر جہاز پر چڑھ گئے۔ عرشے پر ابھی تک ڈاکو سو رہے تھے۔

جہاز کا اغوا

آخر وہی ہوا جو نارنگ نے جاسوس سے کہا تھا۔

تیسرے دن سردار ہولکر نے جہاز کے بادبان کھلوا
لیے۔

لنگر اٹھایا اور جہاز کو کھاڑی میں سے نکال کر سمندر میں
لے آیا۔ جہاز نے ہندوستان کے مغربی ساحل کے ساتھ
ساتھ جنوب کی بندرگاہ گوا کی طرف چلنا شروع کر دیا۔

سردار ہولکر کے خاص شاگرد نے اس کے دل میں یہ

بات بٹھا دی تھی کہ اگر سمندری ڈاکو زیادہ میں نکل آئے تو وہ
ان کا مقابلہ نہ کر سکیں گے اور ہو سکتا ہے کہ ڈاکو باہر سے آگ
والے تیر برسا کر جہاز کو آگ لگا دیں اور یہ جہاز بھی ان کے
ساتھ سے جاتا رہے۔ بہتر یہی ہے کہ خزانے کا خیال چھوڑ کر
اس جہاز کو لے کر ہی یہاں سے چل دیا جائے۔

"اور پھر یہ بھی کوئی پتہ نہیں کہ سمندری ڈاکو خزانہ لینے
گئے ہیں یا اسی کسی جگہ زمین میں فن کرنے گئے ہیں"۔

سردار ہولکر کے دل میں یہ بات لگی اور اس نے اگلے ہی
روز کوچ کا حکم دے دیا۔ جاسوس اور نارنگ بڑے خوش
ہوئے۔ وہ یہی چاہتے تھے کہ جتنی جلدی ہو سکے چلے
جائیں تاکہ پھر واپس آ کر خزانے کو وہاں سے نکال کر کسی جگہ
ٹھکانے لگا سکیں۔

ایک طرف عنبر ناگ اور ماریا واپس اپنے خزانے اور جہاز کی طرف جنگل میں سفر کرتے چلے آرہے تھے اور دوسری طرف ان کا جہاز ڈاکو لوٹ کر لے جا رہے تھے۔

عنبر اور ناگ، ماریا کے ساتھ گھوڑوں پر سوار سانت راجہ کی راجدھانی پاٹلی پتر سے نکل کر جنگل جنگل چلتے، دریاؤں اور دلدلی میدانوں اور پہاڑی وادیوں کو عبور کرتے کافی آگے نکل آئے تھے۔

وہ ایک ایسی وادی میں سے گزر رہے تھے جہاں چاروں طرف اونچے اونچے پہاڑ پھیلے ہوئے تھے۔ رات انہوں نے ایک پہاڑی کے دامن میں گذاری۔

یہاں سردی بالکل نہیں تھی۔ دن میں بڑی گرمی پڑتی تھی۔ صرف رات کو تھوڑی سی خنکی ہو جاتی جو بڑی اچھی لگتی

تھی۔ رات کو مچھر بڑے تنگ کرتے تھے۔ راستے میں انہیں پانی اور کھانے کو جنگلی پھل کافی مل جاتے تھے۔ پاٹلی پتر سے وہ خشک گوشت بھی ساتھ لے کر چلے تھے۔

سفر کرتے انہیں بارہ پندرہ دن ہو گئے۔ کبھی وہ اس کچی سڑک پر ہو جاتے جہاں سے سفر کرنے والے قافلے گذرا کرتے تھے اور کبھی اس سڑک سے ہٹ کر جنگل کے اندر ہو کر سفر شروع کر دیتے۔

آخر وہ ایک بہت بڑے دریا پر پہنچے۔ اس دریا پر کوئی پل نہیں تھا۔ انہوں نے ایک درخت کاٹ کر اس کی شاخوں کو رسی سے آپس میں باندھا اور ایک پشتہ سا بنا کر اسے دریا میں ڈال دیا۔ اس پشتے پر انہوں نے گھوڑوں کو بھی سوار کیا اور خود بھی سوار ہو گئے۔

پشتہ دریا کی لہروں پر دوسرے کنارے کی طرف بہنے
لگا۔ دریا کے دوسرے کنارے پر سے ایک خطرناک جنگل
شروع ہو رہا تھا یہ سفر کا آخری جنگل تھا۔ اس جنگل کے بعد
سمندر کا کنارہ آ جاتا تھا۔ یہ ہندوستان کا مغربی کنارا
تھا۔ یہی عنبر اور ناگ کی منزل تھی۔ دوسرے کنارے پر آ کر
عنبر نے کہا۔

"اس جنگل میں بے شمار زہریلے سانپ اور اژدہے
پائے جاتے ہیں۔ دلدلیں بھی ہیں اور جنگلی درندے بھی۔ یہ
ہمارے سفر کا سب سے زیادہ خطرناک جنگل ہے۔ جنگلی
درندوں اور دلدلوں سے تو ہم اپنے گھوڑوں کو بچالیں گے۔
لیکن سانپ انہیں چلتے چلتے خاموشی سے ڈس کر ہلاک کر
سکتے ہیں۔ ناگ! کیا تم کوئی ایسا طریقہ کر سکتے ہو کہ یہ

گھوڑے سانپوں سے بچے رہیں۔ کیونکہ ہمیں ابھی ان
گھوڑوں کی ضرورت ہے"۔

ناگ نے کہا۔" کیوں نہیں۔ میں اپنے جسم سے ایک
ایسی بو خارج کرنا شروع کر دوں گا جو ہر قسم کے سانپ
اور اژدہا کو ہم سے دور بھگا کر لے جائے گی۔ پھر ہم اور
ہمارے گھوڑے بڑے آرام اور سکون کے ساتھ سفر کر سکیں
گے"۔

اور ناگ نے ایسا ہی کیا۔ اس نے اپنے جسم سے ایک
خاص قسم کی بو چھوڑنی شروع کر دی۔ جس نے ان کے جنگل
میں داخل ہوتے ہی سانپوں اور اژدہوں میں کھلبلی مچا دی۔
جنگل کے سارے سانپ اور اژدہے ایک طرف کو بھاگنے
شروع ہو گئے۔

اس بو کو جنگلی درندوں نے بھی محسوس کیا۔مگر وہ سمجھ نہ سکے
کہ یہ بو کس جانور کی ہے۔صرف اتنا ہوا کہ درندے عام
راستے سے ہٹ کر دور چلے گئے۔

جنگل کا راستہ صاف تھا۔ماریا،عنبر اور ناگ گھوڑوں پر
سوار اپنی منزل کی طرف بڑھتے چلے جا رہے تھے۔اس جنگل
میں ان کا سفر دو دن اور دو راتوں کا تھا۔

پہلی رات انہوں نے ایک جھیل کے کنارے بسر کی۔
اس جھیل کی سطح پر سفید رنگ کے کنول کے پھول کھلے ہوئے
تھے۔کنارے کنارے پیپل اور املی کے درختوں کی قطاریں
جھکی کھڑی تھیں۔انہوں نے آگ کا الاؤ جلا لیا اور اس کے
اردگرد بیٹھ کر شام کا کھانا کھانے لگے۔

کھانے سے فارغ ہو کر ماریا نے قہوہ بنا کر سب کچھ

دیا۔وہ قہوہ پیتے ایک دوسرے سے باتیں کرتے رہے ناگ
نے کہا۔

"عنبر بھائی!اگر ہمارا جہاز کھاڑی میں نہیں کھڑا ہوگا تو
ہم کیا کریں گے؟"۔

عنبر ہنس کر بولا۔"یار ناگ!تم ہمیشہ ناامیدی کی باتیں
کیوں سوچتے ہو؟ انسان کو چاہیے کہ وہ ہمیشہ اچھی اچھی
اور کامیابی کی باتیں سوچے"۔

ماریا بولی۔"جہاز کو وہاں سے چرا کر کون لے جا سکتا
ہے۔وہ ضرور اپنی جگہ پر ہی ہوگا اور خزانے کو ہم نے ایسی جگہ
دفن کر رکھا ہے کہ وہ کسی کو نظر ہی نہیں آ سکتا"۔

ناگ نے کہا۔"نقشے کے مطابق ہم یہاں سے سمندر
میں سفر کرتے شمال مغرب کی طرف چلیں گے تو خلیج فارم میں

سے گذر کر ہم بصرے کی بندرگاہ پر جا رکیں گے۔ یہ بندرگاہ بڑی مشہور تجارتی بندرگاہ ہے۔ اور یہاں سے مسلمانوں کے تجارتی جہاز سارے مشرق بعید کو آتے جاتے ہیں۔"

ماریا بولی۔ "ہم بصرے کی بندرگاہ پر ہی جا اتریں گے۔ وہاں ہمیں جہاز سے چھٹکارا حاصل کر لینا ہوگا۔ آخر ہم کب تک اس جہاز کو ساتھ ساتھ لیے پھریں گے۔"

عنبر کہنے لگا۔ "ماریا اس جہاز کی قدر و قیمت تمہیں سمندر میں جا کر پتہ چلے گی۔ اگر یہ جہاز نہ ہوتا تو ہم لوگ کبھی ہندوستان کے ساحل پر اتنی جلدی نہ پہنچ سکتے۔ اور یہاں سے بصرے تک جانا بھی بغیر جہاز کے کوئی آسان بات نہیں ہے۔"

ناگ بولا۔ "ہاں بھئی! یہ تو میں بھی کہوں گا کہ جہاز نے

ہمیں بڑا کام دیا ہے۔ اگر جہاز نہ ہوتا تو ہم اس خطرناک جزیرے سے بھی نہ نکل سکتے۔ خدا جانے پھر کیا حالات ہوتے۔ سمندر میں سفر تو صرف جہاز کے ذریعے ہی ہو سکتا ہے۔ پیدل تو ہم لوگ سمندر میں سفر نہیں کر سکتے۔"

ماریا نے شرارت سے کہا۔ "دعا کرو کہ ہمارا جہاز ہمارا انتظار کر رہا ہو۔"

عنبر نے کہا۔ "جہاز کہیں نہیں جائے گا۔ فکر مت کرو۔"

اسی طرح باتیں کرتے کرتے وہ آدھی رات کے وقت سو گئے۔ جنگل میں بڑا اندھیرا تھا۔ چاند کا کہیں نام و نشان نہیں تھا۔ تینوں بہن بھائی آگ کے بجھتے ہوئے الاؤ کے گرد بستر بچھا کر گہری نیند سو رہے تھے۔

رات خنک یعنی ٹھنڈی تھی۔ الاؤ کے دھوئیں کی وجہ سے

مچھر وہاں سے بھاگ چکے تھے۔ اتنے آرام میں دن بھر کے
تھکے ہوئے مسافر بے خبر ہو کر بے سدھ ہو رہے تھے۔

ان کے پاس ہی تھالی میں بچا ہوا ہرن کے گوشت کا ایک
ٹکڑا رکھا تھا۔ اس ٹکڑے کی خوشبو اڑ کر جنگل میں پھیلی تو اپنی
کھوہ میں بیٹھے ہوئے ایک چیتے نے تھوتنی سکڑ کر اس خوشبو کو
سونگھا۔

اس کی طبیعت ایکدم خوش ہو گئی۔ ہرن کے بھنے ہوئے
گوشت کی خوشبو آ رہی تھی۔ وہ صبح سے بھوکا تھا۔ دن بھر اسے
کوئی شکار نہیں ملا تھا۔ جانور اس کی شکل دیکھ کر بھاگ اور اڑ
جاتے تھے۔

اب جو اسے ہرن کی خوشبو سنگھائی دی تو وہ لپک کر کھوہ
میں سے باہر آ گیا۔ اور گوشت کی خوشبو کے ساتھ ساتھ دبے

پاؤں چلنے لگا۔

ظاہر ہے اس خوشبو نے چیتے کو الاؤ کے پاس ہی لانا تھا۔

الاؤ کے پاس عنبر، ماریا اور ناگ بڑے سکون سے سو رہے
تھے۔ کالا مکار چیتا گوشت کی بو پاتا ان لوگوں کے پاس آ
گیا۔ اس نے جو دو آدمیوں کو سوئے ہوئے دیکھا تو اس کی
بھوک اور زیادہ چمک اٹھی۔

وہ تو ہرن کے گوشت کی آڑ لے کر آیا تھا اور وہاں دو زندہ
انسان پڑے تھے۔ چیتا آدم خور تھا اور انسانوں کو بڑے شوق
سے ہڑپ کرتا تھا۔ وہ پنجے سکیڑے، تھوتنی زمین کے ساتھ
لگائے عنبر اور ناگ کی طرف بڑھنے لگا۔

الاؤ میں آگ بجھ چکی تھی۔ ورنہ جلتی آگ میں چیتا
کبھی آگ کے پاس آنے کی جرات نہ کرتا۔ خوش قسمتی سے

چیتا پہلے عنبر کے قریب گیا۔ اگر وہ پہلے ناگ کے پاس جاتا تو ناگ کے لیے چیتے کے حملے کو روکنا مشکل ہو جاتا۔

بلکہ عین ممکن تھا کہ چیتا پہلے ہی حملے میں ناگ کا کام تمام کر دیتا۔ کیونکہ عنبر کی طرح ناگ اور ماریا میں موت کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں تھی۔ وہ موت کے سامنے اسی طرح بے بس تھے جس طرح کہ سارے لوگ ہوا کرتے ہیں۔

ماریا چونکہ غائب تھی اس لیے وہ چیتے کو نظر نہ آئی اور چیتا اس کی طرف نہ گیا۔ وہ بائیں پہلو سے آگے بڑھا اور ادھر سے پہلے اسے عنبر ہی ملا۔ عنبر بڑی گہری نیند سو رہا تھا۔ اس کا ایک ہاتھ زمین پر پڑا تھا اور دوسرا ہاتھ اس نے اپنے سینے پر رکھا ہوا تھا۔

چیتا سب سے پہلے اس کے کھلے ہاتھ کی طرف آیا اور

تھوتھنی قریب لے جا کر اسے سونگھنے لگا۔

پھر وہ سونگھتا سونگھتا اوپر کی طرف بڑھا۔ اب وہ اپنے خوفناک جبڑوں والا جبڑا عنبر کے منہ کے پاس لے آیا اور اس نے ایکدم غرا کر زور سے منہ مارا اور عنبر کی آدھی گردن اپنے جبڑوں میں پکڑنے کی کوشش کی۔

مگر گردن میں چیتے کے دانت نہ کھب سکے۔ عنبر، ناگ اور ماریا کی آنکھیں کھل گئی ناگ پرے ہٹ گیا۔ عنبر چیتے سے لپٹ گیا اور دونوں ہاتھوں سے اس کی گردن دبانے کی کوشش کرنے لگا۔ ماریا نے کہا۔

”ناگ! چیتے پر تلوار کا وار کرو“۔

عنبر بولا۔ ”میں اس کا گلا دبا کر ہلاک کر دوں گا“۔

ناگ نے کہا۔ ”یہ کوئی آدم خور ہے میں آ رہا ہوں۔

بھائی"۔

اس کے ساتھ ہی ناگ نے تلوار کا بھرپور وار چیتے کی کمر پر کیا۔ وار اس قدر طاقتور تھا کہ تلوار چیتے کی کمر کے دو ٹکڑے کر کے پیٹ میں جا اتری۔ چیتے کے منہ سے ایک دردناک چیخ نکلی اور وہ تڑپ کر اٹھا اور ناگ پر حملہ آور ہوا۔ مگر اس کی کمر دو ٹکڑے ہو چکی تھی۔

اس میں اتنی طاقت نہیں رہی تھی کہ وہ اٹھ کر کھڑا ہو سکے۔ وہ اسی جگہ زمین پر گر گیا اور تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا۔

عنبر نے کہا۔

"بھئی یہ آدم خور کم بخت کدھر سے آ گیا؟"۔

ناگ بولا۔" معلوم ہوتا ہے اس جنگل میں آدم خور شیروں کے علاوہ چیتے بھی ہیں۔ چیتا بہت کم آدم خور ہوتا

ہے"۔

ماریا نے کہا۔"یہ تو سارے کا سارا جنگل اس قسم کے آدم خور درندوں سے بھرا ہوا ہے بھائی۔ میں تو کہتی ہوں ہمیں آرام کرنے کی بجائے اب یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ کوئی پل کے بعد دن بھی نکلنے ہی والا ہے"۔

عنبر نے کہا۔"اچھا خیال ہے اس پر خطر جنگل میں سے جتنی جلدی نکل سکیں اتنا ہی اچھا ہے"۔

رات ڈھل گئی تھی۔ مشرق میں صبح کا اجالا پھیلنے ہی والا تھا۔ انہوں نے اٹھ کر بوریا بستر باندھ کر گھوڑوں پر رکھا۔ گھوڑوں کو پانی وغیرہ پلایا اور ان پر سوار ہو کر چل پڑے۔ سارا دن وہ جنگل میں سے گذرتے رہے۔ پھر شام آ گئی۔ اب ایک رات پھر اسی جنگل میں بسر کرنی تھی۔ ناگ بولا۔

"یہ رات ہماری اس جنگل میں آخری رات ہوگی۔کل
کسی وقت ہم ساحل سمندر پر پہنچ جائیں گے"۔

عنبر نے کہا۔میں ہوا میں سمندری پانی کی بو محسوس کر رہا
ہوں۔تمہارا خیال درست معلوم ہوتا ہے۔ہم کل دوپہر تک
سمندر کے کنارے پہنچ جائیں گے۔یہ وہی راستہ ہے جہاں
سے ہم ایک بار گذر کر پاٹلی پتر کی طرف گئے تھے۔

ماریا بولی۔"اگر ہم ساری رات سفر کرتے رہیں تو صبح
اپنی منزل پر پہنچ سکتے ہیں۔مگر میں بہت تھک گئی ہوں۔میرا
خیال ہے کہ ہمیں رات اسی جگہ بسر کرنی چاہیے"۔

"ہاں ماریا۔ہمیں آخر اتنی جلدی کیا ہے۔ہمارے علاوہ
گھوڑے بھی دن بھر کے سفر کے بعد تھکے ہوئے ہیں،انہیں
بھی آرام کی ضرورت ہے یہ جگہ اتنی بری نہیں۔ہمیں یہیں

ڈیرے ڈال لینے چاہئیں"۔

اور وہ اسی جگہ گھوڑوں سے اتر پڑے۔ابھی وہ گھوڑوں
سے اتر ہی رہے تھے۔کہ ایک گھوڑا زور سے ہنہنایا۔عنبر نے
چونک کر ادھر دیکھا۔کیا دیکھتا ہے کہ سامنے ایک بہت بڑا
اژدہا منہ کھولے ان کی طرف بڑھ رہا ہے۔عنبر نے ناگ کی
طرف دیکھا۔

"ناگ!یہ کہاں سے آ گیا؟کیا تمہارے جسم سے نکلتی
ہوئی بو نے اسے خبردار نہیں کیا؟"۔

ناگ نے اژدہا کی طرف دیکھا اور بولا۔

"معلوم ہوتا ہے اس اژدہا کی کھال موٹی ہے۔اس نے
میری بو محسوس نہیں کی۔خیر کوئی بات نہیں۔ابھی اس کی
طبیعت صاف کیے دیتا ہوں"۔

اتنا کہہ کر ناگ اژدہا کی طرف بڑھا۔ اژدہا کے منہ سے بار بار سرخ زبان باہر نکل رہی تھی۔ اور اس کی سرخ آنکھیں شعلے برسا رہی تھیں۔ وہ حملہ کرنے کے لیے بالکل تیار تھا۔ ناگ اس کے سامنے جا کھڑا ہو گیا۔ ناگ نے زور سے سانس کو اندر کو کھینچ کر اژدہا کی طرف چھوڑا۔

ناگ کا سانس جونہی اژدہا سے ٹکرایا وہ اسی وقت سہم کر پیچھے ہٹ گیا۔ اسے محسوس ہو گیا کہ اس کے سامنے کوئی غیر معمولی انسان کھڑا تھا۔ ناگ نے دوسری بار اپنا سانس اژدہا کے اوپر چھوڑا تو وہ اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ ناگ نے گرج کر کہا۔

"گستاخ اژدہا! کیا تجھے معلوم نہیں تھا کہ ادھر میں اپنے دوستوں کے ساتھ سفر کر رہا ہوں؟ تو کون ہے اور ادھر کیوں آیا ہے؟"۔

اژدہا نے اپنی زبان میں کہا۔

"اے ناگ دیوتا! میں معافی چاہتا ہوں۔ مجھ سے بھول ہو گئی۔ مجھے خبر نہیں تھی کہ آپ اس طرف سے گزر رہے ہیں۔ میری خطا کو معاف کر دیں"۔

ناگ بولا۔ "جا میں تجھے معاف کرتا ہوں۔ نہیں تو تمہاری گستاخی کی سزا یہ تھی کہ میں تجھے پھونک مار کر ابھی اسی جگہ بھسم کر دیتا ہوں"۔

اژدہا نے سر جھکا کر کہا۔

"آپ نے مجھے معاف کر دیا۔ میں آپ کا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گا"۔

اچانک عنبر کا خیال آیا کہ ناگ نے ایک شیش ناگ کو خزانے کی پہرے داری کرنے کے لیے کئی روز پہلے روانہ

کیا تھا۔ کیوں نہ اس اژدہا سے شیش ناگ کے بارے میں
پوچھے۔ ناگ نے اژدہا سے کہا۔

"کیا تم نے ادھر سے کسی شیش ناگ کو خزانے کی پہرے
داری کے لیے جاتے دیکھا ہے؟ اسے میں نے ایک مہینے
پہلے۔۔۔ بلکہ اس سے بھی پہلے ایک خاص کام پر روانہ کیا
تھا۔ اسے اسی جنگل میں سے ہو کر گذرنا تھا۔ کیا تم نے اس کو
دیکھا ہے؟"۔

اژدہا نے کہا۔"اے ناگ دیوتا! میں کوئی سالوں سے
اس جنگل میں زندگی بسر کر رہا ہوں۔ اگر اس جنگل میں کوئی
شیش ناگ داخل ہو تو مجھے فوراً پتہ چل جائے۔ میں نے آج
تک کسی شیش ناگ کو اس جنگل میں نہیں دیکھا۔"

ناگ نے کہا۔"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میں نے خود اسے

بھیجا تھا۔ وہ میرے حکم کو کبھی نہیں ٹال سکتا۔ وہ ضرور اس جنگل
میں سے گذرا ہوگا۔ یہی جنگل اس کا راستہ تھا"۔

اژدہا نے کہا۔"اے ناگ دیوتا! اس میں کیا شک ہے
کہ آپ کا حکم کوئی سانپ کبھی نہیں ٹال سکتا۔ لیکن مجھے آپ
کی ہی قسم ہے کہ میں نے کسی شیش ناگ کو ادھر سے گذرتے
نہیں دیکھا۔"

ناگ حیرانی سے بولا۔"پھر وہ کہاں چلا گیا؟"۔

اژدہا بولا۔"اے ناگ دیوتا! اس جنگل سے پہلے ایک
جنگل آتا ہے۔ جس میں ایک وحشی قبیلہ رہتا ہے۔ اس قبیلے
کے لوگ سانپ کا گوشت بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔ ان
سے ہماری پرانی دشمنی چلی آ رہی ہے۔ کہیں ایسا نہ ہوا ہو کہ
شیش ناگ ان وحشی سانپ خور قبیلے والوں کے ہتھے چلے گیا

ہوئی"۔

ناگ سوچ میں پڑ گیا۔ اس نے اژدہا سے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ تم جاؤ۔ میں خود شیش ناگ کو ڈھونڈ لوں گا"۔

اژدہا سر جھکا کر چلا گیا۔ اب عنبر اور ماریا کو بھی فکر پڑ گئی کہ شیش ناگ کہاں چلا گیا؟ اگر وہ خزانے پر نہیں پہنچا ہوگا تو ضرور کسی نہ کسی ڈاکو نے خزانے پر ہاتھ صاف کر لیا ہوگا۔ عنبر نے کہا۔

"تمہارا کیا خیال ہے ناگ؟ شیش ناگ کہاں گیا ہوگا؟"۔

ناگ نے کہا۔"عنبر بھائی! ہو نہ ہو شیش ناگ ضرور سانپ کھانے والے قبیلے کے لوگوں کے قابو آ گیا

ہوگا۔ کیونکہ اس جنگل میں سے کہیں سے بھی اگر وہ گذرتا تو اس اژدہا کو ضرور خبر ہو جاتی۔ اگر اسے خبر نہیں تو شیش ناگ ہلاک ہو چکا ہے۔ بلکہ وحشی قبیلے والوں نے ان کو بھون کر کھا لیا ہے"۔

ماریا نے کہا۔

"اب کیا ہو سکتا ہے۔ اگر قسمت میں خزانہ ہوا تو مل جائے گا۔ نہیں تو صبر شکر کرنا ہوگا"۔

عنبر بولا۔

"بھئی خزانے کو تم چھوڑو۔ افسوس تو یہ ہے کہ بے چارا شیش ناگ ہماری خاطر مر گیا۔ اچھا اب کیا ہو سکتا ہے"۔

وہ رات انہوں نے اسی جنگل میں بسر کی۔ صبح ہوئی تو وہ دوبارہ سفر پر روانہ ہو گئے۔ اب انہیں سمندر کی خوشبو صاف

محسوس ہو رہی تھی۔ یعنی وہ سمندر کے کنارے پہنچنے ہی والے
تھے۔

سمندر میں موت

اب ہم پھر ڈاکوؤں کے پاس چلتے ہیں
سردار ہولکر تے گوا پہنچ کر جہاز کو ایک طرف چٹانوں کے
پیچھے سمندر میں کھڑا کر دیا اور اپنے ساتھیوں کو لے کر ہلدی
گھاٹ پر اپنے غار میں آ گیا۔ لوٹ کو مال انہوں نے آپس
میں تقسیم کر لیا۔

سب سے بڑا حصہ سردار ہولکر اور اس کے شاگرد کو ملا۔
جاسوس اور نارنگ کو تھوڑا تھوڑا حصہ ملا۔ رات کو نارنگ نے

جاسوس ڈاکو سے کہا۔

"دیکھا تم نے۔ ہمیں ہر لوٹ مار اور ڈاکے میں سے بہت کم حصہ ملتا ہے۔ اس زندگی سے تو بہتر ہے کہ ہم اپنا خزانہ لے کر اس ملک سے بھاگ جائیں اور کسی دوسرے شہر میں جا کر ٹھاٹھ سے محل بنا کر زندگی بسر کریں۔ ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ہم سردار ہولکر کی غلامی کریں۔ ہمارے پاس اب اتنا بڑا خزانہ ہے کہ سردار ساری زندگی حاصل نہیں کر سکتا"۔

جاسوس بولا۔ "تمہارا خیال میرے دل کو لگا ہے۔ ہمیں یہاں سے بھاگنے کی تیاریاں کرنی چاہئیں۔ موقع ملتے ہی ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے"۔

چنانچہ ایک دن صبح جاسوس اور نارنگ کسی نہ کسی طرح

سے وہاں سے نکل کر سمندر کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے وہاں سے سمندر دور نہیں تھا۔ دوپہر کو وہ سمندر کے کنارے پہنچ گئے۔

اب سوال یہ تھا کہ کہیں سے کوئی مضبوط سی کشتی چرائی جائے جس میں سوار ہو کر وہ سمندر میں کنارے کے ساتھ ساتھ ایک رات اور ایک دن کا سفر کر کے خزانے تک پہنچ سکیں۔

سمندر کے کنارے ماہی گیروں کی کتنی ہی کشتیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ دونوں ڈاکو کنارے کی ریت پر دور تک ٹہلتے چلے گئے۔ یہاں کوئی آدمی نہیں تھا۔ انہوں نے ایک کشتی کو دیکھا۔ یہ ایک بڑی کشتی تھی۔

اس کے اندر سونے کی جگہ بھی تھی۔ پانی کے ایک مٹکے

کے علاوہ کھانے کا سامان بھی رکھا ہوا تھا۔ نارنگ نے
جاسوس ڈاکو سے کہا۔

"یہ کشتی سفر کے لیے بڑی مناسب رہے گی۔ یہاں اس
وقت ہمیں کوئی نہیں دیکھ رہا۔ ہم اسے لے کر اوپر ہی اوپر سے
کھلے سمندر میں نکل چلیں گے۔ کسی کو ہم پر شک نہیں ہوگا۔
مچھیرے یہی سمجھیں گے کہ ان کے ساتھی سمندر میں مچھلیاں
پکڑ رہے ہیں۔"

"تو پھر چلو۔ دیر کس بات کی ہے؟"۔

دونوں ڈاکو لپک کر کشتی میں بیٹھ گئے۔ انہوں نے رسا
کھینچ کر اندر ڈالا اور چپو چلا کر کشتی کو کھلے سمندر کی طرف کر
دیا۔ اس کشتی میں سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس کے بانس
پر بادبان بھی لگا تھا۔ ہوا بڑی اچھی چل رہی تھی۔ چپو چلانے

وہ کشتی کھلے سمندر میں لے آئے۔

یہاں پہنچ کر انہوں نے کشتی کا بادبان کھول دیا۔ بادبان
میں ہوا کے بھرتے ہی کشتی کی رفتار تیز ہوگئی۔

"اب ہم کنارے کے ساتھ ساتھ سفر کریں گے"۔

انہوں نے کشتی کو کنارے سے دو میل کے فاصلے پر رکھا
اور کشتی ہوا کے دوش پر سمندر کی پرسکون لہروں پر تیزی سے
منزل کی طرف بڑھنے لگی۔ شام تک کشتی بڑے آرام سے
سفر کرتی رہی۔ انہوں نے رات کا کھانا مل کر کھایا۔ جاسوس
ڈاکو کشتی کے تختے پر سو گیا۔

نارنگ نے دل میں ایک بڑی مکارانہ سازش کر رکھی
تھی۔ اس نے خزانے پر اکیلے ہی قبضہ کرنے کا فیصلہ کر لیا
تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح سے جاسوس ڈاکو کو اپنے راستے

سے ہٹا دے اور پھر اکیلے کا اکیلا ہی مالک بن بیٹھے۔ چنانچہ
رات کو جب اس نے دیکھا کہ جاسوس ڈاکو کشتی کے تختے کے
کنارے کی طرف ہو کر سویا ہوا ہے تو وہ آگے بڑھا۔
سوئے ہوئے ڈاکو کے قریب آ کر نارنگ جھک
کر بڑے غور سے دیکھا۔ جاسوس گھوڑے بیچ کر سویا ہوا تھا۔
اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ دونوں ہاتھ ڈال کر جاسوس ڈاکو کو
اس زور سے دھکا دیا کہ وہ دھڑام سے سمندر میں گر پڑا۔
سمندر میں گرتے ہی اسے ہوش آ گیا۔ اس نے چیخ کر کہا۔
"نارنگ! مجھے بچاؤ۔ میں سمندر میں گر پڑا ہوں"۔
جاسوس ڈاکو کا خیال تھا کہ شاید سوتے میں پہلو بدلنے
سے وہ سمندر میں گر پڑا ہے۔ اس کی چیخ و پکار پر نارنگ نے
قہقہہ لگا کر کہا۔

"دوست! جہاں رہو خوش رہو۔ میں تمہاری روح کے
لیے دعا ضرور مانگتا رہوں گا"۔
جاسوس ڈاکو نے یہ سنا تو دھک سے رہ گیا۔ فوراً سمجھ گیا
کہ نارنگ نے اس کے ساتھ دھوکا کیا ہے اور اس کی نیت
خراب ہو گئی ہے۔ وہ چونکہ ایک ڈاکو تھا اس لیے اسے تیرنا
بھی خوب آتا تھا۔ وہ کشتی کی طرف پورا زور لگا کر تیر رہا تھا۔
کشتی ہوا کے دوش پر آگے بڑھ رہی تھی۔ جاسوس بھی پیچھے
پیچھے تیرتا چلا آ رہا تھا۔
نارنگ نے دیکھا کہ وہ تیر کر کشتی کے قریب پہنچ چکا
ہے۔ نارنگ چپو لانے کے لیے کشتی کی دوسری طرف
گیا۔ واپس آیا تو جاسوس ڈاکو نے ایک ہاتھ سے کشتی کو تھام
رکھا تھا۔ اور دوسرے ہاتھ سے زور لگا کر کشتی کے اوپر چڑھنے

کی کوشش کر رہا تھا۔ نارنگ نے چیچو جاسوس کے ہاتھوں پر
مارنے شروع کر دیے۔ جاسوس نے چیخ کر کہا۔
”نارنگ! میرے دوست! میرے ساتھ یہ ظلم نہ کرو۔
مجھے کشتی پر آ جانے دو۔ تم سارا خزانہ لے لینا۔ لیکن میری
جان بچا لو۔ میں تم سے کچھ بھی نہیں لوں گا۔ میں وعدہ کرتا
ہوں کہ سارے کا سارا خزانہ تمہارا ہو گا۔ میں اس میں سے
ایک پائی بھی تم سے وصول نہیں کروں گا“۔
مگر نارنگ اس ڈاکو کو ہلاک کرنے پر تلا ہوا تھا۔ اس نے
کہا۔
”سنو! اب میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اس لیے کہ
تم زندہ رہ کر میرے لیے ایک برابر خطرے کا باعث ہو گے
میں تمہیں موت کے حوالے کرتا ہوں“۔

جاسوس ڈاکو نے گڑگڑا کر کہا۔
”میری جان بچا لو دوست! مجھ پر رحم کرو“۔
نارنگ ڈاکو بولا۔
”تم نے کبھی کسی پر آج تک رحم کھایا ہے جو میں تم پر رحم
کروں؟ تم نے میری آنکھوں کے سامنے معصوم بچوں کے
گلے کاٹے ہیں۔ پھر تم مجھے کیوں سزا دے رہے ہو؟ کیا تمہیں
سزا نہیں ملنی چاہیے؟“۔
نارنگ ہنس پڑا۔ ”دیکھا جائے گا۔ ابھی میری باری نہیں
آئی۔ قدرت اس وقت تم سے بدلہ لے رہی ہے۔ تم کفارہ ادا
کرو۔ جب میری باری آئے گی۔ جب قدرت مجھ سے بدلہ
لے گی تو پھر اس وقت دیکھا جائے گا“۔
اتنا کہہ کر نارنگ ڈاکو نے پوری قوت سے چیچو اٹھا کر

جاسوس ڈاکو کے سر پر دے مارا۔ جاسوس ڈاکو کی آنکھوں کے آگے تارے ناچنے لگے۔ اس کا سر پھٹ گیا۔ اور خون بہنے لگا۔

کمزوری اور تکلیف سے جاسوس کے ہاتھ کشتی سے چھوٹ گئے اور وہ غڑاپ سے سمندر میں جا گرا۔ کچھ دور تک وہ سمندر میں کمزوری کے ساتھ ہاتھ پاؤں مارتا رہا۔ پھر وہ بے ہوش ہو گیا اور سمندر کی لہریں اسے بہا کر دور لے گئیں۔

جاسوس ڈاکو کو ٹھکانے لگانے کے بعد نارنگ بڑا خوش ہوا۔ کشتی میں کھڑا ہو کر دیر تک اپنی کامیابی پر قہقہے لگاتا رہا۔ کچھ دور تک اسے جاسوس ڈاکو کی لاش سمندر پر تیرتی نظر آ رہی۔ پھر لہروں میں گم ہو گئی۔

نارنگ ڈاکو اپنی کامیابی پر بڑا خوش تھا۔ اب وہ سارے

بے بہا خزانے کا اکیلا مالک تھا۔ اس نے سوچا کہ وہ کسی دوسرے ملک میں چلا جائے گا اور ایک عالی شان محل خرید کر ساری زندگی عیش کرے گا۔

اسے کیا معلوم تھا کہ قدرت اس پر مسکرا رہی تھی۔

کشتی رات بھر سمندر میں سفر کرتی رہی۔ دن نکل آیا۔ سمندر پر سورج کی تیز دھوپ پھیل گئی۔ ابھی اس کی منزل نہیں آئی تھی۔ زمین کا کنارہ کافی دور تھا ابھی اسے وہ چٹانیں اور پہاڑ نظر نہیں آ رہے تھے۔ جس کے اندر کھاڑی چلی گئی تھی۔ اور جہاں خزانہ دفن تھا۔ یہ جگہ شام کے وقت آنی تھی۔ وہ سمندر میں سفر کرتا رہا۔

ٹھیک اس وقت عنبر، ناگ اور ماریا سمندر کے کنارے کھاڑی میں پہنچ چکے تھے۔ کھاڑی میں آ کر انہوں نے جہاز

کو غائب پایا تو حیرانی سے ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔

"ہائیں! جہاز کہاں چلا گیا؟"۔ ماریا نے حیرت سے پوچھا۔

عنبر بھی تعجب سے خالی کھاڑی کے سمندر کو دیکھ رہا تھا۔ ناگ بھی پریشان تھا۔ کہ جہاز کو کون لے گیا۔ عنبر نے کہا۔

"حیران ہونا اور سوچنا بے کار ہے۔ ظاہر ہے ڈاکوؤں کا کوئی گروہ ادھر آیا ہوگا۔ اس نے خالی جہاز کو دیکھا اور اسے لے کر یہاں سے تو دو گیارہ ہو گیا۔ اب تو ہمیں چل کر یہ دیکھنا چاہیے کہ ہمارا خزانہ وہاں موجود ہے یا کہ وہ بھی ڈاکوؤں کی بھینٹ چڑھ گیا۔"

اس خیال کے ساتھ ہی وہ اس چٹان کی طرف لپکے جہاں

ایک درخت کے نیچے انہوں نے اپنے خزانے کے صندوق کو دفن کیا تھا۔

درخت کے نیچے آتے ہی کیا دیکھتے ہیں کہ جھاڑیاں اپنی جگہ سے ہٹی ہوئی ہیں۔ مٹی بھی کھدی ہوئی ہے۔ انہوں نے جلدی جلدی جھاڑیاں ہٹا کر زمین کھودی تو اندر کچھ بھی نہیں تھا۔ خزانہ چرا لیا گیا تھا۔

"لو بھائی! دولت سے پیار کرلو۔ خزانہ جس کے ہاتھ لگا وہ لے گیا۔ سانپ نکل گیا ہے۔ اب لکیر پیٹنے سے کچھ نہیں ہو گا"۔

ماریا کو سب سے زیادہ افسوس تھا کہنے لگی۔

"کس کم بخت کی اتنی جرات ہوئی کہ ہمارے خزانے کو چرا کر لے جائے"۔

عنبر بولا۔ ''بھئی جس کا داؤ لگا وہ لے گیا۔ اب کیا ہو سکتا ہے۔ اگر شیش ناگ بے چارہ پہنچ جاتا تو خزانے کو کوئی ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا تھا''۔

ناگ نے کہا۔ ''کم بخت شیش ناگ کو بھی راستے میں ہی ہلاک ہونا تھا''۔

عنبر نے کہا۔ ''یار مجھے تو خزانے سے زیادہ اس بے چارے شیش ناگ کا دکھ ہے کہ خواہ مخواہ بیکار، ہیرے جواہرات کے لیے مارا گیا۔ دولت کا کیا ہے وہ تو ہاتھ کا میل ہے۔ آج ہے تو کل نہیں ہے''۔

ناگ گہری سوچ میں تھا۔ کہنے لگا۔

''تمہارے خیال میں یہ ڈاکو کون ہو سکتے ہیں عنبر؟''۔

عنبر ہنس کر کہنے لگا۔

''بھئی ڈاکو کون ہو سکتے ہیں؟ بس جیسے ڈاکو ہوتے ہیں، ویسے ہی ہوں گے''۔

ناگ نے کہا۔ ''میرے خیال میں تو یہ کوئی سمندری ڈاکو ہیں۔ سمندری ڈاکو ہی جہاز کو چلا کر لے جا سکتے ہیں۔ عام ڈاکو ایسا نہیں کر سکتے''۔

ہاں، یہ خیال تمہارا ہے۔ ضرور یہ کام سمندری ڈاکوؤں کا ہی ہے۔ وہ اپنے ہی جہاز پر آئے ہوں گے اور ہمارے جہاز کو ساتھ باندھ کر لے گئے۔ انہوں نے جہاز کو فوراً پہچان لیا ہوگا کہ یہ بھی بحری ڈاکوؤں کا جہاز ہی ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ انہیں خزانے کا پتہ کیسے چلا؟۔

عنبر کے اس سوال پر ماریا بولی۔

''ہم نے تو خزانے کو بڑی اچھی طرح سے چھپا کر رکھا

ہوا تھا۔ کسی کو شک بھی نہیں پڑ سکتا تھا کہ یہاں زمین کے اندر
خزانہ دفن ہے۔ پھر یہ لوگ کیسے زمین کے اندر سے ہیرے
جواہرات کا صندوق نکال کر لے گئے؟"۔

ناگ نے کہا۔ یہ کسی بڑے ہی خطرناک اور عقل مند ڈاکو
کا کام ہے۔ مگر اب جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ افسوس کرنے سے
کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ یہ خزانہ بھی ہمارا اپنا نہیں تھا۔ ہم نے
بھی اس خزانے کو اسی طرح ڈاکہ مار کر ہی حاصل کیا تھا۔
بہتر یہ ہے کہ ہم اسے بھول جائیں۔ ہاں اصل نقصان
یہ ہوا ہے کہ ہمارا جہاز چوری ہو گیا ہے۔ اگر جہاز موجود ہوتا تو
کم از کم ہم اس پر سفر کر کے ملک عرب بڑی آسانی سے پہنچ
سکتے تھے۔

عنبر نے کہا۔ "یہ ہمارا بہت بڑا نقصان ہے۔ اب ہمیں

اس جگہ پڑے رہ کر کسی کشتی یا بھولے بھٹکے جہاز کی راہ دیکھنی
ہوگی۔ جو قسمت سے ادھر کو آ نکلے"۔

ماریا نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔

"یہ تو بہت بری بات ہوئی۔ ہم اس جگہ کب تک پڑے
رہیں گے۔ میرا تو خیال ہے کہ اگر ہم سمندر کے ساتھ ساتھ
اوپر کی طرف جنگل میں سفر کریں تو شاید کسی بندرگاہ پر پہنچ
جائیں"۔

عنبر بولا۔ "میں اس سارے علاقے کو اچھی طرح جانتا
ہوں۔ یہاں سے نیچے جنوب کی طرف پیدل چار دن کے
سفر کے بعد ہم گوا پہنچ سکتے ہیں جہاں سے بھی ہمیں شاید ہی
کوئی تجارتی جہاز مل سکے۔ اس سے کہیں بہتر ہے کہ ہم اسی
جگہ بیٹھ کر جہاز کا انتظار کریں۔ کیونکہ گوا کی بندرگاہ پر

سوداگروں کے تجارتی اور مسافر جہاز اتنے نہیں آتے جتنے
سمگلروں اور ڈاکوؤں کے آتے جاتے ہیں۔ ہم سمگلروں اور
ڈاکوؤں کے جہاز پر بھی سوار ہو سکتے ہیں"۔

ناگ نے کہا۔ "میری رائے میں ہمیں دو ایک روز اس
جگہ رک کر کسی سمگلر جہاز کا انتظار کرنا چاہیے۔ اگر ہمیں دو تین
دنوں کے اندر اندر جہاز نہ مل سکا۔ تو پھر گوا کی طرف چل
پڑیں گے۔ تمہارا کیا خیال ہے عنبر بھائی؟"۔

"میرا خیال ہے تم ٹھیک کہتے ہو۔ ہم اس جگہ دو روز تک
قیام کریں گے۔ اس کے بعد یہاں سے کوچ کر جائیں
گے"۔

ایک جگہ ڈیرا جمالیا۔ گھنے درختوں کی چھاؤں میں ٹہنیاں
کاٹ کر ایک دیوار سی بنا دی گئی۔ دیوار کی دوسری جانب بستر

لگا دیئے۔ آگ جلا کر ماریا نے کھانا پکانا شروع کر دیا۔ رات
کو کھانا کھا کر انہوں نے آگ دیر تک جلائے رکھی۔ اور آپس
میں باتیں کرتے رہے۔

انہیں یہی خطرہ تھا کہ اگر یہاں سے سمگلروں کا کوئی جہاز
نہ مل سکا تو پھر انہیں بڑا لمبا چکر کاٹ کر گوا پہنچنا ہوگا۔

رات کو وہ سو گئے۔ دن کو اٹھے تو جنگل سے پھل توڑ کر
انہوں نے ناشتہ کیا۔ گوشت ان کے پاس ختم ہو چکا تھا۔ عنبر
اور ناگ تیر کمان لے کر جنگل میں ہرن کے شکار کو چل دیئے
اور ماریا اسی جگہ بیٹھی کپڑے دھونے لگی۔

کپڑے دھو کر اس نے ذرا پرے جا کر دھوپ میں لٹکا
دیئے اور بستر پر لیٹ کر سوچنے لگی کہ ملک عرب کیسا ہوگا؟
وہاں کے مسلمان لوگ کیسے ہوں گے؟ اس نے مسلمانوں کی

بہت تعریف سن رکھی تھی کہ ان کے ملک میں کوئی جرم نہیں ہوتا۔ لوگ ایماندار ہیں اور نیکی اور پاکیزگی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔

جنگل کی دیوی

دھوپ ڈھل رہی تھی کہ نارنگ ڈاکو کی کشتی ساحل سے آ لگی۔

نارنگ نے کشتی کو کنارے پر ایک جگہ درخت کے ساتھ رسے سے باندھا۔ پھاوڑا لیا اور خزانہ کھود کر لانے کے لیے چٹان والے درختوں کی طرف چل پڑا۔

اسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ عنبر اور ماریا وغیرہ اسی جنگل میں کھاڑی کے پاس ہی ڈیرا ڈالے ہوئے ہیں۔ عنبر اور ناگ

شکار پر گئے ہوئے تھے۔ تاکہ اگلے روز کے لیے جنگل سے
ہرن وغیرہ مار کر لائیں۔

ماریا اکیلی بیٹھی آرام کر رہی تھی۔ اس کا گھوڑا پاس ہی
بندھا ہوا تھا۔ نارنگ ڈاکو اپنے آپ کو جنگل میں اکیلا سمجھ کر
بڑی بے پروائی سے سیٹی بجاتا چلا آ رہا تھا۔ ماریا نے سیٹی کی
آواز سنی تو وہ چونکی ہوئی۔

"یہاں کون سیٹی بجاتا آ گیا؟" اس نے سوچا۔

نارنگ ڈاکو کھاڑی کے کنارے سے ہو کر آگے کو جانے
لگا تو ماریا کی اس پر نظر پڑ گئی۔ ڈاکو نے اسے بالکل نہیں دیکھا
تھا۔ وہ اپنے مزے سے سیٹی بجاتا چلا جا رہا تھا۔ جاسوس کو
سمندر میں مار گرانے کے بعد وہ خزانے کا اکیلا مالک تھا۔ اس
وقت وہ اپنے آپ کو ایک بے تاج بادشاہ سمجھ رہا تھا۔ جو

ہیرے جواہرات کی بہت بڑی دولت کا مالک تھا۔ جب وہ
آگے نکل گیا تو ماریا نے اس کا پیچھا کرنا شروع کر دیا۔
پھاوڑے سے ماریا اتنا ضرور سمجھ گئی تھی کہ یہ کوئی شے کھودنے
جا رہا ہے۔ نارنگ بڑے آرام سے نیلی چٹان والے درختوں
میں اس جگہ پہنچ گیا جہاں خزانہ دبا ہوا تھا۔ وہ گھاس پر بیٹھ
گیا۔

گرمی کے مارے اسے پسینہ آ گیا تھا۔ اس نے رومال
سے پسینہ پونچھا۔ ٹھنڈی ہوا میں وہ گہرے گہرے سانس
لے رہا تھا۔ پھر وہ تازہ دم ہو کر اٹھا اور جھاڑیاں ایک طرف
ہٹا کر اس نے زمین کھودنی شروع کر دی۔

ماریا ایک درخت کے پاس کھڑی یہ سب کچھ بڑی دلچسپی
سے دیکھ رہی تھی۔ وہ حیران تھی کہ یہ شخص کون ہے اور یہاں

کس لیے زمین کھود رہا ہے۔ یہ بات تو کبھی اس کے دماغ
میں نہیں آ سکتی تھی کہ یہاں ان کا اپنا ہی خزانہ دفن ہے اور یہ
شخص ڈاکو ہے اور خزانہ لینے آیا ہے۔

نارنگ ڈاکو اب بڑی تیزی سے زمین کھود رہا تھا۔ پھر وہ
گڑھے پر جھک گیا۔ نیچے سے اسے صندوق صاف نظر آنے
لگا تھا۔ اس نے رسہ ڈال کر صندوق اس کے ساتھ باندھا اور
پھر اسے باہر نکال لیا۔

اب جو ماریا نے دیکھا کہ یہ تو ان کے اپنے خزانہ کا
صندوق ہے۔ خوشی اور حیرت سے وہ کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔
اچھا تو یہی وہ ڈاکو ہے جس نے ان کا خزانہ چرایا تھا بہت
خوب۔ اب تو وہ خزانہ لے کر کہیں نہیں جا سکتا۔ بھلا ماریا
اسے کب جانے دیتی تھی۔

ماریا نے سوچ کر اگر اس شخص نے خزانہ چرایا ہے تو ضرور
اس کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ ان کا جہاز کون لے اڑا ہے۔ اس
سے پوچھنا چاہیے کہ جہاز کہاں ہے۔

ماریا ذرا آگے بڑھ کر اس کے قریب ہو گئی۔ اس کو خیال
آیا کہ یہ شخص اکیلا نہیں ہوگا اس کے ساتھ ضرور کوئی ڈاکوؤں
کا گروہ ہوگا۔ یہ خزانہ لے کر ان ڈاکوؤں کے پاس جا رہا ہو
گا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس نے ڈاکوؤں سے چھپ کر یہ سارا
کام کیا ہو۔ بہر حال اس شخص کو زندہ گرفتار کرنا چاہیے۔ کیونکہ
اس سے بہت سی معلومات حاصل ہو سکتی تھیں۔

کاش وہاں عنبر اور ناگ بھی موجود ہوتے۔ ماریا کے لیے
اس ڈاکو پر اکیلے قابو پانا ذرا مشکل تھا۔ وہ اسے ہلاک تو پتھر
مار کر بھی کر سکتی تھی۔ مگر اسے گرفتار کیسے کرے؟ وہ ڈر کر

بھاگ سکتا ہے۔ ایسی صورت میں خزانہ تو اسے مل جاتا مگر
جہاز کا سراغ نہیں مل سکتا تھا۔

ماریا کسی ایسی ترکیب پر غور کرنے لگی جس سے سانپ
بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹنے پائے۔ دوسری طرف
نارنگ نے خزانے کو باہر نکال کر اپنے سر پر رکھا اور واپس
روانہ ہوگیا۔

ماریا بھی یہ سوچتی اس کے پیچھے پیچھے چل پڑی کہ اس
ڈاکو پر کیسے قابو پائے؟ وہ ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ نارنگ
ڈاکو مزے سے چلا جا رہا تھا۔ کھاڑی کے کنارے سے نکل کر
وہ سمندر کی طرف چل پڑا۔

ماریا بھی اس کے ساتھ ساتھ چلتی رہی۔ درختوں سے
نکل کر سمندر کا کنارا آیا تو ماریا نے دیکھا کہ سامنے ریت پر

ایک بادبانی کشتی کھڑی تھی۔ اب اسے فکر لگی کہ یہ شخص
تو خزانہ لے کر فرار ہو جائے گا۔ اب کیا کرنا چاہیے۔

ماریا کو صرف ایک ترکیب سوجھی۔ اس نے سوچا کہ آگے
بڑھ کر کشتی کا رسہ کاٹ دے تاکہ کشتی سمندر میں بہہ جائے
اور یہ شخص واپس نہ جا سکے۔ پھر اسے خیال آیا کہ اس طرح
سے وہ کشتی سے محروم ہو جائے گی۔

کشتی ان کے بڑے کام آ سکتی ہے۔ وہ کم از کم اس پر
سوار ہو کر گوا کی طرف سفر تو کر سکیں گے۔ پھر کیا کیا جائے؟ وہ
سوچتی رہی اور نارنگ ڈاکو کشتی کے قریب پہنچ گیا۔ ماریا اس
ہٹے کٹے شخص کو رسیوں میں نہیں جکڑ سکتی تھی۔

اس طرح وہ مقابلہ کرتا اور ماریا پر غالب آ جاتا۔ وہ ماریا
کا گلا گھونٹ کر اسے ہلاک بھی کر سکتا تھا۔ کیا ہوا جو وہ اسے

نظر نہیں آ رہی تھی۔ ایک بار وہ اس کے ہاتھ آ گئی تو پھر وہ اسے کبھی نہیں چھوڑے گا۔

آخر یہ اس کی زندگی اور موت کا سوال تھا۔

وقت ہاتھ سے نکلا جا رہا تھا۔ اچانک ماریا کے دماغ میں ایک خیال آیا۔ وہ صندوق کو غائب کر سکتی ہے۔ اس خیال کے آتے ہی اس نے تلوار کھینچ لی اور آگے بڑھی۔

نارنگ خزانے کے صندوق کو سر پر رکھے کشتی کے پاس آ گیا تھا۔ وہ کشتی میں چڑھنے ہی والا تھا کہ ماریا نے پیچھے سے جا کر اس کی گردن پر تلوار رکھ کر زوردار آواز میں کہا۔

"صندوق نیچے رکھ دو۔"

"کون؟"

نارنگ نے گھبرا کر پیچھے مڑ کر دیکھا۔ وہاں کوئی بھی نہیں

تھا۔ ماریا نے کہا۔

"میں اس جنگل کی دیوی ہوں۔ خزانے کا صندوق تم نے زمین پر نہ رکھا تو یہ تلوار ابھی تمہاری گردن اڑا دے گی۔ فوراً صندوق زمین پر رکھ دو۔"

نارنگ اگرچہ ڈاکو تھا۔ سینکڑوں لوگوں کا قتل کر چکا تھا لیکن تلوار اس کی گردن پر لگی تھی اور قاتل اسے نظر بھی نہیں آ رہا تھا۔ وہ ڈر گیا کہ کہیں سچ مچ اس کی گردن دھڑ سے جدا نہ کر دی جائے۔ اس نے صندوق زمین پر رکھ دیا۔

"اب دو قدم پرے ہٹ کر کھڑے ہو جاؤ۔ خبر دار بھاگنے کی کوشش نہ کرنا۔ میرے پاس تیر کمان بھی ہے۔ میرا تیر تمہارے سینے کے پار ہو جائے گا۔"

ماریا جلدی سے صندوق کے اوپر کھڑی ہو گئی۔ اس کے

صندوق کے اوپر کھڑے ہوتے ہی صندوق غائب ہوگیا۔
نارنگ ڈاکو آنکھیں مل مل کر حیرت سے تکنے لگا کہ اس کے
خزانے کا صندوق کہاں چلا گیا؟ ماریا نے کہا۔
"اسی جگہ ریت پر بیٹھ جاؤ۔ اگر تم نے ہلنے جلنے کی کوشش
کی تو میں تمہیں ایک پل میں قتل کر دوں گی۔ خزانہ میں نے
اپنے قبضے میں کر لیا ہے۔ اگر تم اپنی جان بچانا چاہتے ہو تو
جیسا میں کہتی ہوں اس پر عمل کرو۔"
نارنگ ڈاکو دہشت زدہ ہوگیا تھا۔ وہ اسی جگہ ریت پر
بیٹھ گیا۔ ماریا تلوار لیے صندوق پر کھڑی تھی۔ نارنگ کو اپنی
موت سامنے نظر آ رہی تھی۔ اس نے پوچھا۔
"اے جنگل کی دیوی! تو نے مجھ سے خزانہ لے لیا ہے
اب مجھے جانے دے۔ اب تو میری جان کیوں لینا چاہتی

ہے؟"۔
ماریا نے کہا۔
"میں تمہاری جان نہیں لینا چاہتی۔ میں تم سے صرف
ایک بات پوچھنا چاہتی ہوں۔ مجھے بتا کہ اس سمندری
کھاڑی میں جو ایک بادبانی جہاز کھڑا تھا وہ کون لے گیا
ہے؟"۔
"مجھے اس جہاز کے بارے میں کچھ معلوم نہیں"۔
"بکواس کرتے ہو؟"۔
اور ماریا نے تلوار کا ایک چوکا دیا۔ نارنگ تڑپ کر زمین
پر لیٹ گیا۔ ماریا نے اس کے سینے میں تلوار کی نوک رکھ کر کہا۔
"بول۔ جہاز کون لے گیا ہے؟"۔
"ابھی بتاتا ہوں"۔

نارنگ ڈاکو اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ماریا نے تلوار ہٹالی۔ نارنگ
نے کانی آنکھ سے اپنی کشتی کی طرف دیکھا۔ اس نے سوچا کہ
اسے بھاگ کر رسی کھول کر وہاں سے فرار ہو جانا چاہیے۔ وہ
ایکدم سے اٹھا اور بھاگ کر رسی کھولنے لگا۔ ماریا نے ہلکا سا
ہاتھ مارا۔ نارنگ کا بازو زخمی ہو گیا۔ وہ گرا اور ہاتھ جوڑ کر
بولا۔

"بتاتا ہوں دیوی جی! ابھی بتاتا ہوں"۔

ماریا خزانے کے صندوق سے اتر کر نارنگ ڈاکو کے
قریب آ گئی۔ نارنگ ڈاکو نے دیکھا کہ خزانے کا صندوق
پھر سے نمودار ہو گیا تھا۔ اس نے کہا۔

"دیوی جی! کیا اس خزانے میں سے تھوڑی سی دولت
بھی مجھے نہیں مل سکتی؟"۔

"جب تک تم یہ نہیں بتاؤ گے کہ جہاز کون لے گیا ہے۔
تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔ اگر تم نے سچ سچ بتا دیا تو ہو سکتا ہے کہ
تمہیں کچھ دولت بخش دی جائے"۔

نارنگ ڈاکو نے کہا۔

"دیوی جی جہاز کو سردار ہولکر نامی ڈاکو نے اغوا کیا ہے۔
وہ ڈاکوؤں کے ایک بہت بڑے گروہ کا ڈاکو ہے۔ میں بھی
اسی گروہ سے تعلق رکھتا ہوں۔ ہم یہاں ایک روز آئے تھے
کہ جہاز کو کھڑا دیکھا۔ ہم نے جہاز پر قبضہ کر لیا"۔

ماریا نے پوچھا۔ "تمہیں زمین کے اندر دبے ہوئے
خزانے کا کیسے علم ہوا؟"۔

"دیوی جی! میرا ایک ساتھی یہاں آیا۔ اس نے کسی
طرح معلوم کر لیا کہ زمین کے اندر خزانہ دفن ہے۔ وہ اسے

نکال کر دوسری جگہ دبا رہا تھا کہ میں اوپر سے پہنچ گیا"۔

"تمہارا وہ ساتھی کہاں ہے؟"۔

"دیوی جی! میں آپ کے آگے جھوٹ نہیں بولوں گا۔ میں نے خزانہ اکیلے ہی ہڑپ کرنے کی نیت سے اپنے ساتھی کو ہلاک کرکے سمندر میں گرا دیا ہے"۔

"تم تو قاتل بھی ہو۔ تم نے اپنے ساتھی کو بھی قتل کیا ہے۔ اچھا یہ بتاؤ کہ سردار ہولکر ڈاکو جہاز کو لے کر کہاں گیا ہے؟"۔

"دیوی جی سردار ہولکر اس وقت جہاز سمیت گوا کے ساحل پر موجود ہے۔ وہ خود ہلدی گھاٹ کے غار میں دوسرے ڈاکو کی سازش تیار کر رہا ہے اور جہاز گوا کے ساحل پر ہے"۔

"سمجھ گئی"۔

ماریا غور کرنے لگی کہ اب اس ڈاکو کو کس طرح رسیوں میں جکڑا جائے۔ وہ غور کر رہی تھی کہ ڈاکو نے بڑی تیزی سے لپک کر خزانے کا صندوق اٹھایا اور سمندر میں چھلانگ لگا دی۔

ماریا نے بھی اس کے ساتھ ہی چھلانگ لگا دی۔ ڈاکو سنبھل نہ سکا۔ صندوق پانی میں کنارے کی ریت پر ہی گر پڑا۔ ماریا نے تلوار کا ایک ہاتھ مارا جو ڈاکو کی گردن پر پڑا۔ اس کی گردن لٹک گئی اور پانی اس کے خون سے سرخ ہو گیا۔ وہ سمندر میں ڈوبنے لگا۔

"قاتل کا یہی انجام ہوا کرتا ہے۔ تم ڈاکو بھی ہو اور قاتل بھی ہو۔ تمہارے ہاتھ کتنے بے گناہوں کے خون سے رنگے

"ہوئے ہیں"۔

نارنگ ڈاکو کے جسم سے کتنا ہی خون نکل گیا تھا۔ وہ سمندر کی لہروں پر ایک بے جان لکڑی کی طرح تیرنے لگا، ڈولنے لگا۔ پھر سمندر کی ایک موج آئی اور نارنگ ڈاکو کی ادھ موئی لاش کو لے کر واپس سمندر کی طرف چلی گئی۔

ٹھیک اس وقت ماریا کو اپنے پیچھے گھوڑوں کے دوڑنے کی آوازیں سنائی دیں۔ اس نے گھوم کر دیکھا تو عنبر اور ناگ گھوڑے دوڑاتے جنگل میں سے اس کی طرف آرہے تھے۔ کشتی کے قریب آکر انہوں نے ماریا کو آوازیں دینی شروع کر دیں۔ کیونکہ وہ دکھائی تو دے نہیں رہی تھی۔

ماریا صندوق پر سے اتر آئی اور بولی۔

"بھائیو! میں یہاں ہوں۔ اپنے خزانے کے صندوق

کے پاس۔ یہ دیکھو"۔

عنبر اور ناگ خزانے کے صندوق کو دیکھ کر دنگ رہ گئے۔

"یہ کہاں سے آگیا ہے ماریا بہن؟ اور یہ کشتی کس کی ہے؟ اصل بات کیا ہے۔ ہمیں جلدی سے بتاؤ بہن!"

"واپس ڈیرے پر چل کر بتاتی ہوں بھائی"۔

تینوں واپس کھاڑی کے کنارے اس جگہ آگئے جہاں وہ رات بسر کر چکے تھے۔ یہاں آکر ماریا نے شروع سے لے کر آخر تک نارنگ ڈاکو کی ساری کہانی بیان کر دی۔ جہاز کے بارے میں سن کر ناگ بولا۔

"میرا پہلے بھی خیال یہی تھا کہ یہ کام ڈاکوؤں کے سوا اور کسی کا نہیں ہو سکتا"۔

عنبر بولا "خدا کا شکر ہے کہ ہمیں کشتی بھی مل گئی اور خزانہ

بھی مل گیا۔ اب ہم گوا پہنچ کر اپنا کھویا ہوا جہاز واپس حاصل
کر سکتے ہیں۔ ہمارے لیے خزانہ حاصل کرنا اتنا ضروری
نہیں تھا جتنا ضروری جہاز کا واپس ملنا تھا۔ اس لیے کہ خزانے
کے بغیر بھی ہم بصرے پہنچ سکتے ہیں مگر جہاز کے بغیر ہم سفر
نہیں کر سکتے"۔

دوسرے ہی دن انہوں نے بوریا بستر باندھ کر کشتی میں
رکھا۔ خزانے کا صندوق بھی ساتھ لیا۔ اور کشتی کے بادبان
کھول کر سمندر کے ایک کنارے کنارے گوا کی بندرگاہ کی
طرف روانہ ہو گئے۔ یہ سفر ایک رات اور ایک دن کا تھا۔ گوا
پہنچ کر وہ اپنا سمندری جہاز واپس لینا چاہتے تھے۔ جس میں
سوار ہو کر ان کا ارادہ ملک عرب کی طرف کوچ کرنے کا تھا۔

تینوں بہن بھائی دن کے وقت کشتی میں سوار ہو کر سمندر

میں نکلے تھے۔ ہوا کچھ زیادہ تیز چل رہی تھی۔ کیونکہ برسات
کا موسم شروع ہونے والا تھا اور سمندر میں بڑی تیز ہوائیں
چلنا شروع ہو گئی تھیں۔ پانی کی لہریں اٹھ اٹھ کر کشتی سے ٹکرا
رہی تھیں لیکن یہ کشتی اس طریقے سے بنائی گئی تھی کہ اس قسم کی
لہریں اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھیں۔ چنانچہ کشتی گوا کی سمت
چلتی چلی گئی۔ تیز ہوا کی وجہ سے اس کی رفتار خاصی تیز تھی۔
اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ لوگ اگلے روز منہ اندھیرے ہی گوا کے
ساحل پر پہنچ گئے۔ انہیں گوا کے ساحل کی ایک چٹان پر جلتی
آگ دور سے نظر آنے لگی۔ سورج نکلنے سے پہلے وہ گوا کے
ساحل کے ساتھ لگ گئے۔

☆ کیا بہن بھائی اپنا سمندری جہاز واپس لے سکے؟

☆ خزانے کے ساتھ وہ عرب دنیا کی طرف چلے تھے۔

کیا وہ بصرہ پہنچے؟

☆ انہوں نے خلیج فارس کے طوفانی سمندر کو کیسے عبور

کیا۔

☆ یہ سب کچھ آپ اس ناول کی اگلی یعنی 44ویں قسط

''لاش کے ٹکڑے'' میں پڑھیے۔

لاش کے ٹکڑے
(قسط نمبر 44)
اے حمید

فہرست

پیارے بچو

گوا پہنچ کر عنبر، ناگ اور ماریا۔۔۔ڈاکوؤں کے سردار ہولکر کی کمین گاہ میں جا کر اس سے مقابلہ کرتے ہیں۔ ڈاکو ہولکر کو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بادبانی جہاز کو عنبر نے واپس لے لیا ہے تو وہ مقابلے پر آ جاتا ہے۔ ماریا ویران جہاز میں بھوت بن کر کتنے ہی ڈاکوؤں کو ہلاک کر دیتی ہے۔ تینوں بہن بھائی یہاں سے بغداد کی طرف سفر شروع کرتے ہیں۔ سمندر میں ان کی مڈ بھیڑ ایک رومن جنگی جہاز سے ہو جاتی ہے۔ اس جہاز پر سے ان پر تیروں کی بارش ہونے لگتی ہے۔ اب آگے پڑھیے۔۔

مگرمچھ کا حملہ

دور چٹان پر آگ جل رہی تھی۔

یہ آگ دور جنگل کی پہاڑی ڈھلان پر کسی وحشی قبیلے کے لوگوں نے جلا رکھی تھی۔ عنبر، ناگ اور ماریا کشتی پر سے اتر کر کنارے پر آ گئے کشتی کو انہوں نے ایک جگہ ساحل کی جھاڑیوں میں چھپا دیا۔

انہیں سب سے زیادہ حیرانی اس بات پر ہو رہی تھی کہ ان

کا بادبانی جہاز کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ سمندر کا کنارہ دور تک ویران تھا۔ جہاز کوئی ایسی چھوٹی سی چیز نہیں تھی کہ اسے جھاڑیوں میں چھپا دیا جائے۔ جس طرح کہ انہوں نے کشتی کو چھپایا تھا۔

ایک جگہ سے سمندر کنارہ کاٹ کر اندر چلا گیا تھا۔ یہ ایک کھاڑی سی بن گئی تھی۔ اس کھاڑی میں بھی جہاز کہیں نہیں تھا۔ آگے جا کر کھاڑی کا پانی بائیں طرف کو گھوم گیا تھا۔

انہوں نے آگے جا کر بھی دیکھا۔

مگر جہاز کسی بھی جگہ نہیں تھا۔

تینوں بہن بھائی سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ اور سوچنے لگے کہ ڈاکو ہولکر نے جہاز کو کہاں چھپا دیا ہے؟ ماریا نے کہا کہ کہیں ڈاکو نارنگ نے یوں ہی جھوٹ ہی نہ کہہ دیا ہو کہ جہاز کو ہولکر

اغوا کر کے لے گیا ہے۔ عنبر نے کہا کہ اسے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ کہہ سکتا کہ مجھے جہاز کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ ناگ نے اس خیال کا اظہار کیا کہ ہو سکتا ہے کہ ڈاکو نے ان سے بدلہ لینے کی کوشش کی ہو ہم لوگ جہاز کی تلاش میں سردار ہولکر کے ٹھکانے پر پہنچیں گے اور ڈاکو ہمیں ہلاک کرے گا۔

عنبر نے کہا۔

"ہاں، ایسا ہو سکتا ہے کہ نارنگ نے ہمیں ڈاکو ہولکر کے چنگل میں پھنسانے کی کوشش کی ہو"۔

ناگ بولا۔

"اگر ویسی بات ہے تو پھر وہاں سے جہاز کون لے گیا۔ اگر سردار ہولکر نے جہاز نہیں چرایا تو پھر دوسرا کون وہاں آ کر

اتنے بڑے جہاز کو اٹھا کر لے جا سکتا ہے؟ ظاہر ہے یہ کام ڈاکوؤں کے کسی گروہ کا ہے۔ اکیلا ڈاکو اتنا بڑا جہاز اغوا نہیں کر سکتا۔ اگر یہ کسی گروہ کا کام ہے تو پھر یہ گروہ ڈاکو ہولکر کا ہی ہو سکتا ہے"۔

ماریا نے کہا۔

"تو پھر ڈاکو ہولکر جہاز لے کر کہاں چلا گیا؟ اگر وہ جہاز کو چرا کر لایا ہے تو پھر وہ اسی سمندر میں جہاز کو کھڑا کرتا۔ یہاں تو سمندر میں جہاز کہیں نہیں ہے۔ کھاڑی کا سمندر بھی ویران ہے"۔

"یہی تو سوچنے کی بات ہے"۔ عنبر نے کہا۔

"ہم جہاز کی تلاش جاری رکھیں گے۔ فکر نہ کرو۔ ہمارا جہاز ہمیں ضرور واپس مل جائے گا، کیونکہ ایسا بھی ہو سکتا ہے

کہ ڈاکو ہولکر جہاز کو کھاڑی میں بہت آگے اپنے کسی ٹھکانے
کے پاس لے گیا ہو"۔

جو کچھ بھی تھا۔ جہاز کی گمشدگی ان تینوں بہن بھائیوں
کے لیے ایک گورکھ دھندا بن گئی تھی۔ وہ کھاڑی کے کنارے
ایک ٹیلے کے سائے میں گھاس پر بیٹھ گئے۔ یہاں بڑا حبس
تھا۔ گرمی بھی تھی۔ ہوا میں نمی اور جنگلی جڑی بوٹیوں اور دلدل
کی بو تھی۔

کھاڑی کے کنارے کنارے دلدلی ریت پھیلی ہوئی
تھی۔ جس جگہ وہ بیٹھے تھے وہ جگہ خشک تھی، اور وہاں سے
کھاڑی کا پانی دور تک نظر آتا تھا۔ آگے جا کر کھاڑی دائیں
طرف پہاڑی کے ساتھ گھوم گئی تھی۔

اب انہوں نے یہ سوچا کہ کسی طرح اس پہاڑی کی

دوسری جانب گھوم کر دیکھا جائے۔ کہ کہیں جہاز وہاں تو نہیں
کھڑا۔ اس کے لیے انہیں کھاڑی عبور کرنی تھی۔ ناگ نے
کہا کہ ہمیں کشتی کھینچ کر ادھر لے آنی چاہیے۔

ماریا بولی "میں تو بھوک سے نڈھال ہو رہی ہوں۔ پہلے
کھانا کھاتے ہیں۔ بعد میں کشتی کو بھی یہاں لے آئیں
گے۔ چنانچہ وہ کھانا کھانے بیٹھ گئے۔ کھانے میں خشک پھل،
خشک مچھلی کا گوشت اور باجرے کی روٹی تھی۔ پانی انہیں ایک
پہاڑی چشمے سے مل گیا۔ کھانا کھانے کے بعد وہ کچھ دیر لیٹ
کر آرام کرتے رہے۔ پھر عنبر نے کہا۔

"میں جا کر کشتی سمندر میں لے آتا ہوں"۔

ماریا نے کہا۔

"میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گی بھائی، میں ذرا سیر

کرنا چاہتی ہوں۔کھانا کھا کر میری طبیعت بوجھل ہو گئی ہے"۔

ناگ بولا۔

"تم دونوں کشتی لینے جاؤ۔میں یہاں لیٹ کر اتنی دیر آرام کرتا ہوں۔سمندر کے سفر نے مجھے تھکا دیا ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"جیسے تمہاری مرضی،ہم جلدی کشتی لے کر آ جائیں گے، تم بے شک یہاں آرام کرو،مگر کسی دوسری جگہ یہاں سے اٹھ کر نہ چلے جانا"۔

ناگ نے کہا۔

"نہیں نہیں،مجھے یہاں سے جانے کی کیا ضرورت ہے؟میں تو تمہیں اسی جگہ آرام کرتا ملوں گا،بس اب جلدی

سے کشتی لے آؤ تا کہ اس میں سوار ہو کر اپنے جہاز کو تلاش کریں"۔

"بس جا رہے ہیں"۔

عنبر اور ماریا کشتی لینے ساحل سمندر کی طرف چل پڑے۔

وہ سمندر سے کوئی دو ایک میل دور تھے۔رستہ جنگل کی جھاڑیوں اور گھنے درختوں میں سے ہو کر گزرتا تھا۔عنبر اور ماریا چلے جا رہے تھے۔گرمی بہت زیادہ تھی اور درختوں کی چھاؤں میں موٹے موٹے مچھر گردش کر رہے تھے۔ ٹہنیوں میں رنگ برنگ کے پرندے بیٹھے اپنی اپنی بولیاں بول رہے تھے۔ایک درخت پر انہیں سبز رنگ کا اژدہا نظر آیا جو لٹک رہا تھا عنبر اور ماریا اژدہا سے بچ کر آگے نکل گئے۔

پیچھے ناگ گھاس پر لیٹا بڑے مزے سے آرام کر رہا تھا۔

بڑی دیر بعد اسے جنگل میں کسی درخت کے نیچے اکیلے لیٹ کر آرام کرنے کا موقع ملا تھا۔ کھاڑی کے سمندر کی طرف سے اب ہلکی ہلکی ٹھنڈی ہوا چلنی شروع ہوگئی تھی۔ ناگ کو ٹھنڈی ہوا کے جھونکے لگے تو اسے نیند سی آنے لگی۔ اس پر غنودگی چھا گئی اور وہ سو گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ہلکے ہلکے خراٹے لے رہا تھا۔

ناگ کو سوئے تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی ایک طرف سے سرخ رنگ کا ایک بڑا ہی ظالم قسم کا موٹا تازہ سانپ جھاڑیوں میں سے نکل کر باہر آ گیا۔ شاید اسے انسانی خراٹوں کی آواز کھینچ کر باہر لے آئی تھی۔

یہ سانپ بڑا زبردست، خطرناک اور زہریلا تھا۔ یہ انسان کا جانی دشمن تھا۔ اس سانپ نے اب تک جنزل میں

12 لاش کے ٹکڑے

نہ جانے کتنے مسافروں کو ڈس کر مار دیا تھا۔

لال سانپ نے دیکھا کہ دور درخت کی چھاؤں میں ایک آدمی سو رہا ہے اور اس کے خراٹوں کی ہلکی ہلکی آواز گونج رہی ہے۔ سانپ کے دل میں انسان دشمنی جاگ پڑی۔ وہ اندر ہی اندر کھولنے لگا کہ ابھی جا کر اس انسان کو ڈسے اور ہلاک کر دے۔ اس سانپ کا زہر کا ایک خاص اثر یہ ہوتا تھا کہ اس کے ڈستے ہی انسان کا جسم پھٹ جاتا تھا اور وہ دیکھتے دیکھتے پتھر ہو کر مر جاتا تھا۔

سانپ نے ناگ کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ وہ جھاڑیوں میں سے ہوتا ہوا گھاس پر رینگتا ہوا ناگ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اتفاق کی بات تھی کہ سانپ کو ناگ کی بو محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

شاید اس لیے بھی کہ سوتے میں ناگ کے جسم سے سانپ
کی خاص بو نہیں نکلا کرتی تھی۔ ناگ بے خبر ہو کر سو رہا تھا۔
سرخ سانپ ناگ کے سرہانے کی طرف آ گیا۔ اس نے اپنا
پھن کھڑا کر لیا۔

اس موذی سانپ کا پھن سیاہ رنگ کا تھا باقی سارا جسم
لال سرخ تھا اور اس کے پھن کے اوپر کالے رنگ کے بال
نکلے ہوئے تھے۔

سانپ نے عنبر کے سر پر جھک کر اپنی سرخ آنکھوں سے
گھور کر دیکھا اور پھر اس کے اردگرد مستی میں آ کر چکر لگانے
لگا۔ عام حالات میں ناگ کو سانپوں کی خبر ہو جایا کرتی تھی۔
لیکن اس وقت وہ کچھ ایسا گھوڑے بیچ کر سویا تھا کہ اسے کچھ
ہوش ہی نہ رہا تھا۔ لال سانپ نے سوئے ہوئے ناگ کے

اردگرد چھ سات چکر کاٹے اور مستی سے جھوم جھوم کر اپنے
پھن کو لہراتا ناگ کے پاؤں کے پاس آ کر رک گیا۔

اس نے اپنا پھن اور پھیلا کر اونچا کر لیا۔ اب وہ زمین پر
ایک ستون کی طرح کھڑا اپنی سرخ آنکھوں سے ناگ کے
ننگے پاؤں کو دیکھ رہا تھا۔ یہی جگہ اس نے ڈسنے کے لیے چن
لی تھی۔

لال سانپ کی یہ عادت تھی کہ وہ جس آدمی کو ڈسنے لگتا تھا
اس کے گرد دو چار چکر ضرور لگاتا۔ پھر وہ اس کے پاؤں کی
طرف آ کر جھوم جھوم کر اپنے پھن کو ہلاتا اور پھر اس آدمی
کے پاؤں یا پنڈلی پر ڈس کر اسے موت کی نیند سلا دیتا۔

ایک انسان کو اپنے سامنے سویا ہوا دیکھ کر سانپ پاگل سا
ہو گیا۔ اس نے ایک بار اپنا پھن پیچھے کیا اور پھر لپک کر ناگ

کی پنڈلی پر ڈس دیا۔ ناگ کی اسی وقت آنکھ کھل گئی۔ لال
سانپ نے ناگ کو ڈستے ہی محسوس کر لیا تھا کہ اس سے کوئی
بہت بڑی غلطی ہوگئی ہے، کیونکہ بجائے اس کے کہ انسان پر
اس کے زہر کا اثر ہوتا۔

خود سانپ پر کسی بڑے ہی خطرناک زہر کا اثر ہونا شروع
ہو گیا تھا۔ ناگ نے آنکھیں کھول کر اپنے سامنے ایک سرخ
سانپ کو دیکھا تو اس کی آنکھیں غصے سے چمک اٹھیں۔

”لال ناگ، کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ تمہارے سامنے
ایک عام آدمی نہیں ہے بلکہ ناگ دیوتا لیٹا ہوا ہے“۔

اب لال سانپ کو بھی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا، نہ
صرف دیوتا نے اس کے سامنے اپنا آپ ظاہر کر دیا تھا بلکہ
اس پر ناگ کے زہر کا اثر بڑی تیزی کے ساتھ ہو رہا تھا۔ اس

کا جسم ڈھیلا ہو کر اکڑنے لگا تھا۔ اس نے گردن جھکا کر کہا۔

”ناگ دیوتا، میں معافی مانگتا ہوں۔ مجھ سے بھول ہو
گئی۔ میری جان بچا لو“۔

ناگ بولا۔

”اب یہ بات میرے اختیار میں نہیں ہے۔ تم مجھے ڈسنے
کی غلطی کر کے میرے خون کے زہر کو چکھ چکے ہو۔ میرے
خون کا زہر تمہاری رگ رگ میں پہنچ گیا ہے۔ اب تمہیں
اپنے کیے کی سزا بھگتنی پڑے گی“۔

اور ایسا ہی ہوا۔ لال سانپ کی حالت خراب ہونے لگی۔
وہ زمین پر تڑپنے لگا۔ اس کا بدن جگہ جگہ سے پھٹ گیا۔ اور
آخر وہ مر گیا۔ ناگ نے اس کی لاش کو اٹھا کر دور دلدل میں
پھینک دیا۔ اس نے سمند کی طرف دیکھا۔ عنبر اور ماریا ابھی

تک کشتی لے کر نہیں آئے تھے۔ ناگ نے سر درخت کے ساتھ لگایا اور آنکھیں بند کر کے ایک بار پھر سونے کی کوشش کرنے لگا۔

اب ایسا ہوا کہ کھاڑی میں جس جگہ ناگ سویا ہوا تھا۔ اس جگہ پر ایک بڑا ہی آدم خور قسم کا مگرمچھ رہتا تھا۔ وہ آج تک کتنے ہی مسافروں کو ہڑپ کر چکا تھا۔ اس مگرمچھ کی عادت تھی کہ انسان کی بو پاتے ہی اپنے ریت کے کھوہ میں سے باہر نکل آتا اور دلدل میں ایک جگہ چھپ کر تاک لگا کر بیٹھ جاتا۔ پھر موقع پا کر بجلی جیسی تیزی کے ساتھ انسان پر حملہ کر کے اسے گھسیٹ کر پانی میں لے جاتا۔

مگرمچھ بڑا خونی تھا۔ وہ اپنے کھوہ میں لیٹا ہوا تھا کہ اچانک اس کے نتھنوں میں کسی انسان کی بو محسوس ہوئی۔ اس

کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ وہ کوئی روز سے بھوکا تھا۔ انسان کی بو پا کر وہ چوکنا ہو گیا۔

اس کی بھوک تیز ہو گئی۔ وہ چپکے سے رینگ کر اپنے کھوہ سے باہر آ گیا۔ جس کی طرف سے انسان کی بو آ رہی تھی۔ وہ اس طرف کو رینگنے لگا۔ دلدلوں میں سے نکل کر اس نے جھاڑیوں کے پیچھے سے دیکھا کہ انسان پاؤں گھاس پر پھیلائے درخت کے نیچے سو رہا تھا۔ مگرمچھ کی تو عید ہو گئی۔

سویا ہوا انسان تو اس کے لیے بڑا آسان شکار تھا۔

ایسے انسان کو تو وہ بڑی آسانی سے ہڑپ کر سکتا تھا۔

مگرمچھ کی ایک عادت ہوتی ہے کہ وہ اپنے شکار کو کبھی دریا یا کھاڑی کے ساحل پر نہیں کھاتا۔ اس کا شکار خواہ انسان ہو چاہے جانور یا گائے بھینس ہو۔ وہ موقع پاتے ہیں اپنے

شکار کی ٹانگ یا گردن اپنے نوکیلے دانتوں والے جبڑے میں دبا لیتا ہے اور فوراً گھسیٹ کر پانی کے اندر لے جاتا ہے۔ پانی کے اندر لے جا کر وہ شکار کو نیچے تہہ میں لے جا کر پھر اوپر لاتا ہے اور پھر نیچے لے جاتا ہے۔

اس الٹ بازیوں سے اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ شکار مر جائے۔ جب شکار پانی ناک میں گھس جانے کے بعد مر جاتا ہے تو مگر مچھ اسے دریا کے نیچے اپنی ایک خاص کھوہ میں لے جا کر رکھ دیتا ہے۔

اگر اسے بھوک زیادہ لگی ہو تو اسی وقت چٹ کر جاتا ہے۔

اگر بھوک نہ لگی ہو تو اسے دو روز کے بعد شکار کا گوشت گل سڑ جاتا ہے تو کھاتا ہے۔

ناگ بے فکر ہو کر آرام کر رہا تھا۔ اس کے وہم و گمان

میں بھی نہیں تھا کہ یہاں کوئی مگر مچھ قسم کی چیز بھی ہو سکتی ہے۔

مگر مچھ اس وقت بڑی ہوشیاری سے رینگتا ہوا ناگ کے بالکل قریب آ گیا تھا۔ مگر مچھ کی تھوتھنی ناگ کے پاؤں کے ساتھ ہی تھی۔

مگر مچھ پوری طرح چوکس ہو گیا۔ وہ حملہ کرنے کے لیے بالکل تیار تھا، اور پھر اس نے حملہ کر دیا۔ مگر مچھ نے ایک جھٹکے سے آگے بڑھ کر اپنے بھیانک دانتوں والا جبڑا کھولا اور ناگ کے پاؤں کو اپنے دانتوں کے مضبوط پنجرے میں جکڑ لیا۔

ناگ کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اسے ٹانگ سے پکڑ کر کھینچ لیا ہو اور وہ ہڑبڑا کر جاگ پڑا۔ اتنی دیر میں مگر مچھ ناگ کو بجلی جیسی تیزی کے ساتھ گھسیٹتا ہوا کھاڑی کے پانی کے

اندر لے جا چکا تھا۔

ناگ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ اچانک کیا سے کیا ہو گیا ہے۔ ابھی تو وہ گھاس پر درخت کی چھاؤں میں آرام سے سو رہا تھا اور اب پانی کے اندر آ گیا ہے۔

مگرمچھ ناگ کو پانی میں غوطے دے رہا تھا۔ وہ کبھی اسے اوپر لے جاتا اور کبھی نیچے آتا۔ ناگ سمجھ گیا تھا کہ وہ مگرمچھ کے قابو میں آ گیا ہے۔ وہ تو بچ گھبرا گیا۔

موت اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔ وہ مر بھی سکتا تھا۔ عنبر کی طرح اس کے اندر موت کو شکست دینے کی طاقت نہیں تھی۔ بلکہ ایک بار تو وہ موت کا مزا چکھ چکا تھا۔ اگر عنبر اس کی لاش کے ٹکڑے اٹھا کر جھیل تندن سر کے پانی میں اسے نہ نہلاتا تو آج وہ زندہ نہ ہوتا۔

لیکن موت اب بھی اس کے سر پر منڈلا رہی تھی۔ بلکہ اس پر آنے ہی والی تھی۔ مگرمچھ نے اس کی ٹانگ کو اپنے جبڑے میں اس بری طرح سے جکڑ رکھا تھا کہ وہ ہزار کوشش کے باوجود اسے چھڑا نہ سکا۔ اب اس کے نتھنوں میں پانی داخل ہونا شروع ہو گیا تھا۔

اس کی آنکھوں کے سامنے تارے ناچنے لگے۔ وہ کیا کرے؟ اس خونی مگرمچھ کا مقابلہ کس طرح سے کرے؟ اچانک اسے سوجھا کہ اگر وہ سانپ بن جائے تو کم از کم اتنا ضرور ہو گا کہ اس کی جان بچ جائے گی۔ کیوں کہ سانپ پانی میں ڈوبتا نہیں ہے۔

ناگ نے ایک پل بھی ضائع نہ کیا اور زور سے پھنکاری ماری۔ پانی کے اندر اس کی پھنکار سے بلبلے سے نکلے اور مگر

مچھ نے محسوس کیا کہ شکار کی ٹانگ اس کے جبڑے سے
چھوٹ گئی ہے۔

مگرمچھ نے پانی میں ادھر ادھر دیکھا۔ وہاں کہیں بھی
انسان نہیں تھا۔ اس کا شکار نہیں تھا۔ اسے کوئی خبر نہیں تھی کہ
اس کا شکار انسان اب سانپ بن کر اس کے جبڑے کے اندر
دانتوں سے لپٹا ہوا تھا۔

ناگ سانپ کی شکل میں آ گیا تھا اور مگرمچھ کے لمبے لمبے
دانتوں کے درمیان چمٹا مگرمچھ پر حملہ کرنے کی سوچ رہا تھا۔

ناگ نے بڑی تیزی سے مگرمچھ کے تالو میں ڈس دیا۔

مگرمچھ کو پہلے تو کچھ محسوس نہ ہوا۔ مگر جب وہ اپنے شکار
کو دیکھنے کے لیے پانی کی سطح پر آنے کی کوشش کر رہا تھا
تو اسے اپنا بدن گرتا گرتا محسوس ہوا۔ پھر جیسے ایک دھماکا سا ہوا

اور مگرمچھ کا جسم پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

پانی اس کے خون سے سرخ ہو گیا تھا۔ اس وقت تک
ناگ مگرمچھ کے جبڑے سے نکل کر باہر جا چکا تھا۔ سانپ
تیرتا ہوا کنارے پر آ گیا۔ وہ کنارے کی دلدل میں رینگتا ہوا
واپس درخت کی چھاؤں میں آ گیا۔

درخت کے نیچے آتے ہی اس نے پھنکار ماری اور واپس
انسان کی صورت میں آ گیا۔ وہ الٹا لیٹ گیا اور اس کے منہ
سے پانی بہہ گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس کی طبیعت بحال ہو گئی اور وہ
اٹھ کر گھاس پر ٹہلنے لگا۔

یہ اس کی زندگی کا پہلا تجربہ تھا کہ کسی مگرمچھ نے اسے
ہڑپ کر لیا ہو اور وہ خود اس کے چنگل سے صحیح سالم جان بچا
کر نکل آیا ہو۔

تھوڑی دیر میں عنبر اور ماریا بھی کشتی لے کر وہاں آ گئے۔ ناگ نے ان دونوں کو مگر مچھ کے حملے اور اس کی موت کا واقعہ سنایا تو وہ دنگ رہ گئے۔ عنبر نے تو خدا کا شکر ادا کیا۔ ناگ کی جان بچ گئی۔

اگر ناگ آخری وقت عقل سے کام نہ لیتا تو آج وہ اس دنیا میں زندہ نہ ہوتا۔ ماریا نے بھی ناگ کی تعریف کی کہ پریشانی میں بھی اس نے اپنے ہوش کو قائم رکھا اور ہمت نہ ہاری۔

عنبر نے کہا۔

"میں تمہاری بہادری کی تعریف کرتا ہوں ناگ بھائی"۔

ناگ نے اپنی ٹانگ سہلاتے ہوئے کہا۔

"عنبر یار، اگر وقت پر مجھے جون بدلنے کا خیال نہ آتا تو یہ کم بخت خونی مگر مچھ میرا کام تمام کر گیا تھا۔ چلو اب کشتی میں بیٹھ کر اپنے جہاز کی تلاش کو نکلتے ہیں"۔

عنبر نے کہا۔

"اب شام ہو رہی ہے اور اندھیرا پھیل رہا ہے۔ بادل بھی چھانا شروع ہو گئے ہیں۔ اس وقت ہمیں جہاز دور سے نظر نہیں آئے گا۔ میرا خیال ہے، رات اس کشتی میں بسر کرتے ہیں اور صبح تلاش کا کام شروع کر دیں گے۔ کیا خیال ہے ماریا؟"۔

ماریا نے کہا۔

"تمہارا خیال ٹھیک ہے عنبر بھائی، بادل تو کالے گھر گھر کر آ رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے بڑی بارش ہونے

والی ہے۔رات ہمیں آرام کرنا چاہیے"۔

چنانچہ وہ کشتی میں اتر آئے۔انہوں نے کشتی میں چھت کے نیچے اپنے بستر لگائے اور بیٹھ گئے۔جنگل میں اندھیرا بڑھتا گیا۔سورج بادلوں کے پیچھے ڈوب گیا تھا۔اور تیز ہوائیں چلنے لگی تھیں۔بادل بھی زور زور سے گرجنے لگے اور بجلی بار بار چمک اٹھتی۔تھوڑی دیر میں موسلا دھار بارش شروع ہوگئی۔

طوفانی رات

ساری رات بڑے زور کی بارش ہوتی رہی۔

ان تینوں بہن بھائیوں کو ہم اسی جگہ چھوڑ کر ذرا سردار ہولکر ڈاکو اور اس کے گروہ کی طرف جاتے ہیں اور جا کر دیکھتے ہیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔

سردار ہولکر ڈاکو نے اس دفعہ سمندر میں جا کر کسی تجارتی جہاز پر ڈاکا ڈالنے کا پروگرام بنایا تھا۔ایک سمندری جہاز اس

کے قابو میں آ گیا تھا۔ اس نے اپنے شاگرد سے مشورہ کیا کہ
کیوں نہ اس دفعہ سمندر میں چل کر کسی بحری جہاز کو لوٹا
جائے۔

"اس طرح سے ہمیں بہت زیادہ مال اسباب اور دولت
ہاتھ آئے گی۔ تجارتی جہازوں پر بے شمار قیمتی سامان لدا ہوتا
ہے"۔

شاگرد بولا۔

"استاد قربان جاؤں تیرے دماغ کے۔ بھگوان کی قسم۔
اگر کوئی تجارتی جہاز ہاتھ لگ گیا تو وارے نیارے ہو جائیں
گے۔ اتنی زیادہ دولت ہاتھ آئے گی کہ پھر ہمیں ایک سال
تک کسی جگہ ڈاکا ڈالنے کی ضرورت نہیں رہے گی"۔

ہولکر ڈاکو نے طے کر لیا کہ ڈاکا کھلے سمندر میں جا کر

تجارتی جہاز پر ڈالا جائے گا۔ ہولکر ڈاکو کو جہاز چلانا اچھی
طرح سے آتا تھا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ اس سمندر میں اکثر
تجارتی جہاز گزرتے رہتے ہیں۔ انہیں زیادہ انتظار نہیں کرنا
پڑے گا۔

سارے ڈاکو بڑے خوش ہوئے کہ وہ اس بار سمندر میں
جا کر ڈاکا ماریں گے۔ ڈاکو ہولکر چرائے ہوئے جہاز کو کھاڑی
کے بہت اندر، پہاڑی کے پہلو میں لے گیا تھا۔ یہی وجہ تھی
کہ عنبر اور ناگ کو جہاز کہیں دکھائی نہیں دیا تھا۔

رات ہونے سے پہلے پہلے ہولکر ڈاکو نے اپنے سارے
ساتھی ڈاکوؤں کو جہاز پر سوار کر دیا۔ اس کا ارادہ تھا کہ رات کو
ہی کھاڑی سے نکل کر کھلے سمندر میں چلا جائے گا، لیکن
آسمان پر بادل گرجنے اور بجلی کڑکنے لگی۔ پھر بڑے زور کی

بارش شروع ہوگئی۔ ایسی حالت میں جہاز کو سمندر میں لے
جانا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ طوفان کا اندیشہ تھا۔

سردار کے شاگرد نے کہا۔

"استاد اس وقت سمندر میں جانا ٹھیک نہیں۔ ایسے موسم
میں طوفان کا ڈر ہوتا ہے۔ میرا خیال ہے، ہم صبح یہاں سے
چلیں گے"۔

ہولکر نے کہا۔

"ہاں، میرا خیال ہے، ہمیں طوفان کے گزر جانے کا اسی
جگہ ٹھہر کر انتظار کرنا چاہیے"۔

اب ایک طرف بادبانی جہاز میں ڈاکو اپنے سردار کے
ساتھ بارش کے طوفان میں پناہ لیے ہوئے تھے اور دوسری
طرف کھاڑی میں عنبر، ناگ اور ماریا کشتی کی چھت کے نیچے

بارش میں دبکے بیٹھے تھے۔

بارش تھی کہ تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ بجلی چمک
رہی تھی۔ بادل زور زور سے گرج رہے تھے۔ تیز ہوائیں چل
رہی تھیں۔ جنگل میں درخت بارش کے طوفان میں شائیں
شائیں کر رہے تھے۔ گرمی کا زور کم ہوگیا تھا۔ ہلکی ہلکی خنکی
ہوگئی تھی۔ کشتی کی چھت بارش کی وجہ سے ٹپکنے لگی۔ عنبر نے باہر
نکل کر چھت کے اوپر ایک ترپال اور ڈال دی۔

رات گزر گئی۔ بادلوں میں دن کی روشنی پھیل گئی۔ بارش
ابھی تک ہو رہی تھی۔ اس کا زور ٹوٹ گیا تھا۔ ہوائیں اسی
طرح چل رہی تھیں۔ سردار ہولکر ڈاکو نے اپنے شاگرد سے
کہا۔

"میرا خیال ہے، ہمیں اب کھاڑی میں سے نکل کر کھلے

سمندر میں نکل جانا چاہیے، کیونکہ ہوسکتا ہے سمندر میں پچاس میل دور ہمیں کوئی تجارتی جہاز مل جائے"۔

شاگرد بولا۔

"سردار آپ کا خیال بڑا مناسب ہے، کیونکہ ہم کب تک اس کھاڑی میں موسم کے کھلنے کا انتظار کرتے رہیں گے؟"۔

ہولکر ڈاکو نے کہا۔

"نارنگ کہاں چلا گیا ہے۔ وہ ہمارا جاسوس بھی نہیں ہے۔ یہ دونوں کہاں جا کر مر گئے ہیں؟"۔

شاگرد بولا۔

"وہ دو روز سے غائب ہیں۔ مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ جنگل میں کسی شیر نے انہیں ہڑپ کر لیا ہے"۔

ہولکر نے کہا۔

"انہیں میری اجازت کے بغیر نہیں جانا چاہیے تھا، بہر حال ہم اسی وقت سمندر کی طرف کوچ کریں گے"۔

سردار نے اعلان کر دیا کہ جہاز کا لنگر اٹھا کر بادبان کھول دیے جائیں۔ اسی وقت جہاز کا لنگر اٹھایا دبان کھول دیے گئے۔ ہوا خوب چل رہی تھی۔

بادبانوں کے کھلتے ہی ان میں ہوا بھر گئی اور جہاز نے کھاڑی میں سے سمندر کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ جہاز پہاڑی کا چکر کاٹ کر کھاڑی میں سامنے آ گیا۔ اس وقت اگر عنبر اور ناگ کشتی میں سے نکل کر باہر دیکھتے تو انہیں جہاز ضرور نظر آ جاتا۔

مگر یہ لوگ کشتی میں چھت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے۔

ناگ کسی کام کے لیے کشتی میں اوپر آیا تو اچانک کھاڑی میں
اپنے جہاز کو آتے دیکھ کر چلا اٹھا۔

"جہاز آ گیا"۔

آواز سنتے ہی عنبر اور ماریا بھی اوپر آ گئے۔ سامنے کھاڑی
میں ان کا بادبانی جہاز چلا آ رہا تھا۔ ان کے چہروں پر اپنے
جہاز کو دیکھتے ہی خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

عنبر نے کہا۔

"جہاز ضرور ڈاکوؤں کے قبضے میں آ گیا ہے۔ سارے
ڈاکو جہاز پر سوار ہوں گے"۔

ناگ بولا۔

"یہ ضرور سمندری ڈاکوؤں کے روپ میں کسی تجارتی
جہاز کو لوٹنے جا رہے ہیں"۔

ماریا نے کہا۔

"سوال یہ ہے کہ اپنے جہاز کو کس طرح سے واپس لیا
جائے؟ اتنے سارے ڈاکوؤں کا مقابلہ ہم اکیلے نہیں کر
سکتے۔ ہمیں بڑی عقل مندی سے کام لینا ہوگا"۔

عنبر بولا۔

"تمہارا کیا خیال ہے ناگ بھائی، ماریا ٹھیک کہتی ہے۔
ہم ڈاکوؤں کے ایک پورے گروہ کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ میرا
مطلب ہے، مقابلہ تو کر سکتے ہیں، لیکن اس میں تم دونوں کی
جان کو خطرہ بھی پیش آ سکتا ہے کیونکہ تم زیادہ سے زیادہ دو
چار ڈاکوؤں کو اپنے زہر سے مار سکو گے۔ ماریا اتنے ہجوم میں
اگر پھنس گئی تو اسے پکڑا جا سکتا ہے اور یہ کسی کی تلوار کے لگنے
سے زخمی بھی ہو سکتی ہے"۔

ناگ نے کہا۔

''تو پھر میرے خیال میں ہمیں چالاکی سے کام لینا ہو گا''۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

''یہی تو میں پوچھ رہا ہوں کہ وہ چالاکی کیا ہونی چاہیے کہ جس سے کام بھی نکل جائے اور خون خرابہ بھی نہ ہو''۔

ناگ نے انہیں ایک ترکیب بتائی، جسے سن کر پہلے تو وہ ہنسے اور پھر مان گئے کہ اسی ترکیب پر عمل کر کے جہاز پر قبضہ کیا جا سکتا ہے مگر مصیبت یہ تھی کہ ان کے پاس خزانہ بھی تھا خزانے کو ساتھ لے کر وہ ڈاکوؤں کے جہاز پر جانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔

ناگ نے کہا۔

''خزانے کو ہمیں اسی جگہ کہیں زمین کے اندر دبا دینا چاہیے۔ اس سے بہتر جگہ اور کوئی نہیں ملے گی۔ ہم واپس آ کر اسی جگہ سے خزانہ نکال بھی سکتے ہیں''۔

''تو پھر جلدی کرو''۔

وہ بڑی تیزی سے کشتی کو لے کر پیچھے نکل گئے۔

پیچھے دور جنگل میں ایک جگہ انہوں نے کشتی کو جھاڑیوں میں چھپا دیا۔ اور خزانے کا صندوق اٹھا کر کشتی سے نیچے اتر آئے۔ انہوں نے ایک نیلی چٹان کے دامن میں خزانے کو زمین کے اندر دبا دیا اور اوپر ایک پتھر کی نشانی رکھ دی۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ کشتی میں سوار ہوئے اور اسے لے کر کھاڑی میں اس جگہ آ گئے جہاں سے ڈاکوؤں کے جہاز کو گزرنا تھا۔

ڈاکو ہولکر جہاز کے اوپر جنگلے کے ساتھ اپنے شاگرد کے
ہمراہ کھڑا تھا۔ بارش اب تھم گئی تھی۔ بادل ابھی تک چھائے
ہوئے تھے۔ اچانک ڈاکو ہولکر نے کھاڑی میں ایک کشتی کو
اپنی طرف آتے دیکھا۔ ہولکر نے اپنے شاگرد سے کہا۔

"یہ کشتی کن کی ہو سکتی ہے؟"۔

شاگرد بولا۔

"استاد، یہ تو کوئی ماہی گیر معلوم ہوتے ہیں"۔

ہولکر بولا۔

مگر وہ تو کشتی کے اوپر کھڑے ہیں۔ ان کے پاس
مچھلیاں پکڑنے والا جال بھی نہیں ہے۔

اتنے میں جہاز کشتی کے قریب آ گیا۔ جب جہاز کشتی
کے قریب سے گزرنے لگا تو ناگ نے کشتی کے اوپر کھڑے

ہو کر آواز لگائی۔

"سردار ہولکر زندہ باد، سردار ہولکر زندہ باد، غریبوں کی مدد
کرنے والا اور امیروں کا دشمن سردار ہولکر زندہ باد"۔

اپنی تعریف سن کر ہولکر بڑا خوش ہوا۔ اس نے ناگ سے
کہا۔

"تم لوگ کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟"۔

کشتی بھی اب جہاز کے ساتھ چل رہی تھی۔ ناگ نے
کہا۔

"اے عظیم سردار ہولکر، ہم دونوں بھائی ہیں۔ ہم آپ کی
تعریف سن کر آپ کے پاس آئے ہیں۔ راجہ نے ہم پر ظلم کیا
ہے۔ اس نے ہمارے گھربار لوٹ کر ہماری زمین پر قبضہ کرلیا
ہے۔ اور ہمارے بچوں کو مار ڈالا ہے۔ ہم آپ کے گروہ میں

شامل ہوکر امیروں سے اپنی تباہی کا بدلہ لینا چاہتے ہیں"۔

عنبر بولا۔

"ہاں سردار، ہم آپ کے گروہ میں شامل ہونے آئے ہیں۔ آپ غریبوں کی ہمیشہ مدد کرتے ہیں۔ ہماری بھی مدد کریں۔ ہمیں بھی خدمت کا موقع دیں"۔

ہولکر ڈاکو نے بڑی شان اور غرور سے مسکرا کر اپنے شاگرد کی طرف دیکھا۔

"دیکھا اس ملک کے عوام مجھ سے کس قدر پیار کرتے ہیں۔ میں نہ کہتا تھا کہ میں اس ملک کا بے تاج بادشاہ ہوں"۔

شاگرد نے کہا۔

"اس میں کیا شک ہے سردار کہ آپ سے غریب لوگ

بے حد پیار کرتے ہیں۔ میرا خیال ہے، پھر بھی ہمیں ہوشیار رہنا چاہیے۔ ہمارے دشمن بھی ہمیں نقصان پہنچا سکتے ہیں"۔

سردار نے گردن اکڑا کر کہا۔

"میرا دشمن میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور پھر ان دونوں بھائیوں سے مجھے خلوص کی بو آ رہی ہے۔ میں انہیں ضرور اپنے گروہ میں شامل کرلوں گا۔ یہ امیر لوگوں کے ستائے ہوئے ہیں۔ یہ ہمارے بہت کام آ سکتے ہیں"۔

شاگرد نے کہا۔

"جیسے آپ کی مرضی سردار، آپ مالک ہیں، ہم آپ کے حکم کے غلام ہیں"۔

سردار ہولکر نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"تم دونوں بھائی ہمارے گروہ میں شامل ہو سکتے ہو"۔

اس کے ساتھ ہی سردار ہولکر نے حکم دیا کہ کشتی میں رسی کی سیڑھی پھینکی جائے۔ اسی وقت رسی کی سیڑھی لٹکا دی گئی۔ عنبر اور ناگ سیڑھی پر چڑھ کر ڈاکوؤں کے جہاز کے عرشے پر آ گئے۔

ماریا بھی ان کے پیچھے پیچھے آئی۔ اوپر آ کر انہیں محسوس ہوا جیسے وہ ایک بار پھر اپنے جہاز پر آ گئے ہیں، مگر ابھی تک جہاز ان کا نہیں تھا۔ ابھی جہاز ڈاکوؤں کے قبضے میں تھا۔ جہاز کو ڈاکوؤں کے چنگل سے چھڑانا تھا۔ وہ اسی مقصد کے لیے وہاں آئے تھے۔

جہاز سمندر میں داخل ہوا تو سردار ہولکر نے عنبر اور ناگ کو اپنے کیبن میں بلا لیا۔ اس کیبن میں عنبر اور ناگ رہا کرتے تھے۔ میز پر ان کا نقشہ اسی طرح پھیلا ہوا تھا۔ ماریا ان کے

ساتھ نہیں آئی تھی بلکہ وہ جہاز کے اوپر عرشے پر ہی ایک طرف جنگلے کے ساتھ لگ کر بیٹھی تھی۔ دوسے ڈاکو ٹولیوں میں بیٹھے ایک دوسرے سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہے تھے۔ ایک ڈاکو کہہ رہا تھا۔

"یہ دو نوجوان، جو آئے ہیں، مجھے تو کوئی جاسوس لگتے ہیں"۔

دوسرا بولا۔

"ہماری جاسوسی کرنے کی کسی کو کیا ضرورت ہے بھلا؟"۔

"کیوں ضرورت نہیں ہے؟"۔ تیسرے نے کہا۔ "کیا ہم ڈاکو نہیں ہیں۔ کیا ہم نے لوگوں کا جینا حرام نہیں کر رکھا؟ کیا ہم لوگوں کو لوٹتے اور قتل نہیں کرتے پھرتے؟ بھائی کوئی

بھی شریف آدمی ہماری جاسوسی کر کے ہمیں راجہ کے سپاہیوں
سے گرفتار کروا سکتا ہے"۔

ادھر یہ باتیں ہو رہی تھیں اور ادھر ڈاکو ہولکر عنبر اور ناگ
سے کہہ رہا تھا۔

"کیا تم دونوں بھائی ہو؟"۔

عنبر نے کہا۔

ہاں سردار، ہم دونوں بھائی ہیں، ریاست پاٹلی پتر میں
ہماری زمینیں تھیں۔ ہم کاشت کرتے تھے اور گزر بسر کرتے
تھے۔ اپنے بچوں کا پیٹ پالتے تھے۔ مگر ظالم جاگیردار نے
ہماری زمین پر قبضہ کر لیا اس نے ہمارے گھروں کو لوٹ کر
ہمارے بچوں کو ہلاک کر دیا۔

ہم اس ظلم کا بدلہ لیں گے اور میرے خدا نے چاہا تو بہت

جلد بدلہ لوں گا۔ اگر آپ کی مدد ہمارے ساتھ رہی تو ہم
جاگیرداروں کا خاتمہ کر دیں گے۔

سردار ہولکر بڑا خوش ہوا۔ کہنے لگا۔

"تمہارے نام کیا ہیں اور تم کیا کر سکتے ہو؟"۔

عنبر نے کہا۔

"سردار، میرا نام عنبر ہے اور میرے بھائی کا نام ناگ
ہے۔ میں حکیم ہوں۔ بیماریوں کا علاج کرتا ہوں اور ناگ
سانپ کے کاٹے کا منتر جانتا ہے"۔

سردار خوش ہو کر بولا۔

"یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ ہمیں تم جیسے نوجوانوں کی تو
بہت سخت ضرورت تھی۔ یہ تو بہت اچھا ہوا کہ تم خود ہی
ہمارے جہاز پر آ گئے۔

ہمارے کتنے ہی ساتھی سانپ کے ڈسنے سے مر جاتے ہیں یا بیمار ہو جاتے ہیں تو ان کا علاج کرنے والا کوئی نہیں ہوتا، کیونکہ ہم شہروں میں جا کر کھلے بندوں علاج نہیں کروا سکتے۔

عنبر بولا۔

"سردار، ہم ہر خدمت کے لیے حاضر ہیں۔ اب آپ کے جہاز پر کوئی شخص بیمار نہیں پڑے گا۔ اگر بیمار پڑ بھی گیا تو میں اسے علاج کر کے اچھا کر دوں گا"۔

شاگرد کو ابھی تک عنبر اور ناگ پر شک تھا۔ اس نے کہا۔

"میرے دانت میں کل سے درد ہو رہا ہے۔ اگر تم میرے درد کا علاج کرو۔ تو میں ابھی تمہیں مان جاؤں گا"۔

عنبر نے کہا۔

"ہاتھ کنگن کو آرسی کیا؟ ابھی علاج کر کے درد کو دور کیے دیتا ہوں"۔

عنبر نے شاگرد کے دانت کو غور سے دیکھا اور بولا۔

"کیا اس جہاز پر سے مجھے لہسن مل جائے گا؟"۔

شاگرد نے کہا۔

"ابھی منگوائے دیتا ہوں"۔

اس نے ایک ڈاکو کو حکم دیا کہ باورچی خانے میں سے لہسن لایا جائے۔ اسی وقت ایک تھالی میں رکھ کر لہسن لایا گیا۔ عنبر نے لہسن کا چھلکا اتار کر اور پھر اسے کچل کر شاگرد کے دانت کے اوپر لگا دیا۔

تھوڑی دیر بعد دانت کا درد غائب ہو گیا۔ اصل میں عنبر نے یہ ہوشیاری کی تھی کہ تھوم کی پلٹس رکھتے ہوئے اس نے

زور سے دانت کے پھولے ہوئے مسوڑھے کو دبا کر گندہ مواد
خارج کر دیا تھا۔ شاگرد ڈاکو کے دانت کا درد تھوڑی دیر بعد
دور ہو گیا۔ سردار ہولکر نے خوش ہو کر کہا۔

"کیوں، اب تو ہمارے شاہی حکیم کو تم مان گئے ہو
ناں؟"۔

"ہاں سردار، میں مان گیا ہوں، میرا دانت اب بالکل
درد نہیں کرتا، صرف دوائی رکھتے ہوئے بڑا سخت درد ہو رہا
تھا"۔

سردار ہولکر نے عنبر سے کہا۔

"آج سے تم ہمارے گروہ کے شاہی حکیم ہو۔ تم دونوں
نیچے باورچی خانے کے ساتھ والے کیبن میں اپنا ڈیرہ لگا سکتے
ہو۔ تمہیں ہمارے ساتھ ڈاکا نہیں ڈالنا ہوگا۔ نہ تم کسی کو

ہلاک کرو گے۔ ہم ڈاکا ڈالیں گے۔ ہم لوگوں کو ہلاک کریں
گے۔ تمہارا کام صرف دوائیاں تیار کرتے رہنا اور بیماروں کا
علاج کرنا ہوگا۔ اب تم جا سکتے ہو"۔

عنبر اور ناگ سلام کر کے خوش خوش نیچے آ گئے۔

ماریا ابھی تک اوپر عرشے پر جنگلے کے ساتھ لگی بیٹھی تھی۔
اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا مگر وہ خود سب کو دیکھ رہی تھی۔ کیبن
میں آ کر عنبر اور ناگ نے ماریا کو آوازیں دیں۔ جب کوئی
جواب نہ آیا تو عنبر ناگ کو کیبن میں چھوڑ کر ماریا کی تلاش میں
اوپر عرشے پر آ گیا۔

باورچی خانے میں بھوت

ماریا نے عنبر کو اوپر آتے دیکھا تو وہ خود اس کے پاس آ گئی۔

ماریا نے پوچھا۔

"کیا ہوا پھر؟"۔

عنبر نے آہستہ سے کہا۔

"نیچے باورچی خانے کے ساتھ والے کیبن میں آ

جاؤ"۔

دونوں سیڑھیاں اتر کر نیچے چلے گئے۔ کیبن میں آتے ہی عنبر نے ماریا کو بتایا کہ ان کا بہروپ بڑا کامیاب رہا ہے اور ہولکر ڈاکو نے ان دونوں کو ڈاکوؤں کا شاہی حکیم بنا دیا ہے اور یہ کیبن بھی رہنے کے لیے دے دیا ہے۔ ماریا نے مسکرا کر کہا۔

"خدا کی شان ہے، ہمارا کیبن ہمیں ہی دے رہا ہے یہ کم بخت"۔ ننگ بولا۔

"کبھی کبھی زندگی میں ایسا بھی ہو جاتا ہے ماریا۔ اب تم دیکھنا کہ یہ جہاز اس کیبن سمیت بہت جلد پھر ہمارا ہو جائے گا"۔

ماریا نے کہا۔

''لیکن اس کے لیے ہمیں بڑی محنت کرنی ہوگی۔ کم بخت ایک ایک کر کے ان سارے ڈاکوؤں سے پیچھا چھڑانا ہوگا۔ کتنے سارے تو ہیں کہاں ان سے چھٹکارا حاصل کریں گے۔''

عنبر بولا۔

''تم پریشان بہت جلد ہو جاتی ہو ماریا، بس یہی ایک تم میں کمزوری ہے۔ نہیں تو تم ہماری بڑی بہادر بہن ہو۔''

ماریا نے کہا۔

''میں پریشان خواہ مخواہ نہیں ہو رہی۔ بات ہی ایسی ہے۔ کب ان ڈاکوؤں سے پیچھا چھوٹے گا اور کب ہم یہاں سے اپنا جہاز لے کر بغداد اور بصرے کی طرف چلیں گے۔ پھر کب وہاں پہنچیں گے۔ ایک طرح سے تو یہاں اب ہمارا

وقت ہی ضائع ہو رہا ہے۔''

ناگ نے کہا۔

''کبھی کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے ماریا بہن، بہر حال اب ہمیں اس بات پر غور کرنا ہے کہ جہاز پر قبضہ کن کن صورتوں میں کیا جا سکتا ہے؟''

عنبر بولا۔

''ایک طریقہ تو یہ ہے کہ ان سارے ڈاکوؤں کو ہلاک کر دیا جائے یہ سارے کے سارے قاتل ہیں۔ ان میں سے ہر ایک نے کم از کم دس دس بارہ بارہ آدمیوں کو قتل کیا ہوگا۔ اس لیے انہیں قتل کرتے ہوئے ہمیں کوئی افسوس نہیں ہوگا، لیکن یہ ترکیب ذرا مشکل ہے۔ ہو تو سکتا ہے مگر زیادہ وقت لگے گا۔''

ناگ نے کہا۔

"دوسری ترکیب کون سی ہے بھائی عنبر؟"۔

عنبر بولا۔

"دوسری ترکیب یہ بھی ہو سکتی ہے کہ میں سردار ہولکر پر اپنا اثر ڈال کر اسے یہ لالچ دے کر بصرے بغداد کی طرف لے چلوں کہ ادھر تجارتی جہاز زیادہ ملتے ہیں اور وہاں ہمیں زیادہ دولت ملے گی"۔

ماریا نے کہا۔

"اور اگر سردار ہولکر کسی وجہ سے راضی نہ ہوا تو پھر ہم کیا کریں گے؟"۔

عنبر بولا۔

"میرا خیال ہے کہ وہ راضی ہو جائے گا"۔

ماریا نے پوچھا۔

"میں کہتی ہوں فرض کرتے ہیں کہ وہ راضی نہیں ہوتا۔ پھر ہمیں کیا کرنا ہوگا؟ کیا ہم ساری زندگی پھر اسی جہاز پر ڈاکے ڈالتے گزار دیں گے؟"۔

عنبر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

نہیں، ایسا نہیں ہوگا۔ پھر ہم انتظار کریں گے۔ ہم موقع کی تلاش میں رہیں گے کہ اگر کبھی یہ ڈاکو لوگ کسی جگہ سارے کے سارے جزیرے یا کسی خشکی پر اتر گئے تو ہم جہاز کو لے کر بھاگ جائیں گے۔

"کیا خیال ہے۔ ہم ایسا کر سکیں گے ناں؟"

ناگ نے کہا۔

"ایسا ہم کر تو سکتے ہیں، لیکن ہمیں بڑی پھرتی سے کام لینا

ہوگا، کیوں کہ یہ ڈاکو لوگ بڑے زبردست تیراک ہوتے ہیں اور بادبانی جہاز ساحل کے پاس زیادہ رفتار سے نہیں چلا کرتا۔ یہ لوگ سمندروں میں چھلانگیں لگا کر بھی جہاز پر سوار ہو سکتے ہیں۔

عنبر نے کہا۔

"ایک بار ہم جہاز کو لے اڑے تو پھر دیکھا جائے گا۔ جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ یقین کرو، پھر ہم ان کے قابو میں نہیں آئیں گے"۔

ماریا کہنے لگی۔

"پھر ٹھیک ہے۔ ہم موقع کی تلاش میں رہیں گے، لیکن اس وقت مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ کیا یہاں کھانے کو کچھ نہیں ملے گا؟"۔

عنبر نے کہا۔

"جہاں تک میرا خیال ہے، کھانا دوپہر کو یہاں بانٹا جاتا ہے۔ ابھی دوپہر نہیں ہوئی۔ تمہیں انتظار کرنا ہوگا"۔

ماریا سر ہلا کر بولی۔

"بھوک سے میری جان نکلی جا رہی ہے۔ میں زیادہ انتظار نہیں کر سکتی۔ ہاں ٹھیک ہے۔ تم لوگ کیبن میں ہی ٹھہرو میں باورچی خانے میں جا کر کھانے کا انتظام کر لیتی ہوں۔ بلکہ اگر تم لوگوں کو بھوک لگی ہو تو تمہارے لیے بھی کچھ نہ کچھ لیتی آؤں گی"۔

عنبر نے کہا۔

"نہیں ماریا، ہمیں ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ اب ہم اس کے گروہ کے ساتھ ہیں۔ ہمیں دوسرے ڈاکوؤں کے ساتھ

ہی کھانا کھانا چاہیے۔ ہاں تم جا کر کھانا کھا سکتی ہو، کیوں کہ تم
تو کسی کو دکھائی ہی نہیں دیتیں"۔

ماریا جاتے ہوئے بولی۔

"ٹھیک ہے، میں جا رہی ہوں"۔

ناگ نے کہا۔

"جا تو تم رہی ہو مگر ذرا خبردار رہنا۔ یہ ڈاکو لوگ بڑے
خطرناک ہوتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا راز کھل
جائے"۔

ماریا بولی۔

"فکر نہ کرو ناگ بھائی میں ان لوگوں سے زیادہ
خطرناک ہوں"۔

عنبر اور ناگ ہنس پڑے۔

ماریا چپکے سے کیبن سے باہر نکل گئی۔ اس جہاز سے وہ
اچھی طرح واقف تھی۔ آخر یہ ان کا اپنا جہاز رہ چکا تھا۔ وہ
کیبن میں سے نکل کر سیدھی باورچی خانے میں پہنچی۔ یہاں
ڈاکوؤں کے لیے دوپہر اور رات کا کھانا تیار ہو رہا تھا۔ بڑی
خوشبوئیں اڑ رہی تھیں۔

آگ کی انگیٹھیوں پر گوشت بھونا جا رہا تھا۔ باورچی
روٹیاں اور چاول پکا رہے تھے۔ ایک موٹا پھولے ہوئے
گالوں والا گول گپا باروچی کھانا بھی پکا رہا تھا۔ اور ساتھ
ساتھ گا بھی رہا تھا۔

دوسرے باروچی اس کی طرف دیکھ کر ہنس رہے تھے۔

ایک نے کہا۔

"رامو، اتنا زیادہ مت گاؤ۔ کہیں پری اس طرف آ گئی تو

مصیبت آ جائے گی“۔

رامو نے کھی کھی کر کے ہنستے ہوئے کہا۔

”دوستو! کاش سچ مچ کوئی پری یہاں آ جائے۔ بھگوان قسم اسے ایسے ایسے لذیذ کھانے کھلاؤں گا کہ بس وہ تو میرے گھر کا پانی بھرے گی ساری عمر“۔

ماریا ایک طرف کھڑی ان کی باتیں سن رہی تھی اور اس سوچ میں تھی کہ کیا کھائے؟ لکڑی کی لمبی سی میز پر ایک تھالی میں کچھ چاول پڑے تھے۔

موٹے باورچی نے دیگچی اتار کر میز پر رکھی اور اس میں سے گوشت کے کباب نکال نکال کر تھال میں رکھنے لگا۔

کبابوں کی خوشبو نے ماریا کی بھوک اور تیز کر دی۔ وہ میز کے قریب آ گئی۔

موٹا باورچی ساتھ ساتھ گا بھی رہا تھا۔ اور تھالی میں کباب بھی ڈال رہا تھا۔ اس کے ساتھی نے کہا۔

”کم بخت، یہ کباب کس کے لیے ڈال رہا ہے؟“۔

موٹا بولا۔

”اپنے لیے اور کس کے لیے؟ کیا مجھے اتنا بھی حق نہیں ہے کہ اپنے بنائے ہوئے کباب چکھ لوں؟ بھائیو، میں تم لوگوں سے موٹا ہوں۔ مجھے بھوک زیادہ لگتی ہے۔ میں تو یہ سارے کباب پہلے خود چٹ کروں گا“۔

موٹا باورچی چولہے کی طرف گھوما ہی تھا کہ ماریا نے کبابوں کی تھالی اٹھا کر اپنے ہاتھ میں پکڑ لی تھی۔

تھالی اس کے ہاتھ میں جاتے ہی غائب ہو گئی کسی کو خبر نہ ہوئی تھی کہ تھالی میز پر سے غائب ہو چکی ہے۔ موٹے

باورچی نے دیگچی واپس چولہے پر رکھی اور بڑے شوق سے
تھالی میں سے کباب چٹ کرنے کے لیے میز کی طرف گھوما۔
اس کے پیٹ میں بھی چوہے دوڑ رہے تھے۔ جوں ہی
اس کی میز پر نظر پڑی۔ وہاں کبابوں والی تھالی کہیں بھی
نہیں تھی۔ اس نے گھوم کر دوسرے باورچیوں کی طرف دیکھا
اور بولا۔

"دوستو! میرے ساتھ چاہے جتنا مذاق کر لیا کرو مگر
بھگوان کے لیے کھانے پینے میں مذاق نہ کیا کرو۔ تمہیں تو
معلوم ہی ہے کہ میں موٹا آدمی ہوں۔ مجھے بہت زیادہ بھوک
لگتی ہے۔ کھانا میری کمزوری ہے۔ مہربانی کر کے میرے
کبابوں کی تھالی واپس کر دو۔"

تینوں باورچی موٹے رامو کو طرف حیرانی سے دیکھتے

ہوئے بولے۔

"ہمیں کالی ماتا کی قسم ہے کہ ہم نے تمہاری تھالی کو ہاتھ
تک نہیں لگایا"۔

موٹا باورچی رامو بولا۔

"تو پھر یہاں سے تھالی اٹھا کر کون لے گیا۔ ابھی تو
میں نے خود اسے یہاں رکھا تھا؟"۔

ماریا ایک طرف کونے میں لگی بڑے مزے سے کباب
کھا رہی تھی۔ باورچی تھالی کو تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ موٹا
باورچی سر کھجانے لگا۔ اس نے سوچا کہ ہو سکتا ہے وہ غلطی پر
ہو۔ ایک نے کہا۔

"یار رامو، تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ میرا خیال ہے تم نے
کباب تھالی میں نہیں رکھے تھے"۔

رامو پیٹ پر ہاتھ پھیر کر بولا۔

"شاید تم لوگ ٹھیک کہہ رہے ہو۔ نہیں تو یہ کیسے ہو سکتا تھا
کہ میں تھالی میں کباب ڈال کر میز پر رکھوں اور وہ غائب ہو
جائیں۔ کبھی زندگی میں ایسا نہیں ہوا۔ اچھا میں اور کباب
ڈالتا ہوں"۔

موٹے باورچی نے دیگچی میں سے چار کباب نکالے اور
میز پر رکھی تھالی میں ڈال دیے۔ اس نے ایک کباب منہ میں
رکھا اور سر ہلا کر بولا۔

واہ واہ، میں بھی کتنا عمدہ باورچی ہوں۔ بھگوان قسم ایسے
کباب بنائے ہیں کہ اگر کوئی بادشاہ اسے چکھ لے تو مجھے اپنا
آدھا ملک انعام میں دے دے۔

ارے کم بختو، میں تو شاہی باورچی بننے کے لائق تھا کہ تم

ڈاکوؤں میں آن شامل ہوا۔ میری قدر کرو۔ مجھ سے سیکھ لو
کباب بنانے۔ ایسے کباب تم لوگوں نے زندگی میں بھی نہیں
کھائے ہوں گے"۔

دوسرا کباب منہ میں رکھ کر موٹا باورچی چولہے کی طرف
گھوم گیا اور چپاتیاں پکانی شروع کر دیں۔ اتنے میں ماریا کی
تھالی کے کباب ختم ہو گئے تھے۔ اس کی بھوک نہیں مٹی تھی۔
اس نے آگے بڑھ کر باورچی کی تھالی میں رکھے باقی دونوں
کباب اٹھا کر اپنی تھالی میں رکھ لیے۔

اب جو باورچی کباب کھانے کے لیے میز کی طرف آیا تو
وہاں تھالی خالی تھی۔

وہ بڑا اسٹ پٹایا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو برا بھلا کہنا
شروع کر دیا کہ یہ سب ان کی شرارت ہے۔

"کم بخت، تم مجھے پیٹ بھر کر کھاتے نہیں دیکھ سکتے۔ تم تو میری جان کے دشمن ہو، میرے کباب بھی تم لوگوں نے ہی ہڑپ کیے تھے۔ اب بھی تم ہی میرے باقی کباب کھا گئے ہو"۔

سب باورچیوں کے کانوں پر ہاتھ لے جا کر کہا۔

"ہمیں کالی ماتا کی قسم ہے کہ ہم نے تمہارے کبابوں کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔ ہم اس سے بڑی قسم بھی نہیں کھا سکتے"۔

رامو بولا۔

"تو پھر۔۔۔ تو پھر کباب کون لے گیا؟"۔

وہ سارے کے سارے ادھر ادھر تلاش کرنے لگے، لیکن کباب بھلا اڑ کر کہاں جا سکتے تھے۔ موٹا باورچی صبر کر کے بیٹھ گیا۔ اب دوسرے باورچی نے پکے ہوئے چاول ایک

تھالی میں ڈالے اور اوپر شوربہ ڈال کر دیگچہ چولہے پر رکھنے لگا تو واپس پلٹ کر کیا دیکھتا ہے کہ چاولوں کی تھالی بھی غائب ہے۔

اب تو وہ لوگ گھبرا گئے۔ ماریا کونے میں کھڑی بڑے مزے سے چاول کھا رہی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر میز پر رکھا ہوا پانی کا ایک کٹورہ اٹھا لیا اور پانی پینے لگی۔

موٹے باورچی نے میز پر سے کٹورہ اپنے آپ اوپر اٹھتے اور پھر غائب ہوتے دیکھا تو اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس نے چیخ کر کہا۔

"کٹورہ غائب ہو گیا۔ میری آنکھوں کے سامنے غائب ہو گیا"۔

دوسرے باورچیوں نے پوچھا۔

"کہاں؟ کہاں غائب ہوگیا؟"۔

"ابھی ابھی میری آنکھوں کے سامنے غائب ہوگیا ہے بھائیو، میں قسم کھاتا ہوں۔ میں نے ایک پانی سے بھرے ہوئے کٹورے کو یہاں سے اپنے آپ اٹھتے اور غائب ہوتے دیکھا ہے"۔

ایک باورچی بولا۔

"مگر۔۔۔مگر یہ کیسے ہوسکتا ہے رامو؟"۔

رامو بولا۔

"ہوا ہے، کالی ماتا کی قسم غائب ہوا ہے"۔

اتنے میں ماریا نے پانی پی کر کٹورہ واپس میز پر رکھ دیا۔ میز پر آتے ہی کٹورہ پھر سے ظاہر ہوگیا۔ کٹورے کو دوبارہ میز پر دیکھ کر موٹا باورچی چیخ پڑا۔

"ارے کٹورہ پھر سے واپس آ گیا۔ وہ دیکھو، یہ جادو ہے۔ یہ جادو ہے۔ یہاں ضرور کوئی روح پھر رہی ہے"۔

موٹا باورچی ڈر کر باہر بھاگنے لگا تو ماریا کو شرارت سوجھی۔ اس نے آگے بڑھ کر باورچی کے آگے ٹانگ کر دی۔ وہ اچھل کر منہ کے بل گرا۔

"بھوت، بھوت، بھوت!"

وہ چیختا ہوا باہر نکل گیا۔ دوسرے باورچی بھی ڈر کر ایک طرف کو دبک گئے۔ ماریا نے بڑے مزے سے کھانا کھا کر پانی پیا اور باورچیوں کو حیران پریشان چھوڑ کر باہر چلی گئی۔ موٹا باورچی اوپر عرشے پر بھوت بھوت کا شور مچاتا اچھل کود کر رہا تھا۔

شور سن کر سردار ہولکر باہر آ گیا۔ اس نے ڈانٹ کر کہا۔

"اے کم بخت، کیوں شور مچا رہا ہے؟"۔

موٹا راموہاتھ جوڑ کر بولا۔

"حضور مائی باپ، رسوئی میں بھوت گھس آیا ہے سرکار۔
میں نے خود دیکھا ہے"۔

سردار نے پوچھا۔

"کیا مطلب؟ تم نے اپنی آنکھوں سے بھوت دیکھا
ہے؟"۔

رامو بولا۔

"بھوت نہیں دیکھا حضور، پر بھوت کو میز پر سے کبابوں
کی تھالی اور چاولوں کی تھالی اٹھاتے ان آنکھوں سے دیکھا
ہے۔ سرکار باورچی خانے میں بھوت گھس آیا ہے حضور"۔

سردار ہولکر نے آگے بڑھ کر راموموٹے کے سر پر زور

سے دھپ ماری۔

"بزدل تمہیں تو چوڑیاں پہن کر گھر میں بیٹھنا چاہیے تھا۔
خدا جانے تمہیں کون یہاں لے آیا تھا۔ جاؤ بھاگ جاؤ یہاں
سے۔ اگر پھر تم نے بھوت کا نام لیا تو اٹھا کر سمندر میں پھینک
دوں گا۔ چل بھاگ جا یہاں سے"۔

موٹا باورچی بھاگ گیا۔ شور سن کر عنبر اور ناگ بھی اوپر آ
گئے۔ انہیں تو خوب معلوم تھا کہ یہ سارا کام شرارتی ماریا کا
ہے۔ سردار ہولکر ڈاکو نے عنبر کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"اے ہمارے شاہی حکیم، ان لوگوں کا کوئی علاج کرو۔
بد بخت کہتے ہیں کہ باورچی خانے میں بھوت گھس آیا ہے۔
ذرا جا کر دیکھو تو سہی کہ بھوت اس وقت کیا کر رہا ہے؟"۔

"بہت بہتر سرکار"۔

ناگ نے عنبر کو ساتھ لیا اور جھوٹ موٹ باورچی خانے میں جا کر تلاشی لینی شروع کر دی ماریا وہاں سے جا چکا تھی۔ ماریا نے باورچی خانے میں آ کر عنبر اور ناگ کے کان میں کہا۔

"یہ شرارت میری تھی"۔

"ہمیں معلوم ہے"۔ دونوں نے سرگوشی میں کہا۔

"تم کیبن میں جا کر آرام کرو۔ ہم ابھی آتے ہیں"۔

ماریا ابھی باہر ہی تھی کہ موٹے باورچی نے عنبر اور ناگ کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"گورو دیو، میری بات پر اعتبار کریں۔ میں جھوٹ نہیں بول رہا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے کبابوں کی تھالی اور پانی کا کٹورہ غائب ہوتے دیکھا ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"ہم تمہاری بات پر اعتبار کرتے ہیں رامو، تم فکر نہ کرو۔ بھوت جہاں کہیں بھی ہوگا۔ ہم اسے وہاں سے نکال کر ہی دم لیں گے"۔

"مائی باپ آپ سلامت رہیں۔ بس میرے باورچی خانے سے بھوت نکال دیں۔ مجھے اور کچھ نہیں چاہیے"۔

عنبر بولا۔

"ہم بھوت نکال دیں گے۔ تم یوں سمجھ لو کہ بھوت یہاں سے نکل گیا ہے۔ اب تم آرام سے کھانا تیار کرو۔ بھوت تمہیں پھر آ کر تنگ نہیں کرے گا"۔

عنبر اور ناگ واپس کیبن میں آ گئے۔

ماریا وہاں بیٹھی ہنس رہی تھی۔ عنبر نے کہا۔

"ماریا بہن، تم نے تو اس موٹے پر ایسی دہشت طاری کر دی ہے کہ وہ تو باورچی خانے میں جاتے ہوئے ڈرتا تھا۔ وہ تو ہم نے اسے تسلی دی اور وہ اندر جا کر کام کرنے لگا"۔

"بڑا کمزور دل ہے عنبر بھائی وہ باورچی"۔

تھوڑی دیر بعد وہاں کھانا آ گیا۔ نوکر نے کہا۔

"سردار نے کہا ہے کہ کھانا کھانے کے بعد آپ اس کے پاس جائیں"۔

"کیا ہم دونوں کو بلایا ہے سردار نے؟"۔ عنبر نے پوچھا

"ہاں سرکار"۔

کھلے سمندر میں

کھانا کھا چکنے کے بعد عنبر اور ناگ سردار ہولکر کے پاس آ گئے۔

دوپہر ہو چکی تھی۔ جہاز کھاڑی میں سے نکل کر کھلے سمندر میں سفر کر رہا تھا۔ ڈاکو ہولکر کو بحری سفر کا بڑا تجربہ تھا۔ جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔

وہ سات آٹھ سال تک سمندری ڈاکوؤں کے ساتھ رہ

چکا تھا۔عنبر نے جا کر دیکھا کہ وہ نقشے کے مطابق جہاز کو
بالکل ٹھیک چلا رہا تھا۔وہ کیبن میں اپنے شاگرد خاص کے
ساتھ میز پر جھکا نقشے کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔عنبر اور
ناگ اس کے قریب جا کر کھڑے ہو گئے۔تھوڑی دیر بعد
سردار نے عنبر سے کہا۔

''عنبر، مجھے تم سے ایک مشورہ لینا ہے۔یہ بتاؤ کہ کبھی تم
نے پہلے بھی ان سمندروں میں سفر کیا ہے؟''۔

عنبر نے کہا۔

''ایک بار میں افریقہ جاتے ہوئے ادھر سے گزرا تھا
سردار''۔

سردار نے کہا۔

''تمہارے خیال میں اس موسم میں ادھر سے سوداگروں

کے جہاز گزرا کرتے ہیں؟''۔

عنبر نے کہا۔

جہاں تک میرا تجربہ کہتا ہے سردار، ادھر سے بارشوں کے
موسم میں سوداگروں کے تجارتی جہاز نہیں گزرا کرتے۔ہاں،
کبھی کبھی کوئی مسافر جہاز ضرور دکھائی دے جاتا ہے''۔

سردار نے شاگرد سے کہا۔

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم بے فائدہ ادھر آن نکلے
ہیں''۔

شاگرد بولا۔

''ایسا نہیں سردار۔مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ اس موسم
میں بھی اس سمندر میں تجارتی جہاز سامان لے کر افریقہ سے
ہندوستان آیا کرتے ہیں جو موتیوں کی تجارت کرتے ہیں''۔

شاگرد ٹھیک کہہ رہا تھا۔ عنبر نے جان بوجھ کر سردار سے
غلط کہا تھا کہ ادھر تجارتی جہاز اس موسم میں نہیں آتے۔
اصل میں وہ سردار کو بصرے کی طرف لے جانا چاہتا تھا۔
چنانچہ اس نے جھٹ کہا۔
"سردار، خلیج فارس کی طرف اس موسم میں بھی تجارتی
جہاز چکر لگایا کرتے ہیں۔ یہ جہاز بڑے دولت مند
سوداگروں کے ہوتے ہیں جو موتیوں کی تجارت کرتے
ہیں"۔
دولت اور موتیوں کا ذکر سن کر ڈاکو ہولکر کی آنکھیں چمک
اٹھیں۔
"کیا تم سچ کہتے ہو کہ ان جہازوں پر قیمتی موتی
ہیں؟"۔

"ہاں سردار، میں نے ایسے ایک جہاز پر سفر بھی کیا
ہے"۔
"پھر ہمیں خلیج فارس کے سمندر کی طرف رخ موڑنا
چاہیے"۔
اس پر شاگرد بولا۔
"سردار، ابھی ہمیں فارس کے سمندر کی طرف نہیں جانا
چاہیے وہ یہاں سے کافی دور ہے اور پھر وہ سمندر بڑا طوفانی
ہے۔ وہاں اکثر اس موسم میں طوفان آتے رہتے ہیں"۔
سردار نے شاگرد سے پوچھا۔
"پھر تمہارا کیا خیال ہے؟"۔
شاگرد نے کہا۔
"میرا تو خیال ہے کہ ہمیں اس سمندر میں کل تک ضرور

کوئی نہ کوئی شکار مل جائے گا۔ہمیں کل تک انتظار کرنا چاہیے۔اس کے بعد سوچ لیں گے کہ کہاں جائیں؟"۔

"ہاں،میرا خیال ہے، یہ بات درست معلوم ہوتی ہے ہم دو ایک دن ان ہی سمندروں میں گھومیں گے۔اگر قسمت اچھی ہوئی تو ضرور کوئی نہ کوئی شکار مل جائے گا"۔

شاگرد باہر چلا گیا۔ اب سردار نے عنبر اور ناگ سے باتیں شروع کر دیں۔ وہ باورچی خانے کے بھوت کے بارے میں باتیں کرنے لگا۔

"تم نے دیکھا وہاں جا کر عنبر؟ کیا وہاں کوئی بھوت تھا کہ وہ موٹا یوں ہی شور مچا رہا تھا؟"۔

عنبر نے کہا۔

نہیں سردار، وہاں کوئی بھوت نہیں تھا۔ موٹے کو وہم

ہو گیا تھا۔

میں نے اس کا وہم نکال یا ہے۔ بھلا اس جہاز پر کوئی بھوت کیسے آ سکتا ہے۔

سردار نے کہا۔

"یہی تو میں بھی کہہ رہا تھا۔ہم سے زیادہ اور کون بھوت ہوگا؟"۔

دنیا کے کسی بھوت میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ میرا مقابلہ کر سکے۔میں تو بھوت کی بھی گردن اڑا دوں۔

ناگ نے کہا۔

"کیوں نہیں سردار آپ بہت بہادر ہیں"۔

ناگ نے بھی سردار کی تعریف کرنی شروع کر دی۔عنبر اور ناگ یہی چاہتے تھے کہ سردار کی تعریف کر کے اسے خوش

رکھیں اور پھر اس سے اپنی مرضی کے مطابق کام لے
سکیں۔انہیں پوری پوری امید تھی کہ وہ سردار کو جہاز کا رخ خلیج
فارس کی طرف موڑنے پر مجبور کر دیں گے۔شاگرد بیچ
میں رکاوٹ ڈال رہا تھا۔ناگ نے کہا۔

''اگر اس شخص نے زیادہ مخالفت کی تو اسے ختم کرنا ہی
پڑے گا''۔

عنبر نے کہا۔

''اگر تم اسے سانپ بن کر ڈس بھی دو تو پھر علاج بھی
تمہیں ہی کرنا ہوگا۔اگر تم کامیاب علاج نہ کر سکے تو سردار کا
اعتماد جاتا رہے گا''۔

ناگ نے کہا۔

''شاگرد کو میں ختم نہیں کروں گا بلکہ ماریا سے کام لیں

گے''۔

''ٹھیک ہے مگر پہلے ہمیں سردار کو راضی کرنے کی ایک
اور کوشش کرنی چاہیے۔میں خواہ مخواہ کسی انسان کا خون نہیں
بہانا چاہتا''۔

''جیسے تمہاری مرضی عنبر بھائی، میں خود خون خرابے سے
نفرت کرتا ہوں، لیکن سارے ڈاکوؤں کو ہلاک کر کے جہاز
پر قبضہ کرنے سے بہتر ہے کہ ایک شاگرد کا کام تمام کر کے
جہاز کا رخ اپنی مرضی کے مطابق موڑ کر اس پر قبضہ کر لیا
جائے''۔

''اچھا دیکھتے ہیں حالات کون سا رخ اختیار کرتے
ہیں''۔

رات کا کھانا بھی انہوں نے کیبن میں ہی بیٹھ کر کھایا۔

عنبر جا کر ماریا کے لیے ایک تھالی چاولوں کی باورچی
خانے سے اٹھا لایا تھا۔ ماریا خود جانا چاہتی تھی، لیکن عنبر نے
اسے روک دیا کہ خواہ مخواہ جہاز پر بھوت کا چرچا نہ ہونے
لگے۔

ابھی اس کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ ماریا کھانا کھا کر کونے
میں لیٹ گئی۔ عنبر اور ناگ باتیں کرنے لگے۔ پھر ناگ بھی سو
گیا۔ عنبر کو ابھی نیند نہیں آ رہی تھی۔

وہ کیبن میں سے نکل کر اوپر جہاز کے عرشے پر آ گیا۔
عرشے پر ڈاکو ادھر ادھر لیٹے آرام کر رہے تھے۔ عنبر کونے
میں عرشے کے جنگلے کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔

آسمان پر ستارے چمک رہے تھے۔ سمندر پر دور تک
اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ عنبر اکیلا ہی غور کرنے لگا کہ اگر سردار کسی

بھی جزیرے یا ملک کے ساحل پر نہ گیا تو وہ کب تک سمندر
میں آوارہ گردی کرتے رہیں گے؟۔

پھر اس نے سوچا کہ کیوں نہ جہاز کے سارے ڈاکوؤں کو
بغاوت پر آمادہ کیا جائے؟ مگر ایسا ہونا مشکل تھا، کیونکہ ڈاکو
اپنے سردار کے بڑے وفادار تھے۔ وہ اس کا ہر حکم ماننا اپنا
فرض سمجھتے تھے۔

سردار ہولکر کا شاگرد راستے میں رکاوٹ ڈال رہا تھا۔ وہ
ہولکر کو خلیج فارس کے سمندر کی طرف جانے سے روک رہا تھا
مگر عنبر اسے بھی ہلاک کرنا نہیں چاہتا تھا۔

وہ تو صرف یہ چاہتا تھا کہ کسی طرح سے اسے اس کا جہاز
واپس مل جائے۔ اور وہ ملک عرب کی مسلمان سلطنت میں جا
کر وہاں کے مسلمانوں سے ملے اور ان سے باتیں کرے،

کیونکہ اس نے مسلمانوں کی بے حد تعریف سن رکھی تھی۔ سوچ
سوچ کر عنبر کا سر چکرانے لگا۔

اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کون اس راستہ
اختیار کرے۔

زندگی میں وہ کبھی اتنے چکر میں نہیں پھنسا تھا کہ اس کا
دماغ بھی پریشان ہو جائے۔ اس کا سر بوجھل ہو گیا۔ وہ
سونے کے لیے واپس پلٹا ہی تھا کہ سامنے والی سیڑھیوں کے
دروازے میں اسے سردار ہولکر نظر آیا۔ اس نے بھی عنبر کو دیکھ
لیا تھا، وہ مسکراتا ہوا اس کی طرف بڑھا۔

"کیا بات ہے حکیم عنبر؟ تمہیں نیند نہیں آ رہی؟ تمہارا
ساتھی تو میرا خیال ہے سو گیا ہے"۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں سردار، میرا بھائی سو گیا ہے۔ مجھے شاید اس لیے
نیند نہیں آ رہی کہ صبح کو میں کچھ دیر کے لیے سو گیا تھا"۔

سردار ہولکر نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ عنبر کے قریب آ کر
جنگلے پر جھک کر کھڑا ہو گیا اور سمندر کو دیکھنے لگا جس پر ستاروں
کی ہلکی ہلکی روشنی پڑ رہی تھی۔

سمندر کی بڑی بڑی لہریں اٹھ کر جہاز سے ٹکرا کر واپس جا
رہی تھیں۔ ہوا خوب تیز تھی اور جہاز بڑی اچھی رفتار سے جا
رہا تھا۔

عنبر نے کہا۔

"سردار، ابھی تک تو کوئی جہاز نظر نہیں آیا"۔

سردار بولا۔

"میرا خیال ہے، کل ضرور ہمیں کوئی نہ کوئی شکار مل جائے

گا۔ میرا شاگرد غلط نہیں کہتا۔ وہ دس پندرہ برس تک ان
سمندروں میں جہاز رانی کرتا رہا ہے''۔

پھر اچانک عنبر کی طرف پلٹ کر بولا۔

''حکیم عنبر، یہ بتاؤ کہ کیا تم بھوت پریت پر اعتبار کرتے
ہو؟''۔

عنبر کے لیے یہ سوال بڑا اچانک تھا۔ وہ سوچنے لگا۔
سردار ہولکر نے یہ اچانک سوال کیسے کر دیا ہے؟ اس نے کہا۔

''کچھ ہے۔ کچھ نہیں بھی ہے۔۔۔ لیکن سردار آپ کو یہ
بات کیسے سوجھی؟ کیا آپ بھوتوں پر یقین رکھتے ہیں؟''۔

سردار قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

''پاگل آدمی، میں خود ایک بھوت ہوں۔ جنگل کا بھوت
سمندر کا بھوت میرے نام سے لوگ تھر تھر کانپتے ہیں۔ میں

ہندوستان کا سب سے بڑا ڈاکو، سب سے بڑا بھوت
ہوں۔ مجھ سے بڑا بھوت اس سارے ملک میں کوئی نہیں
ہے۔ بھلا میں کیسے کسی بھوت پر یقین کر سکتا ہوں''۔

ٹھیک اس وقت ماریا اوپر عرشے پر آ گئی۔ اس کی گرمی کی
وجہ سے آنکھ کھل گئی تھی اور وہ ٹھنڈی ہوا لینے جہاز کے عرشے
پر آ گئی تھی۔

ماریا نے عنبر کو سردار کے ساتھ باتیں کرتے دیکھا تو وہ
خاموشی سے عنبر کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے آہستہ
سے عنبر کے کان میں کہا۔

''گرمی بہت ہے نیچے، میری آنکھ کھل گئی''۔

عنبر نے ماریا کو کوئی جواب نہ دیا۔ سردار ہولکر اونچی آواز
میں کہہ رہا تھا۔

زندگی میں ایک بار میں نے ایک بھوت کے بارے میں
سنا تھا کہ وہ درخت پر رہتا ہے۔ میں اس درخت کے پاس
گیا۔ میں نے بھوت کو زور زور سے للکارا کہ نیچے آؤ اور مجھ
سے مقابلہ کرو۔

مگر بھوت ڈر گیا۔ اس نے مجھ سے مقابلہ نہ کیا۔ میں
نے اس کا درخت ہی کٹوا کر دریا میں بہا دیا۔ اس کے بعد سے
لے کر آج تک کسی بھوت میں اتنی جرات نہیں ہوئی کہ
میرے ساتھ مقابلہ کرنے کا خیال بھی دل میں لا سکے۔

عنبر نے شرارت سے کہا۔

"یہ موٹا باورچی تو کہہ رہا تھا کہ اس نے اپنی آنکھوں
سے پانی کا کٹورہ میز پر سے غائب ہوتے دیکھا ہے"۔

سردار نے ایک اور زوردار قہقہہ لگایا۔

لاش کے ٹکڑے

"وہ تو الو کا پٹھہ ہے۔ وہ انسان نہیں جانور ہے۔ صرف
جانور ہی بھوت سے ڈرتے ہیں۔ اگر اس جہاز پر کوئی بھوت
ہے تو پھر وہ میرے سامنے آئے۔ میں دیکھتا ہوں کہ وہ مجھ
سے بڑا بھوت ہے کہ میں اس سے بڑا بھوت ہوں"۔

ماریا کو سردار کی بکواس اور ڈینگیں مارنے پر سخت غصہ آیا۔
وہ تو ماریا کی بے عزتی کر رہا تھا۔ اس نے پیچھے سے آ کر
سردار ہولکر کے کندھے پر زور سے ایک مکا مارا اور پیچھے ہٹ
گئی۔ سردار ہولکر نے چونک کر پیچھے دیکھا۔

"کون تھا یہ بدتمیز؟"۔

عنبر نے آہستہ سے پوچھا۔

"کیا ہوا سردار؟"

"کسی نے میرے کندھے پر مکا مارا ہے"۔

عنبر سمجھ گیا کہ یہ شرارت ماریا کی ہے۔ اس نے کہا۔

”سردار، میرا خیال ہے کہ ہم بھوتوں کی باتیں کر رہے تھے۔ ضرور کوئی بھوت ہماری باتیں سن کر یہاں آ گیا ہے۔ ہمیں نیچے کیبن میں چلے جانا چاہیے“۔

سردار ہولکر نفرت سے تھوک کر بولا۔

”ارے بہت دیکھے ہیں، میں نے ایسے بھوت۔۔۔ اب اگر اس نے کچھ کیا تو میں اس کی جان ہی نکال دوں گا“۔

وہ ابھی باتیں کر ہی رہا تھا کہ ماریا نے بڑے زور سے جوتا اتار کر ڈاکو ہولکر کے سر پر دے مارا۔ جوتا سر پر لگنے کی آواز عنبر نے بھی سنی۔ ڈاکو ہولکر تڑپ کر پرے ہٹ گیا۔

”میں قتل کر دوں گا تمہیں اے بھوت، کم بخت میرے

سامنے تو تم چھپ چھپ کر حملہ کیوں کر رہا ہے۔ ذرا سامنے تو آ۔۔۔ اگر مرد ہے تو سامنے آ“۔

ماریا کو اب ایک اور شرارت سوجھی۔ اس نے ذرا پرے بیٹھے ہوئے ایک ڈاکو کے کان میں زور سے کر کیا۔ ڈاکو ہڑبڑا کر اٹھا اور چیختا ہوا نیچے بھاگ گیا۔

سردار ہولکر نے چلا کر کہا۔

”خبردار، کوئی بھی بھوت سے نہ ڈرے“۔

اب ماریا نے سردار کے کان کے پاس آ کر پورا زور لگا کر کر کا نعرہ لگایا۔

ایک بار تو ڈاکوؤں کا سردار بھی اچھل کر گر پڑا۔ ماریا ہنستی ہوئی نیچے چلی گئی۔ اس کی ہنسی کی آواز دوسرے ڈاکوؤں کے علاوہ سردار ہولکر نے بھی سنی تھی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے

عنبر کی طرف دیکھنے لگا۔

"یہ۔۔۔یہ تو کوئی عورت بھوت ہے"۔

"ہاں سردار' قہقہے کی آواز میں نے بھی سنی تھی۔ میرا خیال ہے ہمیں نیچے چلے جانا چاہیے"۔

سردار ہولکر بھی کچھ کچھ گھبرا سا گیا تھا۔ وہ ادھر ادھر دیکھتا ہوا عنبر کے ساتھ سیڑھیاں اترتا نیچے اپنے کیبن میں آ کر بستر پر لیٹ گیا۔

ماریا اپنے کیبن میں جا کر سو گئی تھی۔ ڈاکو ہولکر حیران تھا کہ یہ عورت کے ہنسنے کی آواز اسے کدھر سے سنائی دی تھی؟

طوطے کا بھوت

صبح اٹھ کر عنبر نے ماریا سے رات کی بات کی تو وہ ہنس پڑی۔

عنبر نے ناگ کو بھی بتایا کہ رات ڈاکو ہولکر بھوتوں سے نہ ڈرنے کی بڑی ڈینگیں مار رہا تھا۔ مگر ماریا کی ہنسی کی آواز سن کر وہ بھی گھبرا گیا اس پر ناگ نے سنجیدہ ہو کر کہا۔

"اس بات سے میرے دماغ میں ایک خیال آیا ہے"۔

عنبر نے پوچھا۔

"کون سا خیال آیا ہے۔ کچھ ہمیں بھی تو بتاؤ"۔

ناگ بولا۔

"ہم ماریا سے بڑا کام لے سکتے ہیں"۔

ماریا نے کہا۔

"مثلاً کون سا کام؟"۔

ناگ کہنے لگا۔

"مثلاً یہ کہ تمہارے بھوت کی مدد سے ہم یہ سارا جہاز خالی کرا سکتے ہیں۔ آج کی بات سے ثابت ہو گیا ہے کہ اوپر اوپر سے تو سردار ہولکر بھوتوں کے خلاف بولتا ہے مگر دل میں وہ بھوتوں سے ڈرتا ہے"۔

"پھر کیا کریں؟"۔ عنبر نے پوچھا۔

98 لاش کے ٹکڑے

ناگ سر کھجا کر کہنے لگا۔

ہم یہ کر سکتے ہیں کہ ماریا میدان میں نکل آئے اور جگہ جگہ اپنی شرارتیں شروع کر دیں۔ سارے ڈاکوؤں میں ایک خوف پھیل جائے گا۔

یوں ایک روز ماریا ڈاکو ہولکر کے کیبن میں جا کر اسے بھی ڈرا سکتی ہے۔ اس طرح سے ہمارا کام جلدی ختم ہو سکتا ہے اور ہم وقت سے پہلے جہاز خالی کروا کر اس پر قبضہ جما سکتے ہیں۔

عنبر نے سوچ کر کہا۔

ترکیب تو بڑی اچھی ہے ناگ، مگر اس میں دو باتوں کی مصیبت ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اس میں ماریا کو بڑی زیادہ جھک جھک کرنی پڑے گی اور اس میں اس کی جان کو

خطرہ بھی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہمیں ان ڈاکوؤں کو اتنا نرم دل نہیں سمجھنا چاہیے کہ وہ ایک بھوت کی وجہ سے سارا جہاز خالی کر کے بھاگ جائیں گے۔

آخر یہ لوگ ساری زندگی دہشت ناک جنگلوں اور آسیبی کھنڈروں میں رہتے آئے ہیں۔ یہ اتنی جلدی شکست نہیں کھا سکتے، بلکہ ہو سکتا ہے کہ الٹا ماریا کو ہی کسی نہ کسی طرح قابو میں کر لیں۔ پھر ہم کیا کریں گے؟۔

بات بڑی معقول تھی۔ ناگ نے اپنی ترکیب واپس لے لی۔

دوسری طرف ڈاکو ہولکر بھی بیدار ہو گیا تھا اور وہ اپنے کیبن میں شاگرد سے باتیں کر رہا تھا۔ اس نے شاگرد کو رات

بھوت کی ہنسی کی بات سنائی تو وہ کچھ فکرمند سا ہو کر کہنے لگا۔

"سردار، مجھے دال میں کچھ کالا کالا دکھائی دیتا ہے"۔

ڈاکو ہولکر نے پوچھا۔

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"۔

شاگرد بولا۔

"میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ جو دو نئے نوجوان عنبر اور ناگ ہماری ٹولی میں آ کر شامل ہوئے ہیں۔ مجھے ان پر شک ہے۔

ہولکر نے کہا۔

"کس قسم کا شک ہے تمہیں ان پر۔ یہ دونوں حکیم قسم کے لوگ ہیں۔ عنبر نے تو ہمارے ایک ساتھی کے دانت کا درد بھی غائب کر دیا تھا۔ ناگ سانپ کے کاٹے کا علاج جانتا ہے۔

مجھے تو ان سے کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوتا''۔

شاگرد نے کہا۔

''سردار، آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ میں ہاتھ کی لکیروں کا علم بھی جانتا ہوں۔ کل جب عنبر آپ سے باتیں کر رہا تھا تو میں نے اس میں نے اس کے ہاتھ کی لکیریں دیکھیں تو حیران رہ گیا''

سردار نے کہا۔

''کیوں، اس کے ہاتھ کی لکیروں میں حیران ہونے والی کون سی بات تھی؟''۔

شاگرد بولا۔

''اس کے ہاتھ پر زندگی کی لکیر اتنی تھی کہ میں نے آج تک کسی آدمی کی ایسی لکیر نہیں دیکھی۔ یہاں تک کہ اس آدمی

کے ہاتھ کی لکیر بھی اتنی لمبی نہیں جو سو برس تک زندہ رہتا ہے''۔

سردار نے پوچھا۔

''تم کہنا کیا چاہتے ہو؟''۔

''میرا خیال ہے، سردار کہ یہ لوگ کوئی پر اسرار لوگ ہیں۔ ان کا تعلق کسی بھوتوں کی دنیا سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کل رات تمہیں ایک عورت کی ہنسی کی آواز آئی تھی، حالاں کہ عورت وہاں کوئی بھی نہیں تھی''۔

سردار ہولنگ بھی سوچ میں پڑ گیا۔

''کہتے تم کسی حد تک ٹھیک ہو، لیکن اب یہ کس طرح ثابت ہو کہ یہ لوگ سچ مچ بھوت ہیں''۔

شاگرد بولا۔

میرا مطلب یہ نہیں کہ دونوں حکیم بھوت ہیں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ ان کا بھوتوں سے ضرور تعلق ہے۔ اس لیے ہمیں ان کو اپنے جہاز سے اتار دینا چاہیے۔ نہیں تو ہمیں سخت نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں۔

اب سردار ہولکر بھی چپ ہو گیا۔ اسے کچھ یقین سا ہونے لگا۔ عنبر اور ناگ سچ مچ کوئی پراسرار لوگ ہیں اور بھتوں سے ان کی گہری دوستی ہے۔ اس اعتبار سے یہ دونوں انہیں نقصان پہنچا سکتے تھے۔

اس نے شاگرد سے کہا۔

”اگر تمہیں یقین ہے کہ یہ لوگ بھوت ہیں اور ہمارے جہاز کو نقصان پہنچا سکتے ہیں تو میں انہیں ابھی جہاز پر سے اتار دیتا ہوں“۔

شاگرد نے کہا۔

”مجھے سو فیصد یقین ہے، ہمیں جلد سے جلد ان دونوں کو جہاز سے اتار دینا چاہیے۔ جہاز پر ایک فالتو کشتی موجود ہے۔ ہمیں ان دونوں کو اس کشتی میں سوار کروا کر سمندر میں چھوڑ دینا چاہیے“۔

سردار نے کہا۔

”تمہیں یقین ہے کہ ایسا کرنے سے جہاز پر آنے والی آفت دور ہو جائے گی؟“۔

شاگرد بولا۔

سردار، میرا دل بار بار کہہ رہا ہے کہ ہمیں شکار بھی اسی لیے نہیں مل رہا کہ یہ دونوں ہمارے جہاز پر سوار ہیں۔ آپ دیکھ لیں۔ جوں ہی ہم نے ان دونوں کو جہاز پر سے اتارا،

ہمیں شکار مل جائے گا"۔

سردار بولا۔

اگر تمہیں یقین ہے کہ ایسا کرنے سے ہمیں شکار مل جائے گا تو میں ابھی ان دونوں کو جہاز پر سے نیچے پھینک دیتا ہوں۔

شاگرد نے کہا۔

"نہیں، ہمیں ایسا بھی نہیں کرنا چاہیے۔ ہمیں انہیں کشتی میں بٹھا کر سمندر کی لہروں کے حوالے کر دینا چاہیے"۔

سردار نے کہا۔

"مگر ہم یہ خطرہ مول نہیں لے سکتے۔ ہمارے پاس ایک ہی کشتی ہے۔ اگر کہیں ایسا وقت آ گیا کہ ہمیں جہاز چھوڑنا پڑا تو ہم کونسی کشتی پر سوار ہوں گے"۔

شاگرد نے کہا۔

"تو پھر ہم انہیں ایک تختے پر بٹھا کر سمندر میں اتار دیتے ہیں۔ ایسے چھ سات تختے جہاز کے عرشے پر پڑے ہوئے ہیں"۔

سردار نے ہاں کر دی۔ وہ شاگرد کی باتوں میں آ گیا۔

شاگرد کو اصل میں عنبر اور ناگ سے اس لیے خار تھی کہ جب سے وہ دونوں جہاز پر آئے تھے۔ انہوں نے سردار کی نظروں میں بڑی اہمیت حاصل کر لی تھی۔ سردار اب شاگرد کی طرف کم توجہ دینے لگا تھا۔ یہ بات شاگرد کو ہرگز قبول نہیں تھی۔

چنانچہ اس نے یہی ترکیب سوچی کہ ان دونوں پر بھوتوں کے دوست ہونے کا الزام لگا کر جہاز سے چلتا کیا

جائے۔خوش قسمتی سے سردار نے ماریا کے قہقہے کی آواز بھی سن لی۔

شاگرو نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور سردار کے کان اس طرح سے بھرے کہ وہ عنبر اور ناگ کو سمندر میں اتارنے پر راضی ہوگیا۔

سردار کے لیے کسی آدمی کو سمندر میں پھینک دینا یا قتل کر دینا کوئی بڑی بات نہیں تھی۔اس نے اسی وقت عنبر اور ناگ کو جہاز کے عرشے پر بلایا اور کہا۔

مجھے وہم ہوگیا ہے کہ تم لوگوں کا تعلق بھوتوں سے ہے اور صرف تمہاری وجہ سے ہمیں سمندر میں کوئی ایسا جہاز نہیں مل رہا جس کو لوٹ کر ہم مال ودولت حاصل کرسکیں۔

اس لیے میں نے یہ فیصلہ کیا کہ تم دونوں کو جہاز سے اتار

دیا جائے۔میں تمہارے ساتھ صرف اتنی رعایت کروں گا کہ تمہیں سمندر میں پھینکنے کی بجائے ایک تختے پر سوار کراکر لہروں کے حوالے کردوں۔

نہیں تو میں تمہیں ابھی اسی وقت سمندر میں دھکا بھی دے سکتا تھا۔

ڈاکو ہولکر کی یہ بات سن کر عنبر اور ناگ حیران رہ گئے۔ ویسے وہ فوراً سمجھ گئے کہ یہ ساری کارستانی شاگرد کی ہے، کیونکہ وہ ان دونوں سے دشمنی رکھتا تھا۔پھر بھی عنبر نے سردار سے کہا۔

"سردار، تمہیں ہمارے بارے میں کسی نے غلط بتایا ہے۔نہ ہم بھوت ہیں اور نہ ہمارا تعلق بھوتوں سے ہے۔ہم سیدھے سادھے انسان ہیں اور بیماروں کا علاج کرتے

ہیں"۔

سردار نے کہا۔

"اگر تم عام انسان ہو تو تمہارے ہاتھ پر عمر کی لکیر اتنی لمبی کیوں ہے۔ تم یقیناً بھوتوں کی دنیا سے آئے ہو اور میرے جہاز کے لیے بہت منحوس ہو"۔

ناگ کہنے لگا۔

سردار، اگر ہمارا تعلق بھوتوں سے ہوتا تو ہمیں کیا ضرورت تھی کہ تمہارے جہاز پر آتے۔ پھر تو ہم جہاں چاہے جا سکتے تھے۔

سردار غصے میں بولا۔

"میں کچھ نہیں سننا چاہتا۔ تمہیں میرے حکم کی تعمیل کرنی ہوگی"۔

اس کے ساتھ ہی سردار نے حکم دیا کہ ان دونوں کو تختے پر بٹھا کر سمندر میں اتار دیا جائے۔ ڈاکوؤں نے دونوں کو پکڑ کر تختے پر بٹھایا اور تختہ رسے کی مدد سے سمندر میں اتار دیا۔ یہ سب کچھ اتنی جلدی ہوگیا کہ عنبر اور ناگ کو سنبھلنے کا موقع ہی نہ ملا۔

ماریا کو بھی کانوں کان خبر نہ ہوئی کہ عنبر اور ناگ کے ساتھ کیا قیامت گزر گئی ہے۔ اس وقت اگر عنبر اور ناگ چاہتے تو سارے جہاز کو آگ لگا سکتے تھے۔

مگر چونکہ ماریا جہاز پر ہی تھی۔ اس لیے وہ ایسا بھی نہیں کر سکتے تھے۔ وہ تختے پر بیٹھے سمندر کی لہروں پر ہچکولے کھا رہے تھے اور جہاز ان سے دور ہوتا جا رہا تھا۔

ناگ نے عنبر سے کہا۔

"عنبر بھائی، یہ کیا ہو گیا ایک دم سے، خدا کی قسم ہمارے
ساتھ آج تک کسی نے ایسا زبردستی سلوک نہیں کیا۔ نہ جانے
تم کیوں خاموش رہے۔ میں تو اب بھی سانپ بن کر سردار کو
ہلاک کر سکتا ہوں"۔

عنبر بولا۔

"ایسا کرنا تمہارے لیے خطرناک ہوگا۔ اگر تم سانپ
بن کر جہاز پر چلے گئے تو ڈاکو تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے"۔

ناگ نے کہا۔

"لیکن ماریا کو ہم کس طرح بتائیں کہ ہمارے ساتھ کیا
ہو گیا ہے؟ ہم تو بے یارو مددگار کر کے سمندر میں اکیلے چھوڑ
دیے گئے ہیں۔ اگر شارکوں نے ہم پر حملہ کر دیا تو کم از کم میں
تو زندہ نہیں بچ سکوں گا"۔

عنبر بھی سوچ میں پڑ گیا۔ ماریا کو خبر کرنی بھی بہت
ضروری تھی۔ آخر اس نے ایک ترکیب سوچ کر ناگ سے
کہا۔

"ناگ، تم ایسا کرو کہ کسی پرندے کا روپ دھار کر جہاز
پر واپس جاؤ اور جا کر اسے ہمارے بارے میں خبر کر دو"۔

ناگ نے کہا۔

"میں ابھی جا کر ماریا کو اطلاع کر دیتا ہوں مگر اس سے
کیا ہوگا۔ ہم ماریا کو یہاں نہیں لا سکتے اور خود بھی واپس ماریا
کے پاس نہیں جا سکتے"۔

عنبر نے کہا۔

"یہ ساری باتیں ہم بعد میں سوچ لیں گے۔ اس وقت تو
تم جا کر ماریا کو اطلاع کر دو۔ نہیں تو وہ بے حد پریشان ہو

گی"۔

ناگ نے اسی وقت ایک طوطے کا روپ بدلا اور اڑتا ہوا جہاز پر پہنچ گیا۔ وہ مستول کے بانس پر جا کر بیٹھ گیا۔ ڈاکوؤں نے طوطے کو دیکھا تو بڑے حیران ہوئے، کیونکہ بھرے سمندر میں اتنی دور طوطا کبھی نہیں آیا کرتا۔

طوطے جہاز کے ساتھ ساتھ سمندر میں کبھی سفر نہیں کیا کرتے۔ انہوں نے طوطے پر تیر چلائے۔ طوطا اڑ کر جہاز کی دوسری طرف چلا گیا۔ وہ بھی سمجھ گیا کہ ڈاکو اسے ہلاک کرنے کی فکر میں ہیں۔ طوطا پچھلی طرف سے آ کر عرشے پر رکھی ہوئی بوریوں کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا۔

ڈاکو یہ سمجھ کر اپنے اپنے کام میں لگ گئے کہ طوطا ان میں سے کسی کا تیر کھا کر سمندر میں ڈوب کر ہلاک ہو گیا ہے۔

ناگ طوطے کی شکل میں بوریوں کے پیچھے چھپا انتظار کرنے لگا کہ ماریا کسی کام سے اوپر آئے تو وہ اسے خبر کرے کہ ان کے ساتھ کیا گزر گئی ہے۔

ماریا اپنے کیبن میں لیٹی آرام کر رہی تھی۔ اس کا خیال کہ عنبر اور ناگ اوپر عرشے پر ہوں گے۔ اتنے میں کسی نے باہر سے کیبن کا دروازہ کھولا۔ وہ اٹھ کر کونے میں سمٹ کر کھڑی ہو گئی۔

سردار ہولکر کا شاگرد اپنے ایک ساتھی کے ہمراہ کیبن میں داخل ہوا۔ دونوں مسکرا رہے تھے اور کیبن میں بچھے ہوئے بستر کو نفرت سے دیکھ رہے تھے۔ شاگرد نے ساتھی سے کہا۔

"کالی ماتا نے مجھے فتح دی ہے۔ اب وہ دونوں بد بخت بھائی عنبر اور ناگ اس بستر پر کبھی نہیں سوئیں گے"۔

ماریا کا دل اچھل کر اس کے حلق کے قریب آ گیا۔ اس
کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ عنبر اور ناگ کے ساتھ ان
لوگوں نے کیا سلوک کیا ہے۔ وہ اب یہ جاننے کے لیے بے
تاب ہو گئی۔ اس سے زیادہ دیر انتظار نہ کرنا پڑا۔
شاگرد کا ساتھی بولا۔
"لیکن سرکار، آپ نے بھی کمال کر دکھایا۔ سردار کے
کان عنبر اور ناگ کے بارے میں ایسے ابھرے کہ اس نے
آپ کی مرضی کے مطابق دونوں کو تختے پر بٹھا کر سمندر میں
اتار دیا"۔
ہائیں، تو کیا عنبر اور ناگ کو سمندر میں اتار دیا گیا ہے۔ وہ
کہاں ہوں گے؟ کس حال میں ہوں گے۔
شاگرد نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"میں اپنی سازش میں کامیاب ہو گیا ہوں لیکن میں نے
ان دونوں بھائیوں پر رحم کیا ہے۔ نہیں تو میرے کہنے پر سردار
انہیں قتل کر کے ان کی لاشیں سمندر میں بھی پھینک سکتا تھا"۔
ماریا کو شاگرد ڈاکو پر بے حد غصہ آیا۔ وہ کیبن سے نکل کر
جلدی سے عرشے پر آ گئی۔ وہ سمندر پر عنبر اور ناگ کو دیکھنا
چاہتی تھی۔
عرشے کے جنگلے پر کھڑی ہو کر اس نے پیچھے نگاہ دوڑائی تو
اسے ایک تختہ نظر آیا جس پر ایک آدمی دکھائی دے رہا تھا۔ یہ
عنبر تھا۔
ماریا نے سوچا۔ ناگ کہاں ہے؟ ابھی وہ سوچ ہی رہی
تھی کہ اچانک ایک طوطا اس کے قریب آ کر جنگلے پر بیٹھ گیا۔
"تم۔۔۔ تم کون ہو؟ کیا تم ناگ بھائی ہو؟"۔

طوطے نے اپنی گردن ہلائی۔ ماریا نے طوطے کو اپنے
ہاتھ میں لے لیا۔ طوطا اس کے ہاتھ میں آتے ہی غائب ہو
گیا۔ ایک ڈاکو طوطے کو جنگلے کی رسی پر بیٹھے دیکھ رہا تھا۔
اب جو اس نے دیکھا کہ رسی پر بیٹھا بیٹھا طوطا ایک دم
غائب ہو گیا ہے تو وہ چکر کھا گیا۔ اس نے اپنی آنکھیں زور
زور سے ملیں اور سر کو جھٹکا دے کر پھر رسی کی طرف دیکھا۔
وہاں طوطا نہیں تھا۔

وہ ڈاکو سر کو پکڑ کر وہاں سے بھاگ گیا۔

ماریا طوطے کو لے کر نیچے کیبن میں آ گئی۔ شاگرد اور اس
کا ساتھی کیبن کو باہر سے کنڈی لگا کر جا چکے تھے۔ ماریا نے
کنڈی کھولی اور طوطے کو اندر لے کر کیبن میں آ گئی۔ اس
نے دروازہ بند کر لیا۔

طوطا ایک دم سے پھر سے ناگ کی شکل میں آ گیا۔ اس
نے سارا قصہ ماریا سے بیان کر دیا۔ ماریا نے پوچھا۔

"کیا تم دونوں اب تختے پر سمندر میں سفر کر رہے ہو؟"۔

ناگ نے کہا۔

"ہم اس کے سوا اور کر بھی کیا سکتے ہیں۔ ہم دونوں اکیلے
سمندر میں تختے پر بیٹھے چلے جا رہے ہیں۔ میں تمہیں اس
لیے خبر دینے آ گیا کہ تم پریشان نہ ہو جاؤ"۔

ماریا نے کہا۔

"اب کیا ہو گا؟ تم لوگ واپس جہاز پر کیسے آؤ گے؟"۔

ناگ بولا۔

"وقت آنے پر ہم جہاز پر بھی آ جائیں گے۔ اس وقت
تو ہمیں ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم ایک دوسرے سے

تعلق رکھیں۔ تمہیں معلوم ہوتا رہے کہ ہم سفر کر رہے ہیں اور
ہمیں یہ خبر رہے کہ تم کس حال میں ہو؟"۔
ماریا نے کہا۔
"اس سے تو کہیں بہتر تھا کہ ہم جہاز کو آگ لگا دیتے"۔
ناگ نے کہا۔
نہیں ماریا، ہم اپنا اتنا بڑا نقصان نہیں کر سکتے۔ ہمیں
جہاز کی بہت ضرورت ہے۔
ہاں، اب ہم پوری کوشش کریں گے کہ ان ڈاکوؤں کو
جہاز پر سے نکال کر باہر پھینک دیا جائے۔
ماریا نے کہا۔
"عنبر سلامبو کی لاش سے کیوں مدد نہیں طلب کرتا؟"۔
ناگ نے کہا۔

"عنبر سلامبو کی لاش سے مدد نہیں لینا چاہتا۔ وہ کہتا ہے
کہ خدا نے اسے اتنی طاقت دی ہے کہ وہ خود ہی ڈاکوؤں
سے نمٹ سکے۔ وہ سلامبو کی لاش کا احسان نہیں اٹھانا چاہتا۔"
ماریا نے کہا۔
"تو پھر اب کیا ہوگا؟"۔
"بس اب یہی ہوگا کہ ابھی تم اسی جہاز پر سفر کرو اور خبر
دار رہو۔ ہم تختے پر سفر کرتے رہیں گے۔ میں تمہیں آ کر
اطلاع کرتا رہوں گا کہ ہم کہاں ہیں۔ اتفاق سے ہمارا تختہ
تمہارے جہاز کے پیچھے پیچھے تمہاری طرف کو ہی سفر کر رہا
ہے۔ اچھا اب میں جاتا ہوں۔ عنبر اکیلا ہوگا"۔
ناگ باہر جانے کے لیے مڑا ہی تھا کہ باہر سے کسی نے
دروازہ کھول دیا۔

رومن جنگی جہاز

ایک ڈاکو اندر آ گیا۔

یہ ڈاکو اس کیبن میں سے کچھ چیزیں اٹھانے کے لیے آیا تھا، کیوں کہ اسے تو معلوم تھا کہ کیبن خالی ہے۔ اس نے جو ناگ کو دیکھا تو حیرت سے اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

ابھی دو گھنٹے پہلے اس کی آنکھوں کے سامنے ناگ عنبر

کے ساتھ تختے پر بیٹھ کر سمندر میں اتر گیا تھا۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ سمندر میں سے نکل کر واپس کیبن میں آ جائے۔ ابھی اس کی حیرانی دور نہیں ہوئی تھی کہ ناگ نے زور سے سانس کھینچا اور پھر سے طوطا بن کر ڈاکو کے سر کے اوپر سے پھڑ پھڑاتا ہوا باہر کو اڑ گیا۔

ڈاکو چیخ مار کر باہر کو بھاگ گیا۔

اس نے سردار ہولکر کو جا کر سارا قصہ سنایا تو وہ خود کیبن میں آیا اس نے چاروں طرف ایک ایک شے دیکھی۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔

ماریا اس وقت عرشے پر کھڑی ناگ کو طوطے کی شکل میں اڑتے دیکھ رہی تھی۔ سردار ہولکر کے ساتھ اس کا مکار شاگرد بھی تھا۔ اس نے ڈاکو سے کہا۔

"کیا تم نے خود ناگ کو یہاں دیکھا تھا؟"۔

ڈاکو بولا۔

"مجھے کالی ماتا کی قسم ہے سردار، میں نے اپنی آنکھوں سے ناگ کو اس جگہ کھڑے دیکھا ہے جہاں اس وقت آپ کھڑے ہیں"۔

شاگرد بولا۔

"دیکھا سردار، میں نہ کہتا تھا کہ یہ لوگ بھوتے ہیں اور بھوتوں سے ان کی گہری دوستی ہے۔ اب آپ نے خود دیکھ لیا کہ کس طرح ناگ طوطا بن کر یہاں آیا اور پھر اڑ کر واپس چلا گیا"۔

سردار نے کہا۔

"مجھے تو پہلے ہی شک تھا کہ طوطا اتنی دور سمندر میں کہاں

سے آسکتا ہے"۔

پھر سردار گہری سوچ میں پڑ گیا اور سر اٹھا کر بولا۔

"اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ یہ لوگ اگر بھوت ہیں تو ہمارے جہاز کو نقصان پہنچا سکتے ہیں"۔

اس بات پر شاگرد نے بھی غور نہیں کیا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ اگر ناگ اور عنبر کی ان کے خیال کے مطابق بھوتوں سے دوستی تھی تو وہ ڈاکوؤں کے جہاز کو نقصان پہنچا سکتے تھے۔

شاگرد پریشان سا ہو گیا۔ سردار پر ناگ کے طوطا بن کر اڑ جانے کا اثر ہو رہا تھا۔ اس نے کہا۔

"کہیں یہ لوگ میرے جہاز پر تباہی نہ پھیلا یں۔ میں نے ان لوگوں کو جہاز سے اتار کر اچھا کام نہیں کیا"۔

شاگرد نے جھٹ کہا۔

"سردار اگر آپ انہیں جہاز پر سے نہ اتارتے تو وہ ہمیں یہاں رہ کر زیادہ نقصان پہنچا سکتے تھے۔ اب تو وہ چلے گئے ہیں۔ اب وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے"۔

سردار بولا۔

"اگر وہ چلے گئے ہیں تو پھر ناگ یہاں کیا کرنے آیا تھا؟ ضرور وہ ہمارے خلاف کوئی گہری سازش کر رہے ہیں۔ ہمیں اس کے لیے تیار رہنا ہوگا"۔

یہ کہہ کر سردار شاگرد کو لے کر اوپر جہاز کے عرشے پر آ گیا۔ یہاں ایک طرف ماریا بھی کھڑی تھی۔ ماریا کو ناگ نے کہا تھا کہ ابھی انہیں سردار اور اس کے جہاز کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھانا، کیونکہ ہوسکتا ہے ڈاکو جہاز چھوڑتے

وقت اسے آگ لگا دیں۔

ہم جہاز کو آگ تو آسانی سے لگا سکتے ہیں۔ لیکن اسے آسانی سے بجھا نہیں سکتے۔ ماریا نے سردار کے خلاف کچھ نہ کیا۔ اسے بھوک لگ رہی تھی۔ وہ نیچے باورچی خانے میں آ گئی۔

یہاں چاروں باورچی کھانا پکانے لگے ہوئے تھے۔ موٹا باورچی مرغابیوں کو پکانے کے بعد تھال میں رکھ رہا تھا۔ اندر گرم مسالحوں اور بھنے ہوئے گوشت کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ ماریا کو سخت بھوک لگی تھی۔ اس نے انتظار بھی نہ کیا اور آگے بڑھ کر ایک بھنی ہوئی مرغابی تھال میں سے اٹھالی اور کھانے لگی۔

موٹے باورچی نے تھال میں سے اچانک ایک مرغابی کو

گم ہوتے دیکھا تو پریشان ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ دوسرے باورچی نے پوچھا۔

"رامو، کیا تلاش کر رہے ہو؟"۔

رامو بولا۔

"یار، ابھی میں نے تھال میں چار مرغابیاں رکھی تھیں، اب صرف تین رہ گئی ہیں۔ حیران ہوں ایک مرغابی کہاں چلی گئی؟"

دوسرے باورچی نے ہنس کر کہا۔

"اڑ گئی ہو گی"۔

ماریا نے آگے بڑھ کر اس باورچی کی تھالی میں سے بھی ایک مرغابی اٹھا لی۔ اب وہ باورچی بھی پریشان ہو کر ادھر ادھر تکنے لگا۔ رامو نے پوچھا۔

"اب بتاؤ تم کیا ڈھونڈ رہے ہو؟"۔

جب رامو کو معلوم ہوا کہ ایک مرغابی اس کی تھالی میں سے بھی غائب ہو گئی ہے۔ تو وہ گھبرا گئی۔ ایک دم سے بھاگنے لگا تو ماریا نے تھال اٹھا کر اس کے سر پر دے مارا۔

اب تو موٹے باورچی کی چیخ نکل گئی۔ ماریا کھل کھلا کر ہنس پڑی۔ باورچی خانے میں ایک عورت کی ہنسی کی چھنکدار آواز سن کر چاروں باورچیوں کے طوطے اڑ گئے۔

انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور چیخیں مارتے، بھوت بھوت کرتے اوپر کو بھاگ گئے۔ ماریا کو ان لوگوں پر سخت غصہ تھا کہ ان کے سردار نے عنبر اور ناگ پر مصیبت نازل کری ہے۔

ماریا نے جی بھر کر کھانے کے بعد چولہوں پر رکھی ساری

دیگچیوں کو زمین پر الٹ دیا اور اوپر چلی گئی۔

تھوڑی دیر بعد سردار ہولکر اور دوسرے ڈاکو بھاگتے ہوئے نیچے آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ سارا کھانا زمین پر گرا پڑا ہے۔ وہ دنگ رہ گئے۔ سردار نے شاگرد کی طرف دیکھ کر کہا۔

"یہ کیا ہوا ہے؟"۔

شاگرد نے کہا۔

"بھوت نے اپنا کام شروع کر دیا ہے۔ میرا خیال ہے ہمیں سارے جہاز پر لوبان کی دھونی کرنی ہوگی"۔

اسی وقت سارے جہاز پر لوبان سلگا دیے گئے۔ چاروں طرف ہی دھواں بھر گیا۔ ماریا گھبرا کر اپنے کیبن سے نکل کر اوپر عرشے پر ایک طرف آ کر کھڑی ہوگئی۔

دوسرے ڈاکو بھی اسی جگہ کھڑے تھے۔ ماریا اب کسی قسم

کی حرکت نہیں کرنا چاہتی تھی، کیونکہ اس کے پکڑے جانے کا خطرہ تھا۔

اتنے میں ایک ڈاکو چلایا۔

"جہاز آ رہا ہے"۔

اب جو سردار نے دیکھا۔ دور ایک جہاز آگے بڑھ رہا تھا۔ سردار نے فوراً حکم دے دیا کہ جہاز کا رخ آنے والے جہاز کی طرف موڑ دیا جائے۔

اس کے شاگرد نے خوش ہو کر کہا۔

"دیکھا سردار، ان دونوں کے جاتے ہی ہماری قسمت کھل گئی اور شکار نظر آ گیا۔ یہ ضرور تجارتی جہاز ہوگا۔ ہمیں مال و دولت ملے گی"۔

سردار کو بھی یقین ہو گیا تھا کہ جہاز پر سے نحوست دور ہو

گئی ہے۔ اب اس کی ساری توجہ آنے والے جہاز پر ہوگئی۔

فوراً ڈاکو تلواریں اور نیزے لے کر تیار ہوگئے۔

ڈاکو چھپ کر بیٹھ گئے۔ جہاز پر سمندری ڈاکوؤں کا جھنڈا لہرا دیا گیا۔ اس جھنڈے کو پہلے لہرا دینے سے یہ ہوتا تھا کہ تجارتی جہاز کے مسافروں کے رہے سہے ہوش بھی جواب دے جاتے اور وہ ڈر جاتے تھے۔

ادھر ناگ طوطا بن کر اڑتا ہوا عنبر کے پاس تختے پر پہنچ گیا۔ ان دونوں نے بھی سامنے ایک جہاز کو آتے دیکھ لیا تھا۔ عنبر نے کہا۔

''ناگ۔ یہ ضرور کوئی تجارتی جہاز ہے۔ اس جہاز پر مسافر بھی ہوں گے۔ یہ ڈاکو حملہ کر کے ان تمام مسافروں کو قتل کر دیں گے اور ان کا مال و اسباب لوٹ کر جہاز کو آگ لگا

دیں گے۔

ناگ بولا۔

''یہ تو وہ ضرور کریں گے''۔

عنبر نے کہا۔

''بس یہی میں برداشت نہیں کر سکتا۔ میں ان مسافروں کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔ میں ان کی جانیں بچانا چاہتا ہوں۔ میں بچوں کو یتیم اور عورتوں کو بیوہ نہیں ہوتے دوں گا''۔

ناگ نے کہا۔

''پھر ہم کیا کر سکتے ہیں عنبر بھائی؟''۔

عنبر بولا۔

''میں چاہتا ہوں کہ جہاز پر جا کر ڈاکوؤں کو ختم کر دیں تاکہ وہ حملہ نہ کر سکیں یا پھر مسافروں کے جہاز پر جا کر ان کی

مدد کریں"۔

ناگ نے کہا۔

"عنبر بھائی، ہم ایسا نہیں کر سکتے۔ اس میں کم از کم میری جان کو زبردست خطرہ ہوگا۔ کوئی اور ترکیب سوچو"۔

عنبر بولا۔

"تو کم از کم تم اتنا ہی کرو کہ تجارتی جہاز پر جا کر انہیں خبردار کر دو کہ سمندری ڈاکوؤں کا جہاز ان پر حملہ کرنے کے لیے بالکل تیار بیٹھا ہے"۔

ناگ بولا۔

"ہاں، یہ میں کر سکتا ہوں"۔

اتنا کہہ کر ناگ ایک بار پھر پرندہ بن کر آسمان کی طرف اڑ گیا۔ سمندری لہروں کے اوپر سے اڑتا اڑتا وہ دور پیچھے

تجارتی جہاز کے مستول پر جا کر بیٹھ گیا۔

اس نے پرواز کی اور نیچے اتر کر چمڑے کے کپوں کے پیچھے چھپ گیا۔ اور وہیں وہ اپنی جون بدل کر انسان کے روپ میں آ گیا۔

اب اس نے کپوں کے پیچھے سے نکل کر دیکھا کہ جس جہاز کو وہ تجارتی جہاز سمجھے ہوئے تھے، وہ تو ایک جنگی جہاز ہے اور کسی ملک کے بادشاہ کی فوج اس پر سفر کر رہی ہے۔

ناگ گھبرا گیا۔

وہ واپس بھاگنے ہی والا تھا کہ سپاہیوں نے اسے گرفتار کر کے کمانڈر کے سامنے لا کھڑا کیا۔ کمانڈر نے حیرانی سے اسے دیکھا اور کہا۔

"تم کون ہو؟ اور کہاں سے اس جنگی جہاز پر سوار ہوئے

تھے؟"۔

ناگ نے صاف الفاظ میں کہا۔

"اے سپہ سالار، میری بات کو غور سے سن، میں اس دنیا کا انسان نہیں ہوں۔ میں ایک پرندہ بن کر تمہارے جہاز پر آیا ہوں۔ صرف یہ بتانے کے لیے کہ سامنے سے جو جہاز آ رہا ہے، وہ سمندری ڈاکوؤں کا جہاز ہے جو حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھ رہا ہے"۔

سپہ سالار نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"سمندری ڈاکوؤں کو ہم بڑی آسانی سے سنبھال لیں گے۔ پہلے یہ بتاؤ کہ تم کون ہو؟ تم انسان کیوں نہیں ہو؟ شکل تو تمہاری انسانوں والی ہے"۔

ناگ نے کہا۔

"سپہ سالار، میری بات پر یقین کرو، میں جھوٹ نہیں کہہ رہا۔ اگر تمہیں اعتبار نہیں آ رہا تو میری طرف غور سے دیکھتے رہنا۔ میں جا رہا ہوں"۔

سپہ سالار اور دوسرے سپاہی غور سے ناگ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ کہ اچانک وہ غائب ہو گیا اور اس کی جگہ سے ایک کبوتر اڑ کر اوپر چھت کے کنگرے پر جا بیٹھا۔

"کیا اب بھی تمہیں یقین نہیں آیا سپہ سالار؟"۔

مگر کبوتر کی آواز کا مطلب سپہ سالار نہ سمجھ سکا۔ وہ دنگ ضرور رہ گیا۔ اس نے اپنے سپاہیوں سے کہا۔

"اس کبوتر کو کچھ نہ کہنا۔ یہ ہمارا دوست ہے۔ یہ ہمیں آنے والے دشمن سے خبردار کرنے آیا تھا"۔

پھر سپہ سالار نے کبوتر کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اے دوست، اگر تم واپس انسان کی شکل میں میرے پاس آ جاؤ تو میں تمہیں اپنا دوست بنا لوں گا اور کچھ نہیں کہوں گا"۔

ناگ ایک دم سے دوبارہ انسان کی شکل میں سامنے آ گیا۔ سپہ سالار اور سپاہی پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے تکنے لگے۔ سپہ سالار نے کہا۔

"دوست، یہ کمال تم نے کہاں سے سیکھا ہے؟ اب تم میرے دوست ہو"۔

ناگ بولا۔

"سپہ سالار، یہ ساری باتیں بعد میں ہوں گی۔ پہلا کام تم یہ کرو کہ میرا ایک بھائی تختے پر سمندر میں تیرتا لا آ رہا ہے۔ اسے اٹھا کر جہاز میں سوار کراؤ۔ پھر ڈاکوؤں کو ہلاک کر کے

فتح حاصل کرو"۔

سپہ سالار نے ایسا ہی کیا۔ اس نے اپنے سپاہیوں کو کشتی میں اتار کر عنبر کے تختے کی طرف روانہ کر دیا۔ ناگ جہاز پر ہی بیٹھا رہا۔

سپاہیوں نے عنبر کے پاس جا کر کہا کہ اس کے بھائی کی خواہش اور سپہ سالار کے حکم پر وہ اسے جہاز میں سوار کرانے کے لیے لینے آئے ہیں۔

عنبر سمجھ گیا کہ ناگ نے ضرور کوئی کرامت دکھائی ہے جو یہ لوگ اس کے قائل ہو گئے ہیں۔ عنبر کشتی میں سوار ہو گیا۔ اس نے پوچھا۔

"کیا تم لوگ جنگی جہاز میں سوار ہو؟"۔

ایک سپاہی نے کہا۔

"ہاں، ہم رومن جنگی جہاز پر سفر کر رہے ہیں۔ ہم رومن سپاہی ہیں۔"

جہاز پر پہنچ کر عنبر کا بڑی اچھی طرح سے سپہ سالار نے خیر مقدم کیا۔ ناگ عنبر کو لے کر ایک طرف ہٹ گیا، کیونکہ اب سمندری ڈاکوؤں کا جہاز قریب آ رہا تھا۔

سپہ سالار نے جان بوجھ کر اپنے جہاز پر جنگی جہاز کا خاص نشان والا جھنڈا نہیں لہرایا تھا۔ اگر وہ یہ جھنڈا لہرا دیتا تو ہو سکتا تھا کہ سمندری ڈاکو اپنے سامنے رومن جنگی جہاز کو دیکھ کر بھاگ جاتے۔ سمندری ڈاکوؤں کا جہاز نزدیک آ گیا۔

سردار ہولکر نے دیکھا کہ جہاز پر کوئی بھی نہیں تھا۔ کوئی جھنڈا بھی نہیں تھا۔ اس نے شاگرد سے کہا۔

اس جہاز کی شکل و صورت رومن جہازوں کی طرح

ہے۔"

شاگرد بولا۔

"ہاں، شاید یہ تجارتی جہاز روم سے مال لے کر آ رہا ہے۔ ہمیں حملہ کر دینا چاہیے۔"

سردار نے کہا۔

"جانے کیوں اس جہاز پر حملہ کرنے کے لیے میرا دل مجھے اجازت نہیں دیتا۔"

شاگرد بولا۔

"سردار، کالی ماتا کی قسم یہ جہاز قیمتی سامان سے بھرا ہوا ہے، اس پر حملہ کریں اور سارا مال دولت لوٹ کر اس جہاز کو آگ لگا دیں۔"

سردار نے کہا۔

"مگر جہاز پر کوئی شخص دکھائی نہیں دیتا۔ کہیں یہ کوئی
میرے خلاف سازش تو نہیں ہو رہی"۔
شاگرد نے کہا۔

"کس مائی کے لال میں اتنی جرات ہے کہ وہ آپ کے
خلاف کوئی سازش کر سکے۔ آپ اس سارے علاقے کے
سب سے بڑے قزاق ہیں"۔

سردار شاگرد کی باتوں میں آ گیا۔ اس نے چیخ کر کہا۔

"جہاز پر حملہ کر دو"۔

سردار کا اشارہ پاتے ہی سارے کے سارے ڈاکو جنگی
جہاز پر کود گئے۔ سپاہی اور سپہ سالار ایک دم کمین گاہوں سے
تلواریں اور نیزے لہراتے ہوئے باہر نکل آئے۔
انہوں نے قتل عام شروع کر دیا۔

جو ڈاکو رسے کی مدد سے کود کر جنگی جہاز پر جاتا۔ سپاہی
اسے کاٹ کر رکھ دیتے۔ سردار کو اب محسوس ہوا کہ اس سے
کتنی بڑی غلطی ہو گئی ہے۔ جس جہاز کو وہ تجارتی جہاز سمجھ رہا
تھا۔ وہ روم کا ایک جنگی جہاز نکلا تھا۔

ڈاکو ایک ایک کر کے قتل ہوتے گئے۔ ماریا بھی اپنے
جہاز پر نکل کر کھڑی ہو گئی تھی۔ اس نے عنبر اور ناگ کو بھی جنگی
جہاز پر ایک طرف کھڑے دیکھا۔ سردار ہولکر اور شاگرد کی عنبر
، ناگ پر نظر پڑی تو وہ کانپ کر رہ گئے۔

عنبر نے تلوار ہاتھ میں لی اور شاگرد اور سردار پر حملہ کر
دیا۔ دونوں عنبر پر ٹوٹ پڑے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ عنبر کو کاٹ
کر رکھ دیں گے۔

لڑتے لڑتے وہ عنبر کو لے کر جہاز کی پچھلی طرف آ گئے۔

یہاں ناگ بھی آ گیا۔ ناگ نے عنبر سے کہا۔

"عنبر بھائی، ان کو ختم کر دو"۔

عنبر مسکرایا اور شاگرد کی طرف دیکھ کر بولا۔

"پہلے اسے ماروں گا"۔

عنبر نے تلوار شاگرد کے سینے میں گھونپ دی۔ اس کے ساتھ ہی سردار ہولکر نے بھی تلوار عنبر کے سینے میں گھونپ دی۔

عنبر ہنس دیا اور تلوار اپنے سینے سے کھینچ کر بولا۔

"سردار، میں بھوت ہوں۔ تم بھوت کو ہلاک نہیں کر سکتے۔ دیکھ لو میرے زخم بھی نہیں لگا اور خون بھی نہیں لگا۔ اب تم مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ"۔

سردار بھاگنے لگا تو پیچھے سے ناگ نے پھنکار ماری اور

سانپ بن کر پھن پھیلا کر کھڑا ہو گیا۔ عنبر نے کہا۔

"یہ ناگ ہے، میرا بھائی۔ تمہیں تمہارے ظلم و ستم کی سزا دینے آیا ہے"۔

تیروں کی بارش

سانپ نے لپک کر سردار ہولکر کو ڈس لیا۔

سردار ہولکر سانپ کے ڈستے ہی عرشے پر گر پڑا۔ ناگ جلدی سے انسان کی شکل میں آ گیا۔ شاگرد ڈاکو مر چکا تھا۔

سردار ہولکر کے مرتے ہی باقی ڈاکوؤں نے بھی ہتھیار پھینک دیے۔

رومی سپہ سالار نے باقی بچے ہوئے ڈاکوؤں کو گرفتار کر

لیا۔ جہاز پر قبضہ کر لیا گیا۔ رات کو فتح کی خوشی میں جشن منایا گیا۔ سپہ سالار، عنبر اور ناگ کو لے کر اپنے کیبن میں آ گیا۔

رومی سپہ سالار نے عنبر اور ناگ سے باتیں شروع کر دیں اور ناگ کی طرف دیکھ کر بولا۔

ناگ میں نے تم سے بڑا جادوگر آج تک نہیں دیکھا۔ میں نے مصر اور روم میں بڑے بڑے ماہر جادوگر دیکھے ہیں مگر جو کام تم نے کیا وہ کوئی بھی نہیں کر سکا۔ یہ بتاؤ کہ تم کو اتنی طاقت کہاں سے حاصل ہوگئی کہ تم انسان سے پرندہ اور پرندے سے پھر انسان بن جاؤ ناگ عنبر کی طرف دیکھ کر مسکرایا اور بولا۔

"اے رومی سپہ سالار میں نے یہ جادو مصر کے ایک

بڑے پرانے کاہن سے سیکھا تھا۔ وہ آج اس دنیا میں نہیں
ہے۔ میں نے اس کی بڑی خدمت کی تھی۔ تب کہیں جا کر
اس نے یہ جادو مجھے سکھایا۔

سپہ سالار بولا۔

"کیا تم یہ جادو مجھے سکھا دو گے؟ اس جادو سے میں آدھی
دنیا پر قبضہ کر سکتا ہوں"۔

ناگ نے کہا۔

"نہیں سپہ سالار۔ ایسا نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو تم سے
پہلے میں پوری دنیا پر قبضہ کر چکا ہوتا۔ میں اگر پرندہ بن جاتا تو
مجھ میں اتنی طاقت بھی نہیں ہوتی کہ میں کسی دشمن کو ہلاک کر
سکوں۔

بلکہ اگر دشمن چاہے تو مجھے ہلاک کر سکتا ہے۔ اس میں

کوئی خوبی کی بات نہیں ہے۔ میں پرندہ بن کر زیادہ کمزور ہو
جاتا ہوں۔ انسان کی حیثیت سے تو میں دشمن کا مقابلہ کر سکتا
ہوں، لیکن پرندہ بن کر مجھے دشمن پتھر پھینک کر بھی مار سکتا
ہے۔

سپہ سالار نے کہا۔

"تمہاری یہ دوست عنبر بھی کوئی جانتا ہے؟"۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"اے سپہ سالار، ہم دونوں بھائی ہیں۔ جادو صرف میرا
یہ بھائی ناگ ہی جانتا ہے۔ مجھے کوئی جادو نہیں آتا"۔

سپہ سالار نے پوچھا۔

"تم لوگ کہاں جا رہے تھے؟"۔

عنبر نے ایک لمبا قصہ گھڑ کر سپہ سالار کو سنا دیا کہ وہ سوداگر

ہیں یہ جہاز ان کا اپنا ہے۔سمندری ڈاکوؤں نے جہاز کو لوٹ
کر اس پر قبضہ کر لیا۔اور انہیں ایک تختے پر بٹھا کر کھلے سمندر
میں چھوڑ دیا۔

سپہ سالار کو عنبر کی کہانی پر یقین آ گیا۔اس نے کہا۔

”اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟“۔

عنبر بولا۔

”ہم ملک عرب اور بغداد جا کر وہاں کی مسلمان حکومتوں
کو دیکھنا چاہتے ہیں ہم نے سنا ہے کہ مسلمان لوگ بڑے
ایماندار او بہادر ہیں اور ان کے ملک میں امن اور خوشحالی
ہے۔کیا تم وہاں کبھی گئے ہو؟“۔

رومی سپہ سالار بولا۔

تم نے جو سنا ہے وہ بالکل ٹھیک ہے۔مسلمان ایک بہادر

اور ایماندار قوم ہے۔ان کے بادشاہ بڑے سادہ اور ایماندار
ہیں اور غریبوں سے مل کر خوش ہوتے ہیں اور غریبوں کی
زندگی بسر کرتے ہیں۔

عنبر بولا۔

”مجھے ان سے مل کر بڑی خوشی ہوگی۔اب ہم چاہتے
ہیں کہ اپنے جہاز میں سوار ہو کر ملک ہندوستان جائیں۔
جہاں ایک شہر میں کاہن سے سیکھا تھا۔وہ آج اس دنیا
میں نہیں ہے۔میں نے اس کی بڑی خدمت کی تھی۔تب کہیں
جا کر اس نے یہ جادو مجھے سکھایا“۔

سپہ سالار بولا۔

”کیا تم یہ جادو مجھے سکھا دو گے؟اس جادو سے میں آدھی
دنیا پر قبضہ کر سکتا ہوں“۔

ناگ نے کہا۔

نہیں سپہ سالار، ایسا نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو تم سے پہلے میں پوری دنیا پر قبضہ کر چکا ہوتا۔ میں اگر پرندہ بن جاتا تو مجھ میں اتنی طاقت بھی نہیں ہوتی کہ میں کسی دشمن کو ہلاک کر سکوں۔ بلکہ اگر دشمن چاہے تو مجھے ہلاک کر سکتا ہے۔ اس میں کوئی خوبی کی بات نہیں ہے۔

میں پرندہ بن کر زیادہ کمزور ہو جاتا ہوں۔ انسان کی حیثیت سے تو میں دشمن کا مقابلہ کر سکتا ہوں، لیکن پرندہ بن کر مجھے دشمن پتھر پھینک کر بھی مار سکتا تھا۔

سپہ سالار نے کہا۔

”تمہارا یہ دوست عنبر بھی کوئی جادو جانتا ہے؟“۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

”اے سپہ سالار، ہم دونوں بھائی ہیں۔ جادو صرف میرا یہ بھائی ناگ ہی جانتا ہے۔ مجھے کوئی جادو نہیں آتا“۔

سپہ سالار نے پوچھا۔

”تم لوگ کہاں جا رہے تھے؟“۔

عنبر نے ایک لمبا قصہ گھڑ کر سپہ سالار کو سنا دیا کہ وہ سوداگر ہیں یہ جہاز ان کا اپنا جہاز تھا۔ سمندری ڈاکوؤں نے جہاز کو لوٹ کر اس پر قبضہ کر لیا اور انہیں ایک تختے پر بٹھا کر کھلے سمندری میں چھوڑ دیا۔ سپہ سالار کو عنبر کی کہانی پر یقین آ گیا۔

اس نے کہا۔

”اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟“۔

عنبر بولا۔

”ہم ملک عرب اور بغداد جا کر وہاں کی مسلمان حکومتوں

کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ ہم نے سنا ہے کہ مسلمان لوگ بڑے ایماندار اور بہادر ہیں اور ان کے ملک میں امن اور خوشحالی ہے۔ کیا تم وہاں کبھی گئے ہو؟"۔

رومی سپہ سالار بولا۔

"تم نے جو سنا، وہ بالکل ٹھیک ہے۔ مسلمان ایک بہادر اور ایماندار قوم ہے۔ اس قوم نے دیکھتے دیکھتے سارے مشرق پر اپنا اثر جما لیا ہے۔ ان کے بادشاہ بڑے سادہ اور ایماندار ہوتے ہیں اور غریبوں سے مل کر خوش ہوتے ہیں اور غریبوں کی زندگی بسر کرتے ہیں"۔

عنبر بولا۔

"مجھے ان سے مل کر بڑی خوشی ہوگی۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ اپنے جہاز میں سوار ہو کر ملک ہندوستان میں

جائیں۔ جہاں ایک شہر میں ہم نے کچھ دولت جمع کر رکھی ہے۔ وہاں سے ہم وہ دولت لے کر ملک عرب کی طرف چل پڑیں گے۔

ناگ نے کہا۔

"کیا آپ بتا سکیں گے کہ اگر ہم شمال مغرب میں سفر کرتے رہیں تو کتنے دنوں میں ملک عرب پہنچ جائیں گے؟"۔

سپہ سالار بولا۔

"یہاں سے اگر تم لوگ سفر کرو تو دس روز کے بعد تم ملک عرب کی بندرگاہ بصرہ پہنچ جاؤ گے"۔

"شکریہ، آپ سے ہمیں بڑی معلومات حاصل ہوئی ہیں"۔

وہ رات عنبر، ناگ اور ماریا نے سپہ سالار کے رومی جہاز پر بسر کی۔ اگلے روز تینوں بہن بھائی اپنے جہاز پر سوار ہو گئے۔

رومی سپہ سالار اپنے سفر پر روانہ ہو گیا اور عنبر اور ناگ اپنے سفر پر ہندوستان کی طرف چل پڑے۔ وہ وہاں سے اپنا خزانہ واپس جہاز پر لاد کر بصرے کا رخ کرنا چاہتے تھے۔

اپنے جہاز پر آ کر تینوں بہن بھائی بڑے خوش ہوئے۔ ماریا تو کیبن میں جاتے ہی بڑے مزے سے قالین پر لیٹ گئی اور بولی۔

"ایک مدت کے بعد اپنے گھر کا بستر نصیب ہوا ہے۔ اب تو میں سو جاؤں گی اور کل اٹھوں گی"۔

ناگ بولا۔

"میرا خیال ہے مجھے بھی اپنے کیبن میں جا کر آرام کرنا چاہیے۔ کبھی کبوتر اور کبھی طوطا بن کر اڑتے اڑتے میرے بازو درد کرنے لگے ہیں"۔

عنبر نے کہا۔

"اچھا ہے۔ تم لوگ آرام کرو۔ میں جہاز چلاتا رہوں گا۔ جاؤ خدا حافظ"۔

ناگ اور ماریا اپنے اپنے کیبنوں میں جا کر سو گئے۔

جہاز کے عرشے پر عنبر اکیلا رہ گیا۔ اس نے سب سے پہلے کیبن میں جا کر میز پر پھیلے ہوئے نقشے میں سے یہ دیکھا کہ وہ درست راستے پر جا رہا ہے؟

جب اسے اطمینان ہو گئی کہ وہ ٹھیک سمت کو جہاز لیے جا رہا ہے تو پھر وہ بھی اوپر عرشے پر آ کر سائبان کے نیچے تخت پر

لیٹ گیا۔

تھکاوٹ اسے بھی بہت ہو گئی تھی۔ سمندر کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا میں اسے بھی نیند آ گئی۔ اس کے سوتے میں ہی جہاز اپنی منزل کی طرف چلتا رہا۔

دوپہر کے وقت عنبر کی آنکھ کھلی تو اس نے گھبرا کر سب سے پہلے بادبانوں کی طرف دیکھا۔ تیز ہوا میں جہاز کے بادبان ہوا میں پھولے ہوئے اپنی منزل کی طرف جہاز کو لیے جا رہے تھے۔

عنبر نے دیکھا کہ جہاز ٹھیک سمت پر چلا جا رہا تھا۔ اتنے میں ناگ اور ماریا بھی جاگ پڑے۔ انہوں نے عرشے پر بیٹھ کر ہی کھانا کھایا۔ پھر ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے۔

عنبر نے کہا۔

"میرا خیال ہے اب کسی ڈاکو نے ہمارے خزانے کو نہیں لوٹا ہو گا۔ وہ اسی جگہ زمین میں دفن ہو گا جہاں ہم اسے دبا کر آئے تھے"۔

ناگ نے کہا۔

"اگر اس بار بھی اسے ڈاکو لوٹ کر لے گئے ہوں گے تو ہم کیا کریں گے؟"۔

ماریا بولی۔

"ہم خزانے پر لعنت بھیجیں گے۔ کم بخت اس دولت کی وجہ سے ہم پہلے ہی کافی تکلیف اٹھا چکے ہیں"۔

عنبر ہنس پڑا۔

"ماریا بہن ٹھیک کہتی ہے۔ ہم اس دفعہ خزانے پر لعنت بھیجیں گے اور خالی جہاز لے کر ملک عرب کی طرف روانہ ہو

جائیں گے۔ ہمیں خزانے کی اتنی زیادہ ضرورت نہیں ہے۔ ہم جہاں کہیں بھی جائیں گے۔ دولت پیدا کر لیں گے"۔ ناگ نے کہا۔

"جس ملک میں ہم جا رہے ہیں۔ وہاں دولت کی اتنی قدر و قیمت نہیں ہے۔ ہمیں وہاں سادگی کے ساتھ داخل ہونے کی کوشش کرنی ہوگی"۔

"ایسا ہی ہوگا"۔ عنبر بولا۔

"لیکن سب سے پہلے ہمیں ایک بار خزانے کی جگہ کو کھود کر دیکھنا ضرور ہوگا کہ خزانہ وہاں موجود ہے یا نہیں"۔

"کیوں نہیں، اسی لیے تو ہم جا رہے ہیں"۔

ہندوستان کے مغربی ساحل سے وہ ڈاکوؤں کے ساتھ کافی آگے نکل چکے تھے، چنانچہ ایک دن اور ایک پوری رات

جہاز سمندر میں سفر کرتا رہا۔

دوسرے دن سہ پہر کو انہیں ہندوستان کا ساحل دکھائی دیا۔ جہاز کو وہ کھاڑی میں لے آئے اور ایک جگہ پہاڑی کے دامن میں انہوں نے جہاز کو کھڑا کر کے لنگر پانی میں پھینک دیا۔

جہاز کے رکتے ہی عنبر اور ناگ جہاز پر سے کشتی میں سوار ہو کر نیچے اترے اور کھاڑی کے پانی پر تیرتے کنارے آ گئے۔

ماریا جہاز پر ہی رہی، کیونکہ جہاز کو وہ اب خالی نہیں چھوڑنا چاہتے تھے عنبر اور ناگ تیزی سے ساحل پر اتر کر اس نیلی چٹان کی طرف دوڑے جہاں انہوں نے اپنے خزانے کا صندوق دفن کر رکھا تھا۔

نیلی چٹان کے پاس آ کر انہوں نے زمین کھودنا شروع
کر دی۔ یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ خزانہ اپنی جگہ جوں کا توں
موجود تھا۔ انہوں نے صندوق اٹھا کر کشتی میں لادا اور کشتی کو
لے کر جہاز پر آ گئے۔

ماریا نے خزانے کے صندوق کو دیکھا تو اس کی جان میں
جان آئی۔ اس کا ایک خیال یہ بھی تھا کہ خزانہ ضرور کسی نہ کسی
ڈاکو نے چرا لیا ہوگا۔ خزانے کے صندوق کو دیکھ کر وہ بھی خوش
ہوگئی۔ اس نے عنبر سے کہا۔

”عنبر بھائی، خزانہ واپس مل تو گیا ہے مگر خدا کی قسم اس
دولت کا بھروسہ کوئی نہیں ہے۔ آج تمہارے پاس ہے تو کل
اس کا کوئی پتا نہیں کہ وہ کہاں ہوگی اور کس حال میں
ہوگی؟“۔

عنبر جھٹ بولا۔

ماریا بہن، اب تو یہ کم از کم ملک عرب جانے تک ہمارے
پاس ہی رہے گی۔ ہاں اس کے بعد کی کوئی خبر نہیں کہ پھر کیا ہو
گا ہمیں بھی کوئی دولت کا لالچ نہیں ہے۔

اگر دولت کا لالچ ہوتا تو میں بڑی آسانی سے کسی ملک
میں جاگیر لے کر آرام سے گزر بسر کر سکتا تھا۔

ناگ نے بات بدل کر کہا۔

”اب ہمیں جلدی سے واپسی کا سفر شروع کر دینا
چاہیے۔ کیونکہ ابھی سمندر میں دس روز کا سفر موجود ہے
اور جہاز کی رفتار بہت ہلکی ہے“۔

عنبر بولا۔

”فکر نہ کرو۔ ہم آج کی رات کھاڑی میں آرام کرنے

کے بعد کل صبح منہ اندھیرے تازہ ہوا میں یہاں سے نکل کھڑے ہوں گے"۔

خزانہ لا کر انہوں نے جہاز کے تہہ خانے میں رکھ دیا اور اس کے اوپر گھاس پھونس ڈال دیا۔ پھر وہ رات کا کھانا کھانے کے بعد کچھ دیر عرشے پر بیٹھے باتیں کرتے رہے۔

یہاں سمندر میں بڑے مچھر تھے اور حبس بھی بہت تھا۔

آدھی رات کو ٹھنڈی ہوا چلنا شروع ہو گئی اور یہ سب سو گئے۔ بادبانی جہاز کھاڑی میں کھڑا رات کی ہوا میں ہولے ہولے ڈولتا رہا۔

رات کا پچھلا پہر تھا۔ آسمان پر مشرق کی طرف پیلا پیلا زرد اداس چاند طلوع ہوا ہی تھا کہ جنگل میں دلدلوں کی طرف سے کسی کی سیٹی کی آواز سنائی دی۔

تھوڑی دیر بعد کسی الو کی آواز سنائی دی۔ جنگل میں پھر سناٹا چھا گیا۔ عنبر، ناگ اور ماریا جہاز کے عرشے پر بے سدھ ہو کر سو رہے تھے۔

ان میں سے کسی نے بھی کوئی آواز نہیں سنی تھی۔ ایک بار پھر الو کی آواز جنگل میں گونجی۔ اس آواز پر ناگ کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے لیٹے لیٹے کان لگا کر سننے کی کوشش کی کہ یہ آواز کس کی تھی۔ جنگل میں ایک بار پھر سناٹا چھا گیا۔

ناگ نے سوچا کہ یہ اس کا وہم تھا۔ جنگل میں آواز کسی کی بھی نہیں تھی۔ وہ پھر کان لپیٹ کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔

اچانک الو کی آواز ایک بار پھر سنائی دی۔

اس کے ساتھ ہی ایسے معلوم ہوا جیسے کوئی سوکھی گھاس پر آہستہ آہستہ قدم رکھتا آگے بڑھ رہا۔ ناگ عرشے کے تختے

پر سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

وہ جنگل کے پاس آ کر جھک کر کھاڑی میں دیکھنے لگا۔

ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ رات کا پچھلا پہر تھا۔ آسمان پر ستارے چمک رہے تھے۔ مشرق میں پھیکا سا چاند نکل آیا تھا جس کی پھیکی روشنی میں جنگل میں زردی دھند پھیل گئی تھی۔

ناگ واپس جا کر سونے کی سوچ رہا تھا کہ شائیں سے ایک تیر جنگل کی طرف سے آیا اور اس کی ران میں آ کر کھب گیا۔ ناگ عرشے پر گر پڑا۔

اس نے چیخ کر کہا۔

"عنبر۔۔۔عنبر۔۔۔جاگو۔۔۔"

اس کی آواز پر عنبر اور ماریا جاگ پڑے۔

"ماریا اوپر مت اٹھنا۔ جنگل سے تیر آ رہے ہیں"۔

ناگ کو معلوم تھا کہ عنبر کو تو تیر کچھ نہیں کہیں گے، لیکن اگر ماریا کے تیر لگ گیا تو وہ ہلاک ہو جائے گی۔ عنبر ناگ کے قریب آ کر اس کی ران میں سے تیر نکالنے لگا۔

"یہ تیر کہاں سے آیا؟"۔

"جنگل کی طرف سے۔ معلوم ہوتا ہے، جنگل کے وحشی ہمارے جہاز پر حملہ کرنے بڑھ رہے ہیں"۔

عنبر نے ناگ کی ران میں سے تیر نکال کر پھینک دیا اور اسے اٹھا کر نیچے کیبن میں لے گیا۔ زخم پر جلدی سے پٹی باندھی اور تیر کمان لے کر اوپر آ گیا۔ ماریا نے کہا۔

"میں بھی اوپر آ کر مقابلہ کروں گی"۔

عنبر بولا۔

"تم یہیں رہو۔ میں دشمن کو سنبھال لوں گا"۔

یہ کہہ کر عنبر تیر کمان لے کر اوپر آ گیا۔ وہ عرشے پر لیٹ گیا اور جنگلے کی رسیوں میں سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر جنگل میں دیکھنے لگا۔

وہاں خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ وہ دیر تک جنگلے کے ساتھ لگا عرشے پر لیٹا رہا۔ پھر اسے یوں سنائی دیا جیسے کوئی شخص لنگر کی زنجیر پر چڑھ رہا ہو۔

وہ جلدی سے لنگر کی طرف گیا۔ ایک وحشی خنجر دانتوں میں دبائے اوپر چڑھ رہا تھا۔ عنبر نے تاک کر تیر چلایا۔ تیر وحشی کی گردن میں لگا اور وہ چیخ مار کر سمندر میں گر پڑا۔

وحشی کی چیخ کے ساتھ ہی جنگل میں کتنے ہی وحشیوں کی چیخیں گونج اٹھیں اور جہاز پر تیروں کی بارش شروع ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی دس بارہ وحشی لنگر کی زنجیر سے لٹک کر جہاز

پر چڑھنا شروع ہو گئے۔

عنبر تیر برسانے لگا۔ دو چار مر گئے باقی جہاز کے عرشے پر چڑھ آئے۔ ایک وحشی نے کلہاڑا پورے زور سے عنبر کے کندھے پر دے مارا۔

کندھا کٹنے کی بجائے کلہاڑا ٹوٹ کر دور جا گرا۔ عنبر نے خنجر سے وحشی کو اسی وقت ہلاک کر دیا۔ اب سارے وحشی عنبر پر ٹوٹ پڑے۔ زنجیر پر سے ہو کر دس بارہ اور وحشی اوپر جہاز پر چڑھ دوڑے۔

عرشے پر زبردست جنگ شروع ہو گئی۔ اب نیچے سے ماریا بھی اوپر آ گئی۔ عنبر اکیلا وحشیوں سے مقابلہ کر رہا تھا مگر وحشی اس پر ٹوٹ پڑے تھے۔ انہوں نے عنبر کو پکڑ کر رسیوں سے جکڑ کر عرشے پر پھینک دیا۔

عنبر کو جکڑ کر وحشی نیچے کیبن کی طرف بڑھے۔ ماریا انہیں نیچے آتا دیکھ کر راستے سے ہٹ کر نیچے چلی گئی۔ اسے سب سے زیادہ فکر ناگ کی تھی۔

ناگ کی ٹانگ زخمی ہو گئی تھیں اور وحشی اسے ہلاک کر سکتے تھے۔ وہ بھاگی بھاگی ناگ کے کیبن میں گئی اور اسے بتایا کہ وحشیوں نے عنبر کو رسیوں میں جکڑ لیا اور اب وہ نیچے آ رہے ہیں۔

ناگ نے کہا۔

"تم ان پر غلبہ پانے کی کوشش کرو۔ میں سانپ بن سکتا ہوں، مگر زخمی ہونے کی وجہ سے انہیں ڈس نہیں سکتا۔"

"جلدی کرو۔"

کیبن کی چھت پر چڑھ گیا۔ ماریا باہر نکل کر خزانے والے کیبن کے دروازے پر جا کھڑی ہو گئی۔ اس دوران میں وحشی کیبن کے اندر داخل ہو چکے تھے۔ اور خزانے کے صندوق کو کھولے ہیرے جواہرات اور سونے کی اشرفیوں کو حیرانی سے دیکھ رہے تھے اور اپنی جنگلی زبان میں آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ دیکھتے دیکھتے انہوں نے خزانے کا صندوق سر پر اٹھایا اور عرشے پر آ گئے۔

ماریا نے آگے بڑھ کر نیزے سے ایک وحشی کو ڈھیر کر دیا۔ دوسرے وحشیوں نے چاروں طرف تیروں کی بارش شروع کر دی۔ اگر ماریا جلدی سے عرشے پر جھک کر لیٹ نہ جاتی تو اس کا جسم تیروں سے چھلنی ہو گیا ہوتا۔ وہ مر جاتی اور کسی کو کانوں کان خبر تک نہ ہوتی۔

وہ گھبرا گئی۔ وحشی خزانے کے صندوق اور رسی میں جکڑے ہوئے عنبر کو لے کر جہاز سے نیچے اتر گئے۔ ماریا لنگر کی زنجیر سے نیچے نہیں اتر سکتی تھی۔ وہ کشتی کو اتارنے کے بارے میں سوچ ہی رہی تھی کہ وحشی خزانے کے صندوق اور عنبر کو اٹھائے جنگل کی تاریکی میں غائب ہوگا۔

یہ سارا کچھ اتنی جلدی اور اتنی تیزی سے ہو گیا کہ کسی کی سمجھ میں نہ آیا۔ ماریا بھاگی بھاگی نیچے کیبن میں آ گئی۔ ناگ ابھی تک چھت سے چمٹا ہوا تھا۔ ماریا نے اسے نیچے آنے کو کہا۔

سانپ پھر سے ناگ کی شکل میں آ گیا۔ ماریا نے اسے بتایا کہ وحشی خزانے کے صندوق اور عنبر کو اٹھا کر جنگل میں چلے گئے ہیں۔ ناگ پریشان ہو گیا۔

"اب کیا ہوگا ماریا؟"۔

"تم یہیں بیٹھو ناگ بھائی، میں جنگل میں جا کر عنبر کو تلاش کروں گی"۔

"تمہارا اکیلی کا جانا خطرناک ہے ماریا۔ تم ٹھہرو میں جنگل میں جاؤں گا"۔

"نہیں ناگ بھائی، تم زخمی ہو۔ میں اپنے بھائی کو تلاش کروں گی"۔

ماریا نے باہر سے کیبن بند کر دیا اور بڑی احتیاط سے رسی

لاش کے ٹکڑے

ناگ جہاز کے عرشے پر دھوپ میں لیٹا رہا۔

ماریا جنگل کے درختوں اور جھاڑیوں میں سے گزرتی عنبر کی تلاش میں چلی جا رہی تھی۔ دوسری طرف وحشی عنبر کو رسیوں میں جکڑ کر جنگل میں ایک ایسی جگہ لے گئے جہاں چاروں طرف اونچے پہاڑ اور چٹانیں تھیں۔

ان کے درمیان کھاڑی سے دور ایک وادی میں وحشیوں

کے کچے مکان بنے تھے۔ انہوں نے عنبر کو ایک کوٹھڑی میں بند کر دیا اور خزانہ اپنے سردار کے آگے جا کر رکھ دیا۔ وحشی سردار نے خزانے کی اشرفیاں اور جواہرات دیکھے تو دنگ رہ گیا۔ اس نے اسی وقت حکم دیا کہ خزانہ اس کوٹھڑی میں چھپا دیا جائے۔

خزانے کا صندوق سردار کی جھونپڑی میں لے جا کر چھپا دیا گیا۔

اب سردار نے فیصلہ کیا کہ جس قیدی کو پکڑ کر لایا گیا ہے اسے دیوتاؤں کے آگے قربان کرنے کی تیاری کی جائے۔

عنبر کو دیوتاؤں کے آگے ذبح کرنے کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔

اس وقت دن کا سماں تھا۔ قربانی اگلے دن صبح صبح دی جا

رہی تھی۔ یہ بات عنبر نے ان وحشیوں کی زبانی سنی جو اس کی
جھونپڑی کے باہر پہرہ دے رہے تھے۔ وہ آپس میں
باتیں کر رہے تھے کہ اس قیدی کو صبح سورج نکلنے سے پہلے
قربان کر دیا جائے گا۔

عنبر کو بڑا غصہ آیا کہ ان گدھوں نے اس کے لیے خوامخواہ
کی ایک مصیبت کھڑی کر دی ہے۔ کم بختو، کو جب معلوم ہوگا
کہ وہ عنبر کو قربان نہیں کر سکتے تو نانی یاد آ جائے گی۔

اس نے سوچا کہ ناگ اور ماریا کو ضرور معلوم ہو گیا ہوگا
اور وہ اس کی تلاش میں آ رہے ہوں گے۔ عنبر نے دل میں
فیصلہ کیا کہ وہ ماریا وغیرہ کے آنے سے پہلے ہی اس جگہ سے
نکل بھاگے تو اچھا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ ماریا کسی مصیبت میں
پھنس جائے۔

اسے معلوم تھا کہ ناگ زخمی ہو گیا ہے۔ اب وہ کسی ایسی
ترکیب پر غور کرنے لگا جس پر عمل کر کے وہ اس جگہ سے فرار
ہو جائے۔

دوسری طرف ماریا برابر جنگل میں آگے بڑھ رہی تھی۔
چلتے چلتے وہ چٹانوں کی وادی میں آ گئی۔ یہاں اس نے
ایک ندی کو دیکھا جو بل کھاتی ہوئی وادی میں سے لرز رہی
تھی۔

اب شام کے سائے پھیلنے لگے تھے۔ تھوڑی دیر بعد
جنگل میں رات ہو گئی اور اندھیرا چھا گیا۔ ماریا پریشان ہو
گئی۔ پیچھے جہاز میں ناگ زخمی بھی تھا اور اکیلا بھی تھا۔
وہ جنگل میں تنہا تھا۔ عنبر وحشیوں کی قید میں تھا۔ وہ رات
ہونے سے پہلے پہلے عنبر تک پہنچ جانا چاہتی تھی مگر ایسا نہ ہو

سکا۔

وہ ایک درخت کے نیچے پتھروں پر بیٹھ گئی۔ اسے نہ تو تھکان تھی اور نہ ہی نیند آ رہی تھی۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے سوچا کہ اسے اپنا سفر اور اپنی تلاش جاری رکھنی چاہیے؛ چنانچہ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

ندی عبور کر کے وہ گھنے جنگل میں سے گزرنے لگی۔ اب وہ ایک پہاڑی کی ڈھلان چڑھ رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد آسمان پر چاند نکل آیا۔ جس کی روشنی میں جنگل کی ہر شے صاف دکھائی دینے لگی۔

ماریا پہاڑی پر سے دوسری طرف اتری تو اس نے چاندنی میں دیکھا کہ وادی میں ایک طرف چٹانوں کے سایوں میں چھوٹی چھوٹی کچی کوٹھڑیاں بنی ہوئی تھیں۔

اس کا ماتھا ٹھنکا کہ ہو نہ ہو عنبر اس جگہ وحشیوں کی قید میں ہے۔ وہ وادی میں آ گئی۔ ماریا کسی کو دکھائی تو نہیں دے رہی تھی۔ لیکن اس کے وجود کو کتوں نے محسوس کر لیا تھا۔ کتے بھونکنے لگے۔

ماریا چلتی چلی گئی۔ وہ کچی جھونپڑیوں کے قریب آ کر ایک درخت کے پاس رک گئی۔ کتوں کو بھونکتے سن کر دو چار وحشی جھونپڑوں سے باہر آ گئے۔ وحشیوں نے ادھر ادھر دیکھنا شروع کیا کہ کتے کس پر بھونک رہے ہیں۔

کتے رات کو کبھی نہیں بھونکتے تھے۔ جب تک کہ ان کو کوئی آدمی آتا دکھائی نہ دے۔ مگر انہیں وہاں کوئی بھی آدمی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ آخر انہوں نے کتوں کو پکڑا اور لے جا کر دوسری کوٹھڑی میں بند کر دیا۔

ماریا ایک کوٹھڑی کے پاس آ کر رک گئی۔اس کوٹھڑی کے
اندر ہلکی ہلکی روشنی تھی۔ اس نے کھڑکی کی درز میں سے
جھانک کر اندر دیکھا۔

کیا دیکھتی ہے کہ اندر ایک موٹا آدمی جس کے سر پر
پروں کا تاج تھا اور جو اس آدم خور قبیلے کا سردار معلوم ہوتا
تھا۔ہیرے جواہرات کا صندوق کھولے بیٹھا ہے۔اس کے
پاس دو چار وحشی بھی زمین پر بیٹھے ہیں۔سردار انہیں کہہ رہا
ہے:

"یہ بڑا قیمتی خزانہ ہے۔میں نے ایسے خوبصورت قیمتی
ہیرے کبھی نہیں دیکھے"۔

وحشی بولا۔

"سردار، دیوتا ہم پر بڑے خوش ہیں"۔

سردار نے ہنس کر کہا۔

"جب ہم اس قیدی کو دیوتاؤں پر قربان کریں گے تو وہ
اور زیادہ خوش ہوں گے"۔

ماریا سمجھ گئی کہ یہ لوگ وہی غلطی کر رہے ہیں جو اس سے
پہلے کئی آدم خور کر چکے ہیں، یعنی وہ عنبر کو قربان کر رہے
ہیں۔اب ماریا کے سامنے دو سوال تھے۔ پہلا کہ کسی طرح
سے عنبر کو یہاں سے نکالا جائے۔

دوسرا سوال یہ تھا کہ اپنے ساتھ خزانہ بھی یہاں سے لے
کر جہاز پر لایا جائے۔سب سے پہلے وہ یہ معلوم کرنا چاہتی
تھی کہ عنبر کون سی کوٹھڑی میں قید ہے۔اس نے کوٹھڑیوں کے
چکر لگانے شروع کر دیے۔

چلتے چلتے وہ ایک ایسی کوٹھڑی کے آگے آ کر رک گئی

جہاں دو وحشی نیزے ہاتھوں میں پکڑے بڑے چاق و چوبند
ہوکر پہرہ دے رہے تھے۔ ماریا سمجھ گئی کہ عنبر اسی کوٹھڑی میں
قید ہے۔

وہ اس کوٹھڑی کے اندر جانا چاہتی تھی۔ ماریا قریب آ
گئی۔ پھر اس نے ایک وحشی کے سر پر روڑا مارا۔ وہ پلٹ کر
دوسرے وحشی کی طرف گھوما۔

''کیا تم نے مجھے مارا؟''۔

دوسرا وحشی بولا۔

''نہیں تو، میں تو تمہارے سامنے کھڑا ہوں''۔

پہلا بولا۔

''مگر میرے سر پر کسی نے روڑا مارا ہے''۔

''تمہارا وہم ہے۔ اگر میں تمہیں مار سکتا تو پھر یہاں

اور کوئی نہیں ہے۔ تمہیں خواب آیا ہوگا''۔

دوسرا وحشی سر کو جھٹک کر پھر سے پہرہ دینے لگا۔ ماریا
نے پہلے والے وحشی کے بالکل قریب آ کر زور سے چیخ
ماری۔ دونوں وحشی اچھل کر گر پڑے۔ اٹھ کر انہوں نے
نیزے تان لیے اور ہوا میں نیزے چلانا شروع کر دیے۔

ماریا جلدی سے پرے ہٹ گئی۔ اسے جان کا خطرہ تھا،
کیونکہ وحشی ڈرنے کی بجائے مقابلے پر اتر آئے تھے۔ اس
کی وجہ یہ تھی کہ اس قبیلے میں جن بھوتوں سے کوئی بھی
نہیں ڈرتا تھا۔

ان کا خیال تھا کہ یہ لوگ ان کے ماتحت ہوتے ہیں۔
قبیلے کے بڑے جادوگر نے انہیں یہی کہہ رکھا تھا کہ وہ جن
بھوتوں پر حکومت کرتا ہے۔

ماریا بڑی پریشان ہو گئی کہ اب کوٹھڑی کے اندر کیسے جائے؟ رات گزر رہی تھی۔ چاند مغرب کی طرف چلا گیا تھا۔ اتنے میں عنبر نے اندر سے آواز دی جو صرف وحشیوں نے سنی تھی۔ ایک وحشی نے دروازے کے ساتھ منہ لگا کر کہا۔

"سو جاؤ۔ صبح تمہیں ہلاک کر دیا جائے گا۔ اب آرام کر لو"۔

پھر دونوں وحشی کھل کھلا کر ہنس پڑے۔ ماریا کو ان دونوں پر سخت غصہ آ رہا تھا کہ کم بخت راستے میں دیوار بن کر کھڑے ہو گئے ہیں۔ یہ تو اسے یقین ہو گیا تھا کہ عنبر اس کوٹھڑی میں بند ہے۔

ماریا نے آگے بڑھ کر ایک وحشی کے ہاتھ سے نیزہ چھین لیا۔ وحشی نے جو نیزہ غائب ہوتے دیکھا تو چکرا گیا۔ اب وہ

ڈر گیا تھا۔ کیونکہ نیزہ کبھی کسی نے اس کے ہاتھ سے چھین کر غائب نہیں کیا تھا۔ اس نے دوسرے وحشی سے کہا۔

"یہاں کوئی بھوت آ گیا ہے"۔

پہلا وحشی بولا۔

"ہم اس بھوت کا مقابلہ کریں گے۔ ہمارے جادوگر نے کہا ہے کہ سارے بھوت ہمارے غلام ہیں"۔

یہ کہہ کر وحشی نے نیزہ چلانا شروع کر دیا۔

"بھوت جہاں کہیں ہو گا مجھ سے قتل ہو جائے گا"۔

ماریا پرے ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔ اسے اس وحشی پر خاص طور پر بے حد غصہ آ رہا تھا۔ کہ بد بخت مقابلے پر اتر آیا ہے۔

ماریا نے آگے بڑھ کر نیزے کی نوک وحشی کی گردن میں چبھوئی۔ وحشی اچھل کر پرے ہٹ گیا۔

"بھوت مجھے مارنے کی کوشش کر رہا ہے۔ تم خبردار رہنا"۔

دوسرا وحشی ڈر گیا تھا۔ وہ وہاں سے بھاگنے کی فکر میں تھا۔ اب جو اس نے دیکھا کہ اس کے ساتھی کی گردن میں سے خون بہنے لگا ہے تو وہ پریشان ہو گیا۔ اس نے کہا۔

"یہاں سے بھاگ چلو۔ نہیں تو یہ بھوت ہمیں مار ڈالے گا"۔

پہلا وحشی بولا۔

"ہرگز نہیں۔۔ میں اس بھوت کو ماروں گا اور یا خود اسی جگہ مر جاؤں گا"۔

بہادر وحشی ہوا میں نیزہ لہرا رہا تھا۔ ماریا بھی گھبرا گئی کہ یہ ضدی راستے سے ہٹتا ہی نہیں ہے۔ اتنے میں اس کا نیزہ ماریا

کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے نیزے سے ٹکرا گیا۔ وحشی چیخ مار کر بولا۔

"میں نے بھوت کے نیزے سے اپنا نیزہ ٹکرا دیا۔ اب میں بھوت کو ہلاک کر دوں گا"۔

اب اس نے زیادہ جوش کے ساتھ حملے شروع کر دیے۔ ماریا پریشان ہو کر پیچھے ہٹنے لگی۔ شاید اس وحشی نے ماریا کے قدموں کی چاپ سن لی تھی۔

وہ ٹھیک اس طرف آگے بڑھ رہا تھا جدھر ماریا پیچھے ہٹ رہی تھی۔ وہ بڑھتے بڑھتے بالکل ماریا کے اوپر آ گیا۔ ماریا کے لیے اب سوائے اس کے اور کوئی چارا نہیں تھا کہ اپنی جان بچانے کے لیے وحشی کو ہلاک کر دے۔ چنانچہ اس نے نیزہ اٹھایا اور اسے زور سے پھینک کر اس کے سینے میں اتار

دیا۔

ایک چیخ کے ساتھ وحشی زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔ اسے گر کر تڑپتا دیکھ کر دوسرا وحشی وہاں سے شور مچاتا بھاگ گیا۔ ماریا نے وقت ضائع کرنا مناسب نہ سمجھا وہ جلدی سے کوٹھڑی کی طرف بڑھی اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگئی۔ اندر جاتے ہی اس نے دیکھا کہ دیے کی ہلکی ہلکی روشنی میں عنبر رسیوں کے ساتھ جکڑا زمین پر پڑا ہے۔

”عنبر بھائی، میں آ گئی ہوں“۔ ماریا نے کہا۔

عنبر نے پوچھا۔

”ناگ کا کیا حال ہے؟“۔

ماریا بولی۔

”وہ آرام کر رہا ہے۔ اب میرے ساتھ یہاں سے نکل

چلو“۔

عنبر بولا۔

”ماریا بہن، میری رسیاں کھول دو مگر سوال یہ ہے کہ ہم خزانے کا صندوق لیے بغیر یہاں سے کیسے نکل سکتے ہیں؟“۔

ماریا نے کہا۔

”خزانے کا صندوق سردار کی کوٹھڑی میں ہے اور اس وقت وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ اسے لالچی نظروں سے دیکھ رہا ہے“۔

عنبر بولا:

”تو پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں سب سے پہلے سردار کی کوٹھڑی میں چل کر خزانے پر قبضہ کرنا ہوگا“۔

ماریا نے کہا

"یہ مشکل کام ہے۔ اسے تم نہیں کر سکتے، کیونکہ تمہیں
سارے دیکھ کر پکڑ لیں گے۔ تمہیں شاید معلوم نہیں کہ صبح یہ
لوگ تمہیں پھانسی پر چڑھا کر تمہاری لاش دیوتاؤں کی
خوشنودی حاصل کرنے کے لیے دریا میں پھینک رہے ہیں۔

عنبر بولا۔

"مجھے سب کچھ معلوم ہو گیا ہے۔ یہ لوگ اپنے مقصد میں
کبھی کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔ مگر کیا تم اکیلی خزانے کو
یہاں سے نکال سکتی ہو؟"۔

ماریا نے کہا۔

"میں خزانے کو سر پر اٹھا کر جہاز تک تو نہیں لے جا سکتی،
لیکن کم از کم اتنا ضرور کر سکتی ہوں کہ خزانے کو غائب کر

دوں۔ کوئی بھی سوائے میرے اسے نہ دیکھ سکے۔ یہ وحشی
لوگ تمہیں دیکھ کر خزانے کو بھی دیکھ لیں گے اور پھر ہمارے
لیے خزانے کو جہاز تک لے جانا مشکل ہو جائے گا"۔

"ہاں یہ بات تو ٹھیک ہے۔ پھر تم جس طرح چاہو کرو"۔

ماریا نے کہا۔

"تم اسی کوٹھڑی میں ٹھہرو۔ میں خزانہ سردار کی کوٹھڑی
سے اٹھا کر باہر لاتی ہوں۔ باہر لا کر میں اسے غائب کر
دوں گی۔ پھر آ کر تمہیں اطلاع کر دوں گی"۔

ماریا عنبر کی کوٹھڑی سے نکل کر سردار کی کوٹھڑی کی طرف
چلی تو سامنے سے وحشی لوگوں کا ایک گروہ عنبر کی طرف آ رہا
تھا، کیونکہ بھاگے ہوئے وحشی نے وہاں جا کر شور مچا دیا کہ کسی
بھوت نے اس کے ساتھی کو ہلاک کر دیا ہے۔ اس گروہ

میں قبیلے کا جادوگر سب سے آگے آگے تھا۔ اس میں سردار
بھی تھا۔

وحشی کی لاش کو جادوگر نے غور سے دیکھا۔ خبر اندر ہی
تھا۔ سردار نے وہاں نیا پہرہ لگوا دیا۔ پھر اس نے جادوگر سے
کہا۔

"اپنے جادو سے پتا لگاؤ کہ یہ بھوت کون ہے۔ یہ کیوں
یہاں آ گیا ہے؟ اس کو یہ جرات کیسے ہوئی کہ میرے آدمی
کو ہلاک کر دے۔ تم ان پر کیسی حکومت کرتے ہو؟"۔

جادوگر نے ایک دائرہ بنا کر زمین پر ہڈیاں پھینکیں اور
منتر پڑھنے شروع کر دیے۔ دوسری طرف ماریا نے میدان
صاف دیکھا تو سردار کی کوٹھڑی کی طرف بڑھی۔ اس کا خیال
تھا کہ کوٹھڑی خالی ہو گئی مگر وہاں دو وحشی پہرہ دے رہے

تھے۔

دونوں کے ہاتھوں میں نیزے اور تلواریں تھی۔ ماریا کے
لیے وقت بہت کم تھا۔ سردار کے آنے سے پہلے پہلے اسے
خزانے کو کوٹھڑی میں سے نکال کر باہر لے جانا تھا۔

ماریا نے آگے بڑھ کر ایک وحشی کے ہاتھ سے تلوار چھین
لی ابھی وہ پلٹ کر دیکھ ہی رہا تھا کہ اس کی تلوار کون چھین کر
لے گیا کہ ماریا نے تلوار مار کر اس کی گردن اڑا دی۔

دوسرا وحشی چیخ مار کر بھاگ گیا۔ ماریا فوراً سردار کی کوٹھڑی
میں داخل ہو گئی۔ ادھر ادھر تلاش کر کے آخر اس نے دیکھ لیا
کہ خزانہ کہاں ہے۔

خزانے کا صندوق بھاری تھا مگر اس صندوق کو باہر لے
جانا بہت ضروری تھا۔ ماریا اسے گھسیٹتی ہوئی کوٹھڑی سے باہر

لے آئی۔

باہر آ کر اس نے صندوق کو کسی نہ کسی طرح جھک کر اپنے سر پر اٹھا لیا۔ صندوق کو اپنے سر پر اٹھانا تھا کہ وہ غائب ہو گیا۔ صندوق کے غائب ہوتے ہی ماریا نے جنگل کی طرف واپس پلٹنا شروع کر دیا۔

تھوڑی دور جنگل میں جا کر وہ تھک گئی۔ اسے پسینہ آ گیا اور ٹانگیں ڈگمگانے لگیں۔ اس نے خزانے کے صندوق کو ندی کنارے ایک جگہ جھاڑیوں میں چھپا کر اوپر مٹی اور پتھر ڈال دیے۔ اس کام سے فارغ ہو کر واپس گھومی۔

ادھر قبیلے کے وحشی جادوگر نے منتر پڑھنے کے بعد اپنا سر کھجایا اور دوسری بار پھر ہڈیاں پھینک کر زور زور سے منتر پڑھنے شروع کر دیے۔ پھر وہ حیران ہو کر کھڑا ہو گیا۔

سردار نے گرج کر کہا۔

"تم چپ کیوں ہو جادوگر؟ کیا بات ہے؟"۔

جادوگر نے کہا۔

"سردار، کوئی عجیب و غریب قسم کی شے یہاں آ گئی ہے۔ اس کی وجہ سے میرا جادو نہیں چل رہا"۔

سردار نے غصے میں آ کر کہا۔

"کیا مطلب؟"۔

جادوگر بولا۔

"غصے میں نہ آؤ سردار، کام خراب ہوتا معلوم ہو رہا ہے۔ یہاں کوئی ایسی روح پھر رہی ہے جو بڑی طاقت رکھتی ہے"۔

سردار نے طیش میں آ کر کہا۔

"میں اس بدروح کے ٹکڑے اڑا دوں گا"۔

جادوگر کہنے لگا۔

"اگر تم ایسا کر سکتے ہو سردار تو ضرور کرو۔ میں جا رہا ہوں۔ میں اس زبردست طاقت والی روح کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ میرے جادو نے بتایا ہے کہ اس کوٹھڑی میں بھی کوئی بہت بھاری طاقت والا آدمی انجام بنا بیٹھا ہے"۔

سردار نے جادوگر کو برا بھلا کہتے ہوئے کہا۔

"بھاگ جاؤ بد بخت یہاں سے۔ آج سے تم بھی میرے دشمن ہو"۔

جادوگر اپنی ہڈیوں کی پوٹلی اٹھا کر وہاں سے بھاگ گیا۔

سردار نے کہا۔

"صبح ہونے والی ہے۔ اس قیدی کو قربان کر دیا جائے۔ شاید دیوتا ہم سے ناراض ہیں۔ اس طرح سے وہ خوش ہو

جائیں گے"۔

وحشی عنبر کو کوٹھڑی میں سے پکڑ کر باہر لے آئے۔ وہ رسیوں میں بری طرح جکڑا ہوا تھا۔ وحشی اسے اس جگہ لے آئے جہاں تلوار سے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اسے دیوتا کے آگے پھینکا جاتا تھا۔

بصرے کی طرف

وحشیوں کا سردار قیدی کو جلد سے جلد قربان کر دینا چاہتا تھا۔

اسے یقین ہو گیا تھا کہ دیوتا ناراض ہو گئے ہیں اور جب تک وہ قیدی کی قربانی نہیں دے گا، دیوتا اس پر خوش نہیں ہوں گے۔

اس نے جلاد کو حکم دیا کہ قیدی کی گردن اڑا دی جائے۔

جلاد تلوار لے کر آگے بڑھا ہی تھا کہ ایک وحشی چیختا ہوا آیا۔

"سردار، خزانہ غائب ہے؟"۔

سردار غصے سے پاگل ہو گیا۔

"کیا کہا؟ خزانہ غائب ہے؟ کون لے گیا خزانے کو؟ ابھی تو میں اسے کوٹھڑی میں چھوڑ کر آیا ہوں"۔

وحشی نے کہا۔

"سردار، ایک پہرے دار کی وہاں لاش پڑی ہے۔ دوسرا غائب ہے"۔

سردار چلایا۔

"اس قیدی کی گردن اڑا دو۔ یہ ساری اس کی کارستانی معلوم ہوتی ہے۔ جلاد، تلوار چلاؤ"۔

جلاد نے تلوار اپنے سر کے اوپر سے گھما کر پوری طاقت

سے عنبر کی گردن پر ماری۔ تلوار عنبر کی گردن سے لگتے ہی دو ٹکڑے ہو کر زمین پر گر پڑی۔

جلاد بھونچکا سا ہو کر رہ گیا۔ اس کا خیال تھا کہ زمین پر قیدی عنبر کی گردن گرے گی مگر اس کی جگہ تلوار اس کے اپنے ہاتھ سے چھوٹ کر دو ٹکڑے ہو کر گر پڑی تھی۔ وہ سردار کی طرف دیکھنے لگا۔ سردار نے جلدی سے دوسری تلوار اس کی طرف پھینک کر کہا۔

"اس دوسری تلوار سے اس کی گردن اڑا دو۔ یہ کوئی جادوگر ہے۔"

جلاد نے سردار کی تلوار تھام کر عنبر پر دوسرا حملہ کیا مگر اس بار بھی تلوار ٹوٹ کر گر پڑی۔ اب ماریا بھی وہاں پہنچ گئی تھی اور دل چسپی سے یہ سارا کھیل دیکھ رہی تھی۔

لاش کے ٹکڑے

عنبر نے بلند آواز میں کہا۔

"سردار، تمہارے قبیلے کی ساری تلواریں ایک ایک کر کے ٹوٹ جائیں گی مگر میرے جسم سے خون کا ایک قطرہ بھی بھی نہیں نکلے گا۔"

سردار خود اپنی تلوار لے کر آگے بڑھا جو اسے جادوگر نے خاص طور پر دی تھی۔ اس تلوار پر ایسا جادو کیا گیا تھا کہ وہ کسی بھی بڑے سے بڑے جادوگر کی گردن اڑا سکتی تھی۔ سردار نے عنبر کے قریب آ کر کہا۔

"دیکھتا ہوں اب تم کس طرح بچتے ہو۔"

یہ کہہ کر سردار نے عنبر پر بھرپور ہاتھ مارا مگر تلوار اس دفعہ بھی یوں ٹوٹ کر گر پڑی جیسے وہ کسی لوہے سے جا ٹکرائی ہو۔

سردار طیش میں آ گیا۔ اس نے حکم دیا۔

"اس قیدی پر تیروں کی بارش کر دو۔ یہ دیوتاؤں کی امانت ہے۔ اسے ضرور قربان کرنا ہوگا"۔

وحشیوں نے عنبر پر تیروں کا مینہ برسانا شروع کر دیا۔ عنبر کے جسم سے تیر ٹکرا کر زمین پر گر رہے تھے۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ ماریا نے ایک وحشی کے کندھے پر سے تیروں کا ترکش کمان چھین لیا۔

اس نے تیر کمان میں جوڑ جوڑ کر ان وحشیوں پر چلانے شروع کر دیے جو عنبر پر تیر برسا رہے تھے۔ وحشی ماریا کے تیر لگنے سے مرنا شروع ہو گئے۔

ادھر عنبر کو ایک بھی تیر نہیں لگ رہا تھا۔ سردار گھبرا گیا۔ عنبر بھی تنگ آ گیا۔ اس نے زور لگا کر اپنی رسی تڑا لی اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

پھر اس نے ایک وحشی کو اٹھا کر اوپر اچھال دیا۔ دوسرے کو اٹھا کر درخت پر پھینک دیا۔ تیسرے کی گردن پر مکا مارا اور گردن توڑ دی۔

اب عنبر نے سردار کی گردن پر نیزہ رکھ دیا۔

"اے مغرور انسان، بول اب میں تیرے ساتھ کیا سلوک کروں؟ تیری زندگی اور موت میرے سامنے کھڑی ہے"۔

سردار نے ہاتھ جوڑ دیے۔ وہ پہلے ہی عنبر سے ڈر گیا تھا۔

"اے عظیم انسان، مجھے معاف کر دے۔ مجھ سے غلطی ہو گئی"۔

عنبر نے اسے چھوڑ دیا اور ماریا کو آواز دی۔

"اے آسمانی روح، میرے پاس واپس آ جا"۔

ماریا عنبر کے پاس آ کر کھڑی ہوگئی۔ مگر اسے کوئی بھی
نہیں دیکھ رہا تھا۔ عنبر نے کہا۔
"اگر میں تمہیں معاف نہ کرتا تو تم سارے کے سارے
ایک ایک کر کے موت کے منہ میں چلے جاتے۔ اس وقت
میرے پاس ایک آسمان کی روح کھڑی ہے۔
یہی وہ روح ہے جس نے تمہارے وحشیوں پر تیر چلائے
ہیں۔ میں اگر اسے حکم دوں تو یہ ابھی تم سب کو ہلاک کر سکتی
ہے۔
سردار نے جھک کر کہا۔
"ہماری جان بخشی کروا دے آسمانی روح کے مالک، ہم
سے بڑی بھول ہوگئی۔ ہم اپنے کیے پر پچھتا رہے ہیں۔ تم
جس طرح سے حکم دو گے۔ ہم اسی طرح کریں گے"۔

عنبر نے ماریا سے کہا۔
"اے آسمانی روح، ان لوگوں سے بات کرو"۔
ماریا نے کہا۔
تم لوگوں کو کیا ضرورت تھی کہ ہمارے جہاز پر رات کو حملہ
کرتے؟ تم نے ہمارے ایک بھائی کو زخمی کر دیا ہے، ہمارے
جہاز پر سے خزانہ اٹھا کر لے گئے۔
میرے بھائی کو تم نے ہلاک کرنے کی پوری کوشش کی۔
کیوں؟ آخر ہم نے تمہارا کیا بگاڑا تھا۔ خیر اب تمہیں
تمہارے کرتوت کی سزا مل گئی ہے۔ لیکن سزا تھوڑی ملی ہے۔
تم لوگوں کو زیادہ سزا ملنی چاہیے تھی۔ لیکن اب تمہیں معاف کیا
جاتا ہے۔
عنبر نے کہا۔

"اے آسمانی روح، خزانے کا صندوق کہاں ہے؟"۔

ماریا نے کہا۔

"اسی جنگل میں ندی کنارے پڑا ہے"۔

عنبر بولا۔

"سردار، تمہاری سزا یہ ہے کہ تم اس خزانے کو سر پر اٹھا کر ہمارے ساتھ چلو اور اسے ہمارے جہاز پر لاد کر واپس آؤ"۔

سردار نے سر جھکا کر کہا۔

"مجھے منظور ہے سرکار، میں آپ کا خادم ہوں"۔

عنبر اور ماریا وحشی سردار کو ساتھ لے کر ندی کنارے آ گئے۔ ماریا نے ایک جگہ سے جھاڑیاں اور پتھر ہٹانے کے لیے۔

وحشی سردار غلاموں کی طرح جلدی جلدی پتھر اور

جھاڑیاں ہٹانے لگا۔ نیچے سے خزانے کا صندوق نکل آیا۔

عنبر نے کہا۔

"اس صندوق کو سر پر اٹھاؤ اور ہمارے جہاز پر چلو"۔

"جو حکم سرکار"۔

سردار نے خزانے کا صندوق اپنے سر پر اٹھایا اور عنبر اور ماریا کے ساتھ چل پڑا۔ دن نکل آیا تھا۔ سورج کی روشنی جنگل میں چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔

وہ جنگل میں سے نکل کر کھاڑی کے کنارے آ گئے۔ سامنے ان کا جہاز کھڑا تھا۔ عنبر نے ناگ کو آواز دی۔ ناگ نے اوپر سے سیڑھی پھینک دی۔

عنبر، سردار اور ماریا سیڑھی چڑھ کر جہاز پر آ گئے۔

خزانے کو کیبن میں رکھ دیا گیا۔ سردار نے ناگ کی ٹانگ

کا زخم دیکھا تو بولا۔

"تیر میں زہر لگا ہوا تھا۔ مگر میں حیران ہوں کہ زخم پر زہر نے بالکل اثر نہیں کیا۔ زخم اچھا ہو رہا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟"۔

عنبر ہنس کر بولا۔

"اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ یہ شخص بھی ایک آسمانی روح ہے۔ اس پر زہر اثر نہیں کرتا"۔

سردار نے کہا۔

"تم لوگ آسمانی روحیں ہو۔ ہم سے بڑی بھول ہوگئی کہ تم سے مقابلہ کر بیٹھے۔ اب ہمیں اجازت دو کہ واپس اپنے قبیلے میں چلے جائیں"۔

عنبر بولا۔

"ہاں، تمہیں اجازت ہے"۔

سردار اور اس کے ساتھیوں نے جھک کر عنبر اور ناگ کو سلام کیا اور جہاز پر سے اتر کر جنگل میں غائب ہوگئے۔ عنبر نے ناگ کے زخم کو تازہ گرم پانی سے دھو کر ایک ایسی دوا لگا دی جس نے اس کا زخم دوسرے دن ہی اچھا کر دیا۔ اب وہ جہاز کے عرشے پر گھومنے پھرنے لگا۔ شام کو کہنے لگا۔

"میرا خیال ہے، اب ہمیں یہاں سے کوچ کر جانا چاہیے"۔

عنبر نے کہا۔

"کیوں نہیں۔ اب ہمارا یہاں کوئی کام نہیں"۔

ماریا بولی۔

"ہمیں رات اسی جگہ آرام کرنا چاہیے۔ کل صبح چلیں

گے۔ آج ہوا بھی نہیں ہے"۔

وہ رات انہوں نے کھاڑی میں ہی آرام کیا۔

اگلے روز صبح بڑی خوشگوار اور کچھ تیز ہوا چل رہی تھی۔ جہاز کا لنگر اٹھا کر بادبان کھول دیے گئے۔ بادبانوں کے کھلتے ہی جہاز چل پڑا۔

دوپہر تک وہ کھاڑی میں سے نکل کر کھلے سمندر میں پہنچ چکے تھے۔ موسم بڑا صاف تھا۔ آسمان پر بادلوں کا ایک بھی ٹکڑا نہیں تھا۔ ہوا خوب چل رہی تھی۔ جہاز بڑی تیز رفتار کے ساتھ اپنی منزل کی طرف بڑھ رہا تھا۔

ان کی منزل عرب کا ملک تھا۔

سمندر میں وہ ایک ہفتے تک سفر کرتے رہے۔ اس عرصے میں انہیں راستے میں کوئی بھی تجارتی یا مسافر بردار

جہاز نہ ملا۔ آٹھویں روز انہیں ایک بادبانی جہاز نظر آیا جو ان کے قریب سے گزرتے ہوئے ایک پل کے لیے رک گیا۔

عنبر اور ناگ بڑے حیران ہوئے کہ یہ جہاز رک کیوں گیا ہے۔ وہ عرشے پر آ کر کھڑے ہو گئے۔ رکے ہوئے جہاز کے عرشے پر اس کا کپتان نمودار ہوا۔ اس نے پوچھا۔

"یہ جہاز کہاں جا رہا ہے؟"۔

عنبر نے کہا۔

"ہم بصرے کی طرف جا رہے ہیں"۔

جہاز کے کپتان نے کہا۔

"وہاں بڑا قتل عام ہو رہا ہے۔ وہاں جانے کا خیال ترک کر دو۔ میں نے جہاز کو اس لیے روک لیا تھا کہ تمہیں خبردار کر لوں کیوں کہ میں سمجھ گیا تھا کہ تم لوگ بصرے کی

طرف جارہے ہو"۔

ناگ نے پوچھا۔

"بصرے میں کسی کا قتل عام کون کر رہا ہے؟"۔

کپتان نے کہا۔

"شاید تمہیں معلوم نہیں کہ چنگیز خان کے ساتھی ظالم اٹیلا
نے اپنے لشکر کے ساتھ بغداد اور شام کے ملکوں پر حملہ کر دیا
ہے۔اس نے ہر جگہ قتل کا بازار گرم کر رکھا ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"اٹیلا کس جگہ رہتا ہے؟"۔

کپتان بولا۔

"اٹیلا اس وقت بغداد شہر میں ہے۔وہ وہاں کا حکمران
بن بیٹھا ہے"۔

عنبر نے پوچھا۔

"بصرے میں قتل عام کون کر رہا ہے؟"۔

کپتان نے کہا۔

"بصرے میں اس کا ایک گورنر ارچیلا ہے۔جو وہاں چن
چن کر لوگوں کی گردنیں اڑا رہا ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"تمہارا شکریہ کپتان، تم نے عین وقت پر ہمیں باخبر کر
دیا۔اب ہم بصرے نہیں جائیں گے، بلکہ یہاں ہی سے اپنا
رخ افریقہ کی طرف موڑ لیں گے"۔

کپتان بولا۔

"ہاں، اسی میں خیریت ہے، کیوں کہ بصرے کی بندرگاہ
پر جہازوں کو لوٹ کر اس کے مسافروں کو قتل کیا جا رہا ہے"۔

کپتان اپنے جہاز کو لے کر آگے بڑھ گیا۔

ناگ نے عنبر سے کہا۔

"عنبر بھائی، کیا سچ مچ تم نے بصرے جانے کا ارادہ بدل لیا ہے؟"۔

عنبر زور سے ہنس پڑا۔

"ہرگز نہیں، ہم بصرے ہی جائیں گے"۔

ماریا بولی۔

"مگر تم کپتان سے تو کہہ رہے تھے کہ تم بصرے کی بجائے افریقہ جاؤ گے؟"۔

عنبر نے کہا۔

"اسے میں یہ نہ کہتا تو وہ ہم دونوں کو پاگل سمجھتا کہ جان بوجھ کر موت کے منہ میں جا رہے ہیں۔ اسے کیا خبر کہ ہم کون

ہیں اور موت کے منہ میں اس لیے جا رہے ہیں کہ موت ہمیں ایک کھیل معلوم ہوتی ہے"۔

ناگ نے کہا۔

"یہ تو ٹھیک ہے بھائی، لیکن اٹیلا کوئی بڑا ہی سنگدل ظالم سردار معلوم ہوتا ہے۔ جس نے لوگوں کے دلوں سے چنگیز خان کی یاد بھلا دی ہے"۔

عنبر نے کہا۔

ہاں ناگ، یہ قوم ہن کے وحشی قبیلے کے لوگ ہیں، انہیں اپنی زمینوں پر کھانے کو نہیں ملتا۔ اسی لیے یہ ان شہروں کا رخ کرتے ہیں۔ بغداد اور شام میں مسلمانوں کی خوش حال تہذیب کی بڑی شہرت تھی۔

شاید یہ بادشاہ عیش و عشرت میں پڑ کر کمزور ہو گئے ہیں جو

اٹیلا کا مقابلہ نہیں کر سکتے، کیونکہ مسلمان تو ایک بہادر قوم ہے
اور رومی تک اس سے ڈرتے ہیں"۔

ماریا بولی۔

"ایسا ہی ہوگا، لیکن ہمیں وہاں جانے کی اب کیا
ضرورت ہے؟ میرا مطلب ہے جس شہر میں حالات خراب
ہوں وہاں جانا عقلمندی نہیں ہے"۔

عنبر نے ہنس کر کہا۔

"ماریا بہن، میں حیران ہوں کہ تم ڈر رہی ہو؟ مجھے تو تم
سے بڑی بہادری کی توقع تھی"۔

ماریا نے کہا۔

"عنبر بھائی، میں بہادر عورت ہوں۔ میں ڈرتی نہیں
ہوں۔ لیکن کبھی کبھی میرے دل میں خیال آتا ہے کہ آخر ہم

خطروں کے پیچھے کیوں بھاگتے پھرتے ہیں؟"۔

عنبر نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"ماریا بہن، خطروں کا مقابلہ کرنا ہی زندگی ہے۔ میں تو
پیدا ہی خطروں کا مقابلہ کرنے کے لیے ہوا ہوں۔ میں تو
ساری زندگی اسی طرح خطروں کا مقابلہ کرتا رہا ہوں۔ ہاں
اگر کبھی ایسا وقت آیا کہ دنیا میں خطرے کم ہوگئے تو میں پھر
اس دنیا سے چلا جاؤں گا"۔

ناگ نے کہا۔

"عنبر بھائی کا خیال ٹھیک ہے ماریا بہن، جس زندگی میں
خطروں کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہ ہو بھلا وہ زندگی بھی کوئی
زندگی ہے؟ کمزور انسان کی زندگی سے تو موت بہتر ہے۔
انسان کو اس دنیا میں طاقت ور بن کر رہنا چاہیے"۔

ماریا بھی ہنس کر بولی۔

"تم لوگ تو خواہ مخواہ میرے پیچھے پڑ گئے۔ میں نے تو یونہی مذاق میں ایک بات کہی تھی۔ بھلا میں نے کبھی خطروں سے منہ موڑا ہے۔ میری اتنی لمبی زندگی تمہارے سامنے ہے۔ ہمیشہ ہر مشکل اور ہر خطرے میں تمہارے ساتھ رہی ہوں اور ہر مشکل کا ڈٹ کر مقابلہ کیا ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"ہاں بھئی اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تم ایک بہادر عورت ہو۔ ہم تمہاری بہادری اور دلیری کے قائل ہیں۔ میرا خیال ہے، اب ہمیں بھی جہاز کو آگے بڑھانا چاہیے"۔

ناگ بولا۔

"ضرور، ضرور"۔

عنبر نے لنگر اٹھا دیا اور جہاز آگے روانہ ہو گیا۔

دو روز اور وہ سمندر میں سفر کرتے رہے۔ دسویں روز شام کو انہوں نے آسمان پر بگلوں کو اڑتے دیکھا۔ یہ وہ پرندے ہیں جو ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ ملا کرتے ہیں۔ ان کو دیکھ کر ملاحوں کو یقین ہو جاتا ہے کہ ساحل قریب ہے۔

عنبر نے بگلوں کی قطار کو دیکھ کر کہا۔

"ہم بصرے کی بندرگاہ پر پہنچنے ہی والے ہیں"۔

ناگ نے کہا۔

"عنبر! ہم نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ اٹیلا کے سپاہی ہمارے خزانے پر ضرور قبضہ کر سکتے ہیں۔ اس خزانے کو ہم کہاں چھپاتے پھریں گے؟"۔

"تم ذرا دیکھتے جاؤ کہ کیا ہوتا ہے۔ یہ ساری باتیں

میرے دل میں موجود ہیں۔تم فکر مت کرو"۔

گیارھویں روز صبح کو انہیں دور بصرے کے ساحل پر اگے ہوئے کھجوروں کے درختوں کے جھنڈوں کے جھنڈ نظر آئے۔خلیج فارس کے پانیوں میں سے گزرتے ہوئے وہ بصرہ کی بندرگاہ پر پہنچنے ہی والے تھے۔

ویران بادبانی جہاز

ایک پہر دن چڑھے جہاز بصرے پہنچ گیا۔

بصرے کی بندرگاہ ایک چھوٹی سی بندرگاہ تھی۔ یہاں ادھر ادھر چند ایک پرانی قسم کے جہاز کھڑے تھے۔عنبر اور ناگ اپنے جہاز کو بندرگاہ کے اندر لے گئے اور ایک طرف کنارے کے قریب لنگر پھینک دیا۔

بادبان لپیٹ دیے گئے۔انہوں نے سیڑھی نیچے پھینکی اور

اترنے کی تیاری کرنے لگے۔ ماریا کو انہوں نے جہاز میں ہی رہنے دیا۔ وہ شہر میں اتر کر وہاں کے حالات معلوم کرنا چاہتے تھے۔ خزانے کو جہاز میں ہی تہہ خانے میں اچھی طرح سے چھپا کر وہاں ماریا کا پہرہ لگا دیا۔

ماریا نے کہا۔

”بھائیو، تم لوگ شہر میں زیادہ دیر مت لگانا۔ نہیں تو مجھے تمہاری فکر لگنی شروع ہو جائے گی“۔

عنبر نے کہا۔

”ماریا ہم تمہیں جہاز میں اکیلی چھوڑ کر شہر میں زیادہ وقت نہیں لگا سکتے۔ ہم جلد سے جلد واپس آنے کی کوشش کریں گے“۔

عنبر اور ناگ جہاز پر سے نیچے اتر گئے۔ ماریا نے سیڑھی

اوپر کھینچ لی۔ اور عرشے کے جنگلے کے ساتھ لگی عنبر اور ناگ کو بندرگاہ پر جاتے دیکھتی رہی۔

بندرگاہ پر کچھ عرب مزدور کام میں لگے ہوئے تھے۔ ویسے وہاں پر ایک طرح کی دہشت سی پھیلی ہوئی تھی۔ جتنے لوگوں کو بندرگاہ پر ہونا چاہیے تھا، اتنے لوگ وہاں نہیں تھے جو عرب تھے وہ بھی ایک دوسرے سے کوئی بات نہیں کر رہے تھے۔ عنبر نے ایک ہن قوم کے سپاہی کو دیکھا جو ایک ملازم سے ہنٹر مار کر کام لے رہا تھا۔

عنبر نے ناگ سے کہا۔

”یہی اٹیلا کی ہن قوم کے سپاہی ہیں۔ انہوں نے ہی ان شہروں پر حملہ کر کے یہاں تباہی پھیلا رکھی ہے۔ ہمیں احتیاط سے شہر میں جانا ہوگا“۔

ناگ نے کہا۔

"شہر میں جا کر ہمیں اصل حالات معلوم ہوں گے"۔

کھجوروں کے باغ جگہ جگہ پھیلے ہوئے تھے۔ عنبر اور ناگ ان باغوں میں سے گزر کر شہر میں داخل ہو گئے۔ شہر کی فصیل ٹوٹی ہوئی تھی دیوار کے اندر ایک جگہ بن سپاہی کھڑے آنے جانے والوں کی پڑتال کر رہے تھے۔ ناگ نے کہا۔

"یہاں پوچھ گچھ ہو رہی ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"ہاں، فکر نہ کرو۔ تم خاموش رہنا۔ میں بات کروں گا۔ اس قوم سے میں ایک بار پہلے بھی مقابلہ کر چکا ہوں"۔

یہ کہہ کر عنبر ناگ کے ساتھ آگے بڑھا۔ چوکی پر آ کر دیکھا کہ چھ سات بن سپاہی نے اپنے خونخوار چہرے لیے

کھڑے تھے۔ عنبر اور ناگ کو دیکھ کر ایک سپاہی نے پوچھا۔

"تم لوگ کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟"۔

عنبر نے کہا۔

"جناب، ہم دونوں بھائی ہیں۔ ہم حکیم ہیں۔ بیماروں کا علاج کرتے ہیں اور جڑی بوٹیوں کی تلاش میں شہر شہر، جنگل جنگل پھرتے ہیں"۔

سپاہی نے پوچھا۔

"تم سمندر کے راستے سے آئے ہو کہ خشکی کے راستے سے؟"۔

یہاں عنبر سے یہ غلطی ہو گئی کہ اس کے منہ سے نکل گیا کہ وہ سمندر کے راستے سے آئے ہیں؛ حالاں کہ اسے یہ کہنا چاہیے تھا کہ وہ خشکی کے راستے سے آئے ہیں۔

اس پر سپاہیوں کے کپتان نے آگے بڑھ کر عنبر کو خونی
نگاہوں سے گھورا اور کہا۔
"تمہارا جہاز کہاں ہے؟"۔
اب عنبر کو احساس ہوا کہ اس سے غلطی ہو گئی ہے۔اس
نے پھر بھی اپنے ہوش وحواس ٹھیک رکھتے ہوئے کہا۔
"ہمارا جہاز سمندر میں بندرگاہ پر کھڑا ہے۔"
کپتان نے کہا۔
"دوسرے مسافر کہاں ہیں؟"۔
عنبر بولا۔
"وہ۔۔۔وہ چلے گئے ہیں"۔
ایک غلطی اس سے ہو گئی تھی۔اب اس سے غلطی پر غلطی
ہو رہی تھی۔کپتان نے حیرانی سے پوچھا۔

"کدھر چلے گئے؟ میں نے تو کسی مسافر کو بندرگاہ سے
شہر کی طرف آتے نہیں دیکھا۔پھر تمہارے جہاز کے مسافر
کہاں ہیں؟ تم مسلمانوں کے جاسوس ہو"۔
عنبر نے جھٹ کہا۔
"نہیں جناب ایسا نہیں ہے۔ہم جاسوس نہیں ہیں۔اگر
آپ کو یقین نہیں آتا تو چل کر ہمارا جہاز دیکھ لو"۔
کپتان بولا۔
"چلو دکھاؤ"۔
عنبر اور ناگ جس مصیبت سے بچنا چاہتے تھے وہ ان
کے سر پر آن کھڑی ہوئی تھی۔اب سوائے اس کے کوئی چارہ
نہیں تھا کہ انہیں چل کر جہاز دکھایا جائے۔جہاز دکھانے کا
مطلب یہ تھا کہ وہ چل کر سارے جہاز کی تلاشی لیتے۔

عنبر انہیں روک بھی نہیں سکتا تھا۔ مجبور ہو کر وہ آگے آگے چل پڑا۔ کپتان نے تلوار کھینچ لی اور دوسرے سپاہیوں کو ہمراہ لے کر بندرگاہ کی طرف چلا۔ ساحل پر آ کر عنبر نے اپنے جہاز کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''یہ ہے ہمارا جہاز جناب، ہم اسی جہاز پر آئے ہیں''۔

کپتان نے کہا۔

''مگر اس جہاز پر تو کوئی مسافر، کوئی کپتان نظر نہیں آ رہا۔ یہ جہاز تو بھوتوں کا جہاز معلوم ہوتا ہے''۔

عنبر بولا۔

''جناب، مسافر چلے گئے ہیں۔ ہم اس کے سوا اور کچھ نہیں جانتے کہ ہم اس جہاز پر آئے ہیں اور یہ ایک مسافروں کا جہاز ہے''۔

کپتان بولا۔

''چلو۔۔۔ ہم جہاز پر چل کر اسی کی تلاشی لیں گے۔ یہ کون سا جہاز ہے کہ جو چپکے سے مسافروں کو لے کر ہماری بندرگاہ کے پانی میں آن کھڑا ہوا ہمیں کانوں کان تک خبر نہ ہوئی''۔

اب تو عنبر اور ناگ کو فکر پڑ گئی کہ یہ کم بخت بن سپاہی جہاز کی بری طرح سے تلاشی لیں گے اور ہو سکتا ہے کہ خزانے پر بھی قبضہ کر لیں۔

انہیں مجبوراً جہاز پر ساتھ جانا پڑا۔ یہ سب لوگ اسی وقت نیچے سے سیڑھی پھینک کر جہاز پر چڑھے۔ جہاز کے عرشے پر جا کر کپتان نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ سارے جہاز کی تلاشی لی جائے اور جہاز کے کپتان کو حاضر کیا جائے۔ سپاہی

جہاز میں چلے گئے۔

کپتان عنبر اور ناگ کے پاس عرشے پر بیٹھ گیا۔ وہ پوچھنے لگا۔

"تم لوگ کس شہر سے اس جہاز پر سوار ہوئے تھے؟ اس جہاز کے کپتان کا نام کیا تھا؟"۔

کپتان بولا۔

"خوب، کیا اس نے تم لوگوں کو بتایا نہیں تھا کہ بصرے شہر میں ہن قوم کے سردار اٹیلا کی فوجوں کا قبضہ ہے اور وہاں جانا خطرے سے خالی نہیں؟"۔

اب ناگ بولا۔

"نہیں جناب، ہمیں کچھ بھی نہیں بتایا۔ ہاں ایک بار اس نے کہا تھا کہ سنا ہے اس شہر میں کچھ گڑ بڑ ہے، لیکن ہمیں جانا

ہی پڑے گا"۔

کپتان تلوار لہرا کر بولا۔

"اس کم بخت کی یہ جرات کہ ہمارے حملے کو معمولی گڑ بڑ کے نام سے پکارے۔ ابھی اس کی خبر لیتا ہوں۔ ابھی اس کی گردن اڑا کر سمندر میں پھینکتا ہوں"۔

اتنے میں پانچوں سپاہی کیبن کی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آئے اور بولے۔

"کپتان، نیچے کوئی بھی انسان نہیں ہے۔ نہ مسافر، نہ کپتان اور نہ کوئی ملاح ہے"۔

کپتان اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"یہ تم کیا بکواس کر رہے ہو؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اتنا بڑا جہاز افریقہ سے سفر کرتا ہوا آئے اور اس پر نہ تو کوئی کپتان ہو

اور نہ کوئی ملاح ہو؟"۔

سپاہی نے کہا۔

"جناب عالی، ہم نے نیچے جہاز کا کونا کونا چھان مارا ہے۔ نیچے کوئی ملاح، کوئی مسافر، کوئی انسان کہیں بھی نہیں ہے"۔

کپتان نے غصے میں کہا۔

"تم بکواس کر رہے ہو۔ میں خود جا کر دیکھتا ہوں۔ تم لوگ میرے ساتھ آؤ"۔

کپتان نے سپاہیوں کو اوپر عرشے پر ہی چھوڑا اور ناگ اور عنبر کو ساتھ لے کر جہاز میں نیچے اتر گیا۔ تنگ سیڑھیوں میں سے اترنے کے بعد وہ اس کیبن میں آ گیا جس کی میز پر نقشہ پھیلا ہوا تھا۔ کپتان نے جھک کر چمڑے کے نقشے کو

دیکھا۔

"ہر شے یہاں موجود ہے۔ نقشہ بھی ہے۔ قطب نما بھی ہے۔ پھر اس جہاز کا کپتان کہاں ہے؟"۔

وہ عنبر کے ساتھ دوسرے کیبن میں آ گیا۔ اس کیبن میں پانی کے مٹکے رکھے ہوئے تھے۔ اس نے ایک مٹکے کو ٹھونک بجا کر دیکھا۔ پھر ناگ سے پوچھا۔

"کیا تم نے اس جگہ کسی شخص کو دیکھا تھا؟"۔

ناگ نے کہا۔

"ہاں جناب، میں نے یہاں سے کئی بار سرخ ڈاڑھی والے کپتان کو آتے جاتے دیکھا تھا"۔

کپتان دونوں کو لے کر جہاز کے باورچی خانے میں آ گیا۔ یہاں چولہا ٹھنڈا تھا۔ صرف ایک تھالی میں تھوڑی سی

پکی ہوئی سبزی پڑی تھی۔ کپتان نے حیرانی سے کہا۔

"کسی مسافر جہاز پر اتنی تھوڑی سی سبزی نہیں پک سکتی۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس جہاز پر صرف ایک ہی آدمی سفر کر رہا تھا"۔

عنبر بولا۔

"نہیں جناب، اس جہاز پر بہت سے مسافر تھے۔ ملاح بھی تھے۔ باورچی خانے میں باورچی بھی تھے۔ یہاں تو بڑی رونق لگی رہتی تھی جناب"۔

ہن کپتان نے گرج کر کہا۔

"تو پھر وہ سب لوگ کہاں مر گئے؟"۔

عنبر نے سر ہلا کر کہا۔

"کیا عرض کر سکتا ہوں سرکار"۔

کپتان بولا۔

"ہونہہ، دیکھا جائے گا"۔

ہن کپتان عنبر اور ناگ کو لے کر جہاز پر سے اتر آیا۔ نیچے آ کر اس نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اس پر اسرار جہاز کو اپنی نگرانی میں لے لیا جائے۔

سپاہی ایک دم کنارے کنارے پھیل کر کھڑے ہو گئے۔ اور تلواریں لیے چل پھر کر جہاز پر پہرہ دینے لگے۔ عنبر نے ناگ کی طرف دیکھا۔

دونوں پریشان ہو گئے کہ خواہ مخواہ کس مصیبت میں پھنس گئے۔ اب وہ ماریا سے ملنے اپنے جہاز پر واپس کس طرح جائیں گے؟۔

وہ یہی سوچ رہے تھے کہ ہن قوم نے کہا۔

"تم دونوں بھائیوں کو شہر میں جانے کی اجازت ہے، لیکن خبردار، کبھی بندرگاہ کی طرف واپس مت آنا۔۔۔چلو۔۔۔بھاگو یہاں سے"۔

"شکریہ، شکریہ جناب"۔

عنبر اور ناگ وہاں سے نکل کر شہر میں آ گئے۔ وہ ایک کھجور کے درخت کے نیچے پتھر کے ایک چبوترے پر بیٹھ گئے۔ وہ بڑے پریشان ہو گئے تھے۔

ناگ نے پوچھا۔

"عنبر بھائی، اب کیا ہو گا؟ واپس ماریا کے پاس کیسے جائیں گے؟"۔

عنبر نے کہا۔

"یہ سوچ کر بتاؤں گا۔ ابھی میرے ساتھ آؤ"۔

ناگ نے پوچھا۔

"کہاں؟"۔

عنبر بولا۔

"کہیں بھی۔۔یہاں ہمارا اس طرح بیٹھے رہنا ٹھیک نہیں۔ بن قوم کے جاسوس چپے چپے پر پھر رہے ہوں گے۔ میں اس قوم سے خوب واقف ہوں۔ جاسوسی میں ان کا جواب نہیں ہے"۔

دونوں وہاں سے اٹھ کر شہر کے ایک بازار میں آ گئے۔ بازار میں کوئی زیادہ رونق نہیں تھی۔ کچھ عرب دکانوں پر خاموش بیٹھے تھے۔

بازار میں زیادہ تر بن قوم کے سپاہی گھوم رہے تھے۔ عنبر اور ناگ چلتے چلتے ایک خالی دکان کے پاس آ کر کھڑے

ہو گئے۔ دکان دار نے غور سے دونوں کو دیکھا اور اپنے کام
میں لگ گیا۔ عنبر نے اس سے پوچھا۔

"بھائی، کیا شہر میں کوئی ایسی کارروان سرائے مل سکتی ہے
جہاں ہم لوگ رات بسر کر سکیں؟"۔

دکاندار نے پوچھا۔

"تم کون لوگ ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ پہلے میں نے
تمہیں کبھی بصرے میں نہیں دیکھا۔"

عنبر نے کہا۔

"ہم دونوں بھائی ہیں۔ ہم جڑی بوٹیوں کی تجارت بھی
کرتے ہیں اور بیماروں کا علاج بھی کرتے ہیں۔ ہم ملک
افریقہ سے یہاں آئے ہیں اور بصرے میں کچھ روز ٹھہر کر
یہاں جڑی بوٹیوں کی تلاش کرنا چاہتے ہیں"۔

عرب دکاندار تعجب سے بولا۔

"کمال ہے تم لوگوں کی عقل پر۔ کیا تمہیں معلوم نہیں تھا
کہ اس شہر کی حالت کیا ہے! بہر حال تم جانو تمہارے کام
جانے۔ ہاں یہاں سے آگے جا کر ایک گلی آتی ہے۔ اس گلی
کے آخر میں ایک سرائے ہے"۔

"شکریہ"۔

عنبر اور ناگ آگے چل پڑے۔ بازار میں کچھ دور جانے
کے بعد بائیں ہاتھ کو ایک گلی جاتی تھی۔ دونوں اس گلی میں
گھوم گئے۔

یہ گلی جہاں جا کر ختم ہوتی تھی وہاں سرائے کا ایک چھوٹا سا
دروازہ تھا جس کے باہر ایک حبشی غلام سبز رنگ کی پگڑی
باندھے بیٹھا تھا۔ عنبر نے جا کر کہا۔

"ہم مسافر ہیں۔ کیا ٹھہرنے کو جگہ مل جائے گی؟"۔

حبشی غلام نے مسکرا کر کہا۔

"کیوں نہیں۔ آپ اندر تشریف لے جائیں"۔

بصرے میں داخل ہونے کے بعد یہ پہلی مسکراہٹ انہیں نظر آئی تھی۔ انہیں کچھ تسلی ہوئی اور وہ سرائے کی ڈیوڑھی میں سے گزر کر دالان کے تالاب کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے۔ یہاں داہنی طرف قالین پر سرائے بوڑھا مالک بیٹھا تھا۔ عنبر اور ناگ نے جا کر اسے ادب سے سلام کیا اور کہا کہ وہ مسافر ہیں۔

بصرے میں سیر و سیاحت کے لیے آئے ہیں۔ انہیں کچھ روز وہاں قیام کرنا ہے۔ اور کوٹھڑی کی ضرورت ہے۔

سرائے کا مالک کہنے لگا۔

"ہمارے پاس صرف ایک کوٹھڑی مغرب کی طرف ہے۔ مگر اس کا کرایہ دگنا ہوگا۔ اس لیے کہ لوگوں نے سراؤں میں رہنا چھوڑ دیا ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"ہمیں منظور ہے"۔

عنبر نے جیب میں سے سونے کی چار اشرفیاں نکال کر سرائے کے مالک کی ہتھیلی پر رکھ دیں اور کہا۔

"ہمیں ہماری کوٹھڑی میں پہنچا دیا جائے"۔

ایک غلام نے عنبر اور ناگ کو سرائے کی کوٹھڑی میں پہنچا دیا۔ دروازہ بند کر کے وہ چوکی پر بیٹھ گئے۔

ناگ نے کہا۔

"اب کیا ہوگا بھائی۔ ماریا کے پاس ہم کیسے جائیں

گے۔ وہاں تو زبردست پہرہ لگ گیا ہے۔ ہم تو بڑی مصیبت میں گھر گئے ہیں“۔

عنبر بولا۔

”مجھے سوچنے دو۔ غور کرنے دو۔ کوئی نہ کوئی حل نکل ہی آئے گا۔ خزانہ بچ گیا ہے۔ مجھے اس کی زیادہ خوشی ہوئی ہے“۔

وہ دیر تک باتیں کرتے رہے۔ کوئی ایسی ترکیب پر غور کرتے رہے کہ جس سے وہ واپس اپنے جہاز پر جا سکیں۔ انہوں نے سوچا کہ بہتر تھا، وہ ماریا کو بھی ساتھ ہی لے آتے۔

لیکن پھر خزانے کی رکھوالی کون کرتا؟ جو ہوا ٹھیک ہوا تھا۔ صرف عنبر کو یہ نہیں کہنا چاہیے تھا کہ وہ سمندر کے راستے

آئے ہیں۔ اگر وہ یہ کہہ دیتا کہ وہ خشکی کے راستے آئے ہیں تو بن کپتان ان پر کبھی شک نہ کرتا مگر اب کیا ہو سکتا تھا؟ پانی سر سے گزر چکا تھا۔

☆عنبر اور ناگ کی ماریا سے کیسے ملاقات ہوئی؟

☆دونوں بادبانی جہاز پر کیسے پہنچے؟

☆ظالم اٹیلا سے وہ کیوں ملے؟

☆ان سب سوالوں کے جوابات کے لیے اسی ناول کی اگلی یعنی 45ویں قسط خونی کھیل کا مطالعہ کیجیے۔

خونی کھیل
(قسط نمبر45)
اے حمید

فہرست

پیارے بچو!

اس سے پہلے تم پڑھ چکے ہو کہ کس طرح مصیبتوں کے پہاڑ کاٹ کر عنبر، ناگ اور ماریا ایک زبردست مقابلے کے بعد نارگن ڈاکو کو ہلاک کر کے شہر گوا کی بندرگاہ میں پہنچتے ہیں۔ وہاں ڈاکو ہولکران کے جہاز کو اغوا کر کے ایک کھاڑی میں چھپا دیتا ہے۔

یہاں بھی ایک زبردست جنگ ہوتی ہے۔ ڈاکو ہولکر مارا جاتا ہے۔ عنبر ناگ اور ماریا اپنا جہاز لے کر بصرے پہنچ جاتے ہیں۔ یہاں سے وہ بغداد پہنچتے ہیں جہاں چنگیز خان کے

ساتھی ظالم اٹیلا نے قتل عام شروع کر رکھا ہے۔

ماریا چونکہ کسی کو نظر نہیں آتی اس لیے عنبر اور ناگ اکیلے ہی بندرگاہ پر اترتے ہیں۔ جہاز میں ماریا اور خزانہ چھپا دیا گیا ہے۔ جہاز کی تلاشی لی جاتی ہے لیکن کچھ نہیں ملتا۔

عنبر اور ناگ بصرے کی ایک سرائے میں پہنچتے ہیں۔ ارچنک جادوگران پر کالا اسم پھونکتا ہے۔ ناگ سانپ بن کر ارچنک کو ہلاک کرتا ہے۔

عنبر کو اٹیلا کے سپاہی قید کر لیتے ہیں۔ آخر بڑی مصیبتوں سے عنبر اور ناگ قید سے بھاگ کر واپس جہاز پر جاتے ہیں۔ خزانے کو جہاز میں سے نکال کر صحرا میں ایک جگہ چھپا کر نشان رکھ دیتے ہیں اور ماریا کو ساتھ لے کر بغداد کا رخ کرتے ہیں۔

وہاں شاہی خاندان کے قلعے قید خانے میں ہیں گلی کوچوں میں غریبوں کا خون بہہ رہا ہوتا ہے۔ یہاں ان تینوں پر کیا گزرتی ہے؟ آگے خود پڑھیں۔

سانپ کی جاسوسی

عنبر اور ناگ سرائے کی کوٹھڑی میں اکیلے بیٹھے تھے۔ دوپہر ہو گئی تھی۔ انہوں نے ابھی ابھی تھوڑا بہت کھانا کھایا تھا۔ ماریا کے کھانے کی انہیں فکر نہیں تھی کیونکہ جہاز میں کھانے کو بہت کچھ تھا۔

اب انہیں ایک ہی بات پریشان کر رہی تھی کہ وہ جہاز پر کیسے جائیں۔ جیسا کہ ہم اس سے پہلے والے ناول "ویران

بادبانی جہاز“۔ کی قسط میں لکھ چکے ہیں۔

بصرے کے گورنر اور اشیلا کے خاص گورنر ارچنگ نے عنبر اور ناگ کے سمندری جہاز کے باہر پہرہ لگا دیا تھا۔ جہاز بصرہ کی بندرگاہ پر ایک طرف سمندر میں کھڑا تھا۔

اس میں خزانے کا صندوق بھی تھا اور ماریا بھی وہیں چھپی ہوئی تھی۔ ماریا چونکہ غائب حالت میں تھی۔ اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ پھر بھی ایک طرح سے وہ وہاں قید ہو کر رہ گئی تھی۔

ارچنگ نے اپنے سپاہیوں سمیت سارے جہاز کی تلاشی لی تھی۔ ماریا کو تو وہ لوگ دیکھ ہی نہیں سکتے تھے۔ خدا کا شکر یہ تھا کہ انہیں خزانہ بھی دکھائی نہ دیا۔

نہیں تو وہ خزانے پر قبضہ کر کے عنبر اور ناگ کو بھی گرفتار کر

لیتے۔ اب ایک طرح سے ارچنگ کے سپاہیوں نے جہاز پر قبضہ کر رکھا تھا۔

ماریا نے سپاہیوں کے جانے کے بعد جہاز کے عرشے پر آ کر دیکھا کہ کنارے پر جہاز کے آگے سپاہی کھڑے پہرہ دے رہے تھے۔ وہ بھی پریشان ہو گئی۔

وہ خود تو وہاں سے نکل کر جا سکتی تھی، کیونکہ اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا لیکن عنبر اور ناگ جہاز پر اب نہیں آ سکتے تھے۔

ارچنگ نے حکم دے دیا تھا کہ اس کی اجازت کے بغیر کوئی جہاز پر قدم نہ رکھے۔

ماریا اس لیے جہاز پر سے نیچے نہیں اترتی تھی کہ اسے معلوم نہیں تھا۔ کہ شہر میں عنبر اور ناگ کون سی جگہ پر ٹھہرے ہوئے ہیں۔ اب اس کے لیے یہی بہتر تھا کہ وہ وہاں بیٹھ کر

ان کے آنے کا انتظار کرے۔

ادھر سرائے کی کوٹھڑی میں عنبر اور ناگ سر جوڑ کر بیٹھے غور کر رہے تھے کہ اب وہ کیا کریں۔ ایک طرح سے جہاز اور خزانے نے ان کو مشکل میں ڈال رکھا تھا۔ جہاز کا انہیں آرام بہت تھا۔

وہ ایک ملک سے سفر کرتے ہوئے دوسرے ملک میں بڑے آرام سے پہنچ جاتے تھے۔ خزانے کی بھی انہیں ضرورت تھی۔ وہ ہر جگہ خزانے کی اشرفیاں ہی خرچ کر رہے تھے، لیکن ان دونوں کی یعنی جہاز اور خزانے کے صندوق کی دیکھ بھال کرنا بھی اپنی جگہ پر بڑا مشکل اور بڑا ضروری کام تھا۔ یہ دونوں چیزیں وہ کسی کے حوالے بھی نہیں کر سکتے تھے۔

ناگ نے کہا۔

"پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم اس جہاز کو اب بصرے کی بندرگاہ پر چھوڑ کر بغداد کی طرف نہیں جا سکتے، کیونکہ اگر ہم یہاں سے کسی قافلے کے ساتھ بغداد کو روانہ ہو گئے تو ارچنگ کے سپاہی جہاز کی دوسری بار تلاشی لے کر خزانے پر قبضہ کر لیں گے۔ وہ جہاز بھی اپنے پاس رکھ لیں گے۔ ہمیں کچھ نہیں دیں گے"۔

عنبر نے کہا۔ "پھر تمہاری رائے کیا رائے ہے؟"۔

ناگ بولا۔ میری رائے کیا ہو سکتی ہے عنبر بھائی! بہر حال ہم بصرے پہنچ گئے ہیں۔ یہاں مسلمانوں پر ایک مصیبت آئی ہوئی ہے۔

چنگیز خان کے شاگرد اٹیلا کے وحشی لشکر نے ہر طرف تباہی و بربادی پھیلا رکھی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ

کسی طرح سے مسلمانوں کے بڑے شہر بغداد پہنچا جائے۔

عنبر نے کہا۔''بغداد جانے کا راستہ صرف خشکی کے ذریعے ہی ہے۔ میں ادھر سے پہلے بھی گزر چکا ہوں۔ دجلہ اور فرات کی وادی میرا وطن ہے۔ ایک بات ہو سکتی ہے۔''

''وہ کیا؟''۔ ناگ نے پوچھا۔

عنبر بولا۔''دریائے دجلہ بغداد شہر میں سے ہو کر گزرتا ہے، اگر ہم اپنے جہاز کو لے کر یہاں سے بھاگ جائیں تو ہم خلیج فارس میں سے نکل کر دریائے دجلہ میں داخل ہو جائیں اور پھر ہم بغداد پہنچ سکتے ہیں۔''

ناگ نے کہا۔''میرا خیال یہ ترکیب اچھی ہے، کیونکہ یہاں رہنا اب بیکار ہے۔ اگر ہم یہاں رہ گئے تو ارچنگ ہمارے جہاز کے علاوہ خزانے پر بھی قبضہ کر لے گا، بلکہ ایک

طرح سے اس وقت ہمارا جہاز اور خزانہ اس کے سپاہیوں کے قبضے میں ہی ہے''۔

عنبر نے کہا۔

''پھر ہمیں اسی ترکیب پہ عمل کرنا ہوگا''۔ وہ باتیں کر رہے تھے کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔

''اندر آجاؤ''ناگ نے کہا۔

سرائے کا بوڑھا مالک قہوہ کی کیتلی لیے اندر آیا۔

''آپ قہوے سے شوق کریں گے؟''۔

''کیوں نہیں کیوں نہیں''۔

بوڑھا پیالیوں میں قہوہ انڈیلنے لگا۔ یہ مسلمان بوڑھا تھا۔

عنبر نے اسے بھی قہوہ پینے کی دعوت دی۔ عنبر نے پوچھا۔

''بابا آپ مسلمان ہیں؟''۔

بوڑھا بولا۔

"الحمدللہ! میں مسلمان ہوں۔ میرا نام عبداللہ بن عزیز ہے۔ ہمارے خلیفہ کی خلافت پر زوال آ گیا، اور وحشیوں نے شہروں کو برباد کر دیا۔ لیکن خدا ہماری مدد کرے گا۔ تم نا امید نہیں ہیں"۔

عنبر نے کہا۔

"بابا! ہم نے مسلمانوں کی بہت بڑی تعریف سنی تھی۔ ہم نے سنا تھا کہ مسلمان بڑی بہادر، جفاکش اور ایماندار قوم ہے۔ اسی لیے ہم ملک ہندوستان سے یہاں آئے۔ مگر یہاں حالات بڑے خراب ہیں"۔

ہاں بیٹا! ہم پر مشکل وقت آ گیا ہے۔ ہر قوم پر مشکل وقت آیا کرتا ہے، ہم اس مشکل سے نکل جائیں گے۔ بغداد

میں لوگوں نے خدا کے حکم کے خلاف عیش و عشرت میں زندگی گزارنی شروع کر دی تھی اور جو قوم عیش و عشرت میں پڑ جاتی ہے پھر اس پر تباہی آ جاتی ہے۔

خدا ہمیں اب بھی معاف کرے۔ تم لوگ یہاں سے کہاں جاؤ گے؟۔

عنبر نے کہا۔"بابا! ہم بغداد جانا چاہتے ہیں۔ ہمارے پاس اپنا جہاز بھی ہے۔ جو سمندر میں کھڑا ہے۔ لیکن اس پر چنگیزی فوج نے قبضہ کر لیا ہے۔ ہمیں مشورہ دو کہ ہم کیا کریں؟"۔

عبداللہ بن عزیز نے کہا۔

"میرے بچو! چنگیزی سپاہی تمہارے جہاز کو کبھی واپس نہیں کریں گے۔ کیا اس میں تمہارا مال و اسباب بھی تھا کہ

جہاز خالی ہے؟“۔

ناگ نے کہا۔”نہیں بابا! جہاں میں کچھ نہیں ہے۔ بس معمولی سامان ہے“۔

بابا نے کہا۔

”تو میرے بچو! جہاز کو بھول جاؤ۔ تمہاری جان بچ گئی۔ یہی بہت غنیمت ہے۔ ہاں تم یہاں سے کسی قافلے کے ساتھ شامل ہو کر بغداد پہنچ سکتے ہو، مگر وہاں بھی بڑی افراتفری کا وقت ہے۔ وہاں جا کر تم کیا کرو گے؟“۔

عنبر نے کہا۔ ہم اس قسم کے انقلاب کے عادی ہیں۔ بابا! ہمیں مشکلات کچھ نہیں کہتیں، لیکن ہمارے دماغ میں ایک اور ترکیب بھی ہے۔

ہم نے سوچا ہے کہ جہاز کو کسی طرح یہاں سے نکال کر

سمندر میں واپس بھاگ جائیں اور خلیج فارس میں دریائے دجلہ میں داخل ہو کر بغداد پہنچ جائیں۔ تمہارا کیا خیال ہے؟“۔

بوڑھا حیرانی سے عنبر اور ناگ کا منہ تکنے لگا۔

”یہ کیسے ہوسکتا ہے بچو! تم چنگیزی فوج کے پہرے میں سے اپنے جہاز کو کیسے نکال کر لے جاؤ گے؟ یہ ناممکن بات ہے میرے بیٹو!“

ناگ نے کہا۔

”بابا! تم یہ نہ پوچھو کہ ہم جہاز کو کیسے نکال کر لے جائیں گے، تم صرف یہ بتاؤ کہ اگر ہم جہاز کو یہاں سے نکال کر لے جائیں اور دریائے دجلہ میں سے ہو کر بغداد پہنچیں تو سفر کیسا رہے گا؟“۔

بابا نے کہا۔

”یہ سفر خشکی کے سفر سے ہزار درجے بہتر ہے، لیکن اس میں جان کا خطرہ ہے۔ چنگیزی فوج کے سپاہی تمہیں جان سے ماردیں گے۔ کسی آدمی کو قتل کرنا ان کے لیے ایسا ہی ہے جیسے کسی مکھی کو ماردینا“۔

عنبر اور ناگ مسکرائے۔

ناگ نے کہا۔

”ہم جہاز کو نکال کر لے جائیں گے بابا! تم فکر نہ کرو“۔

قہوہ پینے کے بعد برتن لے کر بوڑھا عبداللہ چلا گیا۔ عنبر اور ناگ اپنی نئی سکیم کے بارے میں غور کرنے لگے۔ سب سے پہلے تو اس بات کی ضرورت تھی کہ کسی طرح سے جہاز پر واپس جا کر ماریا کو سارے حالات اور نئی ترکیب سے باہر کیا

جائے اور خزانے کو اچھی طرح سے چھپادیا جائے۔

یہ کام تم ہی کر سکتے ہو ناگ! تم جس طرح سے بھی ہو سکے ابھی جہاز پر جاؤ اور ماریا سے کہو کہ وہ فکر نہ کرے۔ ہم یہاں سے بہت جلد فرار ہونے والے ہیں۔

دوسرے خزانے کو کسی ایسی جگہ چھپادو جہاں اب چنگیزی فوج کے سپاہیوں کی نظر نہ پڑ سکے۔

ناگ نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔ میں ابھی روانہ ہو جاتا ہوں“۔

عنبر بولا

تمہیں بڑی احتیاط سے کام لینا ہوگا۔ یہ چنگیزی وحشی بڑے خطرناک ہیں بہت ہوشیار ہیں۔ میں ان کی فطرت سے واقف ہوں۔

پتا بھی کھڑک جائے تو یہ چوکس ہو جاتے ہیں۔

ناگ نے کہا۔

"بے فکر رہو۔ میں بڑی ہوشیاری کے ساتھ جاؤں گا۔ تم اسی جگہ میرا انتظار کرنا۔ بس میں بہت جلد واپس آجاؤں گا"۔

"اچھا جاؤ۔ خدا حافظ"۔

ناگ کوٹھڑی سے باہر نکل آیا۔ شہر کے گلی کوچوں سے باہر نکل کر وہ پچھلی طرف سے سمندر کے کنارے آ گیا۔ اب اسے جہاز ذرا دور نظر آ رہا تھا۔

سپاہی جہاز کے باہر برابر پہرہ دے رہے تھے۔ ناگ جھاڑیوں کے پیچھے چلتا ہوا سپاہیوں کے قریب آ گیا۔ اب وہ ان کی باتیں کرنے کی آوازیں بھی سن رہا تھا۔ انسان کی

شکل میں اب آگے جانا خطرناک بات تھی۔ ناگ نے جھاڑی کے پیچھے چھپ کر اندر کو زور سے سانس کھینچا اور ایکدم سے سانپ کی شکل میں آ گیا۔

وہ سانپ بن کر گھاس پر رینگتا ہوا جہاز کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ کافی قریب جا کر سمندر میں اترنا چاہتا تھا۔

وہ جہاز کے پاس پہنچا ہی تھا کہ ایک سپاہی کی اس پر نظر پڑ گئی۔ اس نے سانپ سانپ کا شور مچا دیا۔ سارے سپاہی تلواریں لے کر سانپ کی طرف بڑھے۔

ناگ گھبرا گیا۔ اس نے زیادہ آگے آ کر غلطی کی تھی۔ وہ سمندر کی طرف بھاگا۔ سپاہی اس کے پیچھے بھاگے۔ اک سپاہی نے زور سے تیر پھینکا۔

دوسرے نے تیر کمان میں جوڑ کر چھوڑ دیا جو سانپ کے

بالکل پاس زمین میں آ کر گڑھ گیا۔ ناگ نے سمندر میں چھلانگ لگا دی۔

سپاہیوں نے سمندر میں تیروں کی بوچھاڑ ماری، مگر ناگ اب ان کی پہنچ سے باہر نکل چکا تھا۔

سپاہی ہنستے قہقہے لگاتے واپس اپنی جگہ پر جا کر پہرہ دینے لگے۔ انہوں نے اپنے خیال میں سانپ کو سمندر میں ڈبو دیا تھا۔ لیکن سانپ سمندر کی لہروں پر تیرتا جہاز کے پیچھے پہنچ گیا۔

یہاں لنگر کی زنجیر سمندر کے اندر سے نکل کر اوپر جہاز کے جنگلے تک چلی گئی تھی۔ سانپ زنجیر پر چڑھ گیا اور رینگتا ہوا جہاز کے اوپر آ گیا۔

اوپر آ کر وہ جنگلے میں سے نکل کر عرشے پر آ گیا اور

بڑے مزے سے رینگتا ہوا کیبن کی سیڑھیوں میں آ گیا۔

یہاں پہنچ کر اس نے زور سے پھنکار ماری اور پھر سے انسان کی شکل بدل لی۔

ماریا اس وقت اپنے کیبن میں اکیلی بیٹھی سوچ رہی تھی۔ کہ عنبر اور ناگ کہاں ہوں گے؟

دروازے پر دستک ہوئی۔ ماریا چونک اٹھی۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ دروازے کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی۔ باہر سے ناگ نے کہا۔

"ماریا بہن! دروازہ کھولو! میں ہوں ناگ"۔

ماریا نے جلدی سے دروازہ کھول دیا۔ ناگ اندر آ گیا۔

اندر آتے ہی اس نے دروازہ بند کر دیا اور ماریا سے کہا۔

"تم نے کھانا کھایا تھا ماریا؟"۔

"ہاں بھائی! تھوڑا بہت کھایا تھا، لیکن تم لوگ کہاں تھے؟"۔

"جہاز کے گرد پہرہ کیوں بٹھا دیا گیا ہے؟"۔

ناگ نے کہا۔

"یہ بھی ایک طرح سے ہم پر مصیبت آ گئی ہے۔ ارجن کے سپاہیوں نے باہر پہرہ لگا کر جہاز پر قبضہ کر لیا ہے۔ بتاؤ کہ خزانہ تو ٹھیک ٹھاک ہے نا؟"۔

"ہاں بھائی خزانہ بالکل ٹھیک ہے مگر ہم کب تک یہاں پڑے رہیں گے؟ ہمیں آگے کب چلنا ہے؟"۔

ناگ نے کہا۔

ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ جہاز کو کسی طرح سے راتوں رات یہاں سے لے کر فرار ہو جائیں۔

دریائے دجلہ میں سے گزر کر بغداد پہنچنے کی کوشش کریں کیونکہ اگر ہم یہاں رہے تو ہمارا جہاز ہمیں کبھی واپس نہیں ملے گا۔ اور خزانہ بھی ہم سے چھین لیا جائے گا۔

ماریا نے کہا۔

"لیکن ہم یہاں سے کیسے بھاگ سکتے ہیں بھائی! یہاں تو چاروں طرف پہرہ لگا رہتا ہے"۔

ناگ بولا۔

"اس پر ہم غور کر رہے ہیں۔ خدا نے چاہا تو آجکل میں یہاں سے نکل کھڑے ہوں گے، کیونکہ خشکی کے راستے سفر کرنا بڑا خطرناک ہے راستے میں ڈاکے پڑتے ہیں اور مسافروں کو لوٹ لیا جاتا ہے۔

اگر ہم اکیلے ہوتے تو کوئی بات نہیں تھی لیکن ہمارے

ساتھ خزانے کا صندوق بھی ہے۔

آؤ ہم جہاز کو چنگیزی فوج کے حوالے بھی نہیں کر سکتے۔

آؤ پہلے خزانے کو کسی جگہ پر چھپا دیں۔

دوسرے کیبن میں جا کر انہوں نے خزانے کے صندوق کو نکالا۔ اسے اٹھا کر ناگ باورچی خانے میں لے گیا۔ اور پیاز کی بوریوں کے نیچے جا کر چھپا دیا۔

یہ ایسی جگہ تھی جہاں کسی کی نگاہ نہیں جا سکتی تھی۔ ویسے بھی پیاز کی بوریوں کو کوئی اٹھا نہیں سکتا تھا۔ اس کام سے فارغ ہو کر ناگ نے کہا۔

ماریا بہن! اب میں جا رہا ہوں۔ ہو سکتا ہے، ہم دو ایک دن تمہارے پاس نہ آئیں اور تم اکیلی ہی جہاز پر رہو مگر گھبرانا نہیں۔

ہم جلدی سے جلدی آنے کی کوشش کریں گے۔ کیونکہ عنبر کا خیال ہے کہ ہمیں دو ایک دن میں یہاں سے بھاگ جانا چاہیے۔

"ٹھیک ہے بھائی ناگ! میں یہاں اکیلی رہ کر تم لوگوں کا انتظار کروں گی"۔

ناگ دوبارہ سانپ کی جون بدل کر جہاز پر سے اتر کر سمندر میں آ گیا اور تیرتے ہوئے سمندر کے کنارے پر آ نکلا۔

یہاں سے سپاہی دور کھڑے پہرہ دے رہے تھے۔ پھر بھی ناگ سانپ کی جون میں رینگتا ہوا کافی دور نکل گیا۔ دور جھاڑیوں کے پاس جا کر اس نے انسانی شکل اختیار کی اور بھاگتا ہوا سمندر سے دور نکل گیا۔ اور پھر شہر میں داخل ہو کر

واپس سرائے کی کوٹھڑی میں پہنچ گیا۔

عنبر اس کی راہ دیکھ رہا تھا۔ اس نے بتایا کہ خزانے کو انہوں نے باورچی خانے میں پیاز کی بوریوں کے نیچے چھپا دیا ہے اور ماریا کو بھی سب کچھ سمجھا دیا ہے وہ ہماری راہ دیکھ رہی ہے۔ اور بصرے سے فرار ہونے کو بے تاب ہے۔

عنبر نے کہا۔

بس اب ہمیں دو ایک راتوں میں یہاں سے بھاگ جانا چاہیے۔ ہمیں کسی شے کی ضرورت نہیں ہے۔ ضرورت کی ہر شے جہاز کے اندر موجود ہے۔

پانی کے مٹکے ابھی چار ماہ تک ہمیں کام دے سکتے ہیں۔

خوراک بھی بہت ہے۔ اب ہمیں اس پر غور کرنا ہوگا کہ ہماری ترکیب کیا ہوگی؟

ہم کس طریقے سے یہاں سے جہاز لے کر بھاگیں گے۔

ناگ بولا۔

عنبر بھائی اب یہاں سے فرار ہونے کی تو ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ آدھی رات کو اندھیرے میں جا کر سپاہیوں کو ہلاک کر دیا جائے۔

جہاز کا لنگر اٹھا کر کوچ بول دیا جائے اس کے سوا اور کوئی ترکیب نہیں ہو سکتی اگر کوئی ہو سکتی ہے تو بتا دو۔

عنبر نے سر جھکا کر کہا۔

ناگ نے کہا۔

نہیں پہلے ہمیں رات کو جا کر یہ پتا کرنا چاہیے کہ جہاز پر کتنے سپاہی پہرہ دیتے ہیں؟

وہ کس کس جگہ پر عام طور پر کھڑے رہتے ہیں۔ وہ سوتے کب اور کہاں ہیں؟ کیا یہی چار پانچ سپاہی پہرہ دیتے ہیں یا دوسرے سپاہی بھی وہاں موجود ہیں۔

"ٹھیک ہے میں آج رات جا کر یہ جاسوسی کرتا ہوں"۔ ناگ نے کہا۔

"نہیں عنبر بھائی! یہ کام تم نہیں کر سکتے ہو۔ یہ جاسوسی میں بڑی اچھی طرح کر سکتا ہوں۔ تمہارے پکڑے جانے کا ڈر ہے۔ میرے پکڑے جانے کا ڈر نہیں ہے"۔

"جیسے تمہاری مرضی! پھر تم آج رات اندھیرا ہوتے ہیں جہاز کی طرف نکل جاؤ اور خبردار سپاہیوں کے قریب جانے کی کوشش نہ کرنا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آج دن کی طرح سپاہی تمہیں دیکھ کر تم پر حملہ کر دیں"۔

"فکر نہ کرو عنبر بھائی، میں چوکس رہوں گا"۔

رات کو اندھیرا ہوتے ہی ناگ جاسوسی کرنے کے لیے سرائے سے باہر نکل گیا۔ وہ گلی کوچوں کے اندھیروں میں سے گزرتا سمندر کے کنارے آ گیا۔ وہ چھپتا چھپاتا ان جھاڑیوں کے پاس پہنچ گیا۔

جس کی دوسری جانب جہاز کے سامنے سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ ناگ نے سانس بھر کر سانپ کی شکل بدل ڈالی۔

سانپ کی شکل بدل کر ناگ رینگتا ہوا آگے نکل گیا۔

اب اس نے کھجوروں کے درختوں پر سفر کرنا شروع دیا۔

ایک درخت سے دوسرے درخت پر ہوتے آخر وہ اس درخت کے اوپر آ گیا جس کے نیچے سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ سانپ درخت سے نیچے دیکھنے لگا۔

کل چھ سپاہی تھے۔ تین سپاہی جہاز کے آگے کھڑے
تھے اور تین سپاہی ایک طرف ہو کر چکر لگا رہے تھے۔ وہ آپس
میں ہنس ہنس کر باتیں کر رہے اور قہقہے قہقہے لگا رہے تھے۔

کافی دیر درخت پر بیٹھے رہنے کے بعد ناگ نے پوری
جاسوسی کر کے دیکھ لیا کہ وہ صرف چھ سپاہی ہی ہیں۔ ان کے
علاوہ اور کوئی سپاہی وہاں نہیں ہوتا۔

ہو سکتا ہے صبح کو وہ بدل جاتے ہوں اور چھ نئے سپاہی
وہاں آ جاتے ہوں۔ سانپ درختوں درختوں رینگتا واپس
چل پڑا۔

جہاز پر قتل

واپس آ کر ناگ نے عنبر کو ساری خبر دی۔

اس نے بتایا کہ جہاز کے باہر صرف چھ سپاہی پہرہ دیتے
ہیں۔ اگر کسی طرح سے ان سپاہیوں پر قابو پا لیا جائے تو پھر
ہمارا راستہ صاف ہو جائے گا۔ عنبر نے اسی وقت فیصلہ کر لیا
کہ وہ رات کو جہاز پر حملہ کر دیں گے۔

اس وقت رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ عنبر اور

ناگ سو گئے۔ دوسرے دن رات کو انہیں۔۔ جہاز پر حملہ کر
کے اسے لے کر وہاں سے فرار ہونا تھا۔

دوسری طرف سپاہی جہاز پر پہرہ دے رہے تھے۔ ان
کے کپتان کو نیند آنا شروع ہو گئی۔ اس نے اپنے ساتھی سے
کہا۔

یارنگ!'' مجھے نیند آ رہی ہے، کیا تمہارے پاس قہوے
کی پتی ہو گی''۔

یارنگ نے کہا۔

''سرکار! پتی تو ختم ہو گئی ہے۔ اگر آپ حکم دیں تو جہاز
کے باورچی خانے سے جا کر قہوے کا مسالہ لے آؤں کیونکہ
میں نے دیکھا تھا وہاں بہت کھانے پینے کا سامان پڑا ہے''۔

کپتان نے کہا۔

ٹھیک ہے، جہاز پر جا کر قہوے کا مسالہ بھی آؤ اور اگر
وہاں خشک میوے ہوں تو وہ بھی چنگیر بھر کر لے آنا۔

باقی سپاہی بھی خوش ہو کر بولے کہ ہمیں بھی نیند آ رہی
ہے، ہم بھی خشک میوہ کھائیں گے اور قہوہ پئیں گے۔ کپتان
نے انہیں ڈانٹ کر کہا۔

''کم بختو! پہلے یارنگ بے چارے کو جہاز پر جا کر
چیزیں تو لے آنے دو''۔

''اس کے ساتھ جانے پر کوئی تیار نہیں ہو رہا۔ کھانے کو
سب راضی ہیں''۔

یارنگ نے ہنس کر کہا۔

''حضور! میرے ساتھ کسی کے جانے کی ضرورت نہیں۔
جہاز سارے کا سارا خالی ہے۔ میں ابھی جا کر قہوہ وغیرہ لے

کر آجاتا ہوں"۔

یارنگ بڑا ظالم اور بہادر سپاہی تھا۔اس نے صرف شہر میں کوئی چھ سات سو مسلمانوں کو شہید کیا تھا۔وہ بات بعد میں کرتا تھا اور تلوار پہلے چلا دیتا تھا۔

وہ اگر ڈرتا تھا تو صرف اپنے کپتان سے ڈرتا تھا۔کپتان کا حکم پا کر اس نے جہاز کو جانے والی چھوٹی سی کشتی میں قدم رکھا اور اسے لے کر جہاز کے پاس اس جگہ آ گیا جہاں اوپر جانے والی سیڑھی لٹک رہی تھی۔

باقی سپاہی اسے دیکھ کر خوش ہو رہے تھے کہ ابھی وہ مزے دار خشک میوے اور قہوہ لے کر واپس آئے گا۔وہ مزے سے قہوہ پئیں گے اور میوے کھائیں گے۔

یارنگ سیڑھی چڑھ کر جہاز کے عرشے پر آ گیا۔وہ تلاشی

لینے والوں کے ساتھ تھا۔

اس لیے اسے جہاز کے چپے چپے کا علم تھا۔سیڑھیاں اتر کر وہ نیچے سیدھا باورچی خانے میں آ گیا۔باورچی خانے کا دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہو گیا۔

وہ یہ دیکھ کر بڑا حیران سا ہوا کہ باورچی خانے میں چولہے پر ایک کیتلی دھری تھی جس میں گرم گرم قہوہ تھا۔آگ اگرچہ بجھی ہوئی تھی مگر قہوے کی دیگچی گرم تھی۔وہ سوچنے لگا کہ یہاں قہوہ کس نے گرم کیا ہے کیونکہ دو روز سے جہاز کے اندر کوئی نہیں گیا تھا۔

یارنگ نے مرتبانوں کو الٹ پلٹ کر خشک میوے اور قہوے کا مسالہ تلاش کرنا شروع کر دیا۔ماریا اس وقت اپنے کیبن میں سو رہی تھی۔

یارنگ کے ہاتھ سے ایک مرتبان گر کر چھن کی آواز سے
ٹوٹ گیا۔ مرتبان ٹوٹنے کی آواز سے ماریا کی آنکھ کھل گئی۔

دوسری طرف یارنگ کو قہوے کا مسالہ تو مل گیا تھا مگر خشک
میوے نہیں مل رہے تھے۔

اس نے بوریوں کو ادھر ادھر ہٹانا شروع کر دیا۔ پیاز کی
ایک بوری گری تو ساری بوریاں ایک طرف کو الٹ گئیں۔

یارنگ نے دیکھا کہ بوریوں کے نیچے ایک صندوق پڑا
ہوا ہے۔

وہ سوچنے لگا یہ صندوق بوریوں کے نیچے کس نے چھپا
رکھا ہوا ہے؟ ضرور اس میں کوئی خاص چیز ہوگی۔ یارنگ نے
آگے بڑھ کر صندوق کا ڈھکنا الٹ دیا۔

اس نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی شمع ایک طرف رکھی اور غور

سے ان اشرفیوں اور ہیرے جواہرات کو دیکھنے لگا جن کی
چمک سے اس کی آنکھیں چکا چوند ہو رہی تھیں۔ وہ تو دنگ رہ
گیا کہ اتنا بڑا خزانہ اس ویران جہاز میں کہاں سے آ گیا۔

ایک دم سے اس کی نیت بدل گئی۔ اس نے سوچا کہ وہ یہ
خزانہ یہاں سے کسی وقت چرا کے لے جائے گا اور بصرے
سے بھاگ کر واپس اپنے وطن قازقستان چلا جائے گا۔ وہاں
جا کر ایک عالی شان محل خریدے گا۔ غلام اور لونڈیاں
خریدے اور مزے سے باقی زندگی بسر کرے گا۔

اسے کوئی خبر نہیں تھی کہ ماریا اس کے پاس ہی کھڑی اسے
اور خزانے کو دیکھ رہی ہے۔ ماریا یارنگ کو اٹھتا دیکھ کر پیچھے ہٹی
تو ایک کٹورا اس کے ہاتھ سے ٹکرا کر نیچے گر پڑا۔

وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھنے لگا کہ کٹورا کس نے

زمین پر گرایا ہے۔ مگر وہاں کوئی نہیں تھا۔ وہ اسے دیکھ رہی تھی
کہ خزانے پر وہ قبضہ جمانے کی فکر میں ہے۔ یارنگ نے کچھ
اشرفیاں اور جواہرات نکال کر جیب میں ٹھونس لیں اور
خزانے کا ڈھکنا بند کر کے اوپر پیار کی بوری رکھ دی۔

ماریا کے لیے یہ بڑا نازک وقت تھا۔ خزانے کا راز فاش
ہو چکا تھا۔ اگر یارنگ واپس جاتا ہے تو خزانے کا راز کھل
جانے کا خطرہ تھا۔

ماریا کو کیا خبر تھی کہ یارنگ نے اکیلے ہی خزانے پر قبضہ
کرنے کا سوچ رکھا ہے۔ بہر حال یارنگ کا وہاں سے واپس
جانا خطرناک تھا۔

ماریا جلدی سے پیچھے ہٹی اور باورچی خانے کے
دروازے پر ایک بھرا ہوا مرتبان لے کر کھڑی ہو گئی۔ یارنگ

نے خزانے کے صندوق پر بوری رکھ کر اپنی جیبوں میں ٹھونسی
ہوئی دولت سے کو غور سے دیکھا۔ ذرا سا مسکرایا۔

تلوار نیام میں ڈالی۔ قہوے کا مسالہ لیا اور واپس مڑا۔

ماریا دروازے میں اس کی آؤ بھگت کرنے کے لیے تیار
کھڑی تھی۔

جونہی باورچی خانے کے دروازے سے نکلنے لگا، ماریا
نے اوپر سے مرتبان اس کے سر پر دے مارا۔ یارنگ چکرا کر
زمین پر گرا اور پھر کھڑا ہوا۔

اس نے تلوار نکال لی اور ہوا میں چلانے لگا۔

"کون ہے؟ کون ہے یہاں۔ سامنے آؤ۔ میں تمہیں
زندہ نہیں چھوڑوں گا"۔

ماریا نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ پرے ہٹ کر کھڑی

ہوگئی۔

یارنگ ہوا میں تلوار چلاتا اس کے قریب آ گیا اس کی
ماریا کے پاس ہی تپائی پر پڑی۔

تپائی کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ یارنگ کا سر پھٹ گیا تھا اور
خون بہہ رہا تھا۔ اب وہ واپس جانے کے لیے بے تاب تھا۔
وہ باورچی خانے میں تلوار چلانے کے بعد وہ واپس بھاگا۔

وہ اپنے ساتھ خزانے کا راز لے جا رہا تھا۔ ماریا اسے کبھی
زندہ واپس نہیں بھیج سکتی تھی۔ وہ اوپر سیڑھیوں میں آ کر کھڑی
ہوگئی۔

اب اس کے ہاتھ میں وہ تیز چھری تھی جسے وہ باورچی
خانے سے اٹھا کر لائی تھی۔ جونہی یارنگ سیڑھیاں چڑھا کر
اوپر آیا۔

ماریا نے چھری اس کے سینے میں گھونپ دی۔ چھری
گھونپ کر وہ پرے ہٹ کر کھڑی ہوگئی۔ چھری اچانک سینے
میں لگی تھی۔

یارنگ کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی۔ اس چیخ کی آواز
جہاز کے باہر بھی گئی۔ کپتان اور دوسرے سپاہیوں نے
یارنگ کی چیخ کی آواز سنی تو وہ کشتی میں بیٹھ کر جہاز کی طرف
لپکے۔

یارنگ زمین پر لہولہان گرا تڑپ رہا تھا۔ ماریا نے اس کی
جیبوں سے جواہرات وغیرہ نکال لیے۔

یارنگ نے محسوس کیا کہ کسی کا ہاتھ اس کی جیبوں میں
سے جواہرات نکال رہا ہے۔ اس نے زخمی حالت میں ہی
ماریا کے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔

مگر ماریا کی خوش قسمتی تھی کہ وہ ہاتھ چھڑانے میں کامیاب ہوگئی۔ یارنگ کا سانس اکھڑنے لگا۔ ماریا نے سارے جواہرات سمیٹے اور انہیں لے کر واپس باورچی خانے میں جانے ہی والی تھی کہ اسے جہاز کے عرشے پر سپاہیوں کی بھاری اور تیز تیز قدموں کی آواز سنائی دیں۔

سپاہی یارنگ کی چیخ سن کر اس کی مدد کو آرہے تھے۔ ماریا جلدی سے اپنے کیبن میں آ گئی۔ اس نے اندر سے دروازہ کھلا ہی رکھا تاکہ کسی کو شک نہ پڑے کہ اندر کوئی ہے۔ سپاہی اگر اندر بھی آگئے تو اسے تو وہ دیکھ ہی نہیں سکیں گے۔ پھر کنڈی لگانے کی کیا ضرورت تھی۔

کپتان دوسرے سپاہیوں کے ساتھ دھڑام دھڑام سیڑھیاں اتر کر سامنے سیڑھیوں کے پاس یارنگ خون میں

لت پت پڑا تھا۔

اس میں تھوڑی جان باقی تھی۔ کپتان نے جلدی سے اس کا سر گود میں رکھ کر کہا۔

"کس نے حملہ کیا تم پر؟ جہاز تو خالی ہے"۔

یارنگ کے زرد چہرے پر موت کا سایہ تھا۔ اس نے ہاتھ سے باورچی خانے کی طرف اشارہ کیا اور بڑی کوشش سے صرف اتنا کہا۔

"وہ۔۔۔اندر۔۔۔اندر۔۔۔"

"ہاں ہاں اندر کون ہے؟"۔

کپتان نے زور سے کہا۔

یارنگ کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور چہرہ ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ ایک آخری ہچکی لینے کے بعد یارنگ مر گیا۔ چھری اس

کے دل کو کاٹتی ہوئی نکل گئی تھی۔

کپتان نے گرج کر کہا۔

"باورچی خانے کی تلاشی لو، دشمن یہیں کہیں چھپا ہوگا"۔

سپاہیوں نے باورچی خانے کا کونہ کونہ چھان مارا۔ پھر انہوں نے سارے جہاز کی ایک بار تلاشی لے لی۔ مگر وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔

ماریا نے اس بات کے لیے خدا کا شکر ادا کیا کہ مرنے والے سپاہی نے خود ہی خزانے کے صندوق کو پیاز کی بوریوں سے چھپا دیا تھا۔

اگر وہ ایسا نہ کرتا تو ماریا کے پاس خزانہ چھپانے کا وقت نہیں تھا اور یہ لوگ ضرور خزانے پر قبضہ کر لیتے۔

کپتان نے کہا۔

"یارنگ نے مرتے ہوئے کہا تھا کہ اندر کوئی ہے۔ ضرور اسے باورچی خانے میں ہی کسی نے قتل کیا ہے۔ نہیں تو اسے اندر کا لفظ بولنے کی کیا ضرورت تھی"۔

سپاہیوں نے کہا۔

"سرکار! باورچی خانے کا تو چپہ چپہ ہم نے چھان مارا ہے، وہاں کوئی بھی نہیں ہے۔ اگر کوئی ہوتا تو کہاں جا سکتا تھا؟"۔

کپتان نے سوچا بات ٹھیک ہی ہے۔ اگر کوئی ہوتا تو وہ کہاں جا سکتا تھا؟۔

بہرحال اس نے ایک بار پھر جہاز کی تلاشی لینی شروع کر دی۔

سارے کیبن دیکھے۔ یہ لوگ ماریا کے کیبن میں بھی

آئے۔ ماریا جواہرات کو ہاتھ میں لیے کونے میں کھڑی ہو
گئی۔ کپتان نے اس کے کیبن کی ایک ایک شے کو اٹھا
کر دیکھا۔ بستر کو دیکھ کر بولا۔
"بستر گرم کیوں ہے؟ ضرور یہاں کوئی رات کو سوتا رہا
ہے"۔
ایک سپاہی نے کہا۔
"حضور! باورچی خانے میں بھی ایک کیتلی میں گرم گرم
قہوہ پڑا تھا، ضرور یہاں کوئی شخص رہتا ہے۔ ہمیں جہاز کی
ایک ایک شے کو اچھی طرح دیکھنا ہوگا"۔
ماریا کونے میں کھڑی ہنس رہی تھی۔ کہ جس شخص کی وہ
تلاش میں ہیں وہ ان کے سامنے کھڑی ہے۔ لیکن اسے دیکھ
نہیں سکتے۔

اسے پکڑ نہیں سکتے۔ دن کی روشنی پھیل رہی تھی۔
سوراخوں میں سے کیبن کے اندر روشنی آ رہی تھی۔ کپتان اور
سپاہیوں نے ہر شے کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔
بستر گرم تھا۔ صاف لگ رہا تھا کہ یہاں سے ابھی ابھی
کوئی سو کر اٹھا ہے۔ باورچی خانے میں گرم قہوے کی کیتلی بھی
تھی۔ مگر انسان کوئی وہاں نہیں تھا۔
یہ ایک ایسا معمہ تھا جو ان سے کسی طرح حل نہ ہو رہا تھا۔
کپتان نے کہا۔
جہاز پر بھی رات کو پہرہ رہے گا۔ اگر یہاں کوئی ہے تو وہ
بچ کر نہیں جا سکتا۔
کپتان نے دو سپاہیوں کو جہاز پر پہرہ دینے کا حکم دیا اور
باقیوں کو لے کر وہ جہاز سے نیچے اتر گیا۔ یارنگ کی لاش بھی

وہ ساتھ لے گئے۔

ان کے جاتے ہی ماریا نے سکھ کا سانس لیا۔

مگر اب ایک اور مصیبت اس کے سر پر سوار ہو گئی تھی۔ دو سپاہی جہاز کے اوپر پہرہ دینے کے لیے کھڑے ہو گئے تھے۔ ان سپاہیوں سے اسے خود کو کوئی خطرہ نہیں تھا لیکن عتیرا اور ناگ کے لیے یہ پہرے دار مصیبت کا باعث ہو سکتے تھے۔

ماریا کو بھوک لگ رہی تھی۔ وہ باورچی خانے میں چلی گئی۔

اس نے خشک گوشت کے ٹکڑے لیے اور انہیں زیتون کے تیل میں ڈال کر گرم کرنے لگی۔ کرنا خدا کا کیا ہوا پہرے داروں کو بھی بھوک لگی۔

ایک سپاہی نے دوسرے سے کہا۔

"یار بھوک لگ رہی ہے۔ یہ تو ہماری قسمت اچھی ہے کہ ہماری ڈیوٹی جہاز پر لگ گئی ہے۔ جہاز میں کھانے پینے کا بڑا سامان ہے۔ چلو نیچے باورچی خانے میں چل کر کچھ کھاتے پیتے ہیں"۔

دوسرا بولا۔

"ہم دونوں کا نیچے جانا ٹھیک نہیں۔ ایسا کرو۔ تم نیچے جا کر کچھ کھانے کی چیزیں لے کر اوپر آ جاؤ۔ پھر دونوں مل کر یہاں مزے سے کھائیں گے"۔

"ہاں ٹھیک ہے"۔

چنانچہ ایک سپاہی نیچے آ گیا۔ سیڑھیوں پر سے اتر کر وہ باورچی خانے میں آیا تو یہ دیکھ کر چونک اٹھا کہ چولہے میں آگ جل رہی تھی۔ اور گوشت تلا جا رہا تھا۔

وہ تو دیکھتے کا دیکھتا رہ گیا۔ وہیں سے پلٹ کر اوپر بھاگا
اور دوسرے ساتھی سے بولا۔
"غضب ہوگیا۔ باورچی خانے میں گوشت بھنا جا رہا
ہے۔"
دوسرا سپاہی حیرانی سے بولا۔
"کیا کہہ رہے ہو؟ نیچے کون ہے جو گوشت بھونے لگا؟
تمہارا دماغ ٹھکانے نہیں ہے۔"
"نہیں نہیں۔ میں جھوٹ نہیں بول رہا۔ چل کر اپنی
آنکھوں سے دیکھ لو۔"
دونوں سپاہی نیچے باورچی خانے میں آ گئے۔ مگر وہاں
کچھ بھی نہیں تھا۔ چولہے کی آگ بجھی ہوئی تھی۔ اصل میں
ماریا سب کچھ وہاں سے اٹھا کر واپس اپنے کیبن میں لے گئی

تھی۔ صرف چولہا گرم تھا۔
دوسرے سپاہی نے مسکرا کر کہا۔
"میں نہ کہتا تھا کہ تمہارا دماغ ٹھکانے نہیں ہے۔ دیکھو
یہاں کوئی بھی نہیں ہے۔"
پہلا سپاہی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔
"میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے اس چولہے میں
آگ جلتی اور اس کے اوپر تھالی میں گوشت تلا جاتا دیکھا
ہے۔"
"چلو اب بکواس بند کرو اور کھانے کی فکر کرو۔ زیادہ دیر
نیچے ہے تو اوپر ان کو پتا چل جائے گا کہ پہرے دار عرشے پر
سے غائب ہیں۔"
پہلا سپاہی بولا۔

"دیکھو۔ یہ دیکھو چولہا گرم ہے۔ آگ ابھی ابھی کسی
نے پانی ڈال کر بجھائی ہے۔"

دوسرے سپاہی نے ہاتھ لگا کر دیکھا۔ چولہا واقعی گرم تھا۔
آگ پر کسی نے پانی ڈال دیا تھا۔ وہ بھی پریشان سا ہو گیا۔
کہنے لگا۔

"چلو اب اوپر چلو"۔

انہوں نے وہاں سے کچھ کھانے کی چیزیں چنگیر میں
ڈالیں اور انہیں لے کر جہاز کے اوپر آ گئے۔ عرشے پر بیٹھ کر
دھوپ میں انہوں نے کھانا شروع کر دیا۔

پہلا سپاہی بولا۔

یار مجھے تو اس جہاز سے ڈر آنے لگا ہے۔ مجھے یقین ہے
کہ یہاں کوئی بھوت رہتا ہے۔

سچ میں نے خود اپنی آنکھوں سے چولہے پر گوشت کو تلتے
دیکھا ہے۔

دوسرا سپاہی بولا۔

اگر بھوت نہ ہوتا تو یارنگ کو کون قتل کر سکتا تھا؟ یہ
ضرور اسی بھوت کا کارنامہ ہے۔

مگر ہم کیا کر سکتے ہیں۔ کپتان کا حکم ہے کہ جہاز پر پہرہ
دیا جائے۔ ہم مجبور ہیں۔ ڈر تو مجھے بھی لگ رہا ہے۔ لیکن اگر
ہم یہاں سے بھاگے تو ہمیں قتل کر دیا جائے گا۔

پہلا سپاہی بولا۔

میرا تو خیال ہے باورچی خانے میں ضرور کوئی دولت
چھپی ہوئی ہے۔ کیونکہ میں نے یارنگ کی آنکھوں کی طرف
دیکھا تھا وہ صاف باورچی خانے کی طرف اشارہ کر کے ہاتھ

سے ایسے نشان بنا رہا تھا جیسے اندر ہیرے جواہرات کے ہار ہوں۔

دوسرا سپاہی قہقہہ مار کر ہنسا۔

تم پر بھوت نے اثر کر دیا ہے اگر تمہیں وہم ہے کہ باورچی خانے میں دولت ہے۔ ہیرے جواہرات ہیں تو جا کر باورچی خانے میں تلاش کرو۔ میں تو نہیں جاؤں گا۔ مجھے اپنی جان پیاری ہے۔

پہلا سپاہی بولا۔

یار مل کر چلتے ہیں۔ اگر دولت مل گئی تو اسے آپس میں تقسیم کر لیں گے۔

دوسرا سپاہی کہنے لگا۔

”میرا خیال ہے، ہمیں شام کے وقت جا کر تلاشی لینی

چاہیے۔ جب باہر اندھیرا چھا جائے گا۔ اب نیچے گئے تو کپتان کو شک پڑ جائے گا“۔

”جیسے تمہاری مرضی“۔

دونوں سپاہی شام کا انتظار کرنے لگے۔

دوسری طرف ماریا کھانے سے فارغ ہو کر سو رہی تھی۔

ادھر عنبر اور ناگ نے آدھی رات کو جہاز پر حملہ کر کے فرار ہونے کا پورا پروگرام بنا لیا تھا۔

وہ بالکل تیار تھے۔ ان کی ترکیب یہ تھی کہ سارے کے سارے پہرے داروں پر ایک دم حملہ کر کے انہیں ختم کر دیا جائے۔

اس کے بعد جہاز کا لنگر اٹھا کر بادبان کھول دیے جائیں اور جہاز کو کھلے سمندر میں لے جایا جائے۔ شام ہو گئی۔ ہر

طرف ہلکا ہلکا اندھیرا پھیل گیا۔

ماریا اوپر عرشے پر آ کر ہوا کھانے لگی۔ ذرا دور دونوں سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ کنارے پر بھی سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔

ماریا نے دیکھا کہ دونوں سپاہی آپس میں اشارہ کر کے سیڑھیاں اتر گئے۔ ماریا نے سوچا۔ یہ نیچے کیا کرنے گئے ہیں؟

ماریا بھی ان کے ساتھ ہی نیچے اتر گئی۔

جہاز کو آگ لگا دو

دونوں سپاہیوں کی موت انہیں نیچے لے گئی تھی۔

سپاہی سیدھے جہاز کے باورچی خانے میں گئے۔ اندر جاتے ہی انہوں نے شمع جلائی اور اس کی روشنی میں چیزوں کو الٹ پلٹ کرنے اور تلاشی لینے لگے۔

ماریا کا خیال تھا کہ وہ کہاں خزانے کے صندوق تک پہنچیں گے۔ لیکن خدا جانے سپاہیوں نے کہاں سے جاسوسی

کر رکھی تھی کہ مرتبانوں اور تیل کے کپوں کو چھوڑ کر انہوں نے
ایکدم سے پیاز کی بوریوں کو الٹنا شروع کر دیا۔
تیسری یا چوتھی بوری کے نیچے خزانہ تھا چنانچہ جب انہوں
نے چوتھی بوری اٹھا کر پرے پھینکی تو ایک سپاہی نے خوشی سے
چلا کر کہا۔

"مل گیا خزانہ"۔

دوسرا سپاہی اس کی طرف لپکا۔

"کہاں ہے خزانہ؟"۔

"یہ دیکھو صندوق"۔

انہوں نے فوراً صندوق نکال کر باہر فرش پر رکھ دیا۔ اسے
جلدی سے کھولا تو اندر ہیرے جواہرات اور سونے کی
اشرفیاں چمک رہی تھی۔ سپاہی تو خوشی اور حیرانی کے ایک

دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔

"یہ تو سچ مچ کا خزانہ ہے"۔

"ہاں۔ اتنی دولت میں نے زندگی میں کبھی نہیں دیکھی۔
یہ تو کسی بادشاہ کے محل کا خزانہ معلوم ہوتا ہے"۔

اسے یہاں سے نکال کر لے چلو۔ یہاں رہا تو یہ ضرور
کپتان کے ہتھے چڑھ جائے گا۔

مجھے معلوم ہے کپتان کل اس جہاز کی مکمل تلاشی لے رہا
ہے۔ اس نے آج صبح ہی اپنے خاص آدمی سے کہا تھا کہ
جہاز میں ضرور کوئی خفیہ خزانہ چھپا ہوا ہے۔ اس لیے ساری
چیزیں باہر نکال کر جہاز کو خالی کر دیا جائے۔

"یہ بات تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتائی"۔

"میرا خیال تھا شاید یہاں کوئی خزانہ نہیں ہے"۔

''اس کا مطلب ہے کہ ہمیں ابھی اسی صندوق کو کسی جگہ ٹھکانے لگانا ہوگا''۔

''ہاں۔ مگر اسے ہم کہاں لے جائیں؟ باہر تو کنارے پر سپاہی اور کپتان موجود ہیں۔ ان کے سامنے اسے باہر نکالا تو وہ اس پر قبضہ کر لیں گے۔ ہمارے حصے میں ایک پائی بھی نہیں آئے گی۔''

''پھر کیا کریں؟''۔

''میرا خیال ہے، ہم اسے بوری بند کر کے رسے کی مدد سے سمندر میں لٹکا دیتے ہیں۔ آدھی رات کو کسی بہانے تم جہاز میں سے نکل کر باہر جانا اور سمندر میں اتر کر خزانے کے صندوق کو ساتھ لے کر تیرتے ہوئے دوسرے کنارے پر جا کر اسے جھاڑیوں میں چھپا دینا۔

کل رات رات ہم اسے وہاں سے نکال کر اپنے گھر لے جائیں گے۔

''کیا تم اسے اپنے گھر رکھو گے؟''۔

''تم اپنے گھر رکھ لینا۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ بہر حال ہم اسے آدھوں آدھ بانٹ لیں گے''۔

''ٹھیک ہے۔ چلو اسے بوری میں بند کرتے ہیں''۔

دونوں سپاہی خزانے کے صندوق کو ایک خالی بوری میں بند کرنے لگے۔ ماریا ان کے پیچھے دیوار کے ساتھ لگی ان کی ساری باتیں سن رہی تھی۔

وہ اس انتظار میں تھی کہ یہ آپس میں کسی فیصلے پر پہنچیں تو وہ حرکت میں آئے۔ اسے یقین تھا کہ ان دونوں میں سے کوئی نہ کوئی دوسری کو ضرور ہلاک کر دے گا۔

دولت شے ہی ایسی ہوتی ہے کہ آدمی کا دل پھر جاتا ہے۔

اور ایسا ہی ہوا۔

ایک سپاہی صندوق کو بوری میں بند کر کے اسے ٹانکے لگا رہا تھا۔

دوسرا سپاہی پاس ہی کھڑا تھا۔ ماریا کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ سپاہی آہستہ آہستہ پیچھے لگا۔ ماریا مسکرائی ۔ فیصلہ ہونے والا تھا۔

پہلے سپاہی کو بالکل محسوس نہ ہوا کہ دوسرا سپاہی اس کے پیچھے چلا گیا ہے اور اس کا ہاتھ تلوار کے دستے پر ہے۔

دوسرے سپاہی نے بجلی جیسی تیزی کے ساتھ میان میں سے تلوار نکالی اور پہلے سپاہی کی گردن پر وار کر دیا۔

خزانے کو بوری میں بند کرتے کرتے اچانک پہلے سپاہی کی گردن ایک طرف کو لٹک گئی۔ اور وہ گر پڑا۔

دوسرے سپاہی نے اسے گھسیٹ کر ایک طرف کو کر دیا۔

مرنے والے سپاہی کی آنکھوں میں تھوڑی جان باقی تھی۔

وہ حسرت بھری نظروں سے دوسرے سپاہی کو دیکھ رہا تھا۔ پھر جیسے اس نے پورا زور لگا کر کہنے کی کوشش کی لیکن آواز نہ نکل سکی اور اس کی جان نکل گئی۔

دوسرے سپاہی نے خزانے کی بوری کندھے پر اٹھائی اور سیڑھیاں کر جہاز کے عرشے پر آ گیا۔

وہ خزانے کے صندوق کو رسی سے باندھ کر سمندر میں لٹکانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اب ماریا کے لیے زیادہ دیر انتظار

کرنا خطرناک بات تھی۔

اس نے آگے بڑھ کر سپاہی کو ایک دھکا دیا۔ سپاہی لڑکھڑا کر منہ کے بل فرش پر گر پڑا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھا اور تلوار اٹھا کر چاروں طرف گھوم کر دیکھنے لگا کہ اسے دھکا کس نے دیا ہے؟۔

اس کے اردگرد کوئی بھی نہیں تھا۔ وہ بڑا حیران ہوا کہ یہ دھکا اسے کس نے دیا ہے؟ وہ پریشان سا ہو کر اٹھا اور خزانے کی بوری کے ساتھ رسی باندھنے لگا۔

ماریا نے آگے بڑھ کر ایک زوردار لات سپاہی کی کمر پر دے ماری۔ وہ جلدی سے پرے ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔ سپاہی ایک بار پھر منہ کے بل گر پڑا۔

اب وہ پاگل سا ہو کر اٹھا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں

طرف دیکھنے لگا۔ اب ماریا نے اسے کہا۔

میں اس جہاز کا بھوت ہوں۔ میری بات غور سے سنو۔ اس خزانے پر قبضہ ہے۔ جو کوئی بھی اسے چرانے کی کوشش کرے گا۔ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔

اس لیے اگر تم اپنی زندگی چاہتے ہو تو اسے اپنے سر پر اٹھاؤ اور جہاں سے اٹھا کر لائے ہو، وہیں جا کر رکھ دو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا، میرا حکم نہ مانا تو جو حشر تم نے اپنے ساتھی کا کیا ہے۔ وہی حشر میں تمہارا کروں گی۔

سپاہی نے غیبی آواز سنی اور تھر تھر کانپنے لگا۔ اسے آواز آ رہی تھی مگر شکل دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

اس نے سوچا کہ خزانے کو سمندر میں لڑھکا دے اور پھر اس کے ساتھ خود بھی سمندر میں چھلانگ لگا دے۔ خزانہ

سمندر میں ڈوب جائے گا۔

یہاں سمندر زیادہ گہرا نہیں ہے۔ خزانہ وہ بعد میں بھی نکال لے گا۔ کپتان سے وہ یہی کہے گا کہ ان پر بھوت نے حملہ کر کے اس کے ساتھی کو ہلاک کر دیا ہے۔

یہ سوچ کر سپاہی نے بڑی مکاری سے پیچھے کھسکنا شروع کر دیا۔ خزانے کی بوری عرشے کے جنگلے کے بالکل پاس رکھی تھی۔ ماریا کو سپاہی کی نیت بدلی ہوئی نظر آئی۔ اس نے آگے بڑھ کر کہا۔

"اگر تم نے کوئی شرارت کرنے کی کوشش کی تو میں تمہیں کھڑے کھڑے ہلاک کر دوں گی۔ میرے ہاتھوں میں نیزے اور خنجر ہیں۔ خبردار اپنی جگہ سے ہرگز ہرگز مت ہلنا جیسے میں کہہ رہی ہوں ویسا کرو۔ اٹھاؤ خزانے کو اور نیچے

باورچی خانے میں لے چلو"۔

سپاہی ڈر گیا کہ بھوت تو سچ مچ بڑا سخت ہے۔ اس نے مجبور ہو کر خزانے کی بوری سر پر اٹھائی اور اسے لے کر سیڑھیاں اترنی شروع کر دیں۔

باورچی خانے کے باہر کھڑے ہو کر اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا، شاید بھوت چلا گیا ہے۔ وہ ایک پل کھڑا رہا۔ پھر پیچھے کو کھسکنے ہی والا تھا کہ ماریا نے اس کی نیام میں سے ہاتھ مار کر تلوار کھینچ لی اور تلوار کی نوک اس کی گردن پر رکھ دی۔

اندر چلو۔ خبردار جو بھاگنے کی کوشش کی۔

اب تو سپاہی کی جان ہی نکل گئی۔ وہ باورچی خانے میں داخل ہو گیا۔ اس نے خزانے کی بوری زمین پر رکھ دی۔ ماریا نے کہا۔

"اسے بوری میں سے نکال کر اسی جگہ رکھو۔ جہاں پہلے
موجود تھا"۔

سپاہی نے خزانے کو بوری میں سے نکال کر بوری پرے
پھینک دی۔ اور خزانے کے صندوق کو دوسری بوریوں کے
نیچے چھپا کر اوپر دوسری بوریاں رکھ دیں۔

اب خزانہ ایک بار پھر چھپ گیا تھا۔ قریب ہی دوسرے
سپاہی کی لاش پڑی تھی۔ ماریا نے سپاہی سے کہا۔

"بولو! اب تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟"۔

سپاہی نے کہا۔

"میں بے گناہ ہوں"۔

ماریا بولی۔

"تم نے ابھی ابھی ایک انسان کا خون کیا ہے۔ تم اپنے

آپ کو کس طرح بے گناہ کہتے ہو؟
تمہاری قتل کی ہوئی لاش یہ سامنے فرش پر پڑی ہے۔
کیوں نہ تمہیں بھی اس جرم کی سزا میں قتل کر کے تمہاری لاش
اس کے ساتھ ہی سلا دی جائے؟۔

سپاہی اگرچہ بھوت سے ڈر گیا تھا مگر وہ ایک وحشی قوم کا
نڈر قسم کا سپاہی تھا۔ وہ ماریا سے باتیں بھی کر رہا تھا اور باہر
بھاگنے کی راہ بھی تلاش کر رہا تھا۔

ماریا کو بھی اس بات کی خبر تھی کہ اگر یہ شخص باہر بھاگ گیا
تو خزانے کا راز ضرور جا کر فاش کر دے گا۔ یہ ضرور کپتان کو
جا کر بتا دے گا کہ جہاز میں بھی خزانہ بھی ہے۔ اور بھوت بھی
ہے۔

بھوت نے اس کے ساتھی کو ہلاک کر دیا ہے کیونکہ وہ

خزانہ نکال کر کپتان کے لیے لا رہے تھے۔ چنانچہ ماریا ہوشیار تھی کہ سپاہی بھاگنے نہ پائے۔

سپاہی کو اپنی جگہ سے کھسکتے دیکھ کر ماریا نے ڈانٹ کر کہا۔

"خبردار اگر تم نے بھاگنے کی کوشش کی تو تم ختم کر دیے جاؤ گے"۔

اب جس طرح سے میں کہتی ہوں اسی طرح کرو۔ اس ستون کے ساتھ لگ کر کھڑے ہو جاؤ۔

سپاہی چپکے سے ستون کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ ماریا کا خیال تھا کہ وہ سپاہی کو رسی کے ساتھ ستون پر باندھ دے گی۔ جب عنبر اور ناگ آئیں گے تو انہیں ساری بات بتا دے گی۔

پھر جو وہ فیصلہ کریں گے، وہی ہو گا۔ بہرحال وہ اس

سپاہی کو جہاز سے بھاگتا ہوا برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ وہ رسی لے کر سپاہی کی طرف بڑھی۔ جونہی اس نے رسی اٹھا کر سپاہی کے گرد لپیٹی، سپاہی نے ایک چھلانگ لگائی اور دروازے کی طرف بھاگا۔

یہ بڑا خطرناک وقت تھا۔ خزانے کا راز جہاز سے باہر جا رہا تھا۔ ماریا نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، تلوار گھما کر پوری طاقت سے سپاہی کی طرف پھینک دی۔

اس کی قسمت اچھی تھی اور سپاہی کی قسمت بری تھی کہ تلوار پیچھے سے سپاہی کی کمر میں جا کر کھب گئی۔ ایک چیخ مار کر سپاہی دروازے میں ہی گر گیا۔

وہ گرتے ہی اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔ ماریا پاس کھڑی ہو گئی۔

"تم نے وہی کیا جس سے میں نے تمہیں منع کیا تھا۔
اب تم کو اپنے جرم کی سزا مل گئی ہے۔ تم نے اپنے ساتھی کو
دولت کے لیے قتل کر دیا تھا۔ اب دولت کے لیے تم خود
ہلاک ہو رہے ہو۔ تم اب یہاں سے اٹھ نہیں سکتے۔ یہ جگہ
تمہاری قبر بنے گی۔"

سپاہی ایک بار اٹھا اور دروازے میں سے نکل کر سیڑھیوں
کی طرف بھاگا۔

ماریا اس کے پیچھے پیچھے گئی۔ وہ جانتی تھی کہ سپاہی زیادہ
دور تک زندہ حالت میں نہ جا سکے۔ کیونکہ اس کے جسم سے
بہت زیادہ خون نکل چکا تھا۔

پھر بھی سپاہی نے سیڑھیاں چڑھنے کی کوشش کی۔ وہ چھ
سات سیڑھیاں چڑھ گیا۔ پھر الٹ کر ایسا گرا کہ پھر نہ اٹھ

سکا۔

ماریا اس کی لاش کو اسی جگہ چھوڑ کر جہاز کے عرشے پر آ
گئی۔ سمندر پر گہرا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ رات گزر رہی تھی۔
کنارے پر آگ کا الاؤ جل رہا تھا۔

اس کے گرد سپاہی اور اس کا کپتان بیٹھے آپس میں ہنسی
مذاق کر رہے تھے۔ ماریا کو اتنا معلوم تھا کہ عنبر اور ناگ رات
کو کسی وقت آئیں گے، جہاز کو زیادہ دنوں تک کھڑا کرنا
خطرے سے خالی نہیں تھا۔

اگلے روز جیسا کہ سپاہی نے کہا تھا کہ کپتان سارے
جہاز کی پوری تلاشی لے رہا تھا۔ اگر آج رات انہوں نے
وہاں سے کوچ نہ کیا تو دوسرے روز خزانہ اور جہاز ان کے
ہاتھ سے نکل جائے گا۔

آگ کے الاؤ کے گرد بیٹھے بیٹھے آپس میں ہنسی مذاق کی باتیں کرتے ایک سپاہی نے کپتان سے کہا۔

پہرہ دینے والے کتنی دیر سے دکھائی نہیں دے رہے۔ جہاز کے عرشے پر مشعل بھی نہیں جل رہی کیا بات ہے؟

کپتان بھی حیران ہوا۔ وہ جہاز کے عرشے کی طرف دیکھنے لگا۔

جہاں گہری خاموشی طاری تھی اس نے ایک دو آوازیں دے کر سپاہیوں کو بلایا بھی مگر کوئی جواب نہ آیا۔ کپتان نے کہا۔

"دال میں کچھ کالا کالا نظر آتا ہے۔ چلو چل کر پتہ کریں کہ یہ لوگ کہاں جا کر مر گئے ہیں؟"۔

کپتان نے دو سپاہیوں کو ساتھ لیا اور جہاز کے عرشے پر

آ گیا۔

انہوں نے ہاتھوں میں ننگی تلواریں تھام رکھی تھیں۔ جہاز کے عرشے پر ہر طرف گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ کپتان نے دو سپاہیوں کے نام لے کر آوازیں دیں۔ کسی طرف سے کوئی جواب نہ آیا۔

کپتان نے کہا۔

"نیچے چل کر معلوم کرتے ہیں"۔

جونہی وہ نیچے سیڑھیوں میں آئے۔ مشعل کی روشنی میں انہیں ایک سپاہی کی لاش سیڑھیوں میں پڑی دکھائی دی۔ تلوار اس کی پشت میں ابھی تک کھبی ہوئی تھی۔

"ہائیں۔ اسے کس نے قتل کیا ہے؟"۔

وہ جلدی سے باورچی خانے میں گئے تو دوسرے سپاہی

کی لاش بھی وہاں پڑی تھی۔ اب تو وہ پریشان ہو گئے۔

کپتان نے کہا۔

”لاشوں کو اٹھا کر اوپر لے آؤ“۔

اسی وقت سپاہیوں کی لاشوں کو اٹھا کر عرشے پر لٹا دیا گیا۔

کپتان نے کہا۔

”آخر یہاں کون قاتل چھپا ہوا ہے۔ جس نے دو دنوں میں ہمارے چار سپاہیوں کو ہلاک کر دیا ہے؟“۔

ایک سپاہی نے کہا۔

سرکار! میرا تو خیال ہے کہ اس جہاز پر بھوتوں کا قبضہ ہے۔ یہاں ضرور بھوت رہتے ہیں۔

انہوں نے ہی ہمارے آدمیوں کو قتل کیا ہے۔

دوسرا بولا۔

”ہاں سرکار! بھوتوں کے سوا اور کوئی بھی یہ کام نہیں کر سکتا۔ میں تو کہتا ہوں کہ اس جہاز کو آگ لگا دینی چاہیے“۔

ماریا قریب ہی کھڑی یہ باتیں سن رہی تھیں۔ اس نے جو جہاز کو آگ لگانے کے بارے میں سنا تو وہ کانپ اٹھی۔ اگر ان لوگوں نے جہاز کو آگ لگا دی تو خزانے کے ساتھ ساتھ جہاز بھی خاک سیاہ ہو کر سمندر میں غرق ہو جائے گا۔

وہ تو کسی طرح سے بھاگ کر جان بچا لے گی مگر جہاز اور خزانے کو کسی طرح سے بھی بچایا نہ جا سکے گا۔

کپتان نے کہا۔

میں گورنر سے اجازت حاصل بغیر جہاز کو آگ نہیں لگا سکتا۔

ماریا کی جان میں جان آئی۔

سپاہی نے کہا۔

"مگر حضور! ہمارے چار سپاہیوں کو یہ خونی جہاز ہڑپ کر گیا ہے۔ ہمیں حق حاصل ہے کہ ہم اس سے اپنے بہادر سپاہیوں کا بدلہ لیں"۔

تم ٹھیک کہتے ہو۔ میرا بس چلے تو میں ابھی کھڑے کھڑے اس خونی جہاز کو آگ لگا دوں لیکن میں ایسا نہیں کر سکتا۔

گورنر کے حکم سے یہ جہاز یہاں نظر بند ہے۔ ہاں میں گورنر سے بات کر کے اس جہاز کو آگ لگانے کی اجازت حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔ تم لوگ ساتھیوں کی لاشیں

لے کر نیچے آ جاؤ۔

سپاہیوں نے لاشوں کو کندھوں پر رکھا اور جہاز سے اتر کر کنارے پر آ گئے۔

لاشوں کو انہوں نے اسی جگہ گڑھا کھود کر دفن کر دیا۔ رات آدھی گزر چکی تھی۔

کپتان نے کہا۔

"مجھے نیند آ رہی ہے۔ تم لوگ ہوشیاری سے پہرہ دو۔ میں ذرا دیر کو آنکھ جھپک لوں"۔

"ٹھیک ہے سرکار! آپ آرام سے سوئیں۔ ہم پہرہ دیں گے"۔

کپتان سو گیا اور باقی سپاہی پہرہ دیتے رہے۔ انہیں سوئے تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ سپاہیوں کو پیچھے جھاڑیوں

میں آہٹ سی سنائی دی۔

سپاہیوں نے چونک کر پیچھے دیکھا۔ رات کے اندھیرے میں وہاں گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

"میرا خیال ہے کوئی خرگوش ہوگا"۔

سپاہی بڑے آرام سے پھر پہرہ دینے لگے۔ ٹھیک اس وقت عنبر اور ناگ جہاز پر قبضہ جمانے وہاں پہنچ چکے تھے۔

کالا جادو

عنبر اور ناگ آدھی رات کو سرائے سے نکل کھڑے ہوئے۔

انہوں نے سرائے کے مالک عبداللہ بن عزیز کو سب بتا دیا تھا کہ وہ جہاز کو لے کر بصرے سے بغداد کی طرف کوچ کر رہے ہیں۔

عبداللہ نے انہیں دعا دی تھی اور کہا تھا کہ خدا انہیں

کافروں کے ظلم سے بچائے۔عنبر اور ناگ بڑی خاموشی کے
ساتھ تلواریں نیام میں لگائے شہر کی سنسان گلیوں میں سے
گزرتے سمندر کے کنارے آگئے۔

انہوں نے پرے کنارے کی طرف جھاڑیوں میں سے
آگے جہاز کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔

جہاز پر روشنی نہیں ہو رہی تھی۔انہیں ستاروں کی ہلکی ہلکی
روشنی میں جہاز سمندر میں کھڑا دور سے دکھائی دے رہا تھا۔
اس کے ساتھ ہی انہیں کنارے پر آگ کا الاؤ بھی دکھائی
دیا۔

الاؤ کے گرد سپاہی بیٹھے پہرہ دے رہے تھے۔دونوں
بھائی جھاڑیوں میں سے ہو کر آگے بڑھتے گئے۔جب وہ
بہت قریب پہنچ گئے تو عنبر نے ناگ سے سرگوشی میں کہا۔

"ناگ! اب تم سانپ کی جون بدل کر وہاں جاؤ
میں تمہارے بعد وہاں آ جاؤں گا"۔

ناگ نے سر کے اشارے سے اچھا کہا اور جھاڑیوں میں
سے ہو کر آگے نکل گیا۔

آگے جا کر اس نے زور سے سانس اندر کو کھینچا اور پھر
سانپ کی شکل میں بدل گیا۔سانپ بنتے ہی اس نے رینگنا
شروع کر دیا۔

وہ اس جگہ پہنچ گیا جہاں سپاہی آگ کے گرد بیٹھے تھے۔
دو چار سپاہی چل پھر کر جہاز کے آگے پہرہ دے رہے تھے۔
ان سپاہیوں کا کپتان سو رہا تھا۔

سانپ کے سرسرانے سے پتوں میں کھڑکھڑ سی ہوئی تو
سپاہیوں نے جھاڑیوں کی طرف دیکھا۔سانپ چھپ گیا۔دو

تین سپاہی جھاڑیوں کے پاس آئے انہیں سانپ دکھائی نہ دیا۔

سانپ نے سوچا کہ ان دونوں کو اسی جگہ ختم کر دینا چاہیے۔ کیوں کہ اگر وہ واپس چلے گئے تو سب کے بیچ میں جا کر انہیں ہلاک کرنا بڑا مشکل ہو جائے گا۔

جونہی دونوں سپاہی واپس مڑنے لگے سانپ نے لپک کر ایک سپاہی کو ڈس دیا۔

وہ چیخ مار کر گرا۔

سانپ کا زہر بہت تیز اور تکلیف دینے والا تھا۔ اس کی چیخ کی آواز سن کر دوسرا سپاہی ادھر کو آیا۔ اسے بھی سانپ نے ٹانگ پر ڈس دیا۔ وہ بھی چیخ کر گرا۔

سانپ نے دوسری جھاڑی میں سے ہو کر آگے کو نکل

گیا۔ دوسرے سپاہی اور کپتان ہوشیار ہو کر جھاڑیوں کی طرف آئے۔ وہاں دونوں سپاہی مر رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ انہیں ایک کالے ناگ نے ڈس لیا ہے۔

کپتان اور سپاہیوں نے سانپ کی تلاش شروع کر دی۔

دو سپاہیوں نے مرنے والے سپاہیوں کی پنڈلیوں پر کس کے پٹی باندھ دی کہ زہر اوپر نہ چڑھنے پائے۔

لیکن ناگ کا زہر بڑا خطرناک تھا۔

ایک پل کے اندر اندر زہر نے دونوں سپاہیوں پر اثر کر دیا۔ دونوں کے جسم نیلے ہو کر پھول گئے۔ اور پھٹنے لگے۔ دونوں مر گئے۔

کپتان نے حکم دیا۔

”سانپ یہیں کہیں ہوگا۔ اسے تلاش کر کے ٹکڑے

"ٹکڑے کر دو"۔

سپاہیوں نے ارد گرد کی جھاڑیوں پر تلواریں اور نیزے برسانے شروع کر دیے۔ ذرا فاصلے پر ایک جھاڑی میں عنبر بھی چھپا ہوا تھا۔

سپاہی اس کے قریب بھی آ گئے۔ عنبر نہ تو غائب ہو سکتا تھا اور نہ ناگ کی طرح سانپ بن سکتا تھا۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اب سوائے مقابلہ کرنے کے اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ عنبر کو اپنے سامنے دیکھ کر کپتان اور سپاہیوں کو طیش آیا۔

"تم کون ہو؟"۔

عنبر اب کھل کر سامنے آ گیا۔ اس نے کہا۔

"سنو! میں اس جہاز کا مالک ہوں۔ میں اس جہاز کو یہاں سے لے جانے کے لیے آیا ہوں۔ اگر تم نے میرے

راستے میں رکاوٹ بننے کی کوشش کی تو میں تم سب کو قتل کر کے نکل جاؤں گا"۔

کپتان نے زور سے قہقہہ لگایا اور کہا۔

"سپاہیو! اس گستاخ کی زبان کاٹ ڈالو"۔

سپاہی عنبر پر ٹوٹ پڑے۔ انہوں نے اس کا منہ کھول زبان کاٹنے کے لیے خنجر چلایا ہی تھا کہ خنجر کا پھل ٹوٹ کر ان کے ہاتھوں میں آ گیا۔

عنبر سپاہیوں کو گرا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"تم لوگ مجھے ہلاک نہیں کر سکو گے۔ اب بھی میں تمہیں کہتا ہوں کہ میرا راستہ چھوڑ دو۔ مجھے جہاز لے کر یہاں سے نکل جانے دو، نہیں تو تم سب کی لاشیں اس ریت پر تڑپ رہی ہوں گی"۔

کپتان نے عنبر کے سر پر زور سے تلوار والا ہاتھ مار کر کہا۔

"میں ابھی تمہیں موت کی نیند سلائے دیتا ہوں"۔

عنبر قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔ کیونکہ تلوار کپتان کے ہاتھ سے بھی چھوٹ کر زمین پر گر پڑی تھی۔

اب عنبر نے بھی تلوار نکال لی اور با قاعدہ مقابلہ شروع ہو گیا۔ مگر عنبر کے ساتھ کون مقابلہ کر سکتا تھا۔ اس پر چاروں طرف سے وار ہو رہے تھے۔

ساتوں کے ساتوں سپاہی تلواریں اس پر چلا رہے تھے۔

وہ اپنی طرف سے اس کا قیمہ قیمہ کر دینا چاہتے تھے۔ لیکن وہ یہ دیکھ کر حیران ہو رہے تھے کہ نہ تو عنبر کے جسم پر ان تلوار سے کوئی زخم لگ رہا تھا اور نہ اسے کسی جگہ سے خون نکل رہا ہے۔ اس کے الٹ عنبر کی تلوار کاٹ رہی تھی۔

اس نے دیکھتے دیکھتے دو سپاہیوں کو کاٹ کر رکھ دیا تھا۔

اب وہ تیسرے پر حملے کر رہا تھا۔ عنبر نے تیسرے سپاہی کو بھی ہلاک کر دیا، کیونکہ اس پر تو کسی وار کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔ اسے پیچھے سے وار بچانے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ وہ ایک سپاہی کو چن لیتا اور پھر اسے ختم کر کے دوسرے کی طرف گھوم جاتا۔

تھوڑے ہی وقت میں اس نے پانچ سپاہی قتل کر کے پھینک دیے۔ چھٹا بھاگ گیا۔ اب اس کے سامنے صرف کپتان رہ گیا تھا۔ عنبر تلوار لے کر اس کے سامنے آ گیا اور بولا۔

"اگر تم چاہو تو میں تمہاری جان بخشی کر سکتا ہوں، کیونکہ میں کسی بے گناہ کو ہلاک کرنا نہیں چاہتا۔ تم تلوار پھینک کر

یہاں سے بھاگ سکتے ہو"۔

کپتان نے کہا۔

"میں ایک بہادر قوم کا سپاہی ہوں۔ میرے سپاہی بھی بہادر ہیں اور میں بھی بہادر ہوں۔ میں میدان چھوڑ کر نہیں بھاگوں گا۔ میں تمہارا مقابلہ کروں گا"۔

عنبر نے کہا۔

تم میرا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ تم دیکھ نہیں رہے کہ تمہاری تلوار کا مجھ پر ذرا سا بھی اثر نہیں ہو رہا۔ اگر میں تمہاری طرح ایک عام آدمی ہوتا تو ہو سکتا تھا کہ تم مجھے قتل کر دیتے اور میں تمہارا مقابلہ نہ کر سکتا۔

لیکن میں تمہاری طرح کا ایک عام آدمی ہوں۔ میں ایک بھوت ہوں۔ تم یہی سمجھ لو کہ میں ایک بھوت ہوں۔ تم

میرے مقابلے پر آؤ گے تو مارے جاؤ گے۔ اب بھی وقت ہے، تم اگر چاہو تو یہاں سے جان بچا کر بھاگ سکتے ہو۔

کپتان نے کہا۔

نہیں! میں ایسا نہیں کروں گا۔ میں اپنی قوم کو بدنام نہیں کروں گا۔ بہادر لوگ مر جایا کرتے ہیں۔ مگر اپنی عزت پر بٹہ نہیں لگایا کرتے۔

تم آدمی ہو یا بھوت۔ تم جو کچھ بھی ہو میں تمہارا مقابلہ کروں گا۔ اگر میری قسمت میں موت ہی لکھی ہے تو میں لڑتے لڑتے مروں گا۔

یہ کہہ کر کپتان نے آگے بڑھ کر عنبر پر حملہ کر دیا۔ عنبر نے جوابی حملہ کرنے کی بجائے کپتان کے حملوں کو روکنا شروع کر دیا۔

مگر آخر وہ کب تک حملے کو روکے جاتا۔ وقت گزر رہا تھا۔ انہیں جہاز لے کر آگے بھی جانا تھا۔ چنانچہ عنبر نے ناگ سے کہا۔

"ناگ جہاں کہیں بھی ہو اوپر جہاز پر جا کر ماریا سے کہو کہ تیاری کرے۔ میں اس احمق اور بہادر کپتان کو ٹھکانے لگا کر ابھی آ رہا ہوں"۔

ناگ نے آواز دی۔

"بہت اچھا بھائی"! میں جہاز پر جا رہا ہوں۔

کپتان بڑا اسٹ پٹایا کہ یہ کون بھوت لوگ ہیں۔ اس نے چیخ مار کر عنبر کی گردن پر پوری طاقت سے تلوار کا وار کیا۔ اسے یقین تھا کہ عنبر کی گردن کٹ کر دور جا گرے گی مگر گردن تو اپنی جگہ قائم رہی۔

ہاں کپتان کی تلوار ضرور ٹوٹ کر ریت پر گر پڑی۔ عنبر آگے بڑھ کر اپنی تلوار سے کپتان کا کام تمام کر دیا۔ اب وہ تیزی سے جہاز کی طرف بڑھا۔

اس نے سمندر میں چھلانگ لگا دی۔ اسے خطرہ اس سپاہی سے تھا جو بھاگ گیا تھا، کیونکہ ہو سکتا تھا کہ وہ شہر سے دوسری فوج لے کر آ جائے اور سپاہی آگ برسانے والے تیر چلا کر جہاز کو آگ لگا دیں، کیونکہ عنبر، ناگ اور ماریا جہاز کو آگ سے نہیں بچا سکتے تھے۔

ناگ پہلے ہی جہاز پر پہنچ چکا تھا۔ عنبر بھی پہنچ گیا۔ ماریا عرشے پر کھڑی یہ ساری لڑائی مار کٹائی دیکھ رہی تھی۔ عنبر نے جاتے ہی کہا۔

"لنگر اٹھا کر بادبان کھول دو"۔

ناگ نے لنگر کو کھینچنا شروع کر دیا۔ ماریا اور عنبر نے مل کر بادبانوں کو کھول دیا۔ بادبانوں میں ہوا بھری اور جہاز نے کھلے سمندر کی طرف چلنا شروع کر دیا۔

عنبر نے ناگ سے کہا۔

''جہاز کی سمت خلیج کے اندر کی طرف کر دو''۔

ناگ نے قطب نما پر جا کر چرخی گھمائی اور جہاز کی سمت کو ٹھیک راستے پر لگا دیا۔ جہاز آہستہ آہستہ کھسک رہا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہوا زیادہ تیز نہیں تھی۔

دوسری طرف بھاگے ہوئے سپاہی نے چوکی پر جا کر شور مچا دیا کہ جہاز پر ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا ہے۔ سارے سپاہی قتل ہو گئے ہیں۔

صرف کپتان ابھی تک اکیلا لڑ رہا ہے۔ یہ سننا تھا کہ

چوکی پر سے کوئی ساٹھ ستر کے قریب سپاہی آگ برسانے والے تیر اور نیزے لے کر اٹھ دوڑے۔

جس وقت سپاہیوں کا یہ دستہ سمندر کے کنارے پہنچا عنبر کا جہاز آہستہ آہستہ سمندر کی طرف جا رہا تھا۔ سپاہی کشتیوں میں بیٹھ گئے۔ اور انہوں نے جہاز کی طرف بڑھنا شروع کیا۔

جہاز کی رفتار ذرا کم تھی جبکہ کشتیاں تیزی سے آگے بڑھ رہی تھیں۔ عنبر اور ناگ اور ماریا نے بھی فوج کے ایک دستے کو آگے بڑھتے دیکھ لیا تھا۔

ناگ نے کہا۔

''یہ لوگ ضرور آگ لگانے کی کوشش کریں گے''۔

عنبر نے کہا۔

"اگر وہ ایسا کریں گے تو ہم اس کا جواب دیں گے"۔

اور پھر ایسا ہی ہوا۔ سپاہیوں نے جہاز پر آگ کے تیر برسانے شروع کر دیے۔

آگ کے تیر جہاز کے بادبانوں کی طرف اڑ اڑ کر آ رہے تھے۔ ابھی تک ایک بھی تیر بادبان کو نہیں لگا تھا۔

ناگ نے کہا۔

عنبر! اگر ایک بھی تیر بادبان کو لگ گیا تو سارے بادبان جل کر راکھ ہو جائیں گے۔

ہمارا جہاز سمندر میں رک جائے گا اور یہ لوگ ہمارے جہاز اور خزانے پر قبضہ کر لیں گے۔

ماریا نے کہا۔

"ہو سکتا ہے یہ لوگ اپنے سپاہیوں کا بدلہ لینے کے لیے

ہمارے سارے کے سارے جہاز کو آگ کے حوالے کر دیں۔ پھر ہمارے لیے جان بچانا مشکل ہو جائے گا"۔

عنبر نے کہا۔

"ناگ کیا تم ان لوگوں کا مقابلہ کر سکتے ہو؟"۔

ناگ بولا۔

عنبر بھائی۔ میں زیادہ سے زیادہ سانپ بن کر حملہ کر سکتا ہوں مگر اتنی ساری فوج کو کہاں مار سکوں گا۔ پھر پرندہ کر بھی اگر ان کے سر پر اڑوں تو ان کے اگنی تیر میرا ابھی خاتمہ کر دیں گے۔ اس کے علاوہ میں بھی کچھ نہیں کر سکتا۔

ماریا نے کہا۔

"عنبر بھائی! خدا کے لیے کچھ جلدی سے کرو۔ دیکھو آگ والے تیر بادبانوں کے قریب سے ہو کر گزر رہے

ہیں۔ میں تو حیران ہوں کہ ابھی تک ان بادبانوں کو آگ کیوں نہیں لگی“۔

عنبر پر اب ساری بات آن پڑی تھی۔ اب جو کچھ کرنا تھا۔ اسی کو کرنا تھا نہیں تو سارے جہاز کو آگ لگنے والی تھی۔

عنبر نے کاہ۔

”اگر یہ بات ہے تو میں ہی کوشش کرتا ہوں“۔

یہ کہہ کر عنبر جہاز کے عرشے پر جا کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے سپاہیوں کی طرف منہ کر کے دونوں ہاتھ ہوا میں پھیلا لیے۔

خدا جانے آنکھیں بند کر کے اس نے کس کو آواز دی؟ کون سا منتر پڑھا؟ کس کی مدد لی کہ جونہی اس نے ہوا میں اپنے ہاتھوں کو اوپر کر کے لہرایا، آسمان پر جانے والے آگنی تیر سارے کے سارے ایک ساتھ سمندر میں گرنا شروع ہو

گئے۔

کشتیوں میں سے جتنے تیر چلائے جاتے، سارے کے سارے سمندر میں گر پڑتے۔

سپاہیوں نے عنبر کو جہاز کے جنگلے پر کھڑا دیکھ کر اس پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔ آگ میں لہراتے ہوئے تیر عنبر کے قریب آئے۔

عنبر نے ہاتھ سے پیچھے کی طرف اشارہ کیا۔

آگ میں جلتے تیر ایک ایک کر کے واپس گئے اور انہوں نے سپاہیوں میں گر کر نہ صرف انہیں زخمی کر دیا بلکہ ایک دو کشتیوں میں آگ بھی لگا دی۔

اس کے ساتھ ہی کشتیوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ سپاہیوں نے تیر برسانے بند کر دیے مگر تینوں کشتیوں میں شعلے بھڑک

اٹھے تھے۔ اور بیس پچیس سپاہی تیر لگنے سے مر چکے تھے۔
کتنے ہی زخمی ہو گئے تھے۔

ایک سپاہی نے چیخ کر کہا۔

"واپس بھاگو! یہ بھوتوں کا جہاز ہے۔ وہ دیکھو جہاز
پر ایک بھوت دونوں ہاتھ پھیلائے کھڑا ہے"۔

سپاہی سارے کے سارے خوف زدہ ہو رہے تھے۔

انہوں نے کشتیوں کو موڑ لیا اور بڑی تیزی سے چپو چلاتے
بھاگ گئے۔ تھوڑی دیر میں میدان صاف ہو گیا تھا۔ ناگن
نے کہا۔

"میدان مار لیا ہم نے عنبر بھائی"۔

عنبر ان کی طرف مڑا تو انہوں نے دیکھا کہ عنبر کا چہرہ سیاہ
پڑ گیا تھا اور اس کی آنکھوں سے سبز رنگ کا پانی ٹپک رہا

تھا۔ اس کے دونوں ہاتھوں پر چھالے پڑ گئے تھے۔

"یہ کیا ہوا عنبر بھائی؟" "نہیں تو کبھی کچھ نہیں ہوا تھا؟"۔

عنبر نے تکلیف سے سانس لیتے ہوئے کہا۔

"میں نے جو جادو کیا ہے، یہ اس کا اثر مجھ پر پڑ گیا ہے۔
میں اسی لیے جادو کبھی نہیں کیا کرتا مگر یہاں مجبور ہو گیا۔ اب
یہ تکلیف سہنی ہی پڑے گی"۔

ماریا نے کہا۔

"میرے بھائی! تم نے یہ تکلیف کیوں اٹھائی؟"۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

ماریا بہن! اگر میں یہ تکلیف نہ اٹھاتا تو اس وقت جہاز پر
آگ لگ چکی ہوتی مگر تم فکر نہ کرو، یہ تکلیف صرف دو تین
دن رہے گی۔

جادو کا اثر کم ہوتے ہی تکلیف دور ہو جائے گی۔ یہ سب سے خطرناک جادو تھا۔ میں نے بھوتوں کے بادشاہ کی مدد لی تھی۔ اس نے مجھ سے قیمت وصول کر لی، اب مجھے یہ قیمت ادا کرنی ہوگی۔

ناگ اور ماریا عنبر کو لے کر نیچے کیبن میں آ گیا۔ عنبر کو ایک صاف ستھرے قالین کے بستر پر لٹا دیا گیا۔ عنبر نے اسے کہا کہ صرف پیاز کا عرق بار بار پلایا جائے۔

جہاز پر پیاز بہت موجود تھا۔ ماریا نے اسی وقت دیگچے میں پیاز کا عرق نکال کر گرم کیا اور عنبر کو تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد پلانا شروع کر دیا۔

جہاز اب ساحل سے نکل کر کھلے سمندر میں آ گیا تھا۔ آہستہ آہستہ ہوا بھی تیز چلنا شروع ہو گئی تھی۔ شاید اس لیے

کہ دن چڑھتے ہی آسمان پر بادل جمع ہونے لگے تھے۔ بادلوں کی وجہ سے ہوا چلنے لگی تھی۔

عنبر کو سخت تکلیف تھی۔ اسے زندگی میں پہلی بار تکلیف ہو رہی تھی۔ سارا دن وہ تکلیف سے ہائے ہائے کرتا رہا اور اس پر غشی سی طاری رہی۔

رات کو بھی وہ دور سے تڑپتا رہا۔ اگلے روز اس کی طبیعت سنبھل گئی۔ ماریا اور ناگ اس کے پاس بیٹھے اس کی خدمت کرتے رہے۔ عنبر نے آنکھیں کھول کر کہا۔

"تم لوگوں نے میری بڑی تیمارداری کی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ کالے جادو کا اثر اب دفع ہو گیا ہے۔ اب تم لوگ جا کر آرام کرو۔"

ماریا نے کہا۔

"نہیں بھائی عنبر! میں تمہارے پاس ہی بیٹھوں گی۔ ایک بہن کو اپنے بھائی کی خدمت کر کے خوشی ہوتی ہے"۔

وہ دن بھی گزر گیا۔ رات کو عنبر کی طبیعت بالکل ٹھیک ہو گئی۔

اس کے چہرے کی سیاہی بھی دور ہو گئی۔ ہاتھوں کے چھالے بھی مٹ گئے۔

وہ بھلا چنگا ہو کر جہاز کے عرشے پر آ گیا۔ ماریا سو گئی تھی۔

ناگ عرشے پر کھڑا تھا۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے اور بجلی رہ رہ کر چمک رہی تھی۔

عنبر نے کہا۔

"شاید طوفان آنے والا ہے۔ مگر ہم لوگ صبح ہونے سے

پہلے دریائے درجلا ہو جائیں گے"۔

بادلوں کی گرج کے ساتھ ہی موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔

مرجلہ کی وادی

ساری رات بارش ہوتی رہی اور بجلی چمکتی رہی۔

دن چڑھا تو سمندر میں بڑی بڑی اٹھ رہی تھیں۔

دریائے دجلہ کا پانی بھی بڑی تیزی کے ساتھ سمندر میں گر رہا تھا، چونکہ ہوا بہت زور سے چل رہی تھی، اس لیے ان کا بادبانی جہاز دریا میں داخل ہو گیا اور الٹے بہاؤ پر چڑھ کر بھی آگے کو روانہ ہو گیا۔

دریا میں طوفان نہیں تھا۔ جوں جوں وہ آگے بڑھتے گئے طوفان کا زور کم ہوتا گیا۔ جب وہ دریا کے بیچ میں پہنچے تو بارش تھم گئی اور ہوا کا زور بھی ختم ہو گیا۔

اب وہ دریا میں بڑے سکون کے ساتھ آگے بڑھ رہے تھے۔ اگرچہ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے مگر نہ تو بارش ہو رہی تھی اور نہ زوردار آندھی کا طوفان چل رہا تھا۔

بادلوں میں کبھی کبھی بجلی چمک جاتی تھی اور ہلکی ہلکی گرج کسی وقت سنائی دے جاتی تھی۔

دریا زیادہ چوڑا نہیں تھا وہ ذرا فاصلے پر دریا کے کنارے کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ کناروں پر ریت کے ٹیلے دور دور تک پھیلے تھے۔

کہیں کہیں کھجوروں کے بڑے بڑے جھنڈ تھے۔ عنبر نے

ناگ اور ماریا سے کہا۔

اس موسم میں کبھی کبھی یہاں بہت سخت بارشیں ہوتی ہیں۔ ہواؤں کے طوفان آتے ہیں لیکن عام طور پر اس کے بعد موسم خشک ہی رہتا ہے۔

تینوں جہاز کے عرشے پر کھڑے دریا کے کنارے کا نظارہ کر رہے تھے۔ بارش کے طوفان کی وجہ سے جہاز کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا تھا۔

صرف بارش کا پانی سیڑھیوں میں سے ہو کر تہہ خانے میں چلا گیا تھا۔ جسے عنبر اور ناگ نے مل کر بالٹیوں سے نکال کر سمندر میں پھینک دیا تھا۔ بارش کے تھمتے ہی تیز ہوا نے بادبانوں کو خشک کر دیا تھا۔

ان میں ہوا بھری ہوئی تھی اور وہ جہاز کو لے کر بڑے

سکون کے ساتھ بغداد شہر کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ناگ نے دور ٹیلوں کو دیکھ کر کہا۔

"ان ٹیلوں پر کسی قسم کی کوئی آبادی دکھائی نہیں دے رہی معلوم ہوتا ہے صدیوں سے یہاں پر کوئی آباد نہیں رہا"۔

عنبر بولا۔

یہاں کئی آبادیاں بس کر تباہ ہو چکی ہیں۔ جہاں تمہیں آج ریت کے ٹیلے دکھائی دے رہے ہیں۔ وہاں کبھی شاہی محل ہوا کرتے تھے جو وقت کے ساتھ ساتھ برباد ہو گئے۔

یہ وادی بڑی بڑی تہذیبوں کو ابھرتے اور فنا ہوتے دیکھ چکی ہے۔

ماریا نے کہا۔

حمورابی اور ہنی بال نے اسی وادی میں حکومت کی تھی۔

عنبر بولا۔

"ہاں۔ میں نے ان کا دور دیکھا ہے۔ ان کے وقتوں میں اسی دریا میں بادبانی جہازوں کی ہر وقت رونق رہا کرتی تھی۔ تجارتی سامان سے لدے ہوئے جہاز یہاں سے ہر وقت گذرا کرتے تھے"۔

ناگ نے کہا۔

"کیا خیال ہے، ناگ بھائی ہم کس وقت تک بغداد کی بندرگاہ پر پہنچ جائیں گے"۔

عنبر نے کہا۔

میرا اندازہ ہے کہ ہمیں صرف آج کا دن اور آج کی رات ہی اس جہاز پر بسر کرنی ہوگی۔ کل کسی وقت ہمارا جہاز بغداد کی بندرگاہ میں داخل ہو جائے گا۔

لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کیا ہمیں بغداد کی بندرگاہ میں داخل ہونی بھی چاہیے یا نہیں؟ کیونکہ بغداد میں ارچنگ گورز سے بڑھ کر ظالم اور سنگدل اٹیلا نے تباہی پھیلا رکھی ہے۔ لیکن وحشی قوم نے بندرگاہ پر بھی قبضہ جما رکھا ہوگا۔

ماریا نے کہا۔

"پھر تو ہو سکتا ہے کہ بغداد کی بندرگاہ پر پہنچ کر چنگیزی وحشی قوم کے سپاہی ہمارے جہاز پر بھی قبضہ کر لیں۔ ساتھ ہی ساتھ خزانہ بھی ان لٹیروں کے قبضے میں چلا جائے۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ایک بلا سے بچ کر نکلے تھے کہ دوسری بلا کے منہ میں جا کر پھنس جائیں گے"۔

ناگ نے کہا۔

"تو پھر اس کا کیا علاج ہو سکتا ہے عنبر بھائی؟"۔

عنبر نے سوچ کر کہا۔

”یہ درست ہے کہ ہمیں جہاز کو ساتھ لے کر بندر گاہ میں داخل ہونے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہیے، کیونکہ یہ تو کھلی ہوئی بات ہے کہ ہمارے جہاز پر اٹیلا کے وحشی سپاہی اسی وقت قبضہ کر لیں گے، بلکہ ہمیں قتل کرنے کی کوشش بھی کریں گے“۔

ماریا بولی۔

”ان حالات میں تو میرا خیال ہے کہ ہمیں یہیں کسی جگہ جہاز کو دریا میں لنگر ڈال کر کھڑا کر دینا چاہیے۔ بندرگاہ سے ہم جس قدر دور رہوں گے ہمارے لیے اتنا ہی اچھا ہوگا“۔

عنبر نے ناگ سے پوچھا۔

”تمہارا کیا خیال ہے ناگ؟“۔

ناگ نے کہا۔

”بھائی! اس معاملے میں ہم صرف تمہاری رائے پر ہی عمل کریں گے، کیونکہ تم اس علاقے سے زیادہ واقف ہو اور تم اس قوم کو بھی اچھی طرح جانتے ہو جس سے ہمارا واسطہ پڑ رہا ہے“۔

عنبر نے کہا۔

”تو پھر ہمیں آج آدھی رات کو اپنا جہاز دریا میں لنگر ڈال کر کسی جگہ کھڑا کر دینا چاہیے، کیونکہ ہمیں بندرگاہ سے زیادہ فاصلے پر بھی کھڑا نہیں ہونا چاہیے“۔

”بہتر ہے“۔

ان کا جہاز دریا میں سارا دن چلتا رہا۔ شام ہونے تک بادل چھپ گئے اور مغرب میں سورج غروب ہونے لگا تو ہر

طرف اس کی سرخ روشنی پھیل گئی۔

صحرا کی ریت اور دریا کی لہریں سرخ ہو گئیں ماریا اور
ناگ نے اس قدر خوبصورت نظارہ پہلے کہاں دیکھا تھا۔ وہ
خوش ہو کر جہاز کے عرشے پر کھڑے ہو گئے اور عنبر سے ان
درختوں اور ٹیلوں کے بارے میں پوچھنے لگے۔ جن کے پیچھے
سورج غروب ہو رہا تھا۔

عنبر نے کہا۔

ان ٹیلوں کے پیچھے میرا خیال ہے، کچھ نہ کچھ آبادی
شروع ہو جائے گی۔

مشکل یہ ہے کہ ہمارے وقت میں بادشاہ اور حکومتیں تو
بڑی بڑی گزری ہیں اور گزر رہی ہیں مگر آبادیاں بہت کم
ہیں۔ لوگ کہیں کہیں گاؤں بنا کر رہ رہے ہیں۔ بہر حال

بغداد میں تمہیں زیادہ لوگ نظر آئیں گے۔

ناگ نے کہا۔

"وہاں تو اٹیلا نے تباہی مچا رکھی ہے۔ وہاں اب لوگ
کہاں ہوں گے"۔

عنبر بولا۔

"ہاں یہ بات ضرور ہے کہ اس تباہی نے آبادی پر برا اثر
ڈالا ہو گا۔ تو لوگ شاید کہو کہ ہم کوئی اچھے وقت پر اس شہر میں
داخل نہیں ہو رہے مگر میں کہوں گا کہ اگر کسی ملک یا کسی
تہذیب کو سچی حالت میں دیکھنا ہو تو اسے اس وقت دیکھو
جب وہ تباہی میں سے گزر رہی ہو"۔

ماریا ہنس پڑی۔

عنبر بھائی! تمہاری ہر بات عجیب ہوتی ہے، ناگ اور عنبر

بھی مسکرانے لگے۔

رات چھا گئی۔ انہوں نے عرشے پر چراغ جلا کر کھانا کھایا۔ پھر وہ سو گئے۔ آدھی رات کے قریب عنبر کی آنکھ اپنے آپ کھل گئی۔

اس نے ناگ اور ماریا کو بھی جگا دیا۔ دونوں اٹھ کر بیٹھ گئے۔ عنبر نے انہیں بتایا کہ یہی وقت جہاز کو کسی اچھی سی جگہ پر کھڑا کرنے کا ہے۔ آسمان صاف ہو گیا تھا۔

ستارے چمک رہے تھے۔ ان کی روشنی میں صحرائی ٹیلے اور کھجوروں کے درختوں کے جھنڈ صاف نظر آ رہے تھے۔ اب ٹیلے ان کے قریب سے ہو کر گذر رہے تھے۔ دریا کا پاٹ بھی پہلے سے زیادہ چھوٹا ہو گیا تھا۔

عنبر نے کہا۔

"ہمیں ایک طرف کر کے جہاز کو کھڑا کرنا ہو گا، کیونکہ ہو سکتا ہے۔ بیچ میں کھڑا کرنے سے کسی دوسرے جہاز سے اس کی ٹکر ہو جائے"۔

ماریا نے کہا۔

"مگر مجھے تو یہاں کوئی جہاز نظر نہیں آ رہا؟"۔

عنبر بولا۔

"اس لیے کہ مسلمانوں کے سارے جہازوں پر اٹیلا نے قبضہ کر رکھا ہو گا۔ یہ شخص صحرا کا وحشی ڈاکو اور لٹیرا ہے۔ اسے کیا خبر کہ بادبانی جہاز کیا ہوتا ہے اور اس سے کس طرح سمندر میں تجارتی کی جاتی ہے"۔

ناگ بولا۔

"تو پھر ہمیں کسی جگہ پر روک دیتے ہیں"۔

عنبر نے کہا۔

''نہیں! ایسے نہیں! ذرا دم لو۔ مجھے غور کر لینے دو''۔

جہاز دریا کے ساتھ ہی دائیں جانب کو ایک موڑ گھوم گیا۔ آگے جا کر انہوں نے دیکھا کہ ایک طرف سے دریا کا پانی کنارے کو توڑ کر بائیں جانب نکل گیا تھا۔

وہاں ایک جھیل سی بن گئی تھی۔ اس جھیل میں بڑی اونچی اونچی گھاس اور دریائی جھاڑیاں اگی تھیں۔ اس جھیل کو دیکھ کر عنبر کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔

''خدا نے ہماری مدد کی ہے۔ یہ جھیل بڑی اچھی ہے۔ ہم یہاں پر اپنے جہاز کو جب تک چاہیں کھڑا کر سکتے ہیں''۔

ناگ بولا

''لیکن عنبر اس جھیل میں دریائی گھاس بے شمار اگی ہوئی

ہے۔ کہیں ہمارا جہاز اس میں پھنس نہ جائے''۔

عنبر نے کہا۔

''نہیں ایسا نہیں ہوگا۔ یہ نرسل کی گھاس نہیں ہے جو بیل کی طرح سے جہاز کے ساتھ لپٹ جاتی ہے۔ یہ معمولی دریائی گھاس ہے۔ یہ جہاز کو نقصان نہیں پہنچا سکتی ہم بڑی آسانی اور اطمینان کے ساتھ جہاز کو یہاں کھڑا کر سکتے ہیں''۔

ماریا نے کہا۔

''میرے خیال میں عنبر ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ اس سے اچھی جگہ ہمیں اور کہیں نہیں مل سکتی۔ یوں لگتا ہے قدرت نے یہ جھیل ہمارے جہاز کے لیے بنائی ہے''۔

کیوں نہیں۔ اب ہمیں بڑی ہوشیاری سے جہاز کو جھیل

میں داخل کرنا ہوگا۔

ناگ تم بادبانوں کی رسی پکڑ کر ان کا رخ ذرا بائیں کو کر دو۔ میں جہاز کی چرخی پر کھڑا ہوتا ہوں۔

ناگ نے رسی کھول کر اسے کھینچ کھینچ کر بادبانوں کا رخ بائیں طرف کر دیا۔

ہوا نے بائیں طرف کو ہو کر بادبانوں پر بوجھ ڈالا تو جہاز بائیں کنارے کی طرف گھومنے لگا۔ عنبر نے چرخی کو زور زور سے گھمانا شروع کر دیا۔ پانی کا دباؤ بھی بائیں طرف کو ہو گیا۔

اس تمام کارروائی کا نتیجہ یہ نکلا کہ جہاز بڑے آرام سے بائیں کنارے کی طرف ہو کر جھیل کے ساکت پانی میں داخل ہو گیا۔ دریائی گھاس جہاز کے نیچے دبنے لگی۔ جہاز گھاس کو

چیرتا ہوا جھیل میں بڑھنے لگا۔

عنبر نے حکم دیا کہ بادبانوں کو لپیٹ دیا جائے۔ کیونکہ جہاز اپنے بوجھ سے آگے بڑھ رہا تھا۔ اگر بادبان بھی کھلے رہتے تو جہاز کو اگلے کنارے کے ساتھ ٹکرا جانے کا خطرہ تھا۔

ناگ نے اسی وقت بادبانوں کی رسیاں کھول دیں۔ رسیوں کے کھلتے ہی جہاز کی رفتار بے حد سست ہو گئی۔ ناگ نے بادبانوں کو لپیٹنا شروع کر دیا۔

عنبر نے لنگر کھول کر جھیل میں پھینک دیا۔

لنگر جھیل کے اندر جا کر تہہ کی گھاس اور دلدل میں ایک دم کھب گیا اور جہاز وہیں رک گیا۔ انہوں نے جلدی جلدی جہاز کے عرشے پر سے بستر اور دوسری چیزیں اٹھا کر تہہ خانے میں جا کر بند کر دیں۔ اب سب سے بڑا مسئلہ خزانے

کے صندوق کا تھا۔

ناگ نے کہا۔

"اس جہاز میں خزانے کو چھوڑ کر جانا اسے خود لٹیروں کے ہاتھ میں دے دینے کے مترادف ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں اسے نکال کر کسی ٹیلے کے پاس دبا دینا چاہیے"۔

عنبر نے کہا۔

"خیال تو ٹھیک ہے مگر تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ صحرا میں جب شمال کی تیز ہوا چلتی ہے تو ریت کے ٹیلے بھی اڑ جاتے ہیں۔ اس جگہ کا ٹیلہ اڑ کر دوسری جگہ پہنچ جاتا ہے۔"

"پھر خزانے کو کس جگہ رکھیں؟"۔

ماریا نے پوچھا۔

عنبر نے کہا۔

ایک بات تو طے ہے کہ خزانے کو ہم جہاز میں نہیں رکھیں گے۔ اگر لٹیرے جہاز کو لے جاتے ہیں تو بے شک لے جائیں، کیونکہ جہاز کو ہم خشکی میں اپنے ساتھ لے کر نہیں پھر سکتے۔

کیونکہ اگر ہم نے خزانے کو جہاز میں چھوڑا تو یہ بچ نہ سکے گا۔ آج کل اس علاقے میں چنگیزی لٹیروں کا دور دورہ ہے اور یہ وہ قوم ہے کہ ایک ایک کوڑی کی خاطر لوگوں کو قتل کرتی پھرتی ہے۔

انہوں نے نہ تو خوش حالی دیکھی ہے اور نہ اتنی دولت کبھی دیکھی تھی جیسی کہ ان مسلمانوں کے علاقوں میں ہے۔

بہر حال خزانے کو یہاں سے نکال کر ساتھ لے چلتے ہیں۔

پھر کسی نہ کسی جگہ اسے چھپا کر رکھ لیں گے۔

چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

وہ ایک چھوٹی سی کشتی میں خزانہ لاد کر بیٹھ گئے اور کشتی جھیل میں دریائے گھاس اور جھاڑیوں کے درمیان سے گزرتی کنارے پر پہنچ گئی۔

کنارے پر آ کر انہوں نے کشتی کو جھاڑیوں اور گھاس میں ایک جگہ اچھی طرح سے چھپا دیا۔ عنبر نے خزانے کے صندوق کو سر پر اٹھایا اور وہ ستاروں کی روشنی میں بغداد کی طرف روانہ ہو گئے۔

صحرا میں ریت بڑی خوشگوار تھی۔ بارش نے ریت کو ٹھنڈا کر دیا تھا۔ پچھلے پہر کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ اب سب سے بڑی پریشانی خزانے کے صندوق کو کسی محفوظ جگہ پر چھپانے کی تھی۔ ریت کے ٹیلوں پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

ناگ نے کہا۔

اگر وہ کسی جگہ ریت میں خزانے کو دفن کر کے اوپر کسی پتھر کا نشان رکھ دیں تو بہتر ہوگا۔

عنبر نے کہا۔

"یہاں پتھر کہیں نہیں ملے گا۔ ریت میں دبا ہوا خزانہ کھو جائے گا جب ہم دوبارہ اسے تلاش کرتے آئیں گے تو وہ ہمیں بھی نہیں ملے گا"۔

ماریا نے کہا۔

"تو پھر اسے کسی جگہ دبائیں۔ یہ خزانہ تو ہمارے لیے مصیبت بن گیا ہے"۔

ناگ بولا۔

"لاؤ بھائی اب میں صندوق کو اٹھا لیتا ہوں"۔

عنبر کہنے لگا۔

نہیں! اسے میرے پاس ہی رہنے دو اصل بات یہ یہ کہ
اسے کس جگہ دفن کریں۔ سر پر اٹھانے سے کچھ نہیں ہوگا۔
چاہے تو اٹھاؤ۔ چاہے میں اٹھالوں۔

عنبر کے سر سے خزانے کا صندوق لے کر اپنے سر پر
رکھتے ہوئے ناگ نے کہا۔

"کچھ بھی ہو، میں چھوٹا بھائی ہوں۔ میں آپ کو زحمت
نہیں دے سکتا"۔

وہ صحرا کی ٹھنڈی ریت پر کافی دور نکل گئے۔ ایک ٹیلے کا
چکر کاٹ کر وہ سامنے آئے تو اچانک انہیں ایک پرانے محل کا
کھنڈر سا نظر آیا۔

عنبر نے کہا۔

"بس کام بن گیا"۔

"کیا مطلب؟"۔ ماریا نے پوچھا۔

میرا مطلب ہے کہ خزانہ چھپانے کی جگہ مل گئی ہے۔

عنبر نے کہا۔

ناگ نے پوچھا۔

"وہ کہاں ہے؟"۔

عنبر نے کہا۔

یہ سامنے والے کھنڈر دیکھ رہے ہو؟ ہم خزانے کو اس
کھنڈر میں دفن کریں گے۔

یہ کھنڈر آج سے تین چار ہزار سال پہلے کے کھنڈر ہیں۔
ان کے پتھر بڑے سخت ہیں۔ انہیں آندھیاں اور طوفان بھی
اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکتے۔ آؤ میرے ساتھ۔

عنبر، ناگ اور ماریا کو لے کر کھنڈروں میں آ گیا۔ یہ کسی پرانے شاہی محل کے ٹوٹے پھوٹے کھنڈر تھے۔ دیواریں گر چکی تھیں۔

ستون بھی گرے ہوئے تھے۔ ہر طرف اینٹوں اور پتھروں کے ڈھیر پڑے تھے۔ وہ ایک جگہ بیٹھ گئے۔ خزانے کے صندوق کو انہوں نے پتھروں کے پاس رکھ دیا۔

عنبر نے اٹھ کر ارد گرد ہر شے کو بڑی جانچ پڑتال کر کے دیکھا۔ آخر اسے ایک جگہ پسند آ گئی۔ یہاں سرخ پتھروں کی سلیں بکھری ہوئی تھیں۔ وہ ایک ڈھیری کے پاس جا کر رک گیا۔

اس نے ناگ سے کہا۔

"ہم خزانے کو اس جگہ دفن کریں گے"۔

انہوں نے سرخ پتھر کی سلوں کو اکھاڑنا اور ادھر ادھر ہٹانا شروع کر دیا۔

تھوڑی سی محنت کے بعد وہاں ایک گہرا گڑھا بن گیا۔ عنبر نے ناگ کے ساتھ مل کر خزانے کے صندوق کو اس گڑھے میں رکھا۔

ڈھکن کھول کر کچھ سونے کی اشرفیاں تھیلے میں ڈالیں، ڈھکنا بند کیا اور صندوق کے اوپر پتھر چن دیئے پھر انہوں نے اوپر ریت ڈال کر دوبارہ اوپر پتھروں کی سلیں رکھ دیں۔

اب دیکھنے سے وہ ایک کھنڈر کی ڈھیری لگ رہی تھی۔

کسی کو ذرا سا بھی شک نہیں ہو سکتا تھا کہ وہاں خزانہ دفن ہے۔

اس کام سے فارغ ہو کر وہ اٹھ کر چلنے ہی والے تھے کہ اچانک ہرے رنگ کا خوفناک سانپ پھنکار مار کر اپنا پھن

پھیلائے عنبر کے سامنے آ گیا، یہ ایک بڑا ہی زہریلا صحرائی
سانپ تھا۔

ناگ کچھ آگے آگے چل رہا تھا۔ ماریا بھی اس کے ساتھ
ہی تھی۔ سانپ نے عنبر پر حملہ کر دیا۔

عنبر مسکرایا اور پیچھے ہٹ گیا۔ سانپ پھنکاروں پر
پھنکاریں مار رہا تھا۔ وہ بار بار اپنی لال زبان نکال رہا تھا۔
اس کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔

عنبر نے ناگ کو بالکل آواز نہ دی۔

وہ سانپ کے حملے سے یونہی جھوٹ موٹ بچ گیا۔

سانپ نے دوبارہ عنبر پر حملہ کر دیا اس بار سانپ نے عنبر
کے بازو پر ڈس دیا۔

عنبر نے سانپ کو گردن سے پکڑ لیا۔ اب جو ناگ اور

ماریا نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو عنبر کے ہاتھ میں سانپ تھا۔ ناگ
بھاگ کر عنبر کے پاس آن آیا۔

"عنبر بھائی! یہ سانپ کہاں سے آ گیا؟"۔

عنبر بولا۔

"یہیں کہیں سے نکل کر آ گیا ہے۔ اس نے میرے
بازو پر ڈس بھی دیا ہے"۔

"اس کی یہ ہمت ۔ یہ جرات؟"۔ ناگ نے غصے
سے کہا۔

عنبر بولا "معلوم ہوتا ہے یہ ہم سے بے خبر ہے"۔

ناگ نے کہا "لایئے اسے مجھے دے دیں"۔

اب سانپ کو بھی احساس ہو چکا تھا کہ وہ کسی بہت بڑے
ناگ دیوتا کے حضور میں کھڑا ہے۔ اس نے اپنی گردن جھکا

دی تھی۔

ناگ نے سانپ کی گردن پر زور سے تھپڑ مار کر کہا۔

"کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ میں بھی اس جنگل میں چل رہا ہوں"۔

سانپ نے مردہ سی آواز میں کہا۔

اے سانپوں کے دیوتا! میری جان بخشی کر دیں۔ میں نے کسی ایسے انسان کو ڈس دیا ہے کہ جس کے خون کا زہر خود مجھے ہلاک کر رہا ہے۔

"میری حالت پر رحم کریں اور مجھے بچا لیں"۔

ناگ بولا۔

میں ایسا نہیں کر سکتا۔ تم جیسے سانپوں کو بچانا اپنے ساتھ خود زیادتی کرنے کے برابر ہے۔

جاؤ یہاں سے چلے جاؤ اور جنگل کے کسی کونے میں لیٹ کر ایک انوکھے انسان کے زہر سے مر جاؤ۔

عنبر نے سانپ کو پھینک دیا۔

تالاب والا گاؤں

سانپ زمین پر گرتے ہی تڑپا اور ٹھنڈا ہو گیا۔

تینوں بہن بھائیوں نے اب وادی دجلہ میں اپنا سفر شروع کر دیا۔ ان کی منزل شہر بغداد تھی۔

بغداد جہاں ہن قوم کے وحشی سرداروں نے ہر طرف تباہی پھیلا رکھی تھی۔ شہر کی کیا حالت ہے؟ انہیں بالکل کوئی خبر نہیں تھی۔ اب تو انہیں وہاں جا کر ہی پتہ چل سکتا تھا کہ وہاں

کیا ہو رہا ہے۔

وہ سارا دن ریت پر چلتے رہے۔ موسم بڑا خوشگوار تھا۔ اگر دھوپ ہوتی تو صحرا کی گرمی میں وہ زیادہ دیر تک نہیں چل سکتے تھے۔ شام کے وقت وہ ایک جگہ ریت کے ٹیلوں کے پاس کھجوروں کے جھنڈ میں بیٹھ کر آرام کرنے لگے۔

عنبر نے کہا۔

"میرا خیال ہے، ہمیں اسی جگہ رات بسر کر لینی چاہیے کیونکہ یہاں سے بغداد شہر ابھی دو روز کے سفر پر ہے۔"

عنبر کہنے لگا۔

"میرا خیال ہے، ہم پیدل دو روز کا سفر اس صحرا میں نہیں کر سکیں گے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے، کل موسم کھل جائے اور دھوپ نکل آئے۔ پھر صحرا کی گرمی ہم سے برداشت نہیں ہو

سکے گی"۔

ماریا نے کہا۔

"میرا تو تھکن کے بارے اب بھی برا حال ہو رہا ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"یہاں آس پاس کوئی گاؤں بھی نہیں ہے۔ جہاں سے ہم اونٹ خرید سکیں۔ بہر حال رات یہاں بسر کرتے ہیں۔ کل صبح دیکھیں گے کہ کیا ہو سکتا ہے"۔

وہ رات انہوں نے کھجوروں کے جھنڈ میں بسر کر دی۔

دوسرے دن دھوپ نکل آئی اور ریت ایک دم گرم ہو گئی۔ اس کی وجہ سے گرمی بڑھ گئی۔

انہیں تھوڑی دور چلنے کے بعد ہی پسینے آ گئے۔ ماریا کا تو گرمی کے مارے برا حال ہو گیا۔ عنبر بھی پریشان ہو گیا۔

مگر صحرا میں وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے کہا۔

"میرا مشورہ یہ ہے کہ ہم کو کچھ دور سفر کرنا چاہیے۔ ہو سکتا ہے، آگے کوئی گاؤں مل جائے، کیونکہ اب مجھے امید ہے کہ کوئی نہ کوئی گاؤں ضرور آ جائے گا"۔

ماریا نے کہا۔

"کم بخت ادھر سے کوئی قافلہ بھی نہیں گزر رہا۔ کوئی ایسا صحرائی راستہ بھی نہیں ہے۔ جہاں سے قافلے گزرتے ہیں۔ مجھے تو یوں لگتا ہے کہ ہم راستہ بھول گئے ہیں"۔

ناگ کہنے لگا۔

"کیوں عنبر بھائی کہیں سچ مچ ہم راستہ تو نہیں بھول گئے؟"۔

عنبر نے کہا۔

"جہاں تک میرا خیال ہے، ایسی فکر کرنے والی کوئی بات نہیں ہے۔ ہم راستہ نہیں بھولے۔ یہ ٹھیک ہے کہ ہم کسی ایسے راستے پر سفر نہیں کر رہے جہاں سے قافلے گزرتے ہوں مگر ہم غلط راستے پر بھی نہیں جا رہے"۔

ماریا بولی۔

"میں تو گرمی کے مارے پریشان ہو گئی ہوں۔ میرا سانس پھول رہا ہے۔ مجھ سے اب آگے نہیں چلا جا رہا"۔

عنبر نے کہا۔

"وہ سامنے والا جو ٹیلا ہے، میرا خیال ہے، اس کے پیچھے ضرور کوئی نہ کوئی گاؤں ہوگا۔ کسی طرح سے اس ٹیلے تک چلی چلو"۔

ماریا مجبوراً چلتی رہی۔ ایسا ہی ہوا جیسا کہ عنبر کا خیال تھا

ایک گھنے جنگل میں ایک گاؤں نظر آ رہا تھا۔ ماریا کی جان میں آئی۔

عنبر نے مسکرا کر ناگ کی طرف دیکھا اور کہا۔

"خدا کا شکر ہے کہ گاؤں کی صورت نظر آئی"۔

ماریا نے مسکرا کر کہا۔

"میں نے خدا سے دعا مانگی تھی۔ خدا نے میری دعا سن لی ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"اب تم جو کچھ کہو۔ بہر حال یہ تو گاؤں میں چل کر پتا چلے گا کہ اس گاؤں میں غریب عرب مسلمان رہتے ہیں یا اس گاؤں پر بھی چنگیزی وحشیوں کا قبضہ ہو چکا ہے"۔

ماریا نے جلدی سے کہا۔

"خدا نہ کرے کہ اس گاؤں پر وحشیوں کا قبضہ ہو۔"

ناگ کہنے لگا۔

"اس کا فیصلہ تو گاؤں میں جا کر ہی ہوگا۔"

تینوں مسافر جلدی جلدی ریت پر چلتے ہوئے گاؤں کے کنارے پہنچ گئے۔ یہ گاؤں ایک چشمے کے کنارے تھا۔ چشمے کا پانی تالاب کی شکل میں جمع تھا جس کے چاروں طرف کھجور کے سرسبز و شاداب درخت کھڑے صحرائی ہوا میں جھوم رہے تھے۔

گاؤں کے مکان کچے تھے۔ کہیں کہیں کچھ پرانے قسم کے پھٹے پرانے خیمے بھی لگے ہوئے تھے۔ ایک جگہ اونٹ بیٹھے جگالی کر رہے تھے۔ تالاب پر بکریاں پانی پی رہی تھیں سامنے درختوں میں کچھ عرب بدو بیٹھے آپس میں باتیں کر

رہے تھے۔

عنبر نے کہا۔

"یہ گاؤں آباد معلوم ہوتا ہے۔ یہاں کوئی بن وحشی سپاہی دکھائی نہیں دے رہا۔ معلوم ہے یہاں امن و امان ہے۔"

ناگ نے کہا۔

"پھر بھی ہمیں احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ میرا خیال ہے تم لوگ اسی جگہ ٹھہرو میں جا کر معلوم کرتا ہوں کہ یہ گاؤں کن لوگوں کا ہے اور آگے کیا صورت حال ہے؟"

عنبر کہنے لگا۔

"میرا خیال ہے ہمیں یہاں رہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہم دونوں ساتھ ہی چلتے ہیں۔ ماریا تو ہمارے ساتھ نہ

ہونے کے برابر ہے۔اس کو تو کوئی دیکھ ہی نہیں سکتا“۔

تالاب کے کنارے پہنچ کر انہوں نے منہ ہاتھ دھو
کر چشمے کا ٹھنڈا پانی پیا۔

تازہ دم ہو کر وہ ان پرانے خیموں کے پاس آ گئے جہاں
تین بوڑھے عرب بدو درختوں کی ٹھنڈی چھاؤں میں
بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔

انہوں نے ناگ اور عنبر کو اپنی طرف آتے دیکھا تو وہ بھی
خاموشی سے تکنے لگے۔قریب جا کر عنبر اور ناگ نے جھک کر
سلام کیا تو ایک بوڑھے بدو نے کہا۔

کیا تم بت پرست ہو جو جھک کر سلام کرتے ہو؟ ہمارے
اسلام میں کسی کے آگے جھک کر سلام نہیں کیا جاتا۔

عنبر نے کہا۔

”ہم بت پرست نہیں ہیں۔بابا! ہم خدا پرست ہیں“۔

عرب بولا۔

”اگر تم خدا کی پرستش کرتے ہو تو پھر کسی انسان کے
آگے جھکنا چھوڑ دو۔صرف خدا کے آگے جھکو“۔

عنبر بولا۔

”بہت اچھا بابا! ہم آئندہ سوائے خدا کے اور کسی کے
آگے نہیں جھکیں گے“۔

دوسرے عرب بوڑھے نے خوش ہو کر کہا۔

”شاباش میرے بچو! تم بڑے نیک نوجوان ہو۔یہ بتاؤ
کہ تم کہاں سے آئے ہو اور کہاں جا رہے ہو؟“۔

عنبر نے کہا۔

”ہم ملک ہندوستان سے آئے ہیں اور بغداد جانا

چاہتے ہیں"۔

تیسرا عرب بدو چونک کر بولا۔

"بغداد؟ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ بغداد میں تو ہر طرف رعایا کا قتل عام ہو رہا ہے؟ وہاں سے تو لوگ بھاگ کر چلے گئے ہیں"۔

عنبر نے کہا۔

"بابا! ہم نے مسلمانوں کی ایمانداری اور نیکی کی بڑی تعریف سنی تھی۔ ہم بغداد میں مسلمانوں سے ملنے کا شوق لے کر جا رہے ہیں"۔

پہلا عرب بدو کہنے لگا۔

"میرے بچو! آؤ پہلے کچھ کھا پی لو، پھر باتیں ہوں گی"۔

عرب بدوؤں نے مسلمانوں کی مشہور مہمانداری سے

کام لیتے ہوئے وہاں غریبانہ سہی مگر دستر خوان لگا دی۔ ا
کھانے پر خشک روٹی کھجوروں کا دلیہ۔ کھجوروں کا مربہ اور اونٹ کے کباب تھے۔

ناگ اور عنبر نے خوش ہو کر کھائے اور عربوں کی مہمانداری کا بے حد شکریہ ادا کیا۔ اس عرصے میں ناگ نے کچھ کباب چوری چوری ماریا کو بھی دے دیے جو اس کے پیچھے ہی بیٹھی تھی۔

کھانے سے فارغ ہو کر عرب بدو نے کہا۔

میرے بچو! بغداد اس وقت جانا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ کاش تم نے ایک برس پہلے بغداد میں آ کر دیکھا ہوتا کہ وہ کتنی ترقی پر تھا۔

اب تو چنگیز خان کے بیٹے کی وحشی فوجوں نے وہاں تباہی

مچا دی ہے۔ اب تم لوگ وہاں کیا کرنے جا رہے ہو۔ میری
مانو تو یا واپس چلے جاؤ اور یا ہمارے گاؤں رہ کر حالات کے
ٹھیک ہونے کا انتظار کرو۔

ناگ بولا۔

”مگر بابا جی! ہم گھر سے پکا ارادہ کر کے نکلے ہیں کہ
چاہے جان چلی جائے، بغداد شہر کی سیر ضرور کریں گے“۔

دوسرا اعرب کہنے لگا۔

نوجوان! میں تمہارے ارادے کی قدر کرتا ہوں، لیکن
وہاں تم کس سے جا کر ملو گے۔ بغداد کا مسلمان خلیفہ ظالم اٹیلا
کی قید میں ہے۔

ان کے بچے بھی قید میں ہیں۔ شہر سے کافی لوگ بھاگ
گئے ہیں۔ سپاہیوں نے وہاں بے شمار لوگوں کو قتل کر دیا ہے۔

کیا تم وہاں تباہی دیکھنے جا رہے ہو؟۔

تیسرا اعرب بدو بولا۔

”اور اگر تم وہاں پہنچ بھی گئے تو ہن وحشی تمہیں بھی پکڑ کر
قتل کر دیں گے۔ وہ کسی مسافر کو زندہ نہیں چھوڑتے، کیا
تمہیں اپنی جان پیاری نہیں ہے؟“۔

عنبر نے کہا۔

”بابا جی!“ چاہے آپ ہمیں کتنا ہی منع کیوں نہ کریں،
ہم بغداد ضرور جائیں گے۔ اس لیے کہ ہم نے پکا فیصلہ کر رکھا
ہے۔

بدو نے کہا۔

”اگر تم لوگوں نے دل میں ٹھان رکھی ہے تو پھر میں کیا
کر سکتا ہوں۔ تم ضرور جاؤ۔ ہم تمہاری زندگی کے لیے خدا

کے لیے خدا سے دعا کریں گے''۔

عنبر نے کہا۔

ہم تین تیز رفتار اونٹ خریدنا چاہتے ہیں۔ کیا ہمیں یہاں
اونٹ مل جائیں گے؟۔

''کیوں نہیں۔ ہمارے پاس ایسے کئی اونٹ ہیں، صحرا
میں بہت تیز دوڑتے ہیں اور جنہیں ہم بیچنا بھی چاہتے
ہیں''۔

اسی وقت اونٹ ان کے سامنے لائے گئے۔ عنبر نے تین
اونٹ چن لیے۔

عرب بدوؤں نے تینوں اونٹوں کے عوض میں سونے کی
اشرفیاں مانگیں جو عنبر نے اسی وقت ادا کر دیں۔ عنبر انہیں
زیادہ دینا چاہتا تھا مگر عرب بدوؤں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ

وہ اپنے حق سے زیادہ ایک پائی بھی وصول نہیں کریں گے۔

عنبر نے پوچھا۔

''بابا! یہ بتائیں کہ ہم ٹھیک راستے پر جا رہے ہیں؟''۔

بدو کہنے لگا۔

تم لوگ اگرچہ کارواں کے راستے سے دور ہو لیکن غلط
راستے پر بھی نہیں ہو۔

یہاں سے ایک دن اور ایک رات سفر کرنے کے بعد تم
اس صحرائی راستے پر پہنچ جاؤ گے جہاں سے قافلے گذرا کرتے
ہیں۔

ناگ نے پوچھا۔

''وہاں سے بغداد کتنی دور ہوگا بابا؟''۔

''بس وہاں سے بغداد صرف ایک پہر سفر پر رہ جاتا ہے

اگر تم رات وہاں بسر کر کے صبح وہاں سے چلو تو دوپہر کو بغداد کے شہر کے دروازے پر پہنچ سکو گے"۔

عنبر نے کہا۔

"بہت اچھا بابا! اب ہمیں اجازت دو، ہم جلد سے جلد بغداد پہنچنا چاہتے ہیں"۔

ایک عرب نے پوچھا۔

"برخوردار! تم دو انسان ہو۔ پھر تم نے تیسرا اونٹ کس لیے خریدا ہے جبکہ تمہارے پاس کوئی سامان بھی نہیں ہے؟"۔

عنبر بولا۔

"کچھ نہیں بابا! بس یہ سوچ کر خرید لیا ہے کہ اگر خدا نہ کرے ایک اونٹ بیمار پڑ گیا تو دوسرے پر سفر کیا جا سکے گا"۔

"اچھا خدا حافظ"۔

عنبر اور ناگ اونٹوں پر سوار ہو گئے۔ ماریا ابھی تک اونٹ پر سوار نہیں ہوئی تھی۔

اس لیے کہ کہیں اونٹ اس کو اپنے اوپر سوار ہوتا محسوس کر کے گھبرا نہ جائے کہ یہ کس قسم کا سوار ہے۔ کہ نظر نہیں آتا لیکن اس کے اوپر سوار ہے۔

ناگ اور عنبر اونٹوں پر اور ماریا اپنے اونٹ کے ساتھ ساتھ چلتی گئی۔ دور جب وہ ایک ریت کے ٹیلے کا موڑ گھوم گئے تو ماریا نے کہا۔

"خدا کے لیے اب تک ک جاؤ۔ میں تو چلتے چلتے پریشان ہو گئی"۔

عنبر اور ناگ ہنسنے لگے۔

"ہاں بھئی! اب تم بھی سوار ہو جاؤ۔ بھئی لوگوں کی نظروں سے غائب ہو جانے میں اگر کچھ آسانیاں اور فائدے ہیں تو کچھ تکلیفیں بھی ہوں گی۔ لو اب اونٹ پر سوار ہو جاؤ"۔

ماریا نے نکیل کو کھینچ کر اونٹ کو زمین پر بٹھایا۔ پھر اس کے اوپر رکھے کجاوے پر سوار ہو گئی۔ اس کے سوار ہوتے ہی اونٹ کچھ گھبرایا۔

مگر پھر چپکے سے اٹھا اور دوسرے دو اونٹوں کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ سفر ایک بار پھر شروع ہو گیا۔ دوپہر تک وہ صحرا میں سفر کرتے رہے۔

پھر گرمی سے تنگ آ کر وہ ایک جگہ رک گئے۔ شام تک وہ وہاں آرام کرتے رہے۔ جب سائے ڈھل گئے اور صحرا میں

گرمی کم ہو گئی تو انہوں نے تھوڑا بہت کھانا کھا کر پھر سے سفر شروع کر دیا۔

صحرا میں دن کے مقابلے میں راتوں کا سفر کرنا بڑا اچھا ہوتا ہے۔ دن کو تو اس قدر دھوپ اور گرمی ہوتی ہے اور نہ گرم ہوا چلتی ہے۔

رات کو صحرا میں ہلکی ہلکی ٹھنڈ ہو جاتی ہے۔ اور سفر کرنے والے بڑے آرام سے سفر کرتے ہیں۔

عنبر اور ناگ نے ایسا ہی کیا۔ وہ ساری رات صحرا میں سفر کرتے رہے۔ صبح کا سورج نکلا تو وہ ابھی تک سفر کر رہے تھے۔

اونٹ چلتے چلے جا رہے تھے۔ ماریا اور ناگ بیچ میں کجاوے پر بیٹھے بیٹھے سو بھی گئے تھے۔ صرف عنبر جاگتا رہا۔

وہ نہیں سویا تھا۔

اس خیال سے کہ اگر وہ سو گیا تو کہیں وہ راستہ نہ بھول جائیں کیونکہ اگر کوئی مسافر ایک بار صحرا میں راستہ بھول جائے تو پھر اس کا دوبارہ راستہ تلاش کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔

عنبر ستاروں کے حساب سے راستہ دیکھ کر چل رہا تھا۔

عنبر نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ اب ہمیں کسی جگہ آرام کر لینا چاہیے، ہم ساری رات سفر کرتے رہیں گے۔"

ماریا نے کہا۔

"ہاں عنبر بھائی! ہمیں یہاں آرام کرنا چاہیے۔ اونٹ پر رات بھر سفر کرنے کے بعد میری بڑی پسلی درد کرنے لگی ہے"۔

عنبر بولا۔

"جیسے تمہاری مرضی"۔

ناگ نے کہا۔

"لیکن کوئی دو چار درختوں کی چھاؤں تو نظر آ جائے۔ اس سخت دھوپ میں ہم کہاں آرام کریں گے"۔

عنبر نے کہا۔

"کچھ دیر چلتے ہیں۔ ضرور درختوں کی چھاؤں مل جائے گی"۔ اور انہوں نے پھر سے سفر شروع کر دیا۔

کچھ دیر سفر کرنے کے بعد انہیں ایک جگہ کچھ درخت نظر آئے۔ وہ بے اختیار ہو کر ان درختوں کی طرف بڑھے۔

اس جگہ پانی کا کوئی چشمہ نہیں تھا۔ لیکن درخت اگے ہوئے تھے۔

درختوں میں لال لال کھجوریں بھی لگی ہوئی تھیں۔ان درختوں کی ٹھنڈی چھاؤں میں آ کر ماریا تو زمین پر لیٹ کر آرام کرنے لگی۔ناگ نے بھی چادر بچھا دی اور اس کے اوپر لیٹ کر بولا۔

عنبر بھائی!اب کچھ بھول بھلا کر تم بھی چادر بچھا کر لیٹ جاؤ۔اس قدر سخت گرمی میں نے پہلے کہیں نہیں دیکھی۔اس گرمی نے تو میرا برا حال کر دیا ہے۔

عنبر ہنس کر بولا۔

بھائی ہم تو اسی گرمی میں کھیل کود کر پلے ہیں۔ہمیں تو کوئی خاص گرمی محسوس نہیں ہو رہی۔

بہر حال تم لوگ کہتے ہو تو میں بھی تھوڑی دیر آرام کر لیتا ہوں۔

عنبر بھی ایک طرف چادر بچھا کر لیٹ گیا۔سچ مچ وہ بے حد تھکے ہوئے تھے۔تھوڑی دیر کے بعد تینوں سو رہے تھے۔

ان کے قریب ہی اونٹ بیٹھے جگالی کر رہے تھے۔

اٹیلا کی قید میں

شام کے وقت وہ سو کر اٹھے تو تازہ دم تھے۔

انہوں نے سامان باندھ کر اونٹوں پر رکھا اور سفر شروع کر دیا۔

عنبر نے انہیں کہہ دیا تھا کہ اگر وہ ساری رات صحرا میں سفر کرتے رہیں تو صبح کے وقت اس صحرائی راستے پر پہنچ جائیں گے جہاں سے قافلے گذرتے ہیں اور جہاں سے

بغداد شہر ایک پہر سفر کے فاصلے پر رہ جاتا ہے۔

رات خنک تھی۔ ہلکی ہلکی ٹھنڈ تھی۔ آسمان پر بے شمار ستارے چمک رہے تھے۔ جن کی روشنی صحرا میں ایک سفید دھند کی طرح پھیلی ہوئی تھی۔

اونٹ بڑے مزے سے جگالی کرتے چلے جا رہے تھے۔

ان کے پاس پانی بھی تھا اور خوراک بھی تھی۔ ساری رات وہ سفر کرتے رہے۔

صبح کی روشنی ہونے لگی تو انہیں ایک طرف کھجور کے درخت نظر آئے جو قطار میں چلے گئے تھے۔

عنبر نے کہا۔

"یہی وہ صحرائی راستہ ہے، جو بغداد شہر کو جاتا ہے۔ اس راستے کے کنارے پر کھجور کے درخت اگے ہوئے ہیں۔"

ناگ نے کہا۔

''تمہاری وجہ سے ہم بھٹکنے سے بچ گئے۔ عنبر بھائی۔ نہیں
تو ہم صحرا میں ضرور راستہ بھول جاتے''۔

ماریا نے کہا۔

''ہاں عنبر بھائی! ہم تمہارا شکریہ ادا کرتے ہیں''۔

عنبر نے کہا۔

شکریے کی کوئی بات نہیں ماریا بہن! میں ان صحراؤں
کے لیے کوئی اجنبی آدمی نہیں ہوں۔ نہ یہ صحرا میرے لیے
اجنبی ہے۔

ہم دونوں ایک دوسرے کو خوب پہچانتے ہیں۔ پھر میں
ستاروں کے حساب سے راستہ دیکھتا رہتا تھا جو کہ اس علاقے
کے رہنے والے لوگ کیا کرتے ہیں۔

ناگ بولا۔

''خدا کا شکر یہ ہے کہ ہم منزل کے قریب آ گئے''۔

مشرق میں سورج نکل آیا۔ اس کی روشنی چاروں طرف
صحرا میں پھیل گئی۔ ہر طرف اجالا ہو گیا۔

دھوپ آہستہ آہستہ تیز ہونے لگی۔ صحرا کی ریت جو رات
کو ٹھنڈی ہو گئی تھی اب پھر سے گرم ہونی شروع ہو گئی۔ مگر
اب وہ اس راستے پر پہنچ چکے تھے۔ جس کے دونوں جانب
فاصلے پر کھجوروں کے درخت اگے تھے۔

یہ راستہ بڑا پرانا تھا۔ لوگوں نے اس راستے کے کنارے
پر اسی لیے درخت اگا دیئے تھے کہ مسافروں کو سفر کرتے
ہوئے تکلیف نہ ہو اور وہ جب گرمی سے پریشان ہو جائیں تو
سائے میں بیٹھ کر آرام کر لیں۔

مگر یہ درخت دور دور تھے۔ کہیں چند ایک درختوں کے
جھنڈ آ جاتے تھے۔ جوں جوں بغداد شہر قریب آتا جا رہا تھا،
درخت زیادہ دکھائی دینے لگے تھے۔

عرب بدو کے کہنے کے مطابق جب ایک پہرہ دن ختم ہوا
تو دور سے انہیں بغداد شہر کی دیوار اور دیوار کے اوپر بنے
ہوئے برج دکھائی دینے لگے۔

عنبر نے کہا۔

”وہ دیکھو بغداد شہر کی دیوار“۔

ناگ نے کہا۔

”بغداد شہر قریب آ گیا ہے مگر ہمیں راستے میں کوئی رونق
دکھائی نہیں دے رہی“۔

انہیں ایک گاؤں نظر آیا جس کے باہر دو اونٹ بیٹھے

تھے۔ ایک بچہ کھیل رہا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ باقی گاؤں
سارے کے سارا خالی ہے۔ وہاں اور کوئی انسان دکھائی نہیں
دے رہا تھا۔

عنبر نے کہا۔

”معلوم ہوتا ہے کہ چنگیزی فوج کے وحشیوں نے گاؤں
کے گاؤں برباد کر دیئے ہیں۔ شاید یہاں کے جوان مردوں کو
انہوں نے قتل کر دیا ہے“۔

”ہاں، کچھ ایسا ہی لگتا ہے“۔

ابھی وہ باتیں کر رہے تھے کہ سامنے سے چنگیزی فوج کا
ایک دستہ گھوڑوں پر سوار آیا اور تیزی سے ان کے قریب سے
ہو کر گزر گیا۔

سپاہی تلواریں لہراتے، شور مچاتے چلے جا رہے تھے۔

ناگ نے کہا۔

”خدا خیر کرے۔ یہ وحشی لوگ تو بڑے ظالم لگتے ہیں۔
انہوں نے تو ہر طرف تباہی پھیلا رکھی ہو گی“۔

ماریا بولی۔

”اگر میں اونٹ پر ایک طرف نہ ہو جاتی تو ایک سپاہی کی
تلوار میرا بازو اڑا کر ساتھ ہی لے گئی ہوتی“۔

عنبر نے کہا۔

یہ وحشی لوگ ہیں۔ ان کا کوئی دین مذہب نہیں ہے،
پتھروں اور لکڑی کے بتوں کی پوجا کرتے ہیں اور انسانوں کا
بے دریغ خون بہاتے ہیں۔

انہوں نے صحرائے گوبی سے لے کر بغداد تک نہ جانے
کیا کیا ظلم ڈھائے ہوں گے۔

ماریا نے کہا۔

”بھائی! میرا تو دل گھبرا رہا ہے۔ میرا تو خیال ہے کہ
ہمیں اب بھی یہاں سے واپس چلے جانا چاہیے“۔

عنبر ہنس کر بولا۔

”بھئی واہ! ماریا بہن! میں نے تمہیں کبھی اتنا گھبرایا ہوا
نہیں دیکھا۔ یہ آج تمہیں کیا ہو گیا ہے؟“

ماریا نے کہا۔

”بھائی عنبر! ایسے لوگوں سے بھی ہمارا کبھی پالا نہیں
پڑا“۔

عنبر نے کہا۔

”ہم نے تو آدم خور وحشیوں کا بھی مقابلہ کیا ہے۔ یہ
لوگ آدمی کو قتل کر کے پھینک دیتے ہیں۔ انہیں بھون کر

کھاتے تو نہیں"۔

ناگ ہنس کر بولا۔

"فکر نہ کرو ماریا بہن! میں تمہاری حفاظت کروں گا"۔

ماریا بولی۔

"خیر ایسی بھی کوئی بات نہیں۔ آدم خور وحشیوں کا مقابلہ میں نے بھی کیا ہے۔ میں تو ویسے ہی کہہ رہی تھی۔ بغداد شہر کی سیر تو میں بھی کروں گی۔ اگر چنگیزی سپاہی وحشی ہیں تو میں بھی انہیں ہلاک کرنا چاہتی ہوں"۔

اب وہ بغداد شہر کی دیوار کے قریب آ گئے تھے۔ یہاں شہر کا ایک دروازہ تھا جس کے آگے گھنے درختوں کا جھنڈ تھا۔ ان درختوں کی چھاؤں میں چنگیزی فوج نے ایک خیمہ ڈال رکھا تھا۔

شہر کا دروازہ کھلا تھا مگر وہاں وحشی سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ عنبر اور ناگ ایک طرف ہٹ کر رک گئے۔ وہ اونٹوں پر سے اتر پڑے۔

ماریا بھی اونٹ سے اتر آئی۔ انہوں نے اونٹ درخت کے نیچے باندھ دیے۔ اب وہ آپس میں صلاح مشورہ کرنے لگے کہ شہر میں کس طرح اور کیا بہانہ بنا کر داخل ہوں۔

ناگ نے کہا کہ چنگیز سپاہی اس سے بہت پوچھ گچھ نہیں کریں گے۔ بس دو چار سوال پوچھیں گے۔ عنبر نے کہا۔

"اور اگر ہم ان کے دو چار سوالوں کا جواب نہ دیا تو وہ اسی وقت ہمیں قتل کر کے دیوار کی کھائی میں پھینک دیں گے"۔

ماریا نے کہا۔

"تو پھر ہمیں کس حیثیت میں شہر میں داخل ہونا چاہیے"۔

"بھئی، تم اپنی فکر نہ کرو۔ تم تو بڑی آسانی سے شہر میں داخل ہو جاؤ گی۔ فکر تو ہمیں کرنی چاہیے"۔

"بھائی میں تمہارے بارے میں ہی سوچ رہی ہوں"۔

عنبر بولا۔

"میرا خیال ہے کہ ہمیں وہی پرانی بانسری بجانی چاہیے یعنی ہمیں یہی ظاہر کرنا چاہیے کہ ہم حکیم ہیں۔ اور جڑی بوٹیوں کی تلاش میں ادھر آئے ہیں"۔

ناگ نے اعتراض کیا۔

"اگر انہوں نے ہمارا اعتبار نہ کیا تو پھر کیا کریں گے؟"۔

"تو پھر ہم انہیں بیمار کا علاج کر کے دکھا دیں گے۔ یہ

کام تو ہم کر ہی سکتے ہیں"۔

"ہاں یہ تو ہے"۔

ماریا نے کہا۔

ناگ بولا۔

"تو پھر خدا کا نام لے کر آگے بڑھو بھائی"۔

عنبر نے کہا۔

ماریا بہن! تم ہمارے ساتھ ساتھ رہنا۔ اگر کوئی گڑ بڑ ہوئی تو تم شہر میں داخل ہو جانا۔ ہم تمہارے بعد بھی پہنچ جائیں گے۔

تم شہر کے اندر جا کر دیوار کے ساتھ رک کر ہمارا انتظار کرنا، ہم بہت جلد آ جائیں گے۔

"بہت اچھا بھائی"۔

عنبر اور ناگ شہر کے دروازے کی طرف بڑھے۔

دروازے پر سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ ان سپاہیوں کا ایک کمانڈر ایک طرف لکڑی کے تخت پر تلوار رکھے ٹانگیں پسارے بیٹھا بھنے ہوئے مرغ کی ٹانگ چبا چبا کر کھا رہا تھا۔ عنبر اور ناگ اندر داخل ہونے لگے تو کمانڈر نے انہیں اشارے سے اپنی طرف بلا کر پوچھا۔

"کون ہو تم؟ کہاں سے آئے ہو؟"۔

عنبر نے کہا۔

"ہم حکیم لوگ ہیں۔ جڑی بوٹیوں کی تجارت کرتے ہیں"۔

کمانڈر بولا۔

"بغداد میں کیا کرنے آئے ہو؟"۔

ناگ نے کہا۔

"تجارت کرنے"۔

اس جواب پر سارے کے سارے سپاہی قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔

کمانڈر نے مرغ کی ٹانگ کی ہڈی ناگ کے سر پر پھینک کر کہا۔

"بدبخت آوارہ گردو! کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ اس شہر پر چنگیز خان کی فوج کا قبضہ ہے اور یہاں صرف انسان کے کٹے ہوئے سروں کی تجارت ہوتی ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"جناب عالی! ہمیں معلوم ہے، لیکن ہم یہ سوچ کر ادھر آگئے ہیں کہ ہم بیماروں کی خدمت کریں گے"۔

"ہاہاہا" کمانڈر نے قہقہہ لگایا اور پھر عنبر کو گھور کر بولا"۔
"تم دونوں مجھے۔۔۔ مسلمانوں کے جاسوس لگتے ہو۔
سچ سچ بتاؤ کہ تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو۔ کیا کرنے
آئے ہو۔"
اگر تم نے سچ سچ جواب نہ دیا تو میں تم دونوں کو اس
درخت کے نیچے پھانسی پر چڑھا دوں گا۔
ماریا گھبرا گئی۔ ناگ بھی کچھ پریشان سا ہو گیا۔ مگر عنبر نے
حوصلہ نہ ہارا۔ اس نے جھک کر بڑے ادب سے کہا۔
جناب! ہم نہ تو چور ہیں اور نہ کسی شہر کے جاسوس ہیں۔
ہم تو جڑی بوٹیوں کی تجارت کرتے ہیں۔
بیمار لوگوں کی خدمت کرتے ہیں۔ ان کا علاج کرتے
ہیں اور ان کی تیمار داری کو اپنا فرض سمجھتے ہیں۔

کمانڈر بڑا وحشی اور بدتمیز انسان تھا۔ اس نے عنبر کو
نیزے سے دھکا دیا۔ عنبر زمین پر گر پڑا۔
کمانڈر نے حکم دیا۔
"ان دونوں کو حوالات میں بند کر دو۔ میں خود انہیں اٹیلا
کے سامنے پیش کروں گا اور جاسوس پکڑنے کے صلے میں
انعام حاصل کروں گا"۔
عنبر ابھی زمین سے اٹھا ہی تھا کہ سپاہیوں نے دونوں کو
پکڑ لیا اور انہیں لے کر شہر کے اندر چلے گئے۔ شہر کی دیوار کے
اندر قریب کی ایک ڈیوڑھی میں سے سیڑھیاں نیچے ایک جیسی
حوالات میں چلی گئی تھیں جو تہہ خانے میں بنی ہوئی تھی۔
عنبر اور ناگ کو تہہ خانے میں ڈال کر دروازے پر تالا لگا
کر سپاہی اوپر چلے گئے۔ باہر پہرے دار کلہاڑا کندھے پر

رکھے پہرہ دینے لگے۔

یہ سب کچھ ماریا کی آنکھوں کے سامنے ہوا مگر وہ کچھ نہ کر سکی۔ وہ باہر کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ وہ ان کے ساتھ ہی شہر کے دروازے میں سے گزر کر اندر آ چکی تھی۔

جب عنبر اور ناگ کو نیچے حوالات میں بند کر کے دروازے پر تالا لگا دیا گیا تو وہ ڈیوڑھی میں کھڑی یہ سب تماشا دیکھتی رہی۔

نیچے جانے والا سیڑھیوں کا دروازہ بھی بند تھا۔ وہ دروازہ لوہے کا تھا اور ماریا اگرچہ غائب تھی مگر اس کے اندر سے نہیں گزر سکتی تھی۔

ماریا کو بڑا غصہ آیا کہ عنبر نے سپاہیوں کا مقابلہ کیوں نہ کیا؟

مگر اس بے چاری کو کیا خبر کہ عنبر اور ناگ کو تہہ خانے میں بند کر کے زنجیروں سے جکڑ دیا گیا تھا۔ عنبر صرف کالے علم کے جادو کے ذریعے سے ہی زنجیروں کو توڑ سکتا تھا۔

ایسا کرنے سے اس کا چہرہ جھلس جاتا اور سارے بدن پر چھالے پڑ جاتے۔ وہ ایسا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ تلوار کا مقابلہ کر سکتا تھا۔

وہ تلوار سے بہت سے دشمنوں کو ہلاک کر سکتا تھا لیکن کالا جادو نہیں کرنا چاہتا تھا۔ نہ ہی اتنی سی بات کے لیے سلامبو کی لاش کی مدد طلب کرنا چاہتا تھا، کیونکہ اس کا احساس لینا بڑی بات تھی اور وہ کسی بڑے اور بڑے وقت کے لیے سلامبو کی مدد لینا چاہتا تھا۔

ماریا کچھ دیر ڈیوڑھی میں کھڑی رہی۔ وہ موقع کی تاک

میں تھی کہ ذرا پہرے دار ادھر ہو تو وہ اندر چلی جائے مگر دروازے پر تالا لگا رکھا تھا۔

پہرے دار اگر پرے ہٹ بھی جاتا تو وہ دروازہ کھول کر اندر نہیں جا سکتی تھی۔ پھر وہ کیا کرے کچھ دیر وہ کھڑی سوچتی رہی۔ پھر وہاں سے ہٹ کر شہر کی طرف آ گئی۔

بغداد شہر بڑا عالی شان مکانوں اور محلات والا شہر تھا۔ مگر وہاں ہر طرف ویرانی چھائی ہوئی تھی۔

بہت کم لوگ بازاروں میں خرید و فروخت کر رہے تھے۔

بہت کم دکانیں کھلی ہوئی تھیں۔ زیادہ لوگ فوجی سپاہی تھے جو اٹیلی کی فوج کے وحشی سپاہی تھے۔

یہ سپاہی تلواریں لیے بڑی آزادی سے ادھر ادھر گھوم پھر رہے تھے۔ وہ جس دکان پر جاتے سامان اٹھا کر لے

جاتے۔ کوئی دکاندار اعتراض کرتا تو اسے قتل کر کے پھینک دیتے۔

ماریا کا خیال تھا کہ وہ کچھ دیر شہر میں گھوم کر وہاں کے حالات معلوم کرے گی۔ اور پھر واپس شہر کے دروازے والی حوالات کی ڈیوڑھی میں آ کر یہ دیکھے گی کہ عنبر اور ناگ کے ساتھ کیا گذر رہی ہے؟

اس نے کمانڈر کی زبان سے یہ سن لیا تھا کہ وہ انہیں خود اٹیلا کے دربار میں پیش کر کے انعام حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ رات عنبر اور ناگ حوالات میں ہی رہیں گے۔ کمانڈر دوسرے روز انہیں ظالم اٹیلا کے حضور پیش کرے گا۔

ماریا نے بغداد شہر کے ویران شہروں میں گھومنا پھرنا

شروع کر دیا۔ اسے بھوک لگ رہی تھی۔ کھانے پینے کا تھیلا باہر اونٹوں پر ہی بندھا ہوا تھا۔

ان کا ارادہ یہ تھا کہ جب انہیں شہر کے اندر داخل ہونے کی اجازت مل جائے گی تو وہ واپس آ کر اپنے اونٹ اور کھانے پینے کا سامان بھی شہر کے اندر لے جائیں گے۔

مگر کمانڈر نے عنبر اور ناگ کو گرفتار کر کے سارے کا سارا کام ہی تہس نہس کر دیا تھا۔

ایک بار تو ماریا کے جی میں آئی کہ وہ واپس جا کر شہر کی چوکی پر ایک ایک کر کے سارے سپاہیوں، کمانڈر اور پہرہ داروں کو ہلاک کر دے۔

پھر اس نے سوچا کہ اس میں اس کے پانے پکڑے جانے کا خطرہ تھا۔ اگر کسی کا ہاتھ بھی اسے چھو گیا تو وہ ان بے

رحم وحشی سپاہیوں کے قابو میں آ جائے گی۔

ایک بار ان وحشیوں نے انہیں پکڑ لیا تو وہ پھر اسے وہیں ختم کر دیں گے۔

ماریا کو بھوک ستانے لگی تھی۔ اس نے ایک تنور پر نانبائی کو گرم گرم روٹیاں لگاتے دیکھا۔ وہ نانبائی کی دکان پر جا کر کھڑی ہو گئی۔

جونہی نانبائی نے ایک گرم گرم روٹی تنور میں سے نکال کر باہر رکھی، ماریا نے ہاتھ بڑھا کر اسے اٹھا لیا اور کھانی شروع کر دی۔

ایک دم روٹی کا ٹکڑا منہ میں ڈالنے سے اس کا منہ جل گیا اور وہ کھانسنے لگی۔ نانبائی نے چونک کر آس پاس دیکھا۔ اس کی روٹی بھی تختے سے گم ہو گئی تھی اور قریب ہی کسی عورت

کے کھانسنے کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔

وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگی۔ مگر اسے کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس نے سر کو جھٹک کر آنکھیں زور سے جھپکائیں اور دوبارہ تنور میں روٹیاں لگانے لگا۔

روٹی کھا کر ماریا آگے چل پڑی۔

خونی کھیل

ماریا دریائے دجلہ کے کنارے آ گئی۔

یہ دریا بغداد شہر کے ساتھ لگ کر گزرتا تھا۔ کبھی یہاں بڑی رونق ہوا کرتی تھی۔ مگر اب ہر طرف ویرانی کا عالم تھا۔

دریا کے کنارے کی ساری دکانیں بند تھیں۔

کچھ ٹوٹی پڑی تھیں، جو کھلی تھیں وہاں بہت کم عرب لوگ بیٹھے قہوہ پی رہے تھے۔ ماریا ایک دکان کے پاس جا کر کھڑی

ہوگئی۔ وہ یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ یہاں کے لوگ کس قسم کی
باتیں کرتے ہیں؟ اس دکان کے باہر لکڑی کے بنچ پر کچھ
عرب بیٹھے تھے۔ ایک نے قہوہ کی چسکی لگا کر کہا۔

”ٹیلا نے ہمارے خلیفہ کو اور اس کے بال بچوں کو قید کر
کے اچھا نہیں کیا“۔

”ہم اس سے بہت جلد بدلہ لیں گے“۔

”سنا ہے اٹیلا خلیفہ اور اس کے شہزادوں کو قتل کرنے والا
ہے“۔

”سنا ہے میں نے بھی“۔

”یہ تو بڑا ظلم ہوگا“۔

ظلم ہم نے بھی اپنے اوپر بہت کیا ہے۔ ہم اپنے عیش و
عشرت میں خدا کو بھول گئے تھے۔ ہم نے خدا کا خوف دلوں

سے نکال دیا تھا۔

بس اس لیے خدا نے ہم پر عذاب نازل کیا۔ اگر اب بھی
ہم سنبھل جائیں تو مسلمانوں کو پھر سے وہی عروج حاصل ہو
سکتا ہے۔

”کاش! ہم سچائی کے راستے سے ہٹ کر برائی کی راہ پر
نہ لگتے!“

”مصر و بغداد میں بڑا قتل عام ہوا ہے۔ چنگیز اور ہلاکو کی
یاد پھر تازہ ہوگئی ہے“۔

”سنا ہے چین کے مسلمان بادشاہ ہماری مدد کو آ رہے
ہیں“۔

”وہ بے چارے اتنی دور سے کہاں آئیں گے“۔

”وہ تو خود آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے ہیں“۔

’’ان باتوں کو چھوڑو۔ بھول جاؤ ان باتوں کو۔ اٹیلا سے بدلہ لینے کی بات کرو‘‘۔

’’ہم اٹیلا سے کیسے مقابلہ کر سکتے ہیں؟ ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ ہمارے گھر بار اجڑ گئے۔ دکانیں لوٹ لی گئیں۔ ہم مجبور ہیں‘‘۔

’’شی، خاموش رہو! اٹیلا کے جاسوس شہر کے چپے چپے پر پھرتے ہیں۔ کسی نے خبر دی تو میرے بال بچوں کو کولہو میں ڈال کر پلوا دیا جائے گا‘‘۔

’’لیکن بھائیو! ہمارا خلیفہ کس جگہ قید ہے؟‘‘۔

’’قلعے میں اور کہاں‘‘۔

’’شی! اگر تمہیں ایسی بات کرنی ہے تو پھر میری دکان سے اٹھ کر چلے جاؤ‘‘۔

عرب لوگ خاموش ہو گئے۔ وہ سر جھکا کر قہوہ پینے لگے۔

ماریا وہاں سے آگے چل دی۔

اس نے سوچا کہ یہ لوگ بے بس ہو گئے ہیں۔ اسے یہ ضرور پتا چل گیا تھا کہ بغداد کا خلیفہ قلعے کے اندر کسی جگہ قید ہے۔ وہ شہر کے تنگ بازاروں میں آ گئی۔

یہاں بھی جگہ جگہ اٹیلا کے سپاہی تلواریں لٹکائے گھوم پھر رہے تھے۔ ماریا کو کندھا ایک سپاہی سے ٹکرا گیا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ اس نے اپنے ساتھی سے کہا۔

’’ابھی میرا کندھا تمہارے کندھے سے ٹکرایا ہے؟‘‘۔

’’نہیں تو‘‘۔ دوسرے نے کہا۔

پہلا حیرانی سے سر جھٹک کر آگے چل پڑا۔

ماریا مسکرائی اور ایک طرف گلی میں گھوم گئی۔

اس گلی میں ایک بہت بڑی حویلی کا دروازہ تھا جس کا ایک پٹ کھلا تھا۔ اندر سے ایک وحشی سوار گھوڑے پر آیا اور ماریا کے قریب سے ہو کر گذر گیا۔

پھر ایک اور سوار باہر نکل کر گھوڑا دوڑائے چلا گیا۔ ماریا نے سوچا کہ اس حویلی میں ضرور اٹیلا کے سپاہی رہتے ہیں۔ ذرا چل کر دیکھنا چاہیے کہ یہ لوگ کیا کر رہے ہیں۔ ماریا حویلی کے اندر چلی گئی۔

اندر صحن میں جگہ جگہ سپاہی ٹولیوں کی شکل میں بیٹھے کھا پی اور ہنسی مذاق کر رہے تھے۔ ان کے گھوڑے پاس ہی بندھے تھے۔

ایک راستہ اوپر دوسری منزل کو جا رہا تھا۔ ماریا سنگ مرمر

کی سفید سیڑھیوں سے گزر کر اوپر دوسری منزل میں آ گئی۔ یہ کسی بڑے امیر عرب کی حویلی تھی جس پر وحشی سپاہیوں نے قبضہ کر رکھا تھا۔

ماریا نے دوسری منزل پر آ کر دیکھا کہ سنگ مرمر کے فرش پر جگہ جگہ ریشمی قالین بچھے ہیں۔ چھتوں اور ستونوں کے ساتھ چاندی کے فانوس لٹک رہے ہیں جن میں سے کچھ مار دھاڑ میں ٹوٹ گئے تھے۔

ایک عرب نوکرانی سہمی ہوئی اس کے پاس سے ہو کر گزر گئی۔

پھر ماریا کو کسی کمرے سے عورت کے رونے کی آواز اور ہچکیاں سنائی دیں۔ ماریا کا دل درد سے بھر گیا۔ اسے بے چاری عورت پر رحم آنے لگا۔

وہ ادھر کو مڑی جدھر سے رونے کی آواز آ رہی تھی۔ یہ آواز ایک بند کمرے سے آ رہی تھی۔ ماریا نے کان لگا کر سنا۔

کوئی اپنے بچوں کو واسطہ دے کر ہچکیاں لے کر روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"خدا کے لیے مجھے چھوڑ دو۔ میرے بچوں کو چھوڑ دو۔ یہ یتیم بچے ہیں۔ میں ان کے باپ کی موت کے بعد اکیلی اس حویلی میں بیٹھ کر انہیں پال رہی ہوں۔ تمہیں یہاں سے جتنی دولت لے جانی ہے لے جاؤ، مگر مجھے اور میرے بچوں کو چھوڑ دو۔"

کسی نے جنگلی آدمیوں جیسا قہقہہ لگا کر کہا۔

"کبھی نہیں چھوڑوں گا۔ تمہارے پاس جو ہیرے

جواہرات ہیں وہ لاؤ۔ وہ کہاں چھپا رکھے ہیں! جب تک وہ نہیں ملیں گے، ہم تمہیں اور تمہارے بچوں کو نہیں چھوڑیں گے۔"

ماریا نے دروازے کو تھوڑا سا آگے کو دھکیلا۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ ماریا پھر کان لگا کر سننے لگی۔ اسے یوں سنائی دیا جیسے کوئی دروازے کے پاس آ رہا ہے۔

ماریا جلدی سے دروازے سے پرے ہٹ گئی۔ دروازہ کھلا اور اندر سے ایک سپاہی باہر نکل گیا۔ پہرے دار دروازے کا پٹ دوبارہ اندر کرتے ہی لگا تھا کہ ماریا جلدی سے اندر داخل ہو گئی۔

اندر جا کر کیا دیکھتی ہے کہ ایک بڑے پاکیزہ صورت والی نیک عرب خاتون قالین پر بال کھولے بیٹھی ہچکیاں لے رہی

ہے۔

ایک سپاہیوں کا سالار، جس کے سر پر بالوں کا گھنا جنگل تھا اور چہرے پر تلواروں کے زخموں کے نشان تھے، اس عورت کے سامنے چاندی کی تپائی پر بیٹھا ہے۔

اس کے ہاتھ میں ہنٹر تھا۔ کمر میں تلوار لٹک رہی تھی۔ وہ ہاتھ میں ہنٹر کو لہرا رہا تھا اور عورت سے پوچھ رہا تھا۔

"سچ سچ بتا دے حویلی کا پرانا خزانہ کہاں ہے؟"۔

عرب خاتون نے سسکی لے کر کہا۔

"اے سپہ سالار! میں ایک خاندانی عرب خاتون ہوں۔ میں مسلمان ہوں۔ میں نے کبھی زندگی بھر جھوٹ نہیں بولا۔ میں نے تمہیں سچ کہہ دیا ہے کہ مجھے حویلی کے خزانے کے بارے میں کچھ پتہ نہیں۔۔۔"

سپہ سالار نے زور سے ہنٹر عورت کو مارا۔ عرب خاتون بلبلا کر رہ گئی۔ اس کے کندھے پر ہنٹر لگنے سے قمیض پھٹ گئی۔ وہ بالوں میں منہ چھپا کر ہچکیاں لے کر رونے لگی۔

سالار نے اسے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹ لیا اور کہا۔

"میں تمہارے بچوں کو آج رات ہی دجلہ میں پھنکوا دوں گا، نہیں تو بتا خزانہ کہاں ہے؟"۔

عرب خاتون سپہ سالار کے پاؤں پر گر پڑی۔

"مجھے اللہ کی قسم ہے۔ میں نہیں جانتی خزانہ کہاں ہے۔ میرے بچوں پر ترس کھاؤ۔ ان یتیم بچوں پر رحم کرو"۔

"بکواس بند کرو"

سپہ سالار نے عورت کو پاؤں کی ٹھوکر مار کر پرے گرا دیا۔

عرب خاتون الٹے منہ گر پڑی۔ ارد گرد کھڑے سپاہی کھل کھلا

کر ہنس پڑے۔ پھر سپہ سالار نے کہا۔

"اس عورت کو اس کمرے میں بند رہنے دو۔ اگر شام تک اس خزانے کے بارے میں نہ بتایا تو اس کے بچوں کو قتل کرنے کے بعد اسے بھی قتل کر دیا جائے"۔

"جو حکم حضور"۔

سپہ سالار دوسرے سپاہیوں کے ساتھ باہر نکل گیا۔ دروازہ بند کر کے باہر تالا لگا دیا گیا۔

کمرے میں اب صرف وہی عرب عورت اور ماریا اکیلی رہ گئیں۔ عورت کو کوئی خبر نہ تھی کہ کمرے میں اس کے ساتھ ایک اور عورت بھی موجود ہے۔

عرب خاتون کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اور وہ سجدے میں گر کر اپنے خدا سے دعا مانگ رہی تھی۔

ماریا نے چپکے سے پیچھے سے جا کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"بہن! خدا نے تمہاری دعا سن لی ہے"۔

عرب عورت نے چونک کر پیچھے دیکھا۔ اس کے کندھے پر کسی عورت کے ہاتھ کا دباؤ تھا مگر شکل کسی عورت کی نظر نہیں آ رہی تھی۔

وہ گھبرا کر سجدے سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ وہ پھٹی پھٹی نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگی کہ یہ کس عورت کی آواز تھی۔ کمرے میں اسے اپنے سوا دوسرا کوئی نہیں آ رہا تھا، لیکن آواز بھی اس نے ایک عورت کی سنی تھی اور کندھے پر کسی عورت کے ہاتھ کو محسوس بھی کیا تھا۔

ماریا نے عرب خاتون کو پریشان دیکھ کر کہا۔

"گھبراؤ نہیں بہن! میں تمہارے پاس اس کمرے میں موجود ہوں"۔

عرب خاتون نے پوچھا۔

"تم کون ہو بہن؟ کیا تم کوئی آسمانی روح ہو؟"۔

ماریا نے کہا۔

"میں تم سے جھوٹ نہیں بولوں گی بہن! کیونکہ تم ایک مسلمان عورت ہو۔ میں نے سنا ہے کہ مسلمان جھوٹ نہیں بولا کرتے۔ میں اور میرے دونوں بھائی تم مسلمانوں کی تعریفیں سن کر ہی تم سے ملنے، تمہیں دیکھنے بغداد آئے ہیں"۔

عرب خاتون بولی۔

"لیکن۔۔۔تم۔۔۔تم دکھائی کیوں نہیں دیتیں بہن؟"۔

ماریا نے کہا۔

"یہ ایک بڑی لمبی کہانی ہے بہن! تم صرف اتنا سمجھ لو کہ مجھے مصر کے سب سے بڑے جادوگر سامری نے اپنے کالے جادو کے زور سے غائب کر دیا ہے۔ اب میں تو سب کو دیکھ سکتی ہوں۔ مگر مجھے کوئی نہیں دیکھ سکتا"۔

عرب نے کہا۔

تم میری کیا مدد کروگی بہن! یہ سپہ سالار تو بڑا ظالم ہے، اس نے میرے خاندان کے سب لوگوں کو قتل کر کے دریا میں پھینک دیا ہے۔

اب صرف میں اور میرے دو بچے ہی باقی رہے ہیں۔ یہ انہیں بھی قتل کرنا چاہتا ہے۔ جس خزانے کا وہ مجھ سے پوچھ رہا ہے۔ اس خزانے کے بارے میں مجھے خود بھی معلوم نہیں ی

کہ وہ کہاں ہے؟ ہے بھی یا نہیں؟ پھر میں اسے کیا بتا سکتی ہوں۔

اب یہ کہہ گیا ہے کہ اگر شام تک میں نے خزانے کا راز نہ بتایا تو میرے دونوں بچوں کو ہلاک کر دے گا۔

عرب خاتون رونے لگی۔ ماریا نے اسے حوصلہ دے کر کہا۔

''اپنے خدا پر بھروسہ رکھو بہن! خدا تمہارے ساتھ ہے۔ یہ شخص اپنی ساری فوج بھی لے آئے تم تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ مجھے تم یہ بتاؤ کہ تمہارے دونوں بچے کہاں ہیں؟''۔

عرب خاتون بولی۔

''مجھے یہ بھی تو معلوم نہیں کہ میرے بچے کہاں ہیں؟''۔

ماریا سوچنے لگی۔ پھر بولی۔

''اچھا بہن! تم ایک کام کرو۔ سپہ سالار کو یہاں بلواؤ اسے کہو کہ اگر وہ اس کے بچوں کو کمرے میں لے آئے تو تم اسے خزانے کا راز بتا دو گی''۔

عرب خاتون بولی۔

''لیکن میری بہن میں سپہ سالار کو خزانے کا راز کہاں سے بتاؤں گی''۔

''مجھے تو خود نہیں معلوم کہ خزانہ کہاں ہے؟''۔

ماریا نے کہا۔

''بہن میں تمہیں جیسے کہتی ہوں۔ تم ویسے ہی کرو بچوں کو کسی طرح یہاں سے بلواؤ۔ پھر میں جانوں میرا کام جانے''۔

عرب خاتون نے کہا۔

"بہن یہ بے وحشی لوگ ہیں۔کیا تم اکیلی ان کا مقابلہ کر سکو گی؟"۔

ماریا نے کہا۔

"تم دیکھتی جاؤ، خدا کیا کرتا ہے۔اب سپاہی کو آواز دو"۔

عرب خاتون نے اٹھ کر دروازہ کھٹکھٹایا۔پہرے دار سپاہی نے پوچھا۔

"کیوں دروازے پر ہاتھ مار رہی ہو؟ کیا بات ہے؟"۔

عرب خاتون نے کہا۔

"اپنے سپہ سالار سے کہو میرے بچے لے آئے۔میں خزانے کا راز بتانے کو تیار ہوں"۔

سپاہی نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"اب آئی ہے تو سیدھی راہ پر۔ٹھہرو میں ابھی بلاتا ہوں۔سپہ سالار صاحب کو"۔

یہ کہہ کر سپاہی سالار کو بلانے چلا گیا۔ماریا نے عرب خاتون سے کہا۔

"جب سالار آئے تو تم اسے یہی کہنا کہ پہلے میرے بچے لاؤ، پھر تمہیں بتاؤں گی کہ خزانہ حویلی میں کہاں چھپا کر رکھا ہوا ہے"۔

"ٹھیک ہے بہن! میں ایسا ہی کروں گی مگر خدا کے لیے یہ دیکھنا کہیں میرے بچوں کی زندگی خطرے میں نہ پڑ جائے"۔

ماریا بولی۔

"بہن! خدا پر بھروسہ رکھو۔ تمہارے بچوں کا کوئی بال بھی بیکا نہ کر سکے گا"۔

یہ دونوں باتیں کر رہی تھیں کہ دروازہ کھلا اور سالار تین سپاہیوں کے ساتھ اندر آ گیا۔

"کیا بات ہے؟ کیا کہنا چاہتی ہو؟"۔

"میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ میرے بچے میرے پاس لے آؤ، میں تمہیں خزانے کا راز بتا دوں گی"۔

سپہ سالار نے کہا۔

"پہلے خزانے کا راز بتاؤ پھر تمہیں بچے ملیں گے"۔

عرب خاتون نے کہا۔

"مجھے کیا معلوم کہ تم نے میرے بچوں کو ہلاک کر ڈالا ہو۔ جب میں اپنی آنکھوں سے اپنے بچوں کو دیکھوں گی،

جب مجھے اچھی طرح سے تسلی ہو جائے گی کہ میرے بچے زندہ سلامت ہیں تو میں تمہیں خزانے کا راز بتا دوں گی"۔

سپہ سالار نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ عورت تم بہت ہوشیار ہو۔ تمہارے بچے ابھی تمہارے سامنے آ جاتے ہیں"۔

یہ کہہ کر سالار نے تالی بجائی۔

دو سپاہی عرب خاتون کے پیارے پیارے بچوں کو لے کر کمرے میں آ گئے۔

"ماں کو دیکھ کر بچے زور سے بولے۔"

"پیاری امی جان"۔

میرے بچو! میرے پیارے بچو!

عرب عورت نے بچوں کو سینے سے لگا لیا۔ سپہ سالار گرج

کر بولا۔

"اب بتاؤ خزانہ کہاں ہے؟"۔

عرب خاتون خاموش ہوگئی۔ کیونکہ اس کے بعد اسے کیا
کرنا ہے، یہ اسے معلوم نہیں تھا۔ اس کے بعد تو ماریا کو اپنا کام
شروع کرنا تھا۔

عرب خاتون گھبرا گئی کہ خدا جانے غیبی عورت کہاں ہے؟

وہ اپنا کام شروع کیوں نہیں کرتی؟

اور خدا جانے وہ کیا کرے گی؟۔

سپہ سالار نے آگے بڑھ کر ایک بچے کو کھینچ کر کہا۔

"بتاتی کیوں نہیں، خزانہ کہاں ہے؟"۔

ٹھیک اسی وقت تلوار کا زبردست وار سالار کے بازو پر
پڑا اور اس کا بازو کٹ کر اس کے کندھے سے جدا ہوگیا۔ بچے

چیخ مار کر ماں سے لپٹ گئے۔

سالار کی بھی چیخ نکل گئی۔ سپاہی ششدر ہو کر رہ گئے۔

سالار نے دوسرے ہاتھ سے تلوار کھینچ لی۔ سپاہی اس کی
طرف بڑھے کہ کٹے ہوئے بازو کے خون کو بند کریں۔ سالار
نے چلا کر کہا۔

"دشمن کو قتل کر دو"۔

سپاہی سمجھے عرب خاتون دشمن ہے۔ وہ اس کی طرف
بڑھے ہی تھے کہ ماریا نے تلوار مار کر ایک سپاہی کی گردن اڑا
دی۔

دوسرے سپاہی کے سینے میں تلوار گھونپ دی اور تیسرے
سپاہی کی دونوں ٹانگیں کاٹ کر رکھ دیں۔

یہ کام ماریا نے اتنی جلدی اور اتنی بہادری سے کیا کہ وہ خو

اپنے آپ پر حیران رہ گئی۔ دیکھتے دیکھتے تین سپاہی زمین پر
گر کر تڑپنے لگے۔

سپہ سالار نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہ سب کچھ دیکھا
اور اپنے اکیلے ہاتھ سے تلوار لے کر عرب خاتون پر چلانے
کے لیے آگے بھا۔

ماریا نے ایک اور وار کر کے سپہ سالار کا دوسرا ہاتھ بھی
کاٹ کر رکھ دیا۔

اس کا ہاتھ تلوار سمیت زمین پر گرا۔ اب وہ بے بس تھا۔
وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

ماریا نے تلوار کا ایک اور وار اس کی گردن پر کیا۔
سالار کی گردن کندھے پر کٹ کر ڈھلک گئی اور تڑپ
کر زمین پر گر پڑا۔

کمرے میں ہر طرف لاشیں تڑپ رہی تھیں۔

پہرے دار یہ خونی تماشا دیکھ کر باہر ہی سے شور مچاتا
بھاگ گیا۔

بچے سہم کر ماں سے لگ گئے۔

حویلی کا بھوت

ماریا نے عرب خاتون سے کہا۔

"جتنی جلدی ہو سکے۔ یہاں سے بچوں کو لے کر نکل جاؤ۔ میں تمہارے آگے آگے راستہ صاف کرتی جاؤں گی۔ تم ڈیوڑھی میں پہنچو۔ پھر وہاں سے باہر نکل جانا۔"

عرب خاتون نے بچوں کو ساتھ لیا اور کمرے سے بھاگی۔ ماریا اس کے آگے آگے تھی۔

پہرے دار شور مچاتا سپاہیوں کو لینے گیا تھا۔ ماریا اور عرب خاتون سیڑھیاں اتر کر نچلی منزل میں آئیں تو سامنے سے دو سپاہی بھاگتے آ رہے تھے۔

انہوں نے عرب خاتون کو دیکھا تو تلواریں نکال لیں۔

وہ عرب خاتون کی طرف بڑھے مگر ماریا اس سے پہلے ان کے سر پر پہنچ چکی تھی۔

اس نے تلوار چلا کر ایک سپاہی کی ٹانگ پر وار کیا۔ وہ گر پڑا دوسرے نے عرب خاتون پر حملہ کرنا چاہا۔ ماریا نے دوسرا وار کیا۔ سپاہی کا بازو کٹ کر گر پڑا۔

وہ چیخ مار کر گرا۔ جب وہ اٹھا تو عرب خاتون بچوں کو لے کر ڈیوڑھی میں آ گئی تھی۔ ڈیوڑھی کے پہرے داروں نے یہ خونی تماشا دیکھ کر دروازہ بند کرنا چاہا۔

ماریا ان کے سر پر بھی پہنچ گئی۔ اس نے ایک ہی وار سے ایک سپاہی کو ڈھیر کر دیا۔ دوسرے نے ہوا میں تلوار چلائی۔ ماریا نے تلوار کا ہاتھ اس کی گردن پر مارا۔ وہ سخت زخمی ہو کر گر پڑا۔

ماریا نے عرب خاتون سے کہا۔

"یہاں سے نکل چلو"۔

عرب خاتون دونوں بچوں کو لے کر حویلی سے باہر آ گئی۔ ماریا نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے لے کر گلیوں میں سے بھاگتی ہوئی ایک پرانے مکان کی دیوار کے پاس کھڑی ہو گئی۔

اس نے خاتون سے کہا کہ وہ کہاں جانا چاہتی ہے۔

عرب عورت نے کہا کہ اس شہر سے باہر ایک جگہ مقبرے میں

خونی کھیل 209

ان کے کچھ نوکر رہتے ہیں۔ اگر وہ وہاں چلی جائے تو نوکروں کی مدد سے وہ وہاں سے فرار ہو جائے گی۔

"ٹھیک ہے، میرے ساتھ آؤ"۔

ماریا عرب عورت کو لے کر گلیوں اور بازاروں سے گزرتی شہر کی دیوار کے پاس آ گئی۔ اس نے عرب عورت کو ایک طرف کر لیا اور کہا۔

"یہاں سے تمہارا اکیلی بچوں کے ساتھ نکل جانا بڑا مشکل ہے۔ یہ لوگ تمہیں پکڑ لیں گے"۔

"پھر میں کیا کروں؟"۔

عرب عورت نے کہا۔

ماریا کہنے لگی۔

تم ان ہی جھاڑیوں کے پاس ٹھہرو میں کہیں سے گھوڑا

لاتی ہوں اگر تم میرے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو جاؤ تو تمہیں بھی میرے ساتھ کوئی نہیں دیکھ سکے گا۔

تم بھی میری طرح سے غائب ہو جاؤ گی۔میں ابھی گھوڑا لے آتی ہوں۔

خبردار! ان جھاڑیوں میں ہی اپنے بچوں کے ساتھ چھپے رہنا۔کہیں مت جانا۔ میں بڑی جلدی گھوڑا لے کر آتی ہوں۔

"بہت اچھا بہن! میں اسی جگہ بیٹھی رہوں گی"۔

ماریا وہاں سے ہٹ کر شہر کے دروازے کی طرف آ گئی، کیونکہ اس طرف ماریا کو کچھ گھوڑے دکھائی دے رہے تھے۔ دروازے پر وحشی سپاہی کھڑے آپس میں ہنسی مذاق کر رہے تھے۔

اتنے میں شہر کی حویلی کی جانب سے ایک گھوڑا سوار بھاگتا ہوا آیا۔وہ گھوڑے سے اتر کر بولا۔

سنو! سپہ سالار کو قتل کر دیا گیا ہے۔عرب عورت بھاگ گئی ہے،وہ شہر سے باہر نہ جانے پائے،اسے پکڑ لیا جائے یہ کہہ کر گھوڑ اسوار وہاں سے دوسری طرف نکل آیا۔

ماریا نے سوچا کہ یہ بہت برا ہوا جو یہاں سالار کے قتل کی خبر پہنچ گئی۔اس خبر نے ہر طرف ایک افراتفری سی مچا دی۔ وحشی سپاہی بڑے چوکس ہو گئے۔شہر کے دروازے پر پہرہ زیادہ سخت کر دیا گیا۔

ماریا خاموشی سے چلتی ایک درخت کے پاس آ گئی جہاں کچھ سپاہی اور دو یہودی سوداگر بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔دو سپہ سالار کے قتل پر ہی باتیں کر رہے تھے۔

ایک یہودی جو بڑا کپا سا تھا، گھوڑے پر سے اتر کر سپاہیوں کے پاس آیا اور کہنے لگا۔

"اگر ہمارے سپہ سالار کا قاتل مل جائے تو میں اپنی ساری دولت انعام میں دے دوں گا"۔

یہودی چنگیزی سپاہیوں کے ساتھ مل گئے تھے اور ان کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف دشمنی کر رہے تھے۔ ماریا کو یہودی بڑا زہر لگا۔

اس نے فیصلہ کرلیا کہ وہ اسی سازشی مکار کا گھوڑا اڑائے گی۔ وہ بڑی خاموشی سے یہودی کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔

یہودی کا گھوڑا بڑا اچھا کتا تھا۔ ابھی تک یہودی نے گھوڑے کی باگ اپنے ہاتھ میں تھام رکھی تھی۔ ماریا چاہتی تھی

کہ وہ باگ ہاتھ سے چھوڑے تو وہ گھوڑے پر سوار ہو کر وہاں سے بھاگ جائے۔

مگر یہودی کم بخت باگ کو ہاتھ سے چھوڑ ہی نہیں رہا تھا۔ ادھر عرب عورت بے کسی کی حالت میں بے کسی کی حالت میں بیٹھی تھی۔

وقت گزرتا جا رہا تھا۔ ماریا نے آگے بڑھ کر یہودی کے ہاتھ سے لگام جھٹک دی۔ اس کے ہاتھ سے گر پڑی۔ یہودی نے غصے سے گھوڑے کو دیکھا۔

"کمینے! پھر منہ زوری کر رہے ہو"۔

اس کا خیال تھا کہ گھوڑے نے لگام اس کے ہاتھ سے کھینچی ہے۔ یہودی نے آگے بڑھ کر لگام پھر سے ہاتھ میں پکڑ لی اور سپاہیوں سے باتیں کرنے لگا۔

وقت گزر رہا تھا۔ ماریا کو جلدی سے جلدی عرب عورت
اور اس کے بچوں کے پاس پہنچنا تھا۔ اب اس سے زیادہ
انتظار نہیں ہو رہا تھا۔

اس نے یہی فیصلہ کیا کہ گھوڑے کو بھگا کر لے جائے۔

یہ سوچ کر اس نے زور سے باگ کو پکڑ کر جھٹکا دیا۔ باگ
یہودی کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔

وہ گھوڑے کی طرف ہنٹر لے کر مڑا ہی تھا کہ ماریا نے
اسے زور سے دھکا دے کر پرے گرا دیا اور خود چھلانگ لگا کر
گھوڑے پر چڑھ گئی۔

سپاہیوں کے دیکھتے دیکھتے گھوڑا غائب ہو گیا۔ یہودی
آنکھیں کھول کھول کر ادھر ادھر تکنے لگا کہ گھوڑا کہاں چلا گیا۔
اسے گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز بھی سنائی دی، کیونکہ گھوڑا

نئے سوار کو محسوس کر کے گھبرا گیا تھا۔

ماریا نے اس کی گردن پر پیار سے ہاتھ پھیرا اور اسے
قدم قدم چلاتی آگے بڑھی۔۔ یہودی چلایا۔

"مجھے گھوڑے کی قدموں کی آواز سنائی دے رہی ہے۔
لوگو پکڑو! میرا گھوڑا جا رہا ہے"۔

سپاہی بولا!

"کمینے موٹے! کہاں نظر آ رہا ہے تمہارا گھوڑا۔ بکواس
کرتے ہو؟"۔

اور سپاہی نے ایک دھول موٹے یہودی کے سر پر دے
ماری۔ یہودی سر پیٹ کر رہ گیا۔ ماریا گھوڑے پر سوار اسے
دوڑاتی اسی جگہ آ گئی جہاں عرب خاتون اپنے بچوں کو لیے
جھاڑیوں میں چھپی بیٹھی تھی۔

مگر اچانک وہاں آ کر کیا دیکھتی ہے کہ عرب خاتون وہاں کہیں بھی نہیں ہے۔ ماریا تو پریشان ہو گئی۔ گھوڑے پر سوار اسے لے کر شہر کے دروازے پر آ گئی۔

اس نے دیکھا کہ عرب خاتون اور اس کے بچوں کو وحشی سپاہیوں نے پکڑ رکھا ہے۔ وہ بے چاری ڈیوڑھی کی چوکی کے فرش پر بیٹھی رو رہی ہے۔

ماریا سمجھ گئی کہ اس کے جانے کے بعد چنگیزی سپاہی اسے گرفتار کر کے لے گئے ہیں۔ وہ سوچنے لگی کہ اب اسے یہاں سے کس طرح بچایا جائے؟ دن ڈھلنا شروع ہو گیا تھا۔

عنبر اور ناگ کے بارے میں اسے معلوم تھا کہ وہ حوالات کے تہہ خانے میں بند پڑے ہیں مگر وہ ان کی طرف

سے مطمئن تھی کہ وہ اپنی حفاظت کر سکتے ہیں۔

ماریا واپس اسی جگہ آ گئی جہاں اس نے عرب عورت کو چھپایا تھا۔ ماریا گھوڑے سے نیچے اتر پڑی۔ اس نے گھوڑے کو اونچی جھاڑیوں کے پیچھے ایک درخت کے ساتھ باندھ دیا اور خود پیدل ہی ڈیوڑھی کی طرف آ گئی۔

وہ ڈیوڑھی کی چوکی میں داخل ہو گئی۔ اندر داخل ہوتے ہوئے اس کا ہاتھ لگنے سے دیوار کے ساتھ لگا ہوا نیزہ گر پڑا۔ داروغہ نے چیخ کر کہا۔

”حرامی لوگو! تم کیا کر رہے ہو۔ تم سے آرام کے ساتھ کھڑا بھی نہیں ہوا جاتا؟“۔

سپاہی وہاں کھڑے ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھنے لگے کیونکہ کسی کے بھی ہاتھ یا بازو لگنے سے نیزہ نہیں گرا تھا۔

ہاتھ تو ماریا کا لگا تھا۔

مگر ماریا کسی کو دکھائی ہی نہیں دے رہی تھی۔ ماریا چپکے سے چلتی ہوئی عرب خاتون کے پاس آ کر زمین پر بیٹھ گئی۔ اس نے اس کے کان میں آہستہ سے کہا۔

"گھبراؤ نہیں۔ میں تمہیں یہاں سے نکال لے جاؤں گی"۔

عرب خاتون نے تعجب سے دائیں بائیں دیکھا۔ وہ سمجھ گئی کہ نیک دل غائب لڑکی اس کی مدد کو پہنچ گئی۔ ماریا اس کے پاس ہی زمین پر بیٹھی تھی۔

اس کے سامنے تخت پر داروغہ اپنے غلاموں کے ساتھ بیٹھا تھا۔ اس نے ایک غلام سے کہا۔

"اس عورت کو یہاں سے لے جاؤ۔ اسے رسیوں میں

جکڑ کر بند کر دو۔ میں ابھی اسے لے کر سپہ سالار کے گھر جا کر اسے خود اٹیلا کے حضور پیش کروں گا"۔

ایک غلام آگے بڑھا۔ اس نے عرب خاتون کو ایک زوردار تھپڑ مارا۔ بے چاری شریف عورت درد سے چیخ اٹھی۔ ماریا نے غلام کو آگے بڑھ کر اس زور سے جوابی تھپڑ مارا کہ وہ بھی چیخ اٹھا۔

داروغہ گرجا۔

"یہ لڑائی بند کرو بدبختو! لے جاؤ اس عرب عورت اور اس کے بچوں کو۔ لے جا کر اسے بند کر دو"۔

دو غلام آگے بڑھے۔ انہوں نے عرب خاتون اور اس کے بچوں کو اٹھایا اور ڈیوڑھی کے پچھلے حصے میں ایک کوٹھڑی میں لے جا کر بند کر دیا۔

باہر پہرہ بٹھا دیا گیا۔ ماریا وقت ضائع نہیں کر سکتی تھی۔
اسے ابھی عنبر اور ناگ کی بھی جا کر خبر لینی تھی۔ وہ تو اس عورت
کی صرف مدد کرنا چاہتی تھی۔
اس نے وعدہ کر لیا تھا، اب وہ اسے ان وحشی درندوں
کے پاس نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔
دروازے پر ایک حبشی غلام پہرہ دے رہا تھا۔
ماریا نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ واپس جا کر گھوڑے
کو جھاڑیوں کے پاس سے کر لیا۔ اس پر جلدی سے سوار ہوئی
اور اسے قدم قدم چلاتی ڈیوڑھی میں آ گئی۔
جب وہ ڈیوڑھی میں سے گذر رہی تھی تو داروغے نے
کان لگا کر کہا۔
''ارے بدبختو! یہ گھوڑے کی آواز کہاں سے آ رہی

ہے؟''۔
سپاہی نے کہا۔
''حضور! یہاں تو کوئی بھی گھوڑا نہیں گزر رہا؟''۔
داروغہ بولا۔
''یہی تو میں کہہ رہا ہوں کہ گھوڑا کوئی گذر نہیں رہا''۔
پھر بھی گھوڑے کے قدموں کی آواز آ رہی ہے۔ حبشی
غلام ڈر گئے۔ کیونکہ وہ کالے جادو پر بڑا اعتقاد رکھتے تھے۔
ایک حبشی نے کہا۔
''یہ کوئی بھوت ہے''۔
دوسرا بولا۔
''کالا بھوت ہے''۔
تیسرے نے کہا۔

"شہر میں بھوت آ گئے ہیں"۔

"خاموش بدبختو!"

دراوغہ گرجا۔

"جاؤ اپنا اپنا کام کرو خبردار جو کسی نے پھر بھوت کا لفظ زبان سے نکالا"۔

حبشی ادھر ادھر چلے گئے۔ ماریا ڈیوڑھی میں سے گزر گئی۔ اس نے دروازے سے باہر جا کر پرے درختوں کے ایک جھنڈ میں جا کر اپنے اونٹ دیکھے۔

وہاں کوئی بھی اونٹ نہیں تھا۔ سپاہی ان کے اونٹ اور تھوڑا بہت سامان لوٹ کر لے گئے تھے۔ وہ گھوڑے پر سے اتر پڑی۔

اس نے گھوڑے کو درخت کے ساتھ باندھا اور بڑی تیزی

سے چل کر واپس ڈیوڑھی میں اس جگہ آ گئی۔ جہاں عرب خاتون کو بچوں کے ساتھ کوٹھڑی میں بند کیا گیا تھا۔

کوٹھڑی کے باہر حبشی پہرہ دے رہے تھے۔ ماریا اس کے پاس ہی جا کر کھڑی ہو گئی۔

اتنے میں وہاں ایک اور حبشی آ گیا۔ یہ آنے والا حبشی بھوتوں کی باتیں سن کر سخت ڈرا ہوا تھا۔

اس نے آتے ہی پہرے دار حبشی سے کہا۔

"یارا! شہر میں بھوت آ گیا ہے"۔

پہرے دار اچھل کر بولا۔

"کیا کہا؟ بھوت؟ کہاں ہے بھوت؟"۔

حبشی بولا۔

"میں نے خود بھوت کی آواز سنی ہے۔ وہ گھوڑا بن کر

غائب ہو کر ڈیوڑھی میں سے گذر رہا تھا''۔

''سچ کہہ رہے ہو؟''۔

''میں قسم کھا کر کہتا ہوں ۔ ایک نہیں ۔ تین چار بھوت یہاں آ گئے ہیں۔ ہمیں اب یہاں سے بھاگنا پڑے گا۔ یہ شہر بھوتوں کا شہر بن گیا ہے''۔

''دیوتا مجھے معاف کریں۔ اب کیا ہوگا؟''۔

''بس ہونا کیا ہے؟ یہاں سے موقع ملتے ہی بھاگ جائیں گے۔ نہیں تو بھوت ہمیں کھا جائیں گے''۔

''ٹھیک ہے۔ ہم بھاگ جائیں گے''۔

پہلا حبشی، دوسرے حبشی کو ڈرا کر چلا گیا۔ ماریا اس کے پاس ہی کھڑی تھی ۔ جب پہرے دار اکیلا رہ گیا تو ماریا نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر ایک چپت لگائی۔ حبشی نے چکر کھا

کر ادھر ادھر دیکھا۔ اور تلوار نکال لی۔

''کون ہے۔ کون ہے؟''۔

ماریا نے آواز بنا کر کہا۔

''بھوت ۔۔ بھو۔۔ بھوت!''

اب تو حبشی کو پسینہ آ گیا ۔ وہ جہاں کھڑا تھا، وہاں کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔

ماریا نے پیچھے سے اس کی پیٹھ پر ایک زبردست لات ماری اور ساتھ ہی منہ سے ایک خوفناک چیخ نکالی۔ حبشی خود چیخ مار کر اچھلا اور وہاں سے شور مچاتا اٹھ بھاگا۔

ماریا نے جلدی سے کوٹھڑی کا تالا تلوار کا دستہ مار کر توڑ دیا۔ پھر دروازہ کھول کر اندر گئی اور عرب خاتون سے کہا۔

''اب دیر نہ کرو۔ جلدی سے باہر چلو''۔

ماریا نے عرب خاتون اور بچوں کو ساتھ لیا اور کوٹھڑی سے
نکل کر ڈیوڑھی میں سے باہر نکل گئی۔ وہ عرب خاتون کو دوڑاتی
ہوئی ساتھ لیے جا رہی تھی۔

وہ جلدی درختوں میں پہنچ گئے۔ اس وقت تک ڈیوڑھی
میں شور مچ گیا تھا کہ عرب عورت بھاگ گئی ہے۔ داروغہ
چلایا۔

"پکڑو پکڑو۔ جانے نہ پائے۔ پکڑو پکڑو اسے"۔

سارے کے سارے سپاہی ڈیوڑھی سے باہر بھاگے۔
انہوں نے عرب عورت کو بچوں کے ساتھ درختوں کے جھنڈ کی
طرف بھاگتے دیکھا۔ وہ نعرے لگاتے تلواریں لہراتے عرب
خاتون کے پیچھے بھاگے۔

"جلدی سے گھوڑے پر سوار ہو جاؤ"۔

ماریا نے عرب عورت سے کہا۔

ان بچوں کو پہلے۔ سوار کرا دو۔ خدا کے لیے دیر نہ کرو۔ وہ
لوگ آ رہے ہیں"۔

عرب عورت نے دونوں بچوں کو گھوڑے بٹھایا۔ پھر خود
بھی سوار ہو گئی۔ سپاہیوں نے اسے گھوڑے پر سوار ہوتے
دیکھ لیا تھا۔

انہوں نے تیر برسانے شروع کر دیے۔ تیروں کی ایک
بوچھاڑ ان کے سروں کے اوپر سے گزر گئی۔ موقع بڑا نازک
تھا۔ ماریا بھی لپک کر گھوڑے پر سوار ہو گئی، اس کے سوار
ہوتے ہی گھوڑا غائب ہو گیا۔

ماریا نے گھوڑے کو بجلی جیسی تیزی کے ساتھ دوسری
طرف موڑ لیا، تاکہ وہ تیروں کی بارش سے بچے رہیں۔ سپاہی

اور غلام چکر کھا گئے کہ گھوڑا کہاں غائب ہو گیا؟ ایک سپاہی بولا۔

"ابھی ابھی تو گھوڑا موجود تھا۔ میں نے خود اس پر عرب عورت کو سوار ہوتے دیکھا تھا"۔

"تو پھر کہاں چلا گیا؟"۔

ایک حبشی نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"کہیں یہ بھوت نہ ہو"۔

اتنا سننا تھا کہ سارے حبشی چیخیں مارتے، بھوت بھوت کرتے وہاں سے بھاگ گئے۔ سپاہی انہیں آوازیں دیتے ہی رہ گئے۔

مگر وہ بھلا کہاں رکنے والا تھا۔ اب سپاہی بھی واپس ڈیوڑھی میں چلے گئے، کیونکہ ان کے لاکھ تلاش کرنے کے

باوجود عرب خاتون اور اس کا گھوڑا کہیں نہیں ملا تھا۔

ماریا گھوڑے کو دوڑاتی۔ عرب خاتون کے اشارے پر شہر سے جنوب کی طرف آ گئی۔ یہاں ریت کے ٹیلوں کے دامن میں ایک پرانا مقبرہ تھا۔

یہاں پہنچ کر ماریا گھوڑے سے اتر گئی۔ عرب خاتون بھی بچوں کو لے کر نیچے اتر آئی۔ اندر سے نوکر باہر آ گئے۔ انہوں نے مالکہ کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ ماریا نے کہا۔

"اے خاتون! اب میں جاتی ہوں، کیونکہ میرا خیال ہے کہ اب تم آرام سے واپس کسی دوسرے شہر پہنچ جاؤ گی"۔

"ہاں بہن! میں تمہارا احسان ساری زندگی نہیں بھلا سکوں گی، تم نے میری اور میرے بچوں کی جان بچا کر مجھے ہمیشہ کے لیے خرید لیا ہے"۔

"یہ میرا فرض تھا بہن! خدا حافظ"۔

ماریا گھوڑے پر سوار اسے سرپٹ دوڑاتی واپس شہر کے دروازے پر آ گئی۔ اب شام کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ ابھی اسے عنبر اور ناگ کو بچانا تھا۔

غیر آباد خانقاہ

حوالات والی ڈیوڑھی میں شمع جل رہی تھی۔

ماریا ڈیوڑھی میں ایک طرف خالی بنچ پر بیٹھ گئی۔ اسے اب پھر بھوک ستانے لگی تھی۔

وہاں کھانے کو کچھ بھی نہیں تھا۔ اس نے سوچا کہ وہ کھانا لے کر عنبر اور ناگ کے پاس جانے کی کوشش کرے گی۔ ابھی وہ یہ سوچ ہی رہی تھی کہ اسے سامنے سے کمانڈر آتا دکھائی دیا۔

اس کے ساتھ ایک حبشی غلام بھی تھا جس نے سر کے اوپر کھانے کی چنگیر اٹھا رکھی تھی۔

اس میں ظاہر ہے دو چار سوکھی روٹیوں کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ ماریا بھی تیزی سے اٹھی اور ان کے ساتھ اندر ہی چلی گئی۔

اندر سیڑھیاں تھیں۔ جو نیچے تہہ خانے کی حوالات میں اتر گئی تھیں۔ حوالات میں عنبر اور ناگ زمین پر رسیوں میں بندھے ہوئے بیٹھے تھے۔ ناگ کہہ رہا تھا۔

میں سانپ بن کر ساری کوٹھڑی کا چکر لگا چکا ہوں۔ کم بخت کسی جگہ کوئی معمولی سا سوراخ بھی نہیں ہے۔ جہاں سے میں باہر کی ہوا کھا سکوں۔

عنبر نے کہا۔

''کوئی بات نہیں۔ ابھی کوئی نہ کوئی آ رہا ہوگا۔ میرا خیال ہے، یہ رات یہاں آخری رات ہوگی۔ کمانڈر ہمیں صبح ضرور یہاں سے نکال کر لے جائے گا۔ مجھے تو فکر ماریا کی ہے۔ بے چاری خدا جانے کہاں بھٹکتی پھر رہی ہوگی''۔

''شی! کوئی آ رہا ہے''۔

ناگ نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر کہا۔ برآمدے میں قدموں کی آواز آنے لگی تھی۔

اتنے میں کمانڈر اور حبشی غلام دروازہ کھول کر اندر کوٹھڑی میں آ گئے۔ ماریا بھی ان کے ساتھ ہی اندر آ گئی۔ ماریا نے سب سے پہلے ناگ اور عنبر کے قریب جا کر سرگوشی میں کہا۔

''میں آ گئی ہوں''۔

''خدا کا شکر ہے''۔ عنبر کے منہ سے نکل گیا۔

کمانڈر نے غصے سے کہا۔

"تم اس اندھیری کوٹھڑی میں بھی اپنے خدا کا نام لینے سے باز نہیں آ رہے؟"۔

عنبر نے کہا۔

"ہم خدا کو ہمیشہ اور ہر حالت میں یاد کرتے ہیں"۔

"ہم اپنے خدا سے کبھی غافل نہیں رہے"۔

کمانڈر نے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔ اور ایک دن اپنے خدا کو یاد کر لو۔ کل اس وقت تمہاری لاشوں کے ٹکڑے دریائے دجلہ میں مچھلیاں کھا رہی ہوں گی"۔

کمانڈر نے حبشی سے کہا۔

"انہیں روٹیاں دے دو"۔

حبشی غلام نے تین چار خشک روٹیاں چنگیر میں سے نکال کر عنبر اور ناگ کے سامنے پھینک دیں۔

کمانڈر نے کہا۔

"اگر تم اب بھی مجھے بتا دو کہ تم کس کی طرف سے مسلمانوں کی جاسوسی کرنے آئے ہو تو میں تمہاری جان بخشی کروا سکتا ہوں"۔

عنبر نے کہا۔

"ہم جاسوس نہیں ہیں۔ ہم کسی کی جاسوسی کرنے نہیں آئے۔"

کمانڈر نے غصے میں آ کر کہا۔

"تم جھوٹ بولتے ہو۔ تم دونوں جاسوس ہو۔ تم میرے سامنے انکار کر رہے ہو۔ مگر اٹیلا خان کے سامنے جا کر تم خود

ہی سچ بولنا شروع کردو گے"۔

ناگ نے کہا۔

"جناب! ہم اب بھی سچ بول رہے ہیں اور ہم آپ کے
اٹیلا کے آگے بھی جا کر سچ بولیں گے۔ ہمیں کسی نے بغداد
میں جاسوسی کے لیے نہیں بھیجا۔ ہم اس شہر کی سیر کرنے آئے
تھے کہ تم لوگوں نے پکڑ لیا"۔

کمانڈر نے کہا۔

"یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایسی افراتفری کی حالت میں کوئی
یہاں سیر کرنے کے لیے آئے؟"۔
ہر شخص کو اپنی جان عزیز ہوتی ہے۔ صرف جاسوس ہی ایسا
خطرہ مول لے سکتا ہے، کیونکہ اسے جاسوسی کے لیے بہت
بھاری انعام دیا جاتا ہے، کیا اب بھی تم انکار کرتے ہو؟۔

عنبر بولا۔

"ہاں ہم انکار کرتے ہیں۔ ہم جاسوس نہیں ہیں۔ آپ
لوگوں نے ہمیں خوامخواہ پکڑ کر قید میں ڈال دیا ہے"۔

کمانڈر نے کہا۔

"اور میں بھی ایک بات تمہیں آخری بار کہہ دینا چاہتا
ہوں، اگر کل شام تک تم نے اپنے جرم کا اقبال نہ کیا تو تمہاری
گردنیں اڑا دی جائیں گی"۔

ناگ نے کہا۔

"اور میں بھی ایک بات تمہیں آخری بار کہہ دینا چاہتا
ہوں کہ اگر تم نے صبح ہونے تک ہمیں آزاد نہ کیا تو تمہاری
لاش اس حوالات کی ڈیوڑھی میں پڑی ہوگی"۔

کمانڈر کو ایسی گستاخی کی بات آج تک کبھی کسی نے نہیں

کہی تھی۔

اسے ناگ کی بات پر سخت غصہ آ گیا۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر بے زور سے ناگ کے منہ پر تھپڑ مار دیا۔ ناگ گر پڑا۔ ماریا غصے میں کانپنے لگی۔

ناگ کو غصے کی حالت میں نہ جانے کیا ہوا کہ اس نے زور سے پھنکار ماری۔ اس کے منہ سے نیلا جھاگ ٹپکا اور وہ پلک جھپکنے میں ایک سبز رنگ کا ایک بہت بڑا اژدہا بن کر سامنے آ گیا۔

حبشی غلام نے ایک انسان کو اژدہا بنتے دیکھا تو وہ چیخ مار کر بے ہوش ہو کر فرش پر گر پڑا۔

کمانڈر خوف کے مارے سہم کر پرے ہٹ گیا۔ پھر اس نے تلوار نکال کر ناگ پر وار کرنا چاہا۔ پیچھے ماریا نے اسے زور

سے دھکا دے دیا۔

وہ اوندھے منہ گر پڑا۔ اژدہا نے کمانڈر کی گردن پر ڈس دیا۔ یہ زہر اس قدر خوفناک اور قاتل قسم کا زہر تھا کہ کمانڈر کے جسم میں داخل ہوتے ہی اس کا خون ایک دم جم گیا اور سارا جسم پھٹ پڑا۔

ناگ اسی وقت پھر انسان کی شکل میں آ گیا۔

عنبر نے ہنس کر کہا۔

"ناگ بھائی! یہ تمہیں اچانک کیا ہو گیا تھا؟"۔

ناگ بولا۔

"اس کم بخت نے میرے منہ پر اس زور سے تھپڑ مارا تھا کہ میں غصے میں پاگل ہو گیا۔ میں اسے اب زندہ نہیں چھوڑ سکتا تھا، چاہے میری اپنی جان چلی جاتی"۔

ماریا نے کہا۔

"چلو اچھا ہے کہ تم نے اپنا بدلہ بھی لے لیا اور ہم سب کا راستہ بھی صاف کر دیا"۔

ناگ نے کہا۔

"تمہارا بھی شکریہ ماریا بہن، اگر تم اس موذی کو پیچھے سے دھکا نہ دیتیں تو ہو سکتا تھا کہ اس کی تلوار کا وار مجھے سخت زخمی کر دیتا۔ یہ بتاؤ تم کہاں رہیں؟"۔

عنبر نے کہا۔

"یہ وقت کہانیاں سنانے کا نہیں ہے ناگ! ماریا سے اس کی کہانی پھر سن لیں گے۔ ابھی تو یہاں سے بھاگو۔ ہمیں اور بھی بہت سے کام کرنے ہیں"۔

تینوں بہن بھائی حوالات سے نکل کر سیڑھیاں چڑھتے

اوپر ڈیوڑھی میں آ گئے۔

وہاں سپاہی دروازہ بند کیے پہرہ دے رہے تھا۔ عنبر نے اندر سے دروازے پر دستک دی باہر سے پہرے دار سپاہی نے یہ سمجھا کہ ان کا کمانڈر واپس آ رہا ہے۔ اس نے جلدی سے دروازہ کھول دیا۔

عنبر ناگ اور ماریا باہر نکلے تو سپاہی نے ان پر حملہ کر دیا۔ ماریا نے تلوار چھین کر سپاہی کے سینے میں گھونپ دی۔ وہ چیخ مار کر گرا۔

اس کی چیخ کی آواز سن کر سامنے سے سپاہی دوڑے۔ عنبر اور ناگ وہاں سے بھاگ اٹھے۔ ماریا نے دور سے آتے ہی سپاہیوں کی خوب گت بنائی۔ اس کے بعد ماریا بھی عنبر اور ناگ کے ساتھ آن ملی۔

رات کا اندھیرا پھیل گیا تھا۔ بغداد شہر کے گلی کوچوں اور مکانوں میں کہیں کہیں روشنی ہو رہی تھی۔ وہ بچتے بچاتے اندھیرے میں چھپتے چھپاتے شہر کی دوسری جانب نکل آئے۔

یہاں زیادہ تر غریب ماہی گیروں کی آبادی تھی۔ ایک پرانی خانقاہ بھی تھی جس کے اونچے گنبد پر شمع جل رہی تھی۔ عنبر نے کہا۔

"میرا خیال ہے، ہمیں اس خانقاہ میں رات بسر کرنی چاہیے کیونکہ اس وقت سرائے میں جانا خطرے سے خالی نہیں ہے"۔

ناگ نے کہا۔

"میرا خیال ہے، ہمیں ایسا ہی کرنا چاہیے۔ چلو خانقاہ

میں چلتے ہیں"۔

ماریا کہنے لگی۔

پہلے ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ اس خانقاہ میں کون رہتا ہے کہیں ایسا تو نہیں کہ یہاں چنگیزی سپاہیوں نے قبضہ کر رکھا ہو"۔

عنبر نے کہا۔

"یہ کام تو پھر تم ہی کر سکتی ہو۔ جاؤ اندر جا کر پتا کرو کہ خانقاہ خالی ہے یا کوئی اس میں رہتا ہے"۔

ماریا بولی۔

"میں جا کر پتا کرتی ہوں"۔

ماریا نے دیکھا کہ خانقاہ کے اندر ڈیوڑھی میں ایک ننھا سا دیا جل رہا تھا۔ ماریا ڈیوڑھی میں سے گزر کر بڑے کمرے

میں آ گئی۔

یہاں دیواریں پتھروں کی بنی ہوئی تھیں۔ درمیان میں ایک قبر تھی جس پر عربی زبان میں کچھ لکھا ہوا تھا۔

ایک طرف دیوار میں دروازہ تھا جو بند تھا۔ ماریا کو بڑی حیرت ہوئی کہ اس خانقاہ کا دروازہ کیوں کھلا تھا؟ اگر دروازہ کھلا تھا تو اس کے اندر رہنے والے کہاں چلے گئے ہیں؟ ماریا نے درو دیوار والے دروازے کے پاس جا کر اسے ذرا سا دھکیلا۔

دروازہ اندر سے بند تھا۔ ماریا نے دروازے کے ساتھ کان لگا کر سننے کی کوشش کی کہ اندر کوئی باتیں تو نہیں کر رہا؟ اندر گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

ماریا خانقاہ سے باہر آ گئی۔ باہر اس نے عنبر اور ناگ کو

بتایا کہ خانقاہ ویران ہے۔ کسی نے وہاں چراغ جلا دیا ہے۔ بس اب وہاں کوئی نہیں رہتا۔ اندر صرف ایک قبر ہے۔

"ٹھیک ہے۔ ہمیں بھی تو صرف رات ہی بسر کرنی ہے۔ رات کی رات یہاں رہ کر منہ اندھیرے کسی سرائے میں اٹھ جائیں گے"۔

ماریا نے کہا۔

"تو پھر اندر چلیں"۔

تینوں خانقاہ کے اندر آ گئے اور قبر کے پاس بیٹھ کر آرام کرنے لگے۔

زمین پر خشک گھاس بچھی ہوئی تھی۔ ناگ نے کہا۔

"میرا تو خیال ہے کہ اسی جگہ پڑ کر سو رہتے ہیں"۔

عنبر مسکرا کر بولا

"تو اور کون سے یہاں کم خواب کے ریشمی بستر لگے ہیں
ہمارے لیے بھائی؟ اسی خشک گھاس پر سونا ہے"۔

ناگ نے کہا۔

"خدا کی قسم! اس خشک گھاس پر جتنے مزے کی نیند آتی
ہے، اتنی کسی بادشاہ کو کم خواب کے بستر پر کہاں آتی ہوگی"۔

ماریا نے پوچھا۔

"عنبر بھائی! اب ہمیں آگے کیا کرنا ہے؟"۔

عنبر بولا۔

"ہمیں اس شہر کے خلیفہ اور اس کے بچوں کو وحشی چنگیزی
سپاہیوں سے بچا کر نکال لے جانا ہے"۔

ماریا نے کہا۔

"ہم انہیں نکال کر کہاں لے جائیں گے بھائی؟"۔

عنبر بولا۔

"یہ خلیفہ ہمیں خود بتا دے گا کہ وہ کہاں جا کر پناہ حاصل
کر سکتا ہے۔ پہلے اسے یہاں سے بھگانا ہوگا"۔

ماریا نے کہا۔

"خدا کرے کہ صحرا میں دجلہ کے کنارے ہمارے
خزانے کا صندوق بچا رہے۔ ایسا نہ ہو کہ ڈاکو اس کا بھی صفایا
کر دیں۔ ہمارا جہاز بھی تو ابھی دریا میں کھڑا ہے"۔

عنبر بولا۔

ماریا بہن! خزانہ ہم نے دریا کنارے ایسے پرانے
مقبرے کے کھنڈر میں دفن کیا ہے۔ کہ وہاں وہ ہزار سال تک
دبا پڑا رہ سکتا ہے۔

باقی بادبانی جہاز دریا کی کھاڑی میں نظروں سے چھپ کر

لمبی لمبی دلدلی گھاس میں کھڑا ہے۔ ہاں اگر کسی کی نظر اس
پر پڑ گئی۔ تو وہ اسے اغوا کر کے لے جا سکتا ہے۔ مگر فکر نہ کرو۔
خزانہ ہمارا بالکل محفوظ رہے گا۔

وہ باتیں کرتے کرتے سونے لگے۔ عنبر اور ناگ نے تو
ہلکے ہلکے خراٹے بھی لینے شروع کر دیئے۔

صرف ماریا جاگ رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اسے بھی نیند
آنے لگی۔ اس نے اونگھنا شروع کر دیا۔ وہ اونگھ رہی تھی کہ
اچانک اسے خانقاہ کے دروازے کے زور سے بند ہونے کی
آواز سنائی دی پھر لوگوں کی باتیں کرنے کی آوازیں سنائیں
دیں۔

کچھ لوگ اندر آ رہے تھے۔ ماریا نے جلدی سے عنبر اور
ناگ کو جگا دیا۔

"جاگو بھائی! کچھ لوگ اندر آ رہے ہیں"۔

عنبر اور ناگ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے۔ وہ جلدی سے ستونوں
کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گئے۔

ڈیوڑھی والا دروازہ کھلا اور چار عرب اندر داخل ہوئے۔
انہوں نے عربی لباس پہن رکھا تھا۔ ایک ان میں سے پکی عمر
کا تھا جس کو وہ سارے درویش کے نام سے یاد کر رہے تھے۔
باقی تینوں نوجوان سے تھے۔ وہ آپس میں باتیں کرتے
ہوئے دیوار والے دروازے کی طرف بڑھے۔ انہوں نے
دروازے پر تین بار دستک ہوئی۔ اندر سے دروازہ کھل گیا۔

چاروں عرب اندر چلے گئے۔ دروازہ اپنے آپ پھر بند
ہو گیا۔ عنبر اور ناگ نے دروازے سے کان لگا دیئے۔ اندر وہ
اس قسم کی باتیں کر رہے تھے جیسے وہ بغداد کے خلیفہ کے اپنے

آدمی ہوں۔ اور اسے بچانے کی فکر میں ہوں۔

عنبر نے کہا۔

"یہ لوگ ہمارے ساتھی ہیں۔ یہ خلیفہ کے اپنے خاص آدمی ہیں جو اسے اٹیلا کی ظالمانہ قید سے رہائی دلانا چاہتے ہیں۔"

ناگ بولا۔

"معلوم تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ ان کے چہروں سے شاہی رعب ٹپکتا ہے۔ تو کیا پھر ان لوگوں سے بات کی جائے"۔

عنبر بولا۔

"نہیں ہمیں اتنی تیزی سے کام نہیں لینا چاہیے۔ ذرا کچھ سوچ سمجھ سے بھی کام لینا ہوگا"۔

ماریا نے کہا۔

"میرا خیال ہے، اب دروازہ کھلے تو میں اندر جا کر معلوم کرنے کی کوشش کروں گی کہ یہ لوگ اصل میں کون ہیں؟"۔

ناگ نے کہا۔

"ہو سکتا ہے، دروازہ ساری رات نہ کھلے"۔

"تو پھر میں کیا کر سکتی ہوں"۔

"میرا خیال ہے، تم دروازے پر دستک دو۔ وہ باہر آئیں گے تو تم جلدی سے اندر داخل ہو جانا"۔

"ٹھیک ہے"۔

عنبر اور ناگ ستونوں کے پیچھے چھپ گئے۔ ماریا دیوار والے دروازے پر گئی۔

اس نے جاتے ہی دروازے پر تین بار دستک دی۔ اندر سے دروازہ کھول دیا گیا۔ ایک عرب نوجوان نے آنکھیں

پھاڑ کر باہر دیکھا۔

''کون ہے باہر؟''۔

باہر کوئی بھی نہیں تھا۔ اس نے جلدی سے دروازہ بند کر دیا۔ وہ دروازے کے بالکل درمیان میں کھڑا تھا۔ اور ماریا کو موقع ہی نہ مل سکا کہ وہ اندر چلی جاتی۔

اب اس نے دروازہ بھی بند کر دیا تھا۔ ماریا واپس عنبر اور ناگ کے پاس آ گئی۔ وہ سوچنے لگے کہ اب کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟

کون سی ترکیب کی جائے کہ اندر والے عرب لوگوں سے بات چیت ہو سکے؟ وہ سوچ ہی رہے تھے کہ دروازہ کھلا اور ایک عرب نوجوان باہر آ گیا۔

اس کے باہر آتے ہی دروازہ پھر سے بند ہو گیا۔ عرب

نوجوان نے ایک ستون کے قریب جا کر پتھر ہٹایا اور ایک صندوقچی سی لے کر واپس کوٹھڑی میں چلا گیا۔ دروازہ پھر بند ہو گیا۔ مگر اس دوران میں ماریا اندر کوٹھڑی میں جا چکی تھی۔

☆ یہ عرب نوجوان کون تھے؟

☆ خانقاہ میں کون سا راز چھپا تھا؟

☆ بغداد میں اٹیلا کے ساتھ مقابلہ کیسے ہوا؟

☆ یہ سب کچھ آپ کو اس ناول کی اگلی یعنی

46ویں قسط پڑھ کر معلوم ہوگا۔